19

سلسلة خدمة الحديث النبوي

سلسلۂ تدوینِ حدیث کی اوّلیں کتاب

ارضِ پاک و ہند میں بزبانِ اُردو پہلی تحقیقی اور مفصل شرح

الموطاء

تصنیف

امام دار الهجرة مالك بن انس رحمہ اللہ

متوفی ۱۷۹ھ

ترجمہ و تخریج و شرح **حافظ ابو سمیعہ محمود تبسم** حفظہ اللہ

تحقیقی افادات

علامہ ناصر الدین البانی، ڈاکٹر سلیم الهلالی
احمد علی سلیمان المصری



نظر ثانی

شیخ الحدیث حافظ عبد اللہ رفیق و حافظ حامد محمود الخضری

تقریظ

شیخ الحدیث عبد اللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ

انصار السنہ پبلیکیشنز لاہور

سلسلۂ تدوینِ حدیث کی اوّلین کتاب

ارضِ پاک و ہند میں بزبانِ اُردو پہلی تحقیقی اور مفصل شرح

الموطاء

تصنیف

امام دار الهجرة مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ

متوفی ۱۷۹ھ

ترجمہ و تخریج و شرح حافظ ابو سمیعہ محمود تبسم حفظہ اللہ

تحقیقی افادات

علامہ ناصر الدین البانی، ڈاکٹر سلیم الهلالی

احمد علی سلیمان المصری

نظر ثانی

شیخ الحدیث حافظ عبد اللہ رفیق و حافظ حامد محمود الخضری

تقریظ

شیخ الحدیث عبد اللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ



انصار السنہ

پبلیکیشنز لاہور

اسلامی اکادمی ۱۷-الفضل مارکیٹ اُردو بازار لاہور

042-37357587

نام کتاب: **الموطأ**

تصنیف امام دار الہجرۃ مالک بن انس رحمہ اللہ متوفی ۱۷۹ھ ترجمہ و تخریج و شرح حافظ ابو سمیعہ محمود تبسم حفظہ اللہ

تحقیقی افادات
علامہ ناصر الدین البانی، ڈاکٹر سلیم الہلالی
احمد علی سلیمان المصری

نظر ثانی
شیخ الحدیث حافظ عبد اللہ رفیق
و حافظ حامد محمود الخضری

تقریظ شیخ الحدیث عبد اللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ

اہتمام: محمد رمضان محمدی محمد سلیم جلالی

ناشر: ابو مومن منصور احمد

اسلامی اکادمی ۱۷-الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور 042-37357587

Dar-us-Salam
486 ATLANTIC AVE, BROOKLYN, NY 11217
TEL(718) 625-5925 FAX:(718) 625-1511
E-Mail: darussalamny@gmail.com
Web Site: www.darussalamny.com

فہرست مضامین

(33)...... كِتَابُ الْبُيُوعِ — خرید وفروخت کے مسائل کی کتاب

(36)...... كِتَابُ كِرَاءِ الْأَرْضِ
زمین کو کرائے (ٹھیکے) پر دینے کے مسائل کی کتاب

(37)...... كِتَابُ الشُّفْعَةِ
حق شفعہ کے مسائل کی کتاب

(38)...... كِتَابُ الْأَقْضِيَةِ
عدالتی فیصلہ جات کے متعلق کتاب

33

كِتَابُ الْبُيُوعِ

خرید وفروخت کے مسائل کی کتاب

خلاصۃ الکتاب اس کتاب میں 46 ابواب اور 96 روایات ہیں، جن میں سے 41 مرفوع احادیث نبویہ، 29 موقوف (آثار صحابہ) اور 26 مقطوع (آثار تابعین) ہیں، پھر ان تمام میں سے 72 سنداً صحیح، 3 حسن اور 21 ضعیف ہیں، چنانچہ 41 مرفوع روایات میں سے 37 صحیح، 2 حسن اور 2 ضعیف ہیں۔ 29 موقوف روایات میں سے 14 صحیح، ایک حسن اور 14 ضعیف ہیں اور 26 مقطوع روایات میں سے 21 صحیح اور 5 ضعیف ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے 151 فتاویٰ جات بھی اس کتاب میں مذکور ہیں۔

فائدہ :...... چونکہ بیع یعنی خرید وفروخت کی مختلف اقسام ہیں اسی لیے یہ لفظ جمع کے صیغے سے ''بیوع'' ذکر کیا گیا ہے۔ عموماً بیع کے معنی بیچنے اور ''شراء'' کے معنی خریدنے کے ہوتے ہیں، لیکن دراصل دونوں کا استعمال بیچنے پر بھی اور خریدنے پر بھی ہوتا ہے، اس لیے ان دونوں لفظوں کو ''اضداد'' میں شمار کیا جاتا ہے، یعنی وہ الفاظ جن کا استعمال باہم متضاد معانی کے لیے ہوتا ہے۔ عموماً بیچنے والے کو ''بائع'' اور خریدنے والے کو ''مشتری'' کہتے ہیں۔ بیع کی لغوی تعریف یوں کی جاتی ہے: ((اَلْمُبَادَلَةُ بِمَالٍ بِغَرَضِ الْمِلْكِ)) ''ملکیت بنانے کی غرض سے مال کا مال سے تبادلہ کرنا۔'' اور شرعی اصطلاح میں ''باہمی رضا مندی کی شرط'' اس مذکورہ تعریف میں بڑھا دی جاتی ہے، جیسا کہ ایک حدیث مبارکہ میں بھی ہے: ((اِنَّمَا الْبَيْعُ عَنْ تَرَاضٍ)) ''یقیناً خرید وفروخت تو صرف اور صرف باہمی رضا مندی ہی سے (جائز) ہے۔'' (ابن ماجه: 2185، اس کی سند صحیح ہے۔ ارواء الغلیل: 1283)

بیع کے چار ارکان ہوتے ہیں: بائع (بیچنے والا)، مشتری (خریدار) بیع (وہ چیز جس کی خرید وفروخت ہو) اور ثمن (قیمت)......خرید وفروخت کی تمام اقسام چار قسموں سے پھوٹتی ہیں جو کہ حسب ذیل ہیں: (1) سامان کے بدلے سامان کی بیع۔ اسے مقابضہ بھی کہتے ہیں۔ (2) نقدی کے بدلے سامان کی بیع۔ اسے بیع ہی کہتے ہیں۔ (3) نقدی کے بدلے نقدی کی بیع، اسے ''صرف'' کہتے ہیں، یعنی کرنسی تبدیل کرانا، چینج لینا۔ (4) کسی بھی مال کے بدلے منفعت کی بیع یعنی

مال کے بدلے کوئی نفع اٹھانا۔ اسے ''اجارہ'' (کرایہ پر دینا، مزدور رکھنا) بھی کہتے ہیں...... بیع جائز ہونے کے لیے مندرجہ ذیل شروط ہیں: (1) عقد (معاملہ) کرنے والا عاقل اور تمیز رکھتا ہو (2) بیع (بیچی جانے والی چیز) معلوم اور مملوک ہو، یعنی عقد بیع کرنے والے کی ملکیت میں ہو اور مجہول یا معدوم نہ ہو۔ (3) ثمن یا قیمت سپرد کی جانے والی چیز ہو۔ (4) فریقین راضی ہوں۔ (5) عقد ماضی پر دلالت کرنے والے لفظ سے ہو۔

1- بَابٌ: مَا جَاءَ فِي بَيْعِ الْعُرْبَانِ

بیعانہ کی بیع کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں ایک حدیث نبوی ہے جو سنداً حسن ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے چھ فتاویٰ مذکور ہیں۔

فائدہ: ......عربان کو ''عربون'' بھی کہتے ہیں، اردو میں بیعانہ کو ''بیانہ'' بھی لکھ دیتے ہیں جو صحیح نہیں ہے، اسے ''سائی دینا'' بھی کہتے ہیں۔ بیعانہ سے مراد وہ تھوڑی سی رقم ہے جو سودا پکا کرنے کے لیے خریدار کی طرف سے خریداری سے پہلے ادا کر دی جاتی ہے اور اس میں یہ شرط ہوتی ہے کہ اگر خریدار نے مقررہ وقت پر چیز خرید لی تو یہ بیعانہ بھی کل قیمت میں شمار ہوگا اور اگر اس نے سودا چھوڑ دیا تو یہ بیعانہ بائع کے قبضے میں چلا جائے گا...... جمہور یعنی امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ کے نزدیک یہ حرام ہے کیونکہ یہ رقم بغیر کسی عوض کے بائع کو ملتی ہے، اور اگر کوئی شخص ایسا کر لے تو بائع پر لازم ہے کہ بیعانہ واپس کرے۔ لیکن امام احمد رحمہ اللہ اور بہت سے اہل حدیث اس کے جواز کے قائل ہیں اور حضرت عمر اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مروی ہے، دراصل اس بارے میں دونوں قسم کی احادیث مروی ہیں اور سنداً سب کی سب ضعیف ہیں، جس روایت میں اسے حلال کہا گیا ہے وہ مرسل بھی ہے اور اس میں ابراہیم بن ابی یحییٰ ضعیف راوی بھی ہے۔ (ابن ابی شیبہ: 23195، التلخیص الحبیر: 39/3) اور جس روایت میں ممانعت ہے جو موطا میں بھی آ رہی ہے اس میں ایک راوی مجہول ہے جس کا نام تک معلوم نہیں، اگرچہ چند علماء نے اسے حسن یا صحیح بھی کہا ہے لیکن محدثین کے اصول کے مطابق مجہول توثیق ناقابل قبول ہے، اسی لیے اکثر علماء اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ (ضعیف ابن ماجہ: 475)

[1303] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ الثِّقَةِ عِنْدَهُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ،

عمرو بن شعیب رحمہ اللہ اپنے والد (شعیب بن محمد) سے اور وہ (شعیب) اپنے دادا (حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما)

[1303] (مرفوع حسن) سنن ابی داود، کتاب البیوع، باب فی العربان، حدیث: 3502۔ سنن ابن ماجه، کتاب التجارات، باب بیع العربان، حدیث: 2192۔ احمد: 183/2۔ بیهقی: 342/5۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔

عَنْ جَدِّهِ : أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهَى عَنْ بَيْعِ الْعُرْبَانِ .

سے روایت کرتے ہیں کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے بیعانے کی بیع سے منع فرمایا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَذٰلِكَ فِيمَا نُرَى وَاللّٰهُ أَعْلَمُ ، أَنْ يَشْتَرِيَ الرَّجُلُ الْعَبْدَ ، أَوِ الْوَلِيدَةَ ، أَوْ يَتَكَارَى الدَّابَّةَ ، ثُمَّ يَقُولَ لِلَّذِي اشْتَرَى مِنْهُ ، أَوْ تَكَارَى مِنْهُ : أُعْطِيكَ دِينَاراً ، أَوْ دِرْهَماً ، أَوْ أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ أَوْ أَقَلَّ ، عَلَى إِنِّي إِنْ أَخَذْتُ السِّلْعَةَ ، أَوْ رَكِبْتُ مَا تَكَارَيْتُ مِنْكَ ، فَالَّذِي أَعْطَيْتُكَ هُوَ مِنْ ثَمَنِ السِّلْعَةِ ، أَوْ مِنْ كِرَاءِ الدَّابَّةِ ، وَإِنْ تَرَكْتُ ابْتِيَاعَ السِّلْعَةِ ، أَوْ كِرَاءَ الدَّابَّةِ ، فَمَا أَعْطَيْتُكَ لَكَ بَاطِلٌ بِغَيْرِ شَيْءٍ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہماری رائے کے مطابق۔ اور حقیقت حال سے تو اللہ ہی خوب واقف ہے۔ بیعانہ سے مراد یہ ہے کہ آدمی کسی غلام یا لونڈی کو خریدے یا سواری کا جانور کرائے پر حاصل کرے، پھر اس شخص، جس سے خریداری کی ہے یا کرائے پر سواری لی ہے (یعنی بائع یا مالک) سے کہے کہ میں تمھیں ایک دینار یا ایک درہم یا اس سے کم یا اس سے زیادہ اس شرط پر دیتا ہوں کہ اگر میں نے یہ سامان لے لیا یا اس جانور پر سواری کر لی جو تجھ سے میں نے کرائے پر لیا ہے تو وہ چیز جو میں نے تمھیں دی ہے وہ اس سامان کی (مکمل) قیمت میں سے شمار ہوگی یا سواری کے کرائے میں شامل ہوگی اور اگر میں نے اس سامان کی خریداری چھوڑ دی یا جانور کو کرائے پر لینے (کے ارادے) کو ترک کر دیا تو جو چیز میں نے تمھیں دی ہے وہ (میرے حق میں) باطل ہوگی (اور) بغیر کسی چیز کے بدلے میں تیری ہو جائے گی۔

فائدہ :...... ہمارے نزدیک راجح یہ ہے کہ جب خاص اس بارے میں کوئی صحیح یا حسن روایت ثابت نہ ہو سکی تو ہم دوسرے عمومی دلائل کو ملحوظ رکھیں گے، جن میں سے (1) ایک یہ ہے: ﴿عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ﴾ (النساء: 29) ''(وہ تجارتی معاملہ) تمھاری باہمی رضا مندی سے ہو۔'' (2) اشیاء اور معاملات میں اصل اباحت ہے الا یہ کہ کسی شرعی دلیل سے اس کی حرمت ثابت ہو۔ (3) ((اَلْمُسْلِمُوْنَ عَلٰى شُرُوْطِهِمْ اِلَّا شَرْطًا حَرَّمَ حَلَالًا اَوْ اَحَلَّ حَرَامًا)) ''مسلمان اپنی شرطوں پر (معتبر سمجھے جاتے ہیں اور قائم رہتے ہیں) سوائے ایسی شرط کے جو حلال کو حرام یا حرام کو حلال کر دے۔'' (ترمذی: 1352، اس کی سند حسن صحیح ہے، بخاری، قبل از حدیث: 2274) رہا یہ اعتراض کہ یہ عمل ''بغیر کسی عوض کے رقم کا دبا لینا'' ہے تو یہ درست نہیں کیونکہ یہ تو ایک منفعت کے بدلے میں رقم کا حصول ہے کہ بیعانہ دینے والے نے اس چیز کو اپنے لیے مختص کروائے رکھا، یہ ایک نفع ہے جس کا عوض بصورت بیعانہ ادا کیا گیا ہے، نیز بیعانہ دینے والا بائع کو پابند کر دیتا ہے کہ وہ مقررہ مدت تک وہ چیز کسی اور کو نہ بیچے، اگر وہ پابند نہ کرتا تو بائع اسے بیچ کر کئی قسم کے منافع حاصل کر سکتا تھا، لیکن خریدار نے بیعانہ دے کر وہ چیز رکوا لی، پھر جب مقررہ دن آیا تو خود بھی اسے نہ

خریدا تو پھر بائع کا کیا قصور ہے کہ اسے اپنا مال بھی نہ بیچنے دیا جائے اور خود بھی اس سے مال نہ خریدا جائے اور جو بیعانہ اسے دیا تھا وہ بھی واپس لے لیا جائے، اس طرح تو لوگوں کو ان کے کاروبار سے روکے رکھنے کی راہ کھل جائے گی، بعض اوقات یوں ہوتا ہے کہ کوئی شخص کسی سواری مثلاً بس یا کار کو کسی مخصوص دن میں کرائے پر حاصل کرنا چاہتا ہے تو وہ اس دن کی بکنگ کروا کر کچھ بیعانہ دے دیتا ہے، اب اس سواری کا مالک اس دن اپنی سواری کو اس شخص کے لیے روک لیتا ہے، نہ اسے اڈے پر لے جاتا ہے، اور نہ کسی اور شخص کے لیے اس دن کی بکنگ کرتا ہے، پھر وہ بیعانہ دینے والا خود بھی سواری لینے نہیں آتا تو اب اس کے مالک کا کیا قصور ہے کہ اسے اس دن اپنی سواری سے کمائی بھی نہ کرنے دی جائے اور پھر بیعانے سے بھی محروم رکھا جائے، الغرض بیعانہ عقل وقیاس سے بھی متصادم نہیں ہے، ہاں ایک روایت کے مخالف ہے لیکن وہ سنداً کمزور ہے اور حجت نہیں ہے، اور اگر وہ صحیح ثابت ہو جائے تو پھر اس کا واضح مفہوم یہ ہوگا کہ بیعانہ دینے والا اس بیعانے کو کسی اور شخص کے ہاتھ بیچے۔ وَاللهُ اَعْلَمُ وَعِلْمُهُ اَحْكَمُ

قَالَ مَالِكٌ: وَالْأَمْرُ عِنْدَنَا: أَنَّهُ لَا بَأْسَ بِأَنْ يَبْتَاعَ الْعَبْدَ التَّاجِرَ الْفَصِيحَ، بِالْأَعْبُدِ مِنَ الْحَبَشَةِ، أَوْ مِنْ جِنْسٍ مِنَ الْأَجْنَاسِ، لَيْسُوا مِثْلَهُ فِي الْفَصَاحَةِ، وَلَا فِي التِّجَارَةِ وَالنَّفَاذِ وَالْمَعْرِفَةِ، لَا بَأْسَ بِهٰذَا أَنْ يَشْتَرِيَ مِنْهُ الْعَبْدَ بِالْعَبْدَيْنِ، أَوْ بِالْأَعْبُدِ إِلَى أَجَلٍ مَعْلُومٍ، إِذَا اخْتَلَفَ فَبَانَ اخْتِلَافُهُ، فَإِنْ أَشْبَهَ بَعْضُ ذٰلِكَ بَعْضاً، حَتّٰى يَتَقَارَبَ، فَلَا يَأْخُذْ مِنْهُ اثْنَيْنِ بِوَاحِدٍ إِلَى أَجَلٍ، وَإِنِ اخْتَلَفَتْ أَجْنَاسُهُمْ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں حکم یہ ہے کہ بلاشبہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ ایک ایسا غلام جو تاجر (فن تجارت میں ماہر) اور فصیح (بہترین زبان بولنے والا) ہو، آدمی اسے کئی ایک غلاموں کے بدلے خرید لے، (خواہ وہ کئی ایک غلام) حبشیوں میں سے ہوں یا کسی اور جنس سے تعلق رکھتے ہوں، (اور) وہ اس ایک غلام جیسے نہ ہوں، نہ تو (زبان کی) فصاحت میں، نہ تجارت (کی مہارت) میں اور نہ معاملہ نافذ کرنے اور لین دین کو پہچاننے میں کوئی حرج نہیں کہ اس (بائع) سے ایک غلام دو غلاموں کے بدلے یا کئی غلاموں کے بدلے ایک مقرر مدت طے کر کے (ادھار) خرید لیا جائے، (بشرطیکہ) جب وہ (ایک غلام اپنے عوض میں ملنے والے کئی غلاموں سے صفات میں) مختلف ہو، اور اس کا مختلف ہونا بالکل واضح ہو، چنانچہ اگر (تبادلہ کیے جانے والے) ان (غلاموں) میں سے بعض غلام بعض سے مشابہ ہوں حتیٰ کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے قریب قریب (ایک جیسے ہی) ہوں تو پھر ان میں سے دو کو ایک کے بدلے ایک مدت تک (ادھار) نہیں لیا جا سکتا، خواہ ان کی جنسیں (نسلیں) مختلف ہوں۔

فائدہ: ......بعض اشیاء مثلاً سونا چاندی وغیرہ یا گندم اور جو وغیرہ کے متعلق یہ وضاحت ہے کہ جب ان کا ہم جنس چیز سے تبادلہ کیا جائے تو خواہ ایک طرف اعلیٰ قسم اور دوسری طرف گھٹیا ورائٹی ہو، پھر بھی ان میں نہ تو کمی بیشی

جائز ہے اور نہ ادھار، لیکن جاندار چیزوں مثلاً غلام، لونڈی اور جانوروں کا معاملہ الگ ہے، چنانچہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک ایک جنس کی جاندار چیزوں کے باہمی تبادلے میں کمی بیشی اور ادھار کے جواز کے لیے یہ شرط ہے کہ ان کے اوصاف اور صلاحیتیں مختلف ہوں، چنانچہ اگر اوصاف مختلف نہ ہوں تو پھر نہ تفاضل یعنی کمی بیشی جائز ہے اور نہ نسیہ یعنی ادھار۔ دراصل امام مالک رحمہ اللہ اختلاف الصفۃ (اوصاف اور صلاحیتوں کے مختلف ہونے) کو اختلاف الجنس (جنس الگ الگ ہونا) شمار کرتے ہیں، تو جس طرح ایک اونٹ کے بدلے کئی بکریاں جائز ہیں اسی طرح ایک قابل غلام کے بدلے کئی جاہل غلام جائز ہیں۔ یاد رہے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے اپنے فتویٰ کے آخر میں جو "اجناس" کا لفظ بولا ہے اس سے مراد نسلیں ہیں، مثلاً سیاہ فام غلام یا سفید فام وغیرہ...... امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک جب دونوں جانب ایک ہی جنس کے جانور ہوں مثلاً بکری کے بدلے بکری یا غلام کے بدلے غلام تو پھر کمی بیشی جائز ہے اور ادھار حرام ہے...... اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک جاندار چیزوں کے تبادلے میں کچھ بھی حرام نہیں، نہ کمی بیشی اور نہ ادھار، سب جائز ہے...... اہل حدیث کے نزدیک راجح موقف یہ ہے کہ کمی بیشی تو بلاشبہ جائز ہے اور اس میں کوئی قید اور شرط نہیں کہ دونوں جانب جانور کیسے ہوں، رہا ادھار کا مسئلہ تو وہ صرف اس صورت میں جائز ہے جب ایک طرف نقد اور دوسری طرف ادھار ہو، اگر دونوں طرف ادھار ہو تو پھر ممنوع ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ایک غلام دو غلاموں کے بدلے میں خریدا۔ (مسلم: 1602) اس سے کمی بیشی ثابت ہوئی اور ایک جنگ کے موقع پر نبی کریم ﷺ کے حکم سے کچھ اونٹ خریدے گئے، ہر اونٹ کے بدلے دو اونٹ دینا طے پایا، جن کی ادائیگی کے لیے زکاۃ کے اونٹوں کی آمد کا وقت طے پایا۔ (ابوداود: 3357، احمد: 171/2، حاکم: 56/2، اس کی سند حسن ہے۔ ارواء الغلیل: 1358) اس واقعے میں ایک طرف نقد اونٹ تھے اور دوسری طرف ادھار، لہٰذا اس کا جواز بھی ثابت ہو گیا، رہی وہ حدیث کہ آپ ﷺ نے حیوان کی حیوان کے بدلے ادھار بیع سے منع فرمایا۔ (ابوداود: 3356، ترمذی: 1237، ابن ماجہ: 2270، اس کی سند صحیح ہے) تو گزشتہ واقعے کو سامنے رکھ کر اس حدیث کا مطلب یہی نکلے گا کہ جب دونوں طرف جانور ادھار ہوں تو پھر یہ بیع ممنوع ہے۔ واللہ اعلم

قَالَ مَالِكٌ : وَلَا بَأْسَ بِأَنْ تَبِيعَ مَا اشْتَرَيْتَ مِنْ ذَلِكَ، قَبْلَ أَنْ تَسْتَوْفِيَهُ، إِذَا انْتَقَدْتَ ثَمَنَهُ، مِنْ غَيْرِ صَاحِبِهِ الَّذِي اشْتَرَيْتَهُ مِنْهُ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ تم ان میں سے جس چیز کو خرید چکے ہو اسے پورا پورا قبضے میں لینے سے پہلے ہی بیچ دو، بشرطیکہ جب تم اس کی قیمت نقد ادا کر چکے ہو، (اور) اس شخص کے ہاتھ بیچو جو اس شخص کے علاوہ ہے کہ جس سے تم نے اسے خریدا تھا۔

فائدہ:...... امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک طعام اور اناج کے علاوہ کسی بھی چیز کو قبض کیے بغیر آگے بیچنا جائز

ہے، مثلاً غلام یا جانور وغیرہ کو کسی سے خریدا، پھر ابھی اس سے وصول کر کے اپنے ہاتھ میں نہ لیا تھا کہ کسی اور شخص کے ہاتھ اسے بیچ ڈالا تو امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک یہ جائز ہے لیکن شرط یہ ہے کہ ایسا کرنے والا خود نقد قیمت ادا کر چکا ہو، کیونکہ قیمت کی ادائیگی گویا ملکیت کا حصول ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ قبضے کی شرط صرف طعام واناج میں لگاتے ہیں کیونکہ بعض روایات میں اس شرط کے تذکرے کے ساتھ صرف طعام واناج ہی کا ذکر ہے۔ (مسلم: 2131، 2133، 1526، 1529) امام احمد رحمہ اللہ یہ شرط ہر اس چیز کے لیے لگاتے ہیں جو ماپی یا تولی جا سکے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تمام منقولہ اشیاء (جو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو سکتی ہوں) میں یہ شرط عائد کرتے ہیں جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ اور اہل حدیث کے نزدیک ہر چیز کے لیے یہ شرط ملحوظ رہے گی کہ اسے اپنے قبضے میں لیے بغیر آگے بیچنا ممنوع ہے، خواہ وہ طعام واناج ہو یا دوسری ماپ تول والی چیزیں ہوں یا گن کر اور ناپ کر بیچی جانے والی، وہ منقول ہوں یا غیر منقول (مثلاً زمین، پلاٹ، کنواں، باغ، گھر وغیرہ)۔ ہر چیز کو اس کے حساب سے اپنے قبضے، ملکیت، تحویل اور تصرف میں لے کر ہی آگے بیچا جا سکتا ہے، جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی ہر چیز کے لیے یہ شرط بیان کی تھی۔ (بخاری: 2135، مسلم: 1525) اور بعض روایات میں یہ الفاظ مروی ہیں: ((إِذَا اشْتَرَيْتَ شَيْئًا فَلَا تَبِعْهُ حَتّٰى تَقْبِضَهُ)) ''جب تم کسی بھی چیز کو خریدو تو اسے نہ بیچو حتیٰ کہ اسے قبضے میں لے لو۔'' (احمد: 403/3، طبرانی فی المعجم الکبیر: 3107)

قَالَ مَالِكٌ : لَا يَنْبَغِي أَنْ يُسْتَثْنَى جَنِينٌ فِي بَطْنِ أُمِّهِ إِذَا بِيعَتْ ، لِأَنَّ ذَلِكَ غَرَرٌ لَا يُدْرَى أَذَكَرٌ هُوَ أَمْ أُنْثَى ، أَحَسَنٌ أَمْ قَبِيحٌ ، أَوْ نَاقِصٌ أَوْ تَامٌّ ، أَوْ حَيٌّ أَوْ مَيِّتٌ ، وَذَلِكَ يَضَعُ مِنْ ثَمَنِهَا

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور یہ درست نہیں کہ ماں کے پیٹ میں موجود بچے کا استثناء کیا جائے جس وقت کہ اس کی ماں کی بیع کی جا رہی ہو (کہ مثلاً لونڈی یا اونٹنی کو بیچے اور اس کا حمل نہ بیچے) کیونکہ بلاشبہ یہ دھوکا ہے، وہ نہیں جانتا کہ وہ نر ہے یا مادہ، خوبصورت ہے یا بدصورت، ناقص الخلقت ہے یا کامل، زندہ ہے یا مردہ اور (پھر اس حمل کی صورت حال نامعلوم ہونے کے باوجود یہ استثناء) اس ماں کی قیمت میں کمی کر دے گا۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الرَّجُلِ يَبْتَاعُ الْعَبْدَ ، أَوِ الْوَلِيدَةَ بِمِئَةِ دِينَارٍ إِلَى أَجَلٍ ، ثُمَّ يَنْدَمُ الْبَائِعُ ، فَيَسْأَلُ الْمُبْتَاعَ أَنْ يُقِيلَهُ بِعَشَرَةِ دَنَانِيرَ يَدْفَعُهَا إِلَيْهِ نَقْدًا ، أَوْ إِلَى أَجَلٍ ، وَيَمْحُو عَنْهُ الْمِئَةَ دِينَارٍ الَّتِي لَهُ . قَالَ مَالِكٌ : لَا بَأْسَ بِذَلِكَ وَإِنْ نَدِمَ الْمُبْتَاعُ ، فَسَأَلَ الْبَائِعَ أَنْ يُقِيلَهُ فِي الْجَارِيَةِ أَوِ

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جو سو دینار کے عوض غلام یا لونڈی کو ایک مقررہ وقت تک (ادھار) خرید لیتا ہے، پھر بائع پشیمان ہو جاتا ہے اور خریدار سے درخواست کرتا ہے کہ وہ اس لونڈی یا غلام میں اس کی بیع دس دینار کے بدلے فسخ کر دے، (سودا منسوخ کر دے اور بیع توڑ ڈالے، جس کے عوض وہ خریدار کو دس دینار دے

الْعَبْدِ، وَيَزِيدُهُ عَشَرَةَ دَنَانِيرَ نَقْداً، أَوْ إِلَى أَجَلٍ أَبْعَدَ مِنَ الأَجَلِ الَّذِى اشْتَرَى إِلَيْهِ الْعَبْدَ أَوِ الْوَلِيدَةَ، فَإِنَّ ذَلِكَ لاَ يَنْبَغِى، وَإِنَّمَا كَرِهَ ذَلِكَ، لأَنَّ الْبَائِعَ كَأَنَّهُ بَاعَ مِنْهُ مِئَةَ دِينَارٍ لَهُ، إِلَى سَنَةٍ قَبْلَ أَنْ تَحِلَّ بِجَارِيَةٍ وَبِعَشَرَةِ دَنَانِيرَ نَقْداً، أَوْ إِلَى أَجَلٍ أَبْعَدَ مِنَ السَّنَةِ، فَدَخَلَ فِى ذَلِكَ بَيْعُ الذَّهَبِ بِالذَّهَبِ إِلَى أَجَلٍ.

گا) جنھیں بائع اس مشتری کو نقد یا ایک میعاد تک ادا کرے گا اور بائع مشتری سے ان سو دیناروں کا مطالبہ ختم کر دے گا جو بائع کے مشتری کے ذمے واجب الادا تھے تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے (کیونکہ یہ گویا ایک نئی بیع ہے جس میں بائع کو اپنا سامان واپس مل گیا ہے جو اس نے زائد رقم دے کر حاصل کیا ہے، مشتری کو سو دینار میں بیچا تھا اور اب اس سے ایک سو دس دینار میں واپس لے لیا، اور ایسا ہوتا ہی رہتا ہے۔ اس میں کوئی فاسد پہلو نہیں ہے، نیز مشتری کو دس دینار نفع مل گیا، اس صورت میں کسی بھی مرحلے پر یہ نوبت ہی نہیں آئی کہ سونے کے بدلے سونے کا تبادلہ ہوا ہو کہ جس میں کمی بیشی اور ادھار حرام ہوتا ہے، بلکہ یہ تو دو دفعہ بیع ہوئی ہے، پہلی بیع میں بائع کے لیے سونے کے سو سکے لازم ہوئے اور مشتری نے غلام لے لیا اور دوسری بیع میں بائع نے صرف غلام واپس لے لیا اور مشتری کے لیے سونے کے ایک سو دس سکے لازم ہوئے۔) اور اگر مشتری نادم ہو اور بائع سے درخواست کرے کہ وہ اس لونڈی یا غلام میں اس کی بیع فسخ کر دے اور مشتری بائع کو دس دینار زیادہ ادا کرے گا، خواہ نقد ادا کرے یا اس میعاد تک ادا کرے جو اس پہلی میعاد سے دور والی ہو کہ جس تک اس نے غلام یا لونڈی کو خریدا تھا تو بلاشبہ یہ صورت درست نہیں ہے۔ (بائع مشتری کو دس دینار دے کر سودا منسوخ کرے تو درست ہے لیکن مشتری بائع کو دس دینار دے کر سودا منسوخ کرنا چاہے تو یہ درست نہیں کیونکہ بیع کا اقالہ کرنا یعنی بیع توڑنا اور سودا منسوخ کرتے ہوئے اپنی اپنی چیزیں واپس لینا بھی ایک نئی بیع شمار ہوتا ہے اور یہاں اس دوسری صورت میں ایک حرام سودے بازی کی صورت بن جاتی ہے، اس لیے امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:) بلاشبہ یہ اس وجہ سے ناجائز ہے کہ بلاشبہ بائع نے گویا اس مشتری سے اپنے سو دیناروں کی بیع کی ہے جو ایک سال تک (کے لیے مؤخر) تھے (تو بائع نے اس سال والی) مدت آنے سے پہلے ہی (اپنے ادھار سو دیناروں کی بیع) ایک لونڈی اور دس دینار کے بدلے (کر لی) جو نقد تھے یا سال سے بھی زیادہ دور والی مدت تک مؤخر تھے، لہٰذا اس شکل میں سونے کے بدلے سونے کی ادھار بیع والی صورت داخل ہوگئی (جو حرام ہے)۔

فائدہ :...... جب مشتری یعنی خریدار کی طرف سے بیع فسخ کرنے کی درخواست ہو اور وہ اس کے لیے دس دینار بھی دے تو بیان شدہ مسئلے میں اسے اس لیے حرام کہا گیا ہے کہ یہاں بھی گویا دو دفعہ بیع ہوئی ہے، پہلی بیع میں تو بائع کے لیے صرف سونے کے سکے لازم ہوئے اور مشتری نے صرف غلام وصول کیا، پھر اس بیع کو فسخ کیا گیا تو دوسری بیع کی صورت یوں بن گئی کہ بائع کے پاس غلام اور دس دینار واپس آئے اور مشتری کے پاس سو دینار چلے گئے اور اس میں

ایک طرف کا سونا نقد ہے اور دوسری طرف کا ادھار ہے، یا دونوں ہی ادھار ہیں کہ سو دیناروں کی میعاد سال کی ہے اور دس دیناروں کی میعاد اس سے بھی زیادہ ہے، لہٰذا یہ صورت حرام ٹھہری، سونے کے بدلے سونے کا تبادلہ ہو تو دونوں کی ادائیگی کی مدت یکساں ہونا لازم ہے، یعنی دونوں کی ادائیگی بیک وقت لازم ہے۔ چنانچہ اگر ایک طرف کی میعاد سال ہو اور دوسری جانب سال سے ذرا کم ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے، یعنی حرام ہے، البتہ اگر دونوں جانب کی مدت ایک سال مقرر کی گئی ہو تو یہ جائز ہے کیونکہ جب تبادلہ ہوگا تو دونوں نقد ونقد ہو جائیں گے۔ اسی طرح اگر شروع ہی میں سودا نقد ونقد ہوتا اور پھر فسخ بیع میں بھی نقد ونقد ہوتا تو یہ تبادلہ درست تھا، ہاں اس میں پہلی صورت کے برعکس یہ بات سامنے آئی کہ بائع اپنی بیچی ہوئی چیز کو دوبارہ کم قیمت سے خرید لیتا، جو چیز اس نے سو دینار میں بیچی تھی اب وہی چیز بھی اسے واپس مل جاتی اور ساتھ ہی دس دینار بھی مل جاتے، گویا سو میں بیچی، پھر نوے میں خرید لی۔

نوٹ: دوسری صورت میں امام مالک رحمہ اللہ کی بیان کردہ وجہ اور علت تحریم کے ساتھ ساتھ اس کی حرمت کا ایک اور سبب بھی ذکر کیا جاتا ہے جو بعض الفاظ حدیث سے ماخوذ ہے کہ ((لَا يَحِلُّ سَلَفٌ وَبَيْعٌ)) ''ادھار اور بیع (کو اکٹھا کرنا) جائز نہیں۔'' (ابو داود: 3504، ترمذی: 1234، نسائی: 4635، اس کی سند صحیح ہے)

فائدہ: ...... یاد رہے کہ خرید وفروخت کرنے والوں کو جدا جدا ہونے سے پہلے اپنی بیع فسخ کرنے کا اختیار ہوتا ہے، الا یہ کہ وہ خود اس اختیار کو ختم کر لیں اور سودا کرنے سے پہلے یا درمیان میں یہ طے کر لیں کہ سودا واپس نہیں ہوگا اور اگر وہ دونوں چاہیں تو اس اختیار میں توسیع بھی کر سکتے ہیں، اگر وہ یہ طے نہیں کرتے تو انھیں صرف جدائی سے پہلے تک سودا منسوخ کرنے کا اختیار اور شرعی اجازت ہے۔ (بخاری: 2107، مسلم: 1531) چنانچہ جدائی ہوتے ہی یہ اختیار ختم ہو جاتا ہے، سوائے چند مستثنیٰ صورتوں کے، (مثلاً دھوکے یا عیب وغیرہ کی صورت میں) بہر حال اب بائع اور مشتری شرعاً ایک دوسرے کو مجبور نہیں کر سکتے۔ البتہ شریعت نے احسان اور شفقت کا پہلو ملحوظ رکھ کر ''اقالہ'' کرنے پر ترغیب دلائی ہے یعنی اختیار ختم ہو جانے کے بعد بائع یا مشتری میں سے کسی کو سودا ختم کر کے اپنی چیز واپس لینے کی ضرورت محسوس ہو تو دوسرے فریق پر اس کی بات مان لینا اگرچہ واجب نہیں ہے لیکن بہت فضیلت کا حامل ہے۔ یہ اقالہ کچھ کمی بیشی کے ساتھ بھی درست ہے۔ بشرطیکہ اس میں کوئی ممنوع صورت پیدا نہ ہو اور اس کی حیثیت ایک نئی بیع کی سی ہوتی ہے اور اس کی بہترین شکل یہی ہے کہ بغیر کسی کمی بیشی کے ایک دوسرے کی چیزیں واپس کر دی جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ((مَنْ اَقَالَ مُسْلِمًا اَقَالَهُ اللّٰهُ عَثْرَتَهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ)) ''جو شخص کسی مسلمان کی بیع فسخ کر دے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی لغزش (اور گناہ) اس سے ختم کر دے گا۔'' (ابو داود: 3460، ابن ماجہ: 2199، ابن حبان: 1103، حاکم: 45/2) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام ابن حبان اور امام حاکم نے اس روایت کو صحیح قرار

دیا ہے۔ بلوغ المرام: 812، شیخ عبداللہ بسام، شیخ حازم علی قاضی اور علامہ البانی نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الرَّجُلِ يَبِيعُ مِنَ الرَّجُلِ الْجَارِيَةَ بِمِائَةِ دِينَارٍ إِلَى أَجَلٍ، ثُمَّ يَشْتَرِيهَا بِأَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ الثَّمَنِ، الَّذِي بَاعَهَا بِهِ إِلَى أَبْعَدَ مِنْ ذَلِكَ الأَجَلِ، الَّذِي بَاعَهَا إِلَيْهِ، إِنَّ ذَلِكَ لاَ يَصْلُحُ. وَتَفْسِيرُ مَا كَرِهَ مِنْ ذَلِكَ: أَنْ يَبِيعَ الرَّجُلُ الْجَارِيَةَ إِلَى أَجَلٍ، ثُمَّ يَبْتَاعُهَا إِلَى أَجَلٍ أَبْعَدَ مِنْهُ، يَبِيعُهَا بِثَلاَثِينَ دِينَاراً إِلَى شَهْرٍ، ثُمَّ يَبْتَاعُهَا بِسِتِّينَ دِينَاراً إِلَى سَنَةٍ أَوْ إِلَى نِصْفِ سَنَةٍ، فَصَارَ إِنْ رَجَعَتْ إِلَيْهِ سِلْعَتُهُ بِعَيْنِهَا وَأَعْطَاهُ صَاحِبُهُ ثَلاَثِينَ دِينَاراً إِلَى شَهْرٍ، بِسِتِّينَ دِينَاراً إِلَى سَنَةٍ، أَوْ إِلَى نِصْفِ سَنَةٍ، فَهَذَا لاَ يَنْبَغِي.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جو کسی شخص سے ایک میعاد تک سو دینار کے عوض ایک لونڈی کی بیع کرتا ہے، پھر جس قیمت پر اس نے اسے بیچا تھا، اس سے زیادہ کے عوض خود ہی خرید لیتا ہے، زیادہ دور کی میعاد تک اس مدت سے کہ جس تک اس نے اس لونڈی کو بیچا تھا، تو بلاشبہ یہ درست نہیں ہے اور اس میں جو چیز ناپسند (اور ناجائز) سمجھی گئی ہے اس کی وضاحت کچھ یوں ہے کہ آدمی اپنی لونڈی کو ایک میعاد تک بیچتا ہے، پھر اس سے دور کی میعاد تک اسی کو خرید لیتا ہے، یعنی (مثال کے طور پر) وہ ایک مہینے تک تیس دینار کے عوض اس لونڈی کو بیچ دیتا ہے، پھر ایک سال یا نصف سال تک (کی میعاد مقرر کر کے) ساٹھ دینار میں اسے خرید لیتا ہے تو یہ معاملہ اس طرح ہو گیا کہ اس کا سامان بعینہٖ اس کی طرف واپس لوٹ آیا اور اس کے ساتھی (خریدار) نے اسے ایک مہینے تک مؤخر کر کے تیس دینار ان ساٹھ دیناروں کے عوض دینا طے کیے جو ایک سال یا نصف سال تک مؤخر تھے، لہٰذا یہ ناجائز ہے۔

فائدہ: ...... اس صورت میں دو خرابیاں لازم آئیں کہ بیع تو سونے کے سکوں کی سونے کے سکوں کے بدلے ہوئی جس میں نہ کمی بیشی جائز تھی اور نہ ادھار، لیکن یہاں دونوں کام ہو گئے۔

2- بَابٌ: مَا جَاءَ فِي مَالِ الْمَمْلُوكِ

غلام کو جب بیچا جائے تو اس کے مال کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں صرف ایک موقوف روایت (اثر صحابی) ہے جو سنداً صحیح ثابت ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

فائدہ: ...... پیچھے کتاب العتق میں یہی مسئلہ بیان کیا گیا تھا لیکن وہ غلام کی آزادی کے حوالے سے تھا کہ غلام جب آزاد ہو تو اپنے مال کو بھی ساتھ لے جائے گا اور یہاں غلام کی خریداری کی بات ہو رہی ہے، نہ کہ آزادی کی۔

[1304] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ: مَنْ بَاعَ عَبْداً وَلَهُ مَالٌ، فَمَالُهُ لِلْبَائِعِ، إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَهُ الْمُبْتَاعُ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس شخص نے کوئی غلام بیچا، اس حال میں کہ اس غلام کے پاس مال ہو تو وہ مال بیچنے والے کا ہوگا، الا یہ کہ خریدار اس (مال کو غلام کے ساتھ ہی لے لینے) کی شرط لگا لے۔

فائدہ:...... یہ روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے۔ (صحیح بخاری: 2379، صحیح مسلم: (80/1543

قَالَ مَالِكٌ: الأَمْرُ الْمُجْتَمَعُ عَلَيْهِ عِنْدَنَا، أَنَّ الْمُبْتَاعَ إِنِ اشْتَرَطَ مَالَ الْعَبْدِ فَهُوَ لَهُ، نَقْداً كَانَ أَوْ دَيْناً أَوْ عَرْضاً، يَعْلَمُ أَوْ لَا يَعْلَمُ، وَإِنْ كَانَ لِلْعَبْدِ مِنَ الْمَالِ أَكْثَرُ مِمَّا اشْتَرَى بِهِ، كَانَ ثَمَنُهُ نَقْداً أَوْ دَيْناً أَوْ عَرْضاً، وَذَلِكَ أَنَّ مَالَ الْعَبْدِ لَيْسَ عَلَى سَيِّدِهِ فِيهِ زَكَاةٌ، وَإِنْ كَانَتْ لِلْعَبْدِ جَارِيَةٌ اسْتَحَلَّ فَرْجَهَا بِمِلْكِهِ إِيَّاهَا، وَإِنْ عَتَقَ الْعَبْدُ أَوْ كَاتَبَ تَبِعَهُ مَالُهُ، وَإِنْ أَفْلَسَ أَخَذَ الْغُرَمَاءُ مَالَهُ، وَلَمْ يُتَّبَعْ سَيِّدُهُ بِشَيْءٍ مِنْ دَيْنِهِ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں اس حکم پر اتفاق ہے کہ بے شک خریدار اگر غلام کے مال کی شرط لگا لے تو وہ اسی خریدار کے لیے ہوگا، خواہ نقد موجود ہو یا کسی پر قرض ہو یا سامان کی صورت میں ہو، خواہ وہ معلوم ہو یا غیر معلوم، اگر چہ غلام کے پاس اس سے بھی زیادہ مال ہو کہ جس کے عوض اس نے اسے خریدا ہے، (اور خواہ) اس غلام کی قیمت نقد ہو یا قرض ہو یا سامان ہو، اور یہ (حکم) اس وجہ سے ہے کہ غلام کا جو مال ہوتا ہے اس کے آقا پر اس میں زکاۃ واجب نہیں ہوتی (جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس مال میں آقا کی ملکیت نہیں ہے، بلکہ محض ثانوی حیثیت رکھتی ہے اس مال کا اصل مالک وہ غلام ہی ہے، ورنہ اگر یہ مال بھی آقا کی ملکیت ہوتا تو آقا پر لازم تھا کہ اپنے باقی سامان کے ساتھ غلام کے مال کو شامل کر کے زکاۃ دے) اور اگر غلام کی کوئی لونڈی ہو تو غلام اس پر اپنی ملکیت رکھنے کی بنا پر اس کی شرمگاہ کو حلال جانے گا (اور اس سے مباشرت کر سکے گا، ورنہ اگر یہ لونڈی اس غلام کی بجائے اس کے آقا کی ملکیت ہوتی تو غلام کے لیے اس سے مباشرت حرام ہوتی) اور اگر غلام آزاد ہو جائے یا مکاتب بن جائے تو اس کا مال اس کے تابع شمار ہوتا ہے، (اس میں آقا تصرف نہیں کر سکتا) اور اگر غلام مفلس ہو جائے (قرض میں ڈوب جائے) تو اس کے قرض

[1304] (موقوف صحيح) صحيح البخاری، كتاب المساقاة، باب الرجل يكون له ممر او شرب، تعليقا بعد از حديث: 2379- سنن ابی داود، كتاب البيوع، باب فی العبد يباع وله مال، حديث: 3434- نیز دیکھیے: 3433، نسائی فی الكبرى: 4978، 4989- ترمذی: 1244-- شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

خواہ اس کا مال لے سکتے ہیں اور اس قرض میں سے کسی بھی چیز کے متعلق اس کے آقا کے پیچھے نہیں پڑا جاتا (نہ آقا سے اس قرض کے سلسلے میں کوئی مواخذہ ہوتا ہے اور نہ کوئی ذمہ داری)۔

فائدہ: ......لہٰذا یہ (زکاۃ، مباشرت، آزادی وکتابت اور مفلسی کے احکام والے) چاروں دلائل ثابت کرتے ہیں کہ غلام کو اپنے مال میں ملکیت حاصل ہوتی ہے، اس لیے غلام کی خرید وفروخت کے وقت یہ تنازع کھڑا ہو سکتا تھا کہ یہ مال کس کو ملے، پہلے آقا یعنی بیچنے والے کو یا خریدنے والے نئے آقا کو، تو رسول اللہ ﷺ نے اس کا حل ذکر فرما دیا کہ پہلا مالک نسبتاً زیادہ تعلق رکھتا ہے اس لیے وہ غلام کا مال اپنے پاس رکھ لے گا، ہاں خریدار نے اگر اسے بھی ساتھ ہی لینے کی شرط لگائی ہو تو پھر اسے مل جائے گا۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور جدید قول کے مطابق امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ بیع ہی درست نہیں ہوتی، کیونکہ وہ غلام کی اپنے مال پر ملکیت ہی کے قائل نہیں ہیں اور امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ آقا اگر اپنے غلام کو ملکیت کا اختیار دے تو وہ مالک بن سکتا ہے، ورنہ نہیں۔ بہرحال راجح قول امام مالک رحمہ اللہ کا یہ (مشہور) قول ہے کہ غلام اپنے مال کا مالک ہوتا ہے۔

3- بَابٌ: مَا جَاءَ فِي الْعُهْدَةِ

غلاموں (کی خرید وفروخت) میں ذمہ داری کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں ایک مقطوع روایت (اثر تابعی) ہے جو سنداً صحیح ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاویٰ بھی مذکور ہیں۔

فائدہ: ......عنوان سے مراد یہ ہے کہ غلاموں اور لونڈیوں کو بیچنے کے بعد کتنے عرصے تک بیچنے والا ذمہ دار، جواب دہ اور قابل مواخذہ رہتا ہے، اگر ان میں کوئی عیب ظاہر ہو جائے تو وہ بیچنے والے کے حق میں کب تک شمار کیا جائے گا اور کس صورت میں بائع اپنے بیچے ہوئے غلاموں اور لونڈیوں سے بری الذمہ ہوتا ہے اور خریدار کے لیے کب تک غلاموں کی بیع واپس کرنے کا اختیار رہتا ہے۔

[1305] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ، أَنَّ أَبَانَ بْنَ عُثْمَانَ، وَهِشَامَ بْنَ إِسْمَاعِيلَ، كَانَا يَذْكُرَانِ فِي خُطْبَتِهِمَا عُهْدَةَ الرَّقِيقِ فِي الْأَيَّامِ الثَّلَاثَةِ، مِنْ حِينِ يُشْتَرَى الْعَبْدُ أَوِ الْوَلِيدَةُ، وَعُهْدَةَ السَّنَةِ.

عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک ابان بن عثمان اور ہشام بن اسماعیل (جو اپنے اپنے دور میں مدینہ کے امیر اور گورنر رہے) دونوں اپنے خطبے میں یہ ذکر کیا کرتے تھے کہ غلاموں اور لونڈیوں کی ایک ذمہ داری تین دن تک ہے، اس دن سے (شروع کر کے) کہ جب غلام یا لونڈی کو خریدا جائے، اور ایک

[1305] (مقطوع صحیح)، ابن ابی شیبہ: 306/7(36318)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

ذمہ داری (اور جوابدہی) سال تک ہے۔

فائدہ: ...... یہ بات رسول اللہ ﷺ سے بھی مروی ہے۔ (ابو داود: 3506، ابن ماجه: 2245) امام مالک رحمہ اللہ کے ہاں چھوٹے اور معمولی عیوب کی ذمہ داری تین دن تک ہے، اگر ان میں سے کوئی عیب تین دن کے اندر اندر معلوم ہو جائے تو اسے واپس کیا جا سکتا ہے، یہ سمجھ کر کہ اس کا سبب خریدنے سے پہلے پیدا ہوا ہوگا، لہٰذا بیچنے والا ذمہ دار ہے، اور کوئی بڑی اور مہلک بیماری ظاہر ہو جائے تو ایک سال تک مشتری کو واپس کرنے کا اختیار رہتا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : مَا أَصَابَ الْعَبْدُ أَوِ الْوَلِيدَةُ فِي الْأَيَّامِ الثَّلَاثَةِ ، مِنْ حِينِ يُشْتَرَيَانِ حَتَّى تَنْقَضِيَ الأَيَّامُ الثَّلَاثَةُ ، فَهُوَ مِنَ الْبَائِعِ ، وَإِنَّ عُهْدَةَ السَّنَةِ مِنَ الْجُنُونِ وَالْجُذَامِ وَالْبَرَصِ ، فَإِذَا مَضَتِ السَّنَةُ ، فَقَدْ بَرِئَ الْبَائِعُ مِنَ الْعُهْدَةِ كُلِّهَا .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: غلام یا لونڈی کو تین دن کے اندر جو (عیب) پہنچے، دونوں کو خریدے جانے کے وقت سے لے کر تین دن گزر جانے تک (جو کچھ بھی عیب ظاہر ہو) تو وہ بائع کی طرف سے شمار ہوگا اور بے شک سال والی ذمہ داری (اور سال تک واپسی کا اختیار رہنا) جنون، کوڑھ اور پھلبہری (وغیرہ جیسے مہلک عیوب) سے تعلق رکھتا ہے، چنانچہ جب سال گزر جائے تو یقیناً بائع ہر قسم کی ذمہ داری سے بری ہو جائے گا۔

قَالَ مَالِكٌ : وَمَنْ بَاعَ عَبْداً ، أَوْ وَلِيدَةً ، مِنْ أَهْلِ الْمِيرَاثِ أَوْ غَيْرِهِمْ بِالْبَرَاءَةِ ، فَقَدْ بَرِئَ مِنْ كُلِّ عَيْبٍ ، وَلاَ عُهْدَةَ عَلَيْهِ ، إِلَّا أَنْ يَكُونَ عَلِمَ عَيْباً فَكَتَمَهُ ، فَإِنْ كَانَ عَلِمَ عَيْباً فَكَتَمَهُ لَمْ تَنْفَعْهُ الْبَرَاءَةُ ، وَكَانَ ذَلِكَ الْبَيْعُ مَرْدُوداً ، وَلاَ عُهْدَةَ عِنْدَنَا إِلَّا فِي الرَّقِيقِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور جس شخص نے، خواہ وہ ورثاء میں سے ہو یا ان کے علاوہ کوئی اور ہو، اس نے براءت کی شرط پر کسی غلام یا لونڈی کو بیچا تو یقیناً وہ ہر قسم کی ذمہ داری اور ہر قسم کے عیب سے بری ہو گیا، اب اس پر کوئی (ذمہ داری اور) جواب دہی نہ ہوگی، الا یہ کہ اسے (اپنے بیچے ہوئے غلام میں) کسی عیب کا علم تھا (لیکن) پھر اس نے اسے چھپا لیا، چنانچہ اگر وہ عیب کا علم رکھے اور اسے چھپا لے تو یہ بری ہونے کی شرط اسے کچھ نفع نہ دے گی اور اس بیع کو اس پر رد کر دیا جائے گا، اور ہمارے نزدیک یہ جوابدہی کا معاملہ غلاموں لونڈیوں کے سوا کسی میں نہیں ہے۔

فائدہ: ...... دراصل غلاموں لونڈیوں میں کسی عیب کا ہونا ان کی قیمت کو بالکل گرا دیتا ہے، اس لیے ان میں عیب کے معاملے کو خصوصی اہمیت دی جاتی ہے، اور عموماً چیزوں کو بیچتے وقت انھیں اس طرح مزین کیا جاتا ہے کہ بعض اوقات کئی کئی دن تک ان کی اصل حقیقت معلوم نہیں ہوتی، اسی طرح بعض عیوب لباس کے نیچے چھپے رہتے ہیں جن کا بعد میں علم ہوتا ہے، لہٰذا تین دن تک کا اختیار خریدار کو دیا گیا ہے...... امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ذمہ داری اور جواب دہی

والا معاملہ ثابت ہی نہیں، البتہ خریدار انھیں خریدتے وقت تین دن یا سال بھر کے اختیار کی شرط لگالے کہ اگر اتنی مدت میں مجھے اس کے کسی عیب کا علم ہوگیا تو چیز واپس کر دوں گا، تو اسی صورت میں اس شرط اور اختیار پر عمل ہوگا، ورنہ نہیں...... امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک تین دن سے زیادہ اختیار ہوتا ہی نہیں، امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک تین دن یا سال کی قید متعین ہی نہیں بلکہ جب کسی غلام کے متعلق یہ جھگڑا ہو کہ اس کا عیب بائع کے پاس پیدا ہوا تھا یا مشتری کے پاس، تو دیکھیں گے کہ اگر خریداری کے وقت سے لے کر تنازع کے دن تک یہ بیماری از سرنو پیدا ہوسکتی ہے تو پھر غلام واپس نہ ہوگا، اور یہ سمجھ لیا جائے گا کہ یہ عیب خریداری کے بعد لاحق ہوا ہے اور بائع سے قسم بھی لی جائے گی کہ واقعی اس کے ہاں غلام میں یہ عیب نہ تھا، اگر وہ قسم نہ کھائے تو فیصلہ اس کے خلاف ہوگا، نیز اگر وہ بیماری اور عیب اتنے مذکورہ عرصے میں اس حد تک نہ پہنچ سکتا ہو تو یقیناً وہ بائع کے پاس ہی سے چلا آرہا ہوگا لہٰذا اس صورت میں غلام کو رد کرنے کا اختیار مشتری کو حاصل ہوگا...... امام مالک رحمہ اللہ کے اس معاملے کو صرف غلاموں لونڈیوں تک محدود رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ جانوروں میں ایسا نہیں ہوگا، کیونکہ جانوروں نے کون سا لباس پہن رکھا ہوتا ہے، ان کا ہر عیب خریداری کے وقت ہی ظاہر ہو جاتا ہے...... لیکن احادیث مبارکہ سے جانوروں کے متعلق دودھ والے معاملے میں تین دن تک اختیار ثابت ہے، دراصل دودھ دینے والے جانوروں کی قیمت ان کے دودھ کی کمی بیشی پر منحصر ہوتی ہے، اس لیے بیچنے والے عموماً ایک یا دو دن تک کا دودھ تھنوں ہی میں رہنے دیتے ہیں اور بغیر دودھ دوہے جانور بیچ دیتے ہیں تاکہ بھرے ہوئے تھنوں کی وجہ سے قیمت زیادہ ملے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن تک ایسے ہر خریدار کو اختیار دیا ہے کہ وہ ان میں اپنی تسلی کرلے۔ اگر وہ دودھ پر مطمئن ہو تو ٹھیک ہے ورنہ وہ اسے واپس کردے اور ساتھ ہی کھجوروں کا ایک صاع بھی بائع کو دے۔ (بخاری: 2148، 2151، مسلم: 1524) لیکن احناف اس حدیث مبارکہ کو اپنے قیاس کے خلاف اور امام کے موقف کے برعکس دیکھ کر انھیں رد کر دیتے ہیں اور اس کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو غیر فقیہ کہہ کر ان کی گستاخی اور انکارِ حدیث کا ارتکاب کرتے ہیں...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ''خیارِ عیب'' یعنی عیب معلوم ہونے پر چیز کو واپس کرنے کے اختیار کے متعلق واضح فرمان تو ثابت نہیں، لیکن یہ فرمان ضرور موجود ہے: ''کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے ایسی بیع کرے جس میں عیب ہو الا یہ کہ اسے بیان کر دے۔'' (ابن ماجه: 2246، حاکم: 8/2، طبرانی فی المعجم الکبیر: 317/17، اس کی سند صحیح ہے۔ ارواء الغلیل: 1321) لہٰذا عیب والی چیز بغیر اس کا عیب بیان کیے بیچنا ناجائز ہے، اگر کوئی یہ ناجائز کام کرے گا تو اس کی بیع فسخ کرنے کا اختیار مشتری کو حاصل ہوگا، پھر چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیارِ عیب کی مدت معین نہیں فرمائی، اس لیے فقہائے کرام کے اقوال میں اختلاف واقع ہوا، ہمیں اس بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ کا اوپر بیان کردہ قول زیادہ پسند اور زیادہ راجح معلوم ہوتا ہے۔

4- بَابٌ: الْعَيْبُ فِي الرَّقِيقِ

غلاموں لونڈیوں میں عیب (ظاہر ہو جانے) کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں ایک موقوف روایت (اثر صحابی رضی اللہ عنہ) ہے جو سنداً ضعیف ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے سات فتاویٰ جات مذکور ہیں۔

[1306] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ بَاعَ غُلَاماً لَهُ بِثَمَانِ مِئَةِ دِرْهَمٍ، وَبَاعَهُ بِالْبَرَاءَةِ، فَقَالَ الَّذِي ابْتَاعَهُ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ: بِالْغُلَامِ دَاءٌ لَمْ تُسَمِّهِ لِي. فَاخْتَصَمَا إِلَى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ. فَقَالَ الرَّجُلُ: بَاعَنِي عَبْداً وَبِهِ دَاءٌ لَمْ يُسَمِّهِ لِي. وَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: بِعْتُهُ بِالْبَرَاءَةِ. فَقَضَى عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ، عَلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ أَنْ يَحْلِفَ لَهُ، لَقَدْ بَاعَهُ الْعَبْدَ وَمَا بِهِ دَاءٌ يَعْلَمُهُ، فَأَبَى عَبْدُ اللّٰهِ أَنْ يَحْلِفَ، وَارْتَجَعَ الْعَبْدَ، فَصَحَّ عِنْدَهُ، فَبَاعَهُ عَبْدُ اللّٰهِ بَعْدَ ذَلِكَ بِأَلْفٍ وَخَمْسِ مِئَةِ دِرْهَمٍ.

سالم بن عبداللہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک (ان کے والد) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنا ایک غلام آٹھ سو درہم کے بدلے بیچا اور اسے براءت کی شرط پر فروخت کیا (کہ ابھی اچھی طرح دیکھ لو، بعد میں اس میں کسی عیب کے ظاہر ہو جانے کی صورت میں انھوں نے خود کو اس سے بری کر لیا اور کہہ دیا کہ سودا فسخ نہ ہوگا، کچھ عرصہ بعد) پھر وہ شخص جس نے اسے خریدا تھا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہنے لگا کہ اس غلام میں (پہلے سے) ایک بیماری تھی جس کا آپ نے مجھ سے ذکر نہ کیا تھا۔ چنانچہ وہ دونوں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس اپنا جھگڑا لائے، وہ شخص (ان سے) کہنے لگا کہ انھوں نے مجھے ایک غلام بیچا تھا جس میں ایک بیماری تھی اور انھوں نے مجھے اس کا نہیں بتایا تھا، اور حضرت عبداللہ (بن عمر) رضی اللہ عنہما نے عرض کیا کہ میں نے تو اسے براءت کی شرط پر بیچا تھا، (لیکن) پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق یہ فیصلہ سنایا کہ وہ اس شخص کو یہ قسم دیں کہ یقیناً انھوں نے اسے یہ غلام اس حال میں بیچا تھا کہ اس میں کوئی ایسی بیماری نہ تھی جس کو وہ جانتے ہوں، تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے قسم کھانے سے انکار کر دیا اور غلام واپس لے لیا، پھر وہ غلام ان کے پاس صحت مند ہو گیا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اسے پندرہ سو درہم کے عوض فروخت کر دیا۔

فائدہ: ......اگر چہ یہ روایت سنداً ثابت نہیں، لیکن اگر قصہ حقیقت میں اسی طرح تھا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما

[1306] (موقوف ضعیف) بيهقي في السنن الكبرى: 328/5 (10787) وفي السنن الصغير: 264/2 (1940) وفي معرفة السنن والآثار: 365/4 (3488)۔ عبدالرزاق: 14722۔ ابن ابی شیبہ: 21093۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

کا قسم نہ اٹھانا ازروئے تقویٰ تھا، انھوں نے احتیاطاً سچی قسم کھانے سے بھی گریز کیا اور جھگڑا ختم کر دیا جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے انھیں دوگنا نفع عطا فرما دیا۔

قَالَ مَالِكٌ : الأَمْرُ الْمُجْتَمَعُ عَلَيْهِ عِنْدَنَا : أَنَّ كُلَّ مَنِ ابْتَاعَ وَلِيدَةً فَحَمَلَتْ، أَوْ عَبْداً فَأَعْتَقَهُ، وَكُلَّ أَمْرٍ دَخَلَهُ الْفَوْتُ حَتَّى لاَ يُسْتَطَاعَ رَدُّهُ، فَقَامَتِ الْبَيِّنَةُ، إِنَّهُ قَدْ كَانَ بِهِ عَيْبٌ عِنْدَ الَّذِي بَاعَهُ، أَوْ عُلِمَ ذَلِكَ بِاعْتِرَافٍ مِنَ الْبَائِعِ أَوْ غَيْرِهِ، فَإِنَّ الْعَبْدَ أَوِ الْوَلِيدَةَ يُقَوَّمُ، وَبِهِ الْعَيْبُ الَّذِي كَانَ بِهِ يَوْمَ اشْتَرَاهُ، فَيُرَدُّ مِنَ الثَّمَنِ قَدْرُ مَا بَيْنَ قِيمَتِهِ صَحِيحاً، وَقِيمَتِهِ وَبِهِ ذَلِكَ الْعَيْبُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں اس حکم پر اجماع ہے کہ یقیناً ہر وہ شخص جس نے کسی لونڈی کو خریدا، پھر وہ لونڈی اس سے حاملہ ہوگئی، (گویا ام ولد بن گئی، اس لیے اسے واپس نہیں کیا جا سکتا) یا اس شخص نے کوئی غلام خریدا، پھر اسے آزاد کر دیا اور (آزادی کے بعد اب اس کی واپسی بھی ناممکن ہوگئی، اسی طرح) ہر وہ معاملہ جس میں اختیار کا فوت ہونا داخل ہو جائے، (آدمی کے ہاتھ میں اختیار نہ رہے) یہاں تک کہ وہ اس غلام لونڈی کو واپس کرنے کی قدرت (اور کوئی صورت) نہیں پاتا، (کیونکہ وہ غلام لونڈی اب کوئی اور حیثیت حاصل کر چکے ہیں) پھر یہ دلیل قائم ہوگئی کہ بلاشبہ اس غلام میں کوئی عیب اس وقت سے تھا جب وہ بائع کے پاس تھا یا بائع کے اعتراف سے یا کسی اور طریقے سے اس کا علم ہوگیا تو (اب کیا کیا جائے، غلام کو تو آزاد بھی کیا جا چکا ہے، تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس بارے میں اہل مدینہ کا متفقہ فیصلہ یہ ہے کہ) بلاشبہ اس غلام یا لونڈی کی اس حالت والی قیمت لگائی جائے گی کہ اس میں وہ عیب ہو جو اسے خریدنے کے دن اس میں موجود تھا (اور ظاہر بات ہے کہ اس کی قیمت بغیر عیب کے زیادہ طے ہوئی تھی اور عیب والی قیمت اس سے کم ہوگی تو قیمت میں سے اتنی (زائد) مقدار واپس کر دی جائے گی جو اس کی حالت صحت والی قیمت اور عیب کی موجودگی والی قیمت کے درمیان میں ہے۔

فائدہ: ...... چنانچہ اگر اسے ہزار درہم میں خریدا تھا اور عیب والی قیمت چھ سو ہو تو بیچنے والا خریدار کو چار سو درہم واپس کر دے گا۔

قَالَ مَالِكٌ : الأَمْرُ الْمُجْتَمَعُ عَلَيْهِ عِنْدَنَا فِي الرَّجُلِ يَشْتَرِي الْعَبْدَ، ثُمَّ يَظْهَرُ مِنْهُ عَلَى عَيْبٍ يَرُدُّهُ مِنْهُ، وَقَدْ حَدَثَ بِهِ عِنْدَ الْمُشْتَرِي عَيْبٌ آخَرُ، إِنَّهُ إِذَا كَانَ الْعَيْبُ الَّذِي حَدَثَ بِهِ مُفْسِداً، مِثْلُ الْقَطْعِ، أَوِ الْعَوَرِ، أَوْ مَا أَشْبَهَ ذَلِكَ مِنَ الْعُيُوبِ الْمُفْسِدَةِ، فَإِنَّ الَّذِي

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں اس حکم پر اجماع ہے، اس شخص کے متعلق جو غلام خریدتا ہے، پھر اس میں ایک ایسے عیب پر مطلع ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ اس غلام کو اس بائع کے ہاتھ واپس کر سکتا ہے، اس حال میں کہ اس خریدار کے ہاں بھی اس غلام میں کوئی دوسرا عیب پیدا ہو چکا ہو، تو بلاشبہ جب اس میں پیدا ہونے والا نیا عیب اس

اشْتَرَى الْعَبْدَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ، إِنْ أَحَبَّ أَنْ يُوضَعَ عَنْهُ مِنْ ثَمَنِ الْعَبْدِ، بِقَدْرِ الْعَيْبِ الَّذِي كَانَ بِالْعَبْدِ يَوْمَ اشْتَرَاهُ، وُضِعَ عَنْهُ، وَإِنْ أَحَبَّ أَنْ يَغْرَمَ قَدْرَ مَا أَصَابَ الْعَبْدَ مِنَ الْعَيْبِ عِنْدَهُ، ثُمَّ يَرُدُّ الْعَبْدَ، فَذَلِكَ لَهُ، وَإِنْ مَاتَ الْعَبْدُ عِنْدَ الَّذِي اشْتَرَاهُ، أُقِيمَ الْعَبْدُ وَبِهِ الْعَيْبُ الَّذِي كَانَ بِهِ يَوْمَ اشْتَرَاهُ، فَيُنْظَرُ كَمْ ثَمَنُهُ، فَإِنْ كَانَتْ قِيمَةُ الْعَبْدِ يَوْمَ اشْتَرَاهُ بِغَيْرِ عَيْبٍ مِئَةَ دِينَارٍ، وَقِيمَتُهُ يَوْمَ اشْتَرَاهُ وَبِهِ الْعَيْبُ ثَمَانُونَ دِينَاراً، وُضِعَ عَنِ الْمُشْتَرِي مَا بَيْنَ الْقِيمَتَيْنِ، وَإِنَّمَا تَكُونُ الْقِيمَةُ يَوْمَ اشْتُرِيَ الْعَبْدُ

کو جسمانی فساد میں مبتلا کرنے والا ہو، مثلاً (کسی عضو کا) کٹ جانا یا کانا ہو جانا یا ان جیسے دوسرے مفسد عیوب تو اس صورت میں بے شک اسے خریدنے والا شخص دو اختیارات میں سے بہتر کو چن سکتا ہے، اگر وہ یہ پسند کرے کہ اس کے لیے غلام (کی قیمت میں) سے اس عیب کے لحاظ سے معافی کر دی جائے جو غلام کو خریدنے کے دن اس میں موجود تھا تو یہ مقدار اس سے معاف کر دی جائے گی، اور اگر وہ یہ پسند کرے کہ (اپنے اوپر) اس عیب کے لحاظ سے چٹی برداشت کرے جو اس کے پاس غلام کو پہنچا تھا، پھر (یہ تاوان بھی ادا کرتے ہوئے) غلام کو لوٹا دے تو یہ بھی اس کے لیے جائز ہے اور اگر غلام اس شخص کے پاس مر چکا ہو جس نے اسے خریدا تھا (اور بعد میں اسے معلوم ہوا کہ خریداری کے دن اس میں عیب تھا) تو غلام کی اس حالت والی قیمت لگائی جائے گی کہ اس میں وہ عیب موجود ہو جو اسے خریدنے کے دن اس میں تھا، پھر دیکھا جائے گا کہ (عیب کی حالت میں) اس کی کتنی قیمت ہے، چنانچہ اگر غلام کی خریداری کے دن عیب کے بغیر اس کی قیمت سو دینار تھی اور اسے خریدنے کے دن عیب سمیت اس کی قیمت اسی (80) دینار بنتی ہو، تو خریدار سے وہ مقدار معاف کر دی جائے گی جو دونوں قیمتوں کے درمیان میں ہو (یعنی بیس دینار خریدار کو واپس مل جائیں گے)، اور بلاشبہ قیمت تو صرف اسی دن کی معتبر ہوگی جس میں غلام کو خریدا گیا تھا۔

قَالَ مَالِكٌ: الْأَمْرُ الْمُجْتَمَعُ عَلَيْهِ عِنْدَنَا: أَنَّ مَنْ رَدَّ وَلِيدَةً مِنْ عَيْبٍ وَجَدَهُ بِهَا، وَكَانَ قَدْ أَصَابَهَا، أَنَّهَا إِنْ كَانَتْ بِكْراً، فَعَلَيْهِ مَا نَقَصَ مِنْ ثَمَنِهَا، وَإِنْ كَانَتْ ثَيِّباً، فَلَيْسَ عَلَيْهِ فِي إِصَابَتِهِ إِيَّاهَا شَيْءٌ، لِأَنَّهُ كَانَ ضَامِناً لَهَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں اس حکم پر اجماع ہے کہ جس شخص نے کسی لونڈی کو اس کے عیب کی وجہ سے واپس کیا جسے خریدار نے اس میں پایا تھا، اس حال میں کہ وہ اس سے مباشرت بھی کر چکا ہو تو اگر وہ لونڈی (خریدنے کے دن) کنواری تھی (اور اب کنواری نہ رہنے کی وجہ سے اس کی قیمت کم ہوگئی ہے) تو اس کی قیمت میں جو کچھ بھی کمی ہو وہ خریدار کے ذمے ہے اور اگر وہ پہلے ہی ثیبہ تھی (یعنی کنواری نہ تھی) تو پھر خریدار کے اس سے مباشرت کرنے کی وجہ سے اس پر کچھ بھی تاوان نہ ہوگا کیونکہ بلاشبہ وہی اس کا ضامن بھی تھا۔

فائدہ :...... کنواری لونڈی کو خریدتے وقت اس کی قیمت سو دینار ہو اور عیب کا اعتبار کرنے سے اس کی قیمت ساٹھ دینار بنتی ہو تو خریدار کو چالیس دینار واپس مل سکتے ہیں، اگر وہ اسے اپنے پاس ہی رکھنا چاہے تو چالیس دینار بائع سے واپس لے لے، اور اگر وہ اسے کنوارے پن کے ساتھ ہی واپس کر دے تو سو دینار واپس لے لے، لیکن اگر وہ اس کے پاس آ کر کنواری نہ رہی، جس کی وجہ سے اس کی قیمت میں بیس دینار کی ہوگئی تو یہ بیس دینار خریدار کے ذمے پڑیں گے، چنانچہ اگر وہ اسے اپنے پاس ہی رکھنا چاہے تو بائع سے چالیس کی بجائے صرف بیس دینار واپس لے گا، اور اگر اسے واپس لوٹانا چاہے تو اسے سو کی بجائے اسی دینار ملیں گے اور اگر وہ خریداری کے دن کنواری نہ تھی تو پھر خریدار پر کچھ تاوان نہیں ہوگا، اور اس دوران میں وہ اس کے ساتھ جو جماع کرتا رہا تو یہ لونڈی سے حاصل شدہ فائدہ تھا اور کسی بھی چیز سے فائدہ اٹھانے کا حقدار وہ شخص ہوتا ہے جو اسے نقصان پہنچنے کی صورت میں نقصان بھی برداشت کرے، چنانچہ اگر وہ لونڈی خریدار کے پاس مر جاتی تو وہ اسی کی لونڈی شمار ہو کر مرتی، لہٰذا جو نقصان کا ضامن ہو وہی نفع کا مستحق ہوتا ہے جیسا کہ فرمان نبوی ﷺ ہے: ((اَلْخَرَاجُ بِالضَّمَانِ)) ''نفع تو ضمانت کا عوض ہے۔'' (ابو داود: 3508، ترمذی: 1285، نسائی: 4490، ابن ماجہ: 2242، اس کی سند حسن ہے۔ ارواء الغلیل: 1315)

قَالَ مَالِكٌ : الْأَمْرُ الْمُجْتَمَعُ عَلَيْهِ عِنْدَنَا ، فِيمَنْ بَاعَ عَبْداً ، أَوْ وَلِيدَةً ، أَوْ حَيَوَاناً بِالْبَرَاءَةِ مِنْ أَهْلِ الْمِيرَاثِ ، أَوْ غَيْرِهِمْ ، فَقَدْ بَرِئَ مِنْ كُلِّ عَيْبٍ فِيمَا بَاعَ ، إِلَّا أَنْ يَكُونَ عَلِمَ فِي ذَلِكَ عَيْباً فَكَتَمَهُ ، فَإِنْ كَانَ عَلِمَ عَيْباً فَكَتَمَهُ ، لَمْ تَنْفَعْهُ تَبْرِئَتُهُ ، وَكَانَ مَا بَاعَ مَرْدُوداً عَلَيْهِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں اس حکم پر اتفاق ہے، اس شخص کے متعلق جو کسی غلام یا لونڈی یا جانور کو براءت (کی شرط) کے ساتھ بیچتا ہے (بیچتے وقت خریدار سے کہہ دیتا ہے کہ اس چیز میں کوئی عیب نکلا تو میں ذمہ دار نہ ہوں گا، ورثاء میں سے ہو یا ان کے علاوہ کوئی اور ہو تو یقیناً اس نے جو کچھ بیچا ہے وہ اس میں ہر عیب سے بری ہوگیا، الا یہ کہ وہ اس چیز میں کسی عیب کا علم رکھتا ہو، پھر اسے چھپا لے، چنانچہ اگر اسے کسی عیب کا علم ہو، پھر وہ اسے چھپائے رکھے تو یہ بری ہو جانے کی شرط اسے کچھ نفع نہ دے گی اور اس نے جو کچھ بیچا تھا وہ اس پر رد کر دیا جائے گا۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الْجَارِيَةِ تُبَاعُ بِالْجَارِيَتَيْنِ ، ثُمَّ يُوجَدُ بِإِحْدَى الْجَارِيَتَيْنِ عَيْبٌ ، تُرَدُّ مِنْهُ ، قَالَ : تُقَامُ الْجَارِيَةُ الَّتِي كَانَتْ قِيمَةَ الْجَارِيَتَيْنِ ، فَيُنْظَرُ كَمْ ثَمَنُهَا ، ثُمَّ تُقَامُ الْجَارِيَتَانِ بِغَيْرِ الْعَيْبِ الَّذِي وُجِدَ

امام مالک رحمہ اللہ نے اس لونڈی کے متعلق فرمایا جو دو لونڈیوں کے عوض بیچی جائے، پھر ان دو لونڈیوں میں سے ایک میں کوئی ایسا عیب پایا گیا جس کی وجہ سے وہ بیع مردود ہو سکتی ہو، تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اس لونڈی کی قیمت لگائی جائے گی جو دو لونڈیوں کی قیمت تھی، چنانچہ دیکھا جائے گا

بِإِحْدَاهُمَا ، تُقَامَانِ صَحِيحَتَيْنِ سَالِمَتَيْنِ ، ثُمَّ يُقَسَّمُ ثَمَنُ الْجَارِيَةِ الَّتِي بِيعَتْ بِالْجَارِيَتَيْنِ عَلَيْهِمَا ، بِقَدْرِ ثَمَنِهِمَا ، حَتَّى يَقَعَ عَلَى كُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا حِصَّتُهَا مِنْ ذَلِكَ ، عَلَى الْمُرْتَفِعَةِ بِقَدْرِ ارْتِفَاعِهَا ، وَعَلَى الأُخْرَى بِقَدْرِهَا ، ثُمَّ يُنْظَرُ إِلَى الَّتِي بِهَا الْعَيْبُ ، فَيُرَدُّ بِقَدْرِ الَّذِي وَقَعَ عَلَيْهَا مِنْ تِلْكَ الْحِصَّةِ ، إِنْ كَانَتْ كَثِيرَةً أَوْ قَلِيلَةً ، وَإِنَّمَا تَكُونُ قِيمَةُ الْجَارِيَتَيْنِ عَلَيْهِ يَوْمَ قَبْضِهِمَا

کہ اس کی کیا قیمت ہے، پھر ان دونوں لونڈیوں کی (پہلے) اس عیب کے بغیر قیمت لگائی جائے گی جو ان میں سے ایک میں پایا گیا، دونوں کی قیمت ان کو صحیح سالم اور تندرست شمار کر کے لگائی جائے گی، پھر دو کے بدلے قیمت بننے والی لونڈی کی قیمت ان دونوں لونڈیوں پر ان کی قیمت کے حساب سے تقسیم کر دی جائے گی، یہاں تک کہ ان دونوں میں سے ہر کسی پر اس کی قیمت کا حصہ واقع ہو جائے، زیادہ قیمت والی پر اس کے قیمتی ہونے کے لحاظ سے اور دوسری (سستی) لونڈی پر اس کے حساب سے پھر اس لونڈی کو دیکھا جائے جس میں عیب ہو، چنانچہ اس عیب زدہ لونڈی کو اس حصے کے حساب سے رد کیا جائے گا جو (گزشتہ تفصیل سے) اس پر واقع ہوا تھا، خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر اور (البتہ) آدمی پر دونوں لونڈیوں کی قیمت تو صرف اس دن والی شمار ہوگی جس دن اس نے انھیں قبضے میں لیا تھا۔

فائدہ: ......مثلاً اعلیٰ قسم کی لونڈی کی قیمت ایک سو پچاس دینار تھی جسے دو لونڈیوں کے بدلے بیچا گیا، ان میں سے ایک کی بغیر عیب کے قیمت نوے دینار، اور دوسری کی پینتالیس دینار تھی، یعنی ان دونوں میں سے ایک کی قیمت دوسری سے دوگنا تھی، چنانچہ اعلیٰ لونڈی کی قیمت جو ایک سو پچاس تھی، اسی حساب سے تقسیم کی گئی تو ایک کے بدلے میں سو دینار اور دوسری کے بدلے پچاس دینار آئے، پھر ان میں سے سو دینار کے حصے میں اگر عیب ظاہر ہو تو وہ سو دینار میں واپس کی جائے گی اور اگر دوسری میں عیب نکلے تو وہ پچاس دینار میں واپس ہوگی، اور اگر خریدار اسے اپنے پاس رکھنا چاہتا ہو تو پھر اس عیب کے لحاظ سے وہ رقم واپس لوٹائی جائے گی جو وہ اسے صحت مند سمجھ کر زائد ادا کر چکا تھا، چنانچہ جس لونڈی کے حصے میں سو دینار آئے تھے اگر اس کی حالت عیب میں قیمت ساٹھ دینار بنتی ہو تو خریدار کو چالیس دینار واپس ملیں گے اور اگر پچاس دینار والی لونڈی میں عیب ہو اور اس کی عیب والی قیمت تیس دینار ہو تو اسے بیس دینار واپس مل جائیں گے۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الرَّجُلِ يَشْتَرِي الْعَبْدَ ، فَيُؤَاجِرُهُ بِالإِجَارَةِ الْعَظِيمَةِ ، أَوِ الْغَلَّةِ الْقَلِيلَةِ ، ثُمَّ يَجِدُ بِهِ عَيْباً يُرَدُّ مِنْهُ : إِنَّهُ يَرُدُّهُ بِذَلِكَ الْعَيْبِ ، وَتَكُونُ لَهُ إِجَارَتُهُ وَغَلَّتُهُ ، وَهَذَا الأَمْرُ الَّذِي كَانَتْ عَلَيْهِ الْجَمَاعَةُ

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جو غلام خریدتا ہے، پھر اس سے مزدوری کرواتا ہے، (خواہ) بہت بڑی مزدوری (کے عوض) یا تھوڑی سی آمدنی پھر وہ اس غلام میں ایسا عیب پا لیتا ہے جس کی بنا پر وہ رد کیا جا سکتا ہے، تو بلاشبہ وہ اسے اس عیب کے بدلے واپس لوٹا سکتا ہے اور

بِبَلَدِنَا، وَذَلِكَ لَوْ أَنَّ رَجُلاً ابْتَاعَ عَبْداً, فَبَنَى لَـهُ دَاراً، قِيمَةُ بِنَائِهَا ثَمَنُ الْعَبْدِ أَضْعَافاً، ثُمَّ وَجَـدَ بِـهِ عَيْـباً يُـرَدُّ مِنْـهُ، رَدَّهُ وَلاَ يُحْسَبُ لِلْعَبْدِ عَلَيْهِ إِجَارَةٌ فِيمَا عَمِلَ لَهُ، فَكَذَلِكَ تَكُونُ لَـهُ إِجَارَتُهُ إِذَا آجَرَهُ مِنْ غَيْرِهِ، لِأَنَّهُ ضَامِنٌ لَهُ، وَهَذَا الأَمْرُ عِنْدَنَا

اس غلام کی مزدوری وآمدنی اسی (خریدار یعنی دوسرے مالک ہی) کے لیے ہوگی، (وہ غلام کو لوٹاتے وقت اسے واپس نہ کرے گا کیونکہ لوٹانے سے قبل وہی اس غلام کا ضامن بھی تھا، اگر غلام مرتا تو اسی کا مرتا، لہٰذا اگر وہ نقصان کا ضامن تھا تو نفع کا بھی مستحق ہے، امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:) یہی وہ حکم ہے جس پر ہمارے شہر (مدینہ منورہ کے علماء) کی جماعت (متفق اور قائم) ہے، اور یہ (بالکل اسی طرح ہے کہ جیسے) اگر کوئی شخص ایک غلام خریدے، پھر وہ غلام اس (خریدار آقا) کے لیے ایک ایسا گھر تعمیر کرے کہ جس کی تعمیر کی قیمت غلام کی قیمت سے کئی گنا زیادہ ہو، پھر وہ اس غلام میں کوئی ایسا عیب پالے جس کی وجہ سے اس کی بیع رد ہوسکتی ہو تو وہ اسے واپس کر دے گا، اور غلام نے اس خریدار کے لیے جو کچھ بھی کام کیا تھا اس کی اجرت غلام کے حق میں اس خریدار (آقا کے ذمے) پر شمار نہیں کی جائے گی، (محض غلام ہی واپس ہوگا اور اس کی محنت کا عوضانہ واپس نہیں ہوگا) تو اسی طرح جب وہ خریدار اپنے علاوہ کسی اور کے ہاں اس غلام سے مزدوری کروائے گا تو اس غلام کی کمائی ہوئی اجرت اسی (خریدار آقا) کی ہوگی، کیونکہ وہی اس کا ضامن تھا......امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہمارے ہاں یہی حکم ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: الأَمْرُ عِنْدَنَا فِيمَنِ ابْتَاعَ رَقِيقاً فِي صَفْقَةٍ وَاحِدَةٍ، فَوَجَدَ فِي ذَلِكَ الرَّقِيقِ عَبْداً مَسْرُوقاً، أَوْ وَجَدَ بِعَبْدٍ مِنْهُمْ عَيْباً، أَنَّهُ يُنْظَرُ فِيمَا وُجِدَ مَسْرُوقاً, أَوْ وَجَدَ بِهِ عَيْباً، فَإِنْ كَانَ هُوَ وَجْهَ ذَلِكَ الرَّقِيقِ، أَوْ أَكْثَرَهُ ثَمَناً، أَوْ مِنْ أَجْلِهِ اشْتَرَى، وَهُوَ الَّذِي فِيهِ الْفَضْلُ لَو سَلِمَ فِيمَا يَرَى النَّاسُ، كَانَ ذَلِكَ الْبَيْعُ مَرْدُوداً كُلُّهُ، وَإِنْ كَانَ الَّذِي وُجِدَ مَسْرُوقاً، أَوْ وُجِدَ بِـهِ الْعَيْبُ مِنْ ذَلِكَ الرَّقِيقِ، فِي الشَّيْءِ الْيَسِيرِ مِنْـهُ، لَيْسَ هُوَ وَجْهَ ذَلِكَ الرَّقِيقِ، وَلاَ مِنْ أَجْلِهِ اشْتُرِيَ، وَلاَ فِيهِ الْفَضْلُ فِيمَا يَرَى النَّاسُ، رُدَّ ذَلِكَ الَّذِي

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جو ایک ہی سودے (اور عقد) میں کئی ایک غلام خرید لے، پھر اس نے ان میں ایک چوری شدہ غلام پایا یا ان میں سے کسی غلام میں عیب پا لیا، (تو) امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جو غلام چوری کا یا عیب والا پایا گیا ہے اس کے متعلق دیکھا جائے گا، اگر تو وہی ان تمام غلاموں میں عمدہ وممتاز ہو، یا سب سے زیادہ قیمت والا ہو یا اسی کی وجہ سے اس نے (سب کو) خریدا ہو اور (اگر وہ عیب سے سلامت ہوتو) وہی ایک ایسا ہے جس میں (تجربہ کار) لوگوں کی رائے کے مطابق فضیلت (اور نفع) ہے، تو یہ ساری بیع ہی مردود ہوگی (اور تمام غلام واپس لوٹا دیے جائیں گے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور اگر وہ غلام جو ان تمام غلاموں میں سے چوری

وُجِدَ بِهِ الْعَيْبُ، أَوْ وُجِدَ مَسْرُوقاً بِعَيْنِهِ، بِقَدْرِ قِيمَتِهِ مِنَ الثَّمَنِ، الَّذِي اشْتَرَى بِهِ أُولَئِكَ الرَّقِيقَ

شدہ یا عیب زدہ پایا گیا وہ ان میں سے بہت کم حیثیت میں ہو، نہ تو وہ ان غلاموں میں سب سے زیادہ وجیہ اور ممتاز ہو اور نہ ہی اس کی وجہ سے اس نے (سب غلام) خریدے، اور نہ ہی اس میں لوگوں کے مطابق کوئی فضیلت ونفع ہو، تو پھر خریدار اسی اکیلے کو واپس کرے گا کہ جس میں اس نے عیب پایا ہے یا اسے چوری کا پایا ہے، (اور یہ لوٹانا صرف) اسی کی قیمت کے حساب سے ہوگا) جو اس مجموعی قیمت میں سے ہے کہ جس کے عوض اس نے تمام غلام خریدے تھے۔

فائدہ: ......مثلاً اس نے پانچ غلام خریدے، جن میں سے ایک باپ اور باقی اس کے بیوی بچے یا دوست تھے اور وہی پہلا اصل مقصود تھا یا سب سے قیمتی تھا، بعد میں پتا چلا کہ وہ تو چوری شدہ یا عیب زدہ ہے تو بیع فسخ اور سودا باطل قرار پائے گا اور سب غلام واپس ہوں گے اور اگر باقی غلاموں میں سے کوئی عیب والا نکلا تو پھر کل قیمت میں سے صرف اسی کی قیمت کے بدلے اسے واپس کیا جائے گا۔

5- بَابٌ: مَا يُفْعَلُ فِي الْوَلِيْدَةِ إِذَا بِيْعَتْ وَالشَّرْطُ فِيْهَا

اس لونڈی کا بیان جسے اس حال میں بیچا جائے کہ اس میں (کسی کی کوئی) شرط ہو تو اس کے ساتھ کیا کیا جائے

خلاصۃ الباب: اس باب میں دو موقوف روایات (آثار صحابہ) ہیں جن میں سے ایک صحیح اور ایک ضعیف ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

[1307] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّ عُبَيْدَ اللهِ بْنَ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ أَخْبَرَهُ: أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ مَسْعُودٍ ابْتَاعَ جَارِيَةً مِنِ امْرَأَتِهِ زَيْنَبَ الثَّقَفِيَّةِ، وَاشْتَرَطَتْ عَلَيْهِ أَنَّكَ إِنْ بِعْتَهَا، فَهِيَ لِي بِالثَّمَنِ الَّذِي تَبِيعُهَا بِهِ، فَسَأَلَ عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْعُودٍ عَنْ ذَلِكَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: لَا تَقْرَبْهَا وَفِيهَا شَرْطٌ لِأَحَدٍ.

عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی حضرت زینب ثقفیہ رضی اللہ عنہا سے ایک لونڈی خریدی، ان کی بیوی نے ان پر یہ شرط لگائی کہ اگر آپ نے اسے بیچا تو یہ میرے لیے ہوگی، اسی قیمت کے ساتھ جس کے عوض آپ اسے بیچیں گے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کے متعلق حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو انھوں نے فرمایا: اس کے قریب نہ جانا (اس سے مباشرت نہ کرنا) اس حال میں کہ اس میں کسی کی کوئی شرط ہو۔

[1307] (موقوف ضعيف)، بيهقي: 336/5 (10829)۔ عبدالرزاق: 56/8 (14291)۔ سعيد بن منصور: 2251- شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے۔

فائدہ : ...... کیونکہ بائع کی شرط کی وجہ سے خریدار کو اس لونڈی پر ہر قسم کے تصرف کا اختیار نہیں ملتا، لہٰذا اس کی ملکیت میں کچھ نقص رہ جاتا ہے جبکہ آدمی اپنی صرف اس لونڈی سے جنسی لذت حاصل کر سکتا ہے جو مکمل طور پر اس کے اختیار میں ہو۔

[1308] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: لَا يَطَأُ الرَّجُلُ وَلِيدَةً، إِلَّا وَلِيدَةً إِنْ شَاءَ بَاعَهَا، وَإِنْ شَاءَ وَهَبَهَا، وَإِنْ شَاءَ أَمْسَكَهَا، وَإِنْ شَاءَ صَنَعَ بِهَا مَا شَاءَ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، بلاشبہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ آدمی کسی لونڈی سے مباشرت نہ کرے سوائے اس لونڈی کے (جس میں اسے کامل تصرف واختیار اور ملکیت حاصل ہو) کہ جسے اگر چاہے تو بیچ سکے، اگر چاہے تو اسے ہبہ کر دے، اگر چاہے تو اسے اپنے پاس روکے رکھے اور (الغرض) اگر چاہے تو اس کے ساتھ وہ سب کچھ کر سکے جو وہ چاہے۔

قَالَ مَالِكٌ فِيمَنِ اشْتَرَى جَارِيَةً عَلَى شَرْطِ أَنْ لَا يَبِيعَهَا، أَوْ لَا يَهَبَهَا، أَوْ مَا أَشْبَهَ ذَلِكَ مِنَ الشُّرُوطِ: فَإِنَّهُ لَا يَنْبَغِي لِلْمُشْتَرِي أَنْ يَطَأَهَا، وَذَلِكَ أَنَّهُ لَا يَجُوزُ لَهُ أَنْ يَبِيعَهَا، وَلَا يَهَبَهَا، فَإِذَا كَانَ لَا يَمْلِكُ ذَلِكَ مِنْهَا، فَلَمْ يَمْلِكْهَا مِلْكاً تَامًّا، لِأَنَّهُ قَدِ اسْتُثْنِيَ عَلَيْهِ فِيهَا مَا مَلَكَهُ بِيَدِ غَيْرِهِ، فَإِذَا دَخَلَ هَذَا الشَّرْطُ لَمْ يَصْلُحْ، وَكَانَ بَيْعاً مَكْرُوهاً.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جس نے اس شرط پر کوئی لونڈی خریدی کہ نہ وہ اسے بیچ سکے گا اور نہ اسے ہبہ کر سکے گا یا انھی جیسی کسی اور شرط پر (اسے خریدا)، تو بلاشبہ اس کے لیے درست نہیں کہ وہ اس سے مباشرت کرے، اور یہ (ممانعت) اس وجہ سے ہے کہ بے شک اس کے لیے اسے بیچنا یا اسے ہبہ کرنا تو جائز نہیں ہے، چنانچہ جب وہ اس لونڈی کے متعلق ان چیزوں کا مالک نہیں ہے، تو وہ کامل ملکیت کے ساتھ اس کا مالک نہ بن سکا، کیونکہ یقیناً اس سے اس لونڈی کے متعلق ایسی چیز کا استثناء کیا جا چکا ہے جس کی ملکیت اس کے علاوہ کسی اور کے ہاتھ میں ہے، لہٰذا جب یہ (کوئی بھی) شرط (عقد میں) داخل ہو جائے تو (مباشرت) درست نہیں اور وہ بیع بھی مکروہ ہوگی۔

فائدہ : ...... اللہ تعالیٰ نے جن لونڈیوں کو جائز قرار دیا ہے ان کے متعلق فرمایا ہے: ﴿مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ﴾ (المومنون: ٦) ”تمھارے داہنے ہاتھ جن کے مالک ہیں۔“ چنانچہ جو لونڈی اپنی مکمل ملکیت کے ساتھ آدمی کو نہ ملے تو وہ مباشرت کے لیے بھی جائز نہیں ہو سکے گی اور نتیجتاً جب ایسی لونڈی سے آدمی مباشرت نہیں کرے گا تو

[1308] (موقوف صحیح) بیهقی فی السنن الکبری: 336/5 (10830)۔ وفی معرفة السنن والآثار: 272/5 (4131)۔ عبدالرزاق: 14293۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

وہ اپنی جنسی تسکین کے لیے غلط راہوں کا انتخاب کرے گی، اس لیے لونڈی کے متعلق ایسی بیع کرنا جائز ہی نہیں، اور اگر یہ بیع ہو جائے تو یہ شرط ختم کرائی جائے یا پھر اسے واپس کر دیا جائے۔

6- بَابٌ: النَّهْيُ عَنْ أَنْ يَطَأَ الرَّجُلُ وَلِيْدَةً وَلَهَا زَوْجٌ

خاوند والی لونڈی کے ساتھ مباشرت کرنے کی ممانعت کا بیان

خلاصة الباب: اس باب میں دو موقوف روایات ہیں، جن میں سے ایک صحیح اور ایک ضعیف سند والی ہے۔

[1309] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَامِرٍ أَهْدَى لِعُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ جَارِيَةً، وَلَهَا زَوْجٌ، ابْتَاعَهَا بِالْبَصْرَةِ، فَقَالَ عُثْمَانُ: لَا أَقْرَبُهَا حَتَّى يُفَارِقَهَا زَوْجُهَا. فَأَرْضَى ابْنُ عَامِرٍ زَوْجَهَا فَفَارَقَهَا.

ابن شہاب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ (والی بصرہ، فاتح خراسان و کرمان) حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے (اپنے ماموں زاد بھائی امیر المومنین) حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو ایک لونڈی ہدیے میں دی جس کا خاوند بھی تھا، انھوں نے اسے بصرہ میں خریدا تھا، تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تو اس کے قریب نہ جاؤں گا یہاں تک کہ اس کا خاوند اس کو (طلاق دے کر) جدا کر دے (اور یہ عدت گزار لے)، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے اس کے خاوند کو راضی کر لیا تو اس نے اسے چھوڑ دیا۔

[1310] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ: أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ عَوْفٍ ابْتَاعَ وَلِيدَةً، فَوَجَدَهَا ذَاتَ زَوْجٍ فَرَدَّهَا.

ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ایک لونڈی خریدی تو اسے خاوند والی پایا، چنانچہ انھوں نے اسے واپس کر دیا۔

فائدہ: ......مقصد یہ ہے کہ جس لونڈی کی حالت غلامی میں کسی آزاد شخص یا غلام سے شادی ہو چکی ہو تو وہ اپنے آقا کے لیے حرام ہو جاتی ہے، خواہ اس کے آقا تبدیل ہوتے رہیں، اور یہ ممانعت ان لونڈیوں کے متعلق نہیں ہے جو کفار سے قید ہو کر آئیں اور وہ حالت کفر میں خاوند والی تھیں۔ (سورۂ نساء: 24)

[1309] (موقوف ضعیف)، بیهقی: 323/5 (10751)۔ عبدالرزاق: 282/7 (13178)۔ ابن ابی شیبہ: 18262۔ طحاوی فی مشکل الآثار: 506/4 (2912)۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے۔

[1310] (موقوف صحیح)، بیهقی: 323/5 (10749)۔ عبدالرزاق: 282/7 (13177)۔ ابن ابی شیبہ: 18257۔ سعید بن منصور: 1952۔ طحاوی فی مشکل الآثار: 507/4 (2914)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

7- بَابٌ: مَا جَاءَ فِيْ ثَمَرِ الْمَالِ يُبَاعُ أَصْلُهُ

اس درخت وغیرہ کے پھل کا بیان جو جڑ سمیت بیچا جائے

خلاصۃ الباب اس باب میں صرف ایک مرفوع روایت یعنی حدیث نبوی ﷺ ہے جو کہ بخاری ومسلم میں بھی موجود ہے۔

فائدہ :...... مال سے مراد درخت یا بیلیں ہیں، دراصل کبھی تو درختوں کا صرف پھل بیچا جاتا ہے اور کبھی انھیں مکمل جڑوں سمیت بیچ دیتے ہیں، یہاں دوسری صورت کا بیان ہے۔

[1311] حَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : مَنْ بَاعَ نَخْلاً قَدْ أُبِّرَتْ ، فَثَمَرُهَا لِلْبَائِعِ ، إِلاَّ أَنْ يَشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ .

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے کھجور کا ایسا درخت بیچا جس کی تابیر کر دی گئی ہو تو اس کا پھل بیچنے والے کے لیے ہوگا، الا یہ کہ خریدنے والا اس (پھل کو ساتھ ہی لے لینے) کی شرط لگا لے۔''

فائدہ :...... ''تابیر نخل'' کے معنی کھجور کو گابھا دینا، یا پیوند لگانا بھی کیے جاتے ہیں، اس سے مراد یہ ہے کہ نر کھجور کے گابھے کا پھول اتار کر مادہ کھجور کے گابھے میں ڈال دیا جائے، نر کھجور کو چونکہ پھل نہیں لگتا، اس لیے ''تابیر'' کے عمل سے اس کا پھول ضائع ہونے سے بھی بچ جاتا ہے اور مادہ کھجور کے پھل میں بھی بہت زیادہ اضافے کا باعث بنتا ہے...... حدیث پاک میں بتایا جا رہا ہے کہ اگر کھجور میں یہ عمل نہ کیا گیا ہو تو کھجور کے درخت کی خریداری میں اس کا پھل بھی شامل ہوگا اور اگر تابیر نخل کا عمل ہو چکا ہو تو پھر درخت بیچنے کے باوجود پھل کا مالک بیچنے والا ہی رہے گا، اور جب پھل اترے گا تو وہی لے گا، ہاں اگر سودا کرتے وقت خریدار اس پھل کو بھی ساتھ لینے کی شرط لگا لے تو پھر پھل خریدار کا ہوگا...... امام مالک، امام شافعی رحمہ اللہ اور اہل حدیث کا یہی موقف ہے، البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ تابیر ہو یا نہ ہو، ہر دو صورت میں پھل بیچنے والے کا ہوگا، الا یہ کہ خریدار شرط کر لے، نیز خریدار کے لیے جائز ہے کہ بیع کے وقت ہی بائع سے پھل اتارنے کا مطالبہ کر دے اور اگر وہ بائع پھل پکنے کے وقت تک اسے درخت پر رہنے کی شرط لگائے گا تو بیع فاسد ہوگی۔

[1311] (مرفوع صحيح) صحيح البخاری ، كتاب البيوع ، باب من باع نخلا قد أبرت او ارضا مزروعة ، حديث: 2203، 2204، 2379، 2716۔ صحيح مسلم ، كتاب البيوع ، باب من باع نخلا عليها ثمر ، حديث: 1543۔ ابوداود: 3433۔ ترمذی: 1244۔ نسائی: 4639۔ ابن ماجه: 2210۔ احمد: 62/2 (5306).

8- بَابٌ: اَلنَّهْيُ عَنْ بَيْعِ الثِّمَارِ حَتَّى يَبْدُوَ صَلَاحُهَا

پھلوں کی صلاحیت ظاہر ہونے تک انھیں بیچنے سے ممانعت کا بیان

خلاصة الباب اس باب میں چار روایات ہیں، تین مرفوع (احادیث نبویہ) ہیں اور ایک موقوف (اثر صحابی) ہے اور سب کی سب سنداً صحیح ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاویٰ بھی مذکور ہیں۔

فائدہ :......''صلاح'' سے مراد ہر پھل کی وہ صلاحیت ہے کہ جس کی موجودگی میں اس کا استعمال درست ہو جاتا ہے، عموماً تو اس سے پکنا اور پختگی ظاہر ہونا ہی مراد لیتے ہیں یعنی ہر پھل پکنے کے وقت جو رنگ اختیار کرتا ہے جب وہ ظاہر ہونا شروع ہو جائے تو اس پھل کی خرید وفروخت جائز ہو جاتی ہے، لیکن بہت سے پھلوں کو رنگ ظاہر ہونے سے پہلے ہی مختلف مقاصد کی خاطر استعمال کیا جاتا ہے اور متعدد پھلوں کا حال یہ ہے کہ اپنی نزاکت کی وجہ سے وہ رنگ شروع ہوتے ہی فوراً پک جاتے ہیں اور پھر جلد ہی خراب ہو جاتے ہیں، اس لیے ایسے پھلوں کا استعمال اور انتقال کے قابل ہو جانا بھی ''بدو صلاح'' یعنی صلاحیت کے ظاہر ہونے میں شامل ہے، چنانچہ اچار اور مربہ بنانے کے لیے بعض پھلوں کو رنگ پکڑنے سے پہلے ہی اتارنا پڑتا ہے جیسا کہ آم ہے اور بعض پھلوں کو ان کی جسامت پوری ہونے کے بعد اور رنگ پکڑنے سے پہلے ہی منتقل کیا جاسکتا ہے، مثلاً کیلا اور آم وغیرہ، لہٰذا ان پھلوں کا قابل استعمال وانتقال ہو جانا بھی الفاظ نبویہ کی جامعیت میں شامل ہے کہ ان کی صلاحیت ظاہر ہو جانا کافی ہے۔ واللہ اعلم

نیز فصلوں کے متعلق بھی یہی حکم ہے کہ دانہ سخت ہونے سے پہلے انھیں نہ بیچا جائے۔ (ابو داود: 3371، ترمذی: 1228، ابن ماجہ: 2217 اس کی سند صحیح ہے) لیکن اگر اس فصل کو چارے کے طور پر بیچنا ہو تو اس کا حکم تبدیل ہو جائے گا اور وہ جائز ہے۔

[1312] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَهَى عَنْ بَيْعِ الثِّمَارِ حَتَّى يَبْدُوَ صَلَاحُهَا، نَهَى الْبَائِعَ وَالْمُشْتَرِيَ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے پھلوں کی بیع سے منع فرمایا، یہاں تک کہ ان کی پختگی وبہتری ظاہر ہو جائے، آپ ﷺ نے بیچنے والے اور خریدنے والے دونوں افراد کو منع فرمایا۔

فائدہ :......لیکن احناف کے ہاں پھل پیدا ہونے کے بعد اور پختگی ظاہر ہونے سے پہلے کی ہوئی یہ بیع جائز ہے جبکہ باقی سب ائمہ کے نزدیک حرام ہے۔

[1312] (صحيح البخاري)، كتاب البيوع، باب بيع الثمار قبل ان يبدو وصلاحها، حديث: 2194، 1486، 2183، 2199- صحيح مسلم، كتاب البيوع، باب النهي عن بيع الثمار قبل بدو صلاحها، حديث: 1534- ابوداود: 3367- ترمذی: 1226- نسائی: 4523- ابن ماجه: 2214- احمد: 7/2 (4525).

[1313] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيلِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَهَى عَنْ بَيْعِ الثِّمَارِ حَتَّى تُزْهِيَ. فَقِيلَ لَهُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَا تُزْهِي؟ فَقَالَ: حِينَ تَحْمَرُّ. وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: أَرَأَيْتَ إِذَا مَنَعَ اللَّهُ الثَّمَرَةَ، فَبِمَ يَأْخُذُ أَحَدُكُمْ مَالَ أَخِيهِ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے پھلوں کی خرید وفروخت سے منع فرمایا، یہاں تک کہ وہ نشوونما پالیں، لوگوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ((تُزْهِيَ)) ''وہ نشوونما پالیں'' سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب وہ (پھل) سرخ ہو جائیں اور یا زرد ہو جائیں۔'' اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بھلا بتاؤ تو سہی، جب اللہ تعالیٰ پھل کو روک لے تو تم میں سے کوئی کس چیز کے بدلے اپنے بھائی کا مال لے گا؟''

فائدہ: ......یعنی جو پھل جس رنگ میں پکتا ہو وہ رنگ شروع ہو جائے جیسا کہ بعض کھجوریں پکتے وقت زرد اور بعض سرخ ہو جاتی ہیں اور بعض انگور سیاہ رنگ کے ساتھ پکتے ہیں۔ حدیث مبارکہ کے آخری جملے کا مفہوم یہ ہے کہ پھلوں کی صلاحیت وپختگی ظاہر ہونے سے پہلے کے عرصے میں پھل ضائع ہونے کا خدشہ نسبتاً زیادہ ہوتا ہے، کبھی پھول آندھی یا بارش سے جھڑ کر ختم ہو جاتے ہیں، کبھی پھل شروع ہوتے ہی خشک ہو جاتا ہے یا اس میں کیڑے پڑ جاتے ہیں، چنانچہ اگر کوئی شخص صلاحیت پھل کے ظہور سے قبل ہی اسے خرید لے جیسا کہ آج کل عموماً لوگ باغات کے متعلق یہی روش اپناتے ہیں اور پھر پھل پکنے کے آغاز سے قبل ہی ایسی بیماری آ جائے کہ مطلوبہ پھل حاصل ہی نہ ہو سکے تو خریدار ہاتھ ملتا رہ جائے گا، اس کی ادا کردہ رقم اور مال بے کار ثابت ہوں گے اور بیچنے والے کو بغیر کسی عوض کے نفع مل جائے گا تو اس صورت سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ ''جب پھل ہی نہ ملے تو باغ والا آخر کس چیز کے عوض خریدار سے قیمت وصول کرے گا۔'' لہٰذا یہ بیع ہی ممنوع ہے، اگر کسی نے اس مقررہ مدت (ظہور صلاحیت) سے پہلے پھل بیچا تو اس پر لازم ہے کہ خریدار کو اس کی رقم واپس کرے اور صلاحیت کے ظہور کے بعد نئے سرے سے سودا کرے۔

[1313] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الرِّجَالِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ حَارِثَةَ، عَنْ

عمرہ بنت عبدالرحمن رحمہا اللہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے پھلوں کی خرید وفروخت سے منع فرمایا یہاں

[1313] (مرفوع صحيح)، صحيح البخاری، كتاب البيوع، باب اذا باع الثمار قبل ان يبدو صلاحها، حديث: 2198، 1488، 2195، 2197، 2208- صحيح مسلم، كتاب المساقاة، باب وضع الجوائح، حديث: 1555- نسائی: 4530- ابن ماجه: 2217- احمد: 221/3 (13347).

[1314] (مرفوع صحيح لغيره)، احمد: 105/6، 106 (25251)- الشافعی فی الأم: 47/3- وفی المسند: 309/2- بيهقی فی معرفة السنن والآثار: 322/4 (3396)- طحاوی فی شرح معانی الآثار: 23/4- شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو صحیح لغیرہ قرار دیا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

أُمِّهِ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنْ بَيْعِ الثِّمَارِ حَتّٰى تَنْجُوَ مِنَ الْعَاهَةِ. تک کہ وہ آفت سے نجات پا جائے۔

فائدہ:...... پھلوں کی آفت دو قسم کی ہوتی ہے، ایک کو "عَاهَةٌ" اور دوسری کو "جَائِحَةٌ" کہتے ہیں، حدیث میں پہلی قسم کا تذکرہ ہے، "عـــاهَةٌ" سے مراد وہ آفات ہیں جو پھل پکنے سے پہلے حملہ کرتی ہیں اور ان کا تعلق پھل کی ذات کے ساتھ ہوتا ہے جبکہ "جائحہ" سے مراد وہ آفتیں ہیں جو پھل کی صلاحیت ظاہر ہونے کے بعد آتی ہیں اور وہ پھل کے علاوہ اور جانب سے آتی ہیں "عـــاهة" سے مراد کیڑے پڑ جانا، گابھے میں پھل خشک ہو جانا، سیاہ ہو جانا یا بدشکل ہو جانا ہے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اہل مدینہ میں پھلوں کے تیار ہونے سے پہلے ہی ان کی خرید وفروخت ہوتی رہتی تھی، لیکن جب رقم کی ادائیگی کا وقت آتا تو خریدار یہ عذر پیش کرتا کہ پھلوں میں تو فلاں فلاں آفت نازل ہوگئی ہے، مگر بائع نہ مانتا، آخر رسول اللہ ﷺ کے پاس جب بار بار یہ جھگڑے پہنچے تو آپ ﷺ نے اس بیع پر پابندی لگا دی۔ (بخاری: 2193) اور آپ ﷺ نے پھلوں کو بیچنے سے منع فرما دیا یہاں تک کہ ان کی صلاحیت ظاہر ہو جائے اور ان سے ان کی آفت دور ہو جائے۔ (بخاری: 1486، مسلم: 1534 عن ابن عمر)

اگرچہ پھلوں کی پختگی وصلاحیت کے ظہور کے بعد بھی آفات کے خدشات لاحق رہتے ہیں، ایسی آفت "جائحہ" کہلاتی ہے، مثلاً آگ لگ جانا، ٹھنڈی ترین ہوا، طوفان، ٹڈی دل کا حملہ، ژالہ باری، سیلاب وغیرہ لیکن چونکہ پھل تیار ہو جانے کے بعد یہ آفات شاذ ونادر ہی آتی ہیں اس لیے ان کا اعتبار نہیں کیا گیا۔ لیکن پھر بھی صلاحیت ظاہر ہونے کے بعد بھی پھل ضائع ہو جائے تو بھی حکم پیغمبر ﷺ یہی ہے کہ کچھ وصول نہ کیا جائے۔ (مسلم: 1554)

قَالَ مَالِكٌ: وَبَيْعُ الثِّمَارِ قَبْلَ أَنْ يَبْدُوَ صَلَاحُهَا مِنْ بَيْعِ الْغَرَرِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ پھلوں کی درستی ظاہر ہونے سے پہلے ان کو بیچنا "بیع الغرر" (دھوکے والی خرید وفروخت) میں سے ہے۔

فائدہ:...... کیونکہ اس میں کچھ خبر نہیں ہوتی کہ پھل حاصل ہوگا یا نہیں، اور یہ معدوم چیز کی بیع یا مجہول چیز کی خرید وفروخت شمار ہوگی اور رسول اللہ ﷺ نے ہر قسم کی "بیع الغرر" سے منع فرمایا ہے۔ (مسلم: ١٥١٣)

[1315] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنْ خَارِجَةَ بْنِ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ: أَنَّهُ كَانَ لَا يَبِيعُ ثِمَارَهُ حَتّٰى تَطْلُعَ الثُّرَيَّا.

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ اپنے پھل نہیں بیچتے تھے، یہاں تک کہ ثریا کے تارے طلوع ہو جاتے۔

[1315] (موقوف صحیح)، صحيح البخاري، كتاب البيوع، باب بيع الثمار قبل ان يبدو صلاحها، حديث: 2193- بيهقي: 301/5 (10605)- شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

فائدہ :...... ثُـرَیَّا کا لفظ (ثَوْرًا) (بیل) سے ماخوذ ہے۔ یہ ستاروں کے ایک جھرمٹ کا نام ہے، جس میں سے سات تارے نمایاں ہوتے ہیں اور حجاز کے علاقے میں موسم گرما کے آغاز میں فجر ہوتے ہی طلوع ہوتے ہیں، باقی ایام میں ان کا طلوع اس وقت سے پہلے ہو جاتا ہے، سو اس وقت کھجوروں کا پکنا ظاہر ہو چکا ہوتا ہے۔ بہر حال یہ تو محض ایک علاقائی علامت ہے ورنہ بنیادی حکم فرمان پیغمبر ﷺ میں موجود ہے۔

قَـالَ مَـالِكٌ: وَالْأَمْـرُ عِنْدَنَا فِي بَيْعِ الْبِطِّيخِ، وَالْقِثَّاءِ، وَالْخِرْبِزِ، وَالْجَزَرِ: إِنَّ بَيْعَهُ إِذَا بَدَا صَلَاحُهُ حَلَالٌ جَائِزٌ، ثُمَّ يَكُونُ لِلْمُشْتَرِي مَا يَـنْبُتُ حَتَّـى يَنْقَطِعَ ثَمَرُهُ، وَيَهْلِكَ، وَلَيْسَ فِـي ذٰلِكَ وَقْـتٌ يُوَقَّـتُ، وَذٰلِكَ أَنَّ وَقْتَـهُ مَـعْـرُوفٌ عِنْدَ النَّاسِ، وَرُبَّمَا دَخَلَتْهُ الْعَاهَةُ فَـقَـطَـعَـتْ ثَمَرَتَهُ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَ ذٰلِكَ الْوَقْتُ، فَـإِذَا دَخَـلَـتْـهُ الْـعَـاهَةُ بِـجَائِحَةٍ تَبْلُغُ الثُّلُثَ فَـصَـاعِـداً، كَـانَ ذٰلِكَ مَوْضُوعاً عَنِ الَّذِي ابْتَاعَهُ

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہمارے ہاں تربوز، ککڑی (کھیرا، ونگا، تر)، خربوزہ اور گاجر کی خرید و فروخت کے متعلق یہ حکم ہے کہ بے شک جب ان کی صلاحیت ظاہر ہو جائے تو ان کی بیع جائز اور حلال ہوتی ہے، پھر جو کچھ (اس خریداری کے بعد) اُگتا رہے گا وہ خریدار کا ہوگا یہاں تک کہ اس کا پھل ختم ہو جائے اور ہلاک ہو جائے اور اس (انقطاع پھل) کے لیے کوئی متعین وقت نہیں ہے جو مقرر کیا جا سکے اور اس کا وقت لوگوں کے ہاں معروف ہوتا ہے، ہاں بسا اوقات پھل میں کوئی آفت داخل ہو جاتی ہے اور (انقطاع پھل کا اصل) وقت آنے سے پہلے ہی پھل منقطع ہو جاتا ہے، چنانچہ جب وہ آفت اتنی تباہی کے ساتھ آئے کہ جو تہائی مال یا اس سے زیادہ تک پہنچ جائے تو وہ اس شخص سے معاف کر دی جائے گی جس نے اسے خریدا تھا۔

فائدہ :...... یعنی پھل پکنے کے آغاز میں باغ یا فصل کو بیچ دیا جاتا ہے، پھر آہستہ آہستہ پھل اترتا رہتا ہے اور ہر پھل کا معاملہ الگ الگ ہے، کچھ جلدی اور یکبارگی ختم ہو جاتے ہیں اور کچھ پھل کچھ دنوں تک جاری رہتے ہیں، خصوصاً خربوزے، پھوٹ اور کھیرے وغیرہ۔ یہ ایک خاص مدت تک اپنا سلسلہ جاری رکھتے ہیں...... پھر کسی بھی موسم میں کسی باغ یا فصل سے حاصل ہونے والی عمومی مقدار سے اگر کچھ ضائع بھی ہو جائے تو اس کی پروا نہیں کی جاتی، لیکن اگر تہائی مال تک یا اس سے زیادہ تباہ ہو جائے تو وہ معاف ہوگی۔ اس تباہی پر معافی کے متعلق تفصیل آگے دسویں باب میں آ رہی ہے۔

9- بَابٌ: مَا جَاءَ فِيْ بَيْعِ الْعَرِيَّةِ

عریہ یعنی عاریتاً دیے ہوئے درخت کے پھل کی بیع کا بیان

خلاصۃ الباب ☜ اس باب میں دو مرفوع روایات (احادیث نبویہ) ہیں جو بخاری و مسلم میں موجود ہیں۔ نیز امام

مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

فائدہ :...... عَرِيَّه کی جمع "عَرَايَا" ہے جیسا کہ عَطِيَّه کی جمع عَطَايَا۔ عَرِيَّه سے مراد وہ درخت ہے جو کسی باغ وغیرہ کا مالک کسی مسکین کو عاریۃً دے دیتا ہے کہ اس فلاں درخت سے جو بھی پھل حاصل ہو وہ اس مسکین کا ہوگا، پھر مسکین کے اپنی ضرورت کی بنا پر بار بار آنے کی وجہ سے باغ یا گھر والوں کو تنگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اس لیے اس درخت پر لگے ہوئے تازہ پھل کا گھر میں موجود خشک پھل کے ساتھ تبادلہ کرنا بعض شروط کے ساتھ جائز رکھا گیا ہے، اس تبادلے کو "بیعُ العَرِیّہ" کہتے ہیں، یہ صرف مسکینوں پر احسان کرنے کے لیے مشروع ہوا ہے، ورنہ درحقیقت اسے "بیع مُزَابنہ" کہتے ہیں جو کہ حرام ہے اور اس کا تفصیلی بیان آگے تیرھویں باب میں آ رہا ہے۔

[1316] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ أَرْخَصَ لِصَاحِبِ الْعَرِيَّةِ، أَنْ يَبِيعَهَا بِخَرْصِهَا.

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''عریہ'' والے کو یہ رخصت عطا فرمائی ہے کہ وہ اسے اس کا اندازہ لگا کر بیچ سکتا ہے۔

فائدہ :...... اندازہ لگایا جائے گا کہ درخت پر موجود پھل خشک ہو کر کتنا رہ جائے گا، پھر وہ مسکین اس مقدار کے برابر خشک پھل باغ والوں سے لے لے گا اور درخت کا پھل ان کے حوالے کر دے گا، اب ان کی مرضی ہے کہ اسے تازہ کھاتے رہیں یا خشک کر لیں۔

[1317] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ دَاوُدَ بْنِ الْحُصَيْنِ، عَنْ أَبِي سُفْيَانَ مَوْلَى ابْنِ أَبِي أَحْمَدَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ أَرْخَصَ فِي بَيْعِ الْعَرَايَا بِخَرْصِهَا، فِيمَا دُونَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ، أَوْ فِي خَمْسَةِ أَوْسُقٍ. يَشُكُّ دَاوُدُ قَالَ: خَمْسَةِ أَوْسُقٍ: أَوْ دُونَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''عرایا'' کی بیع میں ان کا اندازہ لگا کر (بیچنے کی) رخصت دی ہے، (لیکن صرف) پانچ وسق سے کم میں یا (فرمایا کہ) پانچ وسق میں۔

[1316] (مرفوع صحیح)، صحیح البخاری، کتاب البیوع، باب بیع المزابنة، حدیث: 2188، 2173، 2184، 2192، 2380۔ صحیح مسلم، کتاب البیوع، باب تحریم بیع الرطب بالتمر الا فی العرایا، حدیث: 1539۔ ابوداود: 3362۔ ترمذی: 1302۔ نسائی: 4542۔ ابن ماجه: 2269۔ احمد: 186/5 (21965).

[1317] (مرفوع صحیح)، صحیح البخاری، کتاب المساقاة، باب الرجل یکون له ممر او شرب فی حائط اوفی نخل، حدیث: 2382، 2190۔ صحیح مسلم، کتاب البیوع، باب تحریم بیع الرطب بالتمر الا فی العرایا، حدیث: 1541۔ ابوداود: 3364۔ ترمذی: 1301۔ نسائی: 4545۔ احمد: 237/2 (7235).

فائدہ :......یعنی بیعُ الْعَرِیّہ کی رخصت پانچ وسق تک ہے، اس سے زیادہ نہیں، ایک وسق میں ساٹھ صاع ہوتے ہیں اور عموماً پانچ وسق سے بیس من مراد لیے جاتے ہیں، لیکن تحقیقی وزن کے مطابق ایک وسق، 125.971 کلوگرام یعنی تقریباً 126 کلوگرام کا ہوتا ہے، اس طرح پانچ وسق کی مقدار 629/856 کلوگرام یعنی تقریباً 15 من اور 30 کلوگرام بنتی ہے۔ احناف کے ہاں اس بیع میں کسی وزن کی قید نہیں ہے، امام مالک رحمہ اللہ پانچ وسق تک کی اجازت کے قائل ہیں جبکہ شوافع، حنابلہ اور اہل ظاہر کے ہاں پانچ وسق سے کم میں جائز ہے، کیونکہ حدیث میں یہ وزن یقینی ہے اور پورے پانچ وسق کا لفظ شک والا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَإِنَّمَا تُبَاعُ الْعَرَايَا بِخَرْصِهَا مِنَ التَّمْرِ ، يُتَحَرَّى ذَلِكَ وَيُخْرَصُ فِي رُؤُوسِ النَّخْلِ ، وَإِنَّمَا أُرْخِصَ فِيهِ لِأَنَّهُ أُنْزِلَ بِمَنْزِلَةِ التَّوْلِيَةِ وَالْإِقَالَةِ وَالشِّرْكِ ، وَلَوْ كَانَ بِمَنْزِلَةِ غَيْرِهِ مِنَ الْبُيُوعِ ، مَا أَشْرَكَ أَحَدٌ أَحَداً فِي طَعَامِهِ ، حَتَّى يَقْبِضَهُ الْمُبْتَاعُ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: بلاشبہ ''عرایا'' کو ان کا اندازہ لگا کر خشک کھجور کے بدلے بیچا جاتا ہے، (چنانچہ اچھی طرح) اس کی جستجو کی جائے گی اور کھجوروں کے درختوں کی چوٹیوں پر موجود پھل کا تخمینہ لگایا جائے گا اور اس کے لیے کوئی ماپ نہ ہوگا، (کیونکہ درخت پر موجود پھل تولا نہیں جاسکتا، اس کا تو محض اندازہ ہی لگایا جا سکتا ہے) اور یقیناً آپ ﷺ نے اس میں اس لیے رخصت دی ہے کہ آپ ﷺ نے اسے تولیہ (متولی بنانے)، اقالہ (بیع فسخ کرنے) اور شراکت کی طرح قرار دیا ہے، اور اگر یہ ان کے علاوہ دوسری بیوع کی طرح ہوتی تو کوئی بھی شخص کسی بھی آدمی کے ساتھ کسی بھی اناج میں شرکت نہ کرسکتا، یہاں تک کہ وہ اسے پورا کر لے (پورا تول کر قبضے میں لے لے) اور نہ ہی آدمی (ان بیوع میں سے کسی) بیع کو بیچنے والے سے فسخ کرا سکتا ہے اور نہ ہی اس چیز کا کسی کو متولی بنا سکتا ہے یہاں تک کہ خریدار اسے اپنے قبضے میں لے لے۔

فائدہ :...... یہ معاملہ محض رخصتوں کا معاملہ ہے اور بیع کے احکامات کے ساتھ اسے محض تشبیہ دیتے ہوئے ان کے قائم مقام کیا گیا ہے کہ مثلاً صاحب درخت یعنی مسکین نے باغ والے کو اپنے پھل کا متولی بنا دیا یا باغ والے نے مسکین کو درخت کا پھل بیچ کر اقالہ کر لیا یعنی بیع فسخ کر دی اور اس کی جگہ خشک پھل دے دیا یا اس نے اسے اپنا شریک بنا لیا۔ یاد رہے کہ ''تَوْلِيه ، إِقَالہ اور شِرْکہ'' اصطلاحی الفاظ ہیں جن کا خاص مفہوم ہے، امام مالک رحمہ اللہ ان کی تفصیل اسی کتاب البیوع کے باب: 41 میں ذکر کریں گے۔

10- بَابٌ: الْجَائِحَةُ فِي بَيْعِ الثِّمَارِ وَالزَّرْعِ

پھلوں اور کھیتی کی بیع میں آفت کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں دو روایات ہیں، ایک مرفوع ہے جو بخاری و مسلم میں بھی موجود ہے اور ایک

مقطوع یعنی اثر تابعی رحمہ اللہ ہے جو سنداً ضعیف ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ مذکور ہے۔

[1318] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الرِّجَالِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أُمِّهِ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّهُ سَمِعَهَا تَقُولُ: ابْتَاعَ رَجُلٌ ثَمَرَ حَائِطٍ فِي زَمَانِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَعَالَجَهُ وَقَامَ فِيهِ، حَتَّى تَبَيَّنَ لَهُ النُّقْصَانُ، فَسَأَلَ رَبَّ الْحَائِطِ أَنْ يَضَعَ لَهُ، أَوْ أَنْ يُقِيلَهُ، فَحَلَفَ أَنْ لاَ يَفْعَلَ، فَذَهَبَتْ أُمُّ الْمُشْتَرِي إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَذَكَرَتْ ذَلِكَ لَهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: تَأَلَّى أَنْ لاَ يَفْعَلَ خَيْراً. فَسَمِعَ بِذَلِكَ رَبُّ الْحَائِطِ، فَأَتَى رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ هُوَ لَهُ.

عمرہ بنت عبدالرحمٰن رحمہا اللہ سے روایت ہے، وہ فرماتی تھیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایک باغ کا پھل خریدا، پس وہ اس کی درستی میں مصروف رہا اور اس میں لگا رہا، یہاں تک کہ (ایک ایسی آفت آ گئی جس سے) اس کو واضح نقصان نظر آنے لگا، چنانچہ اس نے باغ کے مالک سے درخواست کی کہ وہ اس کے لیے (کچھ قیمت) معاف کر دے یا بیع ہی فسخ کر دے، (لیکن) اس بائع نے قسم کھا لی کہ وہ ایسا نہیں کرے گا، سو خریدار کی والدہ رسول اللہ ﷺ کے پاس چلی گئیں اور آپ ﷺ کے سامنے اس معاملے کا ذکر کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اس نے یہ قسم کھالی ہے کہ وہ بھلائی کا کام نہیں کرے گا۔" چنانچہ باغ کے مالک نے یہ بات سنی تو رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اے اللہ کے رسول! یہ (دونوں کاموں میں سے ایک) اس کے لیے (مجھے قبول) ہے۔

فائدہ :......اس کی مرضی ہے، چاہے تو قیمت میں کمی کر لے اور چاہے تو سودا منسوخ کر کے پھل واپس کر دے۔

[1319] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ قَضَى بِوَضْعِ الْجَائِحَةِ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے آفت کے معاف کر دینے کا فیصلہ کیا۔

قَالَ مَالِكٌ: وَعَلَى ذَلِكَ الأَمْرُ عِنْدَنَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہمارے ہاں بھی اس کے مطابق حکم ہے۔

[1318] (مرفوع صحيح)، صحيح البخاري، كتاب الصلح، باب هل يشير الامام بالصلح، حديث: 2705- صحيح مسلم، كتاب المساقاة، باب استحباب الوضع من الدين، حديث: 1557، احمد: 69/6، 105 (24909، 25249)

[1319] (مقطوع ضعیف) شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے۔

فائدہ: ...... یہ روایت رسول اللہ ﷺ سے مرفوع بھی ثابت ہے۔(مسلم: 1554، ابوداود: 3374، نسائی: 4533)

قَالَ مَالِكٌ : وَالْجَائِحَةُ الَّتِي تُوضَعُ عَنِ الْمُشْتَرِي الثُّلُثُ فَصَاعِداً، وَلَا يَكُونُ مَا دُونَ ذٰلِكَ جَائِحَةً.

امام مالک ﷫ نے فرمایا: وہ آفت جو خریدار سے معاف کی جاتی ہے، وہ تہائی مال یا اس سے زیادہ کی ہوتی ہے اور اس سے کم میں آفت (معتبر ہی) نہیں ہوتی۔

فائدہ: ......لہٰذا اگر تہائی مال سے کم نقصان ہوا ہو تو یہ خریدار کے حصے ہی سے ضائع ہوا اور اگر تہائی مال یا اس سے زیادہ ضائع ہو تو وہ بیچنے والے کے حق میں ضائع ہوا۔ یہ امام مالک ﷫ کا موقف ہے کہ تہائی یا اس سے زیادہ مال کی تباہی والی آفت میں معافی ہوگی، جبکہ امام احمد اور امام شافعی ﷫ کے نزدیک ہر قسم کی تباہی میں معافی ہوگی اور پوری قیمت خریدار کو واپس کی جائے گی، اور امام ابوحنیفہ ﷫ کے نزدیک یہ معافی واجب ہی نہیں ہے، یہ تو محض مستحب عمل ہے، کوئی چاہے تو کر لے اور نہ چاہے تو نہ کرے۔ امام احمد اور امام شافعی ﷫ والا موقف راجح ہے اور الفاظ حدیث کے مطابق ہے کہ ہر آفت خواہ قلیل ہو یا کثیر، میں معافی ہوگی۔

11- بَابٌ: مَا يَجُوزُ فِي اسْتِثْنَاءِ الثَّمَرِ

(بیچتے وقت کچھ) پھل مستثنیٰ کر لینے کے جواز کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں تین مقطوع روایات (آثار تابعین) ہیں جن میں سے ایک ضعیف اور دو صحیح ہیں، نیز امام صاحب کے دو فتاویٰ بھی مذکور ہیں۔

فائدہ: ......حضرت جابر ﷜ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (خرید وفروخت میں) استثناء کرنے سے منع فرمایا ہے۔(مسلم: 1536) البتہ دوسری حدیث میں یہ بھی موجود ہے:''الا یہ کہ معلوم کرا دیا جائے۔'' (ابوداود: 3405، ترمذی: 1290، نسائی: 4637، اس کی سند صحیح ہے) الغرض اگر مجہول استثناء ہو تو حرام ہے اور اگر معلوم ومتعین استثناء ہو تو جائز ہے۔

[1320] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، أَنَّ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ كَانَ يَبِيعُ ثَمَرَ حَائِطِهِ، وَيَسْتَثْنِي مِنْهُ.

ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن ﷫ سے روایت ہے کہ قاسم بن محمد اپنے باغ کا پھل بیچا کرتے تھے اور وہ اس میں سے استثناء بھی کر لیتے تھے۔

[1320] (مقطوع صحيح)، ابن ابی شيبه: 380/4 (21199)۔ الشافعی فی الام: 60/3۔ بيهقی فی معرفة السنن والآثار: 329/4 (3414)۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

[1321] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ: أَنَّ جَدَّهُ مُحَمَّدَ بْنَ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ بَاعَ ثَمَرَ حَائِطٍ لَهُ، يُقَالُ لَهُ الأَفْرَاقُ، بِأَرْبَعَةِ آلَافِ دِرْهَمٍ، وَاسْتَثْنَى مِنْهُ بِثَمَانِ مِئَةِ دِرْهَمٍ تَمْراً.

عبداللہ بن ابی بکر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ان کے دادا محمد بن عمرو بن حزم رحمہ اللہ نے اپنے اس باغ کا پھل بیچا جسے ''افراق'' کہا جاتا تھا، انھوں نے یہ پھل چار ہزار درہم کے بدلے فروخت کیا اور اس میں سے آٹھ سو درہم کی کھجوریں مستثنیٰ کر لیں۔

فائدہ: ......بعض نسخوں میں ''اَفْرَق'' نام مذکور ہے اور یہ مدینہ منورہ میں ایک جگہ کا نام ہے۔

[1322] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الرِّجَالِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ حَارِثَةَ: أَنَّ أُمَّهُ عَمْرَةَ بِنْتَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ كَانَتْ تَبِيعُ ثِمَارَهَا، وَتَسْتَثْنِي مِنْهَا.

ابو رجال محمد بن عبدالرحمٰن بن حارثہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ان کی والدہ عمرہ بنت عبدالرحمٰن رحمہا اللہ اپنے پھلوں کو بیچا کرتی تھیں اور ان میں سے استثناء کر لیتی تھیں۔

قَالَ مَالِكٌ: الأَمْرُ الْمُجْتَمَعُ عَلَيْهِ عِنْدَنَا، أَنَّ الرَّجُلَ إِذَا بَاعَ ثَمَرَ حَائِطِهِ، أَنَّ لَهُ أَنْ يَسْتَثْنِيَ مِنْ ثَمَرِ حَائِطِهِ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ ثُلُثِ الثَّمَرِ، لَا يُجَاوِزُ ذَلِكَ, وَمَا كَانَ دُونَ الثُّلُثِ فَلَا بَأْسَ بِذَلِكَ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں اس حکم پر اتفاق ہے کہ بے شک آدمی جب اپنے باغ کا پھل بیچتا ہے تو بلاشبہ اس کے لیے جائز ہے کہ اپنے باغ کے پھل سے اتنا پھل مستثنیٰ کر لے جو پھل کے تیسرے حصے تک کے درمیان درمیان میں ہو۔

قَالَ مَالِكٌ: فَأَمَّا الرَّجُلُ يَبِيعُ ثَمَرَ حَائِطِهِ، وَيَسْتَثْنِي مِنْ ثَمَرِ حَائِطِهِ ثَمَرَ نَخْلَةٍ، أَوْ نَخَلَاتٍ يَخْتَارُهَا، وَيُسَمِّي عَدَدَهَا، فَلَا أَرَى بِذَلِكَ بَأْساً، لِأَنَّ رَبَّ الْحَائِطِ إِنَّمَا اسْتَثْنَى شَيْئاً مِنْ ثَمَرِ حَائِطِ نَفْسِهِ، وَإِنَّمَا

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: رہا وہ شخص جو اپنے باغ کا پھل بیچتا ہے اور اپنے باغ کے پھل سے کسی ایک کھجور کا درخت یا زیادہ درختوں کا پھل مستثنیٰ کرتا ہے، جن کو وہ متعین بھی کر دیتا ہے اور ان کی تعداد کا ذکر بھی کر دیتا ہے تو میں اس میں کوئی حرج نہیں دیکھتا، کیونکہ بلاشبہ باغ کے مالک نے

[1321] (مقطوع ضعيف)، عبدالرزاق: 262/8 (15151)- ابن ابی شیبه: 380/4 (21197)- الشافعی فی الام: 60/3- بیهقی فی معرفة السنن والآثار: 329/4 (3415)- شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

[1322] (مقطوع صحيح) الشافعی فی الام: 60/3- بیهقی فی معرفة السنن والآثار: 329/4 (3416)- شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

ذَلِكَ شَيْءٌ احْتَبَسَهُ مِنْ حَائِطِهِ وَأَمْسَكَهُ لَمْ يَبِعْهُ، وَبَاعَ مِنْ حَائِطِهِ مَا سِوَى ذَلِكَ

اپنے ہی ذاتی باغ کے پھل سے ایک چیز کا استثناء کیا ہے، اور یقیناً یہ تو صرف ایک ایسی چیز ہے جسے اس نے اپنے باغ میں سے (اپنے لیے) موقوف ٹھہرا دیا ہے اور اسے اپنے لیے روک لیا ہے (بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ) اس نے اسے بیچا ہی نہیں اور اپنے باغ میں سے اس کے علاوہ باقی مال بیچا ہے۔

فائدہ: ......الغرض کسی بھی قسم کا معلوم استثناء درست ہے جو بعد ازاں باعث نزاع بھی نہیں بنتا، ہاں اگر مجہول استثناء ہو یعنی درخت متعین نہ کیے یا وزن متعین نہ کیا تو یہ استثناء اختلاف ونزاع اور بدمزگی کا باعث بنے گا لہٰذا وہ ممنوع ہے۔

12- بَابٌ: مَا يُكْرَهُ مِنْ بَيْعِ التَّمْرِ

کھجوروں کی مکروہ (ناجائز) خرید وفروخت کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں تین مرفوع روایات یعنی احادیث نبویہ ہیں اور سب کی سب سنداً صحیح ہیں۔

[1323] حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ أَنَّهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: التَّمْرُ بِالتَّمْرِ مِثْلاً بِمِثْلٍ. فَقِيلَ لَهُ: إِنَّ عَامِلَكَ عَلَى خَيْبَرَ يَأْخُذُ الصَّاعَ بِالصَّاعَيْنِ. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ادْعُوهُ لِي. فَدُعِيَ لَهُ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: أَتَأْخُذُ الصَّاعَ بِالصَّاعَيْنِ؟. فَقَالَ، يَا رَسُولَ اللّٰهِ لاَ يَبِيعُونَنِي الْجَنِيبَ بِالْجَمْعِ صَاعاً بِصَاعٍ. فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: بِعِ الْجَمْعَ بِالدَّرَاهِمِ، ثُمَّ ابْتَعْ بِالدَّرَاهِمِ جَنِيباً.

عطاء بن یسار رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کھجور، کھجور کے بدلے برابر برابر (بیچی جائے)۔'' تو آپ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ خیبر پر مقرر آپ کا عامل (زکاۃ اکٹھی کرنے والا شخص) تو دو صاع (گھٹیا کھجوروں) کے عوض ایک صاع (اعلیٰ کھجوریں) لیتا ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اسے میرے سامنے بلا لاؤ۔'' چنانچہ لوگ اسے آپ ﷺ کے لیے بلا لائے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم دو صاع کے بدلے ایک صاع لیتے ہو؟'' اس نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! وہ مجھے جمع شدہ (مکس یا دھڑے کے مال والی گھٹیا) کھجور کے بدلے جنیب (نامی اعلیٰ کھجور) کو صاع کے بدلے صاع کے حساب سے نہیں بیچتے، (اسی لیے میں ان ملی جلی کھجوروں کے دو صاع کے عوض ایک صاع اعلیٰ کھجور لے لیتا ہوں) تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جمع شدہ ملی جلی کھجوروں کو درہموں کے عوض بیچا کرو، پھر درہموں کے عوض جنیب (نامی اعلیٰ کوالٹی کی) کھجوریں خرید لیا کرو۔''

[1323] (مرفوع صحیح لغیرہ) بیهقی فی معرفة السنن والآثار: 307/4 (3369)۔ ابن ابی شیبہ: 498/4۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو صحیح لغیرہ کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

فائدہ: ...... کھجور کے بدلے کھجور کا تبادلہ ہو تو دونوں جانب برابری اور نقد و نقد ہونا لازم ہے، ورنہ یہ سود بن جائے گا، خواہ ایک طرف کھجور کی گھٹیا قسم ہو اور دوسری طرف اعلیٰ ...... اس کی حکمت سے اللہ تعالیٰ ہی واقف ہے، مومن تو شریعت کا پابند ہے، بات سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ اسے شارع کا حکم ماننا ہوتا ہے اور یہی فرق ہے حقیقی مسلمان اور بے مہار کافر کے درمیان۔

[1324] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الْحَمِيدِ بْنِ سُهَيْلِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ اسْتَعْمَلَ رَجُلاً عَلَى خَيْبَرَ، فَجَاءَهُ بِتَمْرٍ جَنِيبٍ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: أَكُلُّ تَمْرِ خَيْبَرَ هَكَذَا؟ . فَقَالَ: لاَ وَاللّٰهِ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنَّا لَنَأْخُذُ الصَّاعَ مِنْ هَذَا، بِالصَّاعَيْنِ وَالصَّاعَيْنِ بِالثَّلاثَةِ . فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: لاَ تَفْعَلْ، بِعِ الْجَمْعَ بِالدَّرَاهِمِ، ثُمَّ ابْتَعْ بِالدَّرَاهِمِ جَنِيباً .

حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یقیناً رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص (حضرت سواد بن غزیہ رضی اللہ عنہ) کو خیبر پر عامل (زکاۃ وصول کرنے والا) بنا کر بھیجا، سو وہ آپ ﷺ کے پاس جنیب (عمدہ قسم کی) کھجوریں لے کر آیا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا خیبر کی تمام کھجوریں اسی طرح کی ہیں؟'' انھوں نے عرض کیا، کہ اے اللہ کے رسول! نہیں، (بلکہ) بلاشبہ ہم تو دو صاع (گھٹیا کھجوروں) کے عوض اس (عمدہ کھجور) کا ایک صاع اور تین کے بدلے دو صاع لیتے رہے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایسا نہ کرو، (بلکہ) جمع شدہ (ملی جلی اور ردی) کھجوروں کو درہموں کے بدلے بیچ ڈالو، پھر درہموں کے عوض جنیب کھجور خرید لیا کرو۔''

فائدہ: ...... اس روایت میں امام مالک رحمہ اللہ کے شیخ کا نام عبدالحمید مذکور ہے جو کہ یحییٰ بن یحییٰ نے اپنی روایت میں ذکر کیا ہے جبکہ موطا کے اکثر رواۃ نے عبدالمجید ذکر کیا ہے اور صحیح بخاری میں بھی یہی ہے لہٰذا یہی راجح بلکہ درست ہے۔

[1325] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ زید ابو عیاش رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انھوں نے حضرت

[1324] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب البيوع، باب اذا اراد بيع تمر بتمر خير منه، حديث: 2201، 2202، 2302، 2303، 4244، 4247، 7350، 7351۔ صحيح مسلم، كتاب المساقاة، باب بيع الطعام مثلاً بمثل، حديث: 95/1593۔ نسائي: 4557، احمد: 3/ 45(11423)، دارمي: 1577 .

[1325] (مرفوع صحيح)، سنن ابی داود، كتاب البيوع، باب في التمر بالتمر، حديث: 3359۔ جامع الترمذي، كتاب البيوع، باب ماجاء في النهي عن المحاقلة والمزابنة، حديث: 1225۔ نسائي: 4549۔ ابن ماجه: 2264۔ احمد: 175/1 (515)۔ ابن حبان: 372/11 (4997)۔ حاكم: 38/2۔ بيهقي: 294/5۔ دارقطني: 49/3۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے، اسی طرح امام ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم، ابن الجارود، بیہقی، ابن عبدالبر، ضیاء مقدسی، بغوی، ذہبی، ابن حجر، ابن ملقن اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔

بْنِ يَزِيدَ، أَنَّ زَيْداً أَبَا عَيَّاشٍ أَخْبَرَهُ، أَنَّهُ سَأَلَ سَعْدَ بْنَ أَبِي وَقَّاصٍ عَنِ الْبَيْضَاءِ بِالسُّلْتِ، فَقَالَ لَهُ سَعْدٌ: أَيَّتُهُمَا أَفْضَلُ؟ قَالَ: الْبَيْضَاءُ. فَنَهَاهُ عَنْ ذَلِكَ. وَقَالَ سَعْدٌ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يُسْأَلُ عَنِ اشْتِرَاءِ التَّمْرِ بِالرُّطَبِ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: أَيَنْقُصُ الرُّطَبُ إِذَا يَبِسَ؟. فَقَالُوا: نَعَمْ. فَنَهَى عَنْ ذَلِكَ.

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے ''سلت'' کے بدلے ''بیضاء'' خریدنے کے متعلق سوال کیا، تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ ان میں سے افضل کون سی قسم ہے؟ انھوں نے کہا کہ بیضاء، تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے انھیں اس سے منع کر دیا اور (پھر) حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا، آپ ﷺ سے تر کھجور کے بدلے خشک کھجور خریدنے کے متعلق سوال کیا جا رہا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''کیا یہ تر کھجور جب خشک ہوتی ہے تو وزن میں کم ہو جاتی ہے؟'' لوگوں نے عرض کیا کہ جی ہاں، تو آپ ﷺ نے اس سے منع فرما دیا۔

فائدہ: ...... کیونکہ جب ہم جنس چیزوں کا تبادلہ ہو تو وزن میں برابری لازم ہے اور یہاں ایک طرف تر کھجور ہے اور دوسری جانب خشک کھجور، اب اگر خشک کے بدلے زیادہ تر کھجوریں دی جائیں تو وزن برابر نہیں رہتا، اور اگر ان دونوں کا برابر وزن سے تبادلہ کریں تو یہ مناسب نہیں کیونکہ تر کھجور سستی اور خشک کھجور مہنگی ہوتی ہے، اس سے ایک فریق کی حق تلفی ہوگی، نیز تر کھجور خشک کے برابر درجہ نہیں رکھتی کیونکہ اسے خشک کھجور کے مقام تک پہنچنے کے لیے خشک ہونا پڑے گا اور اس کا وزن کم ہو جائے گا اور کوئی خبر نہیں کہ خشک ہو کر اس کا وزن کیا رہ جائے، بہر حال احناف کے نزدیک خشک و تر کو برابر بیچنا درست ہے، حالانکہ رسول اللہ ﷺ سے اس کی صراحتاً ممانعت آ چکی ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے سوال کے جواب میں جو دلیل پیش کی ہے اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ''بیضاء'' سے تر جو اور ''سلت'' سے خشک جو مراد ہیں لیکن لغوی اعتبار سے یہ مفہوم درست نہیں بنتا کیونکہ بیضاء مصری گندم کو کہتے ہیں جو سفید رنگ میں ہوتی ہے اور ''سلت'' حجاز میں پائے جانے والے بغیر چھلکے کے جَو کو کہتے ہیں، لہٰذا یہ دونوں الگ الگ اناج ہیں اور جب اناج کی الگ الگ جنسوں کا تبادلہ ہو تو ان میں کمی بیشی درست ہوتی ہے۔

13- بَابٌ: مَا جَاءَ فِي الْمُزَابَنَةِ وَالْمُحَاقَلَةِ

بیع مزابنہ اور محاقلہ کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں تین مرفوع روایات احادیث نبویہ ہیں جو بخاری ومسلم کی روایات میں سے ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاویٰ بھی مذکور ہیں۔

[1326] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهَى عَنِ الْمُزَابَنَةِ. وَالْمُزَابَنَةُ بَيْعُ الثَّمَرِ بِالتَّمْرِ كَيْلاً، وَبَيْعُ الْكَرْمِ بِالزَّبِيبِ كَيْلاً.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے "مزابنہ" سے منع فرمایا ہے، اور مزابنہ یہ ہے کہ (کھجور کے درخت پر موجود) پھل کو ماپی ہوئی خشک کھجوروں کے بدلے بیچا جائے، اور (بیلوں پر موجود) انگور کو ماپے ہوئے منقّی کے بدلے بیچا جائے۔

فائدہ: ...... "مزابنہ" کا تعلق درختوں یا بیلوں والے پھلوں سے ہے اور "محاقلہ" کا تعلق سٹوں اور بالیوں میں موجود اناج اور کھیتی سے ہے۔ اس حدیث مبارکہ میں مزابنہ کی ایک عام مشہور قسم کا بیان ہے، ورنہ اس کے مفہوم میں کافی وسعت ہے جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ آگے تفصیل سے ذکر کریں گے۔ تمام صورتوں کو ملحوظ رکھ کر ایک جامع تعریف یہ کی جاتی ہے: "معلوم المقدار شے کے ساتھ اسی جنس سے غیر معلوم المقدار چیز کا تبادلہ کرنا" یعنی ایک طرف مقدار متعین ہو اور دوسری طرف غیر متعین ہو اور تبادلہ ایک ہی جنس کے پھل یا اناج کا ہو یا کسی اور چیز مثلاً کپڑے، چمڑے یا انڈوں کا، اور خواہ اس کا تعلق وزن سے ماپ سے، ناپ سے یا عدد سے ہو۔

[1327] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ دَاوُدَ بْنِ الْحُصَيْنِ، عَنْ أَبِي سُفْيَانَ مَوْلَى ابْنِ أَبِي أَحْمَدَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهَى عَنِ الْمُزَابَنَةِ، وَالْمُحَاقَلَةِ. وَالْمُزَابَنَةُ اشْتِرَاءُ الثَّمَرِ بِالتَّمْرِ فِي رُؤُوسِ النَّخْلِ، وَالْمُحَاقَلَةُ كِرَاءُ الْأَرْضِ بِالْحِنْطَةِ.

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یقیناً رسول اللہ ﷺ نے مزابنہ اور محاقلہ سے منع فرمایا ہے، اور مزابنہ یہ ہے کہ کھجور کے درخت کی چوٹی پر موجود پھل کو (پہلے سے تیار شدہ) خشک کھجور کے عوض خریدا جائے اور محاقلہ یہ ہے کہ زمین (یعنی کھیت میں کھڑی گندم کی فصل) کو خشک گندم کے بدلے کرائے پر دیا جائے (یعنی بیچ دیا جائے)۔

[1328] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ

سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول

[1326] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب البیوع، باب بیع الزبیب بالزبیب والطعام بالطعام، حدیث: 2171، 2172، 2185، 2205۔ صحیح مسلم، کتاب البیوع، باب تحریم بیع الرطب بالتمر الا فی العرایا، حدیث: 1542۔ ابوداود: 3361۔ نسائی: 4537۔ ابن ماجہ: 2265۔ احمد: 7/2 (4528)، نیز دیکھیے ترمذی: 1300۔

[1327] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب البیوع، باب بیع المزابنۃ وھی بیع التمر بالثمر، حدیث: 2186۔ صحیح مسلم، کتاب البیوع، باب کراء الارض، حدیث: 1546۔ نسائی: 3916۔ ابن ماجہ: 2455۔ احمد: 6/3 (11035)۔ دارمی: 2557۔

[1328] (مرفوع صحیح) صحیح مسلم، کتاب البیوع، باب تحریم بیع الرطب بالتمر الا فی العرایا، حدیث: 1539۔ سنن النسائی، کتاب المزارعۃ، باب ذکر الاحادیث المختلفۃ فی النھی عن کراء الارض بالثلث، حدیث: 3924۔

شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهَى عَنِ الْمُزَابَنَةِ وَالْمُحَاقَلَةِ. وَالْمُزَابَنَةُ اشْتِرَاءُ الثَّمَرِ بِالتَّمْرِ، وَالْمُحَاقَلَةُ اشْتِرَاءُ الزَّرْعِ بِالْحِنْطَةِ، وَاسْتِكْرَاءُ الْأَرْضِ بِالْحِنْطَةِ.

اللہ ﷺ نے مزابنہ اور محاقلہ سے منع فرمایا ہے، اور مزابنہ تر پھل کو خشک کھجور کے عوض خریدنے کو کہتے ہیں، اور محاقلہ سے مراد کھیتی (میں کھڑی فصل) کو (تیار شدہ) گندم کے عوض خریدنا۔ اور زمین کو گندم کے عوض کرائے پر لینا (بھی محاقلہ کہلاتا ہے)۔

قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: فَسَأَلْتُ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ عَنِ اسْتِكْرَاءِ الْأَرْضِ بِالذَّهَبِ وَالْوَرِقِ؟ فَقَالَ: لَا بَأْسَ بِذَٰلِكَ.

ابن شہاب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن میسب رحمہ اللہ سے زمین کو سونے چاندی کے عوض کرائے پر حاصل کرنے کے متعلق پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

فائدہ :...... ''محاقلہ'' کا لفظ ''حقل'' سے ماخوذ ہے جس کے معنی 'کھیتی' کے ہیں، عموماً محاقلہ سے مراد مزابنہ جیسا تبادلہ ہوتا ہے، لیکن بسا اوقات اس کو ''مزارعہ'' (حصے پر زمین دینا) یا ''مخابرہ'' (ناجائز طریقے سے حصے پر دینا) یا ''مُــواجَــرَہ'' (ٹھیکے پر زمین دینا) کے معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی تعریف میں ''کراء الارض'' (زمین کو کرائے پر دینا) کے الفاظ بھی بولے جاتے ہیں جیسا کہ مذکورہ بالا دونوں روایات میں مذکور ہے...... زمین کو کرائے پر دینا دو طرح سے ہوتا ہے: (1) زمین سے حاصل شدہ پیداوار کے کسی حصے پر دینا، جسے ہمارے علاقوں میں ''حصے پر دینا'' کہتے ہیں۔ اس عمل کا خصوصی نام ''مزارعہ'' ہے جس کی ایک قسم جائز اور ایک ناجائز ہے (ا) چنانچہ اگر تو یہ طے ہو کہ جتنی بھی فصل ہوگی اس سے زمین والے کو مخصوص اور متعین حصہ ملے گا خواہ وہ نصف ہو یا کم وبیش تو یہ صورت یقیناً جائز ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے یہودیوں کو نصف پیداوار کے عوض زمینیں حصے پر دی تھیں۔ (بخاری: 2285، مسلم: 1551) (ب) اور اگر زمین کے کچھ حصے اور ٹکڑے متعین کیے جائیں کہ فلاں فلاں ایکڑ سے حاصل شدہ فصل میری اور فلاں فلاں کھیت کی فصل تمھاری ہوگی، تو یہ بالاتفاق حرام ہے۔ اس ناجائز قسم کا خصوصی نام ''مخابرہ'' ہے جو مدینہ منورہ میں اور خیبر کے علاقے میں رائج تھی۔ (بخاری: 2332، مسلم: 81/1536، 82، 96، 1597/ 116)۔ (2) زمین کو کرائے پر دینے کی دوسری صورت یہ ہے کہ اسے نقدی یعنی پیسوں یا درہم و دینار وغیرہ کے عوض دیا جائے، جسے ہمارے علاقوں میں ''ٹھیکے پر دینا'' کہتے ہیں، کہ کچھ عرصے کے لیے اپنی زمین کسی کو دے دی جائے اور اس سے ہر سال کے عوض مخصوص رقم لی جائے، اور ٹھیکے پر لینے والے کی مرضی ہے کہ زمین سے جتنا چاہے کمائے یا نہ کمائے۔ یہ صورت بھی بالاتفاق جائز ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ

امام مالک رحمہ اللہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے مزابنہ سے

الْـمُزَابَنَةِ، وَتَفْسِيرُ الْمُزَابَنَةِ أَنَّ كُلَّ شَيْءٍ مِنَ الْجِـزَافِ، الَّذِي لاَ يُعْلَمُ كَيْلُهُ، وَلاَ وَزْنُهُ، وَلاَ عَـدَدُهُ، ابْتِيعَ بِشَيْءٍ مُسَمًّى مِنَ الْكَيْلِ، أَوِ الْوَزْنِ، أَوِ الْعَدَدِ، وَذَلِكَ أَنْ يَقُولَ الرَّجُلُ لِلرَّجُلِ، يَكُونُ لَهُ الطَّعَامُ الْمُصَبَّرُ، الَّذِي لاَ يُعْلَمُ كَيْلُهُ، مِنَ الْحِنْطَةِ، أَوِ التَّمْرِ، أَوْ مَا أَشْبَهَ ذَلِكَ مِنَ الأَطْعِمَةِ، أَوْ يَكُونُ لِلرَّجُلِ السِّلْعَةُ مِنَ الْحِـنْـطَةِ، أَوِ النَّوَى، أَوِ الْقَضْبِ، أَوِ الْعُـصْـفُـرِ، أَوِ الْكُرْسُفِ، أَوِ الْكَتَّانِ، أَوِ الْقَـزِّ، أَوْ مَا أَشْبَهَ ذَلِكَ مِنَ السِّلَعِ، لاَ يُعْلَمُ كَيْلُ شَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ، وَلاَ وَزْنُهُ، وَلاَ عَدَدُهُ، فَيَـقُـولُ الـرَّجُـلُ لِـرَبِّ تِـلْكَ السِّـلْعَةِ: كِلْ سِـلْعَتَكَ هَذِهِ، أَوْ مُرْ مَنْ يَكِيلُهَا، أَوْ زِنْ مِنْ ذَلِكَ مَا يُوزَنُ، أَوْ عُدَّ مِنْ ذَلِكَ مَا كَانَ يُعَدُّ، فَـمَـا نَـقَـصَ عَـنْ كَيْـلِ كَـذَا وَكَذَا صَاعاً - لِتَسْـمِيَةٍ يُسَمِّيهَا - أَوْ وَزْنِ كَذَا وَكَذَا رِطْلاً، أَوْ عَدَدِ كَذَا وَكَذَا، فَمَا نَقَصَ مِنْ ذَلِكَ فَعَلَيَّ غُـرْمُهُ لَكَ، حَتَّى أُوفِيَكَ تِلْكَ التَّسْمِيَةَ، فَمَا زَادَ عَـلَـى تِلْكَ التَّسْمِيَةِ فَهُوَ لِي، أَضْمَنُ مَا نَـقَصَ مِنْ ذَلِكَ، عَلَى أَنْ يَكُونَ لِي مَا زَادَ. فَلَيْسَ ذَلِكَ بَيْعاً، وَلَكِنَّهُ الْمُخَاطَرَةُ وَالْغَرَرُ، وَالْقِمَارُ يَدْخُلُ هَذَا، لِأَنَّهُ لَمْ يَشْتَرِ مِنْهُ شَيْئاً بِشَيْءٍ أَخْرَجَهُ، وَلَكِنَّهُ ضَمِنَ لَهُ مَا سُمِّيَ مِنْ ذَلِكَ الْكَيْلِ، أَوِ الْوَزْنِ، أَوِ الْعَدَدِ، عَلَى أَنْ يَكُونَ لَهُ مَا زَادَ عَلَى ذَلِكَ، فَإِنْ نَقَصَتْ تِلْكَ

منع فرمایا ہے۔ اور مزابنہ کی تفسیر یہ ہے کہ یقیناً ہر وہ چیز جس کا اندازہ اور تخمینہ لگایا جائے (خواہ ڈھیر کی شکل میں ہو یا درخت پر یا فصل میں ہو) اس کا ماپ معلوم نہ ہو اور نہ اس کا وزن معلوم ہو اور نہ تعداد معلوم ہو، تو اسے (یعنی غیر معلوم مقدار والی چیز کو اسی جنس سے) معلوم شدہ ماپ یا وزن یا عدد والی چیز کے بدلے میں خریدا جائے۔ اور اس کی وضاحت کچھ اس طرح ہے کہ آدمی کسی ایسے شخص سے کہے جس کے پاس ڈھیر کی شکل میں اناج ہو، جس کا ماپ معلوم نہ ہو، خواہ وہ گندم ہو یا کھجور یا ان کی طرح کے دوسرے اناج، یا اس آدمی کے پاس کوئی سامان ہو مثلاً چارہ یا گٹھلیاں یا گھاس (برسیم حجازی) یا کسم (کسمبھ، سرخ رنگ کی بوٹی جس سے کپڑے رنگتے ہیں)، یا روئی یا السی یا ریشم یا ان کی طرح کے دوسرے سامان، ان میں سے کسی بھی چیز کا نہ ماپ معلوم ہو، نہ وزن معلوم ہو اور نہ اس کی تعداد معلوم ہو تو آدمی اس سامان کے مالک سے کہتا ہے کہ اپنے اس سامان کو خود ماپ لو یا کسی کو حکم دو جو اسے ماپ لے یا اس میں سے جسے تولا جاتا ہے اسے تول لو یا ان میں سے جسے گنا جاتا ہے اس کی تعداد شمار کر لو، پھر اتنے اتنے صاع سے جو کچھ کم نکلے۔ وہ اتنے صاع کا نام بھی لے۔ یا جو اتنے اتنے رطل سے کم نکلے (رطل وزن کرنے کا ایک آلہ ہے جس کی مقدار 6 چھٹانک 3 تولہ 9 ماشے یعنی 660-393 گرام ہے) یا جو اتنی تعداد سے کم نکلے، الغرض اس سے جس قدر کم نکلے اس کی چٹی مجھ پر ہے، یہاں تک کہ میں وہ متعین مقدار تجھے پوری کر کے دوں گا اور اس متعین مقدار سے جس قدر زائد نکلے، تو وہ میرا ہوگا، اس میں سے

السِّلْعَةُ عَنْ تِلْكَ التَّسْمِيَةِ، أَخَذَ مِنْ مَالِ صَاحِبِهِ مَا نَقَصَ، بِغَيْرِ ثَمَنٍ وَلَا هِبَةٍ، طَيِّبَةٍ بِهَا نَفْسُهُ، فَهَذَا يُشْبِهُ الْقِمَارَ، وَمَا كَانَ مِثْلَ هَذَا مِنَ الْأَشْيَاءِ فَذَلِكَ يَدْخُلُهُ

جو کچھ کم نکلا میں تیرے لیے اس کا ضامن ہوں اس شرط پر کہ جو کچھ زائد نکلا وہ میرا ہوگا، (امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ) یہ تبادلہ خرید وفروخت نہیں کہلائے گا بلکہ یہ تو بازی لگانا (شرط بدنا) اور دھوکا ہے، اور جوا اس میں داخل ہو جاتا ہے کیونکہ اس نے دوسرے آدمی سے کوئی چیز کسی ایسی چیز کے عوض نہیں خریدی جسے وہ اپنے پاس سے نکال کر دے رہا ہو (اور ادا کر رہا ہو) بلکہ وہ (محض زبانی کلامی) اس کے لیے صرف اس چیز کا ضامن بن رہا ہے جس کا اس نے ماپ یا وزن یا عدد کی شکل میں صرف اور صرف نام لیا ہے، اس شرط پر کہ اس سے جو زائد ہوا وہ اس کا نفع ہو جائے گا...... چنانچہ اگر وہ سامان اس متعین مقدار سے کم ہوا تو (وہ سامان کا مالک بازی لگانے والے) اپنے ساتھی سے وہ مقدار حاصل کرے گا جو کم نکلی، بغیر کسی قیمت کے اور بغیر کسی ایسے ہبہ کے جسے دل کی خوشی سے دیا گیا ہو، لہٰذا یہ صورت جوئے کے مشابہ ہے اور جو چیزیں بھی اس جیسی ہوں گی ان میں جوا داخل ہو جائے گا۔

فائدہ :...... جوئے کی بہت سی شکلیں ہیں اور وہ عموماً محض زبانی کلامی شرطیں بدنے اور بازیاں لگانے کی شکل میں ہوتا ہے۔ اور چند لمحوں ہی میں کسی کو بغیر کسی محنت کے انتہائی زیادہ نفع مل جاتا ہے اور کوئی شخص بغیر کسی کوتاہی کے بیٹھے بیٹھے ہی انتہائی خسارے میں چلا جاتا ہے...... امام مالک رحمہ اللہ کی بیان کردہ صورت کا خلاصہ اور وضاحت یوں ہے کہ ایک آدمی کسی ڈھیر والے سے مثلاً یہ کہتا ہے کہ میں نے تیرے اس گندم کے ڈھیر کو پچاس من گندم کے عوض لے لیا، اب تم اسے تولو، اگر یہ ڈھیری پچاس مَن سے کم نکلی تو میں اس کو پورا کر دوں گا۔ گویا تجھے بیٹھے بٹھائے نفع مل جائے گا اور اگر زائد نکلی تو پچاس من سے زائد گندم میری ہوگی، چنانچہ اگر وہ پانچ من کم نکلے اور یہ شرط لگانے والا اسے پانچ من دے دے تو یہ ڈھیر والے کو بغیر کسی عوض اور بغیر کسی محنت وکمائی کے نفع مل گیا اور شرط لگانے والا خسارے میں رہا اور اگر وہ ڈھیر پانچ من سے زائد نکلے تو ڈھیر والے کو بیٹھے بیٹھے ہی چٹی پڑ گئی اور بازی لگانے والے کو بغیر کسی عوض کے پانچ مَن نفع مل گیا، اور یہی عمل جوا کہلاتا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَمِنْ ذَلِكَ أَيْضاً: أَنْ يَقُولَ الرَّجُلُ لِلرَّجُلِ لَهُ الثَّوْبُ: أَضْمَنُ لَكَ مِنْ ثَوْبِكَ هَذَا كَذَا وَكَذَا ظِهَارَةَ قَلَنْسُوَةٍ، قَدْرُ كُلِّ ظِهَارَةٍ كَذَا وَكَذَا - لِشَيْءٍ يُسَمِّيهِ - فَمَا نَقَصَ مِنْ ذَلِكَ فَعَلَيَّ غُرْمُهُ، حَتَّى أُوفِيَكَهُ، وَمَا زَادَ فَلِي. أَوْ أَنْ يَقُولَ الرَّجُلُ لِلرَّجُلِ:

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور مزابنہ میں سے یہ بھی ہے کہ آدمی دوسرے شخص سے جس کے پاس کپڑا ہو، یہ کہے کہ میں تیرے لیے اس کپڑے کے متعلق اتنی ٹوپیوں کے ابرہ (اوپر والے کپڑے) کا ضامن بنتا ہوں، ہر ابرہ کی مقدار اتنی ہوگی۔ وہ کسی مقدار کو متعین کر دیتا ہے۔ (کسی بھی چیز پر دوہرا کپڑا لگا ہو تو اوپر والے کپڑے کو ''ظہارۃ'' اور نیچے

أَضْمَنُ لَكَ مِنْ ثِيَابِكَ هَذِهِ كَذَا وَكَذَا قَمِيصاً، ذَرْعُ كُلِّ قَمِيصٍ كَذَا وَكَذَا، فَمَا نَقَصَ مِنْ ذَلِكَ فَعَلَيَّ غُرْمُهُ، وَمَا زَادَ عَلَى ذَلِكَ فَلِي. أَوْ أَنْ يَقُولُ الرَّجُلُ لِلرَّجُلِ لَهُ الْجُلُودُ مِنْ جُلُودِ الْبَقَرِ أَوِ الإِبِلِ: أُقَطِّعُ جُلُودَكَ هَذِهِ نِعَالاً، عَلَى إِمَامٍ يُرِيهِ إِيَّاهُ. فَمَا نَقَصَ مِنْ مِئَةِ زَوْجٍ فَعَلَيَّ غُرْمُهُ، وَمَا زَادَ فَهُوَ لِي بِمَا ضَمِنْتُ لَكَ. وَمِمَّا يُشْبِهُ ذَلِكَ أَنْ يَقُولَ الرَّجُلُ لِلرَّجُلِ عِنْدَهُ حَبُّ الْبَانِ: اعْصُرْ حَبَّكَ هَذَا، فَمَا نَقَصَ مِنْ كَذَا وَكَذَا رِطْلاً فَعَلَيَّ أَنْ أُعْطِيَكَهُ، وَمَا زَادَ فَهُوَ لِي. فَهَذَا كُلُّهُ وَمَا أَشْبَهَهُ مِنَ الأَشْيَاءِ، أَوْ ضَارَعَهُ مِنَ الْمُزَابَنَةِ، الَّتِي لاَ تَصْلُحُ وَلاَ تَجُوزُ. وَكَذَلِكَ أَيْضاً إِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِلرَّجُلِ لَهُ الْخَبَطُ، أَوِ النَّوَى، أَوِ الْكُرْسُفُ، أَوِ الْكَتَّانُ، أَوِ الْقَضْبُ، أَوِ الْعُصْفُرُ: أَبْتَاعُ مِنْكَ هَذَا الْخَبَطَ بِكَذَا وَكَذَا صَاعاً مِنْ خَبَطٍ يُخْبَطُ مِثْلَ خَبَطِهِ، أَوْ هَذَا النَّوَى بِكَذَا وَكَذَا صَاعاً، مِنْ نَوًى مِثْلِهِ، وَفِي الْعُصْفُرِ، وَالْكُرْسُفِ، وَالْكَتَّانِ، وَالْقَضْبِ مِثْلَ ذَلِكَ. فَهَذَا كُلُّهُ يَرْجِعُ إِلَى مَا وَصَفْنَا مِنَ الْمُزَابَنَةِ

والے کو ''بطانہ'' کہتے ہیں، اردو زبان میں اوپر کی جانب نظر آنے والی کپڑے کی سائیڈ کو ابرا یا ابرہ کہتے ہیں اور اندر والی جانب لگے ہوئے کپڑے کو استر کہتے ہیں۔ بہرحال یہ شرط اور بازی لگانے والا شخص کپڑے کے مالک سے کہتا ہے کہ میں نے تیرا یہ سارا کپڑا اتنی ٹوپیوں کے ابرہ کے بدلے لے لیا اور وہ ہر ابرے کی مقدار متعین کر دیتا ہے، پھر کہتا ہے کہ تیرا کپڑا) اس مطلوبہ مقدار سے جس قدر کم ہوا اس کا تاوان مجھ پر ہے یہاں تک کہ میں تجھے وہ پورا پورا ادا کروں گا اور جس قدر اس مقدار سے زائد ہوا تو وہ میرا ہوگا...... یا ایک شخص دوسرے آدمی سے کہے کہ میں تیرے ان کپڑوں کے حوالے سے تیرے لیے اتنی قمیصوں کا ضامن بنتا ہوں، ہر قمیص کی مقدار اتنی اتنی ہوگی (یعنی وہ کہتا ہے کہ میں نے تیرے کپڑے کے یہ سارے تھان اتنی متعین قمیصوں کے بدلے لے لیے اور ہر قمیص کے لیے اتنا کپڑا درکار ہے، پھر کہتا ہے) تو جو اس میں کمی ہوگی اس کی چٹی مجھ پر ہوگی اور جو اس سے زائد ہوگا وہ میرے لیے ہوگا (متعین تعداد والی قمیصوں کے لیے درکار کپڑے سے تیرا کپڑا کم نکلا تو میں تجھے دوں گا اور زائد ہوا تو تو مجھے دے دے گا)...... یا آدمی دوسرے شخص سے جس کے پاس چمڑے ہوں، خواہ گائے کے یا اونٹوں کے، یہ کہتا ہے کہ میں تیرے ان چمڑوں کو اتنے متعین جوتوں کے لیے کاٹتا ہوں، ایک ایسے امام یعنی ماپ کے لحاظ سے جو وہ اسے دکھا دیتا ہے، (امام سے یہاں وہ فیتہ یا رسی یا دھاگہ مراد ہے جس سے جوتی کی پیمائش معلوم ہو، وہ کہتا ہے کہ تیری ان کھالوں سے فلاں سائز کے اتنے جوتے بنیں گے، میں سو جوتوں کے عوض تیرا یہ چمڑا خرید رہا ہوں) پھر وہ سو جوڑوں سے جس قدر کم نکلا تو مجھ پر اس کی چٹی ہوگی اور جو زائد نکلا وہ میرا ہوگا، اس وجہ سے کہ میں تیرے لیے ضامن بھی تو بنا ہوں......

اور ان صورتوں میں سے جو اس کے مشابہ ہیں، ایک یہ ہے کہ آدمی دوسرے شخص سے جس کے پاس "بان" کے بیج ہوں، (بان عرب میں پائے جانے والے ایک لمبے درخت کا نام ہے، جس کے پتے بید کے پتوں جیسے ہوتے ہیں اور اس کے بیجوں سے خوشبودار تیل نکلتا ہے، اس درخت کو بید مشک بھی کہہ دیتے ہیں، اس کا عرق فرحت قلب کے لیے دوا کے طور پر استعمال ہوتا ہے)۔ وہ اس سے یہ کہتا ہے کہ تم اپنے ان دانوں کا تیل نکالو (میں تیرے یہ دانے اتنے تیل کے عوض لے رہا ہوں) چنانچہ اتنے رطل مقدار سے جتنا تیل کم نکلا وہ میرے ذمے ہے کہ تجھے دوں اور جو زائد نکلا وہ میرا ہوگا، بہرحال یہ سب اور جو چیزیں ان کے مشابہ اور مماثل ہیں سب "مزابنہ" میں شامل ہیں جو نہ درست ہے اور نہ ہی جائز ...... اور اسی طرح یہ بھی ہے کہ جب آدمی دوسرے شخص سے جس کے پاس (درختوں سے جھاڑے ہوئے پتوں کی شکل میں) چارہ ہو یا گٹھلیاں یا روئی یا السی یا برسیم حجازی (نامی گھاس) یا کسم ہو، (تو وہ اس سے کہتا ہے کہ میں تجھ سے یہ چارہ اتنے اتنے صاع کے عوض خرید رہا ہوں، اس چارے کے عوض، جسے اس (سامان والے) کے چارے کی مثل حاصل کیا جاتا ہے، یا یہ گٹھلیاں اور انھی جیسی اتنے صاع گٹھلیوں کے عوض، اور کسم، روئی، السی، حجازی گھاس میں بھی اسی کی مثل (بازی لگاتا ہے) تو یہ سب کا سب اسی کی طرف لوٹتا ہے جو ہم نے مزابنہ کے متعلق بیان کر دیا ہے۔ (اور یہ سب صورتیں ممنوع ہیں)

14- بَابٌ: جَامِعُ بَيْعِ الثَّمَرِ

پھلوں کی خرید وفروخت کے متفرق مسائل کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں کوئی روایت نہیں ہے، البتہ امام مالک رحمہ اللہ کے دس فتاوی جات مذکور ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ: مَنِ اشْتَرَى ثَمَراً مِنْ نَخْلٍ مُسَمَّاةٍ، أَوْ حَائِطٍ مُسَمًّى، أَوْ لَبَناً مِنْ غَنَمٍ مُسَمَّاةٍ، إِنَّهُ لَا بَأْسَ بِذَلِكَ إِذَا كَانَ يُؤْخَذُ عَاجِلاً، يَشْرَعُ الْمُشْتَرِي فِي أَخْذِهِ عِنْدَ دَفْعِهِ الثَّمَنَ، وَإِنَّمَا مَثَلُ ذَلِكَ، بِمَنْزِلَةِ رَاوِيَةِ زَيْتٍ، يَبْتَاعُ مِنْهَا رَجُلٌ بِدِينَارٍ أَوْ دِينَارَيْنِ، وَيُعْطِيهِ ذَهَبَهُ، وَيَشْتَرِطُ عَلَيْهِ أَنْ يَكِيلَ لَهُ مِنْهَا، فَهَذَا لَا بَأْسَ بِهِ، فَإِنِ انْشَقَّتِ الرَّاوِيَةُ، فَذَهَبَ زَيْتُهَا، فَلَيْسَ لِلْمُبْتَاعِ إِلَّا ذَهَبُهُ، وَلَا يَكُونُ بَيْنَهُمَا بَيْعٌ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جس شخص نے کسی متعین کھجور یا مخصوص باغ سے پھل خریدا، یا متعین بکریوں کا دودھ خریدا تو بلاشبہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے، (لیکن شرط یہ ہے کہ) جب ان کو نقد خریدا جائے (اور) خریدار قیمت ادا کرتے وقت ہی اسے وصول کرنے میں شروع ہو جائے اور بلاشبہ ان (سب) کی مثال زیتون کے تیل والی اس مشک جیسی ہے جس سے کوئی شخص ایک دینار یا دو دینار کے بدلے تیل خریدتا ہے اور اس کے مالک کو اپنا سونا (یعنی دینار) دے دیتا ہے اور اس پر یہ شرط لگا لیتا ہے کہ وہ خریدار کو اسی (مخصوص مشک) سے ماپ کر دے گا، تو اس میں کوئی حرج

نہیں ہے، پھر اگر وہ مشک (ادائیگی سے قبل ہی) پھٹ جائے اور زیتون کا تیل بہہ جائے تو خریدار کے لیے اس کے سونے (یعنی ادا کردہ رقم) کے سوا کچھ نہیں ہوگا اور نہ ہی ان دونوں کے درمیان کوئی خرید وفروخت ہوگی۔

فائدہ: ......عموماً درختوں کا پھل الگ الگ حیثیت کا حامل ہوتا ہے، بعض کا میٹھا، بعض کا ترش، بعض کا اعلیٰ اور بعض کا ادنیٰ، اسی طرح بعض جانوروں کا دودھ بعض دوسرے جانوروں کی نسبت بہتر ہوتا ہے، جس طرح کہ دکانوں میں مختلف قسم کی ورائٹی کا مال پڑا ہوتا ہے، اگر کوئی شخص ان مذکور چیزوں کے مالک سے صرف اتنا طے کر لے کہ میں فلاں درخت کا پھل یا فلاں جانور کا دودھ لوں گا، اور کسی کا نہیں لوں گا، تو اتنی سی بات کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ اس میں مندرجہ ذیل شرطیں ملحوظ رکھنا لازم ہے: (1) درخت یا جانور متعین ہو (2) ادائیگی سے قبل ہونے والے نقصان کا ذمہ دار مالک ہو، نہ کہ خریدار۔ (3) سودا طے کر لینے کے بعد قیمت ادا کرتے ہی نقد ونقد لین دین ہو جائے اور بلا ضرورت تاخیر نہ کی جائے، ہاں اگر درخت کے پھل میں کچھ کچا پن باقی ہو تو تاخیر ہو سکتی ہے، لیکن اس تاخیر کے دوران میں بھی نقصان ہو جانے کی صورت میں مالک (بیچنے والا) ذمہ دار ہوگا...... امام مالک رحمہ اللہ نے جانوروں کے تھنوں میں موجود دودھ کی بیع کے لیے مندرجہ بالا صورت میں اجازت دی ہے لیکن باقی ائمہ ثلاثہ اس کو بھی درست نہیں سمجھتے، کیونکہ بعض روایات میں صراحتاً اس کی ممانعت مروی ہے۔ (ابن ماجہ: 2196، مسند احمد: 42/3، دارقطنی: 14/3 وغیرہ) اگرچہ یہ روایات ضعیف ہیں، لیکن چونکہ مذکورہ بیع میں دھوکے کا بھی اندیشہ ہے اور دودھ کی مقدار بھی مجہول ہے، اس لیے یہ بیع الغرر میں شامل ہے اور ناجائز ہے، ہاں اگر صرف یہ تعیین ہو کہ فلاں جانور ہی کا دودھ لیں گے اور بیع کا تعلق حاصل شدہ دودھ اور اس کی مقدار کے مطابق ہو تو پھر کوئی حرج نہیں...... بہرحال درخت وغیرہ کی تعیین میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ اس سے خریدے جانے والے پھل کی مقدار بھی متعین ہو۔

قَالَ مَالِكٌ: وَأَمَّا كُلُّ شَيْءٍ كَانَ حَاضِراً يُشْتَرَى عَلَى وَجْهِهِ، مِثْلُ اللَّبَنِ إِذَا حُلِبَ، وَالرُّطَبِ يُسْتَجْنَى، فَيَأْخُذُ الْمُبْتَاعُ يَوْماً بِيَوْمٍ، فَلَا بَأْسَ بِهِ، فَإِنْ فَنِيَ قَبْلَ أَنْ يَسْتَوْفِيَ الْمُشْتَرِي مَا اشْتَرَى، رَدَّ عَلَيْهِ الْبَائِعُ مِنْ ذَهَبِهِ، بِحِسَابِ مَا بَقِيَ لَهُ، أَوْ يَأْخُذُ مِنْهُ الْمُشْتَرِي سِلْعَةً بِمَا بَقِيَ لَهُ، يَتَرَاضَيَانِ عَلَيْهَا، وَلَا يُفَارِقُهُ حَتَّى يَأْخُذَهَا، فَإِنْ فَارَقَهُ فَإِنَّ ذَلِكَ مَكْرُوهٌ، لِأَنَّهُ يَدْخُلُهُ الدَّيْنُ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: (اسی طرح) رہی ہر وہ چیز جو حاضر ہو جسے اس کی موجودہ حالت پر ہی خریدا جائے مثلاً دودھ کو جب کہ وہ دوہ لیا جائے اور کھجوروں کو جب انھیں اتار لیا جائے، چنانچہ خریدار روزانہ کے حساب سے (حاصل شدہ دودھ یا کھجور) وصول کرتا رہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے (کہ متعینہ مقدار کی قیمت پیشگی ادا کر دے اور چیز کی وصولی روزانہ کے حساب سے تھوڑی تھوڑی کرتا رہے، اتنی مقدار میں کہ جتنی وہ چیز تیار ہو کر ملتی رہے تو کوئی حرج نہیں، کیونکہ یہ ایک طرف نقد اور ایک طرف ادھار کی

بِالدَّيْنِ ، وَقَدْ نُهِيَ عَنِ الْكَالِئِ بِالْكَالِئِ ، فَإِنْ وَقَعَ فِي بَيْعِهِمَا أَجَلٌ ، فَإِنَّهُ مَكْرُوهٌ ، وَلاَ يَحِلُّ فِيهِ تَأْخِيرٌ ، وَلاَ نَظِرَةٌ ، وَلاَ يَصْلُحُ إِلاَّ بِصِفَةٍ مَعْلُومَةٍ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى ، فَيَضْمَنُ ذَلِكَ الْبَائِعُ لِلْمُبْتَاعِ ، وَلاَ يُسَمَّى ذَلِكَ فِي حَائِطٍ بِعَيْنِهِ ، وَلاَ فِي غَنَمٍ بِأَعْيَانِهَا .

صورت ہے یعنی بائع پر ادھار ہے) پھر اگر وہ چیز اس سے پہلے ختم ہو جائے کہ خریدار اس مطلوبہ مقدار کو پورا حاصل کرتا جسے اس نے خریدا ہوا تھا (اور قیمت ادا کر رکھی تھی، مثلاً روزانہ دو کلوگرام کے حساب سے ایک من دودھ لینا تھا، لیکن یہ مطلوبہ مقدار مکمل وصول ہونے سے پہلے ہی دودھ دینا بند کر دیا، یا مر گیا یا درخت کا پھل ختم ہو گیا) تو بیچنے والا اس خریدار کو اس کا سونا اس (دودھ یا کھجور کے) حساب سے واپس کرے گا جو اس کے لیے باقی رہ گیا تھا، یا مشتری بائع سے اپنے باقی ماندہ کے عوض کوئی ایسا سامان خرید لے جس پر وہ دونوں راضی ہوں، اور وہ اس سے جدا نہ ہو یہاں تک کہ اس کے سودے کو وصول کر لے، چنانچہ اگر وہ (اس سودے کو لینے سے پہلے) اس سے جدا ہو گیا تو بلاشبہ یہ مکروہ عمل ہے کیونکہ قرض کے بدلے قرض کا معاملہ اس لین دین میں داخل ہو جائے گا، (بائع کے ذمے پہلے ہی ادھار تھا، اب مشتری نے بھی ادھار کر لیا) اور یقیناً رسول اللہ ﷺ نے ادھار کے بدلے ادھار سے منع فرمایا ہے...... لہٰذا اگر ان دونوں کی خرید وفروخت میں کچھ میعاد واقع ہو گئی تو یہ بھی مکروہ (اور ناجائز) ہے، اس بیع میں (خواہ مذکورہ قسم کی ہو یا کوئی اور) نہ تو تاخیر جائز ہے اور نہ مہلت، اور یہ (تاخیر وتاجیل والی) بیع درست نہیں ہو سکتی مگر صرف اس صورت میں کہ سامان کا وصف معلوم ہو اور ایک وقت مقررہ تک ہو اور بائع مشتری کے حق میں اس (مبیع چیز) کا ضامن ہو گا اور (مقررہ وقت تک اسے نہ دے سکا تو بعد میں بھی ادائیگی لازم رہے گی، لیکن قیمت وغیرہ میں اضافہ نہ ہو گا، تاکہ سود نہ بنے، نیز تاخیر والی صورت میں) یہ تعیین کسی معین باغ یا بکریوں کے معین ریوڑ میں (مجمل طور پر) نہ کی جائے گی۔ (محض باغ یا ریوڑ کو معین کرنا کافی نہیں، بلکہ اس میں سے بھی جسے خریدنا ہے اس کی تعیین کرے)۔

وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنِ الرَّجُلِ يَشْتَرِي مِنَ الرَّجُلِ الْحَائِطَ فِيهِ أَلْوَانٌ مِنَ النَّخْلِ ، مِثْلِ الْعَجْوَةِ ، وَالْكَبِيسِ ، وَالْعَذْقِ ، وَغَيْرِ ذَلِكَ مِنْ أَلْوَانِ التَّمْرِ ، فَيَسْتَثْنِي مِنْهَا ثَمَرَ النَّخْلَةِ ، أَوِ النَّخَلاَتِ يَخْتَارُهَا مِنْ نَخْلِهِ ؟ فَقَالَ مَالِكٌ : ذَلِكَ لاَ يَصْلُحُ ، لِأَنَّهُ إِذَا صَنَعَ ذَلِكَ تَرَكَ ثَمَرَ النَّخْلَةِ مِنَ الْعَجْوَةِ ، وَمَكِيلَةُ ثَمَرِهَا خَمْسَةَ

امام مالک رحمہ اللہ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جو دوسرے شخص سے باغ (کا پھل) خریدتا ہے، جس میں مختلف قسم کے کھجوروں کے درخت ہوں، عجوہ کے بھی، کبیس کے بھی، عذق کے بھی، اور ان کے علاوہ کھجوروں کی دوسری قسموں کے درخت بھی ہوں، چنانچہ وہ باغ کا مالک اپنے کھجوروں کے درختوں میں سے ایک یا زیادہ درختوں کا استثناء کر لے جنھیں وہ خود پسند کرے گا، تو امام مالک رحمہ اللہ

عَشَرَ صَاعاً، وَأَخَذَ مَكَانَهَا ثَمَرَ نَخْلَةٍ مِنَ الْكَبِيسِ، وَمَكِيلَةُ ثَمَرِهَا عَشَرَةُ أَصْوُعٍ، فَإِنْ أَخَذَ الْعَجْوَةَ الَّتِي فِيهَا خَمْسَةَ عَشَرَ صَاعاً، وَتَرَكَ الَّتِي فِيهَا عَشَرَةُ أَصْوُعٍ مِنَ الْكَبِيسِ، فَكَأَنَّهُ اشْتَرَى الْعَجْوَةَ بِالْكَبِيسِ مُتَفَاضِلاً.

نے فرمایا کہ یہ عمل درست نہیں ہے، کہ سود اور حرام ہے، اور وہ اس طرح کہ مثلاً وہ عجوہ کھجور کا ایک درخت چھوڑ سکتا ہے، جس کے پھل کا ماپ پندرہ صاع ہو، اور اس کی بجائے کبیس کھجور کا ایک درخت لے لیتا ہے جس کے پھل کا ماپ دس صاع ہو، لیکن وہ پندرہ صاع والے عجوہ کھجور کے درخت کو لے لیتا ہے اور دس صاع والے کبیس کھجور کے درخت کو ترک کر دیتا ہے تو گویا اس نے عجوہ کو کبیس کے بدلے کمی بیشی کے ساتھ خرید لیا ہے۔

فائدہ: ......دراصل امام مالک رحمہ اللہ اس قسم کے استثناء میں پیدا ہونے والی خرابیوں میں سے ایک خرابی ذکر کر رہے ہیں، ورنہ اس میں حرام ہونے کی اور بھی وجوہات ہیں، مثلاً مجہول اور نامعلوم چیز کی بیع بن جائے گی کہ مثلاً اگر وہ دس درختوں میں سے ایک کا استثناء کرتا ہے تو کون سے نو درختوں کا بھاؤ ہوا۔ یہ نامعلوم رہے گا۔ نیز اس میں غرر اور دھوکا ہے جو باہمی نزاع کا باعث بنے گا، بائع کی کوشش ہوگی کہ بہترین درخت مستثنیٰ کرے اور خریدار کی کوشش ہوگی کہ گھٹیا چیز کا استثناء کرے، بہرحال مجہول استثناء منع ہے اور متعین و معلوم استثناء جائز ہے، جیسا کہ پیچھے باب: ۱۱ کے آغاز میں تفصیل گزر چکی ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَذَلِكَ مِثْلُ أَنْ يَقُولَ الرَّجُلُ لِلرَّجُلِ بَيْنَ يَدَيْهِ صُبَرٌ مِنَ التَّمْرِ، قَدْ صَبَّرَ الْعَجْوَةَ فَجَعَلَهَا خَمْسَةَ عَشَرَ صَاعاً، وَجَعَلَ صُبْرَةَ الْكَبِيسِ عَشَرَةَ آصُعٍ، وَجَعَلَ صُبْرَةَ الْعَذْقِ اثْنَيْ عَشَرَ صَاعاً، فَأَعْطَى صَاحِبَ التَّمْرِ دِينَاراً، عَلَى أَنَّهُ يَخْتَارُ فَيَأْخُذُ أَيَّ تِلْكَ الصُّبَرِ شَاءَ. قَالَ مَالِكٌ: فَهَذَا لَا يَصْلُحُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور اس کی مثال کچھ یوں ہے کہ ایک آدمی دوسرے آدمی سے (بیع کرتے ہوئے کچھ) کہتا ہے، دوسرے آدمی کے سامنے خشک کھجوروں کے کئی ڈھیر ہوں، اس نے عجوہ کھجور کا ڈھیر لگایا تو اسے پندرہ صاع بنایا، کبیس کھجور کا ڈھیر دس صاع کا رکھا اور عذق کھجور کا ڈھیر بارہ صاع کا بنایا، پھر خریدار شخص کھجوروں کے مالک کو ایک دینار دے، اس شرط پر کہ وہ خود پسند کرے گا، پھر ان ڈھیروں میں سے جسے چاہے گا لے لے گا تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ ناجائز ہے۔

فائدہ: ......کیونکہ اس صورت میں بھی مجہول استثناء، مجہول بیع اور بیع الغرر لازم آ رہی ہیں، نیز وہ خریدار مختلف وزن والی ہم جنس چیزوں کو ہم پلہ قرار دے رہا ہے، گویا اس کی نظر میں ۱۵ صاع کھجور بارہ یا دس صاع کے عوض ہے اور یہ بعینہٖ سود ہے۔

قَالَ: وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنِ الرَّجُلِ يَشْتَرِي

امام مالک رحمہ اللہ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جو باغ

الرُّطَبَ مِنْ صَاحِبِ الْحَائِطِ ، فَيُسْلِفُهُ الدِّينَارَ ، مَاذَا لَهُ إِذَا ذَهَبَ رُطَبُ ذَلِكَ الْحَائِطِ ؟ قَالَ مَالِكٌ : يُحَاسِبُ صَاحِبَ الْحَائِطِ ، ثُمَّ يَأْخُذُ مَا بَقِيَ لَهُ مِنْ دِينَارِهِ ، إِنْ كَانَ أَخَذَ بِثُلُثَيْ دِينَارٍ رُطَباً ، أَخَذَ ثُلُثَ الدِّينَارِ الَّذِي بَقِيَ لَهُ ، وَإِنْ كَانَ أَخَذَ ثَلَاثَةَ أَرْبَاعِ دِينَارِهِ رُطَباً ، أَخَذَ الرُّبُعَ الَّذِي بَقِيَ لَهُ ، أَوْ يَتَرَاضَيَانِ بَيْنَهُمَا ، فَيَأْخُذُ بِمَا بَقِيَ لَهُ مِنْ دِينَارِهِ عِنْدَ صَاحِبِ الْحَائِطِ مَا بَدَا لَهُ ، إِنْ أَحَبَّ أَنْ يَأْخُذَ تَمْراً أَوْ سِلْعَةً ، سِوَى التَّمْرِ أَخَذَهَا بِمَا فَضَلَ لَهُ ، فَإِنْ أَخَذَ تَمْراً أَوْ سِلْعَةً ، أُخْرَى ، فَلَا يُفَارِقْهُ حَتَّى يَسْتَوْفِيَ ذَلِكَ مِنْهُ .

والے سے تر کھجوریں خریدتا ہے، پھر اسے (بیع سلف کے طور پر) پیشگی دینار دے دیتا ہے، تو جب (اس کی مطلوبہ مقدار پوری ہونے سے پہلے) ہی اس باغ کی تر کھجوریں ختم ہو جائیں، تو اس کے لیے کیا چیز ہوگی (اور وہ اب کیا کرے گا؟) امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ باغ والے سے حساب کرے گا، پھر اس کے دینار میں سے جس قدر حصہ باقی تھا وہ واپس وصول کر لے گا، اگر وہ دینار کے دو تہائی کے عوض تر کھجوریں لے چکا ہے تو اپنا باقی ماندہ تہائی دینار لے لے گا اور اگر دینار کے تین چوتھائی کے عوض تر کھجوریں لے چکا ہے تو اپنا باقی ماندہ ایک چوتھائی دینار واپس لے لے گا یا وہ دونوں آپس میں (ایک اور صورت پر) رضامند ہو جائیں تو (یہ بھی درست ہے، چنانچہ) اس کے دینار سے اس کے لیے جو حصہ، باغ والے کے پاس باقی ہے وہ اس کے عوض کوئی بھی چیز لے سکتا ہے جو بھی اس کے دل میں آئے، اگر چاہے تو خشک کھجوریں لے لے یا کھجوروں کے سوا کوئی اور سامان لے لے، تو وہ اسے اس (قیمت) کے عوض لے سکتا ہے جو (باغ والے کے پاس) زائد پڑی ہے (لیکن اس صورت میں یہ لازم ہے کہ) اگر وہ تر کھجوریں یا کوئی دوسرا سامان لے تو اسے بائع سے پورا پورا لے لینے تک جدا نہ ہو۔

فائدہ: ......تا کہ ادھار کے بدلے ادھار کی بیع لازم نہ آئے جیسا کہ پیچھے اسی باب کے دوسرے فتویٰ میں گزر چکا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَإِنَّمَا هَذَا بِمَنْزِلَةِ أَنْ يُكْرِيَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ رَاحِلَتَهُ بِعَيْنِهَا ، أَوْ يُؤَاجِرَ غُلَامَهُ الْخَيَّاطَ ، أَوِ النَّجَّارَ ، أَوِ الْعُمَّالَ لِغَيْرِ ذَلِكَ مِنَ الْأَعْمَالِ ، أَوْ يُكْرِيَ مَسْكَنَهُ ، وَيَسْتَلِفَ إِجَارَةَ ذَلِكَ الْغُلَامِ ، أَوْ كِرَاءَ ذَلِكَ الْمَسْكَنِ ، أَوْ تِلْكَ الرَّاحِلَةِ ، ثُمَّ يَحْدُثُ فِي ذَلِكَ حَدَثٌ بِمَوْتٍ ، أَوْ غَيْرِ ذَلِكَ ، فَيَرُدُّ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: یقیناً یہ (گزشتہ مسئلہ) اس صورت کی طرح ہے کہ ایک آدمی دوسرے شخص کو کرائے پر اپنا متعین سواری کا اونٹ دیتا ہے، یا اپنے اس غلام کو اجرت (کرایہ) پر دیتا ہے جو کہ درزی ہو یا بڑھئی ہو یا ان کے علاوہ دوسرے کاموں (پیشوں) میں سے کسی کا کاریگر ہو یا اپنا گھر کرائے پر دیتا ہے، اور اس غلام کی اجرت یا اس گھر کا کرایہ یا اس اونٹ کا کرایہ پیشگی وصول کر لیتا ہے (لیکن

رَبُّ الرَّاحِلَةِ، أَوِ الْعَبْدِ، أَوِ الْمَسْكَنِ إِلَى الَّذِي سَلَّفَهُ مَا بَقِيَ مِنْ كِرَاءِ الرَّاحِلَةِ، أَوْ إِجَارَةِ الْعَبْدِ، أَوْ كِرَاءِ الْمَسْكَنِ، يُحَاسِبُ صَاحِبَهُ بِمَا اسْتَوْفَى مِنْ ذَلِكَ، إِنْ كَانَ اسْتَوْفَى نِصْفَ حَقِّهِ، رَدَّ عَلَيْهِ النِّصْفَ الْبَاقِيَ الَّذِي لَهُ عِنْدَهُ، وَإِنْ كَانَ أَقَلَّ مِنْ ذَلِكَ، أَوْ أَكْثَرَ فَبِحِسَابِ ذَلِكَ، يَرُدُّ إِلَيْهِ مَا بَقِيَ لَهُ.

ان کا کام پورا ہونے سے پہلے) ان میں کوئی حادثہ پیش آ جاتا ہے (مثلاً غلام یا اونٹ) کو موت کی صورت میں یا اس کے علاوہ کوئی اور حادثہ مثلاً بیماری وغیرہ کی صورت میں یا گر جانے کی صورت میں پیش آ جاتا ہے) تو اونٹ یا غلام یا گھر کا مالک اس پیشگی ادائیگی کرنے والے کو باقی ماندہ اونٹ کا کرایہ یا غلام کی اجرت یا گھر کا کرایہ واپس کر دے گا، وہ اپنے (کرائے پر لینے والے) ساتھی کے ساتھ اس چیز کا حساب لگائے گا جو وہ اس سے حاصل کر چکا تھا، اگر تو وہ اپنے نصف حق (کی صورت میں مزدوری) کی وصولی کر چکا تھا تو وہ اس کا دوسرا نصف حق واپس لوٹائے گا، جو اس کا اس (مالک) کے ذمے ہے اور اگر اس سے کم یا زیادہ ہو تو اسی حساب سے وہ (رقم) واپس دے گا جو اس کے لیے باقی بچ گئی ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَلَا يَصْلُحُ التَّسْلِيفُ فِي شَيْءٍ مِنْ هَذَا، يُسَلَّفُ فِيهِ بِعَيْنِهِ، إِلَّا أَنْ يَقْبِضَ الْمُسَلِّفُ، مَا سَلَّفَ فِيهِ عِنْدَ دَفْعِهِ الذَّهَبَ إِلَى صَاحِبِهِ، يَقْبِضُ الْعَبْدَ، أَوِ الرَّاحِلَةَ، أَوِ الْمَسْكَنَ، أَوْ يَبْدَأُ فِيمَا اشْتَرَى مِنَ الرُّطَبِ، فَيَأْخُذُ مِنْهُ عِنْدَ دَفْعِهِ الذَّهَبَ إِلَى صَاحِبِهِ، لَا يَصْلُحُ أَنْ يَكُونَ فِي شَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ تَأْخِيرٌ، وَلَا أَجَلٌ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ان چیزوں میں سے کسی میں بھی پیشگی ادائیگی جائز نہیں ہے کہ جن میں کسی معین چیز کے بدلے پیشگی ادائیگی کی جا رہی ہو، مگر (صرف اس صورت میں جائز ہے کہ) پیشگی ادائیگی کرنے والا اپنا سونا (یا کوئی دوسری نقدی) اپنے ساتھی کو دیتے وقت اس چیز کو (فوراً) قبضے میں لے لے جس میں اس نے پیشگی ادائیگی کی ہو، (مثلاً گزشتہ مسئلے کے مطابق) غلام یا اونٹ یا گھر کو (فوراً) قبضے میں لے لے یا (اگر اس نے کھجوریں خریدنا ہوں تو) جن تر کھجوروں کو خریدا ہے ان کے ساتھ آغاز کر لے، چنانچہ اپنے ساتھی (بائع) کی طرف سونا سپرد کرتے وقت کھجوروں میں سے کچھ وصول کر لے، (الغرض) ان میں سے کسی بھی چیز میں نہ کچھ تاخیر کرنا درست ہے، اور نہ کوئی مدت (مقرر کرنا جائز ہے)۔

قَالَ مَالِكٌ: وَتَفْسِيرُ مَا كُرِهَ مِنْ ذَلِكَ: أَنْ يَقُولَ الرَّجُلُ لِلرَّجُلِ أُسَلِّفُكَ فِي رَاحِلَتِكَ فُلَانَةَ، أَرْكَبُهَا فِي الْحَجِّ. وَبَيْنَهُ وَبَيْنَ الْحَجِّ أَجَلٌ مِنَ الزَّمَانِ، أَوْ يَقُولَ: مِثْلَ ذَلِكَ فِي

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ان میں سے جو چیز مکروہ (اور ناجائز) ہے اس کی تفسیر یہ ہے کہ آدمی دوسرے شخص سے کہے کہ میں تیرے سواری والے جس اونٹ میں پیشگی ادائیگی کر رہا ہوں میں اس پر حج کے موقع پر سواری کروں گا،

الْعَبْدِ، أَوِ الْمَسْكَنِ، فَإِنَّهُ إِذَا صَنَعَ ذَلِكَ، كَانَ إِنَّمَا يُسَلِّفُهُ ذَهَباً، عَلَى أَنَّهُ إِنْ وَجَدَ تِلْكَ الرَّاحِلَةَ صَحِيحَةً لِذَلِكَ الأَجَلِ، الَّذِي سَمَّى لَهُ، فَهِيَ لَهُ بِذَلِكَ الْكِرَاءِ، وَإِنْ حَدَثَ بِهَا حَدَثٌ، مِنْ مَوْتٍ، أَوْ غَيْرِهِ، رَدَّ عَلَيْهِ ذَهَبَهُ، وَكَانَتْ عَلَيْهِ عَلَى وَجْهِ السَّلَفِ عِنْدَهُ.

حالانکہ اس (ادائیگی) اور حج کے درمیان ایک مدت، ایک عرصہ (کا وقفہ) ہو یا وہ اسی طرح کی بات (مذکورہ) غلام یا گھر کے متعلق کہے، تو بلاشبہ جب وہ ایسا کرے گا تو (اس کی صورت اور معاملہ) یہ ہو جائے گا کہ (گویا) وہ اسے اس شرط پر سونا (اور رقم) پیشگی دے رہا ہے کہ اگر اس نے اس مدت تک کہ جس کا نام لیا ہے۔ (اور تعین کی ہے اور اس کی آمد پر) اس اونٹ کو صحیح (تندرست اور قابل سواری) پا لیا تو وہ اس کرائے کے عوض اس خریدار کا ہوگا اور اگر اس میں موت وغیرہ کا کوئی حادثہ پیش آ گیا تو بائع اسے اس کا (پورا) سونا لوٹا دے گا اور وہ اونٹ اس (کرایہ دینے والے یعنی بائع مکری) کے پاس اس خریدار کے لیے ادھار کے طور پر پڑا رہے گا۔

فائدہ: ......اور یہ صورت غرر اور دھوکے والی ہے، اس میں ایک جھگڑا تو یہ کھڑا ہوسکتا ہے کہ مکری (کرائے پر دینے والا) مستکری (کرائے پر لینے والے) سے کہنے لگے کہ میرا اونٹ تیری وجہ سے کہیں اور استعمال نہیں ہو سکا اور میں کمائی نہ کرا سکا، لہٰذا مجھے کچھ عوضانہ دو، اور دوسری خرابی یہ ہے کہ جس چیز کا کرایہ دے رہا ہے وہ مجہول چیز بن گئی ہے، اس لیے کہ وہ اس معاملے کو اس کے زندہ رہنے کی شرط پر طے کر رہا ہے اور اس وقت اس کا زندہ رہنا کسی کو بھی معلوم نہیں۔

قَالَ مَالِكٌ: وَإِنَّمَا فَرَقَ بَيْنَ ذَلِكَ الْقَبْضُ، مَنْ قَبَضَ مَا اسْتَأْجَرَ، أَوِ اسْتَكْرَى، فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْغَرَرِ وَالسَّلَفِ، الَّذِي يُكْرَهُ، وَأَخَذَ أَمْراً مَعْلُوماً، وَإِنَّمَا مَثَلُ ذَلِكَ أَنْ يَشْتَرِيَ الرَّجُلُ الْعَبْدَ أَوِ الْوَلِيدَةَ، فَيَقْبِضَهُمَا وَيَنْقُدَ أَثْمَانَهُمَا، فَإِنْ حَدَثَ بِهِمَا حَدَثٌ مِنْ عُهْدَةِ السَّنَةِ، أَخَذَ ذَهَبَهُ مِنْ صَاحِبِهِ الَّذِي ابْتَاعَ مِنْهُ، فَهَذَا لَا بَأْسَ بِهِ، وَبِهَذَا مَضَتِ السُّنَّةُ فِي بَيْعِ الرَّقِيقِ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ان دونوں صورتوں میں فرق کرنے والی چیز قبضے میں لے لینا ہے۔ (چنانچہ) جس شخص نے اس چیز کو قبضے میں لے لیا جسے اس نے اجرت پر یا کرائے پر لیا ہے تو وہ دھوکے سے نکل آئے گا اور اس سلف (ادھار) سے بھی جو کہ مکروہ ہے، اور وہ ایک معلوم ومتعین چیز لے لے گا اور بلاشبہ اس (قبضے والی جائز صورت) کی مثال تو یوں ہے کہ آدمی غلام یا لونڈی کو خرید لے اور اسے قبضے میں کر لے اور ان کی قیمت بھی نقد ادا کر دے، پھر اگر سال کی ذمہ داری میں ان دونوں پر کوئی حادثہ پیش آ گیا (یعنی ان میں عیب نہ ہونے کی ذمہ داری بائع کی تھی اور سال بھر کی گارنٹی تھی لیکن سال پورا ہونے سے قبل ان میں عیب

نظر آ گیا) تو وہ اپنے اس ساتھی سے اپنا سونا وصول کرلے گا جس سے اس نے خریداری کی تھی (اور غلام لونڈی کو واپس لوٹا دے گا) تو یہ ایسی صورت ہے جس میں کوئی حرج نہیں اور غلاموں لونڈیوں کی بیع میں اس کے مطابق سنت جاری ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَمَنِ اسْتَأْجَرَ عَبْداً بِعَيْنِهِ، أَوْ تَكَارَى رَاحِلَةً بِعَيْنِهَا، إِلَى أَجَلٍ، يَقْبِضُ الْعَبْدَ، أَوِ الرَّاحِلَةَ إِلَى ذٰلِكَ الأَجَلِ، فَقَدْ عَمِلَ بِمَا لَا يَصْلُحُ، لَا هُوَ قَبَضَ مَا اسْتَكْرَى، أَوِ اسْتَأْجَرَ، وَلَا هُوَ سَلَّفَ فِي دَيْنٍ يَكُونُ ضَامِناً عَلَى صَاحِبِهِ حَتَّى يَسْتَوْفِيَهُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور جس شخص نے کوئی متعین غلام اجرت پر لیا یا کسی معین اونٹ کو کرائے پر لیا اور اس کی وصولی کے لیے ایک مدت تک تاخیر کی کہ وہ اس مدت میں غلام یا اونٹ کو قبضے میں لے گا تو یقیناً اس نے ایسا عمل کیا جو درست نہیں ہے، نہ تو اس نے اس چیز کو قبضے میں لیا ہے جسے کرائے پر یا اجرت پر لیا تھا اور نہ ہی اس (متاجر ومستکری یعنی اجرت وکرائے پر لینے والے) نے کسی ایسے دین (قرض والے سودے) میں پیشگی ادائیگی کی ہے جو اس کے ساتھی (مؤخر یعنی چیز کے مالک) کی ضمانت میں رہتا، یہاں تک کہ وہ اسے اس سے پورا پورا لیتا۔

فائدہ : ...... یہ بھی دراصل گزشتہ مسئلے کا حصہ ہے اور یہاں اس ممنوع صورت کی علت بیان کی جا رہی ہے کہ یہ صورت نہ تو اجرت وکرائے والی بنتی ہے اور نہ ہی بیع سلف والی، بیع سلف میں یوں ہوتا ہے کہ مشتری نقد رقم ادا کر دیتا ہے اور بائع ایک طے شدہ مدت پر متعین چیز ادا کرتا ہے، ایک طرف عین (نقد) اور دوسری طرف دین (قرض) ہوتا ہے، اور چیز کی ادائیگی بائع پر قرض رہتی ہے اور اس مدت کا وہی ضامن ہوتا ہے جبکہ مذکورہ صورت میں کچھ خریدا ہی نہیں گیا۔

15- بَابٌ: بَيْعُ الْفَاكِهَةِ

میووں کی بیع کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں کوئی روایت نہیں ہے، صرف امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ مذکور ہے۔

فائدہ : ...... ''ثمر'' ہر قسم کے پھل پر بولا جاتا ہے جبکہ ''فاکہہ'' سے مراد وہ پھل ہیں جو کھجور اور انار کے علاوہ ہیں، بعض نے انگور کو بھی فاکہہ میں شامل نہیں کیا، اسی طرح فاکہہ کے معنی صرف خشک پھل یا لذیذ پھل کے بھی کیے گئے ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ : الأَمْرُ الْمُجْتَمَعُ عَلَيْهِ عِنْدَنَا : أَنَّ مَنِ ابْتَاعَ شَيْئاً مِنَ الْفَاكِهَةِ مِنْ رَطْبِهَا، أَوْ يَابِسِهَا، فَإِنَّهُ لَا يَبِيعُهُ حَتَّى يَسْتَوْفِيَهُ، وَلَا يُبَاعُ شَيْءٌ مِنْهَا بَعْضُهُ بِبَعْضٍ، إِلَّا يَداً بِيَدٍ، وَمَا كَانَ مِنْهَا مِمَّا يَيْبَسُ، فَيَصِيرُ فَاكِهَةً يَابِسَةً

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں اس حکم پر اجماع ہے کہ جس شخص نے کسی قسم کا پھل خریدا، تر یا خشک، تو بلاشبہ وہ اسے (آگے) نہ بیچے، یہاں تک کہ اسے پورا پورا اپنے قبضے میں لے لے، اور ان میں سے کوئی بھی چیز ایک دوسری کے عوض نہ بیچی جائے، مگر صرف اور صرف نقد ونقد (ہی

تُـدَّخَرُ وَتُؤْكَلُ ، فَلا يُبَاعُ بَعْضُهُ بِبَعْضٍ ، إِلَّا يَـداً بِيَـدٍ ، وَمِثْلاً بِـمِثْلٍ ، إِذَا كَانَ مِنْ صِنْفٍ وَاحِـدٍ ، فَإِنْ كَانَ مِنْ صِنْفَيْنِ مُخْتَلِفَيْنِ ، فَلا بَأْسَ بِأَنْ يُبَاعَ مِنْهُ اثْنَانِ بِوَاحِدٍ ، يَداً بِيَدٍ ، وَلا يَـصْـلُـحُ إِلَـى أَجَلٍ ، وَمَا كَانَ مِنْهُمَا مِمَّا لا يَيْبَـسُ وَلا يُدَّخَرُ ، وَإِنَّمَا يُؤْكَلُ رَطْباً ، كَهَيْئَةِ الْبِـطِّيـخِ ، وَالْـقِثَّـاءِ ، وَالْـخِرْبِزِ ، وَالْجَزَرِ ، وَالْأُتْـرُجِّ ، وَالْـمَـوْزِ ، وَالـرُّمَّـانِ ، وَمَا كَانَ مِثْـلَـهُ ، وَإِنْ يَبِسَ لَمْ يَكُنْ فَاكِهَةً بَعْدَ ذَلِكَ ، وَلَيْـسَ هُـوَ مِمَّا يُدَّخَرُ ، وَيَكُونُ فَاكِهَةً قَالَ : فَـأَرَاهُ حَقِيقاً أَنْ يُؤْخَذَ مِنْهُ مِنْ صِنْفٍ وَاحِدٍ ، اثْـنَـانِ بِـوَاحِدٍ ، يَداً بِيَدٍ ، فَإِذَا لَمْ يَدْخُلْ فِيهِ شَيْءٌ مِنَ الْأَجَلِ ، فَإِنَّهُ لَا بَأْسَ بِهِ

تبادلہ کرے) اور ان میں سے جو پھل خشک ہونے والے پھلوں میں سے ہو جو خشک میوہ بن جاتا ہے اور ذخیرہ کر لیا جاتا ہے اور خشک بھی کھایا جاتا ہے، تو ان میں سے کسی کو کسی کے بدلے نہ بیچا جائے مگر (دو شرطوں کے ساتھ یعنی) نقد و نقد اور برابر برابر (بشرطیکہ) جب وہ ایک ہی جنس سے ہو (کیونکہ جنس ایک ہو تو نہ ادھار جائز ہے اور نہ کمی بیشی)، ہاں اگر دو مختلف جنسیں ہوں تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں کہ ان میں سے ایک کے بدلے دو کو نقد و نقد خریدا جائے، اور یہ (سودا کسی) میعاد تک درست نہیں ہے، (جنس الگ الگ ہو تو ادھار ناجائز ہے اور کمی بیشی جائز ہے) اور ان میں سے جو پھل خشک (استعمال) نہ ہوتا ہو اور نہ ذخیرہ کیا جاتا ہو اور یقیناً اسے تو صرف تر ہی کھایا جاتا ہے مثلاً تربوز، ککڑی، (کھیرا)، خربوزہ، مالٹا، کیلا، گاجر، انار اور جو کوئی بھی ان جیسا پھل ہو، اور اگر وہ خشک ہو جائے تو وہ اس خشک ہونے کے بعد پھل ہی نہیں رہتا (بلکہ خراب اور ضائع ہو جاتا ہے،) اور وہ ان پھلوں جیسا نہ ہو جنہیں ذخیرہ بھی کیا جائے تو وہ میوہ ہی رہتا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: تو میں (صرف تر حالت میں استعمال ہونے والے) اس پھل کو اس لائق سمجھتا ہوں کہ ایک ہی جنس (کے ایسے پھلوں کا باہمی تبادلہ ہو تو ان میں) سے ایک کے بدلے دو کو نقد و نقد لیا جا سکتا ہے (یعنی کمی بیشی تو درست ہے لیکن ادھار ناجائز ہے) امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جب اس میں کسی مدت تک کی کچھ تاخیر داخل نہ ہو (بلکہ دونوں جانب سودا نقد و نقد ہو) تو بلاشبہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

فائدہ: ...... رسول اللہ ﷺ نے چھ چیزوں کا نام لے کر فرمایا تھا کہ ان میں سے ہر جنس کا آپس میں تبادلہ ہو تو ان کا نقد و نقد اور برابر برابر ہونا لازم ہے، ہاں اگر جنس تبدیل ہو تو پھر نقد و نقد ہونا تو لازم ہے اور وزن میں کمی بیشی کی اجازت ہے، وہ چھ چیزیں یہ ہیں: سونا، چاندی، گندم، جَو، کھجور اور نمک۔ (بخاری: 2134، مسلم: 1584، 1587) ان چھ اشیاء کے متعلق تو فقہاء کا اتفاق ہے، البتہ باقی اجناس اور نقدیوں کے متعلق اختلاف ہے، چنانچہ اہل ظاہر، ابن حزم، بغوی، نواب صدیق حسن خان اور شوکانی رحمہم اللہ وغیرہ کے نزدیک ان چھ اشیاء کے علاوہ کہیں بھی یہ پابندیاں نہیں ہیں، امام ابوحنیفہ، امام احمد رحمہما اللہ اور جمہور کے نزدیک رسول اللہ ﷺ نے ان چھ چیزوں کا نام بطور مثال لیا

تھا، اور جہاں جہاں ان اشیاء جیسی علت سود پائی جائے گی وہاں سود کا حکم لگے گا، امام مالک رحمہ اللہ نے اسے صرف ذخیرہ ہونے والی خوراک کے ساتھ خاص کیا ہے...... ہمارے نزدیک راجح موقف کی تفصیل یہ ہے کہ خورد ونوش سے تعلق رکھنے والی تمام اشیاء خواہ وہ صرف تر حالت میں استعمال ہوں یا خشک بھی اور تر بھی یا صرف خشک مستعمل ہوں، اور اسی طرح ہر قسم کی نقدی اور کرنسی میں یہی حکم ہے، چنانچہ جب خوراک سے متعلقہ اجناس کا تبادلہ ہو اور دونوں جانب ایک ہی جنس ہو تو نقد ونقد اور برابری کی شرط ہے، اگر ادھار ہوا یا کمی بیشی ہوئی تو یہ دونوں سود شمار ہوں گے، اسی طرح ہم جنس نقدی وکرنسی مثلاً سونے کے بدلے سونا وغیرہ ہو تو اس کے تبادلے میں بھی مذکورہ دونوں شرطیں ہیں، ہاں اگر خورد ونوش والی اشیاء میں جنس تبدیل ہو، مثلاً گندم کے بدلے جَو، یا الگ الگ قسم کی نقدی کا باہم تبادلہ ہو، مثلاً سونے کے بدلے چاندی تو پھر صرف ایک شرط ہے کہ نقد ونقد تبادلہ ہو، اگر ادھار کر لیا تو اس پر سود کا حکم لگے گا، ہاں وزن کی کمی بیشی جائز ہے، رہی یہ صورت کہ ایک طرف کھانے پینے کی کوئی جنس ہو اور دوسری طرف اس کے بدلے میں کوئی نقدی ہو، مثلاً سونے کے بدلے گندم وغیرہ تو پھر کوئی شرط نہیں ہے، ادھار بھی درست ہے اور کمی بیشی بھی۔ اسی طرح جاندار اشیاء مثلاً غلام کے بدلے غلام وغیرہ میں بھی کوئی شرط نہیں ہے، نیز دیگر مصنوعات اور ایجادات میں بھی ایسی کوئی شرط نہیں ہے۔ واللہ اعلم

16- بَابٌ: بَيْعُ الذَّهَبِ بِالْفِضَّةِ تِبْرًا وَعَيْنًا

سونے کی چاندی کے بدلے بیع کا بیان، خواہ وہ سونا ڈلی ہو یا نقدی

خلاصۃ الباب اس باب میں گیارہ روایات ہیں، چھ مرفوع (احادیث نبویہ) ہیں، جن میں سے چار صحیح اور دو ضعیف ہیں، تین موقوف (آثار صحابہ) ہیں جن میں سے دو صحیح ہیں اور ایک ضعیف ہے اور دو مقطوع (آثار تابعین) ہیں جو سنداً صحیح ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاویٰ بھی اس باب میں مذکور ہیں۔

فائدہ:...... سونا اور چاندی دنیا میں اصل نقدیاں تصور کیے جاتے ہیں، آج کل رائج کاغذی نوٹ والی کرنسیاں دراصل سونے کی قیمت کا بدل اور اس کی رسید شمار ہوتی ہیں۔ سونا اگر دیناروں، اشرفیوں اور سکوں کی صورت میں ڈھال لیا جائے تو اسے ''عین'' (نقدی) کہتے ہیں، اور اگر خام حالت میں ڈلی ہی کی شکل میں ہو تو اسے ''تبر'' کہتے ہیں۔ اسی طرح چاندی کو درہموں یا سکوں میں ڈھال لیں تو اسے ''عین'' (نقدی) کہتے ہیں اور وہ ڈھلی ہوئی نہ ہو تو اسے ''تبر'' کہتے ہیں۔ سونے چاندی کا استعمال برتنوں اور زیورات وغیرہ میں عام ہوتا ہے، چنانچہ سونا اور چاندی کسی بھی حالت میں ہوں ان کی خرید وفروخت میں جب دونوں جانب سونا ہو یا چاندی ہو تو دونوں جانب برابری بھی لازم ہے اور نقد ونقد ہونا بھی۔ اور اگر اس تبادلے میں کسی جانب اضافہ کر دیا جائے خواہ سونا یا چاندی ہی کی شکل ہو یا کسی اور چیز کے نفع کی صورت میں تو یہ سراسر سود ہے...... یاد رہے کہ سونا اور چاندی، خواہ عمدہ ہو یا گھٹیا، مضروب یعنی کسی شکل میں ڈھلا ہوا ہو یا غیر مضروب ہو یعنی ڈلی کی صورت میں ہو، زیور ہو یا برتن یا سکے کی شکل میں ہو، خالص ہو یا ملاوٹ شدہ، کھوٹا ہو یا

کھرا، اکیلا ہو یا کسی چیز کے ساتھ ملا ہوا، ہر صورت میں باہمی تبادلہ کرتے وقت وزن برابر ہونا اور نقد ونقد ہونا لازم ہے، اگر ایسا کرنے میں کسی کو خسارے کا اندیشہ ہو تو وہ اپنے سونے کو کسی اور چیز کے بدلے میں بیچ ڈالے اور پھر اس چیز کے بدلے اپنا مطلوبہ سونا خرید لے۔

[1329] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّهُ قَالَ: أَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ السَّعْدَيْنِ أَنْ يَبِيعَا آنِيَةً مِنَ الْمَغَانِمِ، مِنْ ذَهَبٍ أَوْ فِضَّةٍ، فَبَاعَا كُلَّ ثَلَاثَةٍ بِأَرْبَعَةٍ عَيْنًا، أَوْ كُلَّ أَرْبَعَةٍ بِثَلَاثَةٍ عَيْنًا، فَقَالَ لَهُمَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: أَرْبَيْتُمَا فَرُدَّا.

یحییٰ بن سعید سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دونوں سعد رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ مال غنیمت میں آنے والے سونے یا چاندی کے برتنوں کو بیچ ڈالیں، چنانچہ انھوں نے ہر تین (برتنوں) کو چار (کے وزن کے برابر) نقد سکوں کے عوض بیچ ڈالا یا ہر چار (برتنوں) کو تین (کے وزن کے برابر) نقد سکوں کے بدلے فروخت کر دیا۔ راوی کو شبہ ہے (کہ ان دونوں صورتوں میں سے کون سی تھی)، تو رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں سے فرمایا: ''تم دونوں نے سود کا معاملہ کیا، لہٰذا اسے لوٹا دو (اور بیع رد کرو)۔''

فائدہ :......عموماً جب ''سعدین'' (دوسعد) کہا جاتا ہے تو اس سے قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ اور قبیلہ خزرج کے سردار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما مراد ہوتے ہیں، لیکن یہاں ایسا نہیں ہے، کیونکہ مسلمانوں کو غزوۂ خندق تک کسی بھی جنگ میں سونے چاندی کے برتن غنیمت میں نہیں ملے تھے اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جنگ خندق میں پہنچنے والے ایک زخم کے سبب اس سے چند دن بعد فوت ہو گئے تھے، اور ابن ابی شیبہ کی ایک روایت میں حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما نیز جنگ خیبر کا ذکر ہے اور اس کی سند بھی صحیح ہے۔ (زرقانی: 380/3)

[1330] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مُوسَى بْنِ أَبِي تَمِيمٍ، عَنْ أَبِي الْحُبَابِ سَعِيدِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: الدِّينَارُ بِالدِّينَارِ، وَالدِّرْهَمُ بِالدِّرْهَمِ، لَا فَضْلَ بَيْنَهُمَا.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''(جب سونے کے) دینار کے بدلے دینار اور چاندی کے) درہم کے بدلے درہم (کا تبادلہ) ہو تو ان دونوں میں کوئی تفاضل (اور کمی بیشی جائز) نہیں ہے۔''

[1329] (مرفوع ضعیف) شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو مرسل یا معضل ہونے کی بنا پر ضعیف قرار دیا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

[1330] (مرفوع صحیح) صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ، باب الصرف و بیع الذهب بالورق نقدا، حدیث: 1588، سنن النسائی، کتاب البیوع، باب بیع الدینار بالدینار، حدیث: 4571، احمد: 379/2 (8923).

[1331] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَا تَبِيعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ إِلَّا مِثْلاً بِمِثْلٍ، وَلَا تُشِفُّوا بَعْضَهَا عَلَى بَعْضٍ، وَلَا تَبِيعُوا الْوَرِقَ بِالْوَرِقِ، إِلَّا مِثْلاً بِمِثْلٍ، وَلَا تُشِفُّوا بَعْضَهَا عَلَى بَعْضٍ، وَلَا تَبِيعُوا مِنْهَا شَيْئاً غَائِباً بِنَاجِزٍ.

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سونے کو سونے کے بدلے نہ بیچو، مگر برابر برابر اور ان میں سے کسی کو کسی پر نہ بڑھاؤ، اور تم چاندی کو چاندی کے بدلے نہ بیچو، مگر برابر برابر، اور ان میں سے کسی کو کسی پر نہ بڑھاؤ اور ان میں سے غائب کو حاضر کے بدلے نہ بیچو۔''

فائدہ: ......نہ کمی بیشی کرو اور نہ ادھار، نیز ادھار نہ دونوں جانب سے جائز ہے اور نہ ایک جانب سے۔

[1332] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ قَيْسٍ الْمَكِّيِّ، عَنْ مُجَاهِدٍ، أَنَّهُ قَالَ: كُنْتُ مَعَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، فَجَاءَهُ صَائِغٌ فَقَالَ لَهُ: يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ إِنِّي أَصُوغُ الذَّهَبَ، ثُمَّ أَبِيعُ الشَّيْءَ مِنْ ذٰلِكَ بِأَكْثَرَ مِنْ وَزْنِهِ، فَأَسْتَفْضِلُ مِنْ ذٰلِكَ قَدْرَ عَمَلِ يَدِي. فَنَهَاهُ عَبْدُ اللّٰهِ عَنْ ذٰلِكَ، فَجَعَلَ الصَّائِغُ يُرَدِّدُ عَلَيْهِ الْمَسْأَلَةَ، وَعَبْدُ اللّٰهِ يَنْهَاهُ، حَتَّى انْتَهَى إِلَى بَابِ الْمَسْجِدِ، أَوْ إِلَى دَابَّةٍ يُرِيدُ أَنْ يَرْكَبَهَا، ثُمَّ قَالَ: عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ: الدِّينَارُ بِالدِّينَارِ، وَالدِّرْهَمُ بِالدِّرْهَمِ، لَا فَضْلَ بَيْنَهُمَا، هٰذَا عَهْدُ نَبِيِّنَا إِلَيْنَا، وَعَهْدُنَا إِلَيْكُمْ.

مجاہد سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ہمراہ تھا، ان کے پاس ایک زرگر (سنار، سونا ڈھالنے والا) آیا، وہ (حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو ان کی کنیت سے مخاطب کر کے) کہنے لگا کہ اے ابوعبدالرحمٰن! میں سونا ڈھالتا ہوں، پھر میں اس سونے سے تیار شدہ کسی چیز کو اس سے زائد وزن کے (سونے کے) عوض بیچ دیتا ہوں، چنانچہ میں اس بیع میں اپنے ہاتھ کی محنت کے بقدر زائد سونا وصول کرتا ہوں، تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اسے منع کر دیا، پھر وہ سنار شروع ہوا اور بار بار ان سے یہی سوال کرنے لگا اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اسے منع کرتے رہے، یہاں تک کہ وہ مسجد کے دروازے تک پہنچ گئے یا اس جانور کے پاس پہنچ گئے جس پر وہ سواری کا ارادہ رکھتے تھے، پھر

[1331] (مرفوع صحیح) صحيح البخاري، كتاب البيوع، باب بيع الفضة بالفضة، حديث: 2186، 2187- صحيح، صحيح مسلم، كتاب المساقاة، باب الربا، حديث: 1584، ترمذی: 1241- نسائی: 4574- ابن ماجه: 2256- احمد: 73/3 (11723).

[1332] (مرفوع صحیح) عبدالرزاق: 125/8 (14574)- بيهقي: في السنن الكبرى: 279/5، 292، وفي معرفة السنن والآثار: 292/4 (3342، 3343)، الشافعي المسند: 326/2- بغوى في شرح السنة: 63/8 (2059)- شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: دینار، دینار کے بدلے اور درہم درہم کے بدلے ہو تو ان میں کوئی کمی بیشی درست نہیں ہے، یہ ہمارے نبی ﷺ کی ہمیں وصیت ہے اور تمہیں بھی ہماری یہی وصیت ہے۔

فائدہ :......امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بنوائی اور محنت کی قیمت میں سونا وصول کرنا جائز ہے۔

[1333] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، أَنَّهُ بَلَغَهُ ، عَنْ جَدِّهِ مَالِكِ بْنِ أَبِي عَامِرٍ ، أَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ قَالَ : قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ ﷺ: لَا تَبِيعُوا الدِّينَارَ بِالدِّينَارَيْنِ ، وَلَا الدِّرْهَمَ بِالدِّرْهَمَيْنِ .

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا تھا: ''ایک دینار کو دو دیناروں کے بدلے نہ بیچو اور نہ ہی ایک درہم کو دو درہموں کے بدلے بیچو۔''

[1334] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ : أَنَّ مُعَاوِيَةَ بْنَ أَبِي سُفْيَانَ بَاعَ سِقَايَةً مِنْ ذَهَبٍ ، أَوْ وَرِقٍ بِأَكْثَرَ مِنْ وَزْنِهَا ، فَقَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ : سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَنْهَى عَنْ مِثْلِ هَذَا : إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ . فَقَالَ لَهُ مُعَاوِيَةُ: مَا أَرَى بِمِثْلِ هَذَا بَأْسًا . فَقَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ : مَنْ يَعْذِرُنِي مِنْ مُعَاوِيَةَ ، أَنَا أُخْبِرُهُ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ ، وَيُخْبِرُنِي عَنْ رَأْيِهِ ، لَا أُسَاكِنُكَ بِأَرْضٍ أَنْتَ بِهَا ، ثُمَّ قَدِمَ أَبُو الدَّرْدَاءِ عَلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ ، فَذَكَرَ ذَلِكَ لَهُ ، فَكَتَبَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ إِلَى مُعَاوِيَةَ أَنْ لَا تَبِيعَ ذَلِكَ إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ ، وَزْنًا بِوَزْنٍ .

عطاء بن یسار رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے سونے یا چاندی سے بنا ہوا ایک پینے کا برتن، اس سے زائد وزن (کے سونے یا چاندی) کے عوض خریدا تو حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ ان سے کہنے لگے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا، آپ ﷺ اس طرح کرنے سے منع فرما رہے تھے، الا یہ کہ (دونوں جانب کا سونا یا چاندی) برابر برابر ہو۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان سے کہنے لگے کہ میں تو اس طرح کے تبادلے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتا، تو حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: کون ہے جو معاویہ کے معاملے میں مجھے معذور جانے؟ (یعنی اگر میں انھیں کچھ ملامت کروں تو وہ مجھے دفاع حدیث کی بنا پر مجرم نہ سمجھے یا کون ہے جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں میری مدد کرے؟) میں انھیں رسول اللہ ﷺ سے (سنی ہوئی) حدیث کی خبر دے رہا ہوں اور وہ مجھے اپنی رائے سے بتا رہے ہیں، میں آپ کے ساتھ اس زمین میں نہیں رہوں گا جہاں

[1333] (مرفوع صحيح) صحيح مسلم، كتاب المساقاة، باب الربا، حديث: 1585۔ بيهقي: 278/5 (10485).

[1334] (مرفوع ضعيف) سنن النسائي، كتاب البيوع، باب بيع الذهب بالذهب، حديث: 4576۔ احمد: 448/6 (28081)۔ بيهقي في السنن الكبرى: 280/5 (10494)۔ وفي معرفة السنن والآثار: 293/4 (3344)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔

آپ ہوں گے، پھر حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ (ملک شام سے مدینہ منورہ میں) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آ گئے اور ان کے سامنے اس کا تذکرہ کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف لکھا کہ وہ اس طرح کی (سونے یا چاندی کے باہمی تبادلے والی) بیع نہ کیا کریں، الا یہ کہ وہ وزن میں برابر برابر ہو۔

فائدہ: ......امام شافعی، ابن قیم رحمہ اللہ اور بعض علماء کے نزدیک بنوائی اور محنت کی زائد قیمت لینا جائز ہے، شاید امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی زائد سونا محنت کے عوضانے میں دیا ہو یا ہوسکتا ہے کہ وہ اس تبادلے میں صرف ادھار کو سود سمجھتے ہوں اور کمی بیشی کو جائز، جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی پہلے پہل یہی موقف تھا، لیکن روایات مل جانے کی بنا پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے رجوع کر لیا تھا۔ واللہ اعلم...... یاد رہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس طرح کا واقعہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے حوالے سے زیادہ روایات میں ثابت ہے، اور ہوسکتا ہے کہ یہ حضرت عبادہ اور حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہما دونوں کے ساتھ پیش آیا ہو لیکن سندی اعتبار سے یہ دونوں واقعات ضعیف روایات میں مروی ہیں۔ البتہ اس روایت میں موجود فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم دوسری روایات سے صحیح ثابت ہے۔

[1335] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ: لَا تَبِيعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ، إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ، وَلَا تُشِفُّوا بَعْضَهَا عَلَى بَعْضٍ، وَلَا تَبِيعُوا الْوَرِقَ بِالْوَرِقِ إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ، وَلَا تُشِفُّوا بَعْضَهَا عَلَى بَعْضٍ، وَلَا تَبِيعُوا الْوَرِقَ بِالذَّهَبِ، أَحَدُهُمَا غَائِبٌ، وَالْآخَرُ نَاجِزٌ، وَإِنِ اسْتَنْظَرَكَ إِلَى أَنْ يَلِجَ بَيْتَهُ فَلَا تُنْظِرْهُ، إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمُ الرَّمَاءَ. وَالرَّمَاءُ هُوَ الرِّبَا.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سونے کو سونے کے بدلے نہ بیچا کرو مگر برابر برابر، اور ان میں سے کسی کو کسی پر مت بڑھاؤ، اور چاندی کو چاندی کے بدلے مت بیچا کرو مگر برابر برابر، اور ان (دونوں جانب کی چاندی) میں سے کسی کو کسی پر نہ بڑھاؤ، اور نہ ہی تم چاندی کو سونے کے بدلے اس طرح بیچو کہ ان میں سے ایک چیز غائب ہو اور دوسری حاضر ہو، اور اگر وہ (تمھارے ساتھ اسی طرح کا سودا کرنے والا) تم سے اپنے گھر میں داخل ہونے کی مہلت ہی مانگ لے (مثلاً وہ کہے کہ میں اپنا سونا گھر سے ابھی پکڑ کر لاتا ہوں) تو اسے مہلت نہ دو، کیونکہ بلاشبہ میں تم پر "رماء" سے ڈرتا ہوں، اور رماء سے مراد سود ہے۔ (یہ اتنی سی تاخیر بھی اس معاملے کو سود بنا دے گی)۔

[1335] (موقوف صحيح)، عبدالرزاق: 121/8 (14562)۔ بيهقى فى السنن الكبرى: 279/5 (10490)۔ وفى معرفة السنن و الآثار: 311/4 (3373)۔ الشافعى فى الأم: 219/7۔ وفى المسند: 327/2۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط کے مطابق ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

[1336] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ: لَا تَبِيعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ: إِلَّا مِثْلاً بِمِثْلٍ، وَلَا تُشِفُّوا بَعْضَهَا عَلَى بَعْضٍ، وَلَا تَبِيعُوا الْوَرِقَ بِالْوَرِقِ، إِلَّا مِثْلاً بِمِثْلٍ، وَلَا تُشِفُّوا بَعْضَهَا عَلَى بَعْضٍ، وَلَا تَبِيعُوا شَيْئاً مِنْهَا، غَائِباً بِنَاجِزٍ. وَإِنِ اسْتَنْظَرَكَ إِلَى أَنْ يَلِجَ بَيْتَهُ فَلَا تُنْظِرْهُ، إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمُ الرَّمَاءَ. وَالرَّمَاءُ هُوَ الرِّبَا.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سونے کو سونے کے بدلے نہ بیچو مگر برابر برابر، اور اس میں سے کسی کو کسی پر نہ بڑھاؤ، اور چاندی کے بدلے چاندی نہ بیچو مگر برابر برابر، اور اس میں سے کسی کو کسی پر زیادہ نہ کرو، اور ان میں سے کسی بھی غائب چیز کو حاضر کے بدلے نہ بیچو (بلکہ نقد ونقد سودا کرو) اور اگر وہ تجھ سے اپنے گھر میں داخل ہونے ہی کی مہلت مانگے تو بھی اسے مہلت نہ دینا، کیونکہ میں تم پر ''رماء'' کے واقع ہو جانے سے ڈرتا ہوں اور رماء سے مراد سود ہے۔

[1337] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، أَنَّهُ قَالَ: قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: الدِّينَارُ بِالدِّينَارِ، وَالدِّرْهَمُ بِالدِّرْهَمِ، وَالصَّاعُ بِالصَّاعِ، وَلَا يُبَاعُ كَالِئٌ بِنَاجِزٍ.

قاسم بن محمد رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایک دینار ایک دینار ہی کے بدلے ہوگا، ایک درہم ایک درہم کے بدلے اور ایک صاع ایک صاع کے بدلے ہوگا اور (ان میں سے کسی) مؤخر چیز کو کسی حاضر کے بدلے نہ بیچا جائے۔

فائدہ: ......یعنی غائب کو حاضر کے بدلے اور ادھار کو نقد کے بدلے نہ بیچو بلکہ سودا نقد ونقد ہو اور برابر برابر ہو۔

[1338] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، أَنَّهُ سَمِعَ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ يَقُولُ: لَا رِباً إِلَّا فِي ذَهَبٍ أَوْ فِضَّةٍ، أَوْ مَا يُكَالُ أَوْ

ابوزناد سے روایت ہے کہ انھوں نے سعید بن مسیب رحمہ اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: (کمی بیشی اور ادھار والا) سود تو صرف اور صرف سونے میں ہوتا ہے یا چاندی میں یا اس چیز

[1336] (موقوف صحیح) بیهقی: 284/5۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

[1337] (موقوف ضعیف) شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے۔

[1338] (مقطوع صحیح) عبدالرزاق: 21/8 (14139)۔ ابن ابی شیبه: 22469۔ بیهقی فی السنن الکبری: 286/5 (10521)۔ و فی معرفة السنن والآثار: 298/4 (3352)۔ دارقطنی: 13/3 (2810)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

يُوزَنُ، بِمَا يُؤْكَلُ أَوْ يُشْرَبُ.

میں جسے ماپا جائے یا تولا جائے، ان اشیاء میں سے کہ جنھیں کھایا یا پیا جاتا ہے۔

فائدہ: ......یعنی نقدیوں اور خورد نوش کی اشیاء کے ساتھ اس سود کا تعلق ہے جو کمی بیشی کرنے یا ادھار کی شکل میں ہوتا ہے، ورنہ تو سود کی اور بھی اقسام ہیں، بہر حال یہ سود جانوروں اور دیگر مصنوعات میں نہیں ہوتا۔

[1339] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ: أَنَّهُ سَمِعَ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ يَقُولُ: قَطْعُ الذَّهَبِ وَالْوَرِقِ مِنَ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ.

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انھوں نے سعید بن مسیب رحمہ اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: سونے اور چاندی (کے سکوں) کو توڑنا زمین میں فساد مچانے میں شامل ہے۔

فائدہ: ......دراصل ہر حکومت وسلطنت میں سونے چاندی کے سکوں کا مخصوص وزن ہوا کرتا تھا، اور انھیں ان کی خاص شکل میں دیکھتے ہی ان کا مخصوص وزن مراد لے لیا جاتا تھا، تو جو شخص انھیں توڑ کر یعنی انھیں کم وزن والا بنا کر لوگوں میں رائج کرے تو وہ لوگوں کی معیشت اور بعد ازاں لوگوں کے باہمی تعلقات کی خرابی اور باہمی تنازعات کا باعث بنتا ہے، نیز یہ چوری اور ڈکیتی کی صورت ہے اور چوری کو قطع الطریق (راستہ کاٹنا) کہتے ہیں اور ڈکیتی تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ کے سوا کچھ نہیں۔ (سورۂ مائدہ: 33)

قَالَ مَالِكٌ: وَلَا بَأْسَ أَنْ يَشْتَرِيَ الرَّجُلُ الذَّهَبَ بِالْفِضَّةِ، وَالْفِضَّةَ بِالذَّهَبِ جِزَافًا، إِذَا كَانَ تِبْرًا أَوْ حَلْيًا قَدْ صِيغَ، فَأَمَّا الدَّرَاهِمُ الْمَعْدُودَةُ، وَالدَّنَانِيرُ الْمَعْدُودَةُ، فَلَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ أَنْ يَشْتَرِيَ ذَلِكَ جِزَافًا، حَتَّى يُعْلَمَ وَيُعَدَّ، فَإِنِ اشْتُرِيَ ذَلِكَ جِزَافًا، فَإِنَّمَا يُرَادُ بِهِ الْغَرَرُ حِينَ يُتْرَكُ عَدُّهُ، وَيُشْتَرَى جِزَافًا، وَلَيْسَ هَذَا مِنْ بُيُوعِ الْمُسْلِمِينَ، فَأَمَّا مَا كَانَ يُوزَنُ مِنَ التِّبْرِ وَالْحَلْيِ، فَلَا بَأْسَ أَنْ يُبَاعَ ذَلِكَ جِزَافًا. وَإِنَّمَا ابْتِيَاعُ ذَلِكَ جِزَافًا، كَهَيْئَةِ الْحِنْطَةِ، وَالتَّمْرِ، وَنَحْوِهِمَا مِنَ الْأَطْعِمَةِ الَّتِي تُبَاعُ جِزَافًا، وَمِثْلُهَا يُكَالُ، فَلَيْسَ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ آدمی سونے کو چاندی کے بدلے اور چاندی کو سونے کے بدلے تخمینہ لگا کر خریدے، جس وقت کہ وہ ڈلی کی صورت میں یا اس زیور کی صورت میں ہو جسے ڈھالا گیا ہو، رہے گنے جانے والے درہم اور گنے جانے والے دینار تو کسی کے لائق نہیں کہ وہ ان میں سے کسی چیز کو اندازے سے خریدے یہاں تک کہ اس چیز کو معلوم کر لیا جائے اور (گن کر) شمار کر لیا جائے، چنانچہ اگر آدمی نے اسے اندازہ واٹکل سے خریدا تو بلاشبہ اس سے دھوکا ہی مقصود ہے، جب کہ اس کا گننا ترک کر دیا جائے اور تخمینہ ہی کی صورت میں خرید لیا جائے، اور یہ عمل مسلمانوں کے خرید وفروخت کے طریقوں میں سے نہیں ہے، اور رہا وہ ڈلا یا زیور جسے تولا

[1339] (مقطوع صحیح) عبدالرزاق: 130/8 (14595)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

بِابْتِيَاعِ ذَلِكَ جِزَافاً بَأْسٌ

جاتا ہے، (گنا نہیں جاتا) تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں کہ اسے تخمینے اور اندازے سے بیچا جائے اور بلاشبہ اسے تخمینہ واٹکل کی صورت میں خریدنا تو اس گندم یا کھجور جیسے کھانوں کی طرح ہے جنھیں اندازہ وتخمینہ سے بیچا جاتا ہے اور (شرط صرف یہ ہے کہ) ان جیسی چیزوں کو ماپا جاتا ہے، لہٰذا ان (سونے کے زیورات اور ڈلے) کو بھی تخمینہ سے خریدنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

فائدہ: ......الغرض سونے چاندی والی نقدی کے سکے جن کو گن کر معاملہ کیا جاتا ہے صرف انھی کا گنتی کیے بغیر لین دین درست نہیں ہے۔ سوائے بیع مراطلہ کے جس کا آگے باب: 18 میں تذکرہ آ رہا ہے۔

قَـالَ مَالِكٌ : مَنِ اشْتَرَى مُصْحَفاً ، أَوْ سَيْفاً ، أَوْ خَـاتَـمـاً ، وَفِي شَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ ذَهَبٌ ، أَوْ فِضَّةٌ ، بِدَنَانِيرَ أَوْ دَرَاهِمَ ، فَإِنَّ مَا اشْتُرِيَ مِنْ ذَلِكَ ، وَفِيـهِ الذَّهَبُ بِدَنَانِيرَ ، فَإِنَّهُ يُنْظَرُ إِلَى قِيمَتِهِ ، فَإِنْ كَانَتْ قِيمَةُ ذَلِكَ الثُّلُثَيْنِ ، وَقِيمَةُ مَـا فِيـهِ مِـنَ الذَّهَبِ الثُّلُثَ ، فَذَلِكَ جَائِزٌ لَا بَـأْسَ بِـهِ ، إِذَا كَانَ ذَلِكَ يَداً بِيَدٍ ، وَلَا يَكُونُ فِيـهِ تَـأْخِيرٌ ، وَمَا اشْتُرِيَ مِنْ ذَلِكَ بِالْوَرِقِ ، مِـمَّـا فِيـهِ الْوَرِقُ ، نُظِرَ إِلَى قِيمَتِهِ ، فَإِنْ كَانَ قِيـمَةُ ذَلِكَ الثُّلُثَيْنِ ، وَقِيمَةُ مَا فِيهِ مِنَ الْوَرِقِ الثُّـلُـثَ ، فَـذَلِكَ جَـائِزٌ لَا بَأْسَ بِهِ ، إِذَا كَانَ ذَلِكَ يَـداً بِيَدٍ ، وَلَمْ يَزَلْ ذَلِكَ مِنْ أَمْرِ النَّاسِ عِنْدَنَا .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جس شخص نے کوئی ایسا مصحف (قرآن) یا تلوار یا انگوٹھی خریدی جس میں (چاندی یا) سونا (جڑا ہوا) ہو (اسے) دیناروں یا درہموں کے بدلے میں (خریدا)، تو بلاشبہ ان میں سے جس چیز کو بھی خریدا جائے اس حال میں کہ اس میں سونا ہو (اور اسے) دیناروں کے عوض (خریدا ہو) تو دیکھا جائے گا کہ اس چیز کی قیمت کیا ہے، چنانچہ اگر (اصل میں) اس چیز کی قیمت (مکمل قیمت کا) دو تہائی ہو اور اس میں موجود سونے کی قیمت ایک تہائی ہو، تو یہ جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے، جس وقت کہ (اس سونے کے عوض میں سونے کا تبادلہ) نقد ونقد ہو اور اس میں کوئی تاخیر نہ ہو اور اسی طرح) ان میں سے جس چیز کو چاندی کے عوض خریدا جائے اور اس چیز میں بھی چاندی ہو تو اس کی (کل) قیمت دیکھی جائے گی، چنانچہ اگر (اصل میں) اس چیز کی قیمت (مکمل قیمت کا) دو تہائی ہو اور اس میں لگی ہوئی چاندی کی قیمت ایک تہائی ہو تو یہ جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے، بشرطیکہ جب یہ تبادلہ نقد ونقد ہو اور ہمارے ہاں یہ ہمیشہ سے لوگوں کے معاملات میں جاری ہے۔

فائدہ: ......یعنی اس سونے یا چاندی کو اس چیز سے الگ کرنے کی ضرورت نہیں، بشرطیکہ سونا چاندی کی کل قیمت صرف تہائی حصہ ہو، اگر اس سے زیادہ ہو تو پھر بغیر الگ کیے تبادلہ جائز نہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک سونا چاندی تھوڑا لگا ہو یا زیادہ، اس کا حساب لگا کر سونے چاندی کے عوض لین دین کر سکتے ہیں، لیکن اس سونے چاندی والی

چیز کی قیمت اس سونے چاندی کے وزن کے برابر بھی نہ ہو اور اس سے کم بھی نہ ہو، کیونکہ اگر دونوں جانب سونا چاندی کا وزن برابر ہوا تو باقی چیز نفع کے طور پر زائد حاصل ہوگی اور یہ سود ہے اور اگر قیمت میں سونا یا چاندی کا وزن اس چیز والے سونے چاندی سے کم ہوا تو یہ کمی بیشی بھی سود ہوگی۔ امام شافعی اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک ہر صورت میں سونے چاندی کو الگ کر کے ہی بیچا جائے گا، جس کی دلیل حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے خیبر کے روز ایک ہار بارہ دینار کے عوض خریدا، اس میں سونا اور پتھر کے نگینے تھے، میں نے ان کو الگ کر دیا تو اس میں بارہ دینار (سونے کے سکوں) سے بھی زیادہ سونا پایا۔ میں نے اس کا تذکرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تک ان کو الگ الگ نہ کرلیا جائے فروخت نہ کیا جائے۔'' (مسلم: 1591) ہمارے نزدیک راجح موقف یہ ہے کہ اگر فروخت ہونے والی چیز ہار جیسی ہو یعنی اس میں موجود سونے یا چاندی کو الگ کیا جا سکتا ہو تو الگ کر کے ہی بیچیں گے اور اگر اسے الگ کرنے سے مطلوبہ چیز حاصل کرنے کا مقصد ہی فوت ہو جائے مثلاً کسی چیز میں سونے کے ساتھ کڑھائی کی گئی ہو تو پھر حساب لگا کر سونے کے بدلے سونا یا چاندی کے بدلے چاندی اور باقی چیز کے بدلے اس کی قیمت ادا کی جائے اور الگ الگ نہ کیا جائے یا پھر اس چیز میں جڑے ہوئے سونے یا چاندی کا تبادلہ سونے چاندی سے نہ کیا جائے۔ واللہ اعلم

17- بَابٌ: مَا جَاءَ فِي الصَّرْفِ

بیع صرف (تبدیلی سکہ) کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں ایک مرفوع روایت (حدیث نبوی) ہے جو بخاری ومسلم میں بھی موجود ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

فائدہ:......سونے کے بدلے چاندی یا چاندی کے بدلے سونا لینا ''بیع صرف'' کہلاتا ہے، بڑے سکوں کا چھوٹے سکوں کے ساتھ تبادلہ بھی ''صرف'' کہلاتا ہے، بیع صرف کو کرنسی چینج کرانا، نوٹ بھنانا، تبادلہ رقم اور تبدیلی سکہ وغیرہ سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔

[1340] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ مَالِكِ بْنِ أَوْسِ بْنِ الْحَدَثَانِ النَّصْرِيِّ أَنَّهُ الْتَمَسَ صَرْفاً بِمِئَةِ

حضرت مالک بن اوس بن حدثان نصری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے سو دینار کے بدلے ریزگاری چاہی (چاندی کے درہم تلاش کیے)، انھوں نے کہا کہ حضرت

[1340] (مرفوع صحیح) صحيح البخاري، كتاب البيوع، باب بيع الشعير بالشعير، حديث: 2174، 2134، 2170۔ صحيح مسلم، كتاب المساقاة، باب الصرف وبيع الذهب بالورق نقدا، حديث: 1586۔ أبو داود: 3348۔ ترمذي: 1243۔ نسائي: 4562۔ ابن ماجه: 2260۔ احمد: 45/1 (314)۔ دارمي: 2578۔

دِينَارٍ قَالَ : فَدَعَانِي طَلْحَةُ بْنُ عُبَيْدِ اللّٰهِ ، فَتَرَاوَضْنَا حَتَّى اصْطَرَفَ مِنِّي ، وَأَخَذَ الذَّهَبَ يُقَلِّبُهَا فِي يَدِهِ ، ثُمَّ قَالَ : حَتَّى يَأْتِيَنِي خَازِنِي مِنَ الْغَابَةِ . وَعُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَسْمَعُ ، فَقَالَ عُمَرُ : وَاللّٰهِ لَا تُفَارِقُهُ حَتَّى تَأْخُذَ مِنْهُ ، ثُمَّ قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : الذَّهَبُ بِالْوَرِقِ رِبًا ، إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ ، وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ رِبًا ، إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ ، وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ رِبًا ، إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ ، وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ رِبًا ، إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ .

طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ نے مجھے بلایا، پھر ہم دونوں آپس میں بھاؤ طے کرنے لگے، یہاں تک کہ انھوں نے مجھ سے ریزگاری (کے لیے میری رقم) لے لی اور وہ سونے (کے سکوں) کو پکڑ کر انھیں اپنے ہاتھ میں الٹ پلٹ کرنے لگے، پھر کہنے لگے کہ (ذرا ٹھہر جاؤ) یہاں تک کہ میرا خزانچی غابہ جگہ سے آجائے، اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ (یہ سب کچھ) سن رہے تھے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ (حضرت مالک بن اوس رضی اللہ عنہ سے) فرمانے لگے: اللہ کی قسم! تم اس سے جدا نہیں ہو سکتے، یہاں تک کہ تم اس سے (اپنا مال، چاندی کے درہم) وصول کر لو، پھر انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: ''سونا، چاندی کے بدلے (لینا دینا) سود ہے الا یہ کہ نقد ونقد ہو، اور گندم، گندم کے بدلے (بیچنا) سود ہے الا یہ کہ نقد ونقد ہو، اور کھجور کھجور کے بدلے سود ہے الا یہ کہ نقد ونقد ہو۔ اور جَو، جَو کے بدلے سود ہے الا یہ کہ نقد و نقد ہو۔

فائدہ: ......''نصری'' بنونصر بن معاویہ کی طرف نسبت ہے اور ''غابہ'' مدینہ منورہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : إِذَا اصْطَرَفَ الرَّجُلُ دَرَاهِمَ بِدَنَانِيرَ ، ثُمَّ وَجَدَ فِيهَا دِرْهَمًا زَائِفًا ، فَأَرَادَ رَدَّهُ ، انْتَقَضَ صَرْفُ الدِّينَارِ ، وَرَدَّ إِلَيْهِ وَرِقَهُ ، وَأَخَذَ إِلَيْهِ دِينَارَهُ . وَتَفْسِيرُ مَا كُرِهَ مِنْ ذَلِكَ : أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : الذَّهَبُ بِالْوَرِقِ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ . وَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ : وَإِنِ اسْتَنْظَرَكَ إِلَى أَنْ يَلِجَ بَيْتَهُ فَلَا تُنْظِرْهُ ، وَهُوَ إِذَا رَدَّ عَلَيْهِ دِرْهَمًا مِنْ صَرْفٍ ، بَعْدَ أَنْ يُفَارِقَهُ ، كَانَ بِمَنْزِلَةِ الدَّيْنِ ، أَوِ الشَّيْءِ الْمُتَأَخِّرِ ، فَلِذَلِكَ كُرِهَ ذَلِكَ وَانْتَقَضَ الصَّرْفُ ، وَإِنَّمَا أَرَادَ عُمَرُ بْنُ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جب کوئی شخص (سونے کے) ایک دینار کے بدلے (چاندی کے کئی) درہم بیع صرف کے طور پر لے، پھر وہ ان میں ایک کھوٹا درہم پا لے اور اسے واپس کرنے کا ارادہ کرے تو دینار کی یہ بیع صرف باطل ہو جائے گی اور وہ اس (دوسرے شخص) کی طرف اس کی (ساری) چاندی لوٹا دے گا اور اس سے اپنا دینار واپس لے لے گا...... اور اس بارے میں جو چیز ناپسند (اور ناجائز) سمجھی گئی ہے اس کی وضاحت یوں ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر وہ (تیرا ساتھی) تجھ سے اپنے گھر میں داخل ہونے کی مہلت طلب کرے (یعنی سودا باہر کر لے اور گھر سے اپنا سونا یا چاندی لانے کے لیے

الْخَطَّابِ أَنْ لَا يُبَاعَ الذَّهَبُ وَالْوَرِقُ وَالطَّعَامُ، كُلُّهُ عَاجِلاً بِآجِلٍ، فَإِنَّهُ لَا يَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ فِي شَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ تَأْخِيرٌ وَلَا نَظِرَةٌ، وَإِنْ كَانَ مِنْ صِنْفٍ وَاحِدٍ، أَوْ كَانَ مُخْتَلِفَةً أَصْنَافُهُ

تھوڑی سی مہلت مانگے) تو اسے مہلت نہ دینا (کیونکہ یہ صورت بھی سود میں داخل ہو جائے گی، اس حدیث مبارکہ اور فرمانِ عمر رضی اللہ عنہ کی روشنی میں مذکورہ مسئلے کی وضاحت کچھ یوں ہے کہ) جب آدمی تبادلہ رقم (بیع صرف) سے اس (دوسرے شخص) کو اس سے جدا ہو جانے کے بعد ایک درہم واپس کرے گا تو وہ درہم (چاندی والے کے ذمے) قرض کی طرح (شمار) ہوگا یا (تبادلے سے) مؤخر رہ جانے والی چیز شمار ہوگا، اس لیے یہ مکروہ (ناجائز) ہے اور بیع صرف باطل ہوگئی ہے اور بلاشبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہی مراد لیا تھا کہ سونا، چاندی اور ہر قسم کے اناج کو ادھار کے بدلے نقد کی صورت میں نہ بیچا جائے کیونکہ یقیناً ان میں سے کسی بھی چیز میں نہ تو تاخیر جائز ہے اور نہ مہلت، خواہ وہ (تبادلہ) ایک ہی جنس سے ہو یا مختلف اجناس سے۔

فائدہ: ......نقدیوں کے تبادلے میں جنس ایک ہو یا الگ الگ، اسی طرح خور و نوش کی اشیاء میں جنس ایک ہو یا مختلف، ان کے باہمی تبادلے میں ادھار حرام رہے گا، دونوں جانب مکمل سامان نقد و نقد ہونا لازم ہے، رہا یہ مسئلہ کہ ایک طرف نقدی یعنی دینار و درہم یا روپیہ و پیسہ ہو اور دوسری طرف کوئی خور و نوش کی چیز ہو تو پھر یقیناً یہ پابندی نہیں ہے، لوگوں کی سہولت کے لیے اسے جائز رکھا گیا ہے اور اسے بھی دین، مداینت، قرض یا ادھار کہا جاتا ہے۔

18- بَابٌ: الْمُرَاطَلَةُ

مراطلہ (سونے چاندی کی تول کر) بیع کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں ایک مقطوع روایت (اثر تابعی) ہے جو سنداً صحیح ہے اور امام مالک رحمہ اللہ کے کچھ فتاویٰ بھی اس باب میں مذکور ہیں۔

فائدہ: ......سونے کو سونے کے بدلے اور چاندی کو چاندی کے بدلے تول کر بیچنا ''مراطلہ'' کہلاتا ہے۔

[1341] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ قُسَيْطٍ، أَنَّهُ رَأَى سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ يُرَاطِلُ الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ، فَيُفْرِغُ ذَهَبَهُ فِي كِفَّةِ الْمِيزَانِ، وَيُفْرِغُ صَاحِبُهُ الَّذِي يُرَاطِلُهُ ذَهَبَهُ فِي كِفَّةِ الْمِيزَانِ الْأُخْرَى، فَإِذَا

یزید بن عبداللہ بن قسیط رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے سعید بن مسیب رحمہ اللہ کو دیکھا کہ وہ سونے کو سونے کے عوض تول کر بیچ رہے تھے، وہ ترازو کے ایک پلڑے میں اپنا سونا رکھتے اور ان کا ساتھی جس سے وہ بیع مراطلہ کر رہے تھے، ترازو کے دوسرے پلڑے میں اپنا سونا رکھتا، پھر جب

[1341] (مقطوع صحیح) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

اعْتَدَلَ لِسَانُ الْمِيزَانِ أَخَذَ وَأَعْطَى.

ترازو کی سوئی برابر ہو جاتی تو (دوسرے کا سونا) لے لیتے اور (اپنا سونا اسے) دے دیتے۔

قَالَ مَالِكٌ : الأَمْرُ عِنْدَنَا فِي بَيْعِ الذَّهَبِ بِالذَّهَبِ، وَالْوَرِقِ بِالْوَرِقِ مُرَاطَلَةً، أَنَّهُ لَا بَأْسَ بِذَلِكَ، أَنْ يَأْخُذَ أَحَدَ عَشَرَ دِينَاراً بِعَشَرَةِ دَنَانِيرَ، يَداً بِيَدٍ إِذَا كَانَ وَزْنُ الذَّهَبَيْنِ سَوَاءً، عَيْناً بِعَيْنٍ، وَإِنْ تَفَاضَلَ الْعَدَدُ وَالدَّرَاهِمُ أَيْضاً فِي ذَلِكَ بِمَنْزِلَةِ الدَّنَانِيرِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: سونے کو سونے کے بدلے اور چاندی کو چاندی کے عوض تول کر بیچنے کے متعلق ہمارے ہاں یہ حکم ہے کہ اس طریقے کے ذریعے (لین دین کرتے ہوئے) اس میں کوئی حرج نہیں کہ آدمی دس دینار کے بدلے گیارہ دینار نقد ونقد لے (بشرطیکہ) جب دونوں طرف کے سونے کا وزن برابر ہو (اور) نقد کے بدلے نقد ہو، اگر چہ (دونوں طرف کے دیناروں کی) تعداد میں کمی بیشی ہو اور اس (طرح کے تبادلے) میں درہم بھی دیناروں ہی کی طرح ہیں۔

فائدہ :...... چنانچہ جب چاندی کے سکوں کا تول کر تبادلہ ہو تو وزن برابر ہونا لازم ہے، تعداد نہیں، نیز نقد ونقد ہونا بھی ضروری ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : مَنْ رَاطَلَ ذَهَباً بِذَهَبٍ، أَوْ وَرِقاً بِوَرِقٍ، فَكَانَ بَيْنَ الذَّهَبَيْنِ فَضْلُ مِثْقَالٍ، فَأَعْطَى صَاحِبَهُ قِيمَتَهُ مِنَ الْوَرِقِ، أَوْ مِنْ غَيْرِهَا، فَلَا يَأْخُذُهُ، فَإِنَّ ذَلِكَ قَبِيحٌ وَذَرِيعَةٌ إِلَى الرِّبَا، لِأَنَّهُ إِذَا جَازَ لَهُ أَنْ يَأْخُذَ الْمِثْقَالَ بِقِيمَتِهِ، حَتَّى كَأَنَّهُ اشْتَرَاهُ عَلَى حِدَتِهِ جَازَ لَهُ، أَنْ يَأْخُذَ الْمِثْقَالَ بِقِيمَتِهِ مِرَاراً، لِأَنْ يُجِيزَ ذَلِكَ الْبَيْعَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ صَاحِبِهِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جس شخص نے سونے کے بدلے سونا یا چاندی کے بدلے چاندی تول کر لی اور دونوں طرف کے سونے میں صرف ایک مثقال کے برابر (کمی) زیادتی ہو، پھر وہ (کم مقدار کے سونے کا مالک) اپنے ساتھی کو اس (زائد حصے) کی قیمت چاندی سے یا کسی اور چیز سے ادا کرے تو وہ اسے نہ لے، کیونکہ بلاشبہ یہ عمل برا (اور ناجائز) ہے اور سود کا ایک ذریعہ ہے، کیونکہ جب اس کے لیے یہ جائز ہو جائے کہ وہ (اپنے سونے سے زائد دوسرے شخص کے) ایک مثقال کو اس کی قیمت کے عوض لے لے، یہ سمجھ کر کہ گویا اس نے اس زائد حصے کو الگ سے خریدا ہے، تو پھر اس کے لیے یہ بھی جائز ہو جائے گا کہ کئی بار ایک ایک مثقال کو اس کی قیمت سے خرید لے، اس مقصد کی خاطر کہ اپنے درمیان اور اپنے ساتھی کے درمیان خرید وفروخت کو جائز قرار دے سکے۔

فائدہ :...... لیکن ایسا قطعاً نہیں ہوگا، کیونکہ یہاں تو دو مختلف وزنوں والے سونے کے تبادلے کو جائز قرار دینے کے لیے ایک حیلہ سازی کی گئی ہے اور ایک مثقال زائد سونے کی کچھ الگ قیمت مقرر کر لی ہے جو اصل بھاؤ سے

زیادہ ہے، کم وزن والے کو اس تبادلے میں گھاٹا پڑ رہا ہے کہ زائد مقدار یعنی ایک مثقال کے بدلے کافی زیادہ قیمت اسے ادا کرنا پڑی، چنانچہ اگر یہ عمل جائز ہو تو ان کے لیے بار بار ایسا کرنا بھی درست قرار پائے، لیکن کون بار بار گھاٹا برداشت کرتا ہے، لہٰذا جب بار بار ایسا کرنے سے آدمی کنی کتراتا ہے تو پہلی بار بھی یہ عمل ناجائز ہی ٹھہرے گا، اس حیلہ سازی کا ایک جواب تو امام مالک رحمہ اللہ نے دے دیا ہے، دوسرا جواب آگے بیان ہو رہا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَلَوْ أَنَّهُ بَاعَهُ ذَلِكَ الْمِثْقَالَ مُفْرَدًا، لَيْسَ مَعَهُ غَيْرُهُ، لَمْ يَأْخُذْهُ بِعُشْرِ الثَّمَنِ الَّذِي أَخَذَهُ بِهِ، لأَنْ يَجُوزَ لَهُ الْبَيْعُ، فَذَلِكَ الذَّرِيعَةُ إِلَى إِحْلَالِ الْحَرَامِ وَالأَمْرُ الْمَنْهِيُّ عَنْهُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور اگر وہ شخص اس مثقال کو (مستقل طور پر) الگ بیچتا (اس طرح سے کہ) اس کے ساتھ کوئی اور چیز نہ ہوتی تو وہ اسے اس قیمت کے دسویں حصے کے بدلے بھی نہ لیتا کہ جس کے عوض اس نے اسے (مجبوراً) حاصل کیا تھا، اس مقصد کی خاطر کہ اس کے لیے (کمی بیشی والے سونے کی) بیع جائز ہو سکے، لہٰذا یہ حرام کو حلال کرنے کا ذریعہ ہے اور ایک ایسا کام ہے جس سے منع کر دیا گیا ہے۔

فائدہ: ......اور یہ اسی طرح ہے جیسے بنی اسرائیل نے ہفتے کے دن ممنوع شکار کو جائز کرنے کے لیے حیلہ سازیاں شروع کر دی تھیں...... مثقال، ایک دینار ہی کے وزن کو کہتے ہیں جو تقریباً ڈیڑھ درہم (17/3 درہم) کے برابر ہوتا ہے، ایک دینار یا مثقال کی مقدار چار ماشہ چار رتی (4-374 گرام) ہوتی ہے...... حیلے دو قسم کے ہوتے ہیں، جائز اور ناجائز۔ چنانچہ واجب یا حلال کام تک پہنچنے یا اپنے حق تک رسائی حاصل کرنے کا حیلہ وذریعہ حلال ہوتا ہے اور حرام تک پہنچنے یا حرام کو حلال بنانے کا وہ ذریعہ وحیلہ جو شریعت سے ثابت نہ ہو، حرام ہوتا ہے۔ اس بارے میں ایک اصول یاد رکھنا چاہیے اور وہ یہ کہ جب عقود یعنی مالی معاملات میں کوئی اور عقد داخل ہو تو دیکھا جائے گا کہ کیا انفرادی حالت میں اس (داخل ہونے والے) عقد کا وہی حکم تھا جو یہاں دوسرے عقد کے ساتھ مل کر حاصل کیا جا رہا ہے، چنانچہ اگر پہلے بھی انفرادی طور پر وہ عقد جائز ہو تو اب بھی جائز ہوگا ورنہ ناجائز، لیکن یہ اصول امام مالک، امام احمد رحمہما اللہ اور اہل حدیث کے ہاں ہی چلتا ہے جو سود کا حکم لاگو ہونے سے بچنے کے لیے بنائے جانے والے حیلوں اور ذریعوں کو حرام سمجھتے ہیں، رہے احناف اور شوافع تو ان کے ہاں نہ یہ اصول ہے اور نہ یہ حیلہ سازیاں ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الرَّجُلِ يُرَاطِلُ الرَّجُلَ وَيُعْطِيهِ الذَّهَبَ الْعُتُقَ الْجِيَادَ، وَيَجْعَلُ مَعَهَا تِبْرًا ذَهَبًا غَيْرَ جَيِّدَةٍ، وَيَأْخُذُ مِنْ صَاحِبِهِ ذَهَبًا كُوفِيَّةً مُقَطَّعَةً، وَتِلْكَ الْكُوفِيَّةُ مَكْرُوهَةٌ عِنْدَ

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جو دوسرے آدمی کے ساتھ تول کر سونے کا تبادلہ کرتا ہے، وہ اسے اعلیٰ وعمدہ سونا دیتا ہے، اور اسی کے ساتھ غیر عمدہ سونے کی ایک ڈلی بھی شامل کر دیتا ہے اور اپنے ساتھی سے زیور بنا ہوا کوفی

النَّـاسِ ، فَيَتَبَايَعَانِ ذَلِكَ مِثْلاً بِمِثْلٍ إِنَّ ذَلِكَ لا يَصْلُحُ .

سونا (جو متوسط درجے کا ہوتا ہے،) لے لیتا ہے، اور یہ کوئی سونا لوگوں کے ہاں پسندیدہ نہیں ہے، چنانچہ وہ آپس میں ان کی برابر برابر (وزن کے ساتھ) خرید وفروخت کر لیتے ہیں تو بلاشبہ یہ درست نہیں۔

قَالَ مَـالِكٌ : وَتَـفْسِيرُ مَا كُرِهَ مِنْ ذَلِكَ : أَنَّ صَـاحِـبَ الذَّهَـبِ الْجِيَادِ ، أَخَذَ فَضْلَ عُيُونِ ذَهَبِهِ فِي التِّبْرِ ، الَّذِي طَرَحَ مَعَ ذَهَبِهِ ، وَلَوْلا فَـضْـلُ ذَهَبِهِ عَلَى ذَهَبِ صَاحِبِهِ, لَمْ يُرَاطِلْهُ صَـاحِـبُـهُ بِتِبْـرِهِ ذَلِكَ ، إِلَـى ذَهَبِـهِ الْكُوفِيَّةِ فَامْتَنَعَ ، وَإِنَّمَا مَثَلُ ذَلِكَ كَمَثَلِ رَجُلٍ أَرَادَ أَنْ يَبْتَاعَ ثَـلاثَةَ أَصْوُعٍ مِنْ تَمْرٍ عَجْوَةٍ ، بِصَاعَيْنِ وَمُـدٍّ مِـنْ تَـمْـرٍ كَبِيـسٍ ، فَـقِيلَ لَـهُ: هَذَا لا يَصْلُحُ . فَجَعَلَ صَاعَيْنِ مِنْ كَبِيسٍ ، وَصَاعاً مِـنْ حَشَفٍ ، يُـرِيـدُ أَنْ يُـجِيزَ بِذَلِكَ بَيْعَـهُ ، فَـذَلِكَ لا يَـصْـلُـحُ ، لِأَنَّـهُ لَمْ يَكُنْ صَاحِبُ الْـعَـجْـوَةِ ، لِيُعْطِيَهُ صَاعاً مِنَ الْعَجْوَةِ بِصَاعٍ مِـنْ حَشَفٍ ، وَلَكِنَّهُ إِنَّمَا أَعْطَاهُ ذَلِكَ لِفَضْلِ الْـكَبِيسِ ، أَوْ أَنْ يَقُولَ الرَّجُلُ لِلرَّجُلِ بِعْنِي ثَـلاثَةَ أَصْوُعٍ مِنَ الْبَيْضَاءِ ، بِصَاعَيْنِ وَنِصْفٍ مِـنْ حِنْطَةٍ شَامِيَّةٍ ، فَيَقُولُ: هَذَا لا يَصْلُحُ إِلَّا مِثْلاً بِـمِـثْـلٍ . فَـيَـجْـعَـلُ صَـاعَيْنِ مِنْ حِنْطَةٍ شَـامِيَّةٍ ، وَصَـاعـاً مِنْ شَعِيرٍ ، يُرِيدُ أَنْ يُجِيزَ بِـذَلِكَ الْبَيْـعَ فِيـمَا بَيْنَهُمَا ، فَهَذَا لا يَصْلُحُ ، لِأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ لِيُعْطِيَهُ بِصَاعٍ مِنْ شَعِيرٍ ، صَاعاً مِـنْ حِـنْـطَةٍ بَيْـضَـاءَ ، لَـوْ كَانَ ذَلِكَ الصَّاعُ

امام مالک ؒ نے فرمایا: اس صورت میں ناجائز معاملے کی وضاحت یہ ہے کہ عمدہ سونے والے شخص نے اپنے (عمدہ) سونے کے سکوں کی فضیلت (زائد قیمت) اس ڈلی میں سے وصول کر لی جو اس نے اپنے سونے کے ساتھ (ترازو کے پلڑے میں) شامل کی تھی، اور اگر اس کے سونے کو اپنے ساتھی کے سونے پر فضیلت حاصل نہ ہوتی تو اس کا ساتھی (کبھی بھی) اس کے ساتھ اپنے کوفی سونے کے معاملے میں اس (ناقص) ڈلی سمیت تبادلہ نہ کرتا، لہٰذا یہ ممنوع ہے۔ (یعنی اگر اس ڈلی کو الگ بیچا جاتا تو وہ کوفی سونے سے بھی ناقص تھی اور کوفی سونے والا اپنا سونا دے کر وہ ڈلی ''برابر برابر وزن'' میں نہ خریدتا، تو اب اس ڈلی کو عمدہ واعلیٰ سونے کے ساتھ شامل کر کے برابر برابر خریدنا بھی درست نہ ہوگا، جس طرح کہ وہ پہلا شخص اپنے اعلیٰ سونے کو الگ سے کوفی سونے کے بدلے برابر نفع حاصل کر رہا ہے جو ناقص ہونے کے باوجود متوسط سونے کے برابر بک رہی ہے۔) اور اس کی مثال تو اس شخص کی سی ہے جس نے تین صاع عجوہ کھجور کو کبیس کے دو صاع اور ایک مد کے عوض خریدنے کا ارادہ کیا، (کبیس کھجور تو عجوہ سے بھی اعلیٰ وقیمتی ہوتی ہے، نیز ایک صاع میں چار مد ہوتے ہیں، تو اس شخص نے کبیس کی مقدار تھوڑی رکھی کیونکہ وہ قیمتی تھی اور مقابلے میں عجوہ کی مقدار زیادہ رکھی) تو اسے کہا گیا کہ یہ خرید و

مُفْرَداً، وَإِنَّمَا أَعْطَاهُ إِيَّاهُ لِفَضْلِ الشَّامِيَّةِ عَلَى الْبَيْضَاءِ، فَهٰذَا لَا يَصْلُحُ، وَهُوَ مِثْلُ مَا وَصَفْنَا مِنَ التِّبْرِ

فروخت درست نہیں ہے، (کیونکہ ہم جنس چیز کے تبادلے میں کمی بیشی ہو رہی ہے) تو اس نے (وزن برابر کرنے کے لیے) دو صاع کبیس کھجور اور ایک صاع ردی کھجور دے دی (تا کہ ان کے بدلے تین صاع عجوہ کھجور حاصل کر سکے)، اس کام سے وہ یہ چاہتا ہو کہ اس بیع کو جائز قرار دے دے، تو یہ (حیلہ سازی) درست نہیں ہے، کیونکہ عجوہ کھجور والا ایسا نہیں کرسکتا کہ ردی کھجور کے ایک صاع کے عوض اسے ایک صاع عجوہ کھجور دے دے، لیکن یہاں اس نے صرف اور صرف کبیس کھجور کے افضل ہونے کی وجہ سے یہ کام کیا، (ایسا نہ کرتا تو دو صاع عجوہ کھجور کے عوض دو صاع کبیس نہ ملتی، بہرحال یہ حیلہ سازی ناجائز ہے)...... یا (اس کی مثال یوں ہے کہ) ایک آدمی دوسرے شخص سے کہتا ہے کہ مجھے سفید (حجازی) گندم کے تین صاع، شامی (سرخ) گندم کے اڑھائی صاع کے عوض بیچ دو، تو وہ کہے کہ یہ تبادلہ تو درست نہیں ہوسکتا، مگر صرف برابر برابر کی صورت میں، وہ شخص شامی گندم کے دو صاع اور جَو کا ایک صاع اکٹھا کر دیتا ہے، (تا کہ اس کا مال بھی تین صاع ہو جائے) وہ چاہتا یہی ہے کہ اس (حیلے) کے ذریعے اپنے مابین خرید وفروخت کو جائز کر سکے، سو یہ درست نہیں ہے، کیونکہ وہ ایسا نہیں کرسکتا کہ ایک صاع جَو کے عوض پہلے شخص کو سفید گندم دے دیتا (اس صورت میں کہ) اگر وہ صاع الگ (سے بیچا جا رہا) ہوتا اور یقیناً اس نے تو یہ (سفید گندم کا پورا صاع جَو کے صاع کے بدلے) اسے صرف اور صرف اس لیے دیا ہے کہ شامی گندم سفید گندم پر فضیلت رکھتی ہے۔ (اور اسے شامی گندم کے دو صاع سفید گندم کے دو صاع کے بدلے نہیں مل سکتے تھے۔) لہٰذا یہ بھی درست نہیں ہے اور یہ بالکل اسی طرح ہے جو ہم نے سونے کی (غیر عمدہ) ڈلی کے متعلق بیان کیا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: فَكُلُّ شَيْءٍ مِنَ الذَّهَبِ وَالْوَرِقِ وَالطَّعَامِ كُلِّهِ، الَّذِي لَا يَنْبَغِي أَنْ يُبَاعَ، إِلَّا مِثْلاً بِمِثْلٍ، فَلَا يَنْبَغِي أَنْ يُجْعَلَ مَعَ الصِّنْفِ الْجَيِّدِ مِنْهُ، الْمَرْغُوبِ فِيهِ، الشَّيْءُ الرَّدِيءُ الْمَسْخُوطُ، لِيُجَازَ الْبَيْعُ، وَلِيُسْتَحَلَّ بِذٰلِكَ مَا نُهِيَ عَنْهُ مِنَ الْأَمْرِ، الَّذِي لَا يَصْلُحُ إِذَا جُعِلَ ذٰلِكَ مَعَ الصِّنْفِ الْمَرْغُوبِ فِيهِ، وَإِنَّمَا يُرِيدُ صَاحِبُ ذٰلِكَ، أَنْ يُدْرِكَ بِذٰلِكَ فَضْلَ جَوْدَةِ مَا يَبِيعُ، فَيُعْطِي الشَّيْءَ الَّذِي لَوْ أَعْطَاهُ وَحْدَهُ، لَمْ يَقْبَلْهُ صَاحِبُهُ، وَلَمْ يَهْمُمْ

(گزشتہ فتویٰ کے حوالے سے حیلہ سازیوں کی تردید میں) امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: چنانچہ ہر چیز خواہ سونا ہو یا چاندی اور ہر قسم کا اناج کہ جسے برابر برابر کے سوا بیچنا درست نہیں، تو اس میں یہ بھی درست نہیں کہ اعلیٰ قسم (کی ورائٹی والی چیز) جس (کے حصول) میں رغبت کی جاتی ہے، اس (کو بیچتے وقت اس) کے ساتھ ایسی ردی چیز کو شامل کر دیا جائے جو ناپسند ہوتی ہے، صرف اس مقصد کے لیے (ملائی جائے) کہ اس کے ذریعے سے بیع کو جائز قرار دیا جائے اور اس کام کو حلال قرار دیا جائے جسے ممنوع قرار دیا گیا ہے اور جو اس وقت درست نہیں رہتا جب کہ اس ردی چیز کو مرغوب

بِـذَلِكَ ، وَإِنَّـمَـا يَـقْبَلُهُ مِنْ أَجْلِ الَّذِي يَأْخُذُ مَـعَـهُ ، لِـفَضْلِ سِلْعَةِ صَاحِبِهِ عَلَى سِلْعَتِهِ ، فَلا يَـنْبَـغِـي لِشَـيْءٍ مِـنَ الذَّهَـبِ وَالْوَرِقِ وَالـطَّـعَـامِ أَنْ يَدْخُلَهُ شَيْءٌ مِنْ هَذِهِ الصِّفَةِ ، فَإِنْ أَرَادَ صَـاحِـبُ الطَّعَامِ الرَّدِيءِ أَنْ يَبِيعَهُ بِـغَيْـرِهِ ، فَلْيَبِعْهُ عَلَى حِدَتِهِ ، وَلَا يَجْعَلْ مَعَ ذَلِكَ شَيْئاً ، فَلا بَأْسَ بِهِ إِذَا كَانَ كَذَلِكَ .

چیز میں شامل کیا جائے۔ اور بلاشبہ ایسا کرنے والا شخص تو صرف اور صرف یہ ارادہ کر رہا ہوتا ہے کہ اس عمل کے ذریعے سے اس چیز کی عمدگی کی فضیلت (اور نفع) حاصل کر لے جسے وہ فروخت کر رہا ہے، تو وہ (اس کے ہمراہ) ایسی شے دے دیتا ہے کہ اگر اس اکیلی کو دیتا تو اس کا ساتھی اسے قبول ہی نہ کرتا اور اس کی پروا بھی نہ کرتا (اور اسے درخور اعتناء بھی نہ سمجھتا) وہ تو صرف اور صرف اس (اعلیٰ) چیز کی وجہ سے اسے قبول کر لیتا ہے جو وہ اس (گھٹیا اور ناقابل التفات چیز) کے ساتھ ہوتی ہے، کیونکہ اس کے ساتھی کے سامان کو اس کے سامان پر فضیلت حاصل ہوتی ہے، الغرض سونا، چاندی اور اناج میں سے کسی بھی چیز کے متعلق یہ درست نہیں کہ اس کی بیع میں یہ طریقہ داخل ہو، (بلکہ) اگر گھٹیا اناج والا اسے کسی اور (اعلیٰ اناج) کے عوض بیچنا چاہتا ہو تو وہ اسے الگ بیچے اور اس کے ساتھ کسی اور چیز کو شامل نہ کرے، چنانچہ جب اس طرح ہوگا تو اس میں کوئی حرج بھی نہ ہوگا۔

19- بَابٌ: الْعِينَةُ وَمَا يُشْبِهُهَا وَبَيْعُ الطَّعَامِ قَبْلَ اَنْ يُّسْتَوْفَى

عینہ اور اس جیسی بیع کا بیان اور اناج کو قبضے میں لینے سے قبل اسے آگے بیچنے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں سات روایات ہیں، تین مرفوع (احادیث نبویہ) ہیں جو بخاری ومسلم میں بھی موجود ہیں، تین موقوف (آثار صحابہ) ہیں جن میں سے ایک صحیح اور دو ضعیف ہیں، اور ایک مقطوع (اثر تابعی رحمہ اللہ) ہے۔ جو سنداً صحیح ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

فائدہ :......حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اِذَاتَبَـايَـعْـتُـمْ بِالْعِينَةِ وَاَخَـذْتُـمْ اَذْنَـابَ الْـبَـقَـرِ وَ رَضِيتُمْ بِالزَّرْعِ وَتَرَكْتُمُ الْجِهَادَ سَلَّطَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ ذُلًّا لَايَنْزِعُهُ حَتّٰى تَـرْجِعُوْا اِلٰى دِيْنِكُمْ)) ''جب تم بیع عینہ کرنے لگو گے، بیلوں کی دمیں پکڑ لو گے، کھیتی باڑی کے ساتھ راضی رہو گے اور جہاد چھوڑ بیٹھو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ایسی ذلت مسلط کر دیں گے جسے اس وقت تک دور نہیں فرمائیں گے جب تک کہ تم اپنے دین کی طرف نہ لوٹ آؤ۔'' (ابوداود: 3462، احمد: 27/7، بیهقی: 316/5 اس کی سند صحیح ہے، الصحیحة: 11) ''بیع عینہ'' یہ ہے کہ آدمی کوئی چیز کسی مقررہ قیمت کے ساتھ بیچے اور قیمت کی ادائیگی کے لیے ایک وقت مقرر کر دے، پھر اس میعاد سے قبل ہی خریدار سے وہ چیز کم قیمت میں خود خرید لے اور نقد ادائیگی کر دے، مثلاً ایک ماہ بعد ادائیگی کی میعاد مقرر کر کے ہزار روپے میں ایک کپڑا بیچا، پھر تھوڑی دیر مثلاً دو یا تین دن بعد خریدار کو آٹھ سو روپے نقد ادائیگی کر کے وہی کپڑا خود واپس خرید لیا، تو گویا خریدار کو آٹھ سو روپے نقد مل گئے اور ایک ماہ بعد ہزار روپے ادا کرنا اس کے ذمے

ہوگیا، اس بیع میں ''عین'' وہی چیز اصل حالت میں مالک کو واپس مل جاتی ہے، اپنی چیز بعینہٖ واپس مل جانے ہی کی بنا پر اسے ''عینہ'' کہتے ہیں۔ یہ بیع اس لیے حرام ہے کہ یہ سود کے حصول کا ایک حیلہ وذریعہ ہے، بیع کا تو صرف نام ہی درمیان میں آتا ہے، ورنہ ہوا یوں ہے کہ خریدار کو پیسوں کی ضرورت تھی اور پیسے والا اسے سود پر قرض دینا چاہتا تھا لیکن سود پر پردہ ڈالنے کے لیے انھوں نے یہ گزشتہ صورت اختیار کی، اس بیع سے تھوڑی ہی دیر بعد خریدار کو آٹھ سو روپے نقد مل گئے جو کہ دراصل قرضہ ہے اور مہینے بعد وہ ہزار روپیہ لوٹائے گا جن میں سود کا دو سو روپیہ شامل ہوگا...... امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام احمد رحمہ اللہ اور اہل حدیث کے ہاں یہ ''بیع عینہ'' حرام ہے لیکن امام شافعی رحمہ اللہ اسے جائز سمجھتے ہیں۔

فائدہ:...... امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک قبضے میں مال لینے سے پہلے آگے بیچنے کی ممانعت صرف اشیائے خورد ونوش اور اناج کے متعلق ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے اسے صرف ماپ تول والی چیزوں کے ساتھ خاص کیا ہے۔ امام ابوحنیفہ نے اسے تمام منقولہ اشیاء کے ساتھ مختص کیا ہے، جبکہ امام شافعی، امام احمد، امام زفر رحمہ اللہ اور اہل حدیث کے نزدیک ہر چیز میں یہ شرط ملحوظ رہے گی خواہ وہ وزنی، گیلی، عددی چیزیں ہوں یا غیر منقولہ جائداد وغیرہ کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی منقول ہے۔ (بخاري: 2135، مسلم: 1525)

[1342] حَـدَّثَـنِـي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَنِ ابْتَاعَ طَعَاماً، فَلَا يَبِعْهُ حَتَّى يَسْتَوْفِيَهُ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے اناج خریدا تو وہ اسے آگے نہ بیچے، یہاں تک کہ اسے پورا پورا حاصل کر لے۔''

فائدہ:...... یعنی تول کر یا ماپ کر تسلی کر کے اپنے قبضے میں لے لے، اگر اس کے بغیر ہی آگے بیچے گا تو ممکن ہے کہ اسے بیچنے والے نے اسے دھوکا دیا ہو اور کوئی ڈنڈی ماری ہو، تو جب اگلا خریدار اس دھوکے بازی پر مطلع ہوگا تو بغیر تسلی کیے آگے بیچنے والا خواہ مخواہ پھنس جائے گا۔

[1343] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَنِ ابْتَاعَ طَعَاماً، فَلَا يَبِعْهُ حَتَّى يَقْبِضَهُ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یقیناً رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے کوئی غلہ خریدا تو وہ اسے نہ بیچے یہاں تک کہ اسے قبضے میں لے لے۔''

[1342] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب البيوع، باب بيع الطعام قبل ان يقبض، حديث: 2136، 2124، 2126، 2133۔ صحيح مسلم، كتاب البيوع، باب بطلان بيع المبيع قبل القبض، حديث: 32/1526۔ ابوداود: 3492۔ نسائي: 4599۔ ابن ماجه: 2226۔ احمد: 63/2، 64 (5309).

[1343] مرفوع صحيح، صحيح البخاري، كتاب البيوع، باب ما يذكر في بيع الطعام والحكرة، حديث: 2133۔ صحيح مسلم، كتاب البيوع باب بطلان بيع المبيع قبل القبض، حديث: 36/1526۔ نسائي: 4600۔ احمد: 73/2 (5426)۔ دارمي: 2559.

[1344] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ قَالَ: كُنَّا فِي زَمَانِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ نَبْتَاعُ الطَّعَامَ، فَيَبْعَثُ عَلَيْنَا مَنْ يَأْمُرُنَا بِانْتِقَالِهِ، مِنَ الْمَكَانِ الَّذِي ابْتَعْنَاهُ فِيهِ، إِلَى مَكَانٍ سِوَاهُ، قَبْلَ أَنْ نَبِيعَهُ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اناج خریدتے تھے تو آپ ﷺ ہمارے پاس اس شخص کو (مقرر کر کے) بھیجتے جو ہمیں حکم دیتا کہ ہم اس غلے کو اس جگہ جس میں ہم نے اسے خریدا تھا، سے کسی اور جگہ منتقل کر لیں، پہلے اس سے کہ اسے آگے بیچیں۔

[1345] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ حَكِيمَ بْنَ حِزَامٍ ابْتَاعَ طَعَاماً، أَمَرَ بِهِ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لِلنَّاسِ، فَبَاعَ حَكِيمٌ الطَّعَامَ قَبْلَ أَنْ يَسْتَوْفِيَهُ، فَبَلَغَ ذٰلِكَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، فَرَدَّهُ عَلَيْهِ وَقَالَ: لَا تَبِعْ طَعَاماً ابْتَعْتَهُ حَتَّى تَسْتَوْفِيَهُ.

نافع سے روایت ہے کہ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے وہ غلہ خریدا جسے لوگوں کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم فرمایا تھا، پھر حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے اسے پورا پورا لے لینے (اور قبضہ کر لینے) سے پہلے ہی اسے آگے بیچ دیا، یہ بات حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گئی تو انھوں نے یہ غلہ انھیں واپس دے دیا اور فرمایا: جس اناج کو بھی خریدو اسے پورا وصول کر لینے سے قبل مت بیچو۔

[1346] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ صُكُوكاً خَرَجَتْ لِلنَّاسِ فِي زَمَانِ مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ مِنْ طَعَامِ الْجَارِ، فَتَبَايَعَ النَّاسُ تِلْكَ الصُّكُوكَ بَيْنَهُمْ، قَبْلَ أَنْ يَسْتَوْفُوهَا، فَدَخَلَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ، وَرَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں مدینہ کے امیر اور گورنر) مروان بن حکم رحمہ اللہ کے زمانے میں (ساحل سمندر کے پاس) "جار" نامی جگہ کے غلے کے متعلق لوگوں کے لیے چیک (سندیں) جاری ہوئے۔ (اس جگہ سرکاری غلے کے گودام تھے اور لوگوں کو

[1344] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب البیوع، باب ما ذکر فی الاسوق، حدیث: 2123، 2131، 2137، 2166، 2167، 6852۔ صحیح مسلم، کتاب البیوع، باب بطلان بیع المبیع قبل القبض، حدیث: 1527۔ ابوداود: 3493۔ نسائی: 4609۔ ابن ماجہ: 2229۔ احمد: 112/2 (5924)۔

[1345] (موقوف ضعیف) عبدالرزاق: 29/8 (14170)۔ بیہقی فی السنن الکبری: 315/5 (10294)۔ وفی معرفۃ السنن والآثار: 351/4 (3465)۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

[1346] (موقوف صحیح) صحیح مسلم، کتاب البیوع، باب بطلان بیع المبیع قبل القبض، حدیث: 1528۔ احمد: 329/2 (8347)۔ بیہقی: 31/6 (11155)۔

اللّٰهِ ﷺ عَلَى مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ ، فَقَالَا : أَتُحِلُّ بَيْعَ الرِّبَا يَا مَرْوَانُ ؟ فَقَالَ : أَعُوذُ بِاللّٰهِ ، وَمَا ذَاكَ ؟ فَقَالَا : هَذِهِ الصُّكُوكُ تَبَايَعَهَا النَّاسُ ، ثُمَّ بَاعُوهَا قَبْلَ أَنْ يَسْتَوْفُوهَا ، فَبَعَثَ مَرْوَانُ الْحَرَسَ ، يَتَتَبَّعُونَهَا يَنْزِعُونَهَا مِنْ أَيْدِي النَّاسِ ، وَيَرُدُّونَهَا إِلَى أَهْلِهَا .

سرکار کی طرف سے سالانہ یا ششماہی غلہ ملتا تھا، جتنا غلہ ملنا ہوتا اس کا چیک کاٹ دیا جاتا یعنی مخصوص کاغذات پر حاکم دستخط کر دیتا، اب کچھ لوگ وہ کاغذ جمع کروا کر اس کے عوض غلہ لے لیتے اور کچھ لوگ اس چیک کو دوسروں کے ہاتھ فروخت کر دیتے)، چنانچہ لوگوں نے ان (کاغذات پر لکھے ہوئے غلے) کو وصول کرنے سے پہلے ہی آپس میں ان کی خرید وفروخت شروع کر دی تو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور اصحاب رسول ﷺ میں سے ایک شخص مروان بن حکم کے پاس گئے اور دونوں نے کہا کہ اے مروان! کیا تم سود کی بیع کو حلال قرار دیتے ہو؟ وہ کہنے لگے: میں (اس سے) اللہ کی پناہ میں آتا ہوں، ہوا کیا ہے؟ انھوں نے بتایا کہ یہ جو چیک ہیں، لوگ انھیں ایک دوسرے سے خریدتے ہیں، پھر انھیں (یعنی ان سے حاصل شدہ غلہ) حاصل کرنے سے پہلے ہی انھیں بیچ دیتے ہیں۔ تو مروان بن حکم نے سپاہی بھیجے جو لوگوں سے ان چیکوں کو لے لیتے اور ان کے اصل مالکوں تک انھیں لوٹا دیتے تھے۔

فائدہ :...... آج کل مل مالکان زمینداروں سے زمینی پیداوار خرید کر انھیں کچھ عرصے کی میعاد طے کر کے چیک دے دیتے ہیں، پھر وہیں مل کے باہر کچھ لوگ بیٹھے ہوتے ہیں جو اس چیک کے بدلے کچھ کٹوتی کر کے نقد رقم دے دیتے ہیں، مثلاً چھ ماہ بعد زمیندار کو ایک لاکھ روپیہ ملنا ہو تو وہ ایک لاکھ کا چیک لے کر نقد نوے یا پچانوے ہزار یا کم وبیش رقم زمیندار کو دے دیتے ہیں، یہ سراسر سود ہے کیونکہ یہ نقدی کی نقدی کے ساتھ بیع ہے، جس طرح چیک کا کاغذ اصل زر کی رسید ہے، اسی طرح ہر نوٹ بھی اصل زر یعنی سونے کی قیمت کی رسید ہی ہوتا ہے اور بہت ساری احادیث میں واضح کر دیا گیا ہے کہ جب نقدی کی نقدی کے ساتھ بیع ہو تو دونوں جانب رقم موجود ہونا لازم ہے اور ہم جنس نقدی ہو تو برابری بھی لازم ہے۔ ورنہ سود ہے اور اگرچہ چیک اور نوٹ کے کاغذات کی شکل مختلف ہوتی ہے لیکن دونوں جس نقدی کے ترجمان ہیں وہ ہم جنس ہی ہے۔

[1347] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، أَنَّهُ بَلَغَهُ : أَنَّ رَجُلاً أَرَادَ أَنْ يَبْتَاعَ طَعَاماً مِنْ رَجُلٍ إِلَى أَجَلٍ ، فَذَهَبَ بِهِ الرَّجُلُ الَّذِي يُرِيدُ أَنْ يَبِيعَهُ الطَّعَامَ إِلَى السُّوقِ ، فَجَعَلَ يُرِيهِ الصُّبَرَ

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ ایک آدمی نے دوسرے آدمی سے ایک مقررہ مدت تک (رقم کی ادائیگی کی میعاد مقرر کر کے) غلہ خریدنے کا ارادہ کیا تو وہ دوسرا شخص جو اسے اناج بیچنا چاہتا تھا اسے بازار لے گیا اور اسے غلے

[1347] (موقوف ضعیف) عبدالرزاق: 14216۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے۔

وَيَقُولُ لَهُ : مِنْ أَيِّهَا تُحِبُّ أَنْ أَبْتَاعَ لَكَ ؟ فَقَالَ الْمُبْتَاعُ : أَتَبِيعُنِي مَا لَيْسَ عِنْدَكَ ؟ فَأَتَيَا عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ ، فَذَكَرَا ذٰلِكَ لَهُ ، فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ : لِلْمُبْتَاعِ لَا تَبْتَعْ مِنْهُ مَا لَيْسَ عِنْدَهُ . وَقَالَ لِلْبَائِعِ : لَا تَبِعْ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ .

کے ڈھیر دکھانے لگا اور کہنے لگا کہ تم ان میں سے کس کو پسند کرتے ہو کہ میں تیرے لیے اسے خریدلوں (یعنی اس آدمی کے پاس خود تو کچھ بھی نہ تھا لیکن اس نے باتوں باتوں میں اپنے ساتھی کو پھنسا کر غلے کے دام طے کر لیے) تو وہ خریدار (پہلا شخص) کہنے لگا کہ کیا تم مجھے وہ چیز بیچنا چاہتے ہو جو تمھارے پاس نہیں ہے؟ (تمھاری ملکیت میں نہیں ہے اور ایسا کرنا تو شریعت میں حرام ہے، تو اس نے گویا بیع کے واقع ہونے ہی سے انکار کر دیا، لیکن یہ چالاک شخص اڑ گیا اور کہنے لگا کہ چونکہ بات طے ہو چکی ہے اس لیے تمھیں مجھ سے غلہ لینا ہی پڑے گا)، چنانچہ وہ دونوں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آئے اور ان کے سامنے اس کا تذکرہ کیا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس خریدار سے فرمایا: تم اس سے وہ چیز مت خریدو جو اس کے پاس (اس کی ملکیت میں) نہیں ہے اور بیچنے والے سے کہا کہ اسے مت بیچو وہ چیز جو تمھارے پاس نہیں ہے۔

[1348] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ ، أَنَّهُ سَمِعَ جَمِيلَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْمُؤَذِّنَ يَقُولُ لِسَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ : إِنِّي رَجُلٌ أَبْتَاعُ مِنَ الْأَرْزَاقِ الَّتِي تُعْطَى النَّاسُ بِالْجَارِ مَا شَاءَ اللّٰهُ ، ثُمَّ أُرِيدُ أَنْ أَبِيعَ الطَّعَامَ الْمَضْمُونَ عَلَيَّ إِلَى أَجَلٍ . فَقَالَ لَهُ سَعِيدٌ : أَتُرِيدُ أَنْ تُوَفِّيَهُمْ مِنْ تِلْكَ الْأَرْزَاقِ الَّتِي ابْتَعْتَ ؟ فَقَالَ : نَعَمْ . فَنَهَاهُ عَنْ ذٰلِكَ .

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے جمیل بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ کو سنا جو کہ (مدینہ منورہ میں) مؤذن تھے، وہ سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے عرض کر رہے تھے کہ بے شک میں ایک ایسا شخص ہوں جو کہ لوگوں کو ''جار'' نامی جگہ پر (سرکار کی طرف سے) جو غلے دیے جاتے ہیں ان میں سے جتنا اللہ چاہے (اور جتنی توفیق اور وسعت دے) میں (اسے) خرید لیتا ہوں، پھر میں چاہتا ہوں کہ میں خود ضامن بن کر اس اناج کو (لوگوں کے ہاتھ اس مال کی ادائیگی کی) ایک میعاد مقرر کر کے بیچ دوں، تو سعید بن مسیب رحمہ اللہ نے فرمایا: کیا تم یہی چاہتے ہو کہ لوگوں کو انھی غلوں سے ادا کرو گے جسے تم نے خریدا تھا؟ جمیل نے کہا کہ جی ہاں، تو انھوں نے اس کو اس سے روک دیا۔

فائدہ:......درحقیقت تو یہ بیع ممنوع نہیں ہے، کیونکہ یہ غلے کی غلے کے بدلے بیع نہیں ہے، اس لیے اس میں ادھار جائز ہے، بشرطیکہ بیچا جانے والا اناج قبضے میں آ چکا ہو، انھوں نے اسے صرف "سدًّا لِلذَّرِيعة" یعنی حرام کا ذریعہ بننے سے بچانے کے لیے منع کیا، کیونکہ اس میں یہ امکان تھا کہ پھر وہ ایسے غلوں کو بھی بیچنے لگ جاتے جنھیں ابھی اپنے قبضے میں نہ لیا ہوتا۔

[1348] (مقطوع صحيح) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: الأَمْرُ الْمُجْتَمَعُ عَلَيْهِ عِنْدَنَا، الَّذِي لا اخْتِلَافَ فِيهِ، أَنَّهُ مَنِ اشْتَرَى طَعَاماً بُرًّا، أَوْ شَعِيراً، أَو سُلْتاً، أَو ذُرَةً، أَو دُخْناً، أَوْ شَيْئاً مِنَ الْحُبُوبِ الْقِطْنِيَّةِ، أَوْ شَيْئاً مِمَّا يُشْبِهُ الْقِطْنِيَّةَ، مِمَّا تَجِبُ فِيهِ الزَّكَاةُ، أَوْ شَيْئاً مِنَ الأُدْمِ كُلِّهَا، الزَّيْتِ، وَالسَّمْنِ، وَالْعَسَلِ، وَالْخَلِّ، وَالْجُبْنِ، وَالشَّبْرَقِ، وَاللَّبَنِ، وَمَا أَشْبَهَ ذَلِكَ مِنَ الأُدْمِ، فَإِنَّ الْمُبْتَاعَ، لا يَبِيعُ شَيْئاً مِنْ ذَلِكَ، حَتَّى يَقْبِضَهُ وَيَسْتَوْفِيَهُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں اس حکم پر اجماع ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جس شخص نے کوئی اناج خریدا (مثلاً) گندم یا جَو یا بغیر چھلکے کے حجازی جَو، یا مکئی یا باجرہ، یا ان غلوں میں سے کوئی چیز خریدی جو دالیں شمار ہوتے ہیں، یا ان میں سے کچھ خریدا جو دالوں کے مشابہ ہے اور جن میں زکاۃ واجب ہوتی ہے، یا روٹی کے ساتھ کھائی جانے والی تمام چیزوں (جنھیں عموماً سالن کہتے ہیں) میں سے کچھ خریدا (مثلاً) زیتون کا تیل، گھی، شہد، سرکہ، پنیر، دودھ، تلوں کا تیل اور جو کچھ بھی ان سالن نما چیزوں کے مشابہ ہو تو (انھیں) خریدنے والا ان میں سے کسی بھی چیز کو آگے نہ بیچے یہاں تک کہ اسے اپنے قبضے میں لے لے اور پورا پورا وصول کر لے۔

فائدہ: ...... کیونکہ متعدد احادیث میں اس سلسلے میں ''طعام'' کا لفظ استعمال ہوا ہے اور مذکورہ بالا تمام چیزیں ''طعام'' ہی کہلاتی ہیں، جس کے مفہوم میں اناج، غلہ، تیاری کے لائق کھانا یا تیار شدہ کھانا وغیرہ سب شامل ہیں۔

20- بَابٌ: مَا يُكْرَهُ مِنْ بَيْعِ الطَّعَامِ إِلَى أَجَلٍ

کھانے کی چیز کو ایک میعاد تک بیچنے کی ناجائز صورت کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں تین مقطوع روایات (آثار تابعین) ہیں جو سنداً صحیح ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاویٰ بھی مذکور ہیں۔

[1349] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، أَنَّهُ سَمِعَ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ، وَسُلَيْمَانَ بْنَ يَسَارٍ، يَنْهَيَانِ أَنْ يَبِيعَ الرَّجُلُ حِنْطَةً بِذَهَبٍ إِلَى أَجَلٍ، ثُمَّ يَشْتَرِيَ بِالذَّهَبِ تَمْراً قَبْلَ أَنْ يَقْبِضَ الذَّهَبَ.

ابوزناد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انھوں نے سعید بن مسیب اور سلیمان بن یسار رحمہما اللہ کو سنا، دونوں اس سے منع کر رہے تھے کہ آدمی گندم کو ایک مدت تک سونے کے عوض بیچے، پھر اس سونے کو قبضے میں لینے سے پہلے ہی اس کے عوض کھجور خرید لے۔

فائدہ: ...... کیونکہ اس صورت میں سونا جو بیع میں داخل تھا، وہ زبانی کلامی داخل ہو کر نکل جاتا ہے اور گندم

[1349] (مقطوع صحیح) عبدالرزاق: 14124۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

کی کھجور کے بدلے بیع کی صورت بن جاتی ہے اور چونکہ یہ دونوں طعام اور اناج میں شامل ہیں، اس لیے ان میں ادھار کرنا اور میعاد مقرر کرنا ناجائز اور سود ہے۔

[1350] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ كَثِيرِ بْنِ فَرْقَدٍ، أَنَّهُ سَأَلَ أَبَا بَكْرِ بْنَ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ عَنِ الرَّجُلِ يَبِيعُ الطَّعَامَ مِنَ الرَّجُلِ بِذَهَبٍ إِلَى أَجَلٍ، ثُمَّ يَشْتَرِي بِالذَّهَبِ تَمْراً قَبْلَ أَنْ يَقْبِضَ الذَّهَبَ، فَكَرِهَ ذَلِكَ وَنَهَى عَنْهُ.

کثیر بن فرقد رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم رحمہ اللہ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا جو کسی آدمی سے کوئی اناج ایک میعاد تک سونے کے عوض بیچتا ہے، پھر اس سونے کو قبضے میں لینے سے قبل ہی اس کے عوض کھجور خرید لیتا ہے، تو ابوبکر رحمہ اللہ نے اسے ناپسند جانا اور اس سے روک دیا۔

[1351] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ بِمِثْلِ ذَلِكَ.

ابن شہاب سے بھی اس کی مثل مروی ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَإِنَّمَا نَهَى سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ، وَسُلَيْمَانُ بْنُ يَسَارٍ، وَأَبُو بَكْرِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ، وَابْنُ شِهَابٍ عَنْ أَنْ لَا يَبِيعَ الرَّجُلُ حِنْطَةً بِذَهَبٍ، ثُمَّ يَشْتَرِيَ الرَّجُلُ بِالذَّهَبِ تَمْراً، قَبْلَ أَنْ يَقْبِضَ الذَّهَبَ مِنْ بَيْعِهِ الَّذِي اشْتَرَى مِنْهُ الْحِنْطَةَ، فَأَمَّا أَنْ يَشْتَرِيَ بِالذَّهَبِ، الَّتِي بَاعَ بِهَا الْحِنْطَةَ إِلَى أَجَلٍ تَمْراً مِنْ غَيْرِ بَائِعِهِ، الَّذِي بَاعَ مِنْهُ الْحِنْطَةَ قَبْلَ أَنْ يَقْبِضَ الذَّهَبَ، وَيُحِيلَ الَّذِي اشْتَرَى مِنْهُ التَّمْرَ عَلَى غَرِيمِهِ الَّذِي بَاعَ مِنْهُ الْحِنْطَةَ بِالذَّهَبِ، الَّتِي لَهُ عَلَيْهِ فِي ثَمَنِ التَّمْرِ، فَلَا بَأْسَ بِذَلِكَ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: بلاشبہ سعید بن مسیب، سلیمان بن یسار، ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم اور ابن شہاب رحمہم اللہ نے تو صرف اس سے منع فرمایا ہے کہ آدمی گندم کو سونے کے بدلے اس طرح بیچے کہ پھر سونا قبضے میں لے لینے سے قبل اس کے عوض کھجور خرید لے، اپنے اس بائع سے جس نے اس سے گندم خریدی تھی، رہی یہ صورت کہ وہ پہلا شخص اس سونے کے عوض کہ ایک میعاد تک اس کے بدلے گندم کو بیچا تھا، (اس سونے کے عوض) سونا قبضے میں لینے سے پہلے ہی کسی (تیسرے) شخص سے کھجوریں خرید لے جو اس بیع کرنے والے (دوسرے شخص) کے علاوہ ہو جس نے اس سے سونے کے بدلے گندم کی بیع کی تھی (اور خرید لی تھی، یعنی دوسرے شخص نے ابھی پہلے شخص کو سونا ادا نہیں کیا تھا کہ پہلا شخص اس سونے کے عوض کسی تیسرے شخص سے کھجوریں خرید لیتا ہے) اور جس سے اس (پہلے) نے کھجوریں

[1350] (مقطوع صحيح) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

[1351] (مقطوع صحيح) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

خریدیں اسے کھجوروں کی قیمت (والا سونا وصول کرنے) میں اس مقروض (دوسرے شخص) کا حوالہ دے دیتا ہے جس نے سونے کے عوض اس سے گندم کی بیع کی تھی اور جو سونا اس (پہلے) کے حق میں اس (دوسرے) کے ذمے تھا، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

فائدہ: ......امام مالک رحمہ اللہ نے اس فتویٰ کے آخر میں دوبار ''باع'' کا لفظ "اِشْتَرٰی" کے معنی میں، بائع کا لفظ مشتری کے معنی میں اور ''غریم'' کا لفظ قرض دار (مقروض) کے معنی میں استعمال کیا ہے..... حوالہ سے مراد یہ ہے کہ اپنے ذمے واجب قرض کو دوسرے کے ذمے لگا دیا جائے۔ اس مذکورہ بالا بیان شدہ صورت کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص خالد دوسرے آدمی محمود کو نقد گندم دیتا ہے اور اس کی قیمت یعنی سونے کے دیناروں کی ادائیگی کا وقت مقرر کر لیتا ہے، پھر اس مدت سے قبل ہی تیسرے شخص طلحہ سے کھجوریں خرید لیتا ہے اور کھجوروں کی قیمت کے متعلق طلحہ سے کہتا ہے کہ میں نے محمود سے اتنے دینار فلاں وقت پر لینے ہیں، اب وہ دینار تم ہی اس سے وصول کر لینا..... تو اس صورت میں کوئی حرج نہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ فرمانا چاہتے ہیں کہ ''طعام'' کو قبضے میں لینے سے قبل اس کی آگے بیع نہیں ہو سکتی، لیکن ''نقدی'' مثلاً سونے کو قبضے میں لینے سے قبل کسی اور بیع میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَقَدْ سَأَلْتُ عَنْ ذٰلِكَ غَيْرَ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ فَلَمْ ، يَرَوْا بِهِ بَأْساً .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: میں نے کئی ایک اہل علم سے اس بارے میں سوال کیا تو انھوں نے اس میں کوئی حرج محسوس نہیں کیا۔

21- بَابٌ: السُّلْفَةُ فِي الطَّعَامِ

اناج میں بیع سلف (سلم) کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں ایک موقوف روایت (اثر صحابی) ہے جو سنداً صحیح ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے چار فتاویٰ بھی مذکور ہیں۔

فائدہ: ...... قیمت پیشگی ادا کر دینا اور متعین اناج کی وصولی کے لیے کوئی مدت مقرر کر لینا، بیع سلف یا بیع سلم کہلاتا ہے، اہل عراق کی لغت میں سلف جبکہ اہل حجاز کی لغت میں سلم مستعمل ہے۔ دراصل یہ ایک معدوم چیز کی بیع ہوتی ہے، لیکن اقتصادی اور معاشی مصلحتوں کی بنا پر اسے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے، اس کی متعدد شروط بیان کی جاتی ہیں جن میں سے اہم اور ضروری دو ہیں: (1) مطلوبہ چیز کا وزن یا ماپ معلوم ہو اور (2) مدت بھی معلوم ہو...... پھر کیا یہ بیع کرتے وقت مطلوبہ چیز کا بائع کے پاس موجود ہونا لازم ہے یا نہیں تو اس بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ہم اس کے متعلق پوچھتے بھی نہ تھے۔ (بخاری: 2244) جمہور کا یہی موقف ہے، نیز بیع سلف ہر چیز میں ہو سکتی ہے۔ (بخاری: 2240) امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کا یہی موقف ہے، البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ بیع

حیوانوں یعنی جانوروں اور غلاموں لونڈیوں میں ممنوع ہے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ اور متعدد اہل حدیث علماء کا بھی یہی موقف ہے..... یاد رہے کہ اس بیع میں قیمت کو "راس المال" مطلوبہ اناج وغیرہ کو "مسلم فیہ"، بائع کو "مسلم الیہ" اور خریدار کو "رب السلم" کہتے ہیں۔

[1352] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ قَالَ: لَا بَأْسَ بِأَنْ يُسَلِّفَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فِي الطَّعَامِ الْمَوْصُوفِ، بِسِعْرٍ مَعْلُومٍ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى، مَا لَمْ يَكُنْ فِي زَرْعٍ لَمْ يَبْدُ صَلَاحُهُ، أَوْ تَمْرٍ لَمْ يَبْدُ صَلَاحُهُ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ ایک آدمی دوسرے شخص سے ایسے اناج میں بیع سلف کرے جس کا وصف بیان کر دیا گیا ہے، (اور یہ بیع) معلوم بھاؤ کے ساتھ متعین مدت تک (ہو، بشرطیکہ) جب وہ اناج کسی ایسی کھیتی میں نہ ہو جس کی صلاحیت ظاہر نہ ہوئی ہو اور نہ ہی ایسی کھجوروں میں ہو کہ جس کی صلاحیت یعنی پکنا ظاہر نہ ہوا ہو۔

فائدہ:...... جمہور کا موقف یہ ہے کہ مطلوبہ چیز اس عقد کے وقت موجود نہ ہو تو بھی یہ بیع درست ہے۔ (بخاری: 2255)

قَالَ مَالِكٌ: الْأَمْرُ عِنْدَنَا فِيمَنْ سَلَّفَ فِي طَعَامٍ بِسِعْرٍ مَعْلُومٍ، إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى، فَحَلَّ الْأَجَلُ، فَلَمْ يَجِدِ الْمُبْتَاعُ عِنْدَ الْبَائِعِ وَفَاءً مِمَّا ابْتَاعَ مِنْهُ فَأَقَالَهُ، فَإِنَّهُ لَا يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَأْخُذَ مِنْهُ إِلَّا وَرِقَهُ، أَوْ ذَهَبَهُ، أَوِ الثَّمَنَ الَّذِي دَفَعَ إِلَيْهِ بِعَيْنِهِ، وَإِنَّهُ لَا يَشْتَرِي مِنْهُ بِذَلِكَ الثَّمَنِ شَيْئًا حَتَّى يَقْبِضَهُ مِنْهُ، وَذَلِكَ أَنَّهُ إِذَا أَخَذَ غَيْرَ الثَّمَنِ الَّذِي دَفَعَ إِلَيْهِ، أَوْ صَرَفَهُ فِي سِلْعَةٍ غَيْرِ الطَّعَامِ الَّذِي ابْتَاعَ مِنْهُ، فَهُوَ بَيْعُ الطَّعَامِ قَبْلَ أَنْ يُسْتَوْفَى.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں اس شخص کے متعلق حکم یہ ہے جس نے کسی اناج میں معلوم نرخ کے ساتھ، معلوم مدت تک بیع سلف کی، پھر مقرر مدت آ گئی لیکن خریدار نے بائع کے پاس اس چیز کی مکمل ادائیگی نہ پائی جس کو اس نے (پیشگی رقم دے کر) خریدا تھا، چنانچہ وہ اس سے اقالہ کرنا چاہے یعنی بیع کو فسخ کرنا چاہے تو بلاشبہ اس (خریدار) کے لیے اس کی چاندی یا سونا یا وہ قیمت جو نقدی کی صورت میں بائع کو دے رکھی تھی، کے علاوہ اور کچھ (اضافہ یا نفع) لینا جائز نہیں ہے، اور بلاشبہ وہ خریدار اس بائع سے اسی قیمت کے ساتھ اور کوئی چیز خرید نہیں سکتا،

[1352] (موقوف صحیح) صحیح البخاری، کتاب السلم، باب السلم الی اجل معلوم، قبل از حدیث: 2253۔ سنن ابی داود، کتاب البیوع، باب فی السلم فی ثمرة بعینها، حدیث: 3467۔ عبدالرزاق: 14061۔ ابن ابی شیبہ: 20474۔ بیھقی: 19/6۔

یہاں تک کہ اس (قیمت) کو اس سے قبضے میں لے لے اور یہ اس لیے ہے کہ جب خریدار اسے سپرد کی ہوئی قیمت کے علاوہ کوئی اور چیز (اناج) وصول کرے گا یا اس (قیمت) کو اس سے خریدے ہوئے اناج کے علاوہ کسی اور سامان میں پھیر دے گا تو یہ ایسے اناج کی بیع ہوگی جسے پورا پورا لے لینے سے قبل ہی بیچ دیا گیا ہو۔

قَالَ مَالِكٌ : وَقَدْ نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ بَيْعِ الطَّعَامِ قَبْلَ أَنْ يُسْتَوْفَى .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور یقیناً رسول اللہ ﷺ نے اناج کو پورا پورا لے لینے سے پہلے اس کی مزید خرید و فروخت سے منع فرمایا ہے۔

فائدہ: ......یعنی پیشگی رقم اناج کے عوض دی گئی تھی، لیکن وہ اناج مقررہ مدت پر نہ ملا اور اس کی جگہ کوئی اور چیز خرید لی تو گویا وہ دوسری چیز اس اناج کے عوض میں ہے جو ابھی قبضے ہی میں نہ آیا تھا۔

قَالَ مَالِكٌ : فَإِنْ نَدِمَ الْمُشْتَرِي فَقَالَ لِلْبَائِعِ : أَقِلْنِي وَأُنْظِرُكَ بِالثَّمَنِ الَّذِي دَفَعْتُ إِلَيْكَ . فَإِنَّ ذَلِكَ لَا يَصْلُحُ ، وَأَهْلُ الْعِلْمِ يَنْهَوْنَ عَنْهُ ، وَذَلِكَ أَنَّهُ لَمَّا حَلَّ الطَّعَامُ لِلْمُشْتَرِي عَلَى الْبَائِعِ ، أَخَّرَ عَنْهُ حَقَّهُ ، عَلَى أَنْ يُقِيلَهُ ، فَكَانَ ذَلِكَ بَيْعَ الطَّعَامِ إِلَى أَجَلٍ قَبْلَ أَنْ يُسْتَوْفَى .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: پھر اگر خریدار نادم ہو اور بائع سے کہے کہ مجھ سے اقالہ کر لے یعنی بیع سلف کو فسخ کر دے اور (اس فسخ کرنے کے بدلے) میں تمھیں اس قیمت (کی واپسی اور ادائیگی) میں مہلت دیتا ہوں جو میں نے تمھارے سپرد کر رکھی تھی، تو بلاشبہ یہ عمل جائز نہیں ہے، اہل علم اس سے منع کرتے ہیں اور یہ ممانعت اس وجہ سے ہے کہ جب خریدار کے لیے بائع کے ذمے اناج کی ادائیگی کا وقت آیا تو خریدار نے اپنے حق کو اس سے اس شرط پر مؤخر کر دیا کہ بائع اس سے اقالہ کرے گا (اور اس کی بیع فسخ کر دے گا) اور یہ گویا اسی طرح ہے کہ اس نے اناج کو پورا وصول کرنے سے پہلے ہی ایک مدت تک کے لیے آگے بیچ دیا۔

قَالَ مَالِكٌ : وَتَفْسِيرُ ذَلِكَ أَنَّ الْمُشْتَرِيَ حِينَ حَلَّ الْأَجَلُ ، وَكَرِهَ الطَّعَامَ ، أَخَذَ بِهِ دِينَاراً إِلَى أَجَلٍ ، وَلَيْسَ ذَلِكَ بِالْإِقَالَةِ ، وَإِنَّمَا الْإِقَالَةُ مَا لَمْ يَزْدَدْ فِيهِ الْبَائِعُ وَلَا الْمُشْتَرِي ، فَإِذَا وَقَعَتْ فِيهِ الزِّيَادَةُ بِنَسِيئَةٍ إِلَى أَجَلٍ ، أَوْ بِشَيْءٍ يَزْدَادُهُ أَحَدُهُمَا عَلَى صَاحِبِهِ ، أَوْ بِشَيْءٍ يَنْتَفِعُ بِهِ أَحَدُهُمَا ، فَإِنَّ ذَلِكَ لَيْسَ بِالْإِقَالَةِ ، وَإِنَّمَا تَصِيرُ الْإِقَالَةُ إِذَا فَعَلَا ذَلِكَ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اس کی وضاحت کچھ یوں ہے کہ مشتری نے جب مقررہ مدت آ گئی اور اناج (لینا) ناپسند کیا تو اس نے (پیشگی قیمت میں اپنے دیے ہوئے) دینار کو ایک مدت طے کر کے (واپس) لے لیا تو یہ اقالہ اور بیع کو فسخ کرنا نہیں ہے (کیونکہ اقالہ تو بغیر نفع کمائے ہوتا ہے جبکہ یہاں خریدار نے بائع کو ایک مدت تک مہلت دے کر نفع پہنچایا ہے) اور بلاشبہ فسخ بیع تو صرف اور صرف اسی صورت میں ہوتا ہے کہ نہ تو بائع کوئی زائد چیز لے اور نہ ہی

بَيْعاً، وَإِنَّمَا أُرْخِصَ فِي الْإِقَالَةِ وَالشِّرْكِ وَالتَّوْلِيَةِ مَا لَمْ يَدْخُلْ شَيْئاً مِنْ ذَٰلِكَ زِيَادَةٌ أَوْ نُقْصَانٌ، أَوْ نَظِرَةٌ، فَإِنْ دَخَلَ ذَٰلِكَ زِيَادَةٌ أَوْ نُقْصَانٌ، أَوْ نَظِرَةٌ، صَارَ بَيْعاً يُحِلُّهُ مَا يُحِلُّ الْبَيْعَ، وَيُحَرِّمُهُ مَا يُحَرِّمُ الْبَيْعَ

خریدار، چنانچہ جب اس بیع میں ایک مقررہ مدت تک کی تاخیر کے ساتھ اضافہ واقع ہو جائے یا کسی ایسی چیز کے ساتھ جسے ان دونوں میں سے کوئی اپنے ساتھی سے وصول کرے یا کسی ایسی چیز کے ساتھ جسے ان میں سے کوئی نفع میں پائے تو یقیناً یہ فسخ بیع نہیں ہے، اور بلاشبہ جب وہ ایسا کریں گے تو یہ اقالہ (فسخ بیع) ایک مستقل بیع بن جائے گی، اور بے شک اقالہ (فسخ بیع)، (باہمی) شراکت اور تولیت (متولی اور ذمے دار بنانے) میں تو صرف اس وقت رخصت دی گئی ہے جب ان میں سے کسی بھی چیز میں زیادتی یا نقصان یا مہلت داخل نہ ہو، چنانچہ اگر ان میں اضافہ یا کمی یا مہلت داخل ہو جائیں تو وہ ایک (مستقل) بیع میں تبدیل ہو جائیں گے (اور) اسے وہی چیز حلال قرار دے گی جو بیع کو حلال قرار دیتی ہے اور وہ چیز اسے حرام قرار دے گی جو بیع کو حرام قرار دیتی ہے۔

فائدہ: ......الغرض بیع سلف میں اقالہ (فسخ بیع) کرتے وقت اگر کسی فریق نے کوئی نفع اٹھا لیا تو وہ اقالہ نہیں ہوگا بلکہ ایک نئی بیع شمار ہوگی اور جس طرح مختلف اسباب کی بنا پر کسی خرید وفروخت پر حلال یا حرام کا حکم لاگو ہوتا ہے اسی طرح اس پر بھی لاگو ہوگا......''شرکت، تولیت اور اقالہ'' کا بیان آگے باب: ۴۱ میں آرہا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: مَنْ سَلَّفَ فِي حِنْطَةٍ شَامِيَّةٍ، فَلَا بَأْسَ أَنْ يَأْخُذَ مَحْمُولَةً بَعْدَ مَحِلِّ الْأَجَلِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جس شخص نے شامی گندم میں بیع سلف کی تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ مدت آجانے کے بعد ''محمولہ'' نامی گندم وصول کر لے۔ (محمولہ بھی شامی گندم کی ایک قسم ہے جس کے سٹوں میں بہت زیادہ دانے ہوتے ہیں)۔

قَالَ مَالِكٌ: وَكَذَٰلِكَ مَنْ سَلَّفَ فِي صِنْفٍ مِنَ الْأَصْنَافِ، فَلَا بَأْسَ أَنْ يَأْخُذَ خَيْراً مِمَّا سَلَّفَ فِيهِ، أَوْ أَدْنَى بَعْدَ مَحِلِّ الْأَجَلِ. وَتَفْسِيرُ ذَٰلِكَ أَنْ يُسَلِّفَ الرَّجُلُ فِي حِنْطَةٍ مَحْمُولَةٍ، فَلَا بَأْسَ أَنْ يَأْخُذَ شَعِيراً، أَوْ شَامِيَّةً، وَإِنْ سَلَّفَ فِي تَمْرٍ عَجْوَةٍ، فَلَا بَأْسَ أَنْ يَأْخُذَ صَيْحَانِيًّا، أَوْ جَمْعاً، وَإِنْ سَلَّفَ فِي زَبِيبٍ أَحْمَرَ، فَلَا بَأْسَ أَنْ يَأْخُذَ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور اسی طرح ہر وہ شخص (کر سکتا ہے) جو اجناس میں سے کسی بھی جنس میں بیع سلف کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ مقررہ مدت آنے کے بعد اس جنس کہ جس (کی ایک خاص قسم) میں اس نے بیع سلف کی تھی، اسے اعلیٰ یا ادنیٰ وصول کر لے...... اور اس کی وضاحت کچھ یوں ہے کہ آدمی محمولہ نامی گندم میں بیع سلف کرے تو اس میں کوئی حرج نہ ہوگا کہ وہ (اس کی جگہ) جَو یا شامی گندم وصول کرے اور اگر اس نے عجوہ کھجور میں بیع

أَسْوَدَ، إِذَا كَانَ ذَلِكَ كُلُّهُ بَعْدَ مَحِلِّ الأَجَلِ، إِذَا كَـانَـتْ مَكِيلَةُ ذَلِكَ سَوَاءً، بِمِثْلِ كَيْلِ مَا سَلَّفَ فِيهِ

سلف کی ہوتو اس میں کچھ حرج نہیں کہ وہ (اس کی بجائے) صیحانی کھجوریں یا مخلوط (ملی جلی، دھڑے کے مال والی) کھجوریں وصول کرے، اگر اس نے سرخ منقیٰ میں بیع سلف کی تھی تو کوئی حرج نہ ہوگا کہ وہ اس کی جگہ سیاہ (منقیٰ) حاصل کرے، (بشرطیکہ) جب یہ سب کا سب مقررہ مدت آنے کے بعد ہو اور اس وصول شدہ چیز کا ماپ (اور وزن) بالکل اس چیز کے ماپ کے برابر ہو جس میں اس نے بیع سلف کی تھی۔

فائدہ: ...... امام مالک رحمہ اللہ فرمانا چاہتے ہیں کہ اگر کسی ایک جنس کے طعام میں بیع سلف کی ہو جس کی مختلف ورائٹیاں ہوں تو بوقت وصول طے شدہ ورائٹی کے علاوہ دوسری ورائٹی لے لینا درست ہے، باہمی رضا مندی شرط ہے، جمہور کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

22- بَابٌ: بَيْعُ الطَّعَامِ بِالطَّعَامِ لا فَضْلَ بَيْنَهُمَا

باہمی کمی بیشی کے بغیر اناج کی اناج کے بدلے خرید وفروخت کا بیان

خلاصة الباب اس باب میں تین روایات ہیں، ایک موقوف (اثر صحابی) ہے جو سنداً ضعیف ہے اور دو مقطوع (آثار تابعین) ہیں جن میں سے ایک صحیح اور ایک ضعیف ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے دس فتاویٰ جات بھی مذکور ہیں۔

[1353] حَـدَّثَـنِـي يَـحْـيَى، عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَـلَـغَهُ، أَنَّ سُلَيْمَانَ بْنَ يَسَارٍ قَالَ: فَنِيَ عَلَفُ حِـمَـارِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، فَقَالَ لِغُلَامِهِ: خُذْ مِنْ حِنْطَةِ أَهْلِكَ، فَابْتَعْ بِهَا شَعِيراً، وَلَا تَأْخُذْ إِلَّا مِثْلَهُ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ سلیمان بن یسار رحمہ اللہ نے فرمایا: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے گدھے کا چارہ ختم ہوگیا تو انھوں نے اپنے غلام سے کہا کہ اپنے گھر میں موجود گندم لے لو اور اس کے بدلے جَو خرید لاؤ اور جَو اس گندم کے برابر ہی خریدنا۔

فائدہ: ......امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک گندم اور جَو ایک ہی جنس کی دو قسمیں ہیں، جبکہ جمہور کے نزدیک یہ دونوں الگ الگ اور مستقل اجناس ہیں، اس لیے ان کے باہمی تبادلے میں تفاضل یعنی کمی بیشی ہو سکتی ہے، البتہ نقد و نقد ہونا تو لازم ہے۔

[1354] وَحَـدَّثَـنِـي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَـنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ: أَنَّ عَبْدَ

سلیمان بن یسار رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ عبدالرحمٰن بن اسود بن عبد یغوث رحمہ اللہ کے چوپائے کا چارہ ختم ہوگیا تو انھوں

[1353] (موقوف ضعيف) عبدالرزاق: 33/8 (14188، 14190)۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے۔

[1354] (مقطوع صحيح) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

الرَّحْمَنِ بْنَ الأَسْوَدِ بْنِ عَبْدِ يَغُوثَ فَنِيَ عَلَفُ دَابَّتِهِ، فَقَالَ لِغُلَامِهِ: خُذْ مِنْ حِنْطَةِ أَهْلِكَ طَعَاماً، فَابْتَعْ بِهَا شَعِيراً، وَلَا تَأْخُذْ إِلَّا مِثْلَهُ.

نے اپنے غلام سے کہا کہ اپنے گھر سے گندم کا غلہ لے لو اور اس کے عوض جَو خرید لاؤ اور گندم کے برابر ہی جَو وصول کرنا۔

[1355] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنِ ابْنِ مُعَيْقِيبٍ الدَّوْسِيِّ مِثْلُ ذَلِكَ.

ابن معیقیب دوسی رحمہ اللہ سے بھی اس کی مثل مروی ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَهُوَ الأَمْرُ عِنْدَنَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہمارے ہاں بھی یہی حکم ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: الأَمْرُ الْمُجْتَمَعُ عَلَيْهِ عِنْدَنَا: أَنْ لَا تُبَاعَ الْحِنْطَةُ بِالْحِنْطَةِ، وَلَا التَّمْرُ بِالتَّمْرِ، وَلَا الْحِنْطَةُ بِالتَّمْرِ، وَلَا التَّمْرُ بِالزَّبِيبِ، وَلَا الْحِنْطَةُ بِالزَّبِيبِ، وَلَا شَيْءٌ مِنَ الطَّعَامِ كُلِّهِ إِلَّا يَداً بِيَدٍ، فَإِنْ دَخَلَ شَيْئاً مِنْ ذَلِكَ الأَجَلُ لَمْ يَصْلُحْ، وَكَانَ حَرَاماً، وَلَا شَيْءَ مِنَ الأُدْمِ كُلِّهَا إِلَّا يَداً بِيَدٍ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے اس حکم پر اجماع ہے کہ گندم کے بدلے گندم، کھجور کے بدلے کھجور، کھجور کے بدلے گندم، منقیٰ کے بدلے کھجور اور ہر قسم کے اناج کو نقد ونقد کے سوا بیچا ہی نہ جائے، چنانچہ اگر ان میں سے کسی بھی چیز (کے تبادلے) میں مدت داخل ہوگئی تو وہ بیع درست نہ ہوگی اور حرام ہو جائے گی اور روٹی کے ساتھ کھائی جانے والی تمام چیزوں میں بھی نقد ونقد کے سوا کچھ جائز نہیں۔

قَالَ مَالِكٌ: وَلَا يُبَاعُ شَيْءٌ مِنَ الطَّعَامِ وَالأُدْمِ، إِذَا كَانَ مِنْ صِنْفٍ وَاحِدٍ، اثْنَانِ بِوَاحِدٍ، فَلَا يُبَاعُ مُدُّ حِنْطَةٍ بِمُدَّيْ حِنْطَةٍ، وَلَا مُدُّ تَمْرٍ بِمُدَّيْ تَمْرٍ، وَلَا مُدُّ زَبِيبٍ بِمُدَّيْ زَبِيبٍ، وَلَا مَا أَشْبَهَ ذَلِكَ مِنَ الْحُبُوبِ وَالأُدْمِ كُلِّهَا، إِذَا كَانَ مِنْ صِنْفٍ وَاحِدٍ، وَإِنْ كَانَ يَداً بِيَدٍ، إِنَّمَا ذَلِكَ بِمَنْزِلَةِ الْوَرِقِ بِالْوَرِقِ، وَالذَّهَبِ بِالذَّهَبِ، لَا يَحِلُّ فِي شَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ الْفَضْلُ، وَلَا يَحِلُّ إِلَّا

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: غلہ اور سالنوں میں سے کسی بھی چیز (کے باہمی تبادلے میں اس) کی جب ایک ہی قسم ہو تو ایک کے بدلے دو کو نہ بیچا جائے۔ چنانچہ گندم کے ایک مد کو گندم ہی کے دو مد کے بدلے نہ بیچا جائے، کھجور کے ایک مد کو کھجور ہی کے دو مد کے عوض فروخت نہ کیا جائے، منقیٰ کے ایک مد کو منقیٰ ہی کے دو مد کے عوض نہ بیچا جائے، اور ان جیسے دوسرے غلوں اور روٹی کے ساتھ (سالن کے طور پر) کھائی جانے والی دوسری تمام چیزوں میں بھی ایسا نہ کیا جائے جس وقت کہ ان کی جنس ایک ہو، خواہ وہ نقد ونقد ہی

[1355] (مقطوع ضعیف) شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے۔

مِثْلاً بِمِثْلٍ ، يَداً بِيَدٍ .

ہوں۔ بلاشبہ یہ (سب) چاندی کی چاندی کے بدلے اور سونے کی سونے کے بدلے بیع ہی کی طرح ہیں، ان میں سے کسی بھی چیز میں نہ تو تفاضل (کمی بیشی) جائز ہے اور نہ وہ برابر کے بدلے برابر اور نقد کے بدلے نقد کے علاوہ کسی اور طرح سے جائز ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ : وَإِذَا اخْتَلَفَ مَا يُكَالُ أَوْ يُوزَنُ ، مِمَّا يُؤْكَلُ أَوْ يُشْرَبُ ، فَبَانَ اخْتِلافُهُ ، فَلا بَأْسَ أَنْ يُؤْخَذَ مِنْهُ اثْنَانِ بِوَاحِدٍ يَداً بِيَدٍ ، وَلا بَأْسَ أَنْ يُؤْخَذَ صَاعٌ مِنْ تَمْرٍ بِصَاعَيْنِ مِنْ حِنْطَةٍ ، وَصَاعٌ مِنْ تَمْرٍ بِصَاعَيْنِ مِنْ زَبِيبٍ ، وَصَاعٌ مِنْ حِنْطَةٍ بِصَاعَيْنِ مِنْ سَمْنٍ ، فَإِذَا كَانَ الصِّنْفَانِ مِنْ هَذَا مُخْتَلِفَيْنِ ، فَلا بَأْسَ بِاثْنَيْنِ مِنْهُ بِوَاحِدٍ ، أَوْ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ يَداً بِيَدٍ ، فَإِنْ دَخَلَ ذَلِكَ الأَجَلُ فَلا يَحِلُّ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: کھائی جانے والی یا پی جانے والی چیزیں جنھیں ماپا یا تولا جاتا ہے، جب وہ (تبادلہ کرتے وقت) الگ الگ (جنس سے تعلق رکھتی) ہوں، ان کا مختلف ہونا واضح ہو تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ ان میں سے ایک کے بدلے دو کو نقد و نقد وصول کیا جائے اور اس میں کوئی حرج نہ ہوگا کہ کھجور کا ایک صاع گندم کے دو صاع کے بدلے لیا جائے، اور کھجور کا ایک صاع منقّیٰ کے دو صاع کے عوض لیا جائے اور گندم کا ایک صاع گھی کے دو صاع کے عوض لیا جائے، الغرض جب اس اناج میں سے کوئی بھی دو جنسیں الگ الگ ہوں تو ان میں سے ایک کے بدلے دو یا زیادہ لینے میں کوئی حرج نہیں ہے (لیکن یہ تبادلہ بھی) نقد و نقد ہو، چنانچہ اگر اس میں میعاد (ادھار) داخل ہو جائے تو پھر یہ حلال نہیں ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَلا تَحِلُّ صُبْرَةُ الْحِنْطَةِ بِصُبْرَةِ الْحِنْطَةِ ، وَلا بَأْسَ بِصُبْرَةِ الْحِنْطَةِ بِصُبْرَةِ التَّمْرِ يَداً بِيَدٍ ، وَذَلِكَ أَنَّهُ لا بَأْسَ أَنْ يُشْتَرَى الْحِنْطَةُ بِالتَّمْرِ جِزَافاً .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: گندم کا ڈھیر، گندم ہی کے (دوسرے) ڈھیر کے بدلے (بیچنا) جائز نہیں ہے، البتہ گندم کا ڈھیر، کھجور کے ڈھیر کے بدلے جائز ہے جبکہ نقد و نقد ہو، اور یہ (جواز) اس وجہ سے ہے کہ گندم کو کھجور کے بدلے اندازہ و تخمینہ لگا کر خریدنا جائز ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَكُلُّ مَا اخْتَلَفَ مِنَ الطَّعَامِ وَالأُدْمِ ، فَبَانَ اخْتِلافُهُ فَلا بَأْسَ أَنْ يُشْتَرَى بَعْضُهُ بِبَعْضٍ جِزَافاً ، يَداً بِيَدٍ ، فَإِنْ دَخَلَهُ الأَجَلُ فَلا خَيْرَ فِيهِ ، وَإِنَّمَا اشْتِرَاءُ ذَلِكَ جِزَافاً ، كَاشْتِرَاءِ بَعْضِ ذَلِكَ بِالذَّهَبِ وَالْوَرِقِ جِزَافاً .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور ہر وہ طعام (اناج) اور روٹی کے ساتھ کھائی جانے والی چیز (سالن وغیرہ) جس کی جنس الگ الگ ہو اور اس کا مختلف ہونا واضح ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ ان میں سے ایک کو دوسری کے بدلے تخمینہ و اندازہ سے نقد و نقد خریدا جائے، لیکن اگر اس میں میعاد (ادھار) داخل ہو جائے تو پھر اس میں کوئی خیر نہیں،

اور بلاشبہ انھیں تخمینہ و اندازہ سے خریدنا اسی طرح ہے کہ جیسے انھیں چاندی اور سونے کے عوض اندازہ لگا کر خریدا جائے۔

قَالَ مَالِكٌ وَذَلِكَ أَنَّكَ تَشْتَرِي الْحِنْطَةَ بِالْوَرِقِ جِزَافاً، وَالتَّمْرَ بِالذَّهَبِ جِزَافاً، فَهَذَا حَلَالٌ لَا بَأْسَ بِهِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ (گزشتہ فتویٰ کی آخری بات وضاحت کے ساتھ کچھ) اس طرح ہے کہ (مثلاً) بے شک تم گندم کو چاندی کے بدلے تخمینہ لگا کر اور کھجور کو سونے کے بدلے اندازہ لگا کر خریدو تو یہ حلال ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَمَنْ صَبَّرَ صُبْرَةَ طَعَامٍ، وَقَدْ عَلِمَ كَيْلَهَا، ثُمَّ بَاعَهَا جِزَافاً، وَكَتَمَ الْمُشْتَرِي كَيْلَهَا، فَإِنَّ ذَلِكَ لَا يَصْلُحُ، فَإِنْ أَحَبَّ الْمُشْتَرِي أَنْ يَرُدَّ ذَلِكَ الطَّعَامَ عَلَى الْبَائِعِ، رَدَّهُ بِمَا كَتَمَهُ كَيْلَهُ وَغَرَّهُ، وَكَذَلِكَ كُلُّ مَا عَلِمَ الْبَائِعُ كَيْلَهُ وَعَدَدَهُ مِنَ الطَّعَامِ وَغَيْرِهِ، ثُمَّ بَاعَهُ جِزَافاً، وَلَمْ يَعْلَمِ الْمُشْتَرِي ذَلِكَ، فَإِنَّ الْمُشْتَرِيَ إِنْ أَحَبَّ أَنْ يَرُدَّ ذَلِكَ عَلَى الْبَائِعِ رَدَّهُ، وَلَمْ يَزَلْ أَهْلُ الْعِلْمِ يَنْهَوْنَ عَنْ ذَلِكَ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور جس شخص نے کسی غلے کا کوئی ڈھیر بنایا، اس حال میں کہ وہ اس کے ماپ (اور مکمل مقدار) سے واقف ہو، پھر وہ اسے تخمینہ لگا کر بیچے اور خریدار سے اس کی ماپ (کی معلوم اور متعین مقدار) کو چھپا لے تو بلاشبہ یہ جائز نہیں ہے، پھر اگر (بعد میں پتا چل جائے کہ اس نے ایسا کیا ہے تو اگر) خریدار اس غلے کو بائع پر واپس لوٹانا چاہے تو وہ لوٹا سکتا ہے، اس وجہ سے کہ بائع نے اس سے اس کا ماپ چھپایا تھا اور اسے دھوکا دیا تھا، اور اسی طرح ہے ہر وہ چیز کہ بیچنے والا جس کے ماپ سے اور اس کی گنتی سے واقف ہو، خواہ وہ چیز اناج میں سے ہو یا کچھ اور ہو، پھر وہ بائع اسے تخمینہ و اٹکل سے بیچے اور خریدار کو اس کا علم نہ ہو تو بلاشبہ خریدار اگر پسند کرے کہ اس چیز کو بائع پر رد کر دے تو وہ اسے رد کر سکتا ہے، اور اہل علم ہمیشہ اس (دھوکے کے معاملے) سے منع ہی کرتے ہیں۔

فائدہ: ...... یعنی بعض صورتوں میں ''اندازہ'' سے بیچنے میں شرعی قباحت نہیں ہوتی، کیونکہ وہاں دونوں جانب کی چیزوں کا وزن یا ماپ یا گنتی میں برابر ہونا ضروری نہیں ہوتا، اور فریقین واضح کر دیتے ہیں کہ یہ چیز محض اندازہ و تخمینہ والی ہے، اور اس کی متعین مقدار نامعلوم ہے، تھوڑی بہت کمی بیشی ہو تو درگزر ہو جاتا ہے اور عموماً تھوڑی بہت کمی بیشی ہو ہی جاتی ہے، لیکن یہ اجازت صرف اس وقت ہے جب اس ڈھیر وغیرہ کی متعین مقدار کا اس کے مالک کو واقعی علم نہ ہو، چنانچہ اگر اسے مقدار تو معلوم ہو اور اس کے باوجود وہ اندازہ و تخمینہ کی صورت میں تبادلہ کرنا چاہے تو یہ ناجائز ہے کیونکہ یہ ایک دھوکا ہے اور اگر آدمی کے اس دھوکے کا علم ہو جائے تو پھر فریق ثانی کو بیع فسخ کرنے کا اختیار ہوتا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَلَا خَيْرَ فِي الْخُبْزِ قُرْصٍ

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ روٹیوں کے معاملے میں بھی

بِقُرْصَيْنِ، وَلَا عَظِيمٍ بِصَغِيرٍ، إِذَا كَانَ بَعْضُ ذَلِكَ أَكْبَرَ مِنْ بَعْضٍ، فَأَمَّا إِذَا كَانَ يَتَحَرَّى أَنْ يَكُونَ مِثْلاً بِمِثْلٍ، فَلَا بَأْسَ بِهِ وَإِنْ لَمْ يُوزَنْ.

خیر نہ ہوگی، جب ایک روٹی دو روٹیوں کے بدلے میں ہو، اور نہ ہی بڑی روٹی، چھوٹی روٹی کے بدلے (لینا دینا) درست ہے، جب واقعی ان میں سے کوئی روٹی دوسری سے (واضح طور پر) بڑی (اور وزنی) ہو، لیکن جب آدمی یہ سمجھے کہ وہ برابر برابر ہی لگتی ہیں تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اگرچہ وزن نہ بھی کیا جائے۔

قَالَ مَالِكٌ: لَا يَصْلُحُ مُدُّ زُبْدٍ وَمُدُّ لَبَنٍ بِمُدَّيْ زُبْدٍ، وَهُوَ مِثْلُ الَّذِي وَصَفْنَا مِنَ التَّمْرِ، الَّذِي يُبَاعُ صَاعَيْنِ مِنْ كَبِيسٍ، وَصَاعاً مِنْ حَشَفٍ بِثَلَاثَةِ أَصْوُعٍ مِنْ عَجْوَةٍ، حِينَ قَالَ لِصَاحِبِهِ: إِنَّ صَاعَيْنِ مِنْ كَبِيسٍ بِثَلَاثَةِ أَصْوُعٍ مِنَ الْعَجْوَةِ لَا يَصْلُحُ. فَفَعَلَ ذَلِكَ لِيُجِيزَ بَيْعَهُ، وَإِنَّمَا جَعَلَ صَاحِبُ اللَّبَنِ اللَّبَنَ مَعَ زُبْدِهِ، لِيَأْخُذَ فَضْلَ زُبْدِهِ عَلَى زُبْدِ صَاحِبِهِ، حِينَ أَدْخَلَ مَعَهُ اللَّبَنَ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ایک مد مکھن اور ایک مد دودھ، دو مد مکھن کے عوض درست نہیں ہے اور یہ بالکل اس طرح ہے جو ہم (پیچھے) اس کھجور کے متعلق بیان کر چکے ہیں، جو اس طرح بیچی جاتی ہے کہ دو صاع کبیس کھجور اور ایک صاع ردی کھجور (کا) تین صاع عجوہ کھجور کے عوض (تبادلہ کیا جائے اور دو صاع کبیس کے ساتھ تیسرا صاع ردی کھجور کا ملا کر اس جانب بھی تین صاع اس وقت پورے کیے جاتے ہیں کہ) جس وقت آدمی اپنے ساتھی سے کہتا ہے کہ کبیس کھجور کے دو صاع عجوہ کھجور کے دو صاع کے عوض درست نہیں ہیں، تو وہ یہ کام اس لیے کرتا ہے کہ بیع کو جائز قرار دے سکے اور بلاشبہ دودھ والے نے اپنے (ایک مد عمدہ) مکھن کے ساتھ (ایک مد) دودھ اس لیے ملایا تا کہ جب اس نے اس کے ساتھ دودھ ملا لیا (اور اپنے ساتھی کے دو مد گھٹیا مکھن کے ساتھ وزن پورا کرلیا) تو وہ (اس حیلے کے ذریعے سے) اپنے ساتھی کے مکھن پر اپنے مکھن کی عمدگی (کا نفع) حاصل کر سکے۔

فائدہ :......مزید تفصیل کے لیے پیچھے باب: 18 کے آخری سے پہلے مسئلے کو دیکھیے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَالدَّقِيقُ بِالْحِنْطَةِ مِثْلاً بِمِثْلٍ، لَا بَأْسَ بِهِ، وَذَلِكَ لِأَنَّهُ أَخْلَصَ الدَّقِيقَ، فَبَاعَهُ بِالْحِنْطَةِ مِثْلاً بِمِثْلٍ، وَلَوْ جَعَلَ نِصْفَ الْمُدِّ مِنْ دَقِيقٍ، وَنِصْفَهُ مِنْ حِنْطَةٍ، فَبَاعَ ذَلِكَ بِمُدٍّ مِنْ حِنْطَةٍ، كَانَ ذَلِكَ مِثْلَ الَّذِي وَصَفْنَا

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: آٹا، گندم کے بدلے برابر برابر (بیچا اور خریدا جا رہا) ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور یہ اس لیے (جائز) ہے کہ یقیناً اس نے آٹے کو خالص کیا (یعنی ایک طرف صرف آٹا ہی تھا) پھر اسے گندم کے بدلے برابر برابر بیچ دیا (تو اس میں کوئی حرج نہ ہوا) اور اگر

لا يَصْلُحُ ، لِأَنَّهُ إِنَّمَا أَرَادَ أَنْ يَأْخُذَ فَضْلَ حِنْطَتِهِ الْجَيِّدَةِ ، حِينَ جَعَلَ مَعَهَا الدَّقِيقَ ، فَهَذَا لا يَصْلُحُ .

وہ آدھا مد آٹا اور آدھا مد گندم کو اکٹھا کر کے پھر اسے ایک مد گندم کے عوض بیچ دے تو وہ اسی طرح ہو جائے گا جو ہم نے (ابھی پیچھے) بیان کیا ہے، یہ درست نہیں ہے، کیونکہ بلاشبہ اس (صورت میں اس آدھا مد گندم والے) نے یہ چاہا ہے کہ اپنی عمدہ قسم کی گندم کی فضیلت وعمدگی (کا نفع) حاصل کر سکے جس وقت کہ اس نے اس کے ساتھ آٹا ملایا (تا کہ دوسرے کی گھٹیا قسم کی ایک مد گندم کے ساتھ وزن پورا کر لے، تو چونکہ یہ محض ایک حیلہ ہے اس لیے) یہ جائز نہیں ہے۔

23- بَابٌ: جَامِعُ بَيْعِ الطَّعَامِ
اناج بیچنے کے متفرق مسائل کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں دو مقطوع روایات (آثار تابعین) ہیں جن میں سے ایک صحیح اور ایک ضعیف ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے آٹھ فتاویٰ جات بھی مذکور ہیں۔

[1356] حَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي مَرْيَمَ ، أَنَّهُ سَأَلَ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ فَقَالَ : إِنِّي رَجُلٌ أَبْتَاعُ الطَّعَامَ يَكُونُ مِنَ الصُّكُوكِ بِالْجَارِ ، فَرُبَّمَا ابْتَعْتُ مِنْهُ بِدِينَارٍ وَنِصْفِ دِرْهَمٍ ، فَأُعْطِي بِالنِّصْفِ طَعَاماً ؟ فَقَالَ سَعِيدٌ : لا ، وَلَكِنْ أَعْطِ أَنْتَ دِرْهَماً ، وَخُذْ بَقِيَّتَهُ طَعَاماً .

محمد بن عبداللہ بن ابی مریم سے روایت ہے، انھوں نے سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے سوال کیا اور کہا کہ یقیناً میں ایک ایسا شخص ہوں جو (ساحل سمندر پر واقع) "جار" نامی جگہ میں سندوں (اور چیکوں) کے ذریعے ملنے والے اناج کو خریدتا ہوں، چنانچہ بسا اوقات میں اس اناج میں سے کچھ (حصہ) ایک دینار اور نصف درہم کے عوض خرید لیتا ہوں، تو کیا (جب قیمت دینے لگوں تو) نصف درہم کی جگہ کوئی اناج (بدلے میں) دے دیتا ہوں؟ تو سعید (بن مسیب رحمہ اللہ) نے فرمایا: ایسا نہ کیا کرو، بلکہ تم (قیمت ادا کرتے وقت) پورا ایک درہم دے دیا کرو اور باقی ماندہ نصف درہم (جو تم نے زائد دے دیا، اس) کی جگہ کوئی اناج خرید لیا کرو۔

فائدہ :...... کیونکہ جب کسی اناج کے تبادلے میں دینار اور کچھ غلہ دیا جائے گا تو یہ غلے کی غلے کے بدلے، کمی بیشی والی بیع شمار ہو جائے گی جو کہ حرام ہے، ہاں اگر یوں ہو کہ قیمت کی ادائیگی میں کچھ زائد پیسے دے دیے جائیں تو پہلی بیع مکمل ہو چکی ہوگی کہ جس میں اناج کو نقدی ہی کے بدلے خریدا گیا، پھر جو بقایا جات لینا ہوں ان کی جگہ مزید اناج خرید لیا جائے تو یہ ایک نئی بیع ہوگی۔ "جار" نامی جگہ پر سرکاری چیک دیکھ کر غلہ تقسیم کیا جاتا تھا، اس کے متعلق پیچھے باب: 19 میں بھی دو روایات: (1345، 1347) گزر چکی ہیں۔

[1356] (مقطوع صحيح) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

[1357] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، أَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ سِيرِينَ كَانَ يَقُولُ: لَا تَبِيعُوا الْحَبَّ فِي سُنْبُلِهِ حَتَّى يَبْيَضَّ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ بے شک محمد بن سیرین رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے: دانے کو اس کے سٹے میں مت بیچو یہاں تک کہ وہ سفید ہو جائے۔

فائدہ:......جس طرح پھلوں کی خرید وفروخت ان کی صلاحیت اور ان کا پکنا ظاہر ہونے سے پہلے ممنوع ہے، اسی طرح کھڑی فصل کے اناج کو سٹوں ہی میں بیچنا اس وقت تک ممنوع ہے جب تک کہ وہ سفید نہ ہو جائیں، مختلف قسم کے اناج کے سٹے پکنے پر مختلف رنگ پکڑتے ہیں، اس وقت دانہ سخت ہو چکا ہوتا ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ سے بھی یہی بات ثابت ہے۔ (صحیح مسلم: 1535) دانوں کا عمومی استعمال تو ان کے مکمل پک جانے پر ہی ہوتا ہے، اس لیے ان کے متعلق یہی فرمایا کہ جب سٹے اپنا رنگ پکڑ لیں اور کٹائی کے قابل ہو جائیں، جبکہ پھل اپنے پکنے کے آغاز میں بھی قابل استعمال ہوتے ہیں، اس لیے ان کے متعلق پکنے کے آغاز کی قید لگائی، یاد رہے کہ اگر کوئی اناج والی فصل چارے کے طور پر استعمال کرنا مقصود ہو تو پھر اس کی حیثیت اناج والی نہ رہے گی لہٰذا اس پر مذکورہ پابندی بھی نہ رہے گی، اور چارے کے طور پر تو سٹے پکنے سے پہلے ہی اسے بیچا جائے گا۔

قَالَ مَالِكٌ: مَنِ اشْتَرَى طَعَامًا بِسِعْرٍ مَعْلُومٍ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى، فَلَمَّا حَلَّ الْأَجَلُ قَالَ الَّذِي عَلَيْهِ الطَّعَامُ لِصَاحِبِهِ: لَيْسَ عِنْدِي طَعَامٌ، فَبِعْنِي الطَّعَامَ الَّذِي لَكَ عَلَيَّ إِلَى أَجَلٍ، فَيَقُولُ صَاحِبُ الطَّعَامِ: هَذَا لَا يَصْلُحُ، لِأَنَّهُ قَدْ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ بَيْعِ الطَّعَامِ حَتَّى يُسْتَوْفَى، فَيَقُولُ الَّذِي عَلَيْهِ الطَّعَامُ لِغَرِيمِهِ: فَبِعْنِي طَعَامًا إِلَى أَجَلٍ حَتَّى أَقْضِيَكَهُ. فَهَذَا لَا يَصْلُحُ، لِأَنَّهُ إِنَّمَا يُعْطِيهِ طَعَامًا، ثُمَّ يَرُدُّهُ إِلَيْهِ، فَيَصِيرُ الذَّهَبُ الَّذِي أَعْطَاهُ ثَمَنَ الطَّعَامِ الَّذِي كَانَ لَهُ عَلَيْهِ، وَيَصِيرُ الطَّعَامُ الَّذِي أَعْطَاهُ مُحَلِّلًا فِيمَا

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جس شخص نے ایک معلوم بھاؤ کے ساتھ معلوم مدت تک (بیع سلم، بیع سلف کی صورت میں) اناج خریدا، (قیمت پیشگی ادا کر دی اور مطلوبہ اناج کی وصولی کا وقت مقرر کر دیا،) پھر جب مقررہ مدت آئی تو جس شخص کے ذمے اناج تھا (یعنی مسلم الیہ) اپنے ساتھی (خریدار) سے کہنے لگا کہ میرے پاس اناج نہیں ہے، لہٰذا تم وہی اناج جو تمھارے لیے میرے ذمے ہے، مجھے ایک وقت مقررہ تک بیچ دو تو اناج (کے مطالبے) والا شخص کہتا ہے کہ یہ درست نہیں کیونکہ یقیناً رسول اللہ ﷺ نے اناج کو بیچنے سے منع فرمایا ہے یہاں تک کہ اسے پورا پورا وصول کر لیا جائے، (تو پھر اسے بیچا جا سکتا ہے اور میں تمھیں کیسے بیچ دوں جبکہ وہ میرے قبضے ہی میں نہیں آیا، نیز اس میں

[1357] (مقطوع ضعیف) بیهقی فی السنن الکبریٰ: 304/5 (10617)۔ وفی معرفة السنن والآثار: 327/4 (3412)۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے۔

بَيْنَهُمَا ، وَيَكُونُ ذَلِكَ إِذَا فَعَلَاهُ بَيْعَ الطَّعَامِ قَبْلَ أَنْ يُسْتَوْفَى .

ایک یہ خرابی بھی ہے کہ یہ قرض کو قرض کے بدلے بیچا جا رہا ہے)، چنانچہ وہ شخص جس کے ذمے اناج (کی ادائیگی) ہے وہ اپنے قرض خواہ (قیمت ادا کرنے والے خریدار یعنی رب السلم) سے کہتا ہے کہ پھر تم مجھے کوئی (اور) اناج ایک میعاد تک (ادھار) بیچ دو، (میں اسے لے لیتا ہوں) تاکہ میں تمھیں وہ (تمھارے مطلوبہ اناج کی حیثیت سے) ادا کر دوں، تو یہ (حیلہ وفریب بھی) درست نہیں ہے، کیونکہ بلاشبہ وہ (پیشگی قیمت دینے والا) اسے اناج دے گا، پھر وہ دوسرا شخص اسے اسی پر لوٹا دے گا (تو معاملہ پھر بھی وہیں اٹکا رہا)، چنانچہ وہ سونا (یعنی قیمت) جو اس (مشتری) نے اسے دیا تھا وہ اسی اناج کی قیمت بن جائے گا جو اس (مشتری) کا اس (بائع) کے ذمے (پہلے ہی سے) تھا اور یہ (دوسرا) اناج جو اس (مشتری) نے (بائع ہی کو بیچا) تو یہ ان دونوں کے درمیان صرف محلل (حلال بنانے والی چیز) قرار پایا، اور جب وہ ایسا کریں گے تو یہ بھی اناج پورا پورا لے لینے سے پہلے ہونے والی بیع ہوگی۔

فائدہ :...... کیونکہ اس دوسری بیع کی وجہ سے دراصل اسی بیع کو حلال کرنا مقصود ہے جو بائع کے پیش نظر تھی اور وہ ممنوع ہے کیونکہ اس میں قبل از قبضہ اناج بیچا جا رہا ہے...... امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک چونکہ اس طرح کے حیلے حرام ہیں، اس لیے حیلے کی صورت نکال کر جو حکم پہلے لاگو ہوتا ہے وہی بعد میں بھی بحال رہے گا۔ واللہ اعلم

قَالَ مَالِكٌ فِي رَجُلٍ لَهُ عَلَى رَجُلٍ طَعَامٌ ابْتَاعَهُ مِنْهُ ، وَلِغَرِيمِهِ عَلَى رَجُلٍ طَعَامٌ مِثْلُ ذَلِكَ الطَّعَامِ ، فَقَالَ الَّذِي عَلَيْهِ الطَّعَامُ لِغَرِيمِهِ : أُحِيلُكَ عَلَى غَرِيمٍ لِي ، عَلَيْهِ مِثْلُ الطَّعَامِ الَّذِي لَكَ عَلَيَّ ، بِطَعَامِكَ الَّذِي لَكَ عَلَيَّ . قَالَ مَالِكٌ : إِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الطَّعَامُ ، إِنَّمَا هُوَ طَعَامٌ ابْتَاعَهُ ، فَأَرَادَ أَنْ يُحِيلَ غَرِيمَهُ بِطَعَامٍ ابْتَاعَهُ ، فَإِنَّ ذَلِكَ لَا يَصْلُحُ ، وَذَلِكَ بَيْعُ الطَّعَامِ قَبْلَ أَنْ يُسْتَوْفَى ، فَإِنْ كَانَ الطَّعَامُ سَلَفاً حَالاً ، فَلَا بَأْسَ أَنْ يُحِيلَ بِهِ غَرِيمَهُ ، لِأَنَّ ذَلِكَ لَيْسَ بِبَيْعٍ .

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جس کا کچھ اناج ایک دوسرے شخص کے ذمے ہو اور (پہلے شخص) نے وہ اناج اس (دوسرے شخص) سے خریدا تھا، (بیع سلف کے طور پر اس سے اناج خریدنا طے کر رکھا تھا لیکن وقت مقرر پر وہ دوسرا شخص یہ اناج ادا نہ کر پایا اور مقروض ہوگیا) اور اس مقروض کا بھی کسی اور (تیسرے) شخص کے ذمے اسی کے برابر اناج ہو، چنانچہ وہ (دوسرا) شخص جس کے ذمے اناج تھا، اپنے قرض خواہ (پہلے شخص) سے کہتا ہے کہ میں تمھیں اپنے مقروض (تیسرے شخص) کا حوالہ دیتا ہوں، جس کے ذمے میرا اسی قدر اناج ہے جو تمھارا میرے ذمے ہے تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر وہ (دوسرا) شخص جس کے ذمے اناج ہے اس نے وہ اناج خریدا تھا اور اب اس نے ارادہ کر لیا ہے کہ اپنے قرض خواہ کو اس خریدے ہوئے اناج کے بدلے (اپنے مقروض کا) ''حوالہ'' دے تو یقیناً یہ درست نہیں ہے، (کیونکہ اس کا معاملہ بیع کی شکل میں واقع ہوا تھا

اور اب وہ اپنے مقروض کے پاس موجود اناج کو اپنے قرض خواہ کے سپرد کرنا چاہتا ہے) اور یہ اناج کو قبضہ میں لینے سے پہلے ہی اس کی بیع کر لینا (شمار ہوتا) ہے، البتہ اگر وہ اناج ادھار کی حالت میں اس کے ذمے ہو تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ اس اناج کے سلسلے میں اپنے قرض خواہ کو ''حوالہ'' دے دے (اور اپنے مقروض سے وصول کرنے کا کہہ دے) کیونکہ بلاشبہ یہ بیع نہیں ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَلَا يَحِلُّ بَيْعُ الطَّعَامِ قَبْلَ أَنْ يُسْتَوْفَى، لِنَهْيِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ عَنْ ذَلِكَ، غَيْرَ أَنَّ أَهْلَ الْعِلْمِ قَدِ اجْتَمَعُوا عَلَى أَنَّهُ لَا بَأْسَ بِالشِّرْكِ وَالتَّوْلِيَةِ وَالْإِقَالَةِ، فِي الطَّعَامِ وَغَيْرِهِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اناج قبضے میں لینے سے پہلے اسے بیچنا حلال نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے، مگر بے شک اہل علم نے اس پر اجماع کیا ہے کہ شراکت، تولیت اور اقالہ (بیع فسخ کرنے) میں کوئی حرج نہیں ہے، اناج میں بھی اور اس کے علاوہ (اشیاء) میں بھی۔

فائدہ: ......ان تینوں چیزوں کا بیان آگے باب: 41 میں آ رہا ہے۔ جب آدمی کسی سے شراکت کرتا ہے تو اپنے شریک سے برابر نفع لیتا ہے، حالانکہ خود کچھ بھی اپنے قبضے میں نہیں لیتا۔ ''تولیت'' بغیر نفع لیے محض لاگت پر بیچنے کو کہتے ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ: وَذَلِكَ أَنَّ أَهْلَ الْعِلْمِ أَنْزَلُوهُ عَلَى وَجْهِ الْمَعْرُوفِ، وَلَمْ يُنْزِلُوهُ عَلَى وَجْهِ الْبَيْعِ، وَذَلِكَ مِثْلُ الرَّجُلِ يُسَلِّفُ الدَّرَاهِمَ النُّقَّصَ، فَيُقْضَى دَرَاهِمَ وَازِنَةً فِيهَا فَضْلٌ، فَيَحِلُّ لَهُ ذَلِكَ وَيَجُوزُ، وَلَوِ اشْتَرَى مِنْهُ دَرَاهِمَ نُقَّصاً بِوَازِنَةٍ لَمْ يَحِلَّ ذَلِكَ، وَلَوِ اشْتَرَطَ عَلَيْهِ حِينَ أَسْلَفَهُ وَازِنَةً، وَإِنَّمَا أَعْطَاهُ نُقَّصاً لَمْ يَحِلَّ لَهُ ذَلِكَ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور یہ اس وجہ سے ہے کہ بے شک اہل علم نے ان کو رواج اور دستور کا ایک طریقہ شمار کیا ہے اور وہ اسے بیع شمار نہیں کرتے اور اس کی مثال ایسے ہے کہ ایک آدمی دوسرے شخص کو ناقص درہم ادھار پر دے، پھر وہ اسے پورے وزن والے کامل درہم واپس ادا کر دے جن میں (اس کے درہموں کے وزن پر) اضافہ ہو تو یہ اس کے لیے حلال اور جائز ہوگا، لیکن اگر وہ اس سے ناقص درہم، کامل درہموں کے عوض خریدتا تو یہ اس کے لیے حلال نہ تھا، اور اگر وہ اسے ادھار دیتے وقت کامل درہموں کی ادائیگی کی شرط لگا لیتا حالانکہ خود اس کو ناقص وزن والے درہم دیتا تو یہ بھی اس کے لیے حلال نہ ہوتا۔

قَالَ مَالِكٌ: وَمِمَّا يُشْبِهُ ذَلِكَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهَى عَنْ بَيْعِ الْمُزَابَنَةِ، وَأَرْخَصَ فِي بَيْعِ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اسی کے مشابہ یہ معاملہ ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے بیع مزابنہ (دیکھیے باب: 13)

الْعَرَايَا بِخَرْصِهَا مِنَ التَّمْرِ، وَإِنَّمَا فُرِقَ بَيْنَ ذَلِكَ أَنَّ بَيْعَ الْمُزَابَنَةِ بَيْعٌ عَلَى وَجْهِ الْمُكَايَسَةِ وَالتِّجَارَةِ، وَأَنَّ بَيْعَ الْعَرَايَا عَلَى وَجْهِ الْمَعْرُوفِ، لَا مُكَايَسَةَ فِيهِ.

سے منع فرمایا ہے اور عرایا (عاریتاً دیے ہوئے درختوں کے پھل) کو ان کا اندازہ لگا کر خشک کھجور کے عوض بیچنے میں رخصت عطا کی ہے، اور بلاشبہ اس میں بھی فرق یہی ہے کہ مزابنہ ہوشیاری اور تجارت کے طور پر ہونے والی ایک بیع اور عرایا کی بیع ایک دستور کے مطابق (غرباء پر احسان وعنایت کی شکل) ہے، اس میں کوئی ہوشیاری وچالاکی نہیں ہوتی۔

قَالَ مَالِكٌ: وَلَا يَنْبَغِي أَنْ يَشْتَرِيَ رَجُلٌ طَعَامًا بِرُبُعٍ أَوْ بِثُلُثٍ أَوْ بِكِسْرٍ مِنْ دِرْهَمٍ، عَلَى أَنْ يُعْطَى بِذَلِكَ طَعَامًا إِلَى أَجَلٍ، وَلَا بَأْسَ أَنْ يَبْتَاعَ الرَّجُلُ طَعَامًا بِكِسْرٍ مِنْ دِرْهَمٍ إِلَى أَجَلٍ، ثُمَّ يُعْطِي دِرْهَمًا، وَيَأْخُذُ بِمَا بَقِيَ لَهُ مِنْ دِرْهَمِهِ سِلْعَةً مِنَ السِّلَعِ، لِأَنَّهُ أَعْطَى الْكِسْرَ الَّذِي عَلَيْهِ فِضَّةً، وَأَخَذَ بِبَقِيَّةِ دِرْهَمِهِ سِلْعَةً، فَهَذَا لَا بَأْسَ بِهِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ جائز نہیں کہ آدمی چوتھائی درہم یا تہائی درہم یا (پورے) درہم کے کسی ایک حصے کے عوض اناج خریدے (قیمت نقدی کی شکل میں طے کرے لیکن) اس شرط پر کہ وہ اس (نقدی) کے بدلے ایک میعاد پر اناج ہی ادا کرے گا (تو یہ واضح طور پر اناج کی اناج کے بدلے بیع ہے جس میں ادھار شامل ہو رہا ہے اور نقدی وسکے کا نام محض حیلہ سازی کے طور پر لیا جا رہا ہے)......اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ آدمی درہم کے کچھ حصے کے عوض ایک میعاد پر اناج خریدے، پھر اسے پورا درہم ادا کر دے اور اپنے درہم کے باقی ماندہ (زائد) حصے کے بدلے کسی قسم کا کوئی سامان خرید لے، کیونکہ اس نے درہم کا وہ حصہ جو اس کے ذمے تھا، وہ چاندی ہی کی شکل میں ادا کیا ہے اور اپنے باقی ماندہ درہم (چاندی) کے بدلے کوئی سامان خرید لیا ہے، لہٰذا اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

فائدہ: ......اناج کی بیع تو درہم ہی سے ہوئی، جب اس نے پورا درہم دیا تھا تو اس میں سے اناج کی قیمت ادا ہو کر معاملہ ختم ہو چکا تھا، اب درہم کا کچھ حصہ بائع کے پاس زائد بچ گیا تھا تو اس سے نئی بیع کر کے کچھ اور سامان وغلہ وغیرہ خرید لیا۔

قَالَ مَالِكٌ: وَلَا بَأْسَ أَنْ يَضَعَ الرَّجُلُ عِنْدَ الرَّجُلِ دِرْهَمًا، ثُمَّ يَأْخُذُ مِنْهُ بِرُبُعٍ أَوْ بِثُلُثٍ أَوْ بِكِسْرٍ مَعْلُومٍ سِلْعَةً مَعْلُومَةً، فَإِذَا لَمْ يَكُنْ فِي ذَلِكَ سِعْرٌ مَعْلُومٌ، وَقَالَ الرَّجُلُ: آخُذُ مِنْكَ بِسِعْرِ كُلِّ يَوْمٍ، فَهَذَا لَا يَحِلُّ، لِأَنَّهُ غَرَرٌ، يَقِلُّ مَرَّةً وَيَكْثُرُ مَرَّةً، وَلَمْ يَفْتَرِقَا عَلَى

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ ایک آدمی دوسرے کے پاس ایک درہم (مثلاً بطور امانت) رکھوائے، پھر اس کے تہائی یا چوتھائی یا کسی معلوم حصے کے عوض معلوم ومتعین سامان وصول کر لے، لیکن جب یہ وصولی معلوم بھاؤ کے عوض نہ ہو اور آدمی صرف یہ کہہ دے کہ میں تم سے ہر دن کے بھاؤ کے عوض وصول کرتا رہوں گا تو یہ

بَيْعِ مَعْلُومٍ.

ناجائز ہے، کیونکہ اس میں دھوکا ہے، بھاؤ تو کبھی کم پڑ جاتا ہے اور کبھی بڑھ جاتا ہے اور (یہ بیع اس وجہ سے بھی ناجائز ہے کہ) وہ دونوں کوئی بیع طے کر کے جدا نہیں ہوئے ہوتے۔

فائدہ: ......اور یہ ایک بیع میں کئی بار بیع کرنا بن جائے گا جسے "بعیتین فی بیعة" کہتے ہیں اور وہ حرام اور ممنوع بیع ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَمَنْ بَاعَ طَعَاماً جِزَافاً، وَلَمْ يَسْتَثْنِ مِنْهُ شَيْئاً، ثُمَّ بَدَا لَهُ أَنْ يَشْتَرِيَ مِنْهُ شَيْئاً، فَإِنَّهُ لا يَصْلُحُ لَهُ أَنْ يَشْتَرِيَ مِنْهُ شَيْئاً، إِلَّا مَا كَانَ يَجُوزُ لَهُ أَنْ يَسْتَثْنِيَ مِنْهُ، وَذَلِكَ الثُّلُثُ فَمَا دُونَهُ، فَإِنْ زَادَ عَلَى الثُّلُثِ صَارَ ذَلِكَ إِلَى الْمُزَابَنَةِ، وَإِلَى مَا يُكْرَهُ، فَلا يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَشْتَرِيَ مِنْهُ شَيْئاً، إِلَّا مَا كَانَ يَجُوزُ لَهُ أَنْ يَسْتَثْنِيَ مِنْهُ، وَلا يَجُوزُ لَهُ أَنْ يَسْتَثْنِيَ مِنْهُ إِلَّا الثُّلُثَ، فَمَا دُونَهُ، وَهَذَا الأَمْرُ الَّذِي لا اخْتِلَافَ فِيهِ عِنْدَنَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور جس شخص نے تخمینہ لگا کر طعام (اناج) بیچا اور اس میں سے کچھ بھی مستثنیٰ نہ کیا، پھر اس کے دل میں آئے کہ اس میں سے کچھ (واپس) خرید لے تو بلاشبہ اس میں سے کچھ بھی خریدنا درست نہ ہوگا، سوائے اس (مقدار) کے کہ جس میں اس کے لیے استثناء کرنا جائز ہو جاتا ہے، اور وہ تہائی حصہ یا اس سے کم مقدار ہے، چنانچہ اگر وہ تہائی سے اضافہ کرتا ہے تو یہ صورت ''مزابنہ'' میں تبدیل ہو جائے گی اور وہ صورت بن جائے گی جو ناپسند (اور ناجائز) ہے، لہٰذا اس کے لیے جائز نہیں کہ اس (تخمینہ سے بیچے ہوئے غلے) میں سے کچھ خریدے، سوائے اس کے جس کو مستثنیٰ کرنا اس کے لیے جائز تھا، اور (بہر حال) اس میں سے تہائی یا اس سے بھی کم کے علاوہ استثناء کرنا ناجائز ہے......امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: یہی وہ حکم ہے کہ جس میں ہمارے ہاں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

فائدہ: ......بہرحال رسول اللہ ﷺ سے اس استثناء کو تہائی حصے تک محدود رکھنا ثابت نہیں، بلکہ آپ ﷺ کے فرمان میں تو عموم ہے، جمہور کے نزدیک بھی تہائی یا تہائی سے زیادہ استثناء کرنا جائز ہے بشرطیکہ متعین ہو، جیسا کہ پیچھے باب: 11 میں بھی اس کی طرف اشارہ گزر چکا ہے۔

24- بَابٌ: الْحُكْرَةُ وَالتَّرَبُّصُ

ذخیرہ اندوزی کرنے اور (ریٹ بڑھ جانے کا) انتظار کرنے کا بیان

خلاصة الباب: اس باب میں تین موقوف روایات (آثار صحابہ) ہیں جن میں سے دو ضعیف اور ایک سنداً صحیح ہے۔

فائدہ: ......اس عمل کو ''احتکار'' بھی کہتے ہیں۔ ذخیرہ اندوزی کرنے کی مختلف صورتیں ہیں جیسا کہ کوئی شخص اپنے سال بھر کے کھانے کے لیے یا آئندہ فصل کا بیج بونے کے لیے ذخیرہ کرے یا حاکم سال بھر ایک تناسب سے منڈی میں اشیاء مہیا کرنے کے لیے ذخیرہ کرے، ذخیرہ اندوزی کی ہر صورت ممنوع نہیں ہے، بلکہ صرف یہ شکل منع ہے

کہ آدمی عوام اور خلق خدا کی شدید ضرورت یا قحط سالی کے انتظار میں مال ذخیرہ کر چھوڑے اور پھر منہ مانگے دام کمائے اور بلیک مارکیٹنگ کے ذریعے مال فروخت کرے۔

[1358] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ: لَا حُكْرَةَ فِي سُوقِنَا، لَا يَعْمِدُ رِجَالٌ بِأَيْدِيهِمْ فُضُولٌ مِنْ أَذْهَابٍ، إِلَى رِزْقٍ مِنْ رِزْقِ اللّٰهِ نَزَلَ بِسَاحَتِنَا، فَيَحْتَازُونَهُ عَلَيْنَا، فَيَحْتَكِرُونَهُ، وَلَكِنْ أَيُّمَا جَالِبٍ جَلَبَ عَلَى عَمُودِ كَبِدِهِ فِي الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ، فَذَلِكَ ضَيْفُ عُمَرَ، فَلْيَبِعْ كَيْفَ شَاءَ اللّٰهُ، وَلْيُمْسِكْ كَيْفَ شَاءَ اللّٰهُ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ بے شک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہمارے بازار میں کوئی ذخیرہ اندوزی جائز نہیں ہے، وہ (مقامی) لوگ جن کے پاس زائد سونا (زائد نقدیاں اور روپیہ) ہوتو وہ اللہ کے رزق میں سے کسی ایسے رزق کی طرف قصد نہ کریں جو ہمارے صحن (علاقے اور بازار) میں آچکا ہو کہ پھر وہ اسے (خرید کر) ہمیں (مہنگا بیچنے کے لیے) اس کی ذخیرہ اندوزی کر لیں، البتہ (بیرونی جگہوں سے) مال لانے والا شخص جو سردی وگرمی میں اپنے جگر کے ستون پر (یعنی پشت پر اٹھا کر اور مشقت برداشت کر کے) سامان لائے تو وہ عمر کا مہمان ہے، وہ جیسے اللہ چاہے بیچتا رہے اور جیسے اللہ چاہے وہ اسے روکے رکھے۔

فائدہ: ......یعنی بیرونی مقامات سے آنے والے تاجر حضرات ذخیرہ اندوزی کر سکتے ہیں، ان پر تین وجہ سے پابندی نہیں لگائی، ایک اس لیے کہ مدینہ منورہ میں غلہ لانے والے خوش رہیں اور درآمدات کا سلسلہ رکنے نہ پائے، دوسری وجہ یہ تھی کہ جب وہ خود کو اس پابندی سے محفوظ اور مستثنیٰ سمجھتے ہوئے زیادہ سامان لائیں گے تو از خود ہی مدینے کا بھاؤ اور نرخ کم ہو جائے گا اور تیسرا سبب یہ تھا کہ بیرونی لوگ آخر کب تک ذخیرہ اندوزی کر سکیں گے، ان کا ذخیرہ کرنا چند روز تک محدود رہے گا وہ بالکل نقصان دہ نہیں ہے...... جگر کے ستون پر سامان لانے کے مختلف مفہوم بیان کیے گئے ہیں، مثلاً (1) جگر کو قائم رکھنے والی چیز اور ستون کا کام دینے والا حصہ جسم ''پشت'' ہے اور پشت پر سامان اٹھا کر لانا مراد ہے۔ (2) یہ محض ایک محاورہ ہے اور اس سے مراد مشقت اور تھکاوٹ برداشت کرنا ہے۔ (3) اس سے مراد بوجھ اٹھانے والے جانور ہیں کیونکہ باہر سے آنے والے لوگ اونٹوں پر سامان لاتے تھے نہ کہ پشت پر اٹھا کر۔ واللہ اعلم...... خیال رہے کہ یہ روایت سنداً ضعیف ہے، اگر عوام کو کسی چیز کی انتہائی ضرورت ہو، اور مقامی یا بیرونی کسی بھی شخص کے پاس وہ چیز تجارت کے لیے ذخیرہ شدہ موجود ہو تو حاکم اسے جبراً عام نرخ پر بکوائے گا۔

[1358] (موقوف ضعیف) عبدالرزاق: 14900۔ بیہقی: 30/6 (11152)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

[1359] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يُونُسَ بْنِ يُوسُفَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ مَرَّ بِحَاطِبِ بْنِ أَبِي بَلْتَعَةَ، وَهُوَ يَبِيعُ زَبِيباً لَهُ بِالسُّوقِ، فَقَالَ لَهُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: إِمَّا أَنْ تَزِيدَ فِي السِّعْرِ، وَإِمَّا أَنْ تُرْفَعَ مِنْ سُوقِنَا.

سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے، وہ اس وقت بازار میں اپنا منقیٰ (نہایت سستے داموں) فروخت کر رہے تھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: یا تو تم بھی اپنے نرخ میں اضافہ کر لو یا پھر ہمارے بازار سے چلے جاؤ۔

فائدہ :...... یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اجتہاد ہے کہ بازار کے عمومی ریٹ کو خراب نہیں کرنا چاہیے، رہی یہ بات کہ کیا دکاندار کے متعینہ نرخ پر مال خریدنا لازم ہے تو اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے، گاہکوں کو تھوڑی بہت رعایت دینا اور بھاؤ کم لگانا کسی کے ہاں بھی معیوب نہیں۔ اس حدیث کا باب کے عنوان سے ربط۔ واللہ اعلم۔ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو سامان لے جانے کا کہہ دیا اور سامان بازار میں نہ لانا ہی تو ذخیرہ اندوزی ہے، گویا جب کوئی چیز بازار میں عام دستیاب ہو تو پھر اس چیز کو ذخیرہ کر لینا ممنوع نہیں ہے، ذخیرہ اندوزی ہی تو سارا سال چیزوں کے دستیاب رہنے کا ذریعہ ہے، ممانعت صرف اس وقت ہے جب لوگوں کو شدید حاجت ہو اور آدمی ریٹ بڑھنے کا منتظر ہو۔

[1360] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ كَانَ يَنْهَى عَنِ الْحُكْرَةِ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ بے شک حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ذخیرہ اندوزی سے منع فرمایا کرتے تھے۔

فائدہ :...... ذخیرہ اندوزی کی ممانعت میں مختلف روایات منقول ہیں جن میں سے صحیح روایت صرف یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَنِ احْتَكَرَ فَهُوَ خَاطِئٌ)) ''جس نے بھی ذخیرہ اندوزی کی وہ خطا کار ہے۔'' (مسلم: 1605) جمہور کے نزدیک صرف اور صرف انسانوں اور جانوروں کی اشیائے خوردنی کی ذخیرہ اندوزی ممنوع ہے۔ امام مالک اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے ہاں ہر چیز میں احتکار ممنوع ہے جس وقت کہ بازار میں اور عوام کو اس کی شدید طلب ہو۔ یہی موقف راجح ہے۔ واللہ اعلم

25- بَابٌ: مَا يَجُوزُ مِنْ بَيْعِ الْحَيَوَانِ بَعْضِهِ بِبَعْضٍ وَالسَّلَفِ فِيهِ

جانوروں کی ایک دوسرے کے بدلے خرید وفروخت اور اس میں ادھار کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں تین روایات ہیں، دو موقوف (آثار صحابہ) ہیں جن میں سے ایک صحیح اور ایک

[1359] (موقوف صحیح) عبدالرزاق: 207/8 (14905، 14906)۔ بیہقی: 29/6 (11146)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

[1360] (موقوف ضعیف) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔

ضعیف ہے اور ایک روایت مقطوع (اثر تابعی) ہے جس کی سند صحیح ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے اس میں پانچ فتاویٰ جات بھی مذکور ہیں۔

فائدہ: ......رسول اللہ ﷺ نے ایک غلام کا دو غلاموں کے عوض تبادلہ کیا۔ (صحیح مسلم: 1602) ایک غزوے کے لیے آپ ﷺ نے ادھار اونٹ لینے کا حکم دیا تو ایک اونٹ دو دو اونٹوں کے بدلے لیا گیا جن کی ادائیگی کا وقت زکاۃ کے اونٹوں کی آمد تک مؤخر کیا گیا۔ (ابوداود: 3357، احمد: 171/2، اس کی سند حسن ہے۔ ارواء الغلیل: 1358) یہ دونوں روایات واضح کر رہی ہیں کہ جانوروں کے باہمی تبادلے میں کمی بیشی بھی جائز ہے اور ادھار بھی، لیکن ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حیوان کو حیوان کے بدلے ادھار فروخت کرنے سے منع فرمایا تھا۔ (ابوداود: 3356، ترمذی: 1237، ابن ماجہ: 2270، اس کی سند حسن ہے) امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک یہ آخری روایت ناسخ ہے اور پہلی دونوں منسوخ ہیں اور جانوروں کی ادھار بیع منع ہے، لیکن جمہور کے نزدیک نسخ ثابت کرنے کے لیے تاریخ کا علم ہونا ضروری ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ کون سی روایت پہلے کی ہے اور کون سی بعد کی، احتمالات سے نسخ ثابت نہیں ہوتا اور اصولِ حدیث کا مسلمہ قاعدہ بھی یہی ہے۔ لہٰذا جمہور ان روایات میں تطبیق دیتے ہیں۔ امام مالک، امام شافعی رحمہما اللہ اور اہل حدیث نے یوں تطبیق دی ہے کہ اگر دونوں جانب ادھار ہو تو بیع حرام ہے اور اگر ایک طرف ادھار ہو تو جائز ہے۔ جانوروں میں قرض اور ادھار کا بیان آگے باب: 43 میں بھی آ رہا ہے، جمہور کے نزدیک اس کے جواز کی دلیل قتل خطا، قتل عمد اور قتل شبہ عمد کی دیتیں بھی ہیں جن میں قاتل کے خاندان پر سو اونٹ لازم ہوتے ہیں اور ادائیگی تک ان کے ذمے قرض رہتے ہیں خواہ اس میں کئی سال لگیں۔ حیرت ہے احناف پر کہ وہ حیوانات میں قرض کو جائز نہیں مانتے لیکن یہ اجازت دیتے ہیں کہ آقا اپنے غلام کو مکاتب بناتے وقت زر کتابت کسی معلوم شدہ جانور یا غلام یا لونڈی کی شکل میں متعین کر سکتا ہے، اور ظاہر بات ہے کہ مکاتب غلام جب تک اسے ادا نہ کرے گا وہ اس کے ذمے قرض رہے گا...... اسی طرح احناف یہ بھی کہتے ہیں کہ حق مہر میں کوئی جاندار چیز متعین کی جا سکتی ہے اور وہ بھی ادائیگی تک خاوند کے ذمے قرض ہی رہے گی۔ لہٰذا حیوانات میں قرض تو خود احناف کی زبانی بھی ثابت ہو گیا...... رہا کمی بیشی کا مسئلہ تو یہ بالاتفاق جائز ہے، البتہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک منافع کا یکساں نہ ہونا لازم ہے، چنانچہ جو کوئی سے دو جانور ایک جیسا نفع دیں تو ان کے تبادلے میں ان کے ہاں کمی بیشی درست نہیں اور اگر وہ الگ الگ منافع کے حامل ہوں تو پھر ایک کے بدلے کئی جانور بھی خریدے جا سکتے ہیں، لیکن جمہور کے ہاں ایسی کوئی شرط لازم نہیں ہے۔

[1361] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ حسن بن محمد بن علی بن ابی طالب سے روایت ہے کہ بے شک

[1361] (موقوف ضعیف) بیہقی فی السنن الکبریٰ: 288/5، 341، 22/6 (11099)۔ وفی معرفة السنن والآثار: 300/4 (3358)۔ عبدالرزاق: 22/8 (14142، 14143)۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے۔

صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ، عَنْ حَسَنِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ بَاعَ جَمَلاً لَهُ يُدْعَى عُصَيْفِيراً بِعِشْرِينَ بَعِيراً إِلَى أَجَلٍ.

(ان کے دادا) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اپنا ایک اونٹ جسے "عصیفیر" کے نام سے پکارا جاتا تھا، بیس اونٹوں کے بدلے ایک میعاد تک فروخت کیا۔

[1362] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ اشْتَرَى رَاحِلَةً بِأَرْبَعَةِ أَبْعِرَةٍ مَضْمُونَةٍ عَلَيْهِ، يُوفِيهَا صَاحِبَهَا بِالرَّبَذَةِ.

نافع سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک سواری والے اونٹ (یا اونٹنی) کو چار اونٹوں کے بدلے خریدا جو ان کی ضمانت میں تھے، جنھیں انھوں نے ربذہ مقام پر اس راحلہ کے مالک کے سپرد کرنا تھا۔

فائدہ:......انھوں نے ایک کے بدلے چار کی شکل میں کمی بیشی کو بھی جائز سمجھا اور سواری کا جانور نقد لے کر اپنے اونٹوں کو ایک میعاد تک مؤخر کر کے ربذہ مقام پر حوالے کرنے کی صورت میں ادھار بھی جائز سمجھا۔ ضمانت میں ہونے کا مطلب یہ تھا کہ وہ چار اونٹ کسی نہ کسی طرح پورے کریں گے، اگر ان میں سے کوئی مطلوبہ اونٹ ادائیگی سے قبل مر جاتا تو وہ اس کی جگہ کوئی اور ادا کریں گے۔

[1363] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ: أَنَّهُ سَأَلَ ابْنَ شِهَابٍ عَنْ بَيْعِ الْحَيَوَانِ اثْنَيْنِ بِوَاحِدٍ إِلَى أَجَلٍ؟ فَقَالَ: لَا بَأْسَ بِذَلِكَ.

امام مالک رحمہ اللہ نے ابن شہاب رحمہ اللہ سے حیوان کی بیع یعنی ایک جانور کے عوض دو جانوروں کو ایک میعاد تک (ادھار اور کمی بیشی سے) بیچنے کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: الْأَمْرُ الْمُجْتَمَعُ عَلَيْهِ عِنْدَنَا: أَنَّهُ لَا بَأْسَ بِالْجَمَلِ بِالْجَمَلِ مِثْلِهِ وَزِيَادَةِ دَرَاهِمَ يَداً بِيَدٍ، وَلَا بَأْسَ بِالْجَمَلِ بِالْجَمَلِ مِثْلِهِ وَزِيَادَةِ دَرَاهِمَ، الْجَمَلُ بِالْجَمَلِ يَداً بِيَدٍ،

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں یہ حکم متفقہ ہے کہ ایک اونٹ اسی جیسے ایک اونٹ اور کچھ زائد درہم کے عوض (سب کچھ) نقد و نقد (خریدنے) میں کوئی حرج نہیں ہے اور (اسی طرح) ایک اونٹ اسی جیسے ایک اونٹ اور کچھ

[1362] (موقوف صحيح) صحيح البخاري، كتاب البيوع، باب بيع العبيد والحيوان بالحيوان نسيئة، قبل از حديث: 2228- بيهقي: 22/6 (11100)- الشافعي في الام: 37/3- شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو شیخین کی شرط کے مطابق صحیح کہا ہے۔

[1363] (مقطوع صحيح) بيهقي في السنن الكبرىٰ: 22/6 (11101)- وفي معرفة السنن والآثار: 301/4 (3360)- الشافعي في الام: 37/3، 118، 256/7- شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

وَالدَّرَاهِمُ إِلَى أَجَلٍ.

زائد درہموں کے ساتھ اس طرح خریدنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے کہ اونٹ نقد و نقد ہوں اور درہم ایک میعاد تک (ادھار) ہوں۔

قَالَ: وَلَا خَيْرَ فِي الْجَمَلِ بِالْجَمَلِ مِثْلِهِ وَزِيَادَةِ دَرَاهِمَ، الدَّرَاهِمُ نَقْداً، وَالْجَمَلُ إِلَى أَجَلٍ، وَإِنْ أَخَّرْتَ الْجَمَلَ وَالدَّرَاهِمَ لَا خَيْرَ فِي ذٰلِكَ أَيْضاً.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اس صورت میں کوئی خیر نہیں (اور یہ ناجائز ہے) کہ ایک اونٹ اسی جیسے دوسرے اونٹ اور کچھ زائد درہموں کے عوض اس طرح ہو کہ درہم نقد ہوں اور اونٹ ادھار ہو۔ اور اگر اونٹ اور درہم دونوں ایک میعاد تک (ادھار کر دیے گئے) ہوں تو بھی اس میں کوئی خیر (اور جواز) نہیں ہے۔

فائدہ: ......امام مالک رحمہ اللہ نے ایک اونٹ کا دوسرے اونٹ اور کچھ نقدی کے عوض تبادلہ کرنے کی چار صورتیں بیان کی ہیں، جن سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ایسی صورت میں نقدی کو اکیلے یا اونٹ سمیت مؤخر اور ادھار کرنا درست نہیں ہے۔ ہمارے نزدیک چونکہ یہ تبادلہ نہ تو خور و نوش کی اجناس کا اجناس کے ساتھ ہے، اور نہ نقدی کا نقدی کے بدلے، اس لیے یہاں نہ نقد و نقد کی شرط ہے اور نہ برابری کی۔ لہٰذا سب صورتیں جائز ہیں، ہاں اگر دونوں طرف کے جانور ادھار ہوں تو یہ صورت حرام ہے۔ واللہ اعلم

قَالَ مَالِكٌ: وَلَا بَأْسَ أَنْ يَبْتَاعَ الْبَعِيرَ النَّجِيبَ بِالْبَعِيرَيْنِ, أَوْ بِالْأَبْعِرَةِ مِنَ الْحَمُولَةِ مِنْ مَاشِيَةِ الإِبِلِ، وَإِنْ كَانَتْ مِنْ نَعَمٍ وَاحِدَةٍ فَلَا بَأْسَ أَنْ يُشْتَرَى مِنْهَا اثْنَانِ بِوَاحِدٍ إِلَى أَجَلٍ، إِذَا اخْتَلَفَتْ فَبَانَ اخْتِلَافُهَا، وَإِنْ أَشْبَهَ بَعْضُهَا بَعْضاً، وَاخْتَلَفَتْ أَجْنَاسُهَا أَوْ لَمْ تَخْتَلِفْ، فَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا اثْنَانِ بِوَاحِدٍ إِلَى أَجَلٍ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ آدمی ایک عمدہ قسم کا اونٹ، بوجھ اٹھانے والے دو یا زیادہ اونٹوں کے عوض خریدے، اور (اسی طرح) اگر ایک ہی (جنس اور) قسم کے چوپایوں میں سے یہ خرید و فروخت ہو تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں کہ ان میں سے دو کو ایک کے بدلے میعاد تک خریدا جائے، (بشرطیکہ) جب وہ جانور (منافع کے اعتبار سے) مختلف ہوں اور ان کا یہ مختلف ہونا واضح ہو۔ اور اگر وہ جانور (منافع میں) ایک دوسرے کے مشابہ ہوں تو پھر خواہ ان کی جنسیں مختلف ہوں یا نہ ہوں (ہر صورت میں) ان میں سے دو کو ایک کے بدلے میعاد تک نہ لیا جائے گا۔

فائدہ: ......امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اگر دو اونٹ ہر اعتبار سے ایک جیسے ہوں یا ایک اونٹ اور ایک بیل

منافع کے اعتبار سے یکساں ہوں تو پھر صرف انھی کا باہم تبادلہ ہوسکتا ہے۔ جمہور کے ہاں یہ شرط نہیں ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَتَفْسِيرُ مَا كُرِهَ مِنْ ذَلِكَ أَنْ يُؤْخَذَ الْبَعِيرُ بِالْبَعِيرَيْنِ لَيْسَ بَيْنَهُمَا تَفَاضُلٌ ، فِي نَجَابَةٍ وَلَا رِحْلَةٍ ، فَإِذَا كَانَ هَذَا عَلَى مَا وَصَفْتُ لَكَ فَلَا يُشْتَرَى مِنْهُ اثْنَانِ بِوَاحِدٍ إِلَى أَجَلٍ ، وَلَا بَأْسَ أَنْ تَبِيعَ مَا اشْتَرَيْتَ مِنْهَا قَبْلَ أَنْ تَسْتَوْفِيَهُ ، مِنْ غَيْرِ الَّذِي اشْتَرَيْتَهُ مِنْهُ إِذَا انْتَقَدْتَ ثَمَنَهُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اس خرید وفروخت میں سے جو کچھ ناپسند (اور ناجائز) ہے اس کی وضاحت کچھ یوں ہے کہ ایک اونٹ کو دو کے بدلے لیا جائے (حالانکہ) ان دونوں (جانبوں کے جانوروں) میں عمدہ ہونے اور سواری (یا بوجھ اٹھانے کے قابل ہونے) کے معاملے میں کوئی فرق اور کمی بیشی نہیں ہے (بلکہ سب کے سب منافع میں یکساں ہیں)، چنانچہ جب معاملہ اس طرح ہو جیسا کہ میں نے تمھارے لیے بیان کیا ہے تو پھر ان میں سے ایک کے بدلے دو اونٹ میعاد تک نہ خریدے جائیں، اور (پھر) ان میں سے جس جانور کو تم خرید لو تو اسے قبضے میں لینے سے پہلے اس شخص کے ہاتھ بیچ دینے میں کوئی حرج نہیں جو علاوہ ہے اس آدمی کے کہ جس سے تم نے اسے خریدا تھا (بشرطیکہ) جب تم اسے نقد قیمت دے چکے ہو۔

فائدہ : ......یعنی قیمت کی ادائیگی کے بعد وہ جانور تمھارا ہوگیا ہے، لہٰذا تم اسے کسی تیسرے شخص کے ہاتھ بیچنا چاہو تو قبضے میں لینے سے پہلے بھی بیچ سکتے ہو، کیونکہ (امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک) قبضے میں لینے کی شرط صرف اناج اور خورد نوش کی اشیاء میں ہے، ہاں اگر ابھی قیمت ادا نہ کی ہو تو پھر بھی ناجائز ہے اور قبضہ میں لیے بغیر اسی شخص کے ہاتھ بیچنا بھی ناجائز ہے کہ جس سے تم نے وہ جانور خریدا تھا، کیونکہ اس وقت جانور کی بیع تو محض ایک حیلہ ہوگی اور اصل مقصود چیزوں کا تبادلہ ہوگا...... یاد رہے یہ دونوں موقف امام مالک رحمہ اللہ کے ہیں، جبکہ جمہور کے نزدیک جانوروں میں کمی بیشی کے ساتھ تبادلے میں کوئی شرط نہیں ہے اور جانوروں کے منافع مختلف ہونے کا کوئی اعتبار نہیں ہے، نیز قبضے میں لیے بغیر چیز کو آگے بیچنے کی ممانعت بھی راجح قول کے مطابق ہر چیز کے متعلق ہے۔ (بخاری: 2135، مسلم: 1525) مزید تفصیل کے لیے دیکھیے باب: 19 کے آغاز میں دوسرا فائدہ دیکھیے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَمَنْ سَلَّفَ فِي شَيْءٍ مِنَ الْحَيَوَانِ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى ، فَوَصَفَهُ وَحَلَّاهُ وَنَقَدَ ثَمَنَهُ ، فَذَلِكَ جَائِزٌ ، وَهُوَ لَازِمٌ لِلْبَائِعِ وَالْمُبْتَاعِ عَلَى مَا وَصَفَا وَحَلَّيَا ، وَلَمْ يَزَلْ ذَلِكَ مِنْ عَمَلِ النَّاسِ الْجَائِزِ بَيْنَهُمْ ، وَالَّذِي لَمْ يَزَلْ عَلَيْهِ أَهْلُ الْعِلْمِ بِبَلَدِنَا .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جس شخص نے کسی حیوان میں ایک متعین میعاد تک بیع سلف کی (یعنی پیشگی قیمت ادا کر کے ایک متعین وقت پر جانور کا خریدنا طے کیا) پھر اس جانور کے اوصاف اور خوبیاں بھی بیان کر دیں اور قیمت نقد ادا کر دی تو یہ جائز ہے اور یہ بیع، بیچنے اور خریدنے والے دونوں افراد پر اس طریقے سے لازم ہوگی جو وہ دونوں

اوصاف اور خوبیاں بیان (کر کے طے) کریں گے اور یہ ہمیشہ سے لوگوں کے باہمی جائز اعمال میں سے (چلا آ رہا) ہے اور یہ وہ ہے جس (کے جواز) پر ہمیشہ سے ہمارے شہر (مدینہ) کے اہل علم قائم ہیں۔

فائدہ: ......امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کا یہی موقف ہے، جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک حیوانوں میں بیع سلف ممنوع ہے، کیونکہ مستدرک حاکم اور سنن دارقطنی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حیوانوں میں بیع سلم کرنے سے منع فرمایا ہے، امام حاکم رحمہ اللہ نے اسے صحیح الاسناد کہا ہے۔ واللہ اعلم (لِيُنْظَرْ أَيْنَ هُوَ وَكَيْفَ هُوَ)

26- بَابٌ: مَا لَا يَجُوزُ مِنْ بَيْعِ الْحَيَوَانِ
جانوروں کی ناجائز بیع کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں دو روایات ہیں، ایک مرفوع (حدیث نبوی) ہے جو بخاری و مسلم میں بھی ہے اور ایک مقطوع (اثر تابعی) ہے جو سنداً صحیح ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاوی بھی مذکور ہیں۔

[1364] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهَى عَنْ بَيْعِ حَبَلِ الْحَبَلَةِ. وَكَانَ بَيْعًا يَتَبَايَعُهُ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ، كَانَ الرَّجُلُ يَبْتَاعُ الْجَزُورَ إِلَى أَنْ تُنْتَجَ النَّاقَةُ، ثُمَّ تُنْتَجَ الَّتِي فِي بَطْنِهَا.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے حاملہ جانوروں کے حمل کی بیع سے منع فرمایا اور یہ ایک بیع تھی جسے اہل جاہلیت آپس میں کیا کرتے تھے، (مثلاً) ایک شخص اونٹ کو اس میعاد تک خریدتا کہ (فلاں) اونٹنی بچہ جنے گی، پھر جو بچی اس کے پیٹ میں ہے وہ (بڑی ہو کر) بچہ جنے گی (تو قیمت ادا کر دیں گے)۔

فائدہ: ......اسے بیع "حَبَلُ الْحَبَلَةِ" کہتے ہیں، دونوں لفظوں میں باء پر زبر ہے، پہلا لفظ مصدر ہے اور دوسرا جمع ہے اس کی دو تفسیریں کی گئی ہیں: (۱) ایک وہ جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے مذکورہ بالا حدیث میں بیان کی ہے اور اسی کو امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ نے اختیار کیا ہے جس کا مطلب ہے: ''ادائیگی کا وقت'' یعنی خریدی جانے والی چیز دنیا کی کوئی بھی شے ہو سکتی ہے، لیکن اس کی قیمت کی ادائیگی کا وقت حاملہ جانوروں کے حمل کو قرار دینا کہ جب فلاں جانور مادہ بچہ جنے گا، پھر وہ مادہ بچہ جب بچہ جنے گا تو قیمت ادا کر دی جائے گی۔ اس عمل میں دو خرابیاں ہیں، ایک یہ کہ وقت مجہول اور غیر متعین ہے، دوسری یہ کہ اس میں بہت بڑا دھوکا اور نقصان کا اندیشہ ہے، کیونکہ ممکن ہے کہ وہ جانور بچہ جننے

[1364] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب البیوع، باب بیع الغرر وحبل الحبلة، حدیث: 2143، 2256، 3843، صحیح مسلم، کتاب البیوع، باب تحریم بیع حبل الحبلة، حدیث: 1514۔ ابو داود: 3380۔ ترمذی: 1229۔ نسائی: 4629۔ ابن ماجہ: 2197۔ احمد: 63/2 (5307)۔

سے پہلے ہی مر جائے یا حمل ساقط ہو جائے یا اس کے ہاں نر بچہ پیدا ہو اور اگر مادہ بچہ پیدا ہو تو پھر اس میں بھی یہی اندیشے ہیں، لہٰذا ادائیگی کا مجہول وقت اس بیع کو حرام بنا دیتا ہے۔ (۲) دوسری تفسیر امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمہما اللہ سے مروی ہے اور وہ یہ کہ ''حاملہ جانور کے پیٹ میں موجود بچے کی بیع کرنا'' یہ بھی حرام ہے کیونکہ اس میں بھی دھوکا ہے اور یہ بیع ہی ایک مجہول چیز کی ہے، کسی کو علم نہیں کہ وہ بچہ نر ہے یا مادہ، زندہ ہے یا مردہ، بیمار ہے یا تندرست، عیب زدہ ہے یا صحیح سلامت، زندہ پیدا ہوگا یا نہیں...... اکثر شارحین کے ہاں یہ دونوں مفہوم درست ہیں اور دونوں قسم کی تفسیر کے مطابق خرید وفروخت حرام ہے، بلکہ اس عام اور جامع لفظ میں کچھ اور صورتیں بھی شامل ہیں، تمام کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر اس لفظ حدیث سے مراد ''ادائیگی کا وقت'' ہے تو یا موجودہ حمل کا وقت ولادت مراد ہے یا اس حمل سے پیدا شدہ بچے کے بڑا ہونے پر اس کا وقت ولادت مراد ہے، اور اگر اس لفظ سے ''حمل کی بیع'' مراد ہے تو موجودہ حمل مراد ہوگا یا اس حمل سے پیدا ہونے والے بچے کا حمل، الغرض ہر صورت میں جہالت اور دھوکا ہے، لہٰذا یہ بیع حرام ہے۔

[1365] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، أَنَّهُ قَالَ: لَا رِبًا فِي الْحَيَوَانِ، وَإِنَّمَا نُهِيَ مِنَ الْحَيَوَانِ عَنْ ثَلَاثَةٍ: عَنِ الْمَضَامِينِ، وَالْمَلَاقِيحِ، وَحَبَلِ الْحَبَلَةِ. فَالْمَضَامِينُ: بَيْعُ مَا فِي بُطُونِ إِنَاثِ الْإِبِلِ، وَالْمَلَاقِيحُ: بَيْعُ مَا فِي ظُهُورِ الْجِمَالِ.

سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ حیوان (کی خرید وفروخت، کمی بیشی یا ادھار کے ساتھ کرنے میں کوئی سود نہیں ہے اور بلاشبہ حیوانوں میں تو تین قسم کی چیزوں سے منع کیا گیا ہے: ''مضامین، ملاقیح اور حاملہ جانوروں کے حمل سے۔'' مضامین سے مراد وہ (بچہ) ہے جو مادہ جانوروں کے پیٹ میں ہوتا ہے اور ملاقیح سے مراد وہ (نطفے) ہیں جو نر اونٹوں کی پشتوں میں ہوتے ہیں، (اور حمل کے حمل سے مراد وہ بیع ہے جسے اہل جاہلیت ایک دوسرے سے کیا کرتے تھے)۔

فائدہ:...... مضامین وملاقیح کی بیع سے ممانعت رسول اللہ ﷺ سے بھی ثابت ہے۔ (صحیح الجامع الصغیر: ٦٩٣٧، کشف الاستار للبزار: ١٢٦٧، اس کی سند صحیح ہے)

قَالَ مَالِكٌ: لَا يَنْبَغِي أَنْ يَشْتَرِيَ أَحَدٌ شَيْئًا مِنَ الْحَيَوَانِ بِعَيْنِهِ إِذَا كَانَ غَائِبًا عَنْهُ، وَإِنْ كَانَ قَدْ رَآهُ وَرَضِيَهُ، عَلَى أَنْ يَنْقُدَ ثَمَنَهُ لَا قَرِيبًا

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ جائز نہیں کہ کوئی شخص جانوروں میں سے کسی معین جانور کو خریدے جس وقت کہ وہ اس سے غائب ہو، (بیع کے وقت پاس موجود نہ ہو) اگرچہ وہ اس کو

[1365] (مقطوع صحیح) بیهقی فی السنن الکبری: 287/5- وفی معرفة السنن والآثار: 300/4 (3359)- الشافعی فی الام: 37/3، 118، 256/7، - شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

وَلا بَعِيداً .

دیکھ چکا ہو اور اسے پسند کر چکا ہو، (تو اس غائب جانور کو) اس شرط پر (خریدنا جائز نہیں ہے) کہ وہ خریدار اس کی قیمت نقد ادا کرے گا (خواہ وہ جانور) قریب ہی ہو یا کہیں دور جگہ ہو۔

قَـالَ مَـالِكٌ : وَإِنَّمَـا كُـرِهَ ذَلِكَ ، لأَنَّ الْبَائِعَ يَـنْتَـفِـعُ بِـالثَّـمَنِ وَلَا يُدْرَى هَلْ تُوجَدُ تِلْكَ السِّـلْـعَةُ عَلَى مَا رَآهَا الْمُبْتَاعُ أَمْ لا ، فَلِذَلِكَ كُـرِهَ ذَلِكَ ، وَلَا بَـأْسَ بِـهِ إِذَا كَـانَ مَضْمُوناً مَوْصُوفاً .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور بلاشبہ یہ اس وجہ سے مکروہ ہے کہ یقیناً بیچنے والا (تو نقد قیمت وصول کر کے) اس قیمت سے نفع اٹھاتا رہے گا اور اسے اس بات کا کوئی علم نہیں کہ وہ سودا (یعنی جانور) اس حالت پر پایا جا سکے گا یا نہیں جس پر کہ خریدار نے اسے دیکھا تھا، اس (جہالت ولاعلمی) کی وجہ سے یہ ناپسند (اور ناجائز) جانا گیا ہے اور (البتہ) اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ جب وہ (جانور متعین نہ کرے بلکہ) ضمانت میں ہو اور اس کے اوصاف بیان کر دیئے گئے ہوں۔

فائدہ: ...... کیونکہ اس صورت میں یہ بیع سلف بن جائے گی اور وہ جائز ہے، ممانعت کی مزید تفصیل یوں ہے کہ اگر نقد قیمت دینے کے بعد اور طے شدہ مدت آنے سے پہلے وہ اونٹ مر جائے تو خریدار کی رقم ضائع ہو جائے گی۔ ہاں اگر یہ طے ہو کہ اگر یہ اونٹ اس مدت تک زندہ نہ رہا یا اس میں کوئی عیب لاحق ہو گیا تو قیمت واپس کر دی جائے گی یا اس جیسا کوئی اور جانور ادا کیا جائے گا تو پھر کوئی حرج نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

27- بَابٌ: بَيْعُ الْحَيَوَانِ بِاللَّحْمِ

گوشت کے عوض زندہ جانور کی بیع کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں تین روایات ہیں، ایک حدیث مرفوع (حدیث نبوی) ہے جو سنداً حسن ہے اور دو مقطوع (آثار تابعین) ہیں اور وہ بھی سنداً صحیح ثابت ہیں۔

فائدہ: ...... زندہ جانور سے بھی اگر گوشت ہی مقصود ہو تو پھر بھی یہ بیع ناجائز رہے گی کیونکہ موجود گوشت کا وزن معلوم ہوتا ہے جبکہ زندہ جانور کے گوشت کا وزن غیر متعین اور نامعلوم ہوتا ہے، لہٰذا اس بیع میں دھوکا اور نقصان ہے۔

[1366] حَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ : أَنَّ رَسُولَ

سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے حیوان کو گوشت کے بدلے بیچنے سے منع

[1366] (مرفوع حسن لغيره) بيهقى فى السنن الكبرىٰ: 296/5 (10570)- وفى معرفة السنن والآثار: 315/4 (3378)- حاكم: 35/2- عبدالرزاق: 27/8 (14162)- دارقطنى: 70/3، 71 (3038)- شیخ سلیم ہلالی نے اس حدیث کو حسن لغیرہ قرار دیا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے حسن کہا ہے۔

اللهِ ﷺ نَهَى عَنْ بَيْعِ الْحَيَوَانِ بِاللَّحْمِ . فرمایا ہے۔

فائدہ: ...... جمہور کے ہاں بھی یہ ناجائز ہے، جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اسے جائز سمجھتے تھے۔

[1367] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ دَاوُدَ بْنِ الْحُصَيْنِ: أَنَّهُ سَمِعَ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ يَقُولُ: مِنْ مَيْسِرِ أَهْلِ الْجَاهِلِيَّةِ بَيْعُ الْحَيَوَانِ بِاللَّحْمِ، بِالشَّاةِ وَالشَّاتَيْنِ .

داود بن حصین رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے سعید بن میتب رحمہ اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اہل جاہلیت کے جوئے میں سے ایک (صورت) زندہ جانور یعنی ایک یا دو بکریوں کی گوشت کے عوض بیع ہے۔

فائدہ: ...... جوئے کی صورت یوں بنتی ہے کہ مثلاً ایک آدمی کسی قصاب سے پوچھے کہ تیری اس بکری سے کتنا گوشت نکلے گا، وہ کہے کہ بیس کلوگرام تو وہ آدمی کہے کہ ٹھیک ہے، میری طرف سے بیس کلو گوشت کے عوض اسے ذبح کر دو، اگر اس کا گوشت بیس کلوگرام سے کم ہوا تو میرے ذمے ہے اور اگر زیادہ ہوا تو وہ میرے لیے ہوگا، یہ صورت بالکل بیع مزابنہ کی مثالوں جیسی ہے، دیکھیے پیچھے باب: 13۔

[1368] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: نُهِيَ عَنْ بَيْعِ الْحَيَوَانِ بِاللَّحْمِ . قَالَ أَبُو الزِّنَادِ: فَقُلْتُ لِسَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ: أَرَأَيْتَ رَجُلاً اشْتَرَى شَارِفاً بِعَشَرَةِ شِيَاهٍ؟ فَقَالَ سَعِيدٌ: إِنْ كَانَ اشْتَرَاهَا لِيَنْحَرَهَا فَلَا خَيْرَ فِي ذَلِكَ . قَالَ أَبُو الزِّنَادِ: وَكُلُّ مَنْ أَدْرَكْتُ مِنَ النَّاسِ يَنْهَوْنَ عَنْ بَيْعِ الْحَيَوَانِ بِاللَّحْمِ . قَالَ أَبُو الزِّنَادِ: وَكَانَ ذَلِكَ يُكْتَبُ فِي عُهُودِ الْعُمَّالِ فِي زَمَانِ أَبَانَ بْنِ عُثْمَانَ، وَهِشَامِ بْنِ إِسْمَاعِيلَ، يَنْهَوْنَ عَنْ ذَلِكَ .

ابوزناد (عبداللہ بن ذکوان) سعید بن میتب رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں، وہ فرمایا کرتے تھے کہ جانور کی گوشت کے بدلے خرید وفروخت سے منع کیا گیا ہے۔ ابوزناد کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن میتب رحمہ اللہ سے عرض کیا: آپ اس آدمی کے متعلق بتائیں جس نے ایک بڑی عمر کی اونٹنی کو دس بکریوں کے عوض خرید لیا ہو، تو سعید بن میتب رحمہ اللہ فرمانے لگے: اگر تو اس نے اسے اس لیے خریدا تھا کہ اسے نحر (ذبح) کرے تو پھر اس میں کوئی خیر نہیں ہے (کیونکہ یہ ایسے ہی ہے کہ اس نے دس بکریوں کے بدلے گوشت کی بیع کی، اور اعتبار تو نیت کا ہوتا ہے)، ابوزناد نے کہا کہ میں نے اہل علم میں سے جس کسی کو بھی پایا وہ سب گوشت کے بدلے جانور کی خرید وفروخت سے منع کرتے تھے، ابوزناد نے یہ بھی کہا کہ ابان بن عثمان اور ہشام بن اسماعیل رحمہما اللہ

[1367] (مقطوع صحیح) بیهقی: 297/5 (10575)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

[1368] (مقطوع صحیح) بیهقی: 297/5 (10574)۔ دار قطنی: 71/3۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

(دونوں ہی مدینہ منورہ کے (امیر رہ چکے تھے) کے زمانے میں عاملین (سرکاری کارندوں) کے حکم ناموں میں یہ بات لکھی جاتی تھی (اور) انھیں اس (بیع) سے منع کیا جاتا تھا۔

فائدہ : ...... سعید بن مسیب رحمہ اللہ کا فتویٰ دراصل تقویٰ واحتیاط پر محمول ہے ورنہ ایک جانور کی کئی جانوروں کے بدلے بیع جائز ہے۔

28- بَابٌ: بَيْعُ اللَّحْمِ بِاللَّحْمِ
گوشت کے بدلے گوشت کی بیع کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں کوئی روایت نہیں ہے، البتہ امام مالک رحمہ اللہ کے تین فتاویٰ جات مذکور ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ : الأَمْرُ الْمُجْتَمَعُ عَلَيْهِ عِنْدَنَا فِي لَحْمِ الإِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ، وَمَا أَشْبَهَ ذَلِكَ مِنَ الْوُحُوشِ، أَنَّهُ لَا يُشْتَرَى بَعْضُهُ بِبَعْضٍ، إِلَّا مِثْلاً بِمِثْلٍ، وَزْناً بِوَزْنٍ، يَداً بِيَدٍ، وَلَا بَأْسَ بِهِ وَإِنْ لَمْ يُوزَنْ، إِذَا تَحَرَّى أَنْ يَكُونَ مِثْلاً بِمِثْلٍ، يَداً بِيَدٍ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں اونٹ، گائے، بھیڑ بکری یا ان کے مشابہ جنگلی جانوروں (ہرن، بارہ سنگھا، زیبرا وغیرہ) کے گوشت کے متعلق اس حکم پر اجماع ہے کہ بلاشبہ ان کو ایک دوسرے کے بدلے نہیں خریدا جا سکتا مگر ایک جیسا، برابر برابر اور نقد ونقد (جائز ہے) اور اس میں کوئی حرج نہیں، اگرچہ اسے تولا نہ جائے، جس وقت کہ اندازے سے یہ جستجو کی جائے کہ یہ (دونوں جانب کا گوشت) برابر برابر اور نقد ونقد ہے۔

فائدہ : ...... یہ صرف امام مالک رحمہ اللہ کا موقف ہے کہ تمام گھریلو اور جنگلی جانوروں کے گوشت ایک ہی جنس سے تعلق رکھتے ہیں، جبکہ جمہور کے نزدیک ان میں سے ہر ہر نوع والا جانور الگ الگ حیثیت رکھتا ہے، چنانچہ اونٹ، گائے، بھینس کی جنسیں بھی الگ الگ ہیں، البتہ بھیڑ بکری اور دنبے کا گوشت ایک ہی جنس شمار ہوتا ہے۔ ہاں خرگوش، مرغی کی الگ اجناس ہیں، اور جنگلی جانور مثلاً ہرن، بارہ سنگھا وغیرہ کا گوشت بھی الگ الگ نوعیت کا ہے اور اسی وجہ سے سب کی قیمتوں میں فرق ہوتا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَلَا بَأْسَ بِلَحْمِ الْحِيتَانِ بِلَحْمِ الإِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ، وَمَا أَشْبَهَ ذَلِكَ مِنَ الْوُحُوشِ كُلِّهَا، اثْنَيْنِ بِوَاحِدٍ وَأَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ يَداً بِيَدٍ، فَإِنْ دَخَلَ ذَلِكَ الأَجَلُ فَلَا خَيْرَ فِيهِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مچھلیوں کے گوشت کو اونٹ، گائے اور بکری اور ان جیسے تمام جنگلی جانوروں کے گوشت کے عوض ایک کے بدلے دو یا اس سے بھی زیادہ لینے میں کوئی حرج نہیں ہے، اگر نقد ونقد ہو، چنانچہ اگر اس میں میعاد (ادھار) کا دخل ہو گیا تو پھر اس میں کوئی خیر نہیں ہے۔

فائدہ: ......گویا خشکی کے جانوروں کا گوشت امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک ایک ہی جنس ہے، پانی کے جانور یعنی مچھلیوں کا گوشت دوسری الگ جنس ہے، جن میں کمی بیشی سے تبادلہ جائز ہے، صرف نقد و نقد ہونا ضروری ہے، اور تیسری جنس یعنی فضا والے پرندوں کا گوشت تیسری جنس ہے، جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَأَرَى لُحُومَ الطَّيْرِ كُلَّهَا مُخَالِفَةً لِلُحُومِ الْأَنْعَامِ وَالْحِيتَانِ. فَلَا أَرَى بَأْساً بِأَنْ يُشْتَرَى بَعْضُ ذَلِكَ بِبَعْضٍ مُتَفَاضِلاً يَداً بِيَدٍ ، وَلَا يُبَاعُ شَيْءٌ مِنْ ذَلِكَ إِلَى أَجَلٍ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: میں تمام پرندوں کے گوشت کو چوپایوں اور مچھلیوں کے گوشت سے مختلف سمجھتا ہوں، لہٰذا میں اس میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتا کہ انھیں ایک دوسرے کے بدلے کمی بیشی سے نقد و نقد خریدا جائے اور ان میں سے کسی بھی چیز کو کسی میعاد تک نہ بیچا جائے۔

فائدہ: ......لیکن جمہور کے نزدیک خشکی و تری اور فضا کے جانور ہزاروں اقسام و اجناس پر مشتمل ہیں، ہر کسی کا الگ الگ بھاؤ ہے، لہٰذا جو بھی جنس تبدیل ہو تو کمی بیشی سے تبادلہ درست ہے، بلکہ اہل ظاہر اور بہت سے اہل حدیث علماء کے نزدیک تو ان کے باہمی تبادلے میں کوئی بھی پابندی نہیں، کمی بیشی بھی جائز ہے اور ادھار بھی، کیونکہ ان کے نزدیک کمی بیشی اور ادھار والا سود صرف چھ اشیاء تک محدود ہے، جن کا احادیث میں نام آیا ہے، لیکن راجح موقف جمہور کا ہے جو باقی اشیاء کو بھی ان پر قیاس کرتے ہیں۔ واللہ اعلم

29- بَابٌ: مَا جَاءَ فِي ثَمَنِ الْكَلْبِ

کتے کی قیمت کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں ایک مرفوع روایت یعنی حدیث نبوی ہے جو بخاری و مسلم میں بھی موجود ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

فائدہ: ......رسول اللہ ﷺ سے تین قسم کے کتوں کو پالنے کی اجازت ثابت ہے، شکار کے لیے، کھیتی کی حفاظت کے لیے اور جانوروں کی حفاظت کے لیے۔ (بخاری: 2322، 5480، مسلم: 1571، 1575) گھر کی حفاظت یا سراغ رسانی میں امن کی حفاظت کے لیے جاسوس کتوں کو بھی انھی پر قیاس کیا جائے گا، ان کے علاوہ ہر کتا پالنے والے کے اجر سے روزانہ ایک قیراط یا دو قیراط کم کرنے کا باعث بنتا ہے۔ (بخاری و مسلم، حوالہ مذکور)

[1369] حَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنِ

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ

[1369] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب البیوع، باب ثمن الکلب، حدیث: 2237، 2282، 5346، 5761۔ صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ، باب تحریم ثمن الکلب وحلوان الکاهن، حدیث: 1567۔ ابوداود: 3481۔ ترمذی: 1276۔ نسائی: 4670۔ ابن ماجہ: 2159۔ احمد: 118/4 (17198)۔ دارمی: 2568.

ابْـنِ شِهَـابٍ، عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْـنِ الْـحَـارِثِ بْـنِ هِشَامٍ، عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِي: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهَى عَنْ ثَمَنِ الْـكَـلْبِ، وَمَهْرِ الْبَغِيِّ، وَحُلْوَانِ الْكَاهِنِ. يَـعْـنِـي بِـمَـهْـرِ الْبَـغِيِّ مَا تُعْطَاهُ الْمَرْأَةُ عَلَى الـزِّنَا، وَحُلْوَانُ الْكَاهِنِ رَشْوَتُهُ، وَمَا يُعْطَى عَلَى أَنْ يَتَكَهَّنَ.

رسول اللہ ﷺ نے کتے کی قیمت سے، زانیہ عورت کی اجرت سے اور کاہن کی مٹھائی سے منع فرمایا ہے۔ "مَهْــرُ الْبَغِيِّ" (زانیہ کے مہر) سے آپ ﷺ وہ اجرت مراد لے رہے تھے جو عورت کو زنا کرانے پر دی جاتی ہے اور "حُـلْوَانُ الْكَاهِنِ" (کاہن کی مٹھائی) سے مراد اس کی رشوت اور وہ اجرت ہے جو وہ کہانت کرنے پر لیتا ہے۔

فائدہ :...... زانیہ عورت کی اجرت کو ''مہر'' اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ شادی کرنے والی عورت کے حق مہر کی مانند ہوتا ہے، فرق حلت وحرمت کا ہے اور کاہنوں کی اجرت عموماً مٹھائی اور شیرینی کی شکل میں ہوتی ہے اس لیے مٹھائی کا لفظ بولا گیا ہے ورنہ مراد تو ہر قسم کی اجرت ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: أَكْرَهُ ثَمَنَ الْكَلْبِ الضَّارِي وَغَيْرِ الـضَّـارِي، لِنَهْيِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: میں کتے کی قیمت کو ناپسند (اور ناجائز) جانتا ہوں، خواہ وہ شکاری ہو یا غیر شکاری، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے کتے کی قیمت سے ممانعت فرما دی ہے۔

فائدہ :...... جمہور اسی کے قائل ہیں، البتہ ایک روایت میں ''شکاری کتے'' کی قیمت کا استثناء موجود ہے۔ (ترمذی: 1281، نسائی: 4672) اور متعدد علماء اسے جائز جانتے ہیں، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے، حالانکہ خود امام ترمذی نے اسے ضعیف اور امام نسائی نے منکر کہا ہے، نیز امام ابن حبان نے اسے باطل قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک تو کتے کی بیع مطلقاً جائز ہے بشرطیکہ کتے میں کوئی منفعت ہو، جمہور کا موقف راجح ہے۔ کتے کی بیع ہر صورت میں حرام ہے، رہا یہ مسئلہ کہ شکار یا رکھوالی والا کتا کس طرح حاصل کیا جائے؟ تو اس کا حل یہ ہے کہ ہدیہ وتحفہ کی صورت جائز ہے۔

30- بَابٌ: السَّلَفُ وَبَيْعُ الْعُرُوْضِ بَعْضِهَا بِبَعْضٍ

ادھار کا اور سامان کی ایک دوسرے کے بدلے بیع کا بیان

خلاصة الباب اس باب میں ایک حدیث نبوی ہے جو سنداً صحیح ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے چار فتاویٰ جات بھی مذکور ہیں۔

[1370] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهَى عَنْ بَيْعٍ وَسَلَفٍ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ نے بیع اور ادھار سے منع فرمایا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَتَفْسِيرُ ذٰلِكَ أَنْ يَقُولَ الرَّجُلُ لِلرَّجُلِ: آخُذُ سِلْعَتَكَ بِكَذَا وَكَذَا، عَلَى أَنْ تُسْلِفَنِي كَذَا وَكَذَا، فَإِنْ عَقَدَا بَيْعَهُمَا عَلَى هٰذَا فَهُوَ غَيْرُ جَائِزٍ، فَإِنْ تَرَكَ الَّذِي اشْتَرَطَ السَّلَفَ مَا اشْتَرَطَ مِنْهُ، كَانَ ذٰلِكَ الْبَيْعُ جَائِزاً.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اس کی تفسیر یہ ہے کہ ایک آدمی دوسرے سے کہے کہ میں تیرا سامان اتنی اتنی قیمت کے عوض لیتا ہوں اس شرط پر کہ تم مجھے فلاں فلاں چیز ادھار دو گے، چنانچہ اگر انھوں نے اس شرط پر اپنی بیع کا عقد کیا تو یہ ناجائز ہے، پھر جس شخص نے ادھار کی شرط لگائی تھی اگر وہ ادھار کی شرط کو ترک کر دے تو یہ بیع جائز ہو گی۔

فائدہ: ...... یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ میں تیرا سامان اتنی قیمت کے عوض اس شرط پر لیتا ہوں کہ تم مجھ سے بیع سلف کرو گے۔ بہرحال یہ حرام ہے کیونکہ اس میں ان دونوں پر یہ الزام اور شبہ لگ سکتا ہے کہ قرض کے بدلے میں سودا ادا کرنے پر پردہ ڈالنے کے لیے بیع کا حیلہ اختیار کیا گیا ہے، نیز جو قرض بھی کسی منفعت کا باعث بنے وہ سود ہے، اور یہاں یہ بیع منعقد ہی قرض کی شرط پر ہوئی ہے تو گویا اس قرض میں بیع کی منفعت شامل ہے اور یہ سود ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَلَا بَأْسَ أَنْ يُشْتَرَى الثَّوْبُ مِنَ الْكَتَّانِ، أَوِ الشَّطَوِيِّ، أَوِ الْقَصَبِيِّ، بِالْأَثْوَابِ مِنَ الإِتْرِيبِيِّ، أَوِ الْقَسِّيِّ، أَوِ الزِّيقَةِ، أَوِ الثَّوْبِ الْهَرَوِيِّ، أَوِ الْمَرْوِيِّ، بِالْمَلَاحِفِ الْيَمَانِيَّةِ، وَالشَّقَائِقِ، وَمَا أَشْبَهَ ذٰلِكَ، الْوَاحِدُ بِالِاثْنَيْنِ، أَوِ الثَّلَاثَةِ يَداً بِيَدٍ، أَوْ إِلَى أَجَلٍ، وَإِنْ كَانَ مِنْ صِنْفٍ وَاحِدٍ، فَإِنْ دَخَلَ ذٰلِكَ نَسِيئَةٌ فَلَا خَيْرَ فِيهِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ (جن کپڑوں کے نفع، قیمت اور حیثیت میں فرق ہے ان کو الگ الگ جنس جان کر کمی بیشی سے تبادلہ کیا جائے، چنانچہ یہ جائز ہے کہ) اَلسی سے بنا ہوا کپڑا (کتانی)، یا مصر کی بستی شطاۃ کا بنا ہوا (شطوی) کپڑا، یا السی کا نرم وملائم (قسی) کپڑا ان کپڑوں کے بدلے میں خریدا جائے جو مصر کے صوبہ اتریب کے بنے ہوئے ہوں (یعنی اتریبی) یا مصر کے علاقے قس کے بنے ہوئے ریشمی کپڑے ہوں (یعنی قسی) یا نیشاپور کے علاقے زیق کے بنے ہوئے ہوں (یعنی زیقہ) ایران کے صوبہ ہرات کا (ہروی) کپڑا یا مرو کا

[1370] (مرفوع صحيح لغيره) سنن ابی داود، كتاب البيوع، باب فى الرجل يبيع ما ليس عنده، حديث: 3504- جامع الترمذی، كتاب البيوع، باب ماجاء فى كراهية بيع ما ليس عنده، حديث: 1234- نسائی: 3615- احمد: 174/2، 179 (6671)- دارمی: 2560- شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو صحیح لغیرہ قرار دیا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

(مروی) کپڑا، کئی ایک یمنی چادروں اور کئی رنگدار گھٹیا تنگ ازاروں یا ان کے مشابہ کپڑوں کے عوض خریدا جائے، ایک کو دو کے بدلے یا تین کے عوض نقد ونقد یا میعاد تک (ادھار کی شکل میں خریدا جائے تو درست ہے) اور اگر وہ (دونوں جانب کا کپڑا) ایک ہی صنف کا ہو تو اگر ان میں ادھار داخل ہو جائے تو اس میں کوئی خیر نہیں ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَلَا يَصْلُحُ حَتَّى يَخْتَلِفَ فَيَبِينَ اخْتِلَافُهُ ، فَإِذَا أَشْبَهَ بَعْضُ ذَلِكَ بَعْضاً ، وَإِنِ اخْتَلَفَتْ أَسْمَاؤُهُ فَلَا يَأْخُذْ مِنْهُ اثْنَيْنِ بِوَاحِدٍ إِلَى أَجَلٍ ، وَذَلِكَ أَنْ يَأْخُذَ الثَّوْبَيْنِ مِنَ الْهَرَوِيِّ ، بِالثَّوْبِ مِنَ الْمَرْوِيِّ ، أَوِ الْقُوهِيِّ إِلَى أَجَلٍ ، أَوْ يَأْخُذَ الثَّوْبَيْنِ مِنَ الْفُرْقُبِيِّ ، بِالثَّوْبِ مِنَ الشَّطَوِيِّ ، فَإِذَا كَانَتْ هَذِهِ الأَصْنَافُ عَلَى هَذِهِ الصِّفَةِ ، فَلَا يُشْتَرَى مِنْهَا اثْنَانِ بِوَاحِدٍ إِلَى أَجَلٍ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور یہ (مختلف حیثیتوں والے کپڑوں کی کمی بیشی کے ساتھ بیع بھی) درست نہیں یہاں تک کہ (وہ باہم) مختلف ہوں اور ان کا اختلاف بالکل واضح ہو، چنانچہ اگر وہ ایک دوسرے کے مشابہ ہوئے، خواہ ان کے نام مختلف ہی ہوں تو آدمی ان میں سے دو کو ایک کے بدلے میعاد تک نہیں لے سکتا، اور یہ (مثلاً) اس طرح ہو کہ وہ دو ہروی کپڑوں کو ایک مروی یا قوہی (نامی سفید کپڑے) کے عوض ایک میعاد تک لے یا (مثلاً) دو فرقبی کپڑوں (فرقب نامی جگہ کی طرف منسوب کپڑوں یا کتان کی سفید قباؤں) کو ایک شطوی کپڑے کے عوض لے۔ (حالانکہ ہروی، مروی اور قوہی بھی ایک جیسے ہیں اور فرقبی وشطوی بھی ایک جیسے ہیں،) چنانچہ جب یہ قسمیں (ایک ہی طرح کی) اس صفت پر ہوں تو پھر ان میں سے دو کو ایک کے بدلے نہیں خریدا جائے گا۔

فائدہ :......لیکن جمہور کے نزدیک کپڑے یا کسی بھی چیز کی جنس یا ورائٹی مختلف ہو جائے تو تفاضل جائز ہے اور اہل ظاہر وغیرہ کے نزدیک تو چھ اشیاء کے علاوہ ہر چیز میں تفاضل بھی جائز ہے اور ادھار بھی۔

قَالَ مَالِكٌ : وَلَا بَأْسَ أَنْ تَبِيعَ مَا اشْتَرَيْتَ مِنْهَا قَبْلَ أَنْ تَسْتَوْفِيَهُ مِنْ غَيْرِ صَاحِبِهِ الَّذِي اشْتَرَيْتَهُ مِنْهُ ، إِذَا انْتَقَدْتَ ثَمَنَهُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور اس میں کوئی حرج نہ ہوگا کہ تم ان میں سے جسے خریدلو تو اسے قبضے میں لینے سے پہلے ہی کسی (تیسرے شخص) کے ہاتھ بیچ دو جو علاوہ ہو اس (دوسرے شخص کے) جس سے تم نے اسے خریدا ہو، بشرطیکہ جب تم اس کی نقد قیمت ادا کر چکے ہو۔

فائدہ :......دیکھیے پیچھے باب: 25 کا آخری سے پہلا مسئلہ اور اس کا فائدہ۔

31- بَابٌ: السُّلْفَةُ فِي الْعُرُوضِ

سامان واسباب میں بیع سلف کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں ایک موقوف روایت (اثر صحابی) ہے جو سنداً صحیح ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے

سات فتاویٰ جات بھی مذکور ہیں۔

فائدہ :...... جمہور کے نزدیک ہر چیز میں بیع سلف ہو سکتی ہے جبکہ احناف اور بعض دیگر علماء کے نزدیک جانوروں کے علاوہ ہر چیز میں ہو سکتی ہے۔

[1371] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، أَنَّهُ قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ وَرَجُلٌ يَسْأَلُهُ: عَنْ رَجُلٍ سَلَّفَ فِي سَبَائِبَ، فَأَرَادَ بَيْعَهَا قَبْلَ أَنْ يَقْبِضَهَا. فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: تِلْكَ الْوَرِقُ بِالْوَرِقِ. وَكَرِهَ ذَلِكَ.

قاسم بن محمد سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو سنا، اس حال میں کہ ایک شخص ان سے کسی ایسے آدمی کے متعلق سوال کر رہا تھا جس نے کپڑوں کے مختلف ٹکڑوں میں بیع سلف کی، پھر انھیں قبضے میں لینے سے قبل ہی آگے بیچنے کا ارادہ کر لیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ تو چاندی کی چاندی کے بدلے بیع ہے (لہٰذا ناجائز ہے) اور انھوں نے اسے ناپسند جانا۔

قَالَ مَالِكٌ: وَذَلِكَ فِيمَا نُرَى وَاللهُ أَعْلَمُ، أَنَّهُ أَرَادَ أَنْ يَبِيعَهَا مِنْ صَاحِبِهَا الَّذِي اشْتَرَاهَا مِنْهُ، بِأَكْثَرَ مِنَ الثَّمَنِ الَّذِي ابْتَاعَهَا بِهِ، وَلَوْ أَنَّهُ بَاعَهَا مِنْ غَيْرِ الَّذِي اشْتَرَاهَا مِنْهُ، لَمْ يَكُنْ بِذَلِكَ بَأْسٌ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ ہماری رائے کے مطابق اس طرح تھا۔ اور حقیقت حال سے تو اللہ ہی خوب واقف ہے کہ بے شک اس آدمی نے ان کپڑوں کو کپڑوں کے مالک کے ہاتھ بیچنا چاہا تھا جس سے اس نے انھیں خریدا تھا (اور) اس قیمت سے زیادہ کے بدلے میں (بیچنا چاہا تھا) کہ جس کے عوض اس نے انھیں خریدا تھا، اور اگر وہ ان کپڑوں کو اس شخص، جس سے اس نے انھیں خریدا تھا، کے علاوہ کسی اور کے ہاتھ (قبل از قبضہ) بیچ دیتا تو اس میں کوئی حرج نہ ہوتا۔

فائدہ :...... چنانچہ بیع سلف میں پہلے تو خریدار نے بائع کو چاندی یا کوئی اور نقدی پیشگی دے دی، پھر جب مدت پوری ہوئی تو وہی چیز بائع سے وصول کرنے سے پہلے ہی اسے بیچ دی اور اس سے اس کی قیمت کچھ زائد چاندی کی شکل میں لے لی، تو اب یہ گویا ایک حیلہ ہے اور بیع سلف ایک بہانہ ہے ورنہ اصل تبادلہ تو چاندی کا چاندی کے ساتھ ہوا جس میں کمی بیشی بھی کی گئی اور ادھار بھی، حالانکہ چاندی کی چاندی کے بدلے بیع میں نہ تفاضل (کمی بیشی) جائز ہے اور نہ ادھار...... یاد رہے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے اپنے موقف کے مطابق یہاں آخری الفاظ میں تاویل کی ہے، نیز وہ اپنے اس موقف کے مطابق آگے مختلف مسائل اور صورتیں بیان کریں گے، جبکہ راجح قول کے مطابق کوئی بھی چیز قبضے میں

[1371] (موقوف صحيح) بيهقى فى معرفة السنن والآثار: 368/4 (3491)۔ عبدالرزاق: 44/8 (14234)۔ الشافعى فى الام: 243/7۔ وفى المسند: 292/2۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

لے لینے سے پہلے اسے آگے بیچنا ناجائز ہے، خواہ بائع کو بیچے یا کسی اور کو۔ دیکھیے باب: 19 کا دوسرا فائدہ۔

قَالَ مَالِكٌ: الأَمْرُ الْمُجْتَمَعُ عَلَيْهِ عِنْدَنَا فِيمَنْ سَلَّفَ فِي رَقِيقٍ، أَوْ مَاشِيَةٍ، أَوْ عُرُوضٍ، فَإِذَا كَانَ كُلُّ شَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ مَوْصُوفاً، فَسَلَّفَ فِيهِ إِلَى أَجَلٍ، فَحَلَّ الأَجَلُ، فَإِنَّ الْمُشْتَرِيَ لَا يَبِيعُ شَيْئاً مِنْ ذَلِكَ مِنَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِنْهُ، بِأَكْثَرَ مِنَ الثَّمَنِ الَّذِي سَلَّفَهُ فِيهِ قَبْلَ أَنْ يَقْبِضَ مَا سَلَّفَهُ فِيهِ، وَذَلِكَ أَنَّهُ إِذَا فَعَلَهُ فَهُوَ الرِّبَا، صَارَ الْمُشْتَرِي إِنْ أَعْطَى الَّذِي بَاعَهُ دَنَانِيرَ أَوْ دَرَاهِمَ، فَانْتَفَعَ بِهَا، فَلَمَّا حَلَّتْ عَلَيْهِ السِّلْعَةُ وَلَمْ يَقْبِضْهَا الْمُشْتَرِي، بَاعَهَا مِنْ صَاحِبِهَا بِأَكْثَرَ مِمَّا سَلَّفَهُ فِيهَا، فَصَارَ أَنْ رَدَّ إِلَيْهِ مَا سَلَّفَهُ وَزَادَهُ مِنْ عِنْدِهِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں اس حکم پر اتفاق ہے کہ جس شخص نے کسی غلام یا چوپائے یا (دوسری قسموں کے) سامان میں بیع سلف (کرتے ہوئے پیشگی قیمت ادا) کی، چنانچہ جب ان میں سے ہر چیز کے اوصاف بیان کر دیے گئے ہوں، پھر اس نے اس چیز میں ایک مقررہ مدت تک بیع سلف کی، پھر وہ مدت آ پہنچی تو بلاشبہ خریدار ان میں سے کسی بھی چیز کو، جس میں اس نے دوسرے شخص (یعنی بائع) سے بیع سلف کی تھی، اسے قبضے میں لے لینے سے قبل اسی آدمی کے ہاتھ بیع سلف کے وقت دی ہوئی قیمت سے زیادہ کے ساتھ نہیں بیچ سکتا اور جب وہ ایسا کرے گا تو یہ سود ہوگا، کیونکہ معاملہ یوں ہوگیا کہ خریدار نے بیچنے والے کو (پیشگی) کچھ دینار یا کچھ درہم دے دیے، وہ بائع ان سے نفع حاصل کرتا رہا، پھر جب اس پر سامان کی ادائیگی کا وقت آیا، اس حال میں کہ ابھی خریدار نے اسے قبضے میں نہیں لیا تھا تو اس خریدار نے اس سامان کو سامان کے مالک (بائع) کے ہاتھ بیع سلف میں دی ہوئی قیمت سے زائد کے عوض بیچ دیا اور بائع کا معاملہ یوں ہوگیا کہ اس نے خریدار کی طرف وہی چیز (سونا یا چاندی) واپس لوٹا دی جس میں بیع سلف کی تھی (اور اس سے پیشگی وصول کر رکھی تھی، تو سونا چاندی لے کر اسے واپس بھی لوٹا دیا) اور اپنے پاس سے کچھ زائد بھی دے دیا۔

فائدہ: ...... اس میں اگرچہ ظاہری صورت یہی بنی ہے کہ سونا چاندی لے کر سونا چاندی ہی واپس کیا ہے، لیکن دراصل دونوں جانب کی بیشی بھی کی گئی اور ادھار بھی کیا گیا، حالانکہ ان میں برابری اور نقد ونقد کی شرط ہے ورنہ یہ سود ہی سود ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: مَنْ سَلَّفَ ذَهَباً أَوْ وَرِقاً فِي حَيَوَانٍ أَوْ عُرُوضٍ إِذَا كَانَ مَوْصُوفاً إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى، ثُمَّ حَلَّ الأَجَلُ، فَإِنَّهُ لَا بَأْسَ أَنْ يَبِيعَ الْمُشْتَرِي تِلْكَ السِّلْعَةَ مِنَ الْبَائِعِ قَبْلَ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جس شخص نے سونا یا چاندی دے کر کسی جانور میں یا کسی سامان میں جب کہ اس چیز کے اوصاف بیان کر دیے گئے، ایک مقررہ مدت تک بیع سلف کی، پھر وہ (طے شدہ) مدت آ گئی تو بلاشبہ اس میں کوئی

أَنْ يَحِلَّ الْأَجَلُ، أَوْ بَعْدَ مَا يَحِلُّ، بِعَرْضٍ مِنَ الْعُرُوضِ، يُعَجِّلُهُ وَلَا يُؤَخِّرُهُ، بَالِغاً مَا بَلَغَ ذَلِكَ الْعَرْضُ إِلَّا الطَّعَامَ، فَإِنَّهُ لَا يَحِلُّ أَنْ يَبِيعَهُ حَتَّى يَقْبِضَهُ، وَلِلْمُشْتَرِي أَنْ يَبِيعَ تِلْكَ السِّلْعَةَ مِنْ غَيْرِ صَاحِبِهِ الَّذِي ابْتَاعَهَا مِنْهُ، بِذَهَبٍ أَوْ وَرِقٍ أَوْ عَرْضٍ مِنَ الْعُرُوضِ، يَقْبِضُ ذَلِكَ وَلَا يُؤَخِّرُهُ ،لِأَنَّهُ إِذَا أَخَّرَ ذَلِكَ قَبُحَ، وَدَخَلَهُ مَا يُكْرَهُ مِنَ الْكَالِئِ بِالْكَالِئِ، وَالْكَالِئُ بِالْكَالِئِ: أَنْ يَبِيعَ الرَّجُلُ دَيْناً لَهُ عَلَى رَجُلٍ، بِدَيْنٍ عَلَى رَجُلٍ آخَرَ.

حرج نہیں ہے کہ خریدار اس مدت کی آمد سے قبل اور اس مدت کے بعد وہی سامان اسی بائع کو سامانوں میں سے کسی سامان کے عوض بیچ دے جو اسے (بیچنے کا عقد کرتے وقت) فوراً ادا کرے اور اسے موخر نہ کرے، خواہ وہ سامان کتنی ہی مقدار کا ہو (تو یہ سودا درست ہے کیونکہ بیع سلف کو گویا ختم کر کے نیا معاملہ طے ہوا اور اس پیشگی قیمت کے بدلے کوئی سامان خرید لیا)، سوائے اناج کے، کیونکہ بلاشبہ یہ حلال نہیں ہے کہ آدمی اسے قبضے میں لینے سے قبل بیچے۔ (اناج کے حوالے سے یہ فیصلہ متفقہ ہے، البتہ اناج کے علاوہ باقی تمام اشیاء کے متعلق امام مالک رحمہ اللہ کے ہاں قبل از قبضہ بیچنے کی رخصت ہے) اور مشتری کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اس (بیع سلف والے) سامان کو اس شخص، جس سے اس نے اسے خریدا ہے، کے علاوہ کسی اور کے ہاتھ سونے یا چاندی یا سامانوں میں سے کسی سامان کے عوض بیچ دے، (بشرطیکہ) اس (سونے چاندی یا سامان) کو قبض کر لے (نقد وصول کر لے) اور اسے مؤخر نہ کرے کیونکہ بلاشبہ جب وہ اسے موخر کرے گا تو یہ قبیح (برا) کام ہوگا اور اس میں ''بیع الکالی بالکالی'' (ادھار کی ادھار کے ساتھ بیع) والی صورت داخل ہو جائے گی اور اس ''ادھار کی ادھار کے ساتھ بیع'' کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کسی دوسرے آدمی کے ذمے موجود اپنے قرض کو اس قرضے کے عوض بیچے جو دوسرے آدمی کا تیسرے آدمی کے ذمے ہو۔

فائدہ: ...... یہ بیان کردہ صورت ''بیع الکالی بالکالی'' یعنی ادھار کی ادھار کے عوض بیع کی ایک شکل ہے، ورنہ کوئی بھی ایسا سودا جس میں فریقین کے پاس اپنی اپنی چیزیں یا نقدی وغیرہ حاضر نہ ہو تو وہ سب بھی اس میں شامل ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ: وَمَنْ سَلَّفَ فِي سِلْعَةٍ إِلَى أَجَلٍ، وَتِلْكَ السِّلْعَةُ مِمَّا لَا يُؤْكَلُ وَلَا يُشْرَبُ، فَإِنَّ الْمُشْتَرِيَ يَبِيعُهَا مِمَّنْ شَاءَ، بِنَقْدٍ أَوْ عَرْضٍ قَبْلَ أَنْ يَسْتَوْفِيَهَا مِنْ غَيْرِ صَاحِبِهَا الَّذِي اشْتَرَاهَا مِنْهُ، وَلَا يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَبِيعَهَا مِنَ الَّذِي ابْتَاعَهَا مِنْهُ، إِلَّا بِعَرْضٍ يَقْبِضُهُ وَلَا يُؤَخِّرُهُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور جس شخص نے کسی سامان میں ایک میعاد پر بیع سلف کی اور وہ سامان نہ کھائی جانے والی چیزوں میں سے ہو اور نہ پی جانے والی اشیاء میں سے ہو تو بلاشبہ خریدار اسے قبضے میں لینے سے پہلے ہی جس کسی کو چاہے کسی نقدی (سونا چاندی) کے عوض یا کسی سامان کے عوض اسے بیچ سکتا ہے (بشرطیکہ یہ بیع) سامان والے اس شخص کے علاوہ کے ساتھ (ہو کر) جس سے اس نے (بیع

سلف کے ذریعے) یہ سامان خریدا ہو، اور اس کے لیے جائز نہیں کہ اسے اس شخص کے ہاتھ بیچے جس سے اسے خریدا ہو، مگر اس سامان کے عوض (اسے بیچ سکتا ہے) جسے فوراً قبضے میں لے لے اور اسے موخر نہ کرے (یعنی نقد ونقد ہو)۔

فائدہ :......رب السلم (خریدار) مسلم فیہ چیز کو وصول کرنے سے پہلے ہی مسلم الیہ (بائع) ہی کو واپس بیچ دے اور بائع سے اس کے عوض کوئی اور سامان نقد وصول کر لے تو یہ جائز ہے، آگے بیان ہونے والا مسئلہ بھی اسی طرح کا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَإِنْ كَانَتِ السِّلْعَةُ لَمْ تَحِلَّ ، فَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَبِيعَهَا مِنْ صَاحِبِهَا بِعَرْضٍ مُخَالِفٍ لَهَا ، بَيِّنٍ خِلَافُهُ يَقْبِضُهُ وَلَا يُؤَخِّرُهُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور اگر اس سامان کی ادائیگی کا وقت نہ آیا ہو تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ خریدار اسے ان کپڑوں کے مالک کے ہاتھ کسی ایسے سامان کے عوض بیچ دے جو اس سے بالکل واضح طور پر مختلف ہو جسے وہ (فوراً اور نقد) قبضے میں لے لے اور اسے موخر نہ کرے۔ (ورنہ ادھار کے بدلے ادھار کی بیع ہو جائے گی)۔

قَالَ مَالِكٌ فِيمَنْ سَلَّفَ دَنَانِيرَ أَوْ دَرَاهِمَ فِي أَرْبَعَةِ أَثْوَابٍ مَوْصُوفَةٍ إِلَى أَجَلٍ ، فَلَمَّا حَلَّ الْأَجَلُ تَقَاضَى صَاحِبَهَا فَلَمْ يَجِدْهَا عِنْدَهُ ، وَوَجَدَ عِنْدَهُ ثِيَاباً دُونَهَا مِنْ صِنْفِهَا ، فَقَالَ لَهُ الَّذِي عَلَيْهِ الْأَثْوَابُ : أُعْطِيكَ بِهَا ثَمَانِيَةَ أَثْوَابٍ مِنْ ثِيَابِي هَذِهِ : إِنَّهُ لَا بَأْسَ بِذَلِكَ إِذَا أَخَذَ تِلْكَ الْأَثْوَابَ الَّتِي يُعْطِيهِ قَبْلَ أَنْ يَفْتَرِقَا .

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جس نے ایک میعاد تک چار کپڑوں، جن کے اوصاف بیان کر دیے گئے تھے، ان میں بیع سلف کے طور پر کچھ دینار یا درہم پیشگی ادا کر دیے، پھر جب مقررہ مدت آ پہنچی تو خریدار نے ان کپڑوں کے مالک سے کپڑوں کا تقاضا کیا، لیکن وہ انھیں اس کے پاس نہ پا سکا اور (البتہ) اس خریدار نے بائع کے پاس انھی کی قسم کے کچھ اور کپڑے پا لیے جو ان سے گھٹیا تھے، تو جس شخص (بائع) کے ذمے اس کے کپڑے تھے وہ اس سے کہنے لگا کہ میں تمھیں ان کے عوض اپنے ان کپڑوں میں سے آٹھ دے دیتا ہوں، (تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا:) بلاشبہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے (بشرطیکہ) جب وہ ان کپڑوں کو جو وہ اسے دے رہا ہے، دونوں کے جدا ہونے سے پہلے پہلے وصول کر لے۔

فائدہ :......چار کپڑے بائع کے ذمے ادھار تھے جنھیں وہ مقررہ مدت پر ادا نہ کر سکا تو اس نے خریدار کو ان کے عوض آٹھ گھٹیا کپڑے نقد دے دیے تو درست ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: فَإِنْ دَخَلَ ذَلِكَ الْأَجَلُ ، فَإِنَّهُ لَا

امام مالک رحمہ اللہ نے (گزشتہ مسئلے ہی کے متعلق) فرمایا کہ

يَصْلُحُ ، وَإِنْ كَانَ ذَلِكَ قَبْلَ مَحِلِّ الأَجَلِ ، فَإِنَّهُ لا يَصْلُحُ أَيْضاً ، إِلَّا أَنْ يَبِيعَهُ ثِيَاباً لَيْسَتْ مِنْ صِنْفِ الثِّيَابِ الَّتِي سَلَّفَهُ فِيهَا .

اگر اس میں میعاد داخل ہوگئی تو بلاشبہ یہ درست نہیں ہے اور اگر یہ تبادلہ مقررہ میعاد آنے سے پہلے ہوا تو بھی درست نہ ہوگا، الایہ کہ بائع اس مشتری کو ایسے کپڑے بیچے جو ان کپڑوں کی قسم سے نہ ہوں جن میں اس نے بیع سلف کی تھی۔

فائدہ :......گزشتہ مسئلے میں بیع سلف کی میعاد ختم ہونے پر تبادلے کا ذکر تھا اور یہاں اس میعاد کے آنے سے پہلے کے تبادلے کا بیان ہے۔ بہرحال امام مالک رحمہ اللہ کی اس باب میں بیان کردہ ہر وہ صورت جس میں کسی بھی چیز کی قبل از قبض، خرید وفروخت مذکور ہے، وہ جمہور کے ہاں ناجائز ہے۔

32- بَابٌ : بَيْعُ النُّحَاسِ وَالْحَدِيْدِ وَمَا أَشْبَهَهُمَا مِمَّا يُوْزَنُ

تانبے، لوہے اور ان جیسی تول کر بکنے والی اشیاء کی بیع کا بیان

خلاصة الباب اس باب میں کوئی روایت نہیں ہے، البتہ امام مالک رحمہ اللہ کے چار فتاوی جات مذکور ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ : الأَمْرُ عِنْدَنَا فِيمَا كَانَ مِمَّا يُوزَنُ ، مِنْ غَيْرِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ مِنَ النُّحَاسِ وَالشَّبَهِ وَالرَّصَاصِ وَالآنُكِ وَالْحَدِيدِ وَالْقَضْبِ وَالتِّينِ وَالْكُرْسُفِ ، وَمَا أَشْبَهَ ذَلِكَ مِمَّا يُوزَنُ ، فَلا بَأْسَ بِأَنْ يُؤْخَذَ مِنْ صِنْفٍ وَاحِدٍ اثْنَانِ بِوَاحِدٍ ، يَداً بِيَدٍ ، وَلا بَأْسَ أَنْ يُؤْخَذَ رِطْلُ حَدِيدٍ بِرِطْلَيْ حَدِيدٍ ، وَرِطْلُ صُفْرٍ بِرِطْلَيْ صُفْرٍ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں حکم یہ ہے کہ سونے اور چاندی کے علاوہ وہ تمام چیزیں جن کا وزن کیا جاتا ہے مثلاً تانبا، پیتل، رانگ (قلعی)، سیسہ، لوہا، برسیم حجازی (یا درختوں کے پتے)، انجیر، روئی اور ان کے مشابہ دوسری اشیاء جن کا تعلق وزن سے ہے، تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ ان میں سے ایک ہی صنف میں ایک کے بدلے دو کو نقد ونقد لیا جائے، (کمی بیشی جائز ہے اور ادھار ناجائز)، چنانچہ اس میں کوئی حرج نہ ہوگا کہ لوہے کا ایک رطل (وزن کرنے کا ایک پیمانہ جو چھ چھٹانک تین تولے اور نو ماشے کا ہوتا ہے یعنی 600۔393 گرام) لوہے ہی کے دو رطلوں کے عوض یا پیتل کا ایک رطل (پیتل ہی کے) دو رطلوں کے عوض لے لیا جائے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَلا خَيْرَ فِيهِ اثْنَانِ بِوَاحِدٍ مِنْ صِنْفٍ وَاحِدٍ إِلَى أَجَلٍ ، فَإِذَا اخْتَلَفَ الصِّنْفَانِ مِنْ ذَلِكَ فَبَانَ اخْتِلافُهُمَا ، فَلا بَأْسَ بِأَنْ يُؤْخَذَ مِنْهُ اثْنَانِ بِوَاحِدٍ إِلَى أَجَلٍ ، فَإِنْ كَانَ الصِّنْفُ مِنْهُ يُشْبِهُ الصِّنْفَ الآخَرَ

ہاں اس میں کوئی خیر نہیں کہ ایک ہی صنف کی چیز میں سے ایک کے بدلے دو کو ادھار لیا جائے۔ پھر جب ان میں سے دو اصناف (اقسام) مختلف ہوں اور ان کا مختلف ہونا واضح ہو تو ان میں سے ایک کے بدلے دو کو ادھار لینے میں کوئی حرج نہیں، اور اگر ان میں سے ایک صنف دوسری

وَإِنِ اخْتَلَفَا فِي الِاسْمِ، مِثْلُ الرَّصَاصِ وَالْآنُكِ، وَالشَّبَهِ وَالصُّفْرِ، فَإِنِّي أَكْرَهُ أَنْ يُؤْخَذَ مِنْهُ اثْنَانِ بِوَاحِدٍ إِلَى أَجَلٍ .

صنف کے مشابہ ہو، اگرچہ ان کے نام مختلف ہی ہوں، مثلاً رانگ (قلعی) اور سیسہ، یا شبہ (انتہائی عمدہ تانبا) اور صفر (خالص تانبا)، تو یقیناً میں یہ ناپسند کرتا ہوں کہ ان میں سے ایک کے بدلے دو کو ادھار لیا جائے۔

فائدہ: ...... ہمارے نزدیک ہر چیز خواہ اس کا تعلق وزن سے ہو یا ماپ سے ہو یا عدد سے ہو، ان تمام میں جب ہم جنس چیز کے بدلے تبادلہ ہو تو نہ کمی بیشی جائز ہے اور نہ ادھار، اور اگر تبادلہ کرنا ہی ہو تو ان میں سے ایک چیز کو پیسوں کے عوض بیچ کر دوسری کو پیسوں کے عوض خریدنا چاہیے۔ ''نحاس'' تانبے کو کہتے ہیں، اسے ملاوٹوں سے خالص کر کے عمدہ بنالیں تو ''صفر'' کہلاتا ہے اور اس قدر عمدہ اور اعلیٰ کوالٹی کو پہنچ جائے کہ سونے کے مشابہ ہو جائے تو شبہ کہلاتا ہے، عام طور پر صفر اور شبہ کے معنی پیتل کے کیے جاتے ہیں، اسی طرح ''رصاص'' (قلعی، رانگ، رانگا) کو خالص کر لیا جائے تو وہ ''آنک'' (سیسہ) بن جاتا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَمَا اشْتَرَيْتَ مِنْ هَذِهِ الْأَصْنَافِ كُلِّهَا، فَلَا بَأْسَ أَنْ تَبِيعَهُ قَبْلَ أَنْ تَقْبِضَهُ مِنْ غَيْرِ صَاحِبِهِ الَّذِي اشْتَرَيْتَهُ مِنْهُ، إِذَا قَبَضْتَ ثَمَنَهُ، إِذَا كُنْتَ اشْتَرَيْتَهُ كَيْلاً أَوْ وَزْناً، فَإِنِ اشْتَرَيْتَهُ جِزَافاً فَبِعْهُ مِنْ غَيْرِ الَّذِي اشْتَرَيْتَهُ مِنْهُ بِنَقْدٍ أَوْ إِلَى أَجَلٍ، وَذَلِكَ أَنَّ ضَمَانَهُ مِنْكَ إِذَا اشْتَرَيْتَهُ جِزَافاً، وَلَا يَكُونُ ضَمَانُهُ مِنْكَ إِذَا اشْتَرَيْتَهُ وَزْناً حَتَّى تَزِنَهُ وَتَسْتَوْفِيَهُ، وَهَذَا أَحَبُّ مَا سَمِعْتُ إِلَيَّ فِي هَذِهِ الْأَشْيَاءِ كُلِّهَا، وَهُوَ الَّذِي لَمْ يَزَلْ عَلَيْهِ أَمْرُ النَّاسِ عِنْدَنَا .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور تم ان تمام اصناف میں سے جسے بھی خرید لو تو اس میں کوئی حرج نہ ہوگا کہ اسے قبضے میں لینے سے پہلے ہی کسی ایسے شخص کو بیچ دو جو ان چیزوں کے (پرانے) مالک کے علاوہ ہو جس سے کہ تم نے اسے خریدا تھا، (بشرطیکہ) جب تم اس کی قیمت نقد وصول کر لو (اور یہ بھی شرط ہے کہ) جب تم نے خود اس چیز کو ماپ یا تول کے حساب سے خریدا ہوا تھا، چنانچہ جب تم نے اسے اندازے سے خریدا ہو تو پھر تم اسے اس شخص جس سے تم نے خریدا ہے، کے علاوہ کسی اور کو نقد (قیمت لے کر) بھی بیچ سکتے ہو اور ادھار بھی۔ اور یہ (فرق) اس وجہ سے ہے کہ جب تم اندازے سے اس (ڈھیری) کو خریدو گے تو بلا شبہ اس چیز کی ضمانت تمھاری طرف سے ہو جائے گی اور جب تم نے اسے وزن یا ماپ کی صورت میں خریدا ہو تو اس کی ضمانت تمھاری طرف سے نہیں ہوگی یہاں تک کہ تم اس چیز کو تول لو اور اسے پورا پورا وصول کر لو۔ اور یہی میرے نزدیک وہ سب سے زیادہ پسندیدہ بات ہے جو میں نے ان تمام چیزوں کے متعلق (علماء سے) سنی ہے اور ہمارے ہاں ہمیشہ سے لوگوں کا یہی معاملہ (چلا آ رہا) ہے۔

فائدہ :......خریدار، بائع سے وزن یا ماپ طے کر کے کسی چیز کو خرید لے تو جب تک وہ اس کو ماپ تول کر اور تسلی کر کے قبضے میں نہ لے لے گا وہ اس کا ضامن نہیں بنے گا، اور چونکہ یہ چیزیں کھانے پینے سے تعلق نہیں رکھتیں اس لیے امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک انھیں قبضے میں لینے سے پہلے بھی بیچنا جائز ہے لیکن ابھی ضمانت میں نہ آ سکنے کی وجہ سے وہ اسے صرف نقد قیمت لے کر آگے بیچنے کی اجازت دیتے ہیں تا کہ نیا سودا کرتے وقت ادھار کے بدلے ادھار نہیں ہو، کیونکہ خریدار کے پاس جب سامان قبضے ہی میں نہ آیا ہوتو اس کی جانب سودا نقد موجود نہ ہوگا، البتہ جب وہ اس ادھار مال کو آگے بیچے اور قیمت نقد وصول کر لے تو دونوں جانب ادھار کی صورت نہ بنے گی، لہٰذا یہ بیع جائز ہوگی...... ہاں جب وہ چیز اس کے قبضے میں آ جائے گی تو وہ ضامن بن جائے گا، اب چونکہ اس کے پاس وہ چیز نقد موجود ہے اس لیے وہ اسے آگے بیچتے وقت ادھار کر سکتا ہے، اس کی جانب نقد مال ہوگا اور خریدار کی طرف ادھار، تو یہ بھی درست ہے...... رہی یہ صورت کہ کسی ڈھیر کو تخمینہ و اندازہ لگا کر خرید لیا جائے تو اسے ماپے تولے بغیر ہی بندہ اس کا مالک اور ضامن بن جاتا ہے اور وہ اس کے پاس نقد موجود سمجھی جاتی ہے، لہٰذا اسے آگے بیچنا ہو تو نئے سودے میں خواہ نقد قیمت وصول کی جائے یا ادھار، دونوں جائز ہیں کیونکہ اس صورت میں ادھار کے بدلے ادھار لازم نہیں آتا۔

قَالَ مَالِكٌ : الأَمْرُ عِنْدَنَا فِيمَا يُكَالُ أَوْ يُوزَنُ ، مِمَّا لا يُؤْكَلُ ، وَلا يُشْرَبُ ، مِثْلُ الْعُصْفُرِ وَالنَّوَى وَالْخَبَطِ وَالْكَتَمِ ، وَمَا يُشْبِهُ ذَلِكَ ، أَنَّهُ لا بَأْسَ بِأَنْ يُؤْخَذَ مِنْ كُلِّ صِنْفٍ مِنْهُ اثْنَانِ بِوَاحِدٍ ، يَدًا بِيَدٍ ، وَلا يُؤْخَذُ مِنْ صِنْفٍ وَاحِدٍ مِنْهُ اثْنَانِ بِوَاحِدٍ إِلَى أَجَلٍ ، فَإِنِ اخْتَلَفَ الصِّنْفَانِ فَبَانَ اخْتِلافُهُمَا ، فَلا بَأْسَ بِأَنْ يُؤْخَذَ مِنْهُمَا اثْنَانِ بِوَاحِدٍ إِلَى أَجَلٍ ، وَمَا اشْتُرِيَ مِنْ هَذِهِ الأَصْنَافِ كُلِّهَا ، فَلا بَأْسَ بِأَنْ يُبَاعَ قَبْلَ أَنْ يُسْتَوْفَى ، إِذَا قَبَضَ ثَمَنَهُ مِنْ غَيْرِ صَاحِبِهِ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِنْهُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ چیزیں جنھیں ماپا یا تولا جاتا ہے لیکن کھایا پیا نہیں جاتا، مثلاً کسم (وہ پودا جس کے پھول کپڑے رنگنے میں استعمال ہوتے ہیں)، گٹھلیاں، جھاڑے ہوئے پتے، کتم (وہ پودا جو لکھنے کی روشنائی بنانے اور بالوں کو رنگنے کے لیے خضاب بنانے میں استعمال ہوتا ہے) اور جو کوئی ان کے مشابہ چیز ہو تو ان کے متعلق ہمارے ہاں یہ حکم ہے کہ ان میں سے کسی بھی قسم میں سے ایک کے بدلے دو کو نقد ونقد لینے میں کوئی حرج نہیں اور ایک ہی صنف سے ایک کے بدلے دو کو ادھار نہ لیا جائے۔ پھر اگر دو اصناف باہم مختلف ہوں اور ان کا مختلف ہونا واضح ہو تو پھر ان میں سے ایک کو دو کے بدلے ادھار لینے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے......اور ان تمام اصناف میں سے جس چیز کو بھی خرید لیا جائے تو اسے قبضے میں لینے سے پہلے ہی آگے بیچ دینے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے (بشرطیکہ) اس کی قیمت قبضے میں لے لے (تا کہ ادھار کی ادھار سے بیع والی صورت نہ بنے اور دوسری شرط یہ ہے کہ یہ نیا سودا) اپنے ساتھی جس سے آدمی نے یہ چیز خریدی ہو یعنی بائع کے علاوہ کسی

اور سے (کرے، کیونکہ اسی بائع سے تو ابھی اپنا یہ مال قبضے میں لینا ہے اور اگر اس سے وصول کیے بغیر ہی اس کو واپس بیچ دیا جائے تو کئی خرابیاں یا پابندیاں لازم آتی ہیں)

قَالَ مَالِكٌ : وَكُلُّ شَيْءٍ يَنْتَفِعُ بِهِ النَّاسُ مِنَ الأَصْنَافِ كُلِّهَا ، وَإِنْ كَانَتِ الْحَصْبَاءَ وَالْقَصَّةَ ، فَكُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِمِثْلَيْهِ إِلَى أَجَلٍ ، فَهُوَ رِباً ، وَوَاحِدٌ مِنْهُمَا بِمِثْلِهِ وَزِيَادَةُ شَيْءٍ مِنَ الأَشْيَاءِ إِلَى أَجَلٍ ، فَهُوَ رِباً .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور تمام قسم کی اصناف میں سے جس چیز سے بھی لوگ نفع اٹھاتے ہیں، اگرچہ وہ کنکریاں اور چونا ہی ہوں، ان میں سے کوئی بھی چیز اس کی دو مثل (دوگنا) کے ساتھ ادھار (کر کے بیچنا، خریدنا) سود ہے اور اسی طرح کنکریوں اور چونے میں سے ایک چیز کو اسی کی مثل چیز اور دوسری اشیاء میں سے کسی چیز کے کچھ اضافے سمیت ادھار (خریدنا یا فروخت کرنا بھی) سود ہے۔

فائدہ :......ایک کنکری کے بدلے دو کنکریاں بیچنا بھی سود ہے اور ایک کنکری کے عوض ایک کنکری اور کچھ چونا بیچنا بھی سود ہے، الغرض ہر وہ چیز جو نہ طعام ہو اور نہ ثمن (نقدی، سونا وچاندی وغیرہ) ہو تو اس کی ہم جنس چیز کے ساتھ بیع کرتے وقت کمی بیشی تو جائز ہے لیکن ادھار ناجائز ہے۔

33- بَابٌ: النَّهْيُ عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ
ایک بیع میں دو بیع کرنے کی ممانعت کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں تین روایات ہیں، ایک مرفوع (حدیث نبوی)، ایک موقوف (اثر صحابی) اور ایک مقطوع (اثر تابعی) ہے اور مرفوع روایت سنداً صحیح جبکہ باقی دونوں ضعیف ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے تین فتاویٰ بھی مذکور ہیں۔

فائدہ :......ایک بیع میں دو بیع کرنے کی مختلف صورتیں ہیں، مثلاً: (1) آدمی کہے کہ میں تمھیں اپنی فلاں چیز بیچتا ہوں اس شرط پر کہ تم مجھے اپنی فلاں چیز بیچو۔ (2) یہ چیز نقد لو گے تو سو روپے میں ملے گی اور ادھار لو گے تو ایک سو بیس روپے میں ملے گی اور پھر ان میں سے کسی ایک کو طے کیے بغیر علیحدہ ہو جانا۔ (3) بیع سلف میں اس لیے پیشگی قیمت دے دی تاکہ مہینے بعد اس کے عوض ایک من گندم وصول کی جائے، لیکن مہینے کے بعد بائع کہے کہ تم مجھے وہی گندم دو ماہ تک بیچ دو، تو گویا پہلی بیع کے اوپر ایک اور بیع کر لی گئی، یہ آخری مثال ایک بیع میں دو بیع کی صورت بھی ہے اور ادھار کے بدلے ادھار بھی ہے۔

نقد، ادھار کا فرق:

نقد ادھار کے فرق میں کچھ صورتیں متفقہ طور پر حرام ہیں اور ایک صورت مختلف فیہ ہے، متفقہ صورتیں یہ ہیں: (1)

بائع نے مشتری کو ایک ہی چیز کی نقد قیمت الگ بتائی اور ادھار قیمت الگ بتائی، پھر وہ ان میں سے کسی ایک کو طے کیے بغیر جدا ہو جائیں، تو یہ بیع حرام ہے خواہ بعد میں مشتری کسی ایک قیمت کو منتخب کر لے (2) قسطوں کا معاملہ جن میں یہ طے ہوتا ہے کہ ہر ماہ اتنی قسط ادا کرتے رہو، اگر ادا نہ کر سکے تو اتنا اضافہ بھی دینا پڑے گا، یہ صورت بالاتفاق سود ہے اور ایسا سودا کرنا ہی حرام ہے، خواہ آدمی کسی بھی قسط کی ادائیگی میں تاخیر نہ کرے، نیز قسط کی وقت پر ادائیگی نہ کرنے پر کسی بھی قسم کی چٹی اسی سود میں داخل ہے، خواہ آج کل کے حیلہ ساز، سودخور اسلامی بینکاری کے نام پر یہ کہیں کہ قسط میں تاخیر کی صورت میں ہم تم سے کچھ بھی نہیں لیں گے بلکہ فلاں رفاہی ادارے میں اتنی رقم جمع کرا دینا...... یہ محض ایک حیلہ ہے اور وہ ادارے بھی دراصل انھی بینکوں سے متعلقہ ہوتے ہیں۔

وہ صورت جس کے متعلق اختلاف ہے، یہ ہے کہ ادھار اور نقد کی قیمتوں میں سے اگر کسی ایک کو منتخب کر کے سودا طے کیا جائے اور پھر جدا ہوا جائے، معاملہ گومگو میں نہ رہے، نیز اگر قیمت کی ادائیگی میں مزید تاخیر ہو تو اس طے شدہ رقم میں کوئی اور اضافہ نہ ہو تو اس کے متعلق علماء وفقہاء کا اختلاف ہے۔ شوافع، حنابلہ اور اکثر اہلحدیث علماء ومفتیان اس کے جواز کے قائل ہیں جبکہ احناف، موالک اور بعض اہل حدیث علماء اسے حرام سمجھتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ یہ وقت کی بیع ہے اور سود ہی کے مشابہ ہے اور ان کی دلیل بعض روایات میں آنے والے یہ الفاظ ہیں: ((فَلَهُ أَوْكَسُهُمَا أَوِ الرِّبَا)) ''ان دونوں (قیمتوں) میں سے جو کم تر ہے وہی اس کے لیے (متعین) ہے یا پھر یہ سود ہے۔'' (ترمذی: 1231، ابوداود: 3461، نسائی: 4232، احمد: 432/2، دارمی: 319/1، علامہ البانی نے اسے حسن کہا ہے، ارواء الغلیل: 149/5)...... جواز کے قائلین کے ہاں (1) یہ روایت ضعیف اور شاذ ہے کیونکہ اس کی سند میں یحییٰ بن زکریا ان الفاظ کو بیان کرنے میں متفرد ہے اور دوسرے ثقات راویوں کی مخالفت کر رہا ہے جنھوں نے یہ الفاظ بیان نہیں کیے، نیز اس کا شیخ محمد بن عمرو متکلم فیہ راوی ہے، لہٰذا یہ الفاظ حجت ثابت نہ ہوئے۔ (2) اسے سود کے مشابہ اس لیے نہیں کہہ سکتے کہ سود میں صرف ایک بار اضافہ نہیں ہوتا بلکہ بار بار اور مسلسل اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ (3) یہ ادھار کی وجہ سے طے شدہ اضافہ ''وقت کی بیع'' نہیں ہے بلکہ اس چیز کے منافع کی بیع ہے، مثال کے طور پر بائع نے بھینس کی قیمت نقد ایک لاکھ اور سال بعد ادائیگی کی صورت میں سوا لاکھ مقرر کی (جس میں مزید تاخیر ہو جائے تو اضافہ نہیں ہونا تھا)، تو اس کا سبب یہ ہے کہ سال بھر میں اس جانور کے دودھ، مکھن وغیرہ کے فوائد بائع کی بجائے مشتری کے پاس چلے گئے اور پھر عموماً سال بعد اشیاء کی چیزوں میں اضافہ بھی تو ہوتا ہی رہتا ہے۔ (4) یہ مختلف قیمتیں سامنے آنا اور ان میں سے ایک پر راضی ہو کر اس کو پکا کر لینا بالکل اسی طرح ہے کہ جیسے مارکیٹوں، منڈیوں اور بازاروں میں اکثر خریدار دکاندار سے بھاؤ طے کرتے وقت مختلف قیمتیں ذکر کرتا رہتا ہے، اگر بائع ہزار روپے قیمت بتائے تو خریدار پانچ سو سے بات شروع کرتا ہے، پھر دونوں مسلسل بڑھانے گھٹانے میں لگے رہتے ہیں اور بالآخر کسی ایک قیمت پر اتفاق ہو جاتا ہے اور آج تک کسی بھی

عالم، فقیہ، معاشرے اور قانون نے اسے ''ایک بیع میں دو بیع'' یا ''وقت کی بیع'' شمار نہیں کیا...... بہرحال میرے نزدیک بھی یہی راجح ہے کہ نقد ادھار کی مختلف قیمتوں میں سے اگر ایک کو طے کر لیا جائے کہ جس میں تاخیر کی صورت میں کسی قسم کی مزید چٹی اور اضافہ نہ پڑتا ہو تو وہ ایک بیع میں دو بیع رہتی ہی نہیں۔ لہٰذا یہ جائز ہے اور فرمان الٰہی ہے: ﴿إِلَّآ أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ﴾ (النساء: 29) ''مگر یہ کہ آپس کی رضامندی سے تجارت ہو۔'' پھر بھی اگر کسی شخص کا دل اس پر مطمئن نہ ہو رہا ہو اور وہ کئی ایک علماء وفقہاء کی جانب سے اس معاملے پر سود اور حرمت کے فتوے سن کر شک وشبہ میں مبتلا ہو تو ایسے افراد کے لیے یہ فرمان نبوی ﷺ مشعل راہ ہے: ((فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِيْنِهِ وَعِرْضِهِ وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ)) ''پھر جو شخص شبہات سے بچ جائے تو اس نے اپنے دین اور عزت کو بچا لیا اور جو کوئی شبہات میں داخل ہو جائے وہ حرام میں بھی داخل ہو جائے گا۔'' (بخاری: 52، مسلم: 1599، واللفظ لمسلم)

نقد ادھار کی مذکورہ مختلف فیہ صورت پر صرف وہ شخص عمل کرے جسے خود دلائل سمجھ میں آ جائیں جو کہ آسان ہی ہیں یا پھر اسے کسی شیخ واستاد کے تقویٰ وعلم اور دیانت وتحقیق پر اعتماد ہو اور وہ شیخ اس کے جواز کا قائل ہو، لیکن یہ یاد رہے کہ جن لوگوں کی تحقیق میں یہ صورت مشکوک یا ممنوع ہے ان کے لیے یہ قطعاً مناسب نہیں کہ وہ جواز کے قائلین پر سود خوری اور اللہ سے جنگ کا فتویٰ لگائیں، ہر کوئی اپنی تحقیق کا پابند ہے اور اگر اخلاص سے تحقیق کرتا ہے تو خواہ درستگی نہ بھی پا سکے اس کے لیے اللہ کے ہاں ایک اجر ضرور لکھا جاتا ہے، رسول اللہ ﷺ کا فرمان مبارک ہے: ((إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ)) ''جب حاکم فیصلہ کرے اور اجتہاد کرے پھر درستگی کو پہنچ جائے تو اس کے لیے دو اجر ہیں اور جب وہ فیصلہ کرے اور اجتہاد کرے پھر خطا کر بیٹھے تو بھی اس کے لیے ایک اجر ہے۔'' (صحیح بخاری: 7352)

[1372] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهَى عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے ایک بیع میں دو بیع کرنے سے منع فرمایا ہے۔

[1373] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ ایک آدمی نے دوسرے شخص

[1372] (مرفوع صحيح لغيره) جامع الترمذي، كتاب البيوع، باب ماجاء في النهي عن بيعتين في بيعة، حديث: 1231- سنن النسائي، كتاب البيوع، باب بيعتين في بيعة، حديث: 4636- احمد: 432/2 (9582)- شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو صحیح لغیرہ کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

[1373] (موقوف ضعيف) عبدالرزاق: 14439- ابن ابی شيبه: 23092- احمد: 239/1 (3725)- ابن حبان: 399/11 (5025)- شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔

رَجُلاً قَالَ لِرَجُلٍ : ابْتَعْ لِي هَذَا الْبَعِيرَ بِنَقْدٍ، حَتَّى أَبْتَاعَهُ مِنْكَ إِلَى أَجَلٍ . فَسُئِلَ عَنْ ذَلِكَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ ، فَكَرِهَهُ وَنَهَى عَنْهُ .

سے کہا کہ تم میرے لیے اس اونٹ کو نقد خرید لو، تاکہ میں تم سے اسے ادھار خرید لوں، چنانچہ اس کے متعلق حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا تو انھوں نے اسے ناپسند جانا اور اس سے منع کر دیا۔

فائدہ:...... باب کے عنوان سے مناسبت یہ ہے کہ اس نے اپنی بات میں اونٹ کے متعلق دو دفعہ بیع کی بات کی، ایک نقد بیع جو دوسرا آدمی اس کی نیت سے کرے گا اور دوسری ادھار بیع جو بات کرنے والا خریدنے والے سے کرے گا، اس میں موجود کئی ایک خرابیوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ ایسے شخص سے بیع کی بات پکی کر رہا ہے جو ابھی اس اونٹ کا مالک ہی نہیں بنا۔

[1374] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ ، أَنَّهُ بَلَغَهُ : أَنَّ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ سُئِلَ عَنْ رَجُلٍ اشْتَرَى سِلْعَةً بِعَشَرَةِ دَنَانِيرَ نَقْداً ، أَوْ بِخَمْسَةَ عَشَرَ دِينَاراً إِلَى أَجَلٍ ، فَكَرِهَ ذَلِكَ وَنَهَى عَنْهُ .

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ قاسم بن محمد رحمہ اللہ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس نے کوئی سامان دس دینار نقد یا پندرہ دینار ادھار پر خرید لیا تو قاسم رحمہ اللہ نے اسے ناپسند جانا اور اس سے منع کر دیا۔

قَالَ مَالِكٌ فِي رَجُلٍ ابْتَاعَ سِلْعَةً مِنْ رَجُلٍ بِعَشَرَةِ دَنَانِيرَ نَقْداً ، أَوْ بِخَمْسَةَ عَشَرَ دِينَاراً إِلَى أَجَلٍ ، قَدْ وَجَبَتْ لِلْمُشْتَرِي بِأَحَدِ الثَّمَنَيْنِ ، إِنَّهُ لا يَنْبَغِي ذَلِكَ ، لأَنَّهُ إِنْ أَخَّرَ الْعَشَرَةَ ، كَانَتْ خَمْسَةَ عَشَرَ إِلَى أَجَلٍ ، وَإِنْ نَقَدَ الْعَشَرَةَ ، كَانَ إِنَّمَا اشْتَرَى بِهَا الْخَمْسَةَ عَشَرَ الَّتِي إِلَى أَجَلٍ .

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جو کسی آدمی سے کوئی سامان دس دینار نقد یا پندرہ دینار ادھار پر خریدے اور وہ سامان خریدار کے ذمے ان میں سے کسی ایک قیمت کے ساتھ واجب ہو جائے، تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: یقیناً یہ کام اس کے لیے درست نہیں ہے، کیونکہ بلاشبہ (صورت یہ بن جاتی ہے کہ) اگر وہ دس دینار مؤخر کرتا ہے تو وہ ایک میعاد پر پندرہ ہو جائیں گے اور اگر نقد دس دینار دیتا ہے تو یوں ہوگیا کہ اس نے دس دینار نقد دے کر ادھار والے پندرہ دینار خرید لیے۔

قَالَ مَالِكٌ فِي رَجُلٍ اشْتَرَى مِنْ رَجُلٍ سِلْعَةً بِدِينَارٍ نَقْداً ، أَوْ بِشَاةٍ مَوْصُوفَةٍ إِلَى أَجَلٍ ، قَدْ وَجَبَ عَلَيْهِ بِأَحَدِ الثَّمَنَيْنِ : إِنَّ ذَلِكَ مَكْرُوهٌ

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جو دوسرے آدمی سے کوئی سامان یوں خریدے کہ نقد قیمت دے گا تو ایک دینار اور اگر ادھار کرے گا تو ایک ایسی بکری

[1374] (مقدلوع ضعیف) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔

لَا يَنْبَغِي، لِأَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَدْ نَهَى عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ، وَهٰذَا مِنْ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ.

دے گا جس کے اوصاف بیان کر دیے گئے ہوں اور اس خریدار پر ان دونوں قیمتوں میں سے ایک واجب ہو رہی ہو تو (فرمایا کہ) بلاشبہ یہ ناپسند ہے اور یہ مناسب نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ایک بیع میں دو بیع کرنے سے منع فرمایا ہے اور یہ ایک بیع میں دو بیع ہی ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ فِي رَجُلٍ قَالَ لِرَجُلٍ: أَشْتَرِي مِنْكَ هٰذِهِ الْعَجْوَةَ، خَمْسَةَ عَشَرَ صَاعاً، أَوِ الصَّيْحَانِيَّ عَشَرَةَ أَصْوُعٍ، أَوِ الْحِنْطَةَ الْمَحْمُولَةَ خَمْسَةَ عَشَرَ صَاعاً، أَوِ الشَّامِيَّةَ عَشَرَةَ أَصْوُعٍ بِدِينَارٍ قَدْ وَجَبَتْ لِي إِحْدَاهُمَا: إِنَّ ذٰلِكَ مَكْرُوهٌ لَا يَحِلُّ، وَذٰلِكَ أَنَّهُ قَدْ أَوْجَبَ لَهُ عَشَرَةَ أَصْوُعٍ صَيْحَانِيًّا، فَهُوَ يَدَعُهَا وَيَأْخُذُ خَمْسَةَ عَشَرَ صَاعاً مِنَ الْعَجْوَةِ، أَوْ تَجِبُ عَلَيْهِ خَمْسَةَ عَشَرَ صَاعاً مِنَ الْحِنْطَةِ الْمَحْمُولَةِ، فَيَدَعُهَا وَيَأْخُذُ عَشَرَةَ أَصْوُعٍ مِنَ الشَّامِيَّةِ، فَهٰذَا أَيْضاً مَكْرُوهٌ لَا يَحِلُّ، وَهُوَ أَيْضاً يُشْبِهُ مَا نُهِيَ عَنْهُ مِنْ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ، وَهُوَ أَيْضاً مِمَّا نُهِيَ عَنْهُ أَنْ يُبَاعَ مِنْ صِنْفٍ وَاحِدٍ مِنَ الطَّعَامِ، اثْنَانِ بِوَاحِدٍ.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جو دوسرے آدمی سے کہتا ہے کہ میں تم سے ایک دینار کے عوض یہ پندرہ صاع عجوہ کھجوریں یا دس صاع (عجوہ سے بھی عمدہ) صیحانی کھجوریں خریدتا ہوں یا (کہے کہ میں ایک دینار کے عوض) پندرہ صاع محمولہ گندم (جس کے سٹوں میں بہت زیادہ دانے ہوتے ہیں اور یہ بھی شامی ہوتی ہے) یا دس صاع شامی (سرخ) گندم خرید لیتا ہوں، میرے لیے ان میں سے کوئی ایک واجب ہوگئی تو (امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ) بلاشک یہ مکروہ ہے، حلال نہیں ہے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ بائع نے مشتری کے لیے دس صاع صیحانی کھجور واجب کر دی لیکن وہ اسے چھوڑ دیتا اور (اس کے عوض) پندرہ صاع عجوہ کھجور لے لیتا ہے اور (یہ گویا کھجور کی کھجور سے کمی بیشی والی بیع ہوگئی، اس طرح) اس کے لیے پندرہ صاع محمولہ گندم واجب ہوتی ہے لیکن وہ اسے چھوڑ دیتا ہے اور دس صاع شامی گندم لے لیتا ہے، لہٰذا یہ ناپسند چیز ہے اور حلال نہیں ہے اور یہ صورت تو ایک بیع میں دو بیع کرنے سے بھی مشابہت رکھتی ہے جس سے منع کر دیا گیا ہے، نیز یہ اس صورت میں بھی شامل ہے جس سے منع کیا گیا ہے یعنی طعام (اناج) کی ایک ہی قسم میں ایک کے بدلے دو کو لینا۔

34- بَابٌ: بَيْعُ الْغَرَرِ

دھوکے کی بیع کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں ایک مرفوع روایت (حدیث نبوی) ہے جو بخاری و مسلم میں بھی موجود ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے آٹھ فتاویٰ جات بھی مذکور ہیں۔

[1375] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي حَازِمِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَهَى عَنْ بَيْعِ الْغَرَرِ.

سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے دھوکے کی بیع سے منع فرمایا ہے۔

فائدہ:......حرام خرید وفروخت کے حوالے سے یہ حدیث مبارکہ ایک بنیاد ہے، ہر حرام بیع دھوکے والی ہوتی ہے، چنانچہ جس بیع میں کسی مجہول یا معدوم یا غیر مقدور چیز کا لین دین ہو وہ دھوکا وفساد کا منبع ہے اور حرام ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَمِنَ الْغَرَرِ وَالْمُخَاطَرَةِ أَنْ يَعْمِدَ الرَّجُلُ قَدْ ضَلَّتْ دَابَّتُهُ، أَوْ أَبَقَ غُلَامُهُ، وَثَمَنُ الشَّيْءِ مِنْ ذَلِكَ خَمْسُونَ دِينَاراً، فَيَقُولُ رَجُلٌ: أَنَا آخُذُهُ مِنْكَ بِعِشْرِينَ دِينَاراً، فَإِنْ وَجَدَهُ الْمُبْتَاعُ ذَهَبَ مِنَ الْبَائِعِ ثَلَاثُونَ دِينَاراً، وَإِنْ لَمْ يَجِدْهُ ذَهَبَ الْبَائِعُ مِنَ الْمُبْتَاعِ بِعِشْرِينَ دِينَاراً.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ صورت بھی دھوکا وفراڈ اور بازی لگانے (خود کو خطرے میں ڈالنے) میں شامل ہے کہ آدمی (آگے بیان کردہ چیز کا) قصد کرے، اس کی سواری گم ہو چکی ہو یا اس کا غلام بھاگ گیا ہو اور اس (سواری یا غلام) کی قیمت پچاس دینار ہو، تو کوئی شخص (اس کے مالک سے) کہے کہ میں اسے تم سے بیس دینار میں خرید لیتا ہوں، پھر اگر وہ اس چیز کو پالے تو بائع کے تیس دینار ضائع ہو جائیں گے، یا اگر وہ اس چیز کو نہ پا سکے تو بائع خریدار سے (مفت میں) بیس دینار لے جائے گا۔

قَالَ مَالِكٌ: وَفِي ذَلِكَ عَيْبٌ آخَرُ: إِنَّ تِلْكَ الضَّالَّةَ إِنْ وُجِدَتْ لَمْ يُدْرَ، أَزَادَتْ أَمْ نَقَصَتْ أَمْ مَا حَدَثَ بِهَا مِنَ الْعُيُوبِ، فَهَذَا أَعْظَمُ الْمُخَاطَرَةِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور اس (بیع) میں ایک اور عیب بھی ہے کہ وہ گم شدہ چیز اگر پالی جائے تو کوئی علم نہیں کہ اس کی قیمت بڑھ چکی ہے یا کم ہوگئی ہے یا اس میں کوئی عیب واقع ہو چکا ہے، لہٰذا یہ بہت ہی بڑا دھوکا اور خطرہ مول لینا ہے۔

فائدہ:......یعنی یہ ایک مجہول صفت والی چیز کی بیع ہے، ہوسکتا ہے کہ بھاگتے وقت اونٹنی بیمار اور کم قیمت ہو اور بعد میں صحت مند اور قیمتی بن گئی ہو یا غلام نے کوئی ہنر سیکھ لیا ہو یا وہ معذور ہو چکا ہو۔

قَالَ مَالِكٌ: وَالْأَمْرُ عِنْدَنَا: أَنَّ مِنَ الْمُخَاطَرَةِ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں یہ حکم ہے کہ بلاشبہ

[1375] (مرفوع صحيح) صحيح مسلم، كتاب البيوع، باب بطلان بيع الحصاة والبيع الذي فيه غرر، حديث: 1513- سنن ابي داود، كتاب البيوع، باب في بيع الغرر، حديث: 3376- ترمذي: 1230- نسائي: 4522- ابن ماجه: 2194- احمد: 250/2 (7405)- دارمي: 2554.

وَالْغَرَرِ اشْتِرَاءَ مَا فِي بُطُونِ الإِنَاثِ مِنَ النِّسَاءِ وَالدَّوَابِّ، لِأَنَّهُ لَا يُدْرَى أَيَخْرُجُ أَمْ لَا يَخْرُجُ، فَإِنْ خَرَجَ لَمْ يُدْرَ أَيَكُونُ حَسَناً أَمْ قَبِيحاً، أَتَامّاً أَمْ نَاقِصاً، أَذَكَراً أَمْ أُنْثَى، وَذَلِكَ كُلُّهُ يَتَفَاضَلُ، إِنْ كَانَ عَلَى كَذَا فَقِيمَتُهُ كَذَا، وَإِنْ كَانَ عَلَى كَذَا فَقِيمَتُهُ كَذَا.

فریب اور بازی لگانے کی صورتوں میں عورتوں اور مادہ جانوروں کے پیٹوں میں موجود کسی چیز کو خریدنا بھی شامل ہے، اس لیے کہ بلاشبہ (ان باتوں کا) کوئی علم نہیں کہ وہ بچہ باہر بھی آئے گا یا نہیں، اگر باہر آیا تو کوئی پتا نہیں کہ وہ خوبصورت ہوگا یا بدصورت، تام الخلقت ہوگا یا ناقص، مذکر ہوگا یا مونث اور ہر ایک (احتمال میں اس کی قیمت) میں کمی یا بیشی ہے کہ اگر وہ ایسا ہوا تو اس کی قیمت اتنی ہوگی اور ایسا ہوا تو اس کی قیمت اتنی ہوگی۔

قَالَ مَالِكٌ: وَلَا يَنْبَغِي بَيْعُ الإِنَاثِ وَاسْتِثْنَاءُ مَا فِي بُطُونِهَا، وَذَلِكَ أَنْ يَقُولَ الرَّجُلُ لِلرَّجُلِ ثَمَنُ شَاتِي الْغَزِيرَةِ ثَلَاثَةُ دَنَانِيرَ، فَهِيَ لَكَ بِدِينَارَيْنِ، وَلِي مَا فِي بَطْنِهَا، فَهَذَا مَكْرُوهٌ، لِأَنَّهُ غَرَرٌ وَمُخَاطَرَةٌ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور یہ بھی درست نہیں کہ مادہ جانوروں کو بیچ دیا جائے اور اس چیز کا استثناء کر لیا جائے جو ان کے پیٹوں میں ہو اور یہ (مثلاً) اس طرح ہے کہ ایک آدمی دوسرے آدمی سے کہتا ہے کہ میری اس بہت دودھ دینے والی بکری کی قیمت تین دینار ہے، تو یہ تمھارے لیے دو دینار کی ہے اور اس کے پیٹ کا بچہ میرا ہے، تو یہ ناپسند (اور ناجائز) چیز ہے کیونکہ بلاشبہ یہ دھوکا وفراڈ اور بازی لگانا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَلَا يَحِلُّ بَيْعُ الزَّيْتُونِ بِالزَّيْتِ، وَلَا الْجُلْجُلَانِ بِدُهْنِ الْجُلْجُلَانِ، وَلَا الزُّبْدِ بِالسَّمْنِ، لِأَنَّ الْمُزَابَنَةَ تَدْخُلُهُ، وَلِأَنَّ الَّذِي يَشْتَرِي الْحَبَّ وَمَا أَشْبَهَهُ بِشَيْءٍ مُسَمًّى مِمَّا يَخْرُجُ مِنْهُ، لَا يَدْرِي أَيَخْرُجُ مِنْهُ أَقَلُّ مِنْ ذَلِكَ أَوْ أَكْثَرُ، فَهَذَا غَرَرٌ وَمُخَاطَرَةٌ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: زیتون کے پھل کو زیتون کے تیل کے بدلے بیچنا جائز نہیں اور نہ ہی تلوں کو تلوں کے تیل کے بدلے اور نہ ہی مکھن کو گھی کے بدلے بیچنا جائز ہے، کیونکہ اس صورت میں بیع مزابنہ والی صورت آ جاتی ہے اور اس وجہ سے بھی (ناجائز ہے) کہ وہ شخص جو دانے اور اس کے مشابہ چیز (مکھن وغیرہ) کو اس متعین چیز کے بدلے بیچتا ہے جو ان دانوں سے (اور مکھن وغیرہ سے) نکلے گی تو وہ نہیں جانتا کہ آیا وہ (گھی اور تیل) اس (مکھن اور دانوں) سے کم نکلے گا یا زیادہ، لہٰذا یہ بھی دھوکا وفریب اور خطرہ مول لینا ہے۔

فائدہ:...... ظاہر بات ہے کہ جب زیتون کا پھل زیتون کے تیل کے عوض بیچا جائے گا تو یہ اندازہ لگایا جائے گا کہ اس پھل کے خشک ہونے کے بعد اس میں سے کس قدر تیل حاصل ہوگا، گھی کے بدلے مکھن میں بھی یہی اندازہ لگانا ہوگا کہ اس مکھن میں سے کس قدر گھی نکلے گا اور یہ محض اٹکل اور تخمینہ ہی ہوگا، ایک طرف متعین تیل یا گھی ہوگا

اور دوسری طرف انکل پر جنس مبہم و مجہول مقدار ہوگی، اور یہ بیع مزابنہ ہی کی طرح ہے کہ ایک طرف خشک تیار شدہ پھل ہوتا ہے اور دوسری جانب درخت پر موجود پھل کے متعلق یہ اندازہ وتخمینہ ہوتا ہے کہ یہ خشک ہو کر اتنا ہو جائے گا، الغرض ان صورتوں میں چونکہ ایک جانب کا سامان معلوم مقدار نہیں رکھتا جس کی بنا پر شریعت میں یہ بیع نا قابل قبول ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَمِنْ ذَلِكَ أَيْضاً اشْتِرَاءُ حَبِّ الْبَانِ بِالسَّلِيخَةِ، فَذَلِكَ غَرَرٌ، لأَنَّ الَّذِي يَخْرُجُ مِنْ حَبِّ الْبَانِ هُوَ السَّلِيخَةُ، وَلَا بَأْسَ بِحَبِّ الْبَانِ بِالْبَانِ الْمُطَيَّبِ، لأَنَّ الْبَانَ الْمُطَيَّبَ قَدْ طُيِّبَ وَنُشَّ وَتَحَوَّلَ عَنْ حَالِ السَّلِيخَةِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور اسی (دھوکے کی بیع) میں سے بان (ایک لمبا درخت جس کے پتے بید کے پتوں جیسے ہوتے ہیں اور اس کے بیج سے خوشبودار تیل نکلتا ہے) کے بیج کو خالص روغن بان کے عوض خریدنا ہے، یہ بھی دھوکا ہے کیونکہ بان کے بیج میں سے جو نکلتا ہے وہی سلیخہ (روغن بان) ہے، البتہ بان کے بیج کو خوشبودار بان کے عوض بیچنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ خوشبودار بان (کے تیل) میں (مزید) خوشبو ملائی جا چکی ہوتی ہے (یعنی وہ مُخَلَّط بان بن چکا ہے) اور وہ سلیخہ کی حالت سے تبدیل ہو چکا ہوتا ہے۔

فائدہ: ...... یعنی بان کے بیج کو روغن بان سے بیچیں گے تو ایک جانب مجہول مقدار ہے اور اگر خالص روغن بان کو خوشبودار بان کے تیل کے عوض بیچیں گے تو درست ہے کیونکہ دونوں جانب مقدار بھی معلوم ہوتی ہے اور دونوں کی حیثیت بھی ہم جنس چیز کی نہیں رہتی، اسی طرح بان کے بیج اور مخلوط شدہ روغن بان بھی الگ الگ جنس شمار ہوتی ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ فِي رَجُلٍ بَاعَ سِلْعَةً مِنْ رَجُلٍ، عَلَى أَنَّهُ لَا نُقْصَانَ عَلَى الْمُبْتَاعِ : إِنَّ ذَلِكَ بَيْعٌ غَيْرُ جَائِزٍ، وَهُوَ مِنَ الْمُخَاطَرَةِ . وَتَفْسِيرُ ذَلِكَ أَنَّهُ كَأَنَّهُ اسْتَأْجَرَهُ بِرِبْحٍ، إِنْ كَانَ فِي تِلْكَ السِّلْعَةِ، وَإِنْ بَاعَ بِرَأْسِ الْمَالِ، أَوْ بِنُقْصَانٍ فَلَا شَيْءَ لَهُ، وَذَهَبَ عَنَاؤُهُ بَاطِلاً، فَهَذَا لَا يَصْلُحُ، وَلِلْمُبْتَاعِ فِي هَذَا أُجْرَةٌ بِمِقْدَارِ مَا عَالَجَ مِنْ ذَلِكَ، وَمَا كَانَ فِي تِلْكَ السِّلْعَةِ مِنْ نُقْصَانٍ أَوْ رِبْحٍ فَهُوَ لِلْبَائِعِ وَعَلَيْهِ، وَإِنَّمَا يَكُونُ ذَلِكَ إِذَا فَاتَتِ السِّلْعَةُ وَبِيعَتْ، فَإِنْ لَمْ تَفُتْ فُسِخَ الْبَيْعُ

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جس نے کسی دوسرے آدمی کو کوئی سامان بیچا، اس شرط پر کہ خریدار پر کوئی نقصان نہ ہوگا (یعنی خریدار جب اسے آگے بیچے اور اس میں گھاٹا پڑ جائے تو خریدار ذمہ دار ہوگا) تو بلاشبہ یہ بیع جائز نہیں ہے اور یہ بھی دھوکا و فریب اور بازی لگانے کی صورتوں میں سے ہے۔ اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ گویا بائع نے مشتری کو کچھ نفع کے عوض مزدور رکھ لیا (اور وہ نفع بھی مقرر نہ کیا کہ کتنا ملے گا)، اس صورت میں کہ وہ نفع اس سامان میں موجود ہو، اور (اب) اگر اس نے مال کی اصل قیمت یا گھاٹے کے ساتھ بیچ دیا (یعنی خریدار نے جتنے میں خریدا تھا اتنے میں یا اس سے بھی کم قیمت میں بیچا) تو اسے

بَيْنَهُمَا . کوئی چیز (نفع میں) نہ ملی اور اس کی (خرید وفروخت والی)
مشقت رائیگاں چلی گئی (اور وہ جو شرط تھی کہ مشتری کو نقصان نہ ہوگا، ختم ہوگئی کیونکہ محنت رائیگاں جانا اور نفع کچھ نہ پانا بھی تو نقصان ہی ہے) لہٰذا یہ درست نہیں ہے اور اس معاملے میں خریدار کو اس قدر اجرت ملے گی جو اس نے کوشش کی ہے اور اس سامان میں جس قدر بھی نقصان یا نفع ہوا ہوگا وہ بائع ہی کے حق میں اور اسی کے خلاف شمار ہوگا اور یہ صرف اس وقت ہے جب سامان (مشتری کے) ہاتھ سے نکل چکا ہو اور بیچا جا چکا ہو اور اگر وہ ہاتھ سے نہیں نکلا تو ان دونوں کے مابین وہ بیع ہی فسخ کر دی جائے گی۔

فائدہ :......یعنی بائع نے مشتری کو سامان بیچا اور کہا کہ تمھیں اس میں نقصان نہیں ہوسکتا، لیکن مشتری کو وہ سامان آگے بیچتے وقت نقصان ہوگیا، چنانچہ تنازعہ کھڑا ہوگیا جس کا حل امام مالک رحمہ اللہ نے یہ نکالا ہے کہ اگر تو وہ سامان آگے بک چکا ہو اور واپسی کی امید نہ ہو تو یوں سمجھیں گے کہ اس مشتری نے بائع ہی کا سامان آگے بیچا ہے، نفع ونقصان بائع ہی کے حق میں شمار ہوگا اور مشتری کو اپنی رقم بائع سے واپس مل جائے گی اور اس کے ساتھ ساتھ وہ ''اجرت بقدر محنت'' کا بھی حقدار ہوگا جو بائع سے وصول کر کے اسے دی جائے گی، اور اگر سامان آگے نہ بکا ہو اور مشتری کے پاس ہی موجود ہو تو بیع فسخ ہو جائے گی اور مشتری بائع کا مال اسے واپس دے کر اپنی رقم اس سے وصول کر لے گا۔

قَالَ مَالِكٌ : فَأَمَّا أَنْ يَبِيعَ رَجُلٌ مِنْ رَجُلٍ سِلْعَةً يَبُتُّ بَيْعَهَا ، ثُمَّ يَنْدَمُ الْمُشْتَرِي فَيَقُولُ لِلْبَائِعِ : ضَعْ عَنِّي ، فَيَأْبَى الْبَائِعُ وَيَقُولُ : بِعْ فَلَا نُقْصَانَ عَلَيْكَ ، فَهٰذَا لَا بَأْسَ بِهِ لِأَنَّهُ لَيْسَ مِنَ الْمُخَاطَرَةِ ، وَإِنَّمَا هُوَ شَيْءٌ وَضَعَهُ لَهُ ، وَلَيْسَ عَلَى ذٰلِكَ عَقَدَا بَيْعَهُمَا ، وَذٰلِكَ الَّذِي عَلَيْهِ الْأَمْرُ عِنْدَنَا .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: رہی یہ صورت کہ آدمی دوسرے شخص کو کوئی سامان بیچے اور اس سامان کی بیع کو قطعی اور پختہ بنا دے (کوئی شرط وغیرہ لگا کر بیع کو معلق نہ کرے بلکہ کہہ دے کہ سودا ہو جانے کے بعد اس پر عمل درآمد کرنا فریقین پر لازم ہے)، پھر مشتری شرمندہ ہو اور بائع سے کہے کہ مجھے (قیمت میں کچھ) رعایت دو اور بائع انکار کر دے اور کہے کہ تم اسے (آگے کسی اور کے ہاتھ یا مجھے ہی) بیچ دو، تم پر کوئی نقصان نہ ہوگا تو اس (طرح کہنے اور کرنے) میں کوئی حرج نہیں ہے (اور بیع بھی فسخ نہ ہوگی) کیونکہ یہ دھوکے اور شرط بدنے میں شامل نہیں ہے، بلکہ یہ تو ایک ایسی چیز ہے جسے بائع نے مشتری کے سامنے رکھ دیا ہو (یعنی ایک رائے مشورہ دیا ہے) اور ان دونوں نے اس شرط پر اپنی بیع کو منعقد نہیں کیا تھا اور یہی ہے وہ (فتویٰ) جس پر ہمارے ہاں حکم ہے۔

فائدہ :...... چنانچہ اب اس مشتری پر منحصر ہے، چاہے تو چیز اپنے پاس رکھ لے اور چاہے تو بیچ دے، بائع کسی چٹی کا ذمہ دار نہ ہوگا۔

35- بَابٌ: الْمُلَامَسَةُ وَالْمُنَابَذَةُ

ملامسہ (باہم چھونے) اور منابذہ (باہم پھینکنے) کی بیع کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں صرف ایک حدیث نبوی ہے جو بخاری ومسلم میں بھی موجود ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے تین فتاویٰ بھی مذکور ہیں۔

[1376] حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ. وَعَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهَى عَنِ الْمُلَامَسَةِ وَالْمُنَابَذَةِ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے ملامسہ اور منابذہ سے منع فرمایا ہے۔

فائدہ:...... ''ملامسہ'' کا لفظ ''لمس'' سے ماخوذ ہے جس کے معنی چھونے کے ہیں اور ''منابذہ'' کا لفظ ''نبذ'' سے ماخوذ ہے جس کے معنی پھینکنے کے ہیں، ملامسہ ومنابذہ دونوں باب مفاعلہ کے مصدر ہیں جس میں مشارکت یعنی باہمی شرکت کا خاصہ ہوتا ہے تو ان کے مفہوم میں فریقین کا چھونا اور فریقین کا پھینکنا شامل ہے۔ یہ دونوں دور جاہلیت میں خرید وفروخت کے طریقے تھے جو اسلام میں ممنوع ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان کی تفسیر یوں مروی ہے: ''ملامسہ'' یہ ہے کہ دونوں (بائع اور مشتری) میں سے ہر ایک بغیر غور وفکر کے اپنے ساتھی کے کپڑے کو چھولے اور ''منابذہ'' یہ ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک اپنے کپڑے کو دوسرے کی طرف پھینک دے اور ان میں سے کوئی بھی اپنے ساتھی کے کپڑے کو (کھول کر چیک کرنے کے لیے) نہ دیکھے۔ (مسلم: 2/1511) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ان کی تفسیر یوں مروی ہے: ''ملامسہ'' یہ ہے کہ رات یا دن (کے کسی حصے) میں ایک آدمی دوسرے کے کپڑے کو (محض) ہاتھ سے چھولے اور اسے الٹ پلٹ کر کے نہ دیکھے، بس یہی کرے (اور بیع پکی ہو جائے) اور ''منابذہ'' یہ ہے کہ ایک آدمی دوسرے کی طرف اپنا کپڑا پھینکے اور وہ دوسرا شخص اس کی طرف اپنا کپڑا پھینکے اور بغیر کچھ دیکھے (بغیر کچھ غور وفکر کیے) اور بغیر باہمی رضا مندی کے یہی عمل ان کی بیع بن جائے۔ (بخاری: 5820، مسلم: 1512)

ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہوگا کہ بھلا ایسا کرنے پر آدمی کیوں تیار ہو جاتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہر دور کے ہزاروں غلط طریقوں اور دھوکوں کی طرح یہ بھی ایک طریقہ تھا، جس میں لوگوں کو سبز باغ دکھائے جاتے تھے، یعنی چالاک اور دھوکے باز لوگ بعض لوگوں کو ان طریقوں کے ذریعے بہترین مال بیچ دیتے اور ان کو خوب نفع پہنچاتے، پھر شہرت ہو

[1376] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب البيوع، باب بيع المنابذة، حديث: 2146، 368، 584، 1993، 2145، 5819، 5821- صحيح مسلم، كتاب البيوع، باب ابطال بيع الملامسة والمنابذة، حديث: 1511- ترمذی: 1310- نسائی: 4513- ابن ماجہ: 2169- احمد: 379/2 (8922).

جاتی اور عوام کالانعام بھیڑ چال کا شکار ہو کر یہ عمل شروع کر دیتے تا کہ انھیں بھی نفع ہو، اور وہ چالاک لوگ ان طریقوں سے اپنے نقصان کی تلافی بھی کر لیتے اور گھٹیا مال بیچ کر دونوں ہاتھوں سے دولت کماتے ، جس طرح کہ آج کل کی قرعہ اندازیوں کا حال ہے، چند افراد مالا مال اور اکثر لوگ محروم ہو جاتے ہیں اور دکانوں والے خوب نفع بٹورتے ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ : وَالْمُلَامَسَةُ أَنْ يَلْمِسَ الرَّجُلُ الثَّوْبَ ، وَلَا يَنْشُرَهُ ، وَلَا يَتَبَيَّنَ مَا فِيهِ ، أَوْ يَبْتَاعَهُ لَيْلاً وَلَا يَعْلَمَ مَا فِيهِ ، وَالْمُنَابَذَةُ أَنْ يَنْبِذَ الرَّجُلُ إِلَى الرَّجُلِ ثَوْبَهُ ، وَيَنْبِذَ الآخَرُ إِلَيْهِ ثَوْبَهُ عَلَى غَيْرِ تَأَمُّلٍ مِنْهُمَا ، وَيَقُولُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا : هَذَا بِهَذَا ، فَهَذَا الَّذِي نُهِيَ عَنْهُ مِنَ الْمُلَامَسَةِ وَالْمُنَابَذَةِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ”ملامسہ“ یہ ہے کہ آدمی ایک کپڑے کو چھولے اور نہ اسے کھولے اور نہ اس کے اندر کی تحقیق کرے یا اسے رات کے وقت خریدے اور جو کچھ اس کے اندر ہے اسے نہ جانے۔ اور ”منابذہ“ یہ ہے کہ آدمی دوسرے شخص کی طرف اپنا کپڑا اور دوسرا شخص اس کی طرف اپنا کپڑا پھینکے اور یہ عمل ان دونوں کی طرف سے سوچ بچار کے بغیر ہو اور ان میں سے ہر ایک کہے کہ یہ کپڑا اس کپڑے کے عوض ہے، تو یہی وہ ملامسہ اور منابذہ ہے جن سے منع کر دیا گیا ہے۔

فائدہ : ...... ملامسہ اور منابذہ کے بیع ہونے کے مختلف مطلب بیان کیے جاتے ہیں: (1) یہ چھونے اور پھینکنے کے عمل، دیکھنے اور سوچ بچار کرنے کے قائم مقام ہوتے ہیں۔ (2) یہ دونوں عمل ایجاب وقبول کے قائم مقام ہوتے ہیں (3) یا ان دونوں سے خیارِ مجلس (مجلس میں بیٹھے بیٹھے سودا منسوخ کرنے کا اختیار) ختم کرنا مقصود ہوتا ہے، ان میں سے پہلی صورت تو سراسر دھوکے سے بھرپور ہے جس میں جہالت ولاعلمی بھی شامل ہے اور باقی دونوں صورتیں اگر پہلی صورت کے ساتھ ہوں تو حرام ہیں اور اگر ہر اعتبار سے دیکھ بھال کر تحقیق کر کے رضا مندی ہو جانے کے بعد ہو تو بھی مکروہ ہیں کیونکہ وہ بہرحال ممنوع کام سے خالی نہیں ہیں۔

"بَيْعُ الْمُنَابَذَةِ" کی تفسیر "بَيْعُ الْحَصَاةِ" (کنکری کی بیع) سے بھی کی گئی ہے۔ جس کے مختلف مفہوم ہیں مثلاً: (1) بائع کہے کہ یہ کپڑے یا برتن یا جانور الغرض کسی قسم کی قابل فروخت چیزیں پڑی ہیں (جن کی قیمتیں بھی مختلف ہیں) تم کنکری پھینکو، جہاں تک وہ پہنچے گی، وہاں تک یہ چیزیں اتنی قیمت میں تمھاری ہو جائیں گی۔ (3) سودا تو مخصوص ہو جائے اور بائع کہے کہ میری مٹھی میں جتنی کنکریاں آئیں گی میں اتنی چیزیں اس وقت میں لوں گا۔ (5) کسی بھی چیز کی بیع کو پکا کرنے کے لیے بائع اور مشتری میں سے کوئی کہے کہ کنکری ہاتھ سے گرتے ہی بیع واجب ہو جائے گی۔ (6) ان میں سے کوئی کہے کہ جب کنکری پھینکوں گا تو بیع واجب ہو جائے گی۔ (7) کنکری گرنے یا پھینکنے سے بیع کو فسخ کرنے کا اختیار ختم ہو جائے گا۔

قَالَ مَالِكٌ فِي السَّاجِ الْمُدْرَجِ فِي جِرَابِهِ، أَوِ الثَّوْبِ الْقُبْطِيِّ الْمُدْرَجِ فِي طَيِّهِ: إِنَّهُ لَا يَجُوزُ بَيْعُهُمَا حَتَّى يُنْشَرَا وَيُنْظَرَ إِلَى مَا فِي أَجْوَافِهِمَا، وَذَلِكَ أَنَّ بَيْعَهُمَا مِنْ بَيْعِ الْغَرَرِ، وَهُوَ مِنَ الْمُلَامَسَةِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے ان طیلسانی چادروں کے متعلق فرمایا جو اپنے تھیلے میں لپٹی ہوئی ہوں یا وہ قبطی کپڑا جو تہہ کر کے لپیٹا گیا ہو (فولڈ شدہ اور تھان کی شکل میں ہو،) بلاشبہ ان کی بیع ناجائز ہے یہاں تک کہ ان کو کھول لیا جائے اور دیکھ لیا جائے کہ ان کے اندر کیا ہے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ ان دونوں کو (تہہ شدہ حالت میں) بیچنا ''بیع الغرر'' (دھوکے کی بیع) میں شامل ہے اور یہ ''ملامسہ'' کی ایک صورت ہے۔

فائدہ: ......''ساج'' کا واحد ''سَاجَةٌ'' ہے اور اس سے مراد وہ سبز (یا سیاہ) رنگ کی طیلسانی چادر اور شال ہے جسے شیوخ اور علماء کندھوں پر ڈالتے یا اوڑھتے ہیں، قبطی کے قاف پر پیش ہے اور زیر کے ساتھ بھی اسے پڑھا جاتا ہے، یہ قبط کی طرف منسوب ہے جو مصر کے عیسائیوں کا لقب تھا۔

قَالَ مَالِكٌ: وَبَيْعُ الْأَعْدَالِ عَلَى الْبَرْنَامِجِ، مُخَالِفٌ لِبَيْعِ السَّاجِ فِي جِرَابِهِ، وَالثَّوْبِ فِي طَيِّهِ، وَمَا أَشْبَهَ ذَلِكَ، فَرَقَ بَيْنَ ذَلِكَ الْأَمْرُ الْمَعْمُولُ بِهِ، وَمَعْرِفَةُ ذَلِكَ فِي صُدُورِ النَّاسِ وَمَا مَضَى مِنْ عَمَلِ الْمَاضِينَ فِيهِ، وَأَنَّهُ لَمْ يَزَلْ مِنْ بُيُوعِ النَّاسِ الْجَائِزَةِ، وَالتِّجَارَةِ بَيْنَهُمُ الَّتِي لَا يَرَوْنَ بِهَا بَأْسًا، لِأَنَّ بَيْعَ الْأَعْدَالِ عَلَى الْبَرْنَامِجِ عَلَى غَيْرِ نَشْرٍ لَا يُرَادُ بِهِ الْغَرَرُ، وَلَيْسَ يُشْبِهُ الْمُلَامَسَةَ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: چارٹ کے حساب سے گٹھڑیوں کی بیع کرنا (اس مذکورہ صورت سے ہٹ کر ہے، کیونکہ یہ) تھیلے میں بند چادروں کی بیع، تھان میں لپٹے کپڑے اور اس سے مشابہ صورتوں کے برعکس ہے، ان میں فرق کرنے والی چیز (ا) وہ معاملہ ہے جو معمول بہا ہے (یعنی لوگ اس پر مسلسل عمل کرتے چلے آرہے ہیں) اور (ب) اس کی وہ معرفت ہے جو لوگوں کے سینوں میں ہوتی ہے۔ (ج) اور وہ عمل ہے جو اسلاف کا اس کے متعلق جاری رہا ہے اور بلاشبہ یہ ہمیشہ سے لوگوں کے جائز معاملات خرید و فروخت میں اور ان کی باہمی تجارت میں شامل رہا ہے جس میں وہ کوئی حرج محسوس نہیں کرتے تھے کیونکہ گٹھڑیوں کو کھولے بغیر چارٹ کے حساب سے دھوکا مقصود نہیں ہوتا اور نہ یہ ''ملامسہ'' کے مشابہ ہے۔

فائدہ: ......''اعدال'' جمع ہے ''عدل'' کی، جس سے مراد وہ بوری، گٹھڑی اور تھیلے ہیں۔ ''برنامج'' سے مراد وہ چارٹ اور کاغذ ہے جس پر اس مال کی تفصیل درج ہوتی ہے، تو ایسی ڈبہ پیک چیزوں کو بغیر کھولے خرید لینا درست ہے، کیونکہ ان میں بند مال کو نہ کھولنے کی وجہ سے جس دھوکے، جہالت اور نقصان کا اندیشہ ہو سکتا ہے اس کا ازالہ برنامج اور چارٹ وغیرہ کے ذریعے کر دیا جاتا ہے، کمپنیوں والے مال کو ڈبہ پیک اور سیل بند حالت میں اس لیے رکھتے ہیں کہ

مختلف جگہوں پر منتقل ہوتے رہنے کے باوجود چیز اصل حالت میں قائم رہے، نیز گاہکوں کے بار بار چیک کرنے سے وہ خراب نہ ہو اور اس عمل میں لوگوں کا بھی مفاد پوشیدہ ہے۔ کمپنی والے چارٹ کے مطابق چیز مہیا کرنے کے ذمہ دار ہوتے ہیں، وارنٹی دینے کا سلسلہ بھی بسا اوقات قائم ہوتا ہے اور اگر وہ ایسا نہ کریں تو ان کا اپنا ہی معیار خراب اور مارکیٹ ڈاؤن ہوتی ہے۔ بہر حال اس جائز صورت کے باوجود دو نمبری کرنے والے نقال لوگ بھی بہت ہیں، اس لیے نقالوں سے ہوشیار رہنا چاہیے اور ایسی خاص چیزیں لوکل افراد سے خریدنے کی بجائے کمپنی کے مراکز سے خریدنی چاہئیں، اور اگر کسی شخص کو برنامج اور چارٹ پر درج تفصیل پر یقین نہ ہو تو پھر یہ شبہ اور دھوکا کی صورت بن جائے گا، اس لیے اسے نہ خریدنا ہی بہتر ہے۔

36- بَابٌ: بَيْعُ الْمُرَابَحَةِ

مرابحہ (نفع مقرر کر کے مال) کی بیع کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں کوئی روایت نہیں ہے، البتہ امام مالک رحمہ اللہ کے پانچ فتاوی جات مذکور ہیں۔

فائدہ: ......بعض لوگ اپنے مال کے متعلق دوسروں کو یہ بتا دیتے ہیں کہ اس کی اصل قیمت اور لاگت اتنی ہے اور ہم اسے اتنے فی صد نفع پر بیچیں گے، تو یہ ''مال اصلی پر مقررہ اضافہ کے ساتھ بیع کرنا'' بیع ''مرابحہ کہلاتا ہے۔ چنانچہ اگر بعد میں کوئی ایسی صورت سامنے آ جائے کہ جس سے معلوم ہو کہ بائع مقرر اور طے شدہ نفع سے زائد وصول کر رہا ہے، خواہ دھوکا دے کر یا کسی کرنسی کا ریٹ گھٹنے بڑھنے کی صورت میں، تو گویا وہ بیع مرابحہ والی بات پر قائم نہ رہا۔

حَدَّثَنِي يَحْيَى ، قَالَ مَالِكٌ : الْأَمْرُ الْمُجْتَمَعُ عَلَيْهِ عِنْدَنَا فِي الْبَزِّ يَشْتَرِيهِ الرَّجُلُ بِبَلَدٍ ، ثُمَّ يَقْدَمُ بِهِ بَلَداً آخَرَ فَيَبِيعُهُ مُرَابَحَةً : إِنَّهُ لَا يَحْسِبُ فِيهِ أَجْرَ السَّمَاسِرَةِ ، وَلَا أَجْرَ الطَّيِّ ، وَلَا الشَّدِّ ، وَلَا النَّفَقَةَ ، وَلَا كِرَاءَ بَيْتٍ ، فَأَمَّا كِرَاءُ الْبَزِّ فِي حُمْلَانِهِ ، فَإِنَّهُ يُحْسَبُ فِي أَصْلِ الثَّمَنِ ، وَلَا يُحْسَبُ فِيهِ رِبْحٌ ، إِلَّا أَنْ يُعْلِمَ الْبَائِعُ مَنْ يُسَاوِمُهُ بِذَلِكَ كُلِّهِ ، فَإِنْ رَبَّحُوهُ عَلَى ذَلِكَ كُلِّهِ بَعْدَ الْعِلْمِ بِهِ فَلَا بَأْسَ بِهِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں اس حکم پر اتفاق ہے اس کپڑے کے متعلق جسے آدمی کسی شہر سے خریدتا ہے، پھر وہ اسے لے کر کسی دوسرے شہر میں آ جاتا ہے اور اسے ''مرابحہ'' کے طور پر بیچتا ہے، تو بلاشبہ اس (کپڑے کی اصل لاگت) میں وہ نہ تو دلالوں کی اجرت شمار کرے گا، نہ کپڑا تہہ کرنے کی اجرت، نہ اسے باندھنے کی مزدوری، نہ (اپنے کھانے پینے وغیرہ کا) خرچ، اور نہ مکان کا کرایہ رہا کپڑے کا بوجھ اٹھوانے (باربرداری) کا کرایہ تو وہ اصل لاگت میں تو شمار ہوگا لیکن نفع میں شمار نہ ہوگا، الا یہ کہ بائع جن لوگوں سے بھاؤ طے کرے گا ان کو ان سب چیزوں کے متعلق بتا دے، پھر وہ یہ معلوم کر لینے کے بعد اسے ان سب پر نفع دے دیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

فائدہ: ......دراصل اگر ان تمام چیزوں میں صرف ہونے والی مزدوریوں کو اصل لاگت میں شامل کریں تو وہ کافی بڑھ جائے گی، پھر ''بیع مرابحہ'' کے طور پر جو نفع مقرر کیا ہوگا وہ بھی کافی بڑھ جائے گا، الا یہ کہ گاہک اس پر راضی ہوں تو الگ بات ہے۔ اصل لاگت میں باربرداری کا خرچ شامل کرنے لیکن نفع میں شامل نہ کرنے کی مثال یہ ہے کہ چیز کی اصل لاگت 1200 روپے ہو تو چوتھا حصہ نفع مقرر ہونے کی صورت میں تین سو روپے بنے گا اور چیز کی قیمت (300 + 1200=)1500 روپے بنے گی اور باربرداری پر دو سو روپے خرچ آیا ہو تو وہ اب غیر نفع کے ساتھ ملائے جائیں گے اور کل قیمت فروخت (200 + 1500) 1700 روپے بن جائے گی۔ یہ نہیں ہوگا کہ 200 روپے پر بھی چوتھا حصہ یعنی 50 روپے نفع وصول کرتے ہوئے قیمت فروخت 1750 روپے بنائیں، الا یہ کہ خریدار راضی ہو تو جائز ہے۔

قَـالَ مَـالِكٌ : فَـأَمَّا الْقِصَـارَةُ وَالْخِيَـاطَةُ وَالصِّبَاغُ ، وَمَا أَشْبَهَ ذٰلِكَ ، فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الْبَزِّ ، يُحْسَبُ فِيهِ الرِّبْحُ كَمَا يُحْسَبُ فِي الْبَزِّ ، فَإِنْ بَـاعَ الْبَزَّ وَلَمْ يُبَيِّنْ شَيْئاً مِمَّا سَمَّيْتُ ، إِنَّهُ لَا يُحْسَبُ لَهُ فِيهِ رِبْحٌ ، فَإِنْ فَاتَ الْبَزُّ ، فَإِنَّ الْكِرَاءَ يُحْسَبُ وَلَا يُحْسَبُ عَلَيْهِ رِبْحٌ ، فَإِنْ لَمْ يَفُتِ الْبَزُّ ، فَالْبَيْعُ مَفْسُوخٌ بَيْنَهُمَا ، إِلَّا أَنْ يَتَرَاضَيَا عَلَى شَيْءٍ مِمَّا يَجُوزُ بَيْنَهُمَا .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: رہی کپڑوں کی دھلائی اور سلائی اور رنگائی اور ان جیسی دوسری چیزیں تو وہ (ہر عمل) کپڑے ہی کی طرح ہے (اور کپڑے کی لاگت میں شامل ہے) اس میں بھی نفع اسی طرح شمار کیا جائے گا جس طرح کہ کپڑے میں شمار کیا جاتا ہے، پھر اگر اس نے کپڑا بیچ دیا اور ان چیزوں میں سے کوئی بھی چیز بیان نہ کی جن کا میں نے نام لیا ہے (اور میں نے جن کا تھوڑی دیر پہلے ذکر کیا ہے) کہ ان میں نفع شمار نہیں کیا جاتا (یعنی دلالی، بندھوائی وغیرہ کی اجرت اور پھر تنازعہ کھڑا ہو جائے کہ اصل لاگت تو کم تھی اور نفع زیادہ بٹورا گیا ہے تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا:) چنانچہ اگر کپڑا فوت ہو چکا ہو (خریدنے والے نے اسے آگے بیچ دیا ہو یا استعمال کر لیا ہو) تو بلاشبہ (صرف باربرداری کا) کرایہ شمار ہوگا، البتہ اس پر نفع نہیں لیا جائے گا (یہ سارا حساب کر کے دیکھا جائے گا کہ اگر بائع نے واقعی زیادہ رقم بٹوری تھی تو وہ زائد مقدار اس سے واپس کرائی جائے گی) اور اگر کپڑا ہاتھ سے نہ نکلا ہو تو ان دونوں (بائع ومشتری) کے درمیان بیع منسوخ ہو جائے گی، الا یہ کہ وہ کسی ایسی چیز پر باہم رضامند ہو جائیں جو ان کے مابین جائز ہو۔

قَـالَ مَـالِكٌ فِـي الـرَّجُلِ يَشْتَـرِي الْمَتَـاعَ بِالـذَّهَبِ أَوْ بِالْوَرِقِ ، وَالصَّرْفُ يَوْمَ اشْتَرَاهُ عَشَرَةُ دَرَاهِـمَ بِـدِينَارٍ ، فَيَقْدَمُ بِهِ بَلَداً فَيَبِيعُهُ

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جو سونے یا چاندی کے عوض سامان خریدتا ہے اور جس دن اس نے اسے خریدا اس دن سونے اور چاندی کی باہمی تبدیلی اور

مُرَابَحَةً ، أَوْ يَبِيعُهُ حَيْثُ اشْتَرَاهُ مُرَابَحَةً عَلَى صَرْفِ ذَلِكَ الْيَوْمِ الَّذِي بَاعَهُ فِيهِ ، فَإِنَّهُ إِنْ كَانَ ابْتَاعَهُ بِدَرَاهِمَ وَبَاعَهُ بِدَنَانِيرَ ، أَوِ ابْتَاعَهُ بِدَنَانِيرَ وَبَاعَهُ بِدَرَاهِمَ ، وَكَانَ الْمَتَاعُ لَمْ يَفُتْ فَالْمُبْتَاعُ بِالْخِيَارِ ، إِنْ شَاءَ أَخَذَهُ ، وَإِنْ شَاءَ تَرَكَهُ ، فَإِنْ فَاتَ الْمَتَاعُ كَانَ لِلْمُشْتَرِي بِالثَّمَنِ الَّذِي ابْتَاعَهُ بِهِ الْبَائِعُ ، وَيُحْسَبُ لِلْبَائِعِ الرِّبْحُ عَلَى مَا اشْتَرَاهُ بِهِ عَلَى مَا رَبَّحَهُ الْمُبْتَاعُ .

کرنسی چینج کرانے کا بھاؤ "ایک دینار کے عوض دس درہم" تھا، پھر وہ اسے لے کر کسی اور شہر میں آ جاتا ہے اور اسے مرابحہ کے طور پر بیچتا ہے یا جہاں اسے خریدا تھا وہیں بطور مرابحہ بیچتا ہے اور جس دن میں اسے بیچتا ہے اس دن کے کرنسی کے بھاؤ کے حساب پر فروخت کرتا ہے (مثلاً دس فیصد نفع طے کیا، کپڑے کو دس دینار یعنی سونے کے سکوں میں خریدا تھا تو اب گیارہ دینار میں بیچ دیا یا سو درہم یعنی چاندی کے سکوں میں خریدا تھا اور ایک سو دس درہم میں بیچا تھا تو اس میں کوئی حرج نہیں، اگر کوئی تنازعہ کھڑا ہو تو یہ بیع درست ہی شمار ہوگی، خواہ سونے چاندی کے ریٹ میں کمی بیشی ہو چکی ہو، کیونکہ اس نے سونے کے بدلے خود خریداری کی تھی اور سونے کے عوض ہی مال بیچا ہے یا چاندی کے بدلے خرید کر چاندی ہی کے عوض اسے بیچ دیا، چنانچہ فیصلہ بائع کے حق میں ہوگا اور بیع منسوخ نہ ہوگی، نہ بائع پر کوئی چٹی پڑے گی، لیکن اگر سونے کے بدلے خریداری کر کے مال کو چاندی کے عوض بیچے یا اس کے الٹ کرے اور خریداری کے دن والے اور فروخت کے دن والے کرنسی ریٹ میں فرق ہو اور پھر تنازعہ کھڑا ہو جائے) تو اگر اس نے خریدا تو درہموں کے عوض تھا اور بیچا دیناروں کے عوض ہو یا دیناروں کے بدلے خریدا ہو اور درہموں کے عوض بیچ دیا ہو اور سامان (جوں کا توں موجود ہو) فوت نہ ہوا ہو تو (اس سے) خریدنے والے کو اختیار ہوگا، اگر چاہے تو اسے لیے رکھے اور اگر چاہے تو اسے چھوڑ دے (اور سودا واپس کر کے اپنی رقم لے لے، اور یہ اختیار اس لیے ہے کہ اس نے جو نفع لینا تھا وہ اپنی قیمت خرید پر لینا تھا جو مثال کے طور پر اس نے سونے کی شکل میں ادا کی تھی لیکن اس نے بیچتے وقت سونے کی شکل میں نفع نہیں لیا بلکہ چاندی کی صورت میں حاصل کیا ہے، حالانکہ دونوں کے استعمال اور ریٹ میں فرق ہے، پھر کبھی سونا چڑھ جاتا ہے اور کبھی چاندی مہنگی ہو جاتی ہے۔ الغرض بائع اپنی بات پر پکا نہیں رہا) اور اگر سامان فوت ہو چکا ہو تو وہ اس مشتری کے لیے اسی قیمت کے عوض ہوگا جس کے عوض بائع نے اسے خریدا تھا اور (اب بائع کا مقرر کردہ نفع ناقابل اعتبار ہوگا بلکہ) اس نے جس قیمت پر اسے خریدا تھا اس پر وہ اسی حساب سے نفع شمار کرے گا جو اس کا خریدار اسے دینے پر راضی ہو۔ (خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ اور اس سے زائد رقم بائع سے واپس لے لی جائے گی)۔

قَالَ مَالِكٌ : إِذَا بَاعَ رَجُلٌ سِلْعَةً قَامَتْ عَلَيْهِ بِمِئَةِ دِينَارٍ ، لِلْعَشَرَةِ أَحَدَ عَشَرَ ، ثُمَّ جَاءَهُ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور جب کوئی آدمی کسی ایسے سامان کو فروخت کرے جو اسے سو دینار میں پڑا تھا (اور وہ

بَعْدَ ذٰلِكَ أَنَّهَا قَامَتْ عَلَيْهِ بِتِسْعِينَ دِينَاراً، وَقَدْ فَاتَتِ السِّلْعَةُ خُيِّرَ الْبَائِعُ، فَإِنْ أَحَبَّ فَلَهُ قِيمَةُ سِلْعَتِهِ يَوْمَ قُبِضَتْ مِنْهُ، إِلَّا أَنْ تَكُونَ الْقِيمَةُ أَكْثَرَ مِنَ الثَّمَنِ الَّذِي وَجَبَ لَهُ بِهِ الْبَيْعُ أَوَّلَ يَوْمٍ، فَلَا يَكُونُ لَهُ أَكْثَرُ مِنْ ذٰلِكَ، وَذٰلِكَ مِئَةُ دِينَارٍ وَعَشَرَةُ دَنَانِيرَ، وَإِنْ أَحَبَّ ضُرِبَ لَهُ الرِّبْحُ عَلَى التِّسْعِينَ، إِلَّا أَنْ يَكُونَ الَّذِي بَلَغَتْ سِلْعَتُهُ مِنَ الثَّمَنِ أَقَلَّ مِنَ الْقِيمَةِ، فَيُخَيَّرُ فِي الَّذِي بَلَغَتْ سِلْعَتُهُ، وَفِي رَأْسِ مَالِهِ وَرِبْحِهِ، وَذٰلِكَ تِسْعَةٌ وَتِسْعُونَ دِينَاراً.

اسے بیع مرابحہ کے طور پر دس فیصد نفع مقرر کر کے یوں بیچے کہ) ہر دس کے بدلے گیارہ لے گا (چنانچہ اس نے سو دینار اپنی قیمت خرید بتا کر ایک سو دس وصول کر لیے) پھر اس کے بعد خبر آئی کہ وہ سامان اسے نوے دینار میں پڑا تھا، (اس اعتبار سے وہ اسے ننانوے دینار میں چیز بیچنے کا مجاز ہے لیکن وہ تو ایک سو دس میں بیچ چکا ہے) اور سامان بھی فوت ہو چکا ہے، (اگر موجود ہوتا تو بیع منسوخ کر کے بھاؤ نئے سرے سے طے کر لیتے، لیکن اب تو وہ سامان آگے بک چکا ہے یا استعمال ہو چکا ہے) تو بائع کو اختیار دیا جائے گا کہ اگر وہ پسند کرے تو اسے اس کے سامان کی قیمت اس دن والی مل جائے، جس میں اس سے وصول کیا گیا تھا (اس دن بازار میں اس کی قیمت کا جو ریٹ تھا وہ وصول کر لے اور باقی ماندہ رقم واپس لوٹا دے)، الا یہ کہ (بازار والی) قیمت اس طے شدہ قیمت سے زیادہ ہو جس پر پہلے دن اس کے لیے بیع واجب ہوگئی تھی (یعنی جو قیمت وہ پہلے طے کر کے بیچ چکا تھا) تو اسے اس سے زیادہ نہیں ملیں گے اور وہ ایک سو دس دینار ہیں (یعنی جس دن اس نے اپنی نوے دینار والی چیز سو دینار کی سمجھ کر دس فیصد نفع پر ایک سو دس دینار میں بیچی تھی اس دن بازار میں اس چیز کی قیمت ایک سو پندرہ دینار تھی تو اب مذکورہ بالا تنازعہ میں اسے ایک سو دس سے زائد کچھ نہیں ملے گا) اور اگر وہ بائع پسند کرے تو اس کے لیے نوے دینار پر نفع کا حساب کر دیا جائے گا (اور نوے پر دس فیصد نفع کے حساب سے ننانوے دینار اس کے لیے ہو جائیں گے اور اس سے زائد جتنی مقدار وہ لے چکا ہوا سے واپس لوٹا دے) الا یہ کہ اس کا سامان جس طے شدہ قیمت (ننانوے دینار) کو پہنچا ہے وہ (بازار کی) قیمت سے کم ہو (یعنی فروخت والے دن بازار میں اس چیز کا ریٹ ننانوے دینار سے زیادہ مثلاً ایک سو پانچ ہو) تو اسے اختیار دیا جائے گا کہ یا تو وہ قیمت لے لے جس تک اس کا سامان (بازار کے مطابق) پہنچ چکا ہو (یعنی ایک سو پانچ دینار) یا اپنی کل لاگت اور اس کا نفع لے لے اور وہ ننانوے دینار بنتے ہیں۔

فائدہ :......یعنی اس ایک سو دس دینار میں بیچی ہوئی چیز کے متعلق تنازعے کا جب حل ہوگا تو خریدار کو بازار کے ریٹ کے حساب سے مطمئن ہونا پڑے گا، البتہ اگر وہ چیز بازار میں ایک سو دس سے بھی مہنگی تھی تو خریدار پر مزید چٹی نہ پڑے گی، رہا بائع تو اسے اختیار ہے کہ چاہے تو بازار کے ریٹ کا حساب لگا لے لیکن ایک سو دس سے اوپر نہ جائے اور چاہے تو طے شدہ بھاؤ کے مطابق نوے دینار والی چیز کے ننانوے دینار لے لے۔ الغرض اس چیز کی قیمت ننانوے سے

ایک سودس کے درمیان درمیان ہی شمار ہوگی، نہ اس سے کم اور نہ اس سے زیادہ، بازار کا ریٹ کم ہوا تو ننانوے سے نیچے نہ جائیں گے اور ایک سودس سے زیادہ ہوا تو ایک سودس پر رک جائیں گے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَإِنْ بَاعَ رَجُلٌ سِلْعَةً مُرَابَحَةً فَقَالَ : قَامَتْ عَلَيَّ بِمِئَةِ دِينَارٍ ، ثُمَّ جَاءَهُ بَعْدَ ذَلِكَ أَنَّهَا قَامَتْ بِمِئَةٍ وَعِشْرِينَ دِينَاراً ، خُيِّرَ الْمُبْتَاعُ ، فَإِنْ شَاءَ أَعْطَى الْبَائِعَ قِيمَةَ السِّلْعَةِ يَوْمَ قَبَضَهَا ، وَإِنْ شَاءَ أَعْطَى الثَّمَنَ الَّذِي ابْتَاعَ بِهِ عَلَى حِسَابِ مَا رَبَّحَهُ ، بَالِغاً مَا بَلَغَ ، إِلاَّ أَنْ يَكُونَ ذَلِكَ أَقَلَّ مِنَ الثَّمَنِ الَّذِي ابْتَاعَ بِهِ السِّلْعَةَ ، فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يُنَقِّصَ رَبَّ السِّلْعَةِ مِنَ الثَّمَنِ الَّذِي ابْتَاعَهَا بِهِ ، لِأَنَّهُ قَدْ كَانَ رَضِيَ بِذَلِكَ ، وَإِنَّمَا جَاءَ رَبُّ السِّلْعَةِ يَطْلُبُ الْفَضْلَ ، فَلَيْسَ لِلْمُبْتَاعِ فِي هَذَا حُجَّةٌ عَلَى الْبَائِعِ بِأَنْ يَضَعَ مِنَ الثَّمَنِ الَّذِي ابْتَاعَ بِهِ عَلَى الْبَرْنَامِجِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور اگر کسی شخص نے کوئی سامان مرابحہ کے طور پر فروخت کیا اور کہا کہ مجھے سو دینار میں پڑا ہے، پھر بعد میں یہ خبر آئی کہ وہ ایک سوبیس دینار میں پڑا ہے تو اب خریدار کو اختیار دیا جائے گا کہ اگر چاہے تو بائع کو اس سامان کی اس دن والی قیمت ادا کرے جس میں اس نے اسے قبضے میں لیا تھا اور اگر وہ چاہے تو وہ قیمت ادا کرے جس کے عوض اس نے خرید کیا تھا، اس حساب کے مطابق جو اس نے نفع کے لیے طے کیا ہو خواہ وہ جہاں تک بھی پہنچ جائے (مثلاً دس فیصد کا حساب ہو تو سو پر ایک سو دس ادا کیے تھے، اب ایک سوبیس پر دس فیصد نفع یعنی بارہ دینار بڑھا کر ایک سو بتیس دینار لازم ہوئے، لہٰذا وہ بائیس دینار مزید ادا کرے) الا یہ کہ (اس دن اس چیز کی) بازار والی قیمت اس طے شدہ قیمت (یعنی ایک سو دس دینار) سے بھی کم ہو جس کے عوض اس (خریدار) نے اسے خرید کیا تھا (مثلاً بازار کا ریٹ ایک سو پانچ دینار ہو) تو اس کے لیے جائز نہیں کہ سامان کے مالک (بائع) کو اس قیمت سے کم ادا کرے جس کے عوض اس نے سامان خریدا تھا، کیونکہ بلاشبہ وہ مشتری اس (ایک سودس) پر تو راضی ہو چکا تھا اور بلاشبہ سامان کا مالک یعنی بائع تو (ایک سودس سے بھی) کچھ زائد (دینار) طلب کرتا ہوا آیا ہے، لہٰذا خریدار کے لیے اس (بازار کے ایک سو پانچ والا کم ریٹ) میں بائع کے خلاف کوئی حجت نہ ہوگی کہ وہ اسے اس قیمت میں بھی کمی کرے جس پر اس نے رسید کے مطابق خریدا تھا۔

37- بَابٌ : الْبَيْعُ عَلَى الْبَرْنَامِجِ

برنامج (چارٹ، وارنٹی کارڈ وغیرہ) پر بیع کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں کوئی روایت نہیں ہے، البتہ امام مالک رحمہ اللہ کے تین فتاویٰ مذکور ہیں۔

فائدہ :...... برنامج سے مراد وہ کاغذ اور پرچی ہے جس پر کسی سیل بند قسم کے مال کی تفصیل لکھی ہوتی ہے، مزید تفصیل کے لیے پیچھے باب: ۳۵ کا آخری فائدہ دیکھیے۔

قَالَ مَالِكٌ : الأَمْرُ عِنْدَنَا فِي الْقَوْمِ يَشْتَرُونَ السِّلْعَةَ، الْبَزَّ أَوِ الرَّقِيقَ، فَيَسْمَعُ بِهِ الرَّجُلُ فَيَقُولُ لِرَجُلٍ مِنْهُمْ : الْبَزُّ الَّذِي اشْتَرَيْتَ مِنْ فُلَانٍ قَدْ بَلَغَتْنِي صِفَتُهُ وَأَمْرُهُ، فَهَلْ لَكَ أَنْ أُرْبِحَكَ فِي نَصِيبِكَ كَذَا وَكَذَا، فَيَقُولُ : نَعَمْ، فَيُرْبِحُهُ وَيَكُونُ شَرِيكاً لِلْقَوْمِ مَكَانَهُ، فَإِذَا نَظَرَ إِلَيْهِ رَآهُ قَبِيحاً وَاسْتَغْلَاهُ. قَالَ مَالِكٌ : ذَلِكَ لَازِمٌ لَهُ وَلَا خِيَارَ لَهُ فِيهِ، إِذَا كَانَ ابْتَاعَهُ عَلَى بَرْنَامِجٍ وَصِفَةٍ مَعْلُومَةٍ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں حکم یہ ہے ان (اکٹھے) لوگوں کے متعلق جو کوئی سامان خریدیں، (مثلاً) کپڑا یا غلام، کوئی آدمی اس کے متعلق سن لے تو وہ ان لوگوں میں سے کسی شخص سے کہے کہ تم نے فلاں شخص سے جو کپڑا خریدا ہے، مجھے اس کی صفات اور صورتحال کی خبر پہنچ چکی ہے، تو کیا تمھیں اس بات میں کوئی رغبت ہے کہ میں تمھیں تمھارے حصے میں اس کا اتنا اتنا نفع ادا کروں (اور تیرا حصہ خرید لوں)، وہ کہے کہ ٹھیک ہے، چنانچہ وہ اسے وہ نفع دے دیتا ہے اور اس کی جگہ خود ان لوگوں کا شریک بن جاتا ہے، پھر جب وہ اس سامان کو دیکھتا ہے تو اسے برا اور مہنگا خیال کرتا ہے، (تو اس کے متعلق) امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ بیع اس (خریدار) پر لازم ہو جائے گی اور اسے اس (مال کے واپس لوٹانے) میں کوئی اختیار نہ ہوگا، اگر اس نے اسے کاغذ پر اور معلوم وصف پر خریدا ہو۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الرَّجُلِ يَقْدَمُ لَهُ أَصْنَافٌ مِنَ الْبَزِّ، وَيَحْضُرُهُ السُّوَّامُ، وَيَقْرَأُ عَلَيْهِمْ بَرْنَامِجَهُ وَيَقُولُ : فِي كُلِّ عِدْلٍ كَذَا وَكَذَا مِلْحَفَةً بَصْرِيَّةً، وَكَذَا وَكَذَا رَيْطَةً سَابِرِيَّةً، ذَرْعُهَا كَذَا وَكَذَا، وَيُسَمِّي لَهُمْ أَصْنَافاً مِنَ الْبَزِّ بِأَجْنَاسِهِ وَيَقُولُ: اشْتَرُوا مِنِّي عَلَى هَذِهِ الصِّفَةِ . فَيَشْتَرُونَ الأَعْدَالَ عَلَى مَا وَصَفَ لَهُمْ، ثُمَّ يَفْتَحُونَهَا فَيَسْتَغْلُونَهَا وَيَنْدَمُونَ .

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جس کے پاس مختلف قسموں کا کپڑا آتا ہے اور اس کے پاس بھاؤ لگانے والے بھی حاضر ہو جائیں، وہ ان کو اپنے برنامے (مال کی تفصیلات والے کاغذات) پڑھ کر سنائے اور ہر گٹھڑی کے متعلق کہے کہ اس میں اتنی بصری چادریں ہیں، اس میں اتنے سابوری باریک اور ملائم کپڑے ہیں، ان کا ماپ اتنا اتنا ہے، وہ ان کے سامنے کپڑے کی مختلف اجناس اور اقسام کے نام بھی لے اور کہے کہ مجھ سے اس وصف کے مطابق اسے خرید لو، چنانچہ وہ اس کے بیان کے مطابق اس سے گٹھڑیاں خرید لیتے ہیں، پھر اسے کھولتے ہیں تو اسے مہنگا محسوس کرتے ہیں اور نادم ہو جاتے ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ : ذَلِكَ لَازِمٌ لَهُمْ إِذَا كَانَ مُوَافِقاً لِلْبَرْنَامِجِ الَّذِي بَاعَهُمْ عَلَيْهِ .

تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ بیع ان کے لیے لازم ہے (بشرطیکہ) جب وہ سامان اس برنامے اور کاغذ کے مطابق ہو جس پر اس نے انھیں وہ بیچا تھا۔

فائدہ: ...... "ریـطـه" ایک پاٹ کی چادر کو کہتے ہیں یعنی جس میں کوئی جوڑ نہ ہو، نیز ملائم اور باریک کپڑے پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ "سابریہ" عمدہ وباریک کپڑے کو کہتے ہیں، بعض شارحین نے اس سے ایران کے قصبہ "سابور" کی طرف نسبت مراد لی ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَهَـذَا الأَمْرُ الَّذِي لَمْ يَزَلْ عَلَيْهِ النَّاسُ عِنْدَنَا يُجِيزُونَهُ بَيْنَهُمْ ، إِذَا كَانَ الْمَتَاعُ مُوَافِقاً لِلْبَرْنَامِجِ وَلَمْ يَكُنْ مُخَالِفاً لَهُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور یہی وہ حکم ہے جس پر ہمارے ہاں ہمیشہ سے لوگ قائم عمل کرتے چلے آرہے ہیں، وہ اسے آپس میں جائز قرار دیتے ہیں، جس وقت کہ سامان برنامے کے مطابق ہو اور اس کے مخالف نہ ہو۔

فائدہ: ...... چنانچہ اگر وہ تحریر شدہ تفصیل کے خلاف نکلے تو اگر خریدار چاہے تو بیع فسخ ہو جائے گی۔

38- بَابٌ: بَيْعُ الْخِيَارِ

اختیار والی بیع کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں دو مرفوع روایات (احادیث نبویہ) ہیں جو سنداً صحیح ثابت ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے تین فتاویٰ جات بھی مذکور ہیں۔

فائدہ: ...... چونکہ ہر انسان کو خرید وفروخت سے اکثر واسطہ پڑتا رہتا ہے، اس لیے سہولت کی خاطر مختلف قسم کے اختیارات لوگوں کو عطا کیے گئے ہیں تاکہ تنازعات کا حل بآسانی ہوتا رہے اور لوگ دھوکا، فراڈ اور نقصان سے بچے رہیں، اختیار سے یہاں یہ مراد ہے کہ بیع کو قائم رکھا جائے یا فسخ کر دیا جائے، چنانچہ اس کی مختلف اقسام شریعت سے ثابت ہیں۔ مثلاً: (1) خیار مجلس، اس کا بیان اس باب کی پہلی روایت میں آرہا ہے، یعنی بائع اور مشتری جب تک خرید و فروخت والی مجلس میں موجود رہیں اور جدا جدا نہ ہوں تو دونوں کو بیع فسخ کرنے کا اختیار ہوتا ہے۔ (2) خیار شرط یعنی بیع کے وقت بائع یا مشتری کچھ متعین عرصے کے لیے اختیار حاصل کر لے۔ (3) خیار رویت یعنی خرید کیا ہوا مال دیکھنے پر بیع کو ختم کرنے یا باقی رکھنے کا اختیار (4) خیار عیب یعنی حاصل شدہ رقم یا خرید شدہ چیز میں عیب ثابت ہو جانے پر بیع کے فسخ کرنے یا جاری رکھنے کا اختیار۔ (5) خیار غبن یعنی دھوکا ثابت ہو جانے پر بیع منسوخ کرنے کا اختیار۔

[1377] حَـدَّثَـنِـي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ نَـافِـعٍ ، عَـنْ عَبْـدِ الـلّٰهِ بْنِ عُمَرَ ، أَنَّ رَسُولَ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "دو بیع کرنے والے (بائع اور

[1377] (مـرفـوع صـحـيـح) صحيح البخاری، كتاب البيوع، باب البيعان بالخيار ما لم يتفرقا، حديث: 2111، 2109، 2113، 2116۔ صـحـيـح مسـلـم، كتاب البيوع، باب ثبوت خيار المجلس للمتبايعين، حديث: 1531۔ ابوداود: 3454۔ ترمذی: 1245۔ نسائی: 4470۔ ابن ماجه: 2181۔ احمد: 4/2 (4484)۔

اللّٰهِ ﷺ قَالَ : الْمُتَبَايِعَانِ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِالْخِيَارِ عَلَى صَاحِبِهِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا، إِلَّا بَيْعَ الْخِيَارِ.

مشتری) میں سے ہر ایک اپنے ساتھی پر (بیع فسخ کرنے کا) اختیار رکھتا ہے جب تک کہ وہ دونوں جدا جدا نہ ہو جائیں، الا یہ کہ وہ اختیار والی بیع ہو۔''

فائدہ :...... یعنی اگر کوئی مزید شرط نہ لگائی جائے تو اختتام مجلس پر خیار مجلس ختم ہو جائے گا لیکن اگر ان میں سے کوئی چند دن کی مزید شرط لگا لے تو خیار شرط کی صورت میں بیع فسخ کرنے کا اختیار لمبا بھی ہو سکتا ہے، اور اگر مجلس ختم ہونے سے پہلے ہی وہ اس اختیار کو ختم کرنے پر راضی ہو جائیں تو خیار مجلس چھوٹا بھی ہو سکتا ہے اور قبل از جدائی ہی بیع فسخ کرنے کا اختیار ختم اور بیع پکی ہو جائے گی۔

تفرق بالابدان یا تفرق بالکلام:

جدا ہونے کو تفرق کہا جاتا ہے اور اس حدیث میں راجح موقف کے مطابق خیارِ مجلس کا اختتام ''تفرق بالابدان'' کی صورت میں مراد ہے یعنی جب تک دونوں کے بدن جدا نہ ہوں تب تک اختیار باقی ہے لیکن امام مالک اور امام ابوحنیفہ ﷭ اس سے ''تفرق بالکلام'' مراد لیتے ہیں یعنی جیسے ہی دونوں کی خرید وفروخت کے متعلق ہونے والی گفتگو ختم ہو کر کوئی اور موضوع شروع ہو جائے تو اختیار مجلس ختم ہو جائے گا خواہ وہ دونوں ابھی تک اپنی اسی خرید وفروخت والی مجلس اور جگہ میں موجود ہوں، بلکہ امام ابوحنیفہ کا موقف تو یہ ہے کہ جب ان میں سے ایک نے یہ کہہ دیا کہ میں نے بیچا یا میں نے خریدا تو اختیار باقی رہتا ہے اور جب دوسرا شخص بھی جواباً خرید لینے یا بیچ دینے کی بات کر دے تو اختیار ختم ہو جاتا ہے...... جبکہ امام شافعی، امام احمد، اہل حدیث اور جمہور کے نزدیک تفرق بالابدان مراد ہے، حتیٰ کہ اسیر مالٹا، شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی نے جامع ترمذی پر ''تقریر ترمذی'' میں اس مسئلے کے متعلق سیر حاصل بحث کر کے آخر میں یہ نتیجہ نکالا کہ انصاف والی بات یہی ہے کہ اس مسئلے میں امام شافعی ؒ کی جانب ہے، لیکن ہم چونکہ امام ابوحنیفہ ؒ کے مقلد ہیں لہٰذا ہم پر ان کی تقلید واجب ہے'' اللہ ان کی مغفرت فرمائے، کیا یہ انداز تقلید جامد کا نہیں ہے کہ دلائل کے باوجود حق تسلیم نہ کرنا اور اپنے بڑوں کی بات پر جمے رہنا، حالانکہ خود یہی احناف اکابرین بھی ایسی تقلید جامد کو غلط اور شرک قرار دیتے ہیں، لیکن کیا کیا جائے جاہل عوام مقلدین کا کہ جب شیخ الہند جیسی شخصیات بھی اس رو میں بہہ رہی ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ : وَلَيْسَ لِهَذَا عِنْدَنَا حَدٌّ مَعْرُوفٌ، وَلَا أَمْرٌ مَعْمُولٌ بِهِ فِيهِ.

امام مالک ؒ نے فرمایا: اور ہمارے ہاں اس (اختیار) کی کوئی متعین حد نہیں ہے اور نہ ہی اس میں کوئی (متعین) صورتحال ہے کہ جس پر معاملہ جاری ہو۔

فائدہ :...... بلکہ جب تک فریقین راضی ہوں اس اختیار کو طول دے سکتے ہیں، البتہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی ﷭ نے اس کی حد تین دن متعین کی ہے، جبکہ امام مالک ؒ کی طرح، امام احمد، امام محمد، امام ابو یوسف ﷭ اور

اہل حدیث کے ہاں اس کی کوئی حد معین نہیں ہے۔

[1378] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ ، أَنَّهُ بَلَغَهُ ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مَسْعُودٍ كَانَ يُحَدِّثُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : أَيُّمَا بَيِّعَيْنِ تَبَايَعَا ، فَالْقَوْلُ مَا قَالَ الْبَائِعُ ، أَوْ يَتَرَادَّانِ .

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کیا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو کوئی دو بیع کرنے والے باہم بیع کریں (اوران کا آپس میں تنازعہ ہو جائے) تو معتبر قول بائع کا ہوگا یا وہ دونوں بیع کو رد کر دیں۔''

فائدہ: ...... یا تو وہ دونوں اس بیع ہی کو ختم کر دیں، پھر نئے سرے سے بیع کریں یا نہ کریں اور اگر اس بیع کو فسخ نہیں کرتے تو پھر مشتری کو بائع کی بات ماننا ہوگی، وہ جتنی قیمت کی چیز دینے کا کہہ رہا ہے وہی قول معتبر ہوگا، جمہور علماء وفقہاء نے اس میں فریقین سے حلف لینے کی شرط بڑھائی ہے لیکن حدیث مبارکہ میں ایسی کوئی شرط مذکور نہیں ہے۔

قَالَ مَالِكٌ فِيمَنْ بَاعَ مِنْ رَجُلٍ سِلْعَةً ، فَقَالَ الْبَائِعُ عِنْدَ مُوَاجَبَةِ الْبَيْعِ: أَبِيعُكَ عَلَى أَنْ أَسْتَشِيرَ فُلَانًا ، فَإِنْ رَضِيَ فَقَدْ جَازَ الْبَيْعُ ، وَإِنْ كَرِهَ فَلَا بَيْعَ بَيْنَنَا . فَيَتَبَايَعَانِ عَلَى ذَلِكَ ، ثُمَّ يَنْدَمُ الْمُشْتَرِي قَبْلَ أَنْ يَسْتَشِيرَ الْبَائِعُ فُلَانًا : إِنَّ ذَلِكَ الْبَيْعَ لَازِمٌ لَهُمَا عَلَى مَا وَصَفَا ، وَلَا خِيَارَ لِلْمُبْتَاعِ ، وَهُوَ لَازِمٌ لَهُ إِنْ أَحَبَّ الَّذِي اشْتَرَطَ لَهُ الْبَائِعُ أَنْ يُجِيزَهُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جس نے دوسرے آدمی کو کوئی سامان بیچا تو بائع نے بیع واجب کرتے وقت کہا کہ میں تجھے اس شرط پر یہ چیز بیچ رہا ہوں کہ میں فلاں شخص سے مشورہ کروں گا، پھر اگر وہ راضی ہوگیا تو بیع جائز ہوگی اور اگر اس نے ناپسند جانا تو ہمارے درمیان کوئی بیع نہ ہوگی، چنانچہ وہ دونوں اس (خیارِ شرط) پر آپس میں بیع کر لیتے ہیں، پھر بائع کے مشورہ کرنے سے پہلے ہی مشتری شرمندہ ہو جاتا ہے (اور بیع فسخ کرنے کی درخواست کرتا ہے تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا:) بلاشبہ یہ بیع ان دونوں کے حق میں اس صورت پر لازم رہے گی جو انھوں نے (بیع کرتے وقت) بیان کی تھی۔ خریدار کو کوئی اختیار حاصل نہ ہوگا، اور اگر اس (تیسرے) شخص جس کے متعلق اس بیع کو جائز کرنے کے لیے اختیار کی شرط لگائی گئی تھی، نے اس بیع کو پسند کر لیا تو یہ بیع خریدار کے حق میں لازم ہو جائے گی۔

فائدہ: ...... ہاں اگر اس خریدار نے بھی بیع کے وقت کوئی اختیار لیا ہوتا تو پھر اس کی بات بھی بن سکتی تھی۔

قَالَ مَالِكٌ : الْأَمْرُ عِنْدَنَا فِي الرَّجُلِ يَشْتَرِي السِّلْعَةَ مِنَ الرَّجُلِ ، فَيَخْتَلِفَانِ فِي الثَّمَنِ

ہمارے ہاں اس شخص کے متعلق حکم یہ ہے جو دوسرے آدمی سے سامان خریدتا ہے، پھر قیمت کے متعلق دونوں کا

[1378] (مرفوع صحيح لغيره) سنن ابی داود، كتاب البيوع، باب اذا اختلف البيعان والمبيع قائم، حديث: 3511- جامع الترمذي، كتاب البيوع، باب ماجاء اذا اختلف البيعان، حديث: 1270- نسائي: 4652- ابن ماجه: 2186- احمد: 466/1 (4445)- دارمی: (2549)- شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو صحیح لغیرہ قرار دیا ہے۔

فَيَقُولُ الْبَائِعُ : بِعْتُكَهَا بِعَشَرَةِ دَنَانِيرَ . وَيَقُولُ الْمُبْتَاعُ : ابْتَعْتُهَا مِنْكَ بِخَمْسَةِ دَنَانِيرَ : إِنَّهُ يُقَالُ لِلْبَائِعِ : إِنْ شِئْتَ فَأَعْطِهَا لِلْمُشْتَرِي بِمَا قَالَ، وَإِنْ شِئْتَ فَاحْلِفْ بِاللّٰهِ مَا بِعْتَ سِلْعَتَكَ إِلَّا بِمَا قُلْتَ، فَإِنْ حَلَفَ قِيلَ لِلْمُشْتَرِي : إِمَّا أَنْ تَأْخُذَ السِّلْعَةَ بِمَاقَالَ الْبَائِعُ، وَإِمَّا أَنْ تَحْلِفَ بِاللّٰهِ مَا اشْتَرَيْتَهَا إِلَّا بِمَا قُلْتَ، فَإِنْ حَلَفَ بَرِئَ مِنْهَا، وَذَلِكَ أَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مُدَّعٍ عَلَى صَاحِبِهِ .

اختلاف ہو جاتا ہے، بائع کہتا ہے کہ میں نے تمھیں یہ چیز دس دینار میں بیچی تھی اور مشتری کہتا ہے کہ میں نے اسے تم سے پانچ دینار میں خریدا تھا تو (امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ) بائع سے کہا جائے گا کہ اگر تم چاہو تو اسے مشتری کو اس قیمت پر دے دو جو وہ کہہ رہا ہے، اور اگر چاہو تو اللہ کے نام کی قسم اٹھالو کہ تم نے یہ اپنا سامان اس قیمت کے سوا بیچا ہی نہیں جو تم کہہ رہے ہو، چنانچہ اگر تو وہ قسم اٹھا لے تو مشتری سے کہا جائے گا کہ یا تو تم یہ سامان اس قیمت میں لے لو جو بائع نے کہی ہے اور یا پھر تم اللہ کے نام کی قسم اٹھا لو کہ تم نے اس قیمت کے سوا خریدا ہی نہیں جو تم بیان کر رہے ہو، چنانچہ اگر وہ بھی قسم کھا لے تو وہ اس سامان سے بری ہو جائے گا (اور بیع فسخ ہو جائے گی، نہ بائع کی بات مشتری پر اور نہ اس کی اس پر مسلط کی جائے گی۔) اور یہ (فریقین سے قسم) اس لیے (لی جائے گی) کہ ان میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کے خلاف مدعی ہے۔

فائدہ :......اور مدعی پر لازم ہوتا ہے کہ گواہ اور ثبوت لائے جو کہ یہاں کسی کے پاس نہیں ہیں تو اب ان کی دوسری حیثیت پر عمل ہوگا، یعنی وہ دونوں مدعا علیہ ہیں اور مدعا علیہ تب بری ہوتا ہے جب وہ قسم اٹھا لے، اگر وہ قسم نہ کھائے تو فیصلہ مدعی کے حق میں ہو جاتا ہے۔

39- باب مَا جَاءَ فِي الرِّبَا فِي الدَّيْنِ

قرض میں سود کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں تین روایات ہیں، دو موقوف (آثار صحابہ) ہیں جن میں سے ایک صحیح اور ایک سنداً حسن ہے۔ اور ایک مقطوع (اثر تابعی) ہے جس کی سند صحیح ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے چار فتاویٰ بھی اس باب میں مذکور ہیں۔

[1379] حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ عُبَيْدٍ أَبِي صَالِحٍ مَوْلَى السَّفَّاحِ، أَنَّهُ قَالَ : بِعْتُ بَزًّا لِي مِنْ أَهْلِ دَارِ نَخْلَةَ إِلَى أَجَلٍ، ثُمَّ أَرَدْتُ

عبید ابو صالح جو کہ سفاح کے آزاد کردہ غلام تھے، سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ میں نے (مکہ وطائف کے درمیان ایک مقام) ''دارنخلہ'' والوں کے ہاتھ اپنا کچھ کپڑا میعاد پر (ادھار) بیچا، پھر میں نے (حجاز سے عراق کی

[1379] (موقوف صحیح) بیھقی: 28/6 (11138)۔ عبدالرزاق: 71/8 (14355)۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

الْخُرُوجَ إِلَى الْكُوفَةِ، فَعَرَضُوا عَلَيَّ أَنْ أَضَعَ عَنْهُمْ بَعْضَ الثَّمَنِ وَيَنْقُدُونِي، فَسَأَلْتُ عَنْ ذَلِكَ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ فَقَالَ: لا آمُرُكَ أَنْ تَأْكُلَ هَذَا وَلا تُوكِلَهُ.

طرف) کوفہ جانے کا ارادہ کیا، (ابھی ادھار والی میعاد نہیں آئی تھی) تو ان لوگوں نے مجھے یہ تجویز پیش کی کہ میں ان کو کچھ قیمت معاف کر دوں تو وہ مجھے نقد ادائیگی کر دیں گے، چنانچہ میں نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے اس کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے فرمایا کہ میں تجھے یہ حکم نہیں دوں گا کہ تم اسے کھاؤ اور نہ ہی (یہ کہوں گا کہ) اسے کھلاؤ۔

فائدہ: ...... کیونکہ اس میں سود سے مشابہت ہے مثلاً ہزار روپے مؤخر کو آٹھ سو روپے نقد کے عوض خرید لیا یا گویا اس نقد ادائیگی کے وقت قیمت آٹھ سو روپے ہے اور اب اگر اسے ادا نہ کیا تو دو سو روپے سود پڑ جائے گا۔ ہاں قرض خواہ میعاد پوری ہو جانے کے بعد جتنا چاہے ازروئے احسان کم کر سکتا ہے...... سفاح (بہت خون بہانے والا) یہ عباسی خلیفہ تھا جس نے خون کی ندیاں بہا کر بنو امیہ سے خلافت چھینی، وہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا پڑپوتا تھا۔ سلسلہ نسب یوں ہے: عبداللہ سفاح بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس۔

[1380] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ حَفْصِ بْنِ خَلْدَةَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّهُ سُئِلَ عَنِ الرَّجُلِ يَكُونُ لَهُ الدَّيْنُ عَلَى الرَّجُلِ إِلَى أَجَلٍ، فَيَضَعُ عَنْهُ صَاحِبُ الْحَقِّ وَيُعَجِّلُهُ الآخَرُ، فَكَرِهَ ذَلِكَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ، وَنَهَى عَنْهُ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، ان سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس کا دوسرے شخص پر ایک مقررہ وقت تک قرض ہو تو حقدار (قرض خواہ) اس (مقروض) سے کچھ قرض معاف کر دے اور وہ اسے نقد ادائیگی کر دے تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اسے ناپسند جانا اور اس سے منع فرما دیا۔

[1381] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، أَنَّهُ قَالَ: كَانَ الرِّبَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ أَنْ يَكُونَ لِلرَّجُلِ عَلَى الرَّجُلِ الْحَقُّ إِلَى أَجَلٍ، فَإِذَا حَلَّ الأَجَلُ قَالَ: أَتَقْضِي أَمْ تُرْبِي؟ فَإِنْ قَضَى

زید بن اسلم رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ دورِ جاہلیت کا سود اس طرح تھا کہ ایک آدمی کا دوسرے آدمی پر ایک مقررہ وقت تک حق ہوتا، پھر جب مقررہ مدت آ جاتی تو وہ (قرض خواہ اس مقروض سے) کہتا: ادائیگی کرو گے یا

[1380] (موقوف حسن) بیهقی: 28/6۔ عبدالرزاق: 71/8 (14354)۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند حسن ہے۔

[1381] (مقطوع صحیح) بیهقی فی السنن الکبری: 275/5 (10467)۔ وفی معرفة السنن والآثار: 285/4 (3328)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

أَخَذَ، وَإِلَّا زَادَهُ فِي حَقِّهِ وَأَخَّرَ عَنْهُ فِي الأَجَلِ .

سود دو گے، چنانچہ اگر تو وہ ادائیگی کر دیتا تو وہ اسے لے لیتا ورنہ اپنے حق میں اسی (مقروض کے ذمے) پر اضافہ کر دیتا اور اس سے مدت کو مزید مؤخر کر دیتا۔

فائدہ: ......مثلاً ہزار روپے قرض دیے اور ادائیگی کا وقت ایک ماہ بعد مقرر کیا، پھر مہینے بعد ادائیگی نہ ہوسکی تو ایک مہینے کی مزید مہلت دے دی اور مزید پچاس روپے اس کے ذمے ڈال دیے تو یہ سراسر سود ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَالأَمْرُ الْمَكْرُوهُ الَّذِي لَا اخْتِلَافَ فِيهِ عِنْدَنَا أَنْ يَكُونَ لِلرَّجُلِ عَلَى الرَّجُلِ الدَّيْنُ إِلَى أَجَلٍ ، فَيَضَعُ عَنْهُ الطَّالِبُ وَيُعَجِّلُهُ الْمَطْلُوبُ ، وَذَلِكَ عِنْدَنَا بِمَنْزِلَةِ الَّذِي يُؤَخِّرُ دَيْنَهُ بَعْدَ مَحِلِّهِ عَنْ غَرِيمِهِ ، وَيَزِيدُهُ الْغَرِيمُ فِي حَقِّهِ . قَالَ: فَهَذَا الرِّبَا بِعَيْنِهِ لَا شَكَّ فِيهِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ ناپسندیدہ (وناجائز) معاملہ جس میں ہمارے ہاں کوئی اختلاف نہیں، یہ ہے کہ آدمی کا دوسرے شخص کے ذمے ایک میعاد تک قرض ہو تو وہ طلبگار (قرض خواہ) اس (مقروض) سے کچھ رقم معاف کر دے اور وہ مقروض اسے نقد ادائیگی کر دے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ ہمارے نزدیک اس شخص کی طرح ہے جو اپنے قرض کی ''وصولی کی'' مدت آنے پر اپنے مقروض سے قرض (کی وصولی) کو مؤخر کر دیتا ہے اور وہ مقروض اس کے حق (قرض) میں کچھ اضافہ کر دیتا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ تو بعینہٖ سود ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الرَّجُلِ يَكُونُ لَهُ عَلَى الرَّجُلِ مِئَةُ دِينَارٍ إِلَى أَجَلٍ ، فَإِذَا حَلَّتْ قَالَ لَهُ الَّذِي عَلَيْهِ الدَّيْنُ : بِعْنِي سِلْعَةً يَكُونُ ثَمَنُهَا مِئَةَ دِينَارٍ نَقْداً بِمِئَةٍ وَخَمْسِينَ إِلَى أَجَلٍ ، هَذَا بَيْعٌ لَا يَصْلُحُ ، وَلَمْ يَزَلْ أَهْلُ الْعِلْمِ يَنْهَوْنَ عَنْهُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جس کے دوسرے شخص پر ایک مقررہ وقت تک سو دینار (قرض) تھے، چنانچہ جب ادائیگی کی مدت آئی تو جس شخص پر قرض تھا (یعنی مقروض، قرض خواہ سے) کہنے لگا کہ مجھے کوئی ایسا سامان جس کی نقد قیمت سو دینار ہو وہ ایک سو پچاس دینار کے عوض ایک میعاد تک بیچ دو۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ بیع درست نہیں ہے اور ہمیشہ سے اہل علم اس سے منع کرتے آئے ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ وَإِنَّمَا كُرِهَ ذَلِكَ لِأَنَّهُ إِنَّمَا يُعْطِيهِ ثَمَنَ مَا بَاعَهُ بِعَيْنِهِ ، وَيُؤَخِّرُ عَنْهُ الْمِئَةَ الأُولَى إِلَى الأَجَلِ الَّذِي ذَكَرَ لَهُ آخِرَ مَرَّةٍ ، وَيَزْدَادُ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ گزشتہ صورت اس لیے ناپسند (اور ناجائز) ہے کہ (یہ محض ایک حیلہ ہے اور اصل صورت یہ بنتی ہے کہ) بلاشبہ وہ مقروض وہ چیز جو قرض خواہ نے اسے

عَلَيْهِ خَمْسِينَ دِينَاراً فِي تَأْخِيرِهِ عَنْهُ، فَهَذَا مَكْرُوهٌ وَلَا يَصْلُحُ، وَهُوَ أَيْضاً يُشْبِهُ حَدِيثَ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ فِي بَيْعِ أَهْلِ الْجَاهِلِيَّةِ، إِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا حَلَّتْ دُيُونُهُمْ قَالُوا لِلَّذِي عَلَيْهِ الدَّيْنُ: إِمَّا أَنْ تَقْضِيَ وَإِمَّا أَنْ تُرْبِيَ؟ فَإِنْ قَضَى أَخَذُوا، وَإِلَّا زَادُوهُمْ فِي حُقُوقِهِمْ، وَزَادُوهُمْ فِي الْأَجَلِ.

بیچی تھی، کی قیمت بعینہٖ (یعنی سو دینار ہی کی شکل میں نئی میعاد کے بعد) ادا کرے گا اور قرض خواہ پہلے سو دینار کو اس مدت تک مؤخر کر دے گا جس کا قرض دار نے دوسری بار ذکر کیا ہے اور وہ (قرض دار) اس کے تاخیر کر دینے کے بدلے اسے پچاس دینار زائد ادا کرے گا۔ لہٰذا یہ ناپسند عمل ہے اور درست نہیں ہے اور نیز یہ زید بن اسلم رحمہ اللہ کی اہل جاہلیت کی بیع والے طریقے سے بھی مشابہ ہے کہ جب ان کے قرضوں کی ادائیگی کی مدت آن پہنچتی تو وہ اس شخص سے جس پر قرض ہوتا، کہتے کہ یا تو قرض ادا کر دیا پھر ان میں اضافہ کرو چنانچہ اگر وہ ادائیگی کر دیتا تو وہ وصول کر لیتے، ورنہ مقروض لوگ قرض خواہوں کے حقوق میں (اپنے ذمے) اضافے کر دیتے اور قرض خواہ ان کی مدت میں اضافہ کر دیتے۔

40- بَابٌ: جَامِعُ الدَّيْنِ وَالْحَوْلُ

قرض کے مختلف مسائل اور قرض کی منتقلی کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں دو روایات ہیں، جن میں سے ایک مرفوع (حدیث نبوی) ہے جو صحیح مسلم میں بھی ہے اور دوسری مقطوع (اثر تابعی) ہے اور وہ بھی سنداً صحیح ہے۔ نیز امام مالک رحمہ اللہ کے پانچ فتاویٰ بھی اس باب میں مذکور ہیں جن میں سے بعض تو بعض کی تفسیر اور وضاحت ہی ہیں۔

فائدہ: ......''حول'' کے معنی منتقل ہونے کے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: ﴿لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلًا﴾ (الکھف: 108) ''وہ (جنتی) اس (جنت) سے جگہ بدلنا (اور منتقل ہونا) نہ چاہیں گے۔'' اسے اصطلاحاً ''حوالہ دینا'' کہتے ہیں یعنی کوئی شخص اپنا قرض کسی اور کے ذمے منتقل کر کے اس سے وصول کرنے کا حوالہ دے دیتا ہے، اس کی صورت یہ بنتی ہے کہ ایک شخص کا دوسرے شخص پر قرض ہوتا ہے اور اس دوسرے شخص کا کسی تیسرے شخص کے ذمے قرض ہوتا ہے تو یہ دوسرا شخص اپنے قرض خواہ یعنی پہلے شخص سے کہتا ہے کہ میں نے جو قرض اپنے مقروض یعنی تیسرے شخص سے وصول کرنا ہے وہ تم اس سے لے لو، اس کی طرف سے وہ مجھے واپس مل جائے گا اور میری طرف سے تمہیں مل جائے گا۔

[1382] حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول

[1382] (مرفوع صحيح) صحيح مسلم، كتاب المساقاة، باب تحريم مطل الغنى وصحة الحوالة واستحباب قبولها، حديث: 1564- سنن ابى داود، كتاب البيوع، باب فى المطل، حديث: 3345- ترمذى: 1308- نسائى: 4695- ابن ماجه: 2403- احمد: 465/2 (10003)- دارمى: 2586.

الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ : أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ : مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ، وَإِذَا أُتْبِعَ أَحَدُكُمْ عَلَى مَلِيءٍ فَلْيَتْبَعْ.

اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مالدار آدمی کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے اور جب تم میں سے کسی شخص کو کسی مالدار کے پیچھے لگایا جائے تو وہ لگ جائے۔''

فائدہ:......حدیث کے پہلے حصے میں قرض کی ادائیگی اور دوسرے حصے میں ''حوالہ'' کا تذکرہ ہے۔ چنانچہ مقروض کے پاس جب قرض واپس لوٹانے کی وسعت ہو اور مدت آ جانے کے باوجود وہ ادائیگی میں ٹال مٹول سے کام لے تو وہ ظالم شمار ہوتا ہے، اور اگر مقروض، قرض خواہ سے درخواست کرے کہ فلاں شخص میرا مقروض ہے تم اس سے جا کر لے لو، تو دیکھا جائے گا کہ وہ تیسرا شخص اس کا قرض واپس کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے یا نہیں، سو اگر وہ مالدار ہو تو اس پہلے قرض خواہ کو اپنے مقروض کی درخواست قبول کر لینی چاہیے، ہاں اگر وہ ایسا نہ ہو تو پھر حوالہ قبول کرنے کی پابندی نہیں ہے۔ جمہور کے نزدیک ''حوالہ کا عمل'' مستحب ہے جبکہ اہل ظاہر اسے واجب کہتے ہیں۔ اس حدیث میں غنی اور ملیئ دونوں سے مراد قرض ادا کرنے کی صلاحیت پانے والا شخص ہے، خواہ نسبتاً اس کے حالات تنگ ہی ہوں۔

[1383] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ مُوسَى بْنِ مَيْسَرَةَ، أَنَّهُ سَمِعَ رَجُلًا يَسْأَلُ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ فَقَالَ : إِنِّي رَجُلٌ أَبِيعُ بِالدَّيْنِ . فَقَالَ سَعِيدٌ : لَا تَبِعْ ، إِلَّا مَا آوَيْتَ إِلَى رَحْلِكَ .

موسیٰ بن میسرہ رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے ایک شخص کو سنا، وہ سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے سوال کر رہا تھا، اس نے کہا کہ یقیناً میں ایک ایسا شخص ہوں جو قرض کے بدلے بیع کر لیتا ہوں تو سعید رحمہ اللہ نے فرمایا: (کسی چیز کو) نہ بیچ مگر صرف اس کو جسے تو اپنے گھر کی طرف جگہ دے لے۔

فائدہ:......یعنی جس چیز کو اپنے قبضے میں لے لو اسے ہی آگے بیچو اور جو تم نے قرض دیا تھا اسے واپس لیے بغیر اس کی بیع نہ کرو، کیونکہ حالت قرض ہی میں اس کی بیع سے سود کے کئی دروازے کھل جائیں گے...... اس آدمی کی قرض کے بدلے بیع کی صورت یہ بنتی ہے کہ کسی کو قرض دیا، پھر اس کے بدلے مقروض سے کوئی چیز خرید لی، تو ظاہر بات ہے کہ مقروض شخص احسان مند ہونے کی وجہ سے وہ چیز ذرا سستی بیچے گا اور ہر وہ نفع جو قرض کی وجہ سے حاصل ہوا سے سود ہی شمار کیا جاتا ہے۔ یا اس کی صورت یہ ہے کہ آدمی کا کسی کے ذمے کوئی قرض ہو تو اسے وصول کیے بغیر کسی اور شخص کے ہاتھ اسے بیچ دے۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الَّذِي يَشْتَرِي السِّلْعَةَ مِنَ الرَّجُلِ، عَلَى أَنْ يُوَفِّيَهُ تِلْكَ السِّلْعَةَ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى، إِمَّا لِسُوقٍ يَرْجُو نَفَاقَهَا فِيهِ،

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جو (بیع سلف کے طور پر) کسی آدمی سے اس شرط پر سامان خریدتا ہے کہ وہ بائع ایک مقررہ وقت پر اس سامان کی مکمل ادائیگی کرے

[1383] (مقطوع صحیح) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

وَإِمَّا لِحَاجَةٍ فِي ذَلِكَ الزَّمَانِ الَّذِي اشْتَرَطَ عَلَيْهِ، ثُمَّ يُخْلِفُهُ الْبَائِعُ عَنْ ذَلِكَ الأَجَلِ، فَيُرِيدُ الْمُشْتَرِي رَدَّ تِلْكَ السِّلْعَةِ عَلَى الْبَائِعِ: إِنَّ ذَلِكَ لَيْسَ لِلْمُشْتَرِي، وَإِنَّ الْبَيْعَ لَازِمٌ لَهُ، وَإِنَّ الْبَائِعَ لَوْ جَاءَ بِتِلْكَ السِّلْعَةِ قَبْلَ مَحِلِّ الأَجَلِ لَمْ يُكْرِهِ الْمُشْتَرِي عَلَى أَخْذِهَا.

گا، (اس میں مشتری کے نزدیک مختلف مصلحتیں اور مقاصد ملحوظ ہو سکتے ہیں مثلاً) یا تو بازار کی وجہ سے کہ جس کے رائج ہونے، (بھاؤ چڑھ جانے اور اس چیز کی طلب میں اضافہ ہو جانے) کی اسے امید ہو یا اس وقت میں اسے (اس مال کی) ضرورت ہو جس (مقررہ وقت) پر اس نے چیز خریدی ہے، پھر بائع اس مدت سے وعدہ خلافی کرے (اور ایسے وقت میں سامان لے کر آئے جب مشتری کی ضرورت ختم ہو چکی ہو) تو یہ خریدار، بائع کو وہ سامان واپس کرنے کا ارادہ کر لے، (تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ) بلاشبہ مشتری کے لیے یہ کام جائز نہ ہوگا اور اس کے حق میں بیع لازم رہے گی (کیونکہ وہ سامان بائع پر قرض تھا اور قرض اگر مقررہ وقت پر ادا نہ کیا جائے بلکہ تاخیر کر دی جائے تو اس تاخیر سے نہ عقد باطل ہوتا ہے اور نہ قرض کی جنس تبدیل کی جاتی ہے، لہٰذا بائع پر جو قرض تھا وہ اسے وصول کرنا پڑے گا) اور اگر بائع وہ سامان مقررہ وقت آنے سے پہلے لے آئے تو پھر مشتری کو اس کے وصول کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الَّذِي يَشْتَرِي الطَّعَامَ فَيَكْتَالُهُ، ثُمَّ يَأْتِيهِ مَنْ يَشْتَرِيهِ مِنْهُ، فَيُخْبِرُ الَّذِي يَأْتِيهِ أَنَّهُ قَدِ اكْتَالَهُ لِنَفْسِهِ وَاسْتَوْفَاهُ، فَيُرِيدُ الْمُبْتَاعُ أَنْ يُصَدِّقَهُ وَيَأْخُذَهُ بِكَيْلِهِ: إِنَّ مَا بِيعَ عَلَى هَذِهِ الصِّفَةِ بِنَقْدٍ فَلَا بَأْسَ بِهِ، وَمَا بِيعَ عَلَى هَذِهِ الصِّفَةِ إِلَى أَجَلٍ فَإِنَّهُ مَكْرُوهٌ، حَتَّى يَكْتَالَهُ الْمُشْتَرِي الآخَرُ لِنَفْسِهِ، وَإِنَّمَا كُرِهَ الَّذِي إِلَى أَجَلٍ لأَنَّهُ ذَرِيعَةٌ إِلَى الرِّبَا، وَتَخَوُّفٌ أَنْ يُدَارَ ذَلِكَ عَلَى هَذَا الْوَجْهِ بِغَيْرِ كَيْلٍ وَلَا وَزْنٍ، فَإِنْ كَانَ إِلَى أَجَلٍ فَهُوَ مَكْرُوهٌ، وَلَا اخْتِلَافَ فِيهِ عِنْدَنَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جو اناج خریدتا ہے اور اسے ماپ لیتا ہے، پھر اس کے پاس کوئی شخص آتا ہے جو اس کو اس سے خریدنا چاہتا ہے تو یہ اس آنے والے کو خبر دے کہ یقیناً اس نے اسے اپنے لیے ماپ لیا ہے اور پورا پورا قبضے میں لے لیا ہے، چنانچہ وہ خریدار اس کی تصدیق کرنا چاہے اور اسے اس (کے بتائے ہوئے) ماپ کے مطابق لے لینا چاہے تو (امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا:) جو کچھ اس طریقے پر نقد بیچا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور جو کچھ اس طریقے سے ادھار بیچا جائے تو وہ مکروہ (اور ناجائز) ہے، یہاں تک کہ دوسرا خریدار بھی اسے اپنے لیے ماپ لے (تو پھر ادھار بھی بیچا جا سکتا ہے) اور بلاشبہ اسے ادھار پر بیچنے سے جو ناپسند جانا گیا ہے تو یہ صرف اس لیے ہے کہ یقیناً یہ عمل سود کا ذریعہ ہے اور (اس میں) یہ اندیشہ ہے کہ پھر یہ مال اسی طریقے پر بغیر ماپ اور بغیر تول کے گھمایا جاتا رہے گا (یعنی اس کی عام اجازت مل گئی تو پھر ہر

شخص بغیر ماپ تول کے لینا شروع کر دے گا اور کتنے ہی غلہ بیچنے والے جھوٹ سے کام لے کر لوگوں کا نقصان کرتے رہیں گے،) لہٰذا اگر یہ سودا ادھار ہو تو پھر مکروہ ہے اور ہمارے ہاں اس (بات) میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

فائدہ: ......یعنی بغیر ماپ تول کے اسے ادھار لینے میں خود تو کوئی قباحت نہیں لیکن چونکہ اس میں ایک اندیشہ تھا اس لیے سدباب کے طور پر اسے مکروہ کہا گیا ہے۔ دراصل احادیث مبارکہ میں تو صرف اتنا وارد ہوا ہے کہ غلہ خریدنے والا اگر اسے آگے بیچنا چاہتا ہے تو خود ایک بار ماپ تول کر تسلی کر لے، جیسا کہ پیچھے باب: ۱۹ میں اس کے متعلق احادیث گزر چکی ہیں، چنانچہ اگر خریدار اسے آگے بیچنا نہ چاہے تو اسے ماپ تول کی ضرورت نہیں، لہٰذا ہمارے نزدیک راجح یہ ہے کہ کوئی ادھار لے یا نقد، اگر وہ اسے آگے نہیں بیچنا چاہتا تو ماپ تول اس پر واجب نہیں ہے اور اگر وہ اسے آگے بیچنا چاہتا ہے تو ضرور ماپ تول لے خواہ سودا نقد ہو یا ادھار۔ امام مالک رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ بغیر تولے ادھار خریدنا سود کا ذریعہ بن سکتا ہے تو بھلا بغیر تولے نقد خریدنا ذریعہ فساد کیوں نہیں بن سکتا؟ جس شخص نے دھوکا کرنا ہے وہ ہر صورت میں کر سکتا ہے، نبی کریم ﷺ نے ہر خریدار پر ماپ تول کی پابندی نہیں لگائی بلکہ صرف خرید کر آگے بیچنے والے پر اسے لازم کیا ہے اور آگے بیچنے کی نیت سے خریداری کرنے والا خواہ نقد خریدے یا ادھار اس پر ماپ تول کر لینا لازم ہے، اگر ادھار میں خطرۂ سود ہے تو نقد میں بھی دھوکا وفساد کا اندیشہ ہوتا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : لَا يَنْبَغِي أَنْ يُشْتَرَى دَيْنٌ عَلَى رَجُلٍ غَائِبٍ وَلَا حَاضِرٍ، إِلَّا بِإِقْرَارٍ مِنَ الَّذِي عَلَيْهِ الدَّيْنُ، وَلَا عَلَى مَيِّتٍ، وَإِنْ عَلِمَ الَّذِي تَرَكَ الْمَيِّتُ، وَذَلِكَ أَنَّ اشْتِرَاءَ ذَلِكَ غَرَرٌ لَا يُدْرَى أَيَتِمُّ أَمْ لَا يَتِمُّ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ جائز نہیں کہ اس قرضے کو خریدا جائے جو کسی غائب یا حاضر شخص کے ذمے ہو (کوئی شخص دوسرے شخص سے یہ نہ کہے کہ میرا فلاں غائب یا موجود شخص پر جو قرضہ ہے وہ مجھ سے خرید لو) مگر جس شخص پر قرض ہو وہ اقرار کر لے (یعنی حاضر اور موجود شخص کے ذمے کوئی قرض ہو اور وہ تیسرے شخص کے سامنے اقرار کر لے کہ ہاں واقعی اس فلاں شخص کا مجھ پر اتنا قرض ہے تو پھر کوئی تیسرا شخص قرض خواہ کو اس کے قرضے کے برابر رقم دے کر قرض دی ہوئی چیز خرید سکتا ہے۔ گویا یہ قرض کی خریداری قرض خواہ اور مقروض میں نہیں ہوئی، بلکہ مقروض شخص ابھی تک مقروض ہی ہے اور قرض خواہ تبدیل ہو گیا ہے) اور نہ (اس قرض کی خریداری کی جائے) جو کسی میت پر ہو، اگر چہ وہ (وارث اس خریدنے کے عمل کو) جان لے جسے میت چھوڑ کر گئی ہے اور یہ ممانعت اس وجہ سے ہے کہ اس قرضے کو خریدنے میں ''غرر'' (دھوکا) ہے اور کچھ معلوم نہیں کہ قرض پورا ملے گا یا نہیں۔

فائدہ: ......ہوسکتا ہے کہ وہ غائب شخص جب آئے تو کہے کہ میں تو کسی کا مقروض نہ تھا اور پھر خریدار ہاتھ ملتا رہ جائے کہ مجھے قرض بیچنے والے نے دھوکا دیا ہے۔ اسی طرح کوئی شخص میت کا نام لے کر قرض بیچنا چاہے تو اسے بھی

نہ خریدا جائے، کیا خبر کہ اس کے ورثاء اسے تسلیم بھی کرتے ہیں یا نہیں۔

قَالَ : وَتَفْسِيرُ مَا كُرِهَ مِنْ ذَلِكَ أَنَّهُ إِذَا اشْتَرَى دَيْناً عَلَى غَائِبٍ أَوْ مَيِّتٍ : أَنَّهُ لَا يُدْرَى مَا يَلْحَقُ الْمَيِّتَ مِنَ الدَّيْنِ الَّذِي لَمْ يُعْلَمْ بِهِ، فَإِنْ لَحِقَ الْمَيِّتَ دَيْنٌ ذَهَبَ الثَّمَنُ الَّذِي أَعْطَى الْمُبْتَاعُ بَاطِلاً .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اس (گزشتہ صورت) میں جو کراہت (وممانعت) ہے اس کی تفسیر یہ ہے کہ آدمی جب کسی ایسے قرض کو خریدے گا جو کسی غائب شخص پر ہو یا میت پر ہو تو بلاشبہ کچھ معلوم نہیں کہ میت کے ساتھ اور کون کون سا قرض لاحق ہو جائے گا جسے وہ (خریدنے والا) نہیں جانتا، پھر اگر میت کو قرضہ لاحق ہو گیا تو وہ قیمت بیکار چلی جائے گی جو (قرضہ) خریدنے والے نے ادا کی تھی۔ (کیونکہ میت تو قرض میں ڈوبی ہوئی ہے تو قرض کہاں سے ادا ہو؟)

قَالَ مَالِكٌ : وَفِي ذَلِكَ أَيْضاً عَيْبٌ آخَرُ : أَنَّهُ اشْتَرَى شَيْئاً لَيْسَ بِمَضْمُونٍ لَهُ، وَإِنْ لَمْ يَتِمَّ ذَهَبَ ثَمَنُهُ بَاطِلاً، فَهَذَا غَرَرٌ لَا يَصْلُحُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور اس میں ایک اور عیب (اور خرابی یہ) بھی ہے کہ بے شک اس نے ایک ایسی چیز خرید لی ہے جس کی اسے ضمانت نہیں دی گئی اور اگر وہ پورا (واپس) نہ مل سکا تو اس کی (ادا کردہ) قیمت بے کار چلی جائے گی (اور مال کو بلاوجہ ضائع کرنا درست نہیں) لہٰذا یہ دھوکا ہے اور درست نہیں ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَإِنَّمَا فُرِقَ بَيْنَ أَنْ لَا يَبِيعَ الرَّجُلُ إِلَّا مَا عِنْدَهُ، وَأَنْ يُسَلِّفَ الرَّجُلُ فِي شَيْءٍ لَيْسَ عِنْدَهُ أَصْلُهُ، أَنَّ صَاحِبَ الْعِينَةِ إِنَّمَا يَحْمِلُ ذَهَبَهُ الَّتِي يُرِيدُ أَنْ يَبْتَاعَ بِهَا، فَيَقُولُ : هَذِهِ عَشَرَةُ دَنَانِيرَ، فَمَا تُرِيدُ أَنْ أَشْتَرِيَ لَكَ بِهَا، فَكَأَنَّهُ يَبِيعُ عَشَرَةَ دَنَانِيرَ نَقْداً بِخَمْسَةَ عَشَرَ دِينَاراً إِلَى أَجَلٍ، فَلِهَذَا كُرِهَ هَذَا، وَإِنَّمَا تِلْكَ الدُّخْلَةُ وَالدُّلْسَةُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ان دو (معاملوں) کے درمیان فرق کیا گیا ہے کہ (1) آدمی اس چیز کے سوا کچھ نہ بیچے جو اس کے پاس ہے اور (2) آدمی اس چیز میں بیع سلف (کے طور پر پیشگی قیمت ادا) کرے جو اس کے پاس نہیں ہے (عام خرید و فروخت میں اس کو نہ بیچو جو تمھارے پاس نہ ہو اور بیع سلف میں اس چیز کو خرید لو جو بائع کے پاس نہ ہو) دراصل یہ عینہ والا شخص (یعنی پہلی صورت والا) اپنا وہ سونا جسے وہ اٹھائے پھرتا ہے اور اس سے کوئی چیز خریدنا چاہتا ہے، چنانچہ وہ کہتا ہے کہ یہ دس دینار ہیں تو تم کیا چیز چاہتے ہو کہ جسے میں تمھارے لیے ان کے بدلے خرید لوں (اور دس دینار کے بدلے خرید کر تمھیں وہی چیز پندرہ دینار کی ادھار بیچ دوں) تو گویا اس نے دس دینار نقد کو پندرہ دینار ادھار کے بدلے بیچ ڈالا۔ اسی لیے یہ مکروہ ہے اور بلاشبہ یہ دھوکا وفریب ہی ہے۔

فائدہ :...... یہاں ''عینہ'' کا لفظ ''بیع عینہ'' کے لیے نہیں بولا گیا بلکہ ''سلف'' کے مقابلے میں استعمال کیا گیا

ہے۔اس فتویٰ میں ایک اشکال کا ازالہ کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ نبی کریم ﷺ نے ((بَيْعُ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ))''جو چیز تمھارے پاس نہ ہو، کی بیع کرنے سے منع فرمایا ہے، جبکہ ''بیع سلف'' کی اجازت دی ہے، حالانکہ بیع سلف میں بھی بائع کے پاس فی الوقت سامان موجود نہیں ہوتا۔ اس میں پیشگی قیمت ادا کر دی جاتی ہے اور معین مدت پر چیز حاصل کی جاتی ہے، تو آخر کیا وجہ ہے کہ ملتی جلتی دو چیزوں میں سے ایک کو منع کیا گیا ہے اور دوسری کو جائز قرار دیا گیا ہے؟ تو امام مالک رحمہ اللہ نے ''بَيْعُ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ'' کو بیع العینہ کا نام دیتے ہوئے اس اشکال کا جواب ذکر کیا ہے اور ''بَيْعُ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ'' کی صورت میں پیش آنے والے نقصانات اور فاسد نتائج میں سے ایک کا یہاں ذکر کیا ہے کہ اس کے ذریعے بسا اوقات مجبور شخص کی مجبوری سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے، وہ آپ کے پاس اس لیے آتا ہے کہ جان پہچان ہے اور آپ اسے قرض دے دیں گے، بازار والوں سے اس کی جان پہچان نہیں ہوتی، چنانچہ آپ اس کی مطلوبہ چیز دس دینار نقد میں خرید لیتے ہیں اور اسے پندرہ دینار ادھار پر بیچ دیتے ہیں تو گویا دس دینار نقد کا پندرہ دینار ادھار سے تبادلہ کیا جاتا ہے، حالانکہ ہم جنس اشیاء کے باہمی تبادلے میں نہ ادھار جائز ہے اور نہ کمی بیشی، لہٰذا یہ سود ہے، جبکہ بیع سلف میں بائع آپ کی مجبوری سے فائدہ نہیں اٹھاتا۔''دخلہ'' سے مراد سود میں داخل ہونے کا ارادہ اور سود کا ذریعہ اور وسیلہ بنانے کی نیت ہے، اور ''دلسہ'' سے مراد تدلیس یعنی دھوکا ہے۔

41- بَابٌ: مَا جَاءَ فِي الشَّرِكَةِ وَالتَّوْلِيَةِ وَالْإِقَالَةِ

شرکت، تولیت اور اقالہ کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں کوئی روایت نہیں ہے، البتہ امام مالک رحمہ اللہ کے پانچ فتاویٰ جات مذکور ہیں۔

فائدہ :......''شرکت'' اس عقد اور معاملے کو کہتے ہیں جو دو شریکوں کے درمیان اصل مال اور نفع کے متعلق طے پاتا ہے، یہاں بائع کا مشتری کے ساتھ ہی شریک ہو جانا مراد ہے۔''تولیت'' کا لغوی مفہوم یہ ہے کہ اپنی خریدی ہوئی چیز، قیمت خرید ہی میں کسی کی ولایت میں دے دینا۔ یہاں اس سے یہ مراد ہے کہ مشتری خریدی ہوئی چیز کو بائع کے ہاتھ یا کسی اور کے ہاتھ قیمت خرید ہی میں سپرد کر دے، یعنی جتنے میں لے اتنے میں دے اور ''اقالہ'' فسخ بیع کو کہتے ہیں......دراصل ایک روایت میں ان تینوں کا اکٹھا تذکرہ یوں ہوا ہے: ((مَنِ ابْتَاعَ طَعَامًا فَلَا يَبِعْهُ حَتّٰى يَقْبِضَهُ إِلَّا أَنْ يُشْرِكَ فِيهِ أَوْ يُوَلِّيَهُ أَوْ يُقِيلَهُ)) ''جس کسی نے طعام خریدا تو وہ اسے قبضے میں لے لینے سے پہلے آگے نہ بیچے، الا یہ کہ اس میں (بائع ہی کے ساتھ) شراکت کر لے یا اسے جتنے میں لے اتنے میں (بائع ہی کو) دے دے یا اس کی بیع فسخ کر دے۔'' (ابوداود بحوالہ زرقانی: 400/3، 401، یہ روایت مرسل ہے جسے سعید بن مسیب رحمہ اللہ نے مرفوع ذکر کیا ہے، موطا درسی نسخہ: ص ٦٠٨) امام مالک رحمہ اللہ شرکت وتولیت کے قائل ہیں جبکہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ اسے ممنوع کہتے ہیں، رہا اقالہ تو اس کے جواز پر سب متفق ہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک یہ تینوں امور

مکارم اخلاق والے عقد ہیں جن میں بائع اور مشتری کو استثنائی سہولیات مہیا کی گئی ہیں جس طرح کہ بیع مزابنہ میں سے بیع عریہ کو مستثنیٰ کیا گیا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الرَّجُلِ يَبِيعُ الْبَزَّ الْمُصَنَّفَ وَيَسْتَثْنِي ثِيَاباً بِرُقُومِهَا: إِنَّهُ إِنِ اشْتَرَطَ أَنْ يَخْتَارَ مِنْ ذَلِكَ الرَّقْمِ فَلا بَأْسَ بِهِ، وَإِنْ لَمْ يَشْتَرِطْ أَنْ يَخْتَارَ مِنْهُ حِينَ اسْتَثْنَى، فَإِنِّي أَرَاهُ شَرِيكاً فِي عَدَدِ الْبَزِّ الَّذِي اشْتُرِيَ مِنْهُ، وَذَلِكَ أَنَّ الثَّوْبَيْنِ يَكُونُ رَقْمُهُمَا سَوَاءً، وَبَيْنَهُمَا تَفَاوُتٌ فِي الثَّمَنِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جو کئی قسم کا کپڑا بیچتا ہے اور وہ ان میں سے کچھ کپڑوں کو ان پر لگی ہوئی علامات سمیت مستثنیٰ کر لیتا ہے تو بلاشبہ (اس کی دو صورتیں بنتی ہیں، چنانچہ) اگر اس نے یہ شرط لگائی کہ وہ ان علامتوں کو خود منتخب کرے گا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور (لیکن) اگر اس نے جب استثناء کیا تو یہ شرط نہ لگائی کہ وہ اسے منتخب کرے گا تو یقیناً میں یہی سمجھتا ہوں کہ وہ (بائع اپنے خریدار کا) شریک بن جائے گا اس کپڑے میں جو اس سے خریدا گیا ہے (اب نہ تو وہ کچھ خاص کپڑوں کو منتخب کرنے کا اختیار پا سکے گا اور نہ بیع فسخ ہوگی، بلکہ دونوں باہم شریک بن جائیں گے) اور یہ (شرکت) اس لیے ہے کہ بے شک (بعض اوقات) دو کپڑوں کی علامت ایک جیسی ہوتی ہے لیکن ان کی قیمتوں میں کمی بیشی ہوتی ہے۔

فائدہ: ...... اور اس قیمت کے اختلاف کی بنا پر بعد میں جھگڑا ہو سکتا ہے، دونوں مہنگے کپڑے کی خواہش کریں گے۔ ''رقوم'' جمع ہے ''رقم'' کی جس کے معنی ہیں: ''نمبر، علامت، نقش و نگار اور چیز پر لگی ہوئی قیمت وغیرہ کی چٹ'' بائع نے تیس کپڑے بیچے، دس مستثنیٰ کیے جو کہ بیچے ہوئے مال کا تہائی حصہ ہیں، لیکن بائع نے یہ شرط طے نہ کی کہ جنھیں چاہوں گا منتخب کر لوں گا، تو اس صورت میں بائع اس مشتری کا شریک بن جائے گا، ان تیس کپڑوں کی کل مالیت میں ایک تہائی حصہ بائع کا اور دو تہائی مشتری کا ہوگا۔

قَالَ مَالِكٌ: الأَمْرُ عِنْدَنَا: أَنَّهُ لا بَأْسَ بِالشِّرْكِ وَالتَّوْلِيَةِ وَالإِقَالَةِ مِنْهُ، فِي الطَّعَامِ، وَغَيْرِهِ قَبَضَ ذَلِكَ أَوْ لَمْ يَقْبِضْ، إِذَا كَانَ ذَلِكَ بِالنَّقْدِ وَلَمْ يَكُنْ فِيهِ رِبْحٌ وَلا وَضِيعَةٌ وَلا تَأْخِيرٌ لِلثَّمَنِ، فَإِنْ دَخَلَ ذَلِكَ رِبْحٌ أَوْ وَضِيعَةٌ أَوْ تَأْخِيرٌ مِنْ وَاحِدٍ مِنْهُمَا، صَارَ بَيْعاً يُحِلُّهُ مَا يُحِلُّ الْبَيْعَ، وَيُحَرِّمُهُ مَا يُحَرِّمُ الْبَيْعَ، وَلَيْسَ بِشِرْكٍ وَلا تَوْلِيَةٍ وَلا إِقَالَةٍ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں حکم یہ ہے کہ بے شک (اس طرح کی بیع سے) شرکت، تولیت اور اقالہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کھانے پینے کی چیزوں میں بھی اور اس کے علاوہ میں بھی (جائز ہے، خواہ) مشتری نے مال قبض کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ (بشرطیکہ) یہ سب نقد ہو اور اس عقد میں نہ نفع ہو نہ نقصان اور نہ قیمت ادھار ہو، چنانچہ اگر اس عقد میں بائع اور مشتری میں سے کسی ایک کی جانب سے نفع یا کمی یا تاخیر داخل ہو جائے تو یہ عقد ''بیع'' ہو جائے

گا، اسے وہ چیز حلال کرے گی جو بیع کو حلال قرار دیتی ہے اور وہ چیز اسے حرام کر دے گی جو بیع کو حرام قرار دیتی ہے اور (نفع ونقصان یا ادھار کی صورت میں) یہ نہ تو شراکت ہوگی، نہ تولیت اور نہ ہی اقالہ۔

قَالَ مَالِكٌ: مَنِ اشْتَرَى سِلْعَةً بَزًّا أَوْ رَقِيقاً فَبَتَّ بِهِ، ثُمَّ سَأَلَهُ رَجُلٌ أَنْ يُشَرِّكَهُ فَفَعَلَ وَنَقَدَا الثَّمَنَ صَاحِبَ السِّلْعَةِ جَمِيعاً، ثُمَّ أَدْرَكَ السِّلْعَةَ شَيْءٌ يَنْتَزِعُهَا مِنْ أَيْدِيهِمَا، فَإِنَّ الْمُشَرَّكَ يَأْخُذُ مِنَ الَّذِي أَشْرَكَهُ الثَّمَنَ، وَيَطْلُبُ الَّذِي أَشْرَكَ بَيْعَهُ الَّذِي بَاعَهُ السِّلْعَةَ بِالثَّمَنِ كُلِّهِ، إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَ الْمُشَرِّكُ عَلَى الَّذِي أَشْرَكَهُ بِحَضْرَةِ الْبَيْعِ، وَعِنْدَ مُبَايَعَةِ الْبَائِعِ الْأَوَّلِ وَقَبْلَ أَنْ يَتَفَاوَتَ ذَلِكَ: أَنَّ عُهْدَتَكَ عَلَى الَّذِي ابْتَعْتُ مِنْهُ، وَإِنْ تَفَاوَتَ ذَلِكَ وَفَاتَ الْبَائِعَ الْأَوَّلَ، فَشَرْطُ الْآخَرِ بَاطِلٌ وَعَلَيْهِ الْعُهْدَةُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جس شخص نے کوئی سامان خریدا، کپڑا یا غلام اور اس (کی بیع) کو پختہ اور قطع بنا دیا (کوئی اختیار وغیرہ باقی نہ رہنے دیا)، پھر اس سے کسی شخص نے سوال کیا کہ وہ اسے بھی (اس خریداری میں) شریک کر لے، چنانچہ اس نے ایسا کر لیا اور دونوں نے سامان کے مالک کو اکٹھے ہی نقد قیمت ادا کر دی۔ (اب ان تمام افراد اور معاملات کی نوعیت یہ ہوگئی کہ (1) سامان والا شخص ''صاحب السلعۃ'' یعنی سامان کا مالک اور پہلا بائع ہے اور (2) اس کے ساتھ جو شروع میں ایک خریدار نے معاملہ کیا تھا اسے پہلی بیع کہیں گے اور یہ پہلا خریدار ہے اور اس خریدار نے چونکہ کسی کو شریک بھی کیا اور پھر دوبارہ مل کر خریداری کا معاملہ کیا تو گویا اس نے اپنا حصہ دوسرے خریدار کے ہاتھ بیچ دیا، اس لیے اس کے تین نام ہوں گے: پہلا خریدار، دوسرا بائع اور شریک کرنے والا جبکہ دوسرے خریدار کے دو نام ہوں گے، دوسرا خریدار اور مشرک یعنی شریک کیا جانے والا) پھر اس سامان کو کسی ایسی چیز نے پا لیا جس نے اسے ان دونوں کے ہاتھوں سے چھین لیا (یعنی ثابت ہوگیا کہ یہ سامان کسی اور ہی شخص کی ملکیت تھا اور وہ اصل مستحق اسے لے کر چلا گیا تو اب ان دونوں شریک خریداروں کے ہاتھ میں نہ سامان رہا نہ قیمت، اس لیے وہ اب اپنی قیمت واپس لیں گے، لیکن طریق کار یہ ہوگا کہ) بلاشبہ جسے شریک کیا گیا تھا (یعنی دوسرا خریدار) وہ اس شخص سے اپنی قیمت وصول کرے گا جس نے اسے شریک کیا تھا (یعنی پہلے خریدار سے وصول کرے گا) اور جس شخص نے شریک کیا تھا وہ اس بائع سے پوری قیمت کا مطالبہ کرے گا جس نے اسے اپنا سامان بیچا تھا، الا یہ کہ شریک کیے جانے والے (دوسرے خریدار) نے بائع کی موجودگی میں شریک کرنے والے پر یہ شرط کر لی ہو کہ بیشک (کسی خرابی اور فتور کے ثابت ہونے پر چٹی اور ذمہ داری اور) جواب دہی اس (بائع اول) پر ہوگی جس سے میں نے (تمھارے ساتھ مل کر مال کی) خریداری کی ہے، اور (یہ شرط) بائع اول کے ساتھ بیع کرتے وقت اور ان سب کے الگ الگ ہونے سے قبل (طے کی گئی) ہو (تو پھر یہ شریک ہونے والا شخص مال چھن جانے کی صورت میں شریک کرنے والے سے اپنی قیمت نہ لے گا بلکہ سامان کے

مالک بائع اول ہی سے وصول کرے گا) اور اگر وہ سب جدا جدا ہو جائیں اور پہلا بائع جا چکا ہو (اور اس کے جانے کے بعد دوسرا بائع یعنی شریک کرنے والا شخص شریک ہونے والے کے ساتھ یہی شرط لگائے کہ مال ضائع ہونے کی صورت میں تم بائع اول سے (اپنی قیمت لینا) تو اس دوسرے بائع (شریک کرنے والے) کی شرط باطل ہے اور جواب دہی (اور ذمہ داری) اسی پر ہے۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الرَّجُلِ يَقُولُ لِلرَّجُلِ: اشْتَرِ هَذِهِ السِّلْعَةَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ، وَانْقُدْ عَنِّي وَأَنَا أَبِيعُهَا لَكَ: إِنَّ ذَلِكَ لَا يَصْلُحُ حِينَ قَالَ: انْقُدْ عَنِّي وَأَنَا أَبِيعُهَا لَكَ. وَإِنَّمَا ذَلِكَ سَلَفٌ يُسْلِفُهُ إِيَّاهُ، عَلَى أَنْ يَبِيعَهَا لَهُ، وَلَوْ أَنَّ تِلْكَ السِّلْعَةَ هَلَكَتْ، أَوْ فَاتَتْ أَخَذَ ذَلِكَ الرَّجُلُ الَّذِي نَقَدَ الثَّمَنَ مِنْ شَرِيكِهِ مَا نَقَدَ عَنْهُ، فَهَذَا مِنَ السَّلَفِ الَّذِي يَجُرُّ مَنْفَعَةً.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جو دوسرے شخص سے کہتا ہے کہ اس (فلاں) سامان کو میرے اور اپنے درمیان (نصف نصف کر کے) خرید لو اور میری طرف سے بھی نقد (تم ہی) ادا کر دو اور میں (ابھی یا بعد میں) اسے تمھارے لیے بیچ دوں گا (اور تمھارا قرض اتار دوں گا، تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا:) بلاشبہ یہ درست (اور جائز) نہیں ہے جس وقت کہ اس نے یہ (واضح طور پر) کہہ دیا ہو کہ میری طرف سے نقد قیمت ادا کر دو اور میں تمھارے لیے اسے بیچ ڈالوں گا اور بلاشبہ یہ تو ادھار (اور قرض) ہے جسے (دوسرا آدمی) اس شرط پر دے رہا ہے کہ وہ اس سامان کو اس کے لیے (خادم بن کر) بیچے گا اور (اس کے قرض ہونے کی دلیل یہ ہے کہ) اگر وہ سامان تلف ہو جاتا یا فوت ہو جاتا (ہاتھ سے نکل جاتا) تو یہ شخص جس نے نقد قیمت ادا کی تھی، اپنے شریک سے وہ رقم وصول کر لیتا جو اس نے اس کی طرف سے نقد ادا کی تھی، لہٰذا یہ ایسا ادھار (اور قرض کی صورت) ہے جو منفعت کو کھینچ رہا ہے۔ (یعنی اس قرض پر نفع مل رہا ہے)

فائدہ: ......اور یہ اصول ہے کہ ((كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً فَهُوَ رِبًا)) ''ہر وہ قرض جو کسی بھی (زائد) نفع کا باعث بنے تو وہ سود ہے۔'' ایک روایت میں یہ الفاظ نبی اکرم ﷺ کی طرف نسبت کیے گئے ہیں لیکن اس کی سند ثابت نہیں ہے۔ (ارواء الغليل: 1398 ، ضعيف الجامع الصغير: 4244 ، اس کی سند میں سوار بن مصعب متروک راوی ہے) البتہ یہ اصول دوسری صحیح روایات سے ماخوذ ہے، مثلاً دیکھیے بخاری: 3814......اور یہاں بیع ہونے سے قبل اس نے قرض مانگا اور ساتھ ہی اس قرض کی بات کرتے وقت نفع کی صورت میں اپنی خدمت کا تذکرہ بھی کر دیا کہ میں تمھاری طرف سے اسے بیچوں گا، لہٰذا یہ سود ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَلَوْ أَنَّ رَجُلًا ابْتَاعَ سِلْعَةً، فَوَجَبَتْ لَهُ، ثُمَّ قَالَ لَهُ رَجُلٌ: أَشْرِكْنِي بِنِصْفِ هَذِهِ السِّلْعَةِ وَأَنَا أَبِيعُهَا لَكَ جَمِيعاً.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور اگر کسی آدمی نے کوئی سامان خرید لیا ہو اور وہ اس کے لیے واجب (ثابت) ہو چکا ہو، پھر اس سے کوئی آدمی کہے کہ مجھے اس سامان کے نصف

كَانَ ذَلِكَ حَلالاً لا بَأْسَ بِهِ . وَتَفْسِيرُ ذَلِكَ : أَنَّ هَذَا بَيْعٌ جَدِيدٌ بَاعَهُ نِصْفَ السِّلْعَةِ ، عَلَى أَنْ يَبِيعَ لَهُ النِّصْفَ الآخَرَ .

میں اپنا شریک بنا لو اور میں تمھارے لیے اس سارے سامان کو بیچ دوں گا تو یہ معاملہ حلال ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ بلاشبہ یہ ایک نئی بیع ہے جس میں آدمی نے اس شریک کو اپنا نصف سامان اس شرط پر بیچا کہ وہ شریک اس کے لیے دوسرا نصف فروخت کرے گا۔

فائدہ :...... امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اس صورت میں از سرِ نو نصف حصہ بیچا جا رہا ہے اور نصف حصہ اجرت پر دیا جا رہا ہے، یہ بیع اور اجارہ اکٹھے ہو رہے ہیں، لہٰذا یہ جائز ہیں، لیکن جمہور کے نزدیک یہ صورت بھی ممنوع ہے کیونکہ (1) اگر سامان والے نے نصف حصہ بیچا ہوتا اور باقی نصف حصہ بیچنے کے لیے اجرت پر دیا ہوتا تو اس کی اجرت مقرر کرتا جبکہ یہاں ایسا نہیں ہے، لہٰذا یہ بھی نصف حصہ ادھار لے کر باقی نصف کو بیچنے کی بات کرنا دراصل ادھار پر زائد نفع کا حصول ہے۔ (2) اگر یہ واقعی بیع اور اجارہ ہے تو پھر قیمت اور اجرت دونوں کی مقدار مجہول کیوں ہے اور (3) اجارہ بذاتِ خود ایک بیع ہے اور ایک بیع میں دو بیع کرنا بھی تو حرام ہی ہے۔

42- بَابٌ : مَا جَاءَ فِي إِفْلَاسِ الْغَرِيمِ

مقروض آدمی کے مفلس ہو جانے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں دو مرفوع روایات (احادیث نبویہ) ہیں جو بخاری و مسلم میں بھی موجود ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے چھ فتاویٰ بھی مذکور ہیں۔

فائدہ :...... لغوی طور پر افلاس اس حالت کو کہتے ہیں جس میں آدمی کے پاس نہ کوئی نقدی ہو اور نہ کوئی سامان اور اصطلاحاً افلاس وہ حالت ہے کہ جس میں آدمی کے پاس اس قدر مال نہ رہے جس سے قرضوں کی ادائیگی ہو سکے۔ اسی کو دیوالیہ ہو جانا کہتے ہیں۔ ایسے شخص کا مال سرکار اور حکومت اپنی تحویل میں لے کر قرض خواہوں کے قرضوں کے تناسب سے ان میں تقسیم کر دیتی ہے اور پھر اس آدمی کو زندگی گزارنے کے لیے بیت المال سے تعاون مہیا کیا جاتا ہے۔

[1384] حَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ ، عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ

ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس آدمی نے

[1384] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب الاستقراض واداء الديون ، باب اذا وجد ماله عند مفلس في البيع و القرض، حديث: 2402- صحيح مسلم، كتاب المساقاة، باب من ادرك ماباعه عند المشتري وقد افلس ، حديث: 1559- ابوداود: 3519- ترمذي: 1262- نسائي: 4680- ابن ماجه: 2358- احمد: 228/2 (7124)- دارمي: 2590.

بْـنِ الْـحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَـالَ : أَيُّـمَـا رَجُـلٍ بَـاعَ مَتَاعاً فَأَفْلَسَ الَّذِي ابْتَـاعَهُ مِنْهُ، وَلَمْ يَقْبِضِ الَّذِي بَاعَهُ مِنْ ثَمَنِهِ شَيْـئـاً، فَـوَجَـدَهُ بِعَيْنِهِ، فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ، وَإِنْ مَـاتَ الَّـذِي ابْتَـاعَـهُ، فَـصَاحِبُ الْمَتَاعِ فِيهِ أُسْوَةُ الْغُرَمَاءِ .

کوئی سامان فروخت کیا، پھر وہ شخص جس نے اس سے اسے خریدا تھا، مفلس ہوگیا اور بیچنے والے نے اس کی قیمت سے کچھ بھی وصول نہ کیا تھا، پھر اس نے اس سامان کو بعینہٖ (اصل حالت میں) پالیا تو (باقی قرض خواہوں کی نسبت) وہی اس سامان کا زیادہ حقدار ہے اور اگر وہ شخص جس نے اسے خریدا تھا، مر جائے تو پھر سامان والا شخص اس سامان میں (تمام) قرض خواہوں کے برابر (شمار) ہوگا، (خواہ اس نے کچھ قیمت وصول کی ہو یا نہ کی ہو)۔

فائدہ :......مقروض آدمی پر چند لوگوں کا قرض ہو، اس کے پاس قرض کی مکمل ادائیگی کا انتظام نہ ہو تو پھر اس کی دو صورتیں ممکن ہیں: (1) حکومت اسے دیوالیہ و مفلس قرار دے دے یا (2) وہ ادائیگی سے قبل فوت ہو جائے تو ان دونوں صورتوں میں اس مقروض کا مال قرض خواہوں میں تقسیم کیا جائے گا اور چونکہ مال کم ہے اور قرض خواہ زیادہ ہیں، اس لیے ہر کسی کے قرضے کے حساب اور تناسب سے ادائیگی کی جائے گی۔ جس کا قرض زیادہ ہوا سے نسبتاً زیادہ ملے گا اور تھوڑے حق والے کو تھوڑی ادائیگی کی جائے گی......

البتہ مذکورہ بالا حدیث مبارکہ نے ان دونوں شخصوں (مفلس اور میت) میں ایک فرق کیا ہے اور وہ یہ کہ مفلس قرار دیے جانے کی صورت میں دیکھا جائے گا کہ اس کے پاس کسی قرض خواہ کا مال بعینہٖ موجود ہے یا نہیں، اگر موجود ہو تو پھر دیکھا جائے گا کہ اس نے اس کی کچھ ادائیگی کر دی تھی یا نہیں، چنانچہ اگر مال بعینہٖ موجود ہو اور قیمت کی کچھ بھی ادائیگی نہ ہوئی ہو تو وہ چیز ہو بہو اس کے مالک کو واپس مل جائے گی اور وہ فارغ ہو جائے گا اور باقی ماندہ مال دوسرے قرض خواہوں میں ان کے قرضوں کے تناسب سے تقسیم کیا جائے گا، جبکہ موت کے معاملے میں سارا ترکہ قرض خواہوں میں ان کے تناسب سے تقسیم ہوگا اور وہاں اصل حالت میں موجود کسی چیز کو اس کے اصل مالک کی طرف نہیں لوٹایا جائے گا......امام مالک، امام احمد اور اہلحدیث کا یہی موقف ہے اور وہ اس حدیث کی بنا پر موت اور افلاس کا الگ الگ حکم شمار کرتے ہیں جبکہ امام شافعی اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ موت و افلاس کا حکم ایک جیسا سمجھتے ہیں لیکن اس طرح کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں موت اور افلاس دونوں میں اپنے مال کو بعینہٖ اصل حالت میں پا لینے والا زیادہ حقدار ہوتا ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک دونوں صورتوں میں چیز کا اصل مالک دوسرے قرض خواہوں کے برابر سمجھا جاتا ہے اور وہ کسی صورت میں زیادہ حقدار نہیں ہوتا۔

[1385] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ، عَنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ، عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: أَيُّمَا رَجُلٍ أَفْلَسَ: فَأَدْرَكَ الرَّجُلُ مَالَهُ بِعَيْنِهِ، فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ مِنْ غَيْرِهِ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو کوئی شخص مفلس ہو جائے، پھر (کوئی قرض خواہ) آدمی اپنے مال کو (اس کے پاس) بعینہ (اصل حالت میں) پالے تو وہ قرض خواہوں کی نسبت اس مال کا زیادہ حقدار ہے۔''

قَالَ مَالِكٌ فِي رَجُلٍ بَاعَ مِنْ رَجُلٍ مَتَاعاً، فَأَفْلَسَ الْمُبْتَاعُ، فَإِنَّ الْبَائِعَ إِذَا وَجَدَ شَيْئاً مِنْ مَتَاعِهِ بِعَيْنِهِ أَخَذَهُ، وَإِنْ كَانَ الْمُشْتَرِي قَدْ بَاعَ بَعْضَهُ وَفَرَّقَهُ. فَصَاحِبُ الْمَتَاعِ أَحَقُّ بِهِ مِنَ الْغُرَمَاءِ، وَلَا يَمْنَعُهُ مَا فَرَّقَ الْمُبْتَاعُ مِنْهُ أَنْ يَأْخُذَ مَا وَجَدَ بِعَيْنِهِ، فَإِنِ اقْتَضَى مِنْ ثَمَنِ الْمُبْتَاعِ شَيْئاً، فَأَحَبَّ أَنْ يَرُدَّهُ وَيَقْبِضَ مَا وَجَدَ مِنْ مَتَاعِهِ، وَيَكُونَ فِيمَا لَمْ يَجِدْ أُسْوَةَ الْغُرَمَاءِ، فَذَلِكَ لَهُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جو کسی دوسرے آدمی کے ہاتھ کچھ سامان یا اناج بیچتا ہے، پھر خریدنے والا مفلس ہو جاتا ہے تو بلاشبہ بیچنے والا جب اپنے سامان میں سے کسی بھی چیز کو بعینہ اس کی حالت میں پا لے گا تو اسے لے لے گا، پھر اگر خریدار اس چیز کا کچھ حصہ (آگے) بیچ چکا ہو اور اس چیز کو جدا جدا کر دیا ہو تو (پھر بھی) سامان کا مالک دوسرے قرض خواہ کی نسبت اس (باقی ماندہ بچے ہوئے حصے) کا زیادہ حق دار ہوگا اور خریدار نے جو اسے جدا جدا کر دیا تھا تو یہ چیز اس سے مانع نہ ہوگی کہ وہ اس حصے کو لے لے جسے اس نے بعینہ پالیا ہے، پھر اگر وہ خریدار سے قیمت کا کچھ حصہ وصول کر چکا ہو اور اب یہ پسند کرے کہ اس (وصول شدہ قیمت) کو لوٹا دے (تاکہ وہ دوسرے قرض خواہوں میں تقسیم ہو جائے) اور خود وہ اپنے سامان میں سے جو کچھ پالے اسے لے لے اور جسے نہ پا سکے اس میں دوسرے قرض خواہوں کے برابر ہو جائے تو یہ اس کے لیے جائز ہے۔

فائدہ: ......اس فتویٰ کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصے میں امام مالک رحمہ اللہ نے یہ بتایا ہے کہ اگر مفلس آدمی کے پاس کسی قرض خواہ کی چیز کا کچھ حصہ تو اصل حالت میں ہو اور کچھ حصہ ختم ہو چکا ہو تو جتنی چیز موجود ہے اس میں وہی زیادہ حقدار ہوگا۔ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک راجح یہ ہے کہ حدیث مبارکہ میں

[1385] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب الاستقراض واداء الديون، باب اذا وجد ما له عند مفلس فى البيع والقرض، حديث: 2402- صحيح مسلم، كتاب المساقاة، باب من ادرك ما باعه عند المشترى وقد افلس، حديث: 1559.

''بعینہ'' کا لفظ پورے سامان اور مکمل مال کے متعلق ہے، لہٰذا الفاظ حدیث کا تقاضا یہی ہے کہ اگر وہ مکمل چیز ہو بہو موجود نہ ہو تو پھر اس کا مالک زیادہ حقدار نہیں ہوگا بلکہ باقی قرض خواہوں کے ساتھ برابر کا شریک ہوگا......فتویٰ کے دوسرے حصے میں امام مالک رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ چیز بھی مکمل موجود نہیں اور اس کی کچھ قیمت بھی وصول ہو چکی ہو تو وصول شدہ رقم واپس کر کے جتنی چیز موجود ہو اسے واپس لیا جاسکتا ہے تو یہ بات حدیث مبارکہ سے ہم آہنگ نہیں ہے۔ البتہ اگر باقی قرض خواہ اس پر راضی ہوں تو پھر ٹھیک ہے، ورنہ نہیں۔ واللہ اعلم۔ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک اس صورت میں اس چیز کا مالک قیمت بھی واپس نہ کرے گا اور چیز بھی جس قدر موجود ہو، لے لے گا، لیکن یہ راجح نہیں ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَمَنِ اشْتَرَى سِلْعَةً مِنَ السِّلَعِ ، غَـزْلاً أَوْ مَتَـاعـاً أَوْ بُـقْعَةً مِنَ الأَرْضِ ، ثُمَّ أَحْـدَثَ فِـي ذَلِكَ الْـمُشْتَـرَى عَمَلاً ، بَنَـى الْبُـقْعَةَ دَاراً ، أَوْ نَسَجَ الْغَزْلَ ثَوْباً ، ثُمَّ أَفْلَسَ الَّـذِي ابْتَاعَ ذَلِكَ ، فَقَالَ رَبُّ الْبُقْعَةِ : أَنَا آخُذُ الْبُـقْـعَةَ وَمَـا فِيهَا مِنَ الْبُنْيَانِ . إِنَّ ذَلِكَ لَيْسَ لَـهُ ، وَلَـكِنْ تُقَوَّمُ الْبُقْعَةُ وَمَا فِيهَا مِمَّا أَصْلَحَ الْـمُشْتَـرِي ، ثُمَّ يُنْظَرُ كَمْ ثَمَنُ الْبُقْعَةِ ، وَكَمْ ثَـمَـنُ الْبُـنْـيَـانِ مِنْ تِلْكَ الْقِيمَةِ ، ثُمَّ يَكُونَانِ شَـرِيـكَـيْـنِ فِـي ذَلِكَ لِـصَاحِبِ الْبُقْعَةِ بِقَدْرِ حِـصَّتِـهِ ، وَيَـكُـونُ لِـلْـغُـرَمَـاءِ بِقَدْرِ حِصَّةِ الْبُنْيَانِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جس شخص نے سامانوں میں سے کوئی سامان (ادھار) خریدا (مثلاً کپڑا بنانے کا) سوت، یا کوئی اور سامان یا زمین کا کوئی ٹکڑا، پھر خریدار نے اس میں کوئی نیا عمل کر لیا، (مثلاً) پلاٹ میں گھر تعمیر کر لیا یا سوت سے کپڑا بن لیا، پھر جس شخص نے انھیں خریدا تھا وہ مفلس ہوگیا، تو (اگر) پلاٹ (بیچنے) والا شخص کہے کہ یہ پلاٹ اور اس میں تعمیر شدہ عمارت میں لوں گا تو یہ اس کے لیے جائز نہ ہوگا، البتہ اس پلاٹ کی اور اس عمارت کی قیمت لگائی جائے گی جو کہ اس پلاٹ میں ہے جس کی خریدار نے اصلاح کی ہے، پھر دیکھا جائے گا کہ اس قیمت میں سے پلاٹ کی کتنی اور عمارت کی کتنی قیمت ہے، پھر وہ دونوں (پلاٹ کا اصل مالک اور خریدار) اس پلاٹ میں شریک ہوں گے، پلاٹ کے مالک کو اس کے حصے کے بقدر ملے گا اور (خریدار کے حصے میں اس کی عمارت کے بقدر آئے گا چنانچہ باقی) قرض خواہوں کے لیے عمارت کے حصے کے بقدر ہوگا (جسے وہ باہم تقسیم کر لیں گے)۔

قَـالَ مَـالِكٌ : وَتَـفْسِيـرُ ذَلِكَ أَنْ تَـكُونَ قِيمَةُ ذَلِكَ كُـلِّـهِ أَلْفَ دِرْهَـمٍ وَخَـمْـسَ مِئَةِ دِرْهَمٍ، فَتَكُونُ قِيمَةُ الْبُقْعَةِ خَمْسَ مِئَةِ دِرْهَمٍ ، وَقِيمَةُ الْبُـنْيَانِ أَلْفَ دِرْهَمٍ ، فَيَكُونُ لِصَاحِبِ الْبُقْعَةِ الثُّلُثُ وَيَكُونُ لِلْغُرَمَاءِ الثُّلُثَانِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اس کی تفسیر یہ ہے کہ اس ساری چیز (پلاٹ اور عمارت) کی قیمت پندرہ سو درہم ہو، (جس میں سے) پلاٹ کی قیمت پانچ سو درہم اور عمارت کی قیمت (لاگت) ایک ہزار درہم ہو تو پلاٹ کے مالک کے لیے تہائی حصہ ہوگا اور باقی قرض خواہوں کے دو تہائی حصے ہوں گے۔

فائدہ: ......امام مالک رحمہ اللہ کا پلاٹ کے مالک کو شریک بنا دینا بھی حدیث کے موافق نہیں ہے کیونکہ اس طرح اسے ایک مخصوص حصہ بلکہ پورا قرض واپس مل جائے گا جبکہ ہو سکتا ہے کہ دوسرے قرض خواہوں کا قرض اس سے بھی کہیں زیادہ ہو اور انھیں اس پلاٹ کے مالک سے بھی کم حصہ ملے، لہٰذا راجح یہی ہے کہ چونکہ پلاٹ بعینہٖ اپنی اصلی حالت میں نہیں رہا، اس لیے اس کا مالک بھی باقی قرض خواہوں کے ساتھ برابر کا شریک ہوگا اور مفلس شخص کے مکمل مال کو قرض خواہوں کے قرضوں کے تناسب سے کم یا زیادہ ملے گا، چنانچہ اگر چار قرض خواہ ہوں جن میں سے ایک کے اڑھائی سو درہم ہوں، پلاٹ والے کے پانچ سو، تیسرے کے بھی پانچ سو اور چوتھے قرض خواہ کے ساڑھے سات سو درہم ہوں تو ان کا مجموعہ دو ہزار درہم بنتا ہے جس کے آٹھ حصے برابر برابر بن سکتے ہیں۔ (اڑھائی سو کے اعتبار سے)، پہلے شخص کا ایک حصہ، دوسرے اور تیسرے قرض خواہ کے دو دو اور چوتھے کے تین حصے بنیں گے۔ اب مقروض شخص کا مال واسباب اور جائداد بیچ کر جتنی بھی رقم حاصل ہوگی اسے آٹھ حصوں میں تقسیم کر کے ہر قرض خواہ کو اس کے حق کے مطابق دے دیا جائے گا۔

قَالَ مَالِكٌ: وَكَذَلِكَ الْغَزْلُ وَغَيْرُهُ مِمَّا أَشْبَهَهُ، إِذَا دَخَلَهُ هَذَا وَلَحِقَ الْمُشْتَرِيَ دَيْنٌ لَا وَفَاءَ لَهُ، وَهَذَا الْعَمَلُ فِيهِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اسی طرح سوت اور اس جیسی چیزیں (حکم رکھتی) ہیں، جب اس میں یہ (بن لینے کا یا حالت تبدیل کر دینے کا معاملہ) داخل ہو جائے اور (پھر) خریدار کو اتنا قرضہ لاحق ہو جائے کہ جس کی مکمل ادائیگی اس کے پاس نہ ہو، تو اس میں (بھی) یہی عمل ہوگا۔

قَالَ مَالِكٌ: فَأَمَّا مَا بِيعَ مِنَ السِّلَعِ الَّتِي لَمْ يُحْدِثْ فِيهَا الْمُبْتَاعُ شَيْئًا، إِلَّا أَنَّ تِلْكَ السِّلْعَةَ نَفَقَتْ، وَارْتَفَعَ ثَمَنُهَا، فَصَاحِبُهَا يَرْغَبُ فِيهَا، وَالْغُرَمَاءُ يُرِيدُونَ إِمْسَاكَهَا، فَإِنَّ الْغُرَمَاءَ يُخَيَّرُونَ بَيْنَ أَنْ يُعْطُوا رَبَّ السِّلْعَةِ الثَّمَنَ الَّذِي بَاعَهَا بِهِ وَلَا يُنْقِصُوهُ شَيْئًا، وَبَيْنَ أَنْ يُسَلِّمُوا إِلَيْهِ سِلْعَتَهُ، وَإِنْ كَانَتِ السِّلْعَةُ قَدْ نَقَصَ ثَمَنُهَا، فَالَّذِي بَاعَهَا بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ أَنْ يَأْخُذَ سِلْعَتَهُ، وَلَا تِبَاعَةَ لَهُ فِي شَيْءٍ مِنْ مَالِ غَرِيمِهِ، فَذَلِكَ لَهُ، وَإِنْ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور رہے وہ سودے جنھیں بیچا گیا ہو اور خریدار نے ان میں کوئی بھی نیا عمل نہ کیا ہو، مگر (ہوا یوں کہ) اس سامان کا نرخ چڑھ گیا ہو اور اس کی قیمت بڑھ گئی ہو، پھر اس سامان والا (اصل مالک) اس میں رغبت کرے اور دوسرے قرض خواہ اسے روک لینا چاہیں، تو بے شک قرض خواہوں کو دو چیزوں کے درمیان اختیار دیا جائے گا، یا تو وہ سامان کے مالک کو اس کی وہ قیمت (مکمل) ادا کر دیں جس کے ساتھ اس نے اسے فروخت کیا تھا اور اس میں اس سے کچھ بھی کم نہ کریں یا وہ اس کا سامان اس کے سپرد کر دیں...... اور اگر اس سامان کی قیمت کم ہو

شَاءَ أَنْ يَكُونَ غَرِيماً مِنَ الْغُرَمَاءِ، يُحَاصُّ بِحَقِّهِ وَلَا يَأْخُذُ سِلْعَتَهُ، فَذَلِكَ لَهُ .

چکی ہوتو پھر جس نے اسے بیچا تھا اسے اختیار ہوگا کہ اگر وہ چاہے کہ اپنا سامان واپس لے لے اور اس مقروض کے (باقی ماندہ تمام) مال میں سے کسی اور چیز میں وہ رجوع نہ کرے تو یہ بھی اس کے لیے جائز ہے اور اگر چاہے کہ تمام قرض خواہوں (کی طرح انھی) میں سے ایک قرض خواہ بن جائے کہ جسے اپنے حق کے بقدر حصہ ملے اور وہ اپنا سامان (واپس) نہ لے تو یہ بھی اس کے لیے جائز ہے۔

فائدہ :...... وہ موازنہ کر کے دیکھ لے کہ اس کے بطور قرض دیے ہوئے سامان کی موجودہ قیمت زیادہ ہے یا مقروض کے کل مال کی قیمت میں سے اسے جو حصہ ملے گا وہ زیادہ ہے، پھر جسے چاہے لے لے، اس کی مرضی پر منحصر ہے...... امام مالک رحمہ اللہ نے اپنے اس فتویٰ کے پہلے حصے میں سامان کی قیمت بڑھ جانے کی صورت میں باقی قرض خواہوں کو اختیار دیا ہے کہ وہ دوصورتوں میں سے جسے چاہیں اختیار کر لیں، لیکن ہمارے خیال میں حدیث مبارکہ کے الفاظ کی رو سے یہ اختیار بھی سامان کے اصل مالک کو دینا چاہیے، اسے بتا دینا چاہیے کہ حدیث مبارکہ کی رو سے اس چیز پر زیادہ حق تمھارا ہی ہے، تم چاہو تو اسے لے سکتے ہو لیکن اسے لے لینا تم پر واجب نہیں ہے، لہٰذا ساتھیوں کے ساتھ ہمدردی، ایثار، احسان اور خیر خواہی کا تقاضا یہ ہے کہ تم اپنی قیمت جو مقروض کے ذمے تھی وہ وصول کر لو، اس طرح تمھیں تمھارا پورا حق بھی مل جائے گا (جیسے کہ اگر وہ مفلس نہ ہوتا تو صرف تمھارا اتنا ہی قرض اتارتا) اور دوسروں کا بھی بھلا ہو جائے گا کیونکہ جب تم وہ سامان چھوڑ دو گے تو اس کی زائد قیمت سے دوسرے قرض خواہوں کو اپنا حق زیادہ وصول ہو جائے گا۔

وَقَالَ مَالِكٌ فِيمَنِ اشْتَرَى جَارِيَةً أَوْ دَابَّةً، فَوَلَدَتْ عِنْدَهُ، ثُمَّ أَفْلَسَ الْمُشْتَرِي، فَإِنَّ الْجَارِيَةَ أَوِ الدَّابَّةَ وَوَلَدَهَا لِلْبَائِعِ، إِلَّا أَنْ يَرْغَبَ الْغُرَمَاءُ فِي ذَلِكَ، فَيُعْطُونَهُ حَقَّهُ كَامِلاً، وَيُمْسِكُونَ ذَلِكَ .

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جس نے کوئی لونڈی یا کوئی (مادہ) جانور (ادھار) خرید، پھر اس نے اس کے ہاں بچہ جن دیا، بعد ازاں وہ خریدار مفلس ہو گیا تو بلاشبہ وہ لونڈی یا وہ جانور اور اس کا بچہ بیچنے والے کے ہوں گے، الا یہ کہ باقی قرض خواہ ان میں رغبت کریں (کہ ان دونوں کو بیچ کر زیادہ قیمت ملے گی اور زیادہ افراد کا قرضہ ادا ہو جائے گا) تو وہ اس (بیچنے والے) کو اس کا مکمل حق (قرض) ادا کر دیں اور ان (دونوں) کو روک لیں۔

فائدہ :...... ہمارے نزدیک یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب بیچنے والا اس پر راضی ہو کیونکہ مذکورہ صورت میں اختیار اور حق اسی کے ہاتھ میں ہے۔

43- بَابٌ: مَا يَجُوزُ مِنَ السَّلَفِ

جائز ادھار اور قرض کا بیان

خلاصة الباب اس باب میں دو روایات ہیں، ایک مرفوع (حدیث نبوی) ہے جو کہ صحیح مسلم میں بھی موجود ہے اور ایک موقوف (اثر صحابی) ہے جو کہ سنداً صحیح ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاوی بھی مذکور ہیں۔

[1386] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي رَافِعٍ مَوْلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، أَنَّهُ قَالَ: اسْتَسْلَفَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بَكْرًا، فَجَاءَتْهُ إِبِلٌ مِنَ الصَّدَقَةِ، قَالَ أَبُو رَافِعٍ: فَأَمَرَنِي رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ أَقْضِيَ الرَّجُلَ بَكْرَهُ، فَقُلْتُ: لَمْ أَجِدْ فِي الْإِبِلِ إِلَّا جَمَلًا خِيَارًا رَبَاعِيًا. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: أَعْطِهِ إِيَّاهُ، فَإِنَّ خِيَارَ النَّاسِ أَحْسَنُهُمْ قَضَاءً.

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ جو کہ رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام ہیں، سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک (نوعمر) اونٹ قرض لیا، پھر آپ ﷺ کے پاس زکاۃ کے اونٹ آئے۔ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم فرمایا کہ میں (قرض دینے والے) آدمی کو اس کا اونٹ ادا کر دوں، تو میں نے عرض کیا کہ میں ان اونٹوں میں چھ سالہ بہترین اونٹ کے سوا کچھ نہیں پاتا (زکاۃ میں بڑی عمر والے اونٹ آئے ہیں جبکہ اس کا اونٹ چھوٹی عمر کا تھا) تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اسے وہی دے دو، بلاشبہ لوگوں میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو (قرض) ادا کرنے میں ان میں سب سے بہتر ہو۔''

فائدہ :...... ''رباعی'' اس اونٹ کو کہتے ہیں جو ''چوگا'' ہو یعنی اس کے دودھ کے چار دانت گر چکے ہوں، اس وقت اونٹ چھ سال مکمل کر کے ساتویں سال میں داخل ہو چکا ہوتا ہے۔ اس حدیث مبارکہ میں اونٹ کے بدلے اونٹ کے تبادلے کا ذکر ہے اور ایک جانب نقد اور دوسری جانب ادھار تھا، لہٰذا ہم اس کے قائل ہیں کہ جانوروں کی ادھار خرید وفروخت ہو سکتی ہے بشرطیکہ ادھار صرف ایک جانب ہو۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا یہ موقف درست نہیں ہے کہ جانور کو قرض کے طور پر لینا درست نہیں ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے پیچھے باب: 25۔ رسول اللہ ﷺ پر تو صدقے کا مال حرام تھا، پھر آپ ﷺ نے اپنی طرف سے یہ صدقے کا اونٹ کیوں ادا کروایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ ایسے اونٹ کو خرید کر قرضہ ادا کرتے تھے۔ (بخاری: 2390، 2606، مسلم: 1601)۔

[1386] (مرفوع صحیح) صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ، باب جواز اقتراض الحیوان واستحباب توفیتہ خیرا مما علیہ، حدیث: 1600۔ سنن ابی داود، کتاب البیوع، باب فی حسن القضاء، حدیث: 3346۔ ترمذی: 1318۔ نسائی: 4621۔ ابن ماجہ: 2285۔ احمد: 390/6 (27723)۔ دارمی: 2565۔

[1387] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ قَيْسٍ الْمَكِّيِّ، عَنْ مُجَاهِدٍ، أَنَّهُ قَالَ: اسْتَسْلَفَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ مِنْ رَجُلٍ دَرَاهِمَ، ثُمَّ قَضَاهُ دَرَاهِمَ خَيْرًا مِنْهَا، فَقَالَ الرَّجُلُ: يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ هَذِهِ خَيْرٌ مِنْ دَرَاهِمِي الَّتِي أَسْلَفْتُكَ. فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ: قَدْ عَلِمْتُ، وَلَكِنْ نَفْسِي بِذَلِكَ طَيِّبَةٌ.

مجاہد رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ یقیناً حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک آدمی سے کچھ درہم ادھار لیے، پھر اسے ان سے بہتر درہم ادا کیے، وہ آدمی کہنے لگا: اے ابوعبدالرحمٰن! یہ درہم تو ان درہموں سے بہتر ہیں جو میں نے آپ کو قرض دیے تھے (تو کیا یہ سود نہیں ہے؟) چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مجھے اس کا علم ہے، لیکن میرا دل اس پر (راضی اور) خوش ہے۔

فائدہ: ......اور یہی فرق ہے اس کے حلال ہونے اور سود کے حرام ہونے میں کہ سود تو مجبوراً دیا جاتا ہے کہ اگر سود نہ دیا جائے تو قرض ہی نہ ملے جبکہ یہاں ایسی کوئی مجبوری نہیں، دوسری بات یہ کہ سود میں ایک خاص مقدار یا شرح طے کی جاتی ہے جبکہ یہاں وہ بھی نہیں ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: لَا بَأْسَ بِأَنْ يُقْبِضَ مَنْ أُسْلِفَ شَيْئًا مِنَ الذَّهَبِ أَوِ الْوَرِقِ أَوِ الطَّعَامِ أَوِ الْحَيَوَانِ، مِمَّنْ أَسْلَفَهُ ذَلِكَ أَفْضَلَ مِمَّا أَسْلَفَهُ، إِذَا لَمْ يَكُنْ ذَلِكَ عَلَى شَرْطٍ مِنْهُمَا أَوْ عَادَةٍ، فَإِنْ كَانَ ذَلِكَ عَلَى شَرْطٍ أَوْ وَأْيٍ أَوْ عَادَةٍ، فَذَلِكَ مَكْرُوهٌ، وَلَا خَيْرَ فِيهِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ شخص جس کو سونا یا چاندی یا اناج یا جانور (وغیرہ) میں سے کوئی چیز قرض دی جائے، وہ اس شخص کو جس نے اسے یہ چیز قرض دی ہے، اس کی قرض میں دی ہوئی چیز سے افضل چیز قبضے میں دے، (بشرطیکہ) جب یہ (اعلیٰ وافضل چیز واپس کرنا) ان دونوں کی طرف سے کسی شرط یا عادت) یا وعدے کے مطابق نہ ہو، چنانچہ اگر یہ (اضافہ) کسی شرط یا وعدے یا عادت کے مطابق ہو تو یہ مکروہ (اور ناجائز) ہے اور اس میں کوئی خیر نہیں ہے۔

قَالَ: وَذَلِكَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَضَى جَمَلًا رَبَاعِيًا خِيَارًا، مَكَانَ بَكْرٍ اسْتَسْلَفَهُ، وَأَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ اسْتَسْلَفَ دَرَاهِمَ، فَقَضَى خَيْرًا مِنْهَا، فَإِنْ كَانَ ذَلِكَ عَلَى طِيبِ نَفْسٍ مِنَ الْمُسْتَسْلِفِ، وَلَمْ يَكُنْ ذَلِكَ عَلَى شَرْطٍ وَلَا

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور یہ (فیصلہ) اس وجہ سے ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے ایک چھ سالہ بہترین اونٹ، اس نوعمر اونٹ کی جگہ ادا کیا جو آپ ﷺ نے قرضے میں لیا تھا اور یقیناً حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بھی کچھ درہم ادھار لیے اور ان سے بہتر ادا کیے۔ لہٰذا اگر تو یہ (بہتر

[1387] (موقوف صحیح) بیهقي: 352/5 (10944)۔ الطبقات الکبری لابن سعد: 169/4۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

وَأْيٍ وَلَا عَـادَةٍ، كَـانَ ذَلِكَ حَلَالاً لَا بَـأْسَ بِهِ.

ادائیگی) ادھار اور قرض لینے والے کے دل کی خوشی اور اپنی مرضی کے مطابق ہو، اور کسی شرط یا وعدے یا عادت کے مطابق نہ ہو تو یہ حلال ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

44- باب مَا لَا يَجُوزُ مِنَ السَّلَفِ

ناجائز قرض کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں چار موقوف روایات (آثار صحابہ) ہیں جن میں سے ایک صحیح اور تین ضعیف ہیں، نیز اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

[1388] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ فِي رَجُلٍ أَسْلَفَ رَجُلاً طَعَاماً عَلَى أَنْ يُعْطِيَهُ إِيَّاهُ فِي بَلَدٍ آخَرَ، فَكَرِهَ ذَلِكَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَقَالَ: فَأَيْنَ الْحَمْلُ. يَعْنِي حُمْلَانَهُ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ بے شک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جس نے دوسرے آدمی کو کچھ اناج اس شرط پر ادھار دیا کہ وہ اسے وہ اناج ایک دوسرے شہر میں ادا کرے گا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے ناپسند کیا اور فرمایا کہ پھر بوجھ اٹھوانے (اور بار برادری) کی اجرت کہاں جائے گی؟

فائدہ:...... گویا قرض دینے والے نے زائد نفع کمایا اور غلہ منتقل کرنے کی اجرت بچالی اور کسی قرض پر کوئی زائد نفع حاصل کرنا سود ہی ہوتا ہے۔

[1389] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ رَجُلاً أَتَى عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ فَقَالَ: يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ إِنِّي أَسْلَفْتُ رَجُلاً سَلَفاً، وَاشْتَرَطْتُ عَلَيْهِ أَفْضَلَ مِمَّا أَسْلَفْتُهُ. فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ: فَذَلِكَ الرِّبَا. قَالَ: فَكَيْفَ تَأْمُرُنِي يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ؟ فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ: السَّلَفُ عَلَى ثَلَاثَةِ وُجُوهٍ: سَلَفٌ تُسْلِفُهُ

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ ایک آدمی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا، وہ کہنے لگا کہ اے ابوعبدالرحمٰن! بے شک میں نے ایک شخص کو کچھ ادھار دیا اور میں نے جو مال اسے دیا تھا اس سے افضل مال (واپس ادا کرنے) کی اس پر شرط لگائی، تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ پھر یہ تو سود ہے۔ وہ کہنے لگا کہ اے ابوعبدالرحمٰن! آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

[1388] (موقوف ضعیف) شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔

[1389] (موقوف ضعیف) بيهقي في السنن الكبرى: 350/5- وفي الصغير: 273/2 (1973)- عبدالرزاق: 146/8 (14662)- شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔

تُرِيدُ بِهِ وَجْهَ اللّٰهِ ، فَلَكَ وَجْهُ اللّٰهِ ، وَسَلَفٌ تُسْلِفُهُ تُرِيدُ بِهِ وَجْهَ صَاحِبِكَ ، فَلَكَ وَجْهُ صَاحِبِكَ ، وَسَلَفٌ تُسْلِفُهُ لِتَأْخُذَ خَبِيثاً بِطَيِّبٍ ، فَذٰلِكَ الرِّبَا . قَالَ : فَكَيْفَ تَأْمُرُنِي يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ؟ قَالَ : أَرَى أَنْ تَشُقَّ الصَّحِيفَةَ ، فَإِنْ أَعْطَاكَ مِثْلَ الَّذِي أَسْلَفْتَهُ قَبِلْتَهُ ، وَإِنْ أَعْطَاكَ دُونَ الَّذِي أَسْلَفْتَهُ فَأَخَذْتَهُ أُجِرْتَ ، وَإِنْ أَعْطَاكَ أَفْضَلَ مِمَّا أَسْلَفْتَهُ طَيِّبَةً بِهِ نَفْسُهُ ، فَذٰلِكَ شُكْرٌ شَكَرَهُ لَكَ ، وَلَكَ أَجْرُ مَا أَنْظَرْتَهُ .

ادھار (اور قرض) تین قسم پر ہے، ایک وہ قرض ہے جسے تم دو اور اس کے ذریعے سے تم اللہ کے چہرے (کے دیدار اور رضامندی کے حصول) کو چاہتے ہو، تو تمھارے لیے اللہ کی رضامندی (ہی لکھی جاتی) ہے، اور ایک وہ قرض ہے جسے تم اس لیے دو کہ تم اس کے ذریعے سے اپنے دوست کی رضا مندی چاہتے ہو تو تمھارے لیے تمھارے دوست کی رضا مندی (ہی حاصل ہوتی) ہے اور ایک وہ ادھار ہے جسے تم اس لیے ادھار دو تا کہ پاکیزہ مال کے عوض پلید مال حاصل کرو، تو یہی سود ہے، وہ آدمی (پھر) کہنے لگا کہ اے ابوعبدالرحمن (عبداللہ بن عمر)! تو آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ انھوں نے فرمایا: میں یہ خیال کرتا ہوں کہ تم صحیفہ (دستاویز، اسٹام، ثبوت والی تحریر) پھاڑ ڈالو، پھر اگر وہ (قرض ادا کرتے وقت) تمھیں اسی کی مثل دے جو تم نے اسے ادھار دیا تھا تو اسے قبول کر لو، اور اگر وہ تمھیں اس سے گھٹیا چیز دے جو تم نے اسے قرض دی تھی اور تم اسے لے لو تو تمھیں اجر دیا جائے گا (کیونکہ یہ تمھارا اس پر احسان ہوگا) اور اگر وہ اپنے دل کی خوشی سے تمھیں اس سے بہتر ادا کرے جو تم نے اسے ادھار دیا تھا تو یہ شکریہ ہے، اس نے (ایسا کر کے) تمھارا شکریہ ادا کیا ہے اور تمھیں اس کا اجر ملے گا، جو تم نے اسے مہلت دی تھی۔

[1390] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ ، عَنْ نَافِعٍ أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ يَقُولُ : مَنْ أَسْلَفَ سَلَفاً ، فَلَا يَشْتَرِطْ إِلَّا قَضَاءَهُ .

نافع سے روایت ہے، انھوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ فرماتے ہوئے سنا: جس شخص نے کوئی قرض دیا تو وہ قرض ادا کرنے کے سوا کوئی شرط نہ لگائے۔

[1391] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مَسْعُودٍ كَانَ يَقُولُ : مَنْ أَسْلَفَ سَلَفاً ، فَلَا يَشْتَرِطْ أَفْضَلَ مِنْهُ ، وَإِنْ كَانَتْ

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ بے شک حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ جس نے بھی کوئی قرض دیا تو وہ اس سے افضل (چیز کو واپس لینے) کی شرط نہ لگائے، خواہ

[1390] (موقوف صحیح) بیهقی فی السنن الکبری: 350/5 (10936)۔ وفی الصغیر: 273/2 (1972)۔ دارقطنی: 45/3۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

[1391] (موقوف ضعیف) بیهقی: 350/5، 351۔ عبدالرزاق: 14658۔ ابن ابی شیبہ: 22754۔ 22761۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے۔

قَبْضَةٌ مِنْ عَلَفٍ، فَهُوَ رِباً.

قَالَ مَالِكٌ: الأَمْرُ الْمُجْتَمَعُ عَلَيْهِ عِنْدَنَا: أَنَّ مَنِ اسْتَسْلَفَ شَيْئاً مِنَ الْحَيَوَانِ بِصِفَةٍ وَتَحْلِيَةٍ مَعْلُومَةٍ، فَإِنَّهُ لَا بَأْسَ بِذَلِكَ، وَعَلَيْهِ أَنْ يَرُدَّ مِثْلَهُ، إِلَّا مَا كَانَ مِنَ الْوَلَائِدِ، فَإِنَّهُ يُخَافُ فِي ذَلِكَ الذَّرِيعَةُ إِلَى إِحْلَالِ مَا لَا يَحِلُّ، فَلَا يَصْلُحُ، وَتَفْسِيرُ مَا كُرِهَ مِنْ ذَلِكَ، أَنْ يَسْتَسْلِفَ الرَّجُلُ الْجَارِيَةَ فَيُصِيبُهَا مَا بَدَا لَهُ، ثُمَّ يَرُدُّهَا إِلَى صَاحِبِهَا بِعَيْنِهَا، فَذَلِكَ لَا يَصْلُحُ وَلَا يَحِلُّ، وَلَمْ يَزَلْ أَهْلُ الْعِلْمِ يَنْهَوْنَ عَنْهُ، وَلَا يُرَخِّصُونَ فِيهِ لِأَحَدٍ.

وہ (زائد چیز اور شرط) مٹھی بھر چارہ ہی ہو، تو وہ سود ہی ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں اس حکم پر اجماع ہے کہ جس شخص نے کسی قسم کے جانور کو معلوم وصف اور خوبی کے ساتھ ادھار لیا تو بلاشبہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور اس پر لازم ہوگا کہ اس کی مثل واپس کرے، سوائے اس ادھار کے جو لونڈیوں کی شکل میں ہو (تو یہ جائز نہیں ہے) کیونکہ بلاشبہ اس میں یہ خطرہ ہے کہ اسے اس چیز کے حلال کرنے کا ذریعہ بنا لیا جائے جو حلال نہیں ہے۔ (لونڈیوں کو قرض میں لینا دینا گویا شرمگاہوں کو عاریتاً لینے دینے کی صورت بن جائے گا جو حرام ہے،) لہٰذا یہ درست نہیں ہے، اور اس میں جسے ناپسند (اور ناجائز) سمجھا گیا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ آدمی کسی لونڈی کو قرض لے لے گا، پھر جب تک اس کا دل کرے گا اس سے مباشرت کرتا رہے گا، پھر اسے بعینہٖ اس کی (ظاہری) حالت میں اس کے مالک کو واپس لوٹا دے گا۔ لہٰذا نہ یہ حلال ہے اور نہ درست ہے۔ اہل علم ہمیشہ سے اس سے روکتے آئے ہیں، وہ کسی کے لیے بھی اس کی رخصت نہیں دیتے۔

فائدہ: ...... البتہ اگر یہ خطرہ نہ ہو مثلاً لونڈی کسی ایسے شخص کو قرضے میں دے جو اس لونڈی کا محرم رشتہ دار ہو یا کسی عورت کو قرض دے یا وہ کسی بچے کے لیے قرض لی جائے تو پھر اسے قرض میں لینا دینا جائز ہے۔

45- بَابُ مَا يُنْهَى عَنْهُ مِنَ الْمُسَاوَمَةِ وَالْمُبَايَعَةِ

بھاؤ پر بھاؤ لگانے اور بیع پر بیع کرنے سے ممانعت کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں تین احادیث نبویہ ہیں جو کہ بخاری و مسلم میں بھی ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے تین فتاویٰ بھی مذکور ہیں۔

[1392] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کوئی شخص کسی کی بیع پر بیع نہ

[1392] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب البيوع، باب لا يبيع على بيع اخيه، حديث: 2139، 2165، 5142- صحيح مسلم، كتاب البيوع، باب تحريم بيع الرجل على بيع اخيه، حديث: 7/1412، بعد از حديث: 1514- ابوداود: 3436- ترمذي: 1292- نسائي: 4507- ابن ماجه: 2171- احمد: 2/7 (4531).

اللّٰهِ ﷺ قَالَ : لَا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَيْعِ بَعْضٍ . کرے۔''

فائدہ: ...... بائع اور مشتری کسی چیز کا بھاؤ متعین کر کے رضا مند ہو چکے ہوں تو اس موقع پر کوئی شخص ان کے اس معاملے کو خراب نہ کرے، یہ نہ ہو کہ کوئی دوسرا دکاندار آ کر خریدار سے کہے کہ میں تمھیں یہی چیز سستے داموں دیتا ہوں یا کوئی اور خریدار آ کر دکاندار سے کہے کہ میں تمھیں اس کے زیادہ پیسے دیتا ہوں۔ یہ صورت مدت اختیار میں بھی ممکن ہے کہ سودا ہو جانے کے بعد جتنے دن کا اختیار لیا گیا ہو ان میں بائع یا مشتری کو خراب کیا جائے۔

[1393] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : لَا تَلَقَّوُا الرُّكْبَانَ لِلْبَيْعِ، وَلَا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَيْعِ بَعْضٍ، وَلَا تَنَاجَشُوا، وَلَا يَبِعْ حَاضِرٌ لِبَادٍ، وَلَا تُصَرُّوا الْإِبِلَ وَالْغَنَمَ، فَمَنِ ابْتَاعَهَا بَعْدَ ذَلِكَ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ بَعْدَ أَنْ يَحْلُبَهَا، إِنْ رَضِيَهَا أَمْسَكَهَا، وَإِنْ سَخِطَهَا رَدَّهَا وَصَاعاً مِنْ تَمْرٍ .

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''(مال کی) خرید وفروخت کے لیے (منڈیوں کی طرف آنے والے) قافلوں کو (منڈیوں میں پہنچنے سے پہلے ہی) جا کر نہ ملو اور نہ کوئی شخص کسی کی بیع پر بیع کرے اور نہ تم دھوکا دینے کے لیے بولی چڑھاؤ اور کوئی شہری کسی دیہاتی کے لیے (مال) نہ بیچے، اور نہ اونٹنیوں اور بکریوں کا دودھ بند کیا کرو (اس مقصد سے کہ بڑے بڑے تھن دیکھ کر ان کی قیمت زیادہ لگے) تو جس کسی نے اس (دودھ روکے ہوئے جانور) کو اس کے بعد خرید لیا تو وہ (خریدار) اس کا دودھ دوھ لینے کے بعد دو اختیارات رکھتا ہے، وہ ان میں سے جسے بہتر سمجھے اسے اختیار کر لے، اگر اس جانور پر راضی ہو تو اسے روکے رکھے اور اگر اس پر ناخوش ہو تو اسے ایک صاع کھجوروں سمیت واپس کر دے۔''

فائدہ: ...... اس حدیث مبارکہ میں پانچ اہم مسائل بیان ہوئے ہیں جن کی وضاحت حسب ذیل ہے:

(1) جو لوگ قافلوں کی شکل میں یا انفرادی طور پر منڈیوں کی طرف آتے ہیں تو وہ نسبتاً سستا مال فروخت کرتے ہیں جس سے عوام کا بھلا ہوتا ہے لیکن کاروباری اور آڑھتی لوگ اہل قافلہ کو بھی اور عوام کو بھی نقصان پہنچانے اور خود نفع کمانے کی خاطر یوں کرتے ہیں کہ قافلوں کو راستے ہی میں جا لیتے ہیں اور ان سے غلط بیانی کر کے منڈی سے بھی کم ریٹ بتا کر مال خرید لیتے ہیں اور پھر منڈی میں لا کر اپنی مرضی کے ریٹ پر مہنگا بیچتے ہیں۔ چنانچہ اس سے منع کر دیا گیا ہے۔ امام

[1393] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب البيوع، باب النهي للبائع ان يحفل الابل والبقر والغنم، حديث: 2150، 2140، 2148، 2151، 2160، 2162، 2723، 2727- صحيح مسلم، كتاب البيوع، باب تحريم بيع الرجل على بيع اخيه، حديث: 11/1515، ابوداود: 3443- نسائي: 4501- ابن ماجه: 2239- احمد: 465/2 (10005).

ابوحنیفہ رحمہ اللہ اس کی اجازت دیتے ہیں۔ آج کل یہی سرمایہ دار لوگ مختلف اشیاء کا مصنوعی قحط پیدا کر کے من چاہی قیمتیں بڑھا کر عوام کو دونوں ہاتھوں سے لوٹتے ہیں، جب کوئی پیداوار حاصل ہوتی ہے تو ریٹ گرا کر سستے داموں خرید لیتے ہیں اور جب اپنا سٹور شدہ مال بیچنا ہو تو مہنگائی کا بم گرا دیتے ہیں۔ (2) حدیث مبارکہ کے دوسرے حصے کا تذکرہ پیچھے حدیث: 1391 میں گزر چکا ہے۔ (3) بیع نجش (ناجائز بولی چڑھانے) کی تفسیر خود امام مالک رحمہ اللہ نے اس باب کے آخر میں کر دی ہے۔ (4) شہری آدمی کے دیہاتی کے لیے نہ بیچنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کا دلال نہ بنے، کیونکہ دیہاتی آدمی اپنی سادگی کی بنا پر عوام کو نسبتاً زیادہ فائدہ پہنچاتا ہے اور سستا مال فروخت کرتا ہے جبکہ یہ شہری آدمی اپنی چالاکی کی وجہ سے ریٹ بڑھا دیتا ہے اور اپنی دلالی سے خوب جیبیں بھرتا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اس کی بھی اجازت دیتے ہیں۔ (5) آخری مسئلہ دودھ بند کیے ہوئے جانوروں کے متعلق ہے، دراصل مادہ جانور کی قیمت کا معیار اس کا دودھ ہوتا ہے، دودھ کی کمی زیادتی سے بھاؤ پر اثر پڑتا ہے، دھوکے باز لوگ عموماً فروخت سے پہلے ایک یا دو دنوں کا دودھ نہیں دوہتے، اور بھرے ہوئے تھنوں کی بنا پر منہ مانگی قیمت لیتے ہیں۔ خریدار ایک بار دودھ حاصل کرنے کے بعد جب دوبارہ اتنا دودھ حاصل نہیں کر پاتا تو وہ پریشان ہو جاتا ہے، چنانچہ اسی کا حل رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا ہے کہ تین دن تک خریدار کو اختیار ہے۔ (بخاری: 2148، مسلم: 1524) اگر ان میں اسے اس جانور کے دودھ پر اطمینان ہو جائے تو ٹھیک ہے ورنہ وہ اسے واپس کر سکتا ہے، لیکن واپس کرتے وقت ایک صاع (دو سیر چار چھٹانک/ 2.099 کلو گرام) کھجوریں بھی واپس کرے۔ یہ کھجوریں اس دودھ کا بدل ہیں جو عقد بیع کے وقت تھنوں میں تھا، لیکن چونکہ روکا ہوا دودھ اور خریداری کے بعد پیدا ہونے والا دودھ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتا اور ان کی خاص مقداریں معلوم نہیں ہو سکتیں، نیز جانوروں میں دودھ پیدا ہونے کا سلسلہ بھی مختلف ہوتا ہے، اس لیے شریعت نے ہر قسم کا نزاع ختم کرنے کے لیے ایک صاع کھجوروں کی مقدار مقرر کر دی ہے، جس طرح کہ عورت کے پیٹ کا بچہ ساقط کرنے پر ایک غلام یا لونڈی کو بطور دیت مقرر فرما دیا گیا ہے تاکہ نزاع ختم ہو، کیونکہ بچہ مذکر بھی ہو سکتا ہے اور مونث بھی، تھوڑے عرصے کا یا زیادہ مدت کا، زندہ یا مردہ، صحت مند یا کمزور وغیرہ لیکن دیت یکساں ہے، اسی طرح انگلیوں کی دیتیں برابر برابر رکھی گئی ہیں، حالانکہ ہر انگلی کا عمل اور جسامت دوسری سے مختلف ہے، یہی حال دانتوں کی دیت کا ہے، تو چونکہ مقداریں مختلف ہونے کی بنا پر جھگڑے کھڑے ہو سکتے تھے اس لیے شریعت نے نزاع کا خاتمہ کرتے ہوئے ایک جامع فیصلہ سنا دیا ہے...... امام مالک، امام شافعی، امام احمد رحمہم اللہ اور اہل حدیث اس کے قائل ہیں، لیکن امام ابوحنیفہ اور ان کے پیروکار اسے تسلیم نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں کہ نہ بیع فسخ ہوگی اور نہ صاع لوٹایا جائے گا۔ احناف ایک طرف بخاری ومسلم خصوصاً بخاری شریف کے فضائل بیان کرتے نہیں تھکتے اور دوسری طرف اپنے امام کے موقف کے خلاف حدیث آ جائے تو پروا تک نہیں کرتے، بلکہ توہین صحابہ رضی اللہ عنہم کا ارتکاب کرنے میں عار نہیں سمجھتے، چنانچہ جب یہی حدیث مبارکہ سامنے آتی ہے تو ان مقلدین کو حضرت

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ غیر فقیہ نظر آنے لگتے ہیں، چنانچہ یہ کہہ کر اسے رد کر دیتے ہیں کہ کسی غیر فقیہ صحابی کی روایت جب قیاس جلی کے خلاف آ جائے تو روایت نا قابل عمل ہوتی ہے، گویا انھوں نے اپنی عقلوں کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت یافتہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں سے مستفید صحابہ رضی اللہ عنہم کی عقلوں سے اعلیٰ سمجھ رکھا ہے، یہ تقلید جامد کے کرشمے اور بھیانک نتائج ہیں جسے ان متعصب احناف نے عملاً اختیار کر رکھا ہے اور محض مسلک امام کے دفاع اور اثبات میں اپنی زندگیاں خرچ کرتے ہیں اور قول امام کے خلاف احادیث مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے رد کے لیے نت نئے اصول اور خود ساختہ قواعد گھڑتے رہتے ہیں، ایک طرف صحیح احادیث کی تردید میں ایک دوسرے سے سبقت کرتے ہیں اور قیاس ترک نہیں کرتے اور دوسری طرف انھیں اپنے امام کے موافق کوئی ضعیف روایت بھی مل جائے تو وہاں ضعیف روایت سے قیاس چھوڑ دیتے ہیں جیسا کہ قہقہے سے نماز ٹوٹنے کے معاملے میں کرتے ہیں، یہ ہے ان کا تناقض۔ حقیقت یہ ہے کہ حدیث بھی وحی ہے اور وہ ثابت ہو جانے کے بعد اپنی عقل وقیاس کو اس سے برتر سمجھنا شیوۂ شیطان ہے جس نے سجدہ آدم سے محض اسی قیاس کی بنا پر انکار کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت عطا فرمائے......امام بخاری رحمہ اللہ نے احناف کے اس باطل اصول کا زبردست ردّ یوں کیا کہ جس صحابی کو احناف سب سے بڑا فقیہ سمجھتے ہیں یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان کا فتویٰ امام صاحب نے مذکورہ مسئلے والی حدیث پیغمبر کے فوراً بعد ذکر کر دیا جو ہو بہو حدیث کے مطابق اور بالکل موافق ہے، دیکھئے صحیح بخاری: 2149۔ احناف حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت پر صفحات کے صفحات کالے کر دیتے ہیں اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے فتویٰ پر خاموشی سے آگے گزر جاتے ہیں۔ یہی بے انصافیاں اور بے اعتدالیاں ہیں جنھوں نے امت کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا اور معصیت پیغمبر کی نحوست نے رسوائیوں کی دلدل میں پھنسا رکھا ہے، لہٰذا جب تک ہم اپنی ہر خواہش اور محبت کو محبت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور اتباع رسول کی خاطر قربان نہیں کر دیتے نہ کامل مومن بن سکتے ہیں اور نہ کامل مسلم۔

قَالَ مَالِكٌ: وَتَفْسِيرُ قَوْلِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فِيمَا نُرَى وَاللّٰهُ أَعْلَمُ لَا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَيْعِ بَعْضٍ. أَنَّهُ إِنَّمَا نَهَى أَنْ يَسُومَ الرَّجُلُ عَلَى سَوْمِ أَخِيهِ إِذَا رَكَنَ الْبَائِعُ إِلَى السَّائِمِ، وَجَعَلَ يَشْتَرِطُ وَزْنَ الذَّهَبِ، وَيَتَبَرَّأُ مِنَ الْعُيُوبِ، وَمَا أَشْبَهَ هَذَا مِمَّا يُعْرَفُ بِهِ أَنَّ الْبَائِعَ قَدْ أَرَادَ مُبَايَعَةَ السَّائِمِ، فَهَذَا الَّذِي نُهِيَ عَنْهُ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کہ ”تم میں سے کوئی کسی کی بیع پر بیع نہ کرے“ کی تفسیر ہماری رائے کے مطابق یہ ہے۔ اور اللہ ہی زیادہ جانتا ہے کہ بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کہ آدمی اپنے بھائی کے بھاؤ پر اس وقت بھاؤ لگائے جب بیچنے والا شخص بھاؤ لگانے والے کی طرف مائل ہو چکا ہو اور سونے (یا چاندی کے سکوں) کو تولنے کی شرط لگانے لگا ہو اور (چیز میں ممکنہ) عیوب سے خود کو بری کرنے لگا ہو اور اس طرح کی دوسری چیزیں (ظاہر ہو جائیں) جن سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ بے شک بائع نے بھاؤ لگانے والے کے ہاتھ چیز بیچنے کا ارادہ

کرلیا ہے، تو صرف اس صورت سے منع کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم

فائدہ :......اور یہ صورت ممنوع نہیں ہوگی کہ ابتدا ہی میں دو تین یا زیادہ آدمی بھاؤ لگائیں، بلکہ جب تک بائع کا کسی ایک بھاؤ کی طرف رجحان اور میلان نہیں ہو جاتا تب تک جتنے افراد بھی چاہیں یکے بعد دیگرے بھاؤ لگا سکتے ہیں، اسی طرح یہ مطلب بھی نہیں کہ جس نے پہلے بھاؤ لگا دیا ہو بس وہی معتبر ہوگا اگر معاملہ اسی طرح ہوتا تو خریدار اپنی مرضی کرتے رہیں گے اور بیچنے والے کچھ نہ کما سکیں گے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَلَا بَأْسَ بِالسَّوْمِ بِالسِّلْعَةِ تُوقَفُ لِلْبَيْعِ ، فَيَسُومُ بِهَا غَيْرُ وَاحِدٍ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اس سامان کا بھاؤ لگانے میں کوئی حرج نہیں جسے بیچنے کے لیے ٹھہرایا گیا ہو (اور لوگوں کے سامنے رکھ دیا گیا ہو)، چنانچہ اس کے متعلق ایک سے زائد لوگ بھاؤ لگا سکتے ہیں۔

قَالَ وَلَوْ تَرَكَ النَّاسُ السَّوْمَ عِنْدَ أَوَّلِ مَنْ يَسُومُ بِهَا ، أُخِذَتْ بِشِبْهِ الْبَاطِلِ مِنَ الثَّمَنِ ، وَدَخَلَ عَلَى الْبَاعَةِ فِي سِلَعِهِمُ الْمَكْرُوهُ ، وَلَمْ يَزَلِ الْأَمْرُ عِنْدَنَا عَلَى هَذَا .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور اگر باقی لوگ اس پہلے شخص کے جو سامان کا بھاؤ لگا رہا ہو، آغاز ہی میں بھاؤ لگانا چھوڑ دیں تو وہ سامان باطل نما (غیر مناسب اور نہایت سستی وارزاں) قیمت کے بدلے لے لیا جائے گا اور بیچنے والوں پر اپنے سامانوں میں ناپسندیدہ صورت حال واقع ہو جائے گی، (لہٰذا حدیث مبارکہ کا مفہوم یہی ہے کہ جب بائع اور مشتری کا باہم ملاپ ہو جائے تو اس وقت کوئی اور شخص ان کی بیع خراب نہ کرے) اور ہمارے ہاں ہمیشہ سے اسی پر معاملہ جاری ہے۔

[1394] قَالَ مَالِكٌ : عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ : أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهَى عَنِ النَّجْشِ .

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے نجش (ناجائز بولی چڑھانے) سے منع فرمایا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَالنَّجْشُ أَنْ تُعْطِيَهُ بِسِلْعَتِهِ أَكْثَرَ مِنْ ثَمَنِهَا ، وَلَيْسَ فِي نَفْسِكَ اشْتِرَاؤُهَا فَيَقْتَدِيَ بِكَ غَيْرُكَ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ''نجش'' یہی کہ تم بائع کو اس کے سامان پر اس کی قیمت سے زائد دو (زائد ریٹ لگاؤ)، حالانکہ تمھارے دل میں اس کو خریدنے کی نیت نہ ہو (محض

[1394] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب البيوع، باب النجش ومن قال لا يجوز ذلك البيع، حديث: 2142، 6963، صحيح مسلم، كتاب البيوع، باب تحريم بيع الرجل على بيع اخيه، حديث: 1516۔ نسائی: 4509۔ ابن ماجه: 2173۔ احمد: 107/2 (5870)۔ دارمی: 2567 .

لوگوں کے مجمع میں شامل ہو کر تم نے بھی بولی لگا دی) پھر تمھارے علاوہ کوئی اور شخص تمھاری پیروی کرے (اور بولی چڑھاتے ہوئے مزید ریٹ لگادے)

فائدہ :...... بولی لگانا معیوب نہیں ہے بلکہ اصل خریداروں کو پھنسانے اور ان سے زیادہ ریٹ لگوانے کے لیے بولی چڑھانا حرام ہے، عموماً بولی لگا کر بیچنے والوں نے کچھ کارندے رکھے ہوتے ہیں اور ان سے طے ہوتا ہے کہ تم لوگوں میں شامل ہو کر خریدار بن کر کھڑے ہو جانا اور بولی جہاں رکنے لگے اسے آگے چلا دینا، نتیجہ یہ نکلے گا کہ جو لوگ مجبور ہیں اور دور دور سے خریدنے آئے ہیں وہ بھی بولی آگے بڑھا دیں گے۔ ایسے دھوکے بازوں سے یہ بھی طے ہوتا ہے کہ تمھارے بولی چڑھانے کی بنا پر جتنا ریٹ زیادہ لگے گا اس میں سے اتنا حصہ تمھارا ہوگا اور اگر کبھی ایسا ہو کہ تمھارے بولی لگانے سے ریٹ نہ بڑھا اور تمھیں ہی وہ چیز خریدنا پڑ گئی تو تم پر چٹی نہیں نہ پڑے گی، بہرحال یہ دھوکا بازی حرام ہے۔

46- بَابٌ: جَامِعُ الْبُيُوعِ

خرید وفروخت کے متعلق متفرق احادیث اور مسائل کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں چار روایات ہیں جن میں سے ایک مرفوع (حدیث نبوی) ہے جو بخاری ومسلم میں بھی ہے اور باقی تین مقطوع (آثار تابعین) ہیں اور وہ بھی سنداً صحیح ثابت ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے چار فتاوی بھی مذکور ہیں۔

[1395] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَجُلاً ذَكَرَ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ أَنَّهُ يُخْدَعُ فِي الْبُيُوعِ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: إِذَا بَايَعْتَ فَقُلْ: لَا خِلَابَةَ. قَالَ: فَكَانَ الرَّجُلُ إِذَا بَايَعَ يَقُولُ: لَا خِلَابَةَ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بے شک ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے ذکر کیا کہ یقیناً اسے خرید وفروخت میں دھوکا دیا جاتا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا: ''جب تو بیع کرنے لگے تو یہ کہہ دیا کر کہ (اس بیع میں کوئی) دھوکا (قابل قبول) نہیں ہے۔'' چنانچہ جب وہ آدمی خرید وفروخت کرتا تو یہ کہہ دیتا تھا کہ کوئی دھوکا نہیں ہے۔

فائدہ :...... یہ صحابی حضرت حبان بن منقذ رضی اللہ عنہ تھے، بعض روایات میں ان کا نام ابو منقذ بن عمرو یا منقذ بن عمرو بھی منقول ہے...... بعض لوگوں کے لیے کوئی کام ان کی فطرت ثانیہ یا طبیعت کا حصہ بن جاتا ہے جس کے بغیر ان

[1395] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب البيوع، باب ما يكره من الخداع في البيع، حديث: 2117، 2407، 2414، 6964- صحيح مسلم، كتاب البيوع، باب من يخدع في البيوع، حديث: 1533- ابوداود: 3500- نسائی: 4489- احمد: 2/44 (5036).

سے رہا نہیں جاتا، ان بزرگوں کا بھی یہی حال تھا، خود جا کر خریداری کرتے اور لوگ انھیں دھوکا دیتے، یوں ان کا مال ضائع ہوتا رہتا لیکن وہ بذات خود خرید وفروخت کے بغیر اپنے آپ کو ادھورا سمجھتے تھے، گھر والوں نے ان کی نبی کریم ﷺ کے سامنے شکایت بھی کی تو انھوں نے یہی عذر پیش کیا۔ (ابوداود: 3501، ترمذی: 1250، نسائی: 4490، ابن ماجہ: 2354 اس کی سند صحیح ہے) متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی نظر کمزور تھی، زبان لڑکھڑاتی تھی اور دماغی مسئلہ بھی تھا کیونکہ ان کے سر میں زخم آیا تھا جو دماغ کے پردے تک پہنچ گیا تھا، مندرجہ بالا سوال کے وقت ان کی عمر ایک سو ستر برس تھی، (حافظ ابن حجر نے دورِ عثمانی تک زندہ رہنے کا ذکر کیا اور آدمی کی عمر 130 سال بیان کی ہے) (فتح الباری: 4/ 337)، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت تک وہ زندہ رہے۔ (شافعی، احمد، ابن خزیمہ، دارقطنی، بیہقی بحوالہ زرقانی: 3/ 466/ 467) بعض کمزور روایات میں ان کے لیے تین دن تک اختیار کا بھی تذکرہ ہے، بعض دوسری روایات میں یہ بھی ہے کہ جب انھیں دھوکا دیا جاتا تو دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم اس فرمان نبوی کی گواہی دیا کرتے اور اس اختیار کی بنا پر بیع فسخ کر دی جاتی۔ (دارقطنی، بیہقی، اس کی سند حسن ہے، بحوالہ زرقانی: 467/3) متعدد روایات کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی کوئی دکان وغیرہ تو نہ تھی بلکہ انھیں خود خریداری کا شوق تھا جس میں لوگ انھیں ٹھگ لیتے تھے۔

[1396] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّهُ سَمِعَ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ يَقُولُ: إِذَا جِئْتَ أَرْضاً يُوفُونَ الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ، فَأَطِلِ الْمُقَامَ بِهَا، وَإِذَا جِئْتَ أَرْضاً يَنْقُصُونَ الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ، فَأَقْلِلِ الْمُقَامَ بِهَا.

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے سعید بن مسیب رحمہ اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: جب تم کسی ایسی زمین میں آؤ جہاں کے لوگ ماپ تول کو پورا کرتے ہوں تو وہاں اپنے قیام کو لمبا کرو اور جب تم کسی ایسی زمین میں آؤ جہاں لوگ ماپ تول میں کمی کرتے ہیں تو وہاں کم ٹھہرو۔

فائدہ:...... کیونکہ ماپ تول میں کمی ہلاکت اور عذاب الٰہی کا باعث ہے، ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ﴾ (المطففین: 1) "ماپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے تباہی ہے۔" قوم شعیب علیہ السلام کی تباہی و بربادی کا ایک اہم سبب یہی عمل تھا، یاد رہے کہ سعید بن مسیب رحمہ اللہ کے قول میں اہل اسلام کا علاقہ مراد ہے، یہ مطلب نہیں کہ غیر مسلم لوگ ماپ تول میں کمی نہ کریں تو تم ان میں قیام پذیر ہو جاؤ، ہاں تجارت یا تبلیغ اسلام کے لیے آمد و رفت مستثنیٰ ہے۔

[1397] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ يَحْيَى بْنِ

یحییٰ بن سعید سے روایت ہے، انھوں نے محمد بن منکدر کو یہ

[1396] (مقطوع صحیح) شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔
[1397] (مقطوع صحیح) شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

سَعِيدٍ ، أَنَّهُ سَمِعَ مُحَمَّدَ بْنَ الْمُنْكَدِرِ يَقُولُ : أَحَبَّ اللهُ عَبْداً ، سَمْحاً إِنْ بَاعَ ، سَمْحاً إِنِ ابْتَاعَ ، سَمْحاً إِنْ قَضَى ، سَمْحاً إِنِ اقْتَضَى .

فرماتے ہوئے سنا: اللہ تعالیٰ اس بندے سے محبت فرمائے جو اگر (کچھ) بیچے تو نرم ہوتا ہے، اگر خریدے تو نرم ہوتا ہے، اگر (قرض وغیرہ کی) ادائیگی کرے تو نرم رہتا ہے اور اگر (قرض وغیرہ کی واپسی کا) تقاضا کرے تو بھی نرمی دکھاتا ہے۔

فائدہ : ..... تفصیلی روایت میں یوں ہے کہ محمد بن منکدر رحمہ اللہ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے یہ فرمان نبوی روایت کیا: ((رَحِمَ اللّٰهُ رَجُلًا سَمْحًا إِذَا بَاعَ وَإِذَا اشْتَرٰى وَإِذَا اقْتَضٰى)) ''اللہ اس بندے پر رحم فرمائے جو نرم ثابت ہوتا ہے جس وقت کہ وہ بیچتا ہے اور جب وہ خریدتا ہے اور جب وہ تقاضا کرتا ہے۔'' (بخاری: 2076، ترمذی: 1320، ابن ماجه: 2203) دراصل یہ مواقع اور معاملات عموماً جھگڑے کے اندیشے والے ہوتے ہیں تو جو شخص ایسے مراحل پر صبر و تحمل، عفو و درگزر، نرمی و ملائمت اور پیار و محبت سے انھیں سرانجام دیتا ہے وہ یقیناً اللہ کی طرف سے رحمت و محبت پانے کا حقدار ٹھہرتا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الرَّجُلِ يَشْتَرِي الإِبِلَ أَوِ الْغَنَمَ أَوِ الْبَزَّ أَوِ الرَّقِيقَ أَوْ شَيْئاً مِنَ الْعُرُوضِ جِزَافاً: إِنَّهُ لَا يَكُونُ الْجِزَافُ فِي شَيْءٍ مِمَّا يُعَدُّ عَدّاً .

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جو اونٹ، بکریاں، کپڑے، غلام یا دوسری قسم کے سامان تخمینہ و اندازہ سے خریدتا ہے (تو انھوں نے فرمایا) بلاشبہ یہ تخمینہ و اٹکل کسی ایسی چیز میں نہیں ہو سکتا جسے گنا جاتا ہو۔

فائدہ : ..... بعض چیزوں کی بیع میں ان کی تعداد ملحوظ ہوتی ہے مثلاً انڈے اور جانور وغیرہ تو انھیں گن کر ہی بیچا اور خریدا جائے گا۔ البتہ جن چیزوں کو ماپ کر یا تول کر بیچتے ہیں انھیں اندازے سے ڈھیری کی شکل میں بیچ سکتے ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الرَّجُلِ يُعْطِي الرَّجُلَ السِّلْعَةَ يَبِيعُهَا لَهُ ، وَقَدْ قَوَّمَهَا صَاحِبُهَا قِيمَةً فَقَالَ : إِنْ بِعْتَهَا بِهَذَا الثَّمَنِ الَّذِي أَمَرْتُكَ بِهِ فَلَكَ دِينَارٌ ، أَوْ شَيْءٌ يُسَمِّيهِ لَهُ يَتَرَاضَيَانِ عَلَيْهِ ، وَإِنْ لَمْ تَبِعْهَا فَلَيْسَ لَكَ شَيْءٌ ، إِنَّهُ لَا بَأْسَ بِذَلِكَ إِذَا سَمَّى ثَمَناً يَبِيعُهَا بِهِ ، وَسَمَّى أَجْراً مَعْلُوماً إِذَا بَاعَ أَخَذَهُ ، وَإِنْ لَمْ يَبِعْ فَلَا شَيْءَ لَهُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جو دوسرے شخص کو کوئی سامان دیتا ہے اس مقصد کی خاطر کہ وہ اسے بیچ دے اور اس سامان کا مالک اس کی کوئی قیمت (فروخت) بھی طے کر دے اور (اس سے) کہے کہ اگر تو نے اسے اس قیمت میں بیچ دیا جس کا میں نے تمھیں حکم دیا ہے تو تمھارے لیے (انعام کے طور پر) ایک دینار ہوگا یا کوئی اور چیز جس کی وہ اس کے سامنے تعیین کر دیتا ہے، وہ دونوں اس پر راضی ہو جاتے ہیں اور (وہ یہ بھی کہتا ہے کہ) اگر تم

نے اسے نہ بیچا تو تمھارے لیے کچھ بھی نہ ہوگا، (امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ) یقیناً اس میں کوئی حرج نہیں ہے (بشرطیکہ) جب وہ اس قیمت کا نام بھی لے دے جس میں وہ اسے بیچے گا اور معلوم اجرت بھی بتا دے کہ جب وہ اسے بیچے گا تو اس (اجرت) کو بھی لے لے گا اور اگر نہیں بیچے گا تو اس کے لیے کچھ نہ ہوگا۔

قَالَ مَالِكٌ: وَمِثْلُ ذَلِكَ أَنْ يَقُولَ الرَّجُلُ لِلرَّجُلِ: إِنْ قَدَرْتَ عَلَى غُلَامِي الآبِقِ، أَوْ جِئْتَ بِجَمَلِي الشَّارِدِ فَلَكَ كَذَا. فَهَذَا مِنْ بَابِ الْجُعْلِ، وَلَيْسَ مِنْ بَابِ الإِجَارَةِ، وَلَوْ كَانَ مِنْ بَابِ الإِجَارَةِ لَمْ يَصْلُحْ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور اس کی مثال یہ ہے کہ ایک آدمی دوسرے آدمی سے کہے کہ اگر تم میرے بھاگے ہوئے غلام پر قدرت پالو یا میرے بھاگے ہوئے اونٹ کو لے آؤ تو تمھارے لیے اتنا اتنا (انعام) ہوگا تو یہ چیز ''جعل'' یعنی انعام کی حیثیت رکھتی ہے اور یہ ''اجارہ'' اجرت دینے کے قبیل سے نہیں ہے، اور اگر یہ ''اجارہ'' کے طور پر ہو تو پھر درست نہیں ہے۔

فائدہ: ......کیونکہ ''اجارہ'' بیع کی ایک قسم ہے جس میں کام اور اجرت دونوں معلوم شدہ ہوتے ہیں اور یہاں تو چیز ہی گم شدہ ہے، اس کے متعلق صرف انعام ہی مقرر کیا جا سکتا ہے جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف سے گمشدہ پیالے کے متعلق یہ اعلان کیا گیا تھا: ﴿وَلِمَنْ جَاءَ بِهِ حِمْلُ بَعِيرٍ﴾ (یوسف: 72) ''اور جو شخص اسے لائے اس کے لیے ایک اونٹ بھر غلہ ہے۔''

قَالَ مَالِكٌ: فَأَمَّا الرَّجُلُ يُعْطَى السِّلْعَةَ فَيُقَالُ لَهُ: بِعْهَا وَلَكَ كَذَا وَكَذَا فِي كُلِّ دِينَارٍ، لِشَيْءٍ يُسَمِّيهِ، فَإِنَّ ذَلِكَ لَا يَصْلُحُ، لِأَنَّهُ كُلَّمَا نَقَصَ دِينَارٌ مِنْ ثَمَنِ السِّلْعَةِ، نَقَصَ مِنْ حَقِّهِ الَّذِي سَمَّى لَهُ، فَهَذَا غَرَرٌ لَا يَدْرِي كَمْ جَعَلَ لَهُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: رہا وہ شخص جسے سامان دیا جاتا ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ اسے بیچ دو اور تمھارے لیے ہر دینار (حاصل کرنے) میں اتنا اتنا (بدلہ) ہوگا، وہ ایک مقدار کا نام بھی لے دیتا ہے، تو (امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا:) بلاشبہ یہ درست نہیں ہے کیونکہ (اجرت متعین نہیں ہوئی اور) جب بھی قیمت میں سے ایک دینار کم ہوگا تو اس کے حق میں سے بھی وہ چیز کم ہو جائے گی جس کا اس نے نام لیا تھا، لہٰذا یہ دھوکا ہے، وہ نہیں جانتا کہ اس مالک نے اس کے لیے کیا طے کیا ہے۔

فائدہ: ......جمہور کہتے ہیں کہ وہ اس کے کام کی اجرت مقرر کرے، خواہ مال بکے یا نہ بکے، لیکن اہل ظاہر اور بعض سلف کے نزدیک اس انداز میں بدلہ متعین کر دینا کافی ہے یعنی حاصل شدہ آمدنی کے فی کس کے حساب سے اجرت مقرر کر دینا کفایت کر جائے گا، اگرچہ اس میں کچھ جہالت ہے جو ضرر رساں نہیں ہے بلکہ وہ زیادہ محنت کرے گا

اور زیادہ کمائے گا۔ واللہ اعلم

[1398] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّهُ سَأَلَهُ عَنِ الرَّجُلِ يَتَكَارَى الدَّابَّةَ، ثُمَّ يُكْرِيهَا بِأَكْثَرَ مِمَّا تَكَارَاهَا بِهِ. فَقَالَ: لَا بَأْسَ بِذَلِكَ.

امام مالک رحمہ اللہ نے ابن شہاب رحمہ اللہ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا جو کوئی جانور کرائے پر لیتا ہے، پھر اسے اس سے زیادہ کرائے پر آگے دے دیتا ہے کہ جس پر خود اس نے کرایہ دینا طے کیا تھا، تو انھوں نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

[1398] (مقطوع صحیح) عبدالرزاق: 222/8، 223۔ ابن ابی شیبہ: 23282۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

34

كِتَابُ الْقِرَاضِ

مضاربت کے مسائل کی کتاب

خلاصة الكتاب اس کتاب میں پندرہ ابواب ہیں اور پہلے باب میں دو موقوف روایات یعنی آثار صحابہ ہیں جن میں سے ایک کی سند صحیح اور ایک کی حسن ہے۔ باقی چودہ ابواب امام مالک رحمہ اللہ کے 43 فتاوی جات پر مشتمل ہیں۔

فائدہ: ......اہل حجاز کے ہاں قراض یا مقارضہ جبکہ اہل عراق کے ہاں اسے مضاربہ کہتے ہیں، ہمارے ہاں بھی اسے مضاربت ہی کہا جاتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص کا مال ہو اور دوسرے کی محنت ہو اور نفع دونوں میں مشترک ہو۔

1- بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقِرَاضِ

مضاربت کا بیان

خلاصة الباب اس باب میں دو موقوف روایات ہیں جن میں سے ایک سنداً صحیح اور دوسری حسن ہے۔

[1399] حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ قَالَ: خَرَجَ عَبْدُ اللهِ وَعُبَيْدُ اللهِ ابْنَا عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِي جَيْشٍ إِلَى الْعِرَاقِ، فَلَمَّا قَفَلَا مَرَّا عَلَى أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ وَهُوَ أَمِيرُ الْبَصْرَةِ، فَرَحَّبَ بِهِمَا وَسَهَّلَ، ثُمَّ قَالَ: لَوْ أَقْدِرُ لَكُمَا عَلَى أَمْرٍ أَنْفَعُكُمَا بِهِ لَفَعَلْتُ، ثُمَّ قَالَ: بَلَى هَا هُنَا

زید بن اسلم اپنے والد (اسلم) سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دو بیٹے حضرت عبداللہ اور عبیداللہ عراق کی طرف جانے والے ایک لشکر میں (جہاد کے لیے) نکلے، جب وہ واپس آئے تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے جو اس وقت بصرہ کے امیر تھے، انھوں نے دونوں کو خوش آمدید کہا، پھر کہا کہ اگر میں کسی ایسے کام پر قدرت رکھتا جس کے ذریعے تمھیں نفع

[1399] (موقوف صحيح) بيهقى فى السنن الكبرى: 6/ 110 (11605)، وفى معرفة السنن والآثار: 4/ 497 (3702)، الشافعى فى المسند: 2/ 357، وفى الام: 4/ 33۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

مَالٌ مِنْ مَالِ اللّٰهِ ، أُرِيدُ أَنْ أَبْعَثَ بِهِ إِلَى أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ ، فَأُسْلِفُكُمَاهُ فَتَبْتَاعَانِ بِهِ مَتَاعاً مِنْ مَتَاعِ الْعِرَاقِ ، ثُمَّ تَبِيعَانِهِ بِالْمَدِينَةِ ، فَتُؤَدِّيَانِ رَأْسَ الْمَالِ إِلَى أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ ، وَيَكُونُ الرِّبْحُ لَكُمَا . فَقَالَا : وَدِدْنَا ذٰلِكَ . فَفَعَلَ ، وَكَتَبَ إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَنْ يَأْخُذَ مِنْهُمَا الْمَالَ ، فَلَمَّا قَدِمَا بَاعَا فَأُرْبِحَا ، فَلَمَّا دَفَعَا ذٰلِكَ إِلَى عُمَرَ قَالَ : أَكُلُّ الْجَيْشِ أَسْلَفَهُ مِثْلَ مَا أَسْلَفَكُمَا ؟ قَالَا : لَا . فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ : ابْنَا أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ فَأَسْلَفَكُمَا ، أَدِّيَا الْمَالَ وَرِبْحَهُ . فَأَمَّا عَبْدُ اللّٰهِ فَسَكَتَ ، وَأَمَّا عُبَيْدُ اللّٰهِ فَقَالَ : مَا يَنْبَغِي لَكَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ هٰذَا ، لَوْ نَقَصَ هٰذَا الْمَالُ أَوْ هَلَكَ لَضَمِنَّاهُ . فَقَالَ عُمَرُ : أَدِّيَاهُ . فَسَكَتَ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَاجَعَهُ عُبَيْدُ اللّٰهِ . فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ جُلَسَاءِ عُمَرَ : يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ لَوْ جَعَلْتَهُ قِرَاضاً . فَقَالَ عُمَرُ : قَدْ جَعَلْتُهُ قِرَاضاً . فَأَخَذَ عُمَرُ رَأْسَ الْمَالِ وَنِصْفَ رِبْحِهِ ، وَأَخَذَ عَبْدُ اللّٰهِ وَعُبَيْدُ اللّٰهِ ابْنَا عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ نِصْفَ رِبْحِ الْمَالِ .

پہنچا سکتا تو ضرور ایسا کرتا، پھر انھوں نے کہا کہ کیوں نہیں (تمھارے نفع کا ایک کام میرے ذہن میں آ گیا ہے) یہاں اللہ کے مال (بیت المال) میں سے کچھ مال موجود ہے، میں اسے امیرالمومنین کی طرف بھیجنے کا ارادہ رکھتا ہوں، میں وہ تم دونوں کو قرض دے دیتا ہوں، تم اس سے عراق کے سامان اسباب میں سے کچھ سامان خرید لو، پھر اسے مدینہ منورہ میں بیچ دینا، اصل مال امیرالمومنین کو ادا کر دینا اور نفع تم دونوں کا ہو جائے گا، دونوں نے کہا کہ ہم (بھی ایسا ہی) چاہتے ہیں، چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی طرف ایک خط لکھ دیا کہ وہ ان دونوں سے مال وصول کر لیں، چنانچہ جب وہ دونوں (مدینہ) آئے تو انھوں نے (عراق سے خریدا ہوا مال) بیچ دیا اور نفع حاصل کر لیا۔ پھر جب انھوں نے اسے امیرالمومنین کے سپرد کیا تو وہ فرمانے لگے: کیا حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے پورے لشکر کو اس طرح قرض دیا جس طرح انھوں نے تمھیں قرض دیا ہے؟ وہ بولے کہ نہیں، تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: (چونکہ تم) دونوں امیرالمومنین کے بیٹے ہو اس لیے انھوں نے تمھیں قرض دیا، (میری رضا مندی چاہنے کے سوا اور کوئی سبب نظر نہیں آتا لہٰذا اس کے رشوت ہونے کا خدشہ ہے) لہٰذا تم دونوں اصل مال بھی اور اس کا نفع بھی ادا کر دو۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تو خاموش رہے (بڑا بیٹا ہونے کے باوجود، ادب واحترام اور ورع وتقویٰ کی بنا پر انھوں نے کچھ اعتراض نہ کیا) لیکن عبیداللہ کہنے لگے کہ اے امیرالمومنین! آپ کے لیے یہ مناسب نہیں ہے، اگر یہ مال کم ہو جاتا (اور گھاٹا پڑ جاتا) یا ہلاک ہو جاتا تو ہم ہی اس کے ضامن ہوتے (اور آپ ہم سے یہ قرض وصول کر لیتے، لہٰذا نقصان ہم پر پڑنا تھا تو فائدہ بھی ہمارا ہوگا، یہ ہبہ یا امانت نہیں ہے، اگر یہ امانت ہوتا تو ہم ضامن نہ ہوتے بلکہ یہ تو یقیناً قرض ہے اور شرعی طور پر ہم اس میں کاروبار کرنے کے مجاز ہیں) تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

فرمایا کہ تم وہ (سب اصل زر اور نفع) ادا کر دو، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ (اب بھی) خاموش رہے، اور عبیداللہ ان سے بحث کرنے لگے۔ (یہ بے ادبی نہ تھی بلکہ ایک شرعی اور علمی مسئلے پر بحث تھی جو کہ جائز ہے) تو (اتنے میں) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہم نشینوں میں سے ایک شخص (حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ) فرمانے لگے کہ اے امیرالمومنین! اگر آپ اسے مضاربت شمار کر لیں، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: (ٹھیک ہے) میں نے اسے مضاربت شمار کر لیا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اصل مال اور نصف نفع لے لیا اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور عبیداللہ نے مال کا (باقی ماندہ) نصف نفع وصول کر لیا۔

فائدہ: ......لہٰذا ثابت ہوا کہ مضاربت درست ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاں معمول بہا تھی، آج بھی اگر سودی بینکاری نظام کی جگہ مضاربت کا نظام شروع کر دیا جائے تو مسلمان یہودی سرمایہ دارانہ ظالمانہ نظام معیشت سے نجات پا سکتے ہیں۔ عبیداللہ رحمہ اللہ نے جو ضامن ہونے کی بات کی تھی وہ ادھار اور مال کے قرض کی حیثیت سے کی تھی، اس وقت اس معاملے کو مضاربت کی حیثیت نہیں دی گئی تھی، ورنہ مال مضاربت یعنی راس المال میں ضمانت نہیں ہوا کرتی، نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تسلیم نہ کرنا محض ورع وتقویٰ کی بنا پر تھا ورنہ اس میں بھی کوئی خرابی نہ تھی۔

[1400] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ: أَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ أَعْطَاهُ مَالاً قِرَاضاً يَعْمَلُ فِيهِ، عَلَى أَنَّ الرِّبْحَ بَيْنَهُمَا.

علاء بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ اپنے والد (عبدالرحمٰن بن یعقوب رحمہ اللہ) سے اور وہ اس کے دادا (یعنی اپنے بیٹے کے دادا اور اپنے والد یعقوب مدنی رحمہ اللہ) سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے انھیں (یعقوب مدنی رحمہ اللہ کو) مضاربت کے طور پر مال دیا جس میں وہ کام (محنت اور کاروبار) کریں گے، ایک معاہدے پر کہ نفع دونوں کے درمیان (نصف نصف تقسیم) ہوگا۔

2- بَابُ مَا يَجُوزُ فِي الْقِرَاضِ

جائز مضاربت کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کے چار فتاویٰ جات مذکور ہیں۔

فائدہ: ......مضاربت میں دی جانے والی رقم کو ''راس المال'' کہتے ہیں۔ یہ رقم دینے والا شخص ''رب المال'' کہلاتا ہے جبکہ مضاربت کے طور پر کام کرنے والا شخص ''مضارب یا عامل'' کہلاتا ہے، اس پوری کتاب میں یہ الفاظ بار بار استعمال ہوں گے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَجْهُ الْقِرَاضِ الْمَعْرُوفِ الْجَائِزِ: امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: (لوگوں میں) معروف اور جائز

[1400] (موقوف حسن) بیهقی فی السنن الکبری: 111/6 (11606، 11607)۔ وفی السنن الصغیر: 317/2 (2149)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔

أَنْ يَأْخُذَ الرَّجُلُ الْمَالَ مِنْ صَاحِبِهِ، عَلَى أَنْ يَعْمَلَ فِيهِ وَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ، وَنَفَقَةُ الْعَامِلِ فِي الْمَالِ فِي سَفَرِهِ، مِنْ طَعَامِهِ وَكِسْوَتِهِ وَمَا يُصْلِحُهُ بِالْمَعْرُوفِ، بِقَدْرِ الْمَالِ إِذَا شَخَصَ فِي الْمَالِ، إِذَا كَانَ الْمَالُ يَحْمِلُ ذَلِكَ، فَإِنْ كَانَ مُقِيماً فِي أَهْلِهِ، فَلَا نَفَقَةَ لَهُ مِنَ الْمَالِ وَلَا كِسْوَةَ.

مضاربت کی صورت یہ ہے کہ آدمی اپنے ساتھی سے اس شرط پر مال لے کہ وہ اس میں محنت کرے گا اور (لیکن) اس پر کوئی ضمانت نہ ہوگی (یعنی مال ضائع ہو جائے تو اس کی چٹی عامل پر نہیں پڑے گی) اور عامل (مضاربت پر مال لینے والے) کا اپنے سفر میں خرچہ مال ہی میں سے ہوگا یعنی اس کا کھانا پینا اور کپڑے پہننا جو دستور کے مطابق اس کی اصلاح کرے (یعنی جس کا استعمال میں لانا ضروری ہو) مال کی مقدار کے حساب سے (یہ خرچے اصل زر میں سے شمار کر لے، بشرطیکہ) جب وہ مال ہی کے سلسلے میں سفر کرے اور جب وہ مال اس کا بوجھ اٹھانے کی قدرت رکھتا ہو، چنانچہ اگر عامل اپنے ہی گھر میں مقیم ہو تو پھر اصل مال میں سے نہ اس کے لیے نان نفقہ ہوگا اور نہ کوئی کپڑا۔

قَالَ مَالِكٌ: وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يُعِينَ الْمُتَقَارِضَانِ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا صَاحِبَهُ عَلَى وَجْهِ الْمَعْرُوفِ، إِذَا صَحَّ ذَلِكَ مِنْهُمَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں کہ مضاربت کرنے والے دونوں شخصوں (رب المال اور مضارب) میں سے ہر شخص اپنے ساتھی کا معروف طریقے کے مطابق تعاون کرے، جب وہ (تعاون کرنا) ان کی طرف سے صحیح ہو۔

فائدہ: ......یعنی کوئی سود والی شکل شامل نہ کریں اور کوئی ایسی شرط نہ لگائیں جس میں صرف کسی ایک ہی کو نفع ملتا ہو، تو اسی صورت میں باہمی تعاون درست ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَشْتَرِيَ رَبُّ الْمَالِ مِمَّنْ قَارَضَهُ بَعْضَ مَا يَشْتَرِي مِنَ السِّلَعِ، إِذَا كَانَ ذَلِكَ صَحِيحاً عَلَى غَيْرِ شَرْطٍ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں کہ رب المال اس شخص کہ جس کے ساتھ اس نے مضاربت کی ہو، سے سامانوں میں سے کوئی ایسی چیز خرید لے جس کی خرید و فروخت ہوتی ہے (بشرطیکہ) جب یہ (خریداری) صحیح ہو اور بغیر شرط کے ہو۔

فائدہ: ......مضارب نے رقم لے کر کاروبار ہی کرنا ہے، سامان خریدنا اور اسے بیچنا ہے، چنانچہ اگر اسی سامان میں سے کوئی چیز رب المال بھی خرید لے تو درست ہے بشرطیکہ عقد مضاربت اور معاملہ طے کرنے کے دوران خریدنے کی شرط نہ لگائی گئی ہو۔

قَالَ مَالِكٌ فِيمَنْ دَفَعَ إِلَى رَجُلٍ وَإِلَى غُلَامٍ لَهُ مَالاً قِرَاضاً يَعْمَلَانِ فِيهِ جَمِيعاً: إِنَّ ذَلِكَ جَائِزٌ لَا بَأْسَ بِهِ، لِأَنَّ الرِّبْحَ مَالٌ لِغُلَامِهِ، لَا يَكُونُ الرِّبْحُ لِلسَّيِّدِ حَتَّى يَنْتَزِعَهُ مِنْهُ، وَهُوَ بِمَنْزِلَةِ غَيْرِهِ مِنْ كَسْبِهِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جو ایک آدمی (عامل) کو اور اپنے ہی ایک غلام کو بطور مضاربت مال دے دیتا ہے جس میں وہ دونوں اکٹھے کام کریں گے تو بلاشبہ یہ بھی جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ (حاصل شدہ) نفع غلام کا مال ہوگا، وہ نفع اس کے آقا کو نہیں ملے گا کہ وہ اسے اس کے ہاتھ سے چھین لے اور وہ نفع غلام کی اس کے علاوہ دوسری کمائی کی طرح ہوگا۔

فائدہ: ...... سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ جب رب المال ایک عامل کو اپنے غلام سمیت مال مضاربت دے گا، پھر جو نفع اس عامل اور غلام کو مشترکہ طور پر ملے گا اور اسے وہ باہم تقسیم کریں گے تو کیا اس غلام کا یہ نفع اس کے آقا ہی کی ملکیت شمار ہوگا یا غلام کی ملکیت؟ اگر تو وہ آقا کی ملکیت شمار ہو تو پھر یہ خرابی لازم آئے گی کہ آقا نے کل نفع میں سے بھی نصف حصہ رکھ لیا اور باقی نصف میں سے جو غلام کو حصہ ملا تھا اسے بھی وصول کر لیا تو گویا آقا نے تین حصے نفع کمایا اور عامل نے ایک حصہ، تو کیا یہ درست ہے؟ تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ غلام کا حصہ غلام ہی کی ملکیت رہے گا اور راجح موقف بھی یہی ہے کہ غلام اپنے آقا کی طرف سے مقرر کردہ مزدوری کے علاوہ جو کچھ کماتا ہے وہ غلام ہی کی ملکیت شمار ہوتا ہے نہ کہ آقا کی۔

3- بَابُ مَا لَا يَجُوزُ فِي الْقِرَاضِ

ناجائز مضاربت کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کے تین فتاویٰ مذکور ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ: إِذَا كَانَ لِرَجُلٍ عَلَى رَجُلٍ دَيْنٌ، فَسَأَلَهُ أَنْ يُقِرَّهُ عِنْدَهُ قِرَاضاً: إِنَّ ذَلِكَ يُكْرَهُ حَتَّى يَقْبِضَ مَالَهُ، ثُمَّ يُقَارِضَهُ بَعْدُ أَوْ يُمْسِكَ، وَإِنَّمَا ذَلِكَ مَخَافَةَ أَنْ يَكُونَ أَعْسَرَ بِمَالِهِ، فَهُوَ يُرِيدُ أَنْ يُؤَخِّرَ ذَلِكَ عَلَى أَنْ يَزِيدَهُ فِيهِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جب ایک آدمی کا دوسرے آدمی پر قرض ہو، تو وہ (مقروض) اس (قرض خواہ) سے کہے کہ وہ اس قرضے کو اسی کے پاس مضاربت کے طور پر رہنے دے تو بلاشبہ یہ مکروہ اور ناجائز ہے (اور ناجائز ہی رہے گا) یہاں تک کہ وہ اپنا مال اس سے (واپس لے لے، پھر اس کے بعد (چاہے تو) اس کے ساتھ مضاربت (والا معاملہ طے) کر لے یا (چاہے تو اپنا مال اپنے پاس ہی) روک کے رکھے اور بلاشبہ یہ (کراہت وعدم جواز) اس اندیشے کی بنا پر ہے کہ (گویا) وہ مقروض اس کے مال کے حوالے سے تنگدست (اور مفلس) بن چکا ہے اور اب وہ چاہتا ہے کہ وہ

(قرض خواہ) اس (کی وصولی کی مدت) کو مؤخر کر دے اس شرط پر کہ مقروض اسے اس قرض میں کچھ زائد ادا کرے گا۔

فائدہ :...... اگر چہ مضارب بنانے میں کوئی حرج نہیں لیکن یہاں ایسا کرنے میں سود کی مشابہت ہے یا یہ سود کو جائز کرنے کے لیے ایک حیلہ اختیار کرنے کی صورت بن جاتی ہے، اس طرح کہ مقروض جب مقررہ وقت پر کچھ ادا نہ کرے اور مدت ومہلت بڑھانے کے عوض میں کچھ زائد رقم بھی ادا کرے تو یہ سود ہے اور یہی صورت حال یہاں درپیش ہے البتہ اسے مضاربت کا نام دے کر جائز کرنے کا حیلہ اختیار کیا جاتا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ فِي رَجُلٍ دَفَعَ إِلَى رَجُلٍ مَالاً قِرَاضاً فَهَلَكَ بَعْضُهُ قَبْلَ أَنْ يَعْمَلَ فِيهِ، ثُمَّ عَمِلَ فِيهِ فَرَبِحَ، فَأَرَادَ أَنْ يَجْعَلَ رَأْسَ الْمَالِ بَقِيَّةَ الْمَالِ بَعْدَ الَّذِي هَلَكَ مِنْهُ، قَبْلَ أَنْ يَعْمَلَ فِيهِ. قَالَ مَالِكٌ: لَا يُقْبَلُ قَوْلُهُ وَيُجْبَرُ رَأْسُ الْمَالِ مِنْ رِبْحِهِ، ثُمَّ يَقْتَسِمَانِ مَا بَقِيَ بَعْدَ رَأْسِ الْمَالِ عَلَى شَرْطِهِمَا مِنَ الْقِرَاضِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جس نے دوسرے شخص کو مضاربت کے طور پر کچھ مال سپرد کیا، پھر اس مال کا کچھ حصہ ہلاک ہوگیا پہلے اس سے کہ وہ اس میں محنت کرتا، پھر اس نے (باقی ماندہ) مال میں محنت کی تو (خوب) نفع کمایا (حتیٰ کہ ہلاک شدہ مال کی کمی بھی پوری ہوگئی اور زائد نفع بھی مل گیا) پھر وہ عامل یہ چاہے کہ راس المال کے باقی ماندہ صرف اس حصے کو شمار کرے جو اس میں سے ہلاک ہونے کے بعد بچ گیا تھا اور وہ ہلاکت اس میں محنت کرنے سے قبل ہی ہوگئی تھی، تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کی یہ بات قبول نہیں کی جائے گی اور (سب سے پہلے) اس کے (حاصل شدہ) نفع سے راس المال کی کمی پوری کی جائے گی، پھر راس المال کے بعد جو کچھ باقی (نفع) بچے گا اسے مضاربت والی طے شدہ شرط کے مطابق آپس میں تقسیم کر لیں گے۔

فائدہ :...... جب مضاربت والی رقم کا حساب ہوتا ہے تو صرف نفع تقسیم ہوتا ہے اور اس تقسیم سے پہلے اصل مال نکال لیا جاتا ہے، مذکورہ بالا مثال میں عامل کی خواہش ہے کہ راس المال تھوڑا رہے تاکہ بقیہ رقم منافع شمار ہو اور اسے اپنے حصے کے مطابق زیادہ نفع حاصل ہو۔ امام مالک رحمہ اللہ نے اس کی بات قبول کرنے سے اس لیے انکار کیا کہ اس طرح تو ہر عامل ایسے ہی بہانے بنانا شروع کر دے گا، البتہ جمہور علماء وفقہاء حتیٰ کہ امام مالک رحمہ اللہ کے تمام اصحاب کا یہ کہنا ہے کہ اگر یہ بات بالکل صحیح ثابت ہو جائے کہ واقعی محنت شروع کرنے سے پہلے کچھ مال ضائع یا تلف ہوگیا تھا تو پھر صرف بقیہ مال ہی راس المال شمار ہوگا اور اگر ثبوت نہ ملے تو پھر عامل کی بات ناقابل قبول ہوگی۔

قَالَ مَالِكٌ: لَا يَصْلُحُ الْقِرَاضُ إِلَّا فِي الْعَيْنِ مِنَ الذَّهَبِ أَوِ الْوَرِقِ، وَلَا يَكُونُ فِي شَيْءٍ مِنَ الْعُرُوضِ وَالسِّلَعِ، وَمِنَ الْبُيُوعِ مَا يَجُوزُ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مضاربت، نقدی کے علاوہ کسی چیز میں درست نہیں ہے، خواہ وہ سونے سے ہو یا چاندی سے" (یعنی رب المال صرف نقدی ہی دے گا خواہ وہ درہم

إِذَا تَفَاوَتَ أَمْرُهُ، وَتَفَاحَشَ رَدُّهُ، فَأَمَّا الرِّبَا، فَإِنَّهُ لَا يَكُونُ فِيهِ إِلَّا الرَّدُّ أَبَداً، وَلَا يَجُوزُ مِنْهُ قَلِيلٌ وَلَا كَثِيرٌ، وَلَا يَجُوزُ فِيهِ مَا يَجُوزُ فِي غَيْرِهِ، لِأَنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قَالَ فِي كِتَابِهِ: (وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ) [البقرة: 279].

ہوں یا دینار) اور یہ مضاربت سامان واسباب میں سے کسی میں بھی نہیں ہوتی اور خرید وفروخت کی اقسام میں سے بعض ایسی ہیں کہ جب ان کا معاملہ (اور حیثیت) تبدیل ہو جائے (ان میں خرابی وفساد کم یا ختم ہو جائے) اور اس کا رد کرنا مشکل ہو جائے تو وہ جائز ہو جاتی ہیں، (جبکہ اس سے قبل ممکن ہے کہ وہ ناجائز ہوں) رہا سود تو بلاشبہ اس میں ہمیشہ ہی رد کرنے کے سوا کوئی صورت نہیں ہوتی اور یہ نہ تو قلیل جائز ہے اور نہ کثیر اور اس (سود) میں وہ کچھ جائز نہیں ہو سکتا جو اس کے علاوہ دوسری اشیاء میں جائز ہوتا ہے، کیونکہ بلاشبہ (سود کے متعلق) اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے: ﴿وَ اِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَ لَا تُظْلَمُوْنَ﴾ (البقرہ: 279) ''اور اگر تم توبہ کر لو تو تمھارے لیے تمھارے اصل مال ہی ہیں، نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔''

فائدہ: ......اس فتویٰ کے آغاز میں امام صاحب نے جو فرمایا ہے کہ سونے اور چاندی کے خالص سکوں ہی کو دے کر مضاربت ہو سکتی ہے، یہی موقف امام شافعی رحمہ اللہ کا ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے سونے چاندی کی ڈلی یا چاندی کے پگھلے ہوئے ٹکڑے کو بھی جائز رکھا ہے اور کسی کے بھی نزدیک یہ درست نہیں ہے کہ کوئی سامان دے کر مضاربت کرائی جائے کیونکہ نقدیاں اپنی ایک خاص قیمت برقرار رکھتی ہیں اور ان میں ریٹ کی تبدیلی کا فرق اگر چہ پڑتا ہے لیکن یا تو صرف عالمی سطح پر ایسا ہوتا ہے اور ملکی سطح پر کوئی زیادہ اثر نہیں پڑتا یا پھر یہ فرق نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے، اس لیے مضاربت کے لیے جو رقم حاصل کی جاتی ہے، واپسی کے وقت اس کی قیمت تقریباً پہلے جیسی ہی ہوتی ہے......جبکہ سامان اور اشیاء کا معاملہ ان کے برعکس ہے، ان کی قیمتیں چند ہی دنوں میں کئی کئی گنا کم یا زیادہ ہو جاتی ہیں، اس لیے ان میں مضاربت عموماً بے کار اور ضرر رساں ثابت ہوتی ہے، مثلاً مالک نے کسی شخص کو مضاربت کے لیے کپڑا دیا جس کی قیمت اس وقت سو دینار تھی اور اس سے کہا کہ جب واپس کرو گے تو اس کے برابر کپڑا میرا اصل مال ہوگا اور باقی نفع نصف نصف بانٹ لیں گے......اب یوں ہوا کہ عامل محنت کرتا رہا اور اس نے مزید سو دینار منافع کما لیا اور جب مال واپس کرنے کے لیے اس نے وہی کپڑا خریدا تو وہ دو سو دینار کا ہو چکا تھا تو اس طرح اصل مال اور مکمل نفع مالک ہی کو اپنے اصل کپڑے کی شکل میں مل جائے گا اور عامل ہاتھ ملتا رہ جائے گا، اور اگر مثال کے طور پر نفع حاصل نہ ہوا ہو لیکن کپڑے کی قیمت آدھی ہو چکی ہو، چنانچہ عامل وہی کپڑا پچاس دینار میں خرید کر مالک کو واپس کر دے گا اور پچاس دینار بغیر کچھ نفع کمائے اپنے پاس روک لے گا، انھی وجوہات کی بنا پر سامان دے کر مضاربت کرانے کا سلسلہ ہی ختم کر دیا گیا ہے، بس رقم کی ادائیگی کرو اور رقم ہی واپس لو اور نفع بانٹ لو......آگے امام مالک رحمہ اللہ نے موضوع تبدیل کر کے خرید وفروخت

اور سود کا فرق ذکر کیا ہے کہ سود کی جس چیز میں بھی نیت کی جائے وہ ہر حال میں حرام ہے، اور سود میں دی ہوئی صرف اصل رقم کو واپس لینا ضروری ہوتا ہے جبکہ خرید وفروخت کا معاملہ ایسا نہیں ہے، اس میں بعض اشیاء بعض حالات میں جائز ہوتی ہیں، مثلاً دانہ سخت ہونے سے پہلے فصل کی خرید وفروخت ناجائز ہے لیکن اگر کوئی اناج سخت ہونے سے پہلے ہی پک جائے تو درست ہوگا یا اس کا استعمال ہی پکنے سے پہلے کرنا مقصود ہو تو یہ جائز ہوگا، لہٰذا ایسی بیع درست ہے اور اسے واپس کرنا لازم نہیں ہے۔...... مضاربت کے بیان میں اس مسئلے کا تذکرہ کرتے ہوئے امام مالک رحمہ اللہ نے ثابت کیا ہے کہ مضاربت کا تعلق خرید وفروخت سے ہے، نہ کہ سود سے، لہٰذا خرید وفروخت کی طرح مضاربت بھی بعض صورتوں میں جائز اور بعض میں ناجائز ہے۔

4- بَابُ مَا يَجُوزُ مِنَ الشَّرْطِ فِي الْقِرَاضِ

مضاربت میں جائز شرط کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کے چار فتاویٰ جات مذکور ہیں۔

قَالَ يَحْيَى: قَالَ مَالِكٌ فِي رَجُلٍ دَفَعَ إِلَى رَجُلٍ مَالًا قِرَاضًا، وَشَرَطَ عَلَيْهِ أَنْ لَا تَشْتَرِيَ بِمَالِي إِلَّا سِلْعَةَ كَذَا وَكَذَا، أَوْ يَنْهَاهُ أَنْ يَشْتَرِيَ سِلْعَةً بِاسْمِهَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جس نے کسی آدمی کو مضاربت کے طور پر کچھ مال دیا اور اس پر یہ شرط لگا لی کہ وہ اس کے مال کے ساتھ فلاں فلاں سامان کے سوا کچھ نہیں خرید سکتا یا اس نے اسے کسی (خاص) سامان کو خریدنے سے منع کر دیا (اور) اس کا نام بھی لے دیا (یعنی ایک دو اشیاء کے سوا باقی تمام اشیاء میں تجارت پر پابندی عائد کی یا ایک دو پر پابندی لگا کر باقی سب کی اجازت دی) تو امام مالک رحمہ اللہ نے (دوسری صورت کے متعلق) فرمایا: جس شخص (رب المال) نے اس آدمی کہ جس کے ساتھ اس نے مضاربت کی ہے، عامل پر یہ شرط لگا لی کہ وہ کوئی جاندار چیز یا کسی خاص نام والا سامان نہ خریدے گا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: مَنِ اشْتَرَطَ عَلَى مَنْ قَارَضَ أَنْ لَا يَشْتَرِيَ حَيَوَانًا، أَوْ سِلْعَةً بِاسْمِهَا فَلَا بَأْسَ بِذَلِكَ، وَمَنِ اشْتَرَطَ عَلَى مَنْ قَارَضَ أَنْ لَا يَشْتَرِيَ إِلَّا سِلْعَةَ كَذَا وَكَذَا، فَإِنَّ ذَلِكَ مَكْرُوهٌ إِلَّا أَنْ تَكُونَ السِّلْعَةُ الَّتِي أَمَرَهُ أَنْ لَا يَشْتَرِيَ غَيْرَهَا كَثِيرَةً مَوْجُودَةً لَا تُخْلِفُ فِي شِتَاءٍ وَلَا صَيْفٍ، فَلَا بَأْسَ بِذَلِكَ.

امام مالک رحمہ اللہ نے (گزشتہ مسئلے کی پہلی صورت کے متعلق) فرمایا: اور جس شخص نے مضاربت کرنے والے (عامل) پر یہ شرط لگائی کہ وہ فلاں فلاں سودے کے سوا کچھ خرید ہی نہیں سکتا تو بلاشبہ یہ شرط مکروہ (اور ناجائز) ہے، الا یہ کہ وہ سامان جس کے متعلق اسی نے حکم دیا ہے کہ عامل اس کے سوا کچھ نہ خریدے، وہ کثرت سے (بازار میں) موجود ہو، نہ وہ سردی میں ختم ہوتا ہو اور نہ گرمی میں، تو پھر

اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

فائدہ: ......الغرض مضارب یعنی عامل کے لیے تجارت کا دروازہ کھلا رہے تو پھر ٹھیک ہے اور اگر اسے اس طرح محدود کر دیا جائے کہ اسے کچھ عرصہ بے کار رہنا پڑے تو یہ شرط ناجائز ہے۔

قَالَ مَالِكٌ فِي رَجُلٍ دَفَعَ إِلَى رَجُلٍ مَالاً قِرَاضاً، وَاشْتَرَطَ عَلَيْهِ فِيهِ شَيْئاً مِنَ الرِّبْحِ خَالِصاً دُونَ صَاحِبِهِ، فَإِنَّ ذَلِكَ لَا يَصْلُحُ، وَإِنْ كَانَ دِرْهَماً وَاحِداً، إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَ نِصْفَ الرِّبْحِ لَهُ، وَنِصْفَهُ لِصَاحِبِهِ، أَوْ ثُلُثَهُ أَوْ رُبُعَهُ، أَوْ أَقَلَّ مِنْ ذَلِكَ أَوْ أَكْثَرَ، فَإِذَا سَمَّى شَيْئاً مِنْ ذَلِكَ قَلِيلاً أَوْ كَثِيراً، فَإِنَّ كُلَّ شَيْءٍ سَمَّى مِنْ ذَلِكَ حَلَالٌ، وَهُوَ قِرَاضُ الْمُسْلِمِينَ.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جس نے کسی شخص کو مضاربت کے طور پر کچھ مال دیا اور اس پر اس مال میں کچھ نفع کی شرط لگالی جو خالص اسی (رب المال) کو ملے گا، اس کے ساتھی (عامل) کو نہیں ملے گا، (مثلاً لاکھ روپیہ دیا اور کہا کہ اس کے نفع کا دسواں حصہ خالص میرا ہوگا اور باقی نو حصے ہم آپس میں بانٹ لیں گے) تو بلاشبہ یہ درست نہیں ہے، اگرچہ ایک ہی درہم کی شرط ہو، مگر جب وہ یہ شرط لگائے کہ آدھا نفع اس کا ہوگا اور آدھا نفع اس کے ساتھی (عامل) کا ہوگا یا تہائی یا چوتھائی یا اس سے کم یا زیادہ، چنانچہ جب وہ اس نفع میں سے کم یا زیادہ کی تعیین کر دے تو بلاشبہ اس میں تعیین شدہ ہر چیز حلال ہے اور یہی مسلمانوں کی مضاربت ہے۔

فائدہ: ......الغرض نفع میں تقسیم کی تعیین کا تعلق پورے نفع سے ہو تو درست ہے خواہ یہ تعیین کسی بھی حصے کی ہو جائے اور اگر اس تقسیم سے پہلے ہی کچھ نفع کسی نے اپنے لیے خاص کر لیا تو مضاربت ناجائز متصور ہوگی۔

قَالَ مَالِكٌ: وَلَكِنْ إِنِ اشْتَرَطَ أَنَّ لَهُ مِنَ الرِّبْحِ دِرْهَماً وَاحِداً فَمَا فَوْقَهُ، خَالِصًا لَهُ دُونَ صَاحِبِهِ، وَمَا بَقِيَ مِنَ الرِّبْحِ فَهُوَ بَيْنَهُمَا نِصْفَيْنِ، فَإِنَّ ذَلِكَ لَا يَصْلُحُ، وَلَيْسَ عَلَى ذَلِكَ قِرَاضُ الْمُسْلِمِينَ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: لیکن اگر اس نے یہ شرط کر لی کہ نفع میں سے ایک درہم یا اس سے زیادہ خالص اسی کا ہوگا، اس کے ساتھی کا نہیں ہوگا اور جو نفع (اس مخصوص مقدار کو نکال کر) باقی بچے گا وہ ان دونوں میں نصف نصف ہوگا تو بلاشبہ یہ درست نہیں ہے اور نہ یہ مسلمانوں کی مضاربت میں شامل ہے۔

5- بَابُ مَالَا يَجُوْزُ مِنَ الشَّرْطِ فِي الْقِرَاضِ

مضاربت میں ناجائز شرط کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کے چھ فتاویٰ جات مذکور ہیں۔

قَالَ يَحْيَى: قَالَ مَالِكٌ: لَا يَنْبَغِي لِصَاحِبِ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: (مضاربت کے لیے) مال دینے

الْمَالِ أَنْ يَشْتَرِطَ لِنَفْسِهِ شَيْئاً مِنَ الرِّبْحِ خَالِصاً دُونَ الْعَامِلِ، وَلَا يَنْبَغِي لِلْعَامِلِ أَنْ يَشْتَرِطَ لِنَفْسِهِ شَيْئاً مِنَ الرِّبْحِ خَالِصاً دُونَ صَاحِبِهِ، وَلَا يَكُونُ مَعَ الْقِرَاضِ بَيْعٌ، وَلَا كِرَاءٌ، وَلَا عَمَلٌ، وَلَا سَلَفٌ، وَلَا مِرْفَقٌ يَشْتَرِطُهُ أَحَدُهُمَا لِنَفْسِهِ دُونَ صَاحِبِهِ، إِلَّا أَنْ يُعِينَ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ عَلَى غَيْرِ شَرْطٍ، عَلَى وَجْهِ الْمَعْرُوفِ إِذَا صَحَّ ذَلِكَ مِنْهُمَا، وَلَا يَنْبَغِي لِلْمُتَقَارِضَيْنِ أَنْ يَشْتَرِطَ أَحَدُهُمَا عَلَى صَاحِبِهِ زِيَادَةً، مِنْ ذَهَبٍ وَلَا فِضَّةٍ وَلَا طَعَامٍ، وَلَا شَيْءٍ مِنَ الْأَشْيَاءِ يَزْدَادُهُ أَحَدُهُمَا عَلَى صَاحِبِهِ . قَالَ: فَإِنْ دَخَلَ الْقِرَاضَ شَيْءٌ مِنْ ذَلِكَ صَارَ إِجَارَةً، وَلَا تَصْلُحُ الْإِجَارَةُ إِلَّا بِشَيْءٍ ثَابِتٍ مَعْلُومٍ، وَلَا يَنْبَغِي لِلَّذِي أَخَذَ الْمَالَ أَنْ يَشْتَرِطَ مَعَ أَخْذِهِ الْمَالَ أَنْ يُكَافِئَ وَلَا يُوَلِّيَ مِنْ سِلْعَتِهِ أَحَداً، وَلَا يَتَوَلَّى مِنْهَا شَيْئاً لِنَفْسِهِ، فَإِذَا وَفَرَ الْمَالُ وَحَصَلَ، عَزَلُ رَأْسِ الْمَالِ، ثُمَّ اقْتَسَمَا الرِّبْحَ عَلَى شَرْطِهِمَا، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لِلْمَالِ رِبْحٌ، أَوْ دَخَلَتْهُ وَضِيعَةٌ، لَمْ يَلْحَقِ الْعَامِلَ مِنْ ذَلِكَ شَيْءٌ، لَا مِمَّا أَنْفَقَ عَلَى نَفْسِهِ، وَلَا مِنَ الْوَضِيعَةِ، وَذَلِكَ عَلَى رَبِّ الْمَالِ فِي مَالِهِ، وَالْقِرَاضُ جَائِزٌ عَلَى مَا تَرَاضَى عَلَيْهِ رَبُّ الْمَالِ وَالْعَامِلُ مِنْ نِصْفِ الرِّبْحِ، أَوْ ثُلُثِهِ، أَوْ رُبُعِهِ، أَوْ أَقَلَّ مِنْ ذَلِكَ أَوْ أَكْثَرَ .

والے شخص (ربُّ المال) کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ عامل کو چھوڑ کر خالص اپنے لیے نفع کے کچھ حصے کی شرط لگائے اور نہ ہی عامل کے لیے یہ درست ہے کہ وہ اپنے ساتھی (ربُّ المال) کو چھوڑ کر خالص اپنے لیے کچھ نفع کی شرط کرے۔ مضاربت کے ساتھ نہ وہ بیع جائز ہے، نہ وہ کرایہ، نہ وہ عمل، نہ وہ قرض (ادھار) اور نہ وہ احسان جائز ہے جس کی ان دونوں میں سے کوئی ایک، اپنے ساتھی کو چھوڑ کر (خالص) اپنے لیے شرط لگالے (بالفاظ دیگر مال والے شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ مثلاً یوں کہے کہ میں مضارب تب بناؤں گا یا عامل کہے کہ میں مضاربت تب کروں گا جب فلاں چیز مجھے بیچو گے یا فلاں چیز کرائے پر لو گے یا ادھار لو گے یا احسان کرو گے، اگر ایسی شرط کی تو یہ سود ہے۔) الا یہ کہ بغیر کسی شرط کے ان میں سے کوئی ایک اپنے ساتھی کی معروف طریقے (اور دستور) کے مطابق مدد کرے (تو یہ درست ہے، بشرطیکہ) جب وہ (مدد اور تعاون) ان کے مابین درست (اور جائز) ہو، باہم مضاربت کرنے والے دونوں افراد (ربُّ المال اور عامل) کے لیے یہ درست نہیں کہ ان میں سے کوئی بھی اپنے ساتھی سے کچھ زائد سونے یا چاندی یا اناج یا باقی اشیاء میں سے کسی بھی چیز کی شرط لگائے، جسے ان میں سے ایک، اپنے ساتھی سے زائد حاصل کرے...... امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر تو ان میں سے کوئی چیز مضاربت میں داخل ہوگئی تو یہ صورت ''اجارہ'' (کرایہ اور اجرت پر مال دینے) میں سے ہوگی اور ''اجارہ'' بغیر کسی ثابت شدہ اور معلوم چیز کے بدلے میں نہیں ہوتا۔ (یعنی اجرت متعین کرنا پڑے گی) اور بتانا پڑے

گا کہ مزدور کو اپنی مخصوص مزدوری اور رقم ملے گی اور اس میں کوئی کمی بیشی نہ ہوگی خواہ نفع ہو یا نقصان جبکہ مضاربت میں رقم متعین نہیں ہوتی بلکہ نفع ونقصان میں سے نصف یا تہائی یا چوتھائی حصہ متعین کیا جاتا ہے، نیز ''اجارہ'' میں مزدور کو مزدوری اور تنخواہ لازماً ملتی ہے جبکہ مضاربت یا تہائی یا چوتھائی حصہ متعین کیا جاتا ہے، نیز ''اجارہ'' میں مزدور کو ضرور ہی مزدوری اور تنخواہ ملتی ہے جبکہ مضاربت میں نفع بھی ہوسکتا ہے اور نقصان بھی)......اور وہ شخص جس نے مضاربت کے لیے مال لیا ہو (یعنی عامل)، اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ مال لینے کے ساتھ ساتھ یہ شرط بھی لگائے کہ وہ (اس مال مضاربت میں سے کسی کے) احسان کا بدلہ اتارے گا اور نہ (یہ جائز ہے کہ) وہ کچھ سامان کسی کو تَـــوْلِیَـــت پر دے گا اور نہ ہی اس (سامان مضاربت) میں سے کچھ کو خود تولیت پر لے گا (کیونکہ تولیت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جتنے میں مال لیا ہوا تنے میں اسے آگے دے دینا، نہ نفع کمانا نہ نفع دینا، جبکہ مال مضاربت سے تو مقصود ہی مال کمانا ہے لہٰذا اس میں تولیت جائز نہیں ہے)......امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: پھر جب مال وافر ہو جائے اور اصل مال کی علیحدگی حاصل ہو جائے (یعنی نفع مل جائے اور رَأس المال کو الگ کر لیا جائے) پھر دونوں اپنی شرط کے مطابق نفع تقسیم کر لیں (تو ٹھیک ہے، اس کے بعد وہ جسے چاہیں اپنا حصہ تولیت پر دیں یا احسان کا بدلہ چکائیں، سب درست ہے۔) اور اگر مال میں کچھ نفع حاصل نہ ہو (صرف اصل مال ہی رہ جائے) یا اس میں نقصان ہو جائے (اور اصل مال بھی پورا نہ مل سکے) تو عامل کو اس میں سے کچھ لاحق نہ ہوگا (اس پر کوئی چٹی نہ پڑے گی)، نہ اس نفقے میں سے جو اس نے (مضاربت کے سلسلے میں) خود پر خرچ کیا اور نہ ہی گھاٹے میں سے، (کیونکہ وہ اس مال کا ضامن نہیں ہوتا) اور یہ (سب نقصان اور چٹی) مال کے مالک پر واقع ہوگی......اور مضاربت ہر اس حصے پر جائز ہے جس پر ربُّ الـــمـــال اور عامل باہم راضی ہو جائیں، خواہ وہ آدھا نفع ہو (کہ دونوں نصف نفع بانٹ لیں) یا تہائی ہو (کہ ایک کو ایک تہائی اور دوسرے کو دو تہائی ملے) یا چوتھائی ہو (کہ ایک فریق ایک چوتھائی اور دوسرا تین چوتھائی) یا اس سے کچھ کم ہو یا زیادہ۔

فائدہ :......اس طویل فتویٰ میں مندرجہ ذیل چھ باتیں مذکور ہیں: (1) نفع میں سے کچھ مقدار کسی ایک فریق کے لیے مختص کر کے باقی ماندہ کی تقسیم کی شرط ناجائز ہے۔ (2) عقدِ مضاربت میں کچھ اور معاملات کی شرط لگانا ناجائز ہے، البتہ دستور میں اور چیز کو داخل کیا گیا تو وہ مضاربت کی بجائے ''اجارہ'' شمار ہوگی جس میں عامل کے لیے تنخواہ کی رقم مقرر کرنا لازم ہے، ورنہ عقد ناجائز ہو جائے گا۔ (3) نفع سے زائد کسی اور چیز کا اضافہ لینا بھی فریقین کے لیے ناجائز ہے۔ (4) عقدِ مضاربت میں کسی اور چیز کو داخل کیا تو وہ مضاربت کی بجائے ''اجارہ'' شمار ہوگی جس میں عامل کے لیے تنخواہ کی رقم مقرر کرنا لازم ہے، ورنہ عقد ناجائز ہو جائے گا۔ (5) نقصان کی صورت میں اصل مال کی چٹی عامل پر نہ ہوگی۔ عامل کے لیے یہی نقصان کافی ہے کہ اس کی محنت بے کار چلی گئی۔ (6) مضاربت میں نفع کا کوئی بھی حصہ مقرر کیا جا سکتا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: لَا يَجُوزُ لِلَّذِي يَأْخُذُ الْمَالَ قِرَاضاً أَنْ يَشْتَرِطَ أَنْ يَعْمَلَ فِيهِ سِنِينَ لَا يُنْزَعُ مِنْهُ. قَالَ: وَلَا يَصْلُحُ لِصَاحِبِ الْمَالِ أَنْ يَشْتَرِطَ أَنَّكَ لَا تَرُدُّهُ إِلَى سِنِينَ لِأَجَلٍ يُسَمِّيَانِهِ، لِأَنَّ الْقِرَاضَ لَا يَكُونُ إِلَى أَجَلٍ، وَلَكِنْ يَدْفَعُ رَبُّ الْمَالِ مَالَهُ إِلَى الَّذِي يَعْمَلُ لَهُ فِيهِ، فَإِنْ بَدَا لِأَحَدِهِمَا أَنْ يَتْرُكَ ذَلِكَ وَالْمَالُ نَاضٌّ لَمْ يَشْتَرِ بِهِ شَيْئاً تَرَكَهُ، وَأَخَذَ صَاحِبُ الْمَالِ مَالَهُ، وَإِنْ بَدَا لِرَبِّ الْمَالِ أَنْ يَقْبِضَهُ بَعْدَ أَنْ يَشْتَرِيَ بِهِ سِلْعَةً، فَلَيْسَ ذَلِكَ لَهُ حَتَّى يُبَاعَ الْمَتَاعُ، وَيَصِيرَ عَيْناً، فَإِنْ بَدَا لِلْعَامِلِ أَنْ يَرُدَّهُ وَهُوَ عَرْضٌ، لَمْ يَكُنْ ذَلِكَ لَهُ حَتَّى يَبِيعَهُ فَيَرُدَّهُ عَيْناً كَمَا أَخَذَهُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جو شخص مضاربت کے طور پر مال لیتا ہے (یعنی عامل) اس کے لیے یہ شرط لگانا جائز نہیں کہ وہ اس میں کچھ (متعین) سالوں تک محنت کرتا رہے گا (اور) مال اس سے واپس نہیں لیا جائے گا اور نہ ہی مال (دینے) والے کے لیے یہ شرط لگانا جائز ہے کہ تم اتنے سالوں تک یہ مال مجھے واپس نہیں کرو گے، ایک مدت کی وہ تعیین کر دیں (تو یہ ناجائز ہے) کیونکہ مضاربت کی خاص میعاد اور مدت نہیں ہوا کرتی، بلکہ اس میں (صرف) یہ ہوتا ہے کہ ربُّ الْمال اپنا مال اس شخص (یعنی عامل) کے سپرد کر دیتا ہے جو اس میں محنت کرے گا، پھر اگر ان میں سے کسی کے دل میں یہ بات آئے کہ وہ اس عقد کو ترک کر دے، اس حال میں کہ وہ مال (راس المال) نقد موجود ہو، اس نے اس کے ساتھ ابھی کچھ نہ خریدا ہو تو وہ اسے ترک کر دے گا اور ربُّ الْمال اپنا مال لے لے گا۔ اگر ربُّ الْمال کے دل میں آئے کہ وہ اس مال کو (واپس لے کر) قبض کر لے، بعد اس کے کہ عامل اس کے ساتھ کچھ سامان خرید چکا ہو تو ربُّ الْمال کے لیے یہ جائز نہ ہوگا، یہاں تک کہ وہ (خریدا ہوا) سامان فروخت ہو جائے اور مال پھر نقدی کی صورت میں حاصل ہو جائے، اسی طرح) اگر عامل کے دل میں آئے کہ وہ اس مال کو اس حال میں واپس کرے کہ وہ سامان کی شکل میں ہو تو اس کے لیے بھی یہ جائز نہیں یہاں تک کہ وہ اسے بیچ دے، پھر وہ اسے نقدی کی شکل میں واپس لوٹائے جس طرح کہ اسے (نقدی ہی کی شکل میں) حاصل کیا تھا۔

فائدہ: ......امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک مضاربت میں ایسی مدت متعین کرنا جائز نہیں کہ جس کے پورا ہونے سے قبل عقد مضاربت فسخ نہ ہو سکے، البتہ مشہور قول کے مطابق امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ جائز ہے لیکن جمہور کا موقف راجح ہے کیونکہ مضاربت کے لیے مال خرید کر بیچنا اور کاروبار کرنا مقصود ہوتا ہے اور سلسلہ تجارت اور کاروبار میں یہ لازم نہیں ہوتا کہ ہر چیز وقت مقررہ پر بک جائے، حالات کے پیش نظر تقدیم و تاخیر ہوتی رہتی ہے اس لیے یہ درخواست تو کی جا سکتی ہے کہ فلاں مدت تک سارا مال بیچ کر اصل رقم اور نفع اکٹھا کر لیا جائے لیکن اسے لازم قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اگر لازم کریں گے اور اس وقت سارا مال نہ بک سکا تو جھگڑے کھڑے ہوں گے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَلَا يَصْلُحُ لِمَنْ دَفَعَ إِلَى رَجُلٍ مَالاً قِرَاضًا، أَنْ يَشْتَرِطَ عَلَيْهِ الزَّكَاةَ فِي حِصَّتِهِ مِنَ الرِّبْحِ خَاصَّةً، لأَنَّ رَبَّ الْمَالِ إِذَا اشْتَرَطَ ذَلِكَ فَقَدِ اشْتَرَطَ لِنَفْسِهِ فَضْلاً مِنَ الرِّبْحِ ثَابِتاً، فِيمَا سَقَطَ عَنْهُ مِنْ حِصَّةِ الزَّكَاةِ الَّتِي تُصِيبُهُ مِنْ حِصَّتِهِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ شخص جو اپنا مال کسی کو مضاربت کے لیے دے، اس کے لیے یہ درست نہیں ہے کہ اس پر (راس المال کی) زکاۃ کی شرط لگائے جو نفع میں رب المال کے خاص حصے میں شامل ہو (اس طرح کہ حاصل شدہ نفع میں سے پہلے راس المال کی زکاۃ نکالی جائے اور پھر نفع کو طے شدہ حصوں کے مطابق تقسیم کیا جائے تو اس طرح زکاۃ کی ادائیگی والی رقم رب المال کے نفع والے حصے میں زائد شامل ہو جائے گی۔

قَالَ مَالِكٌ: وَلَا يَجُوزُ لِرَجُلٍ أَنْ يَشْتَرِطَ عَلَى مَنْ قَارَضَهُ أَنْ لَا يَشْتَرِيَ إِلَّا مِنْ فُلَانٍ - لِرَجُلٍ يُسَمِّيهِ - فَذَلِكَ غَيْرُ جَائِزٍ، لِأَنَّهُ يَصِيرُ لَهُ أَجِيراً بِأَجْرٍ لَيْسَ بِمَعْرُوفٍ.

چنانچہ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ ناجائز ہے) کیونکہ جب رب المال اس کی شرط لگائے گا تو وہ نفع میں سے اپنے لیے ایک زائد چیز کی شرط لگالے گا اور وہ اس طرح ثابت ہوگی کہ جو زکاۃ اس پر لازم ہوتی ہے اس کا ایک حصہ اس سے ساقط ہو جائے گا (اور وہ زکاۃ کے اس حصے کے بقدر رقم) اس کے حصے میں سے (شمار کر کے ادا ہوگی اور فریضہ ساقط ہوگا) اور کسی آدمی کے لیے یہ جائز نہیں کہ جس شخص سے عقد مضاربت کر (کے اسے مال دے) رہا ہے، اس پر یہ شرط لگائے کہ وہ (مضاربت کا عمل کرتے وقت) فلاں شخص کے سوا کسی اور سے مال نہیں خریدے گا، اور وہ اس آدمی کا نام لے (کر اس کی تعیین کر) دے، تو یہ ناجائز ہے، کیونکہ بلاشبہ وہ تو اس طرح اس کا مزدور اور ''اجیر'' بن جائے گا، ایک ایسی اجرت کے ساتھ جو کہ معلوم نہ ہوگی۔

فائدہ : ...... اس فتویٰ کے دو حصے ہیں، پہلے حصے میں امام صاحب سمجھانا چاہتے ہیں کہ مضاربت میں حاصل شدہ نفع کا حصہ متعین ہوتا ہے، لیکن جب ربُّ المال دیتے وقت اس مال پر عائد ہونے والی زکاۃ کی ادائیگی، نفع میں سے کرنے کی شرط کرے گا تو اس میں کئی خرابیاں لازم آئیں گی۔ ایک یہ کہ اس عقد میں جہالت واقع ہو جائے گی کیونکہ کچھ معلوم نہیں کہ زکاۃ فرض ہونے تک وہ مال قابل زکاۃ رہتا بھی ہے یا نہیں، اور سلسلہ مضاربت بھی قائم رہتا ہے یا نہیں۔ دوسری خرابی یہ کہ نفع میں زکاۃ کی ادائیگی شامل کر کے عامل کا حصہ خطرے میں پڑ جائے گا، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ جتنا نفع حاصل ہو وہ سارا ہی زکاۃ میں ادا ہو جائے، اس طرح تو عامل کی محنت بے کار چلی جائے گی۔ تیسری خرابی یہ ہے کہ یہ ادائیگی سود کی شکل اختیار کر لے گی کہ گویا مالک نے قرض دے کر اس پر زکاۃ کے بقدر رقم کا نفع حاصل کر لیا ...... دراصل مضاربت میں صرف نفع کا حصہ متعین کیا جاتا ہے مثلاً نصف یا تہائی یا چوتھائی، اس میں کوئی رقم متعین نہیں کی

جاتی۔ نفع کم وبیش ہوتا رہتا ہے جسے طے شدہ حصوں کے حساب سے بانٹ لیا جاتا ہے لیکن اگر رقم متعین کر دی جائے کہ مثلاً اتنے ہزار روپے لینے ہیں تو یہ مضاربت رہتی ہی نہیں بلکہ سود بن جاتا ہے جس کو جائز کرنے کے لیے گویا مضاربت کا لیبل چسپاں کیا گیا ہوتا ہے۔ چنانچہ مذکورہ بالا مسئلے میں جب زکاۃ کی ادائیگی کی شرط لگا دی جائے تو گویا رقم متعین کر دی گئی۔ بایں طور کہ رَأْسُ الْمَالِ جو سونے چاندی جیسی نقدی کی صورت میں ہوتا ہے اس پر چالیسواں حصہ زکاۃ میں مقرر ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کے اس فتوی کی ابتدائی عبارت ذرا پیچیدہ ہے۔ انھوں نے زکاۃ کی ادائیگی والی رقم کے حصول کو زکاۃ ساقط ہونے سے تعبیر کیا ہے، کیونکہ زکاۃ والی رقم مستحقین کو مل جائے گی اور فریضہ زکاۃ رب المال سے ساقط ہو جائے گا اور یہ تبھی ساقط ہوگا جب وہ ادا ہوگا۔ حصہ زکاۃ کے لفظ سے یہ اشارہ کیا ہے کہ رب المال پر جو زکاۃ لازم ہے وہ صرف اس کے مال مضاربت پر ہی نہیں بلکہ باقی مال پر بھی ہے۔ بالفاظ دیگر اس کی تمام دولت پر لازم ہونے والی زکاۃ میں سے کچھ زکاۃ اس مضاربت والے راس المال پر بھی پڑتی ہے جسے "حِصَّةُ الزَّكَاة" سے تعبیر کیا ہے اور "تُصِيبُهُ" (جو اسے پہنچے گی) سے مراد زکاۃ کا لازم ہونا ہے۔

اس فتوی کے دوسرے حصے میں بیان کردہ صورت میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ کسی ایک بندے ہی سے مال خریدنے کی شرط، مضاربت کے مقصود کے منافی ہے۔ مضاربت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کاروباری سلسلہ جاری رہے لیکن جب ایک بندے ہی سے مال خریدنے کی پابندی ہو تو یہ سلسلہ خطرات میں گھر جاتا ہے کیونکہ ممکن ہے کہ وہ شخص بیمار پڑ جائے یا سفر میں چلا جائے یا کسی اور عارضے کی بنا پر مال بیچنے ہی کے قابل نہ رہے۔ دوسرا نقصان یہ ہوتا ہے کہ یہ متعین شخص اس عامل کی مجبوری سے فائدہ اٹھائے گا اور منہ مانگے داموں پر اسے مال بیچے گا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ شرط لگانا جائز ہے۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الرَّجُلِ يَدْفَعُ إِلَى رَجُلٍ مَالاً قِرَاضاً وَيَشْتَرِطُ عَلَى الَّذِي دَفَعَ إِلَيْهِ الْمَالَ الضَّمَانَ. قَالَ: لَا يَجُوزُ لِصَاحِبِ الْمَالِ أَنْ يَشْتَرِطَ فِي مَالِهِ غَيْرَ مَا وُضِعَ الْقِرَاضُ عَلَيْهِ وَمَا مَضَى مِنْ سُنَّةِ الْمُسْلِمِينَ فِيهِ، فَإِنْ نَمَا الْمَالُ عَلَى شَرْطِ الضَّمَانِ، كَانَ قَدِ ازْدَادَ فِي حَقِّهِ مِنَ الرِّبْحِ مِنْ أَجْلِ مَوْضِعِ الضَّمَانِ، وَإِنَّمَا يَقْتَسِمَانِ الرِّبْحَ عَلَى مَا لَوْ أَعْطَاهُ إِيَّاهُ عَلَى غَيْرِ ضَمَانٍ، وَإِنْ تَلِفَ الْمَالُ لَمْ أَرَ عَلَى الَّذِي أَخَذَهُ ضَمَاناً، لِأَنَّ	امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کی بابت فرمایا جو مضاربت کے لیے کچھ مال کسی آدمی کے سپرد کرتا ہے اور جس کی طرف مال سپرد کرتا ہے اس پر ضمانت کی شرط لگا لیتا ہے (کہ اگر مال ضائع ہوا تو عامل اس کا ضامن ہوگا اور اسے وہ مال پورا کرنا پڑے گا۔ یہ چونکہ سخت شرط ہے اس لیے توازن قائم رکھنے کے لیے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر نفع ملا تو اس میں سے تجھے زائد بھی ملے گا) امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مال (دینے) والے کے لیے اپنے مال میں کوئی ایسی شرط لگانا جائز نہیں ہے جو علاوہ ہو اس (مقصد) کے کہ جس کی خاطر مضاربت جاری (اور شروع) کی گئی ہے اور

شَرْطَ الضَّمَانِ فِي الْقِرَاضِ بَاطِلٌ . جس پر مسلمانوں کا طریقہ مضاربت جاری ہے (اور وہ یہ ہے کہ مضاربت کے لیے دیا جانے والا مال قرض اور ضمانت کے طور پر نہیں ہوتا، بلکہ امانت کے طور پر ہوتا ہے) پھر اس (مذکورہ) ضمانت والی شرط میں (یہ بھی طے کیا جاتا ہے کہ) اگر مال بڑھ گیا تو عامل ضمانت کے مقام کی بنا پر نفع میں سے اپنا حق زیادہ لے گا (اور یہ بھی جائز نہیں کہ مضاربت میں نفع کی تقسیم کو مجہول انداز میں طے کیا جائے یا اس میں کچھ جہالت رکھی جائے یا کسی ایک فریق کے لیے کچھ رقم متعین کی جائے) اور بلاشبہ وہ دونوں آپس میں نفع اس صورت کی طرح تقسیم کریں گے کہ جب ربُّ الـمال نے عامل کو ضمانت کی شرط کے بغیر مال دیا ہوتا، اور اگر مال تلف (ضائع اور ہلاک) ہوگیا تو جس شخص نے مال لیا تھا (یعنی عامل نے، تو) میں اس پر کوئی ضمانت (چٹی) درست نہیں سمجھتا، کیونکہ مضاربت میں ضمانت کی شرط باطل ہے۔

فائدہ :...... امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ اور اہل حدیث کے نزدیک ایسی ناجائز شرطوں کی صورت میں صرف ناجائز شرط ہی باطل اور کالعدم قرار پائے گی البتہ مضاربت صحیح شمار ہوگی۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مضاربت ہی باطل ہوجائے گی اور یہ عقد ''اجارہ'' میں تبدیل ہوجائے گا یعنی عامل ایک مزدور کی حیثیت میں، دستور کے مطابق طے شدہ تنخواہ کا حق دار ہوگا خواہ نفع ہو یا نقصان۔ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک (جیسا کہ موطا کی مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوتا ہے) شرط باطل ہے اور مضاربت صحیح ہے لیکن دراصل ان کا اس بارے میں تفصیلی موقف یہ ہے کہ اگر ایسی شرط والا عقد کر کے ابھی کام شروع نہ کیا ہو تو مضاربت باطل اور فسخ ہوجائے گی اور اگر کام شروع کر دیا گیا ہو تو شرط باطل ہوگی اور دستور کے مطابق مضاربت والا نفع مقرر کر دیا جائے گا۔ امام مالک رحمہ اللہ سے ایک قول امام شافعی رحمہ اللہ کے قول کی طرح بھی منقول ہے۔

قَالَ مَالِكٌ فِي رَجُلٍ دَفَعَ إِلَى رَجُلٍ مَالاً قِرَاضاً، وَاشْتَرَطَ عَلَيْهِ أَنْ لا يَبْتَاعَ بِهِ إِلاَّ نَخْلاً، أَوْ دَوَابَّ لأَجْلِ: أَنَّهُ يَطْلُبُ ثَمَرَ النَّخْلِ أَوْ نَسْلَ الدَّوَابِّ وَيَحْبِسُ رِقَابَهَا قَالَ مَالِكٌ: لا يَجُوزُ هَذَا وَلَيْسَ هَذَا مِنْ سُنَّةِ الْمُسْلِمِينَ فِي الْقِرَاضِ، إِلاَّ أَنْ يَشْتَرِيَ ذَلِكَ، ثُمَّ يَبِيعَهُ كَمَا يُبَاعُ غَيْرُهُ مِنَ السِّلَعِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص (ربُّ الـمال) کے متعلق فرمایا جس نے اپنا مال مضاربت کے لیے کسی شخص کے سپرد کیا اور اس پر یہ شرط لگائی کہ وہ اس کے ساتھ کھجور کے درختوں یا جانوروں کے سوا کچھ نہیں خریدے گا، اس لیے کہ وہ کھجوروں کا پھل اور جانوروں کی نسل (بطور کاروبار) طلب کر رہا ہے (کہ جیسے جیسے وہ پیدا ہوتے جائیں انھیں بیچ کر نفع ملتا رہے) اور وہ ان کی گردنوں کو (یعنی اصل درختوں اور جانوروں کو اپنے پاس ہی) روک لے، تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ ناجائز ہے اور مضاربت (کے سلسلے) میں یہ مسلمانوں کے طریق کار میں سے نہیں ہے، الا یہ کہ وہ انھیں (درختوں اور جانوروں کو) خریدے پھر ان

کواسی طرح بیچ (دینے کی اجازت) دے جس طرح کہ ان کے علاوہ دوسرے سامان بیچے جاتے ہیں۔

فائدہ: ...... ناجائز صورت اس لیے ہے کہ اس طرح جانوروں اور درختوں کو سنبھالنے کی ذمہ داری عامل کے سر پر پڑ جائے گی جنھیں وہ بیچ نہ سکے گا، چنانچہ اگر وہ ایسا کر لیں تو عامل کو اجیر یعنی اجرت پر حاصل کردہ مزدور شمار کیا جائے گا جسے جانوروں اور درختوں کی دیکھ بھال کے لیے رکھا گیا ہے، یہ درخت اور جانور ربُّ المال کی ملکیت ہوں گے، مضاربت باطل ہوگی اور عامل کو دستور کے موافق اجرت دی جائے گی خواہ مالک کو نقصان ہو یا نفع ہو۔

قَالَ مَالِكٌ : لَا بَأْسَ أَنْ يَشْتَرِطَ الْمُقَارِضُ عَلَى رَبِّ الْمَالِ غُلَاماً يُعِينُهُ بِهِ عَلَى أَنْ يَقُومَ مَعَهُ الْغُلَامُ فِي الْمَالِ ، إِذَا لَمْ يَعْدُ أَنْ يُعِينَهُ فِي الْمَالِ لَا يُعِينُهُ فِي غَيْرِهِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ مضاربت پر مال لینے والا (عامل) ربُّ المال پر ایک غلام (رأسُ المال میں سے خرید لینے) کی شرط لگا لے جو اس کام میں اس کا تعاون کرے اور مال کے حوالے سے غلام اس کے ساتھ ساتھ رہے، (بشرطیکہ) وہ اس سے تجاوز نہ کرے کہ وہ صرف مال میں اس کا مددگار ہو، کسی اور چیز میں نہیں۔

فائدہ: ...... غلام کو خریدنا بھی کاروبار ہی کا حصہ ہے اور کاروبار میں اضافے کا باعث ہے، جب مضاربت ختم ہونے کو آئے تو اس غلام کو بیچ کر رقم بھی واپس مل جائے گی اور ممکن ہے کہ اسے بیچنے سے بھی مزید نفع حاصل ہو جائے۔

6- بَابُ الْقِرَاضِ فِي الْعُرُوضِ

(نقدی کی جگہ) مال اسباب (دے کر اس) میں مضاربت کرانے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ مذکور ہے۔

قَالَ يَحْيَى : قَالَ مَالِكٌ : لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ أَنْ يُقَارِضَ أَحَداً إِلَّا فِي الْعَيْنِ ، لِأَنَّهُ لَا تَنْبَغِي الْمُقَارَضَةُ فِي الْعُرُوضِ ، لِأَنَّ الْمُقَارَضَةَ فِي الْعُرُوضِ إِنَّمَا تَكُونُ عَلَى أَحَدِ وَجْهَيْنِ : إِمَّا أَنْ يَقُولَ لَهُ صَاحِبُ الْعَرْضِ : خُذْ هَذَا الْعَرْضَ فَبِعْهُ ، فَمَا خَرَجَ مِنْ ثَمَنِهِ فَاشْتَرِ بِهِ وَبِعْ عَلَى وَجْهِ الْقِرَاضِ ، فَقَدِ اشْتَرَطَ صَاحِبُ الْمَالِ فَضْلاً لِنَفْسِهِ مِنْ بَيْعِ سِلْعَتِهِ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ نقدی (درہم، دینار، روپے پیسے) کے علاوہ کسی اور چیز میں کسی شخص سے مضاربت کرائے، کیونکہ سامان اسباب میں مضاربت مناسب (اور درست) نہیں ہے، اس لیے کہ سامانوں میں مضاربت صرف اور صرف دو طریقوں پر ہی ہو سکتی ہے: (1) یا تو ربُّ المال، عامل سے کہے گا کہ یہ سامان لے لو، پھر اسے بیچ دو، تو اس کی قیمت سے جو کچھ نکلے گا اس کے ذریعے سے مضاربت کے طور پر (تجارت

وَمَا يَكْفِيهِ مِنْ مَئُونَتِهَا، أَوْ يَقُولَ: اشْتَرِ بِهَذِهِ السِّلْعَةِ وَبِعْ، فَإِذَا فَرَغْتَ فَابْتَعْ لِي مِثْلَ عَرْضِي الَّذِي دَفَعْتُ إِلَيْكَ، فَإِنْ فَضَلَ شَيْءٌ فَهُوَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ، وَلَعَلَّ صَاحِبَ الْعَرْضِ أَنْ يَدْفَعَهُ إِلَى الْعَامِلِ فِي زَمَنٍ هُوَ فِيهِ نَافِقٌ كَثِيرُ الثَّمَنِ، ثُمَّ يَرُدُّهُ الْعَامِلُ حِينَ يَرُدُّهُ، وَقَدْ رَخُصَ فَيَشْتَرِيهِ بِثُلُثِ ثَمَنِهِ، أَوْ أَقَلَّ مِنْ ذَلِكَ، فَيَكُونُ الْعَامِلُ قَدْ رَبِحَ نِصْفَ مَا نَقَصَ مِنْ ثَمَنِ الْعَرْضِ فِي حِصَّتِهِ مِنَ الرِّبْحِ، أَوْ يَأْخُذَ الْعَرْضَ فِي زَمَانٍ ثَمَنُهُ فِيهِ قَلِيلٌ، فَيَعْمَلُ فِيهِ حَتَّى يَكْثُرَ الْمَالُ فِي يَدَيْهِ، ثُمَّ يَغْلُو ذَلِكَ الْعَرْضُ وَيَرْتَفِعُ ثَمَنُهُ حِينَ يَرُدُّهُ، فَيَشْتَرِيهِ بِكُلِّ مَا فِي يَدَيْهِ، فَيَذْهَبُ عَمَلُهُ وَعِلَاجُهُ بَاطِلاً، فَهَذَا غَرَرٌ لَا يَصْلُحُ، فَإِنْ جُهِلَ ذَلِكَ حَتَّى يَمْضِيَ، نُظِرَ إِلَى قَدْرِ أَجْرِ الَّذِي دُفِعَ إِلَيْهِ الْقِرَاضُ فِي بَيْعِهِ إِيَّاهُ وَعِلَاجِهِ فَيُعْطَاهُ، ثُمَّ يَكُونُ الْمَالُ قِرَاضاً مِنْ يَوْمِ نَضَّ الْمَالُ وَاجْتَمَعَ عَيْناً، وَيُرَدُّ إِلَى قِرَاضِ مِثْلِهِ.

اور کاروبار کرتے ہوئے کچھ) خریدو اور اسے بیچو، تو (اس طرح) ربُّ المال نے اپنے لیے ایک زائد چیز کی شرط لگالی۔ یعنی اس کا سامان بیچنا اور اس بیچنے کی مشقت ومحنت میں اس کو کفایت کرنا (یوں عامل پر زائد ذمہ داری ڈال دی اور خود مخصوص نفع حاصل کرلیا کہ مشقت سے خود کو بچالیا) یا (2) وہ (ربُّ المال اس عامل سے) کہے گا کہ (سامان وصول کرتے ہی مضاربت کا سلسلہ شروع کرو اور میرے) اس سامان کے بدلے (کچھ) خریدو اور بیچو، پھر جب فارغ ہو جاؤ تو میرے لیے میرے اس سامان کی مثل خرید لینا جو میں نے تمھارے سپرد کیا تھا، پھر (اس کے بعد) اگر کچھ (نفع) بچ جائے تو وہ میرے اور تمھارے درمیان (نصف نصف) ہوگا، (تو یہ درست نہیں کیونکہ) ممکن ہے کہ رب المال اس سامان کو عامل کے سپرد اس وقت میں کرے جس میں اس چیز کا بھاؤ چڑھا ہوا ہو اور وہ زیادہ قیمت والی ہو، پھر عامل وہی چیز اسے لوٹائے تو ایسے وقت میں لوٹائے کہ وہ چیز سستی ہو چکی ہو، چنانچہ وہ اسے (گزشتہ) قیمت کے تہائی حصہ یا اس سے بھی کم سے خرید لے گا (اور واپس کردے گا) تو سامان کی قیمت میں سے جس قدر کمی ہوئی، اس کے نصف کو بھی عامل نے نفع میں سے (ملنے والے) اپنے حصے کے اندر کمالیا...... یا (یہ بھی ممکن ہے کہ) وہ عامل اس سامان کو (رب المال سے) ایسے وقت میں لے جس میں اس کی قیمت تھوڑی ہو، پھر وہ اس میں محنت کرتا رہے، یہاں تک کہ اس کے پاس مال زیادہ ہو جائے، پھر جب وہ اسے لوٹانے لگے تو وہ سامان مہنگا ہو جائے اور اس کی قیمت چڑھ جائے، چنانچہ وہ اس تمام (رقم جو وصولی کے وقت اصل مال کی تھی اور اس کے ساتھ اس کا نفع ملا کر اب اس مجموعے) کے ساتھ اس چیز کو خریدے گا تو اس کا عمل اور محنت رائیگاں چلے جائیں گے، لہٰذا یہ (مضاربت میں نقدی کی بجائے سامان دینا سراسر) دھوکا ہے اور جائز نہیں ہے...... پھر اگر اس سے ناواقفیت ہو، یہاں تک کہ (یہ عقد مضاربت اور عمل) جاری ہو جائے تو (اس عمل کا ابتدائی

حصہ اجارہ یعنی اجرت پر رکھنا اور مزدور بنانا شمار ہوگا اور عامل کو اب مزدوری دی جائے گی، چنانچہ) وہ مال بطور مضاربت اس کے سپرد کیا گیا تھا عامل کے اسے بیچنے اور اس میں محنت کرنے کی اجرت کی مقدار دیکھی جائے گی اور اسے دے دی جائے گی، پھر جس دن (پہلی بار یہ سارا سامان اسباب بیچ کر قیمت کی شکل میں) مال حاصل ہوا، یعنی نقدی کی صورت میں جمع ہوا اس دن سے وہ مضاربت والا مال شمار کیا جائے گا اور (اس نقدی کو راس المال شمار کر لیں گے، پھر معاشرے میں رائج) اس جیسی چیز کی مضاربت کی طرف اسے لوٹا دیں گے۔

فائدہ :...... اس طویل فتویٰ کے چار حصے ہیں (1) سب سے پہلے سامان دے کر مضاربت کرانے کی ممانعت بیان کی گئی ہے اور اس کے ناجائز ہونے کی وجہ بیان کی گئی ہے بایں طور کہ ایسی صورت میں دو ہی طریقے اختیار کیے جاسکتے ہیں اور دونوں میں خرابیاں لازم آتی ہیں (2) دوسرے حصے میں پہلا ممکنہ طریقہ بیان کر کے اس کی خرابی بتلائی گئی ہے کہ اس میں رب المال طے شدہ نصف نصف نفع سے زائد چیز بھی وصول کرتا ہے جو سود کے زمرے میں داخل ہے (3) تیسرے حصے میں دوسرا ممکنہ طریقہ بیان کر کے اس کی خرابیاں ذکر کی گئی ہیں کہ اگر سامان وصول کرتے وقت مہنگا اور واپسی کے وقت سستا ہو تو عامل کو نفع کے ساتھ ساتھ راس المال میں سے بھی حصہ ملے گا حالانکہ راس المال پر صرف رب المال کا حق ہے، مثال کے طور پر وصولی کے وقت وہ ایک لاکھ کا ہوتا ہے اور واپسی کے وقت اس کی قیمت پچاس ہزار ہو تو عامل پچاس ہزار میں سامان خرید کر واپس کر دے گا اور باقی پچاس ہزار میں سے اور حاصل شدہ مزید نفع میں سے نصف وصول کرے گا اور اس کے برعکس اگر وصولی کے وقت مال سستا ہو اور واپسی کے وقت مہنگا ہو تو عامل بالکل محروم رہے گا کیونکہ واپسی کے وقت سارا سامان خریدنے میں استعمال ہو جائے گا۔ (۴) آخری حصے میں بتایا گیا ہے کہ اگر کسی نے اسی طرح کی مضاربت شروع کر رکھی ہو تو اس کی اصلاح کیسے کی جائے گی، چنانچہ اس کا طریق کار یہ ہوگا کہ سامان کی وصولی سے لے کر پہلی بار بیچنے تک کے معاملے میں عامل کو اجیر یعنی مزدور سمجھ کر مناسب اجرت دی جائے گی۔ پھر جب سامان کے بدلے درہم و دینار یا روپے حاصل ہوں گے تو اس پر مضاربت کا حکم لاگو ہوگا، اس رقم کو راس المال سمجھا جائے گا، پھر اس چیز میں نفع کی تقسیم کے لیے بھی معاشرے کا دستور دیکھا جائے گا۔

7- بَابٌ: الْكِرَاءُ فِي الْقِرَاضِ

مضاربت میں کرائے کا بیان

خلاصة الباب اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ مذکور ہے۔

قَالَ يَحْيَى: قَالَ مَالِكٌ فِي رَجُلٍ دَفَعَ إِلَى رَجُلٍ مَالاً قِرَاضاً، فَاشْتَرَى بِهِ مَتَاعاً، فَحَمَلَهُ إِلَى بَلَدِ التِّجَارَةِ، فَبَارَ عَلَيْهِ وَخَافَ

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص (عامل) کے متعلق فرمایا جسے کسی شخص نے کچھ مال مضاربت کے طور پر دیا۔ عامل نے اس کے عوض کچھ سامان خریدا، اور وہ تجارت کے لیے

النُّقْصَانَ إِنْ بَاعَهُ ، فَتَكَارَى عَلَيْهِ إِلَى بَلَدٍ آخَرَ ، فَبَاعَ بِنُقْصَانٍ ، فَاغْتَرَقَ الْكِرَاءُ أَصْلَ الْمَالِ كُلَّهُ. قَالَ مَالِكٌ : إِنْ كَانَ فِيمَا بَاعَ وَفَاءٌ لِلْكِرَاءِ ، فَسَبِيلُهُ ذَلِكَ ، وَإِنْ بَقِيَ مِنَ الْكِرَاءِ شَيْءٌ بَعْدَ أَصْلِ الْمَالِ كَانَ عَلَى الْعَامِلِ ، وَلَمْ يَكُنْ عَلَى رَبِّ الْمَالِ مِنْهُ شَيْءٌ يُتْبَعُ بِهِ . وَذَلِكَ أَنَّ رَبَّ الْمَالِ إِنَّمَا أَمَرَهُ بِالتِّجَارَةِ فِي مَالِهِ ، فَلَيْسَ لِلْمُقَارِضِ أَنْ يَتْبَعَهُ بِمَا سِوَى ذَلِكَ مِنَ الْمَالِ ، وَلَوْ كَانَ ذَلِكَ يُتْبَعُ بِهِ رَبُّ الْمَالِ ، لَكَانَ ذَلِكَ دَيْناً عَلَيْهِ مِنْ غَيْرِ الْمَالِ الَّذِي قَارَضَهُ فِيهِ ، فَلَيْسَ لِلْمُقَارِضِ أَنْ يَحْمِلَ ذَلِكَ عَلَى رَبِّ الْمَالِ .

(اسے) کسی شہر کی طرف لے گیا، (وہاں) وہ مال ہلاکت کا شکار ہوگیا (یعنی مندا پڑ گیا) اور اسے خطرہ لاحق ہوگیا کہ اگر اس نے اسے بیچا تو نقصان اٹھائے گا، تو اس نے کسی دوسرے شہر کی طرف (جانے کے لیے) اس مال پر کرایہ ادا کیا تو (وہاں بھی) اس نے گھاٹا اٹھا کر اسے بیچا اور کرائے نے مکمل راس المال کو ڈبو لیا (مثلاً مضاربت کے لیے پانچ ہزار روپے وصول کیے اور کرائے میں اس سے بھی زیادہ خرچ ہو گئے تو) امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر تو جتنے میں اس نے بیچا ہے اس میں کرائے کی مکمل ادائیگی ہو سکتی ہے تو اسی کا راستہ اختیار کریں گے (یعنی راس المال کو کرائے میں صرف کر دیں گے ، رب المال کا راس المال ضائع ہوجائے گا اور عامل کی محنت رائیگاں چلی جائے گی اور دونوں محروم رہیں گے) اور اگر اصل مال (یعنی مکمل راس المال کی ادائیگی) کے بعد بھی کرائے میں سے کچھ بچ جائے تو وہ عامل کے ذمے ہوگا۔ اور رب المال پر اس (زائد کرائے) میں سے کچھ (بھی لازم نہ ہونا) اس وجہ سے ہے کہ بے شک رب المال نے عامل کو اپنے (مخصوص) مال میں تجارت کرنے کا حکم دیا تھا، لہٰذا مضاربت کرنے والے (عامل) کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس کے سوا کسی اور مال میں رب المال کے پیچھے پڑے (کہ جس کا مضاربت سے تعلق ہی نہیں، جس کا تعلق تھا وہ بھی ختم کر دیا اور اب مزید چٹی ڈالنا مناسب نہیں اور اگر اس (مزید کرایہ وغیرہ) کی وجہ سے رب المال کا پیچھا کیا جاتا (کہ اسے بھی وہی ادا کرے) تو یہ اس کے ذمے (ناجائز) قرض بن جاتا (اور وہ بھی) اس مال کے علاوہ میں سے کہ جس میں اس نے عامل کو مضاربت پر رکھا تھا (حالانکہ اس نے نہ کوئی قرض لیا ہے اور نہ ہی اس کے باقی اموال کا اس مضاربت سے کوئی تعلق ہے) لہٰذا عامل کے لیے جائز نہیں کہ رب المال پر اس کا بوجھ ڈالے۔

فائدہ :...... الغرض یہ درست نہیں کہ رب المال تو احسان کرے اور عامل کو تجارت کے لیے پیسہ دے جبکہ عامل اپنی کوتاہیوں، بے وقوفیوں یا حوادث کی بنا پر اسے تباہ بھی کرے اور مزید مال کا اس سے مطالبہ بھی کرے۔

8- بَابٌ : التَّعَدِّيْ فِي الْقِرَاضِ

مضاربت میں حد سے تجاوز کرنے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کے پانچ فتاویٰ جات مذکور ہیں۔

قَالَ يَحْيَى : قَالَ مَالِكٌ فِي رَجُلٍ دَفَعَ إِلَى رَجُلٍ مَالاً قِرَاضاً ، فَعَمِلَ فِيهِ فَرَبِحَ ، ثُمَّ اشْتَرَى مِنْ رِبْحِ الْمَالِ أَوْ مِنْ جُمْلَتِهِ جَارِيَةً فَوَطِئَهَا فَحَمَلَتْ مِنْهُ ، ثُمَّ نَقَصَ الْمَالُ. قَالَ مَالِكٌ : إِنْ كَانَ لَهُ مَالٌ أُخِذَتْ قِيمَةُ الْجَارِيَةِ مِنْ مَالِهِ ، فَيُجْبَرُ بِهِ الْمَالُ ، فَإِنْ كَانَ فَضْلٌ بَعْدَ وَفَاءِ الْمَالِ ، فَهُوَ بَيْنَهُمَا عَلَى الْقِرَاضِ الْأَوَّلِ ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَفَاءٌ بِيعَتِ الْجَارِيَةُ حَتَّى يُجْبَرَ الْمَالُ مِنْ ثَمَنِهَا .

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جس نے کسی شخص کو مضاربت کے لیے کچھ مال دیا، اس عامل نے اس میں محنت کی اور نفع کمالیا، پھراس نے اس نفع سے یا کل مال (رأسُ المال اور نفع) سے ایک لونڈی خرید لی، پھراس نے اس سے مباشرت کی تو وہ اس سے حاملہ ہوگئی، پھر مال کم پڑ گیا، توامام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر تو اس عامل کے پاس (اپنا ذاتی) مال ہو تو لونڈی کی قیمت اس کے مال سے وصول کی جائے گی اور اس مال کی کمی پوری کر دی جائے گی اور اگر مال پورا کرنے کے بعد (لونڈی کی وصول کردہ قیمت سے) کچھ زائد بچ جائے تو وہ شروع والے عقدِ مضاربت کے مطابق ان دونوں کے درمیان تقسیم ہوگا، اور اگر اس قیمت میں مال کی تکمیل نہ ہو تو اس لونڈی کو بھی بیچ دیا جائے گا تا کہ اس کی قیمت سے مال کی کمی پوری کی جائے۔

فائدہ :...... گویا عامل کو اپنی ہوس کا یہ خمیازہ بھگتنا پڑے کہ پہلے اس کے مال سے لونڈی کی قیمت وصول کی گئی اور پھر بعد میں وہ لونڈی بھی چھن گئی۔

قَالَ مَالِكٌ فِي رَجُلٍ دَفَعَ إِلَى رَجُلٍ مَالاً قِرَاضاً ، فَتَعَدَّى فَاشْتَرَى بِهِ سِلْعَةً وَزَادَ فِي ثَمَنِهَا مِنْ عِنْدِهِ. قَالَ مَالِكٌ : صَاحِبُ الْمَالِ بِالْخِيَارِ ، إِنْ بِيعَتِ السِّلْعَةُ بِرِبْحٍ أَوْ وَضِيعَةٍ أَوْ لَمْ تُبَعْ ، إِنْ شَاءَ أَنْ يَأْخُذَ السِّلْعَةَ ، أَخَذَهَا وَقَضَاهُ مَا أَسْلَفَهُ فِيهَا ، وَإِنْ أَبَى كَانَ الْمُقَارِضُ شَرِيكاً لَهُ بِحِصَّتِهِ مِنَ الثَّمَنِ فِي النَّمَاءِ وَالنُّقْصَانِ ، بِحِسَابِ مَا زَادَ الْعَامِلُ فِيهَا مِنْ عِنْدِهِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جس نے کسی شخص کو کچھ مال مضاربت کے طور پر دیا تو اس عامل نے (اس میں یہ قصور اور) زیادتی کی کہ اس کے ساتھ کوئی سامان خریدا اور اس کی قیمت میں اپنی طرف سے کچھ زیادہ ادا کر دیا (مثلاً مضاربت کی رقم دو ہزار تھی لیکن اس نے اڑھائی ہزار کا سامان خرید لیا)۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: (ایسی صورتحال میں) سامان خواہ نفع کے ساتھ بکے یا نقصان کے ساتھ بکے یا نہ بکے، ربُّ المال کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ اگر اس سامان کو رکھنا چاہے تو رکھ لے اور اس عامل کو وہ (زائد رقم) ادا کردے جو عامل نے ربُّ المال پر اس سامان میں ادھار چڑھائی تھی اور اگر ربُّ المال ایسا کرنے سے انکار کردے تو وہ عامل قیمت میں شامل اپنے حصے کے مطابق ربُّ المال کا شریک بن جائے گا۔ نفع میں بھی اور نقصان میں بھی، اس رقم کے حساب سے جو اس نے اس مال میں اپنی طرف سے زائد ادا کی تھی۔

قَالَ مَالِكٌ فِي رَجُلٍ أَخَذَ مِنْ رَجُلٍ مَالاً قِرَاضاً، ثُمَّ دَفَعَهُ إِلَى رَجُلٍ آخَرَ فَعَمِلَ فِيهِ قِرَاضاً بِغَيْرِ إِذْنِ صَاحِبِهِ، إِنَّهُ ضَامِنٌ لِلْمَالِ، إِنْ نَقَصَ فَعَلَيْهِ النُّقْصَانُ، وَإِنْ رَبِحَ فَلِصَاحِبِ الْمَالِ شَرْطُهُ مِنَ الرِّبْحِ، ثُمَّ يَكُونُ لِلَّذِي عَمِلَ شَرْطُهُ بِمَا بَقِيَ مِنَ الْمَالِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص (عامل) کے حوالے سے فرمایا جس نے کسی شخص سے مضاربت کے لیے کچھ مال لیا تھا، پھر اپنے ساتھی (ربُّ الـمال) کی اجازت کے بغیر اسے کسی اور شخص کے سپرد کر دیا تو اس (دوسرے عامل) نے اس میں مضاربت کے طور پر کام (اور کاروبار) کیا (تو امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ) بلاشبہ وہ عامل اس مال کا ضامن ہوگا۔ (اگر وہ یہ کام نہ کرتا تو یہ مال محض امانت تھا، اس کے ضائع ہو جانے پر کوئی چٹی نہ پڑتی لیکن مذکورہ صورت میں یہ عامل زیادتی کا مرتکب ہوا ہے کہ بلا اجازت کسی اور عامل کے سپرد کر دیا، اس لیے) بلاشبہ اگر (مال میں) کمی واقع ہوئی تو اس (پہلے عامل) پر نقصان کا تاوان ہے، اور اگر نفع ملے تو ربُّ الْمال کو اپنی شرط کے مطابق نفع سے حصہ ملے گا۔ (پہلے اسے رَأسُ الْمال واپس کیا جائے گا، پھر اسے نفع میں سے طے شدہ حصہ ملے گا) پھر جو مال باقی بچے گا (یعنی پہلے عامل کو نفع میں سے جو حصہ ملے گا) اس میں سے اس شخص (دوسرے عامل) کو اپنی شرط کے مطابق ملے گا۔

فائدہ:......مثلاً مالی مضاربت کی اصل مقدار دس ہزار تھی جس میں نصف نصف نفع طے کیا گیا، عامل نے وہی دس ہزار کسی اور عامل کو نصف نصف نفع طے کر کے دے دیا تو جب مال تقسیم ہوگا تو سب سے پہلے اصل مالک کو دس ہزار واپس ملے گا، پھر کل نفع کا نصف بھی اسے ملے گا اور جو باقی نصف بچے گا وہ دوسرے عامل کو مل جائے گا اور پہلا عامل خالی ہاتھ رہ جائے گا، کیونکہ نفع کا ایک نصف ربُّ الْـمال کو ملنا تھا اور دوسرا نصف دوسرے عامل کو ملنا تھا۔ ہاں اگر پہلے عامل نے دوسرے عامل کو چوتھائی نفع دینے کی بات کی ہو تو پھر نفع کے کل چار حصے کریں گے، دو حصے ربُّ الْـمـال کو مل جائیں گے، ایک حصہ دوسرے کو مل جائے گا اور باقی ماندہ ایک حصہ پہلے عامل کو مل جائے گا۔

قَالَ مَالِكٌ فِي رَجُلٍ تَعَدَّى فَتَسَلَّفَ مِمَّا بِيَدَيْهِ مِنَ الْقِرَاضِ مَالاً، فَابْتَاعَ بِهِ سِلْعَةً لِنَفْسِهِ. قَالَ مَالِكٌ: إِنْ رَبِحَ فَالرِّبْحُ عَلَى شَرْطِهِمَا فِي الْقِرَاضِ، وَإِنْ نَقَصَ فَهُوَ ضَامِنٌ لِلنُّقْصَانِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جس نے قصور (اور حد سے تجاوز) کیا اور اس کے ہاتھ میں جو مالِ مضاربت تھا اس میں کسی مال کے لیے بیع سلف کر لی اور اس کے بدلے اپنے لیے کوئی سامان خرید لیا (یعنی مالِ مضاربت والے پیسے بیع سلف میں لگاتے ہوئے کسی اور شخص کو پیشگی رقم ادا کر دی اور متعین مدت کے بعد متعین سامان لینا طے کر لیا) امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر نفع ہو تو ان دونوں کی مضاربت والی شرط کے مطابق نفع تقسیم ہوگا اور اگر نقصان ہوا تو وہ عامل اس نقصان کا ضامن ہوگا۔

قَالَ مَالِكٌ فِي رَجُلٍ دَفَعَ إِلَى رَجُلٍ مَالاً قِرَاضاً، فَاسْتَسْلَفَ مِنْهُ الْمَدْفُوعُ إِلَيْهِ الْمَالُ مَالاً، وَاشْتَرَى بِهِ سِلْعَةً لِنَفْسِهِ: إِنَّ صَاحِبَ الْمَالِ بِالْخِيَارِ، إِنْ شَاءَ شَرِكَهُ فِي السِّلْعَةِ عَلَى قِرَاضِهَا، وَإِنْ شَاءَ خَلَّى بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا وَأَخَذَ مِنْهُ رَأْسَ الْمَالِ كُلَّهُ، وَكَذَلِكَ يُفْعَلُ بِكُلِّ مَنْ تَعَدَّى.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کی بابت فرمایا جس نے کسی آدمی کو کچھ مال مضاربت کے لیے دے دیا، پھر وہ مال جس عامل کے سپرد کیا گیا تھا اس نے اسی ربُّ المال سے کوئی مال ادھار مانگ لیا اور اس کے عوض اپنے لیے کوئی مال خرید لیا (گویا ربُّ المال نے پہلے مال مضاربت دیا، پھر قرضہ بھی دے دیا) تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: بلاشبہ ربُّ المال کو اختیار حاصل ہے، اگر چاہے تو مضاربت والی شرط ہی کے مطابق اسی عامل کو اس سامان میں اپنا شریک بنالے (مضاربت قائم رکھے اور یہ قرضے والا سامان بھی مضاربت کے سلسلے میں شمار کرلے) اور اس سے اپنا رَأسُ الْمال واپس لے لے اور ہر اس شخص کے ساتھ ایسا ہی کیا جائے گا جس نے کوئی قصور کیا اور حد سے تجاوز کیا۔

9- بَابُ مَا يَجُوزُ مِنَ النَّفَقَةِ فِي الْقِرَاضِ

مال مضاربت میں (عامل کے لیے) جائز خرچے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاویٰ مذکور ہیں۔

قَالَ يَحْيَى: قَالَ مَالِكٌ فِي رَجُلٍ دَفَعَ إِلَى رَجُلٍ مَالاً قِرَاضاً: إِنَّهُ إِذَا كَانَ الْمَالُ كَثِيراً يَحْمِلُ النَّفَقَةَ، فَإِذَا شَخَصَ فِيهِ الْعَامِلُ، فَإِنَّ لَهُ أَنْ يَأْكُلَ مِنْهُ وَيَكْتَسِيَ بِالْمَعْرُوفِ مِنْ قَدْرِ الْمَالِ، وَيَسْتَأْجِرَ مِنَ الْمَالِ إِذَا كَانَ كَثِيراً لَا يَقْوَى عَلَيْهِ بَعْضَ مَنْ يَكْفِيهِ بَعْضَ مَؤُونَتِهِ، وَمِنَ الأَعْمَالِ أَعْمَالٌ لَا يَعْمَلُهَا الَّذِي يَأْخُذُ الْمَالَ، وَلَيْسَ مِثْلُهُ يَعْمَلُهَا مِنْ ذَلِكَ تَقَاضِي الدَّيْنِ، وَنَقْلُ الْمَتَاعِ وَشَدُّهُ، وَأَشْبَاهُ ذَلِكَ، فَلَهُ أَنْ يَسْتَأْجِرَ مِنَ الْمَالِ مَنْ يَكْفِيهِ ذَلِكَ، وَلَيْسَ لِلْمُقَارِضِ أَنْ يَسْتَنْفِقَ مِنَ الْمَالِ وَلَا يَكْتَسِيَ مِنْهُ، مَا كَانَ مُقِيماً فِي أَهْلِهِ، إِنَّمَا

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جس نے کسی آدمی کو مضاربت کے لیے کچھ مال دیا، تو بلاشبہ جب مالِ مضاربت زیادہ ہو (اس میں سے کیے جانے والے) خرچے کو برداشت کرسکتا ہو، تو جب وہ عامل اس (مال کے تجارتی معاملات) میں سفر پر جائے گا تو بلاشبہ اس کے لیے جائز ہے کہ مال کی مقدار کے حساب سے معروف طریقے کے مطابق اسی میں سے (خرید کر) کھا لے اور کپڑا بنا لے اور وہ اس مال میں سے اجرت پر بھی رکھ سکتا ہے (بشرطیکہ) جب وہ (مال اس قدر) زیادہ ہو کہ وہ خود اس پر (یعنی اسے سنبھالنے کی) طاقت نہیں رکھتا، (تو وہ) کسی ایسے شخص کو (اجرت پر لے لے) جو مال کی کچھ مشقت میں اسے کفایت کرے (اور اس کا ہاتھ بٹائے) اور کاموں میں سے

يَجُوزُ لَهُ النَّفَقَةُ إِذَا شَخَصَ فِي الْمَالِ، وَكَانَ الْمَالُ يَحْمِلُ النَّفَقَةَ، فَإِنْ كَانَ إِنَّمَا يَتَّجِرُ فِي الْمَالِ فِي الْبَلَدِ الَّذِي هُوَ بِهِ مُقِيمٌ، فَلا نَفَقَةَ لَهُ مِنَ الْمَالِ وَلا كِسْوَةَ.

کچھ کام ایسے ہیں جنھیں (مضاربت پر) مال لینے والا نہیں کرتا اور اس جیسا (کوئی اور) شخص بھی انھیں نہیں کرسکتا، انھی میں سے (کچھ کی تفصیل یہ) ہے: قرضے وصول کرنا، سامان منتقل کرنا، اسے باندھنا (پیک کرنا) اور ان جیسے کچھ اور کام (بھی ہیں) لہٰذا عامل کے لیے جائز ہے کہ (اصل) مال میں سے (خرچ کرتے ہوئے) کسی ایسے شخص کو کرایہ پر رکھ لے جو ان کاموں میں اسے کافی ہو۔ مقارض (یعنی عامل) کے لیے جائز نہیں کہ وہ (اصل) مال میں سے (اس وقت کھانے پینے پر) خرچ کرے اور کپڑے بنائے جب وہ اپنے گھر ہی میں مقیم ہو۔ بلاشبہ یہ خرچ کرنا اس کے لیے صرف اس وقت جائز ہے جب وہ مال (کے سلسلے) میں سفر پر جائے اور (دوسری شرط یہ ہے کہ) وہ مال اس خرچ کو برداشت بھی کرسکتا ہو۔ چنانچہ اگر وہ اس مال میں صرف اور صرف اس شہر میں تجارت کرتا رہا ہو جہاں وہ مقیم ہے تو اس کے لیے نہ تو اس مال سے (کھانے پینے کا) خرچہ جائز ہے اور نہ ہی کپڑے پہننا (درست ہے)۔

فائدہ: ...... "تَقَاضِي الدَّين" کا مطلب ہے قرضداروں اور ادھار خریداری کرنے والوں کے پاس جاکر قرض وصول کرنا، اگر آدمی خود یہ کام کرنے میں مصروف ہو جائے تو دکان نہیں چلتی اسی لیے ملازم رکھنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔

قَالَ مَالِكٌ فِي رَجُلٍ دَفَعَ إِلَى رَجُلٍ مَالاً قِرَاضاً، فَخَرَجَ بِهِ وَبِمَالِ نَفْسِهِ قَالَ: يَجْعَلُ النَّفَقَةَ مِنَ الْقِرَاضِ وَمِنْ مَالِهِ عَلَى قَدْرِ حِصَصِ الْمَالِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے حوالے سے فرمایا جس نے کسی آدمی کو مضاربت کے لیے کچھ مال دیا، چنانچہ وہ (عامل) اس (مالِ مضاربت) کے ساتھ اور اپنے ذاتی مال کے ساتھ (تجارت کے لیے) نکل کھڑا ہوا (تو امام مالک رحمہ اللہ نے) فرمایا: وہ مال مضاربت میں سے بھی اور اپنے ذاتی مال میں سے بھی (خرچ کرے اور دونوں قسم کے) مال کے حصوں کی مقدار کا حساب لگا کر خرچ کرلے۔

فائدہ: ...... مال مضاربت اور ذاتی مال دونوں برابر ہوں تو اپنے کھانے پینے اور پہننے کا خرچ دونوں میں نصف نصف شمار کرے اور اگر کم وبیش ہوں تو اس حساب سے شمار کرے ...... دراصل اس خرچ کو مال میں شمار کرنے کا فائدہ عامل کو یہ ملتا ہے کہ رَأْسُ الْمال کی مقدار کم ہو جاتی ہے کیونکہ یہ خرچ رَأْسُ الْمال میں شامل کیا جاتا ہے اور باقی سارا مال نفع شمار ہوکر تقسیم ہوتا ہے۔ اگر اسے رَأْسُ الْمال میں شامل نہ کیا جائے بلکہ عامل کے نفع والے حصے میں شامل کریں تو عامل کا حصہ کم ہو جائے گا کیونکہ اس کا کافی نفع ان خرچوں میں استعمال شدہ تسلیم کرنا پڑے گا۔ اسی سبب سے یہ وضاحت کی گئی ہے کہ کون کون سا خرچہ کس کس کے ذمہ پڑے گا تاکہ بعد میں جھگڑا یا حق تلفی کی صورت پیدا نہ ہو۔

10- بَابُ مَالَا يَجُوزُ مِنَ النَّفَقَةِ فِي الْقِرَاضِ

مالِ مضاربت میں ناجائز خرچوں کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ مذکور ہے۔

قَالَ يَحْيَى : قَالَ مَالِكٌ فِي رَجُلٍ مَعَهُ مَالٌ قِرَاضٌ فَهُوَ يَسْتَنْفِقُ مِنْهُ وَيَكْتَسِي : إِنَّهُ لَا يَهَبُ مِنْهُ شَيْئاً، وَلَا يُعْطِي مِنْهُ سَائِلاً وَلَا غَيْرَهُ، وَلَا يُكَافِئُ فِيهِ أَحَداً، فَأَمَّا إِنِ اجْتَمَعَ هُوَ وَقَوْمٌ، فَجَاؤُوا بِطَعَامٍ، وَجَاءَ هُوَ بِطَعَامٍ، فَأَرْجُو أَنْ يَكُونَ ذَلِكَ وَاسِعاً، إِذَا لَمْ يَتَعَمَّدْ أَنْ يَتَفَضَّلَ عَلَيْهِمْ، فَإِنْ تَعَمَّدَ ذَلِكَ، أَوْ مَا يُشْبِهُهُ بِغَيْرِ إِذْنِ صَاحِبِ الْمَالِ، فَعَلَيْهِ أَنْ يَتَحَلَّلَ ذَلِكَ مِنْ رَبِّ الْمَالِ، فَإِنْ حَلَّلَهُ ذَلِكَ فَلَا بَأْسَ بِهِ، وَإِنْ أَبَى أَنْ يُحَلِّلَهُ فَعَلَيْهِ أَنْ يُكَافِئَهُ بِمِثْلِ ذَلِكَ، إِنْ كَانَ ذَلِكَ شَيْئاً لَهُ مُكَافَأَةٌ.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کی بابت فرمایا جس کے ہمراہ مالِ مضاربت ہو اور وہ اس میں سے کھانے، پینے کا خرچہ بھی کرتا ہو اور کپڑے بھی بناتا ہو تو بلاشبہ وہ اس میں سے نہ کچھ ہبہ کرسکتا ہے، نہ کسی سائل یا کسی اور (حاجت مند) کو اس میں سے دے سکتا ہے اور نہ ہی اس میں سے کسی کو (اس کے) احسان کا بدلہ دے سکتا ہے۔ رہی یہ صورت کہ اگر وہ (عامل) اور کچھ لوگ (کہیں) اکٹھے ہوں، وہ سب بھی کھانا لے آئیں اور یہ بھی اپنا کھانا لے آیا تو مجھے امید ہے کہ اس کی گنجائش ہے (بشرطیکہ) جب وہ (دیدہ و دانستہ، جان بوجھ کر) یہ قصد نہ کرے کہ ان پر احسان کرے (اور عمداً ان سے زیادہ کھانا لے آئے)، چنانچہ اگر اس نے جان بوجھ کر ایسا کیا یا ربُّ المال کی اجازت کے بغیر اسی طرح کا کوئی کام کیا (اور راس المال میں سے کوئی اضافی خرچہ کر ڈالا) تو اس پر لازم ہے کہ رب المال سے اسے معاف کروائے، چنانچہ اگر تو وہ اسے معاف کردے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور اگر وہ معاف کرنے سے انکار کردے تو اس پر لازم ہے کہ اس (رب المال) کو اس (خرچ کیے ہوئے مال) کی مثل بدلہ دے جب کہ وہ ایسی چیز ہو جس کا بدلہ دیا جاسکتا ہو۔

فائدہ: ...... اور بدلہ صرف اس عمل کا ہوتا ہے جو بطور احسان کیا جائے اور دوسروں کی نسبت زیادہ دیا جائے۔ چنانچہ اگر کسی کے دیے ہوئے بدلے میں اس کی نسبت تھوڑا خرچ کیا جائے تو یہ بدلہ شمار نہ ہوگا لہٰذا وہ حساب کتاب میں شمار نہ ہوگا۔

11- بَابٌ : الدَّيْنُ فِي الْقِرَاضِ

مضاربت میں قرض (کے بدلے مالِ مضاربت بیچنے) کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاویٰ مذکور ہیں۔

قَالَ يَحْيَى : قَالَ مَالِكٌ : الأَمْرُ الْمُجْتَمَعُ عَلَيْهِ عِنْدَنَا فِي رَجُلٍ دَفَعَ إِلَى رَجُلٍ مَالاً قِرَاضاً، فَاشْتَرَى بِهِ سِلْعَةً، ثُمَّ بَاعَ السِّلْعَةَ بِدَيْنٍ، فَرَبِحَ فِي الْمَالِ، ثُمَّ هَلَكَ الَّذِي أَخَذَ الْمَالَ قَبْلَ أَنْ يَقْبِضَ الْمَالَ، قَالَ إِنْ أَرَادَ وَرَثَتُهُ أَنْ يَقْبِضُوا ذَلِكَ الْمَالَ وَهُمْ عَلَى شَرْطِ أَبِيهِمْ مِنَ الرِّبْحِ، فَذَلِكَ لَهُمْ إِذَا كَانُوا أُمَنَاءَ عَلَى ذَلِكَ، فَإِنْ كَرِهُوا أَنْ يَقْتَضُوهُ وَخَلَّوْا بَيْنَ صَاحِبِ الْمَالِ وَبَيْنَهُ، لَمْ يُكَلَّفُوا أَنْ يَقْتَضُوهُ وَلَا شَيْءَ عَلَيْهِمْ، وَلَا شَيْءَ لَهُمْ إِذَا أَسْلَمُوهُ إِلَى رَبِّ الْمَالِ، فَإِنِ اقْتَضَوْهُ، فَلَهُمْ فِيهِ مِنَ الشَّرْطِ وَالنَّفَقَةِ، مِثْلُ مَا كَانَ لأَبِيهِمْ فِي ذَلِكَ، هُمْ فِيهِ بِمَنْزِلَةِ أَبِيهِمْ، فَإِنْ لَمْ يَكُونُوا أُمَنَاءَ عَلَى الْمَالِ، فَإِنَّ لَهُمْ أَنْ يَأْتُوا بِأَمِينٍ ثِقَةٍ، فَيَقْتَضِي ذَلِكَ الْمَالَ، فَإِذَا اقْتَضَى جَمِيعَ الْمَالِ، وَجَمِيعَ الرِّبْحِ، كَانُوا فِي ذَلِكَ بِمَنْزِلَةِ أَبِيهِمْ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں اس حکم پر اجماع ہے کہ وہ آدمی جس نے کسی شخص کو مضاربت کے لیے کچھ مال دیا، پھر اس (عامل) نے اس (مال) کے ساتھ کوئی سامان خرید لیا، پھر وہ سامان قرض کے ساتھ (یعنی ادھار) بیچ دیا اور اسے مال میں نفع حاصل ہوگیا۔ پھر جس شخص نے (مضاربت کے لیے) مال لیا تھا (یعنی عامل)، وہ مال قبض کرنے (اور ادھار وصول کرنے) سے پہلے فوت ہوگیا، امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر اس کے وارث (لڑکے، اس میت کے قائم مقام بن کر) اس مال کو قبض کرنا چاہیں، اس حال میں کہ نفع کے معاملے میں وہ اپنے باپ کی شرط ہی پر قائم رہیں تو یہ ان کے لیے جائز ہے (بشرطیکہ) جب وہ قابل اعتبار ہوں (اور کاروبار وغیرہ کی سوجھ بوجھ رکھتے ہوں) اور اگر وہ اس مال کا (مقروض سے) تقاضا کرنا ناپسند جانیں اور ربُّ المال اور مقروض کو اکٹھا چھوڑ دیں (اور خود درمیان میں سے نکل جائیں) تو انھیں اس بات کا مکلف (اور پابند) نہ کیا جائے گا کہ وہ اس (ادھار) کا تقاضا کریں، نہ ان پر کوئی چیز (تاوان اور چٹی) ہوگی اور نہ ان کے لیے (نفع جیسی) کوئی چیز ہوگی، جب کہ وہ اس (مقروض) کو ربُّ المال کے سپرد کردیں۔ اگر پہلی صورت کے مطابق وہ اس (مقروض سے مضاربت والے، ادھار دیے ہوئے) مال کا تقاضا کریں (اور اپنے باپ کے قائم مقام بن جائیں) تو ان کے لیے اس میں اسی طرح (نفع میں حصہ) کی شرط اور خرچہ (بحال اور جائز) ہوں گے جس طرح کہ وہ ان کے باپ کے لیے اس مال میں (مقرر) تھے۔ وہ اس میں اپنے باپ ہی کے مقام پر ہوں گے، پھر اگر وہ قابل اعتبار نہ ہوں (یہ خطرہ اور اندیشہ ہو کہ وہ ناتجربہ کاری کی وجہ سے مال وصول نہ کر پائیں گے) تو ان پر لازم ہے کہ وہ کسی امانت دار اور معتبر شخص کو لائیں جو (مقروض کے پاس جا کر ادھار دیے ہوئے) اس مال کو وصول کرے۔ پھر جب وہ (تجربہ کار اور معتبر شخص) تمام مال اور تمام نفع اکٹھا کرلے تو وہ (ورثاء) اس میں اپنے باپ ہی کے مقام پر ہوں گے۔

فائدہ: ......الغرض عامل کی موت سے مضاربت ختم نہیں ہوجاتی بلکہ اس کے ورثاء پر منحصر ہے کہ چاہیں

تو گزشتہ شرائط کے مطابق خود عامل بن جائیں اور باپ والا نفع کمالیں اور چاہیں تو اس جھنجھٹ میں نہ پڑیں، نہ مضاربت کریں اور نہ نفع لیں بلکہ ربُّ المال سے کہہ دیں کہ تم خود ہی سارا معاملہ سنبھال لو اور سارا نفع بھی خود ہی رکھ لو۔

قَالَ مَالِكٌ فِي رَجُلٍ دَفَعَ إِلَى رَجُلٍ مَالاً قِرَاضاً عَلَى أَنَّهُ يَعْمَلُ فِيهِ، فَمَا بَاعَ بِهِ مِنْ دَيْنٍ فَهُوَ ضَامِنٌ لَهُ، إِنَّ ذَلِكَ لَازِمٌ لَهُ إِنْ بَاعَ بِدَيْنٍ فَقَدْ ضَمِنَهُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جس نے کسی شخص کو کچھ مالِ مضاربت اس شرط پر دیا کہ وہ اس میں محنت (اور کاروبار) کرے گا، پھر (اس میں سے) جسے قرضے کی صورت میں بیچے گا وہ اس کا ضامن ہوگا (یعنی یہ شرط کی کہ جو بیچے اسے نقد بیچے، ادھار کسی کو نہ دے، اگر ادھار دیا تو پھر خواہ ادھار واپس ملے یا نہ ملے عامل پر ضروری ہوگا کہ ادھار کے بقدر رقم پوری کرے، تو اس بارے میں امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا:) بلاشبہ یہ شرط اس پر لازم ہوگی، اگر اس نے قرض پر (کچھ) بیچا تو وہ اس کا ضامن ہوگا۔

12- بَابٌ: اَلْبِضَاعَةُ فِي الْقِرَاضِ

مضاربت میں بضاعت کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتوی مذکور ہے۔

فائدہ: ...... "بِضَاعَةٌ" کے لغوی معنی "سامان تجارت اور جمع پونجی" کے ہیں، لیکن یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ ایک فریق کی رقم ہو اور دوسرے کی محنت۔ پھر محنت کرنے والا محض اپنی محنت کی اجرت وصول کرے اور نفع میں سے کچھ حصہ نہ لے، گویا اس کی حیثیت ایک اجیر اور مزدور کی ہوتی ہے اور بضاعت سے "اجارہ" (اجرت پر دینا) ہی مراد ہے۔

قَالَ يَحْيَى: قَالَ مَالِكٌ فِي رَجُلٍ دَفَعَ إِلَى رَجُلٍ مَالاً قِرَاضاً، وَاسْتَسْلَفَ مِنْ صَاحِبِ الْمَالِ سَلَفاً، أَوِ اسْتَسْلَفَ مِنْهُ صَاحِبُ الْمَالِ سَلَفاً، أَوْ أَبْضَعَ مَعَهُ صَاحِبُ الْمَالِ بِضَاعَةً يَبِيعُهَا لَهُ، أَوْ بِدَنَانِيرَ يَشْتَرِي لَهُ بِهَا سِلْعَةً. قَالَ مَالِكٌ: إِنْ كَانَ صَاحِبُ الْمَالِ إِنَّمَا أَبْضَعَ مَعَهُ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ لَوْ لَمْ يَكُنْ مَالُهُ عِنْدَهُ، ثُمَّ سَأَلَهُ مِثْلَ ذَلِكَ فَعَلَهُ، لِإِخَاءِ بَيْنَهُمَا، أَوْ لِيَسَارَةِ مَئُونَةِ ذَلِكَ عَلَيْهِ، وَلَوْ

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کی بابت فرمایا جس نے کسی آدمی کو مضاربت کے لیے کچھ مال دیا اور (پھر) اس (عامل) نے ربُّ المال سے کچھ قرض لے لیا یا اس سے ربُّ المال نے کچھ قرض لے لیا یا ربُّ المال نے اس (عامل) کو بضاعت کے طور پر کچھ سامان تجارت دے دیا کہ جسے وہ (عامل) اس (ربُّ المال) کے لیے بیچے گا، یا کچھ دینار دیے جن کے ساتھ وہ اس کے لیے کوئی سامان خریدے گا۔ تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر تو ربُّ المال نے (اس ادھار یا بضاعت والے معاملے میں عامل کی

أَبَى ذَلِكَ عَلَيْهِ لَمْ يَنْزِعْ مَالَهُ مِنْهُ، أَوْ كَانَ الْعَامِلُ إِنَّمَا اسْتَسْلَفَ مِنْ صَاحِبِ الْمَالِ، أَوْ حَمَلَ لَهُ بِضَاعَتَهُ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ لَوْ لَمْ يَكُنْ عِنْدَهُ مَالُهُ فَعَلَ لَهُ مِثْلَ ذَلِكَ، وَلَوْ أَبَى ذَلِكَ عَلَيْهِ لَمْ يَرْدُدْ عَلَيْهِ مَالَهُ، فَإِذَا صَحَّ ذَلِكَ مِنْهُمَا جَمِيعاً، وَكَانَ ذَلِكَ مِنْهُمَا عَلَى وَجْهِ الْمَعْرُوفِ، وَلَمْ يَكُنْ شَرْطاً فِي أَصْلِ الْقِرَاضِ، فَذَلِكَ جَائِزٌ لَا بَأْسَ بِهِ، وَإِنْ دَخَلَ ذَلِكَ شَرْطٌ، أَوْ خِيفَ أَنْ يَكُونَ إِنَّمَا صَنَعَ ذَلِكَ الْعَامِلُ لِصَاحِبِ الْمَالِ، لِيُقِرَّ مَالَهُ فِي يَدَيْهِ، أَوْ إِنَّمَا صَنَعَ ذَلِكَ صَاحِبُ الْمَالِ، لِأَنْ يُمْسِكَ الْعَامِلُ مَالَهُ، وَلَا يَرُدَّهُ عَلَيْهِ، فَإِنَّ ذَلِكَ لَا يَجُوزُ فِي الْقِرَاضِ، وَهُوَ مِمَّا يَنْهَى عَنْهُ أَهْلُ الْعِلْمِ.

مجبوری سے فائدہ نہیں اٹھایا بلکہ) یہ بضاعت والا معاملہ اس کے ساتھ اس حال میں کیا ہے کہ وہ جانتا ہو کہ بے شک اگر اس (ربُّ الْمال) کا مالِ مضاربت اس (عامل) کے پاس نہ ہوتا پھر وہ اس سے اسی طرح کا (ادھار یا بضاعت والا) سوال کرتا تو وہ اسے سرانجام دے دیتا، آپس میں بھائی چارے (دوستی اور تعلق) کی بنا پر یا اس کام کی مشقت اس کے لیے آسان ہونے کی بنا پر (وہ یہ کام کر دیتا۔ یعنی اگر چہ پرانا تعلق اور دوستی نہ بھی ہوتی پھر بھی یہ کام چونکہ بالکل آسان تھا اس لیے وہ اس کی درخواست پر ادھار یا بضاعت پر تیار ہو جاتا۔) اور اگر وہ اس پر اس (ادھار یا بضاعت) کا انکار کر دیتا تو وہ (ربُّ الْمال) اس سے اپنا (مضاربت والا) مال واپس نہ لے لیتا یا (ربُّ الْمال) کی مجبوری سے بھی فائدہ نہیں اٹھایا گیا، چنانچہ) عامل نے ربُّ الْمال سے ادھار مانگا یا اس (ربُّ الْمال) کا بضاعت والا مال ذمے میں لے لیا، اس حال میں کہ وہ جانتا ہو کہ اگر اس کے پاس اس کا مال مضاربت نہ بھی ہوتا تو پھر بھی وہ اس کے لیے یہ کام کر دیتا (اور ادھار یا مضاربت پر تیار ہو جاتا) اور اگر وہ (ربُّ الْمال) اس پر اس (ادھار یا بضاعت) سے انکار کر دیتا تو وہ (عامل ناراض ہو کر) اس کا مال مضاربت اسے واپس نہ لوٹا دیتا۔ تو جب یہ (ادھار اور بضاعت) اکٹھے ان دونوں کی طرف سے صحیح ہوں اور ان دونوں سے یہ (عمل) معروف طریقے کے مطابق ہو اور یہ عقد مضاربت میں شرط نہ ہو تو یہ جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور اگر اس (عقد مضاربت) میں (ادھار یا بضاعت کی) کوئی شرط داخل ہو گئی یا یہ اندیشہ ہوا کہ عامل نے ربُّ الْمال کے لیے یہ کام صرف اس لیے کیا ہے کہ وہ (رب المال) اپنا مال مضاربت اس کے پاس برقرار رہنے دے (یعنی عامل کی مجبوری سے فائدہ اٹھایا جا رہا ہے) یا رب المال نے یہ کام اس لیے کیا ہے کہ عامل اس کا مال مضاربت اپنے پاس روکے رکھے اور اسے واپس نہ لوٹائے (یعنی یہ اندیشہ ہو کہ عامل، رب المال کی مجبوری سے فائدہ اٹھا رہا ہے) تو پھر بلاشبہ یہ (ادھار و بضاعت) مضاربت میں ناجائز ہیں، اور یہ بھی انھی امور میں سے ہے جن سے اہل علم منع فرماتے ہیں۔

فائدہ :...... کیونکہ اس صورت میں یہ شرط ایک زائد نفع کی حیثیت رکھے گی جسے ربُّ الْمال یا عامل

حاصل کرنا چاہے گا اور یہ عمل ممنوع ہے نیز اس صورت میں یہ بضاعت والا معاملہ اجرت سے متعلقہ ہے اور اجرت کی تعیین نہیں کی جاتی۔ اس لیے اس عقد میں جہالت شامل ہوجاتی ہے۔

13- بَابٌ: اَلسَّلَفُ فِي الْقِرَاضِ

مضاربت میں ادھار (کے حیلے) کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاوی مذکور ہیں۔

قَالَ يَحْيَى: قَالَ مَالِكٌ فِي رَجُلٍ أَسْلَفَ رَجُلاً مَالاً، ثُمَّ سَأَلَهُ الَّذِي تَسَلَّفَ الْمَالَ أَنْ يُقِرَّهُ عِنْدَهُ قِرَاضاً قَالَ مَالِكٌ: لَا أُحِبُّ ذَلِكَ، حَتَّى يَقْبِضَ مَالَهُ مِنْهُ، ثُمَّ يَدْفَعَهُ إِلَيْهِ قِرَاضاً إِنْ شَاءَ أَوْ يُمْسِكَهُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جس نے کسی شخص کو کچھ مال ادھار دیا۔ پھر جس نے وہ مال ادھار لیا تھا اس نے (مالک) سے یہ سوال کیا کہ وہ اس مال کو اسی کے پاس مضاربت کے طور پر رہنے دے تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں اسے پسند نہیں کرتا، یہاں تک کہ وہ (اصل مالک) اپنا مال اس (مقروض) سے (واپس) قبضے میں لے لے، پھر (اس کے بعد چاہے تو) اسے وہ مال (مضاربت کے لیے) سپرد کردے یا (چاہے تو اپنے پاس ہی) روکے رکھے۔

فائدہ:..... پیچھے باب: 3 میں یہی مسئلہ اور اس کی ممانعت کا سبب بیان ہوچکا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ فِي رَجُلٍ دَفَعَ إِلَى رَجُلٍ مَالاً قِرَاضاً، فَأَخْبَرَهُ أَنَّهُ قَدِ اجْتَمَعَ عِنْدَهُ، وَسَأَلَهُ أَنْ يَكْتُبَهُ عَلَيْهِ سَلَفاً، قَالَ: لَا أُحِبُّ ذَلِكَ حَتَّى يَقْبِضَ مِنْهُ مَالَهُ، ثُمَّ يُسَلِّفَهُ إِيَّاهُ إِنْ شَاءَ، أَوْ يُمْسِكَهُ، وَإِنَّمَا ذَلِكَ مَخَافَةَ أَنْ يَكُونَ قَدْ نَقَصَ فِيهِ، فَهُوَ يُحِبُّ أَنْ يُؤَخِّرَهُ عَنْهُ، عَلَى أَنْ يَزِيدَهُ فِيهِ مَا نَقَصَ مِنْهُ، فَذَلِكَ مَكْرُوهٌ، وَلَا يَجُوزُ وَلَا يَصْلُحُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جس نے کسی آدمی کو کچھ مال مضاربت کے لیے دیا پھر اس (عامل) نے اسے (یعنی ربُّ المال کو) یہ خبر دی کہ یقیناً اس کے پاس وہ (مالِ مضاربت نفع سمیت) جمع ہوچکا ہے اور (پھر ساتھ ہی) وہ یہ سوال کرے کہ وہ (ربُّ المال) اس مال کو اس کے ذمے بطور ادھار لکھ دے تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: میں اسے پسند نہیں کرتا، یہاں تک کہ وہ اپنا مال اس سے وصول کرے پھر اگر وہ چاہے تو اسے وہ مال ادھار دے دے یا (چاہے تو اپنے پاس ہی) روکے رکھے (اور ادھار نہ دے)......اور بلاشبہ یہ (ممانعت) اس اندیشے کی وجہ سے ہے کہ مالِ مضاربت میں کوئی نقصان ہوگیا ہوگا اور وہ عامل یہ چاہتا ہے کہ وہ (ربُّ المال) اس مال (کی وصولی) کو اس سے مؤخر کردے، اس شرط پر کہ وہ اس میں وہ اضافہ کرسکے جو اب اس میں کم ہوگیا ہے، تو یہ عمل مکروہ ہے جائز نہیں ہے، درست نہیں ہے۔

فائدہ: ......یعنی یہ محض ایک حیلہ ہے، نیز یہ ایسا قرض ہوگا جس سے کسی نفع کا حصول مقصود ہے اور اسی طرح یہ ادھار کو ادھار سے فسخ کرنے کی صورت ہے جس طرح کہ ادھار کی ادھار سے بیع ہوتی ہے کیونکہ وہ اب بھی ادھار مال لینا چاہتا ہے اس مال کے بدلے جو پہلے ہی اس کے ذمے ادھار تھا۔

14- بَابٌ: اَلْمُحَاسَبَةُ فِي الْقِرَاضِ

مضاربت (کے اخیر) میں حساب کرنے کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کے پانچ فتاوی جات مذکور ہیں۔

قَالَ يَحْيَى: قَالَ مَالِكٌ فِي رَجُلٍ دَفَعَ إِلَى رَجُلٍ مَالاً قِرَاضاً، فَعَمِلَ فِيهِ فَرَبِحَ، فَأَرَادَ أَنْ يَأْخُذَ حِصَّتَهُ مِنَ الرِّبْحِ، وَصَاحِبُ الْمَالِ غَائِبٌ قَالَ: لَا يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَأْخُذَ مِنْهُ شَيْئاً، إِلَّا بِحَضْرَةِ صَاحِبِ الْمَالِ، وَإِنْ أَخَذَ شَيْئاً فَهُوَ لَهُ ضَامِنٌ حَتَّى يُحْسَبَ مَعَ الْمَالِ إِذَا اقْتَسَمَاهُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کی بابت فرمایا جس نے کسی آدمی کو کچھ مال مضاربت کی خاطر دیا، اس نے اس میں عمل کیا اور نفع کمالیا۔ پھر اس نے یہ چاہا کہ نفع میں سے اپنا حصہ (پہلے ہی) لے لے، اس حال میں کہ ربُّ المال موجود نہ ہو، تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ (اس میں سے) کچھ لے، مگر صرف اور صرف ربُّ المال کی موجودگی میں (ایسا کرسکتا ہے)، چنانچہ اگر اس نے (بغیر بتائے) کچھ لے لیا تو وہ اس کا ضامن ہوگا، یہاں تک کہ جب وہ نفع تقسیم کریں گے تو اسے اصل مال کے ساتھ شمار کیا جائے گا۔

فائدہ: ......اگرچہ وہ نفع اسی کو ملنا ہو لیکن اس نے غلط طریقے سے اسے حاصل کیا ہے......پھر تقسیم سے پہلے ہی وہ اس کے نفع والا مال ضائع ہوگیا تو بوقت تقسیم اس کا بھی حساب ہوگا اور عامل کے حصے سے اس کی کٹوتی ہوگی۔ اگر اس نے اپنے حصے کا نفع شمار کرنے کی نیت نہ کی ہوتی اور قبل از تقسیم وہ ضائع ہوجاتا تو پھر وہ مشترکہ طور پر ضائع شمار ہوتا جبکہ مذکورہ صورت میں صرف عامل پر اس کی چٹی پڑی ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: لَا يَجُوزُ لِلْمُتَقَارِضَيْنِ أَنْ يَتَحَاسَبَا وَيَتَفَاصَلَا وَالْمَالُ غَائِبٌ عَنْهُمَا، حَتَّى يَحْضُرَ الْمَالُ، فَيَسْتَوْفِي صَاحِبُ الْمَالِ رَأْسَ مَالِهِ، ثُمَّ يَقْتَسِمَانِ الرِّبْحَ عَلَى شَرْطِهِمَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: مضاربت کا معاملہ کرنے والے دونوں شخصوں کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس حال میں ایک دوسرے سے حساب کریں اور (حساب کرکے) ایک دوسرے سے الگ ہوں (اور مضاربت کا اس حال میں اختتام کریں) کہ مالِ مضاربت ان دونوں سے غائب ہو، (یہ ممانعت قائم رہے گی) یہاں تک کہ وہ مال حاضر ہوجائے، پھر ربُّ المال اپنا پورا راس المال وصول کرلے، پھر وہ

(طے کردہ حصوں کے مطابق) اپنی شرط کے مطابق نفع کو تقسیم کرلیں۔

فائدہ :...... جب تک صحیح طریقے سے تقسیم نہ ہو جائے تب تک عامل اپنے نفع والے حصے کا مالک نہیں بن سکتا۔

قَالَ مَالِكٌ فِي رَجُلٍ أَخَذَ مَالاً قِرَاضاً، فَاشْتَرَى بِهِ سِلْعَةً، وَقَدْ كَانَ عَلَيْهِ دَيْنٌ، فَطَلَبَهُ غُرَمَاؤُهُ فَأَدْرَكُوهُ بِبَلَدٍ غَائِبٍ عَنْ صَاحِبِ الْمَالِ، وَفِي يَدَيْهِ عَرْضٌ مُرْبَحٌ بَيِّنٌ فَضْلُهُ، فَأَرَادُوا أَنْ يُبَاعَ لَهُمُ الْعَرْضُ، فَيَأْخُذُوا حِصَّتَهُ مِنَ الرِّبْحِ. قَالَ: لَا يُؤْخَذُ مِنْ رِبْحِ الْقِرَاضِ شَيْءٌ حَتَّى يَحْضُرَ صَاحِبُ الْمَالِ، فَيَأْخُذَ مَالَهُ، ثُمَّ يَقْتَسِمَانِ الرِّبْحَ عَلَى شَرْطِهِمَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے حوالے سے فرمایا جس نے کچھ مال مضاربت کے طور پر لیا، پھر اس نے اس کے ساتھ کوئی سامان خرید لیا، اس حال میں کہ اس پر (اور لوگوں کا) قرض تھا، تو اس کے قرض خواہوں نے اس کو ڈھونڈا اور اسے کسی شہر میں اس حالت میں پایا کہ وہ (مضاربت کا مال دینے والے) ربُّ المال سے غائب تھا اور اس کے پاس (مالِ مضاربت کا) ایسا سامان تھا جس میں نفع ہو چکا تھا اور اس کا بڑھ جانا واضح تھا، چنانچہ انھوں نے چاہا کہ اس سامان کو ان (قرض خواہوں) کے لیے بیچ دیا جائے تو وہ نفع میں سے (ملنے والے) اس (مقروض عامل) کے حصے کو حاصل کرلیں، امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: مضاربت کے نفع میں سے کچھ بھی نہ لیا جائے یہاں تک کہ ربُّ المال حاضر ہو، پھر وہ اپنا اصل مال وصول کرلے، پھر وہ دونوں اپنی شرط کے مطابق نفع تقسیم کرلیں۔

قَالَ مَالِكٌ فِي رَجُلٍ دَفَعَ إِلَى رَجُلٍ مَالاً قِرَاضًا فَتَجَرَ فِيهِ فَرَبِحَ، ثُمَّ عَزَلَ رَأْسَ الْمَالِ وَقَسَمَ الرِّبْحَ، فَأَخَذَ حِصَّتَهُ، وَطَرَحَ حِصَّةَ صَاحِبِ الْمَالِ فِي الْمَالِ، بِحَضْرَةِ شُهَدَاءَ أَشْهَدَهُمْ عَلَى ذَلِكَ. قَالَ: لَا تَجُوزُ قِسْمَةُ الرِّبْحِ إِلَّا بِحَضْرَةِ صَاحِبِ الْمَالِ، وَإِنْ كَانَ أَخَذَ شَيْئاً رَدَّهُ حَتَّى يَسْتَوْفِيَ صَاحِبُ الْمَالِ رَأْسَ مَالِهِ، ثُمَّ يَقْتَسِمَانِ مَا بَقِيَ بَيْنَهُمَا عَلَى شَرْطِهِمَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جس نے کسی آدمی کو مضاربت کے لیے کچھ مال دیا تو اس (عامل) نے اس میں تجارت کی اور نفع پالیا، پھر اس نے گواہوں کی موجودگی میں رَأْسُ الْمَال (اصل مالِ مضاربت) کو الگ کیا اور نفع تقسیم کرکے اپنا حصہ لے لیا اور ربُّ المال کا حصہ (دوبارہ) اصل مال میں ڈال دیا، (اور) اس نے ان گواہوں کو اس پر گواہ بنالیا، تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ نفع کی تقسیم ربُّ المال کی موجودگی کے بغیر جائز ہی نہیں اور اگر اس نے کوئی چیز لے لی ہو تو وہ اسے واپس لوٹائے۔ یہاں تک کہ ربُّ المال اپنا رَأْسُ المال پورا پورا وصول کرلے، پھر جو باقی بچ جائے وہ دونوں اسے اپنی شرط کے

مطابق بانٹ لیں۔

فائدہ :......وہ عامل جب بغیر ربُّ الـمال کے اپنے حصے کو الگ کرتا ہے تو اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ میں اس کا مالک بن جاؤں اور اس میں آگے جتنا کاروبار ہو، وہ مستقل طور پر میرا ہو اور اس میں ربُّ الـمـال شریک نہ ہو، جبکہ ساتھ ساتھ مضاربت والا معاملہ بھی چلتا رہے، لیکن یہ عمل ربُّ الـمـال کی حاضری کے بغیر درست نہیں ہے، اگر وہ ایسا کر بھی لے، تب بھی شرعی عدالتی فیصلہ یہی ہے کہ اس کی حاضری سے قبل نفع اور نفع سے حاصل شدہ سارا نفع بھی مشترک رہے گا۔

قَالَ مَالِكٌ فِي رَجُلٍ دَفَعَ إِلَى رَجُلٍ مَالاً قِرَاضاً، فَعَمِلَ فِيهِ، فَجَاءَهُ فَقَالَ: لَهُ هَذِهِ حِصَّتُكَ مِنَ الرِّبْحِ، وَقَدْ أَخَذْتُ لِنَفْسِي مِثْلَهُ، وَرَأْسُ مَالِكَ وَافِرٌ عِنْدِي. قَالَ مَالِكٌ: لَا أُحِبُّ ذَلِكَ حَتَّى يَحْضُرَ الْمَالُ كُلُّهُ، فَيُحَاسِبُهُ حَتَّى يَحْصُلَ رَأْسُ الْمَالِ، وَيَعْلَمَ أَنَّهُ وَافِرٌ وَيَصِلَ إِلَيْهِ، ثُمَّ يَقْتَسِمَانِ الرِّبْحَ بَيْنَهُمَا عَلَى شَرْطِهِمَا، ثُمَّ يَرُدُّ إِلَيْهِ الْمَالَ إِنْ شَاءَ أَوْ يَحْبِسُهُ، وَإِنَّمَا يَجِبُ حُضُورُ الْمَالِ، مَخَافَةَ أَنْ يَكُونَ الْعَامِلُ قَدْ نَقَصَ فِيهِ، فَهُوَ يُحِبُّ أَنْ لَا يُنْزَعَ مِنْهُ، وَأَنْ يُقِرَّهُ فِي يَدِهِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جس نے کسی آدمی کو کچھ مال بطور مضاربت دیا، چنانچہ اس نے اس میں کام کیا تو نفع حاصل کر لیا، پھر وہ اس (ربُّ الـمال) کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ نفع میں سے یہ تیرا حصہ ہے اور میں بھی اسی کی مثل (اپنا حصہ) لے چکا ہوں، اور تمھارا راَسُ الـمال میرے پاس پورا موجود ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: میں اسے پسند نہیں کرتا۔ (یہ طریقہ ناجائز رہے گا) یہاں تک کہ سارا مال حاضر ہو، پھر وہ اس کے ساتھ حساب کرے یہاں تک کہ راسُ الـمال نکل آئے اور وہ جان لے کہ واقعی وہ پورا ہے اور اس تک پہنچ چکا ہے، پھر وہ نفع آپس میں تقسیم کر لیں، پھر وہ اگر چاہے تو اس مال کو اس کی طرف (دوبارہ) لوٹا دے یا (چاہے تو) اسے روکے رکھے۔ الغرض (تقسیم کے وقت) مال کا حاضر ہونا واجب ہے، اس ڈر سے کہ (ممکن ہے کہ) عامل کو دراصل نقصان ہو گیا ہو اور وہ چاہتا ہو کہ وہ (ربُّ الـمـال ابھی وہ مال) اس سے واپس نہ لے اور اسی کے ہاتھوں میں رہنے دے (اور اسی کی خاطر وہ جھوٹ موٹ کہہ رہا ہو کہ یہ اتنا نفع تمھارا ہے)

15- بَابٌ: جَامِعُ مَا جَاءَ فِي الْقِرَاضِ

مضاربت کے متعلق متفرق مسائل کا بیان

خلاصة الباب: اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کے چھ فتاوی جات مذکور ہیں۔

قَالَ يَحْيَى: قَالَ مَالِكٌ فِي رَجُلٍ دَفَعَ إِلَى رَجُلٍ مَالاً قِرَاضاً، فَابْتَاعَ بِهِ سِلْعَةً، فَقَالَ لَهُ

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کی بابت فرمایا جس نے کسی شخص کو کچھ مال مضاربت کی خاطر دیا، اس نے اس کے

صَاحِبُ الْمَالِ: بِعْهَا. وَقَالَ الَّذِي أَخَذَ الْمَالَ: لَا أَرَى وَجْهَ بَيْعٍ. فَاخْتَلَفَا فِي ذَلِكَ، قَالَ: لَا يُنْظَرُ إِلَى قَوْلِ وَاحِدٍ مِنْهُمَا، وَيُسْأَلُ عَنْ ذَلِكَ أَهْلُ الْمَعْرِفَةِ وَالْبَصَرِ بِتِلْكَ السِّلْعَةِ، فَإِنْ رَأَوْا وَجْهَ بَيْعٍ بِيعَتْ عَلَيْهِمَا، وَإِنْ رَأَوْا وَجْهَ انْتِظَارٍ انْتُظِرَ بِهَا.

ساتھ کوئی سامان خرید لیا، تو ربُّ المال نے اس سے کہا کہ اسے بیچ ڈالو۔ اور وہ شخص جس نے مال لیا تھا (یعنی عامل) نے کہا کہ میں (اس وقت) بیچنے کو مناسب خیال نہیں کرتا (کیونکہ ابھی صحیح ریٹ نہیں لگے گا)، چنانچہ ان دونوں کا اس میں اختلاف ہوگیا، تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ان دونوں میں سے کسی کی بات کو نہ دیکھا جائے گا اور (بلکہ) اس کے متعلق ان لوگوں سے پوچھا جائے گا جو اس سامان کے متعلق معرفت و بصیرت (اور تجربہ و مہارت) رکھتے ہیں، چنانچہ اگر وہ بیچنا مناسب سمجھیں تو اس (سامان) کو ان دونوں (کے مشترکہ عقد) پر بیچ دیا جائے گا اور اگر وہ (تجربہ کار لوگ) انتظار کرنے کو مناسب خیال کریں تو اس سامان (کو بیچنے) کا انتظار کیا جائے گا۔

قَالَ مَالِكٌ فِي رَجُلٍ أَخَذَ مِنْ رَجُلٍ مَالاً قِرَاضاً فَعَمِلَ فِيهِ، ثُمَّ سَأَلَهُ صَاحِبُ الْمَالِ عَنْ مَالِهِ، فَقَالَ: هُوَ عِنْدِي وَافِرٌ. فَلَمَّا أَخَذَهُ بِهِ قَالَ: قَدْ هَلَكَ عِنْدِي مِنْهُ كَذَا وَكَذَا - لِمَالٍ يُسَمِّيهِ - وَإِنَّمَا قُلْتُ لَكَ ذَلِكَ لِكَيْ تَتْرُكَهُ عِنْدِي. قَالَ: لَا يَنْتَفِعُ بِإِنْكَارِهِ بَعْدَ إِقْرَارِهِ أَنَّهُ عِنْدَهُ، وَيُؤْخَذُ بِإِقْرَارِهِ عَلَى نَفْسِهِ، إِلَّا أَنْ يَأْتِيَ عَلَى هَلَاكِ ذَلِكَ الْمَالِ بِأَمْرٍ يُعْرَفُ بِهِ قَوْلُهُ، فَإِنْ لَمْ يَأْتِ بِأَمْرٍ مَعْرُوفٍ، أُخِذَ بِإِقْرَارِهِ وَلَمْ يَنْفَعْهُ إِنْكَارُهُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے حوالے سے فرمایا جس نے کسی شخص سے کچھ مال مضاربت کے واسطے لیا اور اس میں کام کیا، پھر ربُّ المال نے اس سے اپنے مال کے متعلق سوال کیا تو اس نے کہا کہ وہ میرے پاس پورا موجود ہے، پھر جب اس (عامل) نے وہ اسے پکڑایا تو کہنے لگا کہ میرے پاس اس میں سے اتنا اتنا ہلاک ہوگیا تھا۔ وہ کچھ مال کا نام لے۔ اور (پھر کہے کہ) میں نے تم سے (مال پورا ہونے کا) جو کہا تھا وہ صرف اور صرف اس لیے تھا کہ تم اسے میرے پاس ہی چھوڑے رکھو، تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ اپنے انکار کے ساتھ فائدہ نہیں اٹھا سکتا، بعد اس اقرار کے (جو وہ پہلے کر چکا تھا کہ) بلاشبہ وہ (مال) اس کے پاس (پورا پورا موجود) ہے، اور اس کے بارے میں اقرار ہی کو اخذ کیا جائے گا، الا یہ کہ وہ اس مال کی ہلاکت پر کوئی ایسا ثبوت لے کر آئے جس سے اس کی بات درست سمجھ لی جائے، چنانچہ اگر وہ کوئی مناسب ثبوت نہ لا سکے تو اس کے اقرار کو لے لیا جائے گا اور اس کا انکار اسے کچھ نفع نہ دے گا۔

فائدہ: ..... حالانکہ اگر وہ اقرار نہ کرتا اور پہلے ہی کہہ دیتا کہ مال ضائع ہوگیا ہے تو اس پر چٹی نہ پڑتی کیونکہ مال مضاربت محض ایک امانت ہے یہ قرض نہیں ہے کہ ضائع ہونے کی صورت میں اس کا تاوان پڑے۔ لیکن جب وہ اقرار کر کے پورا مال نہ پیش کرے گا تو یہی سمجھا جائے گا کہ اب وہ دھوکا دے رہا ہے لہٰذا پورا مال واپس کرنا اس

پرلازم ہے الا یہ کہ کوئی واضح ثبوت لے آئے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَكَذَلِكَ أَيْضاً لَوْ قَالَ: رَبِحْتُ فِي الْمَالِ كَذَا وَكَذَا، فَسَأَلَهُ رَبُّ الْمَالِ أَنْ يَدْفَعَ إِلَيْهِ مَالَهُ وَرِبْحَهُ، فَقَالَ: مَا رَبِحْتُ فِيهِ شَيْئاً، وَمَا قُلْتُ ذَلِكَ إِلَّا لأَنْ تُقِرَّهُ فِي يَدِي، فَذَلِكَ لا يَنْفَعُهُ، وَيُؤْخَذُ بِمَا أَقَرَّ بِهِ، إِلَّا أَنْ يَأْتِيَ بِأَمْرٍ يُعْرَفُ بِهِ قَوْلُهُ وَصِدْقُهُ فَلا يَلْزَمُهُ ذَلِكَ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور اسی طرح یہ (معاملہ) بھی ہے کہ اگر وہ کہے کہ میں نے اتنا اتنا نفع حاصل کرلیا ہے، پھر ربُّ المال اس سے یہ مطالبہ کردے کہ وہ اس کا مال اور اس کا نفع اسے لوٹا دے تو وہ کہنے لگے کہ میں نے تو اس میں کچھ بھی نفع نہیں کمایا تھا اور میں نے تم سے (وہ بات) اس کے علاوہ کسی اور مقصد کے لیے نہیں کہی تھی کہ تم اسے میرے پاس ہی رہنے دو، تو (امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا:) یہ بات اسے فائدہ نہ دے گی اور اس کے پہلے اقرار ہی کو اخذ کیا جائے گا، الا یہ کہ وہ کوئی ایسا معروف (قابل اعتبار) ثبوت لے کر آئے جس سے اس کی بات (کی تصدیق) پہچانی جائے اور اس کی سچائی ثابت ہو تو وہ (اگر واضح ثبوت لے آئے گا تو پھر پہلا اقرار اور نفع کی ادائیگی) اس پر لازم نہیں ہے۔

قَالَ مَالِكٌ فِي رَجُلٍ دَفَعَ إِلَى رَجُلٍ مَالاً قِرَاضاً، فَرَبِحَ فِيهِ رِبْحاً، فَقَالَ الْعَامِلُ: قَارَضْتُكَ عَلَى أَنَّ لِي الثُّلُثَيْنِ. وَقَالَ صَاحِبُ الْمَالِ: قَارَضْتُكَ عَلَى أَنَّ لَكَ الثُّلُثَ. قَالَ مَالِكٌ: الْقَوْلُ قَوْلُ الْعَامِلِ، وَعَلَيْهِ فِي ذَلِكَ الْيَمِينُ إِذَا كَانَ مَا قَالَ يُشْبِهُ قِرَاضَ مِثْلِهِ، وَكَانَ ذَلِكَ نَحْواً مِمَّا يَتَقَارَضُ عَلَيْهِ النَّاسُ، وَإِنْ جَاءَ بِأَمْرٍ يُسْتَنْكَرُ لَيْسَ عَلَى مِثْلِهِ، يَتَقَارَضُ النَّاسُ لَمْ يُصَدَّقْ، وَرُدَّ إِلَى قِرَاضِ مِثْلِهِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جس نے کسی شخص کو مضاربت کے لیے کچھ مال سپرد کیا، اس نے اس میں کچھ نفع حاصل کرلیا، پھر (حساب کرتے وقت) عامل کہے کہ میں نے تم سے اس شرط پر مضاربت کی تھی کہ یقیناً میرے لیے دوتہائی (نفع) ہوگا (جبکہ تجھے صرف ایک تہائی ملے گا) اور ربُّ المال کہے کہ میں نے تو تم سے اس شرط پر مضاربت کی تھی کہ بے شک تمھارے لیے ایک تہائی (نفع) ہوگا، امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ معتبر قول تو عامل کا ہوگا (کیونکہ وہ مُدّعا عَلَیہ ہے اور عامل مدعی ہے جس کے پاس گواہ نہیں ہے) اور اس ربُّ المال پر اس (فیصلے) میں قسم لازم ہے، (بشرطیکہ) جب اس نے جو بات کہی ہے وہ اس جیسی چیز کی (معاشرے میں رائج) مضاربت کے مشابہ ہو اور وہ اس (عمومی صورتحال) کے قریب قریب ہو جس کے مطابق لوگ آپس میں عقد مضاربت کرتے ہیں، اور اگر وہ (عامل) ایسی چیز لائے (یعنی ایسا قول کہے) جو اجنبی ہو (اور معاشرے میں معروف نہ ہو) اور اس جیسی (شرط) پر لوگ باہم مضاربت نہیں کرتے تو پھر اس کی تصدیق نہ کی جائے گی اور اسے (یعنی اس معاملے کو معاشرے میں

رائج) اس جیسی چیز کی مضاربت کی طرف لوٹا دیں گے۔

فائدہ :...... ہمارے نزدیک فیصلوں میں اصول یہ ہے کہ سب سے پہلے مدعی دو گواہ پیش کرے اور گواہ پیش کرنے کی صورت میں فیصلہ اسی کے حق میں ہوگا (خواہ گواہ درحقیقت جھوٹے ہی ہوں)، اگر دو گواہ نہ ہوں تو ایک گواہ اور ایک قسم دے دینے کے ساتھ بھی فیصلہ اس کے حق میں ہو جائے گا۔ یہ دونوں صورتیں پوری نہ ہوں تو پھر مدعاعلیہ قسم کھا کر بری ہو جائے گا اور اگر وہ قسم کھانے سے انکار کر دے تو پھر فیصلہ مدعی کے حق میں ہو جائے گا مدعاعلیہ کے حق میں صرف ایک صورت میں جبکہ مدعی کے حق میں تین صورتوں میں فیصلہ ہو سکتا ہے۔ لہٰذا مذکورہ بالا فتوی میں معاشرے میں رائج صورتحال کی بجائے انھی کے اقوال میں سے کسی ایک سے فیصلہ کرنا ہی احادیث کے قریب تر ہے۔ واللہ اعلم۔

قَالَ مَالِكٌ فِي رَجُلٍ أَعْطَى رَجُلاً مِئَةَ دِينَارٍ قِرَاضاً، فَاشْتَرَى بِهَا سِلْعَةً، ثُمَّ ذَهَبَ لِيَدْفَعَ إِلَى رَبِّ السِّلْعَةِ الْمِئَةَ دِينَارٍ، فَوَجَدَهَا قَدْ سُرِقَتْ، فَقَالَ رَبُّ الْمَالِ: بِعِ السِّلْعَةَ، فَإِنْ كَانَ فِيهَا فَضْلٌ كَانَ لِي، وَإِنْ كَانَ فِيهَا نُقْصَانٌ كَانَ عَلَيْكَ، لِأَنَّكَ أَنْتَ ضَيَّعْتَ. وَقَالَ الْمُقَارِضُ: بَلْ عَلَيْكَ وَفَاءُ حَقِّ هٰذَا، إِنَّمَا اشْتَرَيْتُهَا بِمَالِكَ الَّذِي أَعْطَيْتَنِي. قَالَ مَالِكٌ: يَلْزَمُ الْعَامِلَ الْمُشْتَرِيَ أَدَاءُ ثَمَنِهَا إِلَى الْبَائِعِ، وَيُقَالُ لِصَاحِبِ الْمَالِ: الْقِرَاضُ إِنْ شِئْتَ، فَأَدِّ الْمِئَةَ الدِّينَارِ إِلَى الْمُقَارِضِ، وَالسِّلْعَةُ بَيْنَكُمَا، وَتَكُونُ قِرَاضاً عَلَى مَا كَانَتْ عَلَيْهِ الْمِئَةُ الْأُولَى، وَإِنْ شِئْتَ فَابْرَأْ مِنَ السِّلْعَةِ، فَإِنْ دَفَعَ الْمِئَةَ دِينَارٍ إِلَى الْعَامِلِ، كَانَتْ قِرَاضاً عَلَى سُنَّةِ الْقِرَاضِ الْأَوَّلِ، وَإِنْ أَبَى كَانَتِ السِّلْعَةُ لِلْعَامِلِ، وَكَانَ عَلَيْهِ ثَمَنُهَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جس نے کسی شخص کو مضاربت کے لیے سو دینار دیے، اس نے ان کے ساتھ کچھ سامان خرید لیا (اور قیمت ابھی ادا نہ کی) پھر وہ (بعد میں) اس سامان کے مالک (بائع) کو سو دینار ادا کرنے لگا تو اس نے دیکھا کہ وہ دینار تو چوری ہو چکے ہیں (صورتحال یوں ہوگئی کہ اس سامان کا خریدار وہ شخص ہے جو مضاربت کرنے والا اور عامل ہے، اس کے ذمے دو افراد کی ادائیگیاں لازم ہوگئیں۔ اس نے ربُّ السِّلعَہ یعنی سامان بیچنے والے شخص کے پیسے بھی ادا کرنے ہیں اور ربُّ المال یعنی مضاربت کے لیے رقم دینے والے شخص کو بھی اصل مال یعنی رَأْسُ المال کی ادائیگی کرنی ہے، اس نے خود بھی نفع کمانا تھا لیکن سو دینار چوری ہو گئے۔ مال مضاربت تو چونکہ امانت کی حیثیت رکھتا ہے اس لیے عامل پر ربُّ المال کے نقصان کی چٹی تو نہیں پڑے گی، لیکن جس شخص نے اسے سامان بیچا تھا اس کے پیسے تو لازماً ادا کرنے ہیں۔ اب یہ سامان پر منحصر ہے کہ وہ کتنے میں بکتا ہے، چنانچہ) ربُّ المال نے (عامل سے) کہا کہ تم اس سامان کو بیچ دو، پھر اگر اس میں کچھ زائد بچ گیا تو وہ میرا ہوگا (اگر وہ سامان سو دینار سے زائد میں فروخت ہوگا تو رب

السلعہ کواس کے سو دینار مل جائیں گے اور باقی دینار ربُّ الـمال کو مل جائیں گے) اور اگر اس سامان میں گھاٹا پڑ گیا (اور سو دینار بھی پورے نہ ملے) تو وہ (چٹی) تم پر ہے کیونکہ یقیناً تم نے ہی (دینار) ضائع کیے تھے اور (لیکن) مضاربت پر مال لینے والے (عامل) نے (ربُّ الـمال سے) کہا کہ (مجھ پر نہیں) بلکہ تم پر ہی اس (بائع یعنی ربُّ السِّلعہ) کے حق کی پوری ادائیگی لازم ہے، کیونکہ بلاشبہ میں نے تو اسے تمھارے ہی مال سے خریدا تھا جو تم نے مجھے دیا تھا۔ تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: خریدنے والے عامل پر لازم ہے کہ وہ بائع کو سامان کی قیمت ادا کرے اور (البتہ) مضاربت پر مال دینے والے (ربُّ الـمال) سے کہا جائے گا کہ اگر تم چاہو تو (مزید) سو دینار اس عامل کو دے دو (تاکہ وہ بائع کو ادا کر سکے) اور وہ سامان تم دونوں کے درمیان رہے اور اسی شرط پر مال مضاربت بن جائے جس پر پہلے سو دینار تھے، اور اگر تم چاہو تو اس سامان سے دستبردار ہو جاؤ۔ چنانچہ اگر وہ (مزید) سو دینار اس عامل کو دے دے تو وہ پہلے مال مضاربت ہی کے طریقے پر مال مضاربت بن جائیں گے (اور کل مال مضاربت دو سو دینار ہو جائے گا) اور اگر وہ (اس سے) انکار کر دے تو وہ سامان عامل کے لیے ہو جائے گا اور اس پر اس کی قیمت (کی ادائیگی) لازم ہوگی۔

فائدہ: ...... چنانچہ اگر وہ سو دینار سے کم میں بکے گا تو عامل خود ہی چٹی بھرتا پھرے گا اور ربُّ الـمال پر مزید تاوان نہ پڑے گا۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الْمُتَقَارِضَيْنِ إِذَا تَفَاصَلَا ، فَبَقِيَ بِيَدِ الْعَامِلِ مِنَ الْمَتَاعِ الَّذِي يَعْمَلُ فِيهِ خَلَقُ الْقِرْبَةِ ، أَوْ خَلَقُ الثَّوْبِ ، أَوْ مَا أَشْبَهَ ذَلِكَ. قَالَ مَالِكٌ : كُلُّ شَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ كَانَ تَافِهاً لَا خَطْبَ لَهُ فَهُوَ لِلْعَامِلِ ، وَلَمْ أَسْمَعْ أَحَداً أَفْتَى بِرَدِّ ذَلِكَ ، وَإِنَّمَا يُرَدُّ مِنْ ذَلِكَ الشَّيْءُ الَّذِي لَهُ ثَمَنٌ ، وَإِنْ كَانَ شَيْئاً لَهُ اسْمٌ ، مِثْلُ الدَّابَّةِ ، أَوِ الْجَمَلِ ، أَوِ الشَّاذَكُونَةِ ، أَوْ أَشْبَاهِ ذَلِكَ مِمَّا لَهُ ثَمَنٌ ، فَإِنِّي أَرَى أَنْ يَرُدَّ مَا بَقِيَ عِنْدَهُ مِنْ هَذَا ، إِلَّا أَنْ يَتَحَلَّلَ صَاحِبَهُ مِنْ ذَلِكَ .

امام مالک رحمہ اللہ نے دو باہم مضاربت کرنے والوں کے متعلق فرمایا کہ جب وہ دونوں (عقد مضاربت ختم کر کے) الگ الگ ہوں اور وہ سامان جس میں عامل کام کرتا رہا تھا اس سے بوسیدہ مشک یا پھٹے پرانے کپڑے یا ان جیسی کوئی اور چیز عامل کے ہاتھ میں باقی بچ جائے (جس کو نفع میں نہ بانٹا گیا ہو) تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ان میں سے ہر وہ چیز جو گھٹیا و کم قیمت ہو، جس کی کوئی اہمیت نہ ہو تو وہ عامل کی ہوگی اور میں نے کسی سے نہیں سنا کہ اس نے اسے بھی (ربُّ الـمال تک) لوٹانے کا فتویٰ دیا ہو اور بلاشبہ ان میں سے صرف اور صرف وہ چیز ہی (ربُّ الـمال پر) لوٹائی جاتی ہے جس کی کوئی قیمت ہو، نیز اگر وہ کوئی

ایسی چیز ہو جس کا کوئی نام ہو مثلاً جانور یا اونٹ یا "شَـاذَکُونه" (یعنی موٹا کپڑا) یا ان جیسی کوئی اور چیز جس کی کوئی قیمت ہو تو بلاشبہ میں یہی خیال کرتا ہوں کہ وہ ان میں سے جو چیز بھی اس کے پاس باقی ہوا سے (ربُّ المال کی طرف) لوٹا دے، الا یہ کہ وہ ان میں سے کوئی چیز اپنے ساتھی (ربُّ الـمـال) سے معاف کروالے (تو وہ اس کے لیے جائز ہو جائے گی)۔

فائدہ: ......امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ہر کثیر وقلیل اور عمدہ وحقیر چیز ربُّ الـمـال تک لوٹانا لازم ہے۔ "شَـاذَکُـونه" ان یمنی موٹے کپڑوں کو کہا جاتا ہے جن میں نگندے ڈالے جاتے تھے۔ نگندنا کے معنی ہیں: لحاف اور رضائی وغیرہ میں دور دور ٹانکے بھرنا اور ڈورے ڈالنا۔

35

كِتَابُ الْمُسَاقَاةِ

مساقات (باغات کو پانی لگانے) کے مسائل کی کتاب

خلاصة الكتاب اس کتاب میں دو ابواب اور دو ہی روایات مرفوعہ (احادیث نبویہ ﷺ) ہیں جو سنداً صحیح ثابت ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے پچیس فتاوئی جات بھی مذکور ہیں۔

فائدہ:...... مُسَاقات کا لفظ "سَقْیٌ" سے ماخوذ ہے جس کے معنی آب رسانی اور آبپاشی کے ہیں۔ یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ اپنے درخت یا اپنا باغ کسی کے حوالے کرنا تا کہ وہ انھیں سیراب کرے اور نگہداشت کرے اور جب پھل حاصل ہو تو اس میں سے طے شدہ مخصوص حصہ حاصل کرلے۔ تمام اہل علم حتی کہ امام ابویوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ (صاحبین) بھی اس کی مشروعیت کے قائل ہیں، سوائے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اور سوائے شدید تعصب والے مقلدین احناف کے۔ یاد رہے کہ اگر زمین بٹائی پر لی جائے تا کہ اس میں اپنی مرضی کی فصلیں کاشت کی جائیں اور حاصل شدہ اناج کے حصے طے کر لیے جائیں تو اسے عربی میں "مُزَارَعَت" کہتے ہیں اور اگر پھل والا درخت یا بیلیں جو عموماً باغات کی شکل میں ہوتے ہیں، انھیں حصے پر دیا جائے تو اسے عربی میں "مُسَاقَات" کہتے ہیں اور اردو میں دونوں کو ''حصے پر دینا'' کہتے ہیں ......اور اگر زمین یا درخت یا باغ کرائے پر لیا جائے اور ہر سال کی طرف سے مخصوص اجرت ادا کی جائے تو اسے عربی میں "کِرَاءُ الْاَرْض" یا "اِجَارہ" کہتے ہیں اور اردو میں ''ٹھیکے پر لینا (دینا)'' کہتے ہیں۔

1- بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُسَاقَاةِ

مساقات (درختوں وغیرہ کو حصے پر پانی دینے) کا بیان

خلاصة الباب اس باب میں دو مرفوع روایات یعنی احادیث نبویہ ﷺ ہیں جو سنداً صحیح ثابت ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے انیس فتاوی جات بھی مذکور ہیں۔

[1401] حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ, أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لِيَهُودِ خَيْبَرَ، يَوْمَ افْتَتَحَ خَيْبَرَ: أُقِرُّكُمْ فِيهَا مَا أَقَرَّكُمُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ، عَلَى أَنَّ الثَّمَرَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ قَالَ فَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَبْعَثُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ رَوَاحَةَ، فَيَخْرُصُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُمْ، ثُمَّ يَقُولُ: إِنْ شِئْتُمْ فَلَكُمْ، وَإِنْ شِئْتُمْ فَلِيَ. فَكَانُوا يَأْخُذُونَهُ.

سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ ﷺ نے جس دن خیبر فتح کیا، خیبر کے یہودیوں سے فرمایا ''میں تمھیں (یہاں) اس مدت پر (مدت تک) ٹھہرنے دیتا ہوں کہ جب تک اللہ تعالیٰ تمھیں ٹھہرائے رکھے گا۔ اس معاہدے پر کہ پھل ہمارے اور تمھارے درمیان نصف نصف (تقسیم) ہوگا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا کرتے تھے، وہ اپنے اور ان کے درمیان پھلوں کا تخمینہ لگاتے، پھر ان سے کہتے کہ اگر تم چاہو تو (یہ سارا پھل) تمھارا ہو جائے (اور ہمارے تر پھل کے حصے کے بدلے تم اپنے پاس خشک پھل ہمیں دے دو) اور اگر تم چاہو تو یہ میرا ہو جائے (اور میں تمھیں اسی لگائے گئے اندازے کے بقدر پھل دے دیتا ہوں) تو یہودی اس پھل کو لے لیتے تھے (اور تخمینے کا نصف مسلمانوں کے حوالے کر دیتے تھے)۔

فائدہ :......حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ اندازہ چالیس ہزار وسق کا تھا اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے کہنے پر یہودیوں نے سارا پھل رکھ لیا اور وہ بیس ہزار وسق مسلمانوں کو ادا کرنے کے ضامن بن گئے۔ (ابو داؤد: 3415-اس کی سند صحیح ہے) اس اندازے کا مقصد اور سبب یہ تھا کہ کھجوروں کے استعمال اور زکاۃ کے معاملے میں تنگی نہ ہو، کیونکہ زکاۃ تو پھل کے خشک ہونے کے بعد ہی لی جاتی ہے جبکہ پھل کا استعمال خشک ہونے سے پہلے بھی کیا جاتا ہے، نیز چونکہ زکاۃ کی مقدار، نصاب اور اس کے خرچ کرنے کی جگہیں بھی مخصوص ہیں اس لیے زکاۃ کے بقدر مال کی تعیین بھی ضروری ہے، چنانچہ سہولت کی خاطر پہلے اندازہ لگا کر لکھ لیا جاتا ہے اور جن افراد پر زکاۃ لاگو ہوتی ہے انھیں یہ اختیار دے دیا جاتا ہے کہ چاہیں تو زکاۃ کے بقدر پھل ذخیرہ کریں اور باقی سارا پھل تر حالت میں کھا لیں یا سارا پھل ہی ذخیرہ کر لیں یا سارا پھل ہی تر حالت میں استعمال کر لیں اور اپنے پاس موجود خشک کھجور میں سے زکاۃ دے دیں۔ جمہور کا موقف یہی ہے۔ بعض کے نزدیک یہ اندازہ زکاۃ کے لیے نہیں بلکہ محض پھل کی تقسیم کے لیے لگایا جاتا ہے اور یہ بھی صرف اس وقت جائز ہے جب مالک اور مزارع باغ کے پھل کو الگ الگ شکل میں حاصل کرنا چاہیں، ایک خشک اور دوسرا تر پھل کے حصوں کا متمنی ہو، اگر دونوں تر یا خشک پھل حاصل کرنے میں متفق ہوں تو پھر اندازہ لگانا درست نہیں اور پھل اتارنے کے

[1401] (مرفوع صحيح لغيره) عبدالرزاق: 5/ 372(9738)، بيهقى فى السنن الكبرى: 4/ 122، وفى معرفة السنن والآثار: 3/ 273 (2317)، الشافعى فى الأم: 2/ 33، وفى المسند: 1/ 429، 2/ 277- شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو صحیح لغیرہ قرار دیا ہے۔

بعد ہی تقسیم کی جائے گی......جمہور کا موقف راجح ہے......رہی یہ بات کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ نے یہ کیوں کہا کہ چاہو تو تم رکھ لو اور چاہو تو میں رکھ لوں، پھل اتارنے سے قبل یہ خرید و فروخت تو بیع مزابنہ (دیکھیے کتاب البیوع کا باب: 13) کی صورت بن جاتی ہے جو کہ حرام ہے، درخت پر موجود پھل کو اندازہ لگا کر بیچنا اور اس کے عوض تیار شدہ متعین وزن والا پھل وصول کر لینا تو جائز نہیں ہے اس اشکال کے کئی ایک جوابات دیے جاتے ہیں، مثلاً (۱) یہ واقعہ خاص اور مستثنیٰ تھا (۲) اس وقت بیع مزابنہ ممنوع نہ ہوگی (۳) یہ بیع تھی ہی نہیں، بلکہ صرف یہ کہا گیا تھا کہ پہلے کی طرح اب بھی تم ہی پھل کی نگہداشت کرو گے یا ہم انتظام کر لیں۔ واللہ اعلم......روایت کے شروع میں یہودیوں کو جلاوطن کرنے کی مدت کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے کا مطلب یہ تھا کہ یہ مدت غیر متعین ہے۔ مسلمان جب مناسب سمجھیں گے انھیں جلاوطن کر سکتے ہیں۔ ایک روایت میں ہے: ((مَا شِئْنَا)) ''جب تک ہم چاہیں گے'' (بخاری: 3152، مسلم: 6/1551)، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کو خیبر سے جلاوطن کرنے کی واضح پیشین گوئی بھی فرمائی تھی۔ (بخاری: 2730) اور اس کا عزم مصمم بھی فرمایا تھا۔ (مسلم: 1767، ترمذی: 1606) اور پھر اپنی وفات سے چار روز قبل جمعرات کو اس کی وصیت بھی فرمائی۔ (بخاری: 3053، مسلم، 1637) اور بالآخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں شام کے علاقے تیماء اور اریحاء کی طرف نکال دیا۔ (بخاری: 3125، مسلم: 6/1551)

[1402] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَبْعَثُ عَبْدَ اللهِ بْنَ رَوَاحَةَ إِلَى خَيْبَرَ، فَيَخْرُصُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ يَهُودِ خَيْبَرَ، قَالَ: فَجَمَعُوا لَهُ حَلْياً مِنْ حَلْيِ نِسَائِهِمْ فَقَالُوا: هَذَا لَكَ وَخَفِّفْ عَنَّا وَتَجَاوَزْ فِي الْقَسْمِ. فَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ رَوَاحَةَ: يَا مَعْشَرَ الْيَهُودِ، وَاللهِ إِنَّكُمْ لَمِنْ أَبْغَضِ خَلْقِ اللهِ إِلَيَّ، وَمَا ذَاكَ بِحَامِلِي عَلَى أَنْ أَحِيفَ عَلَيْكُمْ، فَأَمَّا مَا عَرَضْتُمْ مِنَ الرُّشْوَةِ فَإِنَّهَا سُحْتٌ، وَإِنَّا لَا

سلیمان بن یسار رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو خیبر کی طرف بھیجا کرتے تھے، چنانچہ وہ اپنے اور خیبر کے یہودیوں کے مابین (کھجوروں کا) تخمینہ لگایا کرتے تھے۔ وہ (سلیمان بن یسار رحمہ اللہ) کہتے ہیں کہ انھوں نے (یہودیوں نے) اپنی عورتوں کے زیورات میں سے کچھ زیور ان کے لیے (بطور رشوت) اکٹھا کیا اور کہنے لگے کہ یہ تمھارا ہے (اسے رکھ لو اور اس کے عوض) ہم سے تخفیف کرو اور تقسیم میں ہم سے درگزر کرو (صحیح اندازہ نہ لگانا تاکہ ہمیں زیادہ ادائیگی نہ کرنی پڑے) تو حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: اے

[1402] (مرفوع صحيح لغيره) بيهقي في السنن الكبرى: 4/ 122، وفي معرفة السنن والآثار: 3/ 274 (2318، 2319)، الشافعي في المسند: 1/ 428، وفي الأم: 2/ 33۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس حدیث کو صحیح لغیرہ کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

نَأْكُلُهَا. فَقَالُوا: بِهَذَا قَامَتِ السَّمَوَاتُ وَالأَرْضُ.

یہود کی جماعت! اللہ کی قسم! یقیناً تم میرے نزدیک اللہ کی سب سے قابل نفرت مخلوق میں سے ہو اور یہ (نفرت) مجھے اس بات پر آمادہ کرنے والی نہیں کہ میں تم پر کوئی ظلم کروں، رہی وہ رشوت جو تم نے پیش کی ہے تو یہ حرام ہے اور بلاشبہ ہم اسے نہیں کھاتے، تو وہ (یہودی) کہنے لگے کہ اسی (انصاف اور حلال کے اہتمام) کی وجہ سے آسمان و زمین قائم ہیں۔

فائدہ: ......اور جب اس کا خاتمہ ہو جائے گا تو نظام کائنات درہم برہم اور قیامت قائم ہو جائے گی۔

قَالَ مَالِكٌ: إِذَا سَاقَى الرَّجُلُ النَّخْلَ وَفِيهَا الْبَيَاضُ، فَمَا ازْدَرَعَ الرَّجُلُ الدَّاخِلُ فِي الْبَيَاضِ فَهُوَ لَهُ. قَالَ: وَإِنِ اشْتَرَطَ صَاحِبُ الأَرْضِ أَنَّهُ يَزْرَعُ فِي الْبَيَاضِ لِنَفْسِهِ، فَذَلِكَ لَا يَصْلُحُ، لأَنَّ الرَّجُلَ الدَّاخِلَ فِي الْمَالِ يَسْقِي لِرَبِّ الأَرْضِ، فَذَلِكَ زِيَادَةٌ ازْدَادَهَا عَلَيْهِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جب کوئی شخص مساقات کے طور پر کھجوریں لے لے (کھجوروں کا باغ بٹائی پر لے لیا، جس کی وہ آبپاشی اور نگہداشت کرے گا) اور ان کھجوروں کے درمیان خالی زمین بھی ہو تو وہ (مساقات کے لیے) داخل ہونے والا شخص (مزارع، ساقی) اس خالی زمین میں جو کچھ بوئے گا وہ اسی کا ہوگا (کیونکہ اس نے کھجوروں کو جو پانی دینا ہے وہی قریب قریب کی خالی جگہ کو کفایت کرے گا) اور اگر زمین کا مالک یہ شرط لگا لے کہ وہ اس خالی زمین میں اپنے لیے کاشت کرے گا تو یہ درست نہیں ہے کیونکہ (پھر) مال میں داخل ہونے والا شخص (عامل، ساقی، مزارع گویا) زمین کے مالک کے لیے (بھی) آبپاشی کرے گا، (کیونکہ اسی کا لگایا ہوا پانی اس زمین کو کفایت کرے گا) لہٰذا یہ ایک زائد (شرط) ہے جو وہ اس (عامل) پر لگائے گا (حالانکہ معاہدہ تو صرف اس کے درختوں کو پانی پلانے کا ہوا ہے)۔

قَالَ: وَإِنِ اشْتَرَطَ الزَّرْعَ بَيْنَهُمَا فَلَا بَأْسَ بِذَلِكَ، إِذَا كَانَتِ الْمَئُونَةُ كُلُّهَا عَلَى الدَّاخِلِ فِي الْمَالِ، الْبَذْرُ وَالسَّقْيُ وَالْعِلَاجُ كُلُّهُ، فَإِنِ اشْتَرَطَ الدَّاخِلُ فِي الْمَالِ عَلَى رَبِّ الْمَالِ أَنَّ الْبَذْرَ عَلَيْكَ، فَإِنَّ ذَلِكَ غَيْرُ جَائِزٍ، لأَنَّهُ قَدِ اشْتَرَطَ عَلَى رَبِّ الْمَالِ زِيَادَةً ازْدَادَهَا عَلَيْهِ، وَإِنَّمَا تَكُونُ الْمُسَاقَاةُ عَلَى أَنَّ عَلَى الدَّاخِلِ فِي الْمَالِ الْمَئُونَةَ كُلَّهَا وَالنَّفَقَةَ، وَلَا يَكُونُ عَلَى رَبِّ الْمَالِ مِنْهَا

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر وہ آپس میں (نصف نصف) کاشت کی شرط لگا لے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہوگا (بشرطیکہ) جب ساری کی ساری مشقت صرف مال میں داخل ہونے والے شخص (عامل) کے ذمے ہو یعنی بیج بھی، پانی لگانا بھی اور (باقی اسپرے کرنا، گوڈی کرنا وغیرہ) تمام محنت بھی، چنانچہ اگر یہ مال میں داخل ہونے والا شخص زمین والے (مالک) پر یہ شرط لگا لے کہ بیشک بیج (مہیا کرنا) تمھارے ذمے ہے تو بلاشبہ یہ ناجائز ہے، کیونکہ (اب) وہ زمین کے مالک پر ایک زائد چیز (شرط) ڈال رہا ہے جسے

شَيْءٌ، فَهٰذَا وَجْهُ الْمُسَاقَاةِ الْمَعْرُوفُ.

وہ اس سے حاصل کرے گا اور بلاشبہ مساقات صرف اور صرف اس طریقے پر ہوتی ہے کہ مال میں داخل ہونے والے (مزارع، عامل) پر ہر قسم کی مشقت اور خرچہ ہوگا اور ان میں سے کچھ بھی زمین کے مالک پر لازم نہ ہوگا۔ الغرض مساقات کا یہی معروف (اور دستور کے مطابق) طریقہ ہے۔

فائدہ :......امام مالک رحمہ اللہ کا یہ فتویٰ کہ سارے خرچے عامل ہی کے ذمے ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خصوصاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عمل کے خلاف ہے۔ (بخاری، قبل از حدیث: 2328) لہٰذا راجح یہی ہے کہ بیج وغیرہ کے خرچے عامل یا مالک کوئی بھی اٹھا سکتا ہے اور نفع کے حصے میں بھی اسی اعتبار سے فرق آ سکتا ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم وغیرہ نے تو پسند ہی یہ کیا تھا کہ بیج زمین والے کے ذمے ہوگا اور امام احمد رحمہ اللہ اور اسحاق رحمہ اللہ کا بھی یہی موقف ہے۔ (ترمذی: 1383)۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الْعَيْنِ تَكُونُ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ، فَيَنْقَطِعُ مَاؤُهَا، فَيُرِيدُ أَحَدُهُمَا أَنْ يَعْمَلَ فِي الْعَيْنِ، وَيَقُولُ الْآخَرُ: لَا أَجِدُ مَا أَعْمَلُ بِهِ، إِنَّهُ يُقَالُ لِلَّذِي يُرِيدُ أَنْ يَعْمَلَ فِي الْعَيْنِ: اعْمَلْ وَأَنْفِقْ، وَيَكُونُ لَكَ الْمَاءُ كُلُّهُ تَسْقِي بِهِ، حَتَّى يَأْتِيَ صَاحِبُكَ بِنِصْفِ مَا أَنْفَقْتَ، فَإِذَا جَاءَ بِنِصْفِ مَا أَنْفَقْتَ أَخَذَ حِصَّتَهُ مِنَ الْمَاءِ. وَإِنَّمَا أُعْطِيَ الْأَوَّلُ الْمَاءَ كُلَّهُ، لِأَنَّهُ أَنْفَقَ، وَلَوْ لَمْ يُدْرِكْ شَيْئاً بِعَمَلِهِ لَمْ يَعْلَقِ الْآخَرَ مِنَ النَّفَقَةِ شَيْءٌ.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس چشمے کے متعلق فرمایا جو دو آدمیوں کے درمیان (مشترکہ) ہو، پھر اس کا پانی منقطع ہو جائے تو ان میں سے ایک آدمی یہ ارادہ کرے کہ چشمے (کی درستگی) میں کام (خرچہ اور محنت) کرے اور دوسرا شخص یہ کہے کہ میرے پاس وہ کچھ نہیں ہے کہ جس کے ذریعے میں بھی کچھ کر سکوں، تو بلاشبہ جو شخص چشمے میں عمل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اس سے کہا جائے گا کہ تم کام کرو اور خرچ کرو اور سارا پانی تمھارے (اکیلے کے) لیے ہی ہوگا، تم ہی اسے استعمال کرو گے یہاں تک کہ تمھارا ساتھی اس خرچے کا نصف لے آئے جو تم نے کیا تھا، چنانچہ جب وہ تمھارے کیے ہوئے خرچ کا نصف (تمھارے پاس) لے آئے گا تو پانی سے اپنا حصہ وصول کر سکے گا، امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور بلاشبہ پہلے شخص کو سارا پانی صرف اس لیے دیا گیا کہ اسی نے خرچہ کیا تھا (تو جس طرح اس نے تنہا مشقت اٹھائی اسی طرح تنہا اس کا صلہ بھی وصول کرے گا، نیز فائدہ اٹھانے کا وہی مستحق ہے کیونکہ اگر نقصان ہو جاتا تو وہ بھی اسی اکیلے پر پڑتا تھا، اسی طرح کہ) اگر وہ اپنے عمل (اور خرچے) کے ذریعے کچھ بھی نہ پاتا (ٹھیک کرانے کا خرچہ کیا لیکن پانی دوبارہ جاری نہ ہوتا) تو دوسرے شخص پر خرچے میں سے کچھ بھی لازم نہ آتا۔

قَالَ مَالِكٌ: وَإِذَا كَانَتِ النَّفَقَةُ كُلُّهَا، وَالْمَئُونَةُ عَلَى رَبِّ الْحَائِطِ، وَلَمْ يَكُنْ عَلَى

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور جب (فصل اگانے کا) سارا خرچہ اور مشقت، باغ کے مالک کے ذمے ہو اور مال میں

الدَّاخِلِ فِي الْمَالِ شَيْءٌ، إِلَّا أَنَّهُ يَعْمَلُ بِيَدِهِ، إِنَّمَا هُوَ أَجِيرٌ بِبَعْضِ الثَّمَرِ، فَإِنَّ ذَلِكَ لَا يَصْلُحُ، لِأَنَّهُ لَا يَدْرِي كَمْ إِجَارَتُهُ إِذَا لَمْ يُسَمَّ لَهُ شَيْئًا يَعْرِفُهُ وَيَعْمَلُ عَلَيْهِ، لَا يَدْرِي أَيَقِلُّ ذَلِكَ أَمْ يَكْثُرُ.

(مساقات کے طور پر) داخل ہونے والے شخص (یعنی عامل) کے ذمے اس کے سوا کچھ نہ ہو کہ بس وہ اپنے ہاتھ سے کام کرے گا، اسے تو بس کچھ پھل کے معاوضے پر مزدور رکھا گیا ہو (اسے کہا گیا ہو کہ تیرے کام کے بدلے تجھے کچھ پھل دے دیا جائے گا لیکن اس پھل اور معاوضے کی مقدار متعین نہ کی گئی ہو) تو بلاشبہ یہ درست نہیں ہے کیونکہ جب وہ (زمین کا مالک) اس کے لیے کوئی معلوم چیز متعین نہیں کرے گا، وہ نہ جان سکے گا کہ اس کی مزدوری کتنی ہے، جسے وہ پہچانتا ہو اور اس پر کام کر رہا ہو، اسے کچھ علم نہیں کہ وہ کم ہوگی یا زیادہ۔

فائدہ :......لہٰذا مساقات تبھی درست ہے جب کہ اس میں جہالت اور دھوکے کا شائبہ نہ ہوتا کہ بعد میں نزاع پیدا نہ ہو۔

قَالَ مَالِكٌ: وَكُلُّ مُقَارِضٍ أَوْ مُسَاقٍ، فَلَا يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَسْتَثْنِيَ مِنَ الْمَالِ، وَلَا مِنَ النَّخْلِ شَيْئًا دُونَ صَاحِبِهِ، وَذَلِكَ أَنَّهُ يَصِيرُ لَهُ أَجِيرًا بِذَلِكَ، يَقُولُ: أُسَاقِيكَ عَلَى أَنْ تَعْمَلَ لِي فِي كَذَا وَكَذَا نَخْلَةً، تَسْقِيهَا وَتَأْبُرُهَا، وَأُقَارِضُكَ فِي كَذَا وَكَذَا مِنَ الْمَالِ، عَلَى أَنْ تَعْمَلَ لِي بِعَشَرَةِ دَنَانِيرَ، لَيْسَتْ مِمَّا أُقَارِضُكَ عَلَيْهِ، فَإِنَّ ذَلِكَ لَا يَنْبَغِي وَلَا يَصْلُحُ، وَذَلِكَ الْأَمْرُ عِنْدَنَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: کسی بھی مضاربت پر مال دینے والے اور مساقات پر مزدور رکھنے والے (مالک) کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مال میں سے، یا کھجور کے درختوں میں سے کسی چیز کا (خاص اپنے لیے) استثناء کرے اور اپنے ساتھی کو (اس خاص چیز میں شمولیت سے) چھوڑ دے اور اس (ممانعت) کا سبب یہ ہے کہ بیشک وہ (عامل) اس عمل کی وجہ سے (مضارب یا ساقی کی بجائے) اجیر یعنی مزدور بن جاتا ہے۔ مثلاً وہ (مالک) کہے کہ میں تجھ سے اس بات پر مساقات کرتا ہوں کہ تو میرے لیے فلاں فلاں کھجور کے درختوں میں کام کرے گا، میرے لیے انھیں پانی پلائے گا اور ان کی تابیر (پیوند کاری، افزائش پھل کی اصلاح) کرے گا (اور یہ درخت خاص میرے لیے ہوں گے، جبکہ باقی باغ میں ہم شریک ہوں گے) اور (مضاربت پر مال دینے والا مثلاً یہ کہے کہ) میں تجھے اتنا اتنا مال مضاربت کے لیے اس شرط پر دیتا ہوں کہ تو (خاص) میرے لیے دس دینار کا کاروبار بھی کرے گا جو اس مال (مضاربت) میں شامل نہ ہوں گے کہ جس پر میں تجھ سے مضاربت کر رہا ہوں، تو بلاشبہ یہ (زائد شرطیں لگانا) نہ جائز ہے اور نہ ہی درست ہے اور ہمارے ہاں یہی حکم ہے۔

فائدہ :......''تابیر'' کہتے ہیں گابھا دینے اور پیوند لگانے کو۔ یعنی جب کھجور کے خوشوں میں پھول بنتا ہے

تو نر کھجور کا پھول اتار کر مادہ کھجور کے گابھے میں ڈال دیا جائے، تاکہ نر کھجور کا پھول ضائع نہ ہو اور مادہ کھجور کا پھل پہلے کی نسبت زیادہ حاصل ہو۔

قَالَ مَالِكٌ: وَالسُّنَّةُ فِي الْمُسَاقَاةِ الَّتِي يَجُوزُ لِرَبِّ الْحَائِطِ أَنْ يَشْتَرِطَهَا عَلَى الْمُسَاقِي مِنْهَا: شَدُّ الْحِظَارِ، وَخَمُّ الْعَيْنِ، وَسَرْوُ الشَّرَبِ، وَإِبَّارُ النَّخْلِ، وَقَطْعُ الْجَرِيدِ، وَجَدُّ الثَّمَرِ، هَذَا وَأَشْبَاهُهُ، عَلَى أَنَّ لِلْمُسَاقِي شَطْرَ الثَّمَرِ، أَوْ أَقَلَّ مِنْ ذَلِكَ أَوْ أَكْثَرَ إِذَا تَرَاضَيَا عَلَيْهِ، غَيْرَ أَنَّ صَاحِبَ الأَصْلِ لا يَشْتَرِطُ ابْتِدَاءَ عَمَلٍ جَدِيدٍ يُحْدِثُهُ الْعَامِلُ فِيهَا، مِنْ بِئْرٍ يَحْتَفِرُهَا، أَوْ عَيْنٍ يَرْفَعُ رَأْسَهَا، أَوْ غِرَاسٍ يَغْرِسُهُ فِيهَا، يَأْتِي بِأَصْلِ ذَلِكَ مِنْ عِنْدِهِ، أَوْ ضَفِيرَةٍ يَبْنِيهَا تَعْظُمُ فِيهَا نَفَقَتُهُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اس مساقات کا طریقہ جو باغ کے مالک کے لیے جائز ہے، یہ ہے کہ وہ عامل پر (مندرجہ ذیل چیزوں کی) شرط لگالے: (باغ کے گرد) باڑ لگانا، چشمہ صاف کرنا، (درخت کی جڑ کے پاس اس کے اردگرد) پانی کا گڑھا صاف کرنا، کھجوروں (کے پھل کی افزائش کے لیے ان) کی اصلاح (کرنا، گابھا دینا اور پیوند کاری) کرنا، (ادھر ادھر بڑھی ہوئی یا خشک) شاخیں کاٹنا (اور کاٹ چھانٹ، تراش خراش کرنا)، پھل کاٹنا اور ان جیسے دوسرے کام (عامل کے ذمے لگانا)، اس شرط پر کہ اس کے لیے نصف پھل یا اس سے کم یا اس سے زیادہ ہوگا، (بشرطیکہ) جب وہ دونوں اس (معاہدے) پر راضی ہوں، مگر بے شک اصل مال کا مالک کسی نئے عمل کے آغاز کی شرط نہیں لگا سکتا جسے وہ عامل اس (زمین) میں سرانجام دے، مثلاً کوئی کنواں جسے وہ کھودے یا کوئی چشمہ جس کو شروع سے بلند کرے (اور اس باغ کی طرف رخ کر کے جاری کرے) یا وہ اس زمین میں کوئی ایسا پودا لگائے جس کی جڑ وہ اپنے پاس سے لے کر آئے یا (کسی گڑھے وغیرہ کے گرد پانی روکنے کے لیے) کوئی منڈیر تعمیر کرے جس میں اس (عامل) کا کافی خرچہ ہوسکتا ہے۔

فائدہ: ...... جب وہ ان کاموں کی شرط لگائے گا تو شرعی طور پر اس پر لازم ہے کہ وہ ان کی مزدوری متعین کرے لیکن وہ تو چاہتا ہے کہ مساقات کے بہانے یہ کام مفت میں ہو جائیں، گویا مساقات والا عمل ان کاموں کی بھی مزدوری بن جائے گا اور ظاہر بات ہے کہ مزدوری و اجرت کا متعین ہونا لازم ہے، جبکہ مساقات میں چونکہ نصف یا کم و بیش پیداوار کو طے کیا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے کہ خواہ بہت زیادہ عطا کر دے یا بالکل تباہ کر دے، اس لیے مذکورہ کاموں کی مزدوری کی تعیین نہیں ہوسکتی اور مجہول اجرت و مزدوری والا معاملہ درست نہیں ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَإِنَّمَا ذَلِكَ بِمَنْزِلَةِ أَنْ يَقُولَ رَبُّ الْحَائِطِ لِرَجُلٍ مِنَ النَّاسِ: ابْنِ لِي هَا هُنَا

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: بلاشبہ یہ (گزشتہ فتویٰ کے اخیر میں بیان کردہ صورت) اسی طرح ہے کہ جیسے باغ کا مالک

بَيْتاً، أَوِ احْفُرْ لِي بِئْراً، أَوْ أَجْرِ لِي عَيْناً، أَوِ اعْمَلْ لِي عَمَلاً بِنِصْفِ ثَمَرِ حَائِطِي هَذَا قَبْلَ أَنْ يَطِيبَ ثَمَرُ الْحَائِطِ وَيَحِلَّ بَيْعُهُ، فَهَذَا بَيْعُ الثَّمَرِ قَبْلَ أَنْ يَبْدُوَ صَلاحُهُ, وَقَدْ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ بَيْعِ الثِّمَارِ حَتَّى يَبْدُوَ صَلاحُهَا.

لوگوں میں سے کسی شخص سے کہے کہ میرے لیے یہاں ایک گھر تعمیر کردو، یا میرے لیے ایک کنواں کھود دو یا میرے لیے ایک چشمہ جاری کردو، یا میرے لیے کوئی بھی عمل میرے اس باغ کے نصف پھل کے بدلے کردو (اور وہ یہ بات) باغ کا پھل پکنے اور اس میں خرید و فروخت حلال ہونے سے پہلے (کہے) تو یہ (معاملہ) پھل کی صلاحیت ظاہر ہونے سے پہلے ہی اس کی بیع (شمار ہوتا) ہے اور یقیناً رسول اللہ ﷺ نے پھلوں کی صلاحیت ظاہر ہونے سے پہلے ان کو بیچنے سے منع فرمایا ہے۔

فائدہ :......یعنی وہ شخص اپنے مساقات والے عمل کی بجائے، دنیا کے کسی اور انسان سے گزشتہ فتوی کے اخیر میں بیان کردہ کام یا ان جیسے کوئی دوسرے کام جواز سر نو شروع ہوں، کرائے گا تو ظاہر بات ہے کہ اسے اجرت و مزدوری تو طے کرنا پڑے گی، لہٰذا عامل سے بھی اجرت کو طے کرنا لازم ہے اور اجرت مجہول ہو تو مزدوری کرانا ہی جائز نہیں۔

قَالَ مَالِكٌ: فَأَمَّا إِذَا طَابَ الثَّمَرُ وَبَدَا صَلاحُهُ وَحَلَّ بَيْعُهُ، ثُمَّ قَالَ رَجُلٌ لِرَجُلٍ: اعْمَلْ لِي بَعْضَ هَذِهِ الأَعْمَالِ - لِعَمَلٍ يُسَمِّيهِ لَهُ - بِنِصْفِ ثَمَرِ حَائِطِي هَذَا فَلا بَأْسَ بِذَلِكَ، إِنَّمَا اسْتَأْجَرَهُ بِشَيْءٍ مَعْرُوفٍ مَعْلُومٍ، قَدْ رَآهُ وَرَضِيَهُ، فَأَمَّا الْمُسَاقَاةُ، فَإِنَّهُ إِنْ لَمْ يَكُنْ لِلْحَائِطِ ثَمَرٌ، أَوْ قَلَّ ثَمَرُهُ، أَوْ فَسَدَ، فَلَيْسَ لَهُ إِلَّا ذَلِكَ، وَأَنَّ الأَجِيرَ لا يُسْتَأْجَرُ إِلَّا بِشَيْءٍ مُسَمًّى، لا تَجُوزُ الإِجَارَةُ إِلَّا بِذَلِكَ، وَإِنَّمَا الإِجَارَةُ بَيْعٌ مِنَ الْبُيُوعِ، إِنَّمَا يَشْتَرِي مِنْهُ عَمَلَهُ، وَلا يَصْلُحُ ذَلِكَ إِذَا دَخَلَهُ الْغَرَرُ، لأَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَهَى عَنْ بَيْعِ الْغَرَرِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: رہی یہ صورت کہ جب پھل پک جائیں، ان کی صلاحیت ظاہر ہو جائے اور ان کی خرید و فروخت حلال ہو جائے، پھر کوئی آدمی کسی شخص سے کہے کہ میرے لیے ان (پیچھے بیان کردہ) کاموں میں سے کوئی کام جسے وہ اس کے لیے متعین کر دے، میرے اس باغ کے نصف پھل کے عوض کر دے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ بلاشبہ اس نے تو اسے ایک جانی پہچانی اور معلوم چیز کے عوض اجرت پر رکھ لیا ہے جسے اس (مزدور) نے دیکھ بھی لیا ہے اور اس پر راضی بھی ہو گیا ہے۔ (الغرض یہ صورت اجارہ یعنی مزدور رکھنے کی ہے، جس میں اجرت متعین کرنا لازم ہے) رہی مساقات تو (اس کا معاملہ یہ ہے کہ) بلاشبہ اگر باغ کا پھل ہی (پیدا) نہ ہو یا پھل کم ہو جائے یا خراب ہو جائے تو اس (عامل) کے لیے اس کے سوا اور کچھ (عوضانہ) نہیں ہے اور (جبکہ) اجیر یعنی اجرت پر لیا جانے والا مزدور بغیر متعین اجرت کے نہیں رکھا جا سکتا،

اس (تعیین) کے سوا اجارہ جائز ہی نہیں اور بلاشبہ اجارہ تو بیوع (خرید وفروخت کی اقسام) میں سے ایک بیع (کی قسم) ہے اور یقیناً وہ (باغ والا یا کوئی بھی شخص اپنے پھل کو یا کسی بھی اجرت کو فروخت کر رہا ہوتا ہے اور) اس (مزدور) سے اس کا کام خرید رہا ہوتا ہے اور یہ (بیع) اس وقت درست نہ ہوگی جب اس میں دھوکا شامل ہو جائے کیونکہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے دھوکے کی بیع سے منع فرمایا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: السُّنَّةُ فِي الْمُسَاقَاةِ عِنْدَنَا: أَنَّهَا تَكُونُ فِي أَصْلِ كُلِّ نَخْلٍ، أَوْ كَرْمٍ، أَوْ زَيْتُونٍ، أَوْ رُمَّانٍ، أَوْ فِرْسِكٍ، أَوْ مَا أَشْبَهَ ذَلِكَ مِنَ الأُصُولِ، جَائِزٌ لا بَأْسَ بِهِ، عَلَى أَنَّ لِرَبِّ الْمَالِ نِصْفَ الثَّمَرِ مِنْ ذَلِكَ، أَوْ ثُلُثَهُ، أَوْ رُبُعَهُ، أَوْ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ أَوْ أَقَلَّ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں مساقات کا طریقہ یہ ہے کہ بلاشبہ وہ ہر انگور کی بیل یا کھجور کے درخت یا زیتون یا انجیر یا انار یا آڑو جیسے درختوں میں جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے، (کہ اسے) اس شرط پر (کیا جائے) کہ باغ والے کے لیے آدھا یا تہائی یا چوتھائی یا اس سے زیادہ یا کم پھل ہوگا۔

قَالَ مَالِكٌ: وَالْمُسَاقَاةُ أَيْضاً تَجُوزُ فِي الزَّرْعِ إِذَا خَرَجَ وَاسْتَقَلَّ، فَعَجَزَ صَاحِبُهُ عَنْ سَقْيِهِ وَعَمَلِهِ وَعِلاجِهِ، فَالْمُسَاقَاةُ فِي ذَلِكَ أَيْضاً جَائِزَةٌ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور مساقات کھیتی میں بھی جائز ہے جب کہ وہ زمین سے نکل آئے اور اوپر چڑھنے لگے، پھر کھیتی کا مالک اسے پانی دینے، اس میں کام کاج اور محنت کرنے سے عاجز آ جائے تو اس میں بھی مساقات (حصے پر دینا) جائز ہے۔

فائدہ: ...... یہ الگ بات ہے کہ کھیتی کے اس معاملے کا خاص نام ''مزارعت'' بھی ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: لا تَصْلُحُ الْمُسَاقَاةُ فِي شَيْءٍ مِنَ الأُصُولِ مِمَّا تَحِلُّ فِيهِ الْمُسَاقَاةُ، إِذَا كَانَ فِيهِ ثَمَرٌ قَدْ طَابَ وَبَدَا صَلاحُهُ وَحَلَّ بَيْعُهُ، وَإِنَّمَا يَنْبَغِي أَنْ يُسَاقَى مِنَ الْعَامِ الْمُقْبِلِ، وَإِنَّمَا مُسَاقَاةُ مَا حَلَّ بَيْعُهُ مِنَ الثِّمَارِ إِجَارَةٌ، لِأَنَّهُ إِنَّمَا سَاقَى صَاحِبَ الأَصْلِ ثَمَراً قَدْ بَدَا صَلاحُهُ، عَلَى أَنْ يَكْفِيَهُ إِيَّاهُ وَيَجُذَّهُ لَهُ، بِمَنْزِلَةِ الدَّنَانِيرِ وَالدَّرَاهِمِ، يُعْطِيهِ إِيَّاهَا، وَلَيْسَ ذَلِكَ بِالْمُسَاقَاةِ، إِنَّمَا الْمُسَاقَاةُ مَا بَيْنَ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جن درختوں میں مساقات جائز ہے ان میں سے کسی بھی درخت اور بیل میں اس وقت مساقات (کا عقد) درست نہیں کہ جب اس میں پھل پک چکا ہو، اس کی صلاحیت ظاہر ہو چکی ہو اور اس کی خرید وفروخت حلال بھی ہو چکی ہو۔ اور (بلکہ ایسی صورت میں) اسے اگلے سال سے مساقات پر دینا ہی مناسب ہے اور بلاشبہ ان پھلوں جن کی بیع حلال ہو چکی ہو، کو مساقات پر دینا ''اجارہ'' (کی صورت ہے اور یہ صورت مساقات کہلانے کی مستحق نہیں) ہے (لہٰذا اس میں اجرت متعین کی جائے

أَنْ يَـجُدَّ النَّخْلَ ، إِلَى أَنْ يَطِيبَ الثَّمَرُ وَيَحِلَّ بَيْعُهُ .

گی)، اس لیے کہ بے شک درخت والے نے اسے وہ پھل جس کی صلاحیت ظاہر ہو چکی تھی، اس شرط پر مساقات میں دیا ہے کہ وہ اس سے کفایت کرے گا (اس کا کام نمٹائے گا) اور اس کے لیے پھل توڑے گا، (اور یہ تو ان) دیناروں اور درہموں کی طرح ہے کہ جنھیں (ان کاموں کی اجرت مقرر کر کے) وہ اسے دیتا ہے اور یہ ہرگز مساقات نہیں ہے، بلاشبہ مساقات تو صرف اور صرف کھجور (وغیرہ) کا پھل اتارنے (کے بعد) سے لے کر پھل پکنے اور اس کی بیع حلال ہونے (سے پہلے) تک ہی ہو سکتی ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَمَنْ سَاقَى ثَمَراً فِي أَصْلٍ قَبْلَ أَنْ يَبْدُوَ صَلَاحُهُ وَيَحِلَّ بَيْعُهُ ، فَتِلْكَ الْمُسَاقَاةُ بِعَيْنِهَا جَائِزَةٌ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور جس شخص نے کسی پھل کو اس کی جڑ (درخت یا بیل) میں، اس کی صلاحیت ظاہر ہونے اور اس کی بیع حلال ہونے سے پہلے مساقات کے طور پر لیا تو یہی بعینہ وہ مساقات ہے جو جائز ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَلَا يَنْبَغِي أَنْ تُسَاقَى الْأَرْضُ الْبَيْضَاءُ ، وَذَلِكَ أَنَّهُ يَحِلُّ لِصَاحِبِهَا كِرَاؤُهَا بِالدَّنَانِيرِ وَالدَّرَاهِمِ وَمَا أَشْبَهَ ذَلِكَ مِنَ الْأَثْمَانِ الْمَعْلُومَةِ . قَالَ مَالِكٌ : فَأَمَّا الرَّجُلُ الَّذِي يُعْطِي أَرْضَهُ الْبَيْضَاءَ بِالثُّلُثِ أَوِ الرُّبُعِ مِمَّا يَخْرُجُ مِنْهَا ، فَذَلِكَ مِمَّا يَدْخُلُهُ الْغَرَرُ ، لِأَنَّ الزَّرْعَ يَقِلُّ مَرَّةً ، وَيَكْثُرُ مَرَّةً ، وَرُبَّمَا هَلَكَ رَأْساً ، فَيَكُونُ صَاحِبُ الْأَرْضِ قَدْ تَرَكَ كِرَاءً مَعْلُوماً ، يَصْلُحُ لَهُ أَنْ يُكْرِيَ أَرْضَهُ بِهِ ، وَأَخَذَ أَمْراً غَرَراً لَا يَدْرِي أَيَتِمُّ أَمْ لَا ، فَهَذَا مَكْرُوهٌ ، وَإِنَّمَا ذَلِكَ مَثَلُ رَجُلٍ اسْتَأْجَرَ أَجِيراً لِسَفَرٍ بِشَيْءٍ مَعْلُومٍ ، ثُمَّ قَالَ الَّذِي اسْتَأْجَرَ الْأَجِيرَ : هَلْ لَكَ أَنْ أُعْطِيَكَ عُشْرَ مَا أَرْبَحُ فِي سَفَرِي هَذَا إِجَارَةً لَكَ ؟ فَهَذَا لَا يَحِلُّ وَلَا يَنْبَغِي.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ درست نہیں کہ خالی زمین کو مساقات پر دیا جائے (جسے عام طور پر ''حصے پر زمین دینا اور مزارعت کرنا'' کہا جاتا ہے) اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ بلاشبہ اس کے مالک کے لیے دیناروں یا درہموں یا ان جیسی معلوم نقدیوں کے عوض کرائے پر دینا جائز ہے (جسے ''ٹھیکے پر دینا'' کہتے ہیں)۔ رہا وہ شخص جو اپنی خالی زمین کو اس سے نکلنے والی پیداوار کے تہائی یا چوتھائی کے بدلے دے تو یہ ان (معاملات) میں سے ایک ہے جن میں دھوکا داخل ہو جاتا ہے کیونکہ کھیتی کبھی کم ہوتی ہے اور کبھی زیادہ اور بسا اوقات بالکل ہی ہلاک ہو جاتی ہے۔ تو گویا یہ صورت بن گئی کہ زمین کے مالک نے وہ کرایہ جو معلوم و معروف تھا اور اس کے لیے جائز تھا کہ اپنی زمین اس کے عوض کرائے پر دیتا، (تو اس نے) اسے ترک کر دیا اور بلاشبہ اس کی مثال تو اس شخص جیسی ہے جس نے سفر میں ایک معلوم چیز (اجرت) پر ایک مزدور رکھا، پھر وہ شخص جس نے اجرت

پر اسے لیا تھا، کہنے لگا کہ کیا تمہیں اس بات میں رغبت ہے کہ میں اپنے اس سفر میں جتنا بھی نفع کماؤں اس کا دسواں حصہ تجھے اجرت پر دے دوں (اور ظاہر بات ہے کہ یہ نفع ایک مجہول چیز ہے، اگر وہ اسے پسند کر لے تو گویا اس نے متعین اجرت چھوڑ کر غیر متعین اور مجہول اجرت قبول کر لی)، لہٰذا یہ حلال نہیں ہے اور مناسب بھی نہیں ہے۔

فائدہ :...... یہ امام مالک رحمہ اللہ کا موقف ہے ورنہ امام احمد رحمہ اللہ ، امام ابو یوسف رحمہ اللہ ، امام محمد رحمہ اللہ (صاحبین)، اکثر محدثین اور اہلحدیث کے نزدیک یہ جائز ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے پیچھے کتاب البیوع کے باب: 13 میں حدیث: 1327 کا فائدہ۔

قَالَ مَالِكٌ : وَلَا يَنْبَغِي لِرَجُلٍ أَنْ يُؤَاجِرَ نَفْسَهُ، وَلَا أَرْضَهُ، وَلَا سَفِينَتَهُ، إِلَّا بِشَيْءٍ مَعْلُومٍ، لَا يَزُولُ إِلَى غَيْرِهِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: کسی آدمی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے آپ کو یا اپنی زمین کو یا اپنی کشتی کو اجرت پر دے مگر کسی ایسی معلوم شے (اور متعین اجرت) کے عوض (دے سکتا ہے) کہ جو کسی اور (اجرت) کی طرف منتقل نہ ہو (یعنی اجرت متعین اور شک سے پاک ہو)۔

قَالَ مَالِكٌ : وَإِنَّمَا فَرَّقَ بَيْنَ الْمُسَاقَاةِ فِي النَّخْلِ وَالْأَرْضِ الْبَيْضَاءِ، أَنَّ صَاحِبَ النَّخْلِ لَا يَقْدِرُ عَلَى أَنْ يَبِيعَ ثَمَرَهَا حَتَّى يَبْدُوَ صَلَاحُهُ، وَصَاحِبُ الْأَرْضِ يُكْرِيهَا وَهِيَ أَرْضٌ بَيْضَاءُ لَا شَيْءَ فِيهَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: کھجوروں میں مساقات (حصے پر دینے) اور خالی زمین میں مساقات (حصے پر دینے) میں فرق یہ ہے کہ بے شک کھجور کا مالک اس کے پھل کو اس کی صلاحیت ظاہر ہونے سے پہلے بیچ نہیں سکتا (اسے ہر وقت بیع کا اختیار نہیں ہوتا) اور (جبکہ) زمین کا مالک اسے اس حالت میں بھی کرائے پر دے سکتا ہے کہ وہ خالی ہو اور اس میں کچھ بھی نہ ہو۔

فائدہ :......امام مالک رحمہ اللہ نے یہ سمجھا ہے کہ خالی زمین کو حصے پر دینا قیاس سے ثابت کیا جاتا ہے اور اسے کھجوروں وغیرہ کے باغ کو حصے پر دینے کے معاملے پر قیاس کیا جاتا ہے، تو وہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ یہ قیاس درست نہیں ہے کیونکہ مقیس اور مقیس علیہ میں فرق ہے...... حالانکہ جمہور کے نزدیک اس کا جواب خود رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، اور اس میں قیاس کیا ہی نہیں گیا۔ نص کے ہوتے ہوئے بھلا قیاس کی کیا ضرورت ہے۔ ہاں زمین کو حصے پر دینے کے معاملے میں یہ شرط ہے کہ زمین سے حاصل شدہ کل پیداوار کا حصہ متعین کیا جائے اور زمین کے مختلف ٹکڑوں کے حساب سے حصے نہ بانٹے جائیں یہ کہتے ہوئے کہ فلاں فلاں ایکڑ کی پیداوار میری اور باقی تمہاری۔

قَالَ مَالِكٌ : وَالْأَمْرُ عِنْدَنَا فِي النَّخْلِ أَيْضاً : امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں کھجور کے درختوں

إِنَّهَا تُسَاقِي السِّنِينَ الثَّلَاثَ وَالْأَرْبَعَ، وَأَقَلَّ مِنْ ذَلِكَ وَأَكْثَرَ وَكُلُّ شَيْءٍ مِثْلُ ذَلِكَ مِنَ الْأُصُولِ بِمَنْزِلَةِ النَّخْلِ، يَجُوزُ فِيهِ لِمَنْ سَاقَى مِنَ السِّنِينَ، مِثْلَ مَا يَجُوزُ فِي النَّخْلِ.

کے متعلق یہ حکم ہے کہ بلاشبہ انھیں تین یا چار سال یا اس سے کم وبیش کئی سال تک کے لیے مساقات پر لیا جاسکتا ہے، اور یہی وہ بات ہے جو میں نے (اہل علم سے) سنی ہے اور ہر وہ جڑ والی چیز جو اس کی مثل ہو وہ کھجور کے درختوں ہی کے قائم مقام ہے اور مساقات کرنے والے کے لیے اس میں بھی کئی سال کا عقد جائز ہے جس طرح کہ کھجور کے درختوں میں جائز ہے۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الْمُسَاقِي: إِنَّهُ لَا يَأْخُذُ مِنْ صَاحِبِهِ الَّذِي سَاقَاهُ شَيْئاً مِنْ ذَهَبٍ، وَلَا وَرِقٍ يَزْدَادُهُ، وَلَا طَعَامٍ، وَلَا شَيْئاً مِنَ الْأَشْيَاءِ، لَا يَصْلُحُ ذَلِكَ وَلَا يَنْبَغِي أَنْ يَأْخُذَ الْمُسَاقِي مِنْ رَبِّ الْحَائِطِ شَيْئاً يَزِيدُهُ إِيَّاهُ، مِنْ ذَهَبٍ، وَلَا وَرِقٍ، وَلَا طَعَامٍ، وَلَا شَيْءٍ مِنَ الْأَشْيَاءِ، وَالزِّيَادَةُ فِيمَا بَيْنَهُمَا لَا تَصْلُحُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے مساقات پر (باغ وغیرہ) دینے والے کے متعلق فرمایا کہ بلاشبہ وہ اپنے اس ساتھی سے جس کو مساقات کے لیے دے رہا ہے یعنی عامل سے کوئی چیز مثلاً سونا، چاندی، اناج یا کوئی بھی اور چیز اضافے میں حاصل نہیں کرسکتا، یہ درست نہیں ہے، اور نہ ہی مساقات پر لینے والے عامل کے لیے درست ہے کہ وہ باغ کے مالک سے کوئی زائد چیز حاصل کرے جسے وہ (باغ والا) اضافی طور پر اسے ادا کرے، نہ سونا، نہ چاندی، نہ اناج اور نہ ہی باقی چیزوں میں سے کوئی چیز۔ اور (الغرض) دونوں کے مابین (عقد مساقات کے سوا) کوئی بھی زائد چیز درست نہیں ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَالْمُقَارِضُ أَيْضاً بِهَذِهِ الْمَنْزِلَةِ لَا يَصْلُحُ، إِذَا دَخَلَتِ الزِّيَادَةُ فِي الْمُسَاقَاةِ أَوِ الْمُقَارَضَةِ صَارَتْ إِجَارَةً، وَمَا دَخَلَتْهُ الْإِجَارَةُ، فَإِنَّهُ لَا يَصْلُحُ وَلَا يَنْبَغِي أَنْ تَقَعَ الْإِجَارَةُ بِأَمْرِ غَرَرٍ، لَا يَدْرِي أَيَكُونُ، أَمْ لَا يَكُونُ، أَوْ يَقِلُّ أَوْ يَكْثُرُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور مضاربت پر دینے والا بھی اسی طرح ہے، جب مساقات یا مضاربت میں کوئی اضافی چیز (نفع وغیرہ کسی کی جانب سے) داخل ہوجائے تو وہ درست نہیں رہتی، (بلکہ) اجارہ بن جاتی ہے اور جس چیز میں اجارہ (اجرت پر مزدور رکھنا) داخل ہوجائے تو وہ بلاشبہ (بغیر مخصوص شرائط اور تعیین کے) درست نہیں ہوتی اور یہ جائز نہیں کہ اجارہ کا وقوع کسی دھوکے والے معاملے کے ساتھ کیا جائے، (کہ جس میں آدمی کو) پتا نہ چلے کہ یہ (مزدوری ثابت) ہوگی یا نہ، یا کم ہوگی یا زیادہ۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الرَّجُلِ يُسَاقِي الرَّجُلَ الْأَرْضَ

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جو کسی آدمی

فِيهَا النَّخْلُ وَالْكَرْمُ، أَوْ مَا أَشْبَهَ ذَلِكَ مِنَ الأُصُولِ، فَيَكُونُ فِيهَا الأَرْضُ الْبَيْضَاءُ.
قَالَ مَالِكٌ: إِذَا كَانَ الْبَيَاضُ تَبَعاً لِلأَصْلِ، وَكَانَ الأَصْلُ أَعْظَمَ مِنْ ذَلِكَ وأَكْثَرَهُ، فَلا بَأْسَ بِمُسَاقَاتِهِ، وَذَلِكَ أَنْ يَكُونَ النَّخْلُ الثُّلُثَيْنِ أَوْ أَكْثَرَ، وَيَكُونَ الْبَيَاضُ الثُّلُثَ أَوْ أَقَلَّ مِنْ ذَلِكَ، وَذَلِكَ أَنَّ الْبَيَاضَ حِينَئِذٍ تَبَعٌ لِلأَصْلِ.

کومساقات پر ایسی زمین دیتا ہے جس میں کھجوروں کے درخت یا انگوروں کی بیلیں یا ان کے مشابہ کوئی اور جڑیں (رکھنے والے پھل دار پودے) ہوں اور اس میں خالی زمین بھی ہو۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جب وہ خالی جگہ اصل (مقصود یعنی درختوں) کے تابع ہو اور زمین کا بڑا اور زیادہ حصہ درختوں پر مشتمل ہو تو اسے مساقات پر دینے میں کوئی حرج نہیں ہے اور یہ اس طرح ہوگا کہ کھجوروں کے درخت زمین کا دو تہائی یا اس سے بھی زیادہ (حصہ گھیرے ہوئے) ہوں اور خالی جگہ ایک تہائی یا اس سے بھی کم ہو اور یہ اس لیے (جائز) ہے کہ اس وقت خالی جگہ اصل (مقصود) کے تابع ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَإِذَا كَانَتِ الأَرْضُ الْبَيْضَاءُ فِيهَا نَخْلٌ أَوْ كَرْمٌ أَوْ مَا يُشْبِهُ ذَلِكَ مِنَ الأُصُولِ، فَكَانَ الأَصْلُ الثُّلُثَ أَوْ أَقَلَّ، وَالْبَيَاضُ الثُّلُثَيْنِ أَوْ أَكْثَرَ، جَازَ فِي ذَلِكَ الْكِرَاءُ، وَحَرُمَتْ فِيهِ الْمُسَاقَاةُ، وَذَلِكَ أَنَّ مِنْ أَمْرِ النَّاسِ أَنْ يُسَاقُوا الأَصْلَ وَفِيهِ الْبَيَاضُ، وَتُكْرَى الأَرْضُ وَفِيهَا الشَّيْءُ الْيَسِيرُ مِنَ الأَصْلِ، أَوْ يُبَاعَ الْمُصْحَفُ أَوِ السَّيْفُ وَفِيهِمَا الْحِلْيَةُ مِنَ الْوَرِقِ بِالْوَرِقِ، أَوِ الْقِلادَةُ أَوِ الْخَاتَمُ وَفِيهِمَا الْفُصُوصُ وَالذَّهَبُ بِالدَّنَانِيرِ، وَلَمْ تَزَلْ هَذِهِ الْبُيُوعُ جَائِزَةً يَتَبَايَعُهَا النَّاسُ وَيَبْتَاعُونَهَا، وَلَمْ يَأْتِ فِي ذَلِكَ شَيْءٌ مَوْصُوفٌ مَوْقُوفٌ عَلَيْهِ، إِذَا هُوَ بَلَغَهُ كَانَ حَرَاماً، أَوْ قَصُرَ عَنْهُ كَانَ حَلالاً. وَالأَمْرُ فِي ذَلِكَ عِنْدَنَا، الَّذِي عَمِلَ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور جب خالی زمین ایسی ہو کہ اس میں کھجوروں کے درخت یا انگوروں کی بیلیں ہوں یا ان کے مشابہ دوسرے درخت وغیرہ ہوں اور یہ اصل (مقصود یعنی پھلدار درخت اور بیلیں) ایک تہائی یا اس سے بھی کم ہوں اور خالی جگہ دو تہائی یا اس سے بھی زیادہ ہو تو پھر اس زمین کو ٹھیکے پر دینا (نقدی کے عوض کرائے پر دینا تو) جائز ہے اور اس میں مساقات (حصے پر دینا) حرام ہے۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ بے شک لوگوں کا معمول یہ ہے کہ وہ ایسے درختوں کو تو مساقات پر دے دیتے ہیں جن میں (کچھ) خالی جگہ ہو اور اس زمین کو کرائے (اور ٹھیکے ہی) دیا جاتا ہے جس میں تھوڑے سے درخت وغیرہ ہوں یا ایسا مصحف قرآن یا تلوار جن میں چاندی کا زیور (لگا ہوا) ہو اور انھیں (خالص) چاندی کے عوض بیچ دیا جاتا ہے یا ایسا ہار یا انگوٹھی جس میں نگینے یا سونا ہو، انھیں (خالص سونے کے) دیناروں کے عوض بیچا جاتا ہے، (بشرطیکہ) قرآن یا تلوار یا

بِهِ النَّاسُ وَأَجَازُوهُ بَيْنَهُمْ : أَنَّهُ إِذَا كَانَ الشَّيْءُ مِنْ ذَلِكَ الْوَرِقِ أَوِ الذَّهَبِ تَبَعاً لِمَا هُوَ فِيهِ جَازَ بَيْعُهُ، وَذَلِكَ أَنْ يَكُونَ النَّصْلُ أَوِ الْمُصْحَفُ أَوِ الْفُصُوصُ قِيمَتُهُ الثُّلُثَانِ أَوْ أَكْثَرُ، وَالْحِلْيَةُ قِيمَتُهَا الثُّلُثُ أَوْ أَقَلُّ .

ہار یا انگوٹھی اصل مقصود ہوں اور ان میں ملا ہوا سونا یا چاندی تھوڑی مقدار میں ہو اور اصل کے تابع ہو) اور ہمیشہ سے خرید وفروخت کی یہ قسمیں جائز رہی ہیں۔ لوگ انھیں بیچتے اور خریدتے ہیں، اور ان کے متعلق کوئی خاص بیان کردہ مقدار (اور حد کسی روایت میں) وارد نہیں ہوئی کہ جس پر ٹھہرا جا سکے کہ جب وہ (مکس سونا یا چاندی) اس حد کو پہنچے تو بیع حرام ہو جائے یا اس سے کم ہو تو حلال رہے اور (بلکہ) ہمارے نزدیک اس بارے میں معتبر چیز وہی ہے جس کے ساتھ لوگوں نے یہ عمل کیا ہے اور اسے آپس میں جائز قرار دیا ہے (اور وہ یہ ہے کہ) بے شک جب ان مذکورہ اشیاء میں سے کسی میں چاندی یا سونا اس چیز کے تابع ہو جس میں وہ جڑے ہوئے ہوں تو اس کی بیع جائز ہے اور (لوگوں میں اس کا ایک پیمانہ مقرر کر لیا گیا ہے اور) وہ اس طرح ہے کہ تیر یا تلوار یا مصحف قرآن یا نگینوں کی قیمت (کل قیمت کا) دو تہائی یا اس سے زیادہ ہو اور (سونے چاندی کے) زیور کی قیمت ایک تہائی یا اس سے کم ہو۔

فائدہ :......اس بارے میں راجح موقف یہ ہے کہ اگر ان چیزوں کو سونا و چاندی کے عوض بیچنا مقصود ہو اور ان سے سونا اور چاندی الگ ہو سکتے ہوں تو سونے کا سونے کے بدلے اور چاندی کا چاندی کے بدلے برابر وزن کے ساتھ تبادلہ کیا جائے اور باقی چیز کی الگ قیمت لگائی جائے ......اور اگر سونا و چاندی الگ نہ ہو سکیں تو پھر بھی یہ حساب رکھا جائے کہ سونا و چاندی کے بدلے ہم جنس چیز کا تبادلہ برابر برابر ہو اور باقی چیز میں جتنا چاہو نفع کماؤ......رہی یہ بات کہ زمین کا کچھ حصہ درختوں پر مشتمل ہو اور کچھ حصہ خالی ہو تو اس بارے میں امام صاحب کی بیان کردہ تفصیل تو ان کے اپنے موقف کے مطابق ہے کہ زمین کو حصے پر دینا درست ہی نہیں، جبکہ ہمارے نزدیک اور امام احمد رحمہ اللہ، امام محمد رحمہ اللہ، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ، اکثر محدثین اور اہلحدیث کے نزدیک زمین کو اس کی مجموعی پیداوار کے متعین حصے پر دینا بلاشک درست ہے، لہٰذا اس مذکورہ تفصیل کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

2- بَابٌ: اَلشَّرْطُ فِي الرَّقِيقِ فِي الْمُسَاقَاةِ

مُساقات میں غلاموں (سے خدمت کرانے) کی شرط کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کے چھ فتاوی جات مذکور ہیں۔

قَالَ يَحْيَى : قَالَ مَالِكٌ : إِنَّ أَحْسَنَ مَا سُمِعَ فِي عُمَّالِ الرَّقِيقِ فِي الْمُسَاقَاةِ يَشْتَرِطُهُمُ الْمُسَاقَى عَلَى صَاحِبِ الأَرْضِ، إِنَّهُ لَا

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: یقیناً سب سے بہتر بات جو اس بارے میں سنی گئی ہے کہ اگر عامل درختوں کے مالک سے مساقات میں کام کاج کرنے والے دو غلاموں کی شرط

بَأْسَ بِذَلِكَ، لِأَنَّهُمْ عُمَّالُ الْمَالِ، فَهُمْ بِمَنْزِلَةِ الْمَالِ لَا مَنْفَعَةَ فِيهِمْ لِلدَّاخِلِ، إِلَّا أَنَّهُ تَخِفُّ عَنْهُ بِهِمُ الْمَؤُونَةُ، وَإِنْ لَمْ يَكُونُوا فِي الْمَالِ اشْتَدَّتْ مَؤُونَتُهُ، وَإِنَّمَا ذَلِكَ بِمَنْزِلَةِ الْمُسَاقَاةِ فِي الْعَيْنِ وَالنَّضْحِ، وَلَنْ تَجِدَ أَحَداً يُسَاقَى فِي أَرْضَيْنِ سَوَاءٍ فِي الْأَصْلِ وَالْمَنْفَعَةِ، إِحْدَاهُمَا بِعَيْنٍ وَاثِنَةٍ غَزِيرَةٍ، وَالْأُخْرَى بِنَضْحٍ عَلَى شَيْءٍ وَاحِدٍ، لِخِفَّةِ مُؤْنَةِ الْعَيْنِ، وَشِدَّةِ مُؤْنَةِ النَّضْحِ. قَالَ: وَعَلَى ذَلِكَ الْأَمْرُ عِنْدَنَا. قَالَ: وَالْوَاثِنَةُ الثَّابِتُ مَاؤُهَا الَّتِي لَا تَغُورُ وَلَا تَنْقَطِعُ.

کرلے (کہ تمھارے غلام جو پہلے سے یہاں مقرر تھے انھیں بحال ہی رہنے دینا تاکہ وہ میرا ہاتھ بٹاتے رہیں) تو بلاشبہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ وہ تو (پہلے ہی سے اسی) مال کے کام کاج کرنے والے ہوتے ہیں اور وہ مال ہی کے قائم مقام ہوتے ہیں، ان (کی شرط کرنے) میں عامل (جو مساقات کے لیے اس عقد میں داخل ہوا ہے،) کا کوئی (زائد) نفع نہیں، سوائے اس کے کہ ان کی وجہ سے اس کی مشقت میں ذرا کمی آجائے گی اور اگر وہ مال میں نہ ہوتے تو اس کی مشقت سخت ہوتی اور یہ تو صرف اس مساقات (کے فرق) کی طرح ہے جو چشمے اور پانی کھینچ کر لانے میں ہو۔ (کسی مساقات کرنے والے کو پانی لانے کے لیے محنت نہیں کرنا پڑتی اور پانی خود ہی چشموں سے بہہ کر اس کے پاس پہنچ جاتا ہے اور بعض عاملوں کو دور سے جانوروں پر پانی لاد کر لانا پڑتا ہے۔) اور تم ہرگز کسی ایسے شخص کو نہ پاؤ گے جو کوئی سی دو زمینوں میں مساقات کرے اور وہ دونوں (زمینیں) درختوں اور منفعت میں برابر ہوں (بلکہ ہر زمین سہولتوں اور مشقتوں میں دوسری زمین سے فرق رکھتی ہے اور اسی حساب سے نفع میں کمی بیشی طے پاتی ہے)۔ ان میں سے ایک زمین تو ہمیشہ بہنے والے اور وافر پانی والے چشمے سے سیراب ہوتی ہے اور دوسری (زمین) جانوروں پر پانی لاد کر لانے کے ذریعے سیراب کی جاتی ہے، (تو آپ ایسی دو مختلف زمینوں میں مساقات کرنے والے کو) کسی ایک ہی چیز (مزدوری یا حصے) پر نہ پائیں گے (دونوں زمینوں میں حصہ اور نفع کی مقدار الگ الگ ہی طے پائے گی) کیونکہ چشمے کی مشقت خفیف اور لاد کر پانی لانے کی مشقت سخت ہوتی ہے......امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہمارے ہاں اسی کے مطابق حکم (نافذ) ہے......امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ (فتویٰ میں مذکور لفظ) ''واثنہ'' سے مراد وہ چشمہ ہے جس کا پانی موجود ہو اور نہ وہ گہرا ہوتا ہو (اس کا پانی کم ہو کر نیچے گہرائی میں نہ چلا جاتا ہو) اور نہ ہی وہ منقطع ہوتا ہو۔

قَالَ مَالِكٌ: وَلَيْسَ لِلْمُسَاقِي أَنْ يَعْمَلَ بِعُمَّالِ الْمَالِ فِي غَيْرِهِ، وَلَا أَنْ يَشْتَرِطَ ذَلِكَ عَلَى الَّذِي سَاقَاهُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: مساقات پر کام کرنے والے (عامل) کے لیے جائز نہیں کہ وہ مال (زمین اور درختوں) میں کام کرنے والے غلاموں سے اسی مال کے علاوہ کوئی اور کام کرائے اور نہ ہی وہ اس شخص پر جس نے اسے مساقات پر رکھا ہے، اس (زائد کام) کی شرط لگائے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَلَا يَجُوزُ لِلَّذِي سَاقَى أَنْ يَشْتَرِطَ عَلَى رَبِّ الْمَالِ رَقِيقاً يَعْمَلُ بِهِمْ فِي الْحَائِطِ لَيْسُوا فِيهِ حِينَ سَاقَاهُ إِيَّاهُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: مساقات پر کام کرنے والے کے لیے جائز نہیں کہ وہ مال (یعنی زمین) کے مالک سے کچھ ایسے غلاموں کی شرط کر لے جن کے ساتھ مل کر وہ باغ میں کام کرے۔ حالانکہ وہ اس وقت اس زمین میں مقرر نہ تھے جب مالک نے اسے مساقات پر رکھا تھا۔

قَالَ مَالِكٌ : وَلَا يَنْبَغِي لِرَبِّ الْمَالِ أَنْ يَشْتَرِطَ عَلَى الَّذِي دَخَلَ فِي مَالِهِ بِمُسَاقَاةٍ أَنْ يَأْخُذَ مِنْ رَقِيقِ الْمَالِ أَحَداً يُخْرِجُهُ مِنَ الْمَالِ، وَإِنَّمَا مُسَاقَاةُ الْمَالِ عَلَى حَالِهِ الَّذِي هُوَ عَلَيْهِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور نہ ہی ربُّ المال (زمین کے مالک) کے لیے جائز ہے کہ وہ اس شخص جو مساقات کے سلسلے میں اس کے مال میں داخل ہوا ہے (یعنی عامل) پر یہ شرط لگائے کہ وہ اس مال (زمین پر مقرر اس) کے غلاموں میں سے کسی کو (واپس لے) گا اور اسے زمین سے باہر نکال دے گا اور (بلکہ) بلاشبہ زمین کی مساقات اسی حالت پر ہوتی ہے جس پر وہ (عقدِ مساقات کے وقت) ہو۔

قَالَ : فَإِنْ كَانَ صَاحِبُ الْمَالِ يُرِيدُ أَنْ يُخْرِجَ مِنْ رَقِيقِ الْمَالِ أَحَداً فَلْيُخْرِجْهُ قَبْلَ الْمُسَاقَاةِ، أَوْ يُرِيدُ أَنْ يُدْخِلَ فِيهِ أَحَداً فَلْيَفْعَلْ ذَلِكَ قَبْلَ الْمُسَاقَاةِ، ثُمَّ يُسَاقِي بَعْدَ ذَلِكَ إِنْ شَاءَ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر زمین کا مالک چاہتا ہے کہ زمین پر مقرر غلاموں میں سے کسی کو باہر نکال لے تو اسے چاہیے کہ اسے (عقدِ مساقات سے پہلے) نکال لے یا وہ اس میں کسی کو داخل کرنا چاہتا ہے تو اسے مساقات کرنے سے قبل داخل کر لے، پھر وہ اس (نکالنے یا داخل کرنے) کے بعد اگر چاہے تو مساقات کر لے۔

قَالَ وَمَنْ مَاتَ مِنَ الرَّقِيقِ أَوْ غَابَ، أَوْ مَرِضَ فَعَلَى رَبِّ الْمَالِ أَنْ يُخْلِفَهُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور (زمین میں مقرر) غلاموں میں سے کوئی مرجائے یا غائب ہوجائے یا بیمار پڑجائے تو ربُّ المال (زمین کے مالک) پر لازم ہے کہ اس کا نائب بنائے (اور کسی دوسرے غلام کو اس کی جگہ پر مہیا کرے)۔

36 كِتَابُ كِرَاءِ الْأَرْضِ

زمین کو کرائے (ٹھیکے) پر دینے کے مسائل کی کتاب

خلاصۃ الکتاب اس کتاب میں ایک باب اور پانچ روایات ہیں جن میں سے ایک مرفوع صحیح، ایک موقوف ضعیف اور تین مقطوع صحیح روایات ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

فائدہ : ......زمین کو کاشتکاری کے لیے کسی کے ہاتھ دینا چھ طرح کا ہوتا ہے: (1) عاریتاً دینا۔ کچھ عرصے کے لیے ازروئے احسان دینا۔ یہ سب کے نزدیک بالاتفاق جائز ہے۔ (2) نقدی مثلاً سونا، چاندی، درہم، دینار، روپیہ، ڈالر، ریال وغیرہ مقرر کر کے زمین دینا۔ اس کو عام طور پر کرائے پر دینا، اجارہ کے طور پر دینا اور ٹھیکے پر دینا کہتے ہیں اور مذکورہ باب میں اسی کا بیان مقصود ہے۔ یہ صورت اکا دکا کے سوا تمام علماء وفقہاء کے ہاں بالاتفاق جائز ہے۔ (3) کسی اناج کا ماپ یا تول مقرر کر کے اس کے عوض زمین دینا، خواہ وہ اناج زمین کی مطلوبہ فصل کی جنس سے ہو یا اس کے علاوہ سے، لیکن وہ اس زمین سے حاصل شدہ نہ ہو۔ یہ صورت بھی "ٹھیکے پر دینے" کے قریب قریب ہے اور جمہور یعنی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ اور اہلحدیث کے ہاں جائز ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ اسے ناجائز کہتے ہیں۔ (4) اس اناج کی مقدار مقرر کر کے دینا جو اس زمین سے حاصل شدہ ہو۔ یہ صورت اہلحدیث کے ہاں جائز ہے کیونکہ یہ بھی ٹھیکے پر دینے کی ایک شکل ہے۔ البتہ امام مالک رحمہ اللہ، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ناجائز ہے۔ (5) زمین سے جو بھی پیداوار حاصل ہو۔ اسی کا نصف یا تہائی یا چوتھائی یا کم وبیش طے کر کے دینا۔ اسی کو ہمارے علاقوں میں "حصے پر دینا اور بٹائی پر دینا" کہتے ہیں۔ حدیث اور فقہ کی اصطلاح میں اسے "مزارعت" کہتے ہیں بشرطیکہ فصلوں اور کھیتوں کے متعلق ہو اور اگر اس کا تعلق باغات سے ہو تو اسے "مساقات" کہتے ہیں۔ یہ مزارعت (فصلوں والی زمین کو بٹائی پر دینا) امام مالک رحمہ اللہ، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ناجائز ہے جبکہ امام احمد رحمہ اللہ، صاحبین (امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے دونوں مایہ ناز شاگردوں یعنی امام ابویوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ)، اکثر محدثین اور اہلحدیث کے نزدیک جائز ہے۔ اس مساقات (باغات کو بٹائی پر دینا) تو وہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے شدید

مقلدین کے سوا سب کے نزدیک جائز ہے حتی کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک بھی جائز ہے۔(6) زمین کے کچھ حصے اور ٹکڑے متعین کرنا کہ فلاں ایکڑ کی پیداوار تمھاری اور فلاں فلاں حصے کی فصل میری ہوگی۔قطعہ ارضی کی یہ تخصیص بالاتفاق ناجائز اور حرام ہے......اہلحدیث کے نزدیک راجح موقف کے مطابق پہلی پانچوں صورتیں جائز ہیں اور آخری حرام ہے۔یہی موقف امام احمد رحمہ اللہ، صاحبین اور اکثر محدثین کا ہے۔واللہ اعلم بالصواب۔

1- بَابُ مَاجَاءَ فِي كِرَاءِ الْأَرْضِ

زمین کو ٹھیکے پر دینے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں پانچ روایات ہیں۔ایک مرفوع (حدیث نبوی ﷺ) ہے جو بخاری و مسلم میں بھی موجود ہے، ایک موقوف (اثر صحابی رضی اللہ عنہ) ہے جو سنداً ضعیف ہے اور تین مقطوع (آثار تابعین رحمہم اللہ) ہیں جو سنداً صحیح ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

[1403] حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ حَنْظَلَةَ بْنِ قَيْسٍ الزُّرَقِيِّ، عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَهَى عَنْ كِرَاءِ الْمَزَارِعِ.قَالَ حَنْظَلَةُ: فَسَأَلْتُ رَافِعَ بْنَ خَدِيجٍ بِالذَّهَبِ وَالْوَرِقِ؟ فَقَالَ: أَمَّا بِالذَّهَبِ وَالْوَرِقِ فَلَا بَأْسَ بِهِ.

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے کھیتوں کو کرائے پر (حصہ پر) دینے سے منع فرمایا ہے۔(ان کے شاگرد) حنظلہ (بن قیس رحمہ اللہ) کہتے ہیں کہ میں نے حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے سونے اور چاندی کے عوض (کرائے اور ٹھیکے پر زمین) دینے کے متعلق سوال کیا تو وہ کہنے لگے کہ رہا سونا اور چاندی تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

فائدہ:......سونا و چاندی سے مراد نقدی ہے اور آج کل کی ہر کرنسی کا یہی حکم ہے...... یاد رہے کہ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے روایت کے شروع میں زمین کو حصے پر دینے کی ممانعت بھی نقل کی ہے۔حالانکہ خود رسول اللہ ﷺ نے خیبر کی زمینوں میں یہی معاملہ کیا اور امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تمام مہاجرین گھرانے تہائی یا چوتھائی حصہ پیداوار پر زمینیں حصے پر لیتے تھے۔حضرت علی، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم، نیز حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ، قاسم رحمہ اللہ، عروہ بن زبیر رحمہ اللہ، آل ابی بکر رضی اللہ عنہ، آل عمر رضی اللہ عنہ اور آل علی رضی اللہ عنہ سب نے حصے پر زمینیں لینے دینے کا کام کیا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی نصف یا کم وبیش پر یہ عمل کرتے تھے۔(بخاری، قبل از حدیث: 2328)

[1403] (مرفوع صحیح)صحیح البخاری، کتاب المزارعۃ، باب: 7، حدیث: 2327، صحیح مسلم، کتاب البیوع، باب کراء الارض بالذهب والورق، حدیث: 1547/ 115، بعد از حدیث: 1548، ابوداود: 3393، ترمذی: 1384، نسائی: 3931، ابن ماجه: 2458، احمد: 4/ 140 (17390).

[1404] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّهُ قَالَ: سَأَلْتُ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ عَنْ كِرَاءِ الأَرْضِ بِالذَّهَبِ وَالْوَرِقِ؟ فَقَالَ: لَا بَأْسَ بِهِ.

ابن شہاب رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے زمین کو سونے اور چاندی کے عوض کرائے پر دینے کے متعلق پوچھا تو انھوں نے کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

[1405] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّهُ سَأَلَ سَالِمَ بْنَ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ كِرَاءِ الْمَزَارِعِ فَقَالَ: لَا بَأْسَ بِهَا بِالذَّهَبِ وَالْوَرِقِ. قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: فَقُلْتُ لَهُ: أَرَأَيْتَ الْحَدِيثَ الَّذِي يُذْكَرُ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ فَقَالَ: أَكْثَرَ رَافِعٌ، وَلَوْ كَانَتْ لِي مَزْرَعَةٌ أَكْرَيْتُهَا.

ابن شہاب رحمہ اللہ (ہی) سے روایت ہے، انھوں نے سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کھیتوں کو کرائے پر دینے کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے کہا کہ سونے اور چاندی کے عوض انھیں (کرائے اور ٹھیکے پر) دینے میں کوئی حرج نہیں ہے، ابن شہاب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے ان سے کہا کہ کیا آپ کو اس حدیث کا علم ہے جو حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت کی جاتی ہے، (مجھے اس کے متعلق بتائیے) تو انھوں نے کہا کہ حضرت رافع رضی اللہ عنہ نے کچھ زیادہ ہی بیان کر دیا ہے، اگر میرا کوئی کھیت ہوتو میں اسے ٹھیکے پر دے دیتا۔

فائدہ: ......دراصل حضرت رافع رضی اللہ عنہ کبھی براہ راست (بخاری 2286، مسلم: 1547) اور کبھی اپنے دو چچاؤں جو بدری صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے تھے، کی روایت سے یہ حدیث نقل کرتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زمینوں کو کرائے پر دینے سے منع کیا ہے۔(بخاری: 2346، مسلم: 112/1547) ان کی اس روایت کے الفاظ میں عموم ہے جس کی وجہ سے یہ سمجھا جانے لگا کہ ہر طرح سے زمین کو معاوضے پر دینا حرام ہے۔حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ زمانہ نبوی سے عہد معاویہ رضی اللہ عنہ تک زمین ٹھیکے پر دیتے رہے، جب عہد معاویہ رضی اللہ عنہ کے آغاز میں انھیں اس روایت کا پتہ چلا (بخاری: 2343، 2344، مسلم: 109/1547) تو انھوں نے ٹھیکے پر زمین دینا ترک کر دیا۔(بخاری: 2345، مسلم 109/1547)......حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ اپنے اجتہاد سے صرف سونے اور چاندی کے عوض زمین کرائے پر یعنی ٹھیکے پر دینے کے قائل تھے جیسا کہ موطا کی پہلی روایت میں گزرا ہے۔بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ ایک دفعہ دو آدمیوں کا اس سلسلے میں جھگڑا ہو گیا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اگر ایسے ہی کرنا ہے تو زمینیں کرائے پر ہی نہ

[1404] (مقطوع صحيح) بيهقى: 6/ 133 (11731)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

[1405] (مقطوع صحيح) بيهقى فى السنن الكبرى: 6/ 131 (11718)، وفى معرفة السنن والآثار: 4/ 506 (3718)، الشافعى فى الام: 4/ 25، وفى المسند: 2/ 279۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

دیا کرو، تو حضرت رافع رضی اللہ عنہ نے فرمان نبوی ﷺ کا آخری حصہ سن لیا اور اسی کو بیان کرنے لگے۔ یعنی آپ ﷺ کی ممانعت تو محض ڈانٹ ڈپٹ کے طور پر تھی لیکن حضرت رافع رضی اللہ عنہ نے اسے تحریم پر محمول کر لیا۔ (طحاوی بحوالہ زرقانی: 510/3) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ نبی کریم ﷺ نے اس سے منع نہیں فرمایا تھا۔ (بخاری: 2342، مسلم: 121/1550) ایک روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ''مزارعت'' (حصے پر دینے) سے منع نہیں فرمایا (ترمذی: 1385۔ اس کی سند صحیح ہے) بلکہ صرف یہ فرمایا تھا کہ ''تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کو زمین تحفے کے طور پر دے دے تو یہ اس کے لیے اس سے بہتر ہے کہ اس پر کوئی متعین چیز وصول کرے''۔ (بخاری: 2342، مسلم: 1550) یعنی جائز تو دونوں کام ہیں لیکن حصے یا ٹھیکے پر دینے کی نسبت عاریتاً یا تحفتاً دے دینا ہی بہتر ہے۔ خود حضرت رافع رضی اللہ عنہ کی روایت میں وضاحت ہے کہ ہمیں قطعہ اراضی کی تخصیص کرنے سے روکا گیا اور چاندی کے بدلے دینے سے نہیں روکا گیا۔ (بخاری: 2722، مسلم: 117/1547) ایک روایت میں خود حضرت رافع رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: ((فَـأَمَّـا شَـيْءٌ مَعْلُومٌ مَضْمُونٌ فَلَا بَأْسَ بِهِ)) ''رہی وہ چیز جو معلوم (متعین) ہو اور اس کی ضمانت دی گئی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے''۔ (مسلم: 116/1547)

[1406] وَحَـدَّثَنِي مَالِكٌ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ عَبْدَ الـرَّحْـمَنِ بْنَ عَوْفٍ تَكَارَى أَرْضاً، فَلَمْ تَزَلْ فِـي يَـدَيْـهِ بِـكِرَاءٍ حَتَّـى مَاتَ، قَالَ ابْنُهُ: فَمَا كُـنْـتُ أُرَاهَـا إِلَّا لَـنَا مِنْ طُولِ مَا مَكَثَتْ فِي يَـدَيْـهِ، حَتَّـى ذَكَـرَهَـا لَنَا عِنْدَ مَوْتِهِ، فَأَمَرَنَا بِـقَضَاءِ شَيْءٍ كَانَ عَلَيْهِ مِنْ كِرَائِهَا، ذَهَبٍ أَوْ وَرِقٍ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ایک زمین کرائے پر لے رکھی تھی، وہ کرائے پر مسلسل انھی کے پاس رہی، یہاں تک کہ وہ فوت ہو گئے، ان کے بیٹے (ابوسلمہ یا حمید) نے کہا کہ میں اس زمین کو اپنے سوا کسی اور کی نہیں سمجھتا تھا، اس وجہ سے کہ وہ لبا عرصہ انھی (یعنی والد صاحب) کے ہاتھوں میں رہی تھی۔ یہاں تک کہ انھوں نے اپنی وفات کے وقت ہم سے اس کا ذکر کیا، پھر ہمیں اس چیز یعنی سونے یا چاندی کی ادائیگی کا حکم دیا جو ان کے ذمے اس کے کرائے میں سے باقی تھی۔

[1407] وَحَـدَّثَـنِـي مَـالِكٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُـرْوَةَ، عَـنْ أَبِـيـهِ: أَنَّـهُ كَـانَ يُـكْرِي أَرْضَهُ

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ اپنے والد (عروہ بن زبیر رحمہ اللہ) سے روایت کرتے ہیں کہ بلاشبہ وہ اپنی زمین سونے اور چاندی

[1406] (موقوف ضعيف) بيهقي: 6/ 119 (11648)، الشافعي في الام: 4/ 25۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے۔

[1407] (مقطوع صحيح) بيهقي: 6/ 133 (11731)، الشافعي في الأم: 4/ 25، وفي المسند: 2/ 279۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

بِالذَّهَبِ وَالْوَرِقِ.

کے عوض کرائے پر دیا کرتے تھے۔

وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنْ رَجُلٍ أَكْرَى مَزْرَعَتَهُ بِمِئَةِ صَاعٍ مِنْ تَمْرٍ، أَوْ مِمَّا يَخْرُجُ مِنْهَا مِنَ الْحِنْطَةِ، أَوْ مِنْ غَيْرِ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا؟ فَكَرِهَ ذَلِكَ.

امام مالک رحمہ اللہ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس نے اپنے کھیت کو کرائے پر دیا، کھجور کے (مقرر شدہ) سو صاع کے عوض یا اسی کھیت سے حاصل شدہ گندم (کے سو صاع) کے عوض، یا اس زمین سے نکلنے والی فصل کے علاوہ (کسی اور زمین کی سو صاع گندم) کے عوض۔ تو انھوں نے ان سب کو ناپسند کیا۔

فائدہ: ...... حالانکہ پیچھے گزر چکا ہے کہ ''وہ چیز جو متعین ہو اور اس کی ضمانت دی گئی ہو تو اس (کے بدلے زمین کرائے پر دینے) میں کوئی حرج نہیں ہے''۔ (مسلم: 116/1547)

37

كِتَابُ الشُّفْعَةِ

حق شفعہ کے مسائل کی کتاب

خلاصۃ الکتاب اس کتاب میں دو ابواب اور چار روایات ہیں جن میں سے ایک مرفوع (حدیث نبوی ﷺ) ہے جو بخاری و مسلم میں بھی موجود ہے ۔ ایک موقوف (اثر صحابی رضی اللہ عنہ) ہے جو سنداً ضعیف ہے اور دو مقطوع (آثار تابعین رحمہ اللہ) ہیں اور وہ دونوں بھی سنداً ضعیف ہیں۔ نیز امام مالک رحمہ اللہ کے بیس فتاوی جات بھی مذکور ہیں۔

فائدہ :...... "شُفْعَه" کالفظ "شَفْعٌ" سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں: "جوڑا، زائد، ملانا" وغیرہ۔ یہاں اس سے مراد وہ استحقاق (حقدار ہونا) ہے جو شریک کو حاصل ہوتا ہے۔ اس کی تعریف یوں کرتے ہیں: "ایک شریک کا وہ حصہ جو اجنبی کی طرف منتقل ہو گیا تھا، مقرر شدہ معاوضے کے بدلے دوسرے شریک کی طرف منتقل کرنا"۔ دراصل باہم شراکت رکھنے والوں کے ایک دوسرے پر حقوق ہوتے ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب کوئی شریک اپنا حصہ بیچنا چاہے تو کسی اجنبی شخص کو بیچنے کی بجائے اپنے شریک سے پوچھ لے، اگر وہ خریدنے پر راضی ہو تو اسی کو بیچ دے اگر اس نے اسے بتائے بغیر کسی اور کے ہاتھ بیچ دیا تو شریعت نے شریک کو حق عطا کیا ہے کہ وہ اجنبی کے ساتھ طے شدہ بھاؤ پر اس فروخت شدہ حصے پر قبضہ کر لے، اسی حق کو حق شفعہ کہتے ہیں۔ اور اس میں حکمت یہ ہے کہ اجنبی آدمی کے متعلق کوئی خبر نہیں ہوتی کہ وہ کس طرح کے رویے اور برتاؤ کا مالک ہے، اپنے شریک سے کس طرح پیش آئے گا، ممکن ہے کہ وہ وبال جان بننے والا ہو تو اس خدشے کے پیش نظر شرکاء کو حق شراکت کی بنا پر حق شفعہ سے نوازا گیا ہے۔ اس میں طریق کار یہ ہوتا ہے کہ حق شفعہ کا طالب شریک اس اجنبی خریدار کو وہ رقم ادا کر دیتا ہے جو اس خریدار نے بیچنے والے کو ادا کی ہوتی ہے، اس عمل سے وہ "شفیع" (حق شفعہ استعمال کرنے والا) اس چیز کی ملکیت پالیتا ہے۔

1- بَابُ مَا تَقَعُ فِيهِ الشُّفْعَةُ

ان چیزوں کا بیان جن میں شفعہ ہو سکتا ہے

خلاصۃ الباب اس باب میں تین روایات ہیں۔ ایک مرفوع (حدیث نبوی ﷺ) ہے جو بخاری و مسلم میں بھی

موجود ہے اور دو مقطوع (آثار تابعین ﷫) ہیں جو کہ سنداً ضعیف ہیں، نیز امام مالک ﷫ کے تیرہ فتاوی جات بھی مذکور ہیں۔

[1408] حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، وَعَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَضَى بِالشُّفْعَةِ فِيمَا لَمْ يُقْسَمْ بَيْنَ الشُّرَكَاءِ، فَإِذَا وَقَعَتِ الْحُدُودُ بَيْنَهُمْ، فَلَا شُفْعَةَ فِيهِ. قَالَ مَالِكٌ: وَعَلَى ذَلِكَ السُّنَّةُ الَّتِي لَا اخْتِلَافَ فِيهَا عِنْدَنَا.

سعید بن مسیب ﷫ اور ابوسلمہ بن عبدالرحمن بن عوف ﷫ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ ﷺ نے ہر اس چیز میں شفعہ کا فیصلہ فرمایا ہے جو شرکاء کے مابین تقسیم نہ ہوئی ہو، چنانچہ جب ان کے درمیان حد بندی ہو جائے تو پھر کوئی شفعہ نہیں ہے۔ امام مالک ﷫ نے فرمایا: یہی وہ مسنون طریقہ ہے جس میں ہمارے ہاں (مدینہ منورہ میں) کوئی اختلاف نہیں ہے۔

فائدہ:...... اس بحث میں دو مسئلے بہت اہم ہیں: (1) حقِ شفعہ کس کس چیز میں ہوسکتا ہے؟ (2) کیا وہ شخص جو شریک نہیں لیکن پڑوسی ہے تو کیا اسے حقِ شفعہ ملے گا؟ جمہور کے نزدیک شفعہ صرف غیر منقولہ چیزوں میں ہوسکتا ہے یعنی جن چیزوں کا تعلق زمین سے ہے مثلاً کھیت، باغ، گھر، دکان، عمارتیں وغیرہ۔ اس موقف کی ایک دلیل ''حد بندی'' کا لفظ ہے اور حد بندی زمین پر ہی ہوسکتی ہے۔ دوسری بات یہ کہ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ پڑوسی کے لیے حقِ شفعہ نہیں ہے کیونکہ جب حد بندی کی جاتی ہے تو وہی لوگ جو پہلے شریک ہوتے ہیں، اب شراکت سے محروم ہوکر ہمسائے کا درجہ پا لیتے ہیں اور آپ ﷺ یہی فرمارہے ہیں کہ تقسیم اور حد بندی سے قبل شفعہ ہے اور بعد از تقسیم شفعہ نہیں یعنی ہمسایوں کے لیے حقِ شفعہ نہیں ہے۔ یہی موقف ہے جمہور علماء کا جن میں امام مالک ﷫، امام شافعی ﷫، امام احمد ﷫، اور اہلحدیث شامل ہیں اور یہی راجح ہے۔ رہیں وہ روایات جن میں آنے والے لفظ ''جار'' (پڑوسی) سے ہمسائے کے حقِ شفعہ کا استدلال کیا جاتا ہے تو اسے اس مذکورہ بالا حدیث کے ساتھ ملا کر ثابت ہوا کہ وہاں مذکور لفظ ''جار'' سے مراد بھی شریک ہی ہے جیسا کہ لغت میں بھی جار بمعنی شریک آتا ہے۔ (القاموس المحیط: ص 332، القاموس الوحید: ص 297) مزید تفصیل آئندہ باب میں آرہی ہے۔

[1409] قَالَ مَالِكٌ: إِنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ سَعِيدَ بْنَ

امام مالک ﷫ کو یہ خبر پہنچی کہ سعید بن مسیب ﷫ سے

[1408] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب البیوع، باب بیع الشریك من شریکه، حدیث: 2213، 2214، 2257، 2496، 6976، سنن أبی داود، کتاب البیوع، باب فی الشفعة، حدیث: 3514، نسائی: 4708، ابن ماجه: 2499، احمد: 3/ 296 (14204).

[1409] (مقطوع ضعیف) بیهقی فی معرفة السنن الکبری: 6/ 103 (11562)، وفی معرفة السنن والآثار: 4/ 494 (3700)، الشافعی فی الام: 7/ 246۔ شیخ سلیم نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے۔ اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

الْمُسَيَّبِ سُئِلَ عَنِ الشُّفْعَةِ هَلْ فِيهَا مِنْ سُنَّةٍ؟ فَقَالَ: نَعَمْ الشُّفْعَةُ فِي الدُّورِ وَالأَرَضِينَ، وَلَا تَكُونُ إِلَّا بَيْنَ الشُّرَكَاءِ.

شفعہ کے متعلق یہ سوال کیا گیا کہ کیا اس میں کوئی مسنون طریقہ (اور شرعی حکم) ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: ہاں۔ شفعہ گھروں اور زمینوں (یعنی غیر منقولہ جائداد) میں ہوتا ہے اور یہ صرف اور صرف شرکاء کے درمیان ہی ہوتا ہے۔

[1410] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ مِثْلُ ذَلِكَ.

امام مالک رحمہ اللہ کو سلیمان بن یسار رحمہ اللہ سے بھی اس کی مثل خبر پہنچی ہے۔

قَالَ مَالِكٌ فِي رَجُلٍ اشْتَرَى شِقْصًا مَعَ قَوْمٍ فِي أَرْضٍ بِحَيَوَانٍ عَبْدٍ أَوْ وَلِيدَةٍ، أَوْ مَا أَشْبَهَ ذَلِكَ مِنَ الْعُرُوضِ، فَجَاءَ الشَّرِيكُ يَأْخُذُ بِشُفْعَتِهِ بَعْدَ ذَلِكَ، فَوَجَدَ الْعَبْدَ أَوِ الْوَلِيدَةَ قَدْ هَلَكَا، وَلَمْ يَعْلَمْ أَحَدٌ قَدْرَ قِيمَتِهِمَا، فَيَقُولُ الْمُشْتَرِي: قِيمَةُ الْعَبْدِ أَوِ الْوَلِيدَةِ مِئَةُ دِينَارٍ، وَيَقُولُ صَاحِبُ الشُّفْعَةِ الشَّرِيكُ: بَلْ قِيمَتُهُمَا خَمْسُونَ دِينَاراً. قَالَ مَالِكٌ: يُحْلِفُ الْمُشْتَرِي أَنَّ قِيمَةَ مَا اشْتَرَى بِهِ مِئَةُ دِينَارٍ، ثُمَّ إِنْ شَاءَ أَنْ يَأْخُذَ صَاحِبُ الشُّفْعَةِ أَخَذَ أَوْ يَتْرُكَ، إِلَّا أَنْ يَأْتِيَ الشَّفِيعُ بِبَيِّنَةٍ أَنَّ قِيمَةَ الْعَبْدِ أَوِ الْوَلِيدَةِ دُونَ مَا قَالَ الْمُشْتَرِي.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جس نے کسی (مشترکہ) زمین سے کچھ لوگوں کا حصہ کسی جاندار چیز مثلاً غلام یا لونڈی یا انھی کے مشابہ کسی سامان کے عوض خرید لیا تو اس (سودے) کے بعد (بیچنے والوں کا) شریک اس (خریدار) کے پاس آیا، وہ اپنا حق شفعہ لینا چاہتا تھا، (وہ خریدار واپس کرنے کے لیے تیار ہو گیا اور اس نے جو جانور یا لونڈی یا سامان قیمت میں ادا کیا تھا اس کی قیمت طلب کر لی۔ اس حق شفعہ والے نے جانور یا لونڈی کو دیکھنا چاہا تا کہ ان کی قیمت کا اندازہ کر سکے لیکن ہوا یوں کہ) اس نے اس غلام یا لونڈی کو اس حال میں پایا کہ وہ مر چکے تھے اور کوئی شخص ان کی قیمت نہیں جانتا تھا، چنانچہ (اب یوں اختلاف ہو جائے کہ مثلاً) خریدار کہے کہ غلام یا لونڈی کی قیمت سو دینار تھی (لہٰذا مجھے سو دینار ادا کرو لیکن) حق شفعہ والا کہے کہ (نہیں) بلکہ اس کی قیمت پچاس دینار تھی تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: خریدار سے اس بات پر قسم لی جائے گی کہ واقعی وہ چیز (غلام یا لونڈی وغیرہ) جس کے عوض اس نے (مشترکہ زمین سے ایک حصہ) خریدا تھا، کی قیمت سو دینار تھی۔ پھر اگر حق شفعہ والا شخص چاہے تو (سو دینار میں) اسے لے لے یا (اگر چاہے تو) چھوڑ دے، الا یہ کہ شفعہ کرنے والا اس بات پر دلیل (ثبوت اور گواہ) لے آئے کہ بلاشبہ اس غلام یا لونڈی کی قیمت اس (مقدار) سے کم تھی جو خریدار نے بیان کی ہے۔

[1410] (مقطوع ضعیف) بیهقی فی معرفة السنن والآثار: 4/ 494، الشافعی فی الام: 7/ 246۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے۔

فائدہ :...... دراصل اس غلام یالونڈی کی ملکیت خریدار کے پاس تھی، اس لیے وہ اپنی چیز کی قیمت بہتر جانتا ہے، لیکن جب شفعہ کے طالب نے اس کا انکار کیا تو وہ مدعی بن گیا اور خریدار مدعا علیہ ہو گیا اور یہ اصول ہے کہ مدعی پر گواہ پیش کرنا لازم ہے، اگر لے آئے تو فیصلہ اسی کے حق میں ہوگا اور اگر دو گواہ نہ لا سکے تو ایک گواہ اور ایک قسم سے بھی اپنے حق میں فیصلہ کرو اسکتا ہے اور اگر یہ بھی نہ ہو تو مدعا علیہ سے کہا جائے گا کہ تم اپنے بیان پر قسم کھاؤ، چنانچہ اگر وہ قسم کھا لے تو فیصلہ اس کے حق میں ہو جائے گا، اور اگر قسم نہ کھائے تو مدعی کے حق میں فیصلہ دے دیا جائے گا۔

قَالَ مَالِكٌ : مَنْ وَهَبَ شِقْصاً فِي دَارٍ أَوْ أَرْضٍ مُشْتَرَكَةٍ، فَأَثَابَهُ الْمَوْهُوبُ لَهُ بِهَا نَقْداً، أَوْ عَرْضاً، فَإِنَّ الشُّرَكَاءَ يَأْخُذُونَهَا بِالشُّفْعَةِ إِنْ شَاؤُوا، وَيَدْفَعُونَ إِلَى الْمَوْهُوبِ لَهُ قِيمَةَ مَثُوبَتِهِ دَنَانِيرَ أَوْ دَرَاهِمَ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور جس شخص نے کسی مشترکہ گھر یا زمین میں (موجود اپنا) حصہ (کسی کو) ہبہ کر دیا، پھر جس شخص کو ہبہ دیا گیا تھا اس نے بھی اس کے بدلے میں کچھ نقدی یا کوئی سامان (ہبہ کرنے والے کو) دے دیا تو بلاشبہ (باقی) شرکاء اگر چاہیں تو اس (ہبہ کیے ہوئے) حصے کو شفعہ کے ذریعے لے سکتے ہیں اور (اس صورت میں) وہ موہوب لہ (جسے ہبہ دیا گیا ہو) کو اس کے (ہبہ کے) بدلے (میں دیے ہوئے سامان) کی قیمت دیناروں یا درہموں کی صورت میں ادا کریں گے۔

فائدہ :...... امام مالک رحمہ اللہ، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا موقف یہی ہے کہ شفعہ صرف دو صورتوں میں ہو سکتا ہے۔ (ا) جب حصہ بیچا جائے اور (ب) جب اسے ہبہ کیا جائے اور ہبہ کا بدل بھی مل جائے۔

قَالَ مَالِكٌ : مَنْ وَهَبَ هِبَةً فِي دَارٍ أَوْ أَرْضٍ مُشْتَرَكَةٍ، فَلَمْ يُثَبْ مِنْهَا، وَلَمْ يَطْلُبْهَا، فَأَرَادَ شَرِيكُهُ أَنْ يَأْخُذَهَا بِقِيمَتِهَا، فَلَيْسَ ذَلِكَ لَهُ مَا لَمْ يُثَبْ عَلَيْهَا، فَإِنْ أُثِيبَ، فَهُوَ لِلشَّفِيعِ بِقِيمَةِ الثَّوَابِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور جس شخص نے کسی مشترکہ گھر یا زمین میں (سے اپنا) حصہ ہبہ کر دیا، پھر اسی پر اسے بدلہ نہ دیا گیا اور اس نے اس (بدلے) کا مطالبہ بھی نہ کیا، پھر اس کے شریک نے چاہا کہ اس حصے کو اس کی قیمت کے عوض حاصل کر لے تو یہ اس کے لیے جائز نہ ہوگا جب تک کہ اسے اس ہبہ پر بدلہ نہ دے دیا جائے، چنانچہ جب اسے بدلہ دے دیا جائے گا تو وہ (ہبہ کیا ہوا حصہ) اس بدلے کی قیمت کے عوض شفعہ کرنے والے کے لیے ہوگا۔

قَالَ مَالِكٌ فِي رَجُلٍ اشْتَرَى شِقْصاً فِي أَرْضٍ مُشْتَرَكَةٍ بِثَمَنٍ إِلَى أَجَلٍ، فَأَرَادَ الشَّرِيكُ أَنْ يَأْخُذَهَا بِالشُّفْعَةِ. قَالَ مَالِكٌ : إِنْ كَانَ مَلِيًّا فَلَهُ الشُّفْعَةُ بِذَلِكَ الثَّمَنِ إِلَى ذَلِكَ الأَجَلِ، وَإِنْ

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جس نے مشترکہ زمین میں سے ایک حصہ ایک میعاد تک (مؤخر) قیمت کے عوض خرید لیا، پھر شریک نے چاہا کہ شفعہ کے ذریعے اس حصے کو لے لے تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا:

كَانَ مَخُوفاً أَنْ لا يُؤَدِّيَ الثَّمَنَ إِلَى ذَلِكَ الأَجَلِ ، فَإِذَا جَاءَ هُمْ بِحَمِيلٍ مَلِيٍّ ثِقَةٍ ، مِثْلِ الَّذِي اشْتَرَى مِنْهُ الشِّقْصَ فِي الأَرْضِ الْمُشْتَرَكَةِ ، فَذَلِكَ لَهُ .

اگر تو وہ مالدار ہے تو اس کے لیے اسی مدت تک (مؤخر کی ہوئی) اسی قیمت کے عوض شفعہ ثابت ہو جائے گا۔ اور اگر اس پر خطرہ ہو کہ وہ اس مدت تک قیمت ادا نہ کر سکے گا (تو پھر حق شفعہ میں حق بجانب نہ ہوگا ہاں) پھر جب وہ کسی مالدار قابل اعتماد ضامن کو لے آئے جو اس شخص کی طرح کا ہو جس نے مشترکہ زمین میں سے وہ حصہ خریدا تھا تو وہ (حصہ) اس (شفعہ والے) کا ہو جائے گا۔

قَالَ مَالِكٌ : لا تَقْطَعُ شُفْعَةَ الْغَائِبِ غَيْبَتُهُ وَإِنْ طَالَتْ غَيْبَتُهُ ، وَلَيْسَ لِذَلِكَ عِنْدَنَا حَدٌّ تُقْطَعُ إِلَيْهِ الشُّفْعَةُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: غائب آدمی کی عدم موجودگی اس کے حق شفعہ کو ختم نہیں کرتی، خواہ اس کا غائب ہونا لمبا ہو جائے اور اس غائب ہونے کی ہمارے ہاں کوئی حد (اور عرصہ) متعین نہیں ہے کہ جس تک (پہنچ کر) شفعہ ختم کر دیا جائے۔

فائدہ: ......حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہمسایہ (شریک) اپنے ہمسائے (شریک) کے شفعہ کا سب سے زیادہ حقدار ہے۔ حق شفعہ کی وجہ سے اس کا انتظار کیا جائے گا، اگرچہ وہ غائب ہو، (بشرطیکہ) جب دونوں کا راستہ ایک ہو''۔ (ابو داؤد: 3518، ترمذی: 1369، ابن ماجہ: 2494، احمد: 303/3۔ اس کی سند صحیح ہے ارواء الغلیل: 1540)

قَالَ مَالِكٌ فِي الرَّجُلِ يُوَرِّثُ الأَرْضَ نَفَراً مِنْ وَلَدِهِ ، ثُمَّ يُولَدُ لأَحَدِ النَّفَرِ ، ثُمَّ يَهْلِكُ الأَبُ فَيَبِيعُ أَحَدُ وَلَدِ الْمَيِّتِ حَقَّهُ فِي تِلْكَ الأَرْضِ : فَإِنَّ أَخَا الْبَائِعِ أَحَقُّ بِشُفْعَتِهِ مِنْ عُمُومَتِهِ شُرَكَاءِ أَبِيهِ . قَالَ مَالِكٌ : وَهَذَا الأَمْرُ عِنْدَنَا .

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص (مثلاً زید) کے متعلق فرمایا جو اپنی اولاد کی ایک جماعت کو زمین کا وارث بناتا ہے، (آدمی مر گیا اور کئی بیٹے اور بیٹیاں چھوڑ جاتا ہے) پھر اس جماعت میں سے کسی ایک (مثلاً خالد) کے پاس اولاد ہوئی، پھر وہ باپ (یعنی خالد) بھی مر گیا، پھر اس میت (خالد) کی اولاد میں سے کسی ایک (مثلاً عمر) نے اس زمین میں سے اپنا حق بیچ ڈالا، (بعد میں مرنے والے خالد کی اولاد عمر کے بہن بھائی ہیں اور خود خالد کے بھائی عمر کے چچے ہیں، سب اس زمین کے مشترکہ مالک ہیں لیکن چونکہ بہن بھائی کا درجہ زیادہ قریب ہے اور وہ آپس میں ایک دوسرے کے شریک ہیں، اس لیے امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا:) یقیناً بیچنے والے شخص (عمر) کا بھائی اس (عمر) کے شفعہ کا زیادہ حق رکھتا ہے بہ نسبت اپنے ان چچوں کے جو اس کے باپ (خالد) کے شریک ہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور ہمارے ہاں یہی حکم ہے۔

فائدہ: ......الغرض جب حق شفعہ کرنے والے کئی شرکاء باہم رشتہ دار بھی ہوں تو وہ زیادہ مستحق ہوگا جو زیادہ

قریب ہی ہوگا۔

قَالَ مَالِكٌ : الشُّفْعَةُ بَيْنَ الشُّرَكَاءِ عَلَى قَدْرِ حِصَصِهِمْ ، يَأْخُذُ كُلُّ إِنْسَانٍ مِنْهُمْ بِقَدْرِ نَصِيبِهِ ، إِنْ كَانَ قَلِيلاً فَقَلِيلاً ، وَإِنْ كَانَ كَثِيراً فَبِقَدْرِهِ ، وَذَلِكَ إِنْ تَشَاحُّوا فِيهَا .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: (مختلف) شریکوں کے درمیان ان کے حصوں کے حساب سے شفعہ تقسیم ہوگا، ان میں سے ہر شخص اپنے اپنے حصے کے مطابق (شفعہ میں سے) لے گا۔ اگر (اس کا حصہ شراکت) کم ہوگا تو (شفعہ بھی) کم ملے گا اور اگر زیادہ ہوا تو اس کے بقدر ملے گا۔ اور یہ (فیصلہ صرف اور صرف) اس وقت ہے جب وہ سب آپس میں جھگڑا کریں۔

فائدہ :...... چنانچہ اگر بعض شرکاء خاموش رہیں اور اپنے حق شفعہ کا مطالبہ ترک کر دیں تو جس کے حق میں وہ خاموش ہوئے ہوں وہ اسے مکمل لے لے گا اور یہ صورت اس وقت بنے گی جب وہ باہم رشتہ دار نہ ہوں۔ اس کی مثال یوں ہے کہ چھ ایکڑ زمین میں تین افراد شریک تھے، ایک نصف (تین ایکڑ) کا مالک تھا، دوسرے کا تہائی (دو ایکڑ) رقبہ تھا اور تیسرے کا چھٹا حصہ (ایک ایکڑ) تھا۔ پہلے شریک نے اپنا حصہ بیچا اور باقی دونوں نے حق شفعہ کر دیا تو دوسرے شخص کو تیسرے کی نسبت دوگنا ملے گا...... لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک حق شفعہ میں سب شرکاء برابر کے شریک ہوں گے۔

قَالَ مَالِكٌ : فَأَمَّا أَنْ يَشْتَرِيَ رَجُلٌ مِنْ رَجُلٍ مِنْ شُرَكَائِهِ حَقَّهُ ، فَيَقُولُ أَحَدُ الشُّرَكَاءِ : أَنَا آخُذُ مِنَ الشُّفْعَةِ بِقَدْرِ حِصَّتِي . وَيَقُولُ الْمُشْتَرِي : إِنْ شِئْتَ أَنْ تَأْخُذَ الشُّفْعَةَ كُلَّهَا أَسْلَمْتُهَا إِلَيْكَ ، وَإِنْ شِئْتَ أَنْ تَدَعَ فَدَعْ ، فَإِنَّ الْمُشْتَرِيَ إِذَا خَيَّرَهُ فِي هَذَا وَأَسْلَمَهُ إِلَيْهِ ، فَلَيْسَ لِلشَّفِيعِ إِلَّا أَنْ يَأْخُذَ الشُّفْعَةَ كُلَّهَا ، أَوْ يُسْلِمَهَا إِلَيْهِ ، فَإِنْ أَخَذَهَا فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا ، وَإِلَّا فَلَا شَيْءَ لَهُ فِيهَا .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: رہا وہ شخص جس نے اپنے شرکاء میں سے ہی کسی ایک سے اس کا حصہ خرید لیا، پھر اس کے (باقی) شرکاء میں سے ایک شریک (اس خریدنے والے سے) کہنے لگا کہ میں بھی اپنے حصے کے حساب سے شفعہ میں سے حصہ لوں گا، تو خریدار اسے کہے کہ اگر تم سارا شفعہ لینا چاہو تو میں اسے تمھارے سپرد کرتا ہوں اور اگر تم اسے چھوڑنا چاہو تو چھوڑ دو، (یعنی تمھیں تمھارے حصے کے حساب سے نہیں ملے گا بلکہ یا پورا لو یا بالکل چھوڑ دو، تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا:) چنانچہ جب خریدار اسے یہ اختیار دے دے اور اسے اس کے سپرد کر دے تو پھر شفعہ کرنے والے کے لیے کچھ جائز نہ ہوگا، مگر یہی کہ یا تو سارا شفعہ لے لے یا سارے کا سارا اسی (خریدار کے پاس رہنے دے اور اس (کے سپرد کر دے، پھر اگر وہ (شفیع والا) اسے (سارے کا سارا) لے لے تو وہی اس کا زیادہ حقدار ہوگا ورنہ اس کے لیے کچھ بھی نہ ہوگا۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الرَّجُلِ يَشْتَرِي الْأَرْضَ

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جو کسی

فَيَعْمُرُهَا بِالأَصْلِ يَضَعُهُ فِيهَا، أَوِ الْبِئْرِ يَحْفِرُهَا، ثُمَّ يَأْتِي رَجُلٌ فَيُدْرِكُ فِيهَا حَقًّا، فَيُرِيدُ أَنْ يَأْخُذَهَا بِالشُّفْعَةِ : إِنَّهُ لَا شُفْعَةَ لَهُ فِيهَا، إِلَّا أَنْ يُعْطِيَهُ قِيمَةَ مَا عَمَرَ، فَإِنْ أَعْطَاهُ قِيمَةَ مَا عَمَرَ كَانَ أَحَقَّ بِالشُّفْعَةِ، وَإِلَّا فَلَا حَقَّ لَهُ فِيهَا .

آدمی سے زمین خرید لیتا ہے، پھر اس میں درخت لگا کر یا کنواں کھود کر اسے آباد کر لیتا ہے، پھر ایک اور شخص آئے اور اس زمین میں اپنا حق پالے (اسے علم ہو جائے کہ اس زمین میں میری بھی شراکت تھی) پھر وہ یہ ارادہ کر لیتا ہے کہ اسے شفعہ کے ذریعے حاصل کر لے تو بلاشبہ اس کے لیے اس میں شفعہ نہ ہوگا، سوائے اس کے کہ وہ اسے اس چیز کی قیمت ادا کرے جس کے ساتھ اس نے (زمین کو) آباد کیا تھا، چنانچہ اگر وہ اس کے آباد کرنے (کے اخراجات) کی قیمت دے دے تو وہ شفعہ کا زیادہ حقدار ہے ورنہ اس کے لیے اس میں کوئی شفعہ نہ ہوگا۔

قَالَ مَالِكٌ : مَنْ بَاعَ حِصَّتَهُ مِنْ أَرْضٍ، أَوْ دَارٍ مُشْتَرَكَةٍ، فَلَمَّا عَلِمَ أَنَّ صَاحِبَ الشُّفْعَةِ يَأْخُذُ بِالشُّفْعَةِ اسْتَقَالَ الْمُشْتَرِي فَأَقَالَهُ. قَالَ : لَيْسَ ذَلِكَ لَهُ، وَالشَّفِيعُ أَحَقُّ بِهَا بِالثَّمَنِ الَّذِي كَانَ بَاعَهَا بِهِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جس شخص نے کسی مشترک گھر یا زمین میں سے اپنا حصہ فروخت کر دیا، پھر جب اسے علم ہوا کہ حق شفعہ والا شفعہ کے ذریعے (اسے) لینا چاہتا ہے تو اس (بائع) نے مشتری سے اقالہ (یعنی زمین واپس لے کر اس نے اس کی قیمت کو واپس) کرنا چاہا تو اس نے اسے وہ حصہ واپس کر دیا۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ (اقالہ) اس کے لیے جائز نہیں ہے اور (اب تو) شفعہ والا شخص ہی اس حصے کا زیادہ حق دار ہے (جسے وہ) اس قیمت کے ساتھ (حاصل کر لے گا) جس کے ساتھ اس (شریک) نے اسے بیچا تھا۔

قَالَ مَالِكٌ : مَنِ اشْتَرَى شِقْصاً فِي دَارٍ أَوْ أَرْضٍ وَحَيَوَاناً وَعُرُوضاً فِي صَفْقَةٍ وَاحِدَةٍ، فَطَلَبَ الشَّفِيعُ شُفْعَتَهُ فِي الدَّارِ أَوِ الأَرْضِ، فَقَالَ الْمُشْتَرِي : خُذْ مَا اشْتَرَيْتُ جَمِيعاً، فَإِنِّي إِنَّمَا اشْتَرَيْتُهُ جَمِيعاً. قَالَ مَالِكٌ : بَلْ يَأْخُذُ الشَّفِيعُ شُفْعَتَهُ فِي الدَّارِ أَوِ الأَرْضِ بِحِصَّتِهَا مِنْ ذَلِكَ الثَّمَنِ، يُقَامُ كُلُّ شَيْءٍ اشْتَرَاهُ مِنْ ذَلِكَ عَلَى حِدَتِهِ عَلَى الثَّمَنِ الَّذِي اشْتَرَاهُ بِهِ، ثُمَّ يَأْخُذُ الشَّفِيعُ شُفْعَتَهُ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جس شخص نے (مشترکہ) گھر یا زمین میں (سے) ایک حصہ، ایک جانور اور کچھ سامان ایک ہی سودے (عقد) میں خریدا، پھر شفعہ کرنے والے نے زمین یا گھر میں شفعہ کا مطالبہ کر دیا تو خریدار کہنے لگا کہ جو کچھ میں نے خریدا ہے وہ سارا اکٹھا ہی لے لو کیونکہ میں نے ان سب (چیزوں یعنی حصہ، جانور اور سامان) کو اکٹھا ہی خریدا ہے تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: (ایسا نہیں ہوگا) بلکہ شفیع (شفعہ کرنے والا ان تمام اشیاء کی) مجموعی قیمت میں سے اس (شفعہ والی چیز کی قیمت) کے حصے کے بدلے

بِـالَّـذِي يُصِيبُهَا مِنَ الْقِيمَةِ مِنْ رَأْسِ الثَّمَنِ، وَلَا يَأْخُذُ مِنَ الْحَيَوَانِ وَالْعُرُوضِ شَيْئاً، إِلَّا أَنْ يَشَاءَ ذَلِكَ.

اس زمین یا گھر میں صرف اپنے حق شفعہ ہی کو لے گا۔ (چنانچہ) ہر چیز جسے اس نے خریدا ہے، کو الگ الگ اس کی قیمت پر قائم کیا جائے گا (ہر چیز کی وہ جداگانہ قیمت لگائی جائے گی) جس کے عوض اس نے اسے خریدا تھا، پھر شفیع (حق شفعہ کا طالب) اپنے شفعہ کو اس قیمت کے بدلے لے لے گا جو مجموعی قیمت میں سے اس شفعہ کی بنے گی اور وہ سامان اور جانور میں سے کچھ نہ لے گا (یعنی انھیں بھی ساتھ ہی خریدنے پر اسے مجبور نہ کیا جائے گا) الا یہ کہ وہ انھیں (خوشی سے خریدنا) چاہے (تو خرید سکتا ہے)۔

قَـالَ مَـالِكٌ: وَمَـنْ بَـاعَ شِقْصاً مِنْ أَرْضٍ مُشْتَـرَكَةٍ، فَسَلَّـمَ بَعْضُ مَنْ لَهُ فِيهَا الشُّفْعَةُ لِلْبَائِعِ، وَأَبَى بَعْضُهُمْ إِلَّا أَنْ يَأْخُذَ بِشُفْعَتِهِ: إِنَّ مَـنْ أَبَـى أَنْ يُسَـلِّمَ يَأْخُذُ بِالشُّفْعَةِ كُلِّهَا، وَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَأْخُذَ بِقَدْرِ حَقِّهِ وَيَتْرُكَ مَا بَقِيَ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جس شخص نے کسی مشترکہ زمین سے (اپنا) حصہ بیچ ڈالا، پھر جن (شرکاء) کا اس زمین میں حق شفعہ تھا ان میں سے بعض نے بیچنے والے کے حق میں (اس بیع کو) تسلیم کر لیا) اور اپنا حق شفعہ چھوڑ دیا) اور کسی نے) ہر بات ماننے سے) انکار کیا، مگر (وہ اس بات پر ڈٹا رہا کہ) وہ اپنا شفعہ لے کر رہے گا، (تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا:) بلاشبہ جس شخص نے ماننے سے انکار کیا ہے وہ پورا شفعہ لے سکتا ہے اور اس کے لیے یہ جائز نہ ہوگا کہ صرف اپنے حصے کے حساب سے شفعہ لے اور باقی کو چھوڑ دے۔

فائدہ:......مثلاً پانچ شریک تھے، ایک نے اپنا حصہ بیچ دیا۔ اب اگر چاروں ہی حق شفعہ کا مطالبہ کریں گے تو اسے ان کے حصوں کے مطابق ان میں بانٹا جائے گا، لیکن اگر ان میں سے بعض مطالبہ ترک کر دیں اور کوئی ایک ڈٹا رہے تو اسے بِکی ہوئی ساری زمین لینا ہوگی تاکہ خریدار کو اپنے پیسے واپس مل جائیں اور وہ کہیں اور زمین خرید لے۔ اگر شفیع صرف اپنے حصے کے بقدر شفعہ لینا چاہے تو یہ خریدار کے حق میں ضرر رساں ہے، کیونکہ اسے نہ مطلوبہ زمین مل سکے گی اور نہ ہی اپنی پوری رقم۔

قَـالَ مَـالِكٌ فِـي نَفَرٍ شُرَكَاءَ فِي دَارٍ وَاحِدَةٍ، فَبَـاعَ أَحَدُهُمْ حِصَّتَهُ، وَشُرَكَاؤُهُ غُيَّبٌ كُلُّهُمْ إِلَّا رَجُلاً، فَعُـرِضَ عَلَى الْحَاضِرِ أَنْ يَأْخُذَ بِـالشُّفْعَةِ أَوْ يَتْرُكَ. فَـقَـالَ: أَنَا آخُذُ بِحِصَّتِي وَأَتْـرُكُ حِصَصَ شُرَكَائِي حَتَّى يَقْدَمُوا، فَإِنْ أَخَـذُوا، فَـذَلِكَ وَإِنْ تَـرَكُـوا أَخَذْتُ جَمِيعَ الشُّفْعَةِ. قَـالَ مَـالِكٌ: لَيْـسَ لَـهُ إِلَّا أَنْ يَأْخُذَ

امام مالک رحمہ اللہ نے ان چند شرکاء کے متعلق فرمایا جو ایک گھر میں شریک تھے، ان میں سے ایک نے اپنا حصہ اس حال میں فروخت کر دیا کہ ایک کے سوا اس کے باقی تمام شرکاء غائب تھے، چنانچہ اس (بیچنے والے) نے اس حاضر شریک پر یہ بات پیش کی کہ وہ شفعہ لے لے یا ترک کر دے تو وہ کہنے لگا کہ میں تو صرف اپنے حصے کے حساب سے لوں گا اور اپنے باقی شریکوں کے حصوں کو چھوڑ دیتا ہوں، یہاں

ذَلِكَ كُلَّهُ أَوْ يَتْرُكَ، فَإِنْ جَاءَ شُرَكَاؤُهُ أَخَذُوا مِنْهُ أَوْ تَرَكُوا إِنْ شَاؤُوا، فَإِذَا عُرِضَ هَذَا عَلَيْهِ فَلَمْ يَقْبَلْهُ، فَلَا أَرَى لَهُ شُفْعَةً.

تک کہ وہ آ جائیں، پھر اگر وہ (اپنے اپنے حصے) لے لیں تو ٹھیک ہے اور اگر وہ چھوڑ دیں گے تو میں سارا شفعہ لے لوں گا۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کے لیے اس کے سوا کچھ درست نہیں کہ یا تو سارا شفعہ لے یا (سارا ہی) ترک کر دے، پھر اگر اس کے شرکاء واپس آ جائیں تو وہ اس سے (اپنا حصہ لینا چاہیں تو) لے لیں یا اگر چاہیں تو چھوڑ دیں۔ چنانچہ اگر یہ بات اسی (حاضر شریک) پر پیش کی گئی اور اس نے اسے قبول نہ کیا تو میں اس کے لیے شفعہ (جائز) نہیں سمجھتا۔

فائدہ: ......مقصد یہ ہے کہ اگر شرکاء کی آمد پر وہ مکمل شفعہ لینے پر قادر ہے تو ابھی لے لے۔ یہ درست نہیں کہ شفعہ میں سے کچھ لے لے اور کچھ چھوڑ دے کیونکہ ایسا کرنے سے خریدار کو ضرر پہنچے گا۔

2- بَابُ مَا لَا يَقَعُ فِيهِ الشُّفْعَةُ

ان اشیاء کا بیان جن میں شفعہ نہیں ہوسکتا

خلاصۃ الباب: اس باب میں ایک موقوف روایت (اثر صحابی رضی اللہ عنہ) ہے جو سنداً ضعیف ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے سات فتاویٰ جات بھی مذکور ہیں۔

[1411] قَالَ يَحْيَى: قَالَ مَالِكٌ: عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عُمَارَةَ، عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ حَزْمٍ، أَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ قَالَ: إِذَا وَقَعَتِ الْحُدُودُ فِي الْأَرْضِ فَلَا شُفْعَةَ فِيهَا، وَلَا شُفْعَةَ فِي بِئْرٍ، وَلَا فِي فَحْلِ النَّخْلِ.

قَالَ مَالِكٌ: وَعَلَى هَذَا الْأَمْرُ عِنْدَنَا.

ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب زمین میں حدیں قائم ہو جائیں (حد بندی ہو جائے) تو اس میں کوئی شفعہ نہیں ہے اور نہ کنویں میں شفعہ ہے اور نہ ہی کھجور کے نر درخت میں۔

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور ہمارے ہاں اسی پر حکم (جاری) ہے۔

فائدہ: ......دراصل کھجور کے نر پودے بہت کم ہوتے ہیں اور ان کے گابھے کا پھول مشترکہ طور پر استعمال کیا جاتا ہے اور لوگ اسے تھوڑا تھوڑا لے کر مادہ کھجوروں کے گابھے میں رکھ دیتے ہیں تاکہ پھل زیادہ مقدار میں حاصل ہو۔ بہرحال اس میں اور کنویں میں اگر کئی افراد شریک ہوں اور ان میں سے کوئی فریق اپنا حصہ بیچ ڈالے تو اس میں حق

[1411] (موقوف ضعیف) عبدالرزاق: 8/ 80 (14393)، 8/ 87 (14426)، بیهقی فی السنن الکبری: 6/ 105 (11576)، وفی معرفة السنن والآثار: 4/ 493 (3698)، ابن ابی شیبه: 22736۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

شفعہ نہیں ہے کیونکہ حق شفعہ صرف ان اشیاء میں ہوسکتا ہے جو تقسیم اور حد بندی کے قابل ہوں۔ مزید تفصیل اس باب کے آخری سے پہلے فتوی میں آرہی ہے۔ رہا یہ مسئلہ کہ حد بندی ہونے کے بعد جب شریک، شریک نہیں رہتے بلکہ ہمسائے بن جاتے ہیں تو کیا اس ہمسائیگی کی بنا پر انھیں حق شفعہ مل سکتا ہے یا نہیں؟ چنانچہ ایسی صورت میں حق شفعہ نہ رہنے کی صراحت خود رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ (بخاری: 2213، مسلم: 1608) اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔ (ابو داود: 3515، ابن ماجہ: 2497۔ اس کی سند صحیح ہے) حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کا بھی یہی موقف ہے۔ نیز سعید بن مسیب، سلیمان بن یسار، عمر بن عبدالعزیز، ربیعہ رائی، یحییٰ بن سعید انصاری، اوزاعی اور اسحاق رحمہم اللہ کا بھی یہی موقف تھا۔ امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ اور جمہور بھی اسی کے قائل ہیں لیکن احناف اور بعض تابعین کے نزدیک پڑوسی کے لیے بھی حق شفعہ ہے، چنانچہ بعض روایات میں پڑوسی کے لیے حق شفعہ کا تذکرہ موجود ہے۔ (مثلاً: ابو داود: 3518، ترمذی: 1369، ابن ماجہ: 2494، احمد: 303/3۔ اس کی سند صحیح ہے) نیز بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی رسول اللہ ﷺ کے پڑوسی کے متعلق فرامین کو شفعہ کے معاملے میں ملحوظ رکھا تھا۔ (بخاری: 2258) جمہور کی طرف سے ان روایات کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ ان احادیث میں ''جار'' کا لفظ استعمال ہوا ہے اور یہ لفظ شریک پر بھی بولا جاتا ہے اور یہاں اس سے شریک ہی مراد ہے۔ بعض علماء کے نزدیک پڑوسی کے لیے حق شفعہ تو ثابت نہیں ہے البتہ از روئے امتنان واحسان اور حق ہمسائیگی کی بنا پر بیچنے سے قبل اس سے بھی پوچھ لیا جائے تو یہ مستحسن امر ہے...... امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ، امام ابن قیم رحمہ اللہ، امام شوکانی رحمہ اللہ اور متعدد محققین اہلحدیث ان تمام روایات میں تطبیق دیتے ہیں کہ شریک کے لیے شفعہ ہے اور جب وہ شریک نہ رہیں بلکہ حد بندی کے بعد پڑوسی بن جائیں لیکن راستہ ایک رہے تو بھی شفعہ ہوسکتا ہے ورنہ نہیں۔ یعنی ہر پڑوسی کے لیے حق شفعہ نہیں ہے بلکہ صرف اسی پڑوسی کے لیے ہے جو راستے میں شریک ہو، چنانچہ فرمان نبوی ﷺ ہے: ((اَلْجَارُ اَحَقُّ بِشُفْعَةِ جَارِهِ يُنْتَظَرُ بِهَا وَاِنْ كَانَ غَائِبًا، اِذَا كَانَ طَرِيْقُهُمَا وَاحِدًا)) ''پڑوسی اپنے ہمسائے کے شفعہ کا زیادہ حق رکھنے والا ہے، اس وجہ سے اس کا انتظار کیا جائے گا اگرچہ وہ غائب ہو، بشرطیکہ جب دونوں کا راستہ ایک ہو''۔ (ابوداود: 3518، ترمذی: 1369، ابن ماجہ: 2494۔ اس کی سند صحیح ہے، ارواء الغلیل: 378/5، حدیث: 1540)

ہمارے نزدیک بھی یہ آخری موقف راجح ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَلَا شُفْعَةَ فِي طَرِيقٍ صَلُحَ الْقَسْمُ فِيهَا أَوْ لَمْ يَصْلُحْ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور کسی راستے میں شفعہ نہیں ہوسکتا، خواہ اس میں تقسیم ہوسکتی ہو یا نہ ہوسکتی ہو۔

فائدہ: ...... کیونکہ راستہ کوئی مستقل مقصود بالذات چیز نہیں ہے بلکہ تقسیم ہونے والی جگہوں کے تابع ہے، جس کے قبضے میں وہ جگہیں ہوں گی اس کے استعمال میں ان کا راستہ بھی ضرور ہوگا۔

قَـالَ مَـالِكٌ : وَالأَمْرُ عِنْدَنَا : أَنَّهُ لَا شُفْعَةَ فِي عَرْصَةِ دَارٍ صَلُحَ الْقَسْمُ فِيهَا أَوْ لَمْ يَصْلُحْ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور ہمارے ہاں یہ بھی حکم ہے کہ کسی گھر کے صحن میں بھی شفعہ نہیں ہے، خواہ اس میں تقسیم ہو سکتی ہو یا نہ۔

فائدہ :......اس صحن سے مراد گھروں کے باہر سامنے والی جگہ ہے جو کہ گھروں کے تابع ہوا کرتی ہے۔

قَالَ مَالِكٌ فِي رَجُلٍ اشْتَرَى شِقْصاً مِنْ أَرْضٍ مُشْتَرَكَةٍ عَلَى أَنَّهُ فِيهَا بِالْخِيَارِ ، فَأَرَادَ شُرَكَاءُ الْبَـائِعِ أَنْ يَـأْخُذُوا مَا بَاعَ شَرِيكُهُمْ بِالشُّفْعَةِ قَبْـلَ أَنْ يَـخْتَارَ الْمُشْتَرِي : إِنَّ ذٰلِكَ لَا يَكُونُ لَهُـمْ حَتَّـى يَأْخُذَ الْمُشْتَرِي وَيَثْبُتَ لَهُ الْبَيْعُ ، فَإِذَا وَجَبَ لَهُ الْبَيْعُ فَلَهُمُ الشُّفْعَةُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جس نے کسی مشترکہ زمین میں سے ایک حصہ اختیار کی شرط پر خریدا تو بیچنے والے شخص کے شرکاء نے چاہا کہ ان کے شریک نے جو کچھ بیچا ہے اسے خریدار کے اختیار (کے ختم ہونے) سے پہلے ہی شفعہ کے ذریعے حاصل کر لیں تو بلاشبہ یہ ان کے لیے درست نہیں ہے (کیونکہ جب خرید و فروخت ہی پختہ نہیں ہوئی تو وہ شفعہ کس چیز میں کریں گے، لہٰذا وہ شفعہ نہ کر سکیں گے) یہاں تک کہ خریدار اسے (اپنی تسلی کر کے) لے لے اور اس کے لیے بیع ثابت ہو جائے، چنانچہ جب اس کے لیے بیع واجب ہو جائے گی تو ان کے لیے شفعہ کا حق (بھی ثابت) ہوگا۔

وَقَـالَ مَـالِكٌ فِـي الـرَّجُلِ يَشْتَـرِي أَرْضـاً فَتَمْـكُـثُ فِـي يَـدَيْـهِ حِينـاً ، ثُمَّ يَأْتِي رَجُلٌ فَيُـدْرِكُ فِيهَـا حَقًّا بِمِيرَاثٍ : إِنَّ لَهُ الشُّفْعَةَ إِنْ ثَبَتَ حَـقُّهُ ، وَإِنَّ مَا أَغَلَّتِ الأَرْضُ مِنْ غَلَّةٍ فَهِـيَ لِـلْـمُشْتَـرِي الْأَوَّلِ إِلَى يَوْمِ يَثْبُتُ حَقُّ الآخَرِ ، لِأَنَّهُ قَدْ كَانَ ضَمِنَهَا لَوْ هَلَكَ مَا كَانَ فِيهَـا مِنْ غِرَاسٍ أَوْ ذَهَبَ بِهِ سَيْلٌ . قَالَ : فَإِنْ طَـالَ الـزَّمَـانُ ، أَوْ هَـلَكَ الشُّهُودُ ، أَوْ مَاتَ الْبَـائِعُ أَوِ الْـمُشْتَـرِي ، أَوْ هُمَا حَيَّانِ فَنُسِيَ أَصْـلُ الْبَيْـعِ وَالاشْتِـرَاءِ لِطُولِ الزَّمَانِ ، فَإِنَّ الشُّـفْعَةَ تَنْقَطِعُ ، وَيَأْخُذُ حَقَّهُ الَّذِي ثَبَتَ لَهُ ، وَإِنْ كَانَ أَمْرُهُ عَلَى غَيْرِ هٰذَا الْوَجْهِ فِي حَدَاثَةِ

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جس نے کوئی زمین خریدی، پھر وہ کچھ عرصہ تک اس کے پاس رہی، پھر ایک آدمی آیا اور اس نے وراثت کی صورت میں اس زمین میں اپنا حق پا لیا، اگر اس کا حق ثابت ہو جائے تو بلاشبہ اس کے لیے شفعہ بھی ثابت ہوگا اور (وہ زمین کے خریدار سے، حق شفعہ کے ذریعے اس کی خریدی ہوئی زمین واپس لے سکتا ہے لیکن اس دورانیے میں) بلاشبہ زمین نے جو کچھ غلہ اگایا ہوگا وہ پہلے خریدار ہی کا رہے گا، اس دن تک کہ جس میں دوسرے شخص کا حق ثابت ہوا، (اس سے قبل کے سارے اناج اور منفعت پر پہلے خریدار کی ملکیت رہے گی) کیونکہ یقیناً وہی اس کا ضامن بھی تھا، اگر اس زمین میں اگی ہوئی چیز ہلاک ہوتی یا اسے سیلاب بہا لے جاتا (تو

الْعَهْدِ وَقُرْبِهِ، وَأَنَّهُ يَرَى أَنَّ الْبَائِعَ غَيَّبَ الثَّمَنَ وَأَخْفَاهُ، لِيَقْطَعَ بِذٰلِكَ حَقَّ صَاحِبِ الشُّفْعَةِ، قُوِّمَتِ الأَرْضُ عَلَى قَدْرِ مَا يُرَى أَنَّهُ ثَمَنُهَا، فَيَصِيرُ ثَمَنُهَا إِلَى ذٰلِكَ، ثُمَّ يُنْظَرُ إِلَى مَا زَادَ فِي الأَرْضِ مِنْ بِنَاءٍ، أَوْ غِرَاسٍ، أَوْ عِمَارَةٍ، فَيَكُونُ عَلَى مَا يَكُونُ عَلَيْهِ مَنِ ابْتَاعَ الأَرْضَ بِثَمَنٍ مَعْلُومٍ، ثُمَّ بَنَى فِيهَا وَغَرَسَ، ثُمَّ أَخَذَهَا صَاحِبُ الشُّفْعَةِ بَعْدَ ذٰلِكَ .

وہی پہلا خریدار ہی نقصان اٹھاتا، لہٰذا جب تک وہ نقصان کا ضامن رہا تب تک نفع کا بھی مستحق رہا)، پھر اگر زمانہ لمبا گزر گیا (اور اس زمین میں کسی کا کوئی حق ثابت نہ ہوسکا) یا گواہ ہلاک ہوگئے یا بیچنے والا یا خریدنے والا مرگیا یا وہ دونوں زندہ ہی تھے لیکن عرصہ دراز کی وجہ سے اصل بیع ہی بھلادی گئی تو بلاشبہ حق شفعہ بھی ختم ہوجائے گا اور (اس صورت میں جس آنے والے آدمی کا حق وراثت ثابت ہوا ہے) وہ اپنا صرف وہی حق حاصل کرے گا جو اس کے لیے ثابت ہوا ہے اور اگر اس کا معاملہ اس صورتحال کے علاوہ ہو، (زمین کی بیع کا) زمانہ نیا اور قریب ہو (ابھی تھوڑا سا وقت ہی گزرا ہو) اور بلاشبہ وہ (میراث کا حقدار اور شفعہ کا طالب) سمجھتا ہو کہ یقیناً بیچنے والے (شریک) نے (جان بوجھ کر) قیمت غائب کردی اور چھپالی ہے تاکہ اس کے ذریعے وہ شفعہ والے کا حق ختم کرسکے (یعنی بائع یہ ظاہر کرے کہ مجھے تو ایک عرصہ بیت گیا ہے زمین بیچے ہوئے، اور اب تو اس کی قیمت سے ایک پائی بھی میرے پاس نہیں ہے، لیکن شفعہ والے کو ثبوت مل جائیں کہ یہ جھوٹ بول رہا ہے تو) زمین کی اس حساب سے قیمت لگائی جائے گی جسے وہ سمجھتا ہے کہ واقعی وہ اس کی قیمت ہے، چنانچہ زمین کی قیمت تو اسی (اندازے والی مقدار) تک ہوگی، پھر اس چیز کی طرف دیکھا جائے گا جس کا اس (خریدار) نے زمین میں اضافہ کیا ہے یعنی کوئی عمارت (بنالی ہے) یا کوئی پودا (اگالیا ہے) یا کوئی اور آباد کاری کرلی ہے (مثلاً کنواں کھود لیا ہے)، تو (یوں) وہ (شفعہ والا) اسی صورت حال پر (شمار) ہوجائے گا جس پر وہ شخص (قائم) ہے جس نے معلوم قیمت کے ساتھ زمین خرید کر پھر اس میں کچھ تعمیر کرلی اور کچھ اگالیا (یعنی شفیع کے لیے بھی خریدار کا حکم ہوجائے گا) پھر (قیمت وغیرہ کی مکمل معلومات حاصل کرکے) شفعہ کرنے والا اس کے بعد زمین کو لے لے گا۔

قَالَ مَالِكٌ : وَالشُّفْعَةُ ثَابِتَةٌ فِي مَالِ الْمَيِّتِ، كَمَا هِيَ فِي مَالِ الْحَيِّ، فَإِنْ خَشِيَ أَهْلُ الْمَيِّتِ أَنْ يَنْكَسِرَ مَالُ الْمَيِّتِ قَسَمُوهُ، ثُمَّ بَاعُوهُ، فَلَيْسَ عَلَيْهِمْ فِيهِ شُفْعَةٌ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: شفعہ میت کے مال میں بھی ثابت رہتا ہے جس طرح کہ وہ زندہ کے مال میں ہوتا ہے، (اگر مشترکہ زمین سے اپنا حصہ بیچنے کے بعد اسے موت آگئی تو حق شفعہ باطل نہ ہوگا) پھر اگر میت کے ورثاء اس بات سے ڈریں کہ میت کا مال ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوجائے گا (اور ضائع چلا جائے گا، ان کو یہ خطرہ محسوس ہوا) تو انھوں نے اسے تقسیم کرلیا، پھر اسے بیچ دیا تو (اب چونکہ مالک تبدیل ہوکر کئی قسم کا تصرف کرچکے ہیں، اس لیے) ان پر اس مال

میں کوئی شفعہ نہ ہوگا۔

فائدہ :...... بشرطیکہ انھوں نے حیلہ سازی کرتے ہوئے ایسا نہ کیا ہو، اگر یہ ثابت ہوگیا کہ انھوں نے محض شفعہ باطل کرنے کے لیے ایسا کیا تھا تو پھر ان کے خلاف حق شفعہ ہوسکتا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَلَا شُفْعَةَ عِنْدَنَا فِي عَبْدٍ وَلَا وَلِيدَةٍ، وَلَا بَعِيرٍ وَلَا بَقَرَةٍ وَلَا شَاةٍ، وَلَا فِي شَيْءٍ مِنَ الْحَيَوَانِ، وَلَا فِي ثَوْبٍ، وَلَا فِي بِئْرٍ لَيْسَ لَهَا بَيَاضٌ، إِنَّمَا الشُّفْعَةُ فِيمَا يَصْلُحُ أَنَّهُ يَنْقَسِمُ وَتَقَعُ فِيهِ الْحُدُودُ مِنَ الْأَرْضِ، فَأَمَّا مَا لَا يَصْلُحُ فِيهِ الْقَسْمُ فَلَا شُفْعَةَ فِيهِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے نزدیک نہ غلام میں شفعہ ہوسکتا ہے، نہ لونڈی میں، نہ اونٹ میں، نہ گائے میں، نہ بکری میں اور نہ ہی جانوروں میں سے کسی اور چیز میں، اور (اس طرح) نہ کپڑے میں اور نہ ہی اس کنویں میں جس کے لیے (آس پاس) خالی زمین نہ ہو۔ بلاشبہ شفعہ تو صرف اس زمین میں ہوسکتا ہے جو اس قابل ہو کہ تقسیم ہوسکے اور اس میں حدیں قائم ہوسکیں ، رہی وہ چیز جس میں تقسیم نہ ہوسکتی ہو تو اس میں شفعہ بھی نہیں ہوسکتا۔

فائدہ :...... جمہور کا موقف یہی ہے کہ شفعہ صرف غیر منقولہ جائداد ہی سے تعلق رکھتا ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے خود اس کی تعیین یوں فرمائی ہے: ((اَلشُّفْعَةُ فِي كُلِّ شِرْكٍ فِي أَرْضٍ أَوْ رَبْعٍ أَوْ حَائِطٍ)) ''شفعہ ہر شراکت والی چیز یعنی زمین یا مکان یا باغ میں ہوسکتا ہے''۔ (مسلم : 135/1608) اور اس میں یہ بھی شرط ہے کہ وہ قابل تقسیم ہو کیونکہ احادیث میں تقسیم، حد بندی اور راستے تبدیل کرنے کا تذکرہ اس کا مقتضی ہے۔ واللہ اعلم۔

قَالَ مَالِكٌ: وَمَنِ اشْتَرَى أَرْضاً فِيهَا شُفْعَةٌ لِنَاسٍ حُضُورٍ، فَلْيَرْفَعْهُمْ إِلَى السُّلْطَانِ، فَإِمَّا أَنْ يَسْتَحِقُّوا، وَإِمَّا أَنْ يُسَلِّمَ لَهُ السُّلْطَانُ، فَإِنْ تَرَكَهُمْ فَلَمْ يَرْفَعْ أَمْرَهُمْ إِلَى السُّلْطَانِ، وَقَدْ عَلِمُوا بِاشْتِرَائِهِ، فَتَرَكُوا ذَلِكَ حَتَّى طَالَ زَمَانُهُ، ثُمَّ جَاؤُوا يَطْلُبُونَ شُفْعَتَهُمْ، فَلَا أَرَى ذَلِكَ لَهُمْ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جو شخص ایسی زمین خریدے جس میں کچھ موجود لوگوں کا شفعہ ثابت تھا ، تو اسے چاہیے کہ انھیں حاکم کے پاس لے جائے ، پھر یا تو وہ اسے لے لیں یا (اگر وہ نہ لیں تو) حاکم اس (خریدار) کا حق تسلیم کرلے (اور اس کی خریدی ہوئی چیز اس کے سپرد کردے) اور اگر وہ (خریدار) ان (شرکاء) کو چھوڑ دے اور ان کا معاملہ حاکم تک نہ پہنچائے اور (البتہ) وہ شرکاء اس کی خریداری کو جان چکے ہوں اور انھوں نے اس پر حق شفعہ ترک کردیا ہو، یہاں تک کہ لمبا عرصہ بیت گیا، پھر وہ اپنا شفعہ طلب کرتے ہوئے آئیں تو میں اسے ان کے لیے درست نہیں سمجھتا۔ (الحمد للہ) شفعہ کی کتاب مکمل ہوگئی ہے۔

38

كِتَابُ الْاَقْضِيَةِ

عدالتی فیصلہ جات کے متعلق کتاب

خلاصۃ الکتاب اس کتاب میں اکاون (51) ابواب اور پینسٹھ (65) روایات ہیں، جن میں سے 26 مرفوع (احادیث نبویہ ﷺ)، 32 موقوف (آثار صحابہ ﷺ) اور 7 مقطوع (آثار تابعین رحمہ اللہ) ہیں اور ان تمام میں سے 45 سنداً صحیح، 2 حسن اور 18 ضعیف ہیں، چنانچہ 26 مرفوع روایات میں سے 23 صحیح اور 3 ضعیف ہیں، 32 موقوف روایات میں سے 18 صحیح، ایک حسن اور 13 ضعیف ہیں اور 7 مقطوع روایات میں سے 4 صحیح، ایک حسن اور 2 ضعیف ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے 80 فتاویٰ جات بھی اس کتاب میں مذکور ہیں۔

نوٹ: ہماری رائے کے مطابق یہ اکاون ابواب پر مشتمل مجموعہ ایک ہی کتاب ہے۔ البتہ مختلف نسخوں میں یہ مجموعہ کئی کتابوں میں منقسم ہے، ہمارے خیال میں امام مالک رحمہ اللہ کا اسلوب یہ تقاضا کرتا ہے کہ یہ ایک ہی کتاب ہو کیونکہ انھوں نے (جَامِعُ الْقَضَاء) کے نام سے جو باب قائم کیا ہے وہ انچاسویں نمبر پر ہے اور امام صاحب رحمہ اللہ اس طرح کا باب متعلقہ کتاب کے اخیر میں ذکر کرتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

1- بَابٌ: التَّرْغِيبُ فِي الْقَضَاءِ بِالْحَقِّ

سچائی کے ساتھ فیصلہ کرنے پر ترغیب کا بیان

خلاصۃ الباب:......اس باب میں دو روایات ہیں، ایک مرفوع (حدیث نبوی ﷺ) ہے جو بخاری و مسلم میں بھی موجود ہے اور ایک موقوف ہے جو کہ سنداً صحیح ہے۔

[1412] حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا زوجہ پیغمبر ﷺ سے روایت ہے کہ

[1412] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب المظالم، باب اثم من خاصم فی باطل وھو یعلمه، حدیث: 2458، 2680، 6967، 7169، 7181، 7185، صحیح مسلم، کتاب الاقضية، باب بیان ان حکم الحاکم لا یغیر الباطن، حدیث: 1713، ابو داود: 3583، ترمذی: 1339، نسائی: 5403، ابن ماجه: 2317، احمد: 6/ 203 (26189).

هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ، وَإِنَّكُمْ تَخْتَصِمُونَ إِلَيَّ، فَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ أَنْ يَكُونَ أَلْحَنَ بِحُجَّتِهِ مِنْ بَعْضٍ، فَأَقْضِيَ لَهُ عَلَى نَحْوِ مَا أَسْمَعُ مِنْهُ، فَمَنْ قَضَيْتُ لَهُ بِشَيْءٍ مِنْ حَقِّ أَخِيهِ فَلَا يَأْخُذَنَّ مِنْهُ شَيْئًا، فَإِنَّمَا أَقْطَعُ لَهُ قِطْعَةً مِنَ النَّارِ.

بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یقیناً میں تو بس ایک بشر ہوں اور بے شک تم میرے پاس جھگڑے لے کر آتے ہو اور ہوسکتا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اپنی حجت پیش کرنے میں کسی (دوسرے فریق) کی نسبت زیادہ چرب زبان اور زیادہ فصیح ہو۔ چنانچہ میں اس سے جو کچھ سنوں اس کے مطابق اس کے حق میں فیصلہ کردوں (لیکن درحقیقت وہ شخص جھوٹا ہو اور اصل حقدار وہ شخص ہو جو بات کرنے میں اس طرح کا سلیقہ و مہارت اور فصاحت نہ رکھتا ہو) لہٰذا میں جس شخص کے لیے اس کے بھائی کے حق میں فیصلہ کردوں (اس کی باتیں سن کر اصل حقدار کا حق اس چرب زبان کو دلا دوں) تو وہ اس میں سے کچھ بھی ہرگز نہ لے کیونکہ بلاشبہ میں تو اسے آگ کا ایک ٹکڑا کاٹ کر دے رہا ہوں گا''۔

فائدہ:...... اب اس کی مرضی ہے چاہے تو اس (آگ کے ٹکڑے) کو لے لے اور چاہے تو چھوڑ دے'' (بخاری: 2458، مسلم: 1713) ''وہ اسے قیامت کے دن لے کر آئے گا''۔ (ابن ماجہ: 2317) رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمان اس وقت سنایا جب آپ ﷺ نے اپنے حجرہ مبارک کے باہر جھگڑے کی آوازیں سنیں تو آپ ﷺ باہر نکلے اور یہ حدیث بیان فرمائی۔ (بخاری: 2458، مسلم: 1713) وہ دو آدمی تھے اور وراثت کے معاملے میں جھگڑ رہے تھے جبکہ ثبوت کسی کے پاس بھی نہ تھا، وہ دونوں یہ فرمان سن کر رونے لگے اور ہر ایک یہ کہنے لگا کہ میرا جو حق بنتا ہے وہ بھی تمھارا ہی ہے۔ تو پھر نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ صحیح حق کی جستجو کر کے تقسیم کرلو، پھر قرعہ ڈال کر لے لو اور ایک دوسرے سے کمی زیادتی معاف کروالو''۔ (ابو داود: 3584)......معلوم ہوا کہ قاضی و سلطان اپنے سامنے آنے والے دلائل کی روشنی میں فیصلہ کرنے کا پابند ہے۔ بعض لوگ ایسے چالاک، کلام کے دھنی اور گفتگو کے ہیر پھیر میں اس قدر ماہر ہوتے ہیں کہ ذہین و فطین افراد کو بھی چکمہ دے دیتے ہیں، اگر ایسے شخص کے حق میں فیصلہ ہو جائے تو قاضی مجرم نہ ہوگا بشرطیکہ اس نے دونوں جانب سے غیر جانبداری کے ساتھ تحقیق کی ہو۔ اپنے حق میں بذریعہ جھوٹ فیصلہ کرانے والے افراد حاصل شدہ چیز پر دنیوی عدالتی مہر تو لگوا لیتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ غاصب اور ظالم ہی شمار ہوتے ہیں، اس چیز کا ہر استعمال ان کے حق میں حرام ہی لکھا جاتا ہے اور وہ اپنے دامن میں جہنم کی آگ اکٹھی کرتے رہتے ہیں...... یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو علم غیب حاصل نہ تھا، جب تک اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو کوئی بات بذریعہ وحی نہ بتاتا آپ ﷺ اس سے ناآشنا ہی رہتے تھے۔ نیز یہ بھی واضح ہوگیا کہ قاضی کا فیصلہ صاف ظاہر میں لاگو ہوتا ہے۔ باطن میں

نہیں، لہٰذا اگر کسی شخص نے جھوٹے گواہوں کے ساتھ کسی عورت کو اپنی بیوی ثابت کر دیا اور اپنے حق میں فیصلہ کروا لیا تو وہ اس عورت سے ساری زندگی زنا ہی کرتا رہے گا۔ یہی موقف ہے امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ، اور اہلحدیث کا، لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ایسے ناحق فیصلے کو مالی معاملات میں تو باطن میں نافذ نہیں کرتے اور وہ کہتے ہیں کہ قاضی کے ایسے فیصلے کے بعد بھی مال حرام رہتا ہے لیکن شرمگاہوں کے معاملے میں اسے نافذ سمجھتے ہیں اور جھوٹے گواہوں سے ثابت کیے جانے والے نکاح اور طلاق کو درست سمجھتے ہیں۔

[1413] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ اخْتَصَمَ إِلَيْهِ مُسْلِمٌ وَيَهُودِيٌّ، فَرَأَى عُمَرُ أَنَّ الْحَقَّ لِلْيَهُودِيِّ، فَقَضَى لَهُ، فَقَالَ لَهُ الْيَهُودِيُّ: وَاللّٰهِ لَقَدْ قَضَيْتَ بِالْحَقِّ. فَضَرَبَهُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ بِالدِّرَّةِ، ثُمَّ قَالَ: وَمَا يُدْرِيكَ؟ فَقَالَ لَهُ الْيَهُودِيُّ: إِنَّا نَجِدُ أَنَّهُ لَيْسَ قَاضٍ يَقْضِي بِالْحَقِّ، إِلَّا كَانَ عَنْ يَمِينِهِ مَلَكٌ، وَعَنْ شِمَالِهِ مَلَكٌ، يُسَدِّدَانِهِ وَيُوَفِّقَانِهِ لِلْحَقِّ مَادَامَ مَعَ الْحَقِّ، فَإِذَا تَرَكَ الْحَقَّ عَرَجَا وَتَرَكَاهُ.

سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ یقیناً حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک مسلمان اور ایک یہودی فیصلہ لے کر آئے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سمجھا کہ بے شک حق یہودی کے لیے ہے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے حق میں فیصلہ کر دیا، تو یہودی ان سے کہنے لگا کہ اللہ کی قسم! آپ نے حق کے ساتھ فیصلہ کیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے کوڑا مارا پھر فرمایا کہ تمھیں کیسے پتا چلا؟ وہ کہنے لگا کہ بے شک ہم (تورات میں) پاتے ہیں کہ بلاشبہ کوئی قاضی نہیں ہے جو حق کے ساتھ فیصلہ کرے مگر ضرور اس کے دائیں جانب اور بائیں ایک ایک فرشتہ ہوتا ہے۔ وہ دونوں اسے درست راہ پر قائم رکھتے ہیں اور اسے بات الہام کرتے رہتے ہیں جب تک کہ وہ حق کے ساتھ رہے پھر جب وہ حق کو چھوڑ دیتا ہے تو وہ اوپر چڑھ جاتے ہیں اور چھوڑ دیتے ہیں۔

فائدہ:......بعض روایات سے کوڑا مارنے کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ کہا تھا: اللہ کی قسم! بے شک جبریل و میکائیل علیہما السلام آپ کی زبان پر گفتگو کر رہے ہیں اور وہ آپ کے دائیں بائیں موجود ہیں (زرقانی: 526/3) یہودی چونکہ صاحب مقدمہ تھا اور اسے معلوم تھا کہ حق کس جانب ہے سو اس نے باوجود اختلاف مذہب کے فیصلہ فاروقی میں انصاف دیکھا تو تعریف کیے بغیر نہ رہ سکا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے خوشامد اور منہ پر تعریف سمجھ کر درّہ لگایا۔

[1413] (موقوف صحیح) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

2- بَابُ مَا جَاءَ فِي الشَّهَادَاتِ

گواہیوں کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں تین روایات ہیں۔ایک مرفوع (حدیث نبوی ﷺ ہے جوکہ صحیح مسلم میں بھی موجود ہے جبکہ دو موقوف (آثار صحابہ رضی اللہ عنہم) ہیں جو سنداً ضعیف ہیں۔

فائدہ:......ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ﴾ (النساء 135) ''اے ایمان والو! تم انصاف کے لیے ڈٹ جانے والے اور اللہ کے لیے (سچی گواہی دینے والے بن جاؤ، خواہ وہ تمھارے اپنے خلاف یا تمھارے والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہو'' نیز فرمایا:﴿وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ﴾ (الطلاق 2) ''اور تم اللہ کے لیے گواہی قائم کرو''۔اسی طرح فرمایا:﴿وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۚ وَمَن يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ﴾ (البقرة 283) ''اور تم گواہی نہ چھپاؤ اور جو شخص گواہی چھپائے گا تو بے شک اس کا دل گناہ گار ہے''۔اور یہ بھی حکم دیا:﴿وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا﴾ (البقرہ :282) ''اور گواہوں کو جب بلایا جائے تو وہ انکار نہ کریں''۔

[1414] حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عُثْمَانَ، عَنْ أَبِي عَمْرَةَ الْأَنْصَارِيِّ، عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ الشُّهَدَاءِ؟ الَّذِي يَأْتِي بِشَهَادَتِهِ قَبْلَ أَنْ يُسْأَلَهَا. أَوْ يُخْبِرُ بِشَهَادَتِهِ قَبْلَ أَنْ يُسْأَلَهَا.

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں تمھیں گواہوں میں سے سب سے بہترین شخص کی خبر نہ دوں۔یہ وہ شخص ہے جو اپنی گواہی اس سے پہلے ہی لے آتا ہے(اور پیش کر دیتا ہے) کہ اس سے اس کا سوال کیا جاتا یا وہ (قاضی یا حق والے شخص کو) اپنی گواہی کی خبر اس کے متعلق پوچھے جانے سے پہلے ہی دے دیتا ہے۔''

فائدہ:......یعنی متعلقہ افراد کو خود ہی بتا دیتا ہے کہ میرے پاس گواہی موجود ہے۔بہرحال گواہی لانے سے مراد عدالت و پنچایت میں گواہی دے دینا ہے اور گواہی کی خبر دینے سے مراد یہ اطلاع دینا ہے کہ میرے پاس گواہی ہے جو دے سکتا ہوں۔حدیث مبارکہ میں موجود ''أوْ'' (یا) کا لفظ ممکن ہے تنویع کے لیے ہو یعنی گواہی کے معاملات کی دو

[1414] (مرفوع صحيح) صحيح مسلم، كتاب الاقضية، باب بيان خير الشهود، حديث: 1719، سنن ابى داود، كتاب القضاء، باب فى الشهادات، حديث: 3596، ترمذى: 2295، نسائى فى الكبرى: 2029، احمد: 4/ 115(17166).

انواع بیان کرنے کے لیے ہو اور فرمان مصطفیٰ میں سے ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ تشکیک کے لیے ہو یعنی راوی کو شک ہو کہ آپ ﷺ نے کون سالفظ بیان فرمایا تھا، اس صورت میں دونوں سے مراد ''گواہی پیش کرنا'' ہے......اس حدیث مبارکہ میں سچی گواہی دینے کے متعلق ترغیب دی جارہی ہے کہ اگر تمھارے پاس سچی گواہی ہو اور کسی دوسرے شخص کو اس کی خبر نہ ہو تو تم پھر بھی حق میں تعاون کرنے کی سعادت حاصل کرو تا کہ حق والا اپنے حق سے محروم نہ رہ جائے۔ رہی جھوٹی گواہی تو اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے یوں مذمت بیان فرمائی ہے کہ ایک وقت آئے گا جب لوگ جھوٹی گواہی کا دھندہ شروع کردیں گے جیسا کہ آج کل لوگ دنیوی مال و متاع کے عوض جھوٹی گواہیاں دینے کے لیے تیار رہتے ہیں یا ظالم حکمران طبقہ اپنے سرکاری نوکروں سے مخالفین کے خلاف جھوٹی شہادتیں پیش کرواتا رہتا ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے دور، اور بعد والے اصحاب رضی اللہ عنہم، تابعین رحمہم اللہ اور تبع تابعین رحمہم اللہ کے تین ادوار کو بہترین زمانے قرار دے کر فرمایا: ''پھر تمھارے بعد ایسے لوگ آئیں گے جو خیانتیں کریں گے، انھیں امین (امانت دار) نہ سمجھا جائے گا، وہ گواہی دیں گے حالانکہ ان سے گواہی طلب نہ کی جائے گی، وہ نذر مانیں گے لیکن پوری نہ کریں گے اور ان میں موٹاپا ظاہر ہو جائے گا''۔ (بخاری: 2651، مسلم: 2535) نیز فرمایا: ''پھر ان کے بعد برے جانشین آئیں گے، ان کی گواہی ان کی قسم سے اور ان کی قسم ان کی گواہی سے سبقت کر رہی ہوگی''۔ (بخاری: 2652، مسلم: 2533) یعنی انھیں قسم اور گواہی کی اہمیت و نزاکت کا ذرا بھی احساس نہ ہوگا اور وہ جھوٹی قسموں اور گواہیوں میں دیدہ دلیری سے کام لیں گے۔

[1415] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّهُ قَالَ: قَدِمَ عَلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْعِرَاقِ فَقَالَ: لَقَدْ جِئْتُكَ لِأَمْرٍ مَا لَهُ رَأْسٌ وَلَا ذَنَبٌ. فَقَالَ عُمَرُ: مَا هُوَ؟ قَالَ: شَهَادَاتُ الزُّورِ ظَهَرَتْ بِأَرْضِنَا. فَقَالَ عُمَرُ: أَوَقَدْ كَانَ ذَلِكَ؟ قَالَ: نَعَمْ. فَقَالَ عُمَرُ: وَاللّٰهِ لَا يُؤْسَرُ رَجُلٌ فِي الْإِسْلَامِ بِغَيْرِ الْعُدُولِ.

ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس اہل عراق میں سے ایک آدمی آیا اور کہنے لگا کہ میں آپ کے پاس ایک ایسے معاملے کی بنا پر آیا ہوں جس کا نہ سر ہے نہ دم، (نہ ابتدا ہے نہ انتہا اور وہ بہت پھیل چکا ہے) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بھلا وہ کیا ہے؟ کہنے لگا کہ جھوٹی گواہیاں ہمارے علاقے میں ظاہر ہو (کر عام پھیل) گئی ہیں، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا واقعی ایسا ہو چکا ہے؟ اس نے کہا کہ جی ہاں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! (اب سے) اسلام میں کوئی بھی عادل شخص کی گواہی کے بغیر قید میں نہ ڈالا جائے۔

[1415] (موقوف ضعیف) بیہقی: 10/ 166 (20631)۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے۔

فائدہ: ......یعنی آج سے یہ قانون نافذ سمجھا جائے کہ سب سے پہلے گواہ کے اپنے متعلق تحقیق کی جائے گی کہ وہ عادل ہے یا فاسق۔

[1416] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ: لَا تَجُوزُ شَهَادَةُ خَصْمٍ وَلَا ظَنِينٍ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ بے شک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہ تو مد مقابل (دشمن) کی گواہی جائز ہے اور نہ تہمت زدہ کی۔

فائدہ: ...... کیونکہ یہ بات تو ظاہر ہی ہے کہ دشمن سے انتقام ہی کا اندیشہ ہے اور وہ خلاف ہی گواہی دے گا اس لیے وہ معتبر نہیں ہے، اسی طرح جو شخص پہلے ہی تہمت زدہ اور نا قابل اعتبار ہے تو اس کی گواہی کیسے قابل اعتبار سمجھی جائے۔

3- بَابٌ: الْقَضَاءُ فِي شَهَادَةِ الْمَحْدُودِ

حد لگائے ہوئے شخص کی گواہی کے متعلق فیصلے کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں دو مقطوع روایات (آثار تابعین رحمہم اللہ) ہیں جن میں سے ایک صحیح اور دوسری سنداً ضعیف ہے نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

[1417] قَالَ يَحْيَى: عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ وَغَيْرِهِ: أَنَّهُمْ سُئِلُوا عَنْ رَجُلٍ جُلِدَ الْحَدَّ، أَتَجُوزُ شَهَادَتُهُ؟ فَقَالُوا: نَعَمْ، إِذَا ظَهَرَتْ مِنْهُ التَّوْبَةُ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ سلیمان بن یسار رحمہ اللہ وغیرہ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جسے حدِ قذف (زنا کی جھوٹی تہمت لگانے کے جرم) میں (اسی) کوڑے لگ چکے ہوں، کیا اس کی گواہی جائز ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: ہاں جب کہ اس سے توبہ ظاہر ہو جائے۔

[1418] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ شِهَابٍ يُسْأَلُ عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ: مِثْلَ مَا قَالَ سُلَيْمَانُ بْنُ يَسَارٍ.

امام مالک رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انھوں نے ابن شہاب رحمہ اللہ کو سنا، ان سے (بھی) اس (مذکورہ مسئلے) کے متعلق سوال کیا گیا تو انھوں نے بھی اس کی مثل جواب دیا جو سلیمان بن یسار رحمہ اللہ نے (جواب میں) فرمایا تھا۔

قَالَ مَالِكٌ: وَذَلِكَ الْأَمْرُ عِنْدَنَا، وَذَلِكَ لِقَوْلِ اللهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: ﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہمارے ہاں (بھی) یہی حکم ہے، اور یہ (گواہی کا جواز) اس وجہ سے ہے کہ فرمان الٰہی

[1416] (موقوف ضعيف) بيهقي: 10/ 201 (20861)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

[1417] (مقطوع ضعيف) بيهقي: 10/ 153 (20556)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔

[1418] (مقطوع صحيح) بيهقي: 10/ 153، تحت حديث: 20556۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

الْمُحْصَنَاتِ، ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ [النور: 4,5].

ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (النور 4، 5) ''اور جولوگ پاکدامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں، پھر وہ چار گواہ نہیں لاتے تو تم انھیں اسی کوڑے مارو اور تم ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرو اور یہی لوگ نافرمان ہیں، مگر جن لوگوں نے اس کے بعد توبہ کر لی اور (اپنی) اصلاح کر لی تو (نہ وہ فاسق رہیں گے اور نہ ان کی گواہی رد ہوگی، کیونکہ) بلاشبہ اللہ بہت بخشنے والا خوب مہربان ہے۔''

قَالَ مَالِكٌ: فَالْأَمْرُ الَّذِي لَا اخْتِلَافَ فِيهِ عِنْدَنَا: أَنَّ الَّذِي يُجْلَدُ الْحَدَّ، ثُمَّ تَابَ وَأَصْلَحَ تَجُوزُ شَهَادَتُهُ، وَهُوَ أَحَبُّ مَا سَمِعْتُ إِلَيَّ فِي ذَلِكَ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: لہٰذا وہ حکم جس میں ہمارے ہاں (مدینہ منورہ میں) کوئی اختلاف نہیں ہے، یہ ہے کہ یقیناً جسے حد لگا دی جائے پھر وہ توبہ اور اصلاح کر لے تو اس کی گواہی جائز ہے، اور یہی وہ سب سے پسندیدہ قول ہے جو میں نے اس بارے میں سنا ہے۔

فائدہ: ......یہی بات راجح ہے کہ دوسری آیت کے استثناء کا تعلق فسق اور گواہی دونوں معاملات کے ساتھ ہے، لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک تہمت کی حد لگایا ہوا شخص توبہ کرے یا نہ کرے اس کی گواہی قبول نہ ہوگی۔

4- بَابٌ: الْقَضَاءُ بِالْيَمِينِ مَعَ الشَّاهِدِ

ایک گواہ اور ایک قسم لے کر فیصلہ کرنے کا بیان

خلاصة الباب اس باب میں تین روایات ہیں۔ ایک مرفوع (حدیث نبوی ﷺ) ہے جو سنداً صحیح ثابت ہے اور دو مقطوع (آثار تابعین رحمہم اللہ) جن میں سے ایک سنداً صحیح اور ایک ضعیف ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے نو فتاویٰ جات بھی مذکور ہیں۔

[1419] قَالَ يَحْيَى: قَالَ مَالِكٌ: عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ

جعفر بن محمد رحمہ اللہ اپنے والد (محمد بن زین العابدین رحمہ اللہ) سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ

[1419] (مرفوع صحيح) جامع الترمذي، كتاب الاحكام، باب ماجاء في اليمين مع الشاهد، حديث: 1345، سنن ابن ماجه، كتاب الاحكام، باب القضاء بالشاهد واليمين، حديث: 2369، احمد: 3/ 305 (14329)، بیہقی: 10/ 169۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

قَضَى بِالْيَمِينِ مَعَ الشَّاهِدِ.

نے ایک گواہ کے ساتھ قسم لے کر فیصلہ فرمادیا تھا۔

[1420] وَعَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ كَتَبَ إِلَى عَبْدِ الْحَمِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ زَيْدِ بْنِ الْخَطَّابِ، وَهُوَ عَامِلٌ عَلَى الْكُوفَةِ: أَنِ اقْضِ بِالْيَمِينِ مَعَ الشَّاهِدِ.

ابن زناد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بیشک حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے عبدالحمید بن عبدالرحمن بن زید بن خطاب رحمہ اللہ جو کہ (ان کی طرف سے) کوفہ کے عامل (اور گورنر) تھے، کی طرف لکھا کہ ایک گواہ کے ساتھ قسم لے کر فیصلہ کردیا کرو۔

[1421] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ أَبَا سَلَمَةَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، وَسُلَيْمَانَ بْنَ يَسَارٍ سُئِلَا: هَلْ يُقْضَى بِالْيَمِينِ مَعَ الشَّاهِدِ؟ فَقَالَا: نَعَمْ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ بے شک ابوسلمہ بن عبدالرحمن رحمہ اللہ اور سلیمان بن یسار رحمہ اللہ دونوں سے سوال کیا گیا کہ کیا گواہ کے ساتھ قسم لے کر فیصلہ کیا جاسکتا ہے؟ تو دونوں نے کہا: ہاں۔

فائدہ: ...... امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ اور جمہور کا موقف یہی ہے کہ جب کسی مدعی کے پاس دو گواہ نہ ہوں، بلکہ صرف ایک گواہ ہو تو دوسرے گواہ کی جگہ پر وہ اپنی قسم دے دے تو فیصلہ اسی کے حق میں ہوجائے گا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اسے تسلیم نہیں کیا۔ احناف اسے قرآن کے خلاف قرار دے کر رد کردیتے ہیں اور یہ سراسر تعصب اور عناد کی بنا پر کرتے ہیں، ورنہ احادیث مبارکہ قرآن کے خلاف نہیں بلکہ وضاحت و تفصیل کے لیے ہوتی ہیں۔ احناف کہتے ہیں کہ یہ خبر واحد ہے اور خبر واحد سے قرآن کے مفہوم پر اضافہ درست نہیں ہے اور قرآن نے کہا ہے کہ دو مرد گواہ بناؤ یا ایک مرد اور دو عورتیں ......جبکہ خود احناف نے بیسیوں مسائل میں خبر واحد سے قرآن کے مفہوم پر اضافہ قبول کیا ہے اور جب ان پر اعتراض ہوا کہ اب کیا کررہے ہو تو پھر یہ اصول بنالیا کہ یہ حدیث اگرچہ خبر واحد ہے لیکن خبر مشہور ہے...... دراصل احناف کا مقصود دفاع حنفیت ہوتا ہے نہ کہ عمل بالحدیث۔ وہ جہاں دیکھتے ہیں کہ یہ حدیث امام صاحب کے موقف کے مطابق ہے تو اسے فوراً لے لیتے ہیں خواہ وہ سنداً ضعیف ہی ہو جیسے کہ قہقہے سے وضوٹوٹنے کا معاملہ ہے اور جہاں وہ کسی روایت کو امام صاحب کے خلاف دیکھتے ہیں تو احادیث کو رد کرنے کے لیے نت نئے اصول

[1420] (مقطوع صحیح) نسائی فی الکبری: 3/ 491 (6016)، بیهقی فی السنن الکبری: 10/ 173، وفی معرفة السنن والآثار: 7/ 406 (5921)، الشافعی فی الام: 6/ 255۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

[1421] (مقطوع ضعیف) بیهقی فی السنن الکبری: 10/ 174 (20683)، وفی معرفة السنن والآثار: 7/ 407 (5924)، الشافعی فی الام: 6/ 255۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

گھڑنے لگتے ہیں اور بعض متعصبین تو اس قدر ڈھٹائی اور ہٹ دھرمی سے یہ کام کرتے ہیں کہ جو شخص اسلام قبول کرنے کے تقاضے جانتا ہے اور اطاعت رسول ﷺ پر جان قربان کرنے کی تمنا رکھتا ہے اسے ان اصولوں کو دیکھ کر ہی شرم آنے لگتی ہے...... رہا یہ مذکورہ مسئلہ (یعنی ایک گواہ کے ساتھ ایک قسم لے کر فیصلہ مدعی کے حق میں ہو جاتا) تو یہ اگرچہ قرآن میں نہیں ہے بلکہ احادیث میں ہے اور یہ حدیث خبر مشہور سے بھی آگے یعنی خبر متواتر کا درجہ رکھتی ہے جسے نبی اکرم ﷺ سے بیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے۔(التلخیص الحبیر: 206/4، زرقانی: 531/3) لیکن احناف کو یہ صرف اور صرف اس لیے قبول نہیں کہ یہ قول امام کے خلاف ہے۔ احناف نے خود قرآن مجید کے مفہوم پر جن اخبار آحاد سے اضافے کیے ہیں ان کی بہت سی مثالیں امام زرقانی رحمہ اللہ نے ذکر کی ہیں۔(زرقانی: 530/3، 531) مثلاً خالہ و بھانجی اور پھوپھی و بھتیجی کا ایک نکاح میں اکٹھا کرنا، موزوں پر مسح، گھریلو گدھوں کی حرمت، کچلی والے درندوں کے گوشت کی حرمت، دوسری مرتبہ چوری میں پکڑے جانے والے کا پاؤں کاٹنا، نبیذ کے ساتھ وضو، قہقہے اور قے سے وضو ٹوٹنا، غسل میں کلی اور ناک میں پانی چڑھانے کو واجب اور وضو میں سنت قرار دینا، پیدائش کے معاملے میں ایک عورت کی گواہی قبول کرنا۔ وغیرہ وغیرہ۔

قَالَ مَالِكٌ : مَضَتِ السُّنَّةُ فِي الْقَضَاءِ بِالْيَمِينِ مَعَ الشَّاهِدِ الْوَاحِدِ، يَحْلِفُ صَاحِبُ الْحَقِّ مَعَ شَاهِدِهِ، وَيَسْتَحِقُّ حَقَّهُ، فَإِنْ نَكَلَ وَأَبَى أَنْ يَحْلِفَ أُحْلِفَ الْمَطْلُوبُ، فَإِنْ حَلَفَ سَقَطَ عَنْهُ ذَلِكَ الْحَقُّ، وَإِنْ أَبَى أَنْ يَحْلِفَ ثَبَتَ عَلَيْهِ الْحَقُّ لِصَاحِبِهِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ایک گواہ کے ساتھ ایک قسم (ملاکر ان دونوں) کے ساتھ فیصلہ کرنے کے متعلق یہ سنت جاری ہو چکی ہے کہ حق (کے مطالبے) والا شخص (یعنی مدعی) اپنے گواہ کے ساتھ حلف اٹھائے گا اور اپنے حق کا مستحق کہلائے گا، پھر اگر وہ قسم کھانے سے رک جائے اور انکار کردے تو مدعا علیہ (جس سے مطالبہ کیا جارہا ہے) سے قسم لی جائے گی، چنانچہ اگر وہ قسم اٹھالے تو یہ حق اس سے ساقط ہو جائے گا اور اگر وہ (مدعا علیہ) بھی قسم کھانے سے انکار کردے تو اس کے خلاف اس کے ساتھ (یعنی مدعی) کا حق ثابت ہو جائے گا۔

قَالَ مَالِكٌ : وَإِنَّمَا يَكُونُ ذَلِكَ فِي الْأَمْوَالِ خَاصَّةً، وَلَا يَقَعُ ذَلِكَ فِي شَيْءٍ مِنَ الْحُدُودِ، وَلَا فِي نِكَاحٍ، وَلَا فِي طَلَاقٍ، وَلَا فِي عَتَاقَةٍ، وَلَا فِي سَرِقَةٍ، وَلَا فِي فِرْيَةٍ، فَإِنْ قَالَ قَائِلٌ : فَإِنَّ الْعَتَاقَةَ مِنَ الْأَمْوَالِ، فَقَدْ أَخْطَأَ، لَيْسَ ذَلِكَ عَلَى مَا

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ مسئلہ صرف اور صرف مالی حقوق کے ساتھ خاص ہے (اور اس پر اس موقف کے قائلین کا اجماع ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کی مذکورہ مسئلے والی روایت میں "فِي الْأَمْوَالِ" (مالوں میں) کی صراحت موجود ہے)، اور یہ فیصلہ نہ تو حدود میں لاگو ہوتا ہے نہ نکاح میں نہ طلاق میں، نہ غلام آزاد کرنے میں، نہ چوری میں اور

قَالَ، وَلَوْ كَانَ ذَلِكَ عَلَى مَا قَالَ، لَحَلَفَ الْعَبْدُ مَعَ شَاهِدِهِ إِذَا جَاءَ بِشَاهِدٍ أَنَّ سَيِّدَهُ أَعْتَقَهُ، وَأَنَّ الْعَبْدَ إِذَا جَاءَ بِشَاهِدٍ عَلَى مَالٍ مِنَ الأَمْوَالِ ادَّعَاهُ، حَلَفَ مَعَ شَاهِدِهِ وَاسْتَحَقَّ حَقَّهُ كَمَا يَحْلِفُ الْحُرُّ .

نہ (زنا کی) تہمت میں ......پھر کوئی کہنے والا (اعتراض کرتے ہوئے اگر) یہ کہے کہ بے شک آزاد کرنا بھی تو مالی معاملات میں سے ہے تو یقیناً جب غلام اس بات پر ایک گواہ لے کر آتا ہے کہ بے شک اس کے آقا نے اسے آزاد کر دیا ہے تو اس کے ایک گواہ کے ساتھ اس غلام سے قسم لی جاتی (اور اسے آزاد کر دیا جاتا، لیکن ایسا نہیں ہوا کرتا) اور بے شک غلام جب مالوں میں سے کسی ایسے مال پر ایک گواہ پیش کرے جس کا اس نے دعویٰ کیا ہو تو اس کے گواہ کے ساتھ اس سے حلف لیا جائے گا اور وہ اپنے حق کا مستحق ہو جائے گا جس طرح کہ آزاد شخص سے حلف لیا جاتا ہے۔

فائدہ : ......یعنی جہاں کہیں دو افراد کا کسی مال کے متعلق جھگڑا ہو اور دونوں اس کے حصول کے خواہاں ہوں تو ایسے امور کو مالی معاملات سے تعبیر کرتے ہیں جبکہ جس معاملے میں کسی مال کا حصول مقصود نہ ہو بلکہ کوئی سزا دلانا مقصود ہو جیسا کہ حدودِ الٰہیہ کا نفاذ یا اللہ تعالیٰ کے احکامات کی رو سے ملی ہوئی کسی فرد کی حیثیت تبدیل کرانا مقصود ہو، جیسا کہ نکاح، طلاق اور آزادی وغیرہ، تو انھیں مالی معاملات نہیں کہتے، اگرچہ ان میں ضمناً مال کا قصد کیا جانا بھی ممکن ہے ......بالفاظ دیگر یوں کہیں گے کہ جس معاملے کا تعلق خالص حقوق العباد سے ہو وہ ''مالی معاملات'' میں شمار ہوتا ہے اور جس معاملے میں اللہ کا حق شامل ہوا سے ''حدود اللہ'' شمار کرتے ہیں، چنانچہ آزادی کے ساتھ اللہ کے حق کا تعلق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر آقا غلام کو آزاد کر دے پھر آقا و غلام دونوں بھی آزادی کو ختم کرنا چاہیں تو نہیں کر سکیں گے، حالانکہ مال کو باہمی رضامندی سے فریقین میں منتقل کیا جا سکتا ہے، رہی طلاق ،، تو اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے صراحت سے یہ فرمادیا ہے: ﴿تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ﴾ (البقرة 229، 230، الطلاق : 1) ''یہ اللہ کی حدیں ہیں''۔

قَالَ مَالِكٌ : فَالسُّنَّةُ عِنْدَنَا أَنَّ الْعَبْدَ إِذَا جَاءَ بِشَاهِدٍ عَلَى عَتَاقَتِهِ، اسْتُحْلِفَ سَيِّدُهُ مَا أَعْتَقَهُ، وَبَطَلَ ذَلِكَ عَنْهُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: لہٰذا ہمارے نزدیک سنت یہی ہے کہ جب غلام اپنی آزادی کے متعلق ایک گواہ لائے تو (یہ کافی نہ ہوگا اور اس صورت میں آقا مدعا علیہ ہے اور یہاں مدعی دو گواہ نہ پیش کر سکا لہٰذا مدعا علیہ یعنی) اس کے آقا سے یہ قسم لی جائے گی کہ اس نے اسے آزاد نہیں کیا اور (اگر وہ قسم کھا لے تو) یہ دعویٰ اس سے ختم ہو جائے گا۔

قَالَ مَالِكٌ : وَكَذَلِكَ السُّنَّةُ عِنْدَنَا أَيْضاً فِي الطَّلَاقِ، إِذَا جَاءَتِ الْمَرْأَةُ بِشَاهِدٍ أَنَّ زَوْجَهَا طَلَّقَهَا، أُحْلِفَ زَوْجُهَا مَا طَلَّقَهَا،

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور طلاق کے متعلق بھی ہمارے ہاں یہی سنت ہے کہ جب عورت اس بات پر ایک گواہ لائے کہ اس کے خاوند نے اسے طلاق دے دی ہے تو (یہ

فَإِذَا حَلَفَ لَمْ يَقَعْ عَلَيْهِ الطَّلَاقُ .

کافی نہیں ہے اور مدعی کے پاس دو گواہ نہ ہونے کی وجہ سے مدعا علیہ یعنی) اس کے خاوند سے یہ قسم لی جائے گی کہ اس نے اسے طلاق نہیں دی، چنانچہ جب وہ قسم کھالے گا تو عورت پر طلاق واقع نہ ہوگی۔

قَالَ مَالِكٌ : فَسُنَّةُ الطَّلَاقِ وَالْعَتَاقَةِ فِي الشَّاهِدِ الْوَاحِدِ وَاحِدَةٌ، إِنَّمَا يَكُونُ الْيَمِينُ عَلَى زَوْجِ الْمَرْأَةِ، وَعَلَى سَيِّدِ الْعَبْدِ، وَإِنَّمَا الْعَتَاقَةُ حَدٌّ مِنَ الْحُدُودِ لَا تَجُوزُ فِيهَا شَهَادَةُ النِّسَاءِ، لِأَنَّهُ إِذَا عَتَقَ الْعَبْدُ ثَبَتَتْ حُرْمَتُهُ، وَوَقَعَتْ لَهُ الْحُدُودُ، وَوَقَعَتْ عَلَيْهِ، وَإِنْ زَنَى وَقَدْ أُحْصِنَ رُجِمَ، وَإِنْ قُتِلَ الْعَبْدُ قُتِلَ بِهِ، وَثَبَتَ لَهُ الْمِيرَاثُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ مَنْ يُوَارِثُهُ، فَإِنِ احْتَجَّ مُحْتَجٌّ فَقَالَ : لَوْ أَنَّ رَجُلًا أَعْتَقَ عَبْدَهُ، وَجَاءَ رَجُلٌ يَطْلُبُ سَيِّدَ الْعَبْدِ بِدَيْنٍ لَهُ عَلَيْهِ، فَشَهِدَ لَهُ عَلَى حَقِّهِ ذَلِكَ رَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ، فَإِنَّ ذَلِكَ يُثْبِتُ الْحَقَّ عَلَى سَيِّدِ الْعَبْدِ، حَتَّى تُرَدَّ بِهِ عَتَاقَتُهُ، إِذَا لَمْ يَكُنْ لِسَيِّدِ الْعَبْدِ مَالٌ غَيْرُ الْعَبْدِ، يُرِيدُ أَنْ يُجِيزَ بِذَلِكَ شَهَادَةَ النِّسَاءِ فِي الْعَتَاقَةِ، فَإِنَّ ذَلِكَ لَيْسَ عَلَى مَا قَالَ، وَإِنَّمَا مَثَلُ ذَلِكَ الرَّجُلُ يُعْتِقُ عَبْدَهُ، ثُمَّ يَأْتِي طَالِبُ الْحَقِّ عَلَى سَيِّدِهِ بِشَاهِدٍ وَاحِدٍ، فَيَحْلِفُ مَعَ شَاهِدِهِ، ثُمَّ يَسْتَحِقُّ حَقَّهُ، وَتُرَدُّ بِذَلِكَ عَتَاقَةُ الْعَبْدِ، أَوْ يَأْتِي الرَّجُلُ قَدْ كَانَتْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ سَيِّدِ الْعَبْدِ مُخَالَطَةٌ وَمُلَابَسَةٌ، فَيَزْعُمُ أَنَّ لَهُ عَلَى سَيِّدِ الْعَبْدِ مَالًا، فَيُقَالُ لِسَيِّدِ الْعَبْدِ : احْلِفْ مَا

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: لہٰذا ایک گواہ کے حوالے سے طلاق اور آزادی کی سنت ایک جیسی ہے۔ (دونوں کا معاملہ اور طریقہ یکساں ہے) بلاشبہ قسم، عورت کے خاوند پر اور غلام کے آقا پر ہوگی (کیونکہ یہ اصول ہے کہ مدعی مطلوبہ گواہ اور ثبوت پیش نہ کر سکے تو مدعا علیہ سے قسم لی جاتی ہے) اور بلاشبہ آزاد کرنا بھی اللہ کی حدوں میں سے ایک حد (کی حیثیت رکھتا) ہے اور اس میں عورتوں کی گواہی جائز نہیں ہے، (جس طرح کہ زنا، چوری، تہمت وغیرہ میں بھی عورتوں کی گواہی معتبر نہیں ہوتی اور آزادی کا تعلق مالی معاملات کی بجائے حدودِ الٰہیہ سے ہے) کیونکہ جب غلام آزاد ہوگا تو اس کی (آزاد آدمی والی) حرمت ثابت ہوجائے گی اور حدودِ الٰہیہ اس کے حق میں بھی واقع ہوں گی (جب کہ یہ آزاد ہونے والا دوسروں کے خلاف حدود کا مطالبہ کرے گا) اور اس پر بھی (حدود) واقع ہوں گی۔ اور اگر وہ اس حال میں زنا کرے کہ شادی شدہ ہو چکا ہو تو اسے رجم کیا جائے گا، اگر اس (آزاد ہونے والے) غلام کو قتل کر دیا جائے تو اس کے بدلے میں (قاتل کو) قصاصاً قتل کیا جائے گا (کیونکہ اب آزاد ہے، ورنہ اگر یہ غلام ہوتا تو اس کے قتل پر اس کے آزاد قاتل سے قصاص نہ ہوتا) اور اس کے حق میں وراثت قائم ہوگی جبکہ غلامی ان کاموں میں رکاوٹ تھی،) پھر اگر کوئی دلیل بنانے والا اس بات سے حجت پکڑے اور کہے کہ اگر کوئی شخص اپنے غلام کو آزاد

[illegible] اعْتَرَفَ [illegible] عَلَى سَيِّدِهِ [illegible] ثَبَتَ [illegible]

کر دے اور [illegible] غلام کے آقا سے اپنے حق کا مطالبہ کرے [illegible] آقا کے ذمے [illegible] حق [illegible] یہ [illegible] تو بلاشبہ یہ

(دعویٰ اور گواہی وغیرہ کا عمل) اس غلام کے آقا پر حق ثابت کرنے کا ہے، تب کہیں جا کر اس کی وجہ سے غلام کی آزادی بھی رد کر دی جائے گی، (اس صورت میں کہ) جب اس غلام کے آقا کے پاس اس غلام کے سوا کوئی اور مال نہ ہو تو اس غلام کو بیچ کر قرضہ ادا کیا جائے گا۔ تو اب یہ صورت بن گئی کہ عورتوں کی گواہی سے غلام کی آزادی متاثر ہو گئی کہ وہ (دلیل پیش کرنے والا) یہ چاہتا ہے کہ اس دلیل کے ذریعے آزادی کے معاملے میں عورتوں کی گواہی کو جائز قرار دے، اور جب عورت کی گواہی سے آزادی ثابت ہو تو اس کا تعلق حدود اللہ کی بجائے [illegible] سے [illegible] تو یہ شبہ یہ (درست نہیں اور) معاملہ اس طرح نہیں ہے جیسا کہ اس نے بیان کیا ہے، بلکہ اس گواہی نے صرف اور صرف قرضہ ثابت کیا ہے جو ایک مالی حق ہے، اور غلام کی آزادی تو آزادی کے مفلس اور مقروض ہونے کی بنا پر رد ہوئی ہے نہ کہ عورتوں کی گواہی کی وجہ سے، چنانچہ اگر اس کے پاس مزید مال ہوتا تو غلام کی آزادی بحال رہتی اور قرضہ دوسرے مال سے ادا کر دیا جاتا۔)...... امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور بلاشبہ اس کی مثال تو یہ ہے کہ ایک آدمی اپنے غلام کو آزاد کر دیتا ہے، پھر اس حق کو طلب کرنے والا اس آقا کے خلاف ایک گواہ لے آتا ہے تو اس (مدعی) سے اس کے ایک گواہ کے ساتھ قسم لے لی جاتی ہے، سو وہ اپنے حق کا حقدار بن جاتا ہے اور اس کے نتیجے میں بھی غلام کی آزادی رد کی جا سکتی ہے (جب کہ آقا مفلس ہو، ورنہ نہیں۔ نیز اس حجت پکڑنے والے کو چاہیے کہ اگر نتیجے کو دیکھتا ہے تو پھر ہماری بیان کردہ دلیل سے ایک گواہ کے ساتھ قسم کو بھی جائز قرار دے دے۔ ایک اور مثال یہ ہے:) یا ایک آدمی آتا ہے، اس کے درمیان اور غلام کے آقا کے درمیان (تجارتی اور مالی) میل جول اور تعلق رہ چکا تھا، وہ آدمی کہتا ہے کہ بلاشبہ غلام کے آقا کے ذمے اس کا کچھ مال ہے (وہ مدعی بن جاتا ہے لیکن اس کے پاس کوئی گواہ نہیں ہوتا)، چنانچہ وہ غلام کے آقا سے کہتا ہے کہ تم یہ قسم کھاؤ کہ تمھارے ذمے وہ (مال) نہیں ہے جس کا اس نے دعویٰ کیا ہے، پھر اگر وہ قسم کھانے سے رک جائے اور انکار کر دے تو حق کا مطالبہ کرنے والے شخص سے قسم لی جائے گی اور اس کا حق غلام کے آقا کے ذمے ثابت ہو جائے گا۔ پھر یہ چیز غلام کی آزادی کو بھی رد کر سکتی ہے، جب کہ مال آقا پر ثابت ہو جائے (اور ادائیگی کے لیے اس کے پاس غلام کے علاوہ کچھ نہ ہو، ورنہ نہیں۔ نیز یہ حق کا ثابت ہونا مدعا علیہ کے قسم نہ کھانے کی وجہ سے ہوا ہے، ورنہ مدعی کے پاس تو ایک گواہ بھی نہ تھا، تو کیا وہ حجت پکڑنے والا یہ بھی جائز قرار دے گا کہ مالی معاملات میں گواہوں کی ضرورت بھی ختم ہو گئی ہے؟)

قَالَ: وَكَذَلِكَ أَيْضًا الرَّجُلُ يَنْكِحُ الْأَمَةَ، اور نیز اسی طرح (یہ مثال بھی سنیے کہ) ایک آدمی ایک

فَتَكُونُ امْرَأَتَهُ، فَيَأْتِي سَيِّدُ الأَمَةِ إِلَى الرَّجُلِ الَّذِي تَزَوَّجَهَا فَيَقُولُ: ابْتَعْتَ مِنِّي جَارِيَتِي فُلَانَةَ أَنْتَ وَفُلَانٌ بِكَذَا وَكَذَا دِينَاراً. فَيُنْكِرُ ذَلِكَ زَوْجُ الأَمَةِ، فَيَأْتِي سَيِّدُ الأَمَةِ بِرَجُلٍ وَامْرَأَتَيْنِ فَيَشْهَدُونَ عَلَى مَا قَالَ، فَيَثْبُتُ بَيْعُهُ، وَيَحِقُّ حَقُّهُ، وَتَحْرُمُ الأَمَةُ عَلَى زَوْجِهَا، وَيَكُونُ ذَلِكَ فِرَاقاً بَيْنَهُمَا، وَشَهَادَةُ النِّسَاءِ لَا تَجُوزُ فِي الطَّلَاقِ.

لونڈی سے نکاح کرلیتا ہے، وہ اس کی بیوی بن جاتی ہے، پھر لونڈی کا آقا اس آدمی کے پاس آتا ہے جس نے اس سے شادی کررکھی ہے اور اس سے کہتا ہے کہ تم نے اور فلاں شخص نے مل کر اتنے اتنے دیناروں کے عوض مجھ سے میری فلاں لونڈی کو خریدا تھا (اور وہ اس کی بیوی کا نام لے دیتا ہے، یہ سن کر) اس لونڈی کا خاوند اس (خرید وفروخت) کا انکار کرتا ہے تو لونڈی کا آقا ایک مرد اور دو عورتیں لے آتا ہے جو اس بات پر گواہی دے دیتے ہیں جو اس (آقا) نے کہی تھی (کہ واقعی اس نے وہ لونڈی ان دونوں کو بیچی تھی) تو اس کی بیع بھی ثابت ہوجاتی ہے اور وہ اپنا حق بھی پالیتا ہے اور (اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ) وہ لونڈی اپنے خاوند پر حرام ہوجاتی ہے (کیونکہ اس کے دو مشترکہ مالک ثابت ہوجاتے ہیں۔ اب یا تو وہ خاوند اس شریک کی اجازت سے اسے بطور لونڈی اکیلا ہی استعمال کرے گا یا پھر آزاد کرکے نئے سرے سے اس سے شادی کرے گا) اور یہ (گزشتہ سارا عمل) ان دونوں خاوند بیوی کے درمیان میں جدائی (کا باعث) بن جاتا ہے، حالانکہ عورتوں کی گواہی طلاق میں جائز نہیں۔

فائدہ: ......اور اس خاوند کا اپنی بیوی سے محروم ہونا عورتوں کی گواہی کے نتیجے میں ثابت ہوا ہے، تو کیا وہ حجت پکڑنے والا یہ کہے گا کہ عورتوں کی گواہی غلاموں کی آزادی میں بھی جائز ہے اور خاوند بیوی کے فراق و جدائی میں بھی......اور یقیناً ان دونوں باتوں کے نہ ہم قائل ہیں اور نہ وہ حجت پکڑنے والا ......دراصل اس حجت پکڑنے والے کی مثال میں عورتوں کی گواہی محض قرضے کے اثبات میں ہے، نہ کہ غلام آزاد کرنے میں اور یہاں عورتوں کی گواہی محض خرید وفروخت کے اثبات میں ہے نہ کہ خاوند بیوی کی جدائی میں۔ الغرض نعمت آزادی اور نعمت زوجیت کا تعلق حقوق اللہ اور حدود اللہ سے ہے نہ کہ مالی معاملات سے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَمِنْ ذَلِكَ أَيْضاً الرَّجُلُ يَفْتَرِي عَلَى الرَّجُلِ الْحُرِّ، فَيَقَعُ عَلَيْهِ الْحَدُّ، فَيَأْتِي رَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ فَيَشْهَدُونَ أَنَّ الَّذِي افْتَرَى عَلَيْهِ عَبْدٌ مَمْلُوكٌ، فَيَضَعُ ذَلِكَ الْحَدَّ عَنِ الْمُفْتَرِي، بَعْدَ أَنْ وَقَعَ عَلَيْهِ، وَشَهَادَةُ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور اسی طرح (ایک مثال) یہ بھی ہے کہ آدمی دوسرے آزاد شخص پر (زنا کی) تہمت لگا دیتا ہے (اور چار گواہ پیش نہیں کرتا) چنانچہ اس پر حدِ قذف (تہمت لگانے کی حد اَسّی کوڑے) ثابت ہوجائے گی۔ پھر ایک آدمی اور دو عورتیں آتے ہیں اور یہ گواہی دیتے ہیں کہ

النِّسَاءِ لَا تَجُوزُ فِي الْفِرْيَةِ .

بے شک جس شخص نے اس (آزاد آدمی) پر تہمت لگائی ہے وہ تو (کسی کا) ملکیتی غلام ہے، تو یہ گواہی اس تہمت لگانے والے سے حد کو ساقط کر دے گی (کیونکہ غلام پر آزاد افراد جیسی حد لاگو نہیں ہوتی، چنانچہ یہ حد ساقط ہو جائے گی) بعد اس کے کہ وہ اسی پر ثابت ہو چکی تھی، حالانکہ عورتوں کی گواہی تہمت کے معاملے میں جائز نہیں ہے۔

فائدہ: ...... دراصل عورتوں کی یہ گواہی صرف اس آدمی کے غلام ہونے کو ثابت کر رہی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کے نتائج حدودِ الٰہیہ کے معاملے پر بھی اثر انداز ہو جاتے ہیں۔ الغرض ممنوع صرف یہ ہے کہ عورت براہِ راست کسی حد کے قائم کرنے یا اس کے ساقط کرنے کے لیے گواہی دے، اسی طرح وہ صراحتاً اور براہِ راست کسی غلام کو آزاد کرنے یا اس کی آزادی مسترد کرنے کے لیے بھی گواہی نہیں دے سکتی۔

قَالَ مَالِكٌ : وَمِمَّا يُشْبِهُ ذَلِكَ أَيْضاً مِمَّا يَفْتَرِقُ فِيهِ الْقَضَاءُ ، وَمَا مَضَى مِنَ السُّنَّةِ : أَنَّ الْمَرْأَتَيْنِ يَشْهَدَانِ عَلَى اسْتِهْلَالِ الصَّبِيِّ ، فَيَجِبُ بِذَلِكَ مِيرَاثُهُ حَتَّى يَرِثَ ، وَيَكُونُ مَالُهُ لِمَنْ يَرِثُهُ إِنْ مَاتَ الصَّبِيُّ ، وَلَيْسَ مَعَ الْمَرْأَتَيْنِ اللَّتَيْنِ شَهِدَتَا رَجُلٌ وَلَا يَمِينٌ ، وَقَدْ يَكُونُ ذَلِكَ فِي الأَمْوَالِ الْعِظَامِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْوَرِقِ وَالرِّبَاعِ وَالْحَوَائِطِ وَالرَّقِيقِ ، وَمَا سِوَى ذَلِكَ مِنَ الأَمْوَالِ ، وَلَوْ شَهِدَتِ امْرَأَتَانِ عَلَى دِرْهَمٍ وَاحِدٍ ، أَوْ أَقَلَّ مِنْ ذَلِكَ ، أَوْ أَكْثَرَ ، لَمْ تَقْطَعْ شَهَادَتُهُمَا شَيْئاً ، وَلَمْ تَجُزْ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَعَهُمَا شَاهِدٌ أَوْ يَمِينٌ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور اسی سے مشابہت رکھنے والی ایک مثال یہ ہے کہ جس میں (عورتوں کی گواہی پر) فیصلے کا فرق ہے (یعنی حدود اللہ کے متعلق ان کی براہِ راست گواہی غیر معتبر ہے اور دوسرے یعنی مالی معاملات میں معتبر ہے) اور اسی کے مطابق سنت جاری ہے کہ بے شک دو عورتیں بچے کے (زندہ پیدا ہو کر) چیخ مارنے (اور بعد میں فوت ہونے) پر گواہی دے دیتی ہیں، چنانچہ اس وجہ سے اس کی وراثت ثابت ہو جاتی ہے، یہاں تک کہ وہ (بچہ) خود بھی وراثت پاتا ہے اور بچے کا مال اگر وہ مر جائے تو اس کے ورثاء کو ملتا ہے اور وہ دو عورتیں جنھوں نے گواہی دی تھی ان کے ساتھ نہ تو کوئی مرد ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی قسم، اور کبھی کبھار یہ (نتیجہ) بڑے بڑے ضخیم مالوں میں (وراثت کی صورت میں اثر انداز) ہوتا ہے، یعنی سونا، چاندی، زمینیں، باغات، غلام لونڈیاں اور ان کے علاوہ دوسرے اموال (بچے کے حصے میں آتے ہیں اور پھر چونکہ وہ مر چکا ہوتا ہے تو اس بچے کے اعتبار سے وراثت پانے والے مستحقین میں وہ اموال تقسیم ہو جاتے ہیں) اور اگر دو عورتیں (براہِ راست) صرف ایک درہم یا اس سے کم و بیش پر گواہی دیں تو ان کی گواہی سے کچھ بھی منقطع نہیں ہوتا (نہ کسی کا حق ختم ہوتا ہے اور نہ کوئی حقدار بنتا ہے) اور ان کی گواہی جائز ہی نہیں الا یہ کہ ان کے ساتھ کوئی مرد گواہ یا قسم ہو۔

فائدہ : ......امام شافعی رحمہ اللہ تو اس کے بھی قائل نہیں ہیں کہ کسی بھی مالی معاملے میں کوئی مرد نہ ہو اور محض دو عورتوں کی گواہی ان سے قسمیں لے کر قبول کر لی جائے ......لیکن بچے کی پیدائش ایک ایسا معاملہ ہے کہ وہاں عورتوں کی بات ماننا انسانی مجبوری ہے کیونکہ اس موقع پر وہی موجود ہوتی ہیں اور وہی بتا سکتی ہیں کہ بچہ مردہ پیدا ہوا تھا یا زندہ پیدا ہو کر مرا تھا، خواہ اس کے نتیجے میں لاکھوں کروڑوں کے اموال وراثت متاثر ہوں ...... دراصل جب کوئی شخص مرتا ہے اور اس کا بچہ حمل کی صورت میں ہو تو وراثت کے مال میں سے بچے کا حصہ رکھا جاتا ہے، جو بچے کو اسی صورت میں ملتا ہے کہ وہ زندہ پیدا ہو، اگر وہ بچہ خواہ ایک منٹ یا اس سے بھی کم وقت کے لیے زندہ رہ کر مر جائے تو وراثت پاتا ہے اور اس کے حصے میں آنے والا مال اس کے حساب سے ورثاء میں تقسیم ہوتا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ: لَا تَكُونُ الْيَمِينُ مَعَ الشَّاهِدِ الْوَاحِدِ. وَيَحْتَجُّ بِقَوْلِ اللَّهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى وَقَوْلُهُ الْحَقُّ: ﴿وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ﴾ [البقرة: 282] يَقُولُ: فَإِنْ لَمْ يَأْتِ بِرَجُلٍ وَامْرَأَتَيْنِ فَلَا شَيْءَ لَهُ، وَلَا يُحَلَّفُ مَعَ شَاهِدِهِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ایک گواہ کے ساتھ اس کی قسم (معتبر) نہیں ہوتی اور وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے حجت پکڑتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا فرمان تو برحق ہی ہے: ﴿وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ فَإِنْ لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ﴾ (البقرة 282) ''اور تم اپنے (مسلمان) مردوں میں سے دو گواہ بنالو، پھر اگر دو مرد (میسر) نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں (گواہی دیں) جنھیں تم گواہوں کے طور پر پسند کرو''۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ (مدعی) اگر ایک مرد اور دو عورتیں (گواہی میں) نہ لائے تو اس کے لیے کچھ بھی (ثابت) نہ ہوگا اور اس کے ایک گواہ کے ساتھ اس سے قسم نہ لی جائے گی۔

فائدہ : ...... یہ موقف رکھنے والے افراد میں ابراہیم نخعی رحمہ اللہ، عطاء بن ابی رباح، سفیان ثوری، اوزاعی، حکم، ابن شبرمہ اور ابوحنیفہ رحمہم اللہ شامل ہیں اور ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کے متعلق اختلاف ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: فَمِنَ الْحُجَّةِ عَلَى مَنْ قَالَ ذَلِكَ الْقَوْلَ، أَنْ يُقَالَ لَهُ: أَرَأَيْتَ لَوْ أَنَّ رَجُلًا ادَّعَى عَلَى رَجُلٍ مَالًا، أَلَيْسَ يَحْلِفُ الْمَطْلُوبُ مَا ذَلِكَ الْحَقُّ عَلَيْهِ؟ فَإِنْ حَلَفَ بَطَلَ ذَلِكَ عَنْهُ، وَإِنْ نَكَلَ عَنِ الْيَمِينِ حُلِّفَ صَاحِبُ الْحَقِّ، إِنَّ حَقَّهُ لَحَقٌّ. وَثَبَتَ حَقُّهُ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ قول رکھنے والوں کے خلاف (عقلی) دلائل میں سے ایک (دلیل) یہ ہے کہ اس سے کہا جائے گا: بھلا بتاؤ کہ اگر ایک آدمی دوسرے آدمی پر کسی مال کا دعویٰ کر دے (اور اس کے پاس ایک بھی گواہ نہ ہو) تو کیا مدعا علیہ سے یہ قسم نہ لی جائے گی کہ یہ حق اس کے ذمے نہیں ہے، چنانچہ اگر وہ قسم کھا لے تو یہ حق اس سے

عَلَى صَاحِبِهِ، فَهَذَا مَا لَا اخْتِلَافَ فِيهِ عِنْدَ أَحَدٍ مِنَ النَّاسِ، وَلَا بِبَلَدٍ مِنَ الْبُلْدَانِ, فَبِأَيِّ شَيْءٍ أَخَذَ هَذَا، أَوْ فِي أَيِّ مَوْضِعٍ مِنْ كِتَابِ اللَّهِ وَجَدَهُ ؟ فَإِنْ أَقَرَّ بِهَذَا فَلْيُقْرِرْ بِالْيَمِينِ مَعَ الشَّاهِدِ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ ذَلِكَ فِي كِتَابِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَأَنَّهُ لَيَكْفِي مِنْ ذَلِكَ مَا مَضَى مِنَ السُّنَّةِ، وَلَكِنِ الْمَرْءُ قَدْ يُحِبُّ أَنْ يَعْرِفَ وَجْهَ الصَّوَابِ وَمَوْقِعَ الْحُجَّةِ، فَفِي هَذَا بَيَانُ مَا أَشْكَلَ مِنْ ذَلِكَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى .

باطل (ختم) ہو جاتا ہے (اور وہ بری الذمہ ہو جاتا ہے)، اور اگر وہ (مدعا علیہ) قسم سے انکار کر دے تو حق والے شخص (یعنی مدعی) سے قسم کا مطالبہ کیا جاتا ہے کہ بلاشبہ اس کا حق (مدعا علیہ کے ذمے) یقیناً برحق ہے اور (وہ قسم کھالے تو) اس کا حق اپنے ساتھی (مدعا علیہ) پر ثابت ہو جاتا ہے۔ (حالانکہ اب تو اس کے پاس ایک بھی گواہ نہیں ہے، محض قسم کھا لینے سے اسے مال مل رہا ہے) اور یہ بات ان باتوں میں سے ہے جن میں کوئی اختلاف نہیں ہے، نہ لوگوں میں کسی کے ہاں اور نہ شہروں میں سے کسی شہر میں۔ تو اس شخص (جو ایک گواہ کے ساتھ ایک قسم کو تسلیم نہیں کرتا) نے کس دلیل سے اسے اخذ کیا ہے اور اللہ کی کتاب کے کس مقام پر اسے پایا ہے۔ لہٰذا جب وہ اس (اکیلی قسم) کا اقرار کرتا ہے تو اسے چاہیے کہ ایک گواہ کے ساتھ قسم کا بھی اقرار کر لے، اگر چہ یہ بات کتاب اللہ میں نہیں ہے۔ اور بلاشبہ اس بارے میں تو وہی سنت کافی ہے جو جاری ہو چکی ہے (اور احادیث مبارکہ میں مروی ہے) اور لیکن (ہم نے یہ دلائل عقلیہ اس لیے ذکر کیے ہیں کہ) آدمی بسا اوقات یہ پسند کرتا ہے کہ صحیح صورتحال (درست توجیہ) اور دلیل کی جگہ (اور استدلال کا طریق کار) پہچان لے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے چاہا تو اس (مذکورہ تفصیل) میں اس بات کا (کافی شافی) بیان ہے جو کہ مشکل محسوس ہو رہی تھی۔

5- بَابٌ: الْقَضَاءُ فِيمَنْ هَلَكَ وَلَهُ دَيْنٌ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ لَهُ فِيهِ شَاهِدٌ وَاحِدٌ

اس شخص کے متعلق فیصلے کا بیان جو اس حال میں ہلاک ہوا کہ اس کا (لوگوں پر) قرض ہو اور (لوگوں کا) اس پر قرض ہو، اور اس بارے میں اس کے پاس صرف ایک گواہ ہو۔

خلاصۃ الباب اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کا صرف ایک فتویٰ مذکور ہے۔

قَالَ يَحْيَى : قَالَ مَالِكٌ فِي الرَّجُلِ يَهْلِكُ وَلَهُ دَيْنٌ عَلَيْهِ شَاهِدٌ وَاحِدٌ، وَعَلَيْهِ دَيْنٌ لِلنَّاسِ لَهُمْ فِيهِ شَاهِدٌ وَاحِدٌ، فَيَأْبَى وَرَثَتُهُ أَنْ يَحْلِفُوا عَلَى حُقُوقِهِمْ مَعَ شَاهِدِهِمْ، قَالَ: فَإِنَّ الْغُرَمَاءَ يَحْلِفُونَ وَيَأْخُذُونَ حُقُوقَهُمْ، فَإِنْ فَضَلَ فَضْلٌ لَمْ يَكُنْ لِلْوَرَثَةِ مِنْهُ شَيْءٌ،

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جو ہلاک ہو جائے، اس حال میں کہ اس کا کسی شخص پر قرض ہو اور اس پر صرف ایک گواہ ہو اور اس کے ذمے بھی لوگوں کا قرض ہو اور ان کے پاس بھی اس کے متعلق صرف ایک گواہ ہو۔ پھر اس کے ورثاء اپنے ایک گواہ کے ساتھ اپنے حقوق کے لیے قسم کھانے سے انکار کر دیتے ہیں، تو امام مالک رحمہ اللہ نے

وَذَلِكَ أَنَّ الْأَيْمَانَ عُرِضَتْ عَلَيْهِمْ قَبْلُ فَتَرَكُوهَا، إِلَّا أَنْ يَقُولُوا لَمْ نَعْلَمْ لِصَاحِبِنَا فَضْلاً، وَيُعْلَمُ أَنَّهُمْ إِنَّمَا تَرَكُوا الْأَيْمَانَ مِنْ أَجْلِ ذَلِكَ، فَإِنِّي أَرَى أَنْ يَحْلِفُوا، وَيَأْخُذُوا مَا بَقِيَ بَعْدَ دَيْنِهِ.

فرمایا: بے شک قرض خواہ تو (اپنے ایک گواہ کے ساتھ) قسم کھائیں گے اور اپنے حقوق وصول کرلیں گے، پھر اگر کچھ زائد چیز بچ جائے تو ورثاء کے لیے اس میں سے کچھ بھی نہ ہوگا اور یہ اس وجہ سے ہے کہ بے شک ان پر بھی اس سے پہلے قسموں کو پیش کیا گیا تھا تو انھوں نے انھیں چھوڑ دیا تھا الا یہ کہ وہ (ورثاء) کہیں کہ ہمیں یہ علم نہ تھا کہ ہمارے (مرنے والے) صاحب کا کچھ زائد مال موجود ہے اور (حاکم وقاضی کو) یہ معلوم ہوجائے کہ واقعی انھوں نے صرف اور صرف اسی لیے قسموں کو ترک کیا تھا تو (ایسی صورت میں) بلاشبہ میں یہی سمجھتا ہوں کہ وہ قسم کھالیں گے اور اس (میت) کا قرضہ اترنے کے بعد جو بچ جائے گا اسے وصول کرلیں گے۔

فائدہ :......اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً زید فوت ہوا اور خالد سے اس نے کچھ قرضہ وصول کرنا تھا اور ادھر بلال وغیرہ نے زید سے کچھ قرضہ لینا تھا، گویا زید، خالد کا قرض خواہ اور بلال کا مقروض ہے۔ زید کے ورثاء کے پاس ایک گواہ بھی موجود تھا، وہ ایک قسم کھا کر اپنی میت کے مقروض خالد سے قرض واپس لے سکتے تھے لیکن انھوں نے قسم نہ کھائی اور قرض واپس نہ لیا......ادھر میت پر جن کا قرضہ تھا یعنی بلال وغیرہ قرض کا مطالبہ کرنے آگئے، ان کے پاس بھی ایک گواہ موجود تھا، انھوں نے قسم کھالی جس کی وجہ سے میت کے ورثاء پر لازم ہوگیا کہ اس کا قرضہ اتاریں، تو امام مالک رحمہ اللہ کے فیصلے کی تفصیل یہ ہے کہ بلال وغیرہ کا قرضہ میت کے ورثاء سے نہ لیا جائے گا بلکہ میت کے مقروض خالد سے لے کر بلال کو ادائیگی کردی جائے گی۔ پھر بلال وغیرہ کا قرض اترنے کے بعد خالد کے پاس میت کا کچھ مال بچ جائے تو وہ ورثاء کو نہ ملے گا کیونکہ وہ قسم نہیں کھارہے تھے، ہاں اگر وہ کہیں کہ ہمیں اس زائد مال کا علم نہ تھا اور قرائن سے معلوم ہوجائے کہ وہ واقعی سچ بول رہے ہیں تو پھر وہ قسم کھا کر واپس لے سکتے ہیں......یاد رہے کہ یہ فیصلہ اس صورت میں ہوگا جب میت کے ورثاء میں سے یا ان کے علاوہ کوئی اور شخص میت کے قرض کی ادائیگی اپنے ذمے نہ لے۔

6- بَابٌ: اَلْقَضَاءُ فِي الدَّعْوَى

دعوے کے متعلق فیصلے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں صرف ایک مقطوع روایت (اثر تابعی رحمہ اللہ) ہے جو سنداً حسن ہے۔ نیز اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

[1422] قَالَ يَحْيَى : قَالَ مَالِكٌ : عَنْ جَمِيلِ

جمیل بن عبدالرحمٰن مؤذن سے روایت ہے۔ وہ حضرت عمر

[1422] (مقطوع حسن)بيهقي في السنن الكبرى: 10/ 253 (21209)، وفي معرفة السنن والآثار: 7/ 455 (5981)، بخاري في التاريخ الكبير:2/ 215۔ شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ اس کی سند حسن ہے۔

بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْمُؤَذِّنِ : أَنَّهُ كَانَ يَحْضُرُ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ وَهُوَ يَقْضِي بَيْنَ النَّاسِ، فَإِذَا جَاءَهُ الرَّجُلُ يَدَّعِي عَلَى الرَّجُلِ حَقًّا، نَظَرَ. فَإِنْ كَانَتْ بَيْنَهُمَا مُخَالَطَةٌ أَوْ مُلَابَسَةٌ، أَحْلَفَ الَّذِي ادُّعِيَ عَلَيْهِ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ شَيْءٌ مِنْ ذَلِكَ لَمْ يُحَلِّفْهُ.

بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے پاس حاضر ہوا کرتے تھے، اس حال میں کہ وہ لوگوں کے مابین فیصلے فرمارہے ہوتے تھے، چنانچہ جب کوئی شخص کسی آدمی پر کسی حق کا دعویٰ کرتا تو وہ (عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ) دیکھتے، اگر تو ان دونوں کے درمیان میل جول اور تعلق وارتباط ہوتا تو وہ اس شخص (مدعا علیہ) سے قسم لے لیتے جس پر دعویٰ کیا گیا ہوتا تھا اور اگر (دونوں میں) کچھ بھی تعلق نہ ہوتا تو اس سے قسم نہ لیتے تھے۔

فائدہ: ...... مُدَّعِی اور مُدَّعَا عَلَيْهِ میں تعلق نہ ہوتا اور مدعی کے پاس گواہ بھی نہ ہوتے تو وہ مدعا علیہ سے قسم لینے کی ضرورت بھی محسوس نہ کرتے اور اسے بری کر دیتے، کیونکہ قسم کھا کر خود کو بری کرانا ایک ثقیل سا کام ہے اور لوگ اسے اچھا نہیں سمجھتے۔ امام مالک رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں ان کے نزدیک باہمی تعلق ہو تو مدعا علیہ پر قسم لازم ہوگی ورنہ نہیں۔ علامہ زرقانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر ہر دعوے پر مدعا علیہ سے قسم لی جائے تو اس طرح ذلیل لوگ بہانہ بنا کر معزز لوگوں کو بھی ذلت میں مبتلا کر دیں اور جس کا دل چاہے وہ ایک ایک دن میں کئی بار دعویٰ کر کے کسی شخص کو قسموں پر مجبور کرتا رہے۔ بہرحال یہ موقف حدیث مبارکہ کے خلاف ہے۔ اسی لیے باقی تمام ائمہ اور اہلحدیث کا اتفاق ہے کہ مدعی کے پاس گواہ نہ ہونے کی صورت میں مدعا علیہ کو قسم کھانی ہوگی خواہ دونوں کا باہمی تعلق ہو یا نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ((لَوْ يُعْطَى النَّاسُ بِدَعْوَاهُمْ لَادَّعَى نَاسٌ دِمَاءَ رِجَالٍ وَ أَمْوَالَهُمْ وَلَٰكِنَّ الْيَمِيْنَ عَلَى الْمُدَّعَى عَلَيْهِ)) ''اگر لوگوں کو (محض) ان کے دعوے ہی کی وجہ سے (ان کا مطالبہ پورا کر کے) دے دیا جاتا تو لوگ، (دھڑا دھڑ اپنے دشمن) اشخاص کے خونوں اور مالوں کا دعویٰ کر دیتے لیکن مدعا علیہ (کے بری ہونے کے لیے اس) پر قسم (لازم کر دی گئی) ہے''۔ (مسلم : 1711، نیز دیکھیے بخاری: 4552) اور بیہقی کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے: (اَلْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِيْ) ''دلیل (یعنی گواہ اور ثبوت پیش کرنا) مدعی پر ہے''(بیہقی : 252/10۔ اس کی سند صحیح ہے۔ ارواء الغلیل : 2641)

قَالَ مَالِكٌ : وَعَلَى ذَلِكَ الْأَمْرُ عِنْدَنَا، أَنَّهُ مَنِ ادَّعَى عَلَى رَجُلٍ بِدَعْوَى، نُظِرَ. فَإِنْ كَانَتْ بَيْنَهُمَا مُخَالَطَةٌ أَوْ مُلَابَسَةٌ، أُحْلِفَ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ، فَإِنْ حَلَفَ بَطَلَ ذَلِكَ الْحَقُّ عَنْهُ، وَإِنْ أَبَى أَنْ يَحْلِفَ وَرَدَّ الْيَمِينَ عَلَى الْمُدَّعِي،

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں بھی اسی کے مطابق حکم ہے کہ جس کسی نے کسی شخص پر کوئی دعویٰ کر دیا تو دیکھا جائے گا، پھر اگر دونوں کے مابین میل جول یا تعلق ہو تو مدعا علیہ سے قسم لی جائے گی، اور اگر وہ قسم کھالے تو وہ (دعویٰ شدہ) حق اس سے باطل ہو جائے گا (اور وہ بری

فَحَلَفَ طَالِبُ الْحَقِّ أَخَذَ حَقَّهُ.

ہوجائے گا) اور اگر وہ قسم کھانے سے انکار کردے اور وہ قسم مدعی پر لوٹا دے تو حق کا مطالبہ کرنے والا (مدعی) قسم کھا کر اپنا حق لے لے گا۔

فائدہ :...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کو مدعی پر لوٹا دیا تھا لیکن یہ روایت ضعیف ہے۔ (ارواء الغلیل : 267/8 (2642)، دارقطنی : 213/4، حاکم: 100/4)

7- بَابٌ: الْقَضَاءُ فِي شَهَادَةِ الصِّبْيَانِ

بچوں کی گواہی کے متعلق فیصلے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں ایک موقوف روایت (اثر صحابی رضی اللہ عنہ) ہے جو سنداً صحیح ثابت ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

[1423] قَالَ يَحْيَى: قَالَ مَالِكٌ: عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ: أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ الزُّبَيْرِ كَانَ يَقْضِي بِشَهَادَةِ الصِّبْيَانِ فِيمَا بَيْنَهُمْ مِنَ الْجِرَاحِ.

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بیشک عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما بچوں کی گواہی کے مطابق فیصلہ کردیا کرتے تھے (لیکن صرف اس مار پیٹ اور) ان زخموں میں جو ان (بچوں) کے آپس میں ہوا کرتے تھے۔

قَالَ مَالِكٌ: الأَمْرُ الْمُجْتَمَعُ عَلَيْهِ عِنْدَنَا: أَنَّ شَهَادَةَ الصِّبْيَانِ تَجُوزُ فِيمَا بَيْنَهُمْ مِنَ الْجِرَاحِ، وَلا تَجُوزُ عَلَى غَيْرِهِمْ، وَإِنَّمَا تَجُوزُ شَهَادَتُهُمْ فِيمَا بَيْنَهُمْ مِنَ الْجِرَاحِ وَحْدَهَا، لا تَجُوزُ فِي غَيْرِ ذَلِكَ، إِذَا كَانَ ذَلِكَ قَبْلَ أَنْ يَتَفَرَّقُوا، أَوْ يُخَبَّبُوا، أَوْ يُعَلَّمُوا، فَإِنِ افْتَرَقُوا فَلا شَهَادَةَ لَهُمْ، إِلاَّ أَنْ يَكُونُوا قَدْ أَشْهَدُوا الْعُدُولَ عَلَى شَهَادَتِهِمْ قَبْلَ أَنْ يَفْتَرِقُوا.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں اس حکم پر اتفاق ہے کہ زخموں کے حوالے سے بچوں کی آپس کی گواہی جائز ہے، ان کے علاوہ (کسی اور معاملے اور کسی اور شخص) پر جائز نہیں، اور ان کی آپس کی گواہی بھی صرف اور صرف زخموں کے متعلق جائز ہے، کسی اور چیز میں (معتبر) نہیں ہے (بشرطیکہ) جب یہ گواہی اس سے پہلے پہلے ہو کہ وہ جدا ہوں یا دھوکا دیے جائیں یا انھیں تعلیم دی جائے (کچھ سکھایا جائے)، چنانچہ اگر وہ جدا ہو جائیں تو پھر ان کی کوئی گواہی (معتبر) نہیں ہے، الّا یہ کہ وہ جدا ہونے سے پہلے اپنی گواہی پر عادل لوگوں کو گواہ بنا گئے ہوں۔

[1423] (موقوف صحیح) بیہقی: 10/ 162 (20612)، عبدالرزاق: 8/ 350 (15520)۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

فائدہ: ......امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ اور جمہور کے نزدیک بچوں کی گواہی کسی بھی مقدمے میں جائز نہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ نے بھی ان کی گواہی معتبر سمجھنے کے لیے پانچ شرطیں لگائی ہیں: (1) آپس میں ہو (2) صرف زخموں کے متعلق ہو (3) جداجدا ہونے سے پہلے ہو (4) دھوکا دیے جانے سے پہلے ہو، چنانچہ اگر معلوم ہو جائے کہ بچے کے ساتھ دھوکا ہوا ہے تو پھر گواہی معتبر نہیں ہے (5) تعلیم سے پہلے ہو، چنانچہ اگر انھیں سکھا دیا جائے کہ تم نے ایسے ایسے کہنا ہے تو پھر گواہی معتبر نہیں۔ واللہ اعلم۔

8- بَابُ مَا جَاءَ فِي الْحِنْثِ عَلَى مِنْبَرِ النَّبِيِّ ﷺ

نبی کریم ﷺ کے منبر پر جھوٹی قسم کھانے کا بیان

خلاصة الباب: اس باب میں دو مرفوع روایات یعنی احادیث نبویہ ﷺ ہیں جو سنداً صحیح ثابت ہیں۔

[1424] قَالَ يَحْيَى : حَدَّثَنَا مَالِكٌ ، عَنْ هَاشِمِ بْنِ هَاشِمِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نِسْطَاسٍ ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْأَنْصَارِي ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : مَنْ حَلَفَ عَلَى مِنْبَرِي آثِماً تَبَوَّأَ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ .

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے میرے منبر پر جھوٹی قسم اٹھائی تو اس نے آگ میں اپنا ٹھکانہ بنالیا''۔

[1425] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ ، عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ ، عَنْ مَعْبَدِ بْنِ كَعْبٍ السَّلَمِيِّ ، عَنْ أَخِيهِ ، عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ الْأَنْصَارِي ، عَنْ أَبِي أُمَامَةَ ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : مَنِ اقْتَطَعَ حَقَّ امْرِءٍ مُسْلِمٍ بِيَمِينِهِ ، حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ ، وَأَوْجَبَ لَهُ النَّارَ . قَالُوا : وَإِنْ كَانَ شَيْئاً يَسِيراً يَا رَسُولَ اللّٰهِ ؟

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس کسی نے اپنی قسم کے ساتھ کسی مسلمان شخص کا حق کاٹ لیا (دبالیا، اڑالیا) اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کردیں گے اور اس کے لیے آگ کو واجب کردیں گے''۔ لوگوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اگر چہ وہ کوئی تھوڑی سی چیز ہو تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر چہ وہ پیلو کے درخت کی ایک شاخ ہو، اگر چہ وہ پیلو کے درخت کی

[1424] (مرفوع صحیح) سنن ابی داود، کتاب الایمان والنذور، باب ماجاء فی تعظیم الیمین عند منبر النبی ﷺ، حدیث: 2346، نسائی فی الکبری: 6018، سنن ابن ماجه، کتاب الاحکام، باب الیمین عند مقاطع الحقوق، حدیث: 2325، بیهقی: 7/ 398، 10/ 176، حاکم: 4/ 296، شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

[1425] (مرفوع صحیح) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب وعید من اقتطع حق مسلم بیمین فاجرة بالنار، حدیث: 137، سنن النسائی، کتاب آداب القضاة، باب القضاء فی قلیل الماء وکثیره، حدیث: 5421، ابن ماجه: 2324، احمد: 5/ 260 (22594)، دارمی: 2603۔

قَالَ: وَإِنْ كَانَ قَضِيباً مِنْ أَرَاكٍ، وَإِنْ كَانَ قَضِيباً مِنْ أَرَاكٍ، وَإِنْ كَانَ قَضِيباً مِنْ أَرَاكٍ. قَالَهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ.

ایک شاخ ہو، اگر چہ وہ پیلو کے درخت کی ایک شاخ ہو'' آپ ﷺ نے تین بار یہی فرمایا۔

فائدہ: ......اندازہ کیجیے کہ جب کوئی بھی شخص کسی بھی جگہ کوئی جھوٹی قسم اٹھالے تو اس کا اتنا بھیانک انجام ہے تو اس شخص کا کیا حال ہوگا جو مسجد نبوی میں، منبر رسول ﷺ پر جھوٹی قسم کھانے کی جسارت کرے، یقیناً اس کا وبال نہایت اذیت ناک ہوگا کیونکہ وہ کئی قسم کی حرمت پامال کرنے کا مرتکب ہوتا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ وقت اور جگہ بدلنے سے کام کی حیثیت، اہمیت اور گناہ کی شدت میں بھی کمی بیشی ہو جاتی ہے ......امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور اہلحدیث کے نزدیک مقدس مقامات پر جھوٹی قسم کھانا زیادہ غلیظ اور سخت گناہ ہے، جبکہ احناف اور حنابلہ کا خیال ہے کہ کوئی فرق نہیں پڑتا۔

9- بَابٌ: جَامِعُ مَا جَاءَ فِي الْيَمِينِ عَلَى الْمِنبَرِ

منبر پر قسم کھانے کے متعلق متفرق امور کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں صرف ایک موقوف روایت (اثر صحابی رضی اللہ عنہ) ہے جو سنداً صحیح ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

[1426] قَالَ يَحْيَى: قَالَ مَالِكٌ: عَنْ دَاوُدَ بْنِ الْحُصَيْنِ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا غَطَفَانَ بْنَ طَرِيفٍ الْمُرِّيَّ يَقُولُ: اخْتَصَمَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ الْأَنْصَارِيُّ وَابْنُ مُطِيعٍ فِي دَارٍ كَانَتْ بَيْنَهُمَا إِلَى مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ، وَهُوَ أَمِيرٌ عَلَى الْمَدِينَةِ، فَقَضَى مَرْوَانُ عَلَى زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ بِالْيَمِينِ عَلَى الْمِنْبَرِ، فَقَالَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ: أَحْلِفُ لَهُ مَكَانِي. قَالَ فَقَالَ مَرْوَانُ: لَا وَاللَّهِ إِلَّا عِنْدَ مَقَاطِعِ الْحُقُوقِ قَالَ: فَجَعَلَ زَيْدُ بْنُ

ابوغطفان (سعد) بن طریف مری رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور (عبداللہ) ابن مطیع رضی اللہ عنہ ایک گھر جو ان دونوں کا مشترکہ تھا، کے متعلق مروان بن حکم کے پاس جھگڑا لے گئے اور وہ (مروان رحمہ اللہ ان دنوں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے) مدینہ منورہ کے امیر تھے، چنانچہ مروان رحمہ اللہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ (کو مدعا علیہ سمجھا اور مدعی کے پاس گواہ نہ دیکھے تو حضرت زید رضی اللہ عنہ) پر فیصلہ دیا کہ وہ منبر پر قسم کھائیں گے تو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں اس (مدعی)

[1426] (موقوف صحيح) صحيح البخاري، كتاب الشهادات، باب يحلف المدعىٰ عليه حيثما وجبت عليه اليمين، قبل ازحديث: 2673، بيهقي في السنن الكبرى: 10/ 177، وفي معرفة السنن والآثار: 7/ 413 (5930)، الشافعي في الام: 7/ 36۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

ثَابِتٍ يَحْلِفُ أَنَّ حَقَّهُ لَحَقٌّ. وَيَأْبَى أَنْ يَحْلِفَ عَلَى الْمِنْبَرِ، قَالَ: فَجَعَلَ مَرْوَانُ بْنُ الْحَكَمِ يَعْجَبُ مِنْ ذَلِكَ.

کے لیے اپنی اسی جگہ پر قسم کھالیتا ہوں ۔ ابوغطفان رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مروان رحمہ اللہ کہنے لگے :نہیں، اللہ کی قسم !اس جگہ کے سوا کہیں نہیں، جہاں (لوگوں کے) حقوق کے فیصلے ہوتے ہیں (یعنی منبر پر قسم کھا کر لوگوں کے قضیے چکتے اور معاملات نپٹتے ہیں، تمہارا معاملہ بھی وہیں پر حل ہوگا) ابوغطفان رحمہ اللہ نے کہا کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ یہ قسم کھانے لگے کہ بلاشبہ ان کا حق ہی برحق ہے اور (لیکن وہ) منبر پر قسم کھانے سے انکار کرنے لگے ،تو مروان بن حکم رحمہ اللہ اس (صورتحال) پر تعجب کرنے لگے ۔

فائدہ :...... یہ بات بجا ہے کہ منبر کے پاس یا اس پر کھڑے ہو کر قسم کھانے سے اس میں مزید تاکید اور اہمیت بڑھ جاتی ہے، سچی قسم ہو تو ثواب زیادہ اور جھوٹی قسم ہو تو گناہ زیادہ ہوتا ہے لیکن حضرت زید رضی اللہ عنہ نے منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیبت وعظمت کے پیش نظر اس سے انکار کیا۔

قَالَ مَالِكٌ: لَا أَرَى أَنْ يُحَلَّفَ أَحَدٌ عَلَى الْمِنْبَرِ، عَلَى أَقَلَّ مِنْ رُبُعِ دِينَارٍ، وَذَلِكَ ثَلَاثَةُ دَرَاهِمَ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: میں نہیں سمجھتا کہ کوئی شخص منبر کے پاس چوتھائی دینار سے کم پر قسم کھائے اور یہ تین درہم بنتے ہیں۔

فائدہ :......اور یہ وہ کم از کم مقدار ہے کہ جس کی چوری پر چور کا ہاتھ کٹتا ہے ۔ایک درہم کی مقدار 3 ماشہ اور 5/1/1 رتی چاندی ہوتی ہے مقصد یہ ہے کہ منبر پر قسم کھانے کو کھیل تماشہ اور مذاق نہیں بنانا چاہیے بلکہ اہم معاملات میں اس کا رخ کرنا مناسب ہے۔امام شافعی رحمہ اللہ نے منبر پر قسم کھانے کے لیے بیس دینار یا اس سے زیادہ کی قید لگائی ہے۔

10- بَابُ مَا لَا يَجُوزُ مِنْ غَلَقِ الرَّهْنِ

رہن روک لینے کے ناجائز ہونے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں ایک مرفوع روایت (حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم) ہے جو سنداً ضعیف ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

فائدہ :......قرض کے بدلے قرض خواہ کے پاس بطور ضمانت کوئی چیز ''رہن'' کہلاتا ہے جسے گروی رکھنا یا گرو رکھنا بھی کہتے ہیں ۔ اگر قرض کی ادائیگی نہ ہوسکے تو اس رہن سے کٹوتی کی جاتی ہے۔رہن رکھی ہوئی چیز کو رہن، رہان اور مرہون کہتے ہیں۔ رہن رکھنے والا (مقروض) راہن کہلاتا ہے اور جس کے پاس گروی رکھا جائے یعنی قرض خواہ کو مرتہن کہتے ہیں ......زمانہ جاہلیت میں یہ رائج تھا کہ مقررہ مدت میں قرض کی ادائیگی نہ ہوسکنے پر راہن اپنے رہن سے محروم ہو جاتا تھا اور گروی رکھی ہوئی چیز قرض خواہ کے قبضے میں چلی جاتی تھی۔اسلام نے اس عمل کی اصلاح یوں کی کہ رہن رکھا تو جاسکتا ہے لیکن مدت پوری پر راہن اسے چھڑا نہ سکے تو رہن اس کی ملکیت سے نہیں نکلے گا بلکہ مہلت بھی

ہوسکتی ہے اور اگر مہلت نہ دی جائے تو اس چیز کو بیچ کر قرض کی ادائیگی کر کے باقی رقم راہن کو مل جاتی ہے۔

[1427] قَالَ يَحْيَى : حَدَّثَنَا مَالِكٌ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ : لَا يَغْلَقُ الرَّهْنُ .

سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''رہن رکھی ہوئی چیز ضبط نہ ہوگی''۔

قَالَ مَالِكٌ : وَتَفْسِيرُ ذَلِكَ ، فِيمَا نُرَى وَاللهُ أَعْلَمُ ، أَنْ يَرْهَنَ الرَّجُلُ الرَّهْنَ عِنْدَ الرَّجُلِ بِالشَّيْءِ ، وَفِي الرَّهْنِ فَضْلٌ عَمَّا رُهِنَ بِهِ ، فَيَقُولُ الرَّاهِنُ لِلْمُرْتَهِنِ : إِنْ جِئْتُكَ بِحَقِّكَ إِلَى أَجَلٍ يُسَمِّيهِ لَهُ ، وَإِلَّا فَالرَّهْنُ لَكَ بِمَا رُهِنَ فِيهِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اس کی تفسیر ہماری رائے کے مطابق ۔ واللہ اعلم ۔ یہ ہے کہ ایک آدمی (مقروض) دوسرے شخص (یعنی قرض خواہ) کے پاس کوئی چیز گروی رکھتا ہے اور گروی چیز میں اس چیز (قرض) کی نسبت اضافہ ہوتا ہے کہ جس کے عوض اسے گروی رکھا گیا ، چنانچہ راہن (رہن رکھنے والا) مرتہن (قرض خواہ جس کے پاس رہن رکھا جائے) سے کہے کہ اگر میں اس مدت جس کا وہ نام لے (اور تعیین کرے) تک تیرا حق لے آیا (تو ٹھیک ہے، یہ مجھے واپس کر دینا) ورنہ یہ رہن تیرا ہوگا اس چیز کے بدلے جس کے عوض اسے رہن رکھا گیا ہے۔

قَالَ : فَهَذَا لَا يَصْلُحُ وَلَا يَحِلُّ ، وَهَذَا الَّذِي نُهِيَ عَنْهُ ، وَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهُ بِالَّذِي رَهَنَ بِهِ بَعْدَ الْأَجَلِ ، فَهُوَ لَهُ ، وَأُرَى هَذَا الشَّرْطَ مُنْفَسِخًا .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ نہ یہ درست ہے اور نہ حلال اور یہی ہے وہ چیز جس سے منع کیا گیا ہے اور (اسلام میں حکم یہ ہے کہ) اگر اس رہن کا مالک اس مدت کے بعد وہ چیز لے آیا جس کے عوض اسے گروی رکھا گیا تھا تو یہ رہن اسے مل جائے گا اور میں اس (ناجائز) شرط کو منسوخ اور باطل سمجھتا ہوں۔

فائدہ:...... کیونکہ یہ سود کی شکل بن جاتی ہے کہ مثلاً ہزار روپے قرض لے اور دو ہزار کی چیز گروی رکھی اور عدم ادائیگی پر ہزار کے بدلے اس دوگنا قیمت والی چیز کو روک لینا ایسے ہی ہے کہ جیسے مدت بڑھ جانے کی وجہ سے قرض پر زیادتی وصول کرنا۔ امام مالک رحمہ اللہ کہنا چاہتے ہیں کہ صرف یہی شکل ممنوع ہے ورنہ اگر چیز کی قیمت قرض کے برابر یا اس سے کم ہو تو مرتہن اسے مکمل کی مکمل رکھ سکتا ہے اور اپنے باقی ماندہ حق کا مطالبہ کر سکتا ہے اور مہلت بھی دے سکتا ہے۔

[1427] (مرفوع ضعیف) سنن ابن ماجه ، كتاب الاحكام ، باب لا يغلق الرهن ، حديث: 2441 ، بيهقي: 6/ 39 (11219) ، ابوداود في المراسيل: 186 ، عبدالرزاق: 8/ 237 (15033) ، دارقطني: 3/ 33 ۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

11- بَابٌ: الْقَضَاءُ فِي رَهْنِ الثَّمَرِ وَالْحَيَوَانِ

پھل اور جانور گروی رکھنے کے متعلق فیصلے کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کے تین فتاویٰ جات مذکور ہیں۔

قَالَ يَحْيَى: سَمِعْتُ مَالِكاً يَقُولُ فِيمَنْ رَهَنَ حَائِطاً لَهُ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى، فَيَكُونُ ثَمَرُ ذَلِكَ الْحَائِطِ قَبْلَ ذَلِكَ الأَجَلِ: إِنَّ الثَّمَرَ لَيْسَ بِرَهْنٍ مَعَ الأَصْلِ، إِلاَّ أَنْ يَكُونَ اشْتَرَطَ ذَلِكَ الْمُرْتَهِنُ فِي رَهْنِهِ، وَإِنَّ الرَّجُلَ إِذَا ارْتَهَنَ جَارِيَةً وَهِيَ حَامِلٌ، أَوْ حَمَلَتْ بَعْدَ ارْتِهَانِهِ إِيَّاهَا: إِنَّ وَلَدَهَا مَعَهَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جس نے اپنا ایک باغ مقرر مدت تک کے لیے گروی رکھ دیا، پھر اس باغ کا پھل اس مدت سے پہلے ہی (تیار) ہو جائے (اس بنا پر کہ وہ رہن رکھنے سے پہلے ظاہر ہو چکا تھا) تو بلاشبہ وہ پھل درختوں کے ساتھ رہن میں شامل نہ ہوگا، الا یہ کہ مرتہن (جس کے پاس رہن رکھا جائے وہ) اس کے رہن میں اس (پھل) کی شرط کرلے۔ (یہ تو ہے درختوں کے پھل کا معاملہ، رہا جانداروں کے بچوں کا معاملہ تو امام صاحب فرماتے ہیں:) اور بلاشبہ آدمی جب لونڈی رہن میں لیتا ہے، اس حال میں کہ وہ حاملہ ہو یا اسے رہن میں لینے کے بعد وہ حاملہ ہو تو بلاشبہ اس کا بچہ اس کے ساتھ ہی رہن میں رہتا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَفُرِقَ بَيْنَ الثَّمَرِ، وَبَيْنَ وَلَدِ الْجَارِيَةِ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: مَنْ بَاعَ نَخْلاً قَدْ أُبِّرَتْ، فَثَمَرُهَا لِلْبَائِعِ، إِلاَّ أَنْ يَشْتَرِطَهُ الْمُبْتَاعُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: پھلوں اور لونڈی کے بچے کے مابین فرق یہ ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: ''جس شخص نے کھجور کا درخت بیچا اس حال میں کہ اسے گابھا دے دیا گیا ہے، (نر درخت کا پھول اس مادہ درخت کے گابھوں میں رکھ دیا گیا ہو) تو اس کا پھل بیچنے والے کے لیے ہوگا، الا یہ کہ خریدنے والا، اس کی شرط کرلے۔

فائدہ: ......یہی بات غلام بیچتے وقت اس کی کمائی کے متعلق بھی آپ ﷺ نے فرمائی۔ لیکن یہ کبھی بھی نہ فرمایا کہ جانوروں کی بیع کرتے وقت ان کا پیٹ کا بچہ مستثنیٰ ہوگا، بلکہ یہ استثناء کرنا تو اس بیع ہی کو ممنوع کر دیتا ہے، لہٰذا پھل کو پیٹ کے بچے پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

قَالَ: وَالأَمْرُ الَّذِي لاَ اخْتِلاَفَ فِيهِ عِنْدَنَا: أَنَّ مَنْ بَاعَ وَلِيدَةً، أَوْ شَيْئاً مِنَ الْحَيَوَانِ، وَفِي بَطْنِهَا جَنِينٌ، أَنَّ ذَلِكَ الْجَنِينَ لِلْمُشْتَرِي

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور ہمارے ہاں وہ حکم جس میں کوئی اختلاف نہیں، یہ ہے کہ بیشک جس شخص نے کوئی لونڈی یا جانوروں میں سے کسی کو اس حال میں بیچا کہ اس

اشْتَرَطَهُ الْمُشْتَرِي أَوْ لَمْ يَشْتَرِطْهُ، فَلَيْسَتِ النَّخْلُ مِثْلَ الْحَيَوَانِ، وَلَيْسَ الثَّمَرُ مِثْلَ الْجَنِينِ فِي بَطْنِ أُمِّهِ .

کے پیٹ میں بچہ ہوتو بلاشبہ وہ پیٹ والا بچہ خریدار ہی کا ہوگا، خواہ خریدنے والا اس کی شرط لگائے یا نہ لگائے، لہٰذا کھجوروں (وغیرہ) کے درخت جاندار چیزوں کی طرح نہیں ہیں اور پھل بھی اس بچے کی مثل نہیں ہے جو اپنی ماں کے پیٹ میں ہو۔

قَالَ مَالِكٌ : وَمِمَّا يُبَيِّنُ ذَلِكَ أَيْضاً : أَنَّ مِنْ أَمْرِ النَّاسِ أَنْ يَرْهَنَ الرَّجُلُ ثَمَرَ النَّخْلِ، وَلَا يَرْهَنُ النَّخْلَ، وَلَيْسَ يَرْهَنُ أَحَدٌ مِنَ النَّاسِ جَنِيناً فِي بَطْنِ أُمِّهِ مِنَ الرَّقِيقِ وَلَا مِنَ الدَّوَابِّ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور ان دلائل میں سے جو اسے مزید واضح کرتے ہیں۔ایک یہ بھی ہے کہ بلاشبہ لوگوں کے معاملات میں یہ شامل ہے کہ آدمی کھجور کے تنہا پھل کو رہن میں دے دیتا ہے اس حال میں کہ وہ درخت رہن میں نہ رکھے اور لوگوں میں سے کوئی بھی اس بچے کو رہن نہیں رکھوا تا جو اپنی ماں کے شکم میں ہو، نہ تو لونڈیوں میں اور نہ ہی جانوروں میں۔

فائدہ: ......لہٰذا پھل کو بچوں پر قیاس نہیں کر سکتے ......کیا زمین گروی رکھی جاسکتی ہے یا نہیں تو راجح یہ ہے کہ رکھی جاسکتی ہے، رہا یہ مسئلہ کہ کیا گروی زمین سے مرتہن نفع اٹھا سکتا ہے یا نہیں تو اس بارے میں اصول یہ ہے کہ اگر گروی رکھی ہوئی چیز خرچے کی محتاج نہ ہو تو راہن کی اجازت کے بغیر مرتہن نفع نہیں اٹھا سکتا کیونکہ راہن ہی مرہون چیز کا مالک ہے لہٰذا وہی اس کے منافع کا مستحق ہے اور اگر گروی چیز خرچے کی محتاج ہو جیسے کہ مویشی تو خرچے کے بقدر نفع اٹھایا جاسکتا ہے ......چنانچہ زمین خرچے کی محتاج نہیں ہوتی۔ اور یہ کہنا درست نہیں کہ ''زمین خالی پڑی پڑی بے کار ہو جائے گی'' کیونکہ اگر زمین سے فصل نہ لی جائے تو وہ طاقت ور ہو جاتی ہے اور آئندہ بہترین اور زیادہ فصل اگاتی ہے ہاں البتہ اگر راہن اجازت دے دے تو درست ہے لیکن راجح یہ ہے کہ مرتہن اس زمین کو ٹھیکے کی شکل میں استعمال کرے اور راہن کو ٹھیکہ یا حصہ ادا کرتا رہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

12- بَابٌ: اَلْقَضَاءُ فِي الرَّهْنِ مِنَ الْحَيَوَانِ
جانور گروی رکھنے کے متعلق فیصلے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاویٰ مذکور ہیں۔

قَالَ يَحْيَى : سَمِعْتُ مَالِكاً يَقُولُ : الأَمْرُ الَّذِي لَا اخْتِلَافَ فِيهِ عِنْدَنَا فِي الرَّهْنِ : أَنَّ مَا كَانَ مِنْ أَمْرٍ يُعْرَفُ هَلَاكُهُ مِنْ أَرْضٍ ، أَوْ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ حکم جس میں رہن کے متعلق ہمارے ہاں کوئی اختلاف نہیں، یہ ہے کہ بلاشبہ ہر وہ چیز جس کا (خود بخود قدرتی طور پر) ہلاک ہونا معروف ہو یعنی

دَارٍ ، أَوْ حَيَوَانٍ ، فَهَلَكَ فِي يَدِ الْمُرْتَهِنِ ، وَعُلِمَ هَلَاكُهُ ، فَهُوَ مِنَ الرَّاهِنِ ، وَإِنَّ ذَلِكَ لَا يَنْقُصُ مِنْ حَقِّ الْمُرْتَهِنِ شَيْئًا ، وَمَا كَانَ مِنْ رَهْنٍ يَهْلِكُ فِي يَدِ الْمُرْتَهِنِ ، فَلَا يُعْلَمُ هَلَاكُهُ إِلَّا بِقَوْلِهِ ، فَهُوَ مِنَ الْمُرْتَهِنِ ، وَهُوَ لِقِيمَتِهِ ضَامِنٌ ، يُقَالُ لَهُ : صِفْهُ ، فَإِذَا وَصَفَهُ ، أُحْلِفَ عَلَى صِفَتِهِ وَتَسْمِيَةِ مَالِهِ فِيهِ ، ثُمَّ يُقَوِّمُهُ أَهْلُ الْبَصَرِ بِذَلِكَ ، فَإِنْ كَانَ فِيهِ فَضْلٌ عَمَّا سَمَّى فِيهِ الْمُرْتَهِنُ أَخَذَهُ الرَّاهِنُ ، وَإِنْ كَانَ أَقَلَّ مِمَّا سَمَّى ، أُحْلِفَ الرَّاهِنُ عَلَى مَا سَمَّى الْمُرْتَهِنُ ، وَبَطَلَ عَنْهُ الْفَضْلُ الَّذِي سَمَّى الْمُرْتَهِنُ فَوْقَ قِيمَةِ الرَّهْنِ ، وَإِنْ أَبَى الرَّاهِنُ أَنْ يَحْلِفَ ، أُعْطِيَ الْمُرْتَهِنُ مَا فَضَلَ بَعْدَ قِيمَةِ الرَّهْنِ ، فَإِنْ قَالَ الْمُرْتَهِنُ لَا عِلْمَ لِي بِقِيمَةِ الرَّهْنِ ، حُلِّفَ الرَّاهِنُ عَلَى صِفَةِ الرَّهْنِ ، وَكَانَ ذَلِكَ لَهُ إِذَا جَاءَ بِالْأَمْرِ الَّذِي لَا يُسْتَنْكَرُ .

زمین یا گھر (جو سیلاب، طوفان یا زلزلہ کا شکار ہوتے رہتے ہیں) یا جانور (جسے طبعی موت آسکتی ہے)، پس (جب) وہ مرتہن (جس کے پاس رہن رکھا گیا ہو) کے ہاتھ میں ہلاک ہو اور ان کی (طبعی و قدرتی) ہلاکت (و تباہی) کا علم ہوجائے تو بلاشبہ وہ راہن (گروی رکھنے والے) کی طرف سے (شمار) ہے اور بلاشبہ یہ (ہلاکت) مرتہن کے حق (یعنی دیے ہوئے قرض) سے کچھ کم نہیں کرے گی، (اور راہن کو پورا قرضہ واپس لوٹانا پڑے گا) اور وہ رہن جو مرتہن کے ہاتھ میں (یعنی اس کے پاس) ہلاک ہوا اور اس کی ہلاکت اسی کے قول سے معلوم ہوسکتی ہو (مثلاً سامان، کپڑے، نقدی وغیرہ جن کے گم ہوجانے یا ضائع ہوجانے کی خبر مرتہن نے سنائی لیکن اور کوئی ثبوت نہ ہو) تو وہ مرتہن کی طرف سے ہے اور وہ اس کی قیمت کا ضامن ہوگا، (اور اس کا قرضہ اسی ہلاک شدہ رہن سے ادا کیا ہوا شمار کریں گے لیکن اگر راہن اور مرتہن کے مابین گروی رکھی ہوئی چیز کے متعلق اختلاف ہوجائے تو) اسے (یعنی مرتہن سے) کہا جائے گا کہ اس چیز کا وصف بیان کرو، پھر جب وہ اس کو بیان کردے گا تو اس سے اس بیان پر قسم لی جائے گی اور اس پر بھی جو وہ اپنے مال (یعنی دیے ہوئے قرضے) کا اس (رہن کے مقابلے) میں نام لے رہا ہے، (راہن کہتا ہے کہ میں نے اس کے پاس جو رہن رکھا تھا وہ مہنگا تھا اور مرتہن کہے کہ وہ سستا تھا، چنانچہ دونوں سے معلومات کریں گے۔ پھر چونکہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک مرتہن مدعا علیہ ہے، اس لیے قسم اسی کو دینا پڑے گی اور اس کی بات معتبر سمجھی جائے گی کیونکہ مدعی یعنی راہن کے پاس کوئی گواہ نہیں ہے، البتہ اس قسم سے پہلے تجربہ کار لوگوں سے بھی قیمت لگوائیں گے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:) پھر تجربہ کار افراد اس چیز (یعنی ضائع شدہ رہن) کی قیمت لگائیں گے، چنانچہ اگر تو اس میں زیادتی ہو (اور وہ مہنگی و قیمتی ہو) اس (قرض) سے جس کا نام مرتہن نے اس رہن (کے مقابلے) میں لیا ہے (مثلاً قرض ایک ہزار تھا اور مرتہن کی بیان کردہ تفصیل کے مطابق فوت شدہ رہن کی قیمت اہل عقل و دانش نے ڈیڑھ ہزار لگائی تو جتنا اضافہ مرتہن کے ذمے رہ گیا ہے یعنی پانچ سو) تو راہن

اسے لے لے گا اور اگر وہ (لگائی ہوئی قیمت) اس سے کم ہے جو اس (مرتہن) نے بیان کیا ہے (رہن کی قیمت نوسو گی، اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہزار کے قرضے میں سے نوسو کٹ گئے اور ایک سو کا جھگڑا بچ گیا جو راہن کے ذمے پڑ رہا ہے) تو راہن سے اس (مقدار کی تعیین) کے خلاف قسم لی جائے گی جو مرتہن نے بیان کی ہے اور (اس قسم کی بنا پر) اس سے وہ اضافہ دینا پڑے گا جو رہن کی قیمت سے زائد ہے......اور اگر مرتہن نے یہ کہا ہو کہ مجھے رہن کی قیمت کا کوئی علم ہی نہیں تو پھر راہن سے رہن کی صورتحال کے متعلق قسم لی جائے گی اور یہ (بیان اور فیصلہ) اسی کے حق میں رہے گا (بشرطیکہ جب وہ (اپنے بیان میں) ایسی چیز لائے جو اجنبی (اور خلاف واقعہ) نہ ہو۔

فائدہ: ...... چنانچہ اگر ثابت ہو جائے کہ یہ خلاف واقعہ امر بیان کر رہا ہے اور جھوٹ بول رہا ہے تو مرتہن پر کوئی چٹی نہ پڑے گی، یعنی پہلے تو مرتہن نے کہا کہ مجھے رہن کی تفصیل قیمت وغیرہ معلوم نہیں ہے کہ آیا وہ میرے دیے ہوئے قرضے کے برابر تھی یا کم وبیش، تو راہن سے اسی رہن کی تفصیل پوچھی گئی اور جب اس نے تفصیل بیان کی جس سے معلوم ہوا کہ رہن مہنگا تھا اور وہ قرضہ سے زائد رقم واپس لینا چاہتا ہے تو مرتہن نے انکار کر دیا (اور کہا) کہ یہ جھوٹ بول رہا ہے اور مبالغے سے کام لے رہا ہے تو اس صورت میں مرتہن کی بات ناقابل قبول ہو جائے گی، یاد رہے، امام مالک رحمہ اللہ کے برعکس امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک راہن و مرتہن میں سے مدعا علیہ کی حیثیت راہن کی ہے، لہٰذا پہلے اس سے قسم لی جائے گی، اگر وہ قسم کھا لے تو اسی پر فیصلہ ہو جائے گا۔

قَالَ مَالِكٌ : وَذَلِكَ إِذَا قَبَضَ الْمُرْتَهِنُ الرَّهْنَ ، وَلَمْ يَضَعْهُ عَلَى يَدَيْ غَيْرِهِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور یہ اس وقت ہے جب مرتہن نے رہن اپنے قبضے میں لے رکھا ہو اور اسے اپنے علاوہ کسی اور کے ہاتھوں میں نہ دے رکھا ہو۔

فائدہ: ...... چنانچہ اگر مرتہن نے وہ رہن کسی اور کے پاس رکھوایا ہو اور وہ ہلاک ہو جائے تو پھر اس کی ہلاکت کی ذمہ داری مرتہن پر عائد نہ ہوگی، اگر قدرتی طور پر چیز ہلاک ہو تو مرتہن اپنا قرضہ وصول کرے گا اور اگر تیسرے شخص نے اسے ہلاک کیا ہو تو وہ شخص ہی اس رہن کی قیمت دے گا جس سے مرتہن کا قرضہ پورا کیا جائے گا۔

13- بَابٌ: اَلْقَضَاءُ فِي الرَّهْنِ يَكُوْنُ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ

دو آدمیوں کے درمیان مشترکہ رہن کے متعلق فیصلے کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں امام مالک کے دو فتاویٰ مذکور ہیں۔

فائدہ: ......ایک آدمی دو شخصوں سے قرض لے اور کوئی ایک چیز ان دونوں کو رہن کے طور پر دے دے تو اس مقروض راہن کے دو مرتہن قرض خواہ ہو جائیں گے، پھر جب مقررہ مدت پر قرض ادا نہ ہو سکے اور ان میں سے ایک مرتہن اسی راہن کو مہلت دے دے جبکہ دوسرا اس سے فی الفور اپنی ادائیگی کا تقاضا کرے تو اس صورتحال کا حل یہاں بتایا

جارہا ہے۔

قَالَ يَحْيَى : سَمِعْتُ مَالِكاً يَقُولُ فِي الرَّجُلَيْنِ يَكُونُ لَهُمَا رَهْنٌ بَيْنَهُمَا, فَيَقُومُ أَحَدُهُمَا بِبَيْعِ رَهْنِهِ، وَقَدْ كَانَ الآخَرُ أَنْظَرَهُ بِحَقِّهِ سَنَةً. قَالَ: إِنْ كَانَ يَقْدِرُ عَلَى أَنْ يُقْسَمَ الرَّهْنُ، وَلا يَنْقُصَ حَقُّ الَّذِي أَنْظَرَهُ بِحَقِّهِ، بِيعَ لَهُ نِصْفُ الرَّهْنِ الَّذِي كَانَ بَيْنَهُمَا، فَأُوفِي حَقَّهُ، وَإِنْ خِيفَ أَنْ يَنْقُصَ حَقُّهُ بِيعَ الرَّهْنُ كُلُّهُ، فَأُعْطِيَ الَّذِي قَامَ بِبَيْعِ رَهْنِهِ حَقَّهُ مِنْ ذَلِكَ، فَإِنْ طَابَتْ نَفْسُ الَّذِي أَنْظَرَهُ بِحَقِّهِ أَنْ يَدْفَعَ نِصْفَ الثَّمَنِ إِلَى الرَّاهِنِ، وَإِلاَّ حُلِّفَ الْمُرْتَهِنُ أَنَّهُ مَا أَنْظَرَهُ إِلاَّ لِيُوقِفَ لِي رَهْنِي عَلَى هَيْئَتِهِ, ثُمَّ أُعْطِيَ حَقَّهُ عَاجِلاً.

امام مالک رحمہ اللہ نے ان دو شخصوں کے متعلق فرمایا جن کے پاس ایک رہن باہم مشترکہ ہو، چنانچہ ان میں سے ایک یہ قصد کرے کہ رہن کو بیچ دے اس حال میں کہ دوسرا شخص اس رہن (والے) کو اپنے حق کے متعلق ایک سال کی مہلت دے دے تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر تو یہ ممکن ہو کہ رہن کو (آدھا آدھا) تقسیم کردیا جائے اور (اس تقسیم سے) اس شخص کے حق میں کمی واقع نہ ہوتی ہو جس نے اپنے حق کی مہلت دے رکھی ہے (یعنی چیز کے دو حصے کریں تو دونوں حصوں کی قیمت پوری رہے) تو اس (تقاضا کرنے والے مرتہن) کے لیے اس رہن کا نصف حصہ بیچ دیا جائے گا جو دونوں کے مابین مشترک ہے اور وہ اپنا حق پورا پورا لے لے گا، (لیکن) پھر اگر یہ خطرہ ہو کہ (تقسیم کرنے کی وجہ سے) اس (دوسرے مرتہن) کے حق میں کمی واقع ہو جائے گی تو پورے کا پورا رہن بیچ دیا جائے گا اور وہ شخص جو اپنے رہن کو بیچنے کے لیے کھڑا ہوا تھا اسے تو اس کا پورا پورا حق اسی رہن (کی قیمت) سے دے دیا جائے گا، (اور باقی نصف قیمت بچ جائے گی)، پھر وہ شخص (دوسرا مرتہن) جس نے اپنے حق کی مہلت دے رکھی تھی اگر اس کا دل اس بات پر خوش ہو کہ وہ (باقی ماندہ) نصف قیمت راہن کے سپرد کردے (یعنی مقروض کو واپس دے دے، یہ سوچ کر کہ رہن تو بک گیا اور مجھے فی الحال قرضہ واپس لینے کی مجبوری نہیں ہے، سو وہ اسے مزید مدت مثلاً سال تک کے لیے وہ رقم خوشی سے دے دے تو ٹھیک ہے) ورنہ اس مرتہن سے قسم لی جائے گی (یعنی اگر وہ اپنی مہلت کو کالعدم قرار دینا چاہے اور بقیہ نصف رقم سے وہ بھی فی الفور اپنا دیا ہوا قرض واپس لے لینا چاہے تو اس سے یہ قسم لی جائے گی) کہ اس نے اسے اس کے علاوہ کسی اور صورت میں (کسی اور مقصد کی خاطر) مہلت نہ دی تھی کہ میرا رہن میرے لیے اپنی حالت پر ٹھہرایا جائے (میرا مقصد صرف یہ تھا کہ سال بعد بھی یہ رہن موجود رہے گا اور میں اس وقت اس سے اپنا حصہ لے لوں گا، لیکن میرا مقصد تو پورا ہوا نہیں اور رہن بھی فروخت ہوگیا ہے اور کیا خبر آئندہ سال کے بعد یہ مقروض مجھے ادائیگی کر سکے یا نہ کر سکے گا لہٰذا میں ابھی اپنی رقم وصول کرلیتا ہوں، چنانچہ اگر تو وہ اس بات پر قسم کھالے) تو پھر اسے اس کا حق فوراً ادا کردیا جائے گا۔

قَالَ: وَسَمِعْتُ مَالِكاً يَقُولُ فِي الْعَبْدِ يَرْهَنُهُ سَيِّدُهُ، وَلِلْعَبْدِ مَالٌ، إِنَّ مَالَ الْعَبْدِ لَيْسَ بِرَهْنٍ، إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَهُ الْمُرْتَهِنُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس غلام کے بارے میں فرمایا جس کا آقا اسے رہن رکھوا دیتا ہے، اس حال میں کہ غلام کے پاس کچھ (اپنا) مال (بھی) ہوتو بلاشبہ غلام کا مال رہن نہیں (شمار) ہوگا، الا یہ کہ مرتہن اس کی شرط لگالے۔

14- بَابٌ: اَلْقَضَاءُ فِيْ جَامِعِ الرُّهُوْنِ

رہنوں کے متفرق مسائل میں فیصلے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کے چار فتاویٰ جات مذکور ہیں۔

قَالَ يَحْيَى: سَمِعْتُ مَالِكاً يَقُولُ فِيمَنِ ارْتَهَنَ مَتَاعاً، فَهَلَكَ الْمَتَاعُ عِنْدَ الْمُرْتَهِنِ، وَأَقَرَّ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ بِتَسْمِيَةِ الْحَقِّ، وَاجْتَمَعَا عَلَى التَّسْمِيَةِ، وَتَدَاعَيَا فِي الرَّهْنِ، فَقَالَ الرَّاهِنُ قِيمَتُهُ عِشْرُونَ دِينَاراً. وَقَالَ الْمُرْتَهِنُ: قِيمَتُهُ عَشَرَةُ دَنَانِيرَ. وَالْحَقُّ الَّذِي لِلرَّجُلِ فِيهِ عِشْرُونَ دِينَاراً. قَالَ مَالِكٌ: يُقَالُ لِلَّذِي بِيَدِهِ الرَّهْنُ صِفْهُ، فَإِذَا وَصَفَهُ أُحْلِفَ عَلَيْهِ، ثُمَّ أَقَامَ تِلْكَ الصِّفَةَ أَهْلُ الْمَعْرِفَةِ بِهَا، فَإِنْ كَانَتِ الْقِيمَةُ أَكْثَرَ مِمَّا رُهِنَ بِهِ، قِيلَ لِلْمُرْتَهِنِ: ارْدُدْ إِلَى الرَّاهِنِ بَقِيَّةَ حَقِّهِ. وَإِنْ كَانَتِ الْقِيمَةُ أَقَلَّ مِمَّا رُهِنَ بِهِ، أَخَذَ الْمُرْتَهِنُ بَقِيَّةَ حَقِّهِ مِنَ الرَّاهِنِ، وَإِنْ كَانَتِ الْقِيمَةُ بِقَدْرِ حَقِّهِ، فَالرَّهْنُ بِمَا فِيهِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کی بابت فرمایا جس نے کچھ سامان رہن میں وصول کیا، پھروہ سامان اس مرتہن کے پاس ہلاک ہوگیااور اس شخص (راہن) جس پر(مرتہن کا قرض اور)حق تھا، نے اس حق کا نام لیتے ہوئے اقرار کرلیا، ان دونوں نے حق (یعنی قرض کی مقدار) پرتو اتفاق کیالیکن رہن کے بارے میں اختلاف کیا، چنانچہ راہن نے کہا کہ اس کی قیمت بیس دینار تھی اور مرتہن نے کہا کہ اس کی قیمت دس دینار تھی اور وہ حق (اور قرضے کی مقدار جس پر دونوں متفق تھے) جو مرتہن شخص کا اس رہن میں تھا، وہ بیس دینارتھا۔ (گویا راہن کہتا ہے کہ میں نے بیس دینارقرض میں لیے اور بیس دینار کا سامان رہن رکھااور مذکورہ صورت میں میراپورا قرض ادا ہو چکا ہے، جبکہ مرتہن کہتا ہے کہ یہ سامان صرف دس دینار کا تھا اور ابھی میرے دس دینار تمھارے ذمے باقی ہیں) توامام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وہ شخص جس کے پاس رہن (رکھا گیا) تھا، اس سے کہا جائے گا کہ اس رہن (کی تفصیل) کو بیان کرو، چنانچہ جب وہ اس کا وصف بیان کردے گا تو اس سے اس پر قسم لی جائے گی، پھر اس بیان کردہ وصف کے مطابق، اس چیز کی معرفت رکھنے والے (تجربہ کار اور ماہرین فن) قیمت لگائیں گے، پھر اگر وہ (لگائی ہوئی) قیمت اس (قرضے) سے زیادہ ہوئی جس کے عوض اسے رہن رکھا گیا تھا (مثلاً پچاس دینار قیمت نکلی) تو مرتہن سے کہا جائے گا کہ راہن کی طرف اس

کا باقی ماندہ حق (تیس دینار) لوٹا دو اور اگر وہ قیمت اس (قرض) سے کم ہوئی جس کے بدلے اسے رہن رکھا گیا تھا (مثلاً تجربہ کاروں نے صرف پندرہ دینار قیمت لگائی) تو مرتہن اپنا باقی ماندہ حق راہن سے وصول کرلے گا (اور اسے پانچ دینار ادا کر دیے جائیں گے) اور اگر قیمت اس کے حق (بیس دینار) کے برابر ہوئی تو رہن اسی حق کے بدلے (میں شمار) ہوگا جو اس میں تھا (سو نہ راہن پر کچھ ادائیگی لازم ہوگی اور نہ مرتہن پر کچھ چٹی پڑے گی)۔

قَالَ يَحْيَى : وَسَمِعْتُ مَالِكاً يَقُولُ : الأَمْرُ عِنْدَنَا فِي الرَّجُلَيْنِ يَخْتَلِفَانِ فِي الرَّهْنِ يَرْهَنُهُ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ ، فَيَقُولُ الرَّاهِنُ : أَرْهَنْتُكَهُ بِعَشَرَةِ دَنَانِيرَ. وَيَقُولُ الْمُرْتَهِنُ : ارْتَهَنْتُهُ مِنْكَ بِعِشْرِينَ دِينَاراً. وَالرَّهْنُ ظَاهِرٌ بِيَدِ الْمُرْتَهِنِ ، قَالَ مَالِكٌ: يُحَلَّفُ الْمُرْتَهِنُ حَتَّى يُحِيطَ بِقِيمَةِ الرَّهْنِ : فَإِنْ كَانَ ذَلِكَ لَا زِيَادَةَ فِيهِ وَلَا نُقْصَانَ عَمَّا حُلِّفَ أَنَّ لَهُ فِيهِ ، أَخَذَهُ الْمُرْتَهِنُ بِحَقِّهِ ، وَكَانَ أَوْلَى بِالتَّبْدِئَةِ بِالْيَمِينِ ، لِقَبْضِهِ الرَّهْنَ وَحِيَازَتِهِ إِيَّاهُ ، إِلَّا أَنْ يَشَاءَ رَبُّ الرَّهْنِ أَنْ يُعْطِيَهُ حَقَّهُ الَّذِي حُلِّفَ عَلَيْهِ ، وَيَأْخُذَ رَهْنَهُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے نزدیک ان دو آدمیوں کے متعلق یہ حکم ہے جو رہن کے بارے میں اختلاف کریں، ان میں سے ایک اپنے ساتھی کو یہ رہن دیتا ہے، پھر راہن کہتا ہے کہ میں نے تجھے دس دینار (قرض) کے عوض یہ چیز رہن دی تھی اور مرتہن کہتا ہے کہ میں نے تو بیس دینار (قرض دے کران) کے بدلے میں اسے تجھ سے رہن کے طور پر وصول کیا تھا (الغرض دونوں میں قرض کی مقدار کے متعلق جھگڑا کھڑا ہوگیا) اور وہ رہن مرتہن کے قبضے میں ظاہر (اور صحیح سلامت موجود) ہو تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ (اب اس رہن کی قیمت بیس دینار سے زیادہ ہوگی یا برابر ہوگی یا کم ہوگی۔ چنانچہ اگر تو رہن کی قیمت بیس دینار سے کچھ زیادہ ہو تو پھر مرتہن کے قرض کی ادائیگی اس کے بیان کردہ بیس دینار کے بدلے میں ہو جائے گی اور راہن کو اس رہن سے زیادہ کچھ بھی دینا پڑے گا۔ ہاں اگر رہن کی قیمت کم نکلی تو پھر مزید ادائیگی کے متعلق جھگڑا ہوگا۔ بہرحال) مرتہن سے قسم لی جائے گی، یہاں تک کہ وہ (اس کی بیان کردہ قرض کی رقم) رہن کی قیمت کو گھیر لے، (یعنی قرضہ رہن کے برابر ہو یا اس سے زیادہ ہو تو قسم مرتہن پر آئے گی،) پھر اگر اس رہن میں اس (مقدار) سے نہ کوئی زیادتی ہو اور نہ کوئی کمی ہو کہ جس (مقدار) پر مرتہن نے یہ قسم کھائی تھی کہ اس کا وہ حق رہن میں ہے (یعنی رہن بھی بیس دینار کا ہو اور اس کا حلفیہ بیان بھی بیس دینار کا ہو) تو مرتہن اس رہن کو اپنے حق کے بدلے میں رکھ لے گا اور وہ (مرتہن) قسم کھانے میں آغاز کرنے کا زیادہ حق دار اس لیے ہے کہ رہن اس کے قبضے میں ہے اور اس نے اسے ملکیت میں لیا ہوا ہے، (بہرحال وہ رہن مرتہن کے پاس رہے گا) إلّا یہ کہ رہن کا مالک یہ چاہے کہ اسے (یعنی مرتہن کو) اس کا وہ حق ادا کردے جس پر اس نے قسم اٹھائی ہے (بیس دینار اسے دے دے) اور اپنا رہن واپس لے لے (تو یہ اس کے لیے جائز ہے۔)

قَالَ مَالِكٌ: وَإِنْ كَانَ الرَّهْنُ أَقَلَّ مِنَ الْعِشْرِينَ الَّتِي سَمَّى، أُحْلِفَ الْمُرْتَهِنُ عَلَى الْعِشْرِينَ الَّتِي سَمَّى، ثُمَّ يُقَالُ لِلرَّاهِنِ: إِمَّا أَنْ تُعْطِيَهُ الَّذِي حَلَفَ عَلَيْهِ وَتَأْخُذَ رَهْنَكَ، وَإِمَّا أَنْ تَحْلِفَ عَلَى الَّذِي قُلْتَ أَنَّكَ رَهَنْتَهُ بِهِ، وَيَبْطُلُ عَنْكَ مَا زَادَ الْمُرْتَهِنُ عَلَى قِيمَةِ الرَّهْنِ. فَإِنْ حَلَفَ الرَّاهِنُ، بَطَلَ ذَلِكَ عَنْهُ، وَإِنْ لَمْ يَحْلِفْ لَزِمَهُ غُرْمُ مَا حَلَفَ عَلَيْهِ الْمُرْتَهِنُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور اگر رہن ان بیس دیناروں سے کم نکلا جن کا اس (مرتہن) نے نام لیا ہے تو مرتہن سے ان بیس دیناروں پر قسم لی جائے گی جن کی وہ تعیین کررہا ہے، پھر راہن سے کہا جائے گا کہ یا تو تم اسے وہ (مقدار) ادا کردو جس پر اس نے قسم کھائی ہے اور اپنا رہن واپس لے لو، اور یا پھر تم اس (مقدار یعنی دس دینار) پر قسم کھالو جو تم نے ذکر کی ہے کہ جس کے عوض تم نے اسے رہن رکھا تھا اور (تمھاری قسم سے) وہ زائد رقم تم سے ساقط ہو جائے گی جو مرتہن رہن کی قیمت سے زیادہ بیان کررہا ہے، چنانچہ اگر وہ قسم کھالے تو وہ (مرتہن کی طلب کردہ اضافی رقم) اس سے ساقط ہوجائے گی اور اگر وہ قسم نہ کھائے تو اس پر اس (مقدار) کی چٹی پڑے گی جس پر مرتہن نے قسم کھائی ہے (اور اسے رہن کی قیمت کے علاوہ مزید رقم دے کر بیس دینار پورے کرنے ہوں گے)۔

قَالَ مَالِكٌ: فَإِنْ هَلَكَ الرَّهْنُ وَتَنَاكَرَا الْحَقَّ، فَقَالَ الَّذِي لَهُ الْحَقُّ: كَانَتْ لِي فِيهِ عِشْرُونَ دِينَاراً. وَقَالَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ: لَمْ يَكُنْ لَكَ فِيهِ إِلَّا عَشَرَةُ دَنَانِيرَ. وَقَالَ الَّذِي لَهُ الْحَقُّ: قِيمَةُ الرَّهْنِ عَشَرَةُ دَنَانِيرَ. وَقَالَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ: قِيمَتُهُ عِشْرُونَ دِينَاراً. قِيلَ لِلَّذِي لَهُ الْحَقُّ: صِفْهُ، فَإِذَا وَصَفَهُ أُحْلِفَ عَلَى صِفَتِهِ، ثُمَّ أَقَامَ تِلْكَ الصِّفَةَ أَهْلُ الْمَعْرِفَةِ بِهَا، فَإِنْ كَانَتْ قِيمَةُ الرَّهْنِ أَكْثَرَ مِمَّا ادَّعَى فِيهِ الْمُرْتَهِنُ أُحْلِفَ عَلَى مَا ادَّعَى، ثُمَّ يُعْطَى الرَّاهِنُ مَا فَضَلَ مِنْ قِيمَةِ الرَّهْنِ، وَإِنْ كَانَتْ قِيمَتُهُ أَقَلَّ مِمَّا يَدَّعِي فِيهِ الْمُرْتَهِنُ، أُحْلِفَ عَلَى الَّذِي زَعَمَ أَنَّهُ لَهُ فِيهِ، ثُمَّ قَاصَّهُ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر رہن ہلاک (اور تلف) ہوجائے اور دونوں (راہن اور مرتہن قرض کی مقدار یعنی مرتہن کے) حق میں اختلاف کریں، چنانچہ وہ شخص جس کا حق ہے (یعنی مرتہن) کہے کہ میرے اس رہن (کے مقابلے) میں بیس دینار تھے، اور وہ شخص جس کے ذمے حق ہو وہ کہے کہ اس میں تیرے دس دینار کے سوا کچھ نہ تھا، (ایک تو یہ اختلاف ہوا کہ قرضے کی مقدار مرتہن زیادہ بیان کرتا ہے اور راہن کم) اور جس کا حق ہے وہ کہے کہ اس رہن کی قیمت دس دینار تھی اور جس کے ذمے حق ہے وہ کہے کہ اس کی قیمت بیس دینار تھی (یہ دوسرا اختلاف ہوا کہ رہن کی قیمت مرتہن کم بیان کرتا ہے اور راہن زیادہ) تو اس شخص جس کا حق ہے، (یعنی مرتہن) سے کہا جائے گا کہ اس (ہلاک شدہ رہن) کا وصف بیان کرو۔ پھر جب وہ اسے

بِمَا بَلَغَ الرَّهْنُ ، ثُمَّ أُحْلِفَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ عَلَى الْفَضْلِ الَّذِي بَقِيَ لِلْمُدَّعَى عَلَيْهِ بَعْدَ مَبْلَغِ ثَمَنِ الرَّهْنِ ، وَذَلِكَ أَنَّ الَّذِي بِيَدِهِ الرَّهْنُ صَارَ مُدَّعِياً عَلَى الرَّاهِنِ ، فَإِنْ حَلَفَ بَطَلَ عَنْهُ بَقِيَّةُ مَا حَلَفَ عَلَيْهِ الْمُرْتَهِنُ مِمَّا ادَّعَى فَوْقَ قِيمَةِ الرَّهْنِ ، وَإِنْ نَكَلَ لَزِمَهُ مَا بَقِيَ مِنْ حَقِّ الْمُرْتَهِنِ بَعْدَ قِيمَةِ الرَّهْنِ .

بیان کرے تو اس کے بیان پر اس سے قسم لی جائے گی ، پھر اس بیان کردہ وصف کے مطابق اس رہن کی قیمت، اس کی معرفت رکھنے والے تجربہ کار لوگ لگائیں گے، چنانچہ اگر رہن کی قیمت اس (بیس دینار کی) مقدار سے زیادہ ہوئی جس کا مرتہن نے اس میں دعویٰ کیا تھا (مثلاً قیمت تیس دینار نکل آئی) تو اس سے اس دعویٰ پر بھی قسم لی جائے گی، اور پھر راہن کو وہ زائد رقم (دس دینار) واپس کردے گا جو رہن کی قیمت سے بچ جائے گی ، اور اگر راہن کی قیمت اس (بیس دینار) سے کم ہوئی جس کا مرتہن نے اس میں دعویٰ کیا تھا (مثلاً پندرہ دینار قیمت نکلی) تو اس سے اس بات پر قسم لی جائے گی جو وہ کہہ رہا ہو کہ اس کا اس رہن میں اتنا حق تھا، پھر جہاں تک رہن کی قیمت پہنچے گی اس کا وہ اپنے ذمے سے حساب چکا دے گا۔ (بیس دینار کا دعویٰ کیا اور رہن کی قیمت پندرہ دینار وصول کرلی، باقی بچے پانچ دینار، جنھیں وہ راہن یعنی مقروض سے لینا چاہتا ہے، رہن بھی رکھ لیا اور مزید پانچ دینار کا دعویٰ بھی کردیا تو اب راہن کی حیثیت مدعا علیہ کی بن گئی، لہٰذا) پھر اس شخص جس کے ذمے حق ہے (یعنی راہن) سے اس زائد مقدار پر قسم لی جائے گی جو رہن کی مبلغ قیمت (پندرہ دینار) کے بعد مدعی (مرتہن کے بقول اس) کے لیے اس (راہن) کے ذمے باقی بچتی ہے، (چنانچہ وہ یہ قسم کھائے کہ میرے ذمے یہ رقم نہیں ہے) اور یہ (راہن پر قسم کا آنا) اس وجہ سے ہے کہ بیشک وہ شخص جس کے ہاتھ میں رہن ہے (یعنی مرتہن) وہ راہن کے خلاف مدعی بن چکا ہے (اور راہن مدعا علیہ بن چکا ہے اور قسم تو مدعا علیہ پر پڑتی ہے)، چنانچہ اگر وہ قسم کھالے تو اس سے وہ باقی ماندہ حق ساقط ہو جائے گا جس پر مرتہن نے قسم کھائی تھی اور رہن کی قیمت سے بھی زیادہ کا دعویٰ کیا تھا اور اگر وہ (راہن قسم کھانے سے) انکار کردے تو اس کے ذمے مرتہن کا وہ باقی ماندہ حق لازم ہوگا جو رہن کی قیمت کے بعد بچتا ہے۔

15- بَابٌ: الْقَضَاءُ فِي كِرَاءِ الدَّابَّةِ وَالتَّعَدِّي بِهَا

جانور کرائے پر لینے اور اس میں زیادتی کرنے کے متعلق فیصلے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کے تین فتاوی جات مذکور ہیں۔

قَالَ يَحْيَى : سَمِعْتُ مَالِكاً يَقُولُ : الأَمْرُ عِنْدَنَا فِي الرَّجُلِ يَسْتَكْرِي الدَّابَّةَ إِلَى الْمَكَانِ الْمُسَمَّى ، ثُمَّ يَتَعَدَّى ذَلِكَ الْمَكَانَ وَيَتَقَدَّمُ ، قَالَ : فَإِنَّ رَبَّ الدَّابَّةِ يُخَيَّرُ ، فَإِنْ أَحَبَّ أَنْ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں اس شخص کے متعلق حکم یہ ہے جو متعین جگہ تک (جانے کے لیے) کرائے پر جانور لیتا ہے، پھر اس جگہ سے تجاوز کرتا ہے اور آگے بڑھ جاتا ہے، تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: بلاشبہ جانور کے

يَأْخُذَ كِرَاءَ دَابَّتِهِ إِلَى الْمَكَانِ الَّذِي تُعُدِّيَ بِهَا إِلَيْهِ أُعْطِيَ ذَلِكَ، وَيَقْبِضُ دَابَّتَهُ، وَلَهُ الْكِرَاءُ الْأَوَّلُ، وَإِنْ أَحَبَّ رَبُّ الدَّابَّةِ فَلَهُ قِيمَةُ دَابَّتِهِ مِنَ الْمَكَانِ الَّذِي تَعَدَّى مِنْهُ الْمُسْتَكْرِي، وَلَهُ الْكِرَاءُ الْأَوَّلُ إِنْ كَانَ اسْتَكْرَى الدَّابَّةَ الْبَدْأَةَ، فَإِنْ كَانَ اسْتَكْرَاهَا ذَاهِباً وَرَاجِعاً، ثُمَّ تَعَدَّى حِينَ بَلَغَ الْبَلَدَ الَّذِي اسْتَكْرَى إِلَيْهِ، فَإِنَّمَا لِرَبِّ الدَّابَّةِ نِصْفُ الْكِرَاءِ الْأَوَّلِ، وَذَلِكَ أَنَّ الْكِرَاءَ نِصْفُهُ فِي الْبَدَاءَةِ، وَنِصْفُهُ فِي الرَّجْعَةِ، فَتَعَدَّى الْمُتَعَدِّي بِالدَّابَّةِ وَلَمْ يَجِبْ عَلَيْهِ إِلَّا نِصْفُ الْكِرَاءِ الْأَوَّلِ، وَلَوْ أَنَّ الدَّابَّةَ هَلَكَتْ حِينَ بَلَغَ بِهَا الْبَلَدَ الَّذِي اسْتَكْرَى إِلَيْهِ، لَمْ يَكُنْ عَلَى الْمُسْتَكْرِي ضَمَانٌ، وَلَمْ يَكُنْ لِلْمُكْرِي إِلَّا نِصْفُ الْكِرَاءِ. قَالَ مَالِكٌ: وَعَلَى ذَلِكَ أَمْرُ أَهْلِ التَّعَدِّي وَالْخِلَافِ لِمَا أَخَذُوا الدَّابَّةَ عَلَيْهِ.

مالک کو (دوباتوں کا) اختیار ہے، چنانچہ (پہلی بات یہ ہے کہ) اگر وہ پسند کرے کہ اس جانور کے ذریعے جس جگہ تک زیادہ سفر کیا گیا ہے، اس کا بھی کرایہ لے لے تو اسے یہ (زائد کرایہ بھی) دے دیا جائے گا اور وہ اپنا جانور (واپس) قبضے میں لے لے گا اور اسی کے لیے پہلا (طے شدہ) کرایہ بھی ہوگا......اور اگر (یہ دیکھ کر کہ اتنے لمبے سفر سے جانور متاثر ہو چکا ہے) جانور کا مالک پسند کرے تو اس کو اس کے جانور کی قیمت مل جائے گی اس جگہ (کے اعتبار) سے جس سے کرائے پر لینے والے نے زیادتی کی تھی (یعنی جس دن مقرر جگہ سے آگے سفر شروع کیا تھا اس دن کی قیمت لگا کر اسے دے دیں گے) اور اس کے لیے پہلا (طے شدہ) کرایہ بھی ہوگا بشرطیکہ آدمی نے پہلی باری یعنی صرف جانے کے لیے (اس طے شدہ) کرائے پر جانور لیا ہو (اور یہ طے شدہ کرایہ اسی مقرر منزل تک پہنچنے کا ہو، واپسی کا کرایہ اس میں شامل نہ ہو) اور اگر اس نے اسے جانے اور واپس آنے کا کہہ کر کرائے پر لیا تھا (اور یہ طے شدہ کرایہ آنے اور جانے کے دونوں سفروں کا مجموعی کرایہ تھا) پھر جب وہ اس پر اس شہر میں پہنچا جس تک اس نے اسے کرائے پر لیا تھا تو اس نے زیادتی کی (اور آگے نکل گیا) تو بلاشبہ جانور کے مالک کو صرف اور صرف نصف کرایہ ملے گا (اور جانور کی قیمت بھی مل جائے گی) اور یہ (نصف کرایہ) اس وجہ سے ہے کہ بے شک (طے شدہ) کرایہ کا نصف جانے کے لیے اور نصف واپسی کے لیے (متعین) تھا، پھر زیادتی کرنے والے نے جانور کے ساتھ زیادتی کی (جس کی وجہ سے وہ اس کی قیمت بھی ادا کرے گا) اور اس پر نصف کرائے کے سوا (مزید) کچھ (کرایہ) واجب نہ ہوگا......اور اگر جانور اس وقت ہلاک ہو جائے جب وہ اس پر اس شہر میں پہنچے جس تک اس نے اسے کرائے پر حاصل کیا تھا تو کرایہ پر لینے والے کے ذمے کوئی چٹی اور تاوان نہ ہوگا اور کرائے پر دینے والے کے لیے بھی نصف کرائے کے سوا کچھ نہ ہوگا (کیونکہ موت اللہ کی طرف سے آئی ہے نہ کہ کرائے پر لینے والے کی طرف سے اور چونکہ جانے اور آنے کا سفر پورا نہیں ہو سکا، اس لیے جتنا سفر ہوا اتنا کرایہ ہی اس

جانور کے مالک کا حق ہے) اور اسی کے مطابق حکم ہے ان کا جو حد سے بڑھ جانے والے ہیں اور اس معاہدے جس پر وہ جانور حاصل کرتے ہیں، کی مخالفت کرنے والے ہیں۔

قَالَ : وَكَذَلِكَ أَيْضاً مَنْ أَخَذَ مَالاً قِرَاضاً مِنْ صَاحِبِهِ ، فَقَالَ لَهُ رَبُّ الْمَالِ : لَا تَشْتَرِ بِهِ حَيَوَاناً ، وَلَا سِلَعاً كَذَا وَكَذَا ، لِسِلَعٍ يُسَمِّيهَا وَيَنْهَاهُ عَنْهَا وَيَكْرَهُ أَنْ يَضَعَ مَالَهُ ، فِيهَا فَيَشْتَرِي الَّذِي أَخَذَ الْمَالَ الَّذِي نُهِيَ عَنْهُ ، يُرِيدُ بِذَلِكَ أَنْ يَضْمَنَ الْمَالَ وَيَذْهَبَ بِرِبْحِ صَاحِبِهِ ، فَإِذَا صَنَعَ ذَلِكَ فَرَبُّ الْمَالِ بِالْخِيَارِ ، إِنْ أَحَبَّ أَنْ يَدْخُلَ مَعَهُ فِي السِّلْعَةِ عَلَى مَا شَرَطَا بَيْنَهُمَا مِنَ الرِّبْحِ فَعَلَ ، وَإِنْ أَحَبَّ فَلَهُ رَأْسُ مَالِهِ ضَامِناً عَلَى الَّذِي أَخَذَ الْمَالَ وَتَعَدَّى .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور اسی طرح (کا حکم) وہ شخص بھی (رکھتا) ہے جس نے اپنے ساتھی سے مضاربت کے لیے کچھ مال لیا، تو مال کے مالک نے اس سے کہا کہ تم اس سے نہ تو کوئی جانور خریدنا اور نہ ہی فلاں فلاں سامان، جن کی وہ تعیین کر دیتا ہے اور اسے ان سے منع کر دیتا ہے، اور وہ یہ ناپسند کرتا ہے کہ وہ اس کے مال کو ان چیزوں میں لگائے، پھر (ہوتا یوں ہے کہ) جس شخص نے مال لیا تھا وہ اس چیز کو خریدتا ہے جس سے اسے روکا گیا تھا، وہ ایسا کرنے سے یہ ارادہ کیے ہوئے ہوتا ہے کہ (اگر نقصان ہوا تو) وہ مال کا ضامن بن جائے گا اور (اگر نفع ہوا تو اکیلا ہی) وہ اپنے ساتھی کا بھی نفع لے جائے گا، چنانچہ جب وہ ایسا کرے گا تو مال کے مالک (ربّ المال) کو اختیار ہوگا کہ اگر وہ چاہے کہ اس (ممنوع) سامان میں بھی اس کے ساتھ اسی نفع (کی مقدار) پر شامل ہو جائے جس کی انھوں نے آپس میں شرط کی تھی تو وہ ایسا کر لے اور اگر وہ پسند کرے تو اسے اپنا راس المال (مضاربت کے لیے دیا ہوا مکمل پیسا) مل جائے گا جس کا ضامن وہ (مضاربت کرنے والا) شخص ہوگا جس نے مال لیا تھا اور اس میں زیادتی کی تھی۔

فائدہ :...... حالانکہ عقد مضاربت میں مضاربت یعنی عامل پر راس المال یعنی اصل رقم کی ضمانت نہیں ہوتی، اگر وہ ضائع ہو تو اصل مالک کی طرف سے شمار ہوتا ہے، البتہ مذکورہ بالا صورت میں وہ اسی لیے ضامن ٹھہرایا گیا ہے کہ اس نے معاہدے اور عقد کی مخالفت کرتے ہوئے زیادتی کی تھی۔

قَالَ : وَكَذَلِكَ أَيْضاً الرَّجُلُ يُبْضِعُ مَعَهُ الرَّجُلُ بِضَاعَةً ، فَيَأْمُرُهُ صَاحِبُ الْمَالِ أَنْ يَشْتَرِيَ لَهُ سِلْعَةً بِاسْمِهَا ، فَيُخَالِفُ فَيَشْتَرِي بِبِضَاعَتِهِ غَيْرَ مَا أَمَرَهُ بِهِ ، وَيَتَعَدَّى ذَلِكَ ، فَإِنَّ صَاحِبَ الْبِضَاعَةِ عَلَيْهِ بِالْخِيَارِ ، إِنْ أَحَبَّ أَنْ يَأْخُذَ مَا

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور اسی طرح وہ شخص بھی ہے جس کے ساتھ کوئی آدمی بضاعت کے طور پر عمل کرتا ہے۔ (بضاعت میں ایک شخص کا روپیہ ہوتا ہے اور دوسرے کی محنت لیکن محنت کرنے والا نفع ونقصان میں شریک نہیں ہوتا بلکہ صرف اپنی محنت کا عوضانہ لیتا ہے) پھر مال والا اسے حکم

اشْتَرِي بِمَالِهِ أَخَذَهُ، وَإِنْ أَحَبَّ أَنْ يَكُونَ الْمُبْضِعُ مَعَهُ ضَامِناً لِرَأْسِ مَالِهِ، فَذَلِكَ لَهُ .

دیتا ہے کہ وہ اس کے لیے فلاں سامان خرید کرلائے جس کا وہ نام لے دیتا ہے، لیکن وہ اس کی مخالفت کرتا ہے اور اس کے مال بضاعت سے اس چیز کے علاوہ کوخرید لیتا ہے کہ جس کا اس نے اسے حکم دیا تھا اور (یوں) وہ زیادتی کرتا ہے تو بلاشبہ بضاعت پردینے والا شخص اس کے خلاف اختیار رکھتا ہے، اگر وہ چاہے کہ وہ اس چیز کو لے لے جو اس کے مال سے خرید لی گئی ہے تو وہ اسے لے لے اور اگر وہ یہ پسند کرے کہ اس کے ساتھ بضاعت کرنے والا اس کے رَأْسُ المال (اصل رقم) کا ضامن بن جائے تو یہ بھی اس کے لیے جائز ہے۔

16- بَابٌ: الْقَضَاءُ فِي الْمُسْتَكْرَهَةِ مِنَ النِّسَاءِ

عورتوں میں سے جس کے ساتھ زبردستی زنا کیا جائے اس کے متعلق فیصلے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں ایک مقطوع روایت (اثرِ تابعی رحمہ اللہ) ہے جو سنداً صحیح ثابت ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی یہاں مذکور ہے۔

[1428] حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: أَنَّ عَبْدَ الْمَلِكِ بْنَ مَرْوَانَ قَضَى فِي امْرَأَةٍ أُصِيبَتْ مُسْتَكْرَهَةً بِصَدَاقِهَا عَلَى مَنْ فَعَلَ ذَلِكَ بِهَا .

ابن شہاب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بیشک عبدالملک بن مروان رحمہ اللہ نے اس عورت جس سے جبراً زیادتی کی گئی تھی کے متعلق حق مہر کا فیصلہ کیا، اس شخص کے خلاف جس نے اس کے ساتھ یہ کام کیا تھا۔

فائدہ: ......گویا جس زانی نے یہ کام کیا اس پر دو سزائیں لاگو کیں، ایک جسمانی حد اور دوسری مالی سزا جو کہ حد سے زائد ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ اسی کے قائل ہیں، البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس پر صرف حدِّ زنا لازم ہے، حق مہر نہیں۔ رہی مظلوم عورت تو اس پر نہ کوئی حد ہے نہ کوئی دوسری سزا، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَنْ يُكْرِهْهُنَّ فَإِنَّ اللَّهَ مِنْ بَعْدِ إِكْرَاهِهِنَّ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (النور: 33) ''اور جو کوئی انھیں مجبور کرے تو بے شک اللہ ان کے مجبور کیے جانے کے بعد (ان کے لیے) غفور رحیم ہے۔''

قَالَ يَحْيَى: سَمِعْتُ مَالِكاً يَقُولُ: الأَمْرُ عِنْدَنَا فِي الرَّجُلِ يَغْتَصِبُ الْمَرْأَةَ بِكْراً كَانَتْ أَوْ ثَيِّباً: إِنَّهَا إِنْ كَانَتْ حُرَّةً فَعَلَيْهِ صَدَاقُ مِثْلِهَا، وَإِنْ كَانَتْ أَمَةً فَعَلَيْهِ مَا نَقَصَ مِنْ ثَمَنِهَا، وَالْعُقُوبَةُ فِي ذَلِكَ عَلَى الْمُغْتَصِبِ،

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں اس آدمی کے بارے میں یہ حکم ہے جو کسی عورت کو غصب کرلیتا ہے (زبردستی اٹھا کر لے جاتا ہے، اغوا کرلیتا ہے اور اس کے ساتھ زنا کرتا ہے) خواہ وہ عورت کنواری ہو یا شوہر دیدہ (شادی شدہ) تو بلاشبہ اگر وہ آزاد ہوگی تو آدمی پر اس کا مہر

[1428] (مقطوع صحیح) بیہقی: 8/ 236 (17051)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

وَلَا عُقُوبَةَ عَلَى الْمُغْتَصَبَةِ فِي ذَلِكَ كُلِّهِ، وَإِنْ كَانَ الْمُغْتَصِبُ عَبْداً، فَذَلِكَ عَلَى سَيِّدِهِ، إِلَّا أَنْ يَشَاءَ أَنْ يُسَلِّمَهُ.

مثل واجب ہوگا، اور اگر وہ لونڈی ہوتو اس پر وہ رقم لازم ہوگی جو (اس زنا کی وجہ سے) اس کی قیمت میں سے کمی ہوگئی ہے اور اس زنا کی سزا صرف اور صرف غصب کرنے والے مرد پر ہے اور ان تمام صورتوں میں غصب کی جانے والی عورت پر کوئی سزا نہیں ہے، اور اگر غصب کرنے والا کوئی غلام ہوتو یہ (حق مہر والا جرمانہ) اس کے آقا کے ذمے ہوگا، اِلّا یہ کہ وہ اس (غلام) کو (مظلوم عورت کے خاندان والوں کے) سپرد کرنا چاہے (تو یہ بھی درست ہے۔)

17- بَابٌ: الْقَضَاءُ فِي اسْتِهْلَاكِ الْحَيَوَانِ وَالطَّعَامِ وَغَيْرِهِ

(کسی کا) جانور یا اناج ختم کر دینے کے متعلق فیصلے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کے تین فتاویٰ جات مذکور ہیں۔

فائدہ :...... "اِسْتِهْلَاك" کا لفظ عموماً کسی چیز کو استعمال کر دینے اور صرف کر دینے کے لیے مستعمل ہے۔ یہاں اس سے مراد تلف کرنا، ضائع کرنا اور ہلاک کرنا ہے، جس طرح کہ لڑائی جھگڑوں میں ایک دوسرے کی چیزیں توڑ پھوڑ دی جاتی ہیں۔

قَالَ يَحْيَى: سَمِعْتُ مَالِكاً يَقُولُ: الأَمْرُ عِنْدَنَا فِيمَنِ اسْتَهْلَكَ شَيْئاً مِنَ الْحَيَوَانِ بِغَيْرِ إِذْنِ صَاحِبِهِ: أَنَّ عَلَيْهِ قِيمَتَهُ يَوْمَ اسْتَهْلَكَهُ، لَيْسَ عَلَيْهِ أَنْ يُؤْخَذَ بِمِثْلِهِ مِنَ الْحَيَوَانِ، وَلَا يَكُونُ لَهُ أَنْ يُعْطِيَ صَاحِبَهُ فِيمَا اسْتَهْلَكَ شَيْئاً مِنَ الْحَيَوَانِ، وَلَكِنْ عَلَيْهِ قِيمَتُهُ يَوْمَ اسْتَهْلَكَهُ، الْقِيمَةُ أَعْدَلُ ذَلِكَ فِيمَا بَيْنَهُمَا فِي الْحَيَوَانِ وَالْعُرُوضِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں اس شخص جو کسی جانور کو اس کے مالک کی اجازت کے بغیر استعمال کر کے تلف کر دے، کے متعلق حکم یہ ہے کہ بلاشبہ اس پر اس جانور کی اس دن والی قیمت لازم ہے جس میں اس نے اسے تلف کیا ہو۔ اس پر یہ لازم نہیں کہ (اس سے) اس جیسا جانور وصول کیا جائے۔ اور اس کے لیے جائز نہیں کہ اس نے جو کچھ بھی تلف کر ڈالا ہو، اس کے بدلے اس کے مالک کو کوئی جانور دے، بلکہ اس پر اس دن کی قیمت لازم ہے جس میں اس نے اسے ضائع کیا تھا۔ فریقین کے مابین حیوان یا دوسرے سامان اسباب کے متعلق قیمت (کی ادائیگی) ہی سب سے زیادہ انصاف والی چیز ہے۔

فائدہ :...... یعنی نہ تو یہ جائز ہے کہ مالک اس سے جانور ہی کا مطالبہ کرے اور نہ اس کے لیے یہ جائز ہے کہ خود کوئی جانور ہی دے۔ نہ وہ جانور دینے پر اصرار کرے اور نہ اسے جانور کی ادائیگی پر مجبور کیا جائے، بلکہ وہ قیمت ہی ادا کرے۔

قَالَ يَحْيَى: وَسَمِعْتُ مَالِكاً يَقُولُ: فِيمَنْ اسْتَهْلَكَ شَيْئاً مِنَ الطَّعَامِ بِغَيْرِ إِذْنِ صَاحِبِهِ، فَإِنَّمَا يَرُدُّ عَلَى صَاحِبِهِ مِثْلَ طَعَامِهِ بِمَكِيلَتِهِ مِنْ صِنْفِهِ، وَإِنَّمَا الطَّعَامُ بِمَنْزِلَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ، إِنَّمَا يَرُدُّ مِنَ الذَّهَبِ الذَّهَبَ وَمِنَ الْفِضَّةِ الْفِضَّةَ، وَلَيْسَ الْحَيَوَانُ بِمَنْزِلَةِ الذَّهَبِ فِي ذَلِكَ، فَرَقَ بَيْنَ ذَلِكَ السُّنَّةُ وَالْعَمَلُ الْمَعْمُولُ بِهِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جس شخص نے کسی اناج کو اس کے مالک کی اجازت کے بغیر ضائع کر دیا تو بلاشبہ وہ تو اس کے مالک کی طرف اسی اناج کی مثل اسی کی قسم سے اس (ضائع شدہ) کے ماپ کے برابر ہی لوٹائے گا اور بلاشبہ اناج تو سونے اور چاندی کی مثل ہے اور یقیناً (سونا، چاندی تلف کرنے کی صورت میں) سونے کی جگہ سونا اور چاندی کے بدلے چاندی ہی لوٹائی جاتی ہے اور اس (واپس لوٹانے کے) معاملے میں جانور، سونے کی طرح نہیں ہے۔ اس میں سنت اور اس عمل نے فرق کیا ہے جو کہ معمول بہ ہے۔

فائدہ:...... امام مالک رحمہ اللہ کا مشہور موقف یہی ہے کہ ہر وہ چیز جسے ماپ تول کر نہ بیچا جاتا ہو اس کو ضائع کر دینے کی صورت میں اس کی قیمت ادا کی جائے گی اور ان چیزوں میں جانور اور سامان و اسباب شامل ہیں اور جن چیزوں کو ماپ کر یا تول کر بیچا جاتا ہو ان میں انھی کی ہم جنس چیز ہی واپس کی جائے گی۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ہر صورت میں ہلاک شدہ چیز کی مثل اور مشابہ چیز ہی لوٹائی جائے گی الّا یہ کہ وہ ملتی نہ ہو تو پھر قیمت لوٹائیں گے، جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے: ﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ﴾ (النحل 126) ''اور اگر تم بدلہ لو تو اسی کی مثل بدلہ لو جو تمھیں تکلیف پہنچائی گئی ہو'' ۔ اور جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہدیہ بھیجنے والی ام المؤمنین کو اس کے پیالے جیسا پیالہ ہی بدلے میں لوٹایا تھا جس وقت کہ اسے سیدہ عائشہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے غیرت میں آ کر توڑ ڈالا تھا۔ (بخاری: 2481) یہی دوسرا قول راجح ہے۔

قَالَ يَحْيَى: وَسَمِعْتُ مَالِكاً يَقُولُ: إِذَا اسْتُودِعَ الرَّجُلُ مَالاً فَابْتَاعَ بِهِ لِنَفْسِهِ، وَرَبِحَ فِيهِ، فَإِنَّ ذَلِكَ الرِّبْحَ لَهُ، لِأَنَّهُ ضَامِنٌ لِلْمَالِ، حَتَّى يُؤَدِّيَهُ إِلَى صَاحِبِهِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جب کسی شخص کے پاس کچھ مال بطور امانت رکھا جائے، تو وہ اس سے اپنے لیے خریداری کر لے اور اس میں نفع کما لے تو بلاشبہ نفع اسی کا ہوگا کیونکہ یقیناً وہی مال کا ضامن ہے یہاں تک کہ اسے اس کے مالک کی طرف ادا کر دے۔

فائدہ:...... امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وہ اس نفع کو صدقہ کر دے۔ یاد رہے کہ امانت کا خصوصی خیال رکھنا چاہیے، ارشادِ الٰہی ہے: ﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ﴾ (المؤمنون 8:23، المعارج

(32:70) ''اور وہ اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا خیال رکھنے والے ہیں''۔ نیز امانت کی ضمانت نہیں ہوا کرتی، ہاں اگر اس میں تصرّف کیا جائے تو پھر تصرّف کرنے والا اس کا ضامن بن جاتا ہے، چنانچہ اگر اس صورت میں امانت والی چیز ہلاک ہو تو اس کی چٹی بھرنا ہوگی۔

18- بَابٌ: اَلْقَضَاءُ فِيمَنِ ارْتَدَّ عَنِ الإِسْلَامِ

اسلام سے مرتد ہو جانے والے کے بارے میں فیصلے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں دو روایات ہیں۔ ایک مرفوع (حدیث نبوی ﷺ) ہے جو کہ بخاری و مسلم میں بھی موجود ہے اور ایک موقوف (اثرِ صحابی رضی اللہ عنہ) ہے جو کہ سنداً ضعیف ہے۔ نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

فائدہ: ......مرتد وہ شخص ہے جو اسلام سے نکل کر کوئی اور مذہب اختیار کر لے اور علانیہ طور پر کفر کا رخ کرلے، اس سے توبہ طلب کی جاتی ہے، بصورت دیگر اس کی سزا قتل ہے۔ زندیق وہ شخص ہے جو باطن میں کافر ہے اور ظاہر میں مسلمان اور وہ اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اسلام ہی کی جڑیں خراب کرنے کے لیے اپنے باطل نظریات کی اشاعت کرتا ہو۔ ایسا شخص پکڑا جائے تو پھر اس کی سزا قتل ہی ہے، گرفتاری کے بعد اس کی توبہ غیر معتبر ہے۔

[1429] حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: مَنْ غَيَّرَ دِينَهُ فَاضْرِبُوا عُنُقَهُ.

زید بن اسلم رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے اپنا دین بدل لیا تو تم اس کی گردن مار ڈالو۔''

فائدہ: ......اس روایت میں دین سے مراد اسلام اور مخاطب اہل اسلام ہیں، لہٰذا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص اسلام چھوڑ دے اس کی سزا قتل ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ اور اہلحدیث کے نزدیک ہر مرتد واجب القتل ہے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، مرتد عورت کو قتل نہ کرنے کے قائل ہیں۔

قَالَ يَحْيَى: سَمِعْتُ مَالِكًا يَقُولُ: وَمَعْنَى قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ فِيمَا نُرَى وَاللَّهُ أَعْلَمُ مَنْ غَيَّرَ دِينَهُ فَاضْرِبُوا عُنُقَهُ. أَنَّهُ مَنْ خَرَجَ مِنَ الإِسْلَامِ إِلَى غَيْرِهِ، مِثْلُ الزَّنَادِقَةِ وَأَشْبَاهِهِمْ، فَإِنَّ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کے فرمان ''جس نے اپنا دین بدل لیا تو تم اس کی گردن مار ڈالو'' کا مفہوم ہماری رائے میں۔ واللہ اعلم۔ یہ ہے کہ جو شخص اسلام سے نکل کر کسی اور دین میں چلا گیا (اس انداز میں کہ جس

[1429] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب الجهاد والسير، باب لا يعذب بعذاب الله، حديث: 3017، 6922، سنن ابي داود، كتاب الحدود، باب الحكم فيمن ارتد، حديث: 4351، ترمذي: 1458، نسائي: 4064، ابن ماجه: 2535، احمد: 1/ 217 (1871).

أُولَئِكَ إِذَا ظُهِرَ عَلَيْهِمْ قُتِلُوا، وَلَمْ يُسْتَتَابُوا: لِأَنَّهُ لَا تُعْرَفُ تَوْبَتُهُمْ، وَأَنَّهُمْ كَانُوا يُسِرُّونَ الْكُفْرَ وَيُعْلِنُونَ الْإِسْلَامَ، فَلَا أَرَى أَنْ يُسْتَتَابَ هَؤُلَاءِ، وَلَا يُقْبَلُ مِنْهُمْ قَوْلُهُمْ، وَأَمَّا مَنْ خَرَجَ مِنَ الْإِسْلَامِ إِلَى غَيْرِهِ، وَأَظْهَرَ ذَلِكَ، فَإِنَّهُ يُسْتَتَابُ، فَإِنْ تَابَ، وَإِلَّا قُتِلَ، وَذَلِكَ لَوْ أَنَّ قَوْمًا كَانُوا عَلَى ذَلِكَ، رَأَيْتُ أَنْ يُدْعَوْا إِلَى الْإِسْلَامِ وَيُسْتَتَابُوا، فَإِنْ تَابُوا قُبِلَ ذَلِكَ مِنْهُمْ، وَإِنْ لَمْ يَتُوبُوا قُتِلُوا، وَلَمْ يُعْنَ بِذَلِكَ فِيمَا نُرَى وَاللّٰهُ أَعْلَمُ مَنْ خَرَجَ مِنَ الْيَهُودِيَّةِ إِلَى النَّصْرَانِيَّةِ، وَلَا مِنَ النَّصْرَانِيَّةِ إِلَى الْيَهُودِيَّةِ، وَلَا مَنْ يُغَيِّرُ دِينَهُ مِنْ أَهْلِ الْأَدْيَانِ كُلِّهَا إِلَّا الْإِسْلَامَ، فَمَنْ خَرَجَ مِنَ الْإِسْلَامِ إِلَى غَيْرِهِ وَأَظْهَرَ ذَلِكَ، فَذَلِكَ الَّذِي عُنِيَ بِهِ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

میں توبہ نہیں ہوتی) مثلاً زندیق اور ان جیسے لوگ تو بے شک ان لوگوں پر جب غلبہ پالیا جائے (اور وہ گرفتار ہو جائیں) تو انھیں قتل کر دیا جائے گا اور ان سے توبہ بھی طلب نہ کی جائے گی کیونکہ بلاشبہ ہمیں ان کی توبہ (کی حقیقت) کا پتا نہ چل سکے گا، (ان کی توبہ پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا) اور بلاشبہ وہ کفر کو (دلوں میں) چھپاتے ہیں اور اسلام کو ظاہر کرتے ہیں، تو میں یہ نہیں سمجھتا کہ ان سے توبہ طلب کی جائے اور نہ ہی ان سے ان کا قول قبول کیا جائے گا......اور رہا وہ شخص جو اسلام سے نکل کر کسی اور دین کی طرف چلا گیا اور اس نے اسے ظاہر بھی کر دیا تو یقیناً اس سے توبہ طلب کی جائے گی، چنانچہ اگر وہ توبہ کر لے (تو ٹھیک ہے)، ورنہ اسے قتل کر دیا جائے گا۔ اور یہ اس طرح ہے کہ اگر کچھ لوگ اس صورتحال پر ہوں تو میرے خیال میں انھیں (دوبارہ) اسلام (قبول کرنے) کی دعوت دی جائے گی اور ان سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا، پھر اگر وہ توبہ کر لیں تو ان سے یہ توبہ قابل قبول ہوگی اور اگر وہ توبہ تائب نہ ہوں تو انھیں قتل کر دیا جائے گا اور ہمارا خیال یہ ہے۔ باقی اللہ بہتر جانتا ہے کہ اس (فرمان نبوی ﷺ) سے یہ مراد نہیں لیا گیا کہ جو شخص یہودیت سے عیسائیت کی طرف نکل جائے، نہ ہی جو عیسائیت سے یہودیت کی طرف نکل جائے اور نہ ہی ہر وہ شخص مراد ہے جو اسلام کے علاوہ باقی تمام مذاہب والوں میں سے اپنے دین کو تبدیل کرتا ہے۔ ہاں وہ شخص جو اسلام سے نکل کر کسی اور (مذہب) کی طرف جائے اور اسے ظاہر کر دے تو یہی ہے وہ جسے آپ ﷺ نے مراد لیا ہے۔ واللہ اعلم۔

فائدہ: ......یعنی حدیث مبارکہ میں "دِيْنَهُ" سے مراد صرف اور صرف اسلام ہے کہ جو دین اسلام کو تبدیل کرے، اسے چھوڑ دے اور اس سے منہ موڑ لے۔ پھر ان کی دو قسمیں ہیں: زندیق اور عام مرتد۔ زندیق کو بغیر توبہ طلب کیے قتل کیا جائے گا اور مرتد پر توبہ پیش کی جائے گی۔

[1430] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدٍ الْقَارِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ قَالَ: قَدِمَ عَلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَجُلٌ مِنْ قِبَلِ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ، فَسَأَلَهُ عَنِ النَّاسِ فَأَخْبَرَهُ، ثُمَّ قَالَ لَهُ عُمَرُ: هَلْ كَانَ فِيكُمْ مِنْ مُغَرِّبَةِ خَبَرٍ؟ فَقَالَ نَعَمْ: رَجُلٌ كَفَرَ بَعْدَ إِسْلَامِهِ. قَالَ: فَمَا فَعَلْتُمْ بِهِ؟ قَالَ: قَرَّبْنَاهُ فَضَرَبْنَا عُنُقَهُ. فَقَالَ عُمَرُ: أَفَلَا حَبَسْتُمُوهُ ثَلَاثاً، وَأَطْعَمْتُمُوهُ كُلَّ يَوْمٍ رَغِيفاً، وَاسْتَتَبْتُمُوهُ لَعَلَّهُ يَتُوبُ، وَيُرَاجِعُ أَمْرَ اللّٰهِ، ثُمَّ قَالَ عُمَرُ: اللّٰهُمَّ إِنِّي لَمْ أَحْضُرْ، وَلَمْ آمُرْ، وَلَمْ أَرْضَ إِذْ بَلَغَنِي.

عبدالرحمٰن بن محمد بن عبداللہ بن عبد رحمہ اللہ جو قارہ قبیلے کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں، اپنے والد (محمد بن عبداللہ رحمہ اللہ) سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے کہا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ (جو عہد نبوی ﷺ سے عہدِ فاروقی تک یمن میں قاضی رہے) کی طرف سے ایک آدمی آیا۔ انھوں نے اس سے لوگوں کے متعلق سوال کیا تو اس نے انھیں (ان کے متعلق کچھ) بیان کیا۔ پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا کہ کیا تمھارے پاس کوئی انوکھی خبر ہے؟ (اور کوئی نئی تازی سناؤ) اس نے کہا کہ جی ہاں، ایک آدمی اپنے اسلام لانے کے بعد کافر ہو گیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پھر تم نے اس کے ساتھ کیا کیا؟ اس نے کہا کہ ہم نے اسے (قتل گاہ کے) قریب کیا اور اس کی گردن مار ڈالی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم نے اسے تین دن تک قید کیوں نہ رکھا اور اسے ہر روز ایک روٹی کیوں نہ کھلائی اور اس سے توبہ کیوں نہ طلب کی، شاید کہ وہ توبہ کر ہی لیتا اور دوبارہ اللہ کا حکم مان (کر اسلام قبول کر) لیتا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے اللہ! بے شک میں وہاں نہ حاضر تھا، نہ میں نے اس کا حکم دیا تھا اور جب مجھے یہ خبر پہنچی تو میں اس پر راضی بھی نہیں ہوا۔

فائدہ: ......جمہور کے نزدیک مرتد پر قابو پانے کے بعد اسے توبہ کے لیے مہلت دی جائے گی۔ حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم تین دن تک مہلت دینے کے قائل تھے۔ بعض فقہاء کے ہاں مہلت دینا محض مستحب ہے، لازم نہیں ہے۔

19- بَابٌ: الْقَضَاءُ فِيمَنْ وَجَدَ مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلاً

اس شخص کے متعلق فیصلے کا بیان جو اپنی بیوی کے ساتھ کسی آدمی کو پا لے

خلاصۃ الباب اس باب میں دو روایات ہیں، ایک مرفوع (حدیث نبوی ﷺ) ہے جو صحیح مسلم میں بھی موجود

[1430] (موقوف ضعيف) بيهقى فى السنن الكبرى: 8/ 206، وفى معرفة السنن والآثار: 6/ 309 (5032)، عبدالرزاق: 10/ 164، سعيد بن منصور: 2585، الشافعى فى الام: 1/ 258۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔

ہے اور ایک موقوف (اثر صحابی رضی اللہ عنہ) ہے اور وہ بھی سنداً صحیح ہے۔

[1431] حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ السَّمَّانِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ : أَنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ قَالَ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ : أَرَأَيْتَ إِنْ وَجَدْتُ مَعَ امْرَأَتِي رَجُلاً، أَأُمْهِلُهُ حَتَّى آتِيَ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : نَعَمْ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے اس بارے میں خبر دیجیے کہ اگر میں اپنی بیوی کے ساتھ کسی آدمی کو پالوں تو کیا اسے مہلت دوں یہاں تک کہ چار گواہ لے کر آؤں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں''۔

فائدہ: ......یعنی غیرت میں آ کر اسے قتل نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ چار گواہ نہ ہوں یا وہ خود اعتراف نہ کرے۔ اگر اس زانی یا زانیہ بیوی کو قتل کر دیا گیا تو جمہور کے نزدیک خاوند سے قصاص لیا جائے گا۔ امام احمد رحمہ اللہ کا موقف یہ ہے کہ اگر اس خاوند نے ثبوت پیش کر دیا تو پھر قصاص نہ ہوگا۔ امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا جائے گا...... ایسے موقع پر شریعت نے خاوند بیوی کے مابین لعان کی صورت رکھی ہے۔ جس کا تذکرہ سورۂ نور کے آغاز میں ہے، اور اس کا تفصیلی بیان پیچھے کتاب الطلاق کے باب :۱۳ میں گزر چکا ہے۔

[1432] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، أَنَّ رَجُلاً مِنْ أَهْلِ الشَّامِ - يُقَالُ لَهُ ابْنُ خَيْبَرِيٍّ - وَجَدَ مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلاً فَقَتَلَهُ، أَوْ قَتَلَهُمَا مَعاً، فَأَشْكَلَ عَلَى مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ الْقَضَاءُ فِيهِ، فَكَتَبَ إِلَى أَبِي مُوسَى الأَشْعَرِيِّ يَسْأَلُ لَهُ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ عَنْ ذَلِكَ، فَسَأَلَ أَبُو مُوسَى عَنْ ذَلِكَ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ، فَقَالَ لَهُ عَلِيٌّ : إِنَّ هَذَا الشَّيْءَ مَا هُوَ بِأَرْضِي،

سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے روایت ہے (کہتے ہیں) کہ اہلِ شام میں سے ایک آدمی جسے ابن خیبری رحمہ اللہ کہا جاتا تھا، نے مجھے خبر دی کہ اس نے اپنی بیوی کے ساتھ ایک آدمی کو پایا تو اسے یا دونوں کو ایک ساتھ قتل کر ڈالا۔ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما پر فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا تو انھوں نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی طرف (یہ پیغام) لکھا کہ وہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں سوال کریں۔ چنانچہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں پوچھا تو حضرت

[1431] (مرفوع صحيح) صحيح مسلم، كتاب اللعان، حديث: 1498/ 15، سنن ابى داود، كتاب الديات، باب فيمن وجد مع اهله رجلاأيقتله، حديث:4533، ابن ماجه:2605، احمد:2/ 465(10008).

[1432] (موقوف صحيح) بيهقى فى السنن الكبرى: 8/ 230، وفى معرفة السنن والآثار: 6/ 348 (5083)، الشافعى فى الام:6/ 137، ابن ابى شيبه:27870۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

عَزَمْتُ عَلَيْكَ لَتُخْبِرَنِّي. فَقَالَ لَهُ أَبُو مُوسَى: كَتَبَ إِلَيَّ مُعَاوِيَةُ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ أَنْ أَسْأَلَكَ عَنْ ذَلِكَ. فَقَالَ عَلِيٌّ: أَنَا أَبُو حَسَنٍ إِنْ لَمْ يَأْتِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَلْيُعْطَ بِرُمَّتِهِ.

علی رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا، یقیناً یہ چیز میرے علاقے (عراق) میں تو نہیں ہے، میں تمھیں قسم دیتا ہوں کہ مجھے اس کے متعلق (تفصیل سے) بتاؤ، تو حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے میری طرف لکھا تھا کہ میں آپ سے اس بارے میں پوچھوں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: (واقعی) میں ابوالحسن ہوں، (فیصلہ یہ ہے کہ) اگر وہ (قاتل شوہر اس زنا کے دعوے پر) چار گواہ نہ لا سکے تو اس کی رسی (مقتول کے ورثاء کے ہاتھوں میں) دے دی جائے۔

فائدہ: ...... "رمة" کے معنی اس رسی کے ہیں جس سے قیدی کو باندھا جاتا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ وہ قاتل قصاص کے لیے تیار ہو جائے اور اسے مقتول افراد کے ورثاء کے سپرد کر دیا جائے، آگے ان کی مرضی ہے، چاہیں تو قصاص لے لیں یا دیت وصول کر لیں یا معاف کر دیں...... حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوالحسن تھی اور اللہ تعالیٰ نے انھیں یہ انوکھی صلاحیت عطا فرما رکھی تھی کہ وہ مشکل اور الجھے ہوئے معاملات کا حل بآسانی ڈھونڈ لیتے تھے، حتی کہ اس حوالے سے یہ ضرب المثل مشہور ہو گئی کہ ((قَضِيَّةٌ وَلَا أَبَا حَسَنٍ لَهَا)) "یہ ایک مقدمہ (جھگڑے والا معاملہ) ہے اور (لیکن) اس (کے حل) کے لیے کوئی ابوالحسن نہیں ہے۔"

20- بَابٌ: الْقَضَاءُ فِي الْمَنْبُوذِ
پھینکے ہوئے بچے کے متعلق فیصلے کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں ایک موقوف روایت (اثر صحابی رضی اللہ عنہ) ہے جو سنداً صحیح ثابت ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

فائدہ: ......ایسے بچے کو "لَقِيط" بھی کہتے ہیں۔ یہ بچہ بے نسب ہوتا ہے لیکن جو شخص اسے اٹھا کر پالنا شروع کر دے وہ اس کی وراثت پاتا ہے اور یہ بچہ آزاد ہی شمار ہوتا ہے۔

[1433] قَالَ يَحْيَى: قَالَ مَالِكٌ: عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سُنَيْنٍ أَبِي جَمِيلَةَ رَجُلٌ مِنْ بَنِي سُلَيْمٍ، أَنَّهُ وَجَدَ مَنْبُوذاً فِي زَمَانِ عُمَرَ بْنِ

سنین ابی جمیلہ رحمہ اللہ جو کہ بنوسلیم میں سے ایک شخص ہیں، سے روایت ہے کہ انھوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک پھینکا ہوا بچہ پایا، وہ کہتے ہیں کہ میں اسے

[1433] (موقوف صحيح) صحيح البخاري، كتاب الشهادات، باب اذا زكى رجل رجلا كفاه، قبل از حديث: 2662، عبدالرزاق: 7/ 450 (13840)، ابن ابی شیبہ: 6/ 298 (31560)، بیہقی: 6/ 201 (12133)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

الْخَطَّابِ، قَالَ: فَجِئْتُ بِهِ إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، فَقَالَ: مَا حَمَلَكَ عَلَى أَخْذِ هَذِهِ النَّسَمَةِ؟ فَقَالَ: وَجَدْتُهَا ضَائِعَةً فَأَخَذْتُهَا. فَقَالَ لَهُ عَرِيفُهُ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ إِنَّهُ رَجُلٌ صَالِحٌ. فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: أَكَذَلِكَ؟ قَالَ: نَعَمْ. فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: اذْهَبْ فَهُوَ حُرٌّ، وَلَكَ وَلَاؤُهُ، وَعَلَيْنَا نَفَقَتُهُ.

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس لے آیا تو انھوں نے فرمایا: تمھیں کس چیز نے آمادہ کیا کہ اس (ننھی سی) جان کو پکڑ لو؟ انھوں نے کہا کہ میں نے اسے ضائع ہوتے ہوئے پایا تو اسے پکڑ لیا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان کے عریف (لوگوں کی جان پہچان رکھنے میں ماہر شخص یا نگران اور ذمہ دار) نے عرض کیا کہ اے امیرالمؤمنین! بلاشبہ یہ ایک نیک شخص ہے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا (واقعی یہ) اسی طرح (ہے)؟ اس نے کہا کہ جی ہاں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جاؤ، یہ آزاد ہے اس کی ولاء تمھارے لیے ہوگی اور اس کا خرچہ ہمارے ذمے ہے۔

فائدہ: ......یعنی بیت المال سے ہم اس کا وظیفہ مقرر کر دیتے ہیں، البتہ اگر اس کی موت کے وقت اس کا کوئی (بیٹا، پوتا) وارث نہ ہوا تو تم ہی اس کے وارث ہوگے اور اس بچے کو غلام بھی نہ سمجھا جائے گا۔ ''عَرِیف'' وہ شخص ہوتا ہے جو لوگوں سے جان پہچان اور ان کے امور و حالات کی معرفت رکھنے والا ہوتا تھا اور حاکم کے پاس رہتا تھا تاکہ بوقت ضرورت اس سے افراد کے متعلق تفصیل معلوم کی جا سکے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عریف کا نام سنان تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو مختلف سوالات کیے ان سے دراصل یہ تحقیق مقصود تھی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ بچہ اس آنے والے شخص ہی کا ہو اور وہ محض بیت المال سے وظیفہ لگوانے کے لالچ میں اسے پھینکا ہوا ظاہر کر رہا ہو۔ کچھ مزید بھی احتمالات ممکن تھے جن کی نفی عریف کے قول سے ہو گئی تھی۔

قَالَ يَحْيَى: سَمِعْتُ مَالِكًا يَقُولُ: الْأَمْرُ عِنْدَنَا فِي الْمَنْبُوذِ أَنَّهُ حُرٌّ: وَأَنَّ وَلَاءَهُ لِلْمُسْلِمِينَ، هُمْ يَرِثُونَهُ وَيَعْقِلُونَ عَنْهُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: پھینکے ہوئے بچے کے متعلق ہمارے ہاں یہی حکم ہے کہ بلاشبہ وہ آزاد ہے اور بے شک اس کی ولاء تمام مسلمانوں کے لیے ہوگی، وہ اس کے وارث بنیں گے اور وہی اس کی طرف سے دیت ادا کریں گے۔

فائدہ: ......یعنی کسی خاص فرد کے ساتھ اس کا تعلق ولاء قائم نہ ہوگا، بلکہ اس کی وراثت بیت المال میں جائے گی اور مسلمانوں کے مشترکہ امور میں استعمال ہوگی، اس طرح یہ بچہ کسی ایسے جرم کا ارتکاب کرے جس میں دیت لازم ہوتی ہو تو اس کی ادائیگی بھی بیت المال ہی سے ہوگی، اِلّا یہ کہ خود اس کے پاس کافی مال جمع ہو چکا ہو۔ واللہ اعلم۔

21- بَابٌ: الْقَضَاءُ بِإِلْحَاقِ الْوَلَدِ بِأَبِيهِ

بچے کو اس کے باپ کے ساتھ ملانے کے متعلق فیصلے کا بیان

خلاصة الباب اس باب میں چار روایات ہیں، ایک مرفوع (حدیث نبوی ﷺ) ہے جو کہ بخاری و مسلم میں بھی موجود ہے اور تین موقوف (آثار صحابہ ﷺ) ہیں جن میں سے ایک سنداً صحیح اور دو ضعیف ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

[1434] قَالَ يَحْيَى: عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ، أَنَّهَا قَالَتْ: كَانَ عُتْبَةُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ عَهِدَ إِلَى أَخِيهِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ: أَنَّ ابْنَ وَلِيدَةِ زَمْعَةَ مِنِّي فَاقْبِضْهُ إِلَيْكَ. قَالَتْ: فَلَمَّا كَانَ عَامُ الْفَتْحِ أَخَذَهُ سَعْدٌ وَقَالَ: ابْنُ أَخِي قَدْ كَانَ عَهِدَ إِلَيَّ فِيهِ. فَقَامَ إِلَيْهِ عَبْدُ بْنُ زَمْعَةَ فَقَالَ: أَخِي وَابْنُ وَلِيدَةِ أَبِي، وُلِدَ عَلَى فِرَاشِهِ. فَتَسَاوَقَا إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، فَقَالَ سَعْدٌ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ ابْنُ أَخِي، قَدْ كَانَ عَهِدَ إِلَيَّ فِيهِ. وَقَالَ عَبْدُ بْنُ زَمْعَةَ: أَخِي وَابْنُ وَلِيدَةِ أَبِي وُلِدَ عَلَى فِرَاشِهِ. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: هُوَ لَكَ يَا عَبْدُ بْنَ زَمْعَةَ. ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: الْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ، وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ. ثُمَّ قَالَ لِسَوْدَةَ بِنْتِ زَمْعَةَ: احْتَجِبِي مِنْهُ. لِمَا رَأَى مِنْ شَبَهِهِ

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ پیغمبر ﷺ سے روایت ہے، کہتی ہیں کہ عتبہ بن ابی وقاص (مشرک) نے (اپنے مسلمان بھائی) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو یہ وصیت کی تھی کہ بے شک (ام المؤمنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کے والد) زمعہ کی لونڈی کا بیٹا مجھ سے ہے، (میں نے اس سے زنا کیا تھا، جب وہ پیدا ہو) تو تم اسے لینا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ پھر جب فتح مکہ کا سال آیا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اسے لے لیا اور کہا کہ یہ میرے بھائی کا بیٹا (اور میرا بھتیجا) ہے، جو مجھے اس کے متعلق وصیت کر گیا تھا۔ تو (ام المؤمنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کے بھائی، نبی کریم ﷺ کے نسبتی بھائی) حضرت عبد بن زمعہ رضی اللہ عنہ اس (بچے) کی طرف کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ (یہ تو) میرا بھائی ہے اور میرے باپ کی لونڈی کا بیٹا ہے (اور) انھی (یعنی میرے باپ) کے بستر پر پیدا ہوا ہے۔ چنانچہ وہ دونوں ایک دوسرے کو فیصلے کے لیے رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آئے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ اے اللہ کے رسول! یہ میرے بھائی کا

[1434] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب البيوع، باب تفسير المشبهات، حديث: 2053، 2218، 2421، 2533، 2745، 4303، 6749، 6765، 6817، 7182، صحيح مسلم، كتاب الرضاع، باب الولد للفراش وتوقي الشبهات، حديث: 1457، نسائي: 3514، ابن ماجه: 2004، احمد: 6/ 37 (24587)، دارمي: 2236.

بِعُتْبَةَ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ ، قَالَتْ : فَمَا رَآهَا حَتَّى لَقِيَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ .

بیٹا ہے، وہ مجھے اس کے متعلق وصیت کر گیا تھا، اور حضرت عبد بن زمعہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ یہ میرا بھائی ہے اور میرے باپ کی لونڈی کا بیٹا ہے، انھی کے بستر پر پیدا ہوا ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے عبد بن زمعہ! یہ تمھارے لیے ہے (شرعاً ونسباً یہ تمھارا بھائی شمار ہے)۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بچہ بستر (والے) کے لیے ہے (جس وقت کہ وہ اس کا انکار نہ کرے) اور زانی کے لیے پتھر ہیں''۔ (اور وہ شادی شدہ ہوا تو اسے رجم کیا جائے گا یا یہ بچہ اس کے حق میں پتھر کی طرح ہے جس سے نسب قائم نہیں ہوتا۔) پھر آپ ﷺ نے (اپنی اہلیہ) سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''(اگرچہ نسب میں یہ بچہ تمھارا بھائی شمار ہے لیکن) تم اس سے پردہ کرتی رہنا''۔ (آپ ﷺ نے یہ حکم فرمایا) اس مشابہت کی وجہ سے جو آپ ﷺ نے اس بچے کی (زنا کرنے والے) عتبہ سے دیکھی تھی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ پھر وہ لڑکا انھیں (یعنی اپنی بہن سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا) کو نہ دیکھ سکا یہاں تک کہ وہ اللہ عزوجل سے جاملا۔

فائدہ: ...... آپ ﷺ کا پہلا فرمان فتویٰ تھا کہ شرعی حکم اسی طرح ہی صادر کیے جاتے ہیں اور قانون اجماعی ہوا کرتے ہیں، جبکہ آپ ﷺ کے فرمان کا آخری حصہ بطور تقویٰ تھا۔ یہ لڑکا چھوٹے صحابہ رضی اللہ عنہم میں شمار ہوتا ہے جس کا نام عبدالرحمٰن رکھا گیا۔ دراصل دورِ جاہلیت میں لونڈیوں سے اسی طرح زنا ہوا کرتا تھا اور لوگ بھی فخر سے زنا کے بچوں پر دعویٰ کیا کرتے تھے کیونکہ اہل عرب کی لڑکوں کی شدید ضرورت ہوا کرتی تھی تا کہ جنگوں اور کاروبار میں مدد حاصل ہو۔ اسلام نے یہ سلسلہ ختم کر دیا اور باعث فخر چیز کو باعث عیب قرار دے دیا۔

[1435] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْهَادِي، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ الْحَارِثِ التَّيْمِيِّ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي أُمَيَّةَ، أَنَّ امْرَأَةً هَلَكَ عَنْهَا زَوْجُهَا، فَاعْتَدَّتْ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا، ثُمَّ تَزَوَّجَتْ حِينَ حَلَّتْ، فَمَكَثَتْ عِنْدَ زَوْجِهَا أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَنِصْفَ شَهْرٍ، ثُمَّ وَلَدَتْ وَلَدًا تَامًّا، فَجَاءَ زَوْجُهَا إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَذَكَرَ ذَلِكَ لَهُ، فَدَعَا عُمَرُ نِسْوَةً

حضرت عبداللہ بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک ایک عورت کا خاوند ہلاک ہوگیا۔ اس نے چار ماہ دس دن عدت گزاری، پھر جب عدت ختم ہوئی تو اس نے شادی کر لی، وہ اپنے (نئے) خاوند کے پاس ابھی ساڑھے چار ماہ ہی ٹھہری تھی کہ اس نے پورا (صحیح سلامت) بچہ جنم دے دیا، (جو اس بات کی علامت تھا کہ یہ بچہ اس کے فوت شدہ خاوند سے ہے اور یہ عورت خاوند کی وفات کے وقت حاملہ تھی جس کی عدت وضع حمل یعنی بچے کی پیدائش پر ختم ہونا تھی، لہٰذا ثابت ہوگیا کہ عورت نے اپنی عدت کے

[1435] (موقوف صحيح) بيهقي في السنن الكبرى: 7/ 444(15559)، وفي السنن الصغير: 4/ 198 (4368)، وفي الخلافيات: 2/ 335۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

مِنْ نِسَاءِ الْجَاهِلِيَّةِ قُدَمَاءَ ، فَسَأَلَهُنَّ عَنْ ذٰلِكَ ، فَقَالَتِ امْرَأَةٌ مِنْهُنَّ : أَنَا أُخْبِرُكَ عَنْ هٰذِهِ الْمَرْأَةِ ، هَلَكَ عَنْهَا زَوْجُهَا حِينَ حَمَلَتْ مِنْهُ ، فَأُهْرِيقَتْ عَلَيْهِ الدِّمَاءُ ، فَحَشَّ وَلَدُهَا فِي بَطْنِهَا ، فَلَمَّا أَصَابَهَا زَوْجُهَا الَّذِي نَكَحَهَا ، وَأَصَابَ الْوَلَدَ الْمَاءُ تَحَرَّكَ الْوَلَدُ فِي بَطْنِهَا وَكَبِرَ. فَصَدَّقَهَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ ، وَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا ، وَقَالَ عُمَرُ : أَمَا إِنَّهُ لَمْ يَبْلُغْنِي عَنْكُمَا إِلَّا خَيْرٌ ، وَأَلْحَقَ الْوَلَدَ بِالْأَوَّلِ .

خاتمے سے پہلے ہی نیا نکاح کر لیا تھا ،)چنانچہ اس کا خاوند حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان کے سامنے اس کا تذکرہ کیا ، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دورِ جاہلیت کی پرانی (یعنی عمر رسیدہ بوڑھی) خواتین میں سے کچھ کو بلوایا اور ان سے اس بارے میں پوچھا (کہ کسی کو اس عورت کی مکمل صورت حال کا علم ہو تو واضح کرے) تو ان میں سے ایک عورت کہنے لگی کہ میں آپ کو اس عورت کے متعلق خبر دیتی ہوں ۔ اس کا خاوند اس وقت فوت ہوا تھا جب یہ حاملہ تھی ، پھر اسے (حالت حمل ہی میں) اس بچے (کی موجودگی) پر بھی حیض کا خون کثرت سے آنے لگا ، چنانچہ وہ بچہ اس کے پیٹ میں خشک ہو گیا (حمل تو رہا ، لیکن سوکھ سا گیا) پھر جب اس کے ساتھ اس کے (دوسرے) خاوند نے مباشرت کی جس نے اس سے (بعد میں) نکاح کر لیا تھا اور بچے کو پانی ملا تو اس نے اس کے پیٹ میں حرکت شروع کر دی (اور حمل دوبارہ تازہ ہو گیا) اور بڑھ گیا چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی تصدیق کی اور (خاوند بیوی) دونوں کے درمیان جدائی کرا دی (کیونکہ ان کا نکاح صحیح نہیں ہوا تھا) اور ان دونوں سے فرمایا : مجھے تم دونوں کے متعلق بھلائی کے علاوہ اور کوئی (غلط) خبر نہیں پہنچی اور انھوں نے اس بچے کو پہلے خاوند کے ساتھ لاحق کر دیا ۔

فائدہ :...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ معلوم کرنے کے لیے تحقیق کی تھی کہ عورت نے قصداً حمل چھپایا تھا یا نہیں ؟ اگر اس کا قصد ثابت ہو جاتا تو وہ سزا کی حق دار ٹھہرتی ۔

[1436] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ : أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَانَ يُلِيطُ أَوْلَادَ الْجَاهِلِيَّةِ بِمَنِ ادَّعَاهُمْ فِي الْإِسْلَامِ ، فَأَتَى رَجُلَانِ كِلَاهُمَا يَدَّعِي وَلَدَ امْرَأَةٍ ، فَدَعَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ قَائِفاً ، فَنَظَرَ إِلَيْهِمَا ، فَقَالَ الْقَائِفُ : لَقَدِ

سلیمان بن یسار رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ دورِ جاہلیت کے بچوں کو اس شخص کے ساتھ ملا دیا کرتے تھے جو اسلام میں (داخل ہونے کے بعد) ان کا دعویٰ کرتا ، چنانچہ (ایک دفعہ) دو آدمی آئے ، وہ دونوں ایک عورت کے بچے پر دعویٰ کر رہے تھے ، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک قیافہ شناس (جو جسم کے خدوخال وغیرہ

[1436] (موقوف ضعيف) بيهقي في السنن الكبرى: 10/ 263(21263)، وفي معرفة السنن والآثار: 7/ 470 (5999)، الشافعي في الأم: 6/ 247 ، عبدالرزاق: 7/ 361۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔

اشْتَرَكَا فِيهِ، فَضَرَبَهُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ بِالدِّرَّةِ، ثُمَّ دَعَا الْمَرْأَةَ فَقَالَ: أَخْبِرِينِي خَبَرَكِ، فَقَالَتْ: كَانَ هَذَا لأَحَدِ الرَّجُلَيْنِ يَأْتِينِي - وَهِيَ فِي إِبِلٍ لأَهْلِهَا - فَلا يُفَارِقُهَا حَتَّى يَظُنَّ وَتَظُنَّ أَنَّهُ قَدِ اسْتَمَرَّ بِهَا حَبَلٌ، ثُمَّ انْصَرَفَ عَنْهَا، فَأُهْرِيقَتْ عَلَيْهِ دِمَاءٌ، ثُمَّ خَلَفَ عَلَيْهَا هَذَا - تَعْنِي الآخَرَ - فَلا أَدْرِي مِنْ أَيِّهِمَا هُوَ. قَالَ: فَكَبَّرَ الْقَائِفُ، فَقَالَ عُمَرُ لِلْغُلَامِ: وَالِ أَيَّهُمَا شِئْتَ.

سے حساب لگا کر سلسلۂ نسب کا اندازہ لگا تا تھا) کو بلایا۔ اس نے ان دونوں کی طرف دیکھا، پھر وہ قیافہ شناس کہنے لگا کہ یقیناً وہ دونوں اس میں شریک ہیں، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس (قیافہ شناس) کو دُرّہ مارا (کیونکہ ایک بچے کے دو باپ نہیں ہوا کرتے) پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عورت (بچے کی ماں) کو بلایا اور اس سے کہا کہ مجھے اپنی خبر (تفصیل سے) سنا، تو وہ ان دونوں آدمیوں میں سے ایک کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگی کہ یہ میرے پاس آیا کرتا تھا، اس وقت وہ اپنے گھر والوں کے اونٹوں میں ہوتی تھی، پھر وہ اس سے جدا نہ ہوتا تھا (اور مسلسل آتا ہی رہتا تھا) یہاں تک کہ وہ (مرد) بھی اور وہ (عورت) بھی یہ گمان کر لیتے کہ حمل (ٹھہر گیا ہے اور) اس کے ساتھ جاری ہو چکا ہے۔ پھر وہ اس کے پاس سے چلا گیا اور اسے اس حمل کی موجودگی میں بہت خون آیا۔ بعد میں اس کے پاس یہ یعنی دوسرا شخص آیا، لہٰذا مجھے علم نہیں کہ یہ ان دونوں میں سے کس سے ہوا، سلیمان بن یسار رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ (اپنی بات کی سچائی سن کر خوشی سے) قیافہ شناس نے اللہ اکبر کہا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لڑکے سے کہا کہ تو ان میں سے جس سے چاہے رشتہ داری قائم کر لے۔

فائدہ: ......یعنی جو تجھے پسند ہو اس کو اپنا باپ بنالے، پھر تیرا سلسلہ نسب اسی کے ساتھ قائم ہوگا۔ قیافہ شناس کی رائے کے مطابق معاملے کی تفصیل یہ ہے کہ حمل پہلے شخص ہی سے ٹھہرا تھا لیکن بعد ازاں وہ خون کی بیماری کی وجہ سے پیٹ ہی میں خشک ہوگیا، پھر دوسرے شخص کے نطفے کی وجہ سے اسے پانی لگا تو وہ پھر ہرا بھرا ہوگیا، یوں بچے کی پیدائش میں دونوں کے نطفے اثر انداز ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بچے کو اختیار اس لیے دیا کہ وہ ممیّز یعنی سمجھ بوجھ والا ہو چکا تھا اور دونوں کی بات اس لیے کی کہ احتمال تھا کہ حمل پہلے کے نطفے کا ہو اور بعد میں صرف تازگی ملی ہو اور یہ بھی احتمال تھا کہ پہلا حمل خون کے ساتھ ضائع ہوگیا ہو اور دوسرے شخص کے نطفے سے حمل ٹھہرا ہو۔ واللہ اعلم۔ بعض علماء قیافہ شناس کے قیافے سے نسب ثابت کرنے کے قائل ہیں لیکن جمہور کے نزدیک نسب کے ثبوت میں قیافہ شناس کو مستقل اور بنیادی حیثیت حاصل نہیں ہے، البتہ اس سے کچھ رہنمائی اور تائید حاصل کی جاسکتی ہے۔

[1437] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ عُمَرَ امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ بے شک حضرت عمر بن

[1437] (موقوف ضعیف) بیہقی فی السنن الکبری: 7/ 219، وفی معرفة السنن والآثار: 5/ 356 (4257)، عبدالرزاق: 7/ 277 (13155)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

بْنَ الْخَطَّابِ أَوْ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ قَضَى أَحَدُهُمَا فِي امْرَأَةٍ غَرَّتْ رَجُلاً بِنَفْسِهَا، وَذَكَرَتْ أَنَّهَا حُرَّةٌ، فَتَزَوَّجَهَا فَوَلَدَتْ لَهُ أَوْلاداً، فَقَضَى أَنْ يَفْدِيَ وَلَدَهُ بِمِثْلِهِمْ.

خطاب یا حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما میں سے کسی ایک نے اس عورت کے متعلق فیصلہ فرمایا جس نے ایک آدمی کو اپنے متعلق دھوکا دیا اور یہ ذکر کیا کہ وہ آزاد ہے (چنانچہ اس نے اس سے شادی کر لی) تو اس نے اس کی اولاد کو جنم دیا۔ انھوں نے یہ فیصلہ فرمایا کہ وہ اپنی اولاد کے فدیے میں انھی جیسے بچے (غلام اور لونڈیاں) دے۔

قَالَ يَحْيَى: سَمِعْتُ مَالِكاً يَقُولُ: وَالْقِيمَةُ أَعْدَلُ فِي هَذَا إِنْ شَاءَ اللَّهُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اس میں قیمت دینا زیادہ قرین انصاف ہے۔ ان شاء اللہ۔

فائدہ: ......وہ عورت دراصل لونڈی تھی جسے اس کے مالکوں نے بعد میں ڈھونڈ نکالا تھا اور یہ اصول ہے کہ لونڈی کا کسی سے نکاح ہو تو اس کے بچے اپنی ماں ہی کی طرح غلام شمار ہوتے ہیں اور ماں کے آقاؤں کے مملوک (غلام لونڈی) ہی شمار ہوتے ہیں۔ یہ بات لونڈی کے ساتھ نکاح کے لیے طے شدہ ہے، لیکن مذکورہ بالا مسئلے میں اس کے خاوند کو اس کے لونڈی ہونے کا علم نہیں تھا، تو اس میں اس کی یہ غلطی تھی کہ عورت کے متعلق مکمل معلومات کیوں نہ حاصل کیں۔ بہر حال اگر وہ اپنے بچے اپنے پاس رکھنا چاہے تو وہ لونڈی کے آقاؤں کو ان جیسے غلام لونڈیاں خرید کر دے دے یا پھر ان کی قیمت ادا کر دے۔

22- بَابٌ: الْقَضَاءُ فِي مِيرَاثِ الْوَلَدِ الْمُسْتَلْحَقِ

جس بچے کے الحاق کا دعویٰ کیا جائے اس کے وارث بنانے کے متعلق فیصلے کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کے تین فتاویٰ جات مذکور ہیں

قَالَ يَحْيَى: سَمِعْتُ مَالِكاً يَقُولُ: الأَمْرُ الْمُجْتَمَعُ عَلَيْهِ عِنْدَنَا فِي الرَّجُلِ يَهْلِكُ وَلَهُ بَنُونَ، فَيَقُولُ أَحَدُهُمْ: قَدْ أَقَرَّ أَبِي أَنَّ فُلاناً ابْنُهُ. إِنَّ ذَلِكَ النَّسَبَ لا يَثْبُتُ بِشَهَادَةِ إِنْسَانٍ وَاحِدٍ، وَلا يَجُوزُ إِقْرَارُ الَّذِي أَقَرَّ إِلاَّ عَلَى نَفْسِهِ فِي حِصَّتِهِ مِنْ مَالِ أَبِيهِ، يُعْطَى الَّذِي شَهِدَ لَهُ قَدْرَ مَا يُصِيبُهُ مِنَ الْمَالِ الَّذِي بِيَدِهِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں اس حکم پر اجماع ہے کہ ایک آدمی فوت ہو جاتا ہے اس حال میں کہ اس کے چند بیٹے ہوں، ان میں سے ایک بچہ کہتا ہے کہ بے شک میرے باپ نے یہ اقرار کیا تھا کہ فلاں لڑکا بھی اس کا بیٹا ہے۔ (یعنی وراثت کی تقسیم کے دوران اسے بھی ہمارے ساتھ شامل کیا جائے) تو بلاشبہ یہ نسب کسی ایک شخص کی گواہی سے ثابت نہ ہوگا اور جس شخص نے یہ اقرار کیا ہے، اس کا یہ اقرار اس کے اپنے آپ کے علاوہ کسی اور کے حق میں جائز نہ ہوگا۔ (کسی اور کے متعلق جاری نہ ہوگا اور نافذ نہ ہوگا یعنی

یہ نہیں ہوسکتا کہ دعویٰ شدہ شخص کو باقی بیٹوں کے برابر حصہ ملے، بلکہ ان بیٹوں میں سے جس نے یہ بات کہی ہے صرف اسی کے ساتھ اس شخص کا رشتہ قائم ہوگا اور)اس حصے میں جو اسے اپنے باپ کے مال میں سے ملے گا (اس میں وہ دعویٰ شدہ شخص شریک ہوگا، چنانچہ) جس (فلاں شخص) کے حق میں اس نے گواہی دی ہے اسے اس کے حصے کے بقدر اس مال میں سے دیا جائے گا جو اس (گواہی دینے والے بیٹے) کے ہاتھ میں (وراثت میں سے) ہوگا۔

قَالَ مَالِكٌ : وَتَفْسِيرُ ذَلِكَ أَنْ يَهْلِكَ الرَّجُلُ وَيَتْرُكَ ابْنَيْنِ لَهُ، وَيَتْرُكَ سِتَّ مِئَةِ دِينَارٍ، فَيَأْخُذُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا ثَلَاثَ مِئَةِ دِينَارٍ، ثُمَّ يَشْهَدُ أَحَدُهُمَا أَنَّ أَبَاهُ الْهَالِكَ أَقَرَّ أَنَّ فُلَاناً ابْنُهُ، فَيَكُونُ عَلَى الَّذِي شَهِدَ لِلَّذِي اسْتُلْحِقَ مِئَةُ دِينَارٍ، وَذَلِكَ نِصْفُ مِيرَاثِ الْمُسْتَلْحَقِ لَوْ لَحِقَ، وَلَوْ أَقَرَّ لَهُ الْآخَرُ أَخَذَ الْمِئَةَ الْأُخْرَى، فَاسْتَكْمَلَ حَقَّهُ، وَثَبَتَ نَسَبُهُ، قَالَ مَالِكٌ: وَهُوَ أَيْضاً بِمَنْزِلَةِ الْمَرْأَةِ تُقِرُّ بِالدَّيْنِ عَلَى أَبِيهَا، أَوْ عَلَى زَوْجِهَا، وَيُنْكِرُ ذَلِكَ الْوَرَثَةُ، فَعَلَيْهَا أَنْ تَدْفَعَ إِلَى الَّذِي أَقَرَّتْ لَهُ بِالدَّيْنِ، قَدْرَ الَّذِي يُصِيبُهَا مِنْ ذَلِكَ الدَّيْنِ لَوْ ثَبَتَ عَلَى الْوَرَثَةِ كُلِّهِمْ، إِنْ كَانَتِ امْرَأَةً وَرِثَتِ الثُّمُنَ، دَفَعَتْ إِلَى الْغَرِيمِ ثُمُنَ دَيْنِهِ، وَإِنْ كَانَتِ ابْنَةً وَرِثَتِ النِّصْفَ دَفَعَتْ إِلَى الْغَرِيمِ نِصْفَ دَيْنِهِ، عَلَى حِسَابِ هَذَا يَدْفَعُ إِلَيْهِ مَنْ أَقَرَّ لَهُ مِنَ النِّسَاءِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اس کی تفسیر یہ ہے کہ ایک شخص مرجائے اور اپنے دو بیٹے چھوڑ جائے اور چھ سو دینار ترکہ چھوڑ جائے، توان دونوں بیٹوں میں سے ہر ایک تین تین سو دینار لے لے گا، پھر ان میں سے ایک یہ گواہی دے کہ بے شک اس کے فوت شدہ باپ نے یہ اقرار کیا تھا کہ فلاں شخص بھی میرا بیٹا ہے، (چنانچہ اگر تین بیٹوں میں وراثت تقسیم ہوتی تو ہر کسی کو دو دو سو دینار ملتے، لیکن اس تیسرے بیٹے کا حصہ دونوں میں ایک ایک سو دینار بانٹا جاچکا ہے. تو اب چونکہ یہ خبر صرف ایک بیٹے نے دی ہے تو گویا وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ مجھے میرے اصل حصے سے زائد رقم ملی ہے جو فلاں شخص کی تھی، کیونکہ وہ بھی ہمارے باپ کا بیٹا ہے، لہٰذا) اس گواہی دینے والے کی طرف سے نصف ہے جو اس الحاق کا دعویٰ کیے جانے والے شخص کو اس صورت میں ملتی کہ جب وہ لاحق ہوجاتا، اور اگر دوسرا بیٹا بھی اقرار کرلے تو وہ (اس سے بھی) دوسرا سو دینار لے لے گا اور اپنا حق مکمل وصول کرلے گا اور اس کا نسب بھی ثابت ہوجائے گا...... امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور نیز وہ اس عورت کی طرح ہے جو اپنے (فوت شدہ) باپ یا اپنے خاوند پر قرضے کا اقرار کرتی ہے اور باقی ورثاء اس کا انکار کرتے ہیں تو اس عورت پر لازم ہے کہ جس شخص کے لیے اس نے قرضے کا اعتراف کیا ہے اسے اس حصے کے بقدر ادا کرے جو اس قرضے میں سے اس عورت کے ذمے آتا، اس صورت میں کہ جب وہ تمام ورثاء کے ذمے ثابت ہوتا۔ اگر عورت نے (بیوی ہونے کی حیثیت سے) وراثت میں آٹھواں حاصل

کیا ہو (اور اس کے بقول جو قرضہ تھا وہ سامان کی شکل میں تھا) تو وہ قرض خواہ کو اس قرضے کا آٹھواں حصہ ادا کرے گی اور اگر وہ (اقرار کرنے والی) ایک بیٹی ہے جس نے نصف ترکہ وراثت میں پایا ہے تو وہ قرض خواہ کو اس کا نصف قرض ادا کرے گی ، (الغرض) جس شخص کے لیے عورتوں میں سے کوئی عورت (قرضے کا) اقرار کرے تو وہ (اقرار کرنے والی) اسی حساب سے قرض خواہ کے سپرد کرے گی۔

قَالَ مَالِكٌ : وَإِنْ شَهِدَ رَجُلٌ عَلَى مِثْلِ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْمَرْأَةُ : أَنَّ لِفُلَانٍ عَلَى أَبِيهِ دَيْناً ، أُحْلِفَ صَاحِبُ الدَّيْنِ مَعَ شَهَادَةِ شَاهِدِهِ ، وَأُعْطِيَ الْغَرِيمُ حَقَّهُ كُلَّهُ ، وَلَيْسَ هَذَا بِمَنْزِلَةِ الْمَرْأَةِ ، لأَنَّ الرَّجُلَ تَجُوزُ شَهَادَتُهُ ، وَيَكُونُ عَلَى صَاحِبِ الدَّيْنِ مَعَ شَهَادَةِ شَاهِدِهِ أَنْ يَحْلِفَ وَيَأْخُذَ حَقَّهُ كُلَّهُ ، فَإِنْ لَمْ يَحْلِفْ أَخَذَ مِنْ مِيرَاثِ الَّذِي أَقَرَّ لَهُ قَدْرَ مَا يُصِيبُهُ مِنْ ذَلِكَ الدَّيْنِ ، لِأَنَّهُ أَقَرَّ بِحَقِّهِ ، وَأَنْكَرَ الْوَرَثَةُ ، وَجَازَ عَلَيْهِ إِقْرَارُهُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر مرد اس جیسی گواہی دے جو اس عورت نے گواہی دی ہے (اور وہ مرد کہے) کہ بے شک فلاں شخص کا میرے باپ کے ذمے قرض ہے تو (گویا ایک شخص قرض خواہ اپنے قرض کا دعویٰ کر رہا ہے اور مرنے والے کی اولاد میں سے ایک مرد اسے تسلیم کر رہا ہے تو گویا مدعی کو ایک گواہ مل گیا اور دوسرے گواہ کی کمی اس کی قسم سے پوری ہو جائے گی ، لہٰذا) قرض (دینے) والے سے اس کے ایک گواہ کی گواہی کے ساتھ ساتھ قسم لی جائے گی اور (اس صورت میں) قرض خواہ کو اس کا مکمل حق ادا کیا جائے گا اور یہ (ورثاء میں سے اقرار کرنے والا مرد) عورت کی طرح نہیں ہے کیونکہ (عورت کی گواہی مرد کی گواہی کا نصف ہے، عورت کے اقرار کی صورت میں ایک گواہ پورا نہیں ہوتا اور قسم تو تبھی لی جائے گی جب ایک مکمل گواہ موجود ہو، الغرض) مرد کی گواہی (کامل بن کر) جائز ہوتی ہے اور قرض خواہ پر اپنے اس ایک گواہ کی گواہی کے ساتھ یہ لازم ہو جاتا ہے کہ وہ قسم کھا لے اور اپنا مکمل حق وصول کر لے، ہاں اگر وہ قسم نہ کھائے تو صرف اس شخص کی وراثت میں سے (اپنا قرضہ) وصول کرے گا جس نے اس کے لیے اقرار کیا تھا، (لیکن صرف) اس حصے کے بقدر جو اس (اقرار کرنے والے) پر اس قرض میں سے آئے گا ، کیونکہ بلاشبہ صرف اسی نے اس (قرض خواہ) کے حق کا اقرار کیا ہے اور باقی ورثاء نے انکار کیا ہے اور آدمی کا اقرار (صرف) اپنے اوپر جائز (نافذ اور لاگو) ہوتا ہے (دوسروں پر نافذ نہیں ہوتا)۔

23- بَابٌ : اَلْقَضَاءُ فِي أُمَّهَاتِ الْأَوْلَادِ

اُمِّ وَلَد لونڈیوں کے متعلق فیصلے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں دو موقوف روایات (آثار صحابہ رضی اللہ عنہم) ہیں جو سنداً صحیح ثابت ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

فائدہ :...... جو لونڈی اپنے آقا کے نطفے سے بچہ جنم دے دے اسے اُمِّ وَلَد کہتے ہیں، وہ آقا کی موت کے بعد آزاد ہو جاتی ہے اور ورثاء کے مال اور ترکے میں شمار نہیں ہوتی ۔ بہت سارے لوگ اپنی لونڈیوں سے جنسی خواہش کی تسکین تو چاہتے ہیں لیکن وہ انھیں حمل ٹھہر جانا پسند نہیں کرتے، تا کہ نہ وہ اُمِّ وَلَد بنے اور نہ مالِ وراثت ضائع ہو۔

[1438] قَالَ يَحْيَى : قَالَ مَالِكٌ : عَنِ ابْنِ شِهَابٍ ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ ، عَنْ أَبِيهِ : أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ : مَا بَالُ رِجَالٍ يَطَؤُونَ وَلَائِدَهُمْ ، ثُمَّ يَعْزِلُوهُنَّ ، لَا تَأْتِينِي وَلِيدَةٌ ، يَعْتَرِفُ سَيِّدُهَا أَنْ قَدْ أَلَمَّ بِهَا ، إِلَّا أَلْحَقْتُ بِهِ وَلَدَهَا ، فَاعْزِلُوا بَعْدُ أَوِ اتْرُكُوا .

سالم بن عبداللہ رحمہ اللہ اپنے والد (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ بیشک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کچھ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ اپنی لونڈیوں سے مباشرت تو کرتے ہیں، پھر انھیں الگ کر دیتے ہیں، (میرا یہ حکم سن لو) میرے پاس جو کوئی لونڈی آئے اور اس کا آقا یہ اعتراف کرلے کہ وہ اس سے مباشرت کر چکا ہے تو میں اس لونڈی کا بچہ اس (آقا) کے ساتھ ملا دوں گا، لہٰذا (اب تمھاری مرضی ہے کہ) اس کے بعد (انھیں) جدا کر دیا (اس عمل کو) ترک کرو۔

فائدہ :...... (يَعْزِلُوهُنَّ) اور (فَاعْزِلُوا) میں کون سی جدائی اور علیحدگی کا ذکر ہے؟ اس میں دو احتمال ہیں، ایک تو وہ کہ جس کا ذکر ترجمے میں ہوا ہے یعنی لونڈیوں کو اپنی غلامی ہی سے الگ کر دینا (خواہ بیچ کر یا ہبہ کر کے یا اپنے پاس سے نکال دینا اور آزاد بھی نہ کرنا وغیرہ) تا کہ نہ وہ اپنی لونڈی شمار ہو اور نہ ہی اس کے بچے نسب میں شریک ہو سکیں۔ اور دوسرا احتمال (جو پہلے کی نسبت زیادہ قوی ہے) یہ ہے کہ اس سے ''عزل'' مراد ہے یعنی عورت سے مباشرت کرنا اور انزال کے وقت عضو کو باہر نکال لینا تا کہ حمل نہ ٹھہر سکے۔ لیکن اللہ چاہے تو باوجود عزل کے بھی حمل ٹھہر سکتا ہے، اس طرح کہ عضو نکالتے نکالتے یا اس سے لمحہ قبل مطلوبہ جرثومہ عضو سے نکل کر عورت کے رحم میں پہنچا دے، لہٰذا اب یہ بہانہ کام نہ آئے گا کہ میں نے تو عزل کیا تھا اس لیے یہ میرا بچہ کیسے ہو سکتا ہے؟

[1439] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَنْ صفیہ بنت ابی عبید رحمہا اللہ سے روایت ہے کہ بے شک

[1438] (موقوف صحیح) بیهقی فی السنن الکبری: 7/ 413، وفی معرفة السنن والآثار: 6/ 20 (4597)، عبدالرزاق: 7/ 132 (12522)، الشافعی فی المسند: 2/ 61، وفی الام: 7/ 229، سعید بن منصور: 2062- شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ یہ سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

[1439] (موقوف صحیح) بیهقی فی السنن الکبری: 7/ 413، وفی معرفة السنن والآثار: 6/ 21 (4598)، الشافعی فی الام: 7/ 229، وفی المسند: 2/ 61، طحاوی فی شرح معانی الآثار: 3/ 114- شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

صَـفِيَّةَ بِنْتِ أَبِي عُبَيْدٍ، أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ، أَنَّ عُمَرَ بْـنَ الْـخَـطَّـابِ قَـالَ: مَا بَالُ رِجَالٍ يَطَؤُونَ وَلَائِـدَهُمْ، ثُمَّ يَدَعُوهُنَّ يَخْرُجْنَ، لَا تَأْتِينِي وَلِيدَةٌ، يَعْتَرِفُ سَيِّدُهَا أَنْ قَدْ أَلَمَّ بِهَا، إِلَّا قَدْ أَلْـحَـقْـتُ بِـهِ وَلَـدَهَـا، فَأَرْسِلُوهُنَّ بَعْدُ أَوْ أَمْسِكُوهُنَّ.

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ اپنی لونڈیوں سے وطی (جماع) کرتے ہیں، پھر ان کو (یوں) چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ نکلتی پھرتی ہیں، میرے پاس کوئی ایسی لونڈی نہ آئے گی جس کا آقا یہ اعتراف کرلے کہ وہ اس سے جماع کر چکا ہے، مگر میں ضرور اس (لونڈی) کے بچے کو اس (آقا) کے ساتھ ملا دوں گا۔ لہٰذا اب اس کے بعد انھیں چھوڑے رکھو یا روکے رکھو (تمھاری مرضی ہے)۔

قَـالَ يَـحْـيَـى: سَـمِـعْـتُ مَالِكًا يَقُولُ: الْأَمْرُ عِـنْـدَنَـا فِـي أُمِّ الْوَلَدِ إِذَا جَنَتْ جِنَايَةً ضَمِنَ سَيِّـدُهَـا مَـا بَيْنَهَا وَبَيْنَ قِيمَتِهَا، وَلَيْسَ لَهُ أَنْ يُسَـلِّمَهَا، وَلَيْسَ عَلَيْهِ أَنْ يَحْمِلَ مِنْ جِنَايَتِهَا أَكْثَرَ مِنْ قِيمَتِهَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں اُمِّ وَلَد لونڈی کے متعلق یہ حکم ہے کہ جب وہ کوئی جنـایَت (جرم) کرے تو اس کا آقا اس کا ضامن ہوگا، اس مقدار کا جو لونڈی اور اس کی قیمت تک کے درمیان ہو، اور اس (آقا) کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اسے ان (مظلوموں) کے سپرد کرے اور نہ اس پر یہ لازم ہے کہ وہ اس کی جنایت (جرم) کی وجہ سے اس کی قیمت سے بھی زیادہ (چٹی، تاوان اور ضمانت) اپنے ذمے اٹھائے۔

فائدہ: ...... اُمِّ وَلَد لونڈی کسی کو زخمی کر دے یا مار ڈالے یا کوئی اور جسمانی و مالی نقصان کر دے تو اس کا آقا دوسرے غلاموں والا معاملہ یہاں اختیار نہیں کرے گا اور اُمِّ وَلَــد کو مظلوم یا اس کے ورثاء کے سپرد نہ کرے گا بلکہ اس جرمانے اور دیت وغیرہ کو دیکھیں گے کہ اگر تو اس کی مقدار اس لونڈی کی قیمت سے کم یا برابر ہے تو وہ آقا سے جبراً بھی وصول کی جائے گی اور اگر دیت کی مقدار لونڈی کی قیمت سے زیادہ ہو تو آقا کو اختیار ہے، چاہے تو اس کی قیمت کے برابر ادائیگی کرے اور چاہے تو زیادہ، البتہ قیمت سے زائد تاوان کی ادائیگی اس پر لازم نہیں ہے ...... جمہور کا موقف یہی ہے کہ اُمِّ وَلَد لونڈی کی بیع ممنوع ہے۔ (دیکھیے روایت: ۱۲۷۱ کا فائدہ) ورنہ جن علماء و فقہاء کے ہاں اس کا جواز ہے۔ وہ اُمِّ وَلَد کی جنایت کی صورت میں بجائے چٹی بھرنے کے خود اُمِّ وَلَد ہی کو مظلوم کے ورثاء کے سپرد کرنا جائز سمجھتے ہیں۔

24- بَابٌ: الْقَضَاءُ فِي عِمَارَةِ الْمَوَاتِ

بنجر زمین آباد کرنے کے متعلق فیصلے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں دو روایات ہیں، ایک مرفوع اور ایک موقوف ہے اور دونوں سنداً صحیح ہیں، نیز

امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

فائدہ: ......عنوان کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی سرزمین میں بے آباد اور ویران کسی صحرائی یا پہاڑی مقام کو آباد کرنے کا کیا حکم ہے، جو کسی خاص شخص کی ملکیت نہ ہو، ایسی جگہوں کو سرکاری ٹینڈر بھی کہتے ہیں۔

[1440] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَنْ أَحْيَا أَرْضاً مَيْتَةً فَهِيَ لَهُ، وَلَيْسَ لِعِرْقٍ ظَالِمٍ حَقٌّ.

قَالَ مَالِكٌ: وَالْعِرْقُ الظَّالِمُ كُلُّ مَا احْتُفِرَ، أَوْ أُخِذَ، أَوْ غُرِسَ بِغَيْرِ حَقٍّ.

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ اپنے والد (عروہ بن زبیر رحمہ اللہ) سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے کسی مردہ (بنجر) زمین کو آباد کیا تو وہ اسی کی ہے اور ظالم رگ (والے) کے لیے کچھ بھی نہیں ہے''۔

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ظالم رگ سے مراد ہر وہ چیز ہے جسے بغیر حق کے کھودا جائے یا ناحق قبض کیا جائے یا بویا جائے۔

فائدہ: ......زمین کو آباد کرنا عموماً تین طریقوں سے ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ وہاں کوئی عمارت قائم کر لی جائے، دوسرا یہ کہ وہاں کنواں وغیرہ کھود لیا جائے اور تیسرا یہ کہ وہاں کوئی فصل کاشت کر دی جائے۔ ان کے علاوہ بھی کئی طریقوں سے زمین کی آبادکاری کی جاسکتی ہے، تو جو شخص غیر ملکیتی یعنی سرکاری زمین میں یہ کام کرے گا تو اس کا یہ عمل اسے اس زمین کا مالک بنادے گا، لیکن اگر کوئی شخص ظلماً کسی کی ملکیتی زمین میں کوئی آبادکاری کرے تو وہ عبث اور بے کار ہے۔ اسے کچھ فائدہ نہ ملے گا بلکہ اس کی محنت اور لاگت بے کار اور رائیگاں جائے گی۔ ''عِرْق'' رگ کو کہتے ہیں اور زمین میں کوئی چیز بونا اور درخت وغیرہ لگانا ایسے ہی ہے جیسے زمین میں کوئی رگ قائم کر دی جائے۔

[1441] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ: مَنْ أَحْيَا أَرْضاً مَيْتَةً فَهِيَ لَهُ.

سالم بن عبداللہ رحمہ اللہ اپنے والد (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں کہ بلاشبہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس کسی نے بنجر زمین آباد کی وہ اسی کی ہوگی۔

[1440] (مرفوع صحیح) سنن ابی داود، کتاب الخراج والامارۃ والفیء، باب فی احیاء الموات، حدیث: 3073، جامع الترمذی، کتاب الاحکام، باب ماذکر فی احیاء ارض الموات، حدیث: 1378، نسائی فی الکبری: 5761۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

[1441] (موقوف صحیح) بیہقی فی السنن الکبری: 6/ 143 (11782)، وفی معرفۃ السنن والآثار: 4/ 521 (3736)، الشافعی فی المسند: 2/ 269، وفی الام: 4/ 45، 7/ 230۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَعَلَى ذَلِكَ الْأَمْرُ عِنْدَنَا .

امام مالک ﷫ نے فرمایا کہ ہمارے ہاں بھی اس کے مطابق حکم ہے۔

25- بَابٌ: الْقَضَاءُ فِي الْمِيَاهِ

پانی کی مختلف اقسام کے متعلق فیصلے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں تین مرفوع روایات (احادیث نبویہ ﷺ) ہیں اور سب کی سب سنداً صحیح ثابت ہیں۔

[1442] حَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ ، أَنَّهُ بَلَغَهُ ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ فِي سَيْلِ مَهْزُورٍ وَمُذَيْنِبٍ : يُمْسَكُ حَتَّى الْكَعْبَيْنِ ، ثُمَّ يُرْسِلُ الْأَعْلَى عَلَى الْأَسْفَلِ .

عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم ﷫ سے روایت ہے، انھیں یہ خبر پہنچی کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے مہزور اور مذینب نامی دونالوں کے پانی کے متعلق فرمایا: ''اسے ٹخنوں تک روکا جائے ، پھراوپر (کی جانب) والا نیچے والے پر(پانی) چھوڑ دے''۔

فائدہ :...... مدینہ منورہ پہاڑی علاقے میں واقع ہے، جہاں زمینیں ہموار نہیں ہوا کرتیں، ایسے علاقوں میں آبپاشی کا پرانا نظام چشمے ہی کی شکل میں تھا۔ چشمے سے پانی نکل کر نشیب کی طرف بہتا ہے۔ اگر تو پانی وافر ہو تو ہر شخص اس کے پانی کے نالے سے بقدر ضرورت جب چاہے پانی لگا سکتا ہے، لیکن اگر پانی کم ہو اور ایک وقت میں سب لوگ پانی حاصل نہ کر سکتے ہوں تو پھر انصاف پر مبنی طریق کار یہ ہے کہ چشمے کے قریب جو سب سے پہلی اور بلند زمین ہو، اس کا مالک سب سے پہلے اپنی فصل میں پانی چھوڑے، چونکہ ایسی زمینوں میں فصل کو یکساں پانی پہنچانے کے لیے زمین کے چھوٹے چھوٹے ہموار ٹکڑے بنائے جاتے ہیں، تو جب پانی مطلوبہ زمین میں جذب ہونے کے بعد جمع ہوتے ہوتے ٹخنوں تک بلند ہو جائے تو زمین والا اپنی طرف پانی کو بند کر کے آگے چھوڑ دے، پھر اس سے نیچے کی زمین والا اسی طرح اپنے کھیت اور باغ کو پانی لگا کر آگے چھوڑ دے۔

[1443] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ ،

حضرت ابوہریرہ ﷜ سے روایت ہے کہ بے شک رسول

[1442] (مرفوع صحیح لغیرہ)سنن ابی داود، كتاب الاقضية، باب فى القضاء، حديث: 3639، سنن ابن ماجه، كتاب الرهون، باب الشرب من الاودية ومقدار حبس الماء، حديث: 2482۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس حدیث کو صحیح لغیرہ کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

[1443] (مرفوع صحیح)صحيح البخاری، كتاب المساقاة، باب من قال ان صاحب الماء احق بالماء، حديث: 2353، 2354، 6962، صحيح مسلم، كتاب المساقاة، باب تحريم بيع فضل الماء الذى يكون بالفلاة، حديث: 1566، ابوداود: 3473، ترمذی: 1272، نسائی فی الکبری: 5774، ابن ماجہ: 2478، احمد: 2/ 244(7320)۔

عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ :لَا يُمْنَعُ فَضْلُ الْمَاءِ، لِيُمْنَعَ بِهِ الْكَلَأُ .

اللہ ﷺ نے فرمایا: ''زائد پانی کو نہ روکا جائے کہ اس کے نتیجے میں گھاس کو روکا جائے۔

فائدہ :......اس سے مراد وہ مشترکہ قدرتی حوض یا کنواں ہے جو سرکاری جنگل یا زمین میں کہیں موجود ہو، جہاں لوگوں کی اپنے جانوروں سمیت آمد و رفت رہتی ہو۔ دراصل جہاں کہیں پانی ہوتا ہے اس کے قریب قریب خودرو گھاس بھی ہوتی ہے اور جانور پانی پینے کے ساتھ ساتھ گھاس بھی چر لیتے ہیں، جو شخص پانی پر قبضہ جمالے تو یہ ناجائز ہے اور پانی روکنے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہاں جانور نہ آسکیں گے اور گھاس بھی اس کے جانوروں کے لیے بچی رہے گی۔ ''لِيُمْنَعَ'' میں لام معاقبت ہے جو نتیجہ و انجام بیان کرنے کے لیے آتا ہے اگرچہ کام کرنے والے کے ذہن میں اس کا خیال بھی نہ ہو۔

[1444] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ أَبِي الرِّجَالِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أُمِّهِ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ :لَا يُمْنَعُ نَقْعُ بِئْرٍ .

عمرہ بنت عبدالرحمٰن رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کنویں میں جمع شدہ پانی سے نہ روکا جائے۔''

فائدہ :......مراد ہر پانی ہے، یاد رہے کہ اس روایت کے الفاظ میں عموم ہے، چنانچہ (الف) اگر تو یہ کنواں مشترکہ زمین میں ہو تو پھر یہی حکم ہے۔ (ب) اسی طرح اگر یہ کنواں کسی نے خود اپنے گھر یا کھیت میں کھدوایا ہو تو بھی از روئے تفضل و احسان اسے لوگوں کو فائدہ اٹھانے سے روک نہیں رکھنا چاہیے، کیونکہ کنویں میں پانی قدرت کی طرف سے جمع ہوتا رہتا ہے، اس لیے اپنی ضروریات سے زائد پانی تقسیم کر دینا ہی بہتر ہے، تاکہ روز قیامت اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ حوض کوثر سے پانی نصیب فرمائے۔ اسی سے ملتا جلتا معاملہ نلکے کا ہے کہ جس پر ایک آدھ بار ہی خرچہ کرنا پڑتا ہے۔ (ج) رہا حصول پانی کا وہ ذریعہ جس میں بجلی، پٹرول یا ڈیزل وغیرہ کا مسلسل خرچ ہو مثلاً موٹر پمپ، ٹیوب ویل اور ٹربائن وغیرہ تو اس کے استعمال میں مالک کو اختیار ہے کہ چاہے تو لوگوں کو مفت پانی پلائے اور چاہے تو قیمتاً۔ واللہ اعلم ......ان میں سے پہلی قسم کے پانی کو روکنا حرام ہے اور روز قیامت کی شدید پیاس کا باعث ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''تین قسم کے آدمیوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ (رحمت والا) کلام فرمائیں گے اور نہ (رحمت کی) نظر سے انھیں دیکھیں گے'' پھر آپ ﷺ نے ان میں اس شخص کو بھی شمار کیا جس نے اپنے زائد پانی کو روکا ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے ﴿اَلْيَوْمَ اَمْنَعُكَ فَضْلِيْ كَمَا مَنَعْتَ فَضْلَ مَالَمْ تَعْمَلْ يَدَاكَ﴾ ''آج میں تم سے

[1444] (مرفوع صحیح) سنن ابن ماجہ، کتاب الاحکام، باب النھی عن منع فضل الماء لیمنع به الکلأ، حدیث: 2479، احمد: 6/ 105، 112، 139، 252، 268، بیہقی: 6/ 152، حاکم: 2/ 61۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے، نیز دیکھیے صحیح ابن ماجہ للالبانی: 2010۔

اپنا فضل (اور زائد انعام) روک رہا ہوں جس طرح کہ تو نے اس چیز کے زائد حصے کو روک لیا تھا جسے تیرے ہاتھوں نے نہیں بنایا تھا۔'' (بخاری : 2369)......دوسری روایات میں مسافر اور لب راہ یا صحرا کا بھی تذکرہ ہے۔ (بخاری : 2358، مسلم: 108) یعنی کسی راستے پر کسی شخص نے کسی چشمے یا حوض یا کنویں پر ڈیرہ ڈال رکھا ہو اور وہ اسی کی طرف منسوب ہو چکا ہو تو پھر بھی اس میں مسافروں کا برابر کا حق ہے۔

26- بَابٌ: اَلْقَضَاءُ فِي الْمِرْفَقِ
نرمی ومروت کے متعلق فیصلے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں چار روایات ہیں ۔ دو مرفوع (احادیث نبویہ ﷺ) ہیں جو سنداً صحیح ہیں اور دو ضعیف موقوف (آثار صحابہ رضی اللہ عنہم) ہیں۔

[1445] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى الْمَازِنِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ .

عمرو بن یحییٰ مازنی رحمہ اللہ اپنے والد (یحییٰ بن عمارہ مازنی رحمہ اللہ) سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''(اسلام میں) نہ ضرر (بلاوجہ نقصان پہنچانا درست) ہے اور نہ ضرار (بدلے میں نقصان دینا جائز ہے)۔''

فائدہ :......ضرر اور ضرار کو بعض نے ہم معنی قرار دیتے ہوئے محض تاکید مراد لی ہے جبکہ اکثر اہل علم نے ان دونوں میں یہ فرق کیا ہے کہ ضرر میں ایک جانب سے نقصان پہنچایا جاتا ہے اور ضرار میں دونوں جانب سے۔ یاد رہے کہ اگر مظلوم شخص اپنے اوپر ہونے والے ظلم کے بقدر بدلہ لے تو اس کی اجازت ہے (البقرہ 194، النحل 126، الشوریٰ 40) مذکورہ حدیث کے دوسرے لفظ کا مفہوم یہ ہوگا کہ مظلوم بدلہ لیتے ہوئے حد سے بڑھ جائے تو دونوں برابر کے مجرم ہوں گے......بعض علماء نے یہ فرق کیا ہے کہ ضرر میں کسی کا نقصان اور اپنا فائدہ ہوتا ہے اور ضرار میں کسی کا نقصان تو ہوتا ہے لیکن اپنا فائدہ کچھ بھی نہیں ہوتا۔ الغرض مومن کی شان یہ ہے کہ وہ دوسرے کے لیے ضرر رساں نہیں بلکہ نفع بخش اور نرم خو ہوتا ہے۔

[1446] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ،

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول

[1445] (مرفوع صحیح لغیرہ) سنن ابن ماجہ، کتاب الاحکام، باب من بنی فی حقہ ما یضر بجارہ، حدیث: 2341، احمد: 1/ 313(2867)، بیہقی: 6/ 157، حاکم: 2/ 57۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس حدیث کو صحیح لغیرہ قرار دیا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

[1446] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب المظالم، باب لایمنع جار جارہ ان یغرز خشبة فی جدارہ، حدیث: 2463، 5627، 5628، صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ، باب غرز الخشبة فی جدار الجار، حدیث: 1609، ابوداود: 3634، ترمذی: 1353، ابن ماجہ: 2335، احمد: 2/ 463 (9962)۔

عَنِ الأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَا يَمْنَعُ أَحَدُكُمْ جَارَهُ خَشَبَةً يَغْرِزُهَا فِي جِدَارِهِ، ثُمَّ يَقُولُ أَبُو هُرَيْرَةَ: مَا لِي أَرَاكُمْ عَنْهَا مُعْرِضِينَ، وَاللّٰهِ لَأَرْمِيَنَّ بِهَا بَيْنَ أَكْتَافِكُمْ.

اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’ تم میں سے کوئی شخص اپنے پڑوسی کو اس لکڑی سے منع نہ کرے جسے وہ اس کی دیوار میں گاڑنا چاہتا ہو‘‘۔ پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے: کیا بات ہے کہ میں تمھیں اس (وصیت پیغمبر ﷺ) سے اعراض کرنے والا دیکھ رہا ہوں۔ اللہ کی قسم! میں تو اس (لکڑی) کو تمھارے کندھوں کے درمیان میں مار پھینکوں گا۔

فائدہ:...... یعنی تم تو اپنی دیوار پر کسی ہمسائے کو لکڑی نہیں رکھنے دیتے، لیکن میں جبراً اسے تمھارے کندھوں پر بھی رکھوں گا۔ یہ بات انھوں نے مبالغہ کے طور پر کہی تھی، وہ اس وقت مدینہ منورہ کے امیر تھے اور سرکاری سطح پر لوگوں کو اس حدیث پر عمل کرنے کا پابند بنا رہے تھے۔ بعض شارحین نے اس آخری جملے کو ایک محاورہ شمار کیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے: ’’میں اس مسئلے کو تمھارے درمیان خوب مشہور کروں گا‘‘۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حقوقِ ہمسائیگی میں مذکورہ بالا معاملے کو وجوب کا درجہ دیتے تھے اور حدیث میں مذکور ممانعت کو نہی تحریمی قرار دیتے تھے۔ دیوار میں لکڑی گاڑنے میں گاڈر، شہتیر اور ٹی آر بھی شامل ہیں اور ٹھونکے جانے والے کیل اور میخیں بھی۔

[1447] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى الْمَازِنِيِّ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ الضَّحَّاكَ بْنَ خَلِيفَةَ سَاقَ خَلِيجاً لَهُ مِنَ الْعُرَيْضِ، فَأَرَادَ أَنْ يَمُرَّ بِهِ فِي أَرْضِ مُحَمَّدِ بْنِ مَسْلَمَةَ، فَأَبَى مُحَمَّدٌ. فَقَالَ لَهُ الضَّحَّاكُ: لِمَ تَمْنَعُنِي وَهُوَ لَكَ مَنْفَعَةٌ، تَشْرَبُ بِهِ أَوَّلاً وَآخِراً، وَلَا يَضُرُّكَ. فَأَبَى مُحَمَّدٌ، فَكَلَّمَ فِيهِ الضَّحَّاكُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، فَدَعَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ مُحَمَّدَ بْنَ مَسْلَمَةَ، فَأَمَرَهُ أَنْ يُخَلِّيَ سَبِيلَهُ فَقَالَ مُحَمَّدٌ: لَا. فَقَالَ عُمَرُ لِمَ تَمْنَعُ أَخَاكَ مَا

عمرو بن یحییٰ مازنی رحمہ اللہ اپنے والد (یحییٰ بن عمارہ مازنی رحمہ اللہ) سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ضحاک بن خلیفہ رضی اللہ عنہ نے (مدینہ منورہ کی وادی) عریض سے ایک چھوٹی نہر نکالی اور اسے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی زمین میں سے گزارنا چاہا، حضرت محمد (بن مسلمہ) رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا تو حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم مجھے (اس سے) کیوں روکتے ہو، حالانکہ اس میں تمہارا بھی نفع ہے، تم اوّل اور آخر (یعنی اپنی ساری زمین) کو اس سے پانی لگا لیا کرنا اور یہ تمھیں (کچھ بھی) نقصان نہ دے گی، لیکن حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے (پھر بھی) انکار ہی کیا۔ چنانچہ حضرت

[1447] (موقوف ضعيف) بيهقي في السنن الكبرى: 6/ 157 (11882)، وفي معرفة السنن والآثار: 4/ 541 (3769)، الشافعي في المسند: 2/ 275، وفي الام: 7/ 230۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔

يَنْفَعُهُ وَهُوَ لَكَ نَافِعٌ ، تَسْقِي بِهِ أَوَّلاً وَآخِراً ، وَهُوَ لا يَضُرُّكَ . فَقَالَ مُحَمَّدٌ : لا وَاللّٰهِ . فَقَالَ عُمَرُ : وَاللّٰهِ لَيَمُرَّنَّ بِهِ وَلَوْ عَلَى بَطْنِكَ . فَأَمَرَهُ عُمَرُ أَنْ يَمُرَّ بِهِ ، فَفَعَلَ الضَّحَّاكُ.

ضحاک رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے بات چیت کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو بلا لیا اور انھیں حکم دیا کہ وہ اس (ضحاک رضی اللہ عنہ) کا راستہ چھوڑ دیں (انھیں اپنا کام کرنے دیں اور رکاوٹ نہ ڈالیں)۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ نہیں، اللہ کی قسم؟ (میں اجازت نہیں دوں گا) تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم اپنے بھائی کی اس چیز کو کیوں روکتے ہو جو اس کے لیے نفع بخش ہے اور وہ تمھارے لیے بھی تو فائدہ مند ہے، تم اوّل وآخر (اپنی ساری زمین) کو اس سے پانی پلاسکو گے اور وہ تمھارے لیے بالکل بے ضرر ہے؟ تو حضرت محمد (بن مسلمہ) رضی اللہ عنہ نے پھر یہی کہا کہ نہیں، اللہ کی قسم! تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! وہ (ضحاک رضی اللہ عنہ) اسے ضرور ہی گزاریں گے، اگرچہ اسے تمھارے پیٹ پر سے گزارنا پڑے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں حکم دیا کہ وہ اسے گزار لیں تو حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا۔

فائدہ :...... اس کی سند ضعیف ہے۔ اگر صحیح ہوتی تو حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ عذر بیان کرنا ممکن ہے کہ انھیں یہ اندیشہ ہو کہ حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ کی نہر گزرنے سے میری زمین کا کافی حصہ کم ہو جائے گا، یا کھیتی باڑی کے آلات استعمال کرنے میں دقت آئے گی اور انھیں اٹھا اٹھا کر کبھی نہر کے ایک جانب اور کبھی دوسرے جانب لے جانا پڑے گا۔ واللہ اعلم۔ اور جو دونوں نے قسم کھائی تو وہ پوری ہوئی، کیونکہ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے یہ قسم کھائی تھی کہ وہ اجازت نہیں دیں گے، سو انھوں نے اجازت نہ دی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ ایسا ضرور ہوگا سو وہ ہو گیا۔

[1448] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ ، عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى الْمَازِنِيِّ ، عَنْ أَبِيهِ ، أَنَّهُ قَالَ: كَانَ فِي حَائِطِ جَدِّهِ رَبِيعٌ لِعَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ ، فَأَرَادَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ أَنْ يُحَوِّلَهُ إِلَى نَاحِيَةٍ مِنَ الْحَائِطِ هِيَ أَقْرَبُ إِلَى أَرْضِهِ ، فَمَنَعَهُ صَاحِبُ الْحَائِطِ ، فَكَلَّمَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ فِي ذَلِكَ ، فَقَضَى لِعَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ بِتَحْوِيلِهِ .

عمرو بن یحییٰ مازنی رحمہ اللہ اپنے والد (یحییٰ بن عمارہ مازنی رحمہ اللہ) سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے دادا (حضرت ابو حسن تمیم رضی اللہ عنہ) کے باغ میں حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کی (کھالہ نما) چھوٹی نہر تھی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ اسے باغ کی ایک جانب منتقل کر دیں جو ان کی زمین کے زیادہ قریب تھی، تو انھیں باغ کے مالک (حضرت تمیم بن عبدعمرو رضی اللہ عنہ) نے اس سے روک دیا (یہ سوچ کر کہ اب دوسری جانب خراب ہوگی)، چنانچہ حضرت

[1448] (موقوف ضعیف) بیهقی فی معرفة السنن والآثار: 4/ 542(3770)، الشافعی فی الأم: 7/ 231- شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں گفتگو کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس (نہر) کے منتقل کرنے میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے حق میں فیصلہ دیا۔

27- بَابٌ: اَلْقَضَاءُ فِيْ قَسْمِ الْأَمْوَالِ

اموال (زمین، جائداد) کی تقسیم میں فیصلے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں ایک مرفوع روایت (حدیث نبوی ﷺ) ہے جو سنداً صحیح ثابت ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

[1449] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ ثَوْرِ بْنِ زَيْدٍ الدِّيلِيِّ، أَنَّهُ قَالَ: بَلَغَنِي أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: أَيُّمَا دَارٍ أَوْ أَرْضٍ قُسِمَتْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، فَهِيَ عَلَى قَسْمِ الْجَاهِلِيَّةِ، وَأَيُّمَا دَارٍ أَوْ أَرْضٍ أَدْرَكَهَا الْإِسْلَامُ، وَلَمْ تُقْسَمْ فَهِيَ عَلَى قَسْمِ الْإِسْلَامِ.

ثور بن زید دیلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھیں یہ خبر پہنچی کہ بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جونسا گھر یا زمین جاہلیت میں تقسیم ہو چکا ہو تو وہ جاہلیت کی تقسیم پر (ہی بحال) رہے گا (خواہ وہ تقسیم ظالمانہ ہو یا منصفانہ) اور جس گھر یا زمین کو اسلام نے اس حال میں پالیا کہ ابھی اس کی تقسیم نہ ہوئی تھی تو وہ اسلام کی تقسیم کے مطابق بانٹی جائے گی۔

قَالَ يَحْيَى: سَمِعْتُ مَالِكًا يَقُولُ فِيمَنْ هَلَكَ وَتَرَكَ أَمْوَالًا بِالْعَالِيَةِ وَالسَّافِلَةِ، إِنَّ الْبَعْلَ لَا يُقْسَمُ مَعَ النَّضْحِ إِلَّا أَنْ يَرْضَى أَهْلُهُ بِذٰلِكَ، وَإِنَّ الْبَعْلَ يُقْسَمُ مَعَ الْعَيْنِ إِذَا كَانَ يُشْبِهُهَا، وَأَنَّ الْأَمْوَالَ إِذَا كَانَتْ بِأَرْضٍ وَاحِدَةٍ، الَّذِي بَيْنَهُمَا مُتَقَارِبٌ، أَنَّهُ يُقَامُ كُلُّ مَالٍ مِنْهَا، ثُمَّ يُقْسَمُ بَيْنَهُمْ وَالْمَسَاكِنُ وَالدُّورُ بِهٰذِهِ الْمَنْزِلَةِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جو فوت ہو جائے اور بلندی ونشیب میں کچھ مال (زمینیں) چھوڑ جائے تو بلاشبہ جڑوں سے پانی حاصل کرنے والی (اور اسی طرح بارانی) زمین کو چاہی زمین (جس کے لیے پانی دور سے لانا پڑتا ہے) کے ساتھ ملا کر تقسیم نہیں کیا جائے گا، الا یہ کہ اس کے مالک اس پر راضی ہوں اور بلاشبہ جڑوں سے سیراب ہونے والی زمین کو چشمے والی زمین کے ساتھ ملا کر تقسیم کیا جائے گا (بشرطیکہ) جب وہ بھی اس کے مشابہ ہو (اور اس کے لیے بھی پانی بالکل نہ لانا پڑتا ہو) اور بلاشبہ یہ اموال (زمینی قطعات) جب ایک ہی زمین میں ہوں (اور) ان دونوں کے مابین باہمی قربت ہو تو بلاشبہ ان میں سے ہر مال (ہر قسم کی زمین) کی قیمت لگائی جائے گی،

[1449] (مرفوع صحیح) سنن ابی داود، کتاب الفرائض، باب فیمن اسلم علی المیراث، حدیث: 2914، سنن ابن ماجہ، کتاب الرھون، باب قسمة الماء، حدیث: 2485، بیہقی: 9/ 122، ابویعلیٰ: 4/ 247(2359)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

پھر اسے ان (ورثاء) کے درمیان میں تقسیم کر دیا جائے گا اور رہائش گاہیں اور گھر بھی اسی طرح (ہی تقسیم ہوتے) ہیں۔

فائدہ :...... بلندی پر موجود زمینیں عموماً بارانی ہوتی ہیں یعنی بارش سے سیراب ہوتی ہیں اور نشیبی زمینیں عموماً چشمے وغیرہ سے سیراب ہوتی رہتی ہیں۔ اب دیکھا جائے گا کہ آدمی کی کون کون سی زمین کس کس طرح سیراب ہوتی ہے اور یہ چار صورتیں سامنے آسکتی ہیں: صرف بارش سے، صرف جڑوں سے پانی کھینچ کر اور چشمے سے جس کا پانی وہاں سے گزرتا ہو۔ ان تینوں قسموں میں چونکہ کاشتکار کو پانی لانے کے لیے کوئی محنت نہیں کرنا پڑتی اس لیے جب ان کی پیداوار نصاب کو پہنچے تو اس میں سے دسواں حصہ عشر نکالتے ہیں ......اور چوتھی قسم کی زمین وہ ہے جس کے لیے زمیندار کو پانی دینے کی محنت و مشقت اٹھانا پڑتی ہے۔ مثلاً اونٹوں اور جانوروں پر لاد کر، ٹینکروں کے ذریعے دور سے لا کر، یا ٹیوب ویل وغیرہ کے ذریعے، یا کنوؤں سے پانی نکال کر فصل کو لگانا پڑتا ہے تو ایسی زمینوں کا عشر بیسواں حصہ ہوتا ہے اور انھیں ''چاہی زمینیں'' کہا جاتا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر پانی کے لحاظ سے زمینوں کی اقسام مختلف ہوں تو پھر ہر زمین کے ٹکڑے کو الگ الگ نہ تقسیم کیا جائے گا، بلکہ ہر زمین کی اس کی حیثیت کے مطابق قیمت لگا کر اس قیمت کے حساب سے تقسیم ہوگی، اور اس قیمت کے مطابق زمین کے مختلف قطعات بانٹ دیے جائیں گے۔ چونکہ بعض زمینوں پر زکاۃ یعنی عشر زیادہ پڑتا ہے اس لیے ان کو لینے پر شاید کوئی آمادہ نہ ہوتا، لہٰذا امام مالک رحمہ اللہ نے اس کی تقسیم از روئے قیمت لگوا کر دی، الا یہ کہ اگر سب ورثاء راضی ہوں کہ زمین اپنے اپنے حصے کے لحاظ سے تقسیم کر لیتے ہیں خواہ کسی کے حصے میں بارانی زمین آئے اور کسی کے حصے میں چاہی زمین آئے، تو پھر یہ تقسیم درست ہے، خواہ قرعہ اندازی سے یہ قطعات بانٹ لیں یا باہمی خوشی و رضا مندی سے ...... اسی طرح اگر گھر اور مکانات وغیرہ مختلف حیثیتوں کے حامل ہوں تو ان میں بھی یہی طریق کار ہوگا...... جمہور اسی کے قائل ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ہر گھر اور ہر قسم کی زمین کی الگ الگ تقسیم ہوگی اور اس میں ہر ہر وارث کو الگ الگ حصے ملیں گے، لیکن امام مالک رحمہ اللہ کا موقف راجح محسوس ہوتا ہے کیونکہ ہر گھر اور ہر ایکڑ میں حصے کیے جائیں تو اس میں بہت زیادہ نقصان اور ٹوٹ پھوٹ واقع ہوگی۔ واللہ اعلم۔

28- بَابٌ: اَلْقَضَاءُ فِي الضَّوَارِيْ وَالْحَرِيْسَةِ

نقصان کرنے والے جانوروں اور حفاظت میں رکھے گئے جانور کے متعلق فیصلے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں دو روایات ہیں۔ ایک مرفوع (حدیث نبوی ﷺ) اور ایک موقوف (اثر صحابی رضی اللہ عنہ) ہے اور دونوں کی سندیں صحیح ثابت ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

فائدہ :...... ''ضَوَارِي'' جمع ہے ''ضَارِيَةٌ'' کی۔ اس سے مراد وہ جانور ہے جسے لوگوں کے کھیت اجاڑنے اور ان میں چرنے کی عادت ہو۔ اور ''حَرِيْسَةٌ'' بمعنی مَحْرُوسہ ہے یعنی وہ جانور جسے حفاظت میں رکھا جائے

یا حفاظت میں چرایا جائے۔ اس باب میں پہلی قسم کے جانوروں کی چٹی اور دوسری قسم کے جانوروں کے چوری کر لیے جانے کا تذکرہ کیا جارہا ہے۔

[1450] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ حَرَامِ بْنِ سَعْدِ بْنِ مُحَيِّصَةَ: أَنَّ نَاقَةً لِلْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ دَخَلَتْ حَائِطَ رَجُلٍ فَأَفْسَدَتْ فِيهِ، فَقَضَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنَّ عَلَى أَهْلِ الْحَوَائِطِ حِفْظَهَا بِالنَّهَارِ، وَأَنَّ مَا أَفْسَدَتِ الْمَوَاشِي بِاللَّيْلِ ضَامِنٌ عَلَى أَهْلِهَا.

حرام بن سعد بن محیصہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما کی اونٹنی ایک آدمی کے باغ میں داخل ہوگئی اور اس نے اس میں نقصان دیا، تو رسول اللہ ﷺ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ بلاشبہ باغات کے مالکوں پر دن کے وقت ان (باغوں) کی حفاظت لازم ہے (وہ دن کے وقت کسی جانور کو باغ میں نہ آنے دیں اور اگر کوئی جانور آ گیا تو جانور کا مالک ذمہ دار نہ ہوگا بلکہ یہ باغ کے مالک کی کوتاہی ہی شمار ہوگی) اور بلاشبہ رات کے وقت چوپائے جو کچھ خرابی ڈالیں تو ان کے مالکوں کے ذمے اس کی ضمانت (چٹی اور تاوان) ہوگا۔

فائدہ: ...... اس لیے رات کے وقت جانوروں کے مالکوں پر لازم ہے کہ جانوروں کو سنبھال کر رکھیں اور کسی کے کھیت یا باغ میں نہ جانے دیں، یہ نہایت خوبصورت، منصفانہ اور جامع فیصلہ ہے۔ ظاہر بات ہے کہ کھیتوں اور باغوں والے ہر وقت تو پہرہ نہیں دے سکتے، اسی طرح جانوروں والوں کے لیے بھی ہر وقت ان کی حفاظت مشکل ہے۔ تو یہ کتنا پیارا فیصلہ ہے کہ دن کے وقت زمینوں والے رکھوالی کریں اور کوئی جانور اندر نہ گھسنے دیں اور رات کے وقت جانوروں والے انھیں قابو میں رکھیں اور کہیں نہ جانے دیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ رات اور دن کے کسی بھی حصے میں جانور کے نقصان کا تاوان مالک پر نہیں ڈالتے، إلّا یہ کہ مالک جانور کے ہمراہ ہو تو ذمے دار ہوگا۔ بہر حال راجح موقف حدیث مبارکہ والا ہے۔

[1451] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ

یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن حاطب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ (ان

[1450] (مرفوع صحیح) سنن ابی داود، کتاب القضاء، باب المواشی تفسد زرع قوم، حدیث: 3570، سنن ابن ماجه، کتاب الاحکام باب الحکم فیما افسدت المواشی، حدیث: 2332، نسائی فی الکبری: 5785۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

[1451] (موقوف صحیح) بیہقی فی السنن الکبری: 8/ 278 (17287)، وفی معرفة السنن والآثار: 6/ 420 (5184)، عبدالرزاق: 10/ 238 (18977)، الشافعی فی الام: 7/ 231۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ حَاطِبٍ، أَنَّ رَقِيقاً لِحَاطِبٍ سَرَقُوا نَاقَةً لِرَجُلٍ مِنْ مُزَيْنَةَ، فَانْتَحَرُوهَا فَرُفِعَ ذَلِكَ إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، فَأَمَرَ عُمَرُ كَثِيرَ بْنَ الصَّلْتِ أَنْ يَقْطَعَ أَيْدِيَهُمْ، ثُمَّ قَالَ عُمَرُ: أَرَاكَ تُجِيعُهُمْ. ثُمَّ قَالَ عُمَرُ: وَاللّٰهِ لَأُغَرِّمَنَّكَ غُرْماً يَشُقُّ عَلَيْكَ. ثُمَّ قَالَ: لِلْمُزَنِيِّ كَمْ ثَمَنُ نَاقَتِكَ؟ فَقَالَ الْمُزَنِيُّ: قَدْ كُنْتُ وَاللّٰهِ أَمْنَعُهَا مِنْ أَرْبَعِ مِئَةِ دِرْهَمٍ. فَقَالَ عُمَرُ: أَعْطِهِ ثَمَانَ مِئَةِ دِرْهَمٍ.

کے دادا) حضرت حاطب (بن ابی بلتعہ) رضی اللہ عنہ کے کچھ غلاموں نے مزینہ قبیلے کے ایک آدمی کی اونٹنی چرا لی، پھر انھوں نے اسے نحر کر دیا (اور ذبح کر کے کھا گئے)، چنانچہ یہ معاملہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس لے جایا گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کثیر بن صلت رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ان کے ہاتھ کاٹ ڈالیں۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (حضرت حاطب رضی اللہ عنہ سے) فرمایا: میرا خیال ہے کہ تم انھیں بھوکا رکھتے ہو؟ (لہٰذا یہ تو بے چارے مضطر اور مجبور ہو کر حرام مال کی طرف مجبور ہوئے، لہٰذا ان کی بجائے تمھیں سزا ملنی چاہیے) پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں تم پر ضرور ایسا تاوان ڈالوں گا جو تم پر گراں اور سخت ہوگا، پھر انھوں نے مزینہ قبیلے والے شخص سے کہا کہ تمھاری اونٹنی کی قیمت کتنی تھی؟ مزنی نے کہا کہ میں تو اللہ کی قسم! اسے چار سو درہم کے بدلے بھی نہ بیچ رہا تھا (کیونکہ وہ اس سے زیادہ قیمت کی حامل تھی) تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (حضرت حاطب رضی اللہ عنہ سے) فرمایا کہ اسے (ڈبل یعنی دوگنا قیمت) آٹھ سو درہم ادا کر دو۔

قَالَ يَحْيَى: سَمِعْتُ مَالِكاً يَقُولُ: وَلَيْسَ عَلَى هَذَا الْعَمَلُ عِنْدَنَا فِي تَضْعِيفِ الْقِيمَةِ، وَلَكِنْ مَضَى أَمْرُ النَّاسِ عِنْدَنَا، عَلَى أَنَّهُ إِنَّمَا يَغْرَمُ الرَّجُلُ قِيمَةَ الْبَعِيرِ أَوِ الدَّابَّةِ يَوْمَ يَأْخُذُهَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں دوگنا قیمت (جرمانہ کرنے) کے متعلق اس (قول عمر رضی اللہ عنہ) کے مطابق عمل نہیں ہے بلکہ ہمارے ہاں تو لوگوں کا معاملہ یہ جاری رہا ہے کہ آدمی (چوری کردہ) اونٹ یا جانور کی اس دن والی قیمت کی چٹی بھرے گا جس دن اس نے اسے (ظلماً) حاصل کیا تھا۔

فائدہ: ...... تمام ائمہ و فقہاء اور جمہور کے نزدیک کسی کا نقصان کرنے والے پر دوگنا قیمت کا جرمانہ کرنا درست نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے: ﴿فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ﴾ (البقرۃ: 194) ''پس جو کوئی تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس پر اس کے برابر زیادتی کرو (اسے سزا دو اور اس سے بدلہ لو لیکن اسی قدر) جو زیادتی اس نے تم پر کی ہے۔ نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ کئی اعتبار سے اصولوں کے منافی ہے: مثلاً (1) دوگنا قیمت کا جرمانہ (2) مدعی کی بیان کردہ قیمت کا دعوی بغیر ثبوت کے تسلیم کر لینا اور (3) غلام اگر کسی ایسے جرم کا اقرار کرے جس کی چٹی اس کے آقا پر آتی ہو تو آقا پر مذکورہ (دوگنا) تاوان لازم نہیں ہوا کرتا بلکہ زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا ہے کہ غلام پر واقعی مالی سزا پڑتی ہو تو آقا کو اختیار دیا جاتا ہے کہ چاہے تو وہ غلام حق والوں کے سپرد کر دے اور

چاہے تو اس کی چٹی بھر دے لیکن غلام کی قیمت سے زیادہ تاوان نہ دے۔

29- بَابٌ: اَلْقَضَاءُ فِيمَنْ أَصَابَ شَيْئاً مِنَ الْبَهَائِمِ

جانوروں میں سے کسی کو نقصان پہنچانے والے کے متعلق فیصلے کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاویٰ مذکور ہیں۔

قَالَ يَحْيَى: سَمِعْتُ مَالِكاً يَقُولُ: اَلأَمْرُ عِنْدَنَا فِيمَنْ أَصَابَ شَيْئاً مِنَ الْبَهَائِمِ: إِنَّ عَلَى الَّذِي أَصَابَهَا قَدْرَ مَا نَقَصَ مِنْ ثَمَنِهَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں اس شخص جس نے چوپایوں میں سے کسی کو کچھ نقصان پہنچا دیا (تو اس) کے متعلق حکم یہ ہے کہ بلاشبہ جس نے اسے نقصان پہنچایا تو اس پر اس کمی کے بقدر (ادائیگی) لازم ہے جو اس جانور کی قیمت میں واقع ہوئی ہو۔

فائدہ: ...... جانور کو جان سے مارا ہو تو پورے جانور کی قیمت دینا ہوگی اور اگر اس کا کوئی عضو توڑا یا اسے زخمی یا عیب دار کیا ہو تو اس کی وجہ سے جانور کی قیمت میں جس قدر کمی واقع ہوگی وہ اس مجرم کو پوری کرنا ہوگی۔

قَالَ يَحْيَى: وَسَمِعْتُ مَالِكاً يَقُولُ فِي الْجَمَلِ يَصُولُ عَلَى الرَّجُلِ، فَيَخَافُهُ عَلَى نَفْسِهِ فَيَقْتُلُهُ، أَوْ يَعْقِرُهُ: فَإِنَّهُ إِنْ كَانَتْ لَهُ بَيِّنَةٌ عَلَى أَنَّهُ أَرَادَهُ وَصَالَ عَلَيْهِ، فَلَا غُرْمَ عَلَيْهِ، وَإِنْ لَمْ تَقُمْ لَهُ بَيِّنَةٌ إِلَّا مَقَالَتُهُ، فَهُوَ ضَامِنٌ لِلْجَمَلِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس اونٹ کے متعلق فرمایا جو کسی شخص پر حملہ کر دیتا ہے، وہ شخص اس سے اپنی جان پر خطرہ محسوس کرتا ہے تو وہ اسے قتل کر دیتا ہے یا اس کی ٹانگیں کاٹ دیتا ہے تو بلاشبہ اگر تو اس کے پاس اس بات پر (ثبوت اور) گواہی ہو کہ یقیناً اونٹ نے (پہل کرتے ہوئے) اس کا قصد کیا تھا اور اس پر حملہ آور ہو گیا تھا تو پھر اس پر کوئی چٹی نہ ہوگی اور اگر اس کے لیے اپنی بات کے علاوہ اور کوئی دلیل قائم نہ ہو سکی تو وہ اونٹ (یا اس کی قیمت) کا ضامن ہوگا۔

30- بَابٌ: اَلْقَضَاءُ فِيمَا يُعْطَى الْعُمَّالُ

کاریگروں کو دیے جانے والے مال کے متعلق فیصلے کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاویٰ مذکور ہیں۔

قَالَ يَحْيَى: سَمِعْتُ مَالِكاً يَقُولُ فِيمَنْ دَفَعَ إِلَى الْغَسَّالِ ثَوْباً يَصْبُغُهُ، فَصَبَغَهُ فَقَالَ صَاحِبُ الثَّوْبِ: لَمْ آمُرْكَ بِهَذَا الصَّبْغِ. وَقَالَ

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جس نے رنگریز (کپڑا رنگنے والے) کو ایک کپڑا دیا (تاکہ) جسے وہ رنگ دے، چنانچہ اس نے اسے رنگ دیا تو کپڑے والا شخص

الْغَسَّالُ : بَلْ أَنْتَ أَمَرْتَنِي بِذَلِكَ ، فَإِنَّ الْغَسَّالَ مُصَدَّقٌ فِي ذَلِكَ. وَالْخَيَّاطُ مِثْلُ ذَلِكَ ، وَالصَّائِغُ مِثْلُ ذَلِكَ ، وَيَحْلِفُونَ عَلَى ذَلِكَ ، إِلَّا أَنْ يَأْتُوا بِأَمْرٍ لَا يُسْتَعْمَلُونَ فِي مِثْلِهِ ، فَلَا يَجُوزُ قَوْلُهُمْ فِي ذَلِكَ ، وَلْيَحْلِفْ صَاحِبُ الثَّوْبِ ، فَإِنْ رَدَّهَا وَأَبَى أَنْ يَحْلِفَ ، حُلِّفَ الصَّبَّاغُ .

کہنے لگا کہ میں نے تمھیں اس رنگ کا حکم نہیں دیا تھا اور وہ رنگریز کہے کہ بلکہ تم نے مجھے اسی رنگ کا حکم دیا تھا، تو بلاشبہ اس بارے میں رنگریز کی بات مانی جائے گی اور درزی بھی اسی طرح (کا حکم رکھتا) ہے اور (سونا و چاندی وغیرہ) ڈھالنے والا (سنار) بھی اسی طرح ہے، اور ان (کاریگروں کی تصدیق کرتے وقت ان) سے اس پر قسم لی جائے گی، الا یہ کہ وہ ایسا کام لائیں (یعنی ایسا رنگ یا سلائی یا ڈیزائن وغیرہ بنائیں کہ عموماً) اس جیسے عمل میں ان سے کام نہیں لیا جاتا، تو اس (وقت اس اختلاف کی صورت) میں ان کا قول جائز (اور معتبر) نہ ہوگا اور (اس وقت) کپڑے والے کو قسم کھانی چاہیے، ہاں اگر وہ اس قسم کو رد کر دے اور حلف اٹھانے سے انکار کر دے تو رنگریز قسم اٹھالے گا (اور بریٔ الذمہ ہو جائے گا)

قَالَ : وَسَمِعْتُ مَالِكاً يَقُولُ فِي الصَّبَّاغِ يُدْفَعُ إِلَيْهِ الثَّوْبُ ، فَيُخْطِئُ بِهِ فَيَدْفَعُهُ إِلَى رَجُلٍ آخَرَ ، حَتَّى يَلْبَسَهُ الَّذِي أَعْطَاهُ إِيَّاهُ : إِنَّهُ لَا غُرْمَ عَلَى الَّذِي لَبِسَهُ ، وَيَغْرَمُ الْغَسَّالُ لِصَاحِبِ الثَّوْبِ ، وَذَلِكَ إِذَا لَبِسَ الثَّوْبَ الَّذِي دُفِعَ إِلَيْهِ ، عَلَى غَيْرِ مَعْرِفَةٍ بِأَنَّهُ لَيْسَ لَهُ ، فَإِنْ لَبِسَهُ وَهُوَ يَعْرِفُ أَنَّهُ لَيْسَ ثَوْبَهُ ، فَهُوَ ضَامِنٌ لَهُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے اس دھوبی (یا) رنگریز کے متعلق فرمایا جسے کوئی کپڑا دیا جاتا ہے، وہ (رنگریز) اس (کپڑے کی واپسی) میں خطا کر جاتا ہے اور کسی دوسرے آدمی کو دے ڈالتا ہے، یہاں تک کہ جسے اس نے دیا تھا وہ اسے پہن بھی لیتا ہے تو بلاشبہ جس نے اسے پہنا اس پر کوئی چٹی نہیں ہے، اور رنگریز کو کپڑے والے (اصل مالک) کے لیے چٹی دینا ہوگی (کیونکہ غلطی صرف اسی سے ہوئی ہے) اور یہ اس وقت ہے کہ جسے یہ کپڑا دیا گیا اس نے یہ جانے بغیر اسے پہنا ہو کہ بلاشبہ یہ کپڑا اس کا نہیں ہے، ہاں اگر اس نے اسے اس حال میں پہنا ہو کہ وہ جانتا تھا کہ یہ اس کا کپڑا نہیں، تو وہ اس کا ضامن ہوگا۔

31- بَابٌ: الْقَضَاءُ فِي الْحَمَالَةِ وَالْحِوَلِ

کفالت میں لینے اور حوالہ دینے کے متعلق فیصلے کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاویٰ مذکور ہیں۔

قَالَ يَحْيَى : سَمِعْتُ مَالِكاً يَقُولُ : الْأَمْرُ عِنْدَنَا فِي الرَّجُلِ يُحِيلُ الرَّجُلَ عَلَى الرَّجُلِ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں اس شخص (مقروض) جو کسی شخص (قرض خواہ) کو کسی (تیسرے) آدمی (یعنی

بِدَيْنٍ لَهُ عَلَيْهِ : أَنَّهُ إِنْ أَفْلَسَ الَّذِي أُحِيلَ عَلَيْهِ أَوْ مَاتَ، فَلَمْ يَدَعْ وَفَاءً، فَلَيْسَ لِلْمُحْتَالِ عَلَى الَّذِي أَحَالَهُ شَيْءٌ، وَأَنَّهُ لَا يَرْجِعُ عَلَى صَاحِبِهِ الْأَوَّلِ .

مقروض کے مقروض) کا حوالہ دیتا ہے، اپنے اس قرض کا جو اس (قرض خواہ) کا اس (پہلے شخص) پر ہوتا ہے، (مثلاً زید نے بکر سے ہزار روپیہ لینا تھا اور بکر نے خالد سے ہزار روپے لینے تھے، تو جب زید نے بکر سے مطالبہ کیا تو بکر نے کہا کہ تم خالد سے وہ رقم لے لو جو میری اس کے ذمے ہے تو اس) کے متعلق حکم یہ ہے کہ اگر وہ (تیسرا) شخص (خالد) جس کا حوالہ دیا گیا تھا، مفلس و دیوالیہ ہو جائے یا مر جائے اور قرض کی مکمل ادائیگی چھوڑ کر نہ جائے تو حوالہ دیے جانے والے شخص (زید) کے لیے اس (دوسرے) شخص (بکر) کے ذمے کچھ نہ ہوگا جس نے اسے حوالہ دیا تھا، اور بلاشبہ وہ (زید، خالد کی موت کے بعد دوبارہ) اپنے پہلے ساتھی (بکر) کی طرف رجوع نہیں کر سکتا (کہ وہ تو مر گیا ہے، اب تم ہی قرضہ ادا کرو)

قَالَ مَالِكٌ : وَهَذَا الْأَمْرُ الَّذِي لَا اخْتِلَافَ فِيهِ عِنْدَنَا .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور یہ وہ حکم ہے جس میں ہمارے ہاں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

فائدہ :...... کیونکہ یہ تو ایسے ہی ہے کہ جیسے اس کا اپنا مقروض بغیر کچھ چھوڑے مر گیا ہو یا دیوالیہ ہو گیا ہو، دراصل "حوالہ" کے عمل کے ذریعے اس قرض خواہ کا قرض بکر کی بجائے خالد کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، اِلَّا یہ کہ پہلا مقروض یعنی بکر خوشی سے اس قرض خواہ زید کو کچھ دینا چاہے تو اس کی مرضی ہے، اس پر لازم نہیں ہے ...... حوالہ کا تفصیلی بیان کتاب البیوع کے باب: ۴۰ میں گزر چکا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : فَأَمَّا الرَّجُلُ يَتَحَمَّلُ لَهُ الرَّجُلُ بِدَيْنٍ لَهُ عَلَى رَجُلٍ آخَرَ، ثُمَّ يَهْلِكُ الْمُتَحَمِّلُ أَوْ يُفْلِسُ، فَإِنَّ الَّذِي تُحُمِّلَ لَهُ يَرْجِعُ عَلَى غَرِيمِهِ الْأَوَّلِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور رہا وہ شخص (قرض خواہ) کہ جس کے لیے کوئی (تیسرا) شخص خود ضمانت و کفالت اٹھا لے اس قرض کی جو اس (قرض خواہ) کا کسی دوسرے شخص پر ہو، پھر وہ کفالت والا مر جائے یا دیوالیہ ہو جائے تو بلاشبہ جس شخص کے لیے کفالت و ضمانت اٹھائی گئی تھی (یعنی قرض خواہ) اپنے پہلے قرضدار پر رجوع کر سکتا ہے۔

فائدہ :...... یعنی جب تیسرا شخص حوالہ کی بجائے حمالہ یا کفالہ کا عمل کرے یعنی محض اپنے طور پر قرض کی ادائیگی اپنے ذمے لے لے اور کفیل بن جائے تو اس سے قرض منتقل نہیں ہوتا، چنانچہ اگر وہ ادا کر دے تو ٹھیک ہے ورنہ قرض اصل مقروض کے ذمے باقی رہے گا۔

32- بَابٌ: الْقَضَاءُ فِيمَنِ ابْتَاعَ ثَوْباً وَبِهِ عَيْبٌ

اس شخص کے متعلق فیصلے کا بیان جس نے کپڑا خریدا اور اس میں عیب نکل آیا

خلاصۃ الباب: اس باب میں امام مالک ﷫ کے دو فتاویٰ مذکور ہیں۔

قَالَ يَحْيَى: سَمِعْتُ مَالِكاً يَقُولُ: إِذَا ابْتَاعَ الرَّجُلُ ثَوْباً وَبِهِ عَيْبٌ، مِنْ حَرْقٍ أَوْ غَيْرِهِ، قَدْ عَلِمَهُ الْبَائِعُ، فَشُهِدَ عَلَيْهِ بِذٰلِكَ، أَوْ أَقَرَّ بِهِ، فَأَحْدَثَ فِيهِ الَّذِي ابْتَاعَهُ حَدَثاً، مِنْ تَقْطِيعٍ يُنَقِّصُ ثَمَنَ الثَّوْبِ، ثُمَّ عَلِمَ الْمُبْتَاعُ بِالْعَيْبِ، فَهُوَ رَدٌّ عَلَى الْبَائِعِ، وَلَيْسَ عَلَى الَّذِي ابْتَاعَهُ غُرْمٌ فِي تَقْطِيعِهِ إِيَّاهُ.

امام مالک ﷫ نے فرمایا: جب آدمی کوئی کپڑا خریدے، اس حال میں کہ اس میں جلا ہوا ہونے (یا پھٹا ہوا ہونے) یا اس کے علاوہ کوئی اور ایسا عیب ہو جس کا بائع کو علم تھا، چنانچہ اس کے خلاف اس کی گواہی بھی مل جائے یا وہ خود اس کا اقرار کرلے (لیکن ادھر) وہ شخص جس نے اسے خریدا تھا وہ اس کپڑے میں کوئی ایسا نیا کام (یعنی تصرف) کردے مثلاً اسے (سلائی وغیرہ کے لیے) کاٹ چکا ہو جس سے کپڑے کی قیمت میں کمی واقع ہوجاتی ہے، پھر (کاٹنے کے بعد) خریدار کو اس عیب کا علم ہو تو وہ کپڑا بائع کی طرف لوٹا دیا جائے گا اور جس شخص نے اسے خریدا تھا اس کے اسے کاٹ دینے میں اس پر کوئی چٹی نہ پڑے گی۔

فائدہ: ...... کیونکہ بائع نے اسے دھوکا دیا تھا، اس لیے اب اس کی یہی سزا بنتی ہے۔ ویسے بھی عیب دار کپڑا کم قیمت ہوتا ہے لہٰذا کاٹنے وغیرہ سے جو قیمت کم ہوئی ہے وہ اسی عیب کے بدلے میں شمار کرلی جائے گی۔ بہرحال خریدار اس سے اپنی پوری رقم واپس لے سکتا ہے اور اگر وہ چاہے تو کپڑا رکھ لے اور عیب کے حساب سے کچھ قیمت واپس لے لے۔

قَالَ: وَإِنِ ابْتَاعَ رَجُلٌ ثَوْباً وَبِهِ عَيْبٌ مِنْ حَرْقٍ أَوْ عَوَارٍ، فَزَعَمَ الَّذِي بَاعَهُ أَنَّهُ لَمْ يَعْلَمْ بِذٰلِكَ، وَقَدْ قَطَعَ الثَّوْبَ الَّذِي ابْتَاعَهُ، أَوْ صَبَغَهُ، فَالْمُبْتَاعُ بِالْخِيَارِ، إِنْ شَاءَ أَنْ يُوضَعَ عَنْهُ قَدْرُ مَا نَقَصَ الْحَرْقُ أَوِ الْعَوَارُ مِنْ ثَمَنِ الثَّوْبِ وَيُمْسِكُ الثَّوْبَ فَعَلَ، وَإِنْ شَاءَ أَنْ يَغْرَمَ مَا نَقَصَ التَّقْطِيعُ أَوِ الصَّبْغُ مِنْ ثَمَنِ الثَّوْبِ وَيَرُدُّهُ فَعَلَ، وَهُوَ فِي ذٰلِكَ بِالْخِيَارِ، فَإِنْ كَانَ الْمُبْتَاعُ قَدْ صَبَغَ الثَّوْبَ صِبْغاً يَزِيدُ

امام مالک ﷫ نے فرمایا: اور اگر کسی آدمی نے کوئی کپڑا اس حال میں خریدا کہ اس میں عیب تھا، یعنی جلا ہوا (یا پھٹا ہوا) یا کوئی اور عیب تھا اور (جب تنازعہ کھڑا ہوا) تو بائع کہے کہ اسے اس کا علم نہ تھا اور وہ شخص جس نے اسے خریدا تھا وہ اسے کاٹ چکا ہو یا اسے رنگ چکا ہو (جس سے کپڑے کی قیمت متاثر ہوچکی ہو اور وہ پھر بھی کپڑا واپس کرنا چاہتا ہو) تو خریدار کو اختیار ہے کہ اگر چاہے تو اس سے قیمت کی اتنی مقدار کم کردی جائے جو جلے ہونے یا پھٹے ہونے یا دوسرے کسی عیب نے کپڑے کی قیمت میں کمی کی تھی۔ (اس عیب

فِي ثَمَنِهِ، فَالْمُبْتَاعُ بِالْخِيَارِ، إِنْ شَاءَ أَنْ يُوضَعَ عَنْهُ قَدْرُ مَا نَقَصَ الْعَيْبُ مِنْ ثَمَنِ الثَّوْبِ وَإِنْ شَاءَ أَنْ يَكُونَ شَرِيكاً لِلَّذِي بَاعَهُ الثَّوْبَ فَعَلَ، وَيُنْظَرُ كَمْ ثَمَنُ الثَّوْبِ وَفِيهِ الْحَرْقُ أَوِ الْعَوَارُ، فَإِنْ كَانَ ثَمَنُهُ عَشَرَةَ دَرَاهِمَ، وَثَمَنُ مَا زَادَ فِيهِ الصَّبْغُ خَمْسَةَ دَرَاهِمَ كَانَا شَرِيكَيْنِ فِي الثَّوْبِ، لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِقَدْرِ حِصَّتِهِ، فَعَلَى حِسَابِ هَذَا يَكُونُ مَا زَادَ الصَّبْغُ فِي ثَمَنِ الثَّوْبِ.

کے حساب سے کچھ پیسے اسے واپس کر دیے جائیں) اور وہ کپڑا اپنے پاس ہی روکے رکھے تو وہ ایسا کرسکتا ہے اور اگر وہ چاہے کہ کپڑے کی کٹائی یا رنگائی نے جس قدر قیمت کم کی ہو اس کی چٹی بھر دے اور کپڑا واپس کر دے تو وہ یہ بھی کرسکتا ہے، اور (بہرحال) وہ اس میں اختیار رکھتا ہے ......اور اگر خریدار نے اس کپڑے کو ایسی رنگائی کی ہو جو اس کی قیمت میں اضافہ کر دے، پھر خریدار (کپڑا واپس بھی کرنا چاہتا ہو تو اس) کے لیے اختیار ہے، اگر چاہے تو (کپڑا اپنے پاس ہی رکھے اور) اس سے اتنی قیمت گھٹا (کر واپس کر) دی جائے جو اس عیب نے کپڑے میں واقع کی تھی (تو وہ یہ بھی کرسکتا ہے) اور اگر وہ (خریدار) چاہے تو اس شخص کا شریک بن جائے جس نے اسے کپڑا بیچا تھا تو وہ یہ بھی کرسکتا ہے اور (اگر وہ شریک بننا چاہے تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ) دیکھا جائے گا کہ کپڑے کی اس وقت قیمت کتنی تھی جب اس میں جلے ہونے یا پھٹے ہونے کا یا کسی اور قسم کا عیب تھا، چنانچہ اگر اس وقت کپڑے کی قیمت دس درہم بنتی تھی اور رنگائی نے جو اس میں قیمت کا اضافہ کیا ہے وہ پانچ درہم ہے تو وہ دونوں اس کپڑے میں شریک ہو جائیں گے (بیچنے والے کے دو حصے اور خریدنے والے کا ایک حصہ اس میں شامل ہوگا)، ان میں سے ہر کسی کے لیے اس کے حصے کے بقدر شراکت ہوگی، پھر اسی حساب سے وہ (نفع) ہوگا جو رنگائی نے کپڑے کی قیمت میں کیا ہوگا۔

فائدہ: ......یعنی خریدار وہ کپڑا شراکت کے طور پر بیچنے والے کو دے دے گا اور وہ جتنے میں بکے گا اس حاصل شدہ قیمت کے تین حصے کر کے اسے باہم تقسیم کرلیں گے، ایک حصہ رنگائی والے کا اور دو حصے کپڑے کے مالک کے ہوں گے۔

33- بَابُ مَا لَا يَجُوزُ مِنَ النُّحْلِ

ناجائز ہبہ وعطیہ کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں تین روایات ہیں، ایک مرفوع ہے جو بخاری ومسلم میں بھی ہے اور دو موقوف (آثار صحابہ رضی اللہ عنہم) ہیں جو سنداً صحیح ثابت ہیں۔

فائدہ: ......امام مالک رحمہ اللہ نے صدقہ وزکاۃ کے علاوہ دوسروں کو دی جانے والی چیزوں کے متعلق تین ابواب میں تین الفاظ استعمال کیے ہیں: (1) نُحل یا نِحلہ (2) عطیہ اور (3) ہبہ۔ پہلی دو قسموں میں صرف نام

کا فرق ہے اور چیز دیتے وقت اگر عـطـاء یا اِعْطاء کے لفظ بولے جائیں تو اسے عطیہ، عطیات کہتے ہیں ورنہ نُحل یـا نِحلہ کہتے ہیں اور ان دونوں سے مراد کسی کو ایسے انداز میں نوازنا اور عنایت کرنا ہے جس میں معاوضہ لینے کی نیت نہ ہو اور ہبہ میں عموماً معاوضہ و بدلہ لینے کی نیت ہوتی ہے۔ الغرض یہ تینوں تحفے ہی کی اقسام ہیں اور ان کا ایک دوسرے کی جگہ پر بھی استعمال ہوتا رہتا ہے۔

[1452] حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ، وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ، أَنَّهُمَا حَدَّثَاهُ، عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ، أَنَّهُ قَالَ: إِنَّ أَبَاهُ بَشِيراً أَتَى بِهِ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: إِنِّي نَحَلْتُ ابْنِي هَذَا غُلَاماً كَانَ لِي. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: أَكُلَّ وَلَدِكَ نَحَلْتَهُ مِثْلَ هَذَا؟ فَقَالَ: لَا. قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: فَارْتَجِعْهُ.

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ ان کے والد حضرت بشیر رضی اللہ عنہ انھیں لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں نے اپنے اس لڑکے کو اپنا ایک غلام عطا کیا ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا: "کیا تم نے اپنی ساری اولاد کو اس کی مثل عطا کیا ہے؟ انھوں نے کہا کہ نہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اسے واپس لوٹا لو"۔

فائدہ: ...... دراصل حضرت بشیر رضی اللہ عنہ کی اولاد، مختلف بیویوں سے تھی، ان کے بیٹے نعمان رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ حضرت عمرہ بنت رواحہ رضی اللہ عنہا سے تھے جو انھیں بار بار کہتی رہیں کہ میرے بیٹے کو کچھ ہبہ کرو، وہ سال دو سال ٹال مٹول کرتے رہے، پھر ایک غلام اسے ہبہ کر دیا تو کہنے لگیں کہ میں تو اسی وقت مطمئن ہوں گی جب آپ رسول اللہ ﷺ کو اس پر گواہ بنالیں گے تاکہ بعد میں جھگڑے نہ کھڑے ہوں۔ حضرت نعمان رضی اللہ عنہ انصارِ مدینہ میں ہجرت نبوی ﷺ کے بعد پیدا ہونے والے سب سے پہلے بچے تھے اور وہ وفات نبوی ﷺ کے وقت آٹھ سال اور سات ماہ کے تھے۔ ان کے ابا جان اس موقع پر انھیں کچھ راستہ اٹھا کر اور کچھ راستہ ہاتھ سے پکڑ کر چلاتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے تھے۔ بہرحال رسول اللہ ﷺ نے ان کے اس ہبہ کو ظلم قرار دیا اور فرمایا کہ میں ظلم پر گواہ نہیں بنتا، جاؤ کسی اور کو گواہ بنالو، نیز یہ بھی بتایا کہ جس طرح تم چاہتے ہو کہ ساری اولاد تم سے حسن سلوک کے ساتھ پیش آئے تو اسی طرح تم بھی ان سب کے ساتھ برابر سلوک کرو، اور فرمایا: "اپنی اولاد میں عدل کرو" حضرت نعمان بن

[1452] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب الهبة وفضلها، باب الهبة للولد، حدیث: 2586، 2587، 2650، صحیح مسلم، کتاب الهبات، باب کراهة تفضیل بعض الاولاد فی الهبة، حدیث: 1623، ابوداود: 3542، ترمذی: 1367، نسائی: 3703، ابن ماجه: 2376، احمد: 4/ 270 (18572).

بشیر رضی اللہ عنہ کی صرف ایک ہی بہن کا تذکرہ ملتا ہے جس کا نام "اُبَیّہ" تھا۔ اسی لیے امام احمد رحمہ اللہ، امام بخاری رحمہ اللہ، طاؤس رحمہ اللہ، سفیان ثوری رحمہ اللہ، اسحاق رحمہ اللہ، اہلحدیث حضرات نیز بعض شافعیہ اور مالکیہ کا موقف یہ ہے کہ زندگی میں اولاد کو جو کچھ بھی دیا جائے اس میں مذکر ومؤنث میں برابری لازم ہے اور ان میں وراثت والی کمی بیشی کے ساتھ تقسیم کا معاملہ زندگی میں نہیں کیا جاسکتا۔ ان تمام مذکور محدثین کے ہاں یہ برابری واجب ہے اور برابری نہ ہو تو یہ حرام ہے اور ہبہ وعطیہ باطل ہو جاتا ہے۔ جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور جمہور کے نزدیک یہ برابری محض مستحب ہے، اگر برابری نہ ہو تو مکروہ ہے اور ہبہ صحیح قرار پاتا ہے، وہ اس نہی کو تنزیہی سمجھتے ہیں۔ (مختصر از زرقانی: 4/57، 58) علامہ زرقانی رحمہ اللہ نے بھی مالکی موقف کے لحاظ سے اس روایت میں دس تاویلات ذکر کی ہیں ...... حالانکہ اس حدیث مبارکہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف انداز میں اس عمل کو ظلم اور خلاف عدل قرار دیا ہے، حتیٰ کہ ہبہ بھی واپس کرا دیا، لہٰذا امام احمد رحمہ اللہ کا موقف ہی راجح ہے۔ رہا یہ مسئلہ کہ ہبہ واپس لیا جاسکتا ہے یا نہیں ؟ تو اس کا بیان آگے باب: ۳۵ میں آرہا ہے۔

[1453] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ، أَنَّهَا قَالَتْ: إِنَّ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيقَ كَانَ نَحَلَهَا جَادَّ عِشْرِينَ وَسْقاً مِنْ مَالِهِ بِالْغَابَةِ، فَلَمَّا حَضَرَتْهُ الْوَفَاةُ قَالَ: وَاللّٰهِ يَا بُنَيَّةُ مَا مِنَ النَّاسِ أَحَدٌ أَحَبُّ إِلَيَّ غِنًى بَعْدِي مِنْكِ، وَلَا أَعَزُّ عَلَيَّ فَقْراً بَعْدِي مِنْكِ، وَإِنِّي كُنْتُ نَحَلْتُكِ جَادَّ عِشْرِينَ وَسْقاً، فَلَوْ كُنْتِ جَدَدْتِيهِ وَاحْتَزْتِيهِ كَانَ لَكِ، وَإِنَّمَا هُوَ الْيَوْمَ مَالُ وَارِثٍ، وَإِنَّمَا هُمَا أَخَوَاكِ وَأُخْتَاكِ فَاقْتَسِمُوهُ عَلَى كِتَابِ اللّٰهِ. قَالَتْ عَائِشَةُ: فَقُلْتُ يَا أَبَتِ وَاللّٰهِ لَوْ كَانَ كَذَا وَكَذَا

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے، کہتی ہیں کہ بے شک (ان کے والد) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انھیں (کچھ کھجوروں سے) کاٹ کر اتارا جانے والا بیس وسق (پھل) عطا کیا ہوا تھا جو (ملک شام کے راستے پر مدینہ سے بارہ میل دور) "غابہ" جگہ میں ان کے مال (زمین) میں تھا (یعنی کھجوروں کے درخت انھیں عطا کر رکھے تھے)۔ پھر جب انھیں موت حاضر ہوئی تو کہنے لگے: اے میری پیاری لخت جگر: لوگوں میں سے کوئی شخص ایسا نہیں کہ میرے بعد تیری نسبت اس کا مستغنی و مالدار ہونا میرے نزدیک تجھ سے زیادہ محبوب ہو اور میرے بعد تیری نسبت جس کا فقیر ہونا میرے نزدیک زیادہ گراں (اور ناپسند) ہو، (میری دلی خواہش یہی ہے کہ تو ہی سب سے

[1453] (موقوف صحیح) بیهقی فی السنن الکبریٰ: 6/ 169 (11948)، وفی معرفة السنن والآثار: 5/ 3 (3781)، عبدالرزاق: 9/ 101 (16507)، طحاوی فی شرح معانی الآثار: 4/ 88۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو شیخین کی شرط کے مطابق صحیح کہا ہے۔

لَتَرَكْتُهُ، إِنَّمَا هِيَ أَسْمَاءُ، فَمَنِ الْأُخْرَى؟ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: ذُو بَطْنِ بِنْتِ خَارِجَةَ. أُرَاهَا جَارِيَةً.

زیادہ مالدار ہو اور فقیری تیرے پاس بھی نہ پھٹکے)، بے شک میں نے تجھے کھجور کے درختوں سے توڑا جانے والا بیس وسق (پھل) ہبہ کیا تھا، چنانچہ اگر تو اسے توڑ لیتی اور اپنے قبضے میں کر لیتی تو وہ تیرا ہو جاتا اور (لیکن) بلاشبہ وہ آج وراثت کا مال (بن چکا) ہے اور یقیناً (میری اولاد میں سے جو زندہ ہیں) وہ تمھارے دو بھائی (عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ اور محمد رضی اللہ عنہ) اور دو بہنیں ہیں، لہٰذا تم اسے کتاب اللہ کے موافق تقسیم کر لینا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے کہا: پیارے ابا جان! اللہ کی قسم! اگر وہ (پھل اس سے کہیں زیادہ) اتنا اتنا بھی ہوتا تو میں اسے چھوڑ دیتی، (آپ کی وصیت اور شریعت اسلامیہ پر سب قربان لیکن مجھے یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ میری دو بہنیں کون سی ہیں؟) بلاشبہ وہ تو صرف ایک سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا ہی ہیں تو دوسری کون ہے؟ وہ فرمانے لگے کہ وہ حضرت (حبیبہ) بنت خارجہ رضی اللہ عنہا کے پیٹ والا حمل ہے، میرا خیال ہے کہ وہ لڑکی ہوگی۔

فائدہ: ...... اور ایسا ہی ہوا، جس کا نام ام کلثوم رکھا گیا۔ غالباً انھوں خواب دیکھا ہوگا۔ اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ورثاء میں ان کی اولاد کے علاوہ دو بیویاں حضرت اسماء بنت عمیس اور حضرت حبیبہ بنت خارجہ اور والد حضرت ابوقحافہ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ دراصل ہبہ جب تک قبضے میں نہ لیا جائے تب تک ملکیت ثابت نہیں ہوتی بلکہ وہ ہبہ کرنے والے ہی کی ملکیت میں رہتا ہے۔ یہی موقف تھا خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کا اور امام احمد رحمہ اللہ کے علاوہ باقی ائمہ کا۔ امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک ہبہ اور صدقہ بغیر قبضے کے بھی صحیح ہو جاتے ہیں۔ ایک وسق میں ساٹھ صاع ہوتے ہیں اور صاع کی محقق مقدار 2099 کلوگرام ہے، اور ایک وسق کی مقدار تقریباً ۱۲۶ کلوگرام ہوتی ہے۔

[1454] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدٍ الْقَارِيِّ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ: مَا بَالُ رِجَالٍ يَنْحَلُونَ أَبْنَاءَ هُمْ نُحْلًا، ثُمَّ يُمْسِكُونَهَا، فَإِنْ مَاتَ ابْنُ أَحَدِهِمْ قَالَ: مَالِي بِيَدِي لَمْ أُعْطِهِ أَحَدًا. وَإِنْ مَاتَ هُوَ قَالَ: هُوَ لِابْنِي قَدْ كُنْتُ أَعْطَيْتُهُ إِيَّاهُ. مَنْ نَحَلَ

عبدالرحمٰن بن عبد قاری رحمہ اللہ (جو قارہ قبیلے کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں) سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ اپنے بیٹوں کو کچھ عطیہ دے دیتے ہیں، پھر اسے روکے رکھتے ہیں (اور قبضے میں نہیں دیتے)، پھر اگر ان میں سے کسی کا بیٹا فوت ہو جائے تو کہتے ہیں کہ (میں نے کون سا اسے دے ہی دیا تھا؟) میرا مال میرے قبضے میں ہے اور میں نے تو یہ کسی

[1454] (موقوف صحيح) بيهقى فى السنن الكبرى: 6/ 170(11949)، وفى معرفة السنن والآثار: 5/ 4، (3782، 3784)، عبدالرزاق: 9/ 120(16509)، ابن ابى شيبه: 20117۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

نِحْلَةً، فَلَمْ يَحُزْهَا الَّذِي نُحِلَهَا، حَتَّى تَكُونَ إِنْ مَاتَ لِوَرَثَتِهِ، فَهِيَ بَاطِلٌ.

کونہیں دیا اور اگر وہ خود مرنے لگے تو کہتا ہے کہ یہ تو میرے بیٹے کا ہے، یقیناً میں تو یہ اسے عطا کر چکا تھا۔ (سن لو) جس کسی نے کوئی عطیہ وتحفہ دیا، پھر جسے وہ دیا گیا ہو وہ اسے قبضے میں نہ لے یہاں تک کہ وہ مرے تو وہ اس کے ورثاء کے لیے (مال وراثت بن جائے) تو وہ باطل ہے۔

فائدہ: ......یعنی اس کی تحفے والی حیثیت باطل ہوگی اور وہ مال وراثت ہی شمار ہوگا۔ دراصل لوگوں نے بعض ورثاء کو محروم کرنے کے لیے یہ ایک بہانہ بنا رکھا تھا جس پر بالآخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پابندی لگا دی۔

34- بَابُ مَا لَا يَجُوزُ مِنَ الْعَطِيَّةِ

ناجائز عطیہ دینے کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کے تین فتاوی جات مذکور ہیں۔

قَالَ يَحْيَى: سَمِعْتُ مَالِكًا يَقُولُ: الأَمْرُ عِنْدَنَا فِيمَنْ أَعْطَى أَحَداً عَطِيَّةً لَا يُرِيدُ ثَوَابَهَا، فَأَشْهَدَ عَلَيْهَا، فَإِنَّهَا ثَابِتَةٌ لِلَّذِي أُعْطِيَهَا، إِلَّا أَنْ يَمُوتَ الْمُعْطِي قَبْلَ أَنْ يَقْبِضَهَا الَّذِي أُعْطِيَهَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں اس شخص جو کسی شخص کو ایسا عطیہ دے کہ اس پر بدلہ پانے کا وہ ارادہ نہ رکھتا ہو، پھر وہ اس پر (کسی کو) گواہ بنا دے، کے متعلق یہ حکم ہے کہ بلاشبہ وہ (عطیہ) اس شخص کے لیے ثابت ہو جائے گا جسے وہ دیا گیا ہے، الا یہ کہ معطی (عطیہ دینے والا شخص) اس سے پہلے ہی فوت ہو جائے کہ عطیہ دیا جانے والا شخص (معطی لہ) اس پر قبضہ کرتا۔

قَالَ: وَإِنْ أَرَادَ الْمُعْطِي إِمْسَاكَهَا بَعْدَ أَنْ أَشْهَدَ عَلَيْهَا، فَلَيْسَ ذَلِكَ لَهُ، إِذَا قَامَ عَلَيْهِ بِهَا صَاحِبُهَا أَخَذَهَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور اگر عطیہ دینے والا شخص اس پر گواہ بنا لینے کے بعد اسے روک لینا چاہے تو یہ اس کے لیے جائز نہ ہوگا، جب وہ عطیہ (دیا جانے) والا شخص اس عطیہ کے لیے اس (دینے والے) پر کھڑا ہو (یعنی جب تقاضا کرے) تو وہ اسے (جبراً بھی) لے سکتا ہے۔

فائدہ: ...... ہبہ، بدلے کے عوض دینا جائز ہے جیسا کہ بدوی لوگ اس مقصد کے لیے رسول اللہ ﷺ کو ہدیے دیا کرتے تھے۔ (ترمذی: 3945، 3946۔ اس کی سند صحیح ہے۔) بعض اہل علم ہدیہ بالعوض کو بیع شمار کرتے ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ: وَمَنْ أَعْطَى عَطِيَّةً، ثُمَّ نَكَلَ الَّذِي أَعْطَاهَا، فَجَاءَ الَّذِي أُعْطِيَهَا بِشَاهِدٍ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور جس شخص کو کوئی عطیہ دیا گیا، پھر جس شخص نے وہ عطا کیا تھا، انکار کر دے اور جسے دیا گیا

يَشْهَدُ لَهُ أَنَّهُ أَعْطَاهُ ذَلِكَ، عَرْضاً كَانَ أَوْ ذَهَباً أَوْ وَرِقاً أَوْ حَيَوَاناً، أُحْلِفَ الَّذِي أُعْطِيَ مَعَ شَهَادَةِ شَاهِدِهِ، فَإِنْ أَبَى الَّذِي أُعْطِيَ أَنْ يَحْلِفَ، حُلِّفَ الْمُعْطِي، وَإِنْ أَبَى أَنْ يَحْلِفَ أَيْضاً أَدَّى إِلَى الْمُعْطَى مَا ادَّعَى عَلَيْهِ، إِذَا كَانَ لَهُ شَاهِدٌ وَاحِدٌ، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ شَاهِدٌ فَلَا شَيْءَ لَهُ.

تھا وہ ایک گواہ لے آئے جو اس کے حق میں یہ گواہی دے کہ بلاشبہ اس (عطیہ دینے والے) نے اسے وہ چیز دے دی تھی، خواہ سامان ہو یا سونا یا چاندی یا جانور تو جسے وہ عطیہ دیا گیا ہے اس سے اس کے ایک گواہ کے ساتھ ساتھ قسم لی جائے گی (کیونکہ وہ مدعی ہے) پھر اگر عطیہ دیا جانے والا شخص قسم کھانے سے انکار کردے تو معطی (عطیہ دینے والا) قسم اٹھائے گا (کہ میں نے عطیہ نہیں دیا۔) اور اگر وہ بھی قسم کھانے سے انکار کردے تو معطی لہ (عطیہ دیے جانے والے شخص) کو وہ چیز دے دی جائے گی جس کا اس نے اس پر دعویٰ کیا ہو، (بشرطیکہ) جب اس کے پاس ایک گواہ ہو، اور اگر اس کے پاس ایک گواہ بھی نہ ہو تو اسے کچھ نہ ملے گا۔

قَالَ مَالِكٌ: مَنْ أَعْطَى عَطِيَّةً لَا يُرِيدُ ثَوَابَهَا، ثُمَّ مَاتَ الْمُعْطَى، فَوَرَثَتُهُ بِمَنْزِلَتِهِ، وَإِنْ مَاتَ الْمُعْطِي قَبْلَ أَنْ يَقْبِضَ الْمُعْطَى عَطِيَّتَهُ، فَلَا شَيْءَ لَهُ، وَذَلِكَ أَنَّهُ أُعْطِيَ عَطَاءً لَمْ يَقْبِضْهُ، فَإِنْ أَرَادَ الْمُعْطِي أَنْ يُمْسِكَهَا، وَقَدْ أَشْهَدَ عَلَيْهَا حِينَ أَعْطَاهَا، فَلَيْسَ ذَلِكَ لَهُ، إِذَا قَامَ صَاحِبُهَا أَخَذَهَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جس شخص نے ایسا عطیہ دیا جس پر وہ کوئی بدلہ نہیں چاہتا، پھر وہ (معطی لہ) شخص فوت ہو گیا جس کو عطیہ دیا گیا تھا، تو اس کے ورثاء (عطیہ کی وصولی میں) اس کے قائم مقام ہوں گے اور (البتہ) اگر عطیہ دینے والا (معطی) اس سے پہلے مر جائے کہ عطیہ دیا جانے والا (معطی لہ) اس پر قبضہ کرتا تو پھر اس (معطی لہ) کے لیے کچھ نہ ہوگا۔ اور یہ اس وجہ سے ہے کہ بے شک اسے ایسا عطیہ دیا گیا جسے اس نے قبض نہ کیا تھا، (گویا اس نے اسے لینے سے انکار کر دیا تھا اور وہ عطیہ لغو ہو گیا تھا۔ امام مالک رحمہ اللہ اب دوبارہ پہلے فتویٰ والی بات دہرا رہے ہیں کہ) اگر عطیہ دینے والا چاہے کہ اسے روک رکھے (اور نہ دے) حالانکہ وہ اس پر اس وقت گواہ بنا چکا تھا جب اس نے عطیہ کیا تھا، تو یہ اس کے لیے جائز نہ ہوگا۔ جب اس عطیہ والا (مستحق شخص معطی لہ تقاضا کرتا ہوا) کھڑا ہوگا تو اسے لے لے گا۔

35- بَابٌ: الْقَضَاءُ فِي الْهِبَةِ

ہبہ کے متعلق فیصلے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں ایک موقوف روایت (اثر صحابی رضی اللہ عنہ) ہے جو سنداً صحیح ثابت ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

[1455] حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ دَاوُدَ بْنِ الْحُصَيْنِ، عَنْ أَبِي غَطَفَانَ بْنِ طَرِيفٍ الْمُرِّيِّ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ: مَنْ وَهَبَ هِبَةً لِصِلَةِ رَحِمٍ، أَوْ عَلَى وَجْهِ صَدَقَةٍ، فَإِنَّهُ لَا يَرْجِعُ فِيهَا، وَمَنْ وَهَبَ هِبَةً يَرَى أَنَّهُ إِنَّمَا أَرَادَ بِهَا الثَّوَابَ، فَهُوَ عَلَى هِبَتِهِ، يَرْجِعُ فِيهَا إِذَا لَمْ يُرْضَ مِنْهَا.

ابوغطفان بن طریف مری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس شخص نے صلہ رحمی کے لیے یا صدقہ کے طور پر کوئی ہبہ کیا تو بلاشبہ وہ اس میں رجوع نہیں کر سکتا۔ (اسے واپس نہیں لے سکتا، تاکہ رشتہ داری نہ ٹوٹے، قطع رحمی نہ ہو اور صدقہ کی نیت کر لینے سے ہبہ کی حیثیت ہی بدل گئی اور وہ ہبہ نہ رہا لہٰذا اب اسے واپس نہیں لے سکتے) اور جس شخص نے ہبہ دیا اس حال میں کہ وہ یہ خیال کرتا ہو کہ وہ اس ہبہ پر بدلہ پانا چاہتا ہے تو وہ اپنے ہبہ (والی نیت) پر (شمار) ہوگا۔ وہ اسے واپس لے سکتا ہے (بشرطیکہ) جب اسے اس ہبہ (کے بدلے) میں راضی نہ کیا جائے۔

قَالَ يَحْيَى: سَمِعْتُ مَالِكًا يَقُولُ: الْأَمْرُ الْمُجْتَمَعُ عَلَيْهِ عِنْدَنَا، أَنَّ الْهِبَةَ إِذَا تَغَيَّرَتْ عِنْدَ الْمَوْهُوبِ لَهُ لِلثَّوَابِ، بِزِيَادَةٍ أَوْ نُقْصَانٍ، فَإِنَّ عَلَى الْمَوْهُوبِ لَهُ أَنْ يُعْطِيَ صَاحِبَهَا قِيمَتَهَا يَوْمَ قَبَضَهَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں یہ متفقہ حکم ہے کہ جب ہبہ کی حالت اس شخص جسے بدلے کی نیت سے وہ ہبہ کیا گیا ہو، کے پاس اضافے یا کمی (ہوجانے) کے ساتھ بدل جائے تو بلاشبہ موہوب لہ (جسے ہبہ دیا جائے) پر لازم ہے کہ وہ ہبہ (دینے) والے کو اس کی اس دن والی قیمت ادا کرے جس میں اس نے اسے قبضے میں لیا تھا۔

فائدہ:......امام مالک رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ اور ایک قول کے مطابق امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جو ہبہ بدلہ پانے کے لیے کیا گیا ہو، اگر اس پر بدلہ نہ دیا جائے تو ہبہ واپس لینا جائز ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک تو اس شرط کے بغیر بھی ہر قسم کا ہبہ واپس لینا جائز ہے۔ جبکہ اہلحدیث اور محدثین کا موقف یہ ہے کہ والد کے سوا کسی کے لیے ہبہ واپس لینا جائز نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہمارے لیے بری مثال نہیں ہے، جو شخص ہبہ کر کے اسے واپس لیتا ہے وہ کتے کی طرح ہے جو قے کر کے اس میں رجوع کرتا (اور اسے چاٹتا) ہے"۔ (بخاری: 2622، مسلم: 8/1622) نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کسی آدمی کے لیے حلال نہیں کہ وہ کوئی عطیہ دے یا کوئی ہبہ کرے، پھر اس میں لوٹے (اور اسے واپس لے) سوائے والد کے، کہ وہ اپنی اولاد کو جو کچھ دیتا ہے اسے واپس لے سکتا ہے، اور جو شخص عطیہ

[1455] (موقوف صحيح) بيهقي في السنن الكبرى: 6/ 182 (12023)، وفي معرفة السنن والآثار: 5/ 18 (3807)، عبدالرزاق: 16519، الشافعي في الام: 4/ 61، 7/ 232۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

دے کر اسے واپس لیتا ہے وہ کتے کی طرح ہے جو کھاتا ہے، پھر جب سیر ہو جاتا ہے تو قے کرتا ہے پھر اپنی قے میں لوٹتا ہے (اور اسے چاٹتا ہے)‘‘۔ (ابوداود: 3539، ترمذی: 2132، نسائی: 3720، ابن ماجہ: 2377۔ اس کی سند صحیح ہے۔)

36- بَابٌ: الاِعْتِصَارُ فِي الصَّدَقَةِ

صدقہ میں رجوع کرنے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کے تین فتاویٰ جات مذکور ہیں۔

قَالَ يَحْيَى: سَمِعْتُ مَالِكاً يَقُولُ: الأَمْرُ عِنْدَنَا الَّذِي لا اخْتِلافَ فِيهِ, أَنَّ كُلَّ مَنْ تَصَدَّقَ عَلَى ابْنِهِ بِصَدَقَةٍ، قَبَضَهَا الابْنُ أَوْ كَانَ فِي حَجْرِ أَبِيهِ، فَأَشْهَدَ لَهُ عَلَى صَدَقَتِهِ، فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَعْتَصِرَ شَيْئاً مِنْ ذَلِكَ، لِأَنَّهُ لا يَرْجِعُ فِي شَيْءٍ مِنَ الصَّدَقَةِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں اس حکم میں کوئی اختلاف نہیں کہ بے شک ہر وہ شخص جس نے اپنے بیٹے پر کوئی صدقہ کیا ہو اور بیٹے نے اسے قبض کر لیا ہو یا بیٹا اپنے باپ کی گود میں ہو (کم سن ہو) تو اس نے اپنے بیٹے کے لیے اپنے صدقے پر گواہ بھی بنا لیا ہو تو اس کے لیے جائز نہ ہوگا کہ ان میں سے کسی چیز کو لوٹائے (اور واپس لے) کیونکہ وہ صدقے میں سے کچھ بھی واپس نہیں لے سکتا۔

فائدہ: ...... کیونکہ صدقہ واپس لینے سے ممانعت والی روایات کے عموم میں باپ بھی شامل ہے، مزید تفصیل کے لیے پیچھے موطا کی کتاب البیوع کا چھبیسواں باب دیکھیے۔ بہر حال والد نے ہبہ وعطیہ کے لفظ سے اولاد کو کچھ دیا ہو تو واپس لے سکتا ہے اور صدقہ دے کر نہیں لے سکتا۔

قَالَ وَسَمِعْتُ مَالِكاً يَقُولُ: الأَمْرُ الْمُجْتَمَعُ عَلَيْهِ عِنْدَنَا فِيمَنْ نَحَلَ وَلَدَهُ نُحْلاً، أَوْ أَعْطَاهُ عَطَاءً لَيْسَ بِصَدَقَةٍ، إِنَّ لَهُ أَنْ يَعْتَصِرَ ذَلِكَ، مَا لَمْ يَسْتَحْدِثِ الْوَلَدُ دَيْناً يُدَايِنُهُ النَّاسُ بِهِ وَيَأْمَنُونَهُ عَلَيْهِ مِنْ أَجْلِ ذَلِكَ الْعَطَاءِ الَّذِي أَعْطَاهُ أَبُوهُ، فَلَيْسَ لِأَبِيهِ أَنْ يَعْتَصِرَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئاً، بَعْدَ أَنْ تَكُونَ عَلَيْهِ الدُّيُونُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں اس شخص جو اپنی اولاد کو کوئی ہبہ کرے یا کوئی عطیہ دے جو صدقہ نہ ہو، کے متعلق متفقہ فیصلہ یہ ہے کہ بلاشبہ اس کے لیے جائز ہے کہ اسے واپس لے لے جب تک کہ لڑکے نے قرض لینا شروع کر دیا ہو۔ (اگر) لوگ اس سے قرضے کا لین دین کرنے لگ جائیں اور اس لڑکے کے اس عطیے جو اس کے والد نے اسے دیا، کی وجہ سے لوگ اس پر اعتماد کرنے لگے (اسے امین سمجھنے لگے کہ لڑکا اپنے والد سے مال پا کر امیر ہو چکا ہے اور ہمارے پیسے نہیں دبائے گا) تو پھر باپ کے لیے جائز نہیں کہ اس (بیٹے) کے ذمے قرضے جمع ہو جانے کے بعد وہ اس عطیہ میں سے کچھ واپس لے۔

قَالَ مَالِكٌ : أَوْ يُعْطِي الرَّجُلُ ابْنَهُ أَوِ ابْنَتَهُ الْمَالَ ، فَتَنْكِحُ الْمَرْأَةُ الرَّجُلَ ، وَإِنَّمَا تَنْكِحُهُ لِغِنَاهُ وَلِلْمَالِ الَّذِي أَعْطَاهُ أَبُوهُ ، فَيُرِيدُ أَنْ يَعْتَصِرَ ذَلِكَ الأَبُ ، أَوْ يَتَزَوَّجُ الرَّجُلُ الْمَرْأَةَ ، قَدْ نَحَلَهَا أَبُوهَا النُّحْلَ ، إِنَّمَا يَتَزَوَّجُهَا وَيَرْفَعُ فِي صَدَاقِهَا لِغِنَاهَا وَمَالِهَا وَمَا أَعْطَاهَا أَبُوهَا ، ثُمَّ يَقُولُ الأَبُ : أَنَا أَعْتَصِرُ ذَلِكَ. فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَعْتَصِرَ مِنِ ابْنِهِ وَلَا مِنِ ابْنَتِهِ شَيْئاً مِنْ ذَلِكَ ، إِذَا كَانَ عَلَى مَا وَصَفْتُ لَكَ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: یا آدمی اپنی بیٹی یا اپنے بیٹے کو کچھ مال دیتا ہے، تو کوئی عورت اس مرد (یعنی بیٹے) سے نکاح کرلیتی ہے اور بلاشبہ اس نے صرف اور صرف اس کی مالداری اور اس کی دولت کی وجہ سے اس کے ساتھ نکاح کیا ہے جو اس کے باپ نے اسے دی تھی، پھر وہ باپ ارادہ کرے کہ اس عطیہ کو واپس لے لے (تو یہ درست نہیں) یا کوئی آدمی اس عورت (یعنی بیٹی) سے شادی کرلیتا ہے اس حال میں کہ اسے اس کے باپ نے کوئی ہبہ دے رکھا ہو۔ بلاشبہ وہ اس کے ساتھ صرف اور صرف اس کی تونگری اور اس مال جو اس کے والد نے اسے دے رکھا تھا، کی وجہ سے اس کے ساتھ شادی کرتا اور حق مہر میں اضافہ کرتا ہے، پھر باپ کہتا ہے کہ میں اسے واپس لے لیتا ہوں تو اب اس کے لیے جائز نہیں کہ اپنے بیٹے سے اور نہ ہی اپنی بیٹی سے اس عطیے میں سے کچھ واپس لے، جب کہ وہ اس طرح ہو جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے۔

37- بَابٌ: اَلْقَضَاءُ فِي الْعُمْرٰى

"عُمْرٰی" (عمر بھر کے لیے دی ہوئی چیز) کے متعلق فیصلے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں تین روایات ہیں، ایک مرفوع، ایک موقوف اور ایک مقطوع ہے اور سب سندا صحیح ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

فائدہ :...... جو ہدیہ عمر بھر کے لیے دیا جائے اسے عمریٰ کہتے ہیں، اس کی تین قسمیں ہیں: (1) اگر یہ وضاحت بھی کی جائے کہ یہ چیز میں نے تیرے لیے اور تیرے ورثاء کے لیے دی ہے تو سب کا اتفاق ہے کہ عمریٰ معمرلہ (جسے یہ ہدیہ دیا جائے) کا ذاتی مال بن جائے گا اور اس میں وراثت بھی جاری ہوگی۔ (2) یہ وضاحت کی جائے کہ میں یہ ہدیہ صرف تمھاری عمر تک کے لیے دے رہا ہوں، بعد میں یہ مجھے واپس مل جائے گا تو امام مالک رحمہ اللہ اور اہلحدیث کے نزدیک یہ چیز واپس آجائے گی جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس عمریٰ کو جائز قرار دیا ہے، وہ یہ ہے کہ آدمی کہے کہ یہ تمھارے لیے اور تمھارے ورثاء کے لیے ہے، لیکن اگر وہ کہے کہ یہ تمھارے لیے صرف اس وقت تک ہے جب تک کہ تم زندہ رہو تو وہ دینے والے کی طرف واپس لوٹ آئے گی۔ (مسلم : 1625/23) ...... البتہ جمہور کے نزدیک عمومی روایات کا اعتبار کرتے ہوئے یہ دوسری قسم کا "عمریٰ" بھی واپس نہ لوٹے گا اور واپسی کی شرط

باطل ہے، لیکن جمہور کا یہ موقف حدیث مبارکہ کے خلاف ہے۔ (3) اگر بغیر کسی تعیین و وضاحت کے لیے ''عمریٰ'' دیا جائے تو یہ صورت ممنوع ہے اور اگر کوئی ایسا کرے گا تو وہ پہلی صورت کی طرح شمار کر کے معمرلہ کی ملکیت بن جائے گی، تمام ائمہ وفقہاء کا یہی موقف ہے سوائے امام مالک رحمہ اللہ کے کہ وہ اس صورت میں بھی دینے والے شخص کی طرف ''عمریٰ'' کے واپس لوٹ جانے کے قائل ہیں ......الغرض جمہور کے نزدیک تینوں صورتوں میں عمریٰ واپس نہ لوٹے گا، امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک آخری دوصورتوں میں واپس لوٹے گا جبکہ اہلحدیث کے نزدیک صرف دوسری صورت میں واپس لوٹے گا۔

[1456] حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْأَنْصَارِي، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: أَيُّمَا رَجُلٍ أُعْمِرَ عُمْرَى لَهُ وَلِعَقِبِهِ، فَإِنَّهَا لِلَّذِي يُعْطَاهَا، لَا تَرْجِعُ إِلَى الَّذِي أَعْطَاهَا أَبَداً ،لِأَنَّهُ أَعْطَى عَطَاءً وَقَعَتْ فِيهِ الْمَوَارِيثُ.

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص کسی کو اس کے لیے اور اس کے ورثاء کے لیے عمریٰ دے تو بلاشبہ وہ اسی کا (ہو جاتا) ہے جسے عطا کیا گیا ہے، وہ کبھی بھی اس شخص کی طرف واپس نہ لوٹے گا جس نے اسے دیا تھا، کیونکہ بلاشبہ اس نے ایسا عطیہ دیا ہے کہ جس میں وراثت داخل ہوگئی ہے۔

فائدہ: ...... یہ آخری الفاظ ''کیونکہ بلاشبہ......'' مدرج کلام ہے اور ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔(مسلم: 24/1625)

[1457] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ، أَنَّهُ سَمِعَ مَكْحُولاً الدِّمَشْقِيَّ يَسْأَلُ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ عَنِ الْعُمْرَى وَمَا يَقُولُ النَّاسُ فِيهَا، فَقَالَ الْقَاسِمُ بْنُ مُحَمَّدٍ: مَا أَدْرَكْتُ النَّاسَ

عبدالرحمٰن بن قاسم رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انھوں نے مکحول دمشقی رحمہ اللہ کو سنا، وہ (ان کے والد) قاسم بن محمد رحمہ اللہ سے عمریٰ کے متعلق سوال کر رہے تھے اور اس بارے میں بھی کہ لوگ عمریٰ کے متعلق جو باتیں کر رہے تھے (کہ یہ جائز ہے یا ناجائز) تو قاسم بن محمد رحمہ اللہ نے فرمایا: میں نے تو

[1456] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب الھبة وفضلھا، باب ماقیل فی العمری والرقبی، حدیث: 2625، صحیح مسلم، کتاب الھبات، باب العمری، حدیث: 1625، سنن ابی داود، کتاب البیوع، باب من قال فیه ولعقبه، حدیث: 3553، ترمذی: 1350، نسائی: 3776، ابن ماجه: 2380، احمد: 3/ 360(14932).

[1457] (مقطوع صحیح) بیھقی فی معرفة السنن والآثار: 5/ 11(3797)، الشافعی فی الام: 4/ 63۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

إِلَّا وَهُمْ عَلَى شُرُوطِهِمْ فِي أَمْوَالِهِمْ، وَفِيمَا أُعْطُوا.

لوگوں کو اس (صورتحال) کے علاوہ کچھ (اور ذہن رکھتے ہوئے) نہیں پایا کہ وہ اپنی شرطوں پر ہی (قائم رہتے اور شمار) ہوتے ہیں، اپنے مالوں میں بھی اور ان چیزوں میں بھی جو وہ دیے جائیں۔

فائدہ: ......یعنی اگر صرف زندگی تک پاس رکھ لینے کی شرط پر وہ ہدیہ دیا ہو تو یہ شرط پوری ہوگی اور زندگی ختم ہوتے ہی یہ ہدیہ اپنے اصل مالک کی طرف لوٹ آئے گا۔ امام مالک رحمہ اللہ اور اہلحدیث اسی کے قائل ہیں جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی تفصیلی روایت میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ رہے جمہور تو وہ اس شرط کو باطل قرار دیتے ہیں لیکن ان کا موقف مرجوح ہے۔

قَالَ يَحْيَى: سَمِعْتُ مَالِكًا يَقُولُ: وَعَلَى ذَلِكَ الأَمْرُ عِنْدَنَا: أَنَّ الْعُمْرَى تَرْجِعُ إِلَى الَّذِي أَعْمَرَهَا، إِذَا لَمْ يَقُلْ هِيَ لَكَ وَلِعَقِبِكَ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں یہی حکم ہے کہ بے شک عمریٰ اس شخص کی طرف لوٹ آئے گا جس نے اسے دیا تھا (بشرطیکہ) جب اس نے یہ نہ کہا ہو کہ یہ تمھارے لیے اور تمھارے ورثاء کے لیے ہے۔

فائدہ: ......گویا امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک عمریٰ کی پہلی قسم میں تو چیز واپس نہ جائے گی اور باقی دونوں قسموں میں واپس لوٹ جائے گی، لیکن راجح موقف یہ ہے کہ تیسری قسم میں عمریٰ واپس نہ لوٹے گا۔

[1458] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ وَرِثَ مِنْ حَفْصَةَ بِنْتِ عُمَرَ دَارَهَا، قَالَ: وَكَانَتْ حَفْصَةُ قَدْ أَسْكَنَتْ بِنْتَ زَيْدِ بْنِ الْخَطَّابِ مَا عَاشَتْ، فَلَمَّا تُوُفِّيَتْ بِنْتُ زَيْدِ بْنِ الْخَطَّابِ قَبَضَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ الْمَسْكَنَ، وَرَأَى أَنَّهُ لَهُ.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے (اپنی ہمشیرہ ام المومنین) سیدہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما سے ایک گھر وراثت میں پایا۔ نافع رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے (اپنے چچا) حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ کی بیٹی کو (وہ گھر) رہائش کے لیے دے رکھا تھا (اس شرط پر کہ) جب تک وہ زندہ رہیں (استعمال کرتی رہیں اور بعد از وفات یہ گھر ان کی طرف واپس آجائے گا)، چنانچہ جب حضرت زید رضی اللہ عنہ کی بیٹی فوت ہوگئی تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس گھر پر قبضہ کر لیا اور یہ سمجھا کہ بلاشبہ وہ گھر (اب دوبارہ) انھیں کا ہوگیا) ہے۔

فائدہ: ......حالانکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا عمریٰ کے متعلق موقف جمہور کی طرح تھا کہ وہ دینے والے کی طرف کسی صورت میں نہ لوٹے گا۔ خواہ واضح شرط بھی لگا دی گئی ہو، لیکن اس مذکورہ بالا روایت کے مطابق انھوں نے یہ

[1458] (موقوف صحیح) بیهقی: 6/ 174 (11984)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

گھر واپس لے لیا، اس لیے کہ یہاں "اَعْمَرتُ" کی جگہ "اَسْکَنتُ" کالفظ تھا، گویا انھوں نے اسے عمریٰ شمار ہی نہیں کیا بلکہ سکنیٰ (رہائش ،سکونت) کے طور پر شمار کیا، جس میں عمریٰ جیسی تفصیل ثابت نہیں ہے۔ واپس آنے یا نہ آنے کا معاملہ عمریٰ اور رقبیٰ سے ہے۔عمریٰ کا لفظ عَمَّرتُكَ (میں نے تجھے عمر بھر کے لیے دیا) سے ماخوذ ہے اور یہ اسی وقت ہوتا ہے جب یہ لفظ یا اس کے ہم معنی الفاظ بولے جائیں اور رُقْبٰی میں اَرْقَبْتُكَ جیسے الفاظ بولے جاتے ہیں۔ یہ "مُرَاقَبَه" سے ماخوذ ہے جس کے معنی باہم انتظار کرنے کے ہیں اور اس میں دونوں فریق ایک دوسرے کی موت کا انتظار کرتے رہتے ہیں۔ اسی کی صورت یہ ہے کہ ہبہ کرنے والا کہتا ہے کہ اگر تم پہلے فوت ہوگئے تو یہ میری طرف واپس آجائے گا اور اگر میں تم سے پہلے فوت ہوگیا، تو یہ تمھارا ہو جائے گا۔ یہ ممنوع ہے اور اگر دے دیا جائے تو یہ واپس نہ ہوگا۔ (نسائی : 3763) ہاں اگر رُقْبٰی کو عمریٰ کی طرح صرف زندگی تک کی واضح تعیین کے ساتھ دیا تو اہلحدیث کے ہاں یہ واپس لوٹ آئے گا ورنہ نہیں۔

38- بَابٌ: اَلْقَضَاءُ فِي اللُّقَطَةِ

"لقطہ" یعنی راہ میں پڑی ہوئی چیز اٹھانے کے متعلق فیصلے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں تین روایات ہیں۔ایک مرفوع (حدیث نبوی ﷺ) ہے جو بخاری و مسلم میں بھی ہے، اور دو موقوف (آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم) ہیں جن میں سے ایک سنداً صحیح اور ایک حسن ہے۔

فائدہ: ......"لقطہ" کو قاف پر فتحہ اور سکون کے ساتھ دونوں طرح پڑھا جاتا ہے۔"اِلْتِقَاط" کے معنی اٹھالینے کے ہیں۔ راستوں میں کسی کی گری پڑی ہوئی چیز اٹھالی جائے تو وہ "لقطہ" کہلاتی ہے۔

[1459] حَدَّثَنِي مَالِكٌ ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ ، عَنْ يَزِيدَ مَوْلَى الْمُنْبَعِثِ ، عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ ، أَنَّهُ قَالَ : جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَسَأَلَهُ عَنِ اللُّقَطَةِ؟ فَقَالَ: اعْرِفْ عِفَاصَهَا وَوِكَاءَهَا ، ثُمَّ عَرِّفْهَا سَنَةً ، فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَإِلَّا فَشَأْنَكَ بِهَا . قَالَ :

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا ، پھر اس نے آپ ﷺ سے لقطہ کے متعلق سوال کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اس کے برتن، (یا گٹھڑی یا تھیلا یعنی ہر وہ چیز جس میں سامان ڈالا ہوا ہو) اور اس کے بندھن (تسمہ، رسی، ڈھکن وغیرہ) کی پہچان کرلو اور ایک سال تک

[1459] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب المساقاۃ، باب شرب الناس وسقی الدواب من الانھار، حدیث: 2372، 91، 2427 - 2429، 2436، 2438، 5292، 6112، صحیح مسلم، کتاب اللقطۃ، باب معرفۃ العفاص والوکاء، حدیث: 1722، ابو داود: 1705، ترمذی: 1372، نسائی فی الکبری: 5814، ابن ماجہ: 2504، احمد: 4/ 117 (17186).

فَضَالَّةُ الْغَنَمِ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ؟ قَالَ: هِيَ لَكَ ، أَوْ لأَخِيكَ ، أَوْ لِلذِّئْبِ . قَالَ : فَضَالَّةُ الإِبِلِ ؟ قَالَ : مَا لَكَ وَلَهَا ؟ مَعَهَا سِقَاؤُهَا وَحِذَاؤُهَا ، تَرِدُ الْمَاءَ ، وَتَأْكُلُ الشَّجَرَ ، حَتَّى يَلْقَاهَا رَبُّهَا .

اس کا اعلان کرو، (لوگوں کو ایک گم شدہ چیز ملنے کی خبر دیتے رہو) پھر اگر اس کا مالک آجائے (تو اس سے نشانیاں پوچھ کر اسے واپس کر دو) ورنہ اپنی حالت اس کے ساتھ لازم پکڑو، (یعنی جیسے دل کرتا ہے اسے استعمال کرلو)۔ وہ آدمی کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! گم شدہ بکری (مل جائے تو کیا کروں)؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ تمھارے لیے ہے یا تمھارے بھائی کے لیے یا بھیڑیئے کے لیے''۔ اس نے پوچھا کہ ''گم شدہ اونٹ''؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمھیں اس سے کیا واسطہ؟ اس کے پاس اپنا مشکیزہ اور جوتا ہے، وہ پانی پر وارد ہوگا اور درختوں سے کھاتا رہے گا، یہاں تک کہ اس کا مالک اس کو پالے گا۔

فائدہ :...... دراصل اونٹ پر نہ کوئی درندہ حملہ آور ہوتا ہے اور نہ اسے بھوک پیاس کا ڈر ہے۔ اس کے لیے مضبوط پاؤں اور پانی ذخیرہ رکھنے والا معدہ اس کو خطرات سے بے پرواہ رکھتا ہے، لہٰذا اسے چھوڑ دو، یہاں تک کہ آخر کبھی نہ کبھی اس کا مالک اسے پا ہی لے گا۔ البتہ بکری کمزور جانور ہے جسے درندوں کا بھی خطرہ ہے اور بھوک پیاس کا بھی، نیز اگر تم اسے نہ اٹھاؤ گے تو کوئی اور اسے قابو کر لے گا۔ لہٰذا اسے اٹھالو تا کہ کسی مسلمان کا مال ضائع نہ ہو اور اس کا بھی اعلان کرو۔ اعلان کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ لوگوں کے اجتماع کی جگہوں مثلاً جمعہ، عید، کھیل کے میدان میں لوگوں کو اطلاع دو یا بینر اور اشتہارات چسپاں کیے جائیں یا ریڈیو، ٹی وی اور اخباروں میں خبر جاری کی جائے۔ اس تشہیر کے دوران مناسب ساخرچ کیا جائے جس کی کٹوتی اسی مال سے کی جائے۔ اگر سال بعد مالک نہ آئے تو وہ چیز استعمال کرلی جائے اور بعد میں آجائے تو اسے قیمت دے دی جائے ...... یاد رہے کہ یہ تفصیلی احکام اس چیز کے متعلق ہیں جس سے مستغنی نہ ہوا جائے، یعنی کوئی قدر و قیمت رکھنے والی چیز ہو، اگر وہ اتنی کم یا حقیر ہو کہ اس کے مالک کو عموماً اس کی پرواہ اور پریشانی نہ ہو تو پھر اعلان کی ضرورت نہیں۔ (ابو داود : 3804، احمد: 131/4۔ اس کی سند صحیح ہے) نیز ہاشمی گھرانے والا شخص اس چیز کو اگر اٹھالے تو اسے نہ کھائے، مبادا کہ صدقہ کی چیز ہو۔

[1460] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ ، عَنْ أَيُّوبَ بْنِ مُوسَى ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بَدْرٍ الْجُهَنِيِّ ، أَنَّ أَبَاهُ أَخْبَرَهُ ، أَنَّهُ نَزَلَ مَنْزِلَ قَوْمٍ

معاویہ بن عبداللہ بن بدر جہنی رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھیں ان کے والد (حضرت عبداللہ بن بدر رضی اللہ عنہ) نے خبر دی کہ انھوں نے ملک شام کی راہ میں کچھ لوگوں کے پڑاؤ کی جگہ

[1460] (موقوف حسن) بيهقي في السنن الكبرى: 6/ 193 (12090)، وفي معرفة السنن والآثار: 5/ 26 (3818)، عبدالرزاق: 10/ 136 (18619)، الشافعي في المسند: 2/ 281، وفي الأم: 4/ 69۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔

بِطَرِيقِ الشَّامِ، فَوَجَدَ صُرَّةً فِيهَا ثَمَانُونَ دِينَارًا، فَذَكَرَهَا لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: عَرِّفْهَا عَلَى أَبْوَابِ الْمَسَاجِدِ، وَاذْكُرْهَا لِكُلِّ مَنْ يَأْتِي مِنَ الشَّامِ سَنَةً، فَإِذَا مَضَتِ السَّنَةُ فَشَأْنُكَ بِهَا.

پر (ان کے جانے کے بعد) پڑاؤ ڈالا تو انھوں نے ایک تھیلی پائی جس میں اسی دینار تھے، انھوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے سامنے اس کا ذکر کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ: مسجدوں کے دروازوں پر اس کا اعلان کرواور ایک سال تک ہر اس شخص سے اس کا ذکر کرو جو شام سے آئے پھر جب سال گزر جائے تو تمھیں اس پر اختیار ہے (چاہو تو سنبھال رکھو اور چاہو تو استعمال کرلو)۔

[1461] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ رَجُلاً وَجَدَ لُقَطَةً، فَجَاءَ إِلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ فَقَالَ لَهُ: إِنِّي وَجَدْتُ لُقَطَةً، فَمَاذَا تَرَى فِيهَا؟ فَقَالَ لَهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ: عَرِّفْهَا. قَالَ: قَدْ فَعَلْتُ قَالَ زِدْ قَالَ: قَدْ فَعَلْتُ. فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: لَا آمُرُكَ أَنْ تَأْكُلَهَا، وَلَوْ شِئْتَ لَمْ تَأْخُذْهَا.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک ایک آدمی نے ایک گری پڑی چیز پائی تو وہ اسے لے کر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور ان سے کہنے لگا: یقیناً میں نے ایک گری پڑی چیز پائی ہے، آپ اس کے متعلق کیا خیال فرماتے ہیں؟ تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس سے فرمایا کہ اس کا اعلان کرتے رہو، اس نے کہا کہ میں ایسا کر چکا ہوں، انھوں نے کہا اور زیادہ کرو، وہ کہنے لگا کہ میں نے وہ بھی کرلیا ہے تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمانے لگے: میں تمھیں اس کے کھا لینے کا حکم نہیں دوں گا اور اگر تم چاہتے تو اسے نہ پکڑتے۔

فائدہ: ......اگر اسے اٹھا لیا ہے تو اسے سنبھالنا اور اعلان کرنے کی وقت اٹھانا بھی تمھاری ذمہ داری ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما گری پڑی چیز کو اٹھانا ہی مکروہ جانتے تھے۔

39- بَابٌ: الْقَضَاءُ فِي اسْتِهْلَاكِ الْعَبْدِ اللُّقَطَةَ

لُقطہ کو غلام کے خرچ کر ڈالنے کے متعلق فیصلے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ مذکور ہے۔

قَالَ يَحْيَى: سَمِعْتُ مَالِكًا يَقُولُ: الْأَمْرُ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں اس غلام جو گری

[1461] (موقوف صحيح) بيهقي في السنن الكبرى: 6/ 188 (12063)، وفي معرفة السنن والآثار: 5/ 30 (3824)، عبدالرزاق: 10/ 137 (18623)، الشافعي في المسند: 2/ 282، وفي الأم: 4/ 69، 7/ 226۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

عِـنْدَنَا فِي الْعَبْدِ يَجِدُ اللُّقَطَةَ فَيَسْتَهْلِكُهَا قَبْلَ أَنْ تَبْلُغَ الأَجَلَ الَّذِي أُجِّلَ فِي اللُّقَطَةِ ، وَذَلِكَ سَنَةٌ ، أَنَّهَا فِي رَقَبَتِهِ ، إِمَّا أَنْ يُعْطِيَ سَيِّدُهُ ثَمَنَ مَا اسْتَهْلَكَ غُلامُهُ ، وَإِمَّا أَنْ يُسَلِّمَ إِلَيْهِمْ غُلامَهُ ، وَإِنْ أَمْسَكَهَا حَتَّى يَأْتِيَ الأَجَلُ الَّذِي أُجِّلَ فِي اللُّقَطَةِ ، ثُمَّ اسْتَهْلَكَهَا كَانَتْ دَيْناً عَلَيْهِ ، يُتْبَعُ بِهِ ، وَلَمْ تَكُنْ فِي رَقَبَتِهِ ، وَلَمْ يَكُنْ عَلَى سَيِّدِهِ فِيهَا شَيْءٌ.

پڑی چیز کو پالیتا ہے، پھر اسے خرچ کر ڈالتا ہے، اس مدت تک پہنچنے سے پہلے ہی جو کہ لُقطہ کے متعلق مقرر کی گئی ہے اور وہ مدت ایک سال ہے، تو اس کے متعلق حکم یہ ہے کہ بلاشبہ وہ لُقطہ اس کی گردن پر ہوگا، (یعنی اس کی جنایت اور جرم شمار ہوگا) اور اس کے آقا کو اختیار ہوگا کہ) اب یا تو اس کا آقا اس چیز کی قیمت ادا کرے، جسے غلام نے خرچ کر ڈالا ہے اور یا پھر اپنے غلام ہی کو ان (لُقطہ کے مالکوں) کے سپرد کر دے، اور اگر وہ غلام اس لقطہ کو روکے رکھے یہاں تک کہ وہ مدت آجائے جو لُقطہ کے لیے مقرر ہے (یعنی وہ پورا ایک سال اسے سنبھال کر اس کا اعلان کرتا رہے) پھر اسے خرچ کر دے تو وہ اس کے ذمے قرض ہوگا جس کا اس سے (اس کی آزادی کے بعد) مطالبہ کیا جائے گا۔ (اس دوسری صورت میں) وہ لُقطہ اس کی گردن پر (جرم شمار) نہ ہوگا اور نہ ہی اس کے آقا پر اس (کے خرچ کر دینے) میں کچھ (تاوان وغیرہ لازم) ہوگا۔

فائدہ: ...... کیونکہ سال گزر جانے کے بعد لُقطہ سے فائدہ اٹھانے اور اسے استعمال کر لینے کی اجازت شریعت نے عطا کی ہے۔ لہٰذا یہ استعمال اس غلام کا حق تھا اور وہ خود ہی اس کا ضامن بن چکا ہے، یہ نہ تو اس کے آقا کا حق ہے اور نہ ہی آقا اس کا ضامن ہے۔ لہٰذا یہ غلام کے ذمے قرض کی حیثیت رکھتا ہے جس کی ادائیگی اس پر آزادی کے بعد لازم ہے، یا پھر وہ حالت غلامی میں بھی زائد محنت کر کے اسے ادا کر سکتا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ہر صورت میں یہ لُقطہ غلام کی گردن پر رہے گا جس کا مطالبہ اس کے آقا سے کیا جائے گا اور آقا کو اختیار ہے کہ لُقطہ کی قیمت ادا کر کے غلام اپنے پاس روکے رکھے یا غلام ہی کو لُقطہ کے مالک کے سپرد کر دے۔ امام مالک رحمہ اللہ کا مؤقف راجح ہے۔

40- بَابٌ: اَلْقَضَاءُ فِي الضَّوَالِّ
گم شدہ جانوروں کے متعلق فیصلے کا بیان

خلاصة الباب اس باب میں تین موقوف روایات (آثار تابعین رحمہم اللہ) ہیں جن میں سے دو سنداً صحیح ہیں اور ایک ضعیف ہے۔

فائدہ: ...... "لُقْطه" کا لفظ اگرچہ عام ہے لیکن اس سے مراد گرا پڑا سامان یا نقدی وغیرہ ہے جبکہ "ضوال" جمع ہے "ضَــالَّةٌ" کی اور اس سے مراد صرف گم شدہ جانور ہیں۔ اونٹ کے علاوہ باقی جانوروں کا معاملہ بھی لقطہ جیسا ہی

ہے لیکن اونٹ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے پکڑنے کی صریح ممانعت فرمائی ہے۔البتہ بہت سے فقہاء کے نزدیک اگر کوئی حاکم خطرہ محسوس کرے کہ کہیں خائن لوگ اونٹوں پر بھی قبضہ نہ کرلیں یا ایسے اونٹوں کے چرنے کا بندوبست نہ ہوتو پھر انھیں بیچ کر ان کی قیمت کا ضامن بن جانا بھی درست ہے، بہرحال راجح مؤقف وہی ہے جو حدیث مصطفی ﷺ میں مذکور ہے۔

[1462] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، أَنَّ ثَابِتَ بْنَ الضَّحَّاكِ الْأَنْصَارِيَّ أَخْبَرَهُ، أَنَّهُ وَجَدَ بَعِيراً بِالْحَرَّةِ، فَعَقَلَهُ، ثُمَّ ذَكَرَهُ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، فَأَمَرَهُ عُمَرُ أَنْ يُعَرِّفَهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، فَقَالَ لَهُ ثَابِتٌ: إِنَّهُ قَدْ شَغَلَنِي عَنْ ضَيْعَتِي. فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: أَرْسِلْهُ حَيْثُ وَجَدْتَهُ.

سلیمان بن یسار رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت ثابت بن ضحاک انصاری رضی اللہ عنہ نے انھیں خبر دی کہ انھوں نے حرہ جگہ میں ایک اونٹ پایا تو اس کا گھٹنا باندھ دیا۔ پھر انھوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے اس کا ذکر کیا تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے انھیں حکم دیا کہ وہ (صرف) تین بار اس کا اعلان کریں، پھر ان سے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: بے شک اس اونٹ (کی رکھوالی) نے تو مجھے میری زمین ہی سے مشغول کر دیا ہے، (اونٹ کے سنبھالنے اور اس کا اعلان کرنے میں مصروف ہوکر میرا اصلی کام موقوف ہوگیا ہے) تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ: اسے وہیں چھوڑ دیں جہاں آپ نے اسے پایا تھا۔

فائدہ: ...... مدینہ منورہ کے مشرق و مغرب میں دو پتھریلے میدان تھے جہاں نوکدار سیاہ پتھر یوں محسوس ہوتے تھے جیسے انھیں جلایا گیا ہو۔ یہ مدینہ منورہ کا قدرتی حصار اور دفاع تھے، حرہ شرقیہ اور حرہ غربیہ نیز لَابَتَيْن بھی انھی کو کہا جاتا تھا۔

[1463] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ وَهُوَ مُسْنِدٌ ظَهْرَهُ إِلَى الْكَعْبَةِ:

سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس حال میں کہ وہ خانہ کعبہ کے ساتھ اپنی پشت سے سہارا لگائے ہوئے تھے، (ٹیک

[1462] (موقوف صحيح) بيهقي: 6/ 191 (12079)، عبدالرزاق: 10/ 133 (18609، 18610)، طحاوي في مشكل الآثار: 4/ 474 (2877)، وفي شرح معاني الآثار: 4/ 138- شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

[1463] (موقوف صحيح) بيهقي: 6/ 191، عبدالرزاق: 10/ 133 (18612)، نسائي في الكبرى: 5806- شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

مَنْ أَخَذَ ضَالَّةً فَهُوَ ضَالٌّ.

لگانے ہی کی حالت میں فرمایا) جس کسی نے ضالّہ (گم شدہ جانور) کو پکڑا وہ ضالّ (گمراہ) ہے۔

فائدہ: ......یعنی چھپالینے یا بیچ کر قیمت کھا لینے کی غرض سے اسے پکڑنا گمراہی ہے یا اسے پکڑ کر اعلان نہ کرنا باعث ضلالت ہے، اور یہ تاویل کرنا لازم ہے تا کہ روایات کے مابین تطبیق ہو سکے کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے بھی اسی طرح کے بعض فرامین ثابت ہیں۔ ایک روایت میں تو یہ وضاحت ہے کہ ''جس نے گم شدہ جانور کو (اپنے ہاں) جگہ دی تو وہ گمراہ ہے جب تک کہ اس کا اعلان نہ کرے۔'' (مسلم: 1725)

[1464] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ شِهَابٍ يَقُولُ: كَانَتْ ضَوَالُّ الْإِبِلِ فِي زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ إِبِلًا مُؤَبَّلَةً، تَنَاتَجُ لَا يَمَسُّهَا أَحَدٌ، حَتَّى إِذَا كَانَ زَمَانُ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ أَمَرَ بِتَعْرِيفِهَا، ثُمَّ تُبَاعُ، فَإِذَا جَاءَ صَاحِبُهَا أُعْطِيَ ثَمَنَهَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے ابن شہاب رحمہ اللہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور میں اونٹ کثرت سے جمع ہو کر رہتے اور افزائش نسل کرتے رہتے، انھیں کوئی بھی ہاتھ نہ لگاتا (کیونکہ گم شدہ ملنے والے اونٹوں کو پکڑنے سے نبی کریم ﷺ منع فرما چکے تھے، اسی لیے یہ اونٹ آپس میں اکٹھے ہوتے رہتے اور کوئی بھی ان کا مالک نہ بنتا، یہاں تک کہ جب حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا دور آیا تو انھوں نے (گم شدہ اونٹ کو پکڑ لینے اور) ان کا اعلان کرنے کا حکم جاری فرمایا، پھر انھیں بیچ دیا جاتا (اور قیمت بیت المال میں جمع کرادی جاتی) پھر اگر ان کا مالک آجاتا تو اسے ان کی قیمت دے دی جاتی۔

41- بَابٌ: صَدَقَةُ الْحَيِّ عَنِ الْمَيِّتِ

فوت شدہ کی طرف سے زندہ شخص کے صدقہ کرنے کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں تین مرفوع روایات (احادیث نبویہ ﷺ) ہیں جن میں سے دو ضعیف ہیں اور ایک سنداً صحیح ہے۔

[1465] حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ

سعید بن عمرو بن شُرَحْبیل بن سعید بن سعد بن عبادہ رحمہ اللہ

[1464] (موقوف ضعیف) بيهقي في السنن الكبرى: 6/ 191 (12080)، وفي معرفة السنن والآثار: 5/ 32 (3826)، عبدالرزاق: 10/ 132 (18607)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

[1465] (مرفوع ضعيف) سنن النسائي، كتاب الوصايا، باب اذامات الفجأة هل يستحب لاهله ان يتصدقوا عنه، حديث: 3680، ابن خزيمه: 4/ 124 (2500)، ابن حبان: 3354، احمد: 5/ 284 (22826)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

عَمْرِو بْنِ شُرَحْبِيلَ بْنِ سَعِيدِ بْنِ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ أَنَّهُ قَالَ: خَرَجَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فِي بَعْضِ مَغَازِيهِ، فَحَضَرَتْ أُمَّهُ الْوَفَاةُ بِالْمَدِينَةِ، فَقِيلَ لَهَا: أَوْصِي. فَقَالَتْ: فِيمَ أُوصِي؟ إِنَّمَا الْمَالُ مَالُ سَعْدٍ. فَتُوُفِّيَتْ قَبْلَ أَنْ يَقْدَمَ سَعْدٌ، فَلَمَّا قَدِمَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ ذُكِرَ ذَلِكَ لَهُ، فَقَالَ سَعْدٌ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، هَلْ يَنْفَعُهَا أَنْ أَتَصَدَّقَ عَنْهَا؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: نَعَمْ. فَقَالَ سَعْدٌ: حَائِطُ كَذَا وَكَذَا صَدَقَةٌ عَنْهَا. لِحَائِطٍ سَمَّاهُ.

اپنے والد (عمرو رحمہ اللہ) سے اور وہ اس (سعید بن عمرو) کے دادا (شُرَحْبِیل سے یا اپنے دادا حضرت سعید بن سعد رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے کہا: حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ آپ ﷺ کے کسی غزوے (غزوۂ دومۃ الجندل ۵ھ) میں نکلے، (ادھر) مدینہ منورہ میں ان کی والدہ (حضرت عمرہ بنت مسعود رضی اللہ عنہا) کو موت کا وقت آ گیا۔ ان سے کہا گیا کہ وصیت کر دیجیے تو وہ کہنے لگیں کہ: میں کس چیز میں وصیت کروں، بلاشبہ یہ سب مال تو (میرے بیٹے) سعد رضی اللہ عنہ کا مال ہے، پھر وہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی آمد سے پہلے ہی فوت ہو گئیں۔ چنانچہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ آئے تو ان سے اس کا ذکر کیا گیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا انھیں (یعنی میری والدہ کو) اس سے کوئی نفع ہوگا اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں''۔ چنانچہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: میرا فلاں باغ (ان کی طرف سے) صدقہ ہے۔ انھوں نے ایک باغ کے متعلق یہ بات کہی جس کا انھوں نے نام بھی لیا۔

فائدہ: ......اس باغ کا نام ''مخراف'' تھا۔ (بخاری: 2756) مزید تفصیل کے لیے دیکھیے پیچھے روایت: 1008 اور 1287۔

[1466] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ، أَنَّ رَجُلًا قَالَ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ: إِنَّ أُمِّي افْتُلِتَتْ نَفْسُهَا، وَأُرَاهَا لَوْ تَكَلَّمَتْ تَصَدَّقَتْ، أَفَأَتَصَدَّقُ عَنْهَا؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: نَعَمْ.

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ پیغمبر ﷺ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: بے شک میری والدہ کی جان اچانک نکل گئی تھی اور میں انھیں یہ خیال کرتا ہوں کہ اگر وہ گفتگو کر پاتیں تو صدقہ کر دیتیں، تو کیا میں ان کی طرف سے صدقہ کر سکتا ہوں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں''۔

[1466] (مرفوع ضعیف) صحیح البخاری، کتاب الوصایا، باب مایستحب لمن توفی فجاءة ان یتصدق عنه، حدیث: 2760، 1388، صحیح مسلم، کتاب الزکاة، باب وصول ثواب الصدقة عن المیت الیه، حدیث: 1004، ابوداود: 2881، نسائی: 3679، ابن ماجه: 2717، احمد: 6/ 51(24755).

فائدہ: ......اکثر شارحین نے یہ واقعہ بھی حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ ہی کی والدہ کے متعلق قرار دیا ہے۔

[1467] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ رَجُلاً مِنَ الْأَنْصَارِ مِنْ بَنِي الْحَارِثِ بْنِ الْخَزْرَجِ تَصَدَّقَ عَلَى أَبَوَيْهِ بِصَدَقَةٍ، فَهَلَكَا، فَوَرِثَ ابْنُهُمَا الْمَالَ، وَهُوَ نَخْلٌ، فَسَأَلَ عَنْ ذَلِكَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: قَدْ أُجِرْتَ فِي صَدَقَتِكَ وَخُذْهَا بِمِيرَاثِكَ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ انصار کے خاندان بنوحارث بن خزرج کے ایک شخص (حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ جنھوں نے خواب میں اذان کا منظر دیکھا تھا) نے اپنے والدین پر کوئی صدقہ کیا، پھر وہ دونوں فوت ہوگئے تو ان دونوں کے (اس) بیٹے نے (وہی) مال وراثت میں پالیا اور وہ کھجوروں کے درخت تھے۔ چنانچہ اس نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمھیں اپنے صدقے میں اجر عطا کیا جاچکا ہے (اب پھر) اپنی وراثت کی وجہ سے ان (درختوں) کو لے لو۔''

فائدہ: ......والدین پر صدقہ کرنے کے متعلق ایک حدیث صحیح مسلم میں بھی موجود ہے جو ایک عورت نے اپنی والدہ کو ایک لونڈی دے کر کیا تھا۔ (مسلم: 1149) اور قرآن مجید میں بھی یتیموں اور مسکینوں کے تذکرے کے ساتھ ساتھ والدین پر بھی انفاق اور خرچ کرنے کی ترغیب دی گئی۔ (البقرہ 215) ان سب سے مراد ''نفلی صدقہ'' ہے۔ ویسے بھی ہر کیا جانے والا نیک کام صدقہ ہی شمار ہوتا ہے اور انفاق کو تو سب سے پہلے صدقہ قرار دیا جاتا ہے۔ یاد رہے کہ فرض زکاۃ والدین پر خرچ نہیں کی جاسکتی، کیونکہ اولاد اپنے والدین کی کمائی ہے اور اولاد کی کمائی والدین ہی کی کمائی ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے والدین کو زکاۃ دے گا تو گویا وہ خود ہی اپنی کمائی کی زکاۃ لینے والے شمار ہوں گے۔ جو شخص اس قدر مالدار ہو کہ اس کے پاس وسیع مال موجود ہو تو وہ اپنے والدین کو میل کچیل نہ دے بلکہ خالص اور طیب مال ہدیہ کرے، یہ خرچ کرنا بھی صدقہ لکھ دیا جائے گا کیونکہ ہر نیکی ہی صدقہ ہے۔ (بخاری: 6021، مسلم: 1005)

42- بَابٌ: الْأَمْرُ بِالْوَصِيَّةِ

وصیت کے حکم کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں ایک حدیث نبوی ﷺ ہے جو کہ بخاری و مسلم میں بھی موجود ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے تین فتاویٰ بھی مذکور ہیں۔

[1468] حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بے شک

[1467] (مرفوع ضعیف) شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔

[1468] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب الوصایا، باب الوصایا، حدیث: 2738، صحیح مسلم، کتاب الوصیة، باب وصیة الرجل، مکتوبة عنده، حدیث: 1627، ابوداود: 2862، ترمذی: 974، نسائی: 3646، ابن ماجہ: 2699، احمد: 2/ 113، دارمی: 3175.

اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَا حَقُّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ لَهُ شَيْءٌ يُوصَى فِيهِ، يَبِيتُ لَيْلَتَيْنِ، إِلَّا وَوَصِيَّتُهُ عِنْدَهُ مَكْتُوبَةٌ.

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کسی ایسے مسلمان کے لیے مناسب نہیں جس کے پاس کوئی چیز ہو، جس میں وصیت کرنا مقصود ہو تو وہ دو راتیں بھی (بغیر وصیت لکھے گزارے، مگر اس حال میں (دو راتیں گزارنا مناسب ہے) کہ اس کی وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی ہو۔''

فائدہ: ......بعض روایات میں تین راتوں اور بعض میں ایک رات کا تذکرہ ہے، مقصد یہ ہے کہ جلد از جلد وصیت لکھ لو۔ کیا خبر کہ آنے والی رات یا اس کے بعد والی رات زندگی کی آخری رات ہو۔ دو تین راتوں کی گنجائش از روئے تخفیف و شفقت عطا کی گئی، کیونکہ بسا اوقات مشغولیات کی کثرت فوری طور پر یہ کام کرنے میں آڑے آجاتی ہے ......یاد رہے کہ شروع اسلام میں وصیت کرنا واجب تھا۔ پھر جب وراثت والی آیات نازل ہوگئیں تو وجوب ختم ہوگیا اور اب یہ صرف مستحب یا مباح ہے۔ ہاں اگر لوگوں کے حقوق آدمی کے ذمے ہوں تو ان کی ادائیگی کے لیے وصیت لکھ رکھنا، اب بھی لازم ہے بشرطیکہ یہ خطرہ ہو کہ وصیت نہ لکھی گئی ہو تو یہ حقوق ضائع ہو جائیں گے۔

قَالَ مَالِكٌ: الأَمْرُ الْمُجْتَمَعُ عَلَيْهِ عِنْدَنَا: أَنَّ الْمُوصِيَ إِذَا أَوْصَى فِي صِحَّتِهِ أَوْ مَرَضِهِ بِوَصِيَّةٍ فِيهَا عَتَاقَةُ رَقِيقٍ مِنْ رَقِيقِهِ، أَوْ غَيْرُ ذَلِكَ، فَإِنَّهُ يُغَيِّرُ مِنْ ذَلِكَ مَا بَدَا لَهُ، وَيَصْنَعُ مِنْ ذَلِكَ مَا شَاءَ حَتَّى يَمُوتَ، وَإِنْ أَحَبَّ أَنْ يَطْرَحَ تِلْكَ الْوَصِيَّةَ أَوْيُبْدِلَهَا فَعَلَ، إِلَّا أَنْ يُدَبِّرَ مَمْلُوكاً، فَإِنْ دَبَّرَ فَلَا سَبِيلَ إِلَى تَغْيِيرِ مَا دَبَّرَ، وَذَلِكَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَا حَقُّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ لَهُ شَيْءٌ يُوصَى فِيهِ، يَبِيتُ لَيْلَتَيْنِ، إِلَّا وَوَصِيَّتُهُ عِنْدَهُ مَكْتُوبَةٌ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں اس حکم پر اتفاق ہے کہ بے شک وصیت کرنے والا جب اپنی صحت میں یا اپنی بیماری میں کوئی وصیت کرے، جس میں اپنے غلاموں میں سے کچھ کی آزادی یا اس کے علاوہ کسی اور چیز کی وصیت بھی ہو تو وہ ان میں سے ہر اس وصیت کو بدل سکتا ہے جو اس کے دل میں آئے اور وہ اس میں جو چاہے (تبدیلی و تصرف) کر سکتا ہے یہاں تک کہ اسے موت آجائے۔ (موت کی آمد سے پہلے پہلے ہر وصیت میں تبدیلی جائز ہے) اور اگر وہ یہ پسند کرے کہ اس وصیت کو (بالکل) ختم کر دے اور (یا) اس کے بدلے کوئی اور وصیت کر دے تو وہ ایسا کر سکتا ہے، سوائے اس کے کہ وہ کسی غلام کو مدبّر بنا دے۔ چنانچہ اگر اس نے کسی غلام کو مدبر بنا دیا۔ (ایک بار بھی یہ کہہ دیا یا لکھ دیا کہ فلاں غلام میرے مرنے کے بعد آزاد ہوگا) تو وہ جسے مدبر بنا چکا ہو، اسے تبدیل کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہ (تبدیلی وغیرہ کی اجازت) اس لیے ہے کہ بیشک رسول اللہ ﷺ فرما چکے ہیں کہ ''کسی ایسے مسلمان کے لیے مناسب نہیں جس کے پاس کوئی چیز ہو، جس میں وصیت کرنا مقصود ہو تو وہ دو راتیں بھی بغیر وصیت لکھے گزارے۔''

فائدہ: ......یعنی اس فرمان میں ہر وصیت لکھنے کی اجازت ہے، کوئی پابندی نہیں ہے، تو ظاہر بات ہے کہ نئی وصیت کے لیے گزشتہ وصیت کو ختم کرنا بھی پڑسکتا ہے۔ کیونکہ وصیت مال کی ایک مخصوص مقدار ہی میں ہوسکتی ہے۔ نیز آدمی کی تمنائیں اور ارادے بھی تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ اسی طرح جن کے لیے وصیت کرنا مقصود ہوتا ہے ان کے حالات اور ان کے ساتھ تعلقات بھی تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ بہرحال موت کی آمد تک وصیتوں میں تبدیلی درست ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : فَلَوْ كَانَ الْمُوصِي لَا يَقْدِرُ عَلَى تَغْيِيرِ وَصِيَّتِهِ ، وَلَا مَا ذُكِرَ فِيهَا مِنَ الْعَتَاقَةِ ، كَانَ كُلُّ مُوصٍ قَدْ حَبَسَ مَالَهُ الَّذِي أَوْصَى فِيهِ مِنَ الْعَتَاقَةِ وَغَيْرِهَا ، وَقَدْ يُوصِي الرَّجُلُ فِي صِحَّتِهِ وَعِنْدَ سَفَرِهِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر وصیت کرنے والے کو اپنی وصیت تبدیل کرنے پر قدرت (واختیار) نہ ہو اور نہ وہ اس آزادی کو (بدل سکتا ہو)، جو اس وصیت میں ذکر کی گئی ہو تو پھر (اس طرح) ہر وصیت کرنے والا اپنے اس مال کو بند کردے گا، جس میں اس نے آزادی وغیرہ کی وصیت کی ہوگی (اس کا مال تو پھر رکا ہی رہے گا) حالانکہ آدمی تو کبھی حالت صحت میں اور کبھی سفر کے وقت بھی وصیت کرتا ہے۔

فائدہ: ......الغرض وصیت کی وجہ سے آدمی کے مال پر یہ پابندی عائد نہیں ہوتی کہ جس چیز کی وصیت کردی ہو پھر اس میں نہ وہ تصرف کرسکے اور نہ اس کی خرید وفروخت کرسکے، بلکہ یہ سلسلہ جاری رہتا ہے اور صرف وہ وصیت معتبر ہوتی ہے جو موت کے قریب آخر میں کی گئی ہو یا موت تک بحال رہی ہو۔

قَالَ مَالِكٌ : فَالْأَمْرُ عِنْدَنَا الَّذِي لَا اخْتِلَافَ فِيهِ ، أَنَّهُ يُغَيِّرُ مِنْ ذَلِكَ مَا شَاءَ غَيْرَ التَّدْبِيرِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: لہٰذا ہمارے ہاں وہ حکم جس میں کوئی اختلاف نہیں، یہی ہے کہ بے شک وہ (وصیت کرنے والا) اس میں جو چاہے تبدیلی کرسکتا ہے، سوائے مدبر بنانے (کی وصیت) کے۔

43- بَابٌ: جَوَازُ وَصِيَّةِ الصَّغِيرِ وَالضَّعِيفِ وَالْمُصَابِ وَالسَّفِيهِ

ضعیف، کم سن، مجنون اور بے وقوف کی وصیت کے جواز کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں دو موقوف روایات (آثار صحابہ رضی اللہ عنہم) ہیں جو سنداً ضعیف ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

فائدہ: ......ضعیف سے مراد بہت بوڑھا شخص یا کمزور عقل والا انسان ہے۔ صغیر سے مراد بلوغت سے کم عمر والا بچہ ہے۔ مصاب سے مراد وہ شخص ہے جسے جنات وغیرہ کے سائے کا عارضہ لاحق ہو یا کسی صدمے نے اسے پاگل کردیا ہو اور سفیہ سے مراد بے وقوف اور احمق شخص ہے۔

[1469] حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ حَزْمٍ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ عَمْرَو بْنَ سُلَيْمٍ الزُّرَقِيَّ أَخْبَرَهُ، أَنَّهُ قِيلَ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ: إِنَّ هَا هُنَا غُلَاماً يَفَاعاً لَمْ يَحْتَلِمْ مِنْ غَسَّانَ، وَوَارِثُهُ بِالشَّامِ، وَهُوَ ذُو مَالٍ، وَلَيْسَ لَهُ هَا هُنَا إِلَّا ابْنَةُ عَمٍّ لَهُ. قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: فَلْيُوصِ لَهَا. قَالَ: فَأَوْصَى لَهَا بِمَالٍ يُقَالُ لَهُ بِئْرُ جُشَمٍ. قَالَ عَمْرُو بْنُ سُلَيْمٍ: فَبِيعَ ذَلِكَ الْمَالُ بِثَلَاثِينَ أَلْفَ دِرْهَمٍ، وَابْنَةُ عَمِّهِ الَّتِي أَوْصَى لَهَا، هِيَ أُمُّ عَمْرِو بْنِ سُلَيْمٍ الزُّرَقِيِّ.

عمرو بن سلیم زرقی سے روایت ہے کہ بے شک عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ یقیناً یہاں (مدینہ میں) غسان قبیلے کا ایک قریب البلوغ لڑکا ہے جو (تاحال) بالغ نہیں ہوا، اور اس کا وارث ملک شام میں ہے۔ وہ لڑکا (کافی) مال والا ہے اور یہاں سوائے اس کے چچا کی بیٹی کے اس کا کوئی (دوسرا رشتہ دار موجود) نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے متعلق فرمایا: وہ اس کے لیے وصیت کر سکتا ہے۔ عمرو بن سلیم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ پھر اس (لڑکے) نے اس (چچازاد بہن) کے لیے ایک مال (زمین) کی وصیت کی، جسے "بیر جشم" کہا جاتا تھا۔ عمرو بن سلیم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ مال تیس ہزار درہم میں فروخت کیا گیا اور اس لڑکے کے چچا کی بیٹی کہ جس کے لیے اس نے وصیت کی تھی۔ (اس روایت کے راوی) عمرو بن سلیم زرقی کی والدہ تھیں۔

فائدہ:...... وہ لڑکا عمرو بن سلیم کا ماموں لگتا تھا۔ دراصل چچا کی مذکر اولاد یعنی بیٹے یا پوتے تو مذکر ہونے کی وجہ سے عصبہ کے طور پر وراث بن جاتے ہیں لیکن چچا کی مؤنث اولاد نہ تو اصحاب الفرائض میں شامل ہے اور نہ عصبات میں، ہاں ذوالارحام (عام رشتہ داروں) میں وہ شامل ہے، جنھیں اصحاب الفرائض اور عصبات رشتہ داروں کی موجودگی میں وراثت میں سے کچھ نہیں مل سکتا، البتہ ان کے لیے وصیت ہو سکتی ہے۔

[1470] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ حَزْمٍ، أَنَّ غُلَاماً مِنْ غَسَّانَ حَضَرَتْهُ الْوَفَاةُ بِالْمَدِينَةِ، وَوَارِثُهُ

ابوبکر بن حزم رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ غسان قبیلے کے ایک لڑکے کو مدینہ منورہ میں موت کا وقت آ گیا، اس کا وارث ملک شام میں تھا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے اس کا ذکر

[1469] (موقوف ضعیف) بیہقی فی السنن الکبری: 6/ 282، 10/ 317، وفی معرفۃ السنن والآثار: 7/ 532 (6087)، عبدالرزاق: 9/ 78 (16410)، سعید بن منصور: 430۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

[1470] (موقوف ضعیف) بیہقی فی السنن الکبری: 10/ 317، عبدالرزاق: 9/ 77 (16409)، سعید بن منصور: 431، دارمی: 3546، 3549۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

بِالشَّامِ، فَذُكِرَ ذَلِكَ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، فَقِيلَ لَهُ: إِنَّ فُلَاناً يَمُوتُ أَفَيُوصِي؟ قَالَ: فَلْيُوصِ.

کیا گیا اور انھیں بتایا گیا کہ بے شک فلاں (لڑکا) مر رہا ہے، تو کیا وہ وصیت کر سکتا ہے؟ توانھوں نے فرمایا: وہ وصیت کر سکتا ہے۔

قَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ قَالَ أَبُو بَكْرٍ: وَكَانَ الْغُلَامُ ابْنَ عَشْرِ سِنِينَ، أَوِ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ سَنَةً. قَالَ: فَأَوْصَى بِبِئْرِ جُشَمٍ، فَبَاعَهَا أَهْلُهَا بِثَلَاثِينَ أَلْفَ دِرْهَمٍ.

(امام مالک رحمہ اللہ کے شیخ) یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ابوبکر (بن حزم) نے بتایا کہ وہ لڑکا دس یا بارہ سال کی عمر کا تھا، چنانچہ اس نے ''بیر جشم'' کی وصیت کی، جسے اس کے گھر والوں (چچازاد بیٹی) نے تیس ہزار درہم میں بیچا۔

قَالَ يَحْيَى: سَمِعْتُ مَالِكاً يَقُولُ: الْأَمْرُ الْمُجْتَمَعُ عَلَيْهِ عِنْدَنَا: أَنَّ الضَّعِيفَ فِي عَقْلِهِ، وَالسَّفِيهَ وَالْمُصَابَ الَّذِي يُفِيقُ أَحْيَاناً، تَجُوزُ وَصَايَاهُمْ، إِذَا كَانَ مَعَهُمْ مِنْ عُقُولِهِمْ مَا يَعْرِفُونَ مَا يُوصُونَ بِهِ، فَأَمَّا مَنْ لَيْسَ مَعَهُ مِنْ عَقْلِهِ مَا يَعْرِفُ بِذَلِكَ مَا يُوصِي بِهِ، وَكَانَ مَغْلُوباً عَلَى عَقْلِهِ، فَلَا وَصِيَّةَ لَهُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں اس حکم پر اجماع ہے کہ یقیناً وہ شخص جس کی عقل میں ضعف ہو اور بیوقوف اور وہ مجنون شخص جسے بعض اوقات افاقہ ہو جاتا ہے۔ ان سب کی وصیتیں جائز ہیں (بشرطیکہ) جب ان کے پاس اتنی عقلیں ہوں کہ وہ اس چیز کی پہچان رکھتے ہوں جس کی وہ وصیت کریں۔ رہا وہ شخص جس کے پاس اس قدر عقل نہ ہو کہ جس کے ذریعے وہ اسے پہچانے جس کی وصیت کرے اور وہ مغلوب العقل ہو (عقل بالکل کام نہ کرتی ہو) تو اس کے لیے کوئی وصیت (کرنا جائز) نہیں ہے۔

44- بَابٌ: اَلْقَضَاءُ فِي الْوَصِيَّةِ فِي الثُّلُثِ لَا تُتَعَدَّى

تہائی مال سے زیادہ وصیت نہ کرنے کے متعلق فیصلے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں ایک مرفوع روایت (حدیث نبوی ﷺ) ہے جو بخاری و مسلم میں بھی موجود ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاویٰ بھی مذکور ہیں۔

[1471] حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، عَنْ أَبِيهِ،

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع والے سال میرے پاس

[1471] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب رثاء النبي ﷺ سعد بن خولة، حديث: 1295، 2742، 2744، 3936، 4409، 5659، 5668، 6373، 6733، صحيح مسلم، كتاب الوصية، باب الوصية بالثلث، حديث: 1628، ابوداود: 2864، ترمذي: 975، 2116، نسائي: 3656، ابن ماجه: 2708، دارمي: 3196.

أَنَّهُ قَالَ : جَاءَنِي رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَعُودُنِي عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ مِنْ وَجَعٍ اشْتَدَّ بِي فَقُلْتُ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ، قَدْ بَلَغَ بِي مِنَ الْوَجَعِ مَا تَرَى ، وَأَنَا ذُو مَالٍ ، وَلَا يَرِثُنِي إِلَّا ابْنَةٌ لِي ، أَفَأَتَصَدَّقُ بِثُلُثَيْ مَالِي ؟ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : لَا . فَقُلْتُ فَالشَّطْرُ ؟ قَالَ : لَا . ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : الثُّلُثُ ، وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ ، إِنَّكَ أَنْ تَذَرَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ ، خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَذَرَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ ، وَإِنَّكَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَةً تَبْتَغِي بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ ، إِلَّا أُجِرْتَ بِهَا ، حَتَّى مَا تَجْعَلُ فِي فِي امْرَأَتِكَ . قَالَ : فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَأُخَلَّفُ بَعْدَ أَصْحَابِي؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : إِنَّكَ لَنْ تُخَلَّفَ فَتَعْمَلَ عَمَلاً صَالِحاً ، إِلَّا ازْدَدْتَ بِهِ دَرَجَةً وَرِفْعَةً ، وَلَعَلَّكَ أَنْ تُخَلَّفَ ، حَتَّى يَنْتَفِعَ بِكَ أَقْوَامٌ ، وَيُضَرَّ بِكَ آخَرُونَ ، اللّٰهُمَّ أَمْضِ لِأَصْحَابِي هِجْرَتَهُمْ ، وَلَا تَرُدَّهُمْ عَلَى أَعْقَابِهِمْ ، لٰكِنَّ الْبَائِسَ سَعْدُ بْنُ خَوْلَةَ . يَرْثِي لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ مَاتَ بِمَكَّةَ .

تشریف لائے، اس حال میں کہ آپ میری تیمارداری فرما رہے تھے، اس تکلیف کی وجہ سے جومیرے ساتھ سخت ہوچکی تھی۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ! مجھے تکلیف اس (حد اور انتہاء) تک پہنچ چکی ہے جو آپ دیکھ ہی رہے ہیں (اور میں موت کے آثار محسوس کر رہا ہوں) اور میں مالدار شخص ہوں اور (لیکن) میری ایک بیٹی کے سوا میرا کوئی وارث نہیں ہے۔کیا میں اپنے دوتہائی مال کو صدقہ (کرنے کی وصیت) کردوں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”نہیں“ میں نے عرض کیا: پھر نصف (مال صدقہ کردوں)؟ فرمایا ”نہیں“۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:” تہائی مال (کی وصیت جائز ہے) اور تہائی بھی زیادہ ہی ہے۔یقیناً تم اپنے ورثاء کو مالدار چھوڑ کر جاؤ تو یہ اس سے بہتر ہے کہ تم انھیں محتاج چھوڑ کر جاؤ کہ وہ لوگوں کے سامنے ہتھیلیاں پھیلاتے رہیں۔ بلاشبہ تم ہرگز کوئی ایسا خرچ نہیں کرو گے جس کے ذریعے تم اللہ کا چہرہ (اور رضامندی) تلاش کررہے ہو، مگر ضرور تمھیں اس کی وجہ سے اجر عطا کیا جائے گا ، یہاں تک کہ وہ (لقمہ) بھی جسے تم اپنی بیوی کے منہ میں ڈالو۔حضرت سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ ! کیا میں اپنے ساتھیوں کے (چلے جانے کے)بعد پیچھے چھوڑ دیا جاؤں گا؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:”بے شک ایسا ہرگز نہ ہوگا کہ تم پیچھے چھوڑے جاؤ، پھر تم کوئی بھی نیک عمل کرو گے، مگر اس کی وجہ سے تم درجہ و بلندی میں بڑھ جاؤ گے (یعنی اگر تم مکہ میں پیچھے رہ گئے تو اسی جگہ پر بھی تم جو کوئی عمل کرو گے وہ اس کے بدلے رفعت اور بلندی درجات ہی تمھارا مقدر بنے گی اور اگر تم مزید زندگی عطا کر دیے گئے تو بھی یہی معاملہ ہوگا) اور امید ہے کہ تم زندہ رکھے جاؤ گے۔ یہاں تک کہ بہت سے لوگ تمھارے ساتھ نفع اٹھائیں گے اور بہت سے دوسروں کو تمھارے ذریعے نقصان پہنچایا جائے گا، (پھر آپ ﷺ نے دعا فرمائی کہ)اے اللہ !میرے صحابہ کی ہجرت پوری فرمادے (وہ جہاں سے تیری خاطر نکلے انھیں وہاں موت نہ

دینا) اور انھیں ان کی ایڑیوں پر نہ لوٹانا (انھیں ہجرت و اسلام کی سعادتوں سے محروم نہ فرمانا۔ اے سعد! تم ابھی نہیں مرو گے) لیکن فقیر (اور اصل مصیبت زدہ) تو حضرت سعد بن خولہ (رضی اللہ عنہ) ہیں"۔ رسول اللہ ﷺ ان پر اظہار غم فرما رہے تھے، اس لیے کہ وہ مکہ ہی میں فوت ہو گئے تھے۔

فائدہ: ...... حجۃ الوداع کا سال ۱۰ھ ہے جبکہ امام ترمذی رحمہ اللہ کی اس روایت (2116) میں فتح مکہ کے سال کا تذکرہ ہے جو 8ھ میں ہوا۔ متعدد محدثین نے اسے سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کا وہم قرار دیا ہے لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: مسند احمد، بزار اور طبرانی وغیرہ کی روایات میں غزوہ حنین کا ذکر ہے اور وہ فتح مکہ کے فوراً بعد 8ھ ہی میں ہوا تھا، نیز اس میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے بے اولاد ہونے کا بھی ذکر ہے۔ اس لیے یہ تطبیق ممکن ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہ واقعہ دوبارہ پیش آیا۔ پہلی دفعہ 8ھ میں، جب ان کی اولاد نہ تھی اور دوسری بار 10ھ میں جب ان کی ایک بیٹی ام الحکم پیدا ہو چکی تھی۔ واللہ اعلم۔ (زرقانی 84/4) حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے پیچھے چھوڑ دیے جانے سے مکہ میں بیمار پڑے رہنا مراد لیا، لیکن نبی اکرم ﷺ نے دوبار یہ لفظ استعمال کیا اور دوسری بار پیچھے چھوڑ دیے جانے کو زندہ رہنے کے مفہوم سے بدل کر جواب دیا، اور پھر یہ پیشین گوئی برحق ثابت ہوئی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ مزید پینتالیس سال یا اس سے زیادہ عرصہ زندہ رہے اور 55 یا 56 یا 57 یا 58ھ میں مدینہ منورہ سے دس میل دور وادی عقیق میں فوت ہوئے۔ جب ان کی عمر بیاسی یا تراسی سال تھی، اور وہ مدینہ کے قبرستان بقیع غرقد میں دفن ہوئے۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنا دستِ مبارک حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی پیشانی پر رکھا، پھر اسے ان کے چہرے اور پیٹ پر پھیرا اور دعا فرمائی: اے اللہ! سعد کو شفا عطا فرما اور اس کی ہجرت پوری فرما۔ (بخاری: 5659) آپ ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی درخواست پر تین بار دعائے شفا فرمائی تھی۔ (مسلم: 8/1628) حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے ساتھ نفع اٹھانے والے لوگوں سے مراد مسلمان ہیں جنھوں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی قیادت میں فتوحات اور بے شمار مالِ غنیمت حاصل کیا۔ فتح عراق و فارس اور جنگ قادسیہ انھی کی زیر قیادت ہوئیں جبکہ کفار و مشرکین بے پناہ نقصان سے دوچار ہوئے ...... حضرت سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ کا نام بعض روایات میں سعد بن عفراء بھی منقول ہے۔ (بخاری: 2742) ممکن ہے کہ ان کی والدہ کے دو نام ہوں اور ایک ان میں سے لقب ہو۔ وہ مہاجر تھے اور بدری صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے تھے اور ان کی وفات مکہ مکرمہ میں حجۃ الوداع کے موقع پر ہوئی تھی۔ (بخاری: 3991، مسلم: 1484) نبی اکرم ﷺ کا اظہارِ افسوس اس لیے تھا کہ آپ مناسب نہیں جانتے تھے کہ جس خطے کو اللہ کی خاطر ترک کیا ہو، وہاں دوبارہ رہا جائے اور فوت ہوا جائے۔ اسی لیے تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی پریشان تھے۔

قَالَ يَحْيَى: سَمِعْتُ مَالِكاً يَقُولُ فِي الرَّجُلِ يُوصِي بِثُلُثِ مَالِهِ لِرَجُلٍ، وَيَقُولُ غُلَامِي — امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جو کسی آدمی کے لیے اپنے تہائی مال کی وصیت کرتا ہے اور (وصیت

يَخْدُمُ فُلَانًا مَا عَاشَ ، ثُمَّ هُوَ حُرٌّ ، فَيُنْظَرُ فِي ذَلِكَ ، فَيُوجَدُ الْعَبْدُ ثُلُثَ مَالِ الْمَيِّتِ ، قَالَ : فَإِنَّ خِدْمَةَ الْعَبْدِ تُقَوَّمُ ، ثُمَّ يَتَحَاصَّانِ ، يُحَاصُّ الَّذِي أُوصِيَ لَهُ بِالثُّلُثِ بِثُلُثِهِ ، وَيُحَاصُّ الَّذِي أُوصِيَ لَهُ بِخِدْمَةِ الْعَبْدِ بِمَا قُوِّمَ لَهُ مِنْ خِدْمَةِ الْعَبْدِ ، فَيَأْخُذُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِنْ خِدْمَةِ الْعَبْدِ ، أَوْ مِنْ إِجَارَتِهِ إِنْ كَانَتْ لَهُ إِجَارَةٌ بِقَدْرِ حِصَّتِهِ ، فَإِذَا مَاتَ الَّذِي جُعِلَتْ لَهُ خِدْمَةُ الْعَبْدِ مَا عَاشَ عَتَقَ الْعَبْدُ .

میں) یہ بھی کہتا ہے کہ میرا غلام فلاں (کسی اور شخص کا نام لیتا ہے) کی خدمت کرے گا، جب تک کہ وہ (فلاں) زندہ رہے، پھر وہ (غلام) آزاد ہوگا (گویا یہ تین وصیتیں ہوئیں: (1) غلام کی آزادی (2) پہلے شخص کو تہائی مال دینا (3) ایک شخص کی زندگی تک اس کی خدمت کرنا، تہائی مال سے زیادہ کی وصیت بھی ممنوع ہے، اس لیے غلام کے آزاد کرنے کو تہائی مال میں سب سے پہلے شمار کریں گے۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: چنانچہ اس بارے میں دیکھا جائے تو وہ غلام ہی میت کے تہائی مال (کے برابر) پایا جائے (لہٰذا اب تین کام لازم ہیں اور کوئی بھی کام فوری طور پر پورا نہیں ہوسکتا، نہ غلام فوری آزاد ہوگا، نہ پہلے شخص کو میت کا پورا تہائی مال مل سکے گا اور نہ ہی تنہا دوسرے شخص کو یہ غلام خدمت کے لیے مل سکے گا) امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اس غلام کی خدمت کی قیمت لگائیں گے (پھر اس کے تین حصے کریں گے، ایک حصہ غلام کا ہو جائے گا، باقی دو حصوں میں) وہ دونوں شخص برابر کے حصہ دار ہوں گے۔ جس شخص کے لیے تہائی مال کی وصیت کی گئی تھی وہ اس قیمت کا تیسرا حصہ لے لے گا اور جس شخص کے لیے غلام کی خدمت کی وصیت کی گئی تھی وہ بھی اس غلام کی خدمت والی قیمت میں سے اپنے حصے کا حق دار ہوگا (یعنی تین برابر برابر حصے اس غلام اور ان دو شخصوں کے درمیان تقسیم کریں گے) پھر ان دونوں میں سے ہر شخص چاہے تو غلام کی خدمت میں سے اپنے حصے کا بقدر وصول کرلے یا اس غلام کی مزدوری میں سے (لے لے)، بشرطیکہ اس غلام کے لیے مزدوری یا کمائی ہو (یعنی چاہیں تو محض خدمت کرالیں اور چاہیں تو غلام سے مزدوری کرواتے رہیں اور پیسے پورے کروالیں) پھر وہ شخص جس کے لیے غلام کی خدمت کی وصیت کی گئی تھی، جب تک کہ وہ زندہ رہے گا، جب وہ فوت ہوجائے گا تو غلام آزاد ہوجائے گا۔

فائدہ : ...... کیونکہ اس کی آزادی کے لیے میت نے یہی وقت مقرر کیا تھا۔ اس سے قبل وہ میت کے ورثاء ہی کا غلام شمار ہوگا۔ البتہ میت نے تو اسے مستقل خدمت کرنے کی وصیت کی تھی لیکن چونکہ میت کی تین الگ الگ وصیتیں جائز مقدار سے بڑھ گئی تھیں، اس لیے تینوں وصیتوں کا جب برابر برابر حساب کیا تو خدمت کی وصیت والے حق میں خدمت کا صرف تیسرا حصہ آیا، رہا یہ مسئلہ کہ غلام کی خدمت کی قیمت کس طرح لگائی جائے گی تو اس سے مراد غلام کی خود اپنی ہی قیمت ہے، چنانچہ جس کے لیے تہائی مال کی وصیت تھی اسے غلام کی قیمت میں سے اپنا تہائی حصہ مل جائے گا،

ایک حصہ غلام کے حق میں رہے گا اور ایک تہائی حصہ خدمت والے کا ہوگا اور اسے اختیار ہوگا کہ چاہے تو اپنا حصہ نقد لے لے اور چاہے تو ہر دن کا تیسرا حصہ غلام سے خدمت لیتا رہے یا ہر مہینے کا تیسرا حصہ اپنی خدمت کے لیے اسے بلاتا رہے۔ بہرحال وہ اس سے مکمل خدمت نہیں لے سکتا، نہ غلام فوری آزادی پا سکتا ہے اور نہ ہی یہ غلام آزادی سے محروم ہوسکتا ہے۔

قَالَ يَحْيٰى: وَسَمِعْتُ مَالِكاً يَقُولُ فِي الَّذِي يُوصِي فِي ثُلُثِهِ فَيَقُولُ: لِفُلَانٍ كَذَا وَكَذَا، وَلِفُلَانٍ كَذَا وَكَذَا يُسَمِّي مَالاً مِنْ مَالِهِ، فَيَقُولُ وَرَثَتُهُ: قَدْ زَادَ عَلَى ثُلُثِهِ، فَإِنَّ الْوَرَثَةَ يُخَيَّرُونَ بَيْنَ أَنْ يُعْطُوا أَهْلَ الْوَصَايَا وَصَايَاهُمْ وَيَأْخُذُوا جَمِيعَ مَالِ الْمَيِّتِ، وَبَيْنَ أَنْ يَقْسِمُوا لأَهْلِ الْوَصَايَا ثُلُثَ مَالِ الْمَيِّتِ، فَيُسَلِّمُوا إِلَيْهِمْ ثُلُثَهُ، فَتَكُونُ حُقُوقُهُمْ فِيهِ إِنْ أَرَادُوا بَالِغاً مَا بَلَغَ.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جو اپنے تہائی مال میں وصیت کرے۔ چنانچہ وہ کہے کہ فلاں کے لیے اتنا اور فلاں کے لیے اتنا ہے۔ وہ اپنے مال سے کچھ مال کا نام لیتا (اور ہر کسی کے لیے تعیین کر دیتا) ہے، پھر اس کے ورثاء کہیں کہ اس نے تو تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کردی ہے تو بلاشبہ ورثاء کو (ان دو کاموں میں) اختیار دیا جائے گا۔ ایک یہ کہ وہ وصیتوں والوں کو ان (کے لیے) کی (ہوئی) وصیتیں (اپنی طرف سے) ادا کریں اور میت کا مکمل مال لے لیں اور دوسرا یہ کہ (تمام) وصیتوں والوں کے لیے میت کے مال کا تہائی حصہ تقسیم کر (کے نکال) لیں، پھر وہ (پورے کا پورا) تہائی حصہ ان کے سپرد کر دیں، تو اگر وہ چاہیں تو اسی تہائی حصے میں ہی ان سب کے حقوق ہوں گے، خواہ وہ تہائی حصہ جہاں تک بھی پہنچے (وہ حساب لگا کر دیکھ لیں گے، پھر اس میں سے جتنا جتنا حصہ آتا ہو، لے لیں)۔

45- بَابٌ: أَمْرُ الْحَامِلِ وَالْمَرِيضِ وَالَّذِي يَحْضُرُ الْقِتَالَ فِي أَمْوَالِهِمْ

حاملہ عورت، مریض شخص اور میدان جنگ میں حاضر مجاہد کے اپنے اپنے مالوں میں اختیار کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاوی مذکور ہیں۔

قَالَ يَحْيَى: سَمِعْتُ مَالِكاً يَقُولُ: أَحْسَنُ مَا سَمِعْتُ فِي وَصِيَّةِ الْحَامِلِ، وَفِي قَضَايَاهَا فِي مَالِهَا، وَمَا يَجُوزُ لَهَا: أَنَّ الْحَامِلَ كَالْمَرِيضِ، فَإِذَا كَانَ الْمَرَضُ الْخَفِيفُ غَيْرُ الْمَخُوفِ عَلَى صَاحِبِهِ، فَإِنَّ صَاحِبَهُ يَصْنَعُ فِي مَالِهِ مَا يَشَاءُ، وَإِذَا كَانَ الْمَرَضُ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: حاملہ عورت کی وصیت، اپنے مال میں اس کے فیصلوں اور جو کچھ اس کے لیے (تصرف کرنا) جائز ہے، (ان سب) کے متعلق میں نے جو کچھ سنا ہے اس میں سب سے بہترین قول یہ ہے کہ بیشک حاملہ عورت مریض شخص کی طرح ہے۔ چنانچہ جب بیماری ہلکی ہو، اس بیماری والے پر موت کا اندیشہ نہ ہو تو بلاشبہ اس بیماری والا

الْمَخُوفُ عَلَيْهِ لَمْ يَجُزْ لِصَاحِبِهِ شَيْءٌ إِلَّا فِي ثُلُثِهِ .

اپنے مال میں جو چاہے کرسکتا ہے اور جب مرض ایسا ہو کہ جس پر موت کا خطرہ ہو تو اس مرض والے کے لیے اس (اپنے مال) کے تہائی حصے کے سوا کچھ (تصرف کرنے کا اختیار) نہیں ہے۔

قَالَ: وَكَذَلِكَ الْمَرْأَةُ الْحَامِلُ أَوَّلُ حَمْلِهَا بِشْرٌ وَسُرُورٌ، وَلَيْسَ بِمَرَضٍ وَلَا خَوْفٍ، لِأَنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قَالَ فِي كِتَابِهِ: ﴿فَبَشَّرْنَاهَا بِإِسْحَاقَ وَمِنْ وَرَاءِ إِسْحَاقَ يَعْقُوبَ﴾ [هود: 71] وَقَالَ: ﴿حَمَلَتْ حَمْلاً خَفِيفاً فَمَرَّتْ بِهِ فَلَمَّا أَثْقَلَتْ دَعَوَا اللَّهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ آتَيْتَنَا صَالِحاً لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ﴾ [الأعراف: 189]

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور اسی طرح حاملہ عورت ہے، اس کے حمل کا آغاز بشارت (خوشی) اور مسرت (محسوس) ہوتا ہے، نہ وہ بیماری (شمار) ہوتا ہے اور نہ ہی (موت کا) خوف، کیونکہ بلاشبہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے: ﴿فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَ مِنْ وَّرَاءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ﴾ (ھود 7) ''پھر ہم نے اسے (حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی سارہ کو) اسحاق (بیٹے) کی خوشخبری دی اور اسحاق کے بعد یعقوب (پوتے) کی (بھی خوشخبری سنائی)''۔ نیز اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَلَمَّا تَغَشّٰهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ فَلَمَّا اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ﴾ (الاعراف 189) ''پھر جب اس (مرد) نے اس (بیوی) سے صحبت کی تو اسے ہلکا سا حمل ٹھہر گیا تو وہ اسے لیے پھرتی رہی، پھر جب وہ بوجھل ہوگئی تو ان دونوں نے اپنے رب اللہ سے دعا کی: اگر تو نے ہمیں تندرست بچہ دیا تو ہم ضرور (تیرے) شکر گزاروں میں سے ہوں گے۔''

قَالَ: فَالْمَرْأَةُ الْحَامِلُ إِذَا أَثْقَلَتْ لَمْ يَجُزْ لَهَا قَضَاءٌ إِلَّا فِي ثُلُثِهَا، فَأَوَّلُ الْإِتْمَامِ سِتَّةُ أَشْهُرٍ، قَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى فِي كِتَابِهِ: ﴿وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ﴾ [البقرة: 233] وَقَالَ: ﴿وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْراً﴾ [الأحقاف: 15]، فَإِذَا مَضَتْ لِلْحَامِلِ سِتَّةُ أَشْهُرٍ مِنْ يَوْمِ حَمَلَتْ، لَمْ يَجُزْ لَهَا قَضَاءٌ فِي مَالِهَا إِلَّا فِي الثُّلُثِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: لہٰذا حاملہ عورت جب بوجھل ہوجائے تو اس کے لیے اپنے تہائی مال کے علاوہ میں کچھ فیصلہ (اور تصرف کرنے کا اختیار) نہیں رہتا اور حمل کی ابتدائی مدت پورے چھ ماہ ہے۔ (اس کو حملِ خفیف کہتے ہیں، اس کے بعد عورت بوجھل ہوجاتی ہے اور چھ ماہ کا ثبوت اس طرح ہے کہ) اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا: ﴿وَالْوٰلِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ﴾ (البقرة 233) ''اور مائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال دودھ پلائیں، (یہ

حکم) اس شخص کے لیے (ہے) جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہے۔" (یعنی دودھ پلانے کی زیادہ سے زیادہ مدت چوبیس ماہ ہے) اللہ نے فرمایا: ﴿وَ حَمْلُهٗ وَ فِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا﴾ (الاحقاف 15) "اور اس (بچے) کا حمل اور دودھ چھڑانا تیس ماہ (کی مدت) ہے۔" (حمل و رضاعت کی تیس ماہ کی مدت میں سے رضاعت کے چوبیس ماہ نکال دیں تو حمل کی مدت چھ ماہ باقی بچتی ہے)۔ لہٰذا جب حاملہ عورت کے لیے چھ ماہ گزر جائیں، اس دن سے (آغاز کرکے) جس میں اسے حمل ٹھہرا تھا تو اس کے لیے اپنے مال میں کوئی تصرف و اختیار نہ ہوگا، سوائے تہائی مال کے۔

قَالَ يَحْيٰى: وَسَمِعْتُ مَالِكًا يَقُوْلُ فِي الرَّجُلِ يَحْضُرُ الْقِتَالَ: إِنَّهُ إِذَا زَحَفَ فِي الصَّفِّ لِلْقِتَالِ لَمْ يَجُزْ لَهُ أَنْ يَقْضِيَ فِي مَالِهِ شَيْئًا إِلَّا فِي الثُّلُثِ، وَإِنَّهُ بِمَنْزِلَةِ الْحَامِلِ وَالْمَرِيضِ الْمَخُوفِ عَلَيْهِ مَا كَانَ بِتِلْكَ الْحَالِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کی بابت فرمایا جو لڑائی میں حاضر ہوتا ہے، کہ بلاشبہ جب وہ (مجاہد میدانِ جنگ میں) قتال کے لیے صف میں داخل ہو جائے تو اس کے لیے بھی جائز نہیں کہ وہ اپنے مال (کے بارے) میں (وصیت وغیرہ کا) کوئی فیصلہ کرے سوائے اس کے تیسرے حصے کے۔ بلاشبہ وہ بھی حاملہ عورت اور مریض شخص کی طرح ہے جس پر (موت کا) خوف (مسلط) رہتا ہے، جب تک کہ وہ اس حال میں رہتا ہے۔

46- بَابٌ: اَلْوَصِيَّةُ لِلْوَارِثِ وَالْحِيَازَةُ

وارث کے لیے وصیت کرنے اور اس وارث کے قبضہ و ملکیت پا لینے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کے پانچ فتاویٰ جات مذکور ہیں۔

قَالَ يَحْيٰى: سَمِعْتُ مَالِكًا يَقُوْلُ فِي هٰذِهِ الْآيَةِ: إِنَّهَا مَنْسُوخَةٌ. قَوْلُ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: ﴿إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِيْنَ﴾ [البقرة: 180] نَسَخَهَا مَا نَزَلَ مِنْ قِسْمَةِ الْفَرَائِضِ فِي كِتَابِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس (آگے ذکر ہونے والی) آیت کے متعلق فرمایا کہ: بلاشبہ وہ منسوخ ہے، یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ فرمان ﴿إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِيْنَ﴾ (البقرة: 180) "(تم پر فرض کر دیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کو موت آنے لگے،) اگر وہ مال چھوڑے جا رہا ہو تو والدین اور رشتہ داروں کے لیے (معروف طریقے کے مطابق) وصیت کرے"۔ (شروع اسلام میں رشتہ داروں کے لیے بھی وصیت کرنا فرض تھا لیکن) اسے وراثت کے حصوں کی اس تقسیم نے منسوخ کر دیا ہے، جو کتاب اللہ میں (سورۂ نساء کے دوسرے رکوع میں اور آخری آیت میں) نازل ہوئی۔

قَالَ يَحْيٰى: وَسَمِعْتُ مَالِكًا يَقُوْلُ: اَلسُّنَّةُ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں ثابت شدہ سنت

الثَّابِتَةُ عِنْدَنَا الَّتِي لَا اخْتِلَافَ فِيهَا : أَنَّهُ لَا تَجُوزُ وَصِيَّةٌ لِوَارِثٍ ، إِلَّا أَنْ يُجِيزَ لَهُ ذَلِكَ وَرَثَةُ الْمَيِّتِ ، وَأَنَّهُ إِنْ أَجَازَ لَهُ بَعْضُهُمْ وَأَبَى بَعْضٌ ، جَازَ لَهُ حَقُّ مَنْ أَجَازَ مِنْهُمْ ، وَمَنْ أَبَى أَخَذَ حَقَّهُ مِنْ ذَلِكَ .

جس میں کوئی اختلاف نہیں ، یہ ہے کہ (جن افراد کے حصے اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیے ہیں ان میں سے) کسی وارث کے لیے کوئی وصیت جائز نہیں ہے، الا یہ کہ میت کے (باقی) ورثاء اس کے لیے اسے جائز قرار دے دیں اور بلاشبہ اگر ان میں سے بعض اس کی اجازت دیں اور بعض ان کا انکار کر دیں تو اس وارث کے لیے ان لوگوں کا حق جائز ہوگا، جنھوں نے اجازت دی اور جو انکار کردے تو وہ (وارث کے لیے کی ہوئی) اس وصیت میں سے اپنا حق وصول کر لے۔

فائدہ :...... دراصل ترکہ سب ورثاء کا مشترکہ حق ہوتا ہے جس میں وہ اپنے مقرر حصے حاصل کرتے ہیں، اگر ان میں سے کسی کے لیے کچھ بھی وصیت کی جائے تو دوسرے ورثاء کے حصوں میں کمی آجاتی ہے، ہاں اگر کوئی وارث اپنے حصے میں اس کمی پر راضی ہو تو اس کا وہ حصہ اس وارث کو مل سکتا ہے جس کے لیے وصیت کی گئی ہو۔

قَالَ يَحْيَى: وَسَمِعْتُ مَالِكاً يَقُولُ فِي الْمَرِيضِ الَّذِي يُوصِي فَيَسْتَأْذِنُ وَرَثَتَهُ فِي وَصِيَّتِهِ وَهُوَ مَرِيضٌ ، لَيْسَ لَهُ مِنْ مَالِهِ إِلَّا ثُلُثُهُ ، فَيَأْذَنُونَ لَهُ أَنْ يُوصِيَ لِبَعْضِ وَرَثَتِهِ بِأَكْثَرَ مِنْ ثُلُثِهِ ، إِنَّهُ لَيْسَ لَهُمْ أَنْ يَرْجِعُوا فِي ذَلِكَ ، وَلَوْ جَازَ ذَلِكَ لَهُمْ صَنَعَ كُلُّ وَارِثٍ ذَلِكَ ، فَإِذَا هَلَكَ الْمُوصِي أَخَذُوا ذَلِكَ لِأَنْفُسِهِمْ ، وَمَنَعُوهُ الْوَصِيَّةَ فِي ثُلُثِهِ وَمَا أُذِنَ لَهُ بِهِ فِي مَالِهِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے اس مریض کے بارے میں فرمایا: جو وصیت کرتا ہے، وہ اپنے ورثاء سے اپنی وصیت کے متعلق اجازت مانگتا ہے (کہ کسی خاص وارث کے لیے کچھ مال کی وصیت بھی کردوں) اس حال میں کہ وہ مریض ہو اور اس کے لیے اپنے مال میں سے تہائی حصے کے سوا کچھ (اختیار) نہ ہو، چنانچہ وہ (ورثاء) اسے اجازت دے دیتے ہیں کہ وہ اپنے ورثاء میں سے کسی کے لیے تہائی مال سے بھی زیادہ وصیت کرسکتا ہے۔ بلاشبہ (وہ سب کچھ اس خاص وارث کی ملکیت بن جائے گا اور) ان (باقی ورثاء) کے لیے جائز نہ ہوگا کہ وہ اس میں رجوع کریں (اور جس کی اجازت دی تھی اسے واپس لے کر خود بانٹ لیں) اور اگر یہ (رجوع) ان کے لیے جائز ہوجاتا تو ہر وارث یہی کام کرنے لگتا، جب وصیت کرنے والا مر جاتا تو (یہ ورثاء) اس (مالِ وصیت) کو اپنے لیے لے لیتے اور اس (میت) کی وصیت کو اس مال میں جس کی اسے اجازت دی گئی تھی، روک دیتے (اور پوری وصیت نافذ نہ ہونے دیتے)۔

قَالَ : فَأَمَّا أَنْ يَسْتَأْذِنَ وَرَثَتَهُ فِي وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا لِوَارِثٍ فِي صِحَّتِهِ ، فَيَأْذَنُونَ لَهُ ، فَإِنَّ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: رہی یہ صورت کہ وہ اپنے ورثاء سے کسی ایسی وصیت میں اجازت طلب کرے جو وہ اپنی

ذَلِكَ لا يَلْزَمُهُمْ، وَلِوَرَثَتِهِ أَنْ يَرُدُّوا ذَلِكَ إِنْ شَاؤُوا، وَذَلِكَ أَنَّ الرَّجُلَ إِذَا كَانَ صَحِيحاً، كَانَ أَحَقَّ بِجَمِيعِ مَالِهِ، يَصْنَعُ فِيهِ مَا شَاءَ، إِنْ شَاءَ أَنْ يَخْرُجَ مِنْ جَمِيعِهِ خَرَجَ، فَيَتَصَدَّقُ بِهِ، أَوْ يُعْطِيهِ مَنْ شَاءَ، وَإِنَّمَا يَكُونُ اسْتِئْذَانُهُ وَرَثَتَهُ جَائِزاً عَلَى الْوَرَثَةِ إِذَا أَذِنُوا لَهُ حِينَ يُحْجَبُ عَنْهُ مَالُهُ، وَلا يَجُوزُ لَهُ شَيْءٌ إِلَّا فِي ثُلُثِهِ، وَحِينَ هُمْ أَحَقُّ بِثُلُثَيْ مَالِهِ مِنْهُ، فَذَلِكَ حِينَ يَجُوزُ عَلَيْهِمْ أَمْرُهُمْ، وَمَا أَذِنُوا لَهُ بِهِ، فَإِنْ سَأَلَ بَعْضُ وَرَثَتِهِ أَنْ يَهَبَ لَهُ مِيرَاثَهُ حِينَ تَحْضُرُهُ الْوَفَاةُ فَيَفْعَلُ، ثُمَّ لا يَقْضِي فِيهِ الْهَالِكُ شَيْئاً، فَإِنَّهُ رَدٌّ عَلَى مَنْ وَهَبَهُ، إِلَّا أَنْ يَقُولَ لَهُ الْمَيِّتُ: فُلانٌ - لِبَعْضِ وَرَثَتِهِ ضَعِيفٌ، وَقَدْ أَحْبَبْتُ أَنْ تَهَبَ لَهُ مِيرَاثَكَ فَأَعْطَاهُ إِيَّاهُ، فَإِنَّ ذَلِكَ جَائِزٌ إِذَا سَمَّاهُ الْمَيِّتُ لَهُ. قَالَ: وَإِنْ وَهَبَ لَهُ مِيرَاثَهُ، ثُمَّ أَنْفَذَ الْهَالِكُ بَعْضَهُ وَبَقِيَ بَعْضٌ، فَهُوَ رَدٌّ عَلَى الَّذِي وَهَبَ يَرْجِعُ إِلَيْهِ مَا بَقِيَ بَعْدَ وَفَاةِ الَّذِي أُعْطِيَهُ.

حالت صحت میں کسی (خاص) وراث کے لیے کرنا چاہتا ہو، پھر وہ اسے اجازت دے دیں تو بلاشبہ یہ (وصیت) ان (ورثاء) پر لازم نہیں ہے اور اس کے ورثاء کے لیے جائز ہے کہ اگر وہ چاہیں تو اسے واپس لوٹا لیں اور یہ (رجوع) اس وجہ سے (جائز) ہے کہ بلاشبہ آدمی جب صحت مند ہو تو وہ اپنے سارے مال کا زیادہ حق رکھتا ہے، وہ اس میں جو چاہے کر سکتا ہے اور اگر وہ اپنے سارے مال سے نکلنا چاہے (اور دست بردار ہونا چاہے) تو نکل سکتا ہے، پھر اسے صدقہ بھی کر سکتا ہے اور جسے چاہے دے بھی سکتا ہے (آدمی حالتِ صحت میں اپنے سو فیصد مال پر اختیار رکھتا ہے اور ورثاء کو اس پر کچھ اختیار نہیں ہوتا، لہٰذا وہ جیسے چاہے تصرف کرے، ورثاء کی حق تلفی نہیں ہوتی) اور بلاشبہ اس (میت) کا اپنے ورثاء سے اجازت طلب کرنا ورثاء پر اس وقت لازم ہوتا ہے جب وہ اسے اجازت دے سکیں (اور اجازت دینے کے قابل ہو سکیں) یعنی اس (مرنے والے کے تصرف و اختیار) سے اس کا مال روک دیا گیا ہو اور اس کے لیے اپنے تہائی مال کے علاوہ میں کوئی چیز (تصرف و اختیار) جائز نہ ہو اور جب وہ (ورثاء) اس کے مال میں دو تہائی کے اس سے بھی زیادہ حق دار بن جائیں تو یہی وہ وقت ہے جب ان (ورثاء) پر ان کا حکم (کرنا) بھی جائز (اور نافذ) ہوتا ہے اور وہ کچھ بھی (جائز ہوتا ہے) جس کی وہ اس مرنے والے کو اجازت دیں۔ (الغرض مرنے والا اقرب وفات ان سے اجازت لے کر جو کچھ کرے گا، وہ ان پر نافذ سمجھا جائے گا اور اس کو منسوخ نہ کیا جائے گا، البتہ حالتِ صحت میں ان سے اجازت لینا اور نہ لینا برابر ہے اور اس وقت کا کوئی بھی عمل، وصیت اور اجازت وغیرہ نافذ ہوگی)......امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: پھر اگر وہ (مرنے والا) اپنے ورثاء

میں سے کسی سے یہ سوال کرے کہ وہ اسے اپنی وراثت ہبہ کردے (اور یہ سوال اس وقت کرے) جب اس کے پاس موت حاضر ہوچکی ہو، تو وہ ایسا کردے (اور اسے اپنا حصہ وراثت ہبہ کردے) پھر مرنے والا اس (کا نام لے کر اس سے کہے کہ وہ فلاں) کمزور ہے اور یقیناً مجھے یہ بات پسند ہے کہ تم اپنی وراثت (مجھ سے ملنے والا حصہ وراثت) اسے ہبہ کردو، پھر وہ (وارث جس سے مرنے والے نے درخواست کی تھی) اس (دوسرے وارث یعنی کمزور شخص) کو وہ (اپنا حصہ) دے دے، تو بلاشبہ یہ جائز ہے (بشرطیکہ) جب میت نے اس (کمزور وارث) کا نام لے دیا ہو...... امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور اگر اس (وارث) نے اس (مرنے والے) کو اپنی وراثت ہبہ کردی، پھر اس مرنے والے نے اس (ہبہ شدہ وراثت) کے کچھ حصے میں (کوئی حکم) نافذ کیا (یعنی تصرف کیا اور کسی کو دے دیا) اور کچھ حصہ بچ گیا، تو وہ (باقی ماندہ حصہ) اس شخص پر رد کردیا جائے گا جس نے ہبہ کیا تھا، اس (شخص) کی طرف وہ حصہ لوٹ آئے گا جو باقی بچا ہوا ہو، (لیکن) اس شخص کی وفات کے بعد کہ جسے وہ (ہبہ کر) دیا گیا تھا۔

قَالَ يَحْيَى: وَسَمِعْتُ مَالِكًا يَقُولُ فِيمَنْ أَوْصَى بِوَصِيَّةٍ، فَذَكَرَ أَنَّهُ قَدْ كَانَ أَعْطَى بَعْضَ وَرَثَتِهِ شَيْئًا لَمْ يَقْبِضْهُ، فَأَبَى الْوَرَثَةُ أَنْ يُجِيزُوا ذَلِكَ، فَإِنَّ ذَلِكَ يَرْجِعُ إِلَى الْوَرَثَةِ مِيرَاثًا عَلَى كِتَابِ اللهِ، لِأَنَّ الْمَيِّتَ لَمْ يُرِدْ أَنْ يَقَعَ شَيْءٌ مِنْ ذَلِكَ فِي ثُلُثِهِ، وَلَا يُحَاصُّ أَهْلُ الْوَصَايَا فِي ثُلُثِهِ بِشَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا: جس نے کوئی وصیت کی، پھر اسے یاد آیا کہ بیشک وہ اپنے ورثاء میں سے کسی کو کوئی ایسی چیز دے چکا ہے، جسے اس (وارث) نے قبضے میں نہ لیا تھا باقی ورثاء بھی اس کی اجازت دینے سے انکار کردیں تو بلاشبہ یہ (خاص چیز) اللہ کی کتاب کے مطابق وارثوں کی طرف مال وراثت بن کر لوٹ آئے گی۔ کیونکہ بلاشبہ میت نے نہ تو یہ ارادہ کیا تھا کہ اس میں سے کچھ حصہ اس کے تہائی مال میں واقع ہو (اور اس میں شمار ہو) اور نہ ہی (اس نے یہ چاہا تھا کہ) وصیتوں والے لوگ میت کے تہائی مال کے اندر اندر اس (مذکورہ) چیز میں اپنے اپنے حصے نکال لیں۔ (الغرض میت نے اس چیز کو وصیت سے نہ جوڑا تھا اور نہ جوڑنا چاہا تھا۔ لہٰذا یہ اس کا خالص ترکہ ہی شمار ہوگی)۔

47- بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُؤَنَّثِ مِنَ الرِّجَالِ وَمَنْ أَحَقُّ بِالْوَلَدِ

مردوں میں سے جو مؤنث ہو (یعنی مُخَنَّث اور ہیجڑا) اس کا اور اس شخص کا بیان جو اولاد کا زیادہ حق دار ہے

خلاصۃ الباب اس باب میں دو روایات ہیں، ایک مرفوع (حدیث نبوی ﷺ) ہے جو بخاری و مسلم میں بھی موجود ہے اور دوسری موقوف (اثر صحابی رضی اللہ عنہ) ہے جو سنداً ضعیف ہے۔

[1472] حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ مُخَنَّثاً كَانَ عِنْدَ أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي أُمَيَّةَ وَرَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَسْمَعُ: يَا عَبْدَ اللّٰهِ إِنْ فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الطَّائِفَ غَداً، فَأَنَا أَدُلُّكَ عَلَى ابْنَةِ غَيْلَانَ، فَإِنَّهَا تُقْبِلُ بِأَرْبَعٍ وَتُدْبِرُ بِثَمَانٍ. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: لَا يَدْخُلَنَّ هٰؤُلَاءِ عَلَيْكُمْ.

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ اپنے والد (عروہ بن زبیر رحمہما اللہ) سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا (ہند بنت ابی امیہ) زوجہ پیغمبر ﷺ کے پاس ایک مخنث (موجود) تھا، اس نے (ان کے بھائی) حضرت عبداللہ بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ سے کہا: اس حال میں کہ رسول اللہ ﷺ سن رہے تھے، (کہنے لگا کہ) اے عبداللہ! اگر اللہ نے کل تمھیں طائف پر فتح دے دی تو میں تمھیں (حضرت) غیلان (رضی اللہ عنہ) کی بیٹی (حضرت بادیہ رضی اللہ عنہا) کے بارے میں بتاتا ہوں کہ بیشک وہ (فربہ بدن والی ہے اور اعضائے جسم کے ابھار کی وجہ سے کپڑے پر) چار (شکنوں) کے ساتھ آتی ہے اور آٹھ کے ساتھ جاتی ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "یہ (ہیجڑے) تم (عورتوں) پر ہرگز نہ داخل ہوا کریں (تمھارے پاس نہ آیا کریں)"

فائدہ :...... کیونکہ یہ تو عورتوں کے محاسن لوگوں کے سامنے بیان کر کے ان میں شہوت ابھارنے کا باعث بنتے ہیں۔ یہ واقعہ فتح مکہ کے بعد غزوہ حنین سے فارغ ہو کر طائف کے محاصرے کے دوران پیش آیا۔ حضرت عبداللہ بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ، ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے والد کی طرف سے بھائی تھے اور نبی اکرم ﷺ کی پھوپھی عاتکہ کے بیٹے تھے۔ اس ہیجڑے کا نام "ہیت" تھا، جسے مدینہ منورہ سے نکال دیا گیا تھا اور وہ ذوالحلیفہ کے قریب عیر پہاڑ کے پاس رہتا تھا اور اسے مدینہ میں داخلے کی اجازت نہ تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بوڑھا ہو چکا تھا اور پائی پائی کا محتاج ہو گیا تھا۔ اسے صرف جمعہ کے دن مدینہ آنے اور لوگوں سے مانگ کر واپس چلے جانے کی اجازت دی گئی تھی......اہل عرب فربہ اور موٹی عورتوں کو زیادہ ترجیح دیتے تھے۔ اس ہیجڑے کا مقصد بھی یہی بیان کرنا تھا کہ مذکورہ عورت موٹی ہے اور اس کے سامنے والی جانب کپڑے پر چار جبکہ پچھلی جانب آٹھ شکنیں پڑتی ہیں۔

[1473] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ أَنَّهُ قَالَ: سَمِعْتُ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ

قاسم بن محمد رحمہ اللہ (بن ابی بکر رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے، کہتے ہیں: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک انصاری

[1472] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب غزوة الطائف في شوال سنة ثمان، حديث: 4324، 5235، 5887، صحيح مسلم، كتاب السلام، باب منع المخنث من الدخول على النساء الأجانب، حديث: 2180، ابوداود: 4929، نسائي في الكبرى: 9245، ابن ماجه: 1902، احمد: 6/ 290 (27023).

[1473] (موقوف ضعيف) بيهقي في السنن الكبرى: 8/ 5 (15765)، وفي معرفة السنن والآثار: 6/ 125 (4775)، عبدالرزاق: 12602، سعيد بن منصور: 2269۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔

يَقُولُ: كَانَتْ عِنْدَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ امْرَأَةٌ مِنَ الْأَنْصَارِ، فَوَلَدَتْ لَهُ عَاصِمَ بْنَ عُمَرَ، ثُمَّ إِنَّهُ فَارَقَهَا، فَجَاءَ عُمَرُ قُبَاءَ، فَوَجَدَ ابْنَهُ عَاصِمًا يَلْعَبُ بِفِنَاءِ الْمَسْجِدِ، فَأَخَذَ بِعَضُدِهِ فَوَضَعَهُ بَيْنَ يَدَيْهِ عَلَى الدَّابَّةِ، فَأَدْرَكَتْهُ جَدَّةُ الْغُلَامِ فَنَازَعَتْهُ إِيَّاهُ، حَتَّى أَتَيَا أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيقَ، فَقَالَ عُمَرُ: ابْنِي. وَقَالَتِ الْمَرْأَةُ: ابْنِي. فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: خَلِّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ. قَالَ: فَمَا رَاجَعَهُ عُمَرُ الْكَلَامَ.

عورت (بیوی) تھی، جس نے ان کے لیے عاصم بن عمر رحمہ اللہ کو جنم دیا تھا۔ پھر بے شک انھوں نے اسے چھوڑ دیا (اور طلاق دے دی)۔ پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ (ایک دن) قباء میں تشریف لائے تو عاصم کو مسجد کے صحن میں بچوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے پایا۔ انھوں نے اسے اس کے بازو سے پکڑا اور اسے اپنے آگے سواری کے جانور پر بٹھا لیا۔ بچے کی نانی (ام جمیلہ) نے انھیں پالیا (دیکھ لیا) اور وہ ان سے اس بچے (کو چھیننے) کے لیے جھگڑنے لگی۔ یہاں تک کہ دونوں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آگئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ عورت کہنے لگی: یہ میرا بیٹا (نواسہ) ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے (حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے) فرمایا: اس عورت اور اس بچے کے درمیان سے ہٹ جاؤ، قاسم بن محمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے) گفتگو میں تکرار نہ کی۔

قَالَ يَحْيَى: وَسَمِعْتُ مَالِكًا يَقُولُ: وَهَذَا الْأَمْرُ الَّذِي آخُذُ بِهِ فِي ذَلِكَ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور یہی وہ حکم ہے کہ جسے میں اس مسئلے میں اخذ کرتا (اور ترجیح دیتا) ہوں۔

فائدہ: ......اگر چہ بچہ باپ کی طرف منسوب ہوتا ہے لیکن اگر عورت مسلمان ہو اور اسے رکھنے سے انکاری نہ ہو تو وہی زیادہ حق دار ہے کیونکہ عورت ہی بچپن میں بچے کی دیکھ بھال زیادہ بہتر انداز میں کر سکتی ہے، جب تک کہ وہ آگے نکاح نہ کرلے۔ (ابو داؤد: 2276، حاکم: 207/2، بیهقی: 4/8، 5۔ اس کی سند حسن ہے۔) پھر بچہ جب شعور و تمیز کی عمر کو پہنچ جائے تو اسے اختیار ہوگا، وہ جس کے پاس چاہے رہ سکتا ہے بشرطیکہ وہ رکھنا چاہے۔ (ابو داود: 2277، ترمذی: 1357، نسائی: 3526، ابن ماجه: 2351۔ اس کی سند صحیح ہے۔) اگر بچے کے لیے فیصلہ مشکل ہو جائے تو پھر قرعہ ڈالا جائے گا۔ (ابو داود: 2277)

48- بَابٌ: الْعَيْبُ فِي السِّلْعَةِ وَضَمَانِهَا

سامان میں عیب نکلنے اور اس کا ضامن بننے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاوی مذکور ہیں۔

قَالَ يَحْيَى: سَمِعْتُ مَالِكًا يَقُولُ فِي الرَّجُلِ يَبْتَاعُ السِّلْعَةَ مِنَ الْحَيَوَانِ أَوِ الثِّيَابِ أَوِ

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا: جو سامان خریدتا ہے یعنی جانور یا کپڑے یا مال اسباب، پھر معلوم

الْعُرُوضِ ، فَيُوجَدُ ذَلِكَ الْبَيْعُ غَيْرَ جَائِزٍ ، فَيُرَدُّ وَيُؤْمَرُ الَّذِي قَبَضَ السِّلْعَةَ أَنْ يَرُدَّ إِلَى صَاحِبِهِ سِلْعَتَهُ . قَالَ مَالِكٌ : فَلَيْسَ لِصَاحِبِ السِّلْعَةِ إِلَّا قِيمَتُهَا يَوْمَ قُبِضَتْ مِنْهُ ، وَلَيْسَ يَوْمَ يَرُدُّ ذَلِكَ إِلَيْهِ ، وَذَلِكَ أَنَّهُ ضَمِنَهَا مِنْ يَوْمِ قَبَضَهَا ، فَمَا كَانَ فِيهَا مِنْ نُقْصَانٍ بَعْدَ ذَلِكَ كَانَ عَلَيْهِ ، فَبِذَلِكَ كَانَ نِمَاؤُهَا وَزِيَادَتُهَا لَهُ ، وَإِنَّ الرَّجُلَ يَقْبِضُ السِّلْعَةَ فِي زَمَانٍ هِيَ فِيهِ نَافِقَةٌ مَرْغُوبٌ فِيهَا ، ثُمَّ يَرُدُّهَا فِي زَمَانٍ هِيَ فِيهِ سَاقِطَةٌ ، لَا يُرِيدُهَا أَحَدٌ فَيَقْبِضُ الرَّجُلُ السِّلْعَةَ مِنَ الرَّجُلِ ، فَيَبِيعُهَا بِعَشَرَةِ دَنَانِيرَ ، أَوْيُمْسِكُهَا وَثَمَنُهَا ذَلِكَ ، ثُمَّ يَرُدُّهَا ، وَإِنَّمَا ثَمَنُهَا دِينَارٌ ، فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَذْهَبَ مِنْ مَالِ الرَّجُلِ بِتِسْعَةِ دَنَانِيرَ ، أَوْ يَقْبِضُهَا مِنْهُ الرَّجُلُ فَيَبِيعُهَا بِدِينَارٍ ، أَوْ يُمْسِكُهَا وَإِنَّمَا ثَمَنُهَا دِينَارٌ ، ثُمَّ يَرُدُّهَا وَقِيمَتُهَا يَوْمَ يَرُدُّهَا عَشَرَةُ دَنَانِيرَ ، فَلَيْسَ عَلَى الَّذِي قَبَضَهَا أَنْ يَغْرَمَ لِصَاحِبِهَا مِنْ مَالِهِ تِسْعَةَ دَنَانِيرَ ، إِنَّمَا عَلَيْهِ قِيمَةُ مَا قَبَضَ يَوْمَ قَبْضِهِ .

ہوتا ہے کہ یہ خرید و فروخت ناجائز تھی۔ پھر اس بیع کو رد کر دیا جائے اور جس شخص نے سامان قبض کیا تھا اس (خریدار) کو حکم دیا جائے کہ اپنے ساتھی (بائع) کی طرف اس کا سامان واپس لوٹا دے، تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: سامان والے کے لیے اس کی قیمت کے سوا کچھ نہ ہوگا (اور قیمت بھی) اس دن والی جس میں وہ سامان اس سے قبضے میں لیا گیا تھا ، نہ کہ (اس دن والی قیمت) جس میں وہ سامان اس کی طرف لوٹایا جا رہا ہو۔ یہ (گزشتہ قیمت کا اعتبار) اس وجہ سے ہے کہ بلاشبہ وہ (خریدار) سامان کا اس دن ضامن بنا تھا، جس میں اس نے اسے قبضے میں لیا تھا پھر اس کے بعد اس سامان میں جو بھی کمی یا زیادتی ہوتی رہی وہ اسی (کے ذمے) پر رہی، اسی وجہ سے اس سامان میں جو نشوونما اور اضافہ ہوا وہ اسی کا تھا۔ (دوسری وجہ یہ ہے کہ) بے شک آدمی کسی سامان کو ایسے وقت میں قبض کرتا ہے جس میں وہ مہنگا ہوتا ہے اور اس میں رغبت کی جاتی ہے (اس کی مانگ بہت زیادہ ہوتی ہے) پھر وہ اسے ایسے وقت میں واپس لوٹاتا ہے جس میں وہ سستا ہوتا ہے، (اور اس کی قیمت گر چکی ہوتی ہے) کوئی بھی اس کا قصد نہیں کر رہا ہوتا۔ چنانچہ (مثال کے طور پر) ایک آدمی دوسرے شخص سے ایک سامان قبض کرتا ہے، پھر وہ (خریدار) اسے دس دینار میں بیچتا ہے یا اسے روک کے رکھتا ہے اور اس کی قیمت یہی رہتی ہے، پھر (جب) وہ اسے لوٹاتا ہے تو اس کی قیمت صرف اور صرف ایک دینار ہوتی ہے (تو اگر یہ واپسی کے دن کی قیمت کا اعتبار کرے تو اسے نو دینار بغیر کسی عوض کے نفع میں مل جائیں)، تو اب اس (خریدار) کے لیے درست نہیں کہ وہ دوسرے شخص کے مال میں سے نو دینار لے جائے یا (اس کے الٹ یوں ہوتا ہے کہ) آدمی اس سامان کو اس سے قبض کرتا ہے اور ایک دینار کے عوض بیچتا ہے یا اسے روک کے رکھتا ہے، اس حال میں کہ اس کی قیمت ایک دینار ہوتی ہے، پھر جس دن میں وہ اسے لوٹاتا ہے تو اس کی قیمت دس دینار ہو چکی ہوتی ہے۔ جس (خریدار) شخص نے اسے قبض کیا تھا، اب اس پر یہ عائد

نہیں ہوتا کہ وہ اس سامان والے (بائع) کے حق میں اپنے مال میں سے نو دینار کی چٹی بھرے، بلاشبہ اس پر اسی دن کی قیمت واجب ہوگی جس میں اس نے مال قبض کیا تھا۔

فائدہ :......یعنی وہ سامان خرید کر آگے کاروبار کرتا ہے، وہ سامان تو بک جاتا ہے یا پڑا رہتا ہے اور بعد میں معلوم ہوتا ہے کہ بیع ہی درست نہ تھی تو اب اس سامان کی قیمت کو واپس کیا جائے گا اور قیمت میں اعتبار خریداری کے دن کا ہوگا نہ کہ واپسی کے دن کا۔ اگر بعد میں چیز سستی ہو جائے تو بائع کا نقصان نہ کیا جائے، اسے پورے پیسے واپس لوٹائے جائیں۔ اگر چیز مہنگی ہو جائے تو خریدار کا نقصان نہ کیا جائے اور وہ قیمت خرید ہی واپس لوٹائے۔

قَالَ يَحْيٰى: وَمِمَّا يُبَيِّنُ ذَلِكَ أَنَّ السَّارِقَ إِذَا سَرَقَ السِّلْعَةَ، فَإِنَّمَا يُنْظَرُ إِلَى ثَمَنِهَا يَوْمَ يَسْرِقُهَا، فَإِنْ كَانَ يَجِبُ فِيهِ الْقَطْعُ كَانَ ذَلِكَ عَلَيْهِ، وَإِنِ اسْتَأْخَرَ قَطْعُهُ إِمَّا فِي سِجْنٍ يُحْبَسُ فِيهِ حَتَّى يُنْظَرَ فِي شَأْنِهِ، وَإِمَّا أَنْ يَهْرُبَ السَّارِقُ، ثُمَّ يُؤْخَذَ بَعْدَ ذَلِكَ، فَلَيْسَ اسْتِئْخَارُ قَطْعِهِ بِالَّذِي يَضَعُ عَنْهُ حَدًّا قَدْ وَجَبَ عَلَيْهِ يَوْمَ سَرَقَ، وَإِنْ رَخُصَتْ تِلْكَ السِّلْعَةُ بَعْدَ ذَلِكَ، وَلَا بِالَّذِي يُوجِبُ عَلَيْهِ قَطْعاً لَمْ يَكُنْ وَجَبَ عَلَيْهِ يَوْمَ أَخَذَهَا، إِنْ غَلَتْ تِلْكَ السِّلْعَةُ بَعْدَ ذَلِكَ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ان دلائل میں سے جو اس (مؤقف) کو واضح کرتے ہیں، یہ بھی ہے کہ بے شک چور جب کوئی سامان چوری کرتا ہے تو بلاشبہ اس سامان کی اس دن والی قیمت ہی کو دیکھا جاتا ہے جس میں اس نے اسے چرایا تھا۔ چنانچہ اگر اس قیمت کے مطابق اس پر ہاتھ کاٹنے کی حد واجب ہوتی ہو تو یہ اس پر لاگو ہوگی اور اگر ہاتھ کاٹنے میں تاخیر ہو جائے یا تو (اس طرح کہ) جیل میں اسے قید کر دیا جائے تاکہ اس کے معاملے میں غور وفکر کیا جائے (اور تحقیق کی جا رہی ہو) اور یا (اس طور پر کہ) چور بھاگ جائے، پھر اس کے بعد وہ پکڑ لیا جائے، تو اس کا ہاتھ کاٹنے میں یہ تاخیر ایسی نہیں ہے کہ اس سے وہ حد ساقط کر دے، جو اس پر اس دن واجب ہوئی تھی جس میں اس نے چوری کی تھی۔ اگرچہ وہ سامان بعد میں سستا ہو گیا ہو (اور ہاتھ کاٹنے کی حد کے نصاب سے کم قیمت پر پہنچ گیا ہو) اور نہ ہی یہ تاخیر ایسی ہے کہ اس چور پر ہاتھ کاٹنے کی وہ حد واجب کرے، جو اس دن اس پر واجب نہ تھی جس میں اس نے سامان چرایا تھا (اور یہ اس صورت میں کہ) اگر وہ سامان بعد میں مہنگا ہو جائے۔

49- بَابٌ: جَامِعُ الْقَضَاءِ وَكَرَاهِيَتُهُ

مختلف قسم کے فیصلوں اور منصبِ قضا کے مکروہ ہونے کا بیان

خلاصۃ الباب ☜ اس باب میں دو موقوف روایات (آثار صحابہ رضی اللہ عنہم) ہیں جو سنداً ضعیف ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے تین فتاوی بھی مذکور ہیں۔

[1474] حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ: أَنَّ أَبَا الدَّرْدَاءِ كَتَبَ إِلَى سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ: أَنْ هَلُمَّ إِلَى الأَرْضِ الْمُقَدَّسَةِ، فَكَتَبَ إِلَيْهِ سَلْمَانُ: إِنَّ الأَرْضَ لَا تُقَدِّسُ أَحَداً، وَإِنَّمَا يُقَدِّسُ الإِنْسَانَ عَمَلُهُ، وَقَدْ بَلَغَنِي أَنَّكَ جُعِلْتَ طَبِيباً تُدَاوِي، فَإِنْ كُنْتَ تُبْرِئُ فَنِعِمَّا لَكَ، وَإِنْ كُنْتَ مُتَطَبِّباً فَاحْذَرْ أَنْ تَقْتُلَ إِنْسَاناً فَتَدْخُلَ النَّارَ. فَكَانَ أَبُو الدَّرْدَاءِ إِذَا قَضَى بَيْنَ اثْنَيْنِ، ثُمَّ أَدْبَرَا عَنْهُ نَظَرَ إِلَيْهِمَا وَقَالَ: ارْجِعَا إِلَيَّ أَعِيدَا عَلَيَّ قِصَّتَكُمَا، مُتَطَبِّبٌ وَاللّٰهِ.

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک (ملکِ شام کے قاضی) حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی طرف لکھا: آپ ارضِ مقدسہ (پاکیزہ سرزمینِ شام) کی طرف تشریف لائیے، تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے (جواب میں) لکھا: یقیناً زمین کسی کو مقدس (و پاکیزہ) نہیں بناتی اور (بلکہ) بلاشبہ انسان کو تو صرف اس کا عمل ہی مقدس بناتا ہے اور مجھے یہ اطلاع پہنچی ہے کہ تم (لوگوں کے فیصلوں کے معالج اور) طبیب بنادیے گئے ہو اور علاج کرتے ہو۔ سو اگر تم شفا کا سبب بن رہے ہو تو یہ تمھارے لیے بہتر ہے اور اگر تم تکلف سے طبیب بنے ہوئے ہو (حالانکہ تمھیں طب نہیں آتی) تو پھر اس سے ڈرو کہ کسی انسان کو قتل کر بیٹھو، پھر اس کے نتیجے میں آگ میں جا پڑو۔ چنانچہ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ (اس وصیت کے بعد) جب بھی دو شخصوں کے مابین فیصلہ کرتے پھر وہ دونوں (مدعی اور مدعا علیہ) ان سے منہ موڑتے (اور جانے لگتے) تو وہ ان دونوں کی طرف دیکھتے، پھر فرماتے: تم دونوں میری طرف واپس لوٹ آؤ اور میرے سامنے اپنا قصہ دہراؤ۔ اللہ کی قسم! (میں تو) بناوٹی طبیب (ہوں)۔

فائدہ: ...... وہ یہ الفاظ ازروئے عجز و انکسار کہا کرتے تھے۔ ورنہ ملکِ شام میں سب سے پہلے وہی قاضی منتخب ہوئے تھے، سلف صالحین منصب قضا کو بہت ناپسند جانتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک ہے: ''قاضی تین قسم کے ہوتے ہیں، ایک جنت میں اور دو جہنم میں جائیں گے۔ جنتی وہ ہے جس نے حق پہچان کر حق کے ساتھ فیصلہ کیا اور دوسرا وہ قاضی ہے جس نے حق پہچانا لیکن فیصلے میں ظلم کیا، تو وہ آگ میں جائے گا اور تیسرا وہ قاضی ہے جس نے (نہ حق پہچانا، نہ حق کے ساتھ فیصلہ کیا بلکہ) جہالت کے ساتھ فیصلہ کیا، تو وہ بھی جہنمی ہے۔'' (ابوداود: 3573، ترمذی: 1322، ابن ماجہ: 2315۔ اس کی سند صحیح ہے) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص لوگوں میں قاضی بنا دیا گیا، وہ تو بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا۔'' (ابوداود: 3571، ترمذی: 1325، ابن ماجہ: 2308۔ اس کی سند صحیح ہے) حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے قاضی کو طبیب سے تشبیہ دی ہے کہ جس طرح طبیب قرائن و حالات اور مزاج دیکھ کر جسمانی

[1474] (موقوف ضعیف): ابونعیم فی حلیۃ الأولیاء: 205/1۔ ابن شیبہ: 34670۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے۔

علاج کرتا ہے، اسی طرح قاضی بھی گواہ، قسم اور دلائل و قرائن سے معاشرتی علاج کرتا ہے۔ ملکِ شام کا خطہ دراصل فلسطین خصوصاً بیت المقدس اور گردونواح کی زمین کو بھی شامل ہے اور اسے اللہ رب العزت نے بھی ارضِ مقدسہ قرار دیا ہے۔ (سورۃ مائدہ 21) کیونکہ یہ علاقہ سرزمین انبیاء علیہم السلام ہے۔

قَالَ يَحْيٰى: وَسَمِعْتُ مَالِكاً يَقُولُ: مَنِ اسْتَعَانَ عَبْداً بِغَيْرِ إِذْنِ سَيِّدِهِ فِي شَيْءٍ لَهُ بَالٌ، وَلِمِثْلِهِ إِجَارَةٌ، فَهُوَ ضَامِنٌ لِمَا أَصَابَ الْعَبْدَ إِنْ أُصِيبَ الْعَبْدُ بِشَيْءٍ وَإِنْ سَلِمَ الْعَبْدُ فَطَلَبَ سَيِّدُهُ إِجَارَتَهُ لِمَا عَمِلَ، فَذَلِكَ لِسَيِّدِهِ، وَهُوَ الأَمْرُ عِنْدَنَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جس شخص نے کسی غلام سے اس کے آقا کی اجازت کے بغیر کسی ایسی چیز (اور کام) میں مدد لی، جس کی کچھ اہمیت ہو اور اس جیسے کام میں اجرت دی جاتی ہو تو وہ (مدد لینے والا) اس (نقصان) کا ضامن ہوگا جو غلام کو پہنچے۔ اس صورت میں کہ اگر غلام کو کسی چیز (عیب وغیرہ) کے ساتھ نقصان پہنچا دیا گیا ہو۔ اگر غلام سلامت رہے اور اس کا آقا اس کام کی مزدوری طلب کرے جو غلام نے کیا تھا تو یہ اس کے آقا کا حق ہے اور ہمارے ہاں یہی حکم ہے۔

قَالَ يَحْيٰى: وَسَمِعْتُ مَالِكاً يَقُولُ فِي الْعَبْدِ يَكُونُ بَعْضُهُ حُرًّا وَبَعْضُهُ مُسْتَرَقًّا: إِنَّهُ يُوقَفُ مَالُهُ بِيَدِهِ، وَلَيْسَ لَهُ أَنْ يُحْدِثَ فِيهِ شَيْئاً، وَلَكِنَّهُ يَأْكُلُ فِيهِ وَيَكْتَسِي بِالْمَعْرُوفِ، فَإِذَا هَلَكَ فَمَالُهُ لِلَّذِي بَقِيَ لَهُ فِيهِ الرِّقُّ.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس غلام کے بارے میں فرمایا: جس کا کچھ حصہ آزاد اور کچھ حصہ غلامی میں ہو، بلاشبہ اس (غلام) کا مال اسی کے ہاتھ میں رہنے دیا جائے گا اور اس غلام کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اس مال میں کوئی نئی چیز ظاہر کرے (کہ جس کے ساتھ وہ اسے ختم کر بیٹھے) اور لیکن وہ اس مال میں (سے خرچ کرتے ہوئے) دستور کے مطابق کھا پی بھی سکتا ہے اور کپڑے (بھی لے کر) پہن سکتا ہے، پھر جب وہ غلام فوت ہوگا تو اس کا مال اس شخص کے لیے ہوگا، جس کے لیے اس غلام میں کچھ غلامی باقی تھی۔

فائدہ: ......جس آقا کی ملکیت میں اس غلام کا بعض حصہ باقی تھا وہ اس غلام کی ولاء کا وارث بنے گا۔

قَالَ يَحْيٰى: وَسَمِعْتُ مَالِكاً يَقُولُ: الأَمْرُ عِنْدَنَا: أَنَّ الْوَالِدَ يُحَاسِبُ وَلَدَهُ بِمَا أَنْفَقَ عَلَيْهِ مِنْ يَوْمِ يَكُونُ لِلْوَلَدِ مَالٌ - نَاضًّا كَانَ أَوْ عَرْضاً - إِنْ أَرَادَ الْوَالِدُ ذَلِكَ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں حکم یہ ہے کہ بیشک والد اپنے لڑکے (اور اولاد) سے اس چیز کا حساب کر (کے لے) سکتا ہے جو اس نے اس پر خرچ کیا۔ اس دن سے شروع کرکے جس میں اس لڑکے کے لیے مال (ثابت) ہوا خواہ وہ نقدی ہو یا کوئی سامان، بشرطیکہ والد ایسا کرنا چاہے۔

فائدہ: ......اگر اولاد خود کفیل اور مالدار ہو جائے، لیکن اخراجات کا سلسلہ باپ کی کمائی سے جاری رکھے اور باپ اس پر راضی ہو تو ٹھیک ہے لیکن اگر باپ ان کے خود کفیل ہونے کے دن سے حساب لگا کر ان سے وہ کچھ لینے کا مطالبہ کر دے جو اس نے ان پر خرچ کیا تو یہ بھی درست ہے۔ ہاں اگر اولاد خود کفیل نہ ہو تو وہ باپ کی کفالت میں شمار ہوں گے اور اس محتاجی کے عرصے میں کیے ہوئے خرچ کا مطالبہ کرنا باپ کے لیے مناسب نہ ہوگا۔

[1475] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ دَلَافٍ الْمُزَنِيِّ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ رَجُلاً مِنْ جُهَيْنَةَ كَانَ يَسْبِقُ الْحَاجَّ، فَيَشْتَرِي الرَّوَاحِلَ، فَيُغْلِي بِهَا، ثُمَّ يُسْرِعُ السَّيْرَ فَيَسْبِقُ الْحَاجَّ، فَأَفْلَسَ، فَرُفِعَ أَمْرُهُ إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَقَالَ: أَمَّا بَعْدُ أَيُّهَا النَّاسُ، فَإِنَّ الأُسَيْفِعَ أُسَيْفِعَ جُهَيْنَةَ رَضِيَ مِنْ دِينِهِ وَأَمَانَتِهِ بِأَنْ يُقَالَ سَبَقَ الْحَاجَّ، أَلَا وَإِنَّهُ قَدْ دَانَ مُعْرِضاً، فَأَصْبَحَ قَدْ رِينَ بِهِ، فَمَنْ كَانَ لَهُ عَلَيْهِ دَيْنٌ فَلْيَأْتِنَا بِالْغَدَاةِ، نَقْسِمُ مَالَهُ بَيْنَهُمْ، وَإِيَّاكُمْ وَالدَّيْنَ، فَإِنَّ أَوَّلَهُ هَمٌّ وَآخِرَهُ حَرْبٌ.

عمر بن عبدالرحمٰن بن دلاف مزنی رحمہ اللہ سے روایت ہے (وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں) کہ بیشک جہینہ قبیلے کا ایک شخص حاجیوں سے سبقت لے جاتا (اور مکہ میں پہلے ہی پہنچ جاتا) پھر وہ اونٹوں کو خریدتا اور ان کے مہنگے دام ادا کرتا (یہ اس کا شوق تھا کہ میں آگے آگے رہوں، چنانچہ) پھر وہ تیز چلتا اور حاجیوں پر سبقت لے جاتا رہا، پھر (آخر کار) وہ مفلس اور دیوالیہ ہو گیا، تو اس کا معاملہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس لے جایا گیا تو انھوں نے فرمایا: امّا بعد! لوگو! یقیناً اُسَیْفِع یعنی جہینہ قبیلے کا آدمی اُسیفع اپنے دین اور امانت کے معاملے میں اس بات سے راضی رہا کہ اسے کہا جائے کہ وہ سب حاجیوں سے سبقت لے گیا (اور یہ ریاکاری وشہرت ہے، نہ کہ دین وامانت) خبردار! بلاشبہ اس نے (ادائیگی سے) اعراض کرتے ہوئے قرض (پر اونٹوں کو خرید) لیا تو اب وہ ایسا ہو گیا ہے کہ قرضے میں گھر چکا ہے، (وہ چونکہ دیوالیہ ومفلس ہو گیا ہے۔ اس لیے ہم نے اس پر اپنے مال میں تصرف کرنے کی پابندی عائد کر دی ہے اور جو کچھ اس کے پاس بچ گیا ہے ہم اسے قرض خواہوں میں تقسیم کرنے والے ہیں) تو جس کسی کا اس پر قرض ہو وہ کل ہمارے پاس آجائے، ہم اس کا مال ان (قرض خواہوں) کے مابین تقسیم کر دیں گے، اور اپنے آپ کو قرض (لینے) سے بچاؤ کیونکہ بلاشبہ اس کا آغاز فکروغم ہے اور اس کا اختتام لڑائی جھگڑائی ہے۔

فائدہ: ......امام عبدالرزاق کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبے کے آغاز میں فرمایا: ''لوگو! تمھیں کسی آدمی کے روزے اور نماز دھوکے میں نہ ڈال دیں، بلکہ تم اس کی سچائی پر نظر کیا کرو جب وہ بولے، اور اس کی

[1475] (موقوف ضعیف) بیهقی فی السنن الکبری: 6/ 49(11265)، وفی معرفة السنن والآثار: 4/ 454(3640)، ابن ابی شیبه: 22905۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔

امانت دیکھا کرو جب اسے امانت دی جائے، اور اس کے ورع وتقویٰ کو دیکھا کرو جب وہ مستغنی ہو۔ (زرقانی: 102/4) اگرچہ قرض لینا جائز ہے، قرآن وسنت سے ثابت ہے، ادائیگی کی نیت ہو تو اس کی توفیق بھی مل جاتی ہے لیکن پھر بھی ممکنہ حد تک اس سے بچنا چاہیے، کیونکہ اگر اس کی واپسی نہ ہوسکی تو اہل علم وفضل مقروض شخص کا جنازہ نہیں پڑھیں گے اور جنت بھی تب تک نہیں مل سکے گی جب تک قرض کی ادائیگی نہ ہوجائے، حتی کہ شہید کا ہر گناہ معاف ہوجاتا ہے سوائے اس قرض کے جس کی ادائیگی کا انتظام نہ ہوسکا ہو۔

50- بَابُ مَا أَفْسَدَ الْعَبِيْدُ أَوْ جَرَحُوْا

اس بات کا بیان کہ غلام (کسی کے مال کا) نقصان کردیں یا (کسی کو) زخمی کردیں (تو کیا کیا جائے؟)

خلاصۃ الباب اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ مذکور ہے۔

قَالَ يَحْيَى: سَمِعْتُ مَالِكًا يَقُولُ: السُّنَّةُ عِنْدَنَا فِي جِنَايَةِ الْعَبِيدِ: أَنَّ كُلَّ مَا أَصَابَ الْعَبْدُ مِنْ جُرْحٍ جَرَحَ بِهِ إِنْسَانًا، أَوْ شَيْءٍ اخْتَلَسَهُ، أَوْ حَرِيسَةٍ احْتَرَسَهَا، أَوْ ثَمَرٍ مُعَلَّقٍ جَذَّهُ أَوْ أَفْسَدَهُ، أَوْ سَرِقَةٍ سَرَقَهَا، لَا قَطْعَ عَلَيْهِ فِيهَا: إِنَّ ذَلِكَ فِي رَقَبَةِ الْعَبْدِ، لَا يَعْدُو ذَلِكَ الرَّقَبَةَ، قَلَّ ذَلِكَ أَوْ كَثُرَ، فَإِنْ شَاءَ سَيِّدُهُ أَنْ يُعْطِيَ قِيمَةَ مَا أَخَذَ غُلَامُهُ أَوْ أَفْسَدَ أَوْ عَقْلَ مَا جَرَحَ، أَعْطَاهُ وَأَمْسَكَ غُلَامَهُ، وَإِنْ شَاءَ أَنْ يُسْلِمَهُ أَسْلَمَهُ، وَلَيْسَ عَلَيْهِ شَيْءٌ غَيْرُ ذَلِكَ، فَسَيِّدُهُ فِي ذَلِكَ بِالْخِيَارِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: غلاموں کی جنایت (جرم کرنے) کے متعلق ہمارے ہاں یہ سنت ہے کہ بیشک غلام جو کچھ بھی زخم پہنچائے، کسی انسان کو زخمی کرے یا کوئی چیز جھپٹ کر چھین لے یا کوئی محفوظ مال چرالے یا (درخت پر) لٹکے ہوئے پھل کو توڑ لے یا اسے خراب کردے یا کوئی ایسی چوری کرلے کہ جس میں اس پر ہاتھ کاٹنے کی حد لازم نہ آئے تو بلاشبہ یہ سب کچھ غلام کی گردن میں ہوگا (یعنی ان جرائم کی سزا، چٹی اور تاوان میں غلام کی گردن اس کے آقا کے قبضے سے نکل سکتی ہے، غلام کی قیمت سے نقصان کی تلافی کی جائے گی اور) یہ اس کی گردن سے تجاوز نہیں کرسکتا، خواہ (نقصان) کم ہو یا زیادہ۔ چنانچہ اگر اس کا آقا چاہے کہ اس چیز کی قیمت (اپنے پاس سے) ادا کردے جو غلام نے لی تھی یا جسے اس نے خراب کیا تھا یا جو اس نے زخمی کیا تھا، اس کی دیت ادا کردے تو وہ اس (قیمت اور دیت) کو ادا کرسکتا ہے اور اپنے غلام کو (اپنے پاس ہی) روک سکتا ہے، یا اگر وہ چاہے کہ اس (غلام ہی) کو (ان لوگوں کے) سپرد کردے (جن کا نقصان ہوا ہے) تو وہ اسے سپرد کرسکتا ہے اور اس پر اس کے علاوہ اور کچھ (تاوان) نہ ہوگا، (الغرض) اس کا آقا اس معاملے میں (یہ دونوں) اختیار رکھتا ہے۔

51- بَابُ مَا يَجُوْزُ مِنَ النُّحْلِ

جائز عطیے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں ایک موقوف روایت (اثر صحابی رضی اللہ عنہ) ہے جو سنداً صحیح ثابت ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

[1476] حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، أَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ قَالَ: مَنْ نَحَلَ وَلَداً لَهُ صَغِيراً لَمْ يَبْلُغْ أَنْ يَحُوزَ نُحْلَهُ، فَأَعْلَنَ ذَلِكَ لَهُ، وَأَشْهَدَ عَلَيْهَا، فَهِيَ جَائِزَةٌ، وَإِنْ وَلِيَهَا أَبُوهُ.

سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس شخص نے اپنے کسی ایسے بیٹے کو کوئی عطیہ دیا ہو جو چھوٹا ہے اور اس عمر کو نہیں پہنچا کہ وہ اپنا عطیہ لے کر محفوظ کر سکے۔ چنانچہ وہ یہ عطیہ اس لڑکے کو علانیہ دے اور اس پر گواہ قائم کر لے تو یہ جائز ہے، اگرچہ اس عطیے کی سرپرستی بھی باپ ہی کو کرنا پڑے۔

فائدہ: ...... نابالغ اور بے شعور بچہ خود تو کسی کو ہدیہ و عطیہ دے نہیں سکتا لیکن اسے عطیہ وغیرہ دیا جا سکتا ہے۔ خواہ باپ خود ہی اسے عطیہ دے اور پھر خود ہی بیٹے کی طرف سے اس کی سرپرستی بھی کرے۔

قَالَ يَحْيَى: قَالَ مَالِكٌ: الأَمْرُ عِنْدَنَا أَنَّ مَنْ نَحَلَ ابْناً لَهُ صَغِيراً ذَهَباً أَوْ وَرِقاً، ثُمَّ هَلَكَ وَهُوَ يَلِيهِ: إِنَّهُ لاَ شَيْءَ لِلابْنِ مِنْ ذَلِكَ: إِلاَّ أَنْ يَكُونَ الأَبُ عَزَلَهَا بِعَيْنِهَا، أَوْ دَفَعَهَا إِلَى رَجُلٍ وَضَعَهَا لابْنِهِ عِنْدَ ذَلِكَ الرَّجُلِ، فَإِنْ فَعَلَ ذَلِكَ فَهُوَ جَائِزٌ لِلابْنِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں حکم یہ ہے کہ بے شک جس کسی نے اپنے چھوٹے بچے کو سونا یا چاندی کا عطیہ دیا، پھر وہ لڑکا مرجائے۔ اس حال میں کہ باپ ہی اس عطیے کا سرپرست ہو تو بلاشبہ بیٹے کے لیے اس (عطیے) میں سے کچھ بھی نہ ہوگا، اِلّا یہ کہ باپ نے اس عطیہ (والی چیز) کو الگ کر لیا ہو یا کسی اور آدمی کے سپرد کر رکھا ہو، وہ عطیہ اس بیٹے کے لیے اس آدمی کے پاس رکھوا دیا ہو، چنانچہ اگر وہ ایسا کرے تو وہ بیٹے کے حق میں جائز ہوگا۔

☆......☆......☆

[1476] (موقوف صحيح) بيهقى فى السنن الكبرى: 6/ 170، وفى الصغير: 2/ 338، وفى معرفة السنن والآثار: 5/ 4 (3783)، عبدالرزاق: 9/ 103 (16510)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

39

كِتَابُ الْفَرَائِضِ

وراثت کے مسائل کی کتاب

خلاصۃ الکتاب اس کتاب میں پندرہ ابواب اور سترہ روایات ہیں، جن میں سے تین مرفوع (احادیث نبویہ ﷺ)، نو موقوف (آثار صحابہ رضی اللہ عنہم) اور پانچ مقطوع (آثار تابعین رحمہم اللہ) ہیں۔ ان تمام روایات میں سے آٹھ سنداً صحیح ایک حسن اور آٹھ ضعیف ہیں، چنانچہ تین مرفوع روایات میں سے دو صحیح ہیں اور ایک ضعیف ہے، نو موقوف روایات میں سے تین صحیح ایک حسن اور پانچ ضعیف ہیں اور پانچ مقطوع روایات میں سے تین صحیح اور دو ضعیف ہیں۔ نیز اس کتاب میں امام مالک رحمہ اللہ کے ستائیس فتاویٰ جات بھی مذکور ہیں۔

فائدہ :...... "فَرَائِض" جمع ہے "فَرِیْضَۃٌ" کی۔ یہاں اس سے مراد وہ مقرر حصہ ہے جو قرآن وسنت میں کسی وارث کے لیے مقرر ہو۔ یہ صرف چھ ہیں: نصف (1/2)، ربع (1/4)، ثمن (1/8)، ثلثان (2/3)، ثلث (1/3)، اور سدس (1/6)۔ جن افراد کے لیے یہ حصے مقرر ہیں انھیں اصحاب الفرائض کہتے ہیں جو کہ بارہ ہیں۔ ان میں سے چار مرد ہیں: خاوند، باپ، دادا، اخیافی (مادری) بھائی۔ باقی آٹھ عورتیں ہیں: اخیافی بہن، بیوی، ماں، جدہ (دادی، نانی) بیٹی، پوتی، سگی بہن اور علاتی (پدری) بہن ...... وراثت کی تقسیم سے پہلے پہلے تین کاموں سے فارغ ہونا لازم ہے: (1) تجہیز وتکفین کے اخراجات، اگر کوئی شخص اپنے ذمے نہ لے تو میت کے ترکے میں سے ان کا انتظام کیا جائے گا۔ (2) اگر کچھ مال باقی بچ جائے تو اس میں سے میت کے قرضے ادا کیے جائیں گے اور (3) اگر اس کے بعد مال بچا رہے تو تہائی مال سے میت کی وہ وصیت پوری کی جائے گی جو ورثاء کے علاوہ کے لیے ہو اور پھر (4) جو مال باقی بچ جائے وہ ورثاء میں تقسیم ہوگا۔ جن ورثاء کے حصے کتاب وسنت میں مقرر ہیں انھیں اصحاب الفرائض کہتے ہیں اور وہ ورثاء جو اصحاب الفرائض کی موجودگی میں ان سے بچا ہوا مال اور ان کی عدم موجودگی میں سارا مال لیتے ہیں، انھیں عصبات کہتے ہیں۔ ان کے علاوہ باقی تمام رشتہ دار ذوالارحام کہلاتے ہیں ...... یاد رہے کہ وراثت میں ورثاء کو اس حیثیت سے حصہ ملتا ہے جو میت کے اعتبار سے ہو اور یہ دیکھا جائے کہ میت کے ساتھ ان کی کیا رشتہ داری ہے اور زندہ

افراد کی آپس میں رشتہ داری کا اعتبار نہ ہوگا۔ مثلاً میت کی بیوی، میت کے بیٹوں کی ماں ہے تو اسے بیوی والا حصہ ملے گا نہ کہ ماں والا ......علم وراثت میں جب کسی میت کے ورثاء کے حصوں کی پہچان و تعیین کے لیے کوئی مثال بناتے ہیں تو اسے عموماً ''مسئلہ'' کہا جاتا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ اسے ''فریضہ'' بھی کہہ دیتے ہیں، جیسا کہ دوسرے اور پانچویں باب میں آ رہا ہے۔

1- بَابٌ: مِيرَاثُ الصُّلْبِ
صُلبی اولاد کی وراثت کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ مذکور ہے......اس میں امام مالک رحمہ اللہ نے اولاد کے متعلق چار صورتیں ذکر کی ہیں: (1) میت کی حقیقی اولاد کی قرآن مجید میں بیان کردہ صورتیں۔ (2) حقیقی اولاد کے ساتھ دوسرے اصحاب الفرائض کی موجودگی۔ (3) میت کے لڑکوں کی اولاد (پوتوں، پوتیوں، پڑپوتوں، پڑپوتیوں وغیرہ) کی حیثیت۔ (4) حقیقی اولاد اور لڑکوں کی اولاد کا اجتماع ہو تو اس کی مزید تین صورتیں بنیں گی: (الف) حقیقی اولاد میں میت کا لڑکا موجود ہو، (ب) لڑکا نہ ہو البتہ میت کی دو بیٹیاں موجود ہوں، اور (ج) میت کی صرف ایک بیٹی ہو۔

فائدہ: ......میت خواہ مذکر ہو یا مؤنث، اس کی صلبی اولاد سے مراد سب سے پہلے اس کے بیٹے یا بیٹیاں، پھر اس کے بعد مذکر اولاد کی اولاد مراد ہے یعنی پوتے، پوتیاں، پھر پڑپوتے، پڑپوتیاں وغیرہ۔ لڑکی کی اولاد شامل نہیں ہوتی...... وراثت کی تقسیم میں دو اہم اصول یاد رکھنے چاہئیں: (1) سب سے پہلے اصحاب الفرائض کو ان کے مقرر حصے ملیں گے، باقی ماندہ عصبات کو ملے گا اور (2) قریبی وارث کی موجودگی میں دور والے رشتہ دار محروم ہوتے ہیں۔ فرمان نبوی ﷺ ہے: ((أَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا فَمَا بَقِيَ فَلِأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرٍ)) ''مقرر حصے، حصوں والوں کو دے دو، پھر جو کچھ باقی بچ جائے، اسے سب سے قریبی مذکر وارث کو دے دو''۔ (بخاری: 6746، مسلم: 1615) یہ بھی یاد رہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صرف ایک بیٹی کی موجودگی میں پوتی کو چھٹے حصے کا وارث بنایا تھا۔ (بخاری: 6736) بیٹیاں، تنہا ہوں تو اصحاب الفرائض میں سے ہوتی ہیں لیکن ان کے ساتھ بیٹا بھی ہو تو عصبہ بن جاتی ہیں، یہی حال پوتیوں وغیرہ کا ہے۔ ہاں یہ خیال رکھا جاتا ہے کہ ان پوتیوں پڑپوتیوں وغیرہ میں اگر برابر درجے کا پوتا یا پڑپوتا موجود ہو یا ان سے نیچے درجے کا کوئی مذکر مل جائے تو اس کی وجہ سے وہ سب عصبہ بن جاتی ہیں۔ بالفاظ دیگر میت کے لڑکے کی نسل سے جس جگہ پر لڑکا مل جائے، وہ اپنے برابر والی لڑکیوں کو اور اپنے سے اوپر کے درجے والی لڑکیوں کو عصبہ بنا دیتا ہے...... یہ بھی یاد رہے کہ میت کی اولاد میں کسی جگہ مذکر لڑکے موجود ہوں تو ان کی موجودگی میں میت کے ہر قسم کے بہن بھائی محروم ہو جاتے ہیں۔

حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ: الأَمْرُ الْمُجْتَمَعُ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں وراثت کے حصوں

عَلَيْهِ عِنْدَنَا، وَالَّذِي أَدْرَكْتُ عَلَيْهِ أَهْلَ الْعِلْمِ بِبَلَدِنَا فِي فَرَائِضِ الْمَوَارِيثِ، أَنَّ مِيرَاثَ الْوَلَدِ مِنْ وَالِدِهِمْ، أَوْ وَالِدَتِهِمْ، أَنَّهُ إِذَا تُوُفِّيَ الأَبُ أَوِ الأُمُّ، وَتَرَكَا وَلَداً رِجَالاً وَنِسَاءً، فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ، فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ، وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ، فَإِنْ شَرِكَهُمْ أَحَدٌ بِفَرِيضَةٍ مُسَمَّاةٍ، وَكَانَ فِيهِمْ ذَكَرٌ بُدِئَ بِفَرِيضَةِ مَنْ شَرِكَهُمْ، وَكَانَ مَا بَقِيَ بَعْدَ ذَلِكَ بَيْنَهُمْ عَلَى قَدْرِ مَوَارِيثِهِمْ، وَمَنْزِلَةُ وَلَدِ الْأَبْنَاءِ الذُّكُورِ إِذَا لَمْ يَكُنْ دُونَهُمْ وَلَدٌ، كَمَنْزِلَةِ الْوَلَدِ سَوَاءٌ، ذُكُورُهُمْ كَذُكُورِهِمْ، وَإِنَاثُهُمْ كَإِنَاثِهِمْ، يَرِثُونَ كَمَا يَرِثُونَ، وَيَحْجُبُونَ كَمَا يَحْجُبُونَ، فَإِنِ اجْتَمَعَ الْوَلَدُ لِلصُّلْبِ، وَوَلَدُ الابْنِ، وَكَانَ فِي الْوَلَدِ لِلصُّلْبِ ذَكَرٌ، فَإِنَّهُ لا مِيرَاثَ مَعَهُ لأَحَدٍ مِنْ وَلَدِ الابْنِ، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِي الْوَلَدِ لِلصُّلْبِ ذَكَرٌ، وَكَانَتَا ابْنَتَيْنِ، فَأَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ مِنَ الْبَنَاتِ لِلصُّلْبِ، فَإِنَّهُ لا مِيرَاثَ لِبَنَاتِ الابْنِ مَعَهُنَّ، إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَعَ بَنَاتِ الابْنِ ذَكَرٌ، هُوَ مِنَ الْمُتَوَفَّى بِمَنْزِلَتِهِنَّ، أَوْ هُوَ أَطْرَفُ مِنْهُنَّ، فَإِنَّهُ يَرُدُّ عَلَى مَنْ هُوَ بِمَنْزِلَتِهِ، وَمَنْ هُوَ فَوْقَهُ مِنْ بَنَاتِ الْأَبْنَاءِ، فَضْلاً إِنْ فَضَلَ، فَيَقْتَسِمُونَهُ بَيْنَهُمْ، لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ، فَإِنْ لَمْ يَفْضُلْ شَيْءٌ، فَلا شَيْءَ لَهُمْ، وَإِنْ

کے متعلق اس حکم پر اجماع ہے اور اس پر میں نے اپنے شہر (مدینہ) میں اہلِ علم کو پایا ہے کہ بے شک (1) اولاد کی اپنے والد یا والدہ سے وراثت یوں ہوگی کہ بلاشبہ جب باپ یا ماں مرجائے اور وہ اولاد میں مرد اور عورتیں یعنی بیٹے بیٹیاں چھوڑ جائیں تو لڑکے کے لیے دو لڑکیوں کے برابر حصہ ہوگا۔ (کیونکہ لڑکوں کی وجہ سے لڑکیاں بھی عصبہ بن چکی ہیں، اس لیے اب اولاد میں سے کسی کا حصہ تو مقرر شدہ نہ ہوگا البتہ اصحاب الفرائض سے بچنے والا سارا مال اولاد کا ہوگا، جسے لڑکے کو لڑکی سے دوگنا کے حساب سے تقسیم کیا جائے گا، اگر صرف لڑکے ہی وارث ہوتے تو وہ بھی عصبہ ہونے کی وجہ سے باقی ماندہ مال لیتے اور اسے برابر تقسیم کر لیتے۔) پھر اگر اولاد میں صرف عورتیں (بیٹیاں ہی ہوں اور وہ دو یا) دو سے زیادہ ہوں تو ان کے لیے دو تہائی حصے ہیں اس مال میں سے جسے میت چھوڑ گئی ہے۔ اور اگر وہ (اولاد) صرف ایک لڑکی ہو تو اس کے لیے (ترکے کا) نصف حصہ ہے (2) پھر اگر ان (اولاد) کے ساتھ کوئی اور (وارث اپنے) متعین حصے کے ساتھ شریک ہو اور ان میں (اولاد میں) مذکر موجود ہو تو اس وارث کے متعین حصے کے ساتھ (ترکے کی تقسیم کا) آغاز کیا جائے گا، جو ان کے ساتھ شریک ہو اور اس (کو دینے) کے بعد جو کچھ بھی باقی بچے گا وہ ان (بیٹے بیٹیوں) کے درمیان میں ان کے حصوں کے حساب سے تقسیم کر دیا جائے گا۔ (چنانچہ اگر صرف ایک بیٹا ہو تو باقی ماندہ سارا مال لے لے گا، ایک سے زیادہ بیٹے ہوں تو وہ باقی ماندہ کو برابر برابر تقسیم کر لیں گے، اور اگر بیٹے بھی اور بیٹیاں بھی ہوں تو باقی ماندہ مال میں سے ہر بیٹے

لَمْ يَكُنِ الْوَلَدُ لِلصُّلْبِ إِلَّا ابْنَةٌ وَاحِدَةٌ، فَلَهَا النِّصْفُ، وَلِابْنَةِ ابْنِهِ، وَاحِدَةً كَانَتْ أَوْ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ مِنْ بَنَاتِ الْأَبْنَاءِ، مِمَّنْ هُوَ مِنَ الْمُتَوَفَّى بِمَنْزِلَةٍ وَاحِدَةٍ، السُّدُسُ، فَإِنْ كَانَ مَعَ بَنَاتِ الِابْنِ ذَكَرٌ، هُوَ مِنَ الْمُتَوَفَّى بِمَنْزِلَتِهِنَّ، فَلَا فَرِيضَةَ، وَلَا سُدُسَ لَهُنَّ، وَلَكِنْ إِنْ فَضَلَ بَعْدَ فَرَائِضِ أَهْلِ الْفَرَائِضِ فَضْلٌ، كَانَ ذَلِكَ الْفَضْلُ لِذَلِكَ الذَّكَرِ، وَلِمَنْ هُوَ بِمَنْزِلَتِهِ وَمَنْ فَوْقَهُ مِنْ بَنَاتِ الْأَبْنَاءِ، لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ، وَلَيْسَ لِمَنْ هُوَ أَطْرَفُ مِنْهُمْ شَيْءٌ، فَإِنْ لَمْ يَفْضُلْ شَيْءٌ فَلَا شَيْءَ لَهُمْ، وَذَلِكَ أَنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قَالَ فِي كِتَابِهِ: ﴿يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ﴾ [النساء: 11].

کو بیٹی کی نسبت دوگنا ملے گا۔ تقسیم میں آسانی کے لیے ہر لڑکے کو دو لڑکیاں شمار کر لیا جاتا ہے...... اور اگر دوسرے اصحاب الفرائض کے ساتھ میت کا کوئی بیٹا نہ ہو بلکہ صرف مؤنث اولاد ہو تو چونکہ وہ بھی اس صورت میں اصحاب الفرائض میں شامل ہوتی ہیں، اس لیے اصحاب الفرائض کے ساتھ ہی ان کا حصہ نکالا جائے گا۔) (3) اور مذکر لڑکوں کی اولاد کا مقام (یعنی بیٹوں کی اولاد یا پوتوں یا پڑپوتوں کی اولاد کی حیثیت) جب ان کے آگے (یعنی ان سے پہلے میت کی حقیقی) اولاد نہ ہو، اولاد ہی کی طرح ہے۔ ان (میت کے بیٹوں کی اولاد) میں سے مذکر ان کے (حقیقی اولاد کے) مذکر کی طرح ہے، ان میں سے مؤنث ان میں سے مؤنث کی طرح ہے، وہ اس طرح وارث بنیں گے جیسے یہ (حقیقی بیٹے بیٹیاں) وارث بنتے ہیں اور وہ (پوتے پوتیاں وغیرہ) اس طرح (بعض دوسرے ورثاء کو) محروم کریں گے، جیسے یہ (بیٹے یا بیٹیاں حاجب بن کر) محروم کرتے ہیں۔ (۴) پھر اگر (میت کی حقیقی وصلبی اولاد اور بیٹے کی اولاد جمع ہو جائے اور (الف) صلبی اولاد میں کوئی مذکر (بیٹا) ہو تو بلاشبہ اس کی موجودگی میں بیٹے کی اولاد میں سے کسی کے لیے کچھ بھی وراثت نہیں ہے۔ (کیونکہ بیٹا موجود ہو تو اس کے عصبہ ہونے کی وجہ سے وراثت کی تقسیم اس تک ختم ہو جاتی ہے اور وہ باقی ماندہ سارے مال کا وارث ہوتا ہے۔) (ب) اور اگر صلبی اولاد میں کوئی مذکر نہ ہو اور (بلکہ) دو بیٹیاں یا ان سے بھی زائد صلبی (حقیقی) بیٹیاں ہوں (جنھیں مکمل وراثت نہیں بلکہ صرف دو تہائی ملتا ہے) تو بلاشبہ ان کی موجودگی میں پوتیوں کے لیے کوئی وراثت نہیں ہے، اِلاّ یہ کہ پوتیوں کے ہمراہ کوئی مذکر (لڑکا) ہو اور وہ لڑکا فوت شدہ شخص سے انھی پوتیوں کے برابر درجے کا ہو (یعنی پوتیوں کے ساتھ پوتا بھی ہو) یا وہ ان سے دور ہو (یعنی مزید نیچے کی جانب ہو، اس طرح کہ پوتیوں کے ساتھ پڑپوتا ہو یا پڑپوتے کا بیٹا ہو) تو جو ترکہ باقی بچے گا اس کے لیے یہ لڑکا اور اس کے برابر والی یا اوپر والی لڑکیاں عصبہ بن کر مستحق قرار پائیں گی۔ بہرحال وہ لڑکا موجود ہو) تو بلاشبہ وہ اپنے برابر کے مقام والی یا اپنے سے اوپر کے مرتبے والی پوتیوں پڑپوتیوں پر زائد بچے ہوئے (ترکے) کو لوٹا دے گا۔ بشرطیکہ کچھ بچا ہوا ہو، چنانچہ

وہ سب (پوتے پوتیاں) اسے آپس میں تقسیم کرلیں گے اور ہر مذکر کو دو مؤنثوں کے برابر ملے گا اور اگر کچھ بھی زائد نہ بچے تو ان کے لیے کچھ بھی نہ ہوگا۔ (ج) اور اگر میت کی صلبی اولاد ایک بیٹی کے سوا کچھ نہ ہو تو اس بیٹی کے لیے نصف ترکہ ہے اور پوتی، خواہ ایک ہو یا ایک سے زیادہ پوتیاں ہوں اور وہ ایسی ہوں کہ فوت شدہ شخص سے وہ سب ایک ہی مرتبے کی (دوری پر) ہوں (سب کی سب میت کی پوتیاں ہوں یا سب پڑپوتیاں ہوں) تو ان کے لیے (ترکے میں سے) چھٹا حصہ ہوگا (جسے حدیثِ مبارکہ میں "تَكْمِلَةَ لِلثُّلُثَيْنِ" قرار دیا گیا ہے۔ بخاری: 6736)۔ ہاں اگر ان پوتیوں کے ہمراہ کوئی مذکر ہو جو فوت شدہ شخص سے ان لڑکیوں کے برابر کے درجے کا ہو تو پھر ان لڑکیوں کے لیے نہ کوئی مقرر حصہ ہوگا اور نہ چھٹا حصہ ہوگا اور بلکہ (اب وہ عصبہ شمار ہوں گی، جنھیں باقی ماندہ سارا مال مل جاتا ہے، چنانچہ) اگر اصحاب الفرائض (کو ان) کے مقرر حصے (دینے) کے بعد کچھ زائد (ترکہ) بچ رہے تو وہ زائد (اور باقی ماندہ مال) اس لڑکے کے لیے اور ان پوتیوں اور پڑپوتیوں کے لیے ہوگا، جو اس لڑکے کے برابر کے درجے میں یا اس لڑکے سے اوپر کے درجے میں ہوں گی، (اور ان میں) ہر مذکر کے لیے دو مؤنثوں کے برابر ہوگا اور جو کوئی ان سے بھی اور نچلے درجے میں ہوں گے، ان کے لیے کوئی چیز نہ ہوگی، اور اگر (اصحاب الفرائض کو دینے کے بعد) کچھ بھی زائد مال نہ بچے تو پھر ان (پوتوں پوتیوں وغیرہ) کے لیے بھی کچھ نہ ہوگا، اور یہ (اولاد کے مابین مذکورہ تفصیل) اس وجہ سے ہے کہ بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے: ﴿يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِىٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ﴾ (النساء: 11) ''اللہ تعالیٰ تمھیں تمھاری اولاد کے بارے میں وصیت کرتا ہے، مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے، پھر اگر (دو یا) دو سے زیادہ عورتیں (بیٹیاں) ہی ہوں تو ان کے لیے ترکے میں دو تہائی حصہ ہے، اور اگر ایک ہی (لڑکی) ہو تو اس کے لیے آدھا (حصہ) ہے۔''

قَالَ مَالِكٌ : وَالْأَطْرَفُ هُوَ الْأَبْعَدُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: (فتویٰ میں مذکور لفظ) "اَلْاَطْرَف" سے مراد "اَلْاَبْعَد" ہے (یعنی وہ وارث جو میت سے بعض ورثاء کی نسبت زیادہ دور ہوتا ہے)۔

فائدہ: ...... مذکورہ آیت میں (فَوْقَ اثْنَتَيْنِ) میں ''فوق'' کا لفظ عبارت کی خوبصورتی وتزیین کے لیے ہے، یہ مطلب نہیں ہے کہ بیٹیاں ''دو سے زیادہ'' ہوں گی تو دو تہائی لیں گی اور دو ہوں گی تو دو تہائی نہ لیں گی۔ بلکہ ان آیات کا تو شانِ نزول ہی یہ ہے کہ حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی دو بیٹیوں کا معاملہ درپیش تھا جن کی وراثت ان کے چچا نے قابو کرلی تھی، تو ان آیات کے نزول سے اس مسئلے کا حل بتایا گیا۔ (ابوداود: 2892، ترمذی: 2092، ابن ماجه: 2720، احمد: 352/3۔ اس کی سند حسن ہے۔ ارواء الغلیل: 1677) یا زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ

آیت میں ایک بیٹی اور دو سے زائد بیٹیوں کی وراثت تو مذکور ہے اور دو بیٹیوں کی وراثت کے متعلق یہ آیت خاموش تھی، جسے رسول اللہ ﷺ نے واضح فرمادیا۔ واللہ اعلم ......میت کی ایک بیٹی ہو اور اس کے ساتھ کوئی پوتی بھی ہو تو اس مسئلے کی دو حیثیتیں ہوتی ہیں: (الف) حقیقت کے اعتبار سے تو میت کی ایک ہی بیٹی ہے اس لیے وہ اکیلی ہونے کی وجہ سے نصف مال کی حقدار ٹھہرتی ہے۔ (ب) میت کی نسل کو دیکھیں اور نظر کو ذرا وسیع کریں تو میت کی ایک سے زائدہ بیٹیاں ہیں کیونکہ پوتی بھی تو میت ہی کی نسل سے ہے اور جب بیٹیاں ایک سے زائد ہوں تو انھیں ترکے میں سے ''ثلثان'' (دوتہائی) ملتا ہے۔ اس لیے ہم پوتی کو اتنا حصہ دیں گے کہ جب وہ حصہ بیٹی کے حصے یعنی نصف کے ساتھ جمع کریں تو وہ دوتہائی بن جائے، چنانچہ ہم اسے سدس (چھٹا حصہ) دیں گے کیونکہ نصف اور سدس کا مجموعہ ''ثلثان'' ہوتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ میت کا کل ترکہ چھ ہزار ہو جس میں سے بیٹی کو نصف یعنی تین ہزار ملے گا اور پوتی کو چھٹا حصہ یعنی ایک ہزار دیں گے۔ دونوں کا مجموعہ چار ہزار ہو گیا جو کہ کل ترکے کا دوتہائی ہے، کیونکہ چھ ہزار کے تین حصے کریں تو ہر تہائی حصے میں دو دو ہزار آتا ہے اور دوتہائی حصے چار ہزار ہی بنتے ہیں۔

2- بَابٌ: مِيرَاثُ الرَّجُلِ مِنِ امْرَأَتِهِ وَالْمَرْأَةِ مِنْ زَوْجِهَا

خاوند کی اپنی بیوی کی جانب سے اور بیوی کی اپنے خاوند کی طرف سے وراثت کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ مذکور ہے۔

فائدہ :......خاوند کو اپنی بیوی کی وراثت میں سے یا نصف ملتا ہے یا چوتھائی۔ نصف اسی وقت ملتا ہے جب مرنے والی بیوی کی کوئی بھی اولاد نہ ہو، نہ اس خاوند سے اور نہ ہی کسی اور خاوند سے، اور اگر اس کی کوئی بھی اولاد زندہ ہو تو خاوند کو ربع یعنی چوتھائی حصہ ملے گا......اور جب خاوند فوت ہو تو اس کی بیوی کی بھی دو صورتیں بنتی ہیں، اسے یا چوتھائی ملے گا یا آٹھواں حصہ۔ چنانچہ اگر مرنے والے شوہر کی اس بیوی سے یا کسی بھی اور بیوی سے کوئی اولاد نہ ہو تو بیوی کو چوتھا حصہ ملے گا اور اگر اولاد ہو تو آٹھواں حصہ ملے گا۔ نیز اگر بیویاں ایک سے زائد ہوں تو وہ اسی چوتھے یا آٹھویں حصے کو آپس میں برابر تقسیم کر لیں گی۔

قَالَ يَحْيَى: قَالَ مَالِكٌ: وَمِيرَاثُ الرَّجُلِ مِنِ امْرَأَتِهِ، إِذَا لَمْ تَتْرُكْ وَلَدًا، وَلَا وَلَدَ ابْنٍ مِنْهُ، أَوْ مِنْ غَيْرِهِ النِّصْفُ، فَإِنْ تَرَكَتْ وَلَدًا، أَوْ وَلَدَ ابْنٍ - ذَكَرًا كَانَ أَوْ أُنْثَى - فَلِزَوْجِهَا الرُّبُعُ، مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ. وَمِيرَاثُ الْمَرْأَةِ مِنْ زَوْجِهَا، إِذَا لَمْ يَتْرُكْ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: مرد کی اپنی بیوی سے وراثت نصف ترکہ ہے جس وقت کہ اس (بیوی) نے نہ کوئی (حقیقی) اولاد چھوڑی ہو اور نہ بیٹے کی اولاد (نہ پوتے پوتیاں اور نہ پڑپوتے پڑپوتیاں وغیرہ)۔ چنانچہ اگر وہ (اپنی) اولاد یا بیٹے کی اولاد چھوڑ کر مری ہو، خواہ وہ اولاد مذکر ہو یا مؤنث تو اس کے خاوند کے لیے چوتھائی حصہ ہوگا، (اور یہ تقسیم)

وَلَـدٌ، وَلَا وَلَـدَ ابْنٍ الرُّبُعُ ، فَإِنْ تَرَكَ وَلَدًا، أَوْ وَلَـدَ ابْـنٍ - ذَكَرًا كَانَ أَوْ أُنْثَى - فَـلِامْرَأَتِهِ الثُّمُـنُ مِـنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِى بِهَا أَوْ دَيْنٍ ، وَذَلِكَ أَنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَقُولُ فِي كِتَابِهِ : ﴿وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَـدٌ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَـرَكْـنَ مِـنْ بَـعْـدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ﴾ [النساء : 12]

اس وصیت کے بعد (ہوگی) جواس (بیوی) نے کی ہو، یا قرضے کے بعد (یہ تقسیم ہوگی کیونکہ ترکے کی تقسیم سے پہلے قرض کی ادائیگی اور وصیت کی تنفیذ لازم ہے)......اور عورت کی اپنے خاوند سے وراثت، جس وقت کہ وہ (خاوند) نہ (حقیقی) اولاد چھوڑ کر گیا ہو اور نہ کسی بیٹے کی اولاد (چھوڑ کر گیا ہو تو اس کی بیوی کی وراثت) چوتھائی حصہ ہے ، پھر اگر وہ (اپنی) اولاد یا (اپنے) بیٹے (یا پوتے) کی اولاد چھوڑ کر گیا ہو، خواہ وہ (اولاد) مذکر ہو یا مؤنث ، تو اس کی بیوی کے لیے آٹھواں حصہ ہے، اس وصیت (کے پورا کردینے) کے بعد جو وہ کر گیا ہو یا قرضے (کی ادائیگی کے بعد جو میت کے ذمے ہو)......اور یہ (خاوند بیوی کی وراثت مذکورہ تفصیل کے ساتھ) اس وجہ سے ہے کہ یقیناً اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں: ﴿وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ﴾ (النساء 12) ''اور تمھاری بیویوں کے ترکے میں تمھارا نصف حصہ ہے اگر ان کی اولاد نہ ہو، پھر اگر ان کی اولاد ہو تو ان کے ترکے میں تمھارا چوتھا حصہ ہے، (یہ تقسیم) ان کی وصیت پر عمل یا قرض ادا کرنے کے بعد (ہوگی)، اور اگر تمھاری اولاد نہ ہو تو تمھارے ترکے میں تمھاری بیویوں کا چوتھا حصہ ہے، پھر اگر تمھاری اولاد ہو تو تمھارے ترکے میں ان کا آٹھواں حصہ ہے، (یہ تقسیم) تمھاری وصیت پر عمل یا قرض ادا کرنے کے بعد (ہوگی)۔''

3- بَابٌ: مِيرَاثُ الْأَبِ وَالْأُمِّ مِنْ وَّلَدِهِمَا

اپنی اولاد کی جانب سے ماں باپ کی وراثت کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ مذکور ہے۔

فائدہ:......میت کے باپ کی کل تین حالتیں ہیں: (الف) اگر میت کی اولاد میں کوئی مذکر (بیٹا یا پوتا) ہو تو باپ کو صرف سدس (1/6) ملے گا، اس وقت وہ صرف اصحاب الفرائض میں سے ہوگا۔ (ب) اگر میت کی صرف بیٹیاں یا پوتیاں ہوں تو باپ اصحاب الفرائض میں سے بھی ہوگا اور عصبہ بھی، چنانچہ پہلے اسے چھٹا حصہ (1/6) ملے گا پھر ورثاء کے حصے تقسیم کرنے کے بعد جو کچھ بچے وہ بھی باپ کو مل جائے گا۔ (ج) میت کی کوئی اولاد نہ ہو تو اس کا باپ صرف عصبہ

بنتا ہے اور جس قدر بھی باقی ماندہ ترکہ ہوتا ہے، اسے لے لیتا ہے...... ماں کی بھی تین حالتیں ہیں: (الف) میت کی کوئی اولاد یا دو یا دو سے زیادہ بہن بھائی ہوں (خواہ حقیقی یا مادری یا پدری) تو ماں کو سدس یعنی چھٹا حصہ ملتا ہے، (ب) میت کی نہ اولاد ہو اور نہ دو یا زیادہ بہن بھائی ہوں تو ماں کو ثلث الکل یعنی مکمل ترکے کا تہائی حصہ ملتا ہے سوائے دو صورتوں کے۔ (ج) ان دو صورتوں میں ماں کو ثلث باقی (ثلث الباقی) یعنی میت کے خاوند یا بیوی کو دینے کے بعد جتنا ترکہ باقی ہو ماں کو اس باقی ماندہ کا تہائی حصہ ملتا ہے، تفصیل آگے آرہی ہے۔

قَالَ يَحْيَى: قَالَ مَالِكٌ : الأَمْرُ الْمُجْتَمَعُ عَلَيْهِ عِنْدَنَا الَّذِي لا اخْتِلَافَ فِيهِ ، وَالَّذِي أَدْرَكْتُ عَلَيْهِ أَهْلَ الْعِلْمِ بِبَلَدِنَا ، أَنَّ مِيرَاثَ الأَبِ مِنِ ابْنِهِ ، أَوِ ابْنَتِهِ ، أَنَّهُ إِنْ تَرَكَ الْمُتَوَفَّى وَلَداً ، أَوْ وَلَدَ ابْنٍ ذَكَراً ، فَإِنَّهُ يُفْرَضُ لِلأَبِ السُّدُسُ فَرِيضَةً ، فَإِنْ لَمْ يَتْرُكِ الْمُتَوَفَّى وَلَداً ، وَلَا وَلَدَ ابْنٍ ذَكَراً ، فَإِنَّهُ يُبَدَّأُ بِمَنْ شَرَّكَ الأَبَ مِنْ أَهْلِ الْفَرَائِضِ ، فَيُعْطَوْنَ فَرَائِضَهُمْ ، فَإِنْ فَضَلَ مِنَ الْمَالِ السُّدُسُ فَمَا فَوْقَهُ كَانَ لِلأَبِ ، وَإِنْ لَمْ يَفْضُلْ عَنْهُمُ السُّدُسُ فَمَا فَوْقَهُ ، فُرِضَ لِلأَبِ السُّدُسُ فَرِيضَةً . وَمِيرَاثُ الأُمِّ مِنْ وَلَدِهَا إِذَا تَوَفَّى ابْنُهَا أَوِ ابْنَتُهَا ، فَتَرَكَ الْمُتَوَفَّى وَلَداً أَوْ وَلَدَ ابْنٍ - ذَكَراً كَانَ أَوْ أُنْثَى - أَوْ تَرَكَ مِنَ الإِخْوَةِ اثْنَيْنِ فَصَاعِداً - ذُكُوراً كَانُوا أَوْ إِنَاثاً - مِنْ أَبٍ وَأُمٍّ ، أَوْ مِنْ أَبٍ ، أَوْ مِنْ أُمٍّ فَالسُّدُسُ لَهَا ، وَإِنْ لَمْ يَتْرُكِ الْمُتَوَفَّى وَلَداً ، وَلَا وَلَدَ ابْنٍ ، وَلَا اثْنَيْنِ مِنَ الإِخْوَةِ فَصَاعِداً ، فَإِنَّ لِلأُمِّ الثُّلُثَ كَامِلاً ، إِلَّا فِي فَرِيضَتَيْنِ فَقَطْ ، وَإِحْدَى الْفَرِيضَتَيْنِ : أَنْ يُتَوَفَّى رَجُلٌ وَيَتْرُكَ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں وہ حکم جس پر اجماع ہے، جس میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور جس پر میں نے اپنے شہر کے اہل علم کو پایا ہے۔ یہ ہے کہ باپ کی اپنے بیٹے یا بیٹی سے وراثت (کی تفصیل) یہ ہے کہ بلاشبہ اگر فوت ہونے والے نے کوئی (حقیقی) مذکر اولاد یا بیٹے کی مذکر اولاد چھوڑی ہو تو یقیناً (میت کے) باپ کے لیے فرضی (یعنی مقرر شدہ) حصے کے طور پر چھٹا حصہ ہوگا، اور اگر فوت ہونے والے شخص نے نہ تو (اپنی حقیقی) مذکر اولاد چھوڑی ہو اور نہ ہی بیٹے کی مذکر اولاد، تو پھر (باپ چونکہ عصبہ بنے گا اس لیے ترکہ کی تقسیم میں) ان وارثوں سے آغاز کیا جائے گا جو اصحاب الفرائض میں سے باپ کے ہمراہ شریک ہیں، چنانچہ انھیں ان کے مقرر حصے دے دیے جائیں گے۔ پھر اگر مال میں سے چھٹا حصہ یا اس سے بھی زیادہ بچ جائے تو وہ باپ کے لیے ہوگا اور اگر ان ورثاء (کو دینے کے بعد ان) سے چھٹا حصہ یا اس سے زیادہ نہ بچتا ہو تو باپ کے لیے فرضی (مقرر) حصے کے طور پر سدس یعنی چھٹا حصہ مقرر (اور ثابت) رہے گا...... ماں کی اپنی اولاد سے وراثت (کی تفصیل) یہ ہے کہ جب اس کا بیٹا یا بیٹی وفات پا جائے اور فوت شدہ شخص (اپنی) اولاد یا بیٹے کی اولاد چھوڑ جائے خواہ وہ مذکر ہوں یا مؤنث یا وہ بہنوں بھائیوں میں سے دو یا

امْرَأَتَهُ وَأَبَوَيْهِ، فَلامْرَأَتِهِ الرُّبُعُ، وَلأُمِّهِ الثُّلُثُ مِمَّا بَقِيَ، وَهُوَ الرُّبُعُ مِنْ رَأْسِ الْمَالِ. وَالأُخْرَى: أَنْ تُتَوَفَّى امْرَأَةٌ وَتَتْرُكَ زَوْجَهَا وَأَبَوَيْهَا، فَيَكُونُ لِزَوْجِهَا النِّصْفُ، وَلأُمِّهَا الثُّلُثُ مِمَّا بَقِيَ، وَهُوَ السُّدُسُ مِنْ رَأْسِ الْمَالِ، وَذَلِكَ أَنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَقُولُ فِي كِتَابِهِ: ﴿وَلأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلأُمِّهِ الثُّلُثُ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلأُمِّهِ السُّدُسُ﴾ [النساء: 11] فَمَضَتْ السُّنَّةُ أَنَّ الإِخْوَةَ اثْنَانِ فَصَاعِداً.

دو سے زیادہ چھوڑ جائے، خواہ وہ مذکر ہوں یا مؤنث (اور خواہ وہ بہن بھائی) ماں اور باپ دونوں کی طرف سے ہوں (جنھیں عینی، حقیقی، شقیقی یا سگے بہن بھائی کہتے ہیں) یا صرف باپ کی طرف سے ہوں (جنھیں علاتی یا پدری کہتے ہیں) یا صرف ماں کی طرف سے ہوں (جنھیں اخیافی یا مادری کہتے ہیں، الغرض میت کی اولاد دو یا دو سے زیادہ بہن بھائی موجود ہوں) تو ماں کے لیے چھٹا حصہ ہوگا۔ اگر میت نے نہ اولاد چھوڑی ہو، نہ بیٹے کی اولاد چھوڑی ہو اور نہ دو یا دو سے زیادہ بہن بھائی (چھوڑے ہوں) تو بلاشبہ (میت کی) ماں کے لیے (پورے ترکے کا) تیسرا حصہ مکمل ہوگا، سوائے صرف دو مسئلوں کے۔ ان دو مسئلوں میں سے ایک یہ ہے کہ آدمی فوت ہو جائے اور اپنی بیوی اور ماں باپ کو (ورثاء کے طور پر) چھوڑ جائے تو (سب سے پہلے) اس کی بیوی کے لیے چوتھا حصہ ہوگا اور اس کی ماں کے لیے باقی ماندہ ترکے میں سے تیسرا حصہ ہوگا اور وہ کل ترکے کا چوتھا حصہ بنتا ہے اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کوئی عورت فوت ہو جائے اور اپنے خاوند اور اپنے ماں باپ کو چھوڑ جائے تو (سب سے پہلے) خاوند کے لیے نصف (ترکہ نکالنا) ہوگا اور اس (میت) کی ماں کے لیے باقی ماندہ ترکے میں سے تیسرا حصہ ہوگا جو کہ کل مال کا چھٹا حصہ بنتا ہے۔ یہ (ماں باپ کی وراثت کی مذکورہ تفصیل) اس وجہ سے ہے کہ بلاشبہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں: ﴿وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُ وَلَدٌ وَّ وَرِثَهُ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ فَاِنْ كَانَ لَهُ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ﴾ (النساء 11) ''اور اس (مرنے والے) کے ماں باپ میں سے ہر ایک کے لیے ترکے میں چھٹا حصہ ہے اگر اس کی اولاد ہو، اور اگر اس کی اولاد نہ ہو اور اس کے ماں باپ ہی اس کے وراث ہوں تو اس کی ماں کے لیے تیسرا حصہ ہے اور اگر اس (مرنے والے) کے (ایک سے زیادہ) بھائی بہن ہوں تو اس کی ماں کے لیے چھٹا حصہ ہے''۔ سنت یہی جاری ہے کہ بھائیوں سے مراد دو یا دو سے زیادہ ہیں۔

فائدہ: ......اگرچہ قرآن مجید میں ''اِخْـوَةٌ'' کا لفظ جمع کے صیغے سے مذکور ہے اور عربی لغت میں جمع کے صیغہ میں کم از کم تین افراد مراد ہوتے ہیں، لیکن یہاں سب کا اجماع ہے کہ اس جمع کا اطلاق دو بہن بھائیوں پر بھی ہو رہا ہے کیونکہ بعض اوقات دو افراد پر بھی جماعت کا حکم لاگو ہوتا ہے۔ لہٰذا میت کے صرف دو بہن بھائی بھی ہوں تو وہ ماں

کا حصہ تہائی سے کم کر کے چھٹا حصہ بنا دیں گے۔ البتہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قاضی شریح رحمہ اللہ کے نزدیک جب تک تین بہن بھائی نہ ہوں ماں کا حصہ تہائی ہی رہے گا ....جن دو مسئلوں میں ماں کو باقی ماندہ ترکے کا تہائی ملتا ہے اس میں سے پہلی صورت میں وہ کل ترکے کا چوتھائی بنتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ورثاء میں میت کی بیوی اور ماں باپ تھے ،کل ترکے کے بارہ حصے کیے، سب سے پہلے بیوی کو اس کا چوتھائی حصہ دیا یعنی بارہ میں سے تین اسے مل گئے ، پھر باقی ماندہ نو حصوں میں سے ماں کو تیسرا حصہ دیا تو وہ بھی تین ہی نکلا جس کی دو حیثیتیں سامنے آ گئیں کہ وہ کل مال کا چوتھائی ہے اور باقی ماندہ کا تہائی ہے ......دوسرے مسئلے میں خاوند اور ماں باپ ورثاء میں سے موجود ہوتے ہیں، ان میں تقسیم کرتے وقت کل ترکے کے چھ حصے کیے جائیں گے، سب سے پہلے خاوند کو اس کا نصف حصہ یعنی چھ میں سے تین حصے دے دیں گے، پھر باقی تین حصوں میں سے تہائی مال ماں کو دیں گے جو کہ تین میں سے ایک حصہ بنتا ہے اور یہی ایک حصہ کل مال کا چھٹا حصہ بنتا ہے ......یاد رہے کہ ان دونوں مسئلوں کو علم وراثت میں "عُمَرِيَّتَيْن" بھی کہتے ہیں کیونکہ سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا فیصلہ فرمایا تھا، اور انھیں "غَرَّاوَيْن" بھی کہتے ہیں جس کے معنی ہیں "چمکدار" اور یہ دونوں مسئلے بھی چمکدار تارے کی طرح علمائے وراثت میں مشہور ہیں۔ نیز حضرت عثمان ، حضرت علی ، حضرت زید بن ثابت اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم اور حسن ، ثوری ، امام مالک، امام شافعی اور امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ کا بھی یہی مؤقف ہے، اور جمہور کے اس مؤقف سے صرف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے موافقت نہیں کی ......یہ بھی یاد رہے کہ ایک ہی درجے میں مذکر و مؤنث کی وراثت عموماً اس طرح ہوتی ہے کہ مذکر کو مؤنث سے دوگنا حصہ ملتا ہے لیکن یہ دونوں مسئلے ایسے تھے کہ ان میں اگر ماں کو باقی ماندہ مال کا تہائی نہ دیتے تو ماں کا حصہ دوسرے مسئلے میں باپ سے دوگنا ہو جاتا اور پہلے مسئلے میں باپ کو اتنا اضافہ نہ ملتا جتنا کہ اس کا حق تھا۔

4- بَابٌ: مِيرَاثُ الْإِخْوَةِ مِنَ الْأُمِّ

ماں کی طرف سے (میت کے) بہن بھائیوں کی وراثت کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ مذکور ہے۔

فائدہ :......میت کے تین قسم کے بہن بھائی ہوتے ہیں جن کا گزشتہ باب میں تذکرہ ہو چکا ہے، ماں کی طرف سے بہن بھائیوں کو اخیافی ، مادری اور بنی الام بھی کہتے ہیں ۔ یہ بہن بھائی اصحاب الفرائض میں شامل ہیں ......ورثاء کے متعلق یہ ایک اصول ہے کہ جس رشتہ دار کو میت کے ساتھ جوڑنے والا واسطہ درمیان میں موجود ہو تو اس واسطے کی موجودگی میں وہ رشتہ دار محروم ہو جاتا ہے جیسا کہ باپ کی موجودگی میں دادا اور ماں کی موجودگی میں نانی، بیٹے کی موجودگی میں پوتے پوتیاں وغیرہ ، لیکن اخیافی بہن بھائی اس اصول سے مستثنیٰ ہیں۔ وہ صرف ماں کے واسطے سے میت کے بہن بھائی ہوتے ہیں اور ماں کی موجودگی میں بھی وارث بنتے ہیں۔ اخیافی بہن بھائیوں کی دوسری خصوصیت یہ ہے

کہ ان کی وراثت میں مذکر و مؤنث میں کوئی فرق نہیں، بلکہ برابر کی وراثت پاتے ہیں۔سورۂ نساء کے دوسرے رکوع میں انھیں کا تذکرہ ہے جبکہ باقی دو قسم کے بہن بھائیوں کی وراثت کا تذکرہ سورۂ نساء کی آخری آیت میں ہے۔

قَالَ يَحْيَى: قَالَ مَالِكٌ: الأَمْرُ الْمُجْتَمَعُ عَلَيْهِ عِنْدَنَا: أَنَّ الإِخْوَةَ لِلأُمِّ لا يَرِثُونَ مَعَ الْوَلَدِ شَيْئاً، وَلا مَعَ وَلَدِ الأَبْنَاءِ - ذُكْرَاناً كَانُوا أَوْ إِنَاثاً - شَيْئاً وَلا يَرِثُونَ مَعَ الأَبِ، وَلا مَعَ الْجَدِّ أَبِي الأَبِ شَيْئاً، وَأَنَّهُمْ يَرِثُونَ فِيمَا سِوَى ذَلِكَ، يُفْرَضُ لِلْوَاحِدِ مِنْهُمُ السُّدُسُ - ذَكَراً كَانَ أَوْ أُنْثَى - فَإِنْ كَانَا اثْنَيْنِ، فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ، فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ يَقْتَسِمُونَهُ بَيْنَهُمْ بِالسَّوَاءِ، لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الأُنْثَى، وَذَلِكَ أَنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَقُولُ فِي كِتَابِهِ: ﴿وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ﴾ [النساء: 12] فَكَانَ الذَّكَرُ وَالأُنْثَى فِي هَذَا بِمَنْزِلَةٍ وَاحِدَةٍ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں اس حکم پر اجماع ہے کہ بے شک ماں کی طرف سے (اخیافی) بہن بھائی نہ تو (میت کی حقیقی) اولاد کی موجودگی میں وارث بنتے ہیں، نہ بیٹوں کی اولاد کے ساتھ وراثت میں کچھ پاتے ہیں، خواہ (یہ اخیافی بہن بھائی) مذکر ہوں یا مؤنث، نہ یہ باپ کے ساتھ کسی چیز کے وارث بن سکتے ہیں اور نہ ہی دادے کے ساتھ۔ اور بلاشبہ وہ ان (چار صورتوں) کے علاوہ میں وارث بنتے ہیں۔ان میں سے صرف ایک (موجود) ہو خواہ مذکر ہو یا مؤنث تو اس کے لیے چھٹا حصہ ہے، اور اگر دو ہوں تو ان میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا چھٹا حصہ ہے (جنھیں ملائیں تو کل مال کا تیسرا حصہ بنتا ہے) اور اگر وہ دو سے زیادہ ہوں تو (اس صورت میں بھی) وہ تیسرے حصے میں شریک ہوں گے (اور) اسے آپس میں برابر برابر بانٹ لیں گے۔ (ان بہن بھائیوں) میں مذکر کے لیے مؤنث کے حصے کے برابر ہے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ بلاشبہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں: ﴿وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ فَإِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ﴾ (النساء: 12) ''اور اگر وہ آدمی جس کا ورثہ تقسیم کیا جارہا ہو، اس کا بیٹا ہو نہ باپ یا ایسی ہی (فوت شدہ) عورت ہو اور اس (میت) کا ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے، پھر اگر ان کی تعداد اس سے زیادہ ہو تو وہ سب ایک تہائی حصے میں شریک ہوں گے''۔ پس اس (اخیافی سلسلے کی وراثت) میں مذکر و مؤنث ایک ہی مرتبہ و مقام جیسے ہیں۔

فائدہ: ......''كَلالَةٌ'' کی تعریف یہ ہے: ''مَالَا اَصْلَ لَهٗ وَلَا فَرْعَ'' یعنی وہ شخص جس کی نہ کوئی اصل ہو اور نہ فرع، بالفاظ دیگر نہ تو اس کا باپ دادا یا پردادا میں سے کوئی زندہ ہو اور نہ حقیقی اولاد اور نہ بیٹوں یا پوتوں کی اولاد ہو۔

5- بَابٌ :مِيْرَاثُ الْإِخْوَةِ لِلْأُمِّ وَالْأَبِ

ماں اور باپ دونوں کی طرف سے یعنی سگے بہن بھائیوں کی وراثت کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ مذکور ہے جس میں انھوں نے چار باتیں بیان کی ہیں: (1) بہن بھائی کن ورثاء کی موجودگی میں محروم ہوتے ہیں۔ (2) صرف بیٹیوں یا پوتیوں کی موجودگی میں وہ عصبہ بن جاتے ہیں بشرطیکہ ورثاء میں دادا شامل نہ ہو۔ (3) سورۂ نساء کی آخری آیت میں بیان کردہ بہن بھائیوں کی وراثت اور (4) اخیافی بہن بھائیوں کے ساتھ شرکت۔

فائدہ:...... سگے بہن بھائیوں کی وراثت کا تذکرہ سورۂ نساء کی آخری آیت میں ہے، ان کو حقیقی، شقیقی، عینی بہن بھائی اور بنوالاب والام بھی کہتے ہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ نے متن میں ان بہن بھائیوں کا جہاں بھی ذکر کیا ہے وہاں "للام والاب" کے الفاظ استعمال کیے ہیں، ہم اکثر طور پر توان کا لفظی ترجمہ ہی کریں گے لیکن کہیں کہیں ترجمہ ومفہوم کی آسانی کی خاطر "حقیقی" کا لفظ لکھیں گے۔ جس طرح کہ اخیافی بہن بھائیوں کے متعلق امام صاحب نے "لِلْأُمِّ" کا لفظ ذکر کیا ہے، ہم اس کا بھی کبھی لفظی ترجمہ کریں گے اور کبھی "اخیافی" کے لفظ سے ترجمہ کریں گے......کوئی وارث کسی دوسرے وارث کی وجہ سے بالکل محروم ہو جائے یا کم حصہ کی طرف منتقل ہو جائے تو اسے علم وراثت میں "حجب" کہتے ہیں، بالکل محرومی ہو تو اسے "حجب حرمان" کہتے ہیں اور یہ چھ افراد (خاوند، بیوی، ماں، باپ، بیٹا اور بیٹی) کے علاوہ ہر کسی میں ہو سکتا ہے اور اگر حصہ میں کمی واقع ہو تو اسے "حجب نقصان" کہتے ہیں اور یہ پانچ افراد میں ہوتا ہے: خاوند، بیوی، ماں، پوتی اور علاتی بہن۔

قَالَ يَحْيَى: قَالَ مَالِكٌ : الْأَمْرُ الْمُجْتَمَعُ عَلَيْهِ عِنْدَنَا : أَنَّ الْإِخْوَةَ لِلْأَبِ وَالْأُمِّ لَا يَرِثُونَ مَعَ الْوَلَدِ الذَّكَرِ شَيْئًا ، وَلَا مَعَ وَلَدِ الْابْنِ الذَّكَرِ شَيْئًا ، وَلَا مَعَ الْأَبِ دِنْيَا شَيْئًا ، وَهُمْ يَرِثُونَ مَعَ الْبَنَاتِ وَبَنَاتِ الْأَبْنَاءِ ، مَا لَمْ يَتْرُكِ الْمُتَوَفَّى جَدًّا أَبَا أَبٍ ، مَا فَضَلَ مِنَ الْمَالِ يَكُونُونَ فِيهِ عَصَبَةً ، يُبْدَأُ بِمَنْ كَانَ لَهُ أَصْلُ فَرِيضَةٍ مُسَمَّاةٍ ، فَيُعْطَوْنَ فَرَائِضَهُمْ ، فَإِنْ فَضَلَ بَعْدَ ذَلِكَ فَضْلٌ ، كَانَ لِلْإِخْوَةِ لِلْأَبِ وَالْأُمِّ يَقْتَسِمُونَهُ بَيْنَهُمْ ، عَلَى كِتَابِ اللّٰهِ -

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں اس حکم پر اتفاق ہے کہ (1) بے شک ماں اور باپ دونوں کی طرف سے (میت کے) بہن بھائی نہ تو (میت کے) مذکر اولاد کے ساتھ (ان کی موجودگی میں) وراث بن سکتے ہیں اور نہ ہی (میت کے) بیٹے کی مذکر اولاد کی موجودگی میں کچھ پا سکتے ہیں، (اسی طرح) اور نہ ہی قریب والے باپ کے ساتھ (اس کی موجودگی میں) کچھ لے سکتے ہیں۔ (2) وہ (حقیقی بہن بھائی میت کی) بیٹیوں اور پوتیوں کے ساتھ باقی ماندہ مال کے وارث بنتے ہیں، بشرطیکہ میت نے دادا نہ چھوڑا ہو، چنانچہ وہ اس میں عصبہ (شمار) ہوں گے۔ (وراثت کی تقسیم

ذُكْرَانًا كَانُوا أَوْ إِنَاثًا - لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ، فَإِنْ لَمْ يَفْضُلْ شَيْءٌ فَلَا شَيْءَ لَهُمْ. قَالَ: وَإِنْ لَمْ يَتْرُكِ الْمُتَوَفَّى أَبًا، وَلَا جَدًّا أَبَا أَبٍ، وَلَا وَلَدًا، وَلَا وَلَدَ ابْنٍ - ذَكَرًا كَانَ أَوْ أُنْثَى - فَإِنَّهُ يُفْرَضُ لِلْأُخْتِ الْوَاحِدَةِ لِلْأَبِ وَالْأُمِّ النِّصْفُ، فَإِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَمَا فَوْقَ ذَلِكَ مِنَ الْأَخَوَاتِ لِلْأَبِ وَالْأُمِّ، فُرِضَ لَهُنَّ الثُّلُثَانِ، فَإِنْ كَانَ مَعَهُنَّ أَخٌ ذَكَرٌ، فَلَا فَرِيضَةَ لِأَحَدٍ مِنَ الْأَخَوَاتِ، وَاحِدَةً كَانَتْ أَوْ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ، وَيُبْدَأُ بِمَنْ شَرِكَهُمْ بِفَرِيضَةٍ مُسَمَّاةٍ، فَيُعْطَوْنَ فَرَائِضَهُمْ، فَمَا فَضَلَ بَعْدَ ذَلِكَ مِنْ شَيْءٍ، كَانَ بَيْنَ الْإِخْوَةِ لِلْأَبِ وَالْأُمِّ، لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ، إِلَّا فِي فَرِيضَةٍ وَاحِدَةٍ فَقَطْ، لَمْ يَكُنْ لَهُمْ فِيهَا شَيْءٌ، فَاشْتَرَكُوا فِيهَا مَعَ بَنِي الْأُمِّ فِي ثُلُثِهِمْ، وَتِلْكَ الْفَرِيضَةُ هِيَ امْرَأَةٌ تُوُفِّيَتْ، وَتَرَكَتْ زَوْجَهَا وَأُمَّهَا، وَإِخْوَتَهَا لِأُمِّهَا، وَإِخْوَتَهَا لِأُمِّهَا وَأَبِيهَا، فَكَانَ لِزَوْجِهَا النِّصْفُ، وَلِأُمِّهَا السُّدُسُ، وَلِإِخْوَتِهَا لِأُمِّهَا الثُّلُثُ، فَلَمْ يَفْضُلْ شَيْءٌ بَعْدَ ذَلِكَ، فَيَشْتَرِكُ بَنُو الْأَبِ وَالْأُمِّ فِي هَذِهِ الْفَرِيضَةِ، مَعَ بَنِي الْأُمِّ فِي ثُلُثِهِمْ، فَيَكُونُ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَى، مِنْ أَجْلِ أَنَّهُمْ كُلَّهُمْ إِخْوَةُ الْمُتَوَفَّى لِأُمِّهِ، وَإِنَّمَا وَرِثُوا بِالْأُمِّ، وَذَلِكَ أَنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قَالَ فِي كِتَابِهِ: ﴿وَإِنْ

کا) آغاز ان ورثاء کے ساتھ کیا جائے گا جن کے لیے متعین ومقرر حصہ ہے، پس ان (اصحاب الفرائض) کو ان کے فرائض (مقرر حصے) دے دیے جائیں گے، پھر اگر اس کے بعد کچھ زائد مال بچ جائے تو وہ ان حقیقی بہن بھائیوں کے لیے ہوگا، جسے وہ کتاب اللہ کے مطابق آپس میں تقسیم کرلیں گے، خواہ مذکر ہوں یا مونث، اور ہر مذکر (بھائی) کے لیے دو مونثوں (بہنوں) کے برابر (حصہ) ہوگا، اور اگر کچھ بھی نہ بچے تو انھیں کچھ نہ ملے گا (اور اگر میت کا دادا بھی موجود ہو تو امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اس صورت میں بہن بھائی وارث تو بنیں گے لیکن وہ اکیلے باقی ماندہ مال کے حق دار نہ ہوں گے بلکہ دادا بھی ان کے ساتھ شامل ہوگا، جس کی تفصیل آگے باب: ۷ میں آرہی ہے۔) (3) اگر میت نے (ورثاء میں) نہ باپ چھوڑا ہو، نہ دادا، نہ اولاد اور نہ بیٹے کی اولاد، نہ مذکر نہ مؤنث (یعنی میت کلالہ ہو، البتہ بہن بھائی ہوں، چنانچہ اگر صرف ایک حقیقی بہن وارث بن رہی ہو تو) بلاشبہ ماں باپ کی طرف سے ایک (حقیقی اور سگی) بہن کے لیے نصف حصہ فرض (اور مقرر) ہے، اور اگر وہ دو یا اس سے زیادہ حقیقی بہنیں (وارث بن رہی) ہوں تو انھیں فرض (مقرر شدہ) حصہ دو تہائی دیا جائے گا اور اگر ان (بہنوں) کے ساتھ کوئی لڑکا یعنی بھائی موجود ہو تو پھر بہنوں میں سے کسی کے لیے کوئی فرض ومقرر حصہ نہ ہوگا، خواہ ایک بہن ہو یا اس سے زیادہ ہوں (بلکہ بھائی کے ساتھ مل کر وہ عصبہ بن جائیں گی) اور ان ورثاء کے ساتھ (تقسیم وراثت کی) ابتدا کی جائے گی جو ان (بہن بھائیوں) کے ہمراہ اپنے مقرر حصوں کے ساتھ شریک ہوں، چنانچہ

كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ﴾ [النساء: 12] فَلِذَلِكَ شُرِّكُوا فِي هَذِهِ الْفَرِيضَةِ، لِأَنَّهُمْ كُلَّهُمْ إِخْوَةُ الْمُتَوَفَّى لِأُمِّهِ.

انھیں ان کے فرض و مقرر حصے دے دیے جائیں گے، پھراس کے بعد جو کچھ بھی زائد بچ جائے وہ حقیقی بہن بھائیوں کے لیے(اس اصول کے تحت) ہوگا کہ ہرمذکر کے لیے دومونثوں کے برابر حصہ ہے۔(4) سوائے صرف ایک مسئلے کے،کہ اس میں ان کے لیے (عصبہ ہونے کے باوجود) کچھ (مخصوص) نہ ہوگا (بلکہ) وہ اس مسئلے میں اخیافی بہن بھائیوں کے ہمراہ ان کے تہائی حصے میں شریک ہوں گے۔اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ ایک عورت فوت ہوجائے اور (ورثاء میں) اپنا خاوند، ماں، ماں کی طرف سے ایک سے زیادہ (اخیافی) بہن بھائی اور ماں باپ دونوں کی طرف سے (حقیقی) بہن بھائی چھوڑ جائے۔ چنانچہ خاوند کے لیے نصف ہوگا، اس کی ماں کے لیے سدس (چھٹا حصہ) ہوگا، ماں کی طرف سے بہن بھائیوں کے لیے ثلث (تہائی مال) ہوگا (اور حقیقی بہن بھائی اصول کے مطابق تو عصبہ بنیں گے، اور یہ مسئلہ چھ پرحل ہوگا یعنی کل مال کے چھ حصے کریں گے، جن میں سے خاوند کو (نصف یعنی) تین مل جائیں گے، ماں کو (چھٹا حصہ یعنی) ایک ملے گا اور بہن بھائیوں کو (تہائی مال یعنی) دو حصے مل جائیں گے، اس طرح چھ حصے پورے پورے تقسیم ہوجائیں گے، اور حقیقی بہن بھائی عصبہ بن رہے ہیں اور عصبہ کو باقی ماندہ مال ملنا ہوتا ہے لیکن یہاں تو اس تقسیم کے بعد کچھ بھی زائد نہیں بچا، لہٰذا باپ اور ماں کی طرف سے (حقیقی) بہن بھائی اس مسئلے میں صرف ماں کی طرف سے (اخیافی) بہن بھائیوں کے ساتھ ان کے ثلث (تہائی مال) میں شریک ہوجائیں گے اور (اس صورت میں) ہرمذکر کے لیے ایک مؤنث کے حصے کے برابر ہوگا، اس وجہ سے کہ وہ سب کے سب میت کی ماں کی طرف سے بہن بھائی (کی حیثیت میں شریک ہورہے) ہیں اور وہ ماں کی وجہ سے وارث بن رہے ہیں اور یہ (مذکر ومؤنث کے حصوں کی برابری) اس وجہ سے ہے کہ یقیناً اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً أَوِ امْرَاَةٌ وَّ لَهٗۤ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ فَاِنْ كَانُوْۤا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ﴾ (النساء 12) ''اور اگر وہ آدمی جس کا ورثہ تقسیم کیا جارہا ہو، اس کا بیٹا ہونہ باپ یا ایسی ہی عورت ہو اور اس کا ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے، پھر اگر ان کی تعداد اس سے زیادہ ہو تو وہ سب ایک تہائی حصے میں شریک ہوں گے۔ سو (بہرحال) وہ اسی وجہ سے اس مسئلے میں شریک کیے گئے ہیں کیونکہ وہ سب کے سب میت کی ماں کی طرف سے بھائی (بہن ہونے میں شریک) ہیں۔

فائدہ:......اگرچہ حقیقی بہن بھائیوں کا میت کے ساتھ باپ کی طرف سے بھی رشتہ ہے لیکن یہاں اس کا اعتبار نہیں کیا گیا، کیونکہ اس کا اعتبار کرنے سے انھیں اصحاب الفرائض کی بجائے عصبات میں شامل کرنا پڑے گا، جنھیں

باقی ماندہ مال ملا کرتا ہے اور مذکورہ مسئلے میں کچھ باقی بچتا ہی نہیں ہے، اور یہ مناسب نہیں کہ جن بہن بھائیوں کا ماں کے ساتھ اکہرا رشتہ ہو یعنی صرف ماں کی طرف سے میت کے بہن بھائی ہوں انھیں تو وراثت میں سے حصہ ملے اور جن بہن بھائیوں کا میت سے دوہرا رشتہ ہو یعنی سگے بہن بھائی ہوں وہ محروم رہیں، باپ کی طرف سے رشتہ داری اگر فائدہ نہیں دے رہی تو اسے نقصان بھی نہ دینا چاہیے۔ لہٰذا یہاں ان حقیقی بہن بھائیوں کو اخیافی بہن بھائیوں کی حیثیت میں شمار کر لیا جائے گا جن میں مذکر و مؤنث کو برابر برابر حصہ ملتا ہے۔ یہ مسئلہ علم میراث کی اصطلاح میں ''مسئلہ مشرکہ'' کہلاتا ہے، نیز اسے مشترکہ، حماریۃ، حجریہ اور عمریہ بھی کہتے ہیں۔ حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود اور حضرت زید بن ثابت اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہم کا یہی مؤقف ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک مذکورہ صورت میں حقیقی بہن بھائی اخیافیوں کے ساتھ شریک نہ ہوں گے اور محروم ہی رہیں گے اور یہی مؤقف حضرت علی اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما سے منقول ہے اور حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم کی طرف بھی منسوب ہے، یہی راجح ہے تاکہ ورثاء کی مختلف اقسام کا ایک ہونا لازم نہ آئے نیز آیات کا ظاہری مفہوم بھی یہی ہے۔

6- بَابٌ: مِيرَاثُ الْإِخْوَةِ لِلْأَبِ

باپ کی طرف سے (علاتی) بہن بھائیوں کی وراثت کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ مذکور ہے جس میں انھوں نے تین مسائل ذکر کیے ہیں: (1) حقیقی بہن بھائیوں کی عدم موجودگی میں علاتی بہن بھائیوں کی حیثیت حقیقی بہن بھائیوں ہی کی طرح ہے سوائے ''مسئلہ مشترکہ'' کے جس کا گزشتہ باب میں تذکرہ ہوا ہے۔ (2) اگر حقیقی اور علاتی بہن بھائی جمع ہو جائیں تو تین صورتیں بنتی ہیں (الف) حقیقی بھائی کی موجودگی میں سب علاتی بہن بھائی محروم ہوں گے۔ (ب) ایک حقیقی بہن کی موجودگی میں علاتی بہنوں کو چھٹا حصہ ملے گا اگر علاتی بھائی نہ ہو، اور اگر علاتی بھائی ہو تو سب علاتی بہن بھائی عصبہ ہوں گے۔ (ج) دو حقیقی بہنوں کی موجودگی میں علاتی بہنیں محروم ہوتی ہیں الا یہ کہ ان کے ساتھ علاتی بھائی ہو تو پھر وہ عصبہ بن جائیں گے۔ (3) اخیافی بہن بھائیوں کی وراثت پر نہ حقیقی بہن بھائی اثر انداز ہوتے ہیں اور نہ علاتی۔

فائدہ :...... میت کے باپ کی طرف سے بہن بھائیوں کو علاتی، پدری، بنو الأب یا بنو العلات بھی کہتے ہیں۔ جن کی وراثت کا معاملہ زیادہ تر حقیقی بہن بھائیوں جیسا ہی ہے اور جن ورثاء کی وجہ سے حقیقی بہن بھائی محروم ہو جاتے ہیں ان کی وجہ سے علاتی بہن بھائیوں کو بھی محروم ہونا پڑتا ہے۔ البتہ چند ایک مزید مسائل اور فرق یہاں مذکور ہیں۔ ان دونوں قسم کے بہن بھائیوں کا کچھ معاملہ پہلے باب میں مذکور آخری صورت کی طرح بھی ہے کہ میت کی حقیقی اولاد بیٹے بیٹیاں اور میت کے پوتے پوتیاں جمع ہو جائیں تو جو صورتیں ان کی بنتی ہیں وہی یہاں بھی بنتی ہیں ...... امام

صاحب نے متن میں علاتی بہن بھائیوں کے لیے "للأب" یا "بنی الاب" کے الفاظ استعمال کیے ہیں، ہم کبھی تو ان کالفظی ترجمہ کریں گے اور کبھی مفہوم میں آسانی کے لیے ترجمے میں "علاتی" کا لفظ استعمال کریں گے۔

قَالَ يَحْيَى: قَالَ مَالِكٌ : الأَمْرُ الْمُجْتَمَعُ عَلَيْهِ عِنْدَنَا، أَنَّ مِيرَاثَ الإِخْوَةِ لِلأَبِ، إِذَا لَمْ يَكُنْ مَعَهُمْ أَحَدٌ مِنْ بَنِي الأَبِ وَالأُمِّ، كَمَنْزِلَةِ الإِخْوَةِ لِلأَبِ وَالأُمِّ سَوَاءٌ، ذَكَرُهُمْ كَذَكَرِهِمْ، وَأُنْثَاهُمْ كَأُنْثَاهُمْ، إِلَّا أَنَّهُمْ لَا يُشَرَّكُونَ مَعَ بَنِي الأُمِّ فِي الْفَرِيضَةِ، الَّتِي شَرَّكَهُمْ فِيهَا بَنُو الأَبِ وَالأُمِّ، لِأَنَّهُمْ خَرَجُوا مِنْ وِلَادَةِ الأُمِّ الَّتِي جَمَعَتْ أُولَئِكَ. قَالَ مَالِكٌ: فَإِنِ اجْتَمَعَ الإِخْوَةُ لِلأَبِ وَالأُمِّ، وَالإِخْوَةُ لِلأَبِ، فَكَانَ فِي بَنِي الأَبِ وَالأُمِّ ذَكَرٌ، فَلَا مِيرَاثَ لِأَحَدٍ مِنْ بَنِي الأَبِ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ بَنُو الأَبِ وَالأُمِّ إِلَّا امْرَأَةً وَاحِدَةً، أَوْ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ مِنَ الإِنَاثِ لَا ذَكَرَ مَعَهُنَّ، فَإِنَّهُ يُفْرَضُ لِلأُخْتِ الْوَاحِدَةِ لِلأَبِ وَالأُمِّ النِّصْفُ، وَيُفْرَضُ لِلأَخَوَاتِ لِلأَبِ السُّدُسُ تَتِمَّةَ الثُّلُثَيْنِ، فَإِنْ كَانَ مَعَ الأَخَوَاتِ لِلأَبِ ذَكَرٌ، فَلَا فَرِيضَةَ لَهُنَّ، وَيُبْدَأُ بِأَهْلِ الْفَرَائِضِ الْمُسَمَّاةِ فَيُعْطَوْنَ فَرَائِضَهُمْ، فَإِنْ فَضَلَ بَعْدَ ذَلِكَ فَضْلٌ كَانَ بَيْنَ الإِخْوَةِ لِلأَبِ، لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الأُنْثَيَيْنِ، وَإِنْ لَمْ يَفْضُلْ شَيْءٌ فَلَا شَيْءَ لَهُمْ، فَإِنْ كَانَ الإِخْوَةُ لِلأَبِ وَالأُمِّ امْرَأَتَيْنِ أَوْ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ مِنَ الإِنَاثِ، فُرِضَ لَهُنَّ الثُّلُثَانِ، وَلَا

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں یہ حکم اجماعی ہے کہ (1) بے شک باپ کی طرف سے بہن بھائیوں (یعنی علاتی بہن بھائیوں) کے ساتھ جب ماں باپ دونوں کی طرف سے بہن بھائیوں (یعنی حقیقی بہن بھائیوں) میں سے کوئی بھی نہ ہو تو ان کی وراثت حقیقی بہن بھائیوں ہی کی طرح (بالکل ان کے) برابر برابر ہوتی ہے، ان (علاتیوں) میں سے مذکر ان (حقیقیوں) کے مذکر کی طرح اور ان میں سے مؤنث ان کی مؤنث کی طرح ہے (یعنی اکیلا علاتی بھائی ہو تو کل مال کا وارث بنے گا، اکیلی علاتی بہن ہو تو نصف لے گی، دو یا زیادہ علاتی بہنیں ہوں تو دو تہائی لیں گی اور اگر بہن بھائی اکٹھے ہوں تو ہر بھائی کو دو بہنوں کے برابر ملے گا، البتہ یہ فرق ہے کہ) مگر بلاشبہ یہ (علاتی بہن بھائی) ماں کی طرف سے بہن بھائیوں (یعنی اخیافی بہن بھائیوں) کے ساتھ اسی مسئلے (مسئلہ مشرکہ) میں شریک نہ ہوں گے جس میں ماں باپ دونوں کی طرف سے بہن بھائیوں (یعنی حقیقی بہن بھائیوں) کو ان (اخیافیوں) کے ساتھ شریک کیا گیا تھا، کیونکہ بے شک وہ (حقیقی واخیافی تو) ایک ہی ماں سے پیدا ہوئے تھے (اور) اس ماں نے ان سب کو (رشتہ داری میں) اکٹھا کیا تھا۔ (یعنی جس طرح اخیافی بہن بھائی میت کے ساتھ اس ماں کی وجہ سے بہن بھائی کا رشتہ رکھتے ہیں، اسی طرح حقیقی بہن بھائیوں کی میت کے ساتھ رشتہ داری میں بھی یہ ماں شامل ہے، لیکن علاتی یعنی پدری بھائیوں کا میت سے یہ تعلق نہیں ہے کیونکہ میت کی ماں اور ہے اور

مِيـرَاثَ مَـعَهُـنَّ لِلْأَخَـوَاتِ لِلْأَبِ ، إِلَّا أَنْ يَـكُـونَ مَـعَهُنَّ أَخٌ لأَبٍ ، فَإِنْ كَانَ مَعَهُنَّ أَخٌ لأَبٍ بُـدِئَ بِـمَـنْ شَرَّكَهُمْ بِفَرِيضَةٍ مُسَمَّاةٍ ، فَـأُعْـطُـوا فَـرَائِـضَـهُـمْ ، فَإِنْ فَضَلَ بَعْدَ ذَلِكَ فَـضْـلٌ ، كَانَ بَيْنَ الإِخْوَةِ لِلأَبِ ، لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ ، وَإِنْ لَمْ يَفْضُلْ شَيْءٌ فَلا شَيْءَ لَهُمْ ، وَلِبَنِي الأُمِّ مَعَ بَنِي الأَبِ وَالْأُمِّ ، وَمَعَ بَـنِـي الأَبِ ، لِـلْـوَاحِدِ السُّدُسُ ، وَلِلاثْنَيْنِ فَـصَـاعِداً الثُّلُثُ ، لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَى ، هُمْ فِيهِ بِمَنْزِلَةٍ وَاحِدَةٍ سَوَاءٌ .

پدری بہن بھائیوں کی ماں اور ہے)۔ (2) پھر اگر ماں باپ دونوں کی طرف سے بہن بھائی اور صرف باپ کی طرف سے بہن بھائی جمع ہو جائیں (حقیقی اور علاتی اکٹھے ہو جائیں)(الف) اور حقیقی بہن بھائیوں میں کوئی مذکر موجود ہو تو علاتی بہن بھائیوں میں سے کسی کے لیے بھی کچھ نہ ہوگا (ب) اور اگر حقیقی بہن بھائیوں میں صرف ایک عورت یا اس سے زیادہ عورتوں (حقیقی بہنوں) کے سوا کوئی نہ ہو (یعنی) ان کے ساتھ کوئی مذکر (حقیقی بھائی) نہ ہو (تو پھر علاتی بہن بھائیوں کو کچھ مل سکتا ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر صرف ایک حقیقی بہن ہو) تو بلاشبہ ماں باپ دونوں کی طرف سے (میت کی حقیقی) ایک بہن کو اس کا فرض (مقرر) حصہ نصف دیا جائے گا اور (ایک یا زیادہ) علاتی بہنوں کے لیے سدس یعنی چھٹا حصہ ہوگا، ثلثان (دو تہائی) کو پورا کرنے کے لیے (ایسا کیا جائے گا، جس طرح کہ ایک بیٹی کے ساتھ پوتی کا معاملہ ہوتا ہے، چنانچہ یہاں میت کی بہنوں کی دو حیثیتیں ہیں، حقیقی بہن صرف ایک ہے جو نصف کی حقدار ہے لیکن مجموعی طور پر ایک سے زیادہ بہنیں ہیں جنھیں دو تہائی مال ملتا ہے۔ چنانچہ اب علاتی بہن یا بہنوں کو اتنا مال دیا جائے گا کہ جب اسے حقیقی بہن کے نصف کے ساتھ جمع کریں تو دونوں کا مجموعہ ثلثان (دو تہائی) ہو جائے۔ لہٰذا علاتی بہن کو سدس یعنی چھٹا حصہ دیں گے، کیونکہ نصف اور سدس کا مجموعہ ثلثان ہے، مثلا: مال کے کل چھ حصوں میں سے دو تہائی کی مقدار چار حصے بنتی ہے جن میں سے تین حصے حقیقی بہن کو مل چکے تھے اور باقی ایک حصہ علاتی بہنوں کو مل جائے گا اور یہ ایک حصہ کل مال کا سدس یعنی چھٹا ہے)، پھر اگر (مذکورہ صورت میں کہ جب حقیقی بہن ایک ہو اور نصف مال لے جائے اور) ان علاتی بہنوں کے ساتھ کوئی مذکر (یعنی علاتی بھائی) ہو تو ان کے لیے کوئی مقرر فرضی حصہ نہ ہوگا (بلکہ وہ اپنے بھائیوں کے ساتھ مل کر عصبہ بن جائیں گی) اور ان ورثاء سے (تقسیم وراثت کے لیے) ابتدا کی جائے گی جو متعین فرضی حصوں والے ہیں (یعنی اصحاب الفرائض ہیں۔ چنانچہ انھیں ان کے فرضی حصے دے دیے جائیں گے، پھر اس کے بعد اگر کچھ بچ جائے تو وہ علاتی بہن بھائیوں کے درمیان "لِـلـذَّكَـرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ" کے مطابق تقسیم ہوگا یعنی ہر مذکر کے لیے دو مؤنثوں کے برابر ہوگا اور اگر کچھ بھی زائد مال نہ بچے تو ان سب کے لیے کچھ بھی نہ ہوگا۔ (ج) اگر حقیقی بہن بھائیوں میں دو عورتیں یا ان سے زیادہ مؤنثیں (حقیقی بہنیں) ہوں تو انھیں کو فرضی حصہ ثلثان (دو تہائی) دے دیا جائے گا اور ان کی موجودگی میں علاتی بہنوں کے لیے کچھ بھی

وراثت نہ ہوگی، اِلاّ یہ کہ ان کے ہمراہ کوئی علاتی بھائی موجود ہو (تو پھر وہ بھائی کی وجہ سے عصبہ بن کر باقی ماندہ لے سکتی ہیں)۔ چنانچہ اگر ان (علاتی بہنوں) کے ساتھ علاتی بھائی ہو تو ان لوگوں کو متعین فرضی حصوں کے ساتھ (وراثت کی تقسیم کا) آغاز کیا جائے گا جو ان کے ساتھ شریک ہیں (سب سے پہلے اصحاب الفرائض کو ملے گا)، انھیں ان کے فرض (مقرر) حصے دے دیے جائیں گے، پھر اس کے بعد اگر کچھ زائد بچ جائے تو وہ (تمام) علاتی بہن بھائیوں کے مابین اس طرح تقسیم ہوگا کہ ہر مذکر کے لیے دو مؤنثوں کے برابر حصہ ہوگا، اور اگر کچھ بھی زائد نہ بچے تو ان کے لیے کچھ بھی (حق) نہ ہوگا۔ (3) اور بنو الام یعنی اخیافی بہن بھائیوں کے لیے حقیقی بہن بھائیوں کی موجودگی میں بھی اور علاتی بہن بھائیوں کے ساتھ بھی (ضرور حصہ نکالا جائے گا، اس طرح کہ) ایک کے لیے سدس (چھٹا حصہ) ہوگا اور دو یا اس سے زیادہ کے لیے ثلث (تہائی) ہوگا، اس طرح کہ ہر مذکر کے لیے ایک مؤنث کے برابر حصہ ہوگا۔ پس وہ اس (تقسیم) میں ایک ہی طرح اور برابر برابر ہیں۔

فائدہ: ......یعنی اگر چہ اخیافی بہن بھائیوں کا میت کے ساتھ رشتہ نسبتاً کمزور ہے لیکن ان کا حصہ اللہ نے پکا کر دیا ہے، حقیقی اور علاتی بہن بھائیوں پر ان کی وجہ سے تو اثر پڑ سکتا ہے کہ یہ مقرر حصہ لے جائیں اور حقیقی و علاتی محروم رہ جائیں لیکن الٹ نہیں ہوسکتا۔

7- بَابٌ: مِيرَاثُ الْجَدِّ
دادے کی وراثت کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں تین موقوف روایات (آثار صحابہ رضی اللہ عنہم) ہیں جن میں سے ایک ضعیف اور دو صحیح ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے تین فتاوی جات بھی مذکور ہیں۔

فائدہ: ...... جَدّ عربی زبان میں دادا، نانا، پڑدادا، پڑنانا وغیرہ سب پر بولا جاتا ہے، چونکہ نانا اصحاب الفرائض میں شامل ہے اور نہ عصبات میں اس لیے یہاں صرف باپ کا باپ یعنی دادا یا پڑدادا وغیرہ ہی مراد ہیں۔ اسے جد صحیح کہتے ہیں، یعنی ہر وہ جد جس کی نسبت میت کی طرف عورت کے واسطے سے نہ ہو۔ چنانچہ اگر میت اور کسی جد کے درمیان میں عورت کا واسطہ ہو جیسے کہ نانا (ماں کا باپ) یا دادی کا باپ وغیرہ تو اسے جد فاسد کہتے ہیں ......دادے کی وراثت کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ باپ کی موجودگی میں دادے کو کچھ نہیں ملتا۔ باپ نہ ہو تو دادے کو باپ ہی کی طرح وراثت ملتی ہے یعنی میت کی مذکر اولاد ہو تو دادے کو صرف چھٹا حصہ ملے گا، میت کی صرف مؤنث اولاد ہو تو دادے کو پہلے چھٹا حصہ دیں گے، پھر عصبہ کے طور پر اسے باقی ماندہ مال بھی ملے گا اور اگر میت کی کوئی بھی اولاد نہ ہو تو راجح مؤقف کے مطابق دادا ہی عصبہ بنے گا...... دادے کے حوالے سے اہم اختلافی مسئلہ یہ ہے کہ دادے کی موجودگی میں بہن بھائی وارث بنتے ہیں یا نہیں۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، ابن تیمیہ رحمہ اللہ، ابن قیم رحمہ اللہ، محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ اور اہلحدیث

کے نزدیک دادے کی موجودگی میں بہن بھائی اس طرح محروم رہتے ہیں جس طرح کہ باپ کی موجودگی میں انھیں کچھ نہیں ملتا۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا بھی اسی طرف میلان ہے۔ (بخاری، قبل از حدیث: 6737) اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہی موقف تھا، جن میں حضرت ابوبکر، ابن عباس، ابن عمر، ابن زبیر، ابی بن کعب، حذیفہ بن یمان، ابوسعید خدری، معاذ بن جبل، ابودرداء، عمران بن حصین، جابر بن عبداللہ، ابوموسیٰ اشعری اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ جبکہ امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک دادا کی موجودگی میں بہن بھائی بھی وارث بنتے ہیں۔ یہ موقف حضرت عمر، عثمان، علی، ابن مسعود اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔ (نوٹ) اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کے بیان کردہ مسائل ان کے قول کے مطابق ہیں۔ اہل حدیث اور احناف کے ہاں ان سب میں دادے کی موجودگی میں بہن بھائی سرے سے محروم رہتے ہیں۔

[1477] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ مُعَاوِيَةَ بْنَ أَبِي سُفْيَانَ كَتَبَ إِلَى زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ يَسْأَلُهُ عَنِ الْجَدِّ، فَكَتَبَ إِلَيْهِ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ: إِنَّكَ كَتَبْتَ إِلَيَّ تَسْأَلُنِي عَنِ الْجَدِّ وَاللَّهُ أَعْلَمُ، وَذَلِكَ مِمَّا لَمْ يَكُنْ يَقْضِي فِيهِ إِلَّا الْأُمَرَاءُ، يَعْنِي الْخُلَفَاءَ، وَقَدْ حَضَرْتُ الْخَلِيفَتَيْنِ قَبْلَكَ، يُعْطِيَانِهِ النِّصْفَ مَعَ الْأَخِ الْوَاحِدِ، وَالثُّلُثَ مَعَ الِاثْنَيْنِ، فَإِنْ كَثُرَتِ الْإِخْوَةُ لَمْ يُنَقِّصُوهُ مِنَ الثُّلُثِ.

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھیں یہ خبر پہنچی کہ بیشک حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی طرف (خط) لکھا۔ وہ ان سے دادے (کی وراثت) کے بارے میں سوال کر رہے تھے، تو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف (جواب میں) لکھا: بے شک آپ نے میری طرف (خط) لکھا ہے (اور) آپ نے مجھ سے دادے کے بارے میں دریافت فرمایا ہے اور اللہ ہی خوب جاننے والا ہے، اور یہ معاملہ ان (مسائل) میں سے ہے جن میں امراء یعنی خلفائے راشدین کے علاوہ کسی نے فیصلہ نہیں کیا اور یقیناً میں آپ سے قبل دو خلیفوں (حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما) کے پاس حاضر تھا، وہ دونوں ایک بھائی کے ساتھ اسے نصف دیتے تھے اور دو بھائیوں کے ساتھ اسے ثلث (تہائی) دیتے تھے، پھر اگر بھائی زیادہ ہو جاتے تو وہ اسے ثلث سے کم نہ دیتے تھے (بلکہ پھر بھی پورا ثلث ہی دیتے تھے)۔

فائدہ: ...... جمہور فقہاء جن کے نزدیک دادا کی موجودگی میں بہن بھائی محروم نہیں ہوتے ان کے طریقۂ تقسیم کو ''مقاسمۃ الجد'' کہا جاتا ہے۔ یعنی بھائیوں اور دادے کو آپس میں شریک شمار کر کے عصبہ کے طور پر ان میں برابر

[1477] (موقوف صحیح) بیھقی: 6/ 249 (12434)، عبدالرزاق: 19062، ابن ابی شیبہ: 31218، سعید بن منصور: 63۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

برابر تقسیم کرنا۔" چنانچہ اگر ورثاء میں ایک بھائی اور دادا ہوں تو دونوں کو نصف نصف دیا جائے گا، اور اگر دو بھائی اور دادا وارث بنتے تو تین حصے کر کے سب کو ثلث یعنی تہائی مال دیا جائے گا۔ اس کے بعد ان فقہاء کے نزدیک دادے کا حصہ ثلث ہی مقرر رہے گا۔ چنانچہ اگر بھائی دو سے زیادہ ہوں تو دادے کو تہائی مال دے کر باقی ماندہ ترکہ تمام بھائیوں میں برابر برابر تقسیم ہوگا اور اگر مزید ورثاء بھی موجود ہوں تو ان کے نزدیک دادے کو مختلف طریقوں سے وراثت دی جاسکتی ہے۔ ایک یہ کہ اسے کل مال میں سے مکمل سدس (چھٹا حصہ) دیا جائے یا پھر اصحاب الفرائض کو دینے کے بعد دادا اور بھائیوں کو عصبہ شمار کر کے مال یوں تقسیم ہوگا کہ دادے کو ثلث (تہائی) سے کم نہ ملے اور جتنا زیادہ ہوسکے مل جائے۔

[1478] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ قَبِيصَةَ بْنِ ذُؤَيْبٍ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ فَرَضَ لِلْجَدِّ الَّذِي يَفْرِضُ النَّاسُ لَهُ الْيَوْمَ.

قبیصہ بن ذؤیب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے دادے کے لیے وہ مقرر حصہ دیا تھا جو آج لوگ اسے دیتے ہیں۔

فائدہ :......یعنی ایک بھائی کے ساتھ دادے کو نصف ملے گا اور بھائی زیادہ ہوں تو دادے کا حصہ ثلث سے کم نہ ہوگا۔

[1479] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، أَنَّهُ قَالَ: فَرَضَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، وَعُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ، وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ، لِلْجَدِّ مَعَ الإِخْوَةِ الثُّلُثَ.

سلیمان بن یسار رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: حضرت عمر بن خطاب، حضرت عثمان بن عفان اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم نے بہن بھائیوں کے ساتھ دادے کو مقرر حصے کے طور پر ثلث (تہائی) دیا۔

قَالَ يَحْيَى: قَالَ مَالِكٌ: وَالأَمْرُ الْمُجْتَمَعُ عَلَيْهِ عِنْدَنَا، وَالَّذِي أَدْرَكْتُ عَلَيْهِ أَهْلَ الْعِلْمِ بِبَلَدِنَا: أَنَّ الْجَدَّ أَبَا الأَبِ لا يَرِثُ مَعَ الأَبِ دِنْيَا شَيْئاً، وَهُوَ يُفْرَضُ لَهُ مَعَ الْوَلَدِ الذَّكَرِ، وَمَعَ ابْنِ الابْنِ الذَّكَرِ السُّدُسُ فَرِيضَةً، وَهُوَ فِيمَا سِوَى ذَلِكَ مَا لَمْ يَتْرُكِ الْمُتَوَفَّى أَخاً أَوْ أُخْتاً لأَبِيهِ يُبَدَّأُ بِأَحَدٍ إِنْ شَرَّكَهُ بِفَرِيضَةٍ مُسَمَّاةٍ، فَيُعْطَوْنَ فَرَائِضَهُمْ، فَإِنْ فَضَلَ مِنَ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں اس حکم پر اجماع ہے اور اسی پر میں نے اپنے شہر کے اہل علم کو پایا ہے کہ بے شک دادا یعنی باپ کا باپ (میت کے) قریب کے باپ کی موجودگی میں کسی چیز کا وارث نہیں بنتا (یعنی باپ ہو تو دادا محروم، دادا ہو تو پردادا محروم وغیرہ) اور اس کو (میت کی) مذکر اولاد یا بیٹے کے بیٹے یعنی پوتے کی موجودگی میں سدس (چھٹا حصہ) فرضی اور مقرر شدہ حصے کے طور پر دیا جائے گا، اور وہ (دادا) اس کے علاوہ ہر صورت میں، جب کہ میت

[1478] (موقوف صحیح) ابن ابی شیبہ: 31201، دارمی: 2913۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔
[1479] (موقوف ضعیف) بیہقی: 6/ 249 (12434)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔

الْمَالِ السُّدُسُ فَمَا فَوْقَهُ، فُرِضَ لِلْجَدِّ السُّدُسُ فَرِيضَةً.

نے باپ کی طرف سے کوئی بھائی یا بہن (ورثاء میں) نہ چھوڑے ہوں، (اگر وہ ہوں گے یعنی میت کے حقیقی یا علاتی بھائی جو باپ کی طرف سے میت کے بھائی ہیں تو پھر وہ دادا کے ساتھ مل کر عصبہ بنیں گے۔ بہرحال وہ نہ ہوں اور میت کے بیٹے یا پوتے بھی نہ ہوں تو ہر صورت میں دادے کا معاملہ یہ ہوگا کہ) ہر وہ شخص جو اپنے متعین فرضی حصے کے ساتھ دادے کے ہمراہ (ورثاء میں) شریک ہو تو پہلے ان کو ان کے مقرر حصے دیے جائیں گے پھر اگر (ان کے دینے کے بعد) مال میں سے سدس (چھٹا حصہ) یا اس سے زیادہ بچ جائے تو وہ دادے کے لیے ہوگا اور اگر مال میں سے چھٹا حصہ یا اس سے زیادہ نہ بچ رہا ہو تو دادے کے لیے چھٹا حصہ مقرر ہوگا۔

فائدہ:...... یعنی اُسے قرار دیں گے اگر عصبہ ماننے سے اُسے چھٹے حصے سے زائد ملے ورنہ وہ اصحاب الفرائض میں شامل شمار ہوگا اور چھٹا حصہ لے گا۔

قَالَ مَالِكٌ: وَالْجَدُّ وَالْإِخْوَةُ لِلْأَبِ وَالْأُمِّ، إِذَا شَرَّكَهُمْ أَحَدٌ بِفَرِيضَةٍ مُسَمَّاةٍ، يُبَدَّأُ بِمَنْ شَرَّكَهُمْ مِنْ أَهْلِ الْفَرَائِضِ، فَيُعْطَوْنَ فَرَائِضَهُمْ، فَمَا بَقِيَ بَعْدَ ذَلِكَ لِلْجَدِّ وَالْإِخْوَةِ مِنْ شَيْءٍ، فَإِنَّهُ يُنْظَرُ أَيُّ ذَلِكَ أَفْضَلُ لِحَظِّ الْجَدِّ أُعْطِيَهُ، الثُّلُثُ مِمَّا بَقِيَ لَهُ وَلِلْإِخْوَةِ، أَوْ يَكُونُ بِمَنْزِلَةِ رَجُلٍ مِنَ الْإِخْوَةِ فِيمَا يَحْصُلُ لَهُ وَلَهُمْ، يُقَاسِمُهُمْ بِمِثْلِ حِصَّةِ أَحَدِهِمْ، أَوِ السُّدُسُ مِنْ رَأْسِ الْمَالِ كُلِّهِ، أَيُّ ذَلِكَ كَانَ أَفْضَلَ لِحَظِّ الْجَدِّ أُعْطِيَهُ الْجَدُّ، وَكَانَ مَا بَقِيَ بَعْدَ ذَلِكَ لِلْإِخْوَةِ لِلْأَبِ وَالْأُمِّ، لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ، إِلَّا فِي فَرِيضَةٍ وَاحِدَةٍ تَكُونُ قِسْمَتُهُمْ فِيهَا عَلَى غَيْرِ ذَلِكَ، وَتِلْكَ الْفَرِيضَةُ: امْرَأَةٌ تُوُفِّيَتْ، وَتَرَكَتْ زَوْجَهَا وَأُمَّهَا، وَأُخْتَهَا لِأُمِّهَا وَأَبِيهَا، وَجَدَّهَا، فَلِلزَّوْجِ النِّصْفُ،

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: دادا اور حقیقی بہن بھائی (ورثاء میں موجود ہوں اور ان) کے ساتھ کوئی اور شخص بھی اپنے مقرر حصے کے ساتھ ان کا شریک ہو تو اصحاب الفرائض میں سے جو (افراد) ان کے ساتھ شریک ہیں ان کے ساتھ آغاز کیا جائے گا۔ انھیں ان کے حصے دے دیے جائیں گے، پھر اس کے بعد جو چیز بھی باقی بچ جائے وہ دادے اور بھائیوں کے لیے ہوگی (اور وہ مشترکہ طور پر عصبہ بن جائیں گے)۔ پھر دیکھا جائے گا کہ (آگے آنے والی تین صورتوں میں سے) جو صورت دادے کے حصے کے لیے بہتر (وافر اور زیادہ مقدار میں وراثت دلانے والی) ہوگی تو دادے کو وہی دے دی جائے گی۔ (1) جو کچھ دادے اور بہن بھائیوں کے لیے باقی بچا ہے اس میں سے تیسرا حصہ یا (2) جو کچھ اسے اور ان کو ملا ہے اس میں وہ (دادا) بھائیوں میں سے ایک فرد کی طرح شمار ہو جائے اور ان کے ساتھ تقسیم کر کے ان میں سے ایک کے حصے کی مثل لے لے، یا (3) (میت کے) کل مال میں سے چھٹا حصہ (الغرض)

وَلِلأُمِّ الثُّلُثُ ، وَلِلْجَدِّ السُّدُسُ ، وَلِلأُخْتِ لِلأُمِّ وَالأَبِ النِّصْفُ ، ثُمَّ يُجْمَعُ سُدُسُ الْجَدِّ ، وَنِصْفُ الأُخْتِ ، فَيُقْسَمُ أَثْلاثاً ، لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الأُنْثَيَيْنِ ، فَيَكُونُ لِلْجَدِّ ثُلُثَاهُ ، وَلِلأُخْتِ ثُلُثُهُ .

ان میں سے جو حصہ بھی دادے کے حصے کے لیے زیادہ بہتر ہو، وہ دادے کو دے دیا جائے گا اور اس (دادے کے وافر حصے کو نکال لینے) کے بعد جو باقی بچے گا، وہ حقیقی بہن بھائیوں کے لیے (اس طرح تقسیم) ہوگا کہ مذکر کو دو مؤنثوں کے برابر ملے گا، سوائے ایک مسئلے کے جس میں ان کی تقسیم اس مذکورہ طریقے کے علاوہ ہوگی اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ ایک عورت فوت ہو جائے اور (اپنے ورثاء میں) اپنا خاوند، ماں، ایک حقیقی بہن اور دادا چھوڑ جائے، تو خاوند کے لیے نصف، ماں کے لیے ثلث (تہائی) دادے کے لیے سدس (چھٹا حصہ) اور حقیقی بہن کے لیے بھی نصف ہوگا۔ پھر دادے کا سدس اور بہن کا نصف جمع کیا جائے گا، پھر اس (مجموعے) کو تین برابر حصوں میں (اس طرح) بانٹا جائے گا کہ مذکر کے لیے دو مؤنثوں کے برابر ہو۔ چنانچہ اس مجموعے میں سے دادے کے لیے دو تہائی اور بہن کے لیے ایک تہائی ہوگا۔

فائدہ : ......قواعدِ میراث کی رو سے یہ مسئلہ چھ پر حل ہونا تھا، ترکے کے چھ حصے کر کے ورثاء میں بانٹنا تھے، لیکن اس میں ''عول'' کی صورت پیدا ہوگئی یعنی چھ میں سے سب کے حصے حاصل نہ ہو سکنے کی وجہ سے ہم کچھ حصے اور بنا دیں گے، چنانچہ برابر برابر نو حصے کیے جائیں گے۔ نو میں سے تین حصے خاوند کے، دو ماں کے، ایک دادے کا اور تین بہن کے ہوں گے۔ پھر دادے کا ایک اور بہن کے تین لے کر جمع کریں گے اور اس مجموعے میں سے دادے کو دو تہائی اور بہن کو ایک تہائی دیں گے۔ پھر چونکہ دادے اور بہن کے حصوں کا مجموعہ چار ہے جو برابر تین حصوں میں تقسیم نہیں ہوتا، اس لیے اس مسئلے کی تصحیح کے لیے 9 کو 3 سے ضرب دے کر 27 سے مسئلہ حل کریں گے اور سب کے حصوں کو تین سے ضرب دے دیں گے۔ چنانچہ ترکے کے برابر ستائیں حصوں میں سے خاوند کو 9، ماں کو 6 اور دادے کو 3 اور بہن کو 9 ملیں گے پھر دادے اور بہن کے حصے جمع کریں گے جو کہ 12 بنتے ہیں، ان میں سے دادے کو آٹھ اور بہن کو چار دے دیں گے...... یہ سب تفصیل امام مالک رحمہ اللہ کے مؤقف کے مطابق ہے۔ ہمارے نزدیک اس مسئلے میں نہ عول ہوگا اور نہ تصحیح کی ضرورت پڑے گی، کیونکہ بہن محروم ہوگی اور چھ سے مسئلہ حل ہوگا، خاوند کو تین اور ماں کو دو دے کر باقی ماندہ ایک حصہ دادے کو مل جائے گا۔ یہ مسئلہ ''اکدریہ'' کے نام سے مشہور ہے۔

قَالَ يَحْيَى: قَالَ مَالِكٌ : وَمِيرَاثُ الإِخْوَةِ لِلأَبِ مَعَ الْجَدِّ إِذَا لَمْ يَكُنْ مَعَهُمْ إِخْوَةٌ لأَبٍ وَأُمٍّ ، كَمِيرَاثِ الإِخْوَةِ لِلأَبِ وَالأُمِّ سَوَاءٌ ، ذَكَرُهُمْ كَذَكَرِهِمْ ، وَأُنْثَاهُمْ كَأُنْثَاهُمْ ، فَإِذَا

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: علاتی بہن بھائیوں کی دادے کے ساتھ وراثت، جب ان کے ساتھ حقیقی بہن بھائی نہ ہوں تو حقیقی بہن بھائیوں ہی کی طرف بالکل برابر برابر ہے۔ ان کا مذکر ان کے مذکر جیسا اور ان میں سے مؤنث ان کی

اجْتَمَعَ الإِخْوَةُ لِلأَبِ وَالأُمِّ، وَالإِخْوَةُ لِلأَبِ، فَإِنَّ الإِخْوَةَ لِلأَبِ وَالأُمِّ يُعَادُّونَ الْجَدَّ بِإِخْوَتِهِمْ لأَبِيهِمْ، فَيَمْنَعُونَهُ بِهِمْ كَثْرَةَ الْمِيرَاثِ بِعَدَدِهِمْ، وَلا يُعَادُّونَهُ بِالإِخْوَةِ لِلأُمِّ، لأَنَّهُ لَوْ لَمْ يَكُنْ مَعَ الْجَدِّ غَيْرُهُمْ، لَمْ يَرِثُوا مَعَهُ شَيْئاً، وَكَانَ الْمَالُ كُلُّهُ لِلْجَدِّ، فَمَا حَصَلَ لِلإِخْوَةِ مِنْ بَعْدِ حَظِّ الْجَدِّ، فَإِنَّهُ يَكُونُ لِلإِخْوَةِ مِنَ الأَبِ وَالأُمِّ، دُونَ الإِخْوَةِ لِلأَبِ، وَلا يَكُونُ لِلإِخْوَةِ لِلأَبِ مَعَهُمْ شَيْءٌ، إِلاَّ أَنْ يَكُونَ الإِخْوَةُ لِلأَبِ وَالأُمِّ امْرَأَةً وَاحِدَةً، فَإِنْ كَانَتِ امْرَأَةً وَاحِدَةً، فَإِنَّهَا تُعَادُّ الْجَدَّ بِإِخْوَتِهَا لأَبِيهَا مَا كَانُوا، فَمَا حَصَلَ لَهُمْ وَلَهَا مِنْ شَيْءٍ، كَانَ لَهَا دُونَهُمْ، مَا بَيْنَهَا وَبَيْنَ أَنْ تَسْتَكْمِلَ فَرِيضَتَهَا، وَفَرِيضَتُهَا النِّصْفُ مِنْ رَأْسِ الْمَالِ كُلِّهِ، فَإِنْ كَانَ فِيمَا يُحَازُ لَهَا، وَلإِخْوَتِهَا لأَبِيهَا فَضْلٌ عَنْ نِصْفِ رَأْسِ الْمَالِ كُلِّهِ، فَهُوَ لإِخْوَتِهَا لأَبِيهَا، لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الأُنْثَيَيْنِ، فَإِنْ لَمْ يَفْضُلْ شَيْءٌ، فَلا شَيْءَ لَهُمْ.

مؤنث کی طرح ہے۔ پھر جب (دادے کے ساتھ) حقیقی اور علاتی بہن بھائی جمع ہوجائیں تو بلاشبہ حقیقی بہن بھائی اپنے علاتی بہن بھائیوں کے ساتھ مل کر دادے کے خلاف اپنا عدد بڑھائیں گے اور ان کے ساتھ مل کر اپنی (زیادہ) تعداد کی وجہ سے (دادے کو) زیادہ حصہ وراثت (لینے) سے روک دیں گے (یعنی میت کے بہن بھائیوں کی تعداد شمار کرتے وقت علاتی بہن بھائی بھی گنتی میں شامل ہوں گے جس کے نتیجے میں بعض دوسرے ورثاء کی وراثت متاثر ہوگی لیکن وراثت تقسیم کرتے وقت حقیقی بھائیوں کی موجودگی میں علاتی محروم رہیں گے) اور وہ (حقیقی بہن بھائی اپنے) اخیافی بہن بھائیوں کے ساتھ دادے کے خلاف گنتی نہ بڑھائیں گے کیونکہ (دادے کی موجودگی میں جمہور کے ہاں اخیافی بہن بھائی بالکل محروم رہتے ہیں اور کالعدم شمار ہوتے ہیں، البتہ باقی دونوں قسم کے بہن بھائی وراثت پاتے ہیں۔ چنانچہ) اگر دادے کے ساتھ ان (اخیافی بہن بھائیوں) کے سوا کوئی نہ ہوتو وہ اس کی موجودگی میں کسی بھی چیز کے وارث نہیں بن سکتے اور مال سارے کا سارا دادے کے لیے ہوتا ہے۔ بہرحال (گنتی و تعداد شمار کر کے) دادے کا حصہ (جو بھی بنتا ہو، نکال لینے) کے بعد (میت کے) بہن بھائیوں کو جو کچھ بھی حاصل ہو تو وہ بلاشبہ (صرف اور صرف) حقیقی بہن بھائیوں کے لیے ہوگا، نہ کہ علاتی بہن بھائیوں کے لیے۔ علاتی بہن بھائیوں کو ان کی موجودگی میں کچھ نہیں ملتا، الاّ یہ کہ حقیقی بہن بھائیوں میں ایک عورت (بہن) کے سوا کوئی نہ ہو۔ چنانچہ اگر وہ مال جو اس (حقیقی بہن) اور اس کے علاتی بہن بھائیوں کے لیے (دوسرے ورثاء کے مقابلے میں) خاص کیا جائے گا، اس میں میت کے کل ترکے کے نصف سے زائد (مقدار) ہو تو (حقیقی بہن کو اس کا نصف حصہ دے کر) وہ اس کے علاتی بہن بھائیوں کے لیے اس طرح ہوگا کہ ہر مذکر کو دو مؤنثوں کے برابر ملے گا اور اگر کچھ زائد نہ بچے تو ان کے لیے کچھ بھی نہ ہوگا۔

8- بَابٌ :مِيرَاثُ الْجَدَّةِ

جَدّہ (دادی، نانی) کی وراثت کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں تین روایات ہیں، ایک مرفوع (حدیث نبوی ﷺ) ہے جو سنداً ضعیف ہے اور دو موقوف (آثار صحابہ رضی اللہ عنہم) ہیں جو کہ ضعیف ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے تین فتاویٰ جات بھی مذکور ہیں۔

فائدہ :...... "جَـدّہ" عربی زبان میں ہر قسم کی دادی، نانی، پڑدادی، پڑنانی وغیرہ سب پر بولا جاتا ہے۔علم وراثت میں وراثت کی حقدار جدہ کو جدہ صحیحہ کہتے ہیں اور اس سے مراد ہر وہ جدہ ہے کہ جس کی میت کے ساتھ قرابت میں جد فاسد کا واسطہ نہ ہو، اگر جد فاسد کا واسطہ ہو تو جدہ بھی فاسدہ ہی کہلائے گی ......حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک جدہ وارث ہی نہیں بنتی لیکن باقی تمام امت کا اجماع ہے کہ جدہ وارث بن سکتی ہے ......جدہ صحیحہ کی بہت ساری اقسام ہیں، مثلاً: باپ کی ماں (دادی) پھر باپ کی طرف سے دادے یا دادی کی مائیں (پڑدادیاں) اسی طرح ان میں سے ہر ایک کے باپ کی اور ماں کی مائیں، دوسری جانب ماں کی ماں (نانی)، پھر نانے یا نانی کی ماں (پڑنانی) اور اسی طرح آگے تک ......جس طرح باپ نہ ہو تو اس کا حصہ باپ کے باپ کو مل جاتا ہے۔اسی طرح ماں نہ ہو تو اس کا حصہ ماں کی ماں کو مل جاتا ہے، یہ بات تو متفقہ تھی۔ پھر اس بات میں اشکال پڑتا تھا کہ نانی کو اگر حصہ ملتا ہے تو کیا دادی کو بھی کچھ ملے گا یا نہیں؟ تو اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے کہ اسے بھی ملے گا......دادی یا نانی یا پھر ان سے اوپر والی دادیاں یا نانیاں صرف اس صورت میں وارث بنیں گی جب ان کے درمیان اور میت کے درمیان میں واسطہ زندہ نہ ہو۔ چنانچہ باپ موجود ہو تو دادی اور پردادیاں محروم رہیں گی اور اگر ماں زندہ ہو تو نانی اور پڑنانیاں محروم رہیں گی، ہاں ماں زندہ ہو تو دادی بھی اور پڑدادیاں بھی محروم رہیں گی۔ اگرچہ وہ سب میت کی دوسری جانب سے ہیں لیکن وہ محروم اس لیے ہوں گی کہ دادیوں اور نانیوں کی وراثت ثابت ہی ماں کے نہ ہونے سے ہوتی ہے اور ماں والا چھٹا حصہ ہی ان تک پہنچتا ہے، تو جب ماں خود اپنا حصہ لینے کے لیے موجود ہوگی تو اوپر والی سب مائیں محروم رہیں گی ......پھر یاد رہے کہ ماں کے حصے تو مختلف ہوتے ہیں، وہ کبھی چھٹا حصہ لیتی ہے اور کبھی تہائی مال، لیکن ماں کے نہ ہونے کی صورت میں دادیوں اور نانیوں کو صرف اور صرف چھٹا حصہ ہی ملتا ہے۔تمام زندہ دادیوں اور نانیوں کو دیکھا جائے گا، پھر ان میں سے جو میت کے زیادہ قریب ہوگی وہ چھٹا حصہ لے گی اور اگر ایک سے زیادہ ہوں تو اسی چھٹے حصے کو باہم تقسیم کریں گی بشرطیکہ وہ سب میت سے دوری میں ایک ہی درجے میں برابر ہوں یعنی ان کے اور میت کے درمیان میں ایک ایک واسطہ ہو یا دو دو ہوں یا اس سے زیادہ واسطے ہوں لیکن برابر ہوں۔

[1480] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ إِسْحَاقَ بْنِ خَرَشَةَ، عَنْ قَبِيصَةَ بْنِ ذُؤَيْبٍ، أَنَّهُ قَالَ: جَاءَتِ الْجَدَّةُ إِلَى أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ تَسْأَلُهُ مِيرَاثَهَا، فَقَالَ لَهَا أَبُو بَكْرٍ: مَا لَكِ فِي كِتَابِ اللَّهِ شَيْءٌ، وَمَا عَلِمْتُ لَكِ فِي سُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ شَيْئاً، فَارْجِعِي حَتَّى أَسْأَلَ النَّاسَ، فَسَأَلَ النَّاسَ، فَقَالَ الْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ: حَضَرْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَعْطَاهَا السُّدُسَ، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: هَلْ مَعَكَ غَيْرُكَ؟ فَقَامَ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ الْأَنْصَارِيُّ، فَقَالَ مِثْلَ مَا قَالَ الْمُغِيرَةُ، فَأَنْفَذَهُ لَهَا أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ، ثُمَّ جَاءَتِ الْجَدَّةُ الْأُخْرَى إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ تَسْأَلُهُ مِيرَاثَهَا، فَقَالَ لَهَا: مَا لَكِ فِي كِتَابِ اللَّهِ شَيْءٌ، وَمَا كَانَ الْقَضَاءُ الَّذِي قُضِيَ بِهِ إِلَّا لِغَيْرِكِ، وَمَا أَنَا بِزَائِدٍ فِي الْفَرَائِضِ شَيْئاً، وَلَكِنَّهُ ذَلِكَ السُّدُسُ، فَإِنِ اجْتَمَعْتُمَا فَهُوَ بَيْنَكُمَا، وَأَيَّتُكُمَا خَلَتْ بِهِ فَهُوَ لَهَا.

قبیصہ بن ذؤیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک جدہ (ماں کی ماں یعنی نانی) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئی، وہ ان سے اپنی وراثت مانگ رہی تھی (کہ اسے دلائی جائے) تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا: تیرے لیے اللہ کی کتاب میں تو کچھ (بھی مذکور اور مقرر) نہیں ہے اور نہ ہی مجھے اللہ کے رسول ﷺ کی سنت میں تیرے لیے (وراثت کی) کسی چیز کا حکم ہے۔ لہٰذا (فی الحال) واپس چلی جاؤ، یہاں تک کہ میں لوگوں سے (اس بارے میں) پوچھوں گا، (شاید کوئی حدیث مل جائے یا مشورے میں کسی دلیل کی رو سے تیرے لیے کچھ طے پا جائے)۔ چنانچہ انھوں نے (نماز ظہر کے بعد) لوگوں سے پوچھا تو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر تھا، (اس وقت ایک میت کی نانی آئی تو) آپ ﷺ نے اسے چھٹا حصہ (لے لینے کا حقدار قرار) دیا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (مزید تصدیق اور تسلی کے لیے) فرمانے لگے: کیا تمھارے ساتھ کوئی اور بھی (اس واقعے سے واقف) ہے؟ تو حضرت محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور انھوں نے بھی اسی طرح کہا جیسے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے کہا تھا، تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس (نانی) کے لیے اس (چھٹے حصے) کو نافذ (اور جاری) کر دیا، پھر (اس میت کے معاملے میں عہد فاروقی میں) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک دوسری جدہ (دادی) آئی، وہ بھی ان سے اپنی وراثت کا سوال کر رہی تھی تو انھوں نے اس سے فرمایا: تیرے لیے اللہ کی کتاب میں تو کچھ (بھی ثابت) نہیں ہے اور

[1480] (مرفوع ضعيف) سنن ابی داود، كتاب الفرائض، باب فی الجدة، حديث: 2894، جامع الترمذی، كتاب الفرائض، باب ماجاء فی ميراث الجدة، حديث: 2101، نسائی فی الكبریٰ: 6346، ابن ماجه: 2724، احمد: 4/ 225 (18143)، دارمی: 2939۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

وہ فیصلہ جو (سنتِ نبوی ﷺ میں) کیا گیا تھا، وہ بھی تیرے علاوہ کسی اور کے لیے (یعنی نانی کے لیے) کیا گیا تھا، اور نہ ہی میں وراثت کے مقرر حصوں میں (اپنی طرف سے) کچھ اضافہ کرنے والا ہوں، اور البتہ وہی چھٹا حصہ ہے۔ (جو جدہ کو ملتا ہے اور جدہ سے جس طرح نانی مراد ہے اسی طرح دادی پر بھی بولا جاتا ہے لہٰذا) پھر اگر تم دونوں اس (چھٹے حصے میں اکٹھی ہو جاؤ تو وہ تم دونوں کے درمیان (برابر برابر تقسیم) ہوگا، اور تم میں سے جو اس کے لیے اکیلی رہ جائے (یعنی صرف دادی زندہ ہو یا اکیلی نانی) تو وہ (سارا چھٹا حصہ) اسی کا ہوگا۔

[1481] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، أَنَّهُ قَالَ: أَتَتِ الْجَدَّتَانِ إِلَى أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ، فَأَرَادَ أَنْ يَجْعَلَ السُّدُسَ لِلَّتِي مِنْ قِبَلِ الْأُمِّ، فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ: أَمَا إِنَّكَ تَتْرُكُ الَّتِي لَوْ مَاتَتْ وَهُوَ حَيٌّ كَانَ إِيَّاهَا يَرِثُ، فَجَعَلَ أَبُو بَكْرٍ السُّدُسَ بَيْنَهُمَا.

قاسم بن محمد رحمہ اللہ (بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ دو جدہ (نانی اور دادی) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں، سو انھوں نے یہ ارادہ کیا کہ چھٹا حصہ صرف اس (جدہ) کے لیے متعین کر دیں جو ماں کی طرف سے ہے (یعنی صرف ماں کی ماں (نانی) کو حقدار ٹھہرائیں اور دادی کو محروم کر دیں) تو انصار میں سے ایک شخص (حضرت عبدالرحمن بن سہل رضی اللہ عنہ جو بنو حارثہ میں سے تھے) کہنے لگے کہ (اے امیر المؤمنین) آگاہ رہیے، بے شک آپ اس (عورت یعنی دادی) کو چھوڑ رہے ہیں کہ اگر یہ مرجاتی اور وہ (مرنے والا یعنی اس کا پوتا) زندہ ہوتا تو وہ اس کا وارث بن جاتا، تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے چھٹا حصہ دونوں کے درمیان (مشترکہ) کر دیا۔

فائدہ: ...... مرنے والا اپنی نانی کا نواسہ اور دادی کا پوتا ہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نانی کو نواسے کی وراثت دے رہے تھے لیکن دادی کو نہ دے رہے تھے۔ ان کے سامنے یہ بات ذکر کی گئی کہ مرنے والے کا وراثت کے لحاظ سے زیادہ تعلق جس قدر دادی سے ہے اس قدر نانی سے نہیں ہوتا۔ چنانچہ یہ تعلق مذکورہ بالا مسئلے کی متضاد صورت سے بھی واضح کیا جاتا ہے، اس طرح کہ اگر وہ مرنے والا زندہ ہوتا اور یہ نانی اور دادی فوت ہو جائیں تو وہ اپنی نانی کا نواسہ ہونے کی وجہ سے اس کی وراثت میں سے ذرہ بھر بھی لے سکتا تھا خواہ وہ دنیا جہان کے خزانے چھوڑ جاتی اور وہ اپنی دادی کا پوتا ہونے کی وجہ سے ضرور اس کا وارث بنتا، تو اب مناسب نہ تھا کہ نانی تو نواسے کی وارث بنے حالانکہ نواسہ اس کا وارث بالکل نہیں بنتا اور دادی اپنے پوتے کی وارث نہ بنے حالانکہ پوتا اس کا وارث بنتا ہے۔

[1481] (موقوف ضعیف) بیہقی: 6/ 235 (12342)، عبدالرزاق: 10/ 275 (19084)، دارقطنی: 4/ 90، سعید بن منصور: 81، 82، ابن ابی شیبہ: 31283۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔

[1482] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ رَبِّهِ بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّ أَبَا بَكْرِ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ، كَانَ لَا يَفْرِضُ إِلَّا لِلْجَدَّتَيْنِ .

عبدربہ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام رحمہ اللہ (جو کہ فقہائے سبعہ میں سے تھے) دو جدہ (دادی، نانی) کے سوا کسی اور (جدہ) کو وراثت نہ دیتے تھے۔

فائدہ :......امام مالک رحمہ اللہ کا بھی یہی مؤقف ہے جیسا کہ وہ آگے تفصیل سے ذکر کریں گے، جبکہ حضرت علی، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم اور جمہور امت کے نزدیک اگر ایک ہی درجے میں دو یا زیادہ جدات یعنی دادیاں نانیاں آجائیں تو وارث بن سکتی ہیں، مثلاً: میت سے دو واسطوں کے فاصلے پر مندرجہ ذیل عورتیں موجود ہوں: دادے کی ماں، دادی کی ماں اور نانی کی ماں تو جمہور کے ہاں یہ تینوں وارث بنیں گی، اگر ان کے ساتھ نانے کی ماں بھی موجود ہو تو وہ وارث بن ہی نہیں سکتی کیونکہ نانا خود بھی وارث نہیں ہے اور جد فاسد کہلاتا ہے، تو اس کے واسطے سے اس کے اوپر والی جتنی عورتیں بھی میت کی رشتہ دار بنیں، مثلاً: نانے کی ماں، نانے کی نانی یا دادی وغیرہ تو یہ سب جدہ فاسدہ کہلاتی ہیں اور وراثت سے محروم رہتی ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ : الأَمْرُ الْمُجْتَمَعُ عَلَيْهِ عِنْدَنَا، الَّذِي لَا اخْتِلَافَ فِيهِ، وَالَّذِي أَدْرَكْتُ عَلَيْهِ أَهْلَ الْعِلْمِ بِبَلَدِنَا، أَنَّ الْجَدَّةَ أُمَّ الأُمِّ، لَا تَرِثُ مَعَ الأُمِّ دِنْيَا شَيْئاً، وَهِيَ فِيمَا سِوَى ذَلِكَ، يُفْرَضُ لَهَا السُّدُسُ فَرِيضَةً، وَأَنَّ الْجَدَّةَ أُمَّ الأَبِ، لَا تَرِثُ مَعَ الأُمِّ، وَلَا مَعَ الأَبِ شَيْئاً، وَهِيَ فِيمَا سِوَى ذَلِكَ، يُفْرَضُ لَهَا السُّدُسُ فَرِيضَةً، فَإِذَا اجْتَمَعَتِ الْجَدَّتَانِ، أُمُّ الأَبِ، وَأُمُّ الأُمِّ، وَلَيْسَ لِلْمُتَوَفَّى دُونَهُمَا أَبٌ وَلَا أُمٌّ . قَالَ مَالِكٌ : فَإِنِّي سَمِعْتُ أَنَّ أُمَّ الأُمِّ، إِنْ كَانَتْ أَقْعَدَهُمَا، كَانَ لَهَا السُّدُسُ، دُونَ أُمِّ الأَبِ، وَإِنْ كَانَتْ أُمُّ الأَبِ أَقْعَدَهُمَا، أَوْ كَانَتَا فِي

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں وہ حکم جو متفقہ ہے، جس میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور جس پر میں نے اپنے شہر میں اہل علم کو پایا، یہ ہے کہ بے شک وہ جدہ جو ماں کی ماں ہے یعنی نانی (میت کی جانب اپنے سے) قریب والی ماں کی موجودگی میں کسی چیز کی وارث نہیں بن سکتی اور اس (ایک صورت) کے سوا (ہر صورت) میں اسے فرضی ومقرر حصہ کے طور پر چھٹا حصہ دیا جائے گا۔ (یعنی نانی صرف ماں کی موجودگی میں محروم ہوتی ہے) اور بے شک وہ جدہ جو باپ کی ماں ہے یعنی دادی نہ تو ماں کی موجودگی میں کسی چیز کی وارث بنتی ہے اور نہ باپ کی موجودگی میں، اور اس کے علاوہ (ہر صورت) میں اسے فرض حصے کے طور پر سدس (چھٹا حصہ) دیا جاتا ہے (یعنی نانی صرف ماں کی موجودگی میں محروم ہوتی ہے جبکہ دادی، میت کی ماں اور باپ دونوں

[1482] (موقوف ضعیف) بیہقی: 6/ 235 (12345)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔

الْقُعْدَدِ مِنَ الْمُتَوَفَّى بِمَنْزِلَةٍ سَوَاءً ، فَإِنَّ السُّدُسَ بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ . کی موجودگی کی صورت میں محروم رہتی ہے، کیونکہ نانی کے لیے میت کے ساتھ رشتہ داری کا واسطہ اور ذریعہ میت کی ماں ہے جبکہ دادی کے لیے یہ واسطہ باپ بنتا ہے اور یہ وراثت کا اصول ہے کہ ''کسی واسطے کی وجہ سے وارث بننے والا اس واسطے کی موجودگی میں محروم ہوتا ہے۔'' (نیز دادی و نانی کو دراصل ماں والا چھٹا حصہ ہی ملتا ہے، تو جب ماں خود زندہ موجود ہو اور اپنا حصہ حاصل کرلے تو دادی و نانی کو دینے کے لیے کچھ نہ بچے گا۔) پھر جب یہ دونوں جدّہ میں کوئی دادی (پڑدادی) اور نانی (پڑنانی) جمع ہو جائیں اور ان کے آگے میت کا باپ اور اس کی ماں (زندہ) موجود نہ ہوں، تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: بلاشبہ میں نے یہ سنا ہے کہ بے شک اگر ان دونوں میں سے نانی کا درجہ میت کے زیادہ قریب ہو تو وہ چھٹا حصہ صرف اسی کا ہوگا اور (وہ درجے میں دور والی) دادی (یعنی پڑدادی) کو نہ ملے گا اور اگر ان دونوں میں سے دادی کا درجہ زیادہ قریب ہو (ایک دادی ہو اور ایک پڑنانی اس کے ساتھ ہو) یا میت کے قریب ہونے میں دونوں برابر مرتبے کی ہوں (مثلاً دادی اور نانی یا پڑدادی اور پڑنانی) تو بلاشبہ وہ چھٹا حصہ ان دونوں کے درمیان میں نصف نصف ہوگا۔

فائدہ :......یعنی اگر دادی کا درجہ نانی سے دور ہوا تو وہ حقدار نہ ہوگی لیکن اگر نانی کا درجہ دادی سے زیادہ دور ہو تو وہ پھر بھی وارث بنے گی کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے صرف نانی کو وارث بنایا تھا۔

قَالَ مَالِكٌ : وَلَا مِيرَاثَ لِأَحَدٍ مِنَ الْجَدَّاتِ ، إِلَّا الْجَدَّتَيْنِ ، لِأَنَّهُ بَلَغَنِي : أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ وَرَّثَ الْجَدَّةَ ، ثُمَّ سَأَلَ أَبُو بَكْرٍ عَنْ ذٰلِكَ ، حَتّٰى أَتَاهُ الثَّبَتُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ أَنَّهُ وَرَّثَ الْجَدَّةَ ، فَأَنْفَذَهُ لَهَا ، ثُمَّ أَتَتِ الْجَدَّةُ الْأُخْرٰى إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ ، فَقَالَ لَهَا : مَا أَنَا بِزَائِدٍ فِي الْفَرَائِضِ شَيْئًا ، فَإِنِ اجْتَمَعْتُمَا فَهُوَ بَيْنَكُمَا ، وَأَيَّتُكُمَا خَلَتْ بِهِ فَهُوَ لَهَا .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: دادیوں نانیوں میں سے دو کے سوا کسی کے لیے کوئی وراثت نہیں ہے، کیونکہ بلاشبہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ یقیناً رسول اللہ ﷺ نے ایک جدّہ (نانی) کو وارث بنایا، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کے متعلق سوال کیا (اور تحقیق کی) یہاں تک کہ ان کے پاس رسول اللہ ﷺ سے یہ ثبوت آگیا کہ یقیناً آپ ﷺ نے نانی کو وارث بنایا تھا، تو انھوں نے بھی اس کے لیے اسی (وراثت) کو نافذ کردیا، پھر دوسری جدّہ (دادی) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آئی تو انھوں نے فرمایا: میں وراثت کے حصوں میں (اپنی طرف سے) کچھ اضافہ کرنے والا نہیں ہوں، لہٰذا اگر تم دونوں اس (چھٹے حصے) میں جمع ہو جاؤ تو تم دونوں کے درمیان (آدھا آدھا تقسیم) ہوگا اور تم میں سے جو اس کے لیے اکیلی رہ جائے تو وہ اسی کا ہوگا۔

قَالَ مَالِكٌ : ثُمَّ لَمْ نَعْلَمْ أَحَدًا وَرَّثَ غَيْرَ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: پھر ہم نے کسی ایسے شخص کو نہیں

جَدَّتَيْنِ ، مُنْذُ كَانَ الْإِسْلَامُ إِلَى الْيَوْمِ .

جانا جس نے اسلام کے آغاز سے لے کر آج تک ان دونوں جدّات (کے ساتھ ان) کے علاوہ (کسی اور جدّہ) کو بھی وارث بنایا ہو۔

فائدہ :...... حالانکہ خود امام صاحب گزشتہ سے پیوستہ فتویٰ میں درجہ بندی کی بحث میں پڑنانی کے لیے وراثت ثابت کر آئے ہیں۔ بہرحال یہ امام مالک رحمہ اللہ اپنے علم کے اعتبار سے نفی کر رہے ہیں کہ انھیں اس کے متعلق کوئی خبر نہیں مل سکی ورنہ دوسرے علماء تک یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت علی، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم ایک ہی درجے والی دو سے زیادہ جدّات کو وارث بنایا کرتے تھے۔

9- بَابُ :مِيرَاثُ الْكَلَالَةِ

کلالہ کی وراثت کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں ایک مرفوع روایت یعنی حدیث نبوی ﷺ ہے جو کہ مسلم شریف میں بھی موجود ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاویٰ بھی مذکور ہیں۔

فائدہ :...... ''کلالہ'' سے مراد وہ میت ہے کہ (مَنْ لَا اَصْلَ لَهُ وَلَا فَرْعَ) ''جس کی نہ کوئی اصل ہو اور نہ فرع یعنی نہ باپ، دادا، پڑدادا ہو اور نہ بیٹا، پوتا، پڑپوتا وغیرہ۔ جمہور علماء وفقہاء اور محدثین کا یہی قول ہے۔ بعض نے صرف اولاد کو کلالہ کہا ہے بعض کے نزدیک ''کلالہ'' سے مراد ایسا وارث ہے جو نہ والد ہو نہ اولاد۔ لیکن پہلا قول ہی درست ہے۔

[1483] حَـدَّثَـنِـي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ زَيْدِ بْـنِ أَسْـلَـمَ : أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ سَأَلَ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَنِ الْكَلَالَةِ ؟ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ :يَـكْفِيكَ مِنْ ذَلِكَ الآيَةُ الَّتِي أُنْزِلَتْ فِي الصَّيْفِ ، فِي آخِرِ سُورَةِ النِّسَاءِ .

زید بن اسلم رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بیشک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے کلالہ کے متعلق پوچھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تمھیں اس بارے میں وہی آیت کافی ہے جو موسم گرما میں نازل کی گئی تھی یعنی سورۂ نساء کی آخری آیت۔

فائدہ :......قرآن مجید کی دو آیات میں ''کلالہ'' کا تذکرہ ہے، ایک سورۂ نساء کے آغاز میں (آیت: 12 میں) اور دوسری آیت اس سورت کی آخری آیت (176) ہے۔ پہلی آیت میں میت کے اخیافی بہن بھائیوں کا ذکر ہے جبکہ آخری آیت میں حقیقی و علاتی بہن بھائیوں کا تذکرہ ہے۔ واحدی رحمہ اللہ کہتے ہیں: پہلی آیت موسم سرما میں اور

[1483] (مرفوع صحيح) صحيح مسلم، كتاب الفرائض، باب ميراث الكلالة، حديث: 1617، سنن ابن ماجه، كتاب الفرائض، باب الكلالة، حديث:2726، نسائي في الكبرى:11135، احمد:1/ 26(179).

دوسری آیت موسم گرما میں نازل ہوئی۔

قَالَ مَالِكٌ : الْأَمْرُ الْمُجْتَمَعُ عَلَيْهِ عِنْدَنَا ، الَّذِي لَا اخْتِلَافَ فِيهِ ، وَالَّذِي أَدْرَكْتُ عَلَيْهِ أَهْلَ الْعِلْمِ بِبَلَدِنَا : أَنَّ الْكَلَالَةَ عَلَى وَجْهَيْنِ ، فَأَمَّا الْآيَةُ الَّتِي أُنْزِلَتْ فِي أَوَّلِ سُورَةِ النِّسَاءِ ، الَّتِي قَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى فِيهَا : ﴿وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ﴾ [النساء : 12].

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ حکم جس پر ہمارے ہاں اجماع ہے، جس میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور جس پر میں نے اپنے شہر کے علماء کو پایا ہے، یہ ہے کہ بے شک کلالہ کی دو صورتیں ہیں: رہی وہ آیت جو سورۂ نساء کے آغاز میں نازل کی گئی تھی جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَ اِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّ لَهٗۤ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ فَاِنْ كَانُوْۤا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ﴾ (النساء 12) ''اور اگر وہ آدمی جس کا ورثہ تقسیم کیا جارہا ہو، اس کا نہ کوئی بیٹا ہو نہ باپ یا ایسی ہی عورت ہو اور اس کا ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو ان میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے، پھر اگر ان کی تعداد اس سے زیادہ ہو تو وہ سب ایک تہائی حصے میں شریک ہوں گے۔''

قَالَ مَالِكٌ : فَهَذِهِ الْكَلَالَةُ الَّتِي لَا يَرِثُ فِيهَا الْإِخْوَةُ لِلْأُمِّ حَتَّى لَا يَكُونَ وَلَدٌ وَلَا وَالِدٌ ، وَأَمَّا الْآيَةُ الَّتِي فِي آخِرِ سُورَةِ النِّسَاءِ ، الَّتِي قَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى فِيهَا : ﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَا إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا وَلَدٌ فَإِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ وَإِنْ كَانُوا إِخْوَةً رِجَالًا وَنِسَاءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ أَنْ تَضِلُّوا وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ [النساء : 176].

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ تو (اس آیت میں بیان کردہ) کلالہ وہ ہے جس میں اخیافی بہن بھائی وارث نہیں بن سکتے یہاں تک کہ (ورثاء میں میت کی) نہ اولاد ہو اور نہ والد، اور رہی وہ آیت جو سورۂ نساء کے اخیر میں ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّ لَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَاۤ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ وَ اِنْ كَانُوْۤا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّ نِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ (النساء : 176) ''(اے نبی ﷺ!) لوگ آپ سے فتویٰ پوچھتے ہیں، کہہ دیجیے کہ اللہ تمھیں ''کلالہ'' کے بارے میں حکم دیتا ہے، اگر کوئی شخص مرجائے جس کی اولاد نہ ہو اور اس کی ایک بہن ہو تو اس کے لیے بھائی کے چھوڑے ہوئے مال کا آدھا حصہ ہے، اور اگر بہن کی اولاد نہ ہو تو اس

کا بھائی اس کا وارث ہوگا، پھر اگر بہنیں دو (یا دو سے زیادہ) ہوں تو ان کے لیے بھائی کے چھوڑے ہوئے مال کا دو تہائی ہے اور اگر کئی بہن بھائی، مرد اور عورتیں (وارث) ہوں تو مذکر کا حصہ دو مؤنث کے برابر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ تمھارے لیے وضاحت سے بیان کرتا ہے تاکہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : فَهَـذِهِ الْكَلَالَةُ الَّتِي يَكُونُ فِيهَا الإِخْوَةُ عَصَبَةً ، إِذَا لَمْ يَكُنْ وَلَدٌ فَيَرِثُونَ مَعَ الْجَدِّ فِي الْكَلَالَةِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ وہ کلالہ ہے جس میں بہن بھائی عصبہ بنتے ہیں، جب اولاد نہ ہو تو وہ دادا کے ساتھ کلالہ کے وارث بنتے ہیں۔

فائدہ: ...... جمہور کا یہ موقف نہیں ہے، ان کے ہاں ''کلالہ'' کہتے ہی اس میت کو ہیں جس کا نہ باپ، دادا اور پڑدادا وغیرہ ہو اور نہ بیٹا، پوتا اور پڑپوتا وغیرہ یعنی نہ اوپر کی جانب کوئی مذکر ہو اور نہ نیچے کی جانب۔

قَالَ مَالِكٌ: فَالْجَدُّ يَرِثُ مَعَ الإِخْوَةِ ، لِأَنَّهُ أَوْلَى بِالْمِيرَاثِ مِنْهُمْ ، وَذَلِكَ أَنَّهُ يَرِثُ مَعَ ذُكُورِ وَلَدِ الْمُتَوَفَّى السُّدُسَ ، وَالإِخْوَةُ لَا يَرِثُونَ مَعَ ذُكُورِ وَلَدِ الْمُتَوَفَّى شَيْئاً ، وَكَيْفَ لَا يَكُونُ كَأَحَدِهِمْ ، وَهُوَ يَأْخُذُ السُّدُسَ مَعَ وَلَدِ الْمُتَوَفَّى . فَكَيْفَ لَا يَأْخُذُ الثُّلُثَ مَعَ الإِخْوَةِ ، وَبَنُو الأُمِّ يَأْخُذُونَ مَعَهُمُ الثُّلُثَ ، فَالْجَدُّ هُوَ الَّذِي حَجَبَ الإِخْوَةَ لِلأُمِّ ، وَمَنَعَهُمْ مَكَانُهُ الْمِيرَاثَ ، فَهُوَ أَوْلَى بِالَّذِي كَانَ لَهُمْ ، لِأَنَّهُمْ سَقَطُوا مِنْ أَجْلِهِ ، وَلَوْ أَنَّ الْجَدَّ لَمْ يَأْخُذْ ذَلِكَ الثُّلُثَ ، أَخَذَهُ بَنُو الأُمِّ ، فَإِنَّمَا أَخَذَ مَا لَمْ يَكُنْ يَرْجِعُ إِلَى الإِخْوَةِ لِلأَبِ ، وَكَانَ الإِخْوَةُ لِلأُمِّ هُمْ أَوْلَى بِذَلِكَ الثُّلُثِ ، مِنَ الإِخْوَةِ لِلأَبِ ، وَكَانَ الْجَدُّ هُوَ أَوْلَى بِذَلِكَ مِنَ الإِخْوَةِ لِلأُمِّ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: لہٰذا دادا بھائیوں کے ساتھ وارث بنتا ہے کیونکہ بلاشبہ وہ ان کی نسبت وراثت کا زیادہ حقدار ہے اور یہ (اس کا زیادہ مستحق ہونا) اس وجہ سے ہے کہ وہ (دادا) میت کی مذکر اولاد کی موجودگی میں بھی چھٹے حصے کا وارث بنتا ہے اور بہن بھائی میت کی مذکر اولاد کے ساتھ کسی چیز کے وارث نہیں بن پاتے اور بھلا وہ کس طرح بھائیوں کی طرح نہیں ہوسکتا حالانکہ وہ تو فوت شدہ کی اولاد کے ساتھ بھی چھٹا حصہ لیتا ہے (اور بہن بھائی اس وقت محروم رہتے ہیں بلکہ دادا تو بہن بھائیوں سے اعلیٰ درجے والا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کی یہ بات ان افراد کے خلاف ہے جو دادے کو بھائیوں کی موجودگی میں وارث نہیں بناتے یا دادے کو بھائیوں سے کم حصہ دیتے ہیں، جبکہ جمہور کے ہاں اس بحث کی ضرورت ہی نہیں ہے کیونکہ ان کا تو سیدھا سادھا موقف ہے کہ دادا باپ ہی کی طرح ہے اور اس کی طرح ہر قسم کے بھائی کو محروم کر دیتا ہے اور خود عصبہ بن کر باقی ماندہ سارے مال کا حق دار ٹھہرتا ہے، آگے امام مالک اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے فرماتے ہیں:) پھر وہ (حقیقی وعلاتی) بہن بھائیوں کی موجودگی میں ثلث (تہائی مال) کیوں نہیں لے سکتا، حالانکہ اخیافی بہن بھائی بھی ان (حقیقی و

علاتی بہن بھائیوں) کے ساتھ ثلث لے سکتے ہیں (اور دادے کا درجہ تو اخیافی بہن بھائیوں سے بھی اعلیٰ ہے) چنانچہ دادا تو اخیافی بہن بھائیوں کے لیے حاجب (رکاوٹ اور آڑ) بن جاتا ہے اور اس کا (ورثاء میں موجود ہونا) ان (اخیافی بہن بھائیوں) کو وراثت سے روک دیتا ہے۔ لہٰذا وہ (دادا) اس چیز (یعنی ثلث) کا زیادہ حق دار ہے، جو ان (اخیافیوں) کے لیے ہوتی ہے، کیونکہ وہ تو اس کی وجہ سے ساقط ہو جاتے ہیں، اور اگر بلاشبہ دادا یہ ثلث (ترکے کا تہائی حصہ) نہ لے تو اسے اخیافی بہن بھائی لے لیں گے (حقیقی و علاتی اسے پھر بھی نہ لے سکیں گے جس وقت کہ اخیافی موجود ہوں اور اخیافی اسے نہ لے سکیں جس وقت کہ دادا موجود ہو) تو بلاشبہ دادے نے وہی چیز لی ہے جو (حقیقی و) علاتی بھائیوں کی طرف سے نہیں لوٹ سکتی تھی اور (اب فیصلہ کن بات یہی ہے کہ) اخیافی بہن بھائی اسی ثلث (تہائی مال) کے زیادہ حقدار ہیں (حقیقی و) علاتی بہن بھائیوں سے اور دادا اس کا زیادہ حقدار ہے اخیافی بہن بھائیوں سے۔

10- بَابُ مَا جَاءَ فِي الْعَمَّةِ

پھوپھی کی وراثت کا بیان

خلاصة الباب اس باب میں دو موقوف روایات (آثار صحابہ رضی اللہ عنہم) ہیں اور دونوں ہی سنداً ضعیف ہیں۔

فائدہ:...... پھوپھی مرنے والے کے باپ کی بہن ہوتی ہے اور میت اگر مذکر ہے تو وہ اس پھوپھی کا بھتیجا ہوگی، چنانچہ اگر بھتیجا فوت ہو تو وہ کچھ بھی وراثت نہ لے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے نہ اصحاب الفرائض (جن کے حصے قرآن و حدیث میں مقرر ہیں) میں شامل فرمایا ہے اور نہ ہی یہ حدیث کی رو سے عصبات (جو اصحاب الفرائض سے بچا ہوا مال لیتے ہیں) میں داخل ہے کیونکہ یہ مؤنث ہے اور عصبہ مذکر ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ ذوالارحام میں سے ہے، جن کو بھی وراثت ملتی ہے جب نہ اصحاب الفرائض ہوں اور نہ عصبات۔ ہاں اگر پھوپھی فوت ہو تو بھتیجا عصبہ کے طور پر اس کا وارث بن سکتا ہے۔

[1484] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ حَنْظَلَةَ الزُّرَقِيِّ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ، عَنْ مَوْلًى لِقُرَيْشٍ كَانَ قَدِيماً يُقَالُ لَهُ ابْنُ مِرْسَى، أَنَّهُ قَالَ: كُنْتُ جَالِساً عِنْدَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ. فَلَمَّا صَلَّى الظُّهْرَ

قریش کے ایک مولیٰ (یعنی آزاد کردہ غلام یا حلیف) سے روایت ہے جو کہ قدیم (عمر رسیدہ اور بزرگ) تھا اسے ابن مرسیٰ کہا جاتا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، جب انھوں نے ظہر کی نماز پڑھی تو (اپنے غلام سے) کہا: اے یرفا! وہ کتاب (تحریر) تو لے آؤ، (انھوں نے) اس تحریر کے متعلق فرمایا جو انھوں نے

[1484] (موقوف ضعيف) بيهقي في السنن الكبرى: 6/ 213 (12206)، وفي معرفة السنن والآثار: 5/ 83 (3899)، وفي الخلافيات: 2/ 9۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔

قَالَ: يَا يَرْفَأُ هَلُمَّ ذَلِكَ الْكِتَابَ - لِكِتَابٍ كَتَبَهُ فِي شَأْنِ الْعَمَّةِ - فَنَسْأَلَ عَنْهَا وَنَسْتَخْبِرَ فِيهَا، فَأَتَاهُ بِهِ يَرْفَأُ، فَدَعَا بِتَوْرٍ أَوْ قَدَحٍ فِيهِ مَاءٌ، فَمَحَا ذَلِكَ الْكِتَابَ فِيهِ، ثُمَّ قَالَ: لَوْ رَضِيَكِ اللَّهُ أَقَرَّكِ، لَوْ رَضِيَكِ اللَّهُ أَقَرَّكِ.

پھوپھی کے متعلق لکھ رکھی تھی (یہ قیاس کر کے کہ جب بھتیجا پھوپھی کی وراثت پاسکتا ہے تو پھوپھی بھی بھتیجے کی وارث بنے گی) وہ اس کے متعلق (لوگوں سے) پوچھنا چاہتے تھے اور اس کے متعلق مشورہ کرنا چاہتے تھے۔ یرفا اسے لے آیا تو انھوں نے پتھر (یا پیتل) کا ایک برتن یا (لکڑی وغیرہ کا) پیالہ منگوایا جس میں کچھ پانی تھا، پھر اس (پانی) میں اس تحریر کو مٹا ڈالا، پھر (ذہن میں پھوپھی کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا: اگر اللہ تیرے وارث ہونے پر راضی ہوتا تو تجھے بھی (قرآن میں) ثابت فرما دیتا، اگر اللہ کو تیرا (وارث بننا) منظور ہوتا تو (اپنی کتاب میں) تیرا اقرار (اور اظہار) فرما دیتا۔

[1485] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ حَزْمٍ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَاهُ كَثِيراً يَقُولُ: كَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَقُولُ: عَجَباً لِلْعَمَّةِ تُورَثُ وَلَا تَرِثُ.

محمد بن ابی بکر بن حزم رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے اپنے والد (ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم رحمہ اللہ) کو بہت دفعہ یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: تعجب ہے پھوپھی پر کہ اس کا وارث تو بنا جاتا ہے، (بھتیجا اس کی وراثت پاسکتا ہے) اور (لیکن بھتیجے کی) وہ وارث نہیں بنتی۔

11- بَابٌ: مِيرَاثُ وِلَايَةِ الْعَصَبَةِ

عصبہ کی رشتہ داری کی (بنا پر) وراثت کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کے تین فتاویٰ جات مذکور ہیں۔

فائدہ: ......جن ورثاء کے حصے قرآن وسنت میں مقرر ہیں انھیں اصحاب الفرائض کہتے ہیں اور وہ ورثاء جو اصحاب الفرائض کی موجودگی میں ان کا باقی ماندہ اور ان کی عدم موجودگی میں سارا مال لیتے ہیں انھیں عصبہ کہتے ہیں جس کی جمع عصبات ہے۔ عصبہ کا لفظ خود بھی واحد، تثنیہ اور جمع سب کے لیے استعمال ہوتا رہتا ہے۔ یہ عصبات بھی مختلف اقسام پر مشتمل ہیں اور ان کی چار اہم قسمیں ہیں جن میں سے تین کا تعلق نسب سے ہے: (1) عصبہ بالنفس (بذات خود عصبہ بننے والے)، (2) عصبہ بالغیر (وہ بہن جو بھائی کے ساتھ مل کر عصبہ بنے) اور (3) عصبہ مع الغیر (وہ حقیقی یا علاتی بہن جو بیٹی یا پوتی سے بچا ہوا مال لے)۔ چوتھی قسم عصبہ سببی کی ہے یعنی جو آزادی کے سبب سے عصبہ بنتا ہے اور اپنے

[1485] (موقوف ضعيف) بيهقي في السنن الكبرى: 6/ 213(12207)، وفي معرفة السنن والآثار: 5/ 84 (3900)، وفي الخلافيات: 2/ 3۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔

آزاد کیے ہوئے غلام کی وراثت پاتا ہے۔ اس باب میں عصبہ بالنفس (عصبہ بنفسہ) کی بحث ہے جو کہ صرف مذکر افراد ہوا کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ باقی تمام قسم کے عصبات میں یا تو صرف عورتیں ہی ہوتی ہیں یا مرد و عورت شامل ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ (عصبہ بنفسہ) سے مراد وہ مذکر رشتہ دار ہے کہ اس کے اور میت کے درمیان میں کسی عورت کا واسطہ نہ ہو، اس کی چار شاخیں ہیں اور بالترتیب وارث بنتی ہیں: (1) "بُـنُـوَّة" یعنی بیٹا، وہ نہ ہو تو پوتا، وہ نہ ہو تو پڑپوتا اور اسی طرح نیچے تک۔ (2) "اُبُوَّة" یعنی باپ، وہ نہ ہو تو دادا، پھر پڑدادا اور اسی طرح اوپر تک ...... یاد رہے کہ باپ دادا اصحاب الفرائض میں بھی شامل ہیں اور اگر میت کا بیٹا، پوتا وغیرہ نہ ہو تو پھر عصبہ بننے میں انھی کا درجہ ہے۔ یہ مسئلہ چونکہ واضح تھا اس لیے امام مالک رحمہ اللہ نے ان کی وضاحت نہیں فرمائی، بلکہ آگے آنے والی دونوں قسموں پر تفصیل اور مثالوں سے روشنی ڈالی ہے۔ (3) "اُخُـوَّة" یعنی حقیقی (سگا) بھائی، وہ نہ ہو تو علاتی بھائی، وہ نہ ہو تو حقیقی بھائی کا بیٹا، وہ نہ ہو تو علاتی بھائی کا بیٹا، اسی طرح پوتا وغیرہ نیچے تک۔ (۴) "عُـمُـومَة" یعنی میت کا حقیقی چچا یعنی باپ کا سگا بھائی، وہ نہ ہو تو علاتی چچا یعنی باپ کا پدری بھائی، وہ نہ ہو تو حقیقی چچا کا بیٹا، وہ نہ ہو تو علاتی چچا کا بیٹا، اسی ترتیب سے ان کے پوتے نیچے تک، اور اگر میت کے اپنے چچے یا ان کے بیٹے پوتے نہ ہوں تو میت کے باپ کے چچے (دادے کے بھائی) اسی ترتیب سے عصبہ بنیں گے...... اہل حدیث اور جمہور کا مؤقف یہی ہے کہ مذکورہ بالا ترتیب کے ساتھ ہی عصبہ بنا جاتا ہے۔

قَالَ يَحْيَى: قَالَ مَالِكٌ: الْأَمْرُ الْمُجْتَمَعُ عَلَيْهِ عِنْدَنَا، الَّذِي لَا اخْتِلَافَ فِيهِ، وَالَّذِي أَدْرَكْتُ عَلَيْهِ أَهْلَ الْعِلْمِ بِبَلَدِنَا، فِي وِلَايَةِ الْعَصَبَةِ: أَنَّ الْأَخَ لِلْأَبِ وَالْأُمِّ، أَوْلَى بِالْمِيرَاثِ مِنَ الْأَخِ لِلْأَبِ، وَالْأَخُ لِلْأَبِ، أَوْلَى بِالْمِيرَاثِ مِنْ بَنِي الْأَخِ لِلْأَبِ وَالْأُمِّ، وَبَنُو الْأَخِ لِلْأَبِ وَالْأُمِّ، أَوْلَى مِنْ بَنِي الْأَخِ لِلْأَبِ، وَبَنُو الْأَخِ لِلْأَبِ، أَوْلَى مِنْ بَنِي ابْنِ الْأَخِ لِلْأَبِ وَالْأُمِّ، وَبَنُو ابْنِ الْأَخِ لِلْأَبِ، أَوْلَى مِنَ الْعَمِّ أَخِي الْأَبِ لِلْأَبِ وَالْأُمِّ، وَالْعَمُّ أَخُو الْأَبِ لِلْأَبِ وَالْأُمِّ، أَوْلَى مِنَ الْعَمِّ أَخِي الْأَبِ لِلْأَبِ، وَالْعَمُّ أَخُو الْأَبِ لِلْأَبِ، أَوْلَى مِنْ بَنِي الْعَمِّ، أَخِي الْأَبِ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: عصبہ کی رشتہ داری کے متعلق وہ حکم جس پر ہمارے ہاں اجماع ہے، جس میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور جس پر میں نے اپنے شہر (مدینہ) کے اہل علم کو پایا ہے۔ یہ ہے کہ (1) بے شک حقیقی بھائی علاتی بھائی سے زیادہ وراثت کا حق دار ہے۔ (2) اور علاتی بھائی، حقیقی بھائی کے بیٹوں سے بڑھ کر وراثت کا زیادہ حق دار ہے۔ (3) اور حقیقی بھائی کے بیٹے، علاتی بھائی کے بیٹوں کی نسبت زیادہ حق دار ہیں۔ (4) اور علاتی بھائی کے بیٹے حقیقی بھائی کے پوتوں سے زیادہ حقدار ہیں۔ (5) اور علاتی بھائی کے پوتے اس (حقیقی) چچا سے زیادہ حقدار ہیں جو باپ کا حقیقی بھائی ہے (یعنی میت کے اپنے بھائی حقیقی و علاتی کی ترتیب سے عصبہ بنیں گے اور جب تک ان میں سے یا ان کے بیٹوں، پوتوں یا پڑپوتوں میں سے کوئی زندہ

لِلأَبِ وَالأُمِّ، وَابْنُ الْعَمِّ لِلأَبِ، أَوْلَى مِنْ عَمِّ الأَبِ، أَخِي أَبِي الأَبِ لِلأَبِ وَالأُمِّ.

مل جائے تو چچاؤں والی جانب رخ نہ کریں گے۔(6) اور حقیقی چچا (باپ کا حقیقی بھائی) علاتی چچا سے زیادہ حق دار ہے۔(7) اور علاتی چچا (باپ کا علاتی یعنی پدری بھائی) حقیقی چچا کے بیٹوں سے زیادہ حقدار ہے۔(8) اور (میت کے اپنے) علاتی چچا کے بیٹے، باپ کے حقیقی چچا (دادے کے حقیقی بھائی) سے زیادہ حق دار ہیں۔ (یعنی جب تک میت کے اپنے چچوں اور ان چچوں کے بیٹوں، پوتوں اور پڑپوتوں میں سے کوئی زندہ ہو تو وہی وارث ہے، اگر ان میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو تو پھر باپ کے چچوں کو اسی ترتیب سے، پھر دادے کے چچوں کو اسی حساب سے دیکھیں گے)۔

قَالَ مَالِكٌ: وَكُلُّ شَيْءٍ سُئِلْتَ عَنْهُ مِنْ مِيرَاثِ الْعَصَبَةِ، فَإِنَّهُ عَلَى نَحْوِ هَذَا: انْسُبِ الْمُتَوَفَّى وَمَنْ يُنَازِعُ فِي وِلاَيَتِهِ مِنْ عَصَبَتِهِ، فَإِنْ وَجَدْتَ أَحَداً مِنْهُمْ يَلْقَى الْمُتَوَفَّى إِلَى أَبٍ، لاَ يَلْقَاهُ أَحَدٌ مِنْهُمْ إِلَى أَبٍ دُونَهُ، فَاجْعَلْ مِيرَاثَهُ لِلَّذِي يَلْقَاهُ إِلَى الأَبِ الأَدْنَى، دُونَ مَنْ يَلْقَاهُ إِلَى فَوْقِ ذَلِكَ، فَإِنْ وَجَدْتَهُمْ كُلَّهُمْ يَلْقَوْنَهُ إِلَى أَبٍ وَاحِدٍ يَجْمَعُهُمْ جَمِيعاً، فَانْظُرْ أَقْعَدَهُمْ فِي النَّسَبِ، فَإِنْ كَانَ ابْنَ أَبٍ فَقَطْ، فَاجْعَلِ الْمِيرَاثَ لَهُ دُونَ الأَطْرَفِ، وَإِنْ كَانَ ابْنَ أَبٍ وَأُمٍّ، فَإِنْ وَجَدْتَهُمْ مُسْتَوِينَ، يَنْتَسِبُونَ مِنْ عَدَدِ الآبَاءِ إِلَى عَدَدٍ وَاحِدٍ، حَتَّى يَلْقَوْا نَسَبَ الْمُتَوَفَّى جَمِيعاً، وَكَانُوا كُلُّهُمْ جَمِيعاً بَنِي أَبٍ، أَوْ بَنِي أَبٍ وَأُمٍّ، فَاجْعَلِ الْمِيرَاثَ بَيْنَهُمْ سَوَاءً، وَإِنْ كَانَ وَالِدُ بَعْضِهِمْ أَخَا وَالِدِ الْمُتَوَفَّى لِلأَبِ وَالأُمِّ، وَكَانَ مَنْ سِوَاهُ مِنْهُمْ إِنَّمَا هُوَ أَخُو أَبِي الْمُتَوَفَّى لأَبِيهِ فَقَطْ، فَإِنَّ الْمِيرَاثَ لِبَنِي أَخِي الْمُتَوَفَّى لأَبِيهِ وَأُمِّهِ،

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور عصبات کی وراثت میں سے ہر وہ چیز جس کے متعلق تم سے سوال کیا جائے بلاشبہ وہ اسی (مذکورہ) ترتیب کے مطابق ہوگی۔ (1) تم میت کو اور (ہر) اس عصبہ کی نسبت کرو جس کی رشتہ داری (اور عصبہ بن کر وراثت کی حقداری) میں جھگڑا کیا جا رہا ہو (تو ہر کسی کی سب سے پہلے میت کے ساتھ رشتہ داری کو دیکھیں گے، پھر رشتہ داری میں اس کے باپ اور میت کے باپ کو دیکھیں)، پھر اگر تم ان میں سے کسی کو پاؤ کہ وہ باپ کی طرف (پہنچ کر ہی) میت سے مل جاتا ہے اور ان میں سے دوسرا کوئی بھی اس سے قریبی باپ میں میت سے نہیں ملتا تو تم اس کی وراثت اس (عصبہ) کو دے دو جو سب سے قریبی باپ میں میت سے ملا (اور شریک ہوا) ہو اور اس (رشتہ دار) کو نہ دو جو اس سے اوپر درجے میں میت سے ملتا ہو، (مثلاً: میت کا بھائی اور چچا عصبہ بننے میں باہم جھگڑا کریں تو بھائی زیادہ حق دار ہے کیونکہ میت کا اور اس کا باپ ایک ہے اس لیے یہ پہلے باپ ہی میں اکٹھے ہو جاتے ہیں جبکہ چچے کا درجہ دور ہے اور وہ میت کے دوسرے باپ یعنی دادے میں جا کر اکٹھا ہوتا ہے)۔ (2) پھر اگر تم ان سب کو پاؤ وہ ایک ہی باپ میں مل جاتے ہیں اور وہ باپ ان سب

دُونَ بَنِي الأَخِ لِلأَبِ، وَذَلِكَ أَنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قَالَ: ﴿وَأُولُو الأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَى بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ [الأنفال: 75].

کواکٹھا کر دیتا ہے تو پھر ان میں سے اس کو دیکھو جو سب میں سب سے زیادہ قریب ہے، چنانچہ اگر (وہ زیادہ قرب والا) صرف باپ کا بیٹا یعنی علاتی رشتہ والا ہو تو وراثت اسی کے لیے کر دو، اور دور والے کو چھوڑ دو اگرچہ وہ باپ اور ماں کا بیٹا یعنی حقیقی رشتے والا ہو۔(مثلاً: ایک وارث میت کے علاتی بھائی کا بیٹا ہو اور دوسرا میت کے حقیقی بھائی کا پوتا ہو تو اگرچہ میت کے ساتھ ان دونوں کا تعلق میت کے باپ میں پہنچ کر بنتا ہے اور وہ سب میت کے باپ ہی کی اولاد ہیں لیکن علاتی بھائی کا بیٹا میت سے صرف ایک درجہ نیچے ہے جبکہ حقیقی بھائی کا پوتا میت سے دو درجے نیچے ہے، اس لیے جو قریب ہے یعنی علاتی بھائی کا بیٹا، وہ عصبہ بن جائے گا۔)(3) اور اگر تم ان کو برابر درجے والا پاؤ، وہ باپوں کی تعداد میں سے ایک ہی عدد کے ساتھ میت کی طرف منسوب ہوتے ہوں، یہاں تک کہ وہ سب (درمیانی واسطوں کی ایک جیسی تعداد کے ساتھ) فوت شدہ کے نسب میں آ ملتے ہوں اور وہ سب کے سب علاتی (بھائی کے) بیٹے (یا پوتے یا پڑپوتے) ہوں یا حقیقی (بھائی کے) بیٹے (یا پوتے پڑپوتے) ہوں تو وراثت ان سب کے مابین برابر برابر (تقسیم) کر دو۔(4) اور اگر (سب کا اکٹھ، ایک باپ میں ہوتا ہو اور میت سے دوری میں بھی سب برابر ہوں لیکن ان میں حقیقی وعلاتی کا فرق ہو تو پھر حقیقی رشتے والا زیادہ حقدار ہوگا کیونکہ اس کی قرابت میں قوت ہے۔ چنانچہ اگر) ان میں سے بعض کا والد میت کے والد کا سگا اور حقیقی بھائی ہو (یعنی ورثاء سگے چچے کے بیٹے ہوں) اور جوان (ورثاء) میں سے اس کے علاوہ ہوں (ان کا باپ) میت کے باپ کا صرف علاتی بھائی ہو (یعنی وہ علاتی چچا کے بیٹے ہوں) تو بلاشبہ وراثت صرف اور صرف میت کے (باپ کے) سگے بھائی (یعنی سگے چچا) کے بیٹوں کے لیے ہوگی نہ کہ (میت کے باپ کے) علاتی بھائی (یعنی علاتی چچا) کے بیٹوں کے لیے۔ اور یہ اس وجہ سے ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ (الانفال: 75) ''اور اللہ کی کتاب میں (خون کے رشتہ دار آپس میں ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے''۔

قَالَ مَالِكٌ: وَالْجَدُّ أَبُو الأَبِ، أَوْلَى مِنْ بَنِي الأَخِ لِلأَبِ وَالأُمِّ، وَأَوْلَى مِنَ الْعَمِّ أَخِي الأَبِ لِلأَبِ وَالأُمِّ بِالْمِيرَاثِ، وَابْنُ الأَخِ لِلأَبِ وَالأُمِّ، أَوْلَى مِنَ الْجَدِّ بِوَلَاءِ الْمَوَالِي.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: (میت کے) باپ کا باپ یعنی دادا وراثت پانے میں (میت کے) سگے بھائی کے بیٹوں سے بھی زیادہ حق دار ہے اور وہ دادا (میت کے) باپ کے سگے بھائی یعنی حقیقی چچے سے بھی زیادہ حقدار ہے (کیونکہ عصبہ بالنفس میں ترتیب ملحوظ رکھنا واجب ہے۔ دادا کا تعلق اُبُوہ سے ہے جبکہ میت کے بھائی اور بھتیجوں کا تعلق اُخُوہ والی جانب سے ہے اور چچا کا تعلق عُمُومہ والی جہت سے

ہے اور یقیناً اُبُوہ والی جانب اُخُوہ و عُمُومہ سے مقدم ہے) اور (میت کے) سگے بھائی کا بیٹا (میت کے) آزاد کردہ غلاموں کی ولاء لینے میں (میت کے) دادے سے زیادہ حقدار ہے۔

فائدہ: ......امام مالک رحمہ اللہ نے وراثت اور ولاء میں فرق کیا ہے۔ ہمارے نزدیک چونکہ ولاء بھی نسب ہی کی طرح کا ایک تعلق ہے اور میت کو ولاء کی وجہ سے جو کچھ ملتا ہے وہ بھی وراثت ہی کے طور پر ہوتا ہے اور اس میں بھی وہی ترتیب ملحوظ رکھنا ضروری ہے جو نسبی عصبات میں ہوتی ہے، لہٰذا آخری بیان کردہ صورت میں بھی دادا ہی مقدم ہوگا۔ واللہ اعلم

12- بَابُ مَنْ لَا مِيرَاثَ لَهُ

اُن رشتہ داروں کا بیان جن کے لیے وراثت نہیں ہوتی

خلاصۃ الباب: اس باب میں کوئی روایت نہیں ہے، البتہ امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاویٰ مذکور ہیں۔

فائدہ: ......امام مالک رحمہ اللہ اس باب میں ذوالارحام کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ میت کے اصحاب الفرائض بارہ ہیں جن کا بیان کتاب الفرائض کے آغاز میں ذکر کر دیا گیا ہے، ان کے بعد عصبات کا درجہ ہے جن کی تفصیل گزشتہ باب کے شروع میں مذکور ہے۔ ان دونوں قسموں کے علاوہ میت کے باقی رشتہ دار ذوالارحام کہلاتے ہیں، جنھیں چار جہتوں اور جانبوں میں تقسیم کرتے ہیں: (1) جو میت کی طرف منسوب ہوں یعنی بیٹیوں، پوتیوں اور پڑپوتیوں کی ساری اولاد اور اسی طرح نیچے تک۔ (2) جن کی طرف میت منسوب ہو یعنی جد فاسد (نانا وغیرہ) اور جدہ فاسدہ (جد فاسد کی ماں وغیرہ اوپر تک) ان کی تعریفیں پیچھے باب: 8،7 کے شروع میں مذکور ہیں۔ (3) جو میت کے والدین کی طرف منسوب ہوں یعنی ہر قسم کی بہنوں کی اولاد (ہر قسم کے بھانجے)، اخیافی بھائیوں کی اولاد، حقیقی و علاتی بھائیوں کی بیٹیاں، اس طرح ان آخری دونوں قسم کے بھائیوں کے بیٹوں کی بیٹیاں اور اسی طرح نیچے تک۔ (4) جو میت کے دادا، دادی یا نانا، نانی کی طرف منسوب ہوں یعنی میت کی ہر قسم کی پھوپھیاں (باپ کی تینوں قسم کی بہنیں)، ہر قسم کی خالائیں، ہر قسم کے ماموں اور اخیافی چچے (باپ کے اخیافی بھائی)...... یہ تمام قسم کے رشتہ دار ذوالارحام یا اولوالارحام ہیں اور جو کوئی بھی ان کے واسطے سے میت کی طرف منسوب ہوگا وہ بھی انھی میں شمار ہوگا...... امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ سب بالکل وارث نہیں بنتے اور صرف انھی کی موجودگی میں میت کا ترکہ بیت المال میں جائے گا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر، حضرت عثمان، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم، نیز سعید بن مسیب رحمہ اللہ اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ کا بھی یہی مؤقف تھا جبکہ اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ، نیز امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ، اور اہلحدیث کے نزدیک انھیں وراثت مل سکتی ہے بشرطیکہ اصحاب الفرائض اور عصبات میں سے کوئی موجود نہ ہو۔ نیز فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: ''ماموں اس شخص کا وارث ہے جس کا کوئی وارث نہ ہوگا۔'' (ابو داود: 2899، ترمذی: 2103، ابن ماجہ: 2737، 2738، ان کی سندیں حسن صحیح ہیں)

قَالَ مَالِكٌ : الأَمْرُ الْمُجْتَمَعُ عَلَيْهِ عِنْدَنَا ، الَّذِي لَا اخْتِلَافَ فِيهِ ، وَالَّذِي أَدْرَكْتُ عَلَيْهِ أَهْلَ الْعِلْمِ بِبَلَدِنَا : أَنَّ ابْنَ الأَخِ لِلأُمِّ ، وَالْجَدَّ أَبَا الأُمِّ ، وَالْعَمَّ أَخَا الأَبِ لِلأُمِّ ، وَالْخَالَ ، وَالْجَدَّةَ أُمَّ أَبِي الأُمِّ ، وَابْنَةَ الأَخِ لِلأَبِ وَالأُمِّ ، وَالْعَمَّةَ ، وَالْخَالَةَ ، لَا يَرِثُونَ بِأَرْحَامِهِمْ شَيْئاً .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ حکم جس پر ہمارے ہاں اتفاق ہے، جس میں کوئی اختلاف نہیں اور جس پر میں نے اپنے شہر کے اہل علم کو پایا ہے۔ یہ ہے کہ (میت کے) اخیافی بھائی کا بیٹا، نانا، باپ کا اخیافی بھائی (اخیافی چچا)، ماموں، نانے کی ماں (پڑنانی اور ہر جدہ فاسدہ) حقیقی بھائی کی بیٹی، پھوپھی اور خالہ اپنی رشتہ داریوں کے ساتھ کسی بھی چیز کے وارث نہیں بن سکتے۔

قَالَ : وَإِنَّهُ لَا تَرِثُ امْرَأَةٌ ، هِيَ أَبْعَدُ نَسَباً مِنَ الْمُتَوَفَّى ، مِمَّنْ سُمِّيَ فِي هَذَا الْكِتَابِ بِرَحِمِهَا شَيْئاً ، وَإِنَّهُ لَا يَرِثُ أَحَدٌ مِنَ النِّسَاءِ شَيْئاً ، إِلَّا حَيْثُ سُمِّينَ ، وَإِنَّمَا ذَكَرَ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى فِي كِتَابِهِ مِيرَاثَ الأُمِّ مِنْ وَلَدِهَا ، وَمِيرَاثَ الْبَنَاتِ مِنْ أَبِيهِنَّ ، وَمِيرَاثَ الزَّوْجَةِ مِنْ زَوْجِهَا ، وَمِيرَاثَ الأَخَوَاتِ لِلأَبِ وَالأُمِّ ، وَمِيرَاثَ الأَخَوَاتِ لِلأَبِ ، وَمِيرَاثَ الأَخَوَاتِ لِلأُمِّ ، وَوَرِثَتِ الْجَدَّةُ بِالَّذِي جَاءَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِيهَا ، وَالْمَرْأَةُ تَرِثُ مَنْ أَعْتَقَتْ هِيَ نَفْسُهَا ، لِأَنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قَالَ فِي كِتَابِهِ : ﴿فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ وَمَوَالِيكُمْ﴾ [الأحزاب : 5] .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اس کتاب (موطا) میں جن کا نام لیا گیا ہے (یعنی گزشتہ فتویٰ میں جن چار عورتوں کا تذکرہ ہے) تو جو کوئی عورت ان سے بھی زیادہ میت کے نسب میں دور ہوگی، وہ بلاشبہ اپنی رشتہ داری کے ساتھ کسی بھی چیز کی وارث نہیں بن سکے گی اور بلاشبہ عورتوں میں سے کوئی بھی کسی بھی چیز کی وارث نہیں بن سکتی، مگر صرف وہ جن کا (قرآن وسنت میں) نام لیا گیا ہے اور یہ (بات ذرا تفصیل سے) اس طرح ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں (مندرجہ ذیل عورتوں کی) میراث کا ذکر کیا ہے: ماں کی وراثت اپنے بیٹے سے، بیٹیوں کی وراثت اپنے باپ سے، بیوی کی وراثت اپنے خاوند سے، حقیقی اور سگی بہنوں کی وراثت، علاتی بہنوں کی وراثت، اخیافی بہنوں کی وراثت اور جدہ (دادی و نانی) اس حدیث کی بنا پر وارث بنتی ہے جو رسول اللہ ﷺ سے وارد ہوئی ہے، اور عورت اس (غلام، لونڈی کی ولاء) کی بھی وارث بنتی ہے جسے اس نے خود آزاد کیا ہو کیونکہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے: ﴿فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ وَمَوَالِيكُمْ﴾ (الاحزاب 5) ''تو وہ تمھارے دینی بھائی اور تمھارے مولیٰ ہیں۔''

فائدہ :...... یعنی اللہ تعالیٰ نے غلاموں کے لیے موالی کا لفظ استعمال کیا ہے جو ''مولی'' کی جمع ہے اور اس کے معنی آزاد کردہ غلام کے ہیں۔ چنانچہ آزاد کرنے والی بعض اوقات کوئی عورت ہوتی ہے، اس لیے وہ اس عورت کے

مولیٰ شمار ہوں گے اور ولاء کا تعلق اسی عورت سے قائم ہوگا۔ یاد رہے کہ اس عورت کے ذکر سے پہلے امام مالک رحمہ اللہ نے سات عورتوں کا ذکر کیا ہے اور آٹھویں عورت کا تذکرہ قرآن میں تو نہیں بلکہ حدیث پاک سے ثابت ہے یعنی پوتی ۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے پیچھے باب: ا کا آخری فائدہ۔

13- بَابٌ: مِيرَاثُ أَهْلِ الْمِلَلِ

مختلف اہلِ مذاہب کی وراثت کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں پانچ روایات ہیں، ایک مرفوع (حدیث نبوی ﷺ) ہے جو کہ بخاری و مسلم میں بھی ہے، دو موقوف (آثار صحابہ رضی اللہ عنہم) ہیں جن میں سے ایک صحیح اور ایک حسن ہے اور دو مقطوع (آثار تابعین رحمہم اللہ) ہیں جو سنداً صحیح ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے تین فتاویٰ جات بھی مذکور ہیں۔

فائدہ :...... وہ چیزیں جو کسی وارث کے لیے وراثت کا حقدار بننے میں رکاوٹ بن جاتی ہیں ''موانع الارث'' کہلاتی ہیں اور وہ تین ہیں (1) قتل یعنی قاتل اپنے مقتول کا وارث نہیں بن سکتا (2) غلام اور (3) اختلاف دین یعنی مسلم اور کافر ایک دوسرے کے وارث نہیں بن سکتے۔ رہا مرتد کا معاملہ تو جمہور کے نزدیک اگر اس کی موت حالت ارتداد میں ہوئی ہو تو دوسرے کفار کی طرح اس کے ساتھ بھی مسلمانوں کا سلسلہ وراثت نہیں چلے گا۔ البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کی حالتِ اسلام والی کمائی مسلمان ورثاء میں تقسیم ہوگی، راجح مؤقف جمہور ہی کا ہے۔ احناف کے ہاں وراثت کے لیے چوتھی چیز ''اختلاف دارین'' بھی مانع ہے یعنی دارالاسلام اور دارالکفر کے لوگ آپس میں وارث نہیں بن سکتے خواہ وہ مسلمان ہی ہوں، لیکن بہت سے متاخرین احناف نے جمہور کا مؤقف اختیار کرتے ہوئے اسے مانع نہیں سمجھا...... بہر حال ان اشیاء کے علاوہ کوئی چیز وراثت میں مانع نہیں ہے۔ آج کل جو اخبارات میں ''عاق'' کرنے کے اشتہارات کا سلسلہ جاری ہے، یہ سراسر خلاف شریعت ہے۔ اگرچہ حکومتی و انتظامی سطح پر ایسے اشتہارات دینے کا یہ فائدہ تو حاصل ہوتا ہے کہ وہ نافرمان بچہ کوئی جرم کرے تو والدین بری الذمہ رہتے ہیں لیکن شرعی طور پر لڑکا خواہ جس قدر بھی نافرمان ہو، وراثت کا بہر حال حقدار رہے گا۔

[1486] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ، عَنْ عُمَرَ بْنِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ، عَنْ أُسَامَةَ بْنِ

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مسلمان شخص کافر کا وارث نہیں بن سکتا۔''

[1486] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب ابن ركز النبي ﷺ الراية يوم الفتح، حديث: 4283، صحيح مسلم، كتاب الفرائض، باب لا يرث المسلم الكافر، حديث: 1614، ابوداؤد: 2909، ترمذی: 2107، نسائی فی الکبریٰ: 6372، ابن ماجه: 2729، احمد: 5/ 208(22157).

زَيْدٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ.

فائدہ: ...... بخاری و مسلم وغیرہ میں اس حدیث مبارکہ کا دوسرا حصہ یوں ہے: (وَلَا الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ) ''اور نہ ہی کافر آدمی کسی مسلمان کا وارث بن سکتا ہے۔'' (بخاری: 4283، 6764، مسلم: 1614)
غالباً امام مالک رحمہ اللہ نے صرف پہلا حصہ اس لیے ذکر کیا ہے تاکہ حضرت معاذ بن جبل، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما اور سعید بن مسیب رحمہ اللہ وغیرہ سے مروی اس قول کی تردید کی جائے جو جمہور کے خلاف تھا یعنی ان سے یہ قول منقول ہے کہ مسلمان تو کافر کا وارث بن سکتا ہے لیکن کافر مسلمان کا وارث نہیں بنتا۔

[1487] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ: إِنَّمَا وَرِثَ أَبَا طَالِبٍ عَقِيلٌ وَطَالِبٌ، وَلَمْ يَرِثْهُ عَلِيٌّ، قَالَ: فَلِذَلِكَ تَرَكْنَا نَصِيبَنَا مِنَ الشِّعْبِ.

علی (زین العابدین رحمہ اللہ) بن حسین رضی اللہ عنہ بن علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب سے روایت ہے کہ بلاشبہ ابوطالب کے وارث عقیل اور طالب بنے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے وارث نہ بن سکے تھے۔ علی بن حسین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اسی وجہ سے ہم نے شعبِ (ابی طالب) میں سے اپنا حصہ چھوڑ دیا تھا۔

فائدہ: ...... یعنی مکہ مکرمہ کی وہ گھاٹی جو حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب تھی، اس میں ان کے گھروں کو ابوطالب کے صرف دو بیٹوں نے وراثت میں پایا تھا کیونکہ ابوطالب کی موت کفر پر ہوئی تھی اور اس وقت ان کے دو بیٹے کافر تھے یعنی عقیل اور طالب، جبکہ دو بیٹے حضرت جعفر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما مسلمان ہو چکے تھے، بعد میں حضرت عقیل رضی اللہ عنہ بھی مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے۔ رہا طالب تو ایک قول کے مطابق وہ جنگ بدر سے پہلے ہی کفر پر مر گیا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ وہ جنگِ بدر میں گم ہو گیا تھا، بعد میں پھر اس کی کوئی اطلاع نہ مل سکی، ممکن ہے کہ جنگِ بدر میں مارا گیا ہو اور پہچانا نہ گیا ہو۔

[1488] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، أَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ الْأَشْعَثِ أَخْبَرَهُ، أَنَّ عَمَّةً لَهُ يَهُودِيَّةً أَوْ

سلیمان بن یسار رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک محمد بن اشعث رحمہ اللہ نے انھیں خبر دی کہ ان کی ایک عیسائن یا یہودن پھوپھی فوت ہو گئی تو بلاشبہ محمد بن اشعث رحمہ اللہ نے

[1487] (مقطوع صحیح) بیهقی فی معرفة السنن والآثار: 5/ 42(3835)، عبدالرزاق: 9853، الشافعی فی الام: 4/ 72، وفی المسند: 2/ 421۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

[1488] (موقوف حسن) بیهقی: 6/ 218، عبدالرزاق: 9859، ابن ابی شیبه: 31429، سعید بن منصور: 144، دارمی: 2988۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔

نَصْرَانِيَّةً تُوُفِّيَتْ، وَأَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ الأَشْعَثِ ذَكَرَ ذَلِكَ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، وَقَالَ لَهُ مَنْ يَرِثُهَا؟ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: يَرِثُهَا أَهْلُ دِينِهَا، ثُمَّ أَتَى عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ فَسَأَلَهُ عَنْ ذَلِكَ، فَقَالَ لَهُ عُثْمَانُ: أَتَرَانِي نَسِيتُ مَا قَالَ لَكَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ؟ يَرِثُهَا أَهْلُ دِينِهَا.

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے اس کا ذکر کیا اور ان سے پوچھا کہ اس کا وارث کون بنے گا؟ تو انھوں نے فرمایا: اس کے وارث اس کے مذہب والے ہی ہوں گے۔ پھر وہ (محمد بن اشعث رحمہ اللہ) حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس (ان کے دورِ خلافت میں) آئے اور ان سے بھی اس کے بارے میں پوچھا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان سے فرمانے لگے: کیا تم سمجھتے ہو کہ میں اسے بھول چکا ہوں جو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے تجھ سے فرمایا تھا، اس کے وارث اس کے مذہب والے ہی ہوں گے۔

[1489] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي حَكِيمٍ: أَنَّ نَصْرَانِيًّا أَعْتَقَهُ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ هَلَكَ، قَالَ إِسْمَاعِيلُ: فَأَمَرَنِي عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ أَنْ أَجْعَلَ مَالَهُ فِي بَيْتِ الْمَالِ.

اسماعیل بن ابی حکیم رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بیشک ایک عیسائی شخص جسے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے آزاد کیا تھا، مرگیا۔ اسماعیل رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے مجھے حکم دیا کہ میں اس کا مال بیت المال میں (داخل) کردوں۔

فائدہ: ...... کیونکہ وہ کافر تھا اور کوئی مسلمان شخص کسی کافر کا وارث نہیں ہوسکتا، اسی لیے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے آقا ہونے کے باوجود اپنے آزاد کردہ کافر غلام کی وراثت نہ لی۔ جمہور کا بھی یہ موقف ہے لیکن امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک آزاد کردہ کافر غلام کی ولاء مسلمان آقا لے گا ...... رہا یہ مسئلہ کہ کوئی کافر غلام حالتِ غلامی میں مرجائے اور اس کے پاس مال ہو تو وہ آقا ہی کو ملے گا کیونکہ وہ غلام بھی اور اس کا مال بھی دراصل آقا ہی کی ملکیت ہے اور یہ وراثت کے طور پر نہیں بلکہ ملکیت کے طور پر ہے ...... رہا یہ مسئلہ کہ کیا کافر شخص جس کا کوئی وارث نہ ہو، اس کی وراثت بیت المال میں جمع ہوگی تو میرے خیال میں راجح یہ ہے کہ یا تو اسے کسی کافر فقیر ومسکین کے حوالے کردیا جائے یا بیت المال کے جس حصے کو غیر مسلموں کے معاملات میں خرچ کیا جاتا ہے، وہاں شامل کردیا جائے۔ واللہ اعلم

[1490] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ الثِّقَةِ

سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ

[1489] (مقطوع صحیح) بیهقی فی السنن الکبری: 10/ 299(21471)، وفی معرفة السنن والآثار: 7/ 514 (6062)، الشافعی فی الام: 4/ 128، عبدالرزاق: 9866، ابن ابی شیبه: 31447۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

[1490] (موقوف صحیح) بیهقی: 9/ 130(18336)، ابن ابی شیبه: 31363، عبدالرزاق: 19173، دارمی: 3095۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

عِنْدَهُ، أَنَّهُ سَمِعَ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ يَقُولُ: أَبَى عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ أَنْ يُوَرِّثَ أَحَداً مِنَ الأَعَاجِمِ، إِلاَّ أَحَداً وُلِدَ فِي الْعَرَبِ.

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس بات کا انکار کر دیا تھا کہ عجمیوں میں سے کسی کو وراثت دیں، سوائے اس شخص کے جو عرب میں پیدا ہوا ہو۔

فائدہ: ......عجمی لوگ جب مسلمان ہوتے تو ان کے محض دعووں کی بنا پر انھیں ایک دوسرے کا وارث نہ بناتے، ہاں اگر ثبوت اور دلائل سے ان کا باہمی نسب ثابت ہو جاتا تو انھیں وارث بنا دیتے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَإِنْ جَاءَتِ امْرَأَةٌ حَامِلٌ مِنْ أَرْضِ الْعَدُوِّ، فَوَضَعَتْهُ فِي أَرْضِ الْعَرَبِ، فَهُوَ وَلَدُهَا يَرِثُهَا إِنْ مَاتَتْ، وَتَرِثُهُ إِنْ مَاتَ، مِيرَاثَهَا فِي كِتَابِ اللّٰهِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور اگر کوئی حاملہ عورت دشمن کی زمین سے آئے اور عرب کی زمین میں بچہ جن دے تو وہ اسی کا بیٹا ہے، اگر وہ عورت (پہلے) مرے گی تو وہ بچہ اس کا وارث ہوگا اور اگر وہ (بچہ پہلے) مر جائے تو وہ عورت اس سے کتاب اللہ کے مطابق اپنی وراثت پائے گی۔

قَالَ مَالِكٌ: الأَمْرُ الْمُجْتَمَعُ عَلَيْهِ عِنْدَنَا، وَالسُّنَّةُ الَّتِي لاَ اخْتِلاَفَ فِيهَا، وَالَّذِي أَدْرَكْتُ عَلَيْهِ أَهْلَ الْعِلْمِ بِبَلَدِنَا: أَنَّهُ لاَ يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ، بِقَرَابَةٍ وَلاَ وَلاَءٍ وَلاَ رَحِمٍ، وَلاَ يَحْجُبُ أَحَداً عَنْ مِيرَاثِهِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ حکم جس پر ہمارے ہاں اجماع ہے اور وہ سنت جس میں ہمارے ہاں کوئی اختلاف نہیں اور جس میں میں نے اپنے شہر کے اہلِ علم کو پایا ہے۔ یہ ہے کہ بے شک مسلمان کسی کافر کا وارث نہیں بن سکتا، نہ (دور کی) قرابت کے ساتھ، نہ ولاء کے ساتھ اور نہ (قریب کی) رشتہ داری کے ساتھ، اور نہ ہی وہ کسی شخص کو اس کی وراثت سے محروم کر سکتا ہے۔

فائدہ: ......مثلاً میت کا بیٹا کافر ہو تو میت کے مسلمان بھائی کو وراثت سے محروم نہ کر سکے گا۔

قَالَ مَالِكٌ: وَكَذَلِكَ كُلُّ مَنْ لاَ يَرِثُ، إِذَا لَمْ يَكُنْ دُونَهُ وَارِثٌ، فَإِنَّهُ لاَ يَحْجُبُ أَحَداً عَنْ مِيرَاثِهِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور اسی طرح ہر وہ شخص جو وارث نہ بنے (بشرطیکہ) جب اس کے آگے کوئی اور وارث نہ ہو تو بلاشبہ وہ کسی اور وارث کو اس کی وراثت سے محروم نہیں کر سکے گا۔

فائدہ: ......اگر وہ اس لیے وارث نہ بن سکا ہو کہ کسی دوسرے نے اسے محروم کر دیا تھا تو اب اس حالت میں وہ حاجب بن سکتا ہے اور خود کچھ نہ لے کر بھی دوسروں کی وراثت پر اثر انداز ہو سکتا ہے......اس بحث کو "حجب" کہتے ہیں یعنی کسی وارث کا دوسرے وارث کے حصے میں کمی کر دینا یا بالکل محروم کر دینا۔ محروم کرنے والے کو حاجب اور محروم

ہونے والے کو محجوب کہتے ہیں۔ پھر وہ شخص وارث نہ بن سکے اس کی دو صورتیں ہیں: (الف) وہ بالکل وارث بن ہی نہ سکے، مثلاً: کافر، غلام اور قاتل وغیرہ۔ امام مالک رحمہ اللہ انھیں کو مراد لے رہے ہیں، یہ کسی وارث کے لیے حاجب نہیں بن سکتے۔ (ب) وہ جو کبھی وارث بنتا ہو اور کبھی کسی دوسرے وارث کی وجہ سے محروم ہو جاتا ہو۔ یہ شخص خواہ وارث بنا ہوا ہو یا عارضی طور پر محروم ہو چکا ہو تو ہر دو صورت میں حاجب بن سکتا ہے۔ جیسا کہ میت کے باپ کی موجودگی میں اخیافی بھائی بالاتفاق وارث نہیں بن سکتے لیکن اگر وہ دو یا اس سے زیادہ ہوں تو میت کی ماں کا حصہ کم کر دیتے ہیں اور اسے ثلث (تہائی) سے سدس (چھٹے حصے) کی طرف منتقل کر دیتے ہیں۔

14- بَابٌ :مِيْرَاثُ مَنْ جُهِلَ أَمْرُهُ بِالْقَتْلِ أَوْ غَيْرِ ذَلِكَ

اُن لوگوں کے متعلق طریقۂ کار کا بیان جن (کی پہلے یا بعد میں موت) کا معاملہ معلوم نہ ہو سکے، قتل وغیرہ کی وجہ سے۔

خلاصۃ الباب اس باب میں ایک مقطوع روایت (اثر تابعی رحمہ اللہ) ہے جو سنداً صحیح ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے پانچ فتاوی بھی مذکور ہیں۔

فائدہ :...... کسی جنگ میں یا قتل کی واردات میں یا ٹریفک حادثے میں یا کشتی ڈوبنے میں یا کسی اور آفت و سانحہ میں کچھ رشتہ دار قتل ہو جائیں یا مر جائیں اور یہ علم و یقین حاصل نہ ہو سکے کہ کس کی موت پہلے آئی اور کس کی بعد میں، تو ان مقتولین اور فوت شدگان کی آپس میں وراثت قائم نہ ہو سکے گی ...... دراصل وراثت کی شروط میں سے اولین شرط ہی یہ ہے کہ میت کی موت کے وقت وارث زندہ ہو، خواہ ایک لمحے بعد خود بھی مر جائے، تو جو پہلے مرا ہے وہ بعد والے کا وارث نہ بن سکے گا۔ البتہ بعد میں مرنے والے کو پہلے مرنے والے کی وراثت میں سے حصہ ملے گا، جو بعد ازاں اس کے ورثاء میں تقسیم ہوگا۔

[1491] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ مِنْ عُلَمَائِهِمْ: أَنَّهُ لَمْ يَتَوَارَثْ مَنْ قُتِلَ يَوْمَ الْجَمَلِ، وَيَوْمَ صِفِّينَ، وَيَوْمَ الْحَرَّةِ، ثُمَّ كَانَ يَوْمَ قُدَيْدٍ، فَلَمْ يُوَرَّثْ أَحَدٌ مِنْهُمْ مِنْ صَاحِبِهِ شَيْئاً، إِلَّا مَنْ عُلِمَ أَنَّهُ قُتِلَ قَبْلَ صَاحِبِهِ.

ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن رحمہ اللہ سے روایت ہے، وہ اپنے بہت سے علمائے کرام سے بیان کرتے ہیں کہ بلاشبہ وہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہیں بنے تھے جو جنگ جمل کے دن اور جنگ صفین کے دن جنگ حرہ کے دن قتل ہوئے تھے، پھر جنگ قدید کا دن آیا تو ان (مقتولین) میں سے کسی کو بھی اس کے ساتھی سے وارث نہ بنایا گیا سوائے اس کے کہ جس کے متعلق یہ علم ہو گیا کہ وہ اپنے ساتھی سے

[1491] (مقطوع صحیح) بیهقی:6/ 222(12258)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

پہلے قتل ہوا تھا۔

فائدہ: ......تو اس کی وراثت میں سے بعد والے کو حصہ دیا گیا جو بعد میں اس کے وارثوں میں تقسیم ہوا۔ جنگ جمل 36 ہجری میں جمعرات کے دن سورج بلند ہونے سے لے کر عصر تک بصرہ میں لڑی گئی۔ ایک طرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کا لشکر تھا اور دوسری طرف سیدہ عائشہ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کے ہمراہ مکہ و مدینہ سے آیا ہوا لشکر تھا جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے قصاص کا مطالبہ کر رہے تھے......مہینے کے متعلق اختلاف ہے، بعض نے ماہ رجب، بعض نے 15 جمادی ثانیہ اور بعض نے 10 یا 15 جمادی اولیٰ کا تذکرہ کیا ہے۔ اس جنگ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا "عَسْکَر" نامی اونٹ پر سوار تھیں۔ اونٹ کو عربی میں جمل کہتے ہیں، اسی لیے لڑائی جنگ جمل کے نام سے مشہور ہوئی، اس اونٹ کے قتل ہوتے ہی یہ جنگ اختتام پذیر ہوئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو بحفاظت مدینہ منورہ روانہ فرما دیا......اگلے ہی سال 37 ہجری میں ماہِ صفر کے آغاز میں دریائے فرات کے کنارے کوفہ کے قریب ایک مقام ''صفین'' میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکروں میں تصادم ہوا، اور ایک سو دس دن تک خونریز جھڑپیں جاری رہیں اور پھر اس مطالبہ پر جنگ بندی ہوئی کہ قرآن مجید کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔ ان معاملات کو ''مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم'' کے نام سے ذکر کیا جاتا ہے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے اپنے اجتہاد کی بنا پر مستحق اجر تھے اور جو اللہ کے نزدیک حق پر تھا اس کے لیے دوہرا اجر تھا اور جو غلطی پر تھا اس کے لیے بھی ایک اجر تھا۔ آج ہمارے لیے یہ قطعاً جائز نہیں کہ ان کی شان میں گستاخی و تنقیص کریں......ورنہ ہم مجرم ٹھہریں گے اور زبان کے اس خطرناک فتنے میں مبتلا ہو جائیں گے جو ان کے نزاع سے بھی شدید تر ہے......اس حوالے سے تاریخ میں بہت تضاد بیانیاں ہیں، نیز اکثر مؤرخین نے رطب و یابس کو اکٹھا ذکر کر دیا ہے ویسے بھی تاریخ رطب و یابس کا مجموعہ ہوتی ہے۔ اس میں صحیح و ضعیف کے لیے تحقیق و تنقیح کی بہت کم کوشش ہوتی ہے، اس لیے ہمیں زیب نہیں دیتا کہ ان غیر مستند تاریخی روایات کو بنیاد بنا کر جان نثاران مصطفیٰ ﷺ کی ذات اور کردار پر کیچڑ اچھالیں......اس حوالے سے دشمنان صحابہ رضی اللہ عنہم نے حب علی رضی اللہ عنہ اور حب اہل بیت کی آڑ میں خوب بغض نکالا ہے اور بات کا بتنگڑ بنا دیا ہے......دراصل ان کے باہمی تصادم کا سبب بھی یہی خفیہ ہاتھ (دشمنان اسلام اور دشمنان صحابہ کا گٹھ جوڑ) تھا جو اہل اسلام کو باہمی لڑائیوں میں الجھا کر اسلام کی مزید اشاعت کو روکنا چاہتا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تو کتنے ہی مواقع پر اس مسئلے کا حل نکالنا چاہا تھا لیکن یہ فتنہ پرداز یہودی صفت افراد دونوں جانب داخل ہو کر جنگ شروع کرا دیتے۔ اللہ تعالیٰ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور مخلص مومنوں کی بشری لغزشوں سے درگزر فرمائے اور جنت بریں میں ان کے درجات بلند فرمائے......جنگ حرہ ذوالقعدہ 63 ھ میں مدینہ منورہ کے پاس ایک میدان میں ہوئی جسے حرہ کہتے تھے، اس میں ایسے کالے پتھر تھے کہ جیسے انھیں جلایا گیا ہو۔ یہ جنگ اس وقت پیش آئی جب اہل مدینہ نے یزید کی بیعت توڑ دی اور اس کی طرف سے متعین امیر مدینہ عثمان بن محمد بن ابی سفیان کو مدینہ سے

نکال دیا تو لشکر یزید کے امیر مسلم بن عقبہ نے تین دن تک مدینہ منورہ میں ہر قسم کا ظلم ڈھایا، اس جنگ کے بعد صلح حدیبیہ میں شریک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کوئی زندہ نہ بچا تھا...... ''قدید'' مکہ مکرمہ کے قریب ایک مقام کا نام ہے جہاں ابوحمزہ خارجی نے آ کر اہل مکہ سے لڑائی کی تھی۔ اس وقت مروان بن عبدالملک رحمہ اللہ کا دور خلافت تھا اور اس خارجی نے یمن سے بغاوت کرتے ہوئے مکہ پر چڑھائی کی پھر مکہ و مدینہ پر غلبہ پا کر ملک شام کا رخ کیا اور وہاں مارا گیا۔

قَالَ يَحْيَى: قَالَ مَالِكٌ : وَذَلِكَ الأَمْرُ الَّذِي لا اخْتِلافَ فِيهِ، وَلا شَكَّ عِنْدَ أَحَدٍ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ بِبَلَدِنَا، وَكَذَلِكَ الْعَمَلُ فِي كُلِّ مُتَوَارِثَيْنِ، هَلَكَا بِغَرَقٍ، أَوْ قَتْلٍ، أَوْ غَيْرِ ذَلِكَ مِنَ الْمَوْتِ، إِذَا لَمْ يُعْلَمْ أَيُّهُمَا مَاتَ قَبْلَ صَاحِبِهِ، لَمْ يَرِثْ أَحَدٌ مِنْهُمَا مِنْ صَاحِبِهِ شَيْئاً، وَكَانَ مِيرَاثُهُمَا لِمَنْ بَقِيَ، مِنْ وَرَثَتِهِمَا يَرِثُ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا وَرَثَتُهُ مِنَ الأَحْيَاءِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور یہ وہ حکم (کہ موت کے وقت کی تحقیق نہ ہو سکے تو وراثت ثابت نہ ہوگی) ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور ہمارے شہر میں اہل علم میں سے کسی کے نزدیک اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ اور ہمارے ہاں اسی طرح ہی عمل ہوتا ہے ہر ان دو شخصوں کے درمیان جو ایک دوسرے کے وارث ہوں اور ڈوبنے سے یا قتل ہونے سے یا ان کے علاوہ کسی اور موت (کے ذریعے) سے ہلاک ہو جائیں، جب یہ پتا نہ چلے کہ ان میں سے کون سا شخص اپنے ساتھی سے پہلے فوت ہوا ہے۔ چنانچہ جب یہ معلوم نہ ہو کہ ان میں سے کون اپنے ساتھی سے پہلے مرا تھا تو ان میں سے کوئی بھی اپنے ساتھی کی کسی بھی چیز کا وارث نہیں بنے گا اور ان دونوں کی وراثت ان لوگوں کے لیے ہوگی جو ان دونوں کے ورثاء میں سے باقی (زندہ) ہوں، ان میں سے ہر ایک کے وارث وہ ہوں گے، جو زندہ افراد میں سے ان کے وارث ہوں گے۔

وَقَالَ مَالِكٌ: لا يَنْبَغِي أَنْ يَرِثَ أَحَدٌ أَحَداً بِالشَّكِّ، وَلا يَرِثُ أَحَدٌ أَحَداً إِلَّا بِالْيَقِينِ مِنَ الْعِلْمِ وَالشُّهَدَاءِ، وَذَلِكَ أَنَّ الرَّجُلَ يَهْلَكُ هُوَ وَمَوْلاهُ الَّذِي أَعْتَقَهُ أَبُوهُ، فَيَقُولُ بَنُو الرَّجُلِ الْعَرَبِيِّ: قَدْ وَرِثَهُ أَبُونَا، فَلَيْسَ ذَلِكَ لَهُمْ أَنْ يَرِثُوهُ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلا شَهَادَةٍ إِنَّهُ مَاتَ قَبْلَهُ، وَإِنَّمَا يَرِثُهُ أَوْلَى النَّاسِ بِهِ مِنَ الأَحْيَاءِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ درست نہیں کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کا شک کے ساتھ وارث بنے، یقینی علم اور گواہوں کے بغیر کوئی بھی کسی کا وارث نہیں بن سکتا اور یہ (مثال کے طور پر) ایسے ہے کہ ایک (عربی آزاد) آدمی اور اس کا وہ مولیٰ جسے اس کے والد نے آزاد کیا تھا، ہلاک ہو جائیں (یعنی یہ دوسرا شخص پہلے شخص کے باپ کا غلام تھا، جسے اس نے آزاد کر دیا تھا اور ایسا آزاد کردہ غلام جب مرتا ہے تو اس کی ولاء آزاد کرنے والے کو ملتی ہے اور وہ نہ ہو تو اس کے بیٹے کو ملتی ہے۔ مذکورہ مثال میں اس حادثے میں وہ بیٹا بھی اپنے باپ کے آزاد کردہ غلام کے ساتھ ہی مر گیا، اگر یہ معلوم ہو جاتا کہ وہ بیٹا بعد میں مرا ہے تو پھر وہ ولاء پا لیتا اور

وہ ولاء آگے اس کے بیٹوں کو مل جاتی۔) پھر اس عربی آدمی کے بیٹے کہیں کہ یقیناً ہمارا باپ اس (مولیٰ، آزاد شدہ شخص) کا وارث بنا تھا تو ان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس کے وارث بنیں بغیر کسی علم کے اور بغیر کسی (ایسی) گواہی کے کہ وہ (آزاد شدہ غلام) اس (عربی شخص) سے پہلے مرا تھا۔ (لہٰذا) بلاشبہ اس (مولیٰ) کا وارث تو وہی شخص ہوگا جو زندہ لوگوں میں سے اس کے سب سے زیادہ قریب ہو۔

فائدہ: ......الغرض کسی اور کو اس کی وراثت ملے یا نہ ملے اس عربی شخص کو اور اس کی اولاد کو بالکل نہیں ملے گی کیونکہ ممکن ہے کہ وہ عربی شخص پہلے فوت ہو گیا ہو اور آزاد شدہ غلام بعد میں فوت ہوا ہو۔ یہ امام مالک رحمہ اللہ کی رائے ہے، ہماری رائے آئندہ فائدہ کے اخیر میں دیکھیے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَمِنْ ذَلِكَ أَيْضاً الأَخَوَانِ لِلأَبِ وَالأُمِّ يَمُوتَانِ، وَلأَحَدِهِمَا وَلَدٌ، وَالآخَرُ لا وَلَدَ لَهُ، وَلَهُمَا أَخٌ لأَبِيهِمَا، فَلا يُعْلَمُ أَيُّهُمَا مَاتَ قَبْلَ صَاحِبِهِ، فَمِيرَاثُ الَّذِي لا وَلَدَ لَهُ، لأَخِيهِ لأَبِيهِ، وَلَيْسَ لِبَنِي أَخِيهِ لأَبِيهِ وَأُمِّهِ شَيْءٌ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور اس (مسئلے) میں سے یہ (مثال) بھی ہے کہ دو حقیقی بھائی فوت ہو جائیں، ان میں سے ایک کی اولاد ہو اور دوسرے کی کوئی اولاد نہ ہو اور ان دونوں (بھائیوں) کا ایک علاتی بھائی بھی ہو (اولاد والے بھائی کی وراثت تو اس کی اولاد کو مل جائے گی اور بے اولاد شخص کے دو قسم کے ورثاء سامنے آئیں گے، ایک تو علاتی بھائی ہے اور دوسرے اس کے حقیقی بھتیجے ہیں یعنی وہ لڑکے جو میت کے اس حقیقی بھائی کے بیٹے ہیں جو اس کے ساتھ ہی مرا تھا) اور یہ معلوم نہ ہو کہ ان میں سے کون اپنے ساتھی سے پہلے فوت ہوا تھا، تو جس شخص کی کوئی اولاد نہ تھی اس کی وراثت اس کے علاتی بھائی کے لیے ہوگی اور اس کے حقیقی بھائی کے بیٹوں کے لیے کچھ بھی نہ ہوگا۔

فائدہ: ......وَاللّٰهُ اَعْلَمُ وَ عِلْمُهٗ اَتَمُّ وَاَحْكَم۔ ہماری رائے کے مطابق تو امام صاحب کی بیان کردہ مثال اپنے ظاہری الفاظ سے مذکورہ بالا مسئلے کے مطابق نہیں ہے کیونکہ اس مثال کے لحاظ سے تو اگر یہ پتا بھی چل جاتا کہ واقعی یہ بے اولاد شخص پہلے مرا تھا تو پھر بھی اس کے بھتیجے وارث نہیں بن سکتے تھے، اس لیے کہ ابھی پیچھے باب:۱۱ کے بالکل آغاز میں گزر چکا ہے کہ علاتی بھائی، حقیقی بھائی کے بیٹوں سے مقدم ہوتا ہے...... ہاں یہ مثال یوں درست ہوگی کہ میت کا ایک حقیقی بھائی پہلے فوت ہو چکا تھا اور دوسرا علاتی بھائی اس میت کے ساتھ کسی حادثے میں مر جائے اور پتا نہ چل سکے کہ کون پہلے مرا ہے اور کون بعد میں، تو وراثت حقیقی بھائی کے بیٹوں کو ملے گی، علاتی بھائی خود بھی اور اس کے بیٹے بھی وراثت سے محروم ہوں گے۔ اگر یہ معلوم ہو جاتا کہ علاتی بھائی حادثے میں بعد میں فوت ہوا تھا تو پھر یہ علاتی بھائی وارث بنتا اور پھر اس کی یہ وراثت اس (علاتی بھائی) کے بیٹوں کو مل جاتی۔ لیکن یہ علم نہ ہونے کی وجہ سے علاتی بھائی وارث نہ بن سکا، اب زندہ افراد میں حقیقی بھائی کے بیٹے ہی وارث بنیں گے اور علاتی بھتیجے محروم رہیں گے ......اسی طرح گزشتہ

فتویٰ والی مثال بھی ہمارے خیال میں درست نہیں ہے اس لیے کہ اگر آزاد کردہ غلام کی موت سے پہلے ہی اس کے آقا کا بیٹا فوت ہو جائے، بعد میں وہ غلام فوت ہو جائے تو یہ ٹھیک ہے کہ آقا کا بیٹا اس کا وارث نہیں بن سکا لیکن اگر کوئی اور وارث نہ ہو سوائے اس آقا کے بیٹے کی مذکر اولاد کے، تو وہ ضرور اس کی ولاء کے وارث بنیں گے، اس لیے کہ جب آزاد کردہ غلام فوت ہوا اور اس کا کوئی نسبی وارث نہ ہو تو اس کی وراثت اس کے آزاد کرنے والے شخص کی طرف آجاتی ہے اور اگر اس کا آقا نہ ہو تو اس کے عصبات میں اسی طرح منتقل ہوتی ہے جیسے کہ عام آدمی کی وراثت منتقل ہوتی ہے یعنی آقا زندہ نہ ہو تو اس کے بیٹے وارث ہوں گے، وہ نہ ہوں تو پوتے وارث بنیں گے اور امام مالک رحمہ اللہ کی مثال میں آقا کا بیٹا واقعی وارث نہیں ہوا لیکن بیٹے کے بیٹوں کو آقا کے پوتے ہونے کی وجہ سے وراثت ملے گی، بالکل اسی طرح کہ اگر اکٹھے مرنے کے علاوہ وہ الگ الگ مرتے اور آقا کا بیٹا پہلے فوت ہو چکا ہوتا......رہا امام مالک رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ اس مولیٰ کا وارث تو وہی شخص ہوگا جو زندہ افراد میں سے اس کے سب سے زیادہ قریب ہوگا تو اس اصول جو کہ واقعی درست ہے، کے مطابق اگر یہ آزاد کردہ غلام پہلے مرتا اور آقا کا بیٹا بعد میں مرتا اور اس کا ثبوت بھی مل جاتا تو پھر بھی اس آزاد کردہ غلام کی وراثت کے اصل حقدار اس کے اپنے زندہ نسبی قریبی رشتہ دار (اصحاب الفرائض یا عصبات) ہی تھے۔ان کی موجودگی میں آزاد کرنے والے کی طرف وراثت نہیں جا سکتی، کیونکہ ولاء ملنے یعنی ولاء کی وجہ سے صرف اسی وقت وارث بنا جاتا ہے جب آزاد کردہ غلام کی وراثت لینے والا اس کا کوئی دور یا قریب کا نسبی وارث زندہ نہ ہو۔ واللہ اعلم بالصواب

قَـالَ مَالِكٌ : وَمِنْ ذَلِكَ أَيْضاً أَنْ تَهْلَكَ الْعَمَّةُ وَابْنُ أَخِيهَا ، أَوِ ابْنَةُ الأَخِ وَعَمُّهَا ، فَلا يُعْلَمُ أَيُّهُمَـا مَـاتَ قَبْلُ ، فَإِنْ لَمْ يُعْلَمْ أَيُّهُمَا مَاتَ قَبْلُ ، لَمْ يَرِثِ الْعَمُّ مِنِ ابْنَةِ أَخِيهِ شَيْئاً ، وَلا يَرِثُ ابْنُ الأَخِ مِنْ عَمَّتِهِ شَيْئاً .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور اسی میں سے یہ صورت بھی ہے کہ پھوپھی اور اس کا بھتیجا ہلاک ہو جاتے ہیں یا بھتیجی اور اس کا چچا (ہلاک ہو جاتے ہیں) اور یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ان میں سے کون پہلے مرا تھا۔ چنانچہ اگر یہ معلوم نہ ہو سکے کہ ان میں سے کس کو پہلے موت آئی تھی تو نہ وہ چچا اپنی بھتیجی کا وارث بنے گا اور نہ ہی وہ بھتیجا اپنی پھوپھی کا وارث بن پائے گا۔

15- بَابٌ :مِيرَاثُ وَلَدِ الْمُلَاعَنَةِ وَوَلَدِ الزِّنَا

لعان والی عورت کی اولاد اور زنا کی اولاد کی وراثت کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں دو مقطوع روایات (آثار تابعین رحمہم اللہ) ہیں اور دونوں ہی سنداً ضعیف ہیں۔

فائدہ :......لعان والی عورت پر اس کے خاوند کا الزام ہی یہ تھا کہ حمل اس کا نہیں ہے بلکہ زنا کا ہے۔اب خواہ وہ الزام سچا ہو یا جھوٹا ہر دو صورت میں لعان ہو جانے کے بعد اس بچے کا نسب لعان کرنے والے مرد سے قائم نہ

ہوگا۔ رہی وہ اولاد جس کا زنا سے پیدا ہونا ثابت ہو جائے تو ظاہر ہے کہ زانی کے لیے زنا کا بچہ پتھر ہی کی طرح بے کار ہوتا ہے اور بچے کا اس زانی باپ سے شرعی نسب قائم ہی نہیں ہوتا۔ اس لیے مذکورہ دونوں صورتوں میں بچے کی وراثت صرف ماں کی طرف سے قائم ہوگی۔

[1492] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، أَنَّ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ كَانَ يَقُولُ فِي وَلَدِ الْمُلَاعَنَةِ وَوَلَدِ الزِّنَا: إِنَّهُ إِذَا مَاتَ وَرِثَتْهُ أُمُّهُ، حَقَّهَا فِي كِتَابِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَإِخْوَتُهُ لِأُمِّهِ حُقُوقَهُمْ، وَيَرِثُ الْبَقِيَّةَ مَوَالِي أُمِّهِ إِنْ كَانَتْ مَوْلَاةً، وَإِنْ كَانَتْ عَرَبِيَّةً وَرِثَتْ حَقَّهَا، وَوَرِثَ إِخْوَتُهُ لِأُمِّهِ حُقُوقَهُمْ، وَكَانَ مَا بَقِيَ لِلْمُسْلِمِينَ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ بے شک عروہ بن زبیر رحمہ اللہ لعان والی عورت کے بچے اور زنا کے بچے کے بارے میں فرمایا کرتے تھے: بلاشبہ جب وہ مرے گا تو اس کی ماں اس کی وارث بن کر اللہ عزوجل کی کتاب میں مذکور اپنا حصہ لے گی اور اس کے اخیافی (ماں کی طرف سے) بہن بھائی بھی اپنا حصہ لیں گے اور باقی ماندہ ترکہ اس کی ماں کو آزاد کرنے والے مالک (عصبہ سببی کے طور پر) لے لیں گے بشرطیکہ وہ آزاد کردہ لونڈی ہو اور اگر وہ عربی (آزاد) عورت ہو تو وہ اپنا حق لے گی۔ اس بچے کے اخیافی (مادری) بہن بھائی بھی اپنا حصہ لیں گے اور جو باقی بچے گا وہ (تمام) مسلمانوں کے لیے ہوگا۔

فائدہ: ......یعنی بیت المال میں رکھا جائے گا۔ دراصل حضرت ابوبکر اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما نیز امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اصحاب الفرائض سے بچا ہوا مال بیت المال میں جاتا ہے جس وقت کہ کوئی عصبہ نہ ہو۔ ان کے نزدیک نہ اس باقی ماندہ مال میں رد ہوتا ہے اور نہ وہ ذوالارحام کو ملتا ہے، لیکن جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ اور فقہاء کے ہاں بیت المال میں مال پہنچانے سے پہلے دو جگہیں اور بھی ہیں جہاں وراثت تقسیم ہوتی ہے۔ ایک یہ کہ وہ بچا ہوا مال اصحاب الفرائض ہی پر لوٹا دیا جاتا ہے سوائے خاوند اور بیوی کے اور اس عمل کو وراثت کی اصطلاح میں ''رد'' کہتے ہیں۔ دوسری جگہ یہ ہے کہ اگر اصحاب الفرائض اور عصبات میں سے کوئی بھی رشتہ دار زندہ نہ ہو تو وراثت کے حقدار ذوالارحام ہوتے ہیں، ہاں اگر وہ بھی نہ ہوں تو پھر مال کو بیت المال میں جمع کرا دیا جاتا ہے۔

[1493] قَالَ مَالِكٌ: وَبَلَغَنِي عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ مِثْلُ ذَلِكَ، قَالَ مَالِكٌ: وَعَلَى ذَلِكَ أَدْرَكْتُ أَهْلَ الْعِلْمِ بِبَلَدِنَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مجھے سلیمان بن یسار رحمہ اللہ سے بھی اسی جیسی خبر پہنچی ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور میں نے اپنے شہر کے اہل علم کی رائے کو اسی کے مطابق پایا ہے۔

[1492] (مقطوع ضعيف) بيهقي: 6/ 259(12496)۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

[1493] (مقطوع ضعيف) اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے۔

40

كِتَابُ الْعُقُوْلِ

دِیتوں (خون بہا) کے مسائل کی کتاب

خلاصۃ الکتاب اس کتاب میں 24 ابواب اور 44 روایات ہیں، جن میں سے 6 مرفوع (احادیث نبویہ) 12 موقوف (آثار صحابہ ﷡) اور 26 مقطوع (آثار تابعین ﷫) ہیں، ان تمام روایات میں سے 34 سنداً صحیح اور 10 ضعیف ہیں، چنانچہ 6 مرفوع روایات میں سے 5 صحیح ہیں اور ایک ضعیف ہے، 12 موقوف روایات میں سے 6 صحیح اور 6 ضعیف ہیں اور 26 مقطوع روایات میں سے 23 صحیح اور 3 ضعیف ہیں ۔ نیز امام مالک ﷫ کے 79 فتاویٰ جات بھی اس کتاب میں مذکور ہیں ۔

فائدہ :...... "عُقُوْل" جمع ہے "عَقْلٌ" کی جس کے معنیٰ دِیَت اور خون بہا کے ہیں ۔ دراصل یہ لفظ اونٹ کا گھٹنا باندھنے کے لیے بولا جاتا ہے ۔ اہلِ عرب میں جب کوئی قاتل خون بہا ادا کرتا تو وہ دیت کے اونٹ جمع کر کے مقتول کے ورثاء کے گھر کے سامنے کھڑا کر کے ان کے گھٹنے باندھ دیتا ۔ اسی لیے دیت کا نام ہی "عقل" پڑ گیا ، پھر چونکہ یہ دیت قاتل کے عصبہ ورثاء ادا کرتے ہیں اس لیے انھیں عاقلہ کہتے ہیں ۔ دیت میں اصل اونٹ ہیں انھی کے بھاؤ کی کمی بیشی کے اعتبار سے ان کے بدلے سونا یا چاندی یا گائیں یا بکریاں یا کپڑے وغیرہ ادا کیے جاتے ہیں ۔ عقل کے حوالہ سے ایک توجیہ یہ کی جاتی ہے کہ عقل کا ایک اصل معنی روکنا ہے ۔ عقل (سمجھ) کو عقل اس لیے کہتے ہیں وہ آدمی کو غیر شرعی کاموں اور مروت کے خلاف امور سے روکتی ہے ۔ دیت اور خون بہا کو عقل اس لیے کہتے ہیں کہ یہ انسان کو قتل اور دیگر قسم کے ظلموں سے روکتی ہے ۔ عاقلہ خون بہا دینے والوں کو اس لیے عاقلہ کہتے ہیں کہ وہ اپنے خاندان کے افراد کو ظلم و زیادتی سے روکتے ہیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر یہ تعدی وعدوان سے کام لیں گے تو ان کو عقل (دیت) دینا پڑے گی ۔

1- بَابٌ: ذِكْرُ الْعُقُوْلِ

دِیتوں کا تذکرہ

خلاصۃ الباب اس باب میں ایک مرفوع روایت (حدیث نبوی ﷺ) ہے جو سنداً صحیح ثابت ہے ۔

[1494] حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ فِي الْكِتَابِ الَّذِي كَتَبَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لِعَمْرِو بْنِ حَزْمٍ فِي الْعُقُولِ: أَنَّ فِي النَّفْسِ مِئَةً مِنَ الْإِبِلِ، وَفِي الْأَنْفِ إِذَا أُوعِيَ جَدْعاً مِئَةٌ مِنَ الْإِبِلِ، وَفِي الْمَأْمُومَةِ ثُلُثُ الدِّيَةِ، وَفِي الْجَائِفَةِ مِثْلُهَا، وَفِي الْعَيْنِ خَمْسُونَ، وَفِي الْيَدِ خَمْسُونَ، وَفِي الرِّجْلِ خَمْسُونَ، وَفِي كُلِّ أُصْبُعٍ مِمَّا هُنَالِكَ عَشْرٌ مِنَ الْإِبِلِ، وَفِي السِّنِّ خَمْسٌ، وَفِي الْمُوضِحَةِ خَمْسٌ.

عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم رحمہ اللہ اپنے والد (ابوبکر بن محمد) سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک وہ کتاب (تحریر) جورسول اللہ ﷺ نے (ان کے دادا) حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے لیے دیتوں کے متعلق لکھوائی تھی۔ اس میں یہ بھی تھا کہ بلاشبہ ایک جان کی دیت سو اونٹ ہیں اور ناک میں بھی سو اونٹ ہیں جب کہ اسے پورا (جڑ سے) کاٹ دیا جائے، اور مامومہ (أمّ الدِّماغ یعنی دماغ کی جھلی تک پہنچنے والے سر کے زخم) میں تہائی دیت ہے، اور پیٹ کے اندر تک پہنچنے والے زخم میں بھی اسی کی مثل (تہائی دیت) ہے، اور ایک آنکھ میں پچاس اونٹ ہیں، اور ایک ہاتھ میں بھی پچاس اونٹ ہیں، اور ایک پاؤں میں بھی پچاس اونٹ ہیں اور ہر انگلی میں ان انگلیوں میں سے جو یہاں (ہاتھ یا پاؤں میں) ہیں، دس اونٹ ہیں، اور ایک دانت میں پانچ اونٹ ہیں اور موضحہ (ہڈی ننگی کردینے والے زخم) میں بھی پانچ اونٹ ہیں۔

فائدہ :...... ابن سکیت کا کہنا ہے کہ مامومہ زخم والے شخص کا یہ حال ہوتا ہے کہ وہ بجلی کی کڑک سن کر اور اونٹ کا بلبلانا سن کر بے ہوش ہو جاتا ہے اور دھوپ میں باہر نہیں نکل سکتا۔

2- بَابُ الْعَمَلِ فِي الدِّيَةِ

دیت (کی ادائیگی) کے طریق کار کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں ایک موقوف روایت (اثر صحابی رضی اللہ عنہ) ہے جو سنداً ضعیف ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے چار فتاوی بھی مذکور ہیں۔

[1495] حَدَّثَنِي مَالِكٌ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَوَّمَ الدِّيَةَ عَلَى أَهْلِ الْقُرَى،

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ بے شک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بستیوں والوں پر دیت کی قیمت لگائی تو

[1494] (مرفوع صحیح لغیرہ) سنن النسائی، کتاب القسامه، باب ذکر حدیث عمرو بن حزم فی العقول، حدیث: 4857، دارمی: 2366، بیھقی: 8/ 73، 81، 82، الشافعی فی الام: 6/ 75۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو صحیح لغیرہ کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

[1495] (موقوف ضعیف) بیھقی: 8/ 80، عبدالرزاق: 9/ 269 (17271)، ابن ابی شیبہ: 26717۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔

فَجَعَلَهَا عَلَى أَهْلِ الذَّهَبِ أَلْفَ دِينَارٍ، وَعَلَى أَهْلِ الْوَرِقِ اثْنَيْ عَشَرَ أَلْفَ دِرْهَمٍ.

سونے کی کرنسی والوں پر اسے ایک ہزار دینار مقرر کیا اور چاندی کی کرنسی والوں پر بارہ ہزار درہم مقرر کیے۔

فائدہ: ......ایک روایت میں ہے کہ عہد نبوی ﷺ میں دیت کی قیمت آٹھ سو دینار یا آٹھ ہزار درہم مقرر تھی جسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اونٹوں کے مہنگا ہو جانے کی وجہ سے بڑھا دیا۔ (ابو داود: 4542۔ اس کی سند حسن ہے) نیز حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کی تحریر میں ایک ہزار دینار کا تذکرہ بھی رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے۔ (نسائی: 4857۔ اس کی سند حسن ہے، نیز دیکھیے مراسیل ابی داود: 257، دارمی: 193/2، نسائی فی الکبری: 57/7، 58) دراصل خود رسول اللہ ﷺ کے دور میں بھی اونٹوں کی قیمتیں بڑھ گئی تھیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اونٹوں کی قیمتیں چار سو دینار سے آٹھ سو دینار تک پہنچ گئی تھیں اور بھاؤ کے کم یا زیادہ ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے متبادل سونے چاندی کی مقدار کی تعیین میں بھی فرق پڑتا چلا جاتا تھا۔ (ابو داود: 4564، نسائی: 4805، ابن ماجہ: 2630۔ اس کی سند حسن ہے۔)

قَالَ مَالِكٌ : فَأَهْلُ الذَّهَبِ أَهْلُ الشَّامِ وَأَهْلُ مِصْرَ، وَأَهْلُ الْوَرِقِ أَهْلُ الْعِرَاقِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: سونے (کے ساتھ تعلق رکھنے) والے (لوگ) اہل شام اور اہل مصر ہیں جبکہ چاندی والے اہل عراق ہیں۔

وَحَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ سَمِعَ أَنَّ الدِّيَةَ تُقْطَعُ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ أَوْ أَرْبَعِ سِنِينَ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ انھوں نے سنا ہے کہ بے شک دیت تین سال میں یا چار سال میں قسطوں میں ادا کی جائے گی۔

قَالَ مَالِكٌ : وَالثَّلَاثُ أَحَبُّ مَا سَمِعْتُ إِلَيَّ فِي ذَلِكَ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور تین سال (میں ادائیگی) مجھے ان تمام اقوال میں سے زیادہ محبوب ہے جو میں نے اس بارے میں سنے ہیں۔

فائدہ: ......دیت کی ادائیگی کا طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ قاتل کے باپ کی طرف سے جتنے بھی مذکر رشتہ دار ہوں گے ان تمام پر دیت کو بانٹا جائے گا اور ان میں سے ہر شخص اپنے اوپر عائد ہونے والا حصہ تین سال میں ماہانہ (یا کم وبیش طے شدہ مدت پر) قسط کے ساتھ ادا کرے گا۔

قَالَ مَالِكٌ : الْأَمْرُ الْمُجْتَمَعُ عَلَيْهِ عِنْدَنَا : أَنَّهُ لَا يُقْبَلُ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى فِي الدِّيَةِ الْإِبِلُ، وَلَا مِنْ أَهْلِ الْعَمُودِ الذَّهَبُ وَلَا الْوَرِقُ، وَلَا مِنْ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ حکم جس پر ہمارے ہاں اجماع ہے یہ ہے کہ بلاشبہ بستیوں والوں سے دیت میں اونٹ قبول نہیں کیے جائیں گے اور ستون والوں (خیموں میں

أَهْلِ الذَّهَبِ الْوَرِقُ، وَلَا مِنْ أَهْلِ الْوَرِقِ الذَّهَبُ.

رہنے والے خانہ بدوشوں) سے نہ سونا لیا جائے گا اور نہ چاندی (بلکہ ان سے تو اونٹ ہی لیے جائیں گے) اور نہ سونے والوں سے چاندی لی جائے گی اور نہ چاندی والوں سے سونا لیا جائے گا۔

فائدہ :...... آج کل اگر کسی علاقے میں کسی فرد کے پاس یہ اشیاء دستیاب ہوں تو ٹھیک ہے، ورنہ اونٹوں کی قیمت ہر علاقے کی کرنسی کے حساب سے لی جائے گی۔

3- بَابُ مَا جَاءَ فِي دِيَةِ الْعَمْدِ إِذَا قُبِلَتْ وَجِنَايَةِ الْمُجْنُونِ

قتلِ عَمد کی دیت کا بیان جب (ورثاء مقتول کی طرف سے) اسے قبول کرلیا جائے اور مجنون کے جرم کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں دو روایات ہیں، ایک موقوف (اثرِ صحابی رضی اللہ عنہ) ہے جو سنداً ضعیف ہے اور ایک مقطوع (اثرِ تابعی رحمہ اللہ) ہے جو سنداً صحیح ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاوی بھی مذکور ہیں۔

فائدہ :...... قتلِ عمد سے مراد وہ قتل ہے جو قصداً اور جانتے بوجھتے ہوئے ایسے آلے سے کیا جائے جو عموماً قتل میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اس میں قصاص لازم آتا ہے الا یہ کہ ورثائے مقتول دیت پر راضی ہو جائیں تو اس کی دیت لازم ہوگی جو ذرا مہنگی ہے اور اسے "دیت مغلظ" کہتے ہیں۔

[1496] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ: أَنَّ ابْنَ شِهَابٍ كَانَ يَقُولُ فِي دِيَةِ الْعَمْدِ إِذَا قُبِلَتْ خَمْسٌ وَعِشْرُونَ بِنْتَ مَخَاضٍ، وَخَمْسٌ وَعِشْرُونَ بِنْتَ لَبُونٍ، وَخَمْسٌ وَعِشْرُونَ حِقَّةً، وَخَمْسٌ وَعِشْرُونَ جَذَعَةً.

ابن شہاب رحمہ اللہ سے روایت ہے، وہ قتل عمد کی دیت، جب کہ اسے (ادا کیا جانا) قبول کرلیا جائے، کے متعلق فرمایا کرتے تھے: وہ (چار حصوں میں تقسیم ہوگی) پچیس بنتِ مخاض (ایک سالہ اونٹنیاں)، پچیس بنتِ لبون (دو سالہ اونٹنیاں) پچیس حقہ (تین سالہ اونٹنیاں) اور پچیس جذعہ (چار سالہ اونٹنیاں) ہیں۔

فائدہ :...... حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی دیت مغلظ کی یہی وضاحت منقول ہے۔ (ابوداود: 4553) لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ چار حصوں والی مذکورہ تقسیم قتلِ خطا کی دیت میں ذکر فرمائی ہے اور وہ اسے دیتِ خفیفہ قرار دیتے تھے۔ (ابوداود: 4552) جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ دیتِ مغلظ کو یوں بیان کرتے تھے: 30 حقے (تین سالہ اونٹنیاں)، 30 جذعے (چار سالہ اونٹنیاں) اور 40 ایسی حاملہ اونٹنیاں جن کی عمریں آٹھ سال مکمل ہو چکی ہوں۔ (ابوداود: 4551)

[1496] (مقطوع صحیح) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی یہی دیتِ مغلظہ منقول ہے۔ (ابوداود: 4550) اگرچہ ان روایات کی سندوں میں کچھ کمزوری ہے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیتِ مغلظہ میں چالیس حاملہ اونٹنیاں شامل کرنے کا حکم فرمایا تھا۔ (ابوداود: 4547، نسائی: 4797، ابن ماجہ: 2627۔ اس کی سند حسن ہے)۔ امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کا یہی موقف ہے جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک قتل عمد میں کوئی دیت لازم ہی نہیں بلکہ فریقین جس چیز پر بھی صلح کرلیں وہی واجب الادا ہوگی۔

[1497] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ: أَنَّ مَرْوَانَ بْنَ الْحَكَمِ كَتَبَ إِلَى مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ، أَنَّهُ أُتِيَ بِمَجْنُونٍ قَتَلَ رَجُلاً. فَكَتَبَ إِلَيْهِ مُعَاوِيَةُ أَنِ اعْقِلْهُ وَلاَ تُقِدْ مِنْهُ، فَإِنَّهُ لَيْسَ عَلَى مَجْنُونٍ قَوَدٌ.

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ (امیر مدینہ) مروان بن حکم رحمہ اللہ نے حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی طرف لکھا کہ ایک مجنون شخص کو (ہمارے پاس) لایا گیا ہے جس نے ایک آدمی کو قتل کیا ہے، تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف لکھا کہ اسے رسی کے ساتھ باندھ ڈالو اور اس سے قصاص نہ لو کیونکہ بلاشبہ مجنون پر قصاص (عائد) نہیں ہوتا۔

فائدہ :...... جیسا کہ فرمان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے: ''تین شخصوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے (اور ان کا گناہ نہیں لکھا جاتا): سوئے ہوئے شخص سے یہاں تک کہ وہ بیدار ہوجائے، بچے سے یہاں تک کہ وہ بالغ ہوجائے اور مجنون سے یہاں تک کہ وہ صاحب عقل (سمجھدار) ہوجائے''۔ (ابوداود: 4399۔ 4403، ترمذی: 1423۔ اس کی سند صحیح ہے)

قَالَ مَالِكٌ فِي الْكَبِيرِ وَالصَّغِيرِ إِذَا قَتَلاَ رَجُلاً جَمِيعاً عَمْداً: أَنَّ عَلَى الْكَبِيرِ أَنْ يُقْتَلَ، وَعَلَى الصَّغِيرِ نِصْفُ الدِّيَةِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے ایک بڑے (بالغ) شخص اور ایک چھوٹے (یعنی نابالغ بچے) کے متعلق فرمایا: جس وقت کہ وہ دونوں کسی شخص کو اکٹھے (مل کر) قتل کریں تو بلاشبہ بڑے پر (قصاص ہوگا لہٰذا اس پر) قتل کیا جانا ہے چھوٹے پر نصف دیت ہے۔

فائدہ :...... کیونکہ دونوں قاتل ہیں اور قصاص دونوں پر واجب ہوتا تھا لیکن چھوٹا بچہ نابالغ ہونے اور مرفوع القلم ہونے کی وجہ سے قصاص سے بچ گیا، البتہ اس پر دیت لازم ہے اور دیت بھی نصف ہی اس پر لازم ہوگی۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ مذکورہ صورت میں بالغ قاتل کو بھی قصاص سے چھوٹ دیتے ہیں، حالانکہ اگر ورثاء اس سے قصاص پر متفق ہوں تو وہ ضرور قتل ہوگا جس طرح کہ دس بالغ افراد کسی ایک شخص کو قتل کردیں اور ورثاء قصاص لینے پر مصر ہوں تو سب سے قصاص لیا جائے گا اور اگر قصاص سے قبل ان میں سے کوئی مجنون (پاگل) ہوجائے یا طبعی موت مرجائے تو باقی سے

[1497] (موقوف ضعیف)، بیہقی: 8/ 42(15979)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔

قصاص ساقط نہ ہوگا۔

قَالَ مَالِكٌ : وَكَذٰلِكَ الْحُرُّ وَالْعَبْدُ يَقْتُلَانِ الْعَبْدَ، فَيُقْتَلُ الْعَبْدُ وَيَكُونُ عَلَى الْحُرِّ نِصْفُ قِيمَتِهِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور اسی طرح ایک آزاد شخص اور ایک غلام اکٹھے (مل کر) کسی غلام کو قتل کریں تو غلام کو غلام کے بدلے قتل کیا جائے گا اور آزاد شخص پر غلام کی نصف قیمت ہوگی۔

فائدہ :...... کیونکہ قصاص ان دونوں پر تب واجب ہوتا جب وہ دونوں اس غلام کے برابر والے ہوتے، لیکن اب صرف قتل کرنے والے غلام کا درجہ تو مقتول کے برابر ہے جبکہ آزاد اس سے بالاتر ہے۔ چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ، امام مالک رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ اور جمہور کے نزدیک آزاد کو غلام کے بدلے قتل نہیں کیا جاتا جس طرح کہ والد کو اولاد کے بدلے قتل نہیں کیا جاتا، رہے احناف تو وہ غلام کے بدلے آزاد کو بھی قتل کرنے کے قائل ہیں۔ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے بعض روایات منقول ہیں لیکن سنداً کوئی بھی صحیح نہیں ہے۔ رہا قرآن کا یہ بیان کہ ''غلام کو غلام کے بدلے قتل کیا جائے'' (البقرہ: 178) تو وہ آیت خاص شان نزول رکھتی ہے اس لیے جمہور کے لیے یہ قوی دلیل نہیں ہے کہ وہ اس سے یوں استدلال کریں کہ غلام کے بدلے صرف غلام کے قتل ہونے کا تذکرہ ہے۔ لہٰذا آزاد کو اس کے بدلے قتل نہ کیا جائے گا، کیونکہ اگر اس آیت کا یہی حکم ہوتا اور واقعی یہ اسی بات پر دلالت کرتی تو پھر اس میں عورت کے بدلے عورت ہی کے قتل کا تذکرہ ہے۔ اس لیے یہ استدلال بھی کرنا پڑے گا کہ عورت کو مرد کے بدلے اور مرد کو عورت کے بدلے نہ مارا جائے گا، حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں ...... رہی وہ آیت جس میں بنی اسرائیل کے متعلق یہ حکم ثابت ہے کہ ''نفس کے بدلے نفس'' یعنی جان کے بدلے جان کو قتل کیا جائے۔ (المائدہ: 45) تو یہ احناف کی دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ اگرچہ یہ عام ہے لیکن اس سے مختلف صورتوں کا استثناء ثابت ہے مثلاً: جب قاتل مرفوع القلم ہو یا والد ہو تو اس سے قصاص نہیں ہوتا، تو اسی طرح مزید صورتیں بھی مستثنیٰ ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ جب یہ آیات کسی فریق کے لیے دلیل نہ بن سکیں تو ہم نے دوسرے دلائل کی طرف رخ کیا، اور جس طرح کہ خود احناف نے کہا ہے کہ آقا اگر اپنے غلام کو قتل کردے تو اس سے قصاص نہ ہوگا اور سورۂ مائدہ کی آیت سے اس صورت کو مستثنیٰ تسلیم کرلیا کیونکہ باقی تمام اہل علم کا اتفاق ہے کہ کسی غلام کے بدلے کوئی بھی آزاد شخص قتل نہ ہوگا خواہ وہ اس کا آقا ہو یا کوئی اجنبی، خصوصاً جس وقت کہ بعض روایات میں بھی یہ بات منقول ہے، اگرچہ ان کی سندیں کمزور ہیں۔ (دارقطنی: 143/3، بیھقی: 14/8) الغرض غلام کے بدلے آزاد سے قصاص لینے کا کوئی واضح ثبوت نہیں مل سکا، اس لیے غلام کی قیمت ہی بطور دیت ادا کی جائے گی۔ واللہ اعلم۔

4- بَابٌ: دِيَةُ الْخَطَإِ فِي الْقَتْلِ

قتلِ خطا کی دِیَت کا بیان

خلاصة الباب اس باب میں دو روایات ہیں، ایک موقوف (اثرِ صحابی رضی اللہ عنہ) ہے جو سنداً ضعیف ہے اور ایک مقطوع (اثرِ تابعی رحمہ اللہ) ہے جو صحیح ثابت ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے تین فتاویٰ جات بھی مذکور ہیں۔

فائدہ :......قتلِ خطا کی دو قسمیں ہیں، ایک کو قتل خطا ہی کہتے ہیں اور دوسری کو قتل خطا شِبہ عَمَد۔ پہلی قسم کی تفصیل تو آگے آرہی ہے۔ دوسری قسم یعنی قتل خطاشِبہ عَمَد سے مراد یہ ہے کہ کوئی مکلّف شخص کسی کو ایسی چیز سے مارنے کا ارادہ کرے جس سے عموماً انسان نہیں مرتا، مثلاً: چھڑی یا چھوٹا پتھر وغیرہ۔ اس میں قصاص نہیں ہے بلکہ دیت واجب ہے، البتہ اس کی دیت مغلظہ یعنی سخت ہے اور اسی طرح مہنگی ہے جس طرح کہ گزشتہ باب میں قتل عمد کی دیت بیان ہوئی ہے، رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''قتل شبہ عمد کی دیت قتل عمد کی دیت کی طرح مغلظہ ہے اور اس میں قاتل کو قصاصاً قتل نہیں کیا جائے گا'' (ابوداود: 4665۔ اس کی سند حسن ہے) دیت مغلظہ کی تفصیل کے لیے پچھلے باب کی روایت: 1495 دیکھیے۔ قتل خطا میں کبھی تو قاتل کے قصد میں خطا واقع ہوتی ہے، مثلاً: کسی مسلمان کو یہ سمجھ کر تیر مارا یا فائر کیا کہ وہ کوئی جانور ہے یا حربی کافر ہے، اسے ''خطا فی المحل'' کہتے ہیں اور کبھی کسی جاندار چیز کے قتل کا قصد ہی نہیں کیا گیا ہوتا لیکن ایسا کام ہو جاتا ہے جس سے کوئی مسلمان قتل ہو جاتا ہے، مثلاً: تیراندازی وغیرہ کی مشق میں کسی ٹارگٹ اور ہدف پر تیر چلایا لیکن وہ کسی مسلمان کو جا لگا، یا گاڑی اور سواری سے کوئی شخص کچلا گیا خواہ سواری بے قابو ہو یا مقتول خود ہی اتفاقاً آگے آجائے، یا چھت سے کوئی چیز پھینکی لیکن کوئی شخص اس کے نیچے دب گیا یا کسی کو غلط دوائی یا انجکشن لگا دیا وغیرہ۔ اس قتل میں دیتِ خفیفہ لازم ہوتی ہے جس کا بیان آگے آرہا ہے۔

[1498] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عِرَاكِ بْنِ مَالِكٍ، وَسُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ: أَنَّ رَجُلاً مِنْ بَنِي سَعْدِ بْنِ لَيْثٍ أَجْرَى فَرَساً، فَوَطِئَ عَلَى إِصْبَعِ رَجُلٍ مِنْ جُهَيْنَةَ، فَنُزِيَ مِنْهَا فَمَاتَ. فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لِلَّذِينَ ادُّعِيَ عَلَيْهِمْ: أَتَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ خَمْسِينَ يَمِيناً مَا مَاتَ مِنْهَا؟

عراک بن مالک رحمہ اللہ اور سلیمان بن یسار رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بنو سعد بن لیث قبیلے کے ایک شخص نے ایک گھوڑا دوڑایا، اس گھوڑے نے جہینہ قبیلے کے ایک آدمی کی انگلی روند ڈالی تو اس سے بہت زیادہ خون بہہ نکلا، چنانچہ (وہ خون بند نہ ہو سکا اور) وہ شخص مر گیا، تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں سے جن کے خلاف دعویٰ کیا گیا تھا (یعنی مدعا علیہ قبیلے) سے کہا: کیا تم اس بات پر اللہ

[1498] (موقوف ضعيف) بيهقي في السنن الكبرى: 8/ 125 (16452)، وفي معرفة السنن والآثار: 7/ 422 (5944)، ابن ابي شيبه: 27620، الشافعي في الام: 7/ 37۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔

فَأَبَوْا وَتَحَرَّجُوا، وَقَالَ لِلآخَرِينَ: أَتَحْلِفُونَ أَنْتُمْ؟ فَأَبَوْا، فَقَضَى عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ بِشَطْرِ الدِّيَةِ عَلَى السَّعْدِيِّينَ.

کے نام کی پچاس قسمیں کھاتے ہو کہ وہ آدمی اس (انگلی کی وجہ) سے نہیں مرا تو انھوں نے انکار کیا اور (یہ قسمیں کھانے کو) گناہ خیال کیا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دوسرے لوگوں (مدعی قبیلے) سے کہا: کیا تم قسمیں کھاؤ گے؟ انھوں نے بھی انکار کر دیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سعد قبیلہ والوں کے خلاف نصف دیت کا فیصلہ کر دیا۔

فائدہ:...... یہ روایت ضعیف ہے۔ پچاس قسموں والی صورت کو "قسامہ" کہتے ہیں جس کا بیان آگے آنے والی کتاب میں آ رہا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَلَيْسَ الْعَمَلُ عَلَى هَذَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اس (قول عمر رضی اللہ عنہ) پر عمل نہیں ہے۔

فائدہ:......یعنی اس مذکورہ مسئلہ میں پچاس قسموں والے معاملے پر عمل جاری نہیں ہے، بلکہ اس صورت میں مدعی پر لازم ہے کہ وہ دو گواہ پیش کرے یا ایک گواہ اور ایک قسم دے ورنہ مدعا علیہ قسم کھا کر بری ہو جائے گا۔

[1499] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّ ابْنَ شِهَابٍ، وَسُلَيْمَانَ بْنَ يَسَارٍ، وَرَبِيعَةَ بْنَ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ كَانُوا يَقُولُونَ: دِيَةُ الْخَطَإِ عِشْرُونَ بِنْتَ مَخَاضٍ، وَعِشْرُونَ بِنْتَ لَبُونٍ، وَعِشْرُونَ ابْنَ لَبُونٍ ذَكَراً، وَعِشْرُونَ حِقَّةً، وَعِشْرُونَ جَذَعَةً.

امام مالک رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ بیشک ابن شہاب رحمہ اللہ، سلیمان بن یسار رحمہ اللہ اور ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ قتل خطا کی دیت یہ ہے: بیس بنت مخاض (ایک سالہ اونٹنیاں)، بیس بنت لبون (دو سالہ اونٹنیاں)، بیس مذکر ابن لبون (دو دو سالہ اونٹ)، بیس حقے (تین سالہ اونٹنیاں) اور بیس جذعے (چار سالہ اونٹنیاں)۔

فائدہ:......ان پانچ قسم کے حصوں میں بیان شدہ بیس نر اونٹ دو دو سالہ ہیں۔ البتہ جمہور کے نزدیک یہ نر اونٹ ایک ایک سالہ ہیں جیسا کہ ایک حدیث میں بھی مروی ہے۔ (ابوداود: 4545، ابن ماجه: 2631) لیکن یہ روایت ضعیف ہے اور صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ قتلِ خطا کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول روایت: 1495 کے فائدہ میں گزر چکا ہے۔ حضرت عثمان اور حضرت زید رضی اللہ عنہما سے قتلِ خطا کی دیت یوں منقول ہے: 30 حاملہ حقے (تین سالہ اونٹنیاں)، 30 دو سالہ اونٹنیاں، 20 دو سالہ نر اونٹ اور بیس ایک سالہ اونٹنیاں۔ (ابوداود: 4554) بہر حال اس تھوڑے سے اختلاف کے باوجود تمام امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ قتلِ خطا کی دیت مغلظہ

[1499] (مقطوع صحيح) بيهقى فى السنن الكبرى: 8/ 73، 74، وفى معرفة السنن والآثار: 6/ 201 (4884)، عبدالرزاق: 17230۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

نہیں بلکہ خفیفہ ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: الأَمْرُ الْمُجْتَمَعُ عَلَيْهِ عِنْدَنَا: أَنَّهُ لاَ قَوَدَ بَيْنَ الصِّبْيَانِ، وَإِنَّ عَمْدَهُمْ خَطأٌ مَا لَمْ تَجِبْ عَلَيْهِمُ الْحُدُودُ، وَيَبْلُغُوا الْحُلُمَ، وَإِنَّ قَتْلَ الصَّبِيِّ لاَ يَكُونُ إِلاَّ خَطأً، وَذَلِكَ لَوْ أَنَّ صَبِيًّا وَكَبِيراً قَتَلاَ رَجُلاً حُرًّا خَطأً، كَانَ عَلَى عَاقِلَةِ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا نِصْفُ الدِّيَةِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ حکم جس پر ہمارے ہاں اجماع ہے، یہ ہے کہ (نابالغ) بچوں (کے باہمی قتل میں ان) کے درمیان قصاص نہیں ہے اور بلاشبہ ان کا قتل عمد بھی قتل خطا ہی ہوتا ہے جب تک کہ ان پر حدود واجب نہ ہو جائیں اور وہ بلوغت کو نہ پہنچ جائیں اور یقیناً بچے کا قتل کرنا خطا کے سوا کچھ (شمار) نہیں ہوتا اور اس بات کے مطابق (یہ نتیجہ مرتب ہوگا کہ) اگر ایک بچہ (نابالغ) اور ایک بڑا (بالغ) شخص کسی آزاد آدمی کو غلطی سے قتل کر دیں تو ان میں سے ہر ایک کے عصبہ (آبائی مذکر) رشتہ داروں پر نصف نصف دیت (واجب) ہوگی۔

قَالَ مَالِكٌ: وَمَنْ قَتَلَ خَطأً فَإِنَّمَا عَقْلُهُ مَالٌ لاَ قَوَدَ فِيهِ، وَإِنَّمَا هُوَ كَغَيْرِهِ مِنْ مَالِهِ، يُقْضَى بِهِ دَيْنُهُ، وَتَجُوزُ فِيهِ وَصِيَّتُهُ، فَإِنْ كَانَ لَهُ مَالٌ تَكُونُ الدِّيَةُ قَدْرَ ثُلُثِهِ، ثُمَّ عُفِيَ عَنْ دِيَتِهِ، فَذَلِكَ جَائِزٌ لَهُ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ غَيْرُ دِيَتِهِ، جَازَ لَهُ مِنْ ذَلِكَ الثُّلُثُ إِذَا عُفِيَ عَنْهُ وَأَوْصَى بِهِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جو شخص غلطی سے کسی کو قتل کر دے تو بلاشبہ اس کی دیت مال ہے، اس میں کوئی قصاص نہیں ہے، اور بلاشبہ وہ (مال) اس (مقتول) کے اس مال کے علاوہ باقی مال جیسا ہی مال ہے جس سے اس کا قرض ادا کیا جائے گا اور اس کی وصیت نافذ ہوگی، پھر اگر تو اس (مقتول) کا (دوسرا) مال اتنا ہو کہ یہ دیت اس کے تہائی حصے کے بقدر ہو، پھر وہ (مقتول وصیت کرتے ہوئے) اپنی دیت معاف کر دے تو یہ اس کے حق میں جائز ہے۔ (کیونکہ مرنے والا اپنے تہائی مال تک وصیت کا حق رکھتا ہے اور یہ دیت اس مقتول ہی کا مال ہے جیسے اگر اس کے بقیہ مال سے جمع کریں تو یہ کل مال کا تہائی حصہ ہی بنتی ہے) اور اگر اس (مقتول) کے پاس اس دیت کے سوا کوئی مال نہ ہو تو یہ (دیت کی معافی) اس کے لیے (دیت کے) تہائی حصے میں جائز ہے جب کہ وہ اس (اپنی دیت) کو معاف کر گیا ہو اور اس کی وصیت کر گیا ہو۔

فائدہ:...... دیت کے باقی دو حصے اس کے ورثاء کے ہوں گے، اِلَّا یہ کہ وہ بھی چاہیں تو معاف کر دیں کیونکہ فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَ دِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَى أَهْلِهِ إِلَّا أَنْ يَّصَّدَّقُوْا﴾ (النساء: 92) ''اور دیت اس (مقتول) کے گھر والوں کے سپرد کرنا لازم ہے اِلَّا یہ کہ وہ معاف کر دیں۔''

5- بَابٌ: عَقْلُ الْجِرَاحِ فِي الْخَطَإِ
غلطی سے زخمی کر دینے کی دیت کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں کوئی روایت نہیں ہے، البتہ امام مالک رحمہ اللہ کے چار فتاویٰ جات مذکور ہیں۔

حَدَّثَنِي مَالِكٌ: أَنَّ الأَمْرَ الْمُجْتَمَعُ عَلَيْهِ عِنْدَهُمْ فِي الْخَطَإِ: أَنَّهُ لاَ يُعْقَلُ حَتَّى يَبْرَأَ الْمَجْرُوحُ وَيَصِحَّ، وَأَنَّهُ إِنْ كُسِرَ عَظْمٌ مِنَ الإِنْسَانِ يَدٌ أَوْ رِجْلٌ، أَوْ غَيْرُ ذَلِكَ مِنَ الْجَسَدِ خَطَأً، فَبَرَأَ وَصَحَّ وَعَادَ لِهَيْئَتِهِ، فَلَيْسَ فِيهِ عَقْلٌ، فَإِنْ نَقَصَ أَوْ كَانَ فِيهِ عَثَلٌ، فَفِيهِ مِنْ عَقْلِهِ بِحِسَابِ مَا نَقَصَ مِنْهُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: یقیناً غلطی (سے زخمی کر دینے) کے متعلق ان کے ہاں اس حکم پر اجماع ہے کہ بلاشبہ اس کی دیت ادا نہ کی جائے گی، یہاں تک کہ زخمی شخص (کا زخم) ٹھیک ہو جائے اور وہ صحت یاب ہو جائے۔ (یہ انتظار اس لیے ہے کہ ممکن ہے کہ یہ زخم موت کا باعث بن جائے اور قتل خطا کی دیت لازم ہو جائے) اور بلاشبہ اگر کسی انسان کی کوئی ہڈی غلطی سے توڑ دی جائے، مثلاً: ہاتھ یا پاؤں اور ان کے علاوہ جسم کا کوئی اور عضو، پھر وہ شفا پالے اور صحت یاب ہو جائے اور اپنی (پہلے والی) حالت پر لوٹ آئے تو اس میں کوئی دیت نہ ہوگی اور اگر (اس عضو میں کوئی) نقص پیدا ہو جائے یا اس میں عدم استواء ہو جائے (وہ ہڈی غلط طریقے سے ناہموار ہو کر جڑے، سیدھی نہ ہو سکے) تو پھر اسی حساب سے دیت (واجب) ہوگی جو کہ نقص آیا ہو۔

قَالَ مَالِكٌ: فَإِنْ كَانَ ذَلِكَ الْعَظْمُ مِمَّا جَاءَ فِيهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ عَقْلٌ مُسَمًّى، فَبِحِسَابِ مَا فَرَضَ فِيهِ النَّبِيُّ ﷺ، وَمَا كَانَ مِمَّا لَمْ يَأْتِ فِيهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ عَقْلٌ مُسَمًّى، وَلَمْ تَمْضِ فِيهِ سُنَّةٌ وَلاَ عَقْلٌ مُسَمًّى، فَإِنَّهُ يُجْتَهَدُ فِيهِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر تو وہ ہڈی (کا زخم) ان (بیان کردہ زخموں) میں سے ہو جن کے متعلق نبی کریم ﷺ سے متعین دیت وارد ہوئی ہو تو (اس میں دیت کا وجوب) اسی حساب سے ہوگا، جو اس میں نبی مکرم ﷺ نے مقرر فرمایا ہے اور جو (زخم) ایسا ہو کہ اس کے متعلق نبی کریم ﷺ سے کوئی مقرر دیت ثابت نہ ہو اور نہ اس میں کوئی سنت (جاری) ہو اور نہ کوئی متعین دیت (کا فیصلہ) جاری ہوا ہو تو بلاشبہ اس کے بارے میں اجتہاد کیا جائے گا۔

قَالَ مَالِكٌ: وَلَيْسَ فِي الْجِرَاحِ فِي الْجَسَدِ إِذَا كَانَتْ خَطَأً عَقْلٌ إِذَا بَرَأَ الْجُرْحُ وَعَادَ لِهَيْئَتِهِ، فَإِنْ كَانَ فِي شَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ عَثَلٌ، أَوْ شَيْنٌ، فَإِنَّهُ يُجْتَهَدُ فِيهِ، إِلاَّ الْجَائِفَةَ، فَإِنَّ فِيهَا ثُلُثَ دِيَةِ النَّفْسِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور جسم میں (پہنچنے والے) زخم میں جب کہ وہ غلطی سے (لگا) ہو، کوئی دیت نہیں پڑتی جس وقت کہ زخم شفایاب ہو جائے اور (عضو، ہڈی) اپنی حالت پر لوٹ آئے۔ ہاں اگر ان میں سے کسی میں ناہموار جڑاؤ یا کوئی عیب (واقع) ہو تو اس کے متعلق اجتہاد کیا جائے گا

سوائے ''جائفۃ'' یعنی پیٹ کے اندر تک پہنچنے والے زخم کے، کیونکہ بلاشبہ اس میں جان (تلف ہوجانے) کی دیت کا تہائی (لازم) ہے۔

فائدہ :...... ''جائفۃ'' سے مراد وہ زخم ہے جو پیٹ یا سر یا پشت کے اندر تک چلا جائے اور بعض روایات میں اس کی دیت کی مقدار تہائی ثابت ہے یعنی کل دیت ۱۰۰ اونٹ کا تیسرا حصہ پڑتا ہے۔ (نسائی : 4857، 4860۔ اس کی سند حسن ہے) راجح یہ ہے کہ غلطی کی صورت میں اس میں بھی اجتہاد کے ساتھ سزا دی جائے گی۔ واللہ اعلم

قَالَ مَالِكٌ : وَلَيْسَ فِي مُنَقِّلَةِ الْجَسَدِ عَقْلٌ ، وَهِيَ مِثْلُ مُوضِحَةِ الْجَسَدِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جسم کے منقلہ زخم (جو ہڈی کو اپنی جگہ سے منتقل کر دے) میں کوئی دیت نہیں ہے اور یہ جسم کے موضحہ زخم (جو ہڈی کو ننگا کر دیتا ہے) جیسا ہے۔

فائدہ :...... منقلہ زخم کا تذکرہ بعض روایات میں ثابت ہے۔ (نسائی : 4857، 4860، احمد: 217/2، دارمی ، کتاب الدیات : 12۔ اس کی سند حسن ہے، نیز دیکھیے مراسیل ابی داود: 257، نسائی فی الکبری: 57/8، 58، ارواء الغلیل : 2212) اگر یہ زخم قصداً لگایا جائے تو اس میں پندرہ اونٹ دیت ادا کی جاتی ہے اور خطا سے ہو تو کوئی دیت نہیں ہے۔ موضحہ میں پانچ اونٹ لازم ہیں اور اگر یہ بھی غلطی سے ہو تو کچھ بھی دیت نہیں پڑتی، کیونکہ زخم بالآخر بھر ہی جاتا ہے، ہاں اگر زخم درست نہ ہوا اور اسی کی بنا پر موت آجائے تو پھر قتل خطا کی دیت پڑتی ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : الأَمْرُ الْمُجْتَمَعُ عَلَيْهِ عِنْدَنَا : أَنَّ الطَّبِيبَ إِذَا خَتَنَ فَقَطَعَ الْحَشَفَةَ : إِنَّ عَلَيْهِ الْعَقْلَ ، وَأَنَّ ذَلِكَ مِنَ الْخَطَإِ الَّذِي تَحْمِلُهُ الْعَاقِلَةُ ، وَأَنَّ كُلَّ مَا أَخْطَأَ بِهِ الطَّبِيبُ أَوْ تَعَدَّى إِذَا لَمْ يَتَعَمَّدْ ذَلِكَ ، فَفِيهِ الْعَقْلُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ حکم جس پر ہمارے ہاں اجماع ہے، یہ ہے کہ بے شک ہمارے ہاں طبیب (ڈاکٹر، معالج، حکیم، جراح وغیرہ) جب ختنہ کرے اور حشفہ (عضو تناسل کا اگلا سرا جو ختنہ کے بعد کھال کٹنے سے کھل جاتا ہے) کاٹ ڈالے تو بلاشبہ اس پر دیت لازم ہے اور یقیناً یہ اس خطا (والے جرائم) میں سے ہے جسے عاقلہ رشتہ دار اٹھاتے (اور برداشت کرتے) ہیں اور بلاشبہ جب بھی طبیب اس میں خطا کا ارتکاب کرے یا حد سے تجاوز کرے (کہ بوقت جراحی یا بوقت آپریشن کھال زیادہ چیر ڈالے یا کوئی اور غلطی کرے) تو اس میں دیت ہے (بشرطیکہ) جب اس نے عمداً ایسا نہ کیا ہو۔

فائدہ :...... اگر عمداً ایسا کرے گا تو اس سے قصاص لیا جائے گا، اسی طرح جو شخص طب میں ماہر نہ ہو اور تکلف سے جھوٹ موٹ طبیب بن کر علاج کرے اور کوئی نقصان کر بیٹھے تو وہ ضامن ہوگا۔ (ابو داود : 4586، نسائی : 4834، ابن ماجہ : 3466۔ اس کی سند حسن ہے۔) عاقلہ سے مراد آدمی کے باپ کی جانب سے مذکر رشتہ دار ہیں، جنھیں عصبہ یا آبائی مذکر رشتہ دار بھی کہا جاسکتا ہے۔

6- بَابٌ: عَقْلُ الْمَرْأَةِ

عورت کی دیت کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں تین مقطوع روایات (آثار تابعین رحمہم اللہ) ہیں جو سنداً صحیح ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے تین فتاویٰ جات بھی مذکور ہیں۔

[1500] وَحَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: تُعَاقِلُ الْمَرْأَةُ الرَّجُلَ إِلَى ثُلُثِ الدِّيَةِ إِصْبَعُهَا كَإِصْبَعِهِ، وَسِنُّهَا كَسِنِّهِ، وَمُوضِحَتُهَا كَمُوضِحَتِهِ، وَمُنَقِّلَتُهَا كَمُنَقِّلَتِهِ .

سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے روایت ہے، بلاشبہ وہ کہا کرتے تھے کہ عورت دیت کے تہائی حصے تک تو مرد کی برابری کرتی ہے (تینتیس اونٹوں تک کی دیت والے جرائم میں مرد و عورت کی دیت برابر ہے۔) عورت کی انگلی مرد کی انگلی کے برابر ہے (جس میں دس اونٹ پڑتے ہیں) اس کا دانت اس کے دانت کی طرح ہے (جس میں پانچ اونٹ لازم ہوتے ہیں)، اس کا موضحہ (ہڈی ننگی کرنے والا) زخم اس کے موضحہ جیسا ہے، اس کا منقلہ (ہڈی کو سرکا دینے والا) زخم اس کے منقلہ جیسا ہے۔

فائدہ: ......موضحہ میں پانچ اونٹ جبکہ منقلہ میں پندرہ اونٹ دیت پڑتی ہے ...... یاد رہے کہ سو کا تہائی نکالیں تو وہ تینتیس اور اس سے کچھ زیادہ نکلتا ہے اور عورت کی مرد کے ساتھ برابری کی حد تہائی دیت ہے لیکن مکمل تہائی نہیں بلکہ تہائی مکمل ہونے سے پہلے تک برابری ہے اور 100 میں سے 33 بھی تہائی سے کم ہی ہے، اسی لیے ہم نے 33 کا ہندسہ مثالوں میں استعمال کیا ہے کیونکہ اس سے آگے والا ہندسہ (یعنی 34) تہائی دیت سے بڑھ جاتا ہے۔

[1501] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ وَبَلَغَهُ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ: أَنَّهُمَا كَانَا يَقُولَانِ مِثْلَ قَوْلِ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ فِي الْمَرْأَةِ: أَنَّهَا تُعَاقِلُ الرَّجُلَ إِلَى ثُلُثِ دِيَةِ الرَّجُلِ، فَإِذَا بَلَغَتْ ثُلُثَ دِيَةِ الرَّجُلِ كَانَتْ إِلَى النِّصْفِ مِنْ دِيَةِ الرَّجُلِ .

امام مالک رحمہ اللہ ابن شہاب رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں اور انھیں عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے بھی یہ خبر پہنچی کہ وہ دونوں فرمایا کرتے تھے: پھر جب عورت، مرد کی دیت کے تہائی تک پہنچے گی تو وہ مرد کی دیت کے نصف کی طرف (منتقل) ہو جائے گی۔

[1500] (مقطوع صحیح) بیهقی: 8/ 96 (16311)، عبدالرزاق: 17746، ابن ابی شیبه: 27491۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

[1501] (مقطوع صحیح) عبدالرزاق: 9/ 394 (17747)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

فائدہ: ......یعنی تینتیس اونٹوں تک دیت والے زخموں میں مرد وعورت کی دیت برابر چلتی ہے، جیسے ہی اس سے زیادہ اونٹوں والی کوئی دیت لازم آئے تو عورت کے زخم میں نصف دیت لازم ہے، مثلاً: جہاں مرد کے زخم میں چالیس اونٹ لازم آئیں وہاں عورت کے لیے اسی جیسے زخم میں بیس اونٹ ہوں گے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ اگر عورت کی تین انگلیاں کاٹی جائیں تو اس کے لیے تیس اونٹ دیت ہے اور چار انگلیاں کٹنے پر اس کے لیے بیس اونٹ ہوں گے اور یہی سنت ہے۔ (بیهقی : 69/8، ارواء الغلیل : 2555۔ اس کی سند صحیح ہے) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: ''عورت کی دیت مرد کی دیت کی طرح ہی ہے، یہاں تک کہ وہ مرد کی دیت کے تہائی تک پہنچ جائے (تو پھر برابر نہیں)''۔ (نسائی: 4809، دارقطنی : 91/3، عبدالرزاق : 17756۔ اس کی سند کو شیخ حازم علی قاضی رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا ہے۔ التعلیق علی سبل السلام: 1613/3) جمہور علماء و فقہاء کا یہی موقف ہے کہ تہائی دیت تک مرد وعورت میں برابری ہے لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ (ایک قول میں) اور بعض تابعین کے ہاں ہر اعتبار سے عورت کی دیت نصف ہے حتیٰ کہ تہائی دیت سے کم بھی، چنانچہ ان کے نزدیک عورت کی صرف ایک انگلی ہی کاٹی جائے تو اسے دس کی بجائے صرف پانچ اونٹ دیت ملے گی، لیکن جمہور کا موقف راجح ہے جو حدیث سے ثابت ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَتَفْسِيرُ ذَلِكَ أَنَّهَا تُعَاقِلُهُ فِي الْمُوضِحَةِ وَالْمُنَقِّلَةِ وَمَا دُونَ الْمَأْمُومَةِ وَالْجَائِفَةِ وَأَشْبَاهِهِمَا، مِمَّا يَكُونُ فِيهِ ثُلُثُ الدِّيَةِ فَصَاعِداً، فَإِذَا بَلَغَتْ ذَلِكَ كَانَ عَقْلُهَا فِي ذَلِكَ النِّصْفَ مِنْ عَقْلِ الرَّجُلِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور اس کی تفسیر یہ ہے کہ بلاشبہ وہ عورت، مرد کی دیت کی برابری کرتی ہے، موضحہ (ہڈی ننگی کرنے والا زخم جس میں پانچ اونٹ پڑتے ہیں) میں اور منقلہ (ہڈی منتقل کرنے والا زخم جس میں پندرہ اونٹ پڑتے ہیں) میں، اور ہر اس زخم میں جو مامومہ (دماغ کی جھلی تک پہنچنے والے زخم)، جائفہ (پیٹ کے اندر تک پہنچنے والے زخم) سے کم ہو اور ان دونوں جیسے دوسرے زخم کہ جن میں تہائی دیت یا اس سے زیادہ لازم آتی ہے تو جب عورت ان تک پہنچے گی، تو ان میں اس کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہوگی۔

[1502] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ شِهَابٍ يَقُولُ : مَضَتِ السُّنَّةُ أَنَّ الرَّجُلَ إِذَا أَصَابَ امْرَأَتَهُ بِجُرْحٍ : أَنَّ عَلَيْهِ عَقْلَ ذَلِكَ الْجُرْحِ، وَلَا يُقَادُ مِنْهُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے ابن شہاب رحمہ اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: سنت یہی جاری ہو چکی ہے کہ بے شک مرد جب اپنی بیوی کو کوئی زخم پہنچائے گا تو بلاشبہ اس پر اس زخم کی دیت پڑے گی اور (البتہ) اس سے قصاص نہ لیا جائے گا۔

[1502] (مقطوع صحیح) عبدالرزاق: 17974، 18535، ابن ابی شیبه: 27480 - 27481۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَإِنَّمَا ذَلِكَ فِي الْخَطَإِ، أَنْ يَضْرِبَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ فَيُصِيبَهَا مِنْ ضَرْبِهِ مَا لَمْ يَتَعَمَّدْ، كَمَا يَضْرِبُهَا بِسَوْطٍ فَيَفْقَأُ عَيْنَهَا، وَنَحْوَ ذَلِكَ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: بلاشبہ یہ (قصاص کا نہ ہونا) خطا (کی صورت) میں ہے کہ (مثلاً) آدمی اپنی بیوی کو (اس کی نافرمانی پر) مارتا ہے (جو کہ شرعاً جائز ہے) تو وہ اپنی مار میں اسے ایسا زخم لگا بیٹھتا ہے جس کا اس نے قصد نہ کیا تھا مثلاً: اسے کوڑا مارتا ہے اور اس کی آنکھ پھوڑ دیتا ہے (کوڑا مارا جو آنکھ پر لگا اور وہ ضائع ہو گئی) اور (یا پھر) اسی طرح (کوئی اور عضو تلف ہو گیا)۔

فائدہ: ......لیکن اگر وہ قصداً عورت کا کوئی عضو تلف کرے گا تو اس سے قصاص ہوگا۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الْمَرْأَةِ يَكُونُ لَهَا زَوْجٌ وَوَلَدٌ مِنْ غَيْرِ عَصَبَتِهَا وَلَا قَوْمِهَا، فَلَيْسَ عَلَى زَوْجِهَا إِذَا كَانَ مِنْ قَبِيلَةٍ أُخْرَى مِنْ عَقْلِ جِنَايَتِهَا شَيْءٌ، وَلَا عَلَى وَلَدِهَا إِذَا كَانُوا مِنْ غَيْرِ قَوْمِهَا، وَلَا عَلَى إِخْوَتِهَا مِنْ أُمِّهَا إِذَا كَانُوا مِنْ غَيْرِ عَصَبَتِهَا وَلَا قَوْمِهَا، فَهَؤُلَاءِ أَحَقُّ بِمِيرَاثِهَا، وَالْعَصَبَةُ عَلَيْهِمُ الْعَقْلُ مُنْذُ زَمَانِ رَسُولِ اللهِ ﷺ إِلَى الْيَوْمِ، وَكَذَلِكَ مَوَالِي الْمَرْأَةِ، مِيرَاثُهُمْ لِوَلَدِ الْمَرْأَةِ وَإِنْ كَانُوا مِنْ غَيْرِ قَبِيلَتِهَا، وَعَقْلُ جِنَايَةِ الْمَوَالِي عَلَى قَبِيلَتِهَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس عورت کے متعلق فرمایا: جس کا خاوند اور اولاد بھی ہو (لیکن وہ) عورت کے عصبہ (آبائی مرد رشتہ داروں) اور اس کی قوم میں سے نہ ہوں، تو اس کے خاوند پر جس وقت کہ وہ کسی اور قبیلے کا ہو، عورت کی جنایت (جرم) کی دیت میں سے کچھ لازم نہ ہوگا اور نہ ہی اس کی اولاد پر (ماں کے کیے ہوئے جرم کی دیت پڑے گی) جب کہ وہ اس کی قوم کے علاوہ سے ہوں اور نہ ہی عورت کے ان بھائیوں پر دیت پڑے گی، جو اس کی ماں کی طرف سے (اخیافی بھائی) ہوں جو نہ اس کے عصبہ میں سے ہوں اور نہ اس کی قوم میں سے، تو (اگرچہ) یہ لوگ عورت کی وراثت کے زیادہ حقدار ہیں (لیکن دیت کی چٹی ان پر نہیں پڑتی) اور عصبہ یعنی والد کی جانب سے آبائی مرد رشتہ داروں (باپ، حقیقی بھائی، علاتی بھائی، پھر ان کے بیٹے، پوتے، دادا، حقیقی و علاتی چچے اور ان کے بیٹوں وغیرہ) پر ہی دیت (کی ادائیگی لازم) ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے سے لے کر آج تک (یہی عمل جاری ہے) اور اسی طرح عورت کے آزاد کردہ غلاموں کا معاملہ ہے، ان کی وراثت عورت کے لڑکوں کے لیے ہوتی ہے، اگرچہ وہ عورت کے قبیلے سے نہ ہوں (کیونکہ ان کا باپ کسی اور قبیلے سے ہوتا ہے) لیکن ان آزاد کردہ غلاموں کی جنایت (اور جرم) کی دیت صرف اور صرف عورت کے قبیلے پر پڑتی ہے (اور عورت کے ان مذکورہ لڑکوں پر نہیں پڑتی)۔

7- بَابٌ: عَقْلُ الْجَنِيْنِ

جنین (پیٹ کے بچے) کی دیت کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں تین روایات ہیں جن میں سے دو مرفوع (احادیث نبویہ ﷺ) ہیں جو کہ بخاری و مسلم میں بھی موجود ہیں اور ایک مقطوع (اثر تابعی رحمہ اللہ) ہے اور وہ بھی سنداً صحیح ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے چھ فتاوی جات بھی مذکور ہیں۔

[1503] وَحَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ امْرَأَتَيْنِ مِنْ هُذَيْلٍ رَمَتْ إِحْدَاهُمَا الأُخْرَى فَطَرَحَتْ جَنِينَهَا، فَقَضَى فِيهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِغُرَّةٍ عَبْدٍ أَوْ وَلِيدَةٍ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہذیل قبیلے کی دو عورتوں میں سے ایک نے دوسری کو پتھر مارا اور اس کے پیٹ کا بچہ نکال ڈالا (حمل ساقط کر دیا)، تو رسول اللہ ﷺ نے اس میں ایک غرہ یعنی غلام یا لونڈی (بطور دیت دینے) کا فیصلہ فرمایا۔

فائدہ: ...... یہ دیت بچے کی ماں کو ملے گی۔ ''غرہ'' اصل میں پیشانی کی چمک کو کہتے ہیں اور اس کا اطلاق پورے جسم اور شخص پر بھی ہوتا ہے اور جزء بول کر کل مراد ہوتا ہے۔ مسلم شریف میں ہے کہ اس عورت نے دوسری عورت کو اور اس کے پیٹ کے بچہ کو قتل کر ڈالا۔ (مسلم: 36/1681) پھر وہ قاتل عورت خود بھی مر گئی، تو رسول اللہ ﷺ نے قاتل عورت کی وراثت تو اس کے بیٹوں اور خاوند میں تقسیم کی لیکن دیت عورت کے والد کی جانب سے مرد رشتہ داروں پر ڈالی۔ (مسلم: 35/1681) یہ دونوں عورتیں حمل بن مالک کی بیویاں اور باہم سوکنیں تھیں۔ (ابوداود: 4572) اور قاتل عورت کا نام ام عفیف جبکہ مقتولہ عورت کا نام ملیکہ تھا جو عمرو بن تمیم بن عویمر کے دادا (عویمر) کی بہن تھی۔ (مسند احمد بحوالہ زرقانی: 241/4) بعض روایات میں ام غطیف نام بھی آیا ہے۔ (ابوداود: 4574، نسائی: 4832) بعض روایات میں ہے کہ اس نے خیمے کے ستون کے ساتھ اسے مارا تھا۔ (مسلم: 1682) معلوم ہوتا ہے کہ اس نے لڑائی کے دوران لکڑی اور پتھر دونوں کا استعمال کیا، اور بعض روایات میں قبیلے کا نام بنولحیان آیا ہے۔ (مسلم: 1682) کیونکہ لحیان دراصل ہذیل قبیلے ہی کی شاخ تھی اور لحیان کے باپ کا نام ہذیل تھا۔

[1503] (مرفوع صحیح) صحیح البخاري، كتاب الطب، باب الكهانة، حديث: 5759، صحيح مسلم، كتاب القسامة، باب دية الجنين ووجوب الدية فى قتل الخطأ، حديث: 1681، ابوداود: 4576، ترمذی: 1410، نسائی: 4823، ابن ماجه: 2639، احمد: 2/ 263، دارمی: 2382۔

[1504] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَضَى فِي الْجَنِينِ يُقْتَلُ فِي بَطْنِ أُمِّهِ بِغُرَّةٍ عَبْدٍ أَوْ وَلِيدَةٍ. فَقَالَ الَّذِي قُضِيَ عَلَيْهِ: كَيْفَ أَغْرَمُ مَالاَ شَرِبَ وَلاَ أَكَلْ وَلاَ نَطَقَ وَلاَ اسْتَهَلْ، وَمِثْلُ ذَلِكَ بَطَلْ. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: إِنَّمَا هٰذَا مِنْ إِخْوَانِ الْكُهَّانِ.

سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے اس جنین جسے اپنی ماں کے پیٹ ہی میں قتل کردیا جائے، کے متعلق ایک غرہ یعنی ایک غلام یا ایک لونڈی (بطور دیت ادا کرنے) کا فیصلہ فرمایا، تو وہ شخص جس کے خلاف فیصلہ ہوا تھا، کہنے لگا: میں کیسے اس چیز کی چٹی بھروں جس نے نہ پیا نہ کھایا، نہ بولا نہ رویا، اس جیسی چیز تو رائیگاں جاتی ہے (اس کا خون تو ہلاک، لغو اور بے کار ہے) تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بلاشبہ یہ شخص تو کاہنوں کے بھائیوں میں سے ہے۔"

فائدہ: ...... اس نے تین جملے بولے تھے اور سجع کلامی و قافیہ بندی کا لحاظ رکھتے ہوئے تینوں کو لام پر ختم کیا اور وقف کیا یعنی اس نے أَکَلْ ، اسْتَهَلَّ ، بَطَلَ تینوں کے لام پر وقف کیا اور زبر ادا نہ کی۔ ایک روایت میں "بَطَلْ" کی جگہ "يُطَلُّ" بھی مروی ہے۔ عربی عبارت پڑھتے ہوئے بہتر یہی ہے کہ ان کو آخر سے ساکن کر کے ہی پڑھا جائے...... یہ الفاظ کہنے والا اکثر روایات کے مطابق اس عورت کا خاوند حمل بن مالک بن نابغہ ہذلی ہی تھا۔ (مسلم: 36/1681، ابوداود: 4576) ایک روایت میں ہے کہ یہ الفاظ عورت کے عصبہ یعنی والد کے خاندان میں سے کسی نے کہے تھے۔ (مسلم: 1682) ایک روایت میں ہے کہ یہ الفاظ قاتل عورت کے باپ نے کہے تھے۔ (ابوداود: 4574) طبرانی میں ہے کہ وہ مقتول عورت ملیکہ کے بھائی عمران بن عویمر نے کہے تھے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کی سند بھی صحیح ہے، اس لیے ہوسکتا ہے کہ متعدد افراد نے یہ الفاظ کہے ہوں۔ (زرقانی: 234/4) میں کہتا ہوں: چونکہ یہ سب افراد باہم رشتہ دار تھے اور لگتا ہے کہ اس کا خاوند بھی اس کے عصبات یعنی والد کی طرف سے مذکر رشتہ داروں میں شامل ہوا اور اس پر بھی چٹی پڑتی ہو، اس لیے اس نے یہ لفظ بول دیے اور چونکہ اس محفل میں شریک افراد اس کی بات پر راضی تھے، اس لیے اسے مختلف افراد کی طرف منسوب کر دیا گیا ...... یاد رہے کہ غلام یا لونڈی والی دیت کی ادائیگی بھی قاتل کے عصبہ کے ذمے ہے جیسا کہ (مسلم: 37/1682، 38، ابوداود: 4568، اور ترمذی: 1411) وغیرہ کی روایات میں اس کی صراحت موجود ہے۔ لہٰذا امام مالک رحمہ اللہ کا یہ قول درست نہیں کہ جنین کی دیت قاتل کے

[1504] (مرفوع صحیح) صحیح البخاري، کتاب الطب، باب الکهانة، حدیث: 5760، صحیح مسلم، کتاب القسامة والمحاربین، باب دیة الجنین ووجوب الدیة فی قتل الخطأ، حدیث: 1681/ 36، ابوداود: 4577، ترمذی: 1410، نسائی: 4824، ابن ماجه: 2639، احمد: 2/ 539 (10966)، دارمی: 2382.

عصبات پر نہیں بلکہ خود قاتل پر لازم ہے...... ''کاہن'' غیب کی خبروں کے دعویدار لوگوں کو کہتے ہیں، یہ افراد لوگوں پر اپنی دھاک بٹھانے کے لیے عموماً مسجع کلامی اور مقفی عبارتوں کے ساتھ گفتگو کرتے تھے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے ان مذکورہ الفاظ کے کہنے والے کو کاہنوں سے تشبیہ دی ہے۔

[1505] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: الْغُرَّةُ تُقَوَّمُ خَمْسِينَ دِينَاراً، أَوْ سِتَّ مِئَةِ دِرْهَمٍ، وَدِيَةُ الْمَرْأَةِ الْحُرَّةِ الْمُسْلِمَةِ خَمْسُ مِئَةِ دِينَارٍ، أَوْ سِتَّةُ آلَافِ دِرْهَمٍ.

ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن رحمہ اللہ سے روایت ہے، وہ کہا کرتے تھے: غرہ (جنین کی دیت میں لازم ہونے والے غلام یا لونڈی) کی قیمت پچاس دینار یا چھ سو درہم لگائی جاتی ہے اور آزاد مسلمان عورت کی دیت 500 دینار یا 6000 درہم لگائی جاتی ہے۔

فائدہ:...... یہ نصف مقدار ہے اس دیت کی جو آزاد مسلمان مرد کی ہے اور وہ 1000 دینار یا 12000 درہم ہوا کرتی تھی۔ سونے کے مالکوں پر دینار اور چاندی والوں پر درہم مقرر کیے جاتے تھے۔ بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ اگر کوئی سونا ادا کرنا چاہے تو ہزار دینار اور چاندی دینا چاہے تو بارہ صد درہم ادا کرے گا۔

قَالَ مَالِكٌ: فَدِيَةُ جَنِينِ الْحُرَّةِ عُشْرُ دِيَتِهَا، وَالْعُشْرُ خَمْسُونَ دِينَاراً، أَوْ سِتُّ مِئَةِ دِرْهَمٍ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: لہٰذا (ربیعہ رحمہ اللہ کے فتویٰ سے معلوم ہوا کہ) آزاد عورت کے پیٹ کے بچے کی دیت اس کی اپنی دیت کا دسواں حصہ ہے اور وہ (پانچ سو دینار کا) دسواں حصہ پچاس دینار یا (چھ ہزار درہم کا دسواں حصہ) چھ سو درہم ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ: وَلَمْ أَسْمَعْ أَحَداً يُخَالِفُ فِي أَنَّ الْجَنِينَ لَا تَكُونُ فِيهِ الْغُرَّةُ، حَتَّى يُزَايِلَ بَطْنَ أُمِّهِ وَيَسْقُطَ مِنْ بَطْنِهَا مَيِّتاً.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور میں نے کسی کو نہیں سنا جو اس بات کی مخالفت کرتا ہو کہ بلاشبہ جنین میں اس وقت تک غرہ (غلام یا لونڈی واجب) نہ ہوگا یہاں تک کہ وہ اپنی ماں کے پیٹ سے الگ ہو جائے اور اس کے پیٹ سے مردہ حالت میں ساقط ہو جائے۔

فائدہ:...... چنانچہ اگر وہ عورت کے پیٹ سے باہر ہی نہ نکلے یا عورت کی موت کے بعد نکلے تو کچھ بھی دیت لازم نہ ہوگی۔

قَالَ مَالِكٌ: وَسَمِعْتُ أَنَّهُ إِذَا خَرَجَ الْجَنِينُ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا اور میں نے سنا ہے کہ بلاشبہ جب

[1505] (مقطوع صحيح) بيهقى: 8/ 116(16427)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

مِنْ بَطْنِ أُمِّهِ حَيًّا، ثُمَّ مَاتَ :أَنَّ فِيهِ الدِّيَةَ كَامِلَةً.

جنین (پیٹ والا بچہ) اپنی ماں کے پیٹ سے زندہ حالت میں نکلے، پھر مرجائے تو بلاشبہ اس میں (عام انسانوں کی طرح سو اونٹ والی) مکمل دیت پڑے گی۔

قَالَ مَالِكٌ : وَلاَ حَيَاةَ لِلْجَنِينِ إِلاَّ بِالاسْتِهْلاَلِ، فَإِذَا خَرَجَ مِنْ بَطْنِ أُمِّهِ فَاسْتَهَلَّ، ثُمَّ مَاتَ فَفِيهِ الدِّيَةُ كَامِلَةً، وَنَرَى أَنَّ فِي جَنِينِ الأَمَةِ عُشْرَ ثَمَنِ أُمِّهِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جنین کے لیے زندگی رونے اور چیخنے کے سوا (کسی اور صورت میں) ثابت نہ ہوگی، چنانچہ جب وہ اپنی ماں کے شکم سے نکلے، پھر آواز نکالے، پھر مرجائے تو اس میں پوری دیت ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور ہم یہ خیال کرتے ہیں کہ بے شک لونڈی کے جنین میں اس کی ماں کی قیمت کا دسواں حصہ پڑے گا۔

فائدہ:...... امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ اور اہلحدیث کے نزدیک راجح یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو زندگی پر دلالت کرے تو وہ بچے کو زندہ شمار کروائے گی۔ مثلاً: چیخنا، حرکت کرنا، آنکھیں کھولنا، منہ کھولنا وغیرہ۔ نیز لونڈی کے جنین کے متعلق جمہور کا موقف امام مالک والا ہی ہے لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: اگر وہ مذکر پیدا ہوا ہو تو اس کی اپنی قیمت کا بیسواں حصہ اور مؤنث ہونے کی صورت میں دسواں حصہ واجب ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَإِذَا قَتَلَتِ الْمَرْأَةُ رَجُلاً أَوِ امْرَأَةً عَمْداً، وَالَّتِي قَتَلَتْ حَامِلٌ، لَمْ يُقَدْ مِنْهَا حَتَّى تَضَعَ حَمْلَهَا، وَإِنْ قُتِلَتِ الْمَرْأَةُ وَهِيَ حَامِلٌ عَمْداً أَوْ خَطَأً، فَلَيْسَ عَلَى مَنْ قَتَلَهَا فِي جَنِينِهَا شَيْءٌ، فَإِنْ قُتِلَتْ عَمْداً قُتِلَ الَّذِي قَتَلَهَا، وَلَيْسَ فِي جَنِينِهَا دِيَةٌ، وَإِنْ قُتِلَتْ خَطأً فَعَلَى عَاقِلَةِ قَاتِلِهَا دِيَتُهَا، وَلَيْسَ فِي جَنِينِهَا دِيَةٌ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور جب عورت کسی مرد یا عورت کو عمداً قتل کرے گی اور جس نے قتل کیا ہے وہ حاملہ ہو تو اس سے اس وقت تک قصاص نہ لیا جائے گا یہاں تک کہ وہ اپنا بچہ جن دے۔ اگر کوئی عورت اس حالت میں قتل کی جائے کہ وہ حاملہ ہو (اور بچہ ساقط نہ ہو)، خواہ عمداً یا خطاً، تو جس نے اسے قتل کیا ہے اس پر اس کے جنین میں کچھ (جرمانہ لازم) نہ ہوگا بلکہ اگر وہ عمداً قتل کی گئی ہو تو اس شخص کو (قصاصاً) قتل کر دیا جائے گا، جس نے اسے قتل کیا ہو اور اس کے جنین میں کوئی دیت نہ ہوگی اور اگر وہ عورت غلطی کے ساتھ قتل کی گئی ہو (قتل خطا ہوا ہو) تو اس کے قاتل کے عصبہ (آبائی مذکر) رشتہ داروں پر اس کی دیت ہوگی اور اس کے جنین میں بھی کچھ لازم نہ ہوگا۔

فائدہ:...... امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک اس صورت میں بھی غلام لونڈی دینا لازم ہے لیکن امام مالک رحمہ اللہ کا موقف راجح ہے۔

وَحَدَّثَنِي يَحْيَى ، سُئِلَ مَالِكٌ عَنْ جَنِينِ الْيَهُودِيَّةِ وَالنَّصْرَانِيَّةِ يُطْرَحُ؟ فَقَالَ : أَرَى أَنَّ فِيهِ عُشْرَ دِيَةِ أُمِّهِ .

امام مالک رحمہ اللہ سے اس یہودن یا عیسائی عورت کے جنین کے متعلق سوال کیا گیا جسے گرا دیا جائے تو انھوں نے فرمایا: میری رائے یہ ہے کہ اس میں اس کی ماں کی دیت کا دسواں حصہ لازم ہے۔

فائدہ: ......اور کافر عورت کی دیت مسلمان عورت کی دیت سے بھی نصف ہوتی ہے۔

8- بَابُ مَا فِيهِ الدِّيَةُ كَامِلَةً

اُن صورتوں کا بیان جن میں کامل دیت پڑتی ہے

خلاصۃ الباب: اس باب میں دو مقطوع روایات (آثار تابعین رحمہم اللہ) ہیں جو سنداً صحیح ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے چار فتاویٰ جات بھی مذکور ہیں۔

[1506] حَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ : فِي الشَّفَتَيْنِ الدِّيَةُ كَامِلَةً ، فَإِذَا قُطِعَتِ السُّفْلَى فَفِيهَا ثُلُثَا الدِّيَةِ .

سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے روایت ہے، وہ کہا کرتے تھے: دونوں ہونٹوں (کے مجموعے کو کاٹ دینے کی صورت) میں پوری دیت (سو اونٹ) لازم ہے اور جب (صرف) نیچے والا ہونٹ کاٹا جائے تو اس میں (نصف نہیں) بلکہ دو تہائی دیت لازم ہے۔

فائدہ: ......لیکن امام مالک رحمہ اللہ، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور اہلحدیث نے دونوں ہونٹوں میں فرق نہیں کیا اور دونوں میں نصف نصف یعنی پچاس اونٹ دیت لازم کی ہے جس طرح کہ انگلیوں کی منفعت میں فرق ہے لیکن دیت برابر ہے، اسی طرح اگر چہ دونوں ہونٹوں کے فوائد و مقاصد اور حسن میں فرق ہے لیکن دیت برابر برابر ہے۔

[1507] حَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، أَنَّهُ سَأَلَ ابْنَ شِهَابٍ عَنِ الرَّجُلِ الأَعْوَرِ يَفْقَأُ عَيْنَ الصَّحِيحِ؟ فَقَالَ ابْنُ شِهَابٍ : إِنْ أَحَبَّ الصَّحِيحُ أَنْ يَسْتَقِيدَ مِنْهُ فَلَهُ الْقَوَدُ ، وَإِنْ أَحَبَّ فَلَهُ الدِّيَةُ أَلْفُ دِينَارٍ ، أَوِ اثْنَا عَشَرَ أَلْفَ دِرْهَمٍ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: میں نے ابن شہاب رحمہ اللہ سے کانے شخص کے بارے میں سوال کیا جو کسی صحت مند آدمی کی آنکھ پھوڑ ڈالے، تو انھوں نے فرمایا: اگر صحت مند آدمی اس سے قصاص لینا پسند کرے تو اس کے لیے قصاص (بھی درست) ہے اور اگر وہ پسند کرے تو اس کے لیے (مکمل)

[1506] (مقطوع صحيح) عبدالرزاق: 9/ 342(17477، 17478)، ابن ابی شیبہ: 26904- شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

[1507] (مقطوع صحيح) شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

دیت یعنی ہزار دینار یا بارہ ہزار درہم ہیں۔

فائدہ :......قصاص کی بات تو قرآن مجید کے مطابق ہے، لیکن ایک آنکھ کے بدلے پوری دیت لینا حدیث پاک کے خلاف ہے۔ ہمارے نزدیک ایک آنکھ کی دیت پچاس اونٹ یا پانچ سو دینار یا چھ ہزار درہم ہیں۔

وَحَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، أَنَّهُ بَلَغَهُ : أَنَّ فِي كُلِّ زَوْجٍ مِنَ الْإِنْسَانِ الدِّيَةَ كَامِلَةً ، وَأَنَّ فِي اللِّسَانِ الدِّيَةَ كَامِلَةً ، وَأَنَّ فِي الْأُذُنَيْنِ إِذَا ذَهَبَ سَمْعُهُمَا الدِّيَةُ كَامِلَةً ، اصْطُلِمَتَا أَوْ لَمْ تُصْطَلَمَا ، وَفِي ذَكَرِ الرَّجُلِ الدِّيَةُ كَامِلَةً ، وَفِي الْأُنْثَيَيْنِ الدِّيَةُ كَامِلَةً .

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ بلاشبہ انسان (کے اعضاء) میں سے ہر جوڑے (کو تلف کر دینے کی صورت) میں مکمل دیت ہے۔ اور زبان میں مکمل دیت ہے۔ دونوں کانوں میں، جب ان کی سماعت ضائع ہو جائے تو مکمل دیت ہے۔ خواہ وہ کاٹ دیے گئے ہوں یا نہ کاٹے گئے ہوں، مرد کے عضوِ تناسل (کو کاٹنے) میں بھی مکمل دیت ہے اور خصیتین (مرد کے دونوں فوطوں) میں بھی پوری دیت ہے۔

فائدہ :......حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کی تحریر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن اعضاء کے تلف کرنے پر دیت کا تذکرہ فرمایا، وہ مندرجہ ذیل ہیں: دونوں آنکھیں، دونوں ہونٹ، دونوں فوطے۔ ان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکمل تلف ہوں تو سو اونٹ، ایک پاؤں میں پچاس پچاس اونٹ ذکر فرمائے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ جوڑا جوڑا اعضاء مکمل تلف ہوں تو سو اونٹ دینے ہیں اور ایک تلف ہو تو پچاس اونٹ لازم ہیں۔ نیز وہ اعضاء جو جوڑا نہیں ہیں ان میں سے ناک، زبان، عضوتناسل اور پشت کے متعلق بھی مکمل دیت ذکر فرمائی اور ایک انگلی پر دس اونٹ جبکہ ایک دانت پر پانچ اونٹ ذکر فرمائی۔ (نسائی : 4857، 4860۔ اس کی سند حسن ہے۔) جمہور فقہاء کے نزدیک اگر کسی شخص کی زبان کا کچھ حصہ کاٹنے سے یا کسی اور طرح سے اسے نقصان دینے سے بعض حروف کی ادائیگی پر قدرت ختم ہو جائے تو چونکہ کل حروف اٹھائیس ہیں اس لیے دیت کو اٹھائیس حصوں پر تقسیم کر کے دیکھیں تو ہر حرف کے بدلے تقریباً ساڑھے تین اونٹ آتے ہیں۔ لہٰذا زبان جتنے حروف کی ادائیگی سے محروم ہو جائے ان کے حساب سے دیت پڑے گی۔

وَحَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، أَنَّهُ بَلَغَهُ : أَنَّ فِي ثَدْيَيِ الْمَرْأَةِ الدِّيَةَ كَامِلَةً .

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ عورت کے دونوں پستانوں (کے کاٹ دینے) میں بھی پوری دیت ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَأَخَفُّ ذَلِكَ عِنْدِي الْحَاجِبَانِ وَثَدْيَا الرَّجُلِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: میرے نزدیک ابروؤں اور مرد کی دونوں چھاتیوں کا معاملہ اس سے ہلکا ہے۔

فائدہ :......یعنی ان دونوں کی وجہ سے محض بدن کی خوبصورتی میں فرق پڑتا ہے اور یہ اہم اعضائے رئیسہ میں شامل نہیں ہیں۔ لہٰذا ان میں پوری دیت نہیں ہے، بلکہ قاضی جو مناسب سمجھے گا فیصلہ کر دے گا۔ رہے پستان تو وہ

عورت کے اہم جسمانی اعضاء اور ذریعہ شناخت بھی ہیں۔ رہا پستان کے منہ کا معاملہ تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ان میں بھی پوری دیت ہے کیونکہ ان کے بغیر پستان بے کار ہوجاتے ہیں۔ البتہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اگر دودھ ضائع ہوجائے تو پھر پوری دیت پڑے گی ورنہ قاضی اپنی صوابدید کے مطابق فیصلہ سنائے گا۔

قَالَ مَالِكٌ : الْأَمْرُ عِنْدَنَا : أَنَّ الرَّجُلَ إِذَا أُصِيبَ مِنْ أَطْرَافِهِ أَكْثَرُ مِنْ دِيَتِهِ فَذَلِكَ لَهُ ، إِذَا أُصِيبَتْ يَدَاهُ وَرِجْلَاهُ وَعَيْنَاهُ ، فَلَهُ ثَلَاثُ دِيَاتٍ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں حکم یہ ہے کہ بے شک جب آدمی کے اعضاء میں سے اتنا نقصان پہنچا دیا جائے کہ (جن کی الگ الگ دیتوں کا اعتبار کریں تو) وہ اس کی (اپنی جان کی) دیت (سو اونٹ) سے زیادہ ہوں تو وہ (تمام اعضاء کی الگ الگ) دیت اس کے لیے ہوگی۔ چنانچہ جب (مثال کے طور پر) آدمی کے دونوں ہاتھ، دونوں پاؤں اور دونوں آنکھیں تلف کردی جائیں تو اس کے لیے تین (مکمل) دیتیں ہوں گی۔

فائدہ :......امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا بھی یہ مؤقف ہے۔

قَالَ مَالِكٌ فِي عَيْنِ الْأَعْوَرِ الصَّحِيحَةِ إِذَا فُقِئَتْ خَطَأً : إِنَّ فِيهَا الدِّيَةَ كَامِلَةً .

امام مالک رحمہ اللہ نے کانے شخص کی صحیح آنکھ کے بارے میں فرمایا: جب وہ غلطی سے پھوڑ دی جائے تو بلاشبہ اس میں مکمل دیت ہے۔

فائدہ :......اگر چہ حدیث کی رو سے ایک آنکھ پر نصف دیت ہے لیکن وہ دو آنکھوں والے شخص کے بارے میں ہے جس کی نظر کا نصف نقصان ہوتا ہے، جبکہ کانے آدمی کی اکیلی آنکھ دو آنکھوں کے قائم مقام ہوتی ہے۔ اسی لیے حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم، نیز ابن شہاب رحمہ اللہ، سلیمان بن یسار رحمہ اللہ، سعید بن میسب رحمہ اللہ اور عروہ بن زبیر رحمہ اللہ نے یہی فیصلہ فرمایا تھا۔

9- بَابُ مَا جَاءَ فِي عَقْلِ الْعَيْنِ إِذَا ذَهَبَ بَصَرُهَا

آنکھ کی دیت کا بیان جب اس کی صرف بصارت ضائع ہوجائے۔

خلاصۃ الباب اس باب میں ایک موقوف روایت (اثر صحابی رضی اللہ عنہ) ہے جس کی سند صحیح ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاویٰ بھی مذکور ہیں۔

فائدہ :......جمہور فقہاء کے نزدیک وہ شخص جو کسی کی آنکھ تو ضائع نہ کرے البتہ اس کی بینائی ختم کردے، اس کا فیصلہ قاضی کی صوابدید پر منحصر رکھتے ہیں لیکن اہلحدیث کے نزدیک اس بارے میں یہ فرمانِ نبوی ﷺ فیصلہ کن ہے جسے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آنکھ جو اپنی جگہ پر قائم رہے (صرف بینائی ضائع ہو) کے متعلق اس کی تہائی دیت کا فیصلہ فرمایا۔ (ابوداود: 4567، نسائی: 4844-

اس کی سند حسن ہے۔) مثلاً آنکھ کی کل دیت پچاس اونٹ ہے تو مذکورہ بالا صورت میں پچاس کا تیسرا حصہ ادا کرنا واجب ہے۔

[1508] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، أَنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ كَانَ يَقُولُ: فِي الْعَيْنِ الْقَائِمَةِ إِذَا طَفِئَتْ مِئَةُ دِينَارٍ.

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرمایا کرتے تھے: وہ آنکھ جو (اپنی جگہ پر قائم ہو) جب وہ بجھادی جائے (اور اس کی بصارت ضائع ہو جائے) تو (اس میں) سو دینار ہیں۔

قَالَ يَحْيَى: وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنْ شَتَرِ الْعَيْنِ، وَحِجَاجِ الْعَيْنِ؟ فَقَالَ: لَيْسَ فِي ذَلِكَ إِلَّا الاِجْتِهَادُ، إِلَّا أَنْ يَنْقُصَ بَصَرُ الْعَيْنِ، فَيَكُونُ لَهُ بِقَدْرِ مَا نَقَصَ مِنْ بَصَرِ الْعَيْنِ.

امام مالک رحمہ اللہ سے آنکھ کے پپوٹے (یا پلک) اور آنکھ کے اردگرد کی ہڈی (یا وہ ہڈی جس پر ابرو اگتے ہیں) کے متعلق سوال ہوا تو انھوں نے کہا: اس میں اجتہاد کے سوا کچھ نہیں (کوئی دیت متعین نہیں) اِلّا یہ کہ یہ (زخم اور ہڈی کے ٹوٹنے سے بصارت اور) بینائی میں کمی واقع ہو جائے تو آدمی کے لیے اس کے بقدر دیت ہوگی کہ جس قدر آنکھ کی نظر میں نقص آیا ہو۔

قَالَ يَحْيَى: قَالَ مَالِكٌ: الأَمْرُ عِنْدَنَا فِي الْعَيْنِ الْقَائِمَةِ الْعَوْرَاءِ إِذَا طَفِئَتْ، وَفِي الْيَدِ الشَّلَّاءِ إِذَا قُطِعَتْ، إِنَّهُ لَيْسَ فِي ذَلِكَ إِلَّا الاِجْتِهَادُ، وَلَيْسَ فِي ذَلِكَ عَقْلٌ مُسَمًّى.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں حکم یہ ہے کہ بیشک وہ کانی آنکھ جو (اپنی جگہ میں) قائم ہو، جب اسے پھوڑ (کر نکال) دیا جائے اور وہ ہاتھ جو شل (بے کار) ہو، جب اسے کاٹ دیا جائے تو بلاشبہ اس میں اجتہاد کے سوا کچھ (مقرر) نہیں ہے اور اس میں کوئی متعین دیت نہیں ہے۔

فائدہ: ...... حالانکہ ان دونوں کے متعلق فیصلہ پیغمبر ﷺ سے ان اعضاء کی مکمل دیت کا تیسرا حصہ ثابت ہے۔ تہائی دیت ثابت ہے۔ (نسائی: 4844۔ اس کی سند حسن ہے۔ ارواء الغليل: 2293)

10- بَابُ مَا جَاءَ فِي عَقْلِ الشِّجَاجِ

سر (اور چہرے) کے زخموں کی دیت کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں چار روایات ہیں، جن میں سے ایک موقوف (اثر صحابی رضی اللہ عنہ) ہے جو کہ سنداً ضعیف ہے اور باقی تین مقطوع (آثار تابعین رحمہم اللہ) ہیں جو کہ صحیح ثابت ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے آٹھ فتاویٰ بھی مذکور ہیں۔

[1508] (موقوف صحيح) بيهقي: 8/ 98(16328)، عبدالرزاق: 9/ 334(17443)، ابن ابی شیبہ: 27049- شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

[1509] وَحَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّهُ سَمِعَ سُلَيْمَانَ بْنَ يَسَارٍ يَذْكُرُ: أَنَّ الْمُوضِحَةَ فِي الْوَجْهِ مِثْلُ الْمُوضِحَةِ فِي الرَّأْسِ، إِلَّا أَنْ تَعِيبَ الْوَجْهَ فَيُزَادُ فِي عَقْلِهَا، مَا بَيْنَهَا وَبَيْنَ عَقْلِ نِصْفِ الْمُوضِحَةِ فِي الرَّأْسِ، فَيَكُونُ فِيهَا خَمْسَةٌ وَسَبْعُونَ دِينَاراً.

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے سلیمان بن یسار رحمہ اللہ کو یہ تذکرہ کرتے ہوئے سنا کہ بے شک چہرے میں موضحہ (ہڈی ننگی کردینے والا) زخم سر کے موضحہ زخم جیسا ہے (جس میں پانچ اونٹ یعنی دیت کا بیسواں حصہ واجب ہے) اِلّا یہ کہ وہ زخم چہرے کو عیب دار بنادے تو اس کی دیت میں اتنا اضافہ کردیا جائے گا جو سر کے موضحہ زخم کی دیت کے نصف تک کے درمیان درمیان ہو، چنانچہ اس میں پچھتر دینار لازم ہوں گے۔

فائدہ :...... یعنی موضحہ زخم میں دیت کا بیسواں حصہ پانچ اونٹ لازم آتے ہیں اور ان کی قیمت پچاس دینار بنتی ہے اور اگر یہ زخم چہرے کو عیب دار اور بدصورت بنادے تو اس کا نصف مزید بڑھادیں گے جو کہ پچیس دینار بنتا ہے، یوں کل دیت 75 دینار ہوگی۔ احناف اور اہلحدیث کے ہاں چہرے کے موضحہ میں بھی صرف پچاس دینار یا پانچ اونٹ لازم ہوں گے، خواہ چہرہ بدصورت ہو یا نہ ہو۔)

قَالَ مَالِكٌ: وَالْأَمْرُ عِنْدَنَا: أَنَّ فِي الْمُنَقِّلَةِ خَمْسَ عَشْرَةَ فَرِيضَةً.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ حکم جس پر ہمارے ہاں اجماع ہے، یہ ہے کہ بلاشبہ منقلہ زخم میں پندرہ اونٹ مقرر ہیں۔

فائدہ :...... کیونکہ احادیث مبارکہ سے یہی ثابت ہے۔ دیکھیے نسائی: 4857، 4860، احمد: 2/ 217، دارمی، دیات: 12۔ اس کی سند حسن ہے، نیز دیکھیے مراسیل ابی داود: 257، نسائی فی الکبری: 8/ 57، ارواء الغلیل: 2212۔

قَالَ: وَالْمُنَقِّلَةُ الَّتِي يَطِيرُ فِرَاشُهَا مِنَ الْعَظْمِ، وَلَا تَخْرِقُ إِلَى الدِّمَاغِ، وَهِيَ تَكُونُ فِي الرَّأْسِ وَفِي الْوَجْهِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: مُنَقِّلہ وہ زخم ہے جس سے باریک باریک جوڑ یعنی ہڈیاں (اپنی جگہ سے) سرک جائیں اور وہ دماغ تک نہ پہنچے اور یہ سر اور چہرے میں ہوتا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: الْأَمْرُ الْمُجْتَمَعُ عَلَيْهِ عِنْدَنَا: أَنَّ الْمَأْمُومَةَ وَالْجَائِفَةَ لَيْسَ فِيهِمَا قَوَدٌ. قَالَ مَالِكٌ: وَقَدْ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: لَيْسَ فِي

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں اس حکم پر اتفاق ہے کہ بلاشبہ مأمومہ (أم الدماغ یعنی دماغ کی جھلی تک پہنچنے والے زخم) اور جائفہ (پیٹ کے اندر تک پہنچنے والے زخم)

[1509] (مقطوع صحیح) بیہقی: 8/ 82 (16201)، عبد الرزاق: 9/ 310 (17332)، ابن ابی شیبۃ: 26816۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

الْمَأْمُومَةِ قَوَدٌ.

میں قصاص نہیں ہے اور یقیناً ابن شہاب رحمہ اللہ نے بھی فرمایا تھا کہ مامومہ میں کوئی قصاص نہیں ہے۔

فائدہ: ...... امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مامومہ میں قصاص نہیں ہوتا بلکہ تہائی دیت ہی واجب ہے اور ابن ماجہ کی روایت (2637) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم منقول ہے کہ "مامومہ جائفہ اور مُنَقِّلہ میں کوئی قصاص نہیں ہے۔"

قَالَ مَالِكٌ: وَالْمَأْمُومَةُ مَا خَرَقَ الْعَظْمَ إِلَى الدِّمَاغِ، وَلَا تَكُونُ الْمَأْمُومَةُ إِلَّا فِي الرَّأْسِ، وَمَا يَصِلُ إِلَى الدِّمَاغِ إِذَا خَرَقَ الْعَظْمَ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: مامومہ وہ زخم ہے جو (سر کی) ہڈی کو پھاڑ کر دماغ تک پہنچ جائے اور مامومہ صرف اور صرف وہ ہوتا ہے جو سر میں ہو اور جو دماغ تک پہنچ جائے جس وقت کہ وہ ہڈی کو توڑ ڈالے۔

قَالَ مَالِكٌ: الْأَمْرُ عِنْدَنَا: أَنَّهُ لَيْسَ فِيمَا دُونَ الْمُوضِحَةِ مِنَ الشِّجَاجِ عَقْلٌ، حَتَّى تَبْلُغَ الْمُوضِحَةَ، وَإِنَّمَا الْعَقْلُ فِي الْمُوضِحَةِ فَمَا فَوْقَهَا، وَذَلِكَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ انْتَهَى إِلَى الْمُوضِحَةِ فِي كِتَابِهِ لِعَمْرِو بْنِ حَزْمٍ، فَجَعَلَ فِيهَا خَمْساً مِنَ الْإِبِلِ، وَلَمْ تَقْضِ الْأَئِمَّةُ فِي الْقَدِيمِ وَلَا فِي الْحَدِيثِ، فِيمَا دُونَ الْمُوضِحَةِ بِعَقْلٍ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں اس حکم پر بھی اجماع ہے کہ سر کے زخموں میں سے جو زخم مُوضِحہ (ہڈی ننگی کرنے والے زخم) سے کم ہو، اس میں کوئی دیت نہیں ہے (اور کسی بھی زخم میں دیت نہیں پڑتی) یہاں تک کہ وہ زخم مُوضِحہ (کی حد) تک پہنچ جائے۔ بلاشبہ دیت تو صرف اور صرف مُوضِحہ میں اور اس زخم میں ہوتی ہے جو اس سے بھی بڑھ کر ہو، اور یہ اس لیے کہ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کی کتاب میں (زخموں کے شمار کا) مُوضِحہ پر اختتام کر دیا تھا (اور اس سے چھوٹے کسی زخم کی کوئی دیت بیان نہیں فرمائی تھی) اور اس میں پانچ اونٹ (دیت کے طور پر) مقرر کیے تھے اور (پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد) ہمارے ہاں اماموں (خلفاء و محدثین) نے بھی نہ گزشتہ دور میں اور نہ اب مُوضِحہ سے کم میں کسی متعین دیت کا فیصلہ کیا۔

فائدہ: ...... بلکہ قاضی جو مناسب سمجھے گا فیصلہ کر دے گا۔ جمہور کا یہی موقف ہے۔

[1510] وَحَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ،

سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا: اعضاء میں سے کسی بھی عضو میں سے پار گزر جانے والا جو بھی

[1510] (مقطوع صحیح) عبدالرزاق: 9/ 369 (17624)، ابن ابی شیبہ: 27075۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

أَنَّهُ قَالَ : كُلُّ نَافِذَةٍ فِي عُضْوٍ مِنَ الأَعْضَاءِ فَفِيهَا ثُلُثُ عَقْلِ ذَلِكَ الْعُضْوِ.

زخم ہو اس میں اس عضو کی دیت کا تہائی حصہ لازم ہے۔

فائدہ :......اس کی مثال یہ ہے کہ ہاتھ اور انگلیاں وغیرہ سلامت رہیں لیکن تیر یا چھری یا خنجر یا گولی وغیرہ ہاتھ سے پار گزر جائے۔

[1511] حَدَّثَنِي مَالِكٌ : كَانَ ابْنُ شِهَابٍ لاَ يَرَى ذَلِكَ ، وَأَنَا لاَ أَرَى فِي نَافِذَةٍ فِي عُضْوٍ مِنَ الأَعْضَاءِ فِي الْجَسَدِ أَمْراً مُجْتَمَعاً عَلَيْهِ ، وَلَكِنِّي أَرَى فِيهَا الاجْتِهَادَ ، يَجْتَهِدُ الإِمَامُ فِي ذَلِكَ ، وَلَيْسَ فِي ذَلِكَ أَمْرٌ مُجْتَمَعٌ عَلَيْهِ عِنْدَنَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ابن شہاب رحمہ اللہ یہ رائے نہ رکھتے تھے اور میں بھی جسم کے اعضاء میں سے کسی عضو میں سے پار گزر جانے والے زخم کے متعلق کوئی ایسا حکم نہیں دیکھتا جس پر اجماع ہو بلکہ میں تو اس میں اجتہاد کرنا (مناسب) خیال کرتا ہوں۔ چنانچہ امام (حاکم، قاضی) اس بارے میں اجتہاد کرے گا اور (الغرض) اس بارے میں کوئی ایسا حکم نہیں ہے جس پر اجماع کیا گیا ہو۔

قَالَ مَالِكٌ : الأَمْرُ عِنْدَنَا أَنَّ الْمَأْمُومَةَ وَالْمُنَقِّلَةَ وَالْمُوضِحَةَ لاَ تَكُونُ إِلاَّ فِي الْوَجْهِ وَالرَّأْسِ ، فَمَا كَانَ فِي الْجَسَدِ مِنْ ذَلِكَ ، فَلَيْسَ فِيهِ إِلاَّ الاجْتِهَادُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور ہمارے ہاں اس حکم پر اجماع ہے کہ بلاشبہ مامومہ، مُنقّلہ اور مُوضحہ (یہ تینوں قسم کے زخم) چہرے اور سر کے علاوہ کہیں نہیں ہوتے (یعنی دیت کے حوالے سے ان کا تعلق صرف چہرے اور سر کے ساتھ ہے) چنانچہ ان میں سے جو کوئی زخم باقی جسم میں ہو تو اس میں اجتہاد کے سوا کچھ (مقرر) نہیں ہے۔

فائدہ :......احناف کے ہاں بھی یہی موقف ہے کہ باقی جسم کے زخم "جراحة" کہلاتے ہیں اور ان پر مذکورہ نام نہ بولے جائیں گے اور ان کا فیصلہ قاضی کے اجتہاد اور صوابدید سے ہوگا جبکہ ہمارے نزدیک مُوضحہ اور مُنقّلہ عام ہیں۔

[1512] وَحَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ : أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ الزُّبَيْرِ أَقَادَ مِنَ الْمُنَقِّلَةِ.

ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے مُنَقِّلہ زخم سے قصاص دلایا تھا۔

فائدہ :...... یہ روایت ضعیف ہے اور راجح یہی ہے کہ منقلہ میں قصاص نہ ہوگا کیونکہ ہر شخص کے جسم کی سختی و

[1511] (مقطوع صحيح) شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

[1512] (موقوف ضعيف) عبدالرزاق: 9/ 459، ابن ابی شیبہ: 27291۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

نرمی الگ الگ ہوتی ہے اور یہ تینوں زخم یعنی ماموہ، منقلہ اور جائفہ ایسے ہیں کہ ان کے قصاص کے دوران ذرا سا آگا پیچھا ہو جانا جان لیوا یا بڑے نقصان کا موجب ہو سکتا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : فَلاَ أَرَى اللَّحْيَ الأَسْفَلَ وَالْأَنْفَ مِنَ الرَّأْسِ فِي جِرَاحِهِمَا ، لِأَنَّهُمَا عَظْمَانِ مُنْفَرِدَانِ ، وَالرَّأْسُ بَعْدَهُمَا عَظْمٌ وَاحِدٌ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: میں نچلے جبڑے اور ناک کو، ان دونوں زخموں کے حوالے سے سر میں شمار نہیں کرتا کیونکہ بلاشبہ یہ دونوں الگ الگ (اور مستقل) ہڈیاں ہیں اور سر ان کے بعد ایک الگ ہڈی ہے۔

11- بَابُ مَا جَاءَ فِي عَقْلِ الْأَصَابِعِ

انگلیوں کی دیت کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں ایک مقطوع روایت (اثر تابعی رحمہ اللہ) ہے جو سنداً صحیح ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

[1513] وَحَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ، أَنَّهُ قَالَ : سَأَلْتُ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ كَمْ فِي إِصْبَعِ الْمَرْأَةِ : فَقَالَ عَشْرٌ مِنَ الإِبِلِ . فَقُلْتُ : كَمْ فِي إِصْبَعَيْنِ ؟ قَالَ : عِشْرُونَ مِنَ الإِبِلِ . فَقُلْتُ : كَمْ فِي ثَلاثٍ : فَقَالَ : ثَلاثُونَ مِنَ الإِبِلِ . فَقُلْتُ : كَمْ فِي أَرْبَعٍ ؟ قَالَ : عِشْرُونَ مِنَ الإِبِلِ . فَقُلْتُ : حِينَ عَظُمَ جُرْحُهَا وَاشْتَدَّتْ مُصِيبَتُهَا نَقَصَ عَقْلُهَا ؟ فَقَالَ سَعِيدٌ : أَعِرَاقِيٌّ أَنْتَ ؟ فَقُلْتُ : بَلْ عَالِمٌ مُتَثَبِّتٌ ، أَوْ جَاهِلٌ مُتَعَلِّمٌ . فَقَالَ سَعِيدٌ : هِيَ السُّنَّةُ يَا ابْنَ أَخِي .

ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں: میں نے سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے پوچھا کہ عورت کی ایک انگلی میں کتنی دیت ہے؟ انھوں نے کہا: دس اونٹ۔ پھر میں نے کہا کہ دو انگلیوں میں کتنی؟ تو انھوں نے کہا: بیس اونٹ، میں نے کہا کہ تین میں کتنی؟ انھوں نے فرمایا: تیس اونٹ، پھر میں نے کہا کہ (عورت کی) چار انگلیوں میں کتنی (دیت ہے)؟ تو انھوں نے فرمایا: بیس اونٹ۔ تو میں نے کہا: جب اس کا زخم بڑھ گیا اور اس کی مصیبت میں شدت آگئی تو اس کی دیت (کیوں) کم ہوگئی (یہ بات قرینِ انصاف محسوس نہیں ہو رہی) تو سعید رحمہ اللہ فرمانے لگے: کیا تم عراقی ہو؟ (کہ کوفیوں کی طرح حدیثِ رسول ﷺ سامنے آجانے کے باوجود اپنی عقل کے گھوڑے دوڑاتے ہو اور نص کے مقابلے میں قیاس پیش کرتے ہو؟) میں نے کہا کہ نہیں بلکہ میں تحقیق (اور غور و فکر) کرنے والا عالم ہوں یا کم علم ہوں جو علم سیکھنے والا ہے، تو سعید بن مسیب رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ سنت

[1513] (مقطوع صحیح) بیهقی فی السنن الکبری: 8/ 96 (16311)، وفی معرفة السنن والآثار: 6/ 226 (4921)، عبدالرزاق: 9/ 394 (17749)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

ہے، اے میرے بھتیجے!

فائدہ: ...... ثابت ہوا کہ ایک انگلی کی دیت دس اونٹ ہے۔ رہا عورت کی دیت کا معاملہ تو پیچھے باب: 6 میں تفصیل گزر چکی ہے کہ وہ تہائی دیت تک کو مرد ہی کی طرح دیت کی مستحق ہے لیکن اس سے زیادہ میں اس کی دیت نصف ہو جائے گی۔

قَالَ مَالِكٌ : الأَمْرُ عِنْدَنَا فِي أَصَابِعِ الْكَفِّ إِذَا قُطِعَتْ فَقَدْ تَمَّ عَقْلُهَا ، وَذَلِكَ أَنَّ خَمْسَ الأَصَابِعِ إِذَا قُطِعَتْ ، كَانَ عَقْلُهَا عَقْلَ الْكَفِّ ، خَمْسِينَ مِنَ الإِبِلِ ، فِي كُلِّ إِصْبَعٍ عَشْرٌ مِنَ الإِبِلِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں ہتھیلی کی انگلیوں کے متعلق اس حکم پر اجماع ہے کہ جب وہ (صرف پانچوں انگلیاں) کاٹ دی جائیں تو ان کی دیت مکمل (ہاتھ کٹنے کی طرح پچاس اونٹ) ہو جاتی ہے اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب پانچ انگلیاں کاٹ دی جائیں تو ان کی دیت پوری ہتھیلی کی دیت کی مثل پچاس اونٹ ہو جاتی ہے (خواہ ہتھیلی نہ بھی کٹے اور یہ دیت اس طرح ہوتی ہے کہ) ہر انگلی میں دس دس اونٹ ہوتے ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ : وَحِسَابُ الأَصَابِعِ ثَلاثَةٌ وَثَلاثُونَ دِينَارًا ، وَثُلُثُ دِينَارٍ فِي كُلِّ أَنْمُلَةٍ ، وَهِيَ مِنَ الإِبِلِ ثَلاثُ فَرَائِضَ وَثُلُثُ فَرِيضَةٍ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور انگلیوں کے حساب سے ہر پورے میں تینتیس دینار اور تہائی دینار (33/1/3) لازم ہے اور (یا پھر) اونٹوں میں سے تین اونٹ اور تہائی اونٹ ہے۔

فائدہ: ...... ہر انگلی کی دیت میں دس اونٹ یا سو دینار واجب ہیں اور چونکہ ہر انگلی میں تین پورے ہوتے ہیں اس لیے اگر ایک پورا کاٹا جائے تو انگلی کی دیت کا تہائی حصہ دیت میں ادا کیا جائے گا۔

12- بَابٌ: جَامِعُ عَقْلِ الْأَسْنَانِ

دانتوں کی دیت کے متفرق مسائل کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں تین روایات ہیں جن میں سے دو موقوف (آثار صحابہ رضی اللہ عنہم) اور ایک مقطوع (اثر تابعی رحمہ اللہ) ہے اور سنداً سب صحیح ہیں۔

فائدہ: ...... اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ نے اہل مدینہ کے وہ اقوال ذکر کیے ہیں جن میں دانتوں کی دیت حدیث میں بیان شدہ دیت کی بجائے قیاس پر مبنی ہے۔ غالباً انھیں یا تو حدیث پہنچی ہی نہیں یا وہ معتبر ذریعے سے نہ پہنچی ہوگی، واللہ اعلم۔ حدیث کے مطابق فیصلہ آئندہ باب میں خود امام صاحب بیان کر دیں گے۔

[1514] وَحَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ مُسْلِمِ بْنِ جُنْدُبٍ، عَنْ أَسْلَمَ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَضَى فِي الضِّرْسِ بِجَمَلٍ وَفِي التَّرْقُوَةِ بِجَمَلٍ، وَفِي الضِّلَعِ بِجَمَلٍ.

اسلم رحمہ اللہ (عدوی) جو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے، سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے داڑھ میں ایک اونٹ کا فیصلہ کیا، ہنسلی (کی ہڈی توڑ دینے کی صورت) میں بھی اور پسلی میں بھی ایک ایک اونٹ کا فیصلہ فرمایا۔

[1515] وَحَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّهُ سَمِعَ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ يَقُولُ: قَضَى عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فِي الأَضْرَاسِ بِبَعِيرٍ بَعِيرٍ، وَقَضَى مُعَاوِيَةُ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ فِي الأَضْرَاسِ بِخَمْسَةِ أَبْعِرَةٍ خَمْسَةِ أَبْعِرَةٍ. قَالَ سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ: فَالدِّيَةُ تَنْقُصُ فِي قَضَاءِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، وَتَزِيدُ فِي قَضَاءِ مُعَاوِيَةَ، فَلَوْ كُنْتُ أَنَا لَجَعَلْتُ فِي الأَضْرَاسِ بَعِيرَيْنِ بَعِيرَيْنِ، فَتِلْكَ الدِّيَةُ سَوَاءٌ، وَكُلُّ مُجْتَهِدٍ مَأْجُورٌ.

سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے داڑھوں میں ایک ایک اونٹ کا فیصلہ فرمایا اور حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے داڑھوں میں پانچ پانچ اونٹوں کا فیصلہ کیا۔ سعید بن مسیب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ دیت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلے میں کم ہو گئی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فیصلے میں بڑھ گئی تھی، اگر میں (صاحب اقتدار و اختیار) ہوتا تو میں داڑھوں میں دو دو اونٹ مقرر کرتا تو یہ دیت پوری ہو جاتی۔ چنانچہ یہ دیت (پوری اور) برابر ہو جاتی اور (چونکہ ہر کسی نے اجتہاد کیا ہے، اس لیے) ہر مجتہد اجر کا مستحق ہوتا ہے۔

فائدہ: ......سعید بن مسیب رحمہ اللہ کا مطلب یہ تھا کہ دانتوں میں سو اونٹ اس طرح پورے ہوتے ہیں کہ دانت جو کہ بارہ ہوتے ہیں ان میں پانچ پانچ اونٹ ہوں تو یہ کل ساٹھ اونٹ ہوں گے، باقی بیس داڑھیں بچیں اور ہر داڑھ کی طرف سے دو اونٹ ہوں تو چالیس ہوں گے اور یہ کل سو ہو گئے۔

[1516] وَحَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ

سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے روایت ہے، بلاشبہ وہ فرمایا

[1514] (موقوف صحیح) بیهقی فی السنن الكبرى: 8/ 99 (16333)، وفی معرفة السنن والآثار: 6/ 231 (4927)، عبدالرزاق: 9/ 345، 367 (17496، 17578، 17607، 17610)، ابن ابی شیبہ: 26946۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

[1515] (موقوف صحیح) بیهقی فی السنن الكبرى: 8/ 90 (16266)، وفی معرفة السنن والآثار: 6/ 220 (4913)، عبدالرزاق: 9/ 347 (17507)، ابن ابی شیبہ: 26972۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

[1516] (مقطوع صحیح) بیهقی: 8/ 91 (16267)، عبدالرزاق: 9/ 350 (17524)، ابن ابی شیبہ: 27019۔ شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔

يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: إِذَا أُصِيبَتِ السِّنُّ فَاسْوَدَّتْ فَفِيهَا عَقْلُهَا تَامًّا، فَإِنْ طُرِحَتْ بَعْدَ أَنْ تَسْوَدَّ، فَفِيهَا عَقْلُهَا أَيْضاً تَامًّا.

کرتے تھے کہ جب دانت کو (اس طرح ضرب لگے اور نقصان) پہنچایا جائے کہ وہ سیاہ ہو جائے (اور اپنی جگہ سے نہ نکلے) تو اس میں بھی مکمل دیت (پانچ اونٹ) ہے، پھر اگر وہ سیاہ ہونے کے بعد گر جائے تو بھی اس میں مکمل دیت ہوگی۔

فائدہ: ......یعنی اگر دانت ضرب لگنے سے سیاہ ہو جائے لیکن اپنی جگہ سے نہ اکھڑے تو بھی اس میں دیت لازم ہے کیونکہ دانت کا حسن تو خراب ہو گیا۔ جس سے آدمی کے حسن پر بھی اثر پڑا۔ اگر سیاہ ہونے کے بعد اکھڑ بھی جائے تو اس عمل سے دو دیتیں لازم نہ ہوں گی.......... یاد رہے کہ اگر کسی شخص کا دانت پہلے ہی سے سیاہ ہو اور اسے اکھیڑ دیا جائے تو اس میں دانت کی کل دیت یعنی پانچ اونٹوں کا تہائی حصہ واجب ہے۔ (نسائی: 4844۔ اس کی سند حسن ہے۔ ارواء الغلیل: 2293)

13- بَابٌ: الْعَمَلُ فِي عَقْلِ الْأَسْنَانِ

دانتوں کی دیت کے متعلق (نبوی ﷺ) طریق کار کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں دو روایات ہیں، ایک موقوف اور ایک مقطوع ہے اور دونوں سنداً صحیح ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

[1517] وَحَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ دَاوُدَ بْنِ الْحُصَيْنِ، عَنْ أَبِي غَطَفَانَ بْنِ طَرِيفٍ الْمُرِّيِّ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ: أَنَّ مَرْوَانَ بْنَ الْحَكَمِ بَعَثَهُ إِلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ يَسْأَلُهُ: مَاذَا فِي الضِّرْسِ؟ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبَّاسٍ: فِيهِ خَمْسٌ مِنَ الْإِبِلِ. قَالَ: فَرَدَّنِي مَرْوَانُ إِلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ فَقَالَ: أَتَجْعَلُ مُقَدَّمَ الْفَمِ مِثْلَ الْأَضْرَاسِ؟ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبَّاسٍ: لَوْ لَمْ تَعْتَبِرْ ذَلِكَ إِلَّا بِالْأَصَابِعِ عَقْلُهَا سَوَاءٌ.

ابوغطفان بن طریف مُرّی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بیشک (امیر مدینہ) مروان بن حکم رحمہ اللہ نے انھیں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف بھیجا، (تاکہ) وہ ان سے یہ سوال کریں کہ داڑھ میں کیا (دیت لازم) ہے؟ تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس میں پانچ اونٹ ہیں۔ ابوغطفان رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مروان رحمہ اللہ نے مجھے دوبارہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف لوٹا دیا اور یہ کہلایا کہ کیا آپ منہ کے سامنے والے حصے (کے دانتوں) کو داڑھوں کی مثل قرار دیتے ہیں؟ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اگر آپ اس کا اعتبار (کسی اور طرح سے) نہ کریں مگر (صرف) انگلیوں ہی سے (اسے قیاس کر لیں) کہ جن کی

[1517] (موقوف صحیح) بیہقی: 8/ 90 (16265)، وفی معرفة السنن والآثار: 6/ 218 (4910)، عبدالرزاق: 9/ 345 (17495)، الشافعی فی الأم: 6/ 125۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

دیت (باوجود چھوٹی بڑی ہونے کے) برابر ہے (تو آپ کے لیے یہی قیاس کافی ہے)۔

[1518] وَحَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ كَانَ يُسَوِّي بَيْنَ الأَسْنَانِ فِي الْعَقْلِ، وَلَا يُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلَى بَعْضٍ.

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ اپنے والد (عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں کہ بلاشبہ وہ دیت (کے معاملے) میں دانتوں کے درمیان برابری رکھتے تھے اور ان میں سے کسی کو کسی پر فضیلت نہیں دیتے تھے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَالأَمْرُ عِنْدَنَا: أَنَّ مُقَدَّمَ الْفَمِ وَالأَضْرَاسِ وَالأَنْيَابِ عَقْلُهَا سَوَاءٌ، وَذَلِكَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: فِي السِّنِّ خَمْسٌ مِنَ الإِبِلِ. وَالضِّرْسُ سِنٌّ مِنَ الأَسْنَانِ لَا يُفَضَّلُ بَعْضُهَا عَلَى بَعْضٍ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں حکم یہی ہے کہ بلاشبہ منہ کے اگلے حصے (کے دانتوں)، داڑھوں اور انیاب (کچلی نما دانتوں) کی دیت برابر برابر ہے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ''دانت میں پانچ اونٹ ہیں۔'' اور داڑھ بھی دانتوں میں سے ایک دانت ہے، ان میں سے کسی کو کسی پر فضیلت نہیں ہے۔

فائدہ:...... چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اَلْاَصَابِعُ سَوَاءٌ وَ الْاَسْنَانُ سَوَاءٌ الثَّنِيَّةُ وَالضِّرْسُ سَوَاءٌ . " انگلیاں بھی برابر ہیں اور دانت بھی برابر ہیں اور سامنے کے دانت (ثنایا) اور داڑھیں بھی برابر برابر ہیں''۔ (ابوداود: 4559۔ اس کی سند صحیح ہے، نیز دیکھیے ابن ماجہ: 2650)۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کی روایت میں بھی دانتوں میں پانچ پانچ اونٹ کی دیت نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہے۔ (ابوداود: 4563، 4564، نسائی: 4845، 4846، دارمی: 2377، 2379۔ اس کی سند حسن ہے۔) اور حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی ثابت ہے کہ ہر ہر دانت میں پانچ اونٹ ہیں۔ (نسائی: 4857۔ اس کی سند حسن ہے۔) البتہ سارے دانت اکٹھے نکالے جائیں تو پھر پوری دیت سو اونٹ ہوگی، اس سے زیادہ نہیں، بالفاظ دیگر بیس یا اس سے زائد دانتوں کے نکالنے پر دیت سو اونٹ ہوگی اور اس سے نہیں بڑھے گی جیسا کہ بعض روایات میں بھی ہے۔ مراسیل ابی داود: 257، ارواء الغلیل: 2212)

14- بَابُ مَا جَاءَ فِي دِيَةِ جِرَاحِ الْعَبْدِ

غلام کے زخموں کی دیت کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں دو مقطوع روایات (آثار تابعین رحمہم اللہ) ہیں جو سنداً ضعیف ہیں، نیز امام

[1518] (مقطوع صحیح) عبدالرزاق: 9/ 344(17489)، ابن ابی شیبہ: 26959، 26960۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

مالک رحمہ اللہ کے چار فتاویٰ جات بھی مذکور ہیں۔

[1519] وَحَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ: أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ، وَسُلَيْمَانَ بْنَ يَسَارٍ كَانَا يَقُولَانِ: فِي مُوضِحَةِ الْعَبْدِ نِصْفُ عُشْرِ ثَمَنِهِ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ بے شک سعید بن مسیب رحمہ اللہ اور سلیمان بن یسار رحمہ اللہ کہا کرتے تھے: غلام کے مُـوْضِـحة (ہڈی ننگی کر دینے والے) زخم میں اس کی (مکمل) قیمت کا بیسواں حصہ ہے۔

فائدہ: ...... جس طرح کہ آزاد آدمی کی دیت سو اونٹ ہے اور اس کے موضحہ زخم میں اس کی دیت کا بیسواں حصہ یعنی پانچ اونٹ واجب ہیں، اسی طرح غلام کی دیت اس کی قیمت ہوتی ہے تو اس کے موضحہ میں اس کی قیمت کا بیسواں حصہ ہے۔

[1520] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ مَرْوَانَ بْنَ الْحَكَمِ كَانَ يَقْضِي فِي الْعَبْدِ يُصَابُ بِالْجِرَاحِ: أَنَّ عَلَى مَنْ جَرَحَهُ قَدْرَ مَا نَقَصَ مِنْ ثَمَنِ الْعَبْدِ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ بے شک مروان بن حکم رحمہ اللہ اس غلام جسے زخم پہنچائے جائیں، کے متعلق یہ فیصلہ کرتے تھے کہ بلاشبہ جس شخص نے اسے زخمی کیا، اس پر اتنی مقدار لازم ہے جو اس غلام کی قیمت میں کمی واقع ہوئی ہے۔

فائدہ: ...... مثلاً: زخم سے قبل اس کی قیمت دس ہزار ہو اور زخم کے بعد سات ہزار ہو جائے تو تین ہزار بطور دیت واجب ہوں گے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَالْأَمْرُ عِنْدَنَا: أَنَّ فِي مُوضِحَةِ الْعَبْدِ نِصْفَ عُشْرِ ثَمَنِهِ، وَفِي مُنَقِّلَتِهِ الْعُشْرُ وَنِصْفُ الْعُشْرِ مِنْ ثَمَنِهِ، وَفِي مَأْمُومَتِهِ وَجَائِفَتِهِ، فِي كُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا ثُلُثُ ثَمَنِهِ، وَفِيمَا سِوَى هَذِهِ الْخِصَالِ الْأَرْبَعِ مِمَّا يُصَابُ بِهِ الْعَبْدُ مَا نَقَصَ مِنْ ثَمَنِهِ، يُنْظَرُ فِي

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں یہ حکم ہے کہ بے شک غلام کے مُـوضِـحـه زخم میں اس کی قیمت کا بیسواں حصہ ہے اور مُـنَـقِّله (ہڈی کو سرکا دینے والے) زخم میں اس کی قیمت کا دسواں اور بیسواں حصہ ہے اور اس کے مامومہ (دماغ کی جھلی تک پہنچ جانے والے) اور جائفہ (پیٹ کے اندر تک پہنچنے والے) زخموں میں سے ہر کسی میں اس کی

[1519] (مقطوع ضعيف) بيهقي: 8/ 104- شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

[1520] (مقطوع ضعيف) شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

ذَٰلِكَ بَعْدَ مَا يَصِحُّ الْعَبْدُ وَيَبْرَأُ، كَمْ بَيْنَ قِيمَةِ الْعَبْدِ بَعْدَ أَنْ أَصَابَهُ الْجُرْحُ، وَقِيمَتِهِ صَحِيحاً قَبْلَ أَنْ يُصِيبَهُ هَذَا، ثُمَّ يَغْرَمُ الَّذِي أَصَابَهُ مَا بَيْنَ الْقِيمَتَيْنِ.

قیمت کا تہائی حصہ (دیت میں دینا لازم) ہے۔ اوران چاروں قسموں کے سوا غلام کو جو کوئی بھی نقصان پہنچایا جائے، اس میں اس قدر (ہی دیت) واجب ہے جو اس کی قیمت میں کمی واقع ہوئی ہو۔ جب غلام صحت منداور شفایاب ہوگا تو اس کے بعد دیکھا جائے گا کہ کتنا فرق ہے درمیان اس کی اس قیمت کے جو زخم پہنچنے کے بعد ہے اور درمیان اس کی اس قیمت کے جو اسے یہ زخم پہنچنے سے پہلے تھی جبکہ وہ صحیح تھا۔ پھر جس شخص نے اسے زخم لگایا ہو وہ ان دونوں قیمتوں کے درمیان فرق کی چٹی بھرے گا۔

فائدہ:......مثلاً: ہاتھ کٹنے سے پہلے اس کی قیمت دس ہزار روپے ہو اور ہاتھ کٹنے کے بعد سات ہزار رہ جائے تو تین ہزار کی چٹی زخم لگانے والے پر پڑے گی......مُنَقِّلہ زخم میں اس کی قیمت کا دسواں حصہ اور بیسواں حصہ دونوں نکالے جائیں گے کیونکہ آزاد شخص کے لیے اس زخم کی دیت پندرہ اونٹ ہے اور وہ کل دیت کے اعتبار سے دسواں اور بیسواں حصہ ہے یعنی سو اونٹوں میں سے دسواں حصہ دس اونٹ بنتے ہیں اور بیسواں حصہ پانچ اونٹ بنتے ہیں۔ یاد رہے کہ سو میں سے پندرہ کو پندرھواں حصہ نہیں کہا جاسکتا۔ بہرحال اس طرح غلام کی کل قیمت میں سے پہلے دسواں حصہ پھر بیسواں حصہ نکالا جائے گا اور ان کا مجموعہ بطور دیت ادا کیا جائے گا۔ چنانچہ دس ہزار میں سے دسواں حصہ ایک ہزار اور بیسواں حصہ پانچ سو بنتا ہے، یوں غلام کو اپنے منقلہ زخم میں پندرہ سو روپے بطور دیت کے مل جائیں گے......امام مالک ؒ کے نزدیک صرف چار قسم کے زخموں میں غلام کا حساب آزاد آدمی کی طرح ہوگا اور باقی سب زخموں میں غلام کی پرانی اور نئی قیمت کا اعتبار ہوگا لیکن امام ابوحنیفہ ؒ، امام شافعی ؒ، ایک روایت کے مطابق امام احمد ؒ کے نزدیک باقی اعضاء میں بھی آزاد آدمی کی طرح حساب لگایا جائے گا۔ چنانچہ جن اعضاء کے کٹنے میں آزاد آدمی کی نصف دیت یا پوری دیت پڑتی ہے، غلام میں بھی ان اعضاء کے کٹنے پر اس عضو کی نصف قیمت یا مکمل قیمت پڑے گی۔ چنانچہ مذکورہ مثال میں ہاتھ کٹنے پر غلام کو اس کی قیمت کا نصف یعنی پانچ ہزار ملیں گے، باقی جوڑا جوڑا اعضاء میں یہی معاملہ ہوگا۔ اگر دونوں ہاتھ کٹ جائیں تو غلام کی پوری قیمت بطور دیت ادا ہوگی وغیرہ۔ یہی موقف راجح ہے۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الْعَبْدِ إِذَا كُسِرَتْ يَدُهُ أَوْ رِجْلُهُ، ثُمَّ صَحَّ كَسْرُهُ فَلَيْسَ عَلَى مَنْ أَصَابَهُ شَيْءٌ، فَإِنْ أَصَابَ كَسْرَهُ ذَلِكَ نَقْصٌ أَوْ عَثَلٌ، كَانَ عَلَى مَنْ أَصَابَهُ قَدْرُ مَا نَقَصَ مِنْ ثَمَنِ الْعَبْدِ.

امام مالک ؒ نے غلام کے متعلق فرمایا: جب اس کا پاؤں یا ہاتھ توڑ دیا جائے، پھر وہ ٹوٹا ہوا عضو صحیح ہو جائے تو اس شخص پر کچھ لازم نہ ہوگا جس نے اسے زخم پہنچایا تھا، پھر اگر اس ٹوٹے ہوئے عضو میں کوئی نقص یا (ناہموار جڑاؤ جیسا) عیب پہنچ گیا تو اسے زخم پہنچانے والے پر اس قدر دیت

واجب ہوگی جو غلام کی قیمت میں کمی واقع ہو۔

فائدہ: ...... یعنی جب عضو کاٹا نہ جائے بلکہ صرف توڑا جائے تو پھر زخم صحیح ہونے تک انتظار کیا جائے گا۔ البتہ ہمارے نزدیک راجح یہ ہے کہ اس زخم کے ٹھیک ہونے پر جو اخراجات آئے ہوں وہ بھی زخم لگانے والے پر پڑیں گے۔

قَالَ مَالِكٌ : الأَمْرُ عِنْدَنَا فِي الْقِصَاصِ بَيْنَ الْمَمَالِيكِ كَهَيْئَةِ قِصَاصِ الأَحْرَارِ ، نَفْسُ الأَمَةِ بِنَفْسِ الْعَبْدِ ، وَجُرْحُهَا بِجُرْحِهِ ، فَإِذَا قَتَلَ الْعَبْدُ عَبْداً عَمْداً ، خُيِّرَ سَيِّدُ الْعَبْدِ الْمَقْتُولِ ، فَإِنْ شَاءَ قَتَلَ ، وَإِنْ شَاءَ أَخَذَ الْعَقْلَ ، فَإِنْ أَخَذَ الْعَقْلَ ، أَخَذَ قِيمَةَ عَبْدِهِ ، وَإِنْ شَاءَ رَبُّ الْعَبْدِ الْقَاتِلِ أَنْ يُعْطِيَ ثَمَنَ الْعَبْدِ الْمَقْتُولِ فَعَلَ ، وَإِنْ شَاءَ أَسْلَمَ عَبْدَهُ ، فَإِذَا أَسْلَمَهُ فَلَيْسَ عَلَيْهِ غَيْرُ ذَلِكَ ، وَلَيْسَ لِرَبِّ الْعَبْدِ الْمَقْتُولِ إِذَا أَخَذَ الْعَبْدَ الْقَاتِلَ وَرَضِيَ بِهِ أَنْ يَقْتُلَهُ ، وَذَلِكَ فِي الْقِصَاصِ كُلِّهِ بَيْنَ الْعَبِيدِ ، فِي قَطْعِ الْيَدِ وَالرِّجْلِ وَأَشْبَاهِ ذَلِكَ ، بِمَنْزِلَتِهِ فِي الْقَتْلِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے نزدیک غلاموں کے درمیان قصاص میں حکم یہ ہے کہ وہ آزاد لوگوں کے قصاص ہی کی طرح ہے۔ لونڈی کی جان غلام کی جان کے بدلے اور اس لونڈی کا زخم غلام کے زخم کے بدلے (قصاص میں برابر) ہے۔ چنانچہ جب ایک غلام دوسرے غلام کو عمداً قتل کرے تو مقتول غلام کے آقا کو اختیار دیا جائے گا کہ اگر وہ چاہے تو (قصاصاً قاتل کو) قتل کر دے اور اگر چاہے تو دیت لے لے اور اگر وہ دیت لینا چاہے تو اپنے غلام کی قیمت لے گا اور (دیت پر راضی ہونے کی صورت میں) اگر قاتل غلام کا آقا یہ چاہے کہ مقتول غلام کی قیمت ادا کرے تو وہ ایسا بھی کر سکتا ہے اور اگر وہ چاہے تو اپنے غلام کو (مقتول کے آقا کے) سپرد کر سکتا ہے۔ پھر جب وہ اسے سپرد کر دے گا تو اس پر اس کے سوا کچھ (تاوان) نہ ہوگا اور مقتول غلام کے آقا کے لیے بھی جائز نہ ہوگا کہ جب وہ قاتل غلام کو (دیت کے طور پر) وصول کر لے اور اس پر راضی ہو جائے تو (پھر) اسے مار ڈالے (کیونکہ دیت پر راضی ہونے کے بعد قصاص لینا حرام ہے، اگر وہ ایسا کرے گا تو مجرم ہوگا بلکہ اس کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ (سورۂ بقرہ 178:2) اور یہی (قتل والے قصاص کا معاملہ) غلاموں کے درمیان ہر قسم کے قصاص میں (جاری) ہوگا (مثلاً) ہاتھ اور پاؤں کاٹنے میں اور اس جیسے زخموں میں اس طرح (قصاص) ہے، جیسے قتل کے معاملے میں غلام کا حال ہے۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الْعَبْدِ الْمُسْلِمِ يَجْرَحُ الْيَهُودِيَّ أَوِ النَّصْرَانِيَّ : إِنَّ سَيِّدَ الْعَبْدِ إِنْ شَاءَ أَنْ يَعْقِلَ عَنْهُ مَا قَدْ أَصَابَ فَعَلَ ، أَوْ يُسْلِمَهُ فَيُبَاعُ ، فَيُعْطِي الْيَهُودِيَّ أَوِ النَّصْرَانِيَّ مِنْ ثَمَنِ الْعَبْدِ

امام مالک رحمہ اللہ نے اس مسلمان غلام کے متعلق فرمایا: جو یہودی یا عیسائی شخص کو زخمی کر دیتا ہے تو بلاشبہ غلام کا آقا اگر یہ چاہے کہ وہ اس کی طرف سے اس زخم کی دیت ادا کرے جو اس نے پہنچایا ہے تو وہ ایسا کر سکتا ہے یا (اگر وہ چاہے تو

دِيَةَ جُرْحِهِ، أَوْ ثَمَنَهُ كُلَّهُ إِنْ أَحَاطَ بِثَمَنِهِ، وَلَا يُعْطِي الْيَهُودِيَّ وَلَا النَّصْرَانِيَّ عَبْداً مُسْلِماً.

اس غلام کو یہودی وعیسائی شخص کے) سپرد کرے (تو ایسا کرسکتا ہے لیکن اس طرح کہ) اسے بیچا جائے گا اور عیسائی یا یہودی کو اس کے زخم کی دیت غلام کی قیمت میں سے ادا کی جائے گی یا اس کی مکمل قیمت ہی دے دی جائے گی۔ بشرطیکہ وہ (زخم والی دیت) اس کی (پوری) قیمت کو گھیر لے (یعنی زخم کی دیت اور غلام کی قیمت برابر برابر ہوں یا دیت اس قیمت سے زیادہ ہو تو پوری قیمت ادا کریں گے۔ اس سے زیادہ نہیں) اور نہ تو اس عیسائی کو اور نہ ہی اس یہودی کو وہ مسلمان غلام (بطور دیت کے) دیا جائے گا۔

فائدہ: ...... بلکہ محض اس کی قیمت ان کے سپرد کی جائے گی تاکہ کسی کافر کا کسی مسلم پر غلبہ وتسلط ثابت نہ ہو اور مسلمان کسی کافر کا محکوم نہ بنے۔

15- بَابُ مَا جَاءَ فِي دِيَةِ أَهْلِ الذِّمَّةِ

ذِمّی کافروں کی دیت کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں دو مقطوع روایات (آثار تابعین رحمہم اللہ) ہیں اور دونوں سنداً صحیح ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاویٰ بھی مذکور ہیں۔

فائدہ: ...... وہ تمام غیر مسلم لوگ جو اسلامی سلطنت کے ماتحت جزیہ دے کر رہتے ہیں، اہلِ ذمہ کہلاتے ہیں، کیونکہ جزیے کے بدلے اسلامی حکومت ان غیر مسلموں کی جان و مال کی حفاظت کی ذمہ دار ہوتی ہے۔

[1521] وَحَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ قَضَى: أَنَّ دِيَةَ الْيَهُودِيِّ أَوِ النَّصْرَانِيِّ إِذَا قُتِلَ أَحَدُهُمَا، مِثْلُ نِصْفِ دِيَةِ الْحُرِّ الْمُسْلِمِ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ بیشک حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ بے شک یہودی یا عیسائی میں سے جب کسی کو قتل کر دیا جائے تو اس کی دیت مسلمان آزاد شخص کی نصف دیت کے برابر ہے۔

فائدہ: ......امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ذِمّی کافر کی دیت مسلمان آزاد شخص کی دیت کے برابر ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک تہائی دیت کے برابر ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک اگر قتلِ عمد ہو تو پوری دیت نہیں ہوگی بلکہ اس کے لیے نصف دیت ہی ہوگی، کیونکہ کئی ایک احادیث رسول ﷺ نے کفار کی دیت، مسلمانوں کی دیت سے نصف متعین فرمائی ہے۔ (ابوداود: 4542، ترمذی: 1413، نسائی: 4810، ابن ماجہ: 2644، مسند احمد: 2/ 180، بیہقی: 8/101، دارقطنی: 3/ 129، ابن ابی شیبہ: 9/ 287، عبدالرزاق: 10/ 92۔ ان روایات

[1521] (مقطوع صحیح) بیہقی: 8/ 102، عبدالرزاق: 10/ 93 (18478)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

کی سندیں حسن اور صحیح ہیں)

قَالَ مَالِكٌ : الأَمْرُ عِنْدَنَا : أَنَّهُ لا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ، إِلاَّ أَنْ يَقْتُلَهُ مُسْلِمٌ قَتْلَ غِيلَةٍ، فَيُقْتَلُ بِهِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں حکم یہ ہے کہ بلاشبہ کسی مسلمان کو کسی کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا، الّا یہ کہ مسلمان اسے دھوکے سے اچانک قتل کردے تو پھر وہ اس جرم میں قتل کیا جائے گا۔

فائدہ :......یعنی فساد پھیلانے کے جرم میں اسے مارا جائے گا نہ کہ قصاص میں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ہرصورت میں ذمّی کے بدلے مسلمان سے قصاص لیا جاسکتا ہے جبکہ جمہور امت کے نزدیک کسی کافر کے بدلے کسی مسلمان سے قصاص نہیں ہے، خواہ کافر کسی بھی قسم کا ہو اور قتل کسی بھی انداز میں کیا گیا ہو کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صحیفے میں نہایت وضاحت سے یہ درج تھا: (وَلا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ) ''اور کوئی مسلمان کسی کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے''۔ (بخاری: 111) یہ صحیفہ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا تھا۔ (بخاری: 1870) بلکہ یہ عہد نامہ اور وصیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تھی۔ (ابو داود: 4530، نسائی: 4748، 4749۔ اس کی سند صحیح ہے۔)

[1522] وَحَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ : أَنَّ سُلَيْمَانَ بْنَ يَسَارٍ كَانَ يَقُولُ : دِيَةُ الْمَجُوسِيِّ ثَمَانِي مِئَةِ دِرْهَمٍ .

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ سلیمان بن یسار رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے: مجوسی کی دیت آٹھ سو درہم ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَهُوَ الأَمْرُ عِنْدَنَا .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور ہمارے ہاں بھی یہی حکم ہے۔

فائدہ :...... یہ مسلمان شخص کی کل دیت کا پندرھواں حصہ ہے جو کہ بارہ ہزار درہم ہے، اس اعتبار سے یہ 150 دینار یا پندرہ اونٹوں کے برابر ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ اس کے قائل ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پوری دیت کے قائل ہیں جبکہ اہل الحدیث کے ہاں دوسرے کفار کی طرح مجوسی کافر کی دیت بھی مسلمان آزاد شخص کی نصف دیت کے برابر ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَجِرَاحُ الْيَهُودِيِّ وَالنَّصْرَانِيِّ وَالْمَجُوسِيِّ فِي دِيَاتِهِمْ، عَلَى حِسَابِ جِرَاحِ الْمُسْلِمِينَ فِي دِيَاتِهِمْ، الْمُوضِحَةُ نِصْفُ عُشْرِ دِيَتِهِ وَالْمَأْمُومَةُ ثُلُثُ دِيَتِهِ وَالْجَائِفَةُ ثُلُثُ دِيَتِهِ فَعَلَى حِسَابِ ذَلِكَ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور یہودی، عیسائی اور مجوسی کے زخم دیتوں کے معاملے میں اس حساب کے مطابق ہیں جو مسلمانوں کے زخموں کی دیتوں کا ہے، (مثلاً) مُوضِحہ زخم میں اس کی دیت کا بیسواں حصہ ہے، مامومہ میں اس (کافر) کی تہائی دیت اور جائفہ میں بھی اس کی تہائی دیت

[1522] (مقطوع صحیح) بیهقی: 8/ 100، عبدالرزاق: 6/ 127۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

جِرَاحَاتُهُمْ كُلُّهَا. ہے، اور اسی حساب پر ان کے تمام زخموں کا معاملہ ہے۔

16- بَابُ مَا يُوْجِبُ الْعَقْلَ عَلَى الرَّجُلِ فِيْ خَاصَّةِ مَالِهِ

ان (جرائم) کا بیان جو آدمی پر خاص اسی کے مال میں دیت واجب کرتے ہیں

خلاصۃ الباب اس باب میں چار مقطوع روایات (آثار تابعین رحمہم اللہ) ہیں جو سنداً صحیح ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے پانچ فتاوی جات بھی مذکور ہیں۔

فائدہ :......امام مالک رحمہ اللہ، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک صرف اور صرف قتل خطا کی دیت کی ادائیگی میں قاتل کے والد کی طرف سے مذکر رشتہ دار جنھیں عاقلہ یا عصبہ بھی کہتے ہیں، اس قاتل کے ساتھ شریک رہیں گے اور قتل عمد کی دیت صرف قاتل ہی کے ذمے ہے۔ ہاں اگر کوئی تعاون کرنا چاہے تو اس کی مرضی ہے ورنہ قاتل کے سوا یہ کسی پر واجب نہیں۔ اہل حدیث کے ہاں چونکہ رسول اللہ ﷺ سے اس فرق کا ثبوت نہیں مل سکا اس لیے آپ ﷺ کے فرمان میں عموم باقی ہے اور عاقلہ رشتہ دار دیت کی ادائیگی میں قاتل کے ساتھ شریک رہیں گے، خواہ قتل خطا کی دیت ہو یا قتل عمد کی۔

[1523] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: لَيْسَ عَلَى الْعَاقِلَةِ عَقْلٌ فِي قَتْلِ الْعَمْدِ، إِنَّمَا عَلَيْهِمْ عَقْلُ قَتْلِ الْخَطَإِ.

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ اپنے والد (عروہ بن زبیر رحمہ اللہ) سے روایت کرتے ہیں کہ بلاشبہ وہ کہا کرتے تھے: عاقلہ (قاتل کے آبائی مذکر رشتہ داروں) پر قتل عمد میں کوئی دیت (لازم) نہیں۔ بلاشبہ ان پر تو صرف اور صرف قتل خطا میں دیت ہے۔

فائدہ :......قتل خطا خواہ محض خطا ہو یا شبہ عمد، ان میں قاتل پر قدرت کی طرف سے ایک آزمائش مسلّط ہوتی ہے۔ جس میں اسے خود اور اس کے آبائی مذکر رشتہ داروں کو شریک ہونا پڑتا ہے، لیکن قتل عمد میں ان پر شریک ہونا لازم نہیں۔ اگر قتل قصاص سے بچ جائے تو جمہور کے نزدیک اسے خود ہی دیت ادا کرنا ہوگی، خواہ اس کی ادائیگی میں اس کی ساری زندگی بیت جائے۔

[1524] وَحَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّهُ قَالَ: مَضَتِ السُّنَّةُ أَنَّ

ابن شہاب رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: بلاشبہ سنت یہی جاری ہو چکی ہے کہ بلاشبہ عاقلہ رشتہ دار قتل عمد

[1523] (مقطوع صحیح) بیہقی: 8/ 104، عبدالرزاق: 9/ 414 (17831)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

[1524] (مقطوع صحیح) بیہقی: 8/ 104، عبدالرزاق: 17812۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

الْعَاقِلَةَ لَا تَحْمِلُ شَيْئاً مِنْ دِيَةِ الْعَمْدِ، إِلَّا أَنْ يَشَاؤُوا ذَلِكَ.

کے خون سے کسی چیز کا بوجھ نہیں اٹھاتے، اِلّا یہ کہ وہ خود یہ (قاتل کا تعاون کرنا) چاہیں۔

[1525] وَحَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ مِثْلَ ذَلِكَ.

امام مالک رحمہ اللہ نے یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔

[1526] عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ مَالِكٌ: مَضَتِ السُّنَّةُ فِي قَتْلِ الْعَمْدِ حِينَ يَعْفُو أَوْلِيَاءُ الْمَقْتُولِ: أَنَّ الدِّيَةَ تَكُونُ عَلَى الْقَاتِلِ فِي مَالِهِ خَاصَّةً: إِلَّا أَنْ تُعِينَهُ الْعَاقِلَةُ عَنْ طِيبِ نَفْسٍ مِنْهَا.

ابن شہاب رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: قتل عمد میں جب مقتول کے ورثاء (قصاص) معاف کردیں تو سنت یہ جاری ہوچکی ہے کہ بلاشبہ دیت قاتل پر خاص اس کے اپنے مال میں لازم ہوگی، اِلّا یہ کہ عاقلہ رشتہ دار اپنے دل کی خوشی سے اس کا تعاون کرسکتے ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ: وَالْأَمْرُ عِنْدَنَا: أَنَّ الدِّيَةَ لَا تَجِبُ عَلَى الْعَاقِلَةِ حَتَّى تَبْلُغَ الثُّلُثَ فَصَاعِداً، فَمَا بَلَغَ الثُّلُثَ فَهُوَ عَلَى الْعَاقِلَةِ، وَمَا كَانَ دُونَ الثُّلُثِ، فَهُوَ فِي مَالِ الْجَارِحِ خَاصَّةً.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں حکم یہ ہے کہ بلاشبہ (قتل خطا یا جرم خطا والی) دیت عاقلہ پر واجب نہیں ہوتی یہاں تک کہ وہ تہائی یا اس سے زیادہ تک پہنچ جائے۔ چنانچہ جو دیت (کل دیت کے) تہائی تک پہنچ جائے تو وہ عاقلہ پر ہے اور جو اس سے کم ہو وہ زخمی کرنے والے کے خاص اپنے مال میں (واجب) ہے۔

فائدہ: ......امام مالک رحمہ اللہ نے قاتل کے ساتھ عاقلہ کی شرکت تہائی دیت سے شروع کی ہے۔ جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بیسویں حصے یعنی پانچ اونٹ کی دیت سے اس شرکت کا آغاز کرتے ہیں، اس سے کم میں نہیں۔ جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ اور اہل حدیث کے نزدیک ہر قلیل وکثیر دیت میں وہ شریک ہوں گے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک عورت کے پیٹ کے بچے کی دیت جو صرف ایک غلام یا لونڈی کی شکل میں تھی، وہ بھی قاتل عورت کے عاقلہ پر ڈالی تھی۔ (مسلم: 1681/ 35)

قَالَ مَالِكٌ: الْأَمْرُ الَّذِي لَا اخْتِلَافَ فِيهِ عِنْدَنَا فِيمَنْ قُبِلَتْ مِنْهُ الدِّيَةُ فِي قَتْلِ الْعَمْدِ، أَوْ فِي شَيْءٍ مِنَ الْجِرَاحِ الَّتِي فِيهَا الْقِصَاصُ: أَنَّ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ حکم جس میں ہمارے ہاں کوئی اختلاف نہیں، اس شخص کے متعلق جس سے قتل عمد میں یا اس زخم کہ جس میں قصاص ہوتا ہے، میں دیت قبول کرلی

[1525] (مقطوع صحیح) بیہقی: 8/ 105۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

[1526] (مقطوع صحیح) شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

عَـقْـلَ ذَلِكَ لَا يَـكُـونُ عَـلَى الْعَـاقِلَةِ إِلَّا أَنْ يَشَـاؤُوا، وَإِنَّمَا عَقْلُ ذَلِكَ فِي مَالِ الْقَاتِلِ أَوِ الْجَارِحِ خَاصَّةً إِنْ وُجِدَ لَهُ مَالٌ، فَإِنْ لَمْ يُوجَدْ لَـهُ مَالٌ كَانَ دَيْناً عَلَيْهِ، وَلَيْسَ عَلَى الْعَاقِلَةِ مِنْهُ شَيْءٌ، إِلَّا أَنْ يَشَاؤُوا.

جائے (اور مقتول کے اولیاء یا مظلوم شخص قصاص معاف کر کے دیت لینے پر راضی ہو جائیں تو اس میں حکم) یہ ہے کہ یقیناً اس کی دیت عاقلہ پر نہ پڑے گی، الا یہ کہ وہ خود چاہیں اور بلاشبہ اس کی دیت تو صرف اور صرف زخمی کرنے والے یا قتل کرنے والے کے خاص اپنے مال میں ہی واجب ہے، بشرطیکہ اس کے پاس مال ہو، اور اگر اس کے پاس مال نہ ہو تو وہ اس کے ذمے قرض رہے گی اور عاقلہ پر اس میں سے کچھ بھی نہ (لازم) ہوگا، الا یہ کہ وہ خود چاہیں۔

قَـالَ مَـالِكٌ: وَلَا تَعْقِلُ الْعَاقِلَةُ أَحَداً أَصَابَ نَفْسَهُ عَمْداً أَوْ خَطَأً بِشَيْءٍ، وَعَلَى ذَلِكَ رَأْيُ أَهْلِ الْفِقْهِ عِنْدَنَا، وَلَمْ أَسْمَعْ أَنَّ أَحَداً ضَمَّنَ الْعَاقِلَةَ مِنْ دِيَةِ الْعَمْدِ شَيْئاً، وَمِمَّا يُعْرَفُ بِهِ ذَلِكَ، أَنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قَالَ فِي كِتَابِهِ: ﴿فَـمَـنْ عُـفِـيَ لَـهُ مِـنْ أَخِيـهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِـالْـمَـعْـرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ﴾ [البقرة: 178] فَتَفْسِيرُ ذَلِكَ فِيمَا نُرَى وَاللّٰهُ أَعْلَمُ: أَنَّهُ مَـنْ أُعْـطِيَ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ مِنَ الْعَقْلِ فَلْيَتْبَعْهُ بِالْمَعْرُوفِ، وَلْيُؤَدَّ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: عاقلہ کسی ایسے شخص کی دیت بھی ادا نہ کریں گے جس نے اپنے آپ کو عمداً یا خطاً کوئی نقصان پہنچایا ہو، وہ (اس کے) کچھ بھی ذمہ دار نہ ہوں گے۔ ہمارے ہاں اہل فقہ کی رائے اسی کے مطابق ہے، اور میں نے کسی کو نہیں سنا کہ اس نے عمداً (کیے ہوئے نقصان) کی دیت میں عاقلہ کو کسی چیز کا ضامن (وذمے دار) بنایا ہو۔ اور ان دلائل میں سے جن کے ذریعے یہ بات پہچانی جا سکتی ہے، ایک یہ (دلیل) ہے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ﴾ (البقرة 2:178) ''پھر جس (قاتل) کو اس کے بھائی (مقتول کے وارث) کی طرف سے کچھ (بھی قصاص) معاف کر دیا جائے تو (اس وارث کے لیے اب) معروف طریقے سے اتباع (یعنی دیت کا مطالبہ) کرنا ہے اور (قاتل پر) اس (وارث) کی طرف اچھے طریقے سے ادائیگی (کرنا لازم) ہے''۔ ہماری رائے میں اس کی تفسیر واللہ اعلم، یہ ہے کہ بلاشبہ جس کسی کو اس کے بھائی کی جانب سے دیت میں سے کچھ دیا جائے (یعنی دیت پر راضی ہوا جائے، پھر دیت میں سے کچھ ترک کر دیا جائے) تو اسے چاہیے کہ معروف طریقے سے اس کے پیچھے لگے اور احسان کے ساتھ اس کی طرف (دیت) ادا کرے۔

فائدہ: ......امام مالک رحمہ اللہ یہ استدلال کر رہے ہیں کہ آیت میں صرف قتل عمد کا ذکر ہے کہ جس سے معافی ملے اور دیت پر رضامندی ہو جائے۔ اس میں صرف قاتل کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ اچھے طریقے سے ادائیگی کرے، لہٰذا اسی پر ادائیگی واجب ہے، عاقلہ پر نہیں ......حالانکہ اگر عاقلہ بھی شامل ہوں گے تو اس آیت کی مخالفت نہ ہوگی کیونکہ

عاقلہ کی طرف سے ادائیگی کرنا دراصل قاتل ہی کی طرف سے ادائیگی ہے۔ واللہ اعلم

قَالَ مَالِكٌ فِي الصَّبِيِّ الَّذِي لَا مَالَ لَهُ، وَالْمَرْأَةِ الَّتِي لَا مَالَ لَهَا: إِذَا جَنَى أَحَدُهُمَا جِنَايَةً دُونَ الثُّلُثِ، إِنَّهُ ضَامِنٌ عَلَى الصَّبِيِّ وَالْمَرْأَةِ فِي مَالِهِمَا خَاصَّةً، إِنْ كَانَ لَهُمَا مَالٌ أُخِذَ مِنْهُ، وَإِلَّا فَجِنَايَةُ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا دَيْنٌ عَلَيْهِ لَيْسَ، عَلَى الْعَاقِلَةِ مِنْهُ شَيْءٌ، وَلَا يُؤْخَذُ أَبُو الصَّبِيِّ بِعَقْلِ جِنَايَةِ الصَّبِيِّ، وَلَيْسَ ذَلِكَ عَلَيْهِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس بچے کے متعلق فرمایا: جس کے پاس مال نہ ہو اور اس عورت کے متعلق بھی جس کے پاس مال نہ ہو، (فرمایا کہ) بلاشبہ جب ان میں سے کوئی ایسی جنایت (اور جرم کا ارتکاب) کرے گا جو تہائی دیت سے کم ہو، تو یقیناً اس کی ضمانت بچے اور عورت پر خاص ان کے مال میں ہوگی، (وہ خود ہی اس دیت کے ضامن ہوں گے) اگر ان کے پاس مال ہوگا تو اس میں سے اسے وصول کیا جائے گا ورنہ ان میں سے ہر کسی کی جنایت (کی سزا والی دیت) اس پر قرض رہے گی۔ (جب انھیں موقع ملے گا اور رقم دستیاب ہوگی وہ دیت ادا کر دیں گے) نہ تو عاقلہ پر اس میں سے کچھ لازم ہے اور نہ ہی بچے کے باپ کو بچے کی جنایت کے بدلے پکڑا جائے گا اور نہ ہی یہ (جرم) اس (باپ) پر (عائد ہوتا) ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: الْأَمْرُ عِنْدَنَا الَّذِي لَا اخْتِلَافَ فِيهِ: أَنَّ الْعَبْدَ إِذَا قُتِلَ كَانَتْ فِيهِ الْقِيمَةُ يَوْمَ يُقْتَلُ، وَلَا تَحْمِلُ عَاقِلَةُ قَاتِلِهِ مِنْ قِيمَةِ الْعَبْدِ شَيْئًا، قَلَّ أَوْ كَثُرَ وَإِنَّمَا ذَلِكَ عَلَى الَّذِي أَصَابَهُ فِي مَالِهِ خَاصَّةً، بَالِغًا مَا بَلَغَ، وَإِنْ كَانَتْ قِيمَةُ الْعَبْدِ الدِّيَةَ أَوْ أَكْثَرَ، فَذَلِكَ عَلَيْهِ فِي مَالِهِ، وَذَلِكَ لِأَنَّ الْعَبْدَ سِلْعَةٌ مِنَ السِّلَعِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ حکم جس میں ہمارے ہاں کوئی اختلاف نہیں، یہ ہے کہ بے شک غلام کو جب قتل کر دیا جائے تو اس میں اس دن کی قیمت (معتبر) ہے جس میں وہ قتل کیا گیا ہو اور اسے قتل کرنے والے کے عاقلہ (آبائی مذکر رشتہ دار) اس غلام کی قیمت میں سے کسی چیز کا بوجھ نہ اٹھائیں گے، خواہ وہ کم ہو یا زیادہ، اور بلاشبہ یہ (قیمت کی ادائیگی) تو صرف اور صرف اس شخص پر اس کے خاص اپنے مال میں واجب ہے جس نے اسے قتل کیا ہے۔ خواہ وہ (قیمت) کسی بھی حد تک پہنچ جائے اور اگر اس غلام کی قیمت (آزاد شخص کی مکمل) دیت یا اس سے بھی زیادہ ہو تو وہ بھی اسی (قاتل) کے اپنے ہی مال میں (لازم) ہے، اور یہ اس وجہ سے ہے کہ بلاشبہ غلام (اپنے آقا کے تجارتی) سامانوں میں سے ایک سامان ہے۔

فائدہ: ...... عاقلہ کسی متاع اور سامان کے ذمہ دار نہیں ہوتے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اگر تو خطا سے غلام قتل کیا ہو تو اس کی دیت میں اس کی قیمت دی جائے گی جو قاتل کے عاقلہ پر واجب الادا ہوگی، اور اگر کسی زخم کی

چٹی و تاوان ہوتو پھر نہیں۔ ہمارے نزدیک دیت کا معاملہ ایک خاص شرعی حکم ہے جسے دوسرے جرمانوں، تاوانوں اور سزاؤں پر قیاس نہ کریں گے، اور اس کا تعلق جسم انسانی کی حرمت سے ہے۔ مومن کا خون بہانا ایک مستقل مسئلہ ہے خواہ وہ مومن آزاد ہو یا غلام، لہٰذا دیت خواہ قتل کی ہو یا زخم کی، خطا سے تعلق ہو یا عمد سے، ہر دیت قاتل کے عاقلہ پر پڑے گی۔ دراصل اس میں ایک حکمت یہ بھی پنہاں ہے کہ ایک خاندان کو اور اسی طرح پورے معاشرے کو آئندہ کے لیے مومن کا خون بہانے کے حوالے سے نصیحت ہو جاتی ہے اور وہ اس اقدام سے گریز کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

17- بَابُ مَا جَاءَ فِيْ مِيْرَاثِ الْعَقْلِ وَالتَّغْلِيْظِ فِيْهِ

دیت کی وراثت اور اس کے مغلظہ ہونے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں چار روایات ہیں۔ دو مرفوع (احادیث نبویہ ﷺ) ہیں جن میں سے ایک صحیح اور ایک ضعیف سند والی ہے، اور دو مقطوع (آثار تابعین رحمہم اللہ) ہیں اور ان میں سے بھی ایک صحیح اور ایک ضعیف ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاویٰ بھی مذکور ہیں۔

فائدہ:...... دیت مقتول شخص کا مال شمار ہوتی ہے، لہٰذا میت کے دوسرے اموال کی طرح دیت میں بھی وراثت قائم ہوگی، بعض دیتیں نسبتاً سخت ہوتی ہیں اور ان میں مہنگے اونٹ ادا کرنا ہوتے ہیں۔

[1527] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ نَشَدَ النَّاسَ بِمِنًى: مَنْ كَانَ عِنْدَهُ عِلْمٌ مِنَ الدِّيَةِ أَنْ يُخْبِرَنِي. فَقَامَ الضَّحَّاكُ بْنُ سُفْيَانَ الْكِلَابِي فَقَالَ: كَتَبَ إِلَيَّ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: أَنْ أُوَرِّثَ امْرَأَةَ أَشْيَمَ الضِّبَابِي مِنْ دِيَةِ زَوْجِهَا. فَقَالَ لَهُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: ادْخُلِ الْخِبَاءَ حَتّٰى آتِيَكَ، فَلَمَّا نَزَلَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ أَخْبَرَهُ الضَّحَّاكُ، فَقَضَى بِذٰلِكَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ. قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: وَكَانَ قَتْلُ أَشْيَمَ خَطَأً.

ابن شہاب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے منیٰ کے میدان میں لوگوں سے دریافت کیا کہ جس کسی کے پاس دیت کے متعلق علم ہو وہ مجھے خبر دے تو حضرت ضحاک بن سفیان کلابی رضی اللہ عنہ (جو عہد نبوی ﷺ میں اہلِ نجد اور اعراب پر رسول اللہ ﷺ کی طرف سے عامل تھے) کھڑے ہوئے، پھر کہنے لگے: رسول اللہ ﷺ نے میری طرف یہ لکھا تھا کہ میں اشیم ضبابی رضی اللہ عنہ کی بیوی کو اس کے خاوند کی دیت سے وراثت دوں۔ چنانچہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ (جو امور حج کی بنا پر مصروف تھے اور سواری پر تھے)۔ نے ان سے فرمایا: تم خیمے میں داخل

[1527] (مرفوع صحیح) سنن ابی داود، کتاب الفرائض، باب فی المرأة ترث من دية زوجها، حدیث: 2927، جامع الترمذی، کتاب الديات، باب ماجاء فی المرأة هل ترث من دية زوجها، حدیث: 1415، نسائی فی الکبریٰ: 6363، ابن ماجه: 2642، احمد: 3/ 452(15837)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

ہو جاؤ (اور وہیں رہو) یہاں تک کہ میں تمھارے پاس آ تا ہوں (تا کہ تم سے تفصیل معلوم کر سکوں)، پھر جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ (سواری سے) اترے تو حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ نے انھیں خبر دی، سو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسی کے مطابق فیصلہ فرما دیا۔ (حدیث کے راوی) ابن شہاب رحمہ اللہ کہتے ہیں: حضرت اشیم رضی اللہ عنہ خطا سے قتل کر دیے گئے تھے۔

فائدہ: ...... دراصل ایک عورت نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اپنے خاوند کی دیت سے وراثت کا اپنا حصہ مانگا تو انھوں نے فرمایا: میرے خیال میں دیت کے حقدار مقتول کے عصبہ (آبائی رشتہ دار) ہی ہیں کیونکہ اس کی چٹی بھی تو انھی پر ہے، پھر انھوں نے لوگوں سے پوچھا تو عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک واقعہ سے دلیل مہیا ہو گئی۔ مؤطا کے ہندی نسخوں میں (أَنْشَدَ اللّٰهُ النَّاسَ) کے الفاظ ہیں جس کے معنی یہ ہیں: "انھوں نے لوگوں کو اللہ کا واسطہ دیا"۔ جبکہ مصری نسخوں میں (نَشَدَ النَّاسَ) ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ انھوں نے لوگوں سے دریافت کیا اور اپنی بات کا جواب طلب کیا۔

[1528] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ: أَنَّ رَجُلاً مِنْ بَنِي مُدْلِجٍ، يُقَالُ لَهُ قَتَادَةُ، حَذَفَ ابْنَهُ بِالسَّيْفِ، فَأَصَابَ سَاقَهُ فَنُزِيَ فِي جُرْحِهِ فَمَاتَ، فَقَدِمَ سُرَاقَةُ بْنُ جُعْشُمٍ عَلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَذَكَرَ ذَلِكَ لَهُ، فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: اعْدُدْ عَلَى مَاءِ قُدَيْدٍ عِشْرِينَ وَمِئَةَ بَعِيرٍ حَتَّى أَقْدَمَ عَلَيْكَ. فَلَمَّا قَدِمَ عَلَيْهِ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ أَخَذَ مِنْ تِلْكَ الإِبِلِ ثَلاثِينَ حِقَّةً، وَثَلاثِينَ جَذَعَةً، وَأَرْبَعِينَ خَلِفَةً، ثُمَّ قَالَ: أَيْنَ أَخُو الْمَقْتُولِ؟ قَالَ: هَا أَنَا ذَا. قَالَ: خُذْهَا، فَإِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَيْسَ لِقَاتِلٍ شَيْءٌ.

عمرو بن شعیب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بیشک بنو مدلج قبیلے کے ایک شخص جسے قتادہ رحمہ اللہ کہا جاتا تھا، نے اپنے بیٹے کو (غصے میں یا کسی اور وجہ سے) تلوار ماری جو اس کی پنڈلی پر لگی، اس کے زخم سے بہت زیادہ خون بہہ گیا (اور بند نہ ہوا) جس سے وہ مر گیا تو (قبیلے کے سردار) حضرت سراقہ بن (مالک بن) جعشم رضی اللہ عنہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے اس کا ذکر کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: (مکہ و مدینہ میں واقع) قدید کے چشمے پر ایک سو بیس اونٹ (دیت کے لیے) تیار رکھو، یہاں تک کہ میں تمھارے پاس آؤں (اور معاملہ حل کروں)۔ چنانچہ جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے تو انھوں نے ان اونٹوں میں سے تیس حقے (تین سالہ اونٹنیاں)، تیس جذعے (چار سالہ اونٹنیاں) اور چالیس حاملہ اونٹنیاں نکال لیں، پھر فرمایا کہ مقتول کا بھائی کہاں ہے؟ اس نے کہا کہ جی، وہ میں ہوں، انھوں نے فرمایا: ان سب کو لے لو (یہ سب تمھاری ہیں۔) کیونکہ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: "قاتل کے لیے (مقتول کی وراثت میں سے) کچھ نہیں ہے۔"

[1528] (مرفوع ضعیف) سنن ابی ماجه، كتاب الديات، باب القاتل لا يرث، حديث: 2646؛ نسائی فی الكبرى: 6368، احمد: 1/ 49(346)، عبدالرزاق: 9/ 402(17782)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

فائدہ : ......لہٰذا تمھارے باپ کو اس دیت سے بطور وراثت کچھ نہیں ملے گا۔ چونکہ وہ پورا قبیلہ باہم رشتہ دار تھا اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے اونٹ اکٹھے کروا لیے، یا ابن ماجہ کی روایت (2646) کے مطابق قاتل باپ ہی سے یہ دیت وصول کی۔ اگر چہ یہ قتل خطا تھا لیکن ایک اہم قرابت اور رشتہ داری کی حرمت کا لحاظ رکھنے کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیت مُغَلَّظہ کا فیصلہ کیا، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیت مُغَلَّظہ صرف قتل عمد یا شبہ عمد پر مقرر کی ہے۔ دیت مُغَلَّظہ وہ ہے جس میں بڑی عمر والی اونٹنیاں اور چالیس حاملہ اونٹنیاں شامل کرنا لازم ہے۔ (ابوداود: 4547، نسائی: 4797، ابن ماجہ: 2627۔ اس کی سند حسن ہے)۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک حرمت میں اضافے کی بنا پر قتل خطا میں بھی دیت مُغَلَّظہ ہو جاتی ہے، مثلاً: محرم رشتہ دار کو قتل کر دیا جائے یا حرمت والے مہینوں میں قتل کر دیا جائے۔ لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور اہلحدیث کے ہاں ان چیزوں سے دیت نہ مُغَلَّظہ بنتی ہے، نہ سو اونٹوں سے زیادہ ہوتی ہے، ویسے بھی مذکورہ بالا قصہ ضعیف ہے۔

[1529] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ، وَسُلَيْمَانَ بْنَ يَسَارٍ سُئِلَا: أَتُغَلَّظُ الدِّيَةُ فِي الشَّهْرِ الْحَرَامِ؟ فَقَالَا: لَا، وَلَكِنْ يُزَادُ فِيهَا لِلْحُرْمَةِ. فَقِيلَ لِسَعِيدٍ: هَلْ يُزَادُ فِي الْجِرَاحِ كَمَا يُزَادُ فِي النَّفْسِ؟ فَقَالَ: نَعَمْ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ بے شک سعید بن مسیب رحمہ اللہ اور سلیمان بن یسار رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ کیا حرمت والے مہینے میں (قتل کی) دیت سخت کر دی جائے گی (اور مُغَلَّظہ بنا دی جائے گی)؟ تو دونوں نے فرمایا: نہیں، بلکہ حرمت کی وجہ سے اس (دیت کے اونٹوں کی تعداد) میں اضافہ کر دیا جائے گا، پھر سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ کیا زخموں میں بھی (دیت کے اونٹوں کا) اضافہ کیا جائے گا جس طرح کہ جان (ضائع کرنے) میں (دیت کا) اضافہ کیا جاتا ہے؟ تو سعید رحمہ اللہ نے فرمایا: ہاں۔

فائدہ : ......حرمت والے مہینے یہ ہیں: ذُوالقعدہ، ذوالحج، محرم اور رجب۔ یاد رہے مذکورہ روایت ضعیف ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: أُرَاهُمَا أَرَادَا مِثْلَ الَّذِي صَنَعَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فِي عَقْلِ الْمُدْلِجِيِّ حِينَ أَصَابَ ابْنَهُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: میں یہ سمجھتا ہوں کہ ان دونوں (سعید بن مسیب رحمہ اللہ اور سلیمان بن یسار رحمہ اللہ) نے اسی کی مثل (اضافہ) مراد لیا ہے جو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مدلجی کی دیت میں کیا تھا جس وقت کہ اس نے اپنے بیٹے کو قتل کر دیا تھا۔

[1529] (مقطوع ضعیف) بیہقی: 8/ 71 (16136)، عبدالرزاق: 9/ 301 (17696)، ابن ابی شیبہ: 27601۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

فائدہ :......معلوم یہی ہو رہا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ بھی دیت، مُغَلَّظہ کرنے کے حق میں ہیں، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مدلجی شخص پر دیت مُغَلَّظہ ڈالنے کا ذکر ہے۔ نیز امام مالک رحمہ اللہ کا اس اضافے سے مراد حضرت عمر رضی اللہ عنہ والا عمل لینا ہمارے خیال میں درست نہیں، کیونکہ فتویٰ کے شروع میں سلیمان رحمہ اللہ اور سعید رحمہ اللہ نے اسی کی تو نفی کی ہے اور اس کی نفی کر کے جس اضافے کا حکم دیا ہے اس سے مراد اونٹوں کی تعداد بڑھانا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

[1530] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ : أَنَّ رَجُلاً مِنَ الْأَنْصَارِ، يُقَالُ لَهُ : أُحَيْحَةُ بْنُ الْجُلَاحِ، كَانَ لَهُ عَمٌّ صَغِيرٌ هُوَ أَصْغَرُ مِنْ أُحَيْحَةَ، وَكَانَ عِنْدَ أَخْوَالِهِ، فَأَخَذَهُ أُحَيْحَةُ فَقَتَلَهُ، فَقَالَ أَخْوَالُهُ : كُنَّا أَهْلَ ثُمِّهِ وَرُمِّهِ، حَتَّى إِذَا اسْتَوَى عَلَى عُمَمِهِ، غَلَبَنَا حَقُّ امْرِئٍ فِي عَمِّهِ. قَالَ عُرْوَةُ فَلِذَلِكَ لَا يَرِثُ قَاتِلٌ مَنْ قَتَلَ .

عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک انصار (کے خاندان) میں سے (دور جاہلیت کے) ایک شخص کو احیحہ بن جلاح کہا جاتا تھا۔ اس کا ایک چھوٹا چچا تھا، جو احیحہ سے بھی کم عمر تھا اور اپنے ماموؤں کے پاس (ننھیال میں) رہتا تھا، احیحہ (جو اس کا بھتیجا تھا) نے اسے پکڑا اور قتل کر دیا (اور دور جاہلیت میں قاتل ہونے کے باوجود بھتیجا مقتول چچا کی وراثت پالیتا تھا جبکہ اس کے ماموں وراثت کے حقدار نہ ٹھہرتے تھے) تو اس کے ماموں کہنے لگے: (اس بچے کے بچپن میں) اس کی اصلاح و تربیت کرنے والے ہم تھے، یہاں تک کہ جب وہ اپنی مکمل جوانی کو پہنچا تو ہم پر اس شخص کا وہ حق غالب آ گیا جو اس کے چچا میں (ثابت) تھا (حق وراثت میں اس کا چچا ہم پر غالب رہا)۔ عروہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر اسی وجہ سے قاتل اس شخص کا وارث نہیں بن سکتا جس کو وہ قتل کر دے۔

فائدہ :......ہندی نسخوں میں "ثُمَّةٍ وَ رُمَّةٍ" لکھا ہوا ہے جو کہ غلط ہے، ان لفظوں کے آخر میں تا نہیں بلکہ ھاء ہے اور ان کے پہلے حرف ثاء اور راء پر زبر ہے نہ کہ پیش۔ "عممہ میں عین پر پیش اور زبر، اور پہلی میم پر بھی پیش اور زبر پڑھے گئے ہیں اور اس لفظ کو ایک میم مشدد سے بھی پڑھا گیا ہے تا کہ قافیہ بندی قائم رہے، چنانچہ اس کہاوت کا اصل اور راجح اعراب یوں سامنے آتا ہے: (كُنَّا اَهْلَ ثَمِّهِ وَ رَمِّهِ ، حَتّٰى اِذَا اسْتَوٰى عَلٰى عُمِّهِ ، غَلَبَنَا حَقُّ امْرِئٍ فِيْ عَمِّهِ) یہ اُحَیحہ نامی شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا جان عبدالمطلب کا اخیافی یعنی ماں کی طرف سے بھائی تھا اور اس وقت تو انصار کا لفظ کسی کے وہم و خیال میں بھی نہ تھا۔ اس روایت میں لفظ انصار محض تعارف کے لیے ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : الْأَمْرُ الَّذِي لَا اخْتِلَافَ فِيهِ عِنْدَنَا: أَنَّ قَاتِلَ الْعَمْدِ لَا يَرِثُ مِنْ دِيَةِ مَنْ قَتَلَ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ حکم جس میں ہمارے ہاں کوئی اختلاف نہیں ہے، یہ ہے کہ بے شک قتل عمد کا مرتکب نہ

[1530] (مقطوع صحيح) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

شَيْئاً، وَلَا مِنْ مَالِهِ، وَلَا يَحْجُبُ أَحَداً وَقَعَ لَهُ مِيرَاثٌ. وَأَنَّ الَّذِي يَقْتُلُ خَطَأً لَا يَرِثُ مِنَ الدِّيَةِ شَيْئاً، وَقَدِ اخْتُلِفَ فِي أَنْ يَرِثَ مِنْ مَالِهِ، لِأَنَّهُ لَا يُتَّهَمُ عَلَى أَنَّهُ قَتَلَهُ لِيَرِثَهُ وَلِيَأْخُذَ مَالَهُ، فَأَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ يَرِثَ مِنْ مَالِهِ، وَلَا يَرِثُ مِنْ دِيَتِهِ.

تو اس شخص جسے اس نے قتل کیا ہے، کی دیت میں سے وارث بن سکتا ہے اور نہ ہی اس کے (دوسرے ترکے اور) مال سے، اور نہ ہی کسی شخص کے لیے حاجب (یعنی وراثت میں آڑ) بن سکتا ہے کہ جس کے لیے میراث ثابت ہو رہی ہو اور بلاشبہ وہ شخص جو غلطی سے قتل کرے تو (اس بات پر اتفاق ہے کہ) وہ دیت میں سے کچھ بھی وراثت نہیں پاسکتا اور اس میں اختلاف ہے کہ وہ اس (مقتول) کے (باقی) مال سے وراثت پاتا ہے (یا نہیں،) کیونکہ بلاشبہ اس پر یہ الزام تو نہیں لگایا جاتا کہ اس نے اسے قتل کیا تھا کہ اس کا وارث بن سکے اور اس کا مال لے جائے۔ لہٰذا میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ (بات) یہ ہے کہ وہ (قاتل) اس (مقتول) کے مال (یعنی باقی ترکے) سے تو وارث بنے گا اور (لیکن) اس کی دیت سے وارث نہ بنے گا۔

فائدہ :...... چونکہ احادیث مبارکہ میں عموم ہے کہ قاتل (اپنے مقتول کا) وارث نہ بنے گا۔ (ابــوداود: 4564، دارقطنی: 4/ 237، بیھقی: 6/ 220۔ ان کی سندیں حسن صحیح ہیں۔ ارواء الغلیل: 1671) اسی لیے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور اہلحدیث کے نزدیک قتل خطا ہو یا قتل عمد، دونوں صورتوں میں قاتل نہ تو مقتول کی دیت میں سے وراثت پاسکتا ہے اور نہ ہی اس کے دوسرے ترکے سے حصہ میراث لے سکتا ہے...... البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے بچے اور مجنون کو مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ نیز یہ اصول پیچھے بھی گزر چکا ہے کہ جو شخص خود وراثت نہیں پاسکتا تو وہ دوسرے ورثاء کے حصوں پر بھی اثر انداز نہیں ہو سکتا اور نہ ہی وہ انھیں وراثت سے محروم کر سکتا ہے، چنانچہ اگر بیٹا یا باپ قاتل ہو تو مقتول کے بھائی کو وراثت مل سکتی ہے، حالانکہ اگر باپ یا بیٹا قاتل نہ ہوتے تو ان کی موجودگی میں بھائی وارث نہیں بن سکتا۔

18- بَابٌ: جَامِعُ الْعَقْلِ

دیت کے متفرق مسائل کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں ایک حدیث نبوی ﷺ ہے جو کہ بخاری و مسلم میں بھی موجود ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے بارہ فتاویٰ جات بھی مذکور ہیں۔

[1531] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول

[1531] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب الزکاۃ، باب فی الرکاز الخمس، حدیث: 1499، 2355، 6912، 6913، صحیح مسلم، کتاب الحدود، باب جرح العجماء والمعدن والبئر جبار، حدیث: 1710، ابوداود: 4593، ترمذی: 642، نسائی: 2497، ابن ماجہ: 2673، احمد: 2/ 239 (7253)، دارمی: 1668.

ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، وَأَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: جَرْحُ الْعَجْمَاءِ جُبَارٌ، وَالْبِئْرُ جُبَارٌ، وَالْمَعْدِنُ جُبَارٌ، وَفِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ.

اللہ ﷺ نے فرمایا: ''چوپائے کا (لگایا ہوا) زخم رائیگاں اور کنواں (کھودتے وقت کوئی زخمی ہو جائے تو اس کا نقصان بھی) رائیگاں ہے اور (اسی طرح معدنیات والی جگہ یعنی) کان بھی رائیگاں ہے اور رکاز یعنی دفینہ جاہلیت میں پانچواں حصہ ہے۔

فائدہ: ...... چنانچہ جس دن اس طرح کا کوئی خزانہ ملے تو اسی دن اس میں سے پانچواں حصہ نکال کر بیت المال میں جمع کرانا ہوگا، پھر اس کے بعد خزانہ قابل استعمال اور حلال ہوگا اور اگر وہ نصاب کے مطابق ہو تو سال گزرنے کے بعد اس پر زکاۃ پڑے گی۔ یہ بحث پیچھے روایت: 659 کے تحت گزر چکی ہے...... جانور کسی شخص کو لات یا ٹکر مار کر زخمی یا ہلاک کر ڈالے یا کوئی شخص کنویں میں گر جائے، کنواں یا کان کھودتے وقت یا کان سے کچھ نکالتے وقت وہ دب کر مر جائے یا زخمی ہو جائے تو مالک پر کوئی دیت اور چٹی نہیں پڑے گی۔ مزید تفصیلات امام مالک رحمہ اللہ کے فتاویٰ جات میں آ رہی ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ: وَتَفْسِيرُ الْجُبَارِ: أَنَّهُ لَا دِيَةَ فِيهِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: (حدیث کے لفظ) ''جُبَار'' کی تفسیر یہ ہے کہ بلاشبہ اس (بیان کردہ صورت کے نقصان) میں کوئی دیت نہیں ہے۔

وَقَالَ مَالِكٌ: الْقَائِدُ وَالسَّائِقُ وَالرَّاكِبُ، كُلُّهُمْ ضَامِنُونَ لِمَا أَصَابَتِ الدَّابَّةُ، إِلَّا أَنْ تَرْمَحَ الدَّابَّةُ مِنْ غَيْرِ أَنْ يُفْعَلَ بِهَا شَيْءٌ تَرْمَحُ لَهُ، وَقَدْ قَضَى عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فِي الَّذِي أَجْرَى فَرَسَهُ بِالْعَقْلِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: (جانور کو) آگے سے کھینچنے والا اور (پیچھے سے) ہانکنے والا اور سوار، سب کے سب اس نقصان کے ضامن ہوں گے جو جانور (کسی کو) پہنچائے، الا یہ کہ وہ جانور (کسی کو) لات مارے (اور نقصان کر ڈالے) بغیر اس کے کہ اس (جانور) کے ساتھ کچھ (چھیڑ خانی وغیرہ جیسا عمل) کیا گیا ہو کہ جس کی وجہ سے وہ لات مارتا ہے، اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس شخص کے متعلق دیت کا فیصلہ فرمایا تھا جس نے گھوڑا دوڑایا تھا۔

فائدہ: ...... گھوڑا دوڑانے سے ایک آدمی کی انگلی کچلی گئی جس سے وہ مر گیا تھا۔ دیکھیے پیچھے روایت: 1497۔ یعنی اگر جانور کے کسی کو زخم کرنے کے سبب میں اس کے مالک یا کسی شخص کا عمل دخل ہو تو وہ ذمے دار ہوگا ورنہ نہیں۔

قَالَ مَالِكٌ: فَالْقَائِدُ وَالرَّاكِبُ وَالسَّائِقُ أَحْرَى

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: لہٰذا آگے سے کھینچنے والا، پیچھے

أَنْ يَغْرَمُوا، مِنَ الَّذِي أَجْرَى فَرَسَهُ.

سے ہانکنے والا اور سوار شخص اس کے زیادہ لائق ہیں کہ چٹی بھریں، بہ نسبت اس شخص کے کہ جس نے اپنا گھوڑا دوڑایا تھا۔

فائدہ: ......کیونکہ دوڑانے والا تو بسا اوقات جانور پر قابو نہیں پا سکتا جبکہ یہ تینوں قسم کے افراد بآسانی جانور پر قابو رکھ سکتے ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ: وَالأَمْرُ عِنْدَنَا فِي الَّذِي يَحْفِرُ الْبِئْرَ عَلَى الطَّرِيقِ، أَوْ يَرْبِطُ الدَّابَّةَ، أَوْ يَصْنَعُ أَشْبَاهَ هَذَا عَلَى طَرِيقِ الْمُسْلِمِينَ: أَنَّ مَا صَنَعَ مِنْ ذَلِكَ مِمَّا لا يَجُوزُ لَهُ أَنْ يَصْنَعَهُ عَلَى طَرِيقِ الْمُسْلِمِينَ، فَهُوَ ضَامِنٌ لِمَا أُصِيبَ فِي ذَلِكَ مِنْ جَرْحٍ أَوْ غَيْرِهِ، فَمَا كَانَ مِنْ ذَلِكَ عَقْلُهُ دُونَ ثُلُثِ الدِّيَةِ، فَهُوَ فِي مَالِهِ خَاصَّةً، وَمَا بَلَغَ الثُّلُثَ فَصَاعِداً، فَهُوَ عَلَى الْعَاقِلَةِ، وَمَا صَنَعَ مِنْ ذَلِكَ مِمَّا يَجُوزُ لَهُ أَنْ يَصْنَعَهُ عَلَى طَرِيقِ الْمُسْلِمِينَ، فَلا ضَمَانَ عَلَيْهِ فِيهِ وَلا غُرْمَ، وَمِنْ ذَلِكَ الْبِئْرُ يَحْفِرُهَا الرَّجُلُ لِلْمَطَرِ، وَالدَّابَّةُ يَنْزِلُ عَنْهَا الرَّجُلُ لِلْحَاجَةِ، فَيَقِفُهَا عَلَى الطَّرِيقِ، فَلَيْسَ عَلَى أَحَدٍ فِي هَذَا غُرْمٌ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں اس حکم پر اجماع ہے اس شخص کے متعلق جو (عام چلتے ہوئے) راستہ پر کنواں کھودتا ہے یا (وہاں) جانور باندھتا ہے یا اسی طرح کے دوسرے کام مسلمانوں کے راستے پر کرتا ہے تو بلاشبہ وہ ان کاموں میں سے جو بھی ایسا کام کرے گا، جو اس کے لیے مسلمانوں کے راستے پر کرنا جائز نہ ہو تو وہ ہر اس نقصان کا ذمہ دار ہوگا جو اس کام میں پہنچے، خواہ وہ زخم ہو یا کچھ اور۔ چنانچہ اس میں سے جس نقصان کی دیت (مکمل) دیت سے تہائی سے کم ہو تو وہ خالص اسی کے مال میں واجب ہوگی اور جو تہائی یا اس سے زیادہ کو پہنچ جائے تو وہ عاقلہ (قاتل کے آبائی مذکر رشتہ داروں) پر ہوگی اور آدمی ان کاموں میں سے جو کوئی ایسا کام کرے گا جو اس کے لیے مسلمانوں کے راستے پر کرنا جائز ہو تو پھر اس پر اس (کی وجہ سے ہونے والے کسی نقصان) میں کچھ ضمان اور چٹی نہ ہوگی اور ان (جائز کاموں) میں سے وہ کنواں ہے جسے آدمی بارش کے لیے کھودتا ہے (کہ بارش کا پانی راستے میں نہ کھڑا ہو بلکہ کنویں میں چلا جائے) اور (اسی طرح ایک مثال یہ ہے کہ) جانور جس سے آدمی اپنی کسی حاجت کے لیے اترتا ہے اور اسے راستے میں کھڑا کر دیتا ہے (اور اتنی دیر میں وہ کسی کا نقصان کر دیتا ہے) تو اس میں کسی پر بھی کوئی چٹی نہ ہوگی۔

وَقَالَ مَالِكٌ فِي الرَّجُلِ يَنْزِلُ فِي الْبِئْرِ، فَيُدْرِكُهُ رَجُلٌ آخَرُ فِي أَثَرِهِ، فَيَجْبِذُ الأَسْفَلُ الأَعْلَى فَيَخِرَّانِ فِي الْبِئْرِ فَيَهْلِكَانِ جَمِيعاً: أَنَّ عَلَى عَاقِلَةِ الَّذِي جَبَذَهُ الدِّيَةَ.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا: جو کسی کنویں میں (پانی پینے یا لینے کے لیے) اترتا ہے، پھر اس کے پیچھے ایک اور آدمی آ پہنچتا ہے تو نیچے والا اوپر والے کو کھینچ لیتا ہے جس سے وہ دونوں کنویں میں گر پڑتے ہیں اور اکٹھے ہی

ہلاک ہو جاتے ہیں۔ (تو فرمایا:) بلاشبہ جس شخص نے کھینچا تھا اس کے عاقلہ پر دیت ہوگی (جب اس کے کھینچنے کا یقینی ثبوت مہیا ہو جائے)۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الصَّبِيِّ يَأْمُرُهُ الرَّجُلُ يَنْزِلُ فِي الْبِئْرِ، أَوْ يَرْقَى فِي النَّخْلَةِ فَيَهْلِكُ فِي ذَلِكَ: أَنَّ الَّذِي أَمَرَهُ ضَامِنٌ لِمَا أَصَابَهُ مِنْ هَلَاكٍ أَوْ غَيْرِهِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس بچے کے متعلق فرمایا: جسے کوئی آدمی حکم دیتا ہے تو (اس کے کہنے پر) وہ کنویں میں اترتا ہے یا کھجور کے درخت پر چڑھتا ہے، پھر اس (اترنے یا چڑھنے) میں (گر کر) ہلاک ہو جاتا ہے تو بلاشبہ جس شخص نے اسے حکم دیا تھا وہ اس نقصان کا ضامن ہوگا جو اس بچے کو پہنچے، خواہ ہلاکت (کی صورت میں) ہو یا اس کے علاوہ کچھ اور (زخم یا عضو کا ٹوٹنا) ہو۔

قَالَ مَالِكٌ: الْأَمْرُ الَّذِي لَا اخْتِلَافَ فِيهِ عِنْدَنَا: أَنَّهُ لَيْسَ عَلَى النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ عَقْلٌ يَجِبُ عَلَيْهِمْ أَنْ يَعْقِلُوهُ مَعَ الْعَاقِلَةِ فِيمَا تَعْقِلُهُ الْعَاقِلَةُ مِنَ الدِّيَاتِ، وَإِنَّمَا يَجِبُ الْعَقْلُ عَلَى مَنْ بَلَغَ الْحُلُمَ مِنَ الرِّجَالِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ حکم جس میں ہمارے ہاں کوئی اختلاف نہیں، یہ ہے کہ بلاشبہ عورتوں اور بچوں پر کوئی ایسی دیت نہیں پڑتی کہ ان پر بھی یہ واجب ہو کہ عاقلہ کے ساتھ مل کر وہ اسے ادا کریں ان دیتوں میں کہ جنھیں عاقلہ ادا کرتے ہیں اور بلاشبہ دیت تو صرف اور صرف ان مردوں پر ہی واجب ہوتی ہے جو بلوغت کو پہنچے ہوئے ہوں۔

وَقَالَ مَالِكٌ فِي عَقْلِ الْمَوَالِي: تُلْزَمُهُ الْعَاقِلَةُ إِنْ شَاؤُوا، وَإِنْ أَبَوْا كَانُوا أَهْلَ دِيوَانٍ أَوْ مُقْطَعِينَ، وَقَدْ تَعَاقَلَ النَّاسُ فِي زَمَنِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، وَفِي زَمَانِ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ قَبْلَ أَنْ يَكُونَ دِيوَانٌ، وَإِنَّمَا كَانَ الدِّيوَانُ فِي زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، فَلَيْسَ لِأَحَدٍ أَنْ يَعْقِلَ عَنْهُ غَيْرُ قَوْمِهِ وَمَوَالِيهِ، لِأَنَّ الْوَلَاءَ لَا يَنْتَقِلُ، وَلِأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ.

امام مالک رحمہ اللہ نے آزاد کردہ غلاموں (کے جرائم) کی دیت کے متعلق فرمایا: وہ اس کے عاقلہ (آزاد کرنے والوں کے خاندان) پر لازم ہوگی، خواہ وہ چاہیں یا (نہ چاہیں اور) انکار کریں، خواہ وہ اہل دیوان ہوں (تنخواہ دار سرکاری ملازم ہوں) یا نہ ہوں، (دیوان یعنی وہ رجسٹر جس میں تنخواہ دار ملازمین کے نام درج ہوتے ہیں اس سے وہ جدا ہوں) اور یقیناً رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی لوگ دیتیں لیتے دیتے رہے تھے، پہلے اس سے کہ دیوان (کا نظام قائم) ہوتا اور بلاشبہ دیوان (تنخواہوں والا سرکاری رجسٹر) تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں (شروع) ہوا تھا، بہرحال کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ وہ آزاد کردہ غلام کی طرف سے دیت ادا کرے، سوائے اس کی قوم اور اس کے آقاؤں کے، کیونکہ

یقیناً ولاء (بھی انھی کو ملتی ہے اور وہ ان سے کبھی) منتقل نہیں ہوتی اور اس لیے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:
''ولاء تو اس کی ہے جس نے آزاد کیا''

قَالَ مَالِكٌ : وَالْوَلَاءُ نَسَبٌ ثَابِتٌ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ولاء ایک ثابت شدہ نسب (کی طرح) ہے۔

فائدہ: ...... امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک عاقلہ سے مراد خاندان والے افراد ہیں اور وہ بھی صرف عصبہ یعنی باپ کی طرف سے بالغ مرد رشتہ دار، جبکہ احناف کے نزدیک اگر قاتل کا نام دیوان یعنی سرکاری رجسٹر میں درج ہو تو عاقلہ سے مراد اہل دیوان ہیں۔ رجسٹر میں جتنے افراد کے نام ہیں سب اس کے ساتھ دیت کی ادائیگی میں شریک ہوں گے اور اگر اس کا نام وہاں درج نہیں تو پھر اس کے قبیلے والے ہی اس کے عاقلہ ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ : وَالْأَمْرُ عِنْدَنَا فِيمَا أُصِيبَ مِنَ الْبَهَائِمِ : أَنَّ عَلَى مَنْ أَصَابَ مِنْهَا شَيْئًا قَدْرَ مَا نَقَصَ مِنْ ثَمَنِهَا .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں ان جانوروں جنھیں کسی قسم کا نقصان پہنچایا جائے، کے متعلق یہ حکم ہے کہ جس شخص نے ان میں سے کسی کو کچھ نقصان پہنچایا تو جس قدر اس جانور کی قیمت میں کمی واقع ہوگی وہ اس کے ذمے ہے۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الرَّجُلِ يَكُونُ عَلَيْهِ الْقَتْلُ ، فَيُصِيبُ حَدًّا مِنَ الْحُدُودِ : أَنَّهُ لَا يُؤْخَذُ بِهِ ، وَذَلِكَ أَنَّ الْقَتْلَ يَأْتِي عَلَى ذَلِكَ كُلِّهِ ، إِلَّا الْفِرْيَةَ ، فَإِنَّهَا تَثْبُتُ عَلَى مَنْ قِيلَتْ لَهُ ، يُقَالُ لَهُ : مَا لَكَ لَمْ تَجْلِدْ مَنِ افْتَرَى عَلَيْكَ ، فَأَرَى أَنْ يُجْلَدَ الْمَقْتُولُ الْحَدَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُقْتَلَ ، ثُمَّ يُقْتَلَ ، وَلَا أَرَى أَنْ يُقَادَ مِنْهُ فِي شَيْءٍ مِنَ الْجِرَاحِ إِلَّا الْقَتْلَ ، لِأَنَّ الْقَتْلَ يَأْتِي عَلَى ذَلِكَ كُلِّهِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جس پر (قصاصاً) قتل واجب ہو، پھر وہ حدود میں سے کسی حد کا ارتکاب کرلے (مثلاً قصاص لیے جانے سے پہلے وہ زنا کرلے یا چوری کرلے یا شراب پی لے وغیرہ) تو بلاشبہ اس کا اس حد پر مؤاخذہ نہ ہوگا اور یقیناً (قصاص میں اس کا) قتل ان تمام (حدود) پر (کفایت کرتا ہوا) آجائے گا، سوائے (زنا کی) تہمت کے، تو بلاشبہ (اس کے تہمت لگانے سے اور سزا نہ دیے جانے سے) وہ تہمت اس شخص پر ثابت ہو جائے گی جس کے خلاف وہ کہی گئی ہو۔ اس سے کہا جاتا رہے گا کہ تمھیں کیا ہوا کہ تم نے اس شخص کو کوڑے نہیں مارے جس نے تم پر الزام لگایا تھا (اور یہ چیز اس کے لیے طعنہ بن جائے گی)۔ لہٰذا میں یہی سمجھتا ہوں کہ مقتول کو قتل کیے جانے سے پہلے حدِ قذف لگائی جائے پھر اسے قتل کیا جائے اور میں یہ (درست) نہیں سمجھتا کہ زخموں میں سے کسی چیز کا اس سے قصاص لیا جائے سوائے قتل کے، کیونکہ بلاشبہ قتل ان تمام (سزاؤں) پر پورا اترے گا۔

وَقَالَ مَالِكٌ : الأَمْرُ عِنْدَنَا : أَنَّ الْقَتِيلَ إِذَا وُجِدَ بَيْنَ ظَهْرَانَيْ قَوْمٍ، فِي قَرْيَةٍ أَوْ غَيْرِهَا، لَمْ يُؤْخَذْ بِهِ أَقْرَبُ النَّاسِ إِلَيْهِ دَاراً وَلَا مَكَاناً، وَذَلِكَ أَنَّهُ قَدْ يُقْتَلُ الْقَتِيلُ، ثُمَّ يُلْقَى عَلَى بَابِ قَوْمٍ لِيُلَطَّخُوا بِهِ، فَلَيْسَ يُؤَاخَذُ أَحَدٌ بِمِثْلِ ذَلِكَ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں حکم یہ ہے کہ بے شک کوئی مقتول جب کسی بستی یا اس کے علاوہ (جگہ) میں کسی قوم کے درمیان میں پایا جائے تو اس شخص کو گرفتار نہ کیا جائے گا جو گھر (محلّہ) یا مکان کے اعتبار سے اس کے سب سے زیادہ قریب ہو اور یہ اس وجہ سے (درست نہیں) کہ بلاشبہ بعض اوقات کسی مقتول کو قتل کر دیا جاتا ہے، پھر اسے کچھ لوگوں کے دروازے پر ڈال دیا جاتا ہے تاکہ انھیں اس (قتل) کے ساتھ ملوث کیا جائے۔ لہٰذا اس جیسی صورت کے ساتھ کسی کو نہ پکڑا جائے گا۔

قَالَ مَالِكٌ فِي جَمَاعَةٍ مِنَ النَّاسِ اقْتَتَلُوا، فَانْكَشَفُوا وَبَيْنَهُمْ قَتِيلٌ أَوْ جَرِيحٌ، لَا يُدْرَى مَنْ فَعَلَ ذَلِكَ بِهِ : إِنَّ أَحْسَنَ مَا سُمِعَ فِي ذَلِكَ : أَنَّ عَلَيْهِ الْعَقْلَ، وَأَنَّ عَقْلَهُ عَلَى الْقَوْمِ الَّذِينَ نَازَعُوهُ، وَإِنْ كَانَ الْجَرِيحُ أَوِ الْقَتِيلُ مِنْ غَيْرِ الْفَرِيقَيْنِ، فَعَقْلُهُ عَلَى الْفَرِيقَيْنِ جَمِيعاً .

امام مالک رحمہ اللہ نے لوگوں کی اس جماعت کے متعلق فرمایا: جو آپس میں (دو فریق بن کر) لڑ پڑے، پھر وہ اس حال میں جدا ہوں کہ ان کے درمیان میں کوئی مقتول یا زخمی (پڑا ہوا) ہو (اور) کچھ علم نہ ہو سکے کہ اس کے ساتھ کس نے ایسا کیا تو بلاشبہ اس بارے میں سب سے بہترین بات جو سنی گئی ہے، یہ ہے کہ بے شک اس پر دیت لازم ہے (اس مقتول یا زخمی کی دیت دینا پڑے گی) اور بلاشبہ اس کی دیت اس فریق پر عائد ہوگی جنھوں نے اس کے خلاف لڑائی کی تھی، اور اگر وہ مقتول یا زخمی ان دونوں گروہوں کے علاوہ (کسی اور قوم یا گروہ) سے ہو تو اس کی دیت دونوں فریقوں پر اکٹھی (عائد) ہوگی۔

19- بَابُ مَا جَاءَ فِي الْغِيلَةِ وَالسِّحْرِ

دھوکے سے قتل کرنے اور جادو کرنے کا بیان

خلاصۃ الباب ☜ اس باب میں دو موقوف روایات یعنی آثار صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں جو سنداً صحیح ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

[1532] وَحَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ : أَنَّ

سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے پانچ یا سات آدمیوں کے گروہ کو ایک

[1532] (موقوف صحیح) صحیح البخاری، کتاب الدیات، باب اذا اصاب قوم من رجل هل یعاقب، حدیث: 6896، عبدالرزاق: 9/ 476 (18075)، ابن ابی شیبہ: 5/ 428 (27684)، بیہقی: 8/ 40 (15973).

عُـمَـرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَتَلَ نَفَراً خَمْسَةً أَوْ سَبْعَةً بِرَجُلٍ وَاحِدٍ، قَتَلُوهُ قَتْلَ غِيلَةٍ، وَقَالَ عُمَرُ: لَوْ تَمَالأَ عَلَيْهِ أَهْلُ صَنْعَاءَ، لَقَتَلْتُهُمْ جَمِيعاً.

ایسے آدمی کے بدلے (قصاصاً) قتل کر دیا تھا جسے انھوں نے دھوکے سے مارا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر اس (کے قتل) پر اہل صنعاء (یعنی یمن کے شہر صنعاء کے تمام لوگ باہمی تعاون کرتے ہوئے) جمع ہو جاتے تو میں ضرور ان سب کو قتل کر ڈالتا۔

فائدہ: ...... دراصل ہوا یوں تھا کہ یمن کے علاقہ صنعاء میں ایک آدمی اپنی بیوی کے پاس اپنا ایک بچہ چھوڑ کر کسی کام سے کہیں چلا گیا، وہ بچہ کسی اور بیوی سے تھا اور اس لڑکے کا نام ''اصیل'' تھا۔ عورت نے اپنے خاوند کے جانے کے بعد ایک آشنا بنا لیا اور اسے کہا کہ یہ لڑکا ہمارا راز کھول کر ہمیں رسوا کر دے گا، اس لیے اسے مار ڈالو، وہ آشنا نہ مانا تو عورت نے اسے خود سے فائدہ اٹھانے نہ دیا۔ یہ صورتحال دیکھ کر اس آشنا نے ایک اور آدمی اور عورت کے خادم کو بھی ساتھ لیا اور لڑکے کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے چمڑے کی ایک گٹھڑی میں ڈال کر بستی کے باہر اسے ایک کنویں میں پھینک دیا جس میں پانی نہ تھا۔ خبر مشہور ہوئی تو آشنا پکڑا گیا، اس نے اعتراف کر لیا، باقی مجرموں نے بھی اقرار کر لیا تو حضرت یعلی رضی اللہ عنہ جو وہاں کے امیر تھے، نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع دی تو انھوں نے ان سب کو قتل کروا دیا۔ (ابن وهب، طحاوی، بیهقی، بحواله زرقانی: 4/ 268، 269)

[1533] وَحَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ سَعْدِ بْنِ زُرَارَةَ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ حَفْصَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ قَتَلَتْ جَارِيَةً لَهَا سَحَرَتْهَا، وَقَدْ كَانَتْ دَبَّرَتْهَا، فَأَمَرَتْ بِهَا فَقُتِلَتْ.

محمد بن عبدالرحمن بن سعد بن زرارہ رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھیں یہ خبر پہنچی کہ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا زوجہ پیغمبر ﷺ نے اپنی اس لونڈی کو قتل کروا دیا جس نے ان پر جادو کیا تھا، حالانکہ وہ اسے مدبرہ لونڈی بنا چکی تھیں (کہ تو میرے مرنے کے بعد آزاد ہوگی)، چنانچہ انھوں نے اس کے متعلق حکم دیا تو اسے قتل کر دیا گیا۔

قَالَ مَالِكٌ: السَّاحِرُ الَّذِي يَعْمَلُ السِّحْرَ، وَلَمْ يَعْمَلْ ذَلِكَ لَهُ غَيْرُهُ، هُوَ مَثَلُ الَّذِي قَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى فِي كِتَابِهِ: ﴿وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ﴾

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ جادوگر جو خود جادو کا عمل کرے، نہ کہ اس کے علاوہ کوئی اور شخص اس کے لیے جادو کا عمل کرے تو وہ اسی کی مثل ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے: ﴿وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي

[1533] (موقوف صحيح) بيهقي: 8/ 136 (16499)، عبدالرزاق: 9/ 180 (18747)، ابن ابي شيبه: 28971- شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

[البقرة : 102] فَأَرَى أَنْ يُقْتَلَ ذَلِكَ ، إِذَا عَمِلَ ذَلِكَ هُوَ نَفْسُهُ . ﴿الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ﴾ (البقرة 102:2) ''اور وہ بالیقین جانتے تھے کہ جس کسی نے اس (جادو) کو خریدا آخرت میں اس کے لیے کوئی حصہ نہیں ہے''، تو میں یہی رائے رکھتا ہوں کہ اسے قتل کر ڈالا جائے جس وقت کہ وہ خود یہ جادو والا عمل کرے۔

فائدہ: ......رسول اللہ ﷺ نے خود پر جادو کرنے والے یہودی لبید بن اعصم کو غالبًا یہود کی قوت اور پھر فتنے کے ڈر سے قتل نہ کروایا، پھر جب اللہ نے ان کی قوت خاک میں ملا دی تو خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے جادوگروں کو قتل کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے ایک سال قبل یہ حکم لکھوا بھیجا تھا کہ ہر جادوگر اور جادوگرنی کو قتل کر دو، تو ایک ہی دن میں تین جادوگرنیاں قتل کر دی گئیں۔ (ابو داود: 3043، احمد: 1/ 190، بیہقی: 8/ 136۔ اس کی سند صحیح ہے)۔ ویسے بھی جادوگر کافر ہے اور طاغوت ہے اس لیے واجب القتل ہے۔ چنانچہ امام احمد رحمہ اللہ، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور جمہور کے نزدیک جادوگر کی سزا قتل ہے اور یہی راجح ہے۔ البتہ امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اگر اس کا جادو والا عمل حد کفر کو پہنچے تو واجب القتل ہے ورنہ نہیں۔

20- بَابُ مَا يَجِبُ فِي الْعَمْدِ

قتلِ عَمْد (کے قصاص) میں واجب طریق کار کا بیان

خلاصة الباب: اس باب میں ایک مقطوع روایت یعنی اثر تابعی رحمہ اللہ ہے جو سنداً صحیح ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے تین فتاویٰ جات بھی مذکور ہیں۔

[1534] وَحَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ عُمَرَ بْنِ حُسَيْنٍ مَوْلَى عَائِشَةَ بِنْتِ قُدَامَةَ : أَنَّ عَبْدَ الْمَلِكِ بْنَ مَرْوَانَ أَقَادَ وَلِيَّ رَجُلٍ مِنْ رَجُلٍ قَتَلَهُ بِعَصاً ، فَقَتَلَهُ وَلِيُّهُ بِعَصاً .

عمر بن حسین رحمہ اللہ جو حضرت عائشہ بنت قدامہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام ہیں، سے روایت ہے: بے شک عبدالملک بن مروان رحمہ اللہ نے ایک (مقتول) آدمی کے ولی کو دوسرے آدمی (قاتل) سے قصاص دلایا جس نے اس (مقتول) کو ڈنڈے کے ساتھ (مار مار کر) قتل کیا تھا، تو اس کے ولی (وارث، سرپرست) نے بھی اسے ڈنڈے کے ساتھ ہی قتل کیا۔

فائدہ: ......احناف کے ہاں قصاص صرف اور صرف تلوار ہی سے ہوگا، حالانکہ ان کی دلیل ابن ماجہ کی روایت (2667) ضعیف ہے، دیکھیے ضعیف ابن ماجہ: 581، جبکہ صحیح بخاری (2413) اور صحیح مسلم (1672) میں ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لونڈی کے قاتل یہودی کو اس طرح دو پتھروں میں سر کچل

[1534] (مقطوع صحیح) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

کر قصاصاً قتل کرنے کا حکم دیا جس طرح کہ اس نے لونڈی کو سر کچل کر مارا تھا۔

قَالَ مَالِكٌ : وَالْأَمْرُ الْمُجْتَمَعُ عَلَيْهِ الَّذِي لَا اخْتِلَافَ فِيهِ عِنْدَنَا : أَنَّ الرَّجُلَ إِذَا ضَرَبَ الرَّجُلَ بِعَصاً، أَوْ رَمَاهُ بِحَجَرٍ، أَوْ ضَرَبَهُ عَمْداً فَمَاتَ مِنْ ذَلِكَ، فَإِنَّ ذَلِكَ هُوَ الْعَمْدُ، وَفِيهِ الْقِصَاصُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ حکم جس پر ہمارے ہاں اجماع ہے اور جس میں کوئی اختلاف نہیں، یہ ہے کہ بے شک آدمی جب دوسرے شخص کو ڈنڈے کے ساتھ مارے یا اس پر پتھر پھینکے یا اسے جان بوجھ کر (اپنے ہاتھ سے) مارے جس سے وہ شخص مرجائے تو بلاشبہ یہ قتلِ عمد ہے اور اس میں قصاص ہے۔

فائدہ :...... اس بات میں تو اتفاق ہے کہ قصاص صرف اور صرف قتل عمد میں ہے لیکن قتل عمد کی تعیین میں اختلاف ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کا قول متن میں مذکور ہے، ان کے نزدیک شبہ عمد بھی قتل عمد ہی شمار ہوتا ہے جبکہ جمہور، امام احمد رحمہ اللہ، امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک قتل عمد وہ ہے جس میں ارادۂ قتل بھی ہو اور آلہ بھی وہ ہو جس سے عموماً قتل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ڈنڈا، کوڑا، تھپیڑ، مُکا یا چھوٹے پتھر وغیرہ سے قتل ہو تو اسے شبہ عمد کہتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک صرف اسلحہ یا اس کے قائم مقام چیز ہی سے قتلِ عمد ہوگا ورنہ شبہ عمد۔

قَالَ مَالِكٌ : فَقَتْلُ الْعَمْدِ عِنْدَنَا : أَنْ يَعْمِدَ الرَّجُلُ إِلَى الرَّجُلِ فَيَضْرِبَهُ حَتَّى تَفِيظَ نَفْسُهُ، وَمِنَ الْعَمْدِ أَيْضاً أَنْ يَضْرِبَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فِي النَّائِرَةِ تَكُونُ بَيْنَهُمَا، ثُمَّ يَنْصَرِفُ عَنْهُ وَهُوَ حَيٌّ، فَيُنْزَى فِي ضَرْبِهِ فَيَمُوتُ، فَتَكُونُ فِي ذَلِكَ الْقَسَامَةُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: لہٰذا ہمارے نزدیک قتلِ عمد یہ ہے کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کا قصد کرے پھر اسے مارے یہاں تک کہ اس کی جان نکل جائے، اور قتلِ عمد میں سے یہ بھی ہے کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کو اس دشمنی (وانتقام) میں مارے جو ان دونوں کے درمیان (جاری) ہو، پھر وہ اس (کے پاس) سے واپس پلٹے تو اسی حال میں کہ وہ زندہ ہو (لیکن) پھر اس کی ضرب میں خون اتنی کثرت سے بہہ نکلے کہ رکے ہی نہ، جس سے وہ مرجائے تو اس میں قسامہ (پچاس قسموں کا معاملہ ہے جس کا بیان آئندہ کتاب میں آرہا) ہے۔

فائدہ :...... تاکہ یہ ثابت ہو جائے کہ واقعی موت کا سبب خون کا بہہ جانا ہے یا کچھ اور، کہیں خودکشی تو نہیں کرلی یا کوئی اور سبب قائم ہو گیا ہے۔ ان قسموں کی نوبت اس لیے آئی کہ مارنے والا جب گیا تھا تو مقتول زندہ تھا اور ضرب بھی ایسی نہ تھی کہ جس سے عموماً انسان کی موت ہو۔

قَالَ مَالِكٌ : الْأَمْرُ عِنْدَنَا : أَنَّهُ يُقْتَلُ فِي الْعَمْدِ الرِّجَالُ الْأَحْرَارُ، بِالرَّجُلِ الْحُرِّ الْوَاحِدِ،

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں یہ حکم ہے کہ قتل عمد میں کئی آزاد مردوں کو ایک آزاد مرد کے بدلے قتل کیا جاسکتا

وَالنِّسَاءُ بِالْمَرْأَةِ كَذَلِكَ ، وَالْعَبِيدُ بِالْعَبْدِ كَذَلِكَ .

ہے اور کئی عورتیں ایک عورت کے بدلے (قتل کیا جانا بھی) اسی طرح ہے اور کئی غلام ایک غلام کے بدلے میں (قتل کرنا) بھی اسی طرح ہے۔

21- بَابٌ: الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلِ

قتل میں قصاص کا بیان

خلاصة الباب اس باب میں ایک موقوف روایت (اثر صحابی رضی اللہ عنہ) ہے جو سنداً ضعیف ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے پانچ فتاویٰ جات بھی مذکور ہیں۔

[1535] حَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، أَنَّهُ بَلَغَهُ : أَنَّ مَرْوَانَ بْنَ الْحَكَمِ كَتَبَ إِلَى مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ يَذْكُرُ أَنَّهُ أُتِيَ بِسَكْرَانَ قَدْ قَتَلَ رَجُلًا ، فَكَتَبَ إِلَيْهِ مُعَاوِيَةُ : أَنِ اقْتُلْهُ بِهِ .

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ بے شک مروان بن حکم رحمہ اللہ نے حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی طرف (ایک مکتوب) لکھا جس میں وہ یہ ذکر کر رہے تھے کہ بلاشبہ نشے میں مبتلا ایک شخص کو لایا گیا ہے جس نے ایک (دوسرے) شخص کو قتل کر دیا تھا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف لکھا کہ اسے قتل کر دو۔

قَالَ يَحْيَى : قَالَ مَالِكٌ : أَحْسَنُ مَا سَمِعْتُ فِي تَأْوِيلِ هَذِهِ الْآيَةِ ، قَوْلِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى : ﴿الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثَى بِالْأُنْثَى﴾ [البقرة : 178] أَنَّ الْقِصَاصَ يَكُونُ بَيْنَ الْإِنَاثِ ، كَمَا يَكُونُ بَيْنَ الذُّكُورِ ، وَالْمَرْأَةُ الْحُرَّةُ تُقْتَلُ بِالْمَرْأَةِ الْحُرَّةِ ، كَمَا يُقْتَلُ الْحُرُّ بِالْحُرِّ ، وَالْأَمَةُ تُقْتَلُ بِالْأَمَةِ ، كَمَا يُقْتَلُ الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ ، وَالْقِصَاصُ يَكُونُ بَيْنَ النِّسَاءِ ، كَمَا يَكُونُ بَيْنَ الرِّجَالِ ، وَالْقِصَاصُ أَيْضًا يَكُونُ بَيْنَ الرِّجَالِ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اس آیت مبارکہ کے فرمان الٰہی: ﴿اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ﴾ (البقرة 178:2) ''آزاد (کو) آزاد کے بدلے (قتل کیا جائے) اور غلام (کو) غلام کے بدلے''۔ یہ سب مذکر ہیں اور (پھر امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ﴿وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى﴾ (البقرة 178:2) ''اور عورت (کو) عورت کے بدلے (قتل کیا جائے گا)۔'' کی تفسیر میں سب سے بہترین بات میں نے یہ سنی ہے کہ بلاشبہ عورتوں کے مابین بھی قصاص اسی طرح ہوگا جس طرح کہ مردوں کے درمیان۔ (چنانچہ) آزاد عورت کو آزاد عورت کے بدلے قتل کیا جائے گا جس طرح

[1535] (موقوف ضعیف) بیہقی: 8/ 42(15980)، عبدالرزاق: 18388، ابن ابی شیبہ: 28421، 29032۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

وَالنِّسَاءِ، وَذَلِكَ أَنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قَالَ فِي كِتَابِهِ: ﴿وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ﴾ [المائدة: 45] فَذَكَرَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ، فَنَفْسُ الْمَرْأَةِ الْحُرَّةِ بِنَفْسِ الرَّجُلِ الْحُرِّ، وَجُرْحُهَا بِجُرْحِهِ.

کہ آزاد مرد کو آزاد مرد کے بدلے قتل کیا جاتا ہے، اور لونڈی کولونڈی کے بدلے قتل کیا جائے گا جس طرح کہ غلام کوغلام کے بدلے قتل کیا جاتا ہے اور (بہرحال) قصاص عورتوں کے درمیان اسی طرح (ثابت) ہے جس طرح کہ مردوں کے درمیان (ثابت ہے)، اور نیز قصاص مردوں اور عورتوں کے درمیان بھی ہوتا ہے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے: ﴿وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ﴾ (المائدة 45:5) ''اور ہم نے تورات میں ان کے لیے لکھ دیا تھا کہ بے شک جان کے بدلے جان ہے، اور آنکھ کے بدلے آنکھ، اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان، اور دانت کے بدلے دانت اور تمام زخموں کا قصاص ہے''۔ (الغرض اس آیت میں) اللہ تعالیٰ نے جان کو جان کے بدلے (قصاصاً مارنے کا) ذکر کیا ہے (اور جان کے لفظ میں عموم ہے)۔ لہٰذا آزاد عورت کی جان آزاد مرد کی جان کے بدلے (قصاص میں قتل) ہوگی اور اس عورت کا زخم اس مرد کے زخم کے بدلے میں ہوگا۔

فائدہ: ......امام مالک رحمہ اللہ نے مردوں کا آپس میں اور عورتوں کا آپس میں قصاص سورۂ بقرہ کی آیت سے ثابت کیا ہے جبکہ مرد کے بدلے عورت سے قصاص یا اس کے برعکس صورت کو سورۂ مائدہ کی آیت سے ثابت کیا ہے۔ ہمارے نزدیک راجح یہ ہے کہ یہ سب کچھ سورۂ مائدہ والی آیت سے ثابت ہے کیونکہ سورۂ بقرہ والی آیت ایک خاص شانِ نزول رکھتی ہے اور اس میں دورِ جاہلیت کے ظلم کی تردید کی گئی ہے کہ جب طاقتور قبیلہ اپنے ایک مرد کے بدلے کئی مرد، اپنی عورت کے بدلے مرد اور اپنے غلام کے بدلے کمزور قبیلے کا آزاد آدمی قصاصاً قتل کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے برابری کا حکم دے دیا اور ثابت کیا کہ مقتول کے بدلے صرف قاتل ہی مارا جائے گا اور سورۂ مائدہ میں اس کی مزید وضاحت آ گئی۔ البتہ کافر کے بدلے مسلمان کو قتل کرنے سے روک دیا گیا، نیز نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: (اَلْمُسْلِمُوْنَ تَتَكَافَأُ دِمَائُهُمْ) ''مسلمانوں کے خون برابر ہیں۔'' (ابوداود: 2751۔ اس کی سند صحیح ہے)

قَالَ مَالِكٌ فِي الرَّجُلِ يُمْسِكُ الرَّجُلَ لِلرَّجُلِ فَيَضْرِبُهُ فَيَمُوتُ مَكَانَهُ: أَنَّهُ إِنْ أَمْسَكَهُ وَهُوَ يَرَى أَنَّهُ يُرِيدُ قَتْلَهُ، قُتِلَا بِهِ جَمِيعاً، وَإِنْ أَمْسَكَهُ وَهُوَ يَرَى أَنَّهُ إِنَّمَا يُرِيدُ الضَّرْبَ، مِمَّا

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا: جو کسی (دوسرے) آدمی کو کسی (تیسرے) شخص کے لیے پکڑتا ہے، چنانچہ وہ (تیسرا شخص) اس (دوسرے) کو مارتا ہے جس سے وہ اسی جگہ مرجاتا ہے، (تو امام صاحب رحمہ اللہ نے

يَضْرِبُ بِهِ النَّاسُ ، لَا يَرَى أَنَّهُ عَمَدَ لِقَتْلِهِ ، فَإِنَّهُ يُقْتَلُ الْقَاتِلُ وَيُعَاقَبُ الْمُمْسِكُ أَشَدَّ الْعُقُوبَةِ ، وَيُسْجَنُ سَنَةً ، لِأَنَّهُ أَمْسَكَهُ ، وَلَا يَكُونُ عَلَيْهِ الْقَتْلُ .

فرمایا:) بلاشبہ اگر اس نے اس حال میں اسے روکا (اور پکڑا) تھا کہ اسے علم تھا کہ یقیناً وہ اسے مار ڈالے گا تو اس (مقتول) کے بدلے ان دونوں کو قتل کیا جائے گا اور اگر اس نے اسے پکڑا اس حال میں کہ اس کا خیال یہی تھا کہ بلاشبہ اسے صرف اور صرف وہ مار پیٹ ہی کرے گا جو لوگ کیا کرتے ہیں۔ اسے علم نہ تھا کہ وہ تو اس کے قتل کا قصد کر چکا ہے تو بلاشبہ قاتل کو تو قتل کیا جائے گا اور (البتہ) روکنے والے کو سخت سزا دی جائے گی اور ایک سال تک اسے قید کیا جائے گا، اس لیے کہ یقیناً اس نے بھی اسے پکڑا (اور قید ہی کیا) تھا اور اس پر قتل (لاگو) نہ ہوگا۔

فائدہ :...... جمہور کا موقف یہ ہے کہ پکڑنے والے کو ہر صورت میں قید ہی کیا جائے گا، ان کی دلیل یہ حدیث مبارکہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب ایک آدمی کسی آدمی کو پکڑے اور وہ (دوسرا) اسے قتل کر دے تو قتل کرنے والے کو قتل اور پکڑنے والے کو قید کیا جائے گا''۔ (دارقطنی: 3/ 140، عبدالرزاق: 9/ 427، (17893) اس کی سند صحیح ہے۔) ہمارے نزدیک اگر وہ پکڑنے والا اس مقتول کے قتل میں قصداً شریک ہوا اور قتل کے لیے تعاون کر رہا ہو تو وہ دو جرائم کا مرتکب ہے، اسے پکڑنے کا بھی اور قتل کرنے کا بھی۔ لہٰذا وہ قصاصاً مارا جائے گا، اور اگر اس کا مقصود قتل میں تعاون نہ ہو تو پھر وہ صرف قید کیا جائے گا اور قید کی مدت کی تعیین قاضی و حاکم کی صوابدید پر ہے۔ رہی یہ بات کہ قصداً قتل میں تعاون بھی قتل ہی کی طرح ہے تو اس کی دلیل قوم ثمود کا قصہ ہے کہ چونکہ وہ سب حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کے قتل پر راضی تھے، اس لیے اللہ نے سب کو اونٹنی کا قاتل شمار کیا۔ (الشمس 91:14) سو حدیث نبوی میں جس پکڑنے والے کو قید کرنے کا ذکر ہے اس سے وہ شخص مراد ہوگا جس نے قتل کروانے کی نیت سے نہ پکڑا ہو۔ واللہ اعلم بالصواب

قَالَ مَالِكٌ فِي الرَّجُلِ يَقْتُلُ الرَّجُلَ عَمْداً ، أَوْ يَفْقَأُ عَيْنَهُ عَمْداً ، فَيُقْتَلُ الْقَاتِلُ ، أَوْ تُفْقَأُ عَيْنُ الْفَاقِئِ قَبْلَ أَنْ يُقْتَصَّ مِنْهُ : أَنَّهُ لَيْسَ عَلَيْهِ دِيَةٌ وَلَا قِصَاصٌ ، وَإِنَّمَا كَانَ حَقُّ الَّذِي قُتِلَ أَوْ فُقِئَتْ عَيْنُهُ فِي الشَّيْءِ بِالَّذِي ذَهَبَ ، وَإِنَّمَا ذَلِكَ بِمَنْزِلَةِ الرَّجُلِ يَقْتُلُ الرَّجُلَ عَمْداً ، ثُمَّ يَمُوتُ الْقَاتِلُ فَلَا يَكُونُ لِصَاحِبِ الدَّمِ إِذَا مَاتَ الْقَاتِلُ شَيْءٌ ، دِيَةٌ وَلَا غَيْرُهَا ، وَذَلِكَ لِقَوْلِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى : ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا: جو کسی شخص کو عمداً قتل کر دیتا ہے، یا اس کی آنکھ عمداً پھوڑ دیتا ہے، پھر پہلے اس سے کہ اس سے قصاص لیا جائے (کسی اور سبب سے) قاتل کو قتل کر دیا جاتا ہے یا آنکھ پھوڑنے والے کی آنکھ پھوڑ دی جاتی ہے، تو بلاشبہ اس (مجرم) پر نہ تو کوئی دیت ہوگی اور نہ قصاص۔ اور بلاشبہ وہ شخص جسے قتل کیا گیا تھا یا اس کی آنکھ پھوڑی گئی تھی، تو اس کا حق صرف اور صرف اس چیز میں تھا جو ختم ہو چکی ہے اور بلاشبہ یہ (مثال کے طور پر) اس شخص کی مانند ہے جو دوسرے آدمی کو عمداً قتل کرتا

الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ﴾ [البقرة : 178].

ہے۔ پھر قاتل (قتل نہیں ہوتا بلکہ طبعی موت کے ساتھ) فوت ہو جاتا ہے تو خون (کا تقاضا کرنے) والے کے لیے کچھ بھی ثابت نہیں ہوتا جس وقت کہ قاتل مر جائے، نہ دیت (لازم ہوتی ہے) اور نہ کچھ اور۔ اور یہ (حکم) اللہ تعالیٰ کے (اس) فرمان کی وجہ سے ہے: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثَى بِالْأُنْثَى﴾ (البقرة 2:178) ''(اے ایمان والو!) تم پر مقتولین میں قصاص فرض کر دیا گیا ہے، آزاد کو آزاد کے بدلے اور غلام کو غلام کے بدلے اور عورت کو عورت کے بدلے (قتل کیا جائے گا)۔''

قَالَ مَالِكٌ : فَإِنَّمَا يَكُونُ لَهُ الْقِصَاصُ عَلَى صَاحِبِهِ الَّذِي قَتَلَهُ ، فَإِذَا هَلَكَ قَاتِلُهُ الَّذِي قَتَلَهُ ، فَلَيْسَ لَهُ قِصَاصٌ وَلَا دِيَةٌ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: تو (اس آیت مبارکہ سے ثابت ہوا کہ) بلاشبہ اس (مظلوم) کے لیے قصاص تو صرف اور صرف اس کے اس ساتھی پر عائد ہوتا ہے جس نے اسے قتل کیا تھا۔ پھر جب قتل کرنے والا قاتل ہی ہلاک ہو جائے تو اس (مظلوم) کے لیے نہ قصاص ہوگا نہ دیت۔ بشرطیکہ قاتل کے عاقلہ نہ ہوں، چنانچہ اگر قاتل کے عاقلہ یعنی والد کی طرف سے مذکر رشتہ دار موجود ہوں تو وہ دیت ادا کرنے کے ذمہ دار ہوں گے، الا یہ کہ اولیائے مقتول قصاص پر مصر ہوں اور دیت پر راضی نہ ہو رہے ہوں اور اسی دوران قاتل مر جائے تو پھر واقعی قصاص ہوگا نہ دیت۔ واللہ اعلم بالصواب

قَالَ مَالِكٌ : لَيْسَ بَيْنَ الْحُرِّ وَالْعَبْدِ قَوَدٌ فِي شَيْءٍ مِنَ الْجِرَاحِ ، وَالْعَبْدُ يُقْتَلُ بِالْحُرِّ إِذَا قَتَلَهُ عَمْداً ، وَلَا يُقْتَلُ الْحُرُّ بِالْعَبْدِ وَإِنْ قَتَلَهُ عَمْداً. وَهُوَ أَحْسَنُ مَا سَمِعْتُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: آزاد اور غلام کے درمیان زخموں میں سے کسی بھی چیز میں قصاص نہیں ہوتا اور (رہا قتل کا معاملہ تو) غلام کو آزاد کے بدلے قتل کیا جائے گا جس وقت کہ وہ اسے عمداً قتل کرے اور آزاد کو غلام کے بدلے (کسی بھی صورت میں) قتل نہیں کیا جائے گا۔ اگرچہ وہ اسے عمداً قتل کرے اور یہی وہ سب سے اچھی بات ہے جو میں نے سنی ہے۔

فائدہ :...... امام شافعی رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ، اہلحدیث اور جمہور کا بھی یہی موقف ہے، البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، سعید بن مسیب رحمہ اللہ، شعبی رحمہ اللہ، قتادہ رحمہ اللہ، نخعی رحمہ اللہ اور سفیان ثوری رحمہ اللہ کے نزدیک آزاد شخص کو بھی غلام کے بدلے قتل کیا جائے گا، سوائے اس کے کہ قاتل اس مقتول غلام کا آقا ہو۔ مزید تفصیل کے لیے پیچھے باب: 3 کا آخری فائدہ دیکھیے۔

22- بَابٌ: الْعَفْوُ فِي قَتْلِ الْعَمْدِ

قتلِ عَمْد میں معافی کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کے چار فتاوی جات مذکور ہیں۔

فائدہ: ...... حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے نہیں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قصاص کا کوئی بھی معاملہ لایا گیا ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں معافی کا حکم نہ دیا ہو۔ (ابو داود: 4497، نسائی: 4788، ابن ماجہ: 2692، احمد: 3/ 213۔ اس کی سند صحیح ہے۔) اس روایت میں حکم سے مراد مشورہ ونصیحت ہے۔

حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ أَدْرَكَ مَنْ يَرْضَى مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ يَقُولُونَ فِي الرَّجُلِ إِذَا أَوْصَى، أَنْ يُعْفَى عَنْ قَاتِلِهِ إِذَا قَتَلَ عَمْداً: إِنَّ ذَلِكَ جَائِزٌ لَهُ، وَأَنَّهُ أَوْلَى بِدَمِهِ مِنْ غَيْرِهِ مِنْ أَوْلِيَائِهِ مِنْ بَعْدِهِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: بلاشبہ انھوں نے ان اہل علم کو پایا جن پر وہ راضی تھے، وہ (سب) فرماتے تھے: آدمی جب یہ وصیت کرے کہ اس کے قاتل کو معاف کر دیا جائے، جس وقت کہ اس (قاتل) نے اس (وصیت کرنے والے) کو عمداً قتل کیا ہو تو بلاشبہ یہ (وصیت) اس کے لیے جائز ہے اور یقیناً وہ اپنے علاوہ افراد یعنی اپنے بعد اپنے اولیاء (وارثوں) کی نسبت خود اپنے خون کا سب سے زیادہ حق رکھتا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الرَّجُلِ يَعْفُو عَنْ قَتْلِ الْعَمْدِ بَعْدَ أَنْ يَسْتَحِقَّهُ وَيَجِبَ لَهُ: إِنَّهُ لَيْسَ عَلَى الْقَاتِلِ عَقْلٌ يَلْزَمُهُ، إِلَّا أَنْ يَكُونَ الَّذِي عَفَا عَنْهُ اشْتَرَطَ ذَلِكَ عِنْدَ الْعَفْوِ عَنْهُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا: جو قتل عمد کو معاف کر دیتا ہے بعد اس کے کہ وہ اس (خون کا قصاص) کا حق پا لے اور وہ (قصاص) اس کے لیے ثابت ہو جائے تو بلاشبہ (معاف کیے جانے والے) قاتل پر کوئی دیت بھی لازم نہ ہوگی، الا یہ کہ جس شخص نے معافی دی ہو، اس نے اسے معاف کرتے وقت اس (دیت) کی شرط لگائی ہو۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الْقَاتِلِ عَمْداً إِذَا عُفِيَ عَنْهُ: أَنَّهُ يُجْلَدُ مِئَةَ جَلْدَةٍ وَيُسْجَنُ سَنَةً.

امام مالک رحمہ اللہ نے عمداً قتل کرنے والے شخص کے بارے میں فرمایا: جب کہ اسے معافی دے دی جائے تو بلاشبہ (معافی کے باوجود) اسے سو کوڑے لگائے جائیں اور اسے ایک سال قید رکھا جائے۔

فائدہ: ...... قرآن وسنت سے اس مؤقف کے لیے کوئی دلیل ثابت نہیں ہے اور نہ ہی عام فقہاء اور جمہور اس کے قائل ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ: وَإِذَا قَتَلَ الرَّجُلُ عَمْداً، وَقَامَتْ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور جب آدمی عمداً قتل کرے اور

عَلَى ذَلِكَ الْبَيِّنَةُ ، وَلِلْمَقْتُولِ بَنُونَ وَبَنَاتٌ ، فَـعَـفَا الْبَنُونَ وَأَبَى الْبَنَاتُ أَنْ يَعْفُونَ ، فَعَفْوُ الْبَنِيـنَ جَـائِزٌ عَلَى الْبَنَاتِ ، وَلَا أَمْرَ لِلْبَنَاتِ مَعَ الْبَنِينَ فِي الْقِيَامِ بِالدَّمِ وَالْعَفْوِ عَنْهُ .

اس پر دلیل بھی قائم ہوجائے اور مقتول کے کچھ بیٹے اور کچھ بیٹیاں ہوں، پھر بیٹے تو معاف کردیں اور بیٹیاں معاف کرنے سے انکار کردیں تو بلاشبہ بیٹوں کی معافی بیٹیوں پر نافذ ہوگی اور خون کا مطالبہ کرنے میں اور اسے معاف کرنے میں بیٹیوں کے پاس بیٹوں کی موجودگی میں کوئی اختیار نہیں ہوتا۔

فائدہ: ...... جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور اہلحدیث کے نزدیک سب کے لیے معاف کرنے اور مطالبہ کرنے کا حق اور گنجائش ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے مقتول کے اولیاء یعنی تمام ورثاء کو اختیار دیا ہے کہ چاہیں تو قصاص لیں اور چاہیں تو دیت لیں۔ (ابوداود: 4506، ترمذی: 1387، ابن ماجه: 2626۔ اس کی سند صحیح ہے۔) اور ورثاء میں جس طرح لڑکے شامل ہیں اسی طرح لڑکیاں بھی شامل ہیں۔ نیز اکثر روایات میں "مَـــنْ" کا لفظ ورثاء کے لیے استعمال ہوا ہے جو مذکر و مؤنث سب پر بولا جاتا ہے، لہٰذا مقتول کی بیٹیاں بھی معاف کرنے کا حق رکھتی ہیں...... یاد رہے کہ ورثاء میں سے کوئی ایک شخص قصاص معاف کردے تو باقی ورثاء قصاص نہیں لے سکتے کیونکہ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ معاف کرنے والے کا حصہ چھوڑ کر باقی جسم کو قتل کردیا جائے، اور قاتل کے جسم کا کچھ حصہ زندہ اور کچھ مردہ کردیا جائے، اس لیے ایک وارث کی معافی سے قصاص ساقط ہوجاتا ہے۔ رہا دیت کا مسئلہ تو اسے جو جو وارث معاف کرے گا، اس کے حصے کے مطابق دیت معاف ہوتی جائے گی اور باقی دیت قاتل کے ذمے رہے گی۔

23- بَابٌ: الْقِصَاصُ فِي الْجِرَاحِ

زخموں میں قصاص کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں ایک مقطوع روایت (اثر تابعی رحمہ اللہ) ہے جو سنداً صحیح ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے تین فتاویٰ جات بھی مذکور ہیں۔

قَالَ يَحْيَى : قَالَ مَالِكٌ : الأَمْرُ الْمُجْتَمَعُ عَلَيْهِ عِنْدَنَا : أَنَّ مَنْ كَسَرَ يَداً أَوْ رِجلاً عَمْداً ، أَنَّهُ يُقَادُ مِنْهُ وَلَا يَعْقِلُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ حکم جس پر ہمارے ہاں اجماع ہے، یہ ہے کہ بلاشبہ جس شخص نے کوئی ہاتھ یا پاؤں عمداً توڑ ڈالا تو یقیناً اس سے قصاص لیا جائے گا اور وہ دیت ادا نہیں کرے گا۔

فائدہ: ...... کیونکہ قرآن مجید میں زخموں کے متعلق صرف قصاص کا ذکر ہے۔ (سورۂ مائدہ 45:5) لیکن احادیث مبارکہ کی روشنی میں باقی ائمہ کرام کے نزدیک صرف ان زخموں میں قصاص ہے جن میں مماثلت اور برابری ممکن

ہو جیسا کہ اعضائے بدن کا کاٹنا۔ اگر مماثلت ممکن نہ ہو تو پھر دیت ہی سے کام چلے گا۔ رہا ہڈی توڑنے کا معاملہ تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک سوائے دانت کے کسی اور ہڈی میں قصاص نہ ہوگا جبکہ امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک صرف اس ہڈی کے توڑنے میں قصاص نہ ہوگا جس سے ہلاکت کا اندیشہ ہو، مثلاً: سر کی ہڈی وغیرہ، باقی ہر ہڈی میں قصاص ہوگا اور یہی راجح ہے۔ واللہ اعلم

قَالَ مَالِكٌ : وَلَا يُقَادُ مِنْ أَحَدٍ حَتَّى تَبْرَأَ جِرَاحُ صَاحِبِهِ فَيُقَادُ مِنْهُ ، فَإِنْ جَاءَ جُرْحُ الْمُسْتَقَادِ مِنْهُ مِثْلَ جُرْحِ الْأَوَّلِ حِينَ يَصِحُّ فَهُوَ الْقَوَدُ ، وَإِنْ زَادَ جُرْحُ الْمُسْتَقَادِ مِنْهُ أَوْ مَاتَ فَلَيْسَ عَلَى الْمَجْرُوحِ الْأَوَّلِ الْمُسْتَقِيدِ شَيْءٌ ، وَإِنْ بَرَأَ جُرْحُ الْمُسْتَقَادِ مِنْهُ ، وَشَلَّ الْمَجْرُوحُ الْأَوَّلُ ، أَوْ بَرَأَتْ جِرَاحُهُ وَبِهَا عَيْبٌ أَوْ نَقْصٌ أَوْ عَثَلٌ ، فَإِنَّ الْمُسْتَقَادَ مِنْهُ لَا يَكْسِرُ الثَّانِيَةَ وَلَا يُقَادُ بِجُرْحِهِ . قَالَ : وَلَكِنَّهُ يُعْقَلُ لَهُ بِقَدْرِ مَا نَقَصَ مِنْ يَدِ الْأَوَّلِ أَوْ فَسَدَ مِنْهَا ، وَالْجِرَاحُ فِي الْجَسَدِ عَلَى مِثْلِ ذَلِكَ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور کسی بھی شخص سے قصاص نہ لیا جائے گا یہاں تک کہ اس کے (زخمی) ساتھی کا زخم صحیح ہو جائے تو پھر اس (زخمی کرنے والے) سے قصاص لیا جائے، پھر جس سے قصاص لیا گیا، اگر اس کا زخم جب صحیح ہو جائے تو اس پہلے (زخمی) شخص کے زخم کی طرح ہو جائے تو یہ (برابر برابر) قصاص ہو گیا، اور اگر جس سے قصاص لیا گیا، اس کا زخم بڑھ گیا یا (اس زخم کی وجہ سے) وہ مر گیا تو قصاص لینے والے پہلے زخمی شخص پر کچھ (تاوان) نہ ہوگا، اور اگر جس سے قصاص لیا گیا تھا اس کا زخم تو ٹھیک ہو گیا اور (لیکن قصاص لینے والے) پہلے زخمی شخص کا ہاتھ شل (اور بے کار) ہو گیا یا اس کا زخم تو ٹھیک ہو گیا لیکن اس میں عیب یا نقص یا ناہموار جڑاؤ پیدا ہو گیا تو جس سے قصاص لیا جا چکا ہے اس کی ہڈی کو دوبارہ نہ توڑا جائے گا اور اس (زخمی) کے زخم کے بدلے اس سے (دوبارہ) قصاص نہ ہوگا۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور لیکن پہلے شخص کے ہاتھ میں جتنا نقص واقع ہوا ہو یا اس میں خرابی آئی ہو (یعنی شل ہو گیا ہو تو) اس کے بقدر اسے دیت دلائی جائے گی...... اس جسم کے (دوسرے تمام) زخم بھی اسی طرح ہی (کا حکم رکھتے) ہیں۔

فائدہ :...... امام مالک رحمہ اللہ، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور اہلحدیث کے ہاں زخم مکمل ٹھیک ہونے کے بعد ہی قصاص ہوگا لیکن امام شافعی رحمہ اللہ فی الحال اور فوری قصاص کے قائل ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ : وَإِذَا عَمَدَ الرَّجُلُ إِلَى امْرَأَتِهِ فَفَقَأَ عَيْنَهَا ، أَوْ كَسَرَ يَدَهَا ، أَوْ قَطَعَ إِصْبَعَهَا ، أَوْ شِبْهَ ذَلِكَ ، مُتَعَمِّدًا لِذَلِكَ ، فَإِنَّهَا تُقَادُ مِنْهُ ، وَأَمَّا الرَّجُلُ يَضْرِبُ امْرَأَتَهُ بِالْحَبْلِ أَوْ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جب آدمی اپنی بیوی کا قصد کرے اور اس کی آنکھ (عمداً) پھوڑ ڈالے یا اس کا ہاتھ توڑ ڈالے یا اس کی انگلی کاٹ ڈالے یا اس کے مشابہ (کوئی اور زخم لگائے)، اس حال میں کہ وہ جان بوجھ کر ایسا کرنے والا

بِالسَّوْطِ، فَيُصِيبُهَا مِنْ ضَرْبِهِ مَا لَمْ يُرِدْ وَلَمْ يَتَعَمَّدْ، فَإِنَّهُ يَعْقِلُ مَا أَصَابَ مِنْهَا عَلَى هَذَا الْوَجْهِ، وَلَا يُقَادُ مِنْهُ.

ہوتو بلا شبہ اس سے قصاص لیا جائے گا، اور رہی یہ صورت کہ آدمی اپنی بیوی کوری سے یا کوڑے سے مارتا پیٹتا ہے تو وہ اپنی اس مار میں اسے کوئی نقصان پہنچا دیتا ہے جس کا اس نے نہ ارادہ کیا ہوتا ہے اور نہ وہ عمداً ایسا کرتا ہے تو بلاشبہ اس طریقے سے اس نے جو اسے نقصان پہنچایا ہو، وہ اس کی صرف دیت ہی ادا کرے گا اور اس سے قصاص نہ لیا جائے گا۔

[1536] وَحَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ أَبَا بَكْرِ بْنَ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ أَقَادَ مِنْ كَسْرِ الْفَخِذِ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ بے شک ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم رحمہ اللہ نے ران توڑنے (کے زخم) کا قصاص دلایا۔

24- بَابُ مَا جَاءَ فِي دِيَةِ السَّائِبَةِ وَجِنَايَتِهِ

سائبہ غلام کی دیت اور جنایت (جرم) کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں ایک موقوف روایت یعنی اثر صحابی رضی اللہ عنہ ہے جو سنداً ضعیف ہے۔

فائدہ: ......سائبہ وہ غلام ہے جسے آزاد کرنے والے پر اس غلام کا کوئی حق اور تعلق باقی نہ رہے، جانوروں میں سائبہ سے مراد بتوں کے نام پر چھوڑے جانے والے جانور ہیں جنھیں گویا آزاد چھوڑ دیا جاتا ہے اور غلاموں میں سے بھی سائبہ کو گویا بالکل آزاد چھوڑا جاتا ہے۔ چنانچہ سائبہ غلام وہ ہے جس کی آزادی میں یہ شرط قائم کی جائے کہ نہ تو اس کا آقا اس کی ولاء کا وارث بنے گا اور نہ اس کی طرف سے کسی دیت کی چٹی بھرے گا، سائبہ غلام کے متعلق پیچھے کتاب العتق کا آخری باب بھی گزر چکا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ سائبہ غلام کی سائبہ والی حیثیت کو صرف مکروہ سمجھتے ہیں جبکہ باقی ائمہ کرام اور محدثین اس شرط کو سرے سے باطل قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ ان کے نزدیک غلام آزاد تو ہو جاتا ہے لیکن اس کا تعلق آقا سے بحال رہتا ہے، لہٰذا وہ آقا اس کی ولاء کا بھی وارث بنے گا اور اگر غلام پر کسی دیت کی چٹی پڑ جائے تو اس کی ادائیگی میں آقا بھی شریک ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اہل اسلام سائبہ نہیں بناتے۔ (بخاری: 6753)

[1537] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ: أَنَّ سَائِبَةً أَعْتَقَهُ بَعْضُ الْحُجَّاجِ، فَقَتَلَ ابْنَ رَجُلٍ مِنْ

سلیمان بن یسار رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک ایک سائبہ غلام جسے حاجیوں میں سے کسی نے آزاد کیا تھا، (اس سائبہ غلام) نے بنو عائذ خاندان کے ایک شخص کا بیٹا قتل

[1536] (مقطوع صحیح) شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو صحیح ثابت قرار دیا ہے۔

[1537] (موقوف ضعیف) بیھقی: 8/ 65، عبدالرزاق: 10/ 78(18425)۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے۔

بَنِي عَائِذٍ ، فَجَاءَ الْعَائِذِيُّ أَبُو الْمَقْتُولِ إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ يَطْلُبُ دِيَةَ ابْنِهِ ، فَقَالَ عُمَرُ : لَا دِيَةَ لَهُ . فَقَالَ الْعَائِذِيُّ: أَرَأَيْتَ لَوْ قَتَلَهُ ابْنِي ؟ فَقَالَ عُمَرُ: إِذَنْ تُخْرِجُونَ دِيَتَهُ . فَقَالَ الْعَائِذِيُّ : هُوَ إِذًا كَالأَرْقَمِ ، إِنْ يُتْرَكْ يَلْقَمْ ، وَإِنْ يُقْتَلْ يَنْقَمْ .

کرڈالا، تو عائذی شخص یعنی مقتول کا باپ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، وہ اپنے بیٹے کی دیت کا مطالبہ کررہا تھا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس کی کوئی دیت نہیں ہے (کیونکہ خود اس کے پاس بھی کچھ نہیں ہے اور اس کا کوئی خاندان بھی نہیں ہے)۔ تو وہ عائذی شخص کہنے لگا: آپ مجھے بتائیے کہ اگر میرا بیٹا اسے قتل کر دیتا (تو کیا اس کی دیت دینا پڑتی)؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: (واقعی) پھر تو تم اس کی دیت ادا کرتے۔ تو (یہ سن کر) عائذی شخص کہنے لگا: (هُوَ إِذًا كَالأَرْقَمِ ، إِنْ يُتْرَكْ يَلْقَمْ ، وَإِنْ يُقْتَلْ يَنْقَمْ) ''وہ تو پھر چتکبرے سانپ کی طرح ہوا کہ اگر اسے چھوڑا جائے (اسے نہ مارا جائے) تو لقمہ بنالیتا ہے (ڈس لیتا ہے) اور اگر اسے قتل کیا جائے تو انتقام لیتا ہے۔

فائدہ: ...... آج بھی بہت سے لوگوں کا یہ خیال ہے کہ سانپ کو مارنے والا سانپوں کے انتقام کی بھینٹ چڑھ جاتا ہے اور اہل جاہلیت کا یہ اعتقاد تھا کہ بعض جنات سانپوں کا انتقام لیتے ہیں اور سانپ کا قاتل یا تو جلدی مر جاتا ہے یا پھر کسی مہلک مرض اور مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے...... مذکورہ بالا عبارت عربوں کی ایک مشہور ضرب المثل ہے جو اس شخص کے متعلق بولتے ہیں جس سے خیر کی کوئی امید نہ ہو اور وہ ہر صورت میں شر ہی شر محسوس ہو۔ جیسا کہ سائبہ غلام کا حال تھا کہ کسی کو قتل کرتا تو مقتول کا خون رائیگاں جاتا اور ورثائے مقتول دیت سے محروم رہتے اور خود قتل کر دیا جاتا تو قاتلوں کو دیت کی چٹی بھرنا پڑتی...... بہر حال یہ روایت ضعیف ہے اور جمہور اہل علم کے نزدیک اسلام میں سائبہ غلام کا کوئی تصور نہیں ہے، ہر آزاد ہونے والا غلام، خواہ سائبہ کے طور پر آزاد کیا جائے، اس کا اپنے آقا سے تعلق بحال رہتا ہے، آقا اس کی ولاء کا فائدہ بھی اٹھاتا ہے اور اس کے جرم کی چٹی بھی بھرتا ہے...... "يَنْقَمْ" کا اصل اعراب تو قاف کسرہ کے ساتھ ہے کیونکہ انتقام لینے کے معنی کے لیے قرآن مجید میں اور لغت میں باب ضَرَبَ استعمال ہوتا ہے۔ (سورۂ بروج 8:85، سورۂ مائدہ 59:5) لیکن سجع کلامی کی وجہ سے قاف پر زبر پڑھنا زیادہ مناسب ہے۔

41

كِتَابُ الْقَسَامَةِ

قسامہ (پچاس قسمیں لینے) کے متعلق کتاب

خلاصۃ الكتاب اس کتاب میں پانچ ابواب اور دو مرفوع روایات یعنی احادیث نبویہ ﷺ ہیں جو کہ پہلے ہی باب میں موجود ہیں اور بخاری و مسلم کی روایات میں سے ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے اکیس فتاویٰ جات بھی اس کتاب میں مذکور ہیں۔

فائدہ: ......قسامہ سے مراد امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک وہ پچاس قسمیں ہیں جو گواہ نہ ہونے کی صورت میں مقتول کے ورثاء مجرم کے خلاف قتل ثابت کرنے کے لیے اٹھائیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وہ پچاس قسمیں مراد ہیں جنھیں وہ اہل محلہ اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے اٹھاتے ہیں جن کے خلاف قتل کا دعویٰ کیا گیا ہو...... دراصل یہ دونوں مقام ابراہیم کے درمیان میں کھڑے ہو کر یہ قسمیں کھاتے تھے، چونکہ اللہ کی قسم کھانا بہت نازک معاملہ ہے اس لیے اگر یہ قسم جھوٹ پر اٹھائی جائے اور خصوصاً اجتماعی طور پر جھوٹی قسمیں کھائی جائیں تو ان کا نتیجہ وہاں بھی بہت ہی جلد دیکھنے میں آتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے اسے دور جاہلیت ہی کی صورت پر قائم رکھا ہے۔ (مسلم: 1670)

قریش کا واقعہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: دور جاہلیت میں سب سے پہلا قسامہ والا واقعہ ہمارے خاندان بنو ہاشم میں پیش آیا (بنو ہاشم قبیلہ قریش ہی کی ایک شاخ ہے) ہوا یوں کہ قریش کے ایک دوسرے خاندان کے ایک شخص نے ایک ہاشمی شخص کو اجرت پر رکھا اور اپنے قافلے میں اسے ساتھ لے گیا، راستے میں اس ہاشمی شخص کے پاس سے ایک اور ہاشمی شخص گزرا اور اس نے اونٹ کا گھٹنا باندھنے والی ایک رسی مانگ کر مدد چاہی، اس مزدور ہاشمی نے وہ اسے دے دی، چنانچہ وہ اسے لے کر چلا گیا۔ ادھر جب اہل قافلہ نے پڑاؤ کیا اور اونٹ باندھنے لگے تو ایک رسی کم نکلی تو اس غیر ہاشمی شخص نے ہاشمی شخص کو ڈنڈے سے مارا، جس کی بنا پر وہ موت کے قریب پہنچ گیا۔ ابھی اُس کے سانس باقی تھے کہ اتنے میں ایک یمنی شخص وہاں سے گزرا، ہاشمی نے اسے وصیت کی اور حج کے موقع پر ہاشمی سردار ابوطالب تک اس کے قتل کی اطلاع پہنچانے کا کہہ کر فوت ہو گیا۔ جب وہ غیر ہاشمی شخص واپس مکہ پہنچا تو ابوطالب نے اس سے پوچھا: وہ تمھارا ہاشمی مزدور کدھر ہے؟ اس نے کہا کہ وہ بیمار ہو گیا تھا، میں نے اس کی خوب دیکھ بھال کی لیکن وہ بالآخر فوت ہو گیا تو میں نے

اسے وہیں دفنا دیا۔ ابوطالب کہنے لگے: تم سے اس کے ساتھ اسی بہترین سلوک کی امید تھی، پھر جب کچھ عرصے بعد حج کا موسم آیا اور یمنی شخص نے آکر ابوطالب کو مکمل صورتحال سے باخبر کیا کہ اس غیر ہاشمی نے محض ایک رسی کے بدلے تمھارا بندہ مار ڈالا تھا، تو ابوطالب اس کے پاس چلے گئے، اور اس سے کہا: تمھارے سامنے تین باتیں پیش کرتا ہوں، تم ان میں سے کسی ایک کو چن لو، یا تو سو اونٹ دیت ادا کرو، یا پھر تمھارے خاندان کے پچاس آدمی یہ قسم کھائیں کہ تم نے اسے قتل نہیں کیا، یا پھر ہم تمھیں قصاص میں مار دیں گے۔ اس نے اپنے خاندان والوں سے بات کی تو وہ جھوٹی قسمیں کھانے کے لیے تیار ہو گئے۔ پھر ایک ہاشمی عورت جو اس خاندان میں بیاہی ہوئی تھی، اپنے ایک لڑکے کو لے کر ابوطالب کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ میرے اس لڑکے کو معاف کر دیجیے اور جس جگہ قسمیں لی جاتی ہیں وہاں اسے قسم کھانے پر مجبور نہ کیجیے، انھوں نے اسے معاف کر دیا۔ ادھر ایک اور شخص آیا اور کہنے لگا: آپ نے سو اونٹوں کی جگہ پچاس قسمیں طلب کی ہیں اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر شخص پر دو اونٹ آتے ہیں تو آپ میری طرف سے یہ دو اونٹ قبول کر لیجیے اور مجھے قسم کھانے پر مجبور نہ کیجیے، ابوطالب نے اس کی بات بھی مان لی۔ باقی اڑتالیس آدمیوں نے جھوٹی قسمیں کھالیں جس کی پاداش میں وہ سب سال گزرنے سے پہلے پہلے ہلاک ہو گئے۔ (بخاری: 3845، نسائی: 4710)

دور فاروقی کا واقعہ: ایک واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں پیش آیا جس کا پس منظر کچھ یوں تھا کہ دور جاہلیت میں ہذیل قبیلے نے اپنے ایک آدمی کو اپنے قبیلے سے نکال دیا تھا۔ کافی عرصے بعد وہ شخص مکہ آیا جہاں اہل یمن کے ایک گھرانے والوں کے پاس ان کے گھر میں وہ رات کے وقت داخل ہونے لگا تو گھر کے ایک شخص کی آنکھ کھل گئی اور اس نے تلوار کے ساتھ اسے مار ڈالا، اب اسی سے قطع تعلقی کرنے والا قبیلہ مدعی بن کر آ گیا اور یمنی آدمی کو پکڑ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لے آیا اور کہنے لگا: اس نے ہمارا بندہ مارا ہے، اس قاتل نے کہا کہ ان کو اس مقتول سے کیا لینا دینا ہے، یہ تو اسے نکال چکے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پہلے اسی بات کا فیصلہ کرنا چاہا کہ یہ افراد اس مقتول کے مدعی بن بھی سکتے ہیں یا نہیں۔ انھوں نے فرمایا: ہذیل قبیلے کے پچاس آدمی یہ قسم کھائیں کہ ہم نے اسے نہیں نکالا تھا، چنانچہ ان میں سے انچاس نے قسمیں کھالیں، ایک آدمی ملک شام گیا ہوا تھا، جب وہ آیا تو اسے قسم کھانے کے لیے کہا گیا، اس نے ہزار درہم دے کر قسم سے پیچھا چھڑا لیا۔ قبیلے والوں نے ایک اور شخص کو تیار کر لیا اور اس نے قسم کھالی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ قاتل یمنی شخص مقتول ہذلی آدمی کے بھائی کے سپرد کر دیا، اور اس کا ہاتھ اس کے ہاتھ کے ساتھ باندھ دیا گیا، گویا وہ اس کا قیدی بن گیا۔ وہ سب لوگ قسمیں کھا کر واپس ہوئے، ابھی مکہ سے نکل کر وادی نخلہ ہی میں پہنچے تھے کہ بارش شروع ہو گئی، وہ سب غار میں داخل ہو گئے، تو غار ان پر گر پڑا اور پچاس کے پچاس دب کر مر گئے، البتہ جن دونوں کا ہاتھ بندھا ہوا تھا، وہ بچ گئے اور نکل بھاگے لیکن سال بعد وہ بھی مر گیا۔ (بخاری: 6899) یہ واقعہ ابوقلابہ رحمہ اللہ نے سنایا تھا۔ وہ دراصل قسامہ کے ساتھ قصاص واجب کرنے کے خلاف تھے۔ فیصلہ تو یہی ہے کہ پچاس آدمی خواہ سچی یا جھوٹی قسمیں کھالیں گے تو مدعا علیہ سے

قصاص لازم ہو جائے گا لیکن ابوقلابہ رحمہ اللہ کا مقصد یہ تھا کہ عموماً ایسے مواقع پر خاندان کا ساتھ دیتے ہوئے جھوٹی قسمیں کھالی جاتی ہیں جن کے نتیجے میں فوری تباہی مقدر ہو جاتی ہے۔ اس لیے تباہی کا سبب بننے والے اس کام کے قریب بھی نہ جانا چاہیے۔ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ ایک دفعہ عبدالملک بن مروان رحمہ اللہ کے پچاس آدمیوں کی قسم پر قصاص دلا دیا، پھر وہ اس پر نادم ہوئے اور ان پچاس کو جھوٹا سمجھ کر ان کے نام تنخواہوں والے سرکاری رجسٹر سے خارج کر دیے اور انھیں ملک شام کی طرف جلاوطن کر دیا۔ (بخاری: 6899) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی اس کے ساتھ قصاص نہ دلایا تھا۔ (بخاری قبل از حدیث: 6898)...... اگرچہ قسامہ مشروع ہے لیکن ابوقلابہ رحمہ اللہ، سالم رحمہ اللہ، سلیمان بن یسار، حکم بن عتبہ، قتادہ، سفیان بن عیینہ، ابراہیم نخعی، امام بخاری، امام مسلم اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اس کے ساتھ فیصلہ کرنے سے گریز ہی کرتے تھے۔

1- بَابٌ: تَبْدِءَةُ أَهْلِ الدَّمِ فِي الْقَسَامَةِ

قسامہ میں خون کا تقاضا کرنے والے ورثاء سے قسمیں لینے میں آغاز کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں دو احادیث نبویہ ﷺ ہیں جو بخاری و مسلم میں بھی موجود ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے آٹھ فتاویٰ جات بھی مذکور ہیں۔

فائدہ: ...... امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک سب سے پہلے مدعی قوم قسم کھائے گی اور ان کے قسمیں کھالینے سے قتل خطا اور قتل شبہ عمد میں دیت جبکہ قتل عمد میں قصاص واجب ہو جائے گا اور اگر وہ قسمیں نہ کھائیں تو مدعا علیہ قوم والے پچاس قسمیں کھا کر دیت اور قصاص سے بری ہو جائیں گے۔ اگر وہ مدعا علیہ گروپ قسمیں نہ کھائے تو ان پر دیت لازم ہو جائے گی۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا قدیم قول بھی یہی تھا، ان کا قول جدید یہ ہے کہ قتل عمد میں بھی مدعی قوم کی قسموں سے صرف دیت واجب ہوگی، ہاں اگر مدعی قسمیں نہ اٹھائیں تو مدعا علیہ سے قسموں کا کہا جائے گا، اگر وہ قسمیں نہ کھائیں تو ان پر دیت لازم ہوگی اور اگر قسمیں کھالیں تو دیت سے بری ہو جائیں گے...... امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ قسمیں خطا میں دیت اور قتل عمد میں قصاص لازم کرتی ہیں، اگر گواہ نہ ہوں تو مدعا علیہ قوم سے پچاس قسمیں لیں گے اور وہ قسمیں کھائیں یا نہ کھائیں ان پر ہر صورت میں صرف اور صرف دیت ہی لازم ہوگی۔ پہلا موقف راجح معلوم ہوتا ہے، کیونکہ وہ احادیث کے قریب تر ہے۔

[1538] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ حضرت سہل بن ابی حثمہ (انصاری خزرجی) رضی اللہ عنہ سے

[1538] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب الاحکام، باب کتاب الحاکم الی عمالہ، حدیث: 7192، 2702، صحیح مسلم، کتاب القسامۃ، باب القسامۃ، حدیث: 1669/ 6، ابوداود: 4521، ترمذی: 1422، نسائی: 4714، ابن ماجہ: 2677، احمد: 4/ 3 (16195)، دارمی: 2353.

أَبِي لَيْلَى بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ سَهْلٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ رِجَالٌ مِنْ كُبَرَاءِ قَوْمِهِ: أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ سَهْلٍ وَمُحَيِّصَةَ خَرَجَا إِلَى خَيْبَرَ مِنْ جَهْدٍ أَصَابَهُمْ، فَأُتِيَ مُحَيِّصَةُ فَأُخْبِرَ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ سَهْلٍ قَدْ قُتِلَ وَطُرِحَ فِي فَقِيرِ بِئْرٍ أَوْ عَيْنٍ، فَأَتَى يَهُودَ فَقَالَ: أَنْتُمْ وَاللّٰهِ قَتَلْتُمُوهُ. فَقَالُوا: وَاللّٰهِ مَا قَتَلْنَاهُ. فَأَقْبَلَ حَتَّى قَدِمَ عَلَى قَوْمِهِ فَذَكَرَ لَهُمْ ذٰلِكَ، ثُمَّ أَقْبَلَ هُوَ وَأَخُوهُ حُوَيِّصَةُ، وَهُوَ أَكْبَرُ مِنْهُ، وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ، فَذَهَبَ مُحَيِّصَةُ لِيَتَكَلَّمَ, وَهُوَ الَّذِي كَانَ بِخَيْبَرَ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: كَبِّرْ كَبِّرْ يُرِيدُ السِّنَّ، فَتَكَلَّمَ حُوَيِّصَةُ، ثُمَّ تَكَلَّمَ مُحَيِّصَةُ. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: إِمَّا أَنْ يَدُوا صَاحِبَكُمْ، وَإِمَّا أَنْ يُؤْذِنُوا بِحَرْبٍ فَكَتَبَ إِلَيْهِمْ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فِي ذٰلِكَ، فَكَتَبُوا: إِنَّا وَاللّٰهِ مَا قَتَلْنَاهُ. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لِحُوَيِّصَةَ وَمُحَيِّصَةَ وَعَبْدِ الرَّحْمَنِ: أَتَحْلِفُونَ وَتَسْتَحِقُّونَ دَمَ صَاحِبِكُمْ فَقَالُوا: لَا. قَالَ: أَفَتَحْلِفُ لَكُمْ يَهُودُ قَالُوا: لَيْسُوا بِمُسْلِمِينَ. فَوَدَاهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مِنْ عِنْدِهِ، فَبَعَثَ إِلَيْهِمْ بِمِئَةِ نَاقَةٍ حَتَّى أُدْخِلَتْ عَلَيْهِمُ الدَّارَ. قَالَ سَهْلٌ: لَقَدْ رَكَضَتْنِي مِنْهَا نَاقَةٌ حَمْرَاءُ.

روایت ہے، ان کی قوم کے بڑوں میں سے کچھ لوگوں نے انھیں یہ خبر دی کہ بے شک حضرت عبداللہ بن سہل (بن زید بن کعب انصاری، اوسی، حارثی) اور حضرت محیصہ (بن مسعود بن کعب انصاری، اوسی، حارثی رضی اللہ عنہ) اس مشقت (وتنگدستی) جو انھیں پہنچی ہوئی تھی، کی وجہ سے خیبر کی طرف نکلے (جہاں یہودی آباد تھے، وہ کھجوریں حاصل کرنے کے لیے وہاں پہنچ کر الگ الگ ہوگئے کہ اتنے میں) حضرت محیصہ رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی آیا اور انھیں یہ اطلاع دی گئی کہ حضرت عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا گیا ہے اور انھیں پانی کے ایک گڑھے میں یعنی کنویں یا چشمے میں پھینک دیا گیا ہے۔ وہ (محیصہ رضی اللہ عنہ) یہودیوں کے پاس آئے اور کہنے لگے: اللہ کی قسم! تم نے اسے قتل کیا ہے، وہ بولے: اللہ کی قسم! ہم نے اسے نہیں مارا، چنانچہ وہ (محیصہ رضی اللہ عنہ واپس) متوجہ ہوئے، یہاں تک کہ اپنی قوم (بنو حارثہ) کے پاس آئے اور ان سے اس کا ذکر کیا، پھر وہ (خود) اور ان کے بھائی حضرت حویصہ رضی اللہ عنہ جو کہ ان سے بڑے تھے اور (مقتول کے بھائی) حضرت عبدالرحمٰن (بن سہل رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی طرف) متوجہ ہوئے، پس حضرت محیصہ رضی اللہ عنہ شروع ہوئے، وہ بات کرنے لگے اور وہی خیبر میں (مقتول کے ساتھ گئے) تھے، تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''بڑے کو بات کرنے دو، بڑے کو بات کرنے دو۔'' آپ ﷺ عمر (میں بڑا ہونا) مراد لے رہے تھے (تاکہ ادب کے تقاضے ملحوظ رہیں) سو حضرت حویصہ رضی اللہ عنہ نے گفتگو کی، پھر حضرت محیصہ رضی اللہ عنہ نے بات کی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یا تو وہ (یہودی) تمھارے صاحب (یعنی مقتول) کی دیت ادا کریں، یا پھر اعلان جنگ کر دیں۔'' پھر رسول

اللہ ﷺ نے ان (یہودیوں) کی طرف اس بارے میں (پیغام) لکھا تو انھوں نے (جواب میں) لکھا کہ یقیناً اللہ کی قسم! ہم نے اسے قتل نہیں کیا، تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت حویصہ رضی اللہ عنہ، حضرت محیصہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن سہل رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''کیا تم حلف اٹھاتے ہو اور (قسموں کے ذریعے) اپنے ساتھی کی دیت کے حقدار بنتے ہو؟'' انھوں نے عرض کیا کہ: نہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو کیا تمھارے (اطمینان کے) لیے یہودی قسمیں اٹھالیں؟'' وہ بولے کہ وہ تو مسلمان ہی نہیں ہیں، (وہ جھوٹی قسمیں کھانے سے بالکل دریغ نہیں کریں گے) تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں اپنے پاس سے دیت عطا فرمائی، چنانچہ آپ ﷺ نے ان کی طرف سو اونٹنیاں بھیجیں، یہاں تک کہ وہ سب ان کے پاس گھر میں داخل کردی گئیں، (حدیث کے راوی) حضرت سہل (بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ) نے بتایا: ان میں سے ایک سرخ رنگ کی اونٹنی نے مجھے لات ماری تھی۔

قَالَ مَالِكٌ : الْفَقِيرُ هُوَ الْبِئْرُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: روایت کے لفظ ''فقیر'' سے مراد کنواں ہے۔

فائدہ: ...... روایت کے آخر میں لات مارنے والی بات اس لیے بتائی کہ بات میں زور اور پختگی پیدا ہو اور یہ مزید وضاحت ہو کہ انھیں حدیث کا اچھی طرح حفظ اور ضبط ہے...... حضرت حویصہ، حضرت محیصہ، حضرت عبداللہ (مقتول) اور حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہم چاروں کا تعلق انصار کے قبیلہ اوس کے خاندان بنو حارثہ سے تھے، پہلے دونوں کے والد مسعود اور آخری دونوں کے دادا زید آپس میں بھائی تھے۔

[1539] قَالَ يَحْيَى : عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ ، عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ : أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ سَهْلٍ الْأَنْصَارِيَّ وَمُحَيِّصَةَ بْنَ مَسْعُودٍ خَرَجَا إِلَى خَيْبَرَ ، فَتَفَرَّقَا فِي حَوَائِجِهِمَا ، فَقُتِلَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَهْلٍ ، فَقَدِمَ مُحَيِّصَةُ ، فَأَتَى هُوَ وَأَخُوهُ حُوَيِّصَةُ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ سَهْلٍ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ ، فَذَهَبَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ لِيَتَكَلَّمَ لِمَكَانِهِ مِنْ أَخِيهِ ، فَقَالَ

بُشیر بن یسار رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عبداللہ بن سہل انصاری رضی اللہ عنہ اور حضرت محیصہ بن مسعود رضی اللہ عنہ دونوں (اپنے کچھ اور ساتھیوں کے ہمراہ) خیبر کی طرف نکلے، پھر وہ دونوں اپنے اپنے کاموں (کے سلسلے) میں الگ الگ ہو گئے تو حضرت عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ قتل کر دیے گئے، سو حضرت محیصہ رضی اللہ عنہ (ان کی تدفین کر کے مدینہ منورہ) واپس آ گئے، پھر وہ خود، ان کے (بڑے) بھائی حضرت حویصہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن سہل رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی

[1539] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب الجزیۃ، باب الموادعۃ والمصالحۃ مع المشرکین بالمال وغیرہ، حدیث: 3173، 2702، 6143، 7192، صحیح مسلم، کتاب القسامۃ، باب القسامۃ، حدیث: 1669، ابوداود: 4523، ترمذی: 1422، نسائی: 4722، احمد: 4/ 2(16198)، دارمی: 2353.

رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: كَبِّرْ كَبِّرْ فَتَكَلَّمَ حُوَيِّصَةُ وَمُحَيِّصَةُ، فَذَكَرَا شَأْنَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَهْلٍ. فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: أَتَحْلِفُونَ خَمْسِينَ يَمِيناً وَتَسْتَحِقُّونَ دَمَ صَاحِبِكُمْ أَوْ قَاتِلِكُمْ قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ لَمْ نَشْهَدْ وَلَمْ نَحْضُرْ. فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: فَتُبْرِئُكُمْ يَهُودُ بِخَمْسِينَ يَمِيناً فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ كَيْفَ نَقْبَلُ أَيْمَانَ قَوْمٍ كُفَّارٍ. قَالَ يَحْيَى: بْنُ سَعِيدٍ، فَزَعَمَ بُشَيْرُ بْنُ يَسَارٍ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ وَدَاهُ مِنْ عِنْدِهِ.

خدمت میں حاضر ہوئے، پس حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ (جو عمر میں باقی دونوں سے چھوٹے تھے) اپنے (مقتول) بھائی سے (زیادہ قریبی) تعلق ہونے کی بنا پر بات کرنے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بڑے کو بات کرنے دو، بڑے کو بات کرنے دو۔'' چنانچہ حضرت حویصہ اور حضرت محیصہ رضی اللہ عنہما نے گفتگو کی اور حضرت عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ کا معاملہ ذکر کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم اللہ کے نام کی پچاس قسمیں کھاؤ گے اور اپنے ساتھی کے خون یا (فرمایا کہ) اپنے (بھائی کے) قاتل کے خون کے حقدار بنو گے؟'' وہ عرض کرنے لگے: اے اللہ کے رسول ﷺ! نہ تو ہم (جائے واردات پر) موجود تھے اور نہ حاضر تھے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تو پھر یہودی پچاس قسمیں کھا کر تم سے بری ہو جائیں گے۔ وہ عرض کرنے لگے: اے اللہ کے رسول! ہم کافر لوگوں کی قسمیں قبول کر لیں؟ یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ نے کہا کہ بشیر نے کہا تھا: یقیناً رسول اللہ ﷺ نے اس کی دیت اپنے پاس سے ادا کی تھی۔

فائدہ: ...... اس روایت کی سند میں بشیر بن یسار رحمہ اللہ کے بعد حضرت سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ کا واسطہ گرا ہوا ہے، گزشتہ روایت میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کلام کا آغاز کرنے والے کا نام حضرت محیصہ رضی اللہ عنہ جبکہ یہاں حضرت عبدالرحمٰن بن سہل رضی اللہ عنہ کا نام ہے، ان دونوں روایات میں یہی بڑا فرق ہے۔ ان میں تطبیق یوں دی جا سکتی ہے کہ سب سے پہلے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے کلام کرنا چاہا کیونکہ وہ مقتول کے بھائی اور اصل مدعی تھے، لیکن آپ ﷺ نے انھیں منع کر دیا۔ پھر حضرت محیصہ رضی اللہ عنہ بولنے لگے کیونکہ وہ مقتول کے شریک سفر تھے لیکن آپ ﷺ نے انھیں بھی یہی اشارہ فرمایا کہ بڑے کو بات کرنے کا حق دو۔ واللہ اعلم بالصواب

قَالَ مَالِكٌ: الأَمْرُ الْمُجْتَمَعُ عَلَيْهِ عِنْدَنَا، وَالَّذِي سَمِعْتُ مِمَّنْ أَرْضَى فِي الْقَسَامَةِ، وَالَّذِي اجْتَمَعَتْ عَلَيْهِ الأَئِمَّةُ فِي الْقَدِيمِ وَالْحَدِيثِ: أَنْ يَبْدَأَ بِالأَيْمَانِ الْمُدَّعُونَ فِي الْقَسَامَةِ فَيَحْلِفُونَ، وَأَنَّ الْقَسَامَةَ لا تَجِبُ إِلَّا بِأَحَدِ أَمْرَيْنِ: إِمَّا أَنْ يَقُولَ الْمَقْتُولُ دَمِي

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ معاملہ جس پر ہمارے ہاں اجماع ہے اور جسے میں نے قسامہ کے متعلق ان (شیوخ) سے سنا ہے جن سے میں راضی ہوں اور جس پر ہمارے ہاں تمام گزشتہ و موجودہ اماموں کا اجماع رہا ہے۔ یہ ہے کہ قسامہ میں قسموں کا آغاز مدعی لوگ کریں گے اور وہ قسمیں اٹھائیں گے، اور بلاشبہ قسامہ دو کاموں میں سے ایک کے

عِنْدَ فُلان، أَوْ يَأْتِي وُلَاةُ الدَّمِ بِلَوْثٍ مِنْ بَيِّنَةٍ، وَإِنْ لَمْ تَكُنْ قَاطِعَةً عَلَى الَّذِي يُدَّعَى عَلَيْهِ الدَّمُ، فَهٰذَا يُوجِبُ الْقَسَامَةَ لِلْمُدَّعِينَ الدَّمَ عَلَى مَنِ ادَّعَوْهُ عَلَيْهِ، وَلَا تَجِبُ الْقَسَامَةُ عِنْدَنَا إِلَّا بِأَحَدِ هٰذَيْنِ الْوَجْهَيْنِ.

سوا کسی اور چیز سے واجب نہیں ہوتی۔ (1) یا تو مقتول یہ کہے کہ میرا خون فلاں شخص پر ہے (اور گواہ وغیرہ کچھ نہ ہو)۔ (2) یا خون کے متولی (مقتول کے ورثاء) کمزور سی دلیل پیش کریں (یعنی شبہ ظاہر کریں) اگرچہ وہ قطعی (اور واضح) دلیل نہ ہو اس شخص کے خلاف کہ جس پر خون کا دعویٰ کیا گیا ہو تو یہی (مذکورہ دونوں قسموں میں سے کوئی ایک) چیز قسامہ کو خون کا دعویٰ کرنے والوں کے لیے واجب کرتی ہے، ان لوگوں کے خلاف جس پر مدعیوں نے دعویٰ کیا ہے اور ہمارے ہاں قسامہ واجب ہی نہ ہوگی مگر صرف ان دونوں صورتوں میں سے کسی ایک کے ساتھ۔

قَالَ مَالِكٌ: وَتِلْكَ السُّنَّةُ الَّتِي لَا اخْتِلَافَ فِيهَا عِنْدَنَا، وَالَّذِي لَمْ يَزَلْ عَلَيْهِ عَمَلُ النَّاسِ: أَنَّ الْمُبَدَّئِينَ بِالْقَسَامَةِ أَهْلُ الدَّمِ، وَالَّذِينَ يَدَّعُونَهُ فِي الْعَمْدِ وَالْخَطَإِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور یہی وہ سنت ہے جس میں ہمارے ہاں کوئی اختلاف نہیں اور اسی پر ہمیشہ سے لوگوں کا عمل رہا ہے کہ قسمیں اٹھانے میں ابتدا کرنے والے اہل دم (خون کا مطالبہ کرنے والے) اور وہ (ورثاء) ہیں جو اس کا دعویٰ کرتے ہیں قتل عمد میں بھی اور قتل خطا میں بھی (وہی آغاز کریں گے)۔

قَالَ مَالِكٌ: وَقَدْ بَدَّأَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ الْحَارِثِيِّينَ فِي قَتْلِ صَاحِبِهِمُ الَّذِي قُتِلَ بِخَيْبَرَ.

امام مالک رحمہ اللہ نے (دلیل کے طور پر) فرمایا: اور یقیناً رسول اللہ ﷺ نے بھی حارثیوں (بنوحارثہ خاندان والوں) کو مقدم رکھا تھا (جو کہ مدعی تھے) ان کے اس ساتھی کے قتل کے معاملے میں جو خیبر میں قتل کیا گیا تھا۔

قَالَ مَالِكٌ: فَإِنْ حَلَفَ الْمُدَّعُونَ اسْتَحَقُّوا دَمَ صَاحِبِهِمْ وَقَتَلُوا مَنْ حَلَفُوا عَلَيْهِ، وَلَا يُقْتَلُ فِي الْقَسَامَةِ إِلَّا وَاحِدٌ، لَا يُقْتَلُ فِيهَا اثْنَانِ، يَحْلِفُ مِنْ وُلَاةِ الدَّمِ خَمْسُونَ رَجُلًا خَمْسِينَ يَمِينًا، فَإِنْ قَلَّ عَدَدُهُمْ أَوْ نَكَلَ بَعْضُهُمْ رُدَّتِ الْأَيْمَانُ عَلَيْهِمْ، إِلَّا أَنْ يَنْكُلَ أَحَدٌ مِنْ وُلَاةِ الْمَقْتُولِ، وُلَاةِ الدَّمِ الَّذِينَ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: پھر اگر مدعی لوگ قسم اٹھالیں تو وہ اپنے ساتھی کے خون (کے قصاص) کے مستحق ہو جائیں گے اور اس شخص کو قتل کر دیں گے جس کے خلاف انھوں نے قسم کھائی ہو اور قسامہ میں ایک شخص کے سوا کسی کو قتل نہ کیا جائے گا، اس میں نہ دو شخص (اور نہ دو سے زیادہ افراد) قتل کیے جائیں گے، خون کے متولیوں (مقتول کے ورثاء) میں سے پچاس آدمی پچاس قسمیں کھائیں گے، اگر ان کی

يَجُوزُ لَهُمُ الْعَفْوُ عَنْهُ، فَإِنْ نَكَلَ أَحَدٌ مِنْ أُولَئِكَ، فَلَا سَبِيلَ إِلَى الدَّمِ إِذَا نَكَلَ أَحَدٌ مِنْهُمْ.

تعداد پچاس سے کم ہو یا ان میں سے بعض (قسم کھانے سے) رک جائیں تو (باقی ماندہ) قسمیں انھی (قسم کھانے والوں) پر لوٹادی جائیں گی (اور وہ دو دو یا تین تین قسمیں کھا کر پچاس کی تعداد پوری کریں) الا یہ کہ (قسم کھانے سے) انکار کوئی ایسا شخص کرے جو مقتول کے ورثاء اور خون کے متولیوں میں سے ہو، جن کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اس خون کو معاف کردیں۔ چنانچہ اگر ان میں سے کوئی شخص انکار کردے تو پھر قصاص (کے جواز) کی کوئی راہ نہ ہوگی، جب کہ ان میں سے کوئی ایک بھی (قسم کھانے سے) رک جائے۔

فائدہ: ...... امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک تو قسمیں کھانے سے صرف دیت ہی لازم ہوتی ہے اور احناف تو مدعی فریق کی قسموں ہی کو درست نہیں سمجھتے، نیز متعدد محدثین بھی قسامہ سے قصاص لازم نہیں کرتے جیسا کہ پیچھے گزرا۔

قَالَ يَحْيَى: قَالَ مَالِكٌ: وَإِنَّمَا تُرَدُّ الْأَيْمَانُ عَلَى مَنْ بَقِيَ مِنْهُمْ إِذَا نَكَلَ أَحَدٌ مِمَّنْ لَا يَجُوزُ لَهُ عَفْوٌ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور بلاشبہ (قصاص کا مستحق بننے کے لیے) ان میں سے باقی ماندہ پر قسمیں صرف اور صرف اس وقت لوٹائی جائیں گی جب کوئی ایسا شخص (قسم کھانے سے) انکار کرے جس کے لیے (خون) معاف کرنے کا جواز (اختیار) نہ ہو۔

قَالَ: فَإِنْ نَكَلَ أَحَدٌ مِنْ وُلَاةِ الدَّمِ الَّذِينَ يَجُوزُ لَهُمُ الْعَفْوُ عَنِ الدَّمِ، وَإِنْ كَانَ وَاحِداً، فَإِنَّ الْأَيْمَانَ لَا تُرَدُّ عَلَى مَنْ بَقِيَ مِنْ وُلَاةِ الدَّمِ إِذَا نَكَلَ أَحَدٌ مِنْهُمْ عَنِ الْأَيْمَانِ، وَلَكِنِ الْأَيْمَانُ إِذَا كَانَ ذَلِكَ تُرَدُّ عَلَى الْمُدَّعَى عَلَيْهِمْ، فَيَحْلِفُ مِنْهُمْ خَمْسُونَ رَجُلاً خَمْسِينَ يَمِيناً، فَإِنْ لَمْ يَبْلُغُوا خَمْسِينَ رَجُلاً رُدَّتِ الْأَيْمَانُ عَلَى مَنْ حَلَفَ مِنْهُمْ، فَإِنْ لَمْ يُوجَدْ أَحَدٌ إِلَّا الَّذِي ادُّعِيَ عَلَيْهِ، حَلَفَ هُوَ خَمْسِينَ يَمِيناً وَبَرِئَ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: پھر اگر خون کے متولیوں (ورثاء) جن کے لیے جائز ہے کہ خون معاف کردیں، ان میں سے کوئی قسم سے انکار کرے، اگرچہ وہ ایک ہی ہو تو بلاشبہ (باقی ماندہ) قسمیں ان لوگوں پر نہیں لوٹائی جائیں گی جو (اس کے علاوہ) اولیائے مقتول میں سے باقی ہوں، جس وقت کہ ان میں سے کوئی ایک بھی قسمیں کھانے سے باز آجائے (تو ان سے قسمیں لینے کا سلسلہ ہی موقوف کردیں گے) اور لیکن جب ایسا ہوجائے تو قسمیں (ان مدعی افراد کی بجائے) ان لوگوں پر لوٹادی جائیں گی جن پر خون کا دعویٰ کیا گیا تھا (یعنی وہ گروہ اب قسمیں کھائے گا جو مدعا علیہ ہو)۔ چنانچہ ان میں سے پچاس آدمی پچاس قسمیں کھائیں اور اگر وہ پچاس کو نہ پہنچ پائیں تو جنھوں نے ان میں سے قسم کھائی ہے، انھی پر (باقی ماندہ) قسمیں لوٹادیں گے (اور وہ دو دو، تین تین

یا اس سے زیادہ بار قسمیں کھا کر پچاس کی تعداد پوری کریں گے)، پھر اگر کوئی اور شخص پایا ہی نہ جا سکے جو قسمیں دے سوائے اس (ایک شخص) کے کہ جس پر دعویٰ کیا گیا تھا (یعنی مدعا علیہ صرف ایک ہی شخص ہو) تو وہ خود ہی پچاس قسمیں کھائے گا اور بری ہو جائے گا۔

فائدہ: ......اگر مدعی پارٹی کے پاس نہ گواہ ہوا اور نہ وہ قسمیں کھائے تو مدعا علیہ پر پچاس قسمیں ڈالنے کے متعلق تمام کا اتفاق ہے۔ اگر وہ مدعا علیہ قسمیں نہ کھائیں تو دیت دیں گے اور اگر قسمیں کھالے تو احناف کے نزدیک پھر بھی دیت دینا ہوگی لیکن باقی تمام ائمہ وفقہاء اور محدثین کے ہاں مدعا علیہ گروہ قسمیں کھا کر دیت سے بھی بری ہو جائے گا۔

قَالَ يَحْيَى: قَالَ مَالِكٌ: وَإِنَّمَا فُرِقَ بَيْنَ الْقَسَامَةِ فِي الدَّمِ وَالْأَيْمَانِ فِي الْحُقُوقِ: أَنَّ الرَّجُلَ إِذَا دَايَنَ الرَّجُلَ اسْتَثْبَتَ عَلَيْهِ فِي حَقِّهِ، وَأَنَّ الرَّجُلَ إِذَا أَرَادَ قَتْلَ الرَّجُلِ لَمْ يَقْتُلْهُ فِي جَمَاعَةٍ مِنَ النَّاسِ، وَإِنَّمَا يَلْتَمِسُ الْخَلْوَةَ. قَالَ: فَلَوْ لَمْ تَكُنِ الْقَسَامَةُ إِلَّا فِيمَا تَثْبُتُ فِيهِ الْبَيِّنَةُ، وَلَوْ عُمِلَ فِيهَا كَمَا يُعْمَلُ فِي الْحُقُوقِ هَلَكَتِ الدِّمَاءُ، وَاجْتَرَأَ النَّاسُ عَلَيْهَا إِذَا عَرَفُوا الْقَضَاءَ فِيهَا، وَلَكِنْ إِنَّمَا جُعِلَتِ الْقَسَامَةُ إِلَى وُلَاةِ الْمَقْتُولِ، يُبَدَّؤُونَ بِهَا فِيهَا، لِيَكُفَّ النَّاسُ عَنِ الدَّمِ، وَلِيَحْذَرَ الْقَاتِلُ أَنْ يُؤْخَذَ فِي مِثْلِ ذَلِكَ بِقَوْلِ الْمَقْتُولِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: بلاشبہ خون کے معاملے میں، قسامہ اور حقوق میں قسموں کے درمیان فرق کیا گیا ہے، (خون کے دعویٰ میں پچاس قسمیں دینا پڑتی ہیں جبکہ دوسرے معاملات میں مدعا علیہ صرف ایک قسم کھا کر بری ہو جاتا ہے اور یہ فرق اس وجہ سے ہے کہ مثال کے طور پر) جب آدمی قرض لیتا ہے تو اس پر اپنے حق میں ثبوت قائم کر لیا جاتا ہے (اور وہ لوگوں کے سامنے ہوتا ہے، اور مثلاً: گواہ بنا لیے جاتے ہیں یا رہن رکھوالیا جاتا ہے یا کسی کو ضامن بنا لیا جاتا ہے، وغیرہ) اور (جبکہ) کوئی آدمی کسی آدمی کے قتل کا ارادہ کرتا ہے تو اسے لوگوں کی جماعت (اور موجودگی) میں قتل نہیں کرتا اور (بلکہ) وہ تو یقیناً تنہائی تلاش کرتا ہے۔ (اس لیے مدعی یہاں نہ گواہ بنا پاتا ہے اور نہ کوئی اور ثبوت قائم کر سکتا ہے۔) امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر یہ قسامہ کچھ اور (مخصوص حکم والی) نہ ہوتی مگر انھی معاملات میں شامل ہوتی جن میں گواہی ہی سے ثبوت قائم ہوتا ہے اور اگر اس میں اسی طرح عمل کیا جاتا جس طرح (باقی) حقوق میں کام چلایا جاتا ہے تو بہت سے خون ضائع ہو جاتے اور لوگ ان (کو بہانے) پر جسارت کرتے جس وقت کہ وہ ان (خونوں) کے متعلق فیصلے سے واقف ہوتے (کہ قصاص بغیر گواہ کے تو ہو نہیں سکتا، چنانچہ وہ گواہوں سے بچ کر خون بہاتے رہتے) لیکن مقتول کے ورثاء کی طرف قسامہ کا حق مقرر کر دیا گیا ہے اور انھی سے قسموں کا آغاز کرایا جائے گا تا کہ (یہ فیصلہ سامنے آنے کے بعد) لوگ خون (بہانے) سے رک جائیں اور تا کہ قاتل اس بات سے ڈرے کہ اس جیسے معاملے میں تو مقتول کے قول کو (معتبر سمجھ) لیا جاتا ہے۔

فائدہ : ...... جب قاتل کو یہ احساس ہوگا کہ اگر اس مقتول نے مرنے سے پہلے کسی کو بتا دیا اور اس کے ورثاء نے میرے خلاف قسمیں کھالیں یا اس کے بتائے بغیر ہی ورثاء نے اپنے گمان پر بنیاد رکھ کر میرے خلاف قسمیں اٹھالیں تو میں قصاص میں مارا جاؤں گا تو وہ قتل ہی سے باز رہے گا...... نیز چونکہ قسامہ کی مشروعیت سے بغیر گواہی کے بھی قصاص لینے کی راہ نکل آتی ہے اس لیے خود بخود ہی قتل کے سلسلے میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔

قَالَ يَحْيَى : وَقَدْ قَالَ مَالِكٌ فِي الْقَوْمِ يَكُونُ لَهُمُ الْعَدَدُ، يُتَّهَمُونَ بِالدَّمِ، فَيَرُدُّ وُلَاةُ الْمَقْتُولِ الْأَيْمَانَ عَلَيْهِمْ، وَهُمْ نَفَرٌ لَهُمْ عَدَدٌ : أَنَّهُ يَحْلِفُ كُلُّ إِنْسَانٍ مِنْهُمْ عَنْ نَفْسِهِ خَمْسِينَ يَمِيناً، وَلَا تُقْطَعُ الْأَيْمَانُ عَلَيْهِمْ بِقَدْرِ عَدَدِهِمْ، وَلَا يَبْرَؤُونَ دُونَ أَنْ يَحْلِفَ كُلُّ إِنْسَانٍ مِنْهُمْ عَنْ نَفْسِهِ خَمْسِينَ يَمِيناً .

امام مالک رحمہ اللہ نے ان لوگوں کے متعلق فرمایا: جن کی تعداد (ایک سے زائد) ہو اور ان سب پر خون کا الزام لگا دیا جائے، پھر مقتول کے ورثاء (خود قسمیں کھانے کی بجائے) ان پر قسمیں لوٹا دیں (یعنی مدعی نے اپنی قسمیں چھوڑ کر مدعا علیہ سے قسم کھانے کو کہے اور مدعا علیہ کی تعداد بھی زیادہ ہو،) وہ گروہ کی شکل میں ہوں جن کی ایک تعداد ہو تو بلاشبہ ان (مدعا علیہ گروہ) میں سے ہر شخص اپنی طرف سے پچاس پچاس قسمیں کھائے گا (بری ہونے کے لیے ہر کسی کو الگ الگ پچاس بار حلف دینا ہوگا) اور قسموں کو ان کی تعداد پر تقسیم نہ کیا جائے گا (سب مل کر ایک ایک قسم کھا کر پچاس کی گنتی پوری نہ کریں گے) اور وہ اس کے بغیر بری نہ ہو سکیں گے کہ ان میں سے ہر شخص پچاس پچاس قسمیں کھائے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَهَذَا أَحْسَنُ مَا سَمِعْتُ فِي ذَلِكَ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور یہی وہ سب سے بہتر قول ہے جو میں نے اس بارے میں سنا ہے۔

فائدہ : ...... امام مالک رحمہ اللہ کے فتوی کی تائید گزشتہ حدیث مبارکہ سے نہیں ہوتی کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے پورے مدعا علیہ گروپ یعنی یہودیوں کے حوالے سے صرف پچاس قسموں کا ذکر فرمایا ہے۔ یہ نہیں کہا: ہر ہر فرد پچاس پچاس قسمیں کھائے، آپ ﷺ نے فرمایا: (فَتُبَرِّئُكُمْ يَهُودُ بِخَمْسِينَ يَمِينًا) ''تو یہودی پچاس پچاس قسمیں کھا کر تم سے بری ہو جائیں گے۔'' (بخاری: 3173، مسلم: 1669/ 1، 3، موطا: 1538)

قَالَ: وَالْقَسَامَةُ تَصِيرُ إِلَى عَصَبَةِ الْمَقْتُولِ، وَهُمْ وُلَاةُ الدَّمِ الَّذِينَ يَقْسِمُونَ عَلَيْهِ، وَالَّذِينَ يُقْتَلُ بِقَسَامَتِهِمْ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: قسامہ مقتول کے عصبہ (آبائی مذکر) رشتہ داروں کی طرف منتقل ہوتی ہے، وہی خون کے متولی ہیں جو اس پر قسمیں کھاتے ہیں اور جن کی قسموں سے (مدعا علیہ کو قصاصاً) قتل کیا جاتا ہے۔

2- بَابُ مَنْ تَجُوزُ قَسَامَتُهُ فِي الْعَمْدِ مِنْ وُلَاةِ الدَّمِ

(مقتول کے) خون کے ان ورثاء کا بیان جن کی قسامت قتل عمد میں جائز ہے

خلاصۃ الباب اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کے سات فتاویٰ جات مذکور ہیں۔

قَالَ يَحْيَى : قَالَ مَالِكٌ : الْأَمْرُ الَّذِي لَا اخْتِلَافَ فِيهِ عِنْدَنَا : أَنَّهُ لَا يَحْلِفُ فِي الْقَسَامَةِ فِي الْعَمْدِ أَحَدٌ مِنَ النِّسَاءِ ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لِلْمَقْتُولِ وُلَاةٌ إِلَّا النِّسَاءُ ، فَلَيْسَ لِلنِّسَاءِ فِي قَتْلِ الْعَمْدِ قَسَامَةٌ وَلَا عَفْوٌ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ حکم جس میں ہمارے ہاں کوئی اختلاف نہیں ہے، یہ ہے کہ بلاشبہ قتل عمد کی قسامت میں عورتوں میں سے کوئی بھی عورت قسم نہیں کھائے گی، اگرچہ مقتول کے لیے عورتوں کے سوا کوئی بھی وارث نہ ہوں۔ لہٰذا عورتوں کے لیے قتل عمد میں نہ تو قسامت اور نہ ہی معافی (کا اختیار) ہے۔

فائدہ: ......امام احمد رحمہ اللہ اور جمہور کا بھی یہی موقف ہے۔ احناف کے ہاں تو سرے سے مدعی پارٹی قسمیں دے ہی نہیں سکتی اور امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں قتل عمد ہو یا قتل خطا ہر دو میں عورتیں بھی قسمیں کھا سکتی ہیں، جمہور کا موقف راجح ہے۔

قَالَ يَحْيَى : قَالَ مَالِكٌ فِي الرَّجُلِ يُقْتَلُ عَمْدًا: أَنَّهُ إِذَا قَامَ عَصَبَةُ الْمَقْتُولِ أَوْ مَوَالِيهِ فَقَالُوا : نَحْنُ نَحْلِفُ وَنَسْتَحِقُّ دَمَ صَاحِبِنَا ، فَذَلِكَ لَهُمْ .

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق جو عمداً قتل کر دیا جاتا ہے، فرمایا: بلاشبہ جب مقتول کے عصبہ یا موالی (دعویٰ کرتے ہوئے) کھڑے ہوں اور کہیں کہ ہم قسمیں کھا لیتے ہیں اور اپنے صاحب (مقتول) کے خون (کے قصاص) کے مستحق بن جاتے ہیں تو یہ ان کے لیے جائز ہے۔

فائدہ: ...... یہاں عصبہ سے مراد میت کے والد کی طرف سے مذکر رشتہ دار ہیں، خواہ انھیں وراثت ملے یا نہ ملے۔ امام احمد رحمہ اللہ کا بھی یہی موقف ہے، اور یہی راجح ہے۔ البتہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک صرف وہ عصبہ قسمیں دیں گے جنھیں مقتول کی وراثت میں سے حصہ بھی ملتا ہو...... موالی سے مراد مقتول کا آزاد کرنے والا آقا اور اس آقا کے عصبہ رشتہ دار ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ : فَإِنْ أَرَادَ النِّسَاءُ أَنْ يَعْفُونَ عَنْهُ ، فَلَيْسَ ذَلِكَ لَهُنَّ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور اگر (مقتول کی وارث) عورتیں ارادہ کریں کہ وہ اس (کے خون) کو معاف کر دیں تو یہ ان کے لیے (جائز) نہیں ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : الْعَصَبَةُ وَالْمَوَالِي أَوْلَى بِذَلِكَ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: عصبہ (آبائی مذکر) رشتہ دار

مِنْهُنَّ، لِأَنَّهُمْ هُمُ الَّذِينَ اسْتَحَقُّوا الدَّمَ وَحَلَفُوا عَلَيْهِ.

اور موالی (مقتول کے آزاد کرنے والے) ان عورتوں کی نسبت اس معافی کے زیادہ حقدار ہیں کیونکہ بلاشبہ وہی تو ہیں جو خون کے مستحق بنتے ہیں اور اس پر حلف دیتے ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ: وَإِنْ عَفَتِ الْعَصَبَةُ أَوِ الْمَوَالِي بَعْدَ أَنْ يَسْتَحِقُّوا الدَّمَ، وَأَبَى النِّسَاءُ وَقُلْنَ لَا نَدَعُ قَاتِلَ صَاحِبِنَا، فَهُنَّ أَحَقُّ وَأَوْلَى بِذَلِكَ، لِأَنَّ مَنْ أَخَذَ الْقَوَدَ أَحَقُّ مِمَّنْ تَرَكَهُ مِنَ النِّسَاءِ وَالْعَصَبَةِ، إِذَا ثَبَتَ الدَّمُ وَوَجَبَ الْقَتْلُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور اگر عصبہ یا موالی نے (قسمیں کھا کر) خون کے مستحق بننے کے بعد اسے معاف کر دیا اور عورتوں نے (اس معافی سے) انکار کر دیا اور کہنے لگیں کہ ہم تو اپنے صاحب (مقتول) کے قاتل کو نہ چھوڑیں گی، تو وہ اس (قصاص) کی زیادہ حقدار اور زیادہ لائق ہیں کیونکہ یقیناً جب خون ثابت ہوجائے اور (قصاصاً) قتل واجب ہوجائے تو عورتوں اور عصبہ رشتہ داروں میں سے جو قصاص لینا چاہے وہ اس شخص کی نسبت زیادہ حقدار ہے جو قصاص چھوڑنا چاہے۔

فائدہ: ......یعنی قسمیں کھا لینے اور قصاص کا حق پا لینے کے بعد ان متولیوں اور وارثوں کی بات مانی جائے گی جو قصاص لینے پر اصرار کریں خواہ وہ عورتیں ہی ہوں اور اگر قصاص کا مستحق بننے سے پہلے ایک وارث بھی قصاص معاف کر دے تو پھر کسی کو قصاص لینے کی اجازت نہیں ملتی۔

قَالَ مَالِكٌ: لَا يُقْسِمُ فِي قَتْلِ الْعَمْدِ مِنَ الْمُدَّعِينَ إِلَّا اثْنَانِ فَصَاعِداً: تُرَدَّدُ الْأَيْمَانُ عَلَيْهِمَا حَتَّى يَحْلِفَا خَمْسِينَ يَمِيناً، ثُمَّ قَدِ اسْتَحَقَّا الدَّمَ، وَذَلِكَ الْأَمْرُ عِنْدَنَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: قتل عمد میں مدعی افراد سے قسم نہ لی جائے گی مگر کم از کم دو یا ان سے زیادہ سے (چنانچہ اگر قسم دینے والا مدعی صرف ایک فرد ہو تو پھر قتل عمد میں قسامت جائز ہی نہیں)، ان دونوں پر قسمیں لوٹائی جاتی رہیں گی، یہاں تک کہ وہ دونوں (ملاکر) پچاس قسمیں کھالیں، پھر وہ دونوں اس خون کے مستحق قرار پائیں گے اور ہمارے ہاں یہی حکم ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَإِذَا ضَرَبَ النَّفَرُ الرَّجُلَ حَتَّى يَمُوتَ تَحْتَ أَيْدِيهِمْ، قُتِلُوا بِهِ جَمِيعاً، فَإِنْ هُوَ مَاتَ بَعْدَ ضَرْبِهِمْ، كَانَتِ الْقَسَامَةُ، وَإِذَا كَانَتِ الْقَسَامَةُ لَمْ تَكُنْ إِلَّا عَلَى رَجُلٍ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور جب (چند افراد کا ایک) گروہ کسی شخص کو مارے پیٹے، یہاں تک کہ وہ ان کے ہاتھوں کے نیچے مرجائے تو اس کے بدلے وہ سب قتل کیے جائیں گے، پھر (لیکن) اگر وہ ان کی ضربوں کے بعد (کسی

وَاحِدٍ، وَلَمْ يُقْتَلْ غَيْرُهُ، وَلَمْ نَعْلَمْ قَسَامَةً كَانَتْ قَطُّ إِلَّا عَلَى رَجُلٍ وَاحِدٍ.

اور وقت) مرے تو قسامت (واجب) ہوگی اور جب قسامت (واجب) ہوگی تو وہ صرف ایک ہی شخص کے خلاف ہوسکتی ہے۔ اس ایک کے علاوہ کسی اور کو قتل نہ کیا جائے گا اور ہمیں کبھی کسی ایسی قسامت کا علم نہیں ہوا جو صرف ایک شخص پر نہ ہو۔

فائدہ :...... کسی روایت سے یہ ثابت نہیں ہوسکا کہ کسی موقع پر قسامت کی وجہ سے مارے جانے والے افراد ایک سے زائد ہوں، جو قسامت بھی ہوئی صرف ایک شخص کے خلاف قصاص ثابت کرنے کے لیے ہوئی اور اس کے ساتھ شریک دوسرے مجرموں کو صرف سو سو کوڑے اور ایک سال قید کی سزا دی جائے گی۔ (زرقانی: 4/286) مذکورہ بالاصورت میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا یہ مؤقف ہے کہ ان سب کے مارنے والوں سے قصاص ہوگا خواہ مقتول فوراً مرے یا بعد میں، اس میں قسامت نہ ہوگی، اور یہی مؤقف راجح ہے۔

3- بَابٌ: الْقَسَامَةُ فِي قَتْلِ الْخَطإِ

قتل خطا میں قسامت کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاوی مذکور ہیں۔

قَالَ يَحْيَى: قَالَ مَالِكٌ: الْقَسَامَةُ فِي قَتْلِ الْخَطَإِ: يُقْسِمُ الَّذِينَ يَدَّعُونَ الدَّمَ وَيَسْتَحِقُّونَهُ بِقَسَامَتِهِمْ، يَحْلِفُونَ خَمْسِينَ يَمِيناً، تَكُونُ عَلَى قَسْمِ مَوَارِيثِهِمْ مِنَ الدِّيَةِ، فَإِنْ كَانَ فِي الْأَيْمَانِ كُسُورٌ إِذَا قُسِمَتْ بَيْنَهُمْ، نُظِرَ إِلَى الَّذِي يَكُونُ عَلَيْهِ أَكْثَرُ تِلْكَ الْأَيْمَانِ إِذَا قُسِمَتْ، فَتُجْبَرُ عَلَيْهِ تِلْكَ الْيَمِينُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے قتل خطا میں قسامت کے متعلق فرمایا: (پہلے) وہ لوگ قسم کھائیں گے جو خون کا دعویٰ کریں (خواہ مرد ہوں یا عورتیں) اور وہ اپنی قسموں کے ساتھ اس (خون کی دیت) کے مستحق بن جائیں گے۔ وہ پچاس قسمیں کھائیں گے اور دیت میں سے ان کے وراثت کے حصوں کی تقسیم ہی کے مطابق ان پر وہ (قسمیں) پڑیں گی، (مثلاً مدعی دو بیٹے ہوں تو وہ پچیس پچیس قسمیں کھائیں گے، ایک بیٹا اور تین بیٹیاں ہوں تو بیٹا بیس جبکہ بیٹیاں دس دس قسمیں کھائیں گی)، پھر جب قسمیں ان (ورثاء) پر تقسیم کی جائیں تو ان میں کسر واقع ہو جائے (یعنی حصوں کے مطابق تقسیم کر کے کچھ قسمیں باقی بچ جائیں اور ان کی تقسیم پوری پوری نہ ہو) تو پھر ان (ورثاء) کو دیکھا جائے گا جن پر تقسیم کرتے وقت ان قسموں کا زیادہ حصہ پڑتا ہے، تو انھی پر وہ (کسر والی یعنی باقی ماندہ قسمیں ڈال کر تقسیم) پوری کر دی جائے گی۔

فائدہ :...... مثلاً ورثاء میں صرف ماں، بیوی اور دو بیٹیاں ہوں تو ماں کو چھٹا حصہ، بیوی کو آٹھواں حصہ

اور بیٹیوں کو وراثت میں سے دو تہائی ملے گا۔ چنانچہ ان میں وراثت تقسیم کرتے وقت کل چوبیس حصے بنائیں گے، چوبیس کے عدد میں سے یہ سب حصے پورے پورے نکل آتے ہیں، بایں طور کہ ماں کو چار، بیوی کو تین اور بیٹیوں کو سولہ حصے ملیں گے، لیکن خود چوبیس حصوں میں سے ایک باقی بچ جاتا ہے تو یہ حصہ بیٹیوں کے کھاتے میں ڈال دیا جائے گا۔

قَالَ مَالِكٌ : فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لِلْمَقْتُولِ وَرَثَةٌ إِلَّا النِّسَاءُ ، فَإِنَّهُنَّ يَحْلِفْنَ وَيَأْخُذْنَ الدِّيَةَ. فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَارِثٌ إِلَّا رَجُلٌ وَاحِدٌ ، حَلَفَ خَمْسِينَ يَمِيناً ، وَأَخَذَ الدِّيَةَ ، وَإِنَّمَا يَكُونُ ذَلِكَ فِي قَتْلِ الْخَطَإِ ، وَلَا يَكُونُ فِي قَتْلِ الْعَمْدِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور اگر عورتوں کے سوا مقتول کا کوئی اور وارث نہ ہو تو بلاشبہ وہ قسمیں کھا کر دیت لے لیں گی اور اگر صرف ایک مرد کے سوا کوئی اور وارث نہ ہو تو وہ بھی (اکیلا ہی) پچاس قسمیں کھا کر دیت لے لے گا اور بلاشبہ یہ صرف اور صرف قتل خطا میں (جائز) ہے اور قتل عمد میں (یہ درست) نہیں ہے۔

4- بَابُ : الْمِيرَاثِ فِي الْقَسَامَةِ

قسامت میں وراثت کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاویٰ مذکور ہیں۔

قَالَ يَحْيَى : قَالَ مَالِكٌ : إِذَا قَبِلَ وُلَاةُ الدَّمِ الدِّيَةَ ، فَهِيَ مَوْرُوثَةٌ عَلَى كِتَابِ اللّٰهِ ، يَرِثُهَا بَنَاتُ الْمَيِّتِ وَأَخَوَاتُهُ ، وَمَنْ يَرِثُهُ مِنَ النِّسَاءِ ، فَإِنْ لَمْ يُحْرِزِ النِّسَاءُ مِيرَاثَهُ ، كَانَ مَا بَقِيَ مِنْ دِيَتِهِ لِأَوْلَى النَّاسِ بِمِيرَاثِهِ مَعَ النِّسَاءِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جب خون کے ورثاء دیت قبول کر لیں تو کتاب اللہ کے مطابق اس کا وارث بنا جائے گا۔ اسے میت کی بیٹیاں اور بہنیں وراثت میں پائیں گی اور وہ عورتیں بھی جو میت کی وارث بن سکتی ہیں، پھر اگر عورتیں اس کی وراثت کو مکمل نہ سمیٹ سکیں تو اس کی دیت میں سے جو کچھ باقی بچے گا، وہ اس قریبی شخص کے لیے ہوگا جو ان عورتوں کے ساتھ میت کی وراثت کا سب لوگوں سے زیادہ حقدار (یعنی میت کا سب سے قریبی مرد رشتہ دار عصبہ بن کر بقیہ ترکہ لے لے گا)۔

قَالَ مَالِكٌ : إِذَا قَامَ بَعْضُ وَرَثَةِ الْمَقْتُولِ الَّذِي يُقْتَلُ خَطَأً ، يُرِيدُ أَنْ يَأْخُذَ مِنَ الدِّيَةِ بِقَدْرِ حَقِّهِ مِنْهَا وَأَصْحَابُهُ غَيَبٌ ، لَمْ يَأْخُذْ ذَلِكَ ، وَلَمْ يَسْتَحِقَّ مِنَ الدِّيَةِ شَيْئاً قَلَّ وَلَا كَثُرَ ، دُونَ أَنْ يَسْتَكْمِلَ الْقَسَامَةَ ، يَحْلِفُ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جب اس مقتول جسے خطا کے ساتھ قتل کر دیا جائے گا، کی دیت پانے والے ورثاء میں سے کوئی کھڑا ہو۔ وہ چاہتا ہو کہ دیت میں سے اپنے حصے کے بقدر لے لے، اس حال میں کہ اس کے باقی ساتھی غائب ہوں، تو وہ اسے نہیں لے سکتا اور قسامت کو مکمل کیے

خَمْسِينَ يَمِيناً، فَإِنْ حَلَفَ خَمْسِينَ يَمِيناً اسْتَحَقَّ حِصَّتَهُ مِنَ الدِّيَةِ، وَذَلِكَ أَنَّ الدَّمَ لَا يَثْبُتُ إِلَّا بِخَمْسِينَ يَمِيناً، وَلَا تَثْبُتُ الدِّيَةُ حَتَّى يَثْبُتَ الدَّمُ، فَإِنْ جَاءَ بَعْدَ ذَلِكَ مِنَ الْوَرَثَةِ أَحَدٌ حَلَفَ مِنَ الْخَمْسِينَ يَمِيناً بِقَدْرِ مِيرَاثِهِ وَأَخَذَ حَقَّهُ، حَتَّى يَسْتَكْمِلَ الْوَرَثَةُ حُقُوقَهُمْ، إِنْ جَاءَ أَخٌ لِأُمٍّ فَلَهُ السُّدُسُ، وَعَلَيْهِ مِنَ الْخَمْسِينَ يَمِيناً السُّدُسُ، فَمَنْ حَلَفَ اسْتَحَقَّ حَقَّهُ مِنَ الدِّيَةِ، وَمَنْ نَكَلَ بَطَلَ حَقُّهُ، وَإِنْ كَانَ بَعْضُ الْوَرَثَةِ غَائِباً، أَوْ صَبِيّاً لَمْ يَبْلُغِ الْحُلُمَ، حَلَفَ الَّذِينَ حَضَرُوا خَمْسِينَ يَمِيناً، فَإِنْ جَاءَ الْغَائِبُ بَعْدَ ذَلِكَ، أَوْ بَلَغَ الصَّبِيُّ الْحُلُمَ، حَلَفَ كُلٌّ مِنْهُمَا، يَحْلِفُونَ عَلَى قَدْرِ حُقُوقِهِمْ مِنَ الدِّيَةِ، وَعَلَى قَدْرِ مَوَارِيثِهِمْ مِنْهَا.

بغیر وہ دیت میں سے کسی چیز کا وارث نہیں بن سکتا، خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر۔ (اسے چاہیے کہ) وہ پچاس قسمیں کھائے، چنانچہ جب وہ پچاس بار قسم اٹھائے گا تو دیت میں سے اپنے حصے کا مستحق ٹھہرے گا اور یہ (اکیلے کی پچاس قسمیں واجب ہونا) اس لیے ہے کہ پچاس قسموں کے بغیر خون ثابت نہیں ہوسکتا اور خون ثابت ہوئے بغیر دیت ثابت نہیں ہوسکتی، پھر اگر اس کے بعد ورثاء میں سے کوئی آجائے تو وہ پچاس میں سے اتنی قسمیں کھائے گا جو اس کے حصہ وراثت کے بقدر ہوں اور وہ اپنا حصہ لے لے گا، یہاں تک کہ (اسی طریقے سے) ورثاء اپنے حقوق کو مکمل کرلیں۔ چنانچہ (اس کی مثال یہ ہے کہ) اگر ماں کی طرف سے (اخیافی) بھائی آجائے تو اس کے لیے (وراثت کا) چھٹا حصہ ہے اور اس پر پچاس قسموں میں سے چھٹا حصہ پڑے گا (جو کہ تقریباً آٹھ بنتی ہیں)، پھر جو کوئی حلف اٹھالے گا وہ دیت میں سے اپنے حق کا مستحق ہوجائے گا اور جو انکار کرے گا، اس کا حق باطل ہوجائے گا اور اگر ورثاء میں سے کوئی غائب ہو یا بچہ ہو یا ابھی بالغ نہ ہوا ہو تو جو لوگ حاضر ہیں وہ پچاس قسمیں کھالیں، پھر اگر اس کے بعد وہ غائب آدمی آجائے تو (اپنے حصے کے حساب سے) قسم اٹھائے یا بچہ بلوغت کی عمر کو پہنچ جائے تو وہ سب دیت میں سے اپنے حقوق کے حساب سے اور اس میں سے اپنے وراثت کے حصہ کے بقدر ہی قسمیں اٹھالیں گے۔

قَالَ يَحْيَى: قَالَ مَالِكٌ: وَهَذَا أَحْسَنُ مَا سَمِعْتُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور یہ سب سے بہترین قول ہے جو میں نے اس بارے میں سنا ہے۔

فائدہ :...... چونکہ یہ قتل خطا کا بیان ہے جس کا معاملہ ذرا ہلکا ہوتا ہے اور پابندیاں کم ہوتی ہیں، اس میں اگر تو سارے ورثاء موجود ہیں تو اپنے اپنے حصے کے حساب سے اکٹھی قسمیں کھالیں لیکن اگر بعض موجود نہ ہوں تو ان کے انتظار کی ضرورت نہیں۔ موجود ورثاء اپنا اپنا حصہ لے سکتے ہیں لیکن چونکہ دیت میں سے حصے لینے کے لیے دیت کو ثابت کرنا لازم ہے اور وہ پچاس قسمیں پوری ہونے سے ہی ثابت ہوسکتی ہے۔ اس لیے یہ موجود وارث، خواہ ایک ہی ہو، مجبوراً پوری

پچاس قسمیں کھالے لیکن دیت میں سے صرف اپنا حصہ لے، باقی ورثاء آئیں گے تو ان کے اپنے حصے کی قسمیں دینا ہوں گی، کیونکہ ابتدائی پچاس قسمیں صرف مجبوراً کھائی گئی تھیں۔

5- بَابٌ: الْقَسَامَةُ فِي الْعَبِيْدِ

غلاموں (کے قتل) میں قسامت کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاویٰ مذکور ہیں۔

قَالَ يَحْيَى : قَالَ مَالِكٌ : الْأَمْرُ عِنْدَنَا فِي الْعَبِيدِ : أَنَّهُ إِذَا أُصِيبَ الْعَبْدُ عَمْدًا أَوْ خَطَأً، ثُمَّ جَاءَ سَيِّدُهُ بِشَاهِدٍ حَلَفَ مَعَ شَاهِدِهِ يَمِينًا وَاحِدَةً، ثُمَّ كَانَ لَهُ قِيمَةُ عَبْدِهِ، وَلَيْسَ فِي الْعَبِيدِ قَسَامَةٌ، فِي عَمْدٍ وَلَا خَطَإٍ، وَلَمْ أَسْمَعْ أَحَدًا مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ قَالَ ذَلِكَ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں غلام کے متعلق یہ حکم ہے کہ بلاشبہ جب غلام کو عمداً یا غلطی سے قتل کر دیا جائے، پھر اس کا آقا ایک گواہ لے آئے یا وہ اپنے گواہ کے ساتھ صرف ایک قسم کھائے گا (جس طرح کے عام معاملات میں ہوتا ہے کہ مدعی دو گواہ لائے، یا ایک گواہ اور ایک قسم پیش کرے) پھر اس کے لیے اس کے غلام کی قیمت واجب ہو جائے گی اور غلاموں میں قسامت نہیں ہے، نہ قتل عمد میں اور نہ قتل خطا میں، اور میں نے اہل علم میں سے کسی کو نہیں سنا جو اس (قسامت) کے قائل ہوں۔

فائدہ :......امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ غلاموں میں بھی قسامت کے قائل ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ : فَإِنْ قُتِلَ الْعَبْدُ عَمْدًا أَوْ خَطَأً، لَمْ يَكُنْ عَلَى سَيِّدِ الْعَبْدِ الْمَقْتُولِ قَسَامَةٌ وَلَا يَمِينٌ، وَلَا يَسْتَحِقُّ سَيِّدُهُ ذَلِكَ إِلَّا بِبَيِّنَةٍ عَادِلَةٍ أَوْ بِشَاهِدٍ، فَيَحْلِفُ مَعَ شَاهِدِهِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر ایک غلام دوسرے غلام کو عمداً یا غلطی سے قتل کر دے تو مقتول غلام کے آقا پر نہ قسامت ہوگی اور نہ کوئی قسم، اس کا آقا اس (مقتول غلام کی قیمت) کا مستحق نہیں بن سکتا مگر عدل والی دلیل (اور ثبوت یعنی دو گواہوں) کے ساتھ یا ایک گروہ کے ساتھ، چنانچہ (ایک گواہ ہو تو) وہ اپنے گواہ کے ساتھ (ایک) قسم کھائے گا۔

قَالَ يَحْيَى : قَالَ مَالِكٌ : وَهَذَا أَحْسَنُ مَا سَمِعْتُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور یہ سب سے بہترین بات ہے جو میں نے سنی ہے۔

42

كِتَابُ الْحُدُوْدِ

شرعی حدود کے مسائل کی کتاب

خلاصۃ الکتاب: اس کتاب میں چھ ابواب اور بائیس روایات ہیں، جن میں سے نو مرفوع (احادیث نبویہ ﷺ) نو موقوف (آثار صحابہ رضی اللہ عنہم) اور چار مقطوع (آثار تابعین رحمہم اللہ) ہیں اور ان تمام میں سے سترہ صحیح اور پانچ ضعیف ہیں، چنانچہ 9 مرفوع روایات میں سے 8 صحیح اور ایک ضعیف ہے، 9 موقوف روایات میں سے 5 صحیح اور 4 ضعیف ہیں اور چاروں مقطوع روایات سنداً صحیح ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے گیارہ فتاویٰ جات بھی اس کتاب میں مذکور ہیں۔

فائدہ: ...... لفظ حدود ''حد'' کی جمع ہے جس کے معنی رکاوٹ کے ہیں، یہ حدود دراصل جرائم کے پھیلاؤ میں رکاوٹ ہوتی ہیں۔ اصطلاحاً اس سے مراد وہ سزا ہے جو اللہ تعالیٰ کا حق ہونے کی وجہ سے مقرر ہو، قصاص، حد قتل اور حد محاربہ (بغاوت) کے علاوہ جو بھی سزائیں قرآن وسنت میں مقرر ہیں انھیں حدود کہا جاتا ہے اور جو مقرر نہیں ہیں انھیں تعزیرات کہا جاتا ہے۔ حدود میں صرف تین سزائیں شامل ہیں: 1- ''حدّ زنا'' سو کوڑے یا رجم، 2- ''حد قذف'' یعنی تہمت زنا کی سزا اسی کوڑے، اور 3- ''حد سرقہ'' یعنی چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا۔ رہا شراب کا معاملہ تو اس کے متعلق راجح یہ ہے کہ وہ تعزیرات میں شامل ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے اس مذکورہ کتاب میں صرف زنا اور تہمت زنا کے مسائل ذکر کیے ہیں، چوری اور شراب کا بیان آگے مستقل کتابوں میں آرہا ہے۔

1- بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجْمِ

رجم (سنگسار) کرنے کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں بارہ روایات ہیں، سات مرفوع یعنی احادیث نبویہ ﷺ، چار موقوف یعنی آثار صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں اور ایک مقطوع یعنی اثر تابعی رحمہ اللہ ہے اور سب کی سب سنداً صحیح ہیں۔

[1540] حَدَّثَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں:

[1540] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب الحدود، باب احكام اهل الذمة واحصانهم اذا زنوا، حديث: 6841، 1329، 3635، 4556، 6819، 7332، 7543، صحيح مسلم، كتاب الحدود، باب رجم اليهود ⇐

اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ قَالَ: جَاءَ تِ الْيَهُودُ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، فَذَكَرُوا لَهُ أَنَّ رَجُلًا مِنْهُمْ وَامْرَأَةً زَنَيَا، فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: مَا تَجِدُونَ فِي التَّوْرَاةِ فِي شَأْنِ الرَّجْمِ؟ فَقَالُوا: نَفْضَحُهُمْ وَيُجْلَدُونَ. فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ: كَذَبْتُمْ، إِنَّ فِيهَا الرَّجْمَ. فَأَتَوْا بِالتَّوْرَاةِ فَنَشَرُوهَا، فَوَضَعَ أَحَدُهُمْ يَدَهُ عَلَى آيَةِ الرَّجْمِ، ثُمَّ قَرَأَ مَا قَبْلَهَا وَمَا بَعْدَهَا، فَقَالَ لَهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ: ارْفَعْ يَدَكَ، فَرَفَعَ يَدَهُ، فَإِذَا فِيهَا آيَةُ الرَّجْمِ، فَقَالُوا: صَدَقَ يَا مُحَمَّدُ، فِيهَا آيَةُ الرَّجْمِ. فَأَمَرَ بِهِمَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَرُجِمَا. فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ: فَرَأَيْتُ الرَّجُلَ يَحْنِي عَلَى الْمَرْأَةِ يَقِيهَا الْحِجَارَةَ.

یہودی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، پھر انھوں نے آپ ﷺ سے ذکر کیا کہ ان میں سے ایک مرد اور ایک عورت نے زنا کا ارتکاب کیا ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم تورات میں رجم کے متعلق کیا (لکھا ہوا) پاتے ہو؟“ انھوں نے کہا ہے: ہم انھیں رسوا کرتے ہیں اور انھیں کوڑے مارے جاتے ہیں۔ تو حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ (جو اسلام لانے سے قبل یہودی عالم تھے) کہنے لگے: تم نے جھوٹ کہا ہے، یقیناً تورات میں رجم مذکور ہے۔ وہ تورات لے آئے اور اسے کھول دیا تو ان میں سے ایک نے رجم والی آیت پر ہاتھ رکھ لیا، پھر اس سے پہلے اور اس کے بعد (والی آیات تورات) کو پڑھنے لگا، سو حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: اپنا ہاتھ اٹھاؤ، اس نے اپنا ہاتھ اٹھایا تو نا گہاں اس میں رجم والی آیت (چمک رہی) تھی۔ چنانچہ وہ کہنے لگے: اے محمد ﷺ! اس (عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے سچ کہا ہے)، واقعی اس میں رجم والی آیت ہے، پھر رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کے متعلق حکم فرمایا تو وہ رجم کر دیے گئے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: میں نے دیکھا کہ وہ آدمی عورت پر جھکا جا رہا تھا اور اسے پتھروں سے بچا رہا تھا۔

قَالَ مَالِكٌ: مَعْنَى يَحْنِي يُكِبُّ عَلَيْهَا، حَتَّى تَقَعَ الْحِجَارَةُ عَلَيْهِ.

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (حدیث کے لفظ) ”یَحْنِی“ کا مطلب یہ ہے کہ وہ آدمی اس پر جھک رہا تھا تاکہ پتھر اس (مرد) پر پڑیں (اور عورت محفوظ رہے)۔

فائدہ: ......بعض روایات میں ہے کہ انھوں نے یہ بھی کہا تھا کہ ہم (یہودی) ان دونوں (زنا کاروں) کا منہ کالا کر دیتے ہیں اور انھیں مار پیٹ کرتے ہیں۔ (بخاری: 4556) انھیں اونٹ پر بٹھاتے ہیں، اس طرح کہ دونوں کا منہ مخالف سمت میں ہوتا ہے۔ (مسلم: 1699) تورات پڑھنے والا شخص کانا تھا۔ (بخاری: 7543) ان دونوں زنا کاروں کو عیدگاہ جہاں جنازے بھی پڑے جاتے تھے اور جسے بلاط کہا جاتا تھا، میں رجم کیا گیا۔ (بخاری: 1329، 6819) سب سے پہلے خوارج نے، پھر معتزلہ نے اور پھر منکرین حدیث نے رجم کی سزا کو تسلیم نہیں کیا۔

⇐ اهل الذمة فى الزنا، حديث: 1699، ابوداؤد: 4446، ترمذى: 1436، نسائى فى الكبرى: 7215، ابن ماجة: 2556، احمد: 7/2- 4529، دارمى: 2321.

[1541] حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ: أَنَّ رَجُلاً مِنْ أَسْلَمَ جَاءَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ فَقَالَ لَهُ: إِنَّ الأَخِرَ زَنَا. فَقَالَ لَهُ أَبُو بَكْرٍ: هَلْ ذَكَرْتَ هَذَا لأَحَدٍ غَيْرِي؟ فَقَالَ؟ لا. فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: فَتُبْ إِلَى اللَّهِ وَاسْتَتِرْ بِسِتْرِ اللَّهِ، فَإِنَّ اللَّهَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ. فَلَمْ تُقْرِرْهُ نَفْسُهُ حَتَّى أَتَى عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، فَقَالَ لَهُ مِثْلَ مَا قَالَ لأَبِي بَكْرٍ، فَقَالَ لَهُ عُمَرُ مِثْلَ مَا قَالَ لَهُ أَبُو بَكْرٍ، فَلَمْ تُقْرِرْهُ نَفْسُهُ حَتَّى جَاءَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَقَالَ لَهُ: إِنَّ الأَخِرَ زَنَا. فَقَالَ سَعِيدٌ: فَأَعْرَضَ عَنْهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ثَلاثَ مَرَّاتٍ، كُلُّ ذَلِكَ يُعْرِضُ عَنْهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ، حَتَّى إِذَا أَكْثَرَ عَلَيْهِ، بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِلَى أَهْلِهِ فَقَالَ: أَيَشْتَكِي أَمْ بِهِ جِنَّةٌ؟ فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَاللَّهِ إِنَّهُ لَصَحِيحٌ. فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: أَبِكْرٌ أَمْ ثَيِّبٌ فَقَالُوا: بَلْ ثَيِّبٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ. فَأَمَرَ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَرُجِمَ.

سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک اسلم قبیلے کا ایک آدمی (حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اوران سے کہنے لگا: اس نالائق (ذلیل، کمینے) نے زنا کرلیا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا: کیا تم نے اس کا تذکرہ میرے سوا کسی اور کے سامنے کیا ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس سے فرمانے لگے: تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ تائب ہوجاؤ اور اللہ کے پردے کے ساتھ پردہ ہی رکھو (جب اللہ تعالیٰ نے تمھاری پردہ پوشی کی ہے تو تم اسے پردے ہی میں رہنے دو اور اللہ ہی کے حضور توبہ کرلو) یقیناً اللہ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ (لیکن) اس (ماعز رضی اللہ عنہ) کے جی نے اسے قرار نہ لینے دیا (وہ بے چین ہی رہا) یہاں تک کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، پھر اس نے ان سے بھی اسی طرح کہا جیسا اس نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اس سے اسی طرح کہا، جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس سے فرما چکے تھے۔ سعید بن مسیب رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس کے نفس (دل) نے اسے قرار نہ آنے دیا (وہ بے قرار ہی رہا اور اس کی تسلی وتسکین نہ ہوئی) یہاں تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آگیا اور آپ ﷺ سے عرض کرنے لگا: اس بدبخت نے زنا کرلیا ہے۔ سعید بن مسیب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے اعراض کرلیا (اور اپنا رخ انور اس سے پھیرلیا، اس نے) تین بار ایسا ہی کہا، ہر بار رسول اللہ ﷺ اس سے منہ پھیرتے رہے، یہاں تک کہ جب اس نے آپ ﷺ پر بہت (اصرار سے اظہار اور اقرار) کیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے گھر والوں کی

[1541] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب الحدود، باب سؤال الامام المقرهل احصنت، حدیث: 6825، 5271، 6815، 7167، صحیح مسلم، کتاب الحدود، باب من اعترف علی نفسه بالزنا، حدیث: 1691/ 16، ابوداود: 4428، ترمذی: 1428، نسائی فی الکبریٰ: 7177، ابن ماجه: 2554، احمد: 2/ 453 (9844)۔

طرف پیغام بھیجا (اور دریافت کروایا) کہ ''کیا یہ بیمار ہے؟ کیا اس کے ساتھ جنون (اور پاگل پن لاحق) ہے؟'' تو انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ کی قسم! یقیناً یہ بالکل صحیح ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا: ''کیا تم کنوارے ہو یا شادی شدہ؟'' اس نے کہا: بلکہ میں تو شادی شدہ ہوں اے اللہ کے رسول! چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے متعلق حکم فرمایا تو اسے رجم کر دیا گیا۔

فائدہ :...... جب حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کو عیدگاہ میں رجم کیا جانے لگا تو وہ بھاگ پڑے، پھر حرہ جگہ میں رجم ہوئے۔(بخاری: 5270، مسلم: 1691/ 16) اور رسول اللہ ﷺ نے ان پر نماز جنازہ بھی پڑھی۔(بخاری: 6820) اس واقعے سے معلوم ہوا کہ اقرار کرنے والے کو شروع شروع میں موقع دینا چاہیے کہ وہ اقرار سے رجوع کر کے تنہائی میں توبہ کر لے۔ چنانچہ بعض روایات میں ہے کہ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ چار دن تک، آپ ﷺ کے پاس آتے رہے اور پہلے تین دن آپ ﷺ انھیں واپس لوٹاتے رہے۔(مسلم: 1695/ 23) پھر آخری بار میں وہ آئے اور کہنے لگے: حضور! مجھے پاک کر دیجیے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''تیری ہلاکت ہو، چلے جاؤ اور توبہ و استغفار کر لو۔'' وہ تھوڑی دور جا کر پھر واپس پلٹ آئے، پھر چوتھی بار آپ ﷺ نے پوچھا کہ ''تجھے کس چیز سے پاک کروں؟''(مسلم: 1695/ 22) پھر یہ تحقیق بھی مکمل ہو جانی چاہیے کہ واقعی زنا ہوا ہو، یہ نہ ہو کہ آدمی زنا کے ابتدائی مراحل کو زنا کا آخری مرحلہ سمجھ کر خود کو رجم کروا رہا ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے مندرجہ ذیل سوال پوچھے تھے: (1) تو مجنون تو نہیں؟ (2) کیا تو شادی شدہ ہے؟ (بخاری: 6825، مسلم: 1691/ 16) (3) شاید تو نے محض بوسہ دیا ہو؟ یا ہاتھ وغیرہ لگایا ہو یا شہوت (کی نظر) سے دیکھا ہو؟ (بخاری: 6824) (4) کیا تو اس کے ساتھ لیٹا ہے؟ (5) کیا تو نے اس سے مباشرت کی؟ (6) کیا تو نے اس سے جماع کیا؟ (ابوداود: 4419۔ اس کی سند حسن ہے) (7) (اَنِکْتَهَا) (بخاری: 6824) یہ سب سے واضح لفظ تھا یعنی کیا تو نے اس طرح دخول کیا ہے جیسے سرمے دانی میں سلائی اور کنویں میں رسی ہوتی ہے؟ (ابوداود: 4428، ابن حبان: 1513۔ اس کی سند کچھ کمزور ہے) (8) آپ ﷺ نے دوسرے اور تیسرے دن اس کے گھر والوں کے پاس پیغام بھجوا کر پوچھا: کیا اس کی عقل میں فتور تو نہیں۔(مسلم: 1695/ 23) (9) پھر یہ پیغام بھی بھیجا تھا کہ کیا یہ بیمار یا مجنون تو نہیں۔(موطا: 1540) (10) حاضر لوگوں سے بھی آپ ﷺ نے پوچھا تھا کہ اس نے شراب تو نہیں پی؟ چنانچہ ایک شخص نے سونگھ کر بتایا کہ نہیں۔(مسلم: 1695/ 22)۔

بعد ازاں جب اسے رجم کرایا تو اسی شام آپ ﷺ نے زنا کی شدید قسم کی تردید کی اور مجاہدین کی عدم موجودگی میں ان کی بیویوں سے ناجائز تعلقات کی کوشش کرنے والوں کو عبرتناک سزا دینے کا اظہار کیا اور ایسے لوگوں کے لیے سخت قسم کے الفاظ استعمال کیے۔(مسلم: 1692، 1694) اس موقع پر آپ ﷺ نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے لیے نہ استغفار کیا اور نہ اسے برا بھلا کہا۔(مسلم: 1694)...... منکرین حدیث آپ ﷺ کے اس خطبے کو دلیل بنا کر بکواسات کرتے ہیں اور

حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے متعلق بہت غلیظ اور فحش قسم کے الفاظ استعمال کرتے ہیں، حالانکہ ایک طرف وہ حدیث کو ہی نہیں مانتے۔ نیز اس کے ساتھ ہی موجود اس حدیث سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں کہ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دو گروہ بن گئے تھے۔ بعض کہتے تھے کہ اس کے گناہ نے اسے ہلاک کر دیا اور بعض کہہ رہے تھے کہ نہیں، بھلا اس سے افضل کس کی توبہ ہوگی کہ جس نے اپنی جان تک کا نذرانہ پیش کر دیا، پھر اس واقعہ کے دو یا تین دن بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا: ''ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ کے لیے استغفار کرو۔'' لوگوں نے ان کے لیے بخشش مانگی تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یقیناً اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ایک امت کے درمیان میں تقسیم کر دی جائے تو سب کو وسیع ہو جائے (اور سب بخشے جائیں)(مسلم:1695/ 22)

[1542] حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، أَنَّهُ قَالَ: بَلَغَنِي أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لِرَجُلٍ مِنْ أَسْلَمَ يُقَالُ لَهُ هَزَّالٌ: يَا هَزَّالُ لَوْ سَتَرْتَهُ بِرِدَائِكَ لَكَانَ خَيْرًا لَكَ قَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ: فَحَدَّثْتُ بِهَذَا الْحَدِيثِ فِي مَجْلِسٍ فِيهِ يَزِيدُ بْنُ نُعَيْمِ بْنِ هَزَّالٍ الْأَسْلَمِيِّ، فَقَالَ يَزِيدُ: هَزَّالٌ جَدِّي وَهَذَا الْحَدِيثُ حَقٌّ.

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ، سعید بن مسیب رحمہ اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلم قبیلے کے ایک آدمی جسے ہزال کہا جاتا تھا، سے فرمایا: ''اے ہزال! اگر تو اس (ماعز رضی اللہ عنہ) پر اپنی چادر کے ساتھ پردہ ڈال دیتا تو تیرے لیے بہتر ہوتا۔'' یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نے (ایک دفعہ) یہ حدیث ایک ایسی محفل میں بیان کی جس میں (حضرت ہزال رضی اللہ عنہ کے پوتے) یزید بن نعیم بن ہزال اسلمی رحمہ اللہ موجود تھے، تو وہ کہنے لگے کہ حضرت ہزال رضی اللہ عنہ میرے دادا تھے اور یہ حدیث (بالکل) سچ ہے۔

فائدہ: ......حضرت ہزال بن یزید رضی اللہ عنہ کی ایک لونڈی یا آزاد کردہ لونڈی تھی جس کا نام فاطمہ تھا۔ اسی سے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ نے زنا کیا تھا، جس کا علم حضرت ہزال رضی اللہ عنہ کو ہو گیا۔ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کو حالت یتیمی میں حضرت ہزال رضی اللہ عنہ ہی نے پالا تھا اور وہ انھی کے پاس رہتے تھے۔ (ابو داود:4419۔ اس کی سند صحیح ہے) سو وہ ان سے کہنے لگے: خود ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلے جاؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمھارے متعلق قرآن مجید میں وحی آ جائے اور پھر شرمندہ ہونا پڑے۔ (نسائی بحوالہ زرقانی: 4/ 185)

[1542] (مرفوع صحیح) سنن ابی داود، کتاب الحدود، باب الستر علی اهل الحدود، حدیث: 4377، نسائی فی الکبری: 7274، 7278- 7280، احمد: 5/ 217 (22239)۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ (ارواء الغلیل: 7/ 358، صحیح الترغیب والترھیب: 2335)۔

[1543] حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ: أَنَّ رَجُلاً اعْتَرَفَ عَلَى نَفْسِهِ بِالزِّنَا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، وَشَهِدَ عَلَى نَفْسِهِ أَرْبَعَ مَرَّاتٍ، فَأَمَرَ بِهِ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَرُجِمَ. قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: فَمِنْ أَجْلِ ذَلِكَ يُؤْخَذُ الرَّجُلُ بِاعْتِرَافِهِ عَلَى نَفْسِهِ.

ابن شہاب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اپنے آپ پر چار بار زنا کا ارتکاب کیا اور اپنے خلاف چار بار گواہی دی، تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے متعلق حکم دیا، چنانچہ اسے رجم کر دیا گیا۔ ابن شہاب رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس (حدیث) کی وجہ سے آدمی کے اپنے خلاف اعتراف کر لینے کی بنا پر اس کا مؤاخذہ کیا جاتا ہے۔

فائدہ:...... امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کے ہاں چار مرتبہ زنا کا اقرار شرط ہے، ورنہ حد ساقط ہو جائے گی، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں چار الگ الگ مجلسوں میں اقرار بھی شرط ہے جبکہ امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک یہ شرط نہیں...... امام شافعی رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ اور اہلحدیث کے ہاں ایک مرتبہ اقرار ہی کافی ہے کیونکہ چار مزید واقعات ثابت ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ نے صرف ایک اعتراف ہی کو کافی جانا۔

1- غامد قبیلے کی عورت کا اقرار۔ (مسلم:1695)

2- حضرت انیس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے انیس رضی اللہ عنہ! صبح کو اس آدمی کی بیوی کے پاس جانا، اگر وہ اعتراف کر لے تو اسے رجم کر دینا۔ (بخاری:6827، 6828، مسلم:1697، 1698)

3- حضرت لجلاج رضی اللہ عنہ نے بھی ایک آدمی کے متعلق یہی کچھ ذکر فرمایا۔ (ابوداود: 4435، احمد: 3/ 397۔ اس کی سند حسن ہے)

4- ایک عورت کے ساتھ زنا بالجبر ہوا، اس نے جس آدمی کا ذکر کیا اس کے رجم کا حکم جاری ہوا تو اصل زانی نے اقرار کر لیا سو آپ ﷺ نے اس کے رجم کا حکم فرما دیا، پھر فرمایا: یقیناً اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اہل مدینہ ایسی توبہ کرتے تو وہ ان سے قبول ہو جاتی۔ (ابوداود:4379، ترمذی:1454۔ اس کی سند حسن ہے)

رہا حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کا واقعہ تو وہ اس اعتبار سے خاص ہے کہ آپ ﷺ کو اس کی عقل پر شبہ سا تھا، اس لیے اس سے چار بار ہی نہیں بلکہ کئی بار اقرار کروایا اور اس نے بھی چار سے زائد بار اقرار کیا، سو اگر اسے دلیل بنانا ہے تو پھر چار سے زائد بار اقرار کی شرط بھی لگانا پڑے گی۔

[1543] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب الحدود، باب سؤال الامام المقر هل احصنت، حدیث: 6825، 5271، 6815، 7167، صحیح مسلم، کتاب الحدود، باب من اعترف على نفسه بالزنا، حدیث: 1691/ 16، ابوداود: 4428، ابن ماجه: 2554، ترمذی: 1429، احمد:2/ 453 (9844).

[1544] حَدَّثَنِي مَالِكٌ ، عَنْ يَعْقُوبَ بْنِ زَيْدِ بْنِ طَلْحَةَ ، عَنْ أَبِيهِ زَيْدِ بْنِ طَلْحَةَ ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ : أَنَّ امْرَأَةً جَاءَتْ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَأَخْبَرَتْهُ أَنَّهَا زَنَتْ وَهِيَ حَامِلٌ ، فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : اذْهَبِي حَتَّى تَضَعِي فَلَمَّا وَضَعَتْ جَاءَتْهُ ، فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : اذْهَبِي حَتَّى تُرْضِعِيهِ فَلَمَّا أَرْضَعَتْهُ جَاءَتْهُ فَقَالَ : اذْهَبِي فَاسْتَوْدِعِيهِ قَالَ فَاسْتَوْدَعَتْهُ ، ثُمَّ جَاءَتْ ، فَأَمَرَ بِهَا فَرُجِمَتْ .

عبداللہ بن ابی ملیکہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ ایک عورت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور اس نے آپ ﷺ کو خبر دی: یقیناً اس نے زنا کرلیا ہے اور وہ حاملہ بھی ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''چلی جاؤ، یہاں تک کہ بچہ کو جنم دے دو (تو پھر آنا)۔'' چنانچہ جب اس نے بچہ جنا تو وہ آپ ﷺ کے پاس آگئی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''چلی جاؤ، یہاں تک کہ اسے (پرورش، کفالت اور حفاظت کے لیے) کسی کے سپرد کردو۔'' عبداللہ بن ابی ملیکہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس نے اسے (کسی کے) سپرد کیا، پھر وہ آگئی، سو آپ ﷺ نے اس کے متعلق حکم دیا، پھر اسے رجم کردیا گیا۔

فائدہ :......اس عورت کا نام معلوم نہیں ہوسکا، اس کے قبیلے کا نام جہینہ (مسلم:1696)، غامد اور ازد (مسلم: 1695/ 22) منقول ہے۔ دراصل ازد بڑا قبیلہ تھا جس کی ایک شاخ جہینہ تھی اور اس شاخ کے ایک خاندان کا نام غامد تھا، اسی لیے یہ عورت غامدیہ کے نام سے مشہور ہے۔ یاد رہے کہ یہ آزاد عورت تھی کیونکہ اگر یہ لونڈی ہوتی تو اسے رجم نہ کیا جاتا۔ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کا واقعہ اس واقعے سے الگ ہے جو ایک لونڈی کے ساتھ پیش آیا تھا، اس عورت نے کتنی مدت دودھ پلایا، اس کی تعیین تو نہیں ہوسکی البتہ جب وہ اسے لے کر آئی تھی تو بچے کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا اور وہ کھانا کھانے لگ گیا تھا۔ (مسلم: 1695/ 23) یہ روایت حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی ہے اور انھی کی ایک روایت میں ہے کہ ایک انصاری آدمی نے اس بچے کو دودھ پلانے کی ذمہ داری لی تھی۔ (مسلم:1695/ 22) ممکن ہے کہ ابھی کچھ مدت رضاعت باقی ہو، کیونکہ بچہ دو سال مدت رضاعت پوری ہونے سے قبل ہی روٹی کھانا شروع کردیتا ہے۔ الغرض کچھ عرصہ وہ دودھ پلاتی رہی اور باقی ماندہ مدت رضاعت اس انصاری صحابی رضی اللہ عنہ نے پوری کرائی۔ نیز یوں محسوس ہوتا ہے کہ عورت نے جاکر وہ بچہ اسی انصاری آدمی کے سپرد کیا تھا، بعدازاں رسول اللہ ﷺ نے خود بھی اس انصاری کو بلاکر اپنی نگرانی میں وہ بچہ اسے سونپا۔ واللہ اعلم

رسول اللہ ﷺ نے حکم دے کر اس کے لیے سینے تک گہرا گڑھا کھدوایا، پھر اس میں اسے کھڑا کرکے رجم کروایا۔

[1544] (مرفوع صحيح) صحيح مسلم، كتاب الحدود، باب من اعترف على نفسه بالزنا، حديث:1695، سنن ابى داود، كتاب الحدود، باب فى المراة التى امر برجمها من جهينة، حديث: 4442، نسائى فى الكبرى: 7197، احمد: 5/ 348 (23337)، دارمى:2324.

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی ضرب پر اس کے سر سے خون کے چھینٹے اُڑے اور ان پر پڑے، انھوں نے اسے گالی دے دی تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں منع کیا اور فرمایا: اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اہل مدینہ میں سے ستر بندے اس کے ساتھ بخشے جاسکتے تھے۔ (مسلم: 1696) بلکہ ظالمانہ ٹیکس وصول کرنے والا اور چنگی بنانے والا بھی اس توبہ سے معاف ہو جاتا۔ (مسلم: 1695/ 23) پھر آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ ادا کی اور پھر اسے دفنا دیا گیا۔

[1545] حَدَّثَنِي مَالِكٌ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ ، أَنَّهُمَا أَخْبَرَاهُ : أَنَّ رَجُلَيْنِ اخْتَصَمَا إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ ، فَقَالَ أَحَدُهُمَا : يَا رَسُولَ اللّٰهِ اقْضِ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللّٰهِ . وَقَالَ الآخَرُ ، وَهُوَ أَفْقَهُهُمَا : أَجَلْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ فَاقْضِ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللّٰهِ ، وَائْذَنْ لِي أَنْ أَتَكَلَّمَ . قَالَ : تَكَلَّمْ فَقَالَ : إِنَّ ابْنِي كَانَ عَسِيفاً عَلَى هٰذَا ، فَزَنَا بِامْرَأَتِهِ ، فَأَخْبَرَنِي أَنَّ عَلَى ابْنِي الرَّجْمَ ، فَافْتَدَيْتُ مِنْهُ بِمِئَةِ شَاةٍ وَبِجَارِيَةٍ لِي ، ثُمَّ إِنِّي سَأَلْتُ أَهْلَ الْعِلْمِ ، فَأَخْبَرُونِي : أَنَّ مَا عَلَى ابْنِي جَلْدُ مِائَةٍ وَتَغْرِيبُ عَامٍ ، وَأَخْبَرُونِي أَنَّمَا الرَّجْمُ عَلَى امْرَأَتِهِ . فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ : أَمَا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَأَقْضِيَنَّ بَيْنَكُمَا بِكِتَابِ اللّٰهِ ، أَمَّا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک دو آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس جھگڑا لے کر آئے۔ ان میں سے ایک نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہمارے درمیان اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ فرمایئے اور دوسرے نے جو ان میں سے زیادہ سمجھدار (محسوس ہو رہا) تھا، کہا: جی ہاں، اے اللہ کے رسول! ہمارے درمیان کتاب اللہ پر فیصلہ کیجیے اور مجھے اجازت دیجیے کہ میں گفتگو (کا آغاز) کروں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''بولو'' وہ کہنے لگا: بے شک میرا بیٹا اس شخص کے پاس مزدور تھا، اس نے اس کی بیوی کے ساتھ زنا کر لیا تو مجھے (کسی نے) خبر دی کہ میرے بیٹے پر رجم (کی سزا) ہے، تو میں نے اس کے فدیے میں سو بکریاں اور اپنی ایک لونڈی دے دی، پھر بے شک میں نے اہل علم سے سوال کیا تو انھوں نے مجھے خبر دی کہ بے شک وہ سزا جو میرے بیٹے پر پڑتی ہے وہ تو سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے (کیونکہ وہ ابھی کنوارا ہے) اور بلا شبہ رجم تو صرف اور صرف

[1545] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب الایمان والنذور، باب کیف کانت یمین النبی ﷺ، حدیث: 6633، 6634، 2314، 2315، 2695، 2696، 2724، 2725، 6827، 6828، 6835-6838، 6842، 6843، 6856، 6860، 7193، 7194، 7258، 7260، 7278، 7279، صحیح مسلم، کتاب الحدود، باب من اعترف علی نفسه بالزنا، حدیث: 1697، 1698، ابوداود: 4445، ترمذی: 1433، نسائی: 5412، ابن ماجه: 2549، احمد: 4/ 115 (17164) دارمی: 2317۔

غَنَمُكَ وَجَارِيَتُكَ فَرَدٌّ عَلَيْكَ وَجَلَدَ ابْنَهُ مِئَةً، وَغَرَّبَهُ عَاماً، وَأَمَرَ أُنَيْساً الأَسْلَمِيَّ أَنْ يَأْتِيَ امْرَأَةَ الآخَرِ، فَإِنِ اعْتَرَفَتْ رَجَمَهَا. قَالَ: فَاعْتَرَفَتْ فَرَجَمَهَا.

اس (میرے ساتھی) کی بیوی پر ہے،تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں تمھارے درمیان ضرور ضرور اللہ ہی کی کتاب کے ساتھ فیصلہ کروں گا۔رہیں تیری بکریاں اور لونڈی تو وہ تجھ پر لوٹادی جائیں گی۔'' اور آپ ﷺ نے اس کے بیٹے کو سوکوڑے لگوائے اور ایک سال کے لیے جلا وطن کر دیا اور حضرت انیس اسلمی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اس دوسرے شخص کی بیوی کے پاس جائیں، پھر اگر تو وہ اعتراف کر لے تو اسے رجم کر دیں، چنانچہ اس نے اعتراف کر لیا تو انھوں نے اسے رجم کر دیا۔

قَالَ مَالِكٌ: وَالْعَسِيفُ الأَجِيرُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: (حدیث کے لفظ) ''اَلْعَسِیف'' سے مراد اجیر یعنی (اجرت پر رکھا ہوا) مزدور ہے۔

فائدہ:...... یہ شخص جس کی بیوی رجم ہوئی اعراب (بدوی، خانہ بدوشوں) میں سا تھا۔ (بخاری: 2695، 2696، مسلم: 1697، 1698) رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمانا کہ میں کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا، اس بات کی دلیل ہے کہ رجم کا حکم قرآن مجید میں نازل ہوا تھا، اگرچہ بعد میں اس کی تلاوت منسوخ کر دی گئی لیکن حکم باقی رہا۔ تمام محدثین اور فقہاء، سوائے احناف کے، اس بات کے قائل ہیں کہ کنوارے زانی کی سزا میں ایک سال کی جلاوطنی شرعی حد کا حصہ ہے، احناف اسے واجب نہیں کہتے اور اسے حاکم کی صوابدید پر تعزیری سزا شمار کرتے ہیں، پھر کبھی اسے منسوخ قرار دیتے ہیں، کبھی خبر واحد کے ساتھ قرآن مجید پر زیادتی قرار دیتے ہیں، کبھی یہ احتمال پیش کرتے ہیں کہ جلاوطن کرنے میں بڑے نقصانات کا اندیشہ ہے اور یہ سب کچھ انجام ہے تقلید جامد کا۔ حالانکہ یہ سب کچھ حدیث پیغمبر ﷺ کے مقابلے میں محض قیاس آرائیاں ہیں جو قطعاً غلط ہیں، واقعی پیغمبر ﷺ کی راہ کو چھوڑنے والا اسی طرح کی غلط راہوں میں بھٹک کر مزید خرابیوں میں مبتلا ہوتا رہتا ہے۔

[1546] حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ قَالَ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ: أَرَأَيْتَ لَوْ إِنِّي وَجَدْتُ مَعَ امْرَأَتِي رَجُلاً، أَأُمْهِلُهُ حَتَّى آتِيَ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: نَعَمْ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: مجھے بتائیے کہ اگر میں اپنی بیوی کے ساتھ کسی شخص کو دیکھ لوں تو کیا اسے مہلت دوں، یہاں تک کہ چار گواہ لے آؤں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں۔''

فائدہ:...... یہ روایت انھی الفاظ اور اسی متن کے ساتھ پیچھے کتاب الاقضیہ کے باب: 19 میں 1430

[1546] (مرفوع صحیح) صحیح مسلم، کتاب اللعان، حدیث: 1498/ 15، سنن ابی داود، کتاب الدیات، باب فیمن وجد مع اهله رجلا ایقتله، حدیث: 4533، نسائی فی الکبری: 7333، احمد: 2/ 456 (10008).

نمبر پر گزر چکی ہے۔ مسلم شریف میں تفصیل موجود ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان سن کر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کہنے لگے ہرگز نہیں، قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے! میں تو یقیناً اس سے پہلے ہی تلوار کے ساتھ اس کا مؤاخذہ کر چکا ہوں گا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سنو، تمھارے سردار کیا کہہ رہے ہیں، یقیناً وہ بہت ہی غیرت مند ہیں۔ اور میں اس سے زیادہ غیرت والا ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے بھی زیادہ غیرت والے ہیں۔" (مسلم: 1498/ 16) یعنی حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا میری بات ماننے سے انکار ان کی فطری غیرت کی بنا پر ہے، کیونکہ وہ مجھے حق کے ساتھ مبعوث شدہ تو تسلیم کر رہے ہیں اور ان کا مقصد یہ ہے کہ اس موقع پر کون یہ سوچے گا کہ لوگوں کو جا کر بتائے کہ دیکھو میری بیوی کیا کر رہی ہے، تم اس پر گواہ بن جاؤ۔ بہرحال یہ انسانی فطری غیرت کی ایک جھلک ہے۔ رہا میرا اور اللہ کا چار گواہوں کے متعلق فیصلہ تو وہ غیرت کے خلاف نہیں، کیونکہ غیرت کا مسئلہ اپنی جگہ، اگر ہر خاوند کی بات کو تسلیم کیا جائے اور اس کے عذر غیرت کو قبول کیا جائے تو اس چیز کو بہانہ بنا کر بیویوں کا قتل عام شروع ہو جائے گا...... بہرحال بعد میں اللہ تعالیٰ نے خاوند بیوی کے مذکورہ معاملے میں "لعان" کا حکم نازل فرما دیا تھا، تفصیل کے لیے دیکھیے کتاب الطلاق کے باب: 13 کی روایات: 1169، 1170 دیکھیں۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ انصار کے قبیلہ خزرج کے سردار تھے، اسی طرح کی بات انصار کے حلیف قبیلے بنو عجلان کے سردار حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ نے بھی کی تھی، اس وقت اسی قبیلے کے حضرت عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ کا قصہ پیش آیا تھا، دیکھیے مؤطا: 1169۔

[1547] حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ قَالَ: سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَقُولُ: الرَّجْمُ فِي كِتَابِ اللَّهِ حَقٌّ عَلَى مَنْ زَنَى مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ إِذَا أُحْصِنَ، إِذَا قَامَتِ الْبَيِّنَةُ أَوْ كَانَ الْحَبَلُ أَوِ الِاعْتِرَافُ.

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو سنا، وہ فرما رہے تھے: رجم اللہ کی کتاب میں برحق ہے، اس شخص پر (یہ لاگو ہوگا) جس نے زنا کیا، خواہ وہ مردوں میں سے ہو یا عورتوں میں سے، (بشرطیکہ) جب وہ شادی شدہ ہو (اور بشرطیکہ) جب (چار) گواہ قائم ہوں، یا حمل (ظاہر) ہو یا اعتراف (کر لیا گیا) ہو۔

فائدہ:...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے آخری حج جس کے چند دن بعد وہ شہید کر دیے گئے تھے، میں کچھ افواہیں سن کر مدینہ منورہ واپس پہنچتے ہی جمعۃ المبارک کے دوران ایک اہم خطبہ دیا۔ جس میں مختلف امور کے ساتھ رجم

[1547] (موقوف صحیح) صحیح مسلم، کتاب الحدود، باب رجم الثیب فی الزنا، حدیث: 1691، جامع الترمذی، کتاب الحدود، باب ماجاء فی تحقیق الرجم، حدیث: 1432، نسائی فی الکبری: 7157، ابن ماجہ: 2553، احمد: 1/ 40(276).

کے متعلق یہ مذکورہ نوٹ بھی دیا۔ (بخاری:6830)

[1548] حَدَّثَنِي مَالِكٌ ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ ، عَنْ أَبِي وَاقِدٍ اللَّيْثِيِّ : أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ أَتَاهُ رَجُلٌ وَهُوَ بِالشَّامِ ، فَذَكَرَ لَهُ أَنَّهُ وَجَدَ مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلاً ، فَبَعَثَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ أَبَا وَاقِدٍ اللَّيْثِيَّ إِلَى امْرَأَتِهِ يَسْأَلُهَا عَنْ ذَلِكَ فَأَتَاهَا وَعِنْدَهَا نِسْوَةٌ حَوْلَهَا ، فَذَكَرَ لَهَا الَّذِي قَالَ زَوْجُهَا لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ ، وَأَخْبَرَهَا أَنَّهَا لا تُؤْخَذُ بِقَوْلِهِ ، وَجَعَلَ يُلَقِّنُهَا أَشْبَاهَ ذَلِكَ لِتَنْزِعَ ، فَأَبَتْ أَنْ تَنْزِعَ وَتَبَّتَتْ عَلَى الاعْتِرَافِ ، فَأَمَرَ بِهَا عُمَرُ فَرُجِمَتْ .

حضرت ابوواقد لیثی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک آدمی آیا، اس وقت وہ ملک شام میں تھے۔ اس نے ان سے ذکر کیا کہ بے شک اس نے اپنی بیوی کے ساتھ ایک آدمی کو پایا ہے، تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوواقد لیثی رضی اللہ عنہ کو اس کی بیوی کے پاس بھیجا (تاکہ) وہ اس سے اس بارے میں پوچھیں (اور اگر وہ مان لے تو رجم ہوگی اور اگر انکار کردے تو خاوند پر حد قذف یعنی تہمت کی حد لازم ہوگی) چنانچہ وہ (حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ) اس کے پاس آئے اس حال میں کہ عورت کے اردگرد (کئی) عورتیں (بیٹھی ہوئی) تھیں۔ انھوں نے اس کے سامنے وہ بات ذکر کی جو اس کے خاوند نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کہی تھی اور اسے بتلایا کہ بلاشبہ اس (خاوند کے) قول پر اس کا مؤاخذہ (اور رجم کا نفاذ) نہیں ہوسکتا اور وہ اسی طرح (کے الفاظ کے ساتھ) تلقین کرنے لگے (اور اس کے علم میں لانے لگے) تاکہ وہ اقرار سے باز رہے (اور تنہائی میں توبہ تائب ہوجائے لیکن) اس نے (اقرار سے) باز رہنے سے انکار کردیا اور اعتراف پر قائم رہی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے متعلق حکم صادر فرمادیا سو اسے رجم کردیا گیا۔

[1549] حَدَّثَنِي مَالِكٌ ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ ، أَنَّهُ سَمِعَهُ يَقُولُ : لَمَّا صَدَرَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ مِنْ مِنًى أَنَاخَ بِالْأَبْطَحِ ، ثُمَّ كَوَّمَ كَوْمَةَ بَطْحَاءَ ، ثُمَّ

سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں: جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ (23ھ میں اپنے آخری حج سے فارغ ہوکر) منیٰ سے واپس لوٹے تو ابطح (وادی محصب) میں انھوں نے اونٹ کو بٹھایا، پھر انھوں نے کنکریوں کا ایک

[1548] (موقوف صحیح) بیهقی فی السنن الکبری: 8/ 220(16960)، وفی السنن الصغیر: 3/ 292 (3202)، وفی معرفة السنن والآثار: 6/ 323(5049)، الشافعی فی الام: 6/ 154، عبدالرزاق: 13441۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو مسلم کی شرط کے مطابق صحیح قرار دیا ہے۔

[1549] (موقوف صحیح) بیهقی فی السنن الکبریٰ: 8/ 212(16920، 16921)، وفی معرفة السنن والآثار: 6/ 323(5048)، احمد: 1/ 36(249)، عبدالرزاق: 20639، الشافعی فی المسند: 2/ 161۔ شیخ سلیم ہلالی، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ، ابن عبدالبر رحمہ اللہ اور بوصیری رحمہ اللہ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

طَرَحَ عَلَيْهَا رِدَاءَهُ وَاسْتَلْقَى، ثُمَّ مَدَّ يَدَيْهِ إِلَى السَّمَاءِ فَقَالَ: اللَّهُمَّ كَبِرَتْ سِنِّي وَضَعُفَتْ قُوَّتِي وَانْتَشَرَتْ رَعِيَّتِي فَاقْبِضْنِي إِلَيْكَ غَيْرَ مُضَيِّعٍ وَلَا مُفَرِّطٍ، ثُمَّ قَدِمَ الْمَدِينَةَ فَخَطَبَ النَّاسَ فَقَالَ: أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ سُنَّتْ لَكُمُ السُّنَنُ، وَفُرِضَتْ لَكُمُ الْفَرَائِضُ، وَتُرِكْتُمْ عَلَى الْوَاضِحَةِ، إِلَّا أَنْ تَضِلُّوا بِالنَّاسِ يَمِيناً وَشِمَالاً. وَضَرَبَ بِإِحْدَى يَدَيْهِ عَلَى الْأُخْرَى، ثُمَّ قَالَ: إِيَّاكُمْ أَنْ تَهْلِكُوا عَنْ آيَةِ الرَّجْمِ، أَنْ يَقُولَ قَائِلٌ: لَا نَجِدُ حَدَّيْنِ فِي كِتَابِ اللّٰهِ، فَقَدْ رَجَمَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَرَجَمْنَا، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَوْلَا أَنْ يَقُولَ النَّاسُ: زَادَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فِي كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالَى، لَكَتَبْتُهَا: الشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ فَارْجُمُوهُمَا الْبَتَّةَ. فَإِنَّا قَدْ قَرَأْنَاهَا.

ڈھیر بنایا، پھر اس کے اوپر اپنی چادر ڈال دی، پھر (انھیں تکیہ یا بستر بنا کر پشت کے بل سیدھے) چت لیٹ گئے، پھر اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف (پھیلاتے ہوئے) بلند کر دیے اور (دعا مانگتے ہوئے) فرمایا: اے اللہ! میری عمر بڑھ گئی ہے، میری قوت ضعف کا شکار ہوگئی ہے اور میری رعایا (دور دراز کے ممالک تک) پھیل گئی ہے۔ لہٰذا مجھے اپنی طرف قبض کر (کے اٹھا) لے، اس حال میں کہ میں نہ (تیرے احکام کو) ضائع کرنے والا ہوں اور نہ (عبادت اور نفاذ اسلام میں) کوتاہی کرنے والا ہوں۔ پھر وہ مدینہ منورہ آگئے اور لوگوں کو خطبہ دیا۔ چنانچہ فرمایا: اے لوگو! یقیناً تمھارے لیے سنتیں (مشروع، نافذ اور) جاری کر دی گئی ہیں، تم پر فرائض مقرر کر دیے گئے ہیں اور تمھیں (اسلام کے) ایک واضح راستے پر چھوڑ دیا گیا ہے، الا یہ کہ تم خود لوگوں کو لے کر دائیں بائیں بھٹک جاؤ اور (پھر) انھوں نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے پر مارا، پھر فرمایا: اپنے آپ کو اس سے بچاؤ کہ تم رجم والی آیت کے بارے میں ہلاکت میں پڑو کہ کوئی کہنے والا یہ کہنے لگے کہ ہم کتاب اللہ میں دو حدیں نہیں پاتے (بلکہ قرآن میں تو صرف کوڑوں کا ذکر ہے۔ رجم کا نہیں، لہٰذا سنو) یقیناً رسول اللہ ﷺ نے بھی رجم کیا اور (آپ ﷺ کے بعد) ہم نے بھی رجم کیا، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر یہ ڈر نہ ہوتا کہ لوگ کہیں گے عمر نے اللہ کی کتاب میں (اپنی طرف سے) اضافہ کر دیا ہے تو میں اس میں (یہ آیت) لکھ دیتا: (اَلشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ إِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوْهُمَا الْبَتَّةَ) ''شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت جب باہم زنا کریں تو انھیں ضرور رجم کر دو۔'' یقیناً ہم نے اسے (نبی کریم ﷺ سے سن کر قرآن میں) پڑھا تھا (پھر اس کا حکم تو باقی رکھا گیا لیکن تلاوت منسوخ کر دی گئی)۔

قَالَ مَالِكٌ: قَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ: قَالَ سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ: فَمَا انْسَلَخَ ذُو الْحِجَّةِ حَتَّى قُتِلَ عُمَرُ رَحِمَهُ اللّٰهُ.

امام مالک رحمہ اللہ کے شیخ) یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سعید بن مسیب رحمہ اللہ نے فرمایا: ''وہ ذوالحج کا مہینہ گزرنے نہ پایا، یہاں تک کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو قتل (شہید)

کر دیا گیا، اللہ ان پر رحم فرمائے۔

قَالَ يَحْيَى: سَمِعْتُ مَالِكًا يَقُولُ: قَوْلُهُ: الشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ، يَعْنِي الثَّيِّبَ وَالثَّيِّبَةَ، فَارْجُمُوهُمَا الْبَتَّةَ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ "اَلشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ" سے "اَلثَّيِّبُ وَالثَّيِّبَةُ" یعنی شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت مراد ہیں کہ (جب وہ زنا کریں تو) انھیں لازمی طور پر رجم کردو۔

فائدہ:......یعنی اگر چہ ان کے لغوی معنی بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت کے ہیں لیکن یہ لفظ کسی شرف وعہدے والے شخص پر بھی بولے جاتے ہیں اور شادی والا شخص بھی ایک شرف واعزاز پا چکا ہوتا ہے، اس لیے انھیں "شیخ" کہا گیا ہے۔ نیز حضرت ماعز رضی اللہ عنہ سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی شدہ ہونے کا سوال کر کے شیخ کے معنی متعین فرما دیے ہیں۔ لہٰذا ان سے مراد عہدہ شرف کا بڑا ہونا ہے نہ کہ عمر کا بڑا ہونا، شادی شدہ شخص زنا کرے تو رجم ہوگا خواہ جوان ہو یا بوڑھا۔

[1550] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ أُتِيَ بِامْرَأَةٍ قَدْ وَلَدَتْ فِي سِتَّةِ أَشْهُرٍ، فَأَمَرَ بِهَا أَنْ تُرْجَمَ، فَقَالَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ: لَيْسَ ذَلِكَ عَلَيْهَا، إِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَقُولُ فِي كِتَابِهِ: ﴿وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا﴾ [الأحقاف: 15] وَقَالَ: ﴿وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ﴾ [البقرة: 233] فَالْحَمْلُ يَكُونُ سِتَّةَ أَشْهُرٍ، فَلَا رَجْمَ عَلَيْهَا. فَبَعَثَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ فِي أَثَرِهَا، فَوَجَدَهَا قَدْ رُجِمَتْ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ بے شک حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس ایک عورت کو لایا گیا۔ جس نے (شادی کے بعد) چھ ماہ (کے اخیر) میں بچہ جنا تھا، تو انھوں نے اسے رجم کرنے کا حکم صادر فرما دیا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے (اس کے متعلق سن کر) ان سے فرمایا: یہ رجم اس پر (لاگو) نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں: ﴿وَحَمْلُهُ وَفِصٰلُهُ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا﴾ (الاحقاف 15:46) "اور اس (بچے) کا حمل اور اس کا دودھ چھڑانا تیس ماہ (کی مدت پر مشتمل) ہے۔" اور فرمایا: ﴿وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ﴾ (البقرة 233:2) "اور مائیں اپنی اولاد کو (زیادہ سے زیادہ) مکمل دو سال (یعنی چوبیس ماہ) دودھ پلائیں، (یہ حکم) اس شخص کے لیے (ہے) جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہے۔" لہٰذا حمل چھ مہینے کا بھی ہوتا ہے، پس اس عورت پر سنگساری (کی سزا عائد) نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کے پیچھے (اسے واپس لانے کا پیغام) بھیجا، لیکن اس (پیغام لے جانے والے) نے اسے اس

[1550] (موقوف صحيح) بيهقي: 7/ 442، 8/ 220، ابن شبة في تاريخ المدينة: 3/ 196، سعيد بن منصور: 2075، عبدالرزاق: 13447، شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

حال میں پایا کہ وہ رجم کی جا چکی تھی۔

فائدہ :...... حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ تھا کہ ایک آیت میں حمل اور دودھ پلانے کی مجموعی مدت تیس ماہ بیان ہوئی ہے اور دوسری جانب صرف دودھ پلانے کی مدت دو سال یعنی چوبیس ماہ بیان ہوئی ہے۔ اب اس مجموعی مدت تیس ماہ سے دودھ پلانے کی مدت چوبیس ماہ کو نکالیں تو حمل کی مدت چھ ماہ ثابت ہوتی ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے۔ اگرچہ انسانوں میں عام معمول نو ماہ کے لگ بھگ ہوتا ہے اور واقعہ سے بھی یہ ثابت ہو چکا ہے کہ حمل ٹھہرنے کے صرف چھ ماہ بعد صحیح اور پورے "تـامُّ الْـخـلْقَت" بچے بھی پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ اس لیے اگر کوئی عورت شادی کے چھ ماہ بعد بچہ جنے تو یہ اس کی دلیل نہیں بن سکتا کہ عورت نے شادی سے پہلے کسی سے زنا کروایا ہو یا مثلاً خاوند لمبے سفر کے بعد گھر پہنچے اور مباشرت کرے اور چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہو جائے تو یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ عورت نے خاوند کی آمد سے پہلے زنا کیا ہو۔

[1551] وحَدَّثَنِي مَالِكٌ، أَنَّهُ سَأَلَ ابْنَ شِهَابٍ عَنِ الَّذِي يَعْمَلُ عَمَلَ قَوْمِ لُوطٍ؟ فَقَالَ ابْنُ شِهَابٍ: عَلَيْهِ الرَّجْمُ، أَحْصَنَ أَوْ لَمْ يُحْصِنْ.

امام مالک رحمہ اللہ نے ابن شہاب سے اس شخص کے متعلق سوال کیا جو قوم لوط والا عمل کرتا ہے تو ابن شہاب رحمہ اللہ نے فرمایا: اس پر رجم (نافذ) ہوگا شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ۔

فائدہ :...... لڑکوں سے بدفعلی کی سزا قتل ہی ہے، دونوں واجب القتل ہوتے ہیں۔ (ابـو داود: 4462، ترمذی: 1456، ابـن ماجہ: 2561۔ اس کی سند حسن بلکہ صحیح لغیرہ ہے، ارواء الغلیل: 2350) نیز قوم لوط والا عمل کرنے کا مرتکب شخص لعنتی ہے۔ (احمد: 1/ 309، 317، اس کی سند حسن ہے، احـکـام الـجـنـائز للالبانی: ص 260) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں اس پر اتفاق تھا، وہ صرف ایسے شخص کے طریقہ قتل میں مختلف آراء رکھتے تھے۔ حضرت ابوبکر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے نزدیک اسے تلوار سے قتل کر کے جلا دیا جائے۔ حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہما اور ایک روایت کے مطابق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس پر دیوار گرا کر اسے قتل کیا جائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک اسے شہر کی بلند عمارت سے گرا کر قتل کیا جائے۔ امام مالک رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ اور اسحاق بن راہویہ کے نزدیک اسے رجم اور سنگسار کیا جائے، خواہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی یہی موقف نقل کیا ہے۔

امام محمد رحمہ اللہ، امام ابو یوسف رحمہ اللہ (صاحبین)، حسن بصری رحمہ اللہ، ابراہیم نخعی رحمہ اللہ، سفیان ثوری رحمہ اللہ اور عطاء بن ابی

[1551] (مـقـطوع صحیح) عبدالرزاق: 13485، ابـن ابی شیبہ: 28337، شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

رباح رحمہ اللہ کے نزدیک اس کی سزا زنا ہی کی طرح ہے، چنانچہ شادی شدہ کو رجم اور کنوارے کو سو کوڑے پڑیں گے۔ امام ترمذی نے یہ مؤقف اہل کوفہ کی طرف بھی منسوب کیا ہے اور بعض روایات میں امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی یہی مؤقف مروی ہے۔ الغرض جمہور علماء وفقہائے امت کے نزدیک بدفعلی کرنے اور کروانے والوں کی سزا قتل ہی ہے، خواہ کسی بھی طریقے سے ہو، صرف امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا اس کے متعلق یہ قول ہے کہ اس پر کوئی حد نہیں ہے، محض تعزیری سزا ہے اور قاضی جس قدر چاہے کوڑے لگوا سکتا ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: نیل الاوطار: 4/ 567، المغنی لابن قدامہ: 12/ 350......

آج اگر یہ جرم عام ہے تو اس کا سبب حدیث رسول اللہ ﷺ اور اسلاف کے طریقہ کار سے روگردانی ہی ہے۔

2- بَابُ مَاجَاءَ فِيمَنِ اعْتَرَفَ عَلَى نَفْسِهِ بِالزِّنَا
اس شخص کا بیان جو اپنے متعلق زنا کا اعتراف کر لے

خلاصۃ الباب اس باب میں دو روایات ہیں: ایک مرفوع (حدیث نبوی ﷺ) اور ایک موقوف (اثر صحابی رضی اللہ عنہ) ہے اور دونوں ہی سنداً ضعیف ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاویٰ بھی مذکور ہیں۔

[1552] حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، أَنَّ رَجُلاً اعْتَرَفَ عَلَى نَفْسِهِ بِالزِّنَا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، فَدَعَا لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِسَوْطٍ، فَأُتِيَ بِسَوْطٍ مَكْسُورٍ، فَقَالَ: فَوْقَ هٰذَا فَأُتِيَ بِسَوْطٍ جَدِيدٍ لَمْ تُقْطَعْ ثَمَرَتُهُ، فَقَالَ: دُونَ هٰذَا فَأُتِيَ بِسَوْطٍ قَدْ رُكِبَ بِهِ وَلَانَ، فَأَمَرَ بِهِ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَجُلِدَ، ثُمَّ قَالَ: أَيُّهَا النَّاسُ، قَدْ آنَ لَكُمْ أَنْ تَنْتَهُوا عَنْ حُدُودِ اللّٰهِ، مَنْ أَصَابَ مِنْ هٰذِهِ الْقَاذُورَاتِ شَيْئاً، فَلْيَسْتَتِرْ بِسِتْرِ اللّٰهِ، فَإِنَّهُ مَنْ يُبْدِي لَنَا صَفْحَتَهُ نُقِمْ عَلَيْهِ كِتَابَ اللّٰهِ.

زید بن اسلم رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک ایک (کنوارے) شخص نے رسول اللہ ﷺ کے عہد میں اپنے خلاف زنا کا اعتراف کر لیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے ایک کوڑا منگوایا۔ چنانچہ آپ ﷺ کے پاس ایک نیا کوڑا لایا گیا، اس کا سرا نہ کاٹا گیا تھا (یعنی وہ بالکل ہی نیا اور سخت تھا اور بنا کر جو آخر میں گرہ دی جاتی ہے وہ بھی ابھی نہیں کٹی تھی) تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس سے کم (ذرا نرم) لاؤ۔'' پھر آپ ﷺ کے پاس ایک ٹوٹا ہوا کوڑا لایا گیا تو فرمایا: ''اس سے اوپر (ذرا بہتر اور سخت) لاؤ۔'' پھر ایک ایسا کوڑا لایا گیا جسے سواری کے استعمال میں لایا جا چکا تھا اور وہ نرم ہو چکا تھا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس (زانی) کے متعلق حکم دیا، تو اسے کوڑے لگا دیے گئے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے لوگو! یقیناً وہ وقت آ گیا ہے کہ تم اللہ کی

[1552] (مرفوع ضعيف) بيهقي في السنن الكبرى: 8/ 326، وفي السنن الصغير: 3/ 345 (3406)، وفي معرفة السنن والآثار: 6/ 466 (5258)، الشافعي في الام: 6/ 145، حاكم: 4/ 244، عبدالرزاق: 7/ 369۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

حدود (منع کردہ کاموں) سے باز آ جاؤ۔ جس کسی نے ان قبیح کاموں (گندگیوں اور برائیوں) میں سے کسی چیز کا ارتکاب کیا تو وہ اللہ کے پردے کے ساتھ پردہ ہی رکھے کیونکہ بلاشبہ جو کوئی ہمارے لیے اپنا پہلو ظاہر کرے گا (اس فعل کو بذریعہ اعتراف ہمارے سامنے لے آئے گا) تو ہم اس پر اللہ کی کتاب (میں مذکور حد) قائم (اور) نافذ کر دیں گے۔"

[1553] حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ صَفِيَّةَ بِنْتَ أَبِي عُبَيْدٍ أَخْبَرَتْهُ: أَنَّ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيقَ أُتِيَ بِرَجُلٍ قَدْ وَقَعَ عَلَى جَارِيَةٍ بِكْرٍ فَأَحْبَلَهَا، ثُمَّ اعْتَرَفَ عَلَى نَفْسِهِ بِالزِّنَا، وَلَمْ يَكُنْ أَحْصَنَ، فَأَمَرَ بِهِ أَبُو بَكْرٍ فَجُلِدَ الْحَدَّ، ثُمَّ نُفِيَ إِلَى فَدَكَ.

صفیہ بنت ابی عبید رحمہا اللہ (زوجہ ابن عمر رضی اللہ عنہما) نے روایت ہے کہ یقیناً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس ایک ایسے شخص کو لایا گیا جو ایک کنواری لونڈی پر واقع ہو چکا تھا اور اس نے اسے حاملہ کر دیا تھا۔ پھر اس نے اپنے خلاف زنا کا اقرار کر لیا اور وہ شادی شدہ نہیں تھی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کے متعلق (حد لگانے کا) حکم دیا۔ چنانچہ اسے (سو کوڑے) حد لگائی گئی، پھر اسے (خیبر کے قریب ایک علاقے) فدک کی طرف جلاوطن کر دیا گیا۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الَّذِي يَعْتَرِفُ عَلَى نَفْسِهِ بِالزِّنَا، ثُمَّ يَرْجِعُ عَنْ ذَلِكَ وَيَقُولُ: لَمْ أَفْعَلْ، وَإِنَّمَا كَانَ ذَلِكَ مِنِّي عَلَى وَجْهِ كَذَا وَكَذَا، لِشَيْءٍ يَذْكُرُهُ: إِنَّ ذَلِكَ يُقْبَلُ مِنْهُ وَلَا يُقَامُ عَلَيْهِ الْحَدُّ، وَذَلِكَ أَنَّ الْحَدَّ الَّذِي هُوَ لِلَّهِ لَا يُؤْخَذُ إِلَّا بِأَحَدِ وَجْهَيْنِ، إِمَّا بِبَيِّنَةٍ عَادِلَةٍ تُثْبِتُ عَلَى صَاحِبِهَا، وَإِمَّا بِاعْتِرَافٍ يُقِيمُ عَلَيْهِ، حَتَّى يُقَامَ عَلَيْهِ الْحَدُّ، فَإِنْ أَقَامَ عَلَى اعْتِرَافِهِ أُقِيمَ عَلَيْهِ الْحَدُّ.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جو اپنے اوپر (اپنے خلاف) زنا کا اقرار کرلے، پھر اس سے رجوع کر لے اور کہے کہ میں نے (زنا) نہیں کیا تھا اور بلاشبہ یہ (فعل قبیح) میری طرف سے فلاں طور پر ہوا تھا۔ وہ کسی چیز کا ذکر کرے (مثلاً حالت حیض میں مباشرت کرلی جسے اس نے زنا سمجھ لیا) تو بلاشبہ یہ بات اس سے قبول کر لی جائے گی اور اس پر حد قائم نہ کی جائے گی اور یہ اس وجہ سے ہے کہ بے شک وہ حد جو اللہ کے لیے (قائم) ہوتی ہے، وہ دو طریقوں کے علاوہ (کسی اور طریقے) پر اختیار نہیں کی جاتی یا تو عدل والی گواہی کے ساتھ جو اس (قبیح حرکت) والے پر ثابت ہو جائے اور یا پھر ایسے اعتراف کے ساتھ جس پر وہ (اقرار کرنے والا اتنی دیر) قائم رہے، یہاں تک کہ اسے حد لگا دی جائے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: چنانچہ اگر وہ اپنے اعتراف پر قائم رہے گا تو اس پر حد قائم کی جائے گی۔

[1553] (موقوف ضعيف)بيهقي في السنن الكبرى: 8/ 223، وفي السنن الصغير: 3/ 296(3219)، وفي معرفة السنن والآثار: 6/ 330 (5060)، عبدالرزاق: 12796- شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔

فائدہ: ......تمام اہل علم کا اس پر اتفاق ہے اوراس کی دلیل حضرت ماعز رضی اللہ عنہ والا قصہ ہی ہے کہ جب وہ بھاگ کھڑے ہوئے تھے اور بعد میں رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر ملی تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا: ''تم نے اسے کیوں نہ چھوڑا، ممکن ہے کہ وہ رجوع کر لیتا، پھر اللہ تعالیٰ بھی اس کی توبہ قبول فرما لیتے۔'' (ابوداود: 4419، ترمذی: 1428، ابن ماجہ: 2554، اس کی سند حسن ہے)

قَالَ مَالِكٌ : الَّذِي أَدْرَكْتُ عَلَيْهِ أَهْلَ الْعِلْمِ ، أَنَّهُ لَا نَفْيَ عَلَى الْعَبِيدِ إِذَا زَنَوْا .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جس (فتویٰ) پر میں نے اپنے شہر کے اہل علم کو پایا ہے، وہ یہ ہے کہ بلاشبہ غلام جب زنا کریں تو ان پر جلاوطنی (کی سزا) نہیں ہے۔ (جمہور فقہاء ومحدثین کا یہی مؤقف ہے)۔

3- بَابٌ: جَامِعُ مَا جَاءَ فِي حَدِّ الزِّنَا

حد زنا کے متعلق متفرق روایات کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں تین روایات ہیں، ایک مرفوع (حدیث نبوی ﷺ) ہے جو کہ بخاری ومسلم میں بھی موجود ہے اور دو موقوف (آثار صحابہ رضی اللہ عنہم) ہیں، جن میں سے ایک صحیح اور ایک ضعیف ہے۔

[1554] حَدَّثَنِي مَالِكٌ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ : أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ سُئِلَ عَنِ الْأَمَةِ إِذَا زَنَتْ وَلَمْ تُحْصِنْ ؟ فَقَالَ : إِنْ زَنَتْ فَاجْلِدُوهَا ، ثُمَّ إِنْ زَنَتْ فَاجْلِدُوهَا ، ثُمَّ إِنْ زَنَتْ فَاجْلِدُوهَا ، ثُمَّ بِيعُوهَا وَلَوْ بِضَفِيرٍ .

قَالَ ابْنُ شِهَابٍ : لَا أَدْرِي أَبَعْدَ الثَّالِثَةِ أَوِ الرَّابِعَةِ .

حضرت ابوہریرہ اور حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ سے لونڈی کے متعلق سوال کیا گیا کہ جب وہ زنا کرے اس حال میں کہ وہ شادی شدہ نہ ہو، (تو کیا کیا جائے گا؟) تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر وہ زنا کرے تو اسے کوڑے لگاؤ، پھر اگر وہ زنا کرے تو اسے کوڑے لگاؤ، پھر اگر وہ زنا کرے تو اسے بیچ ڈالو، اگرچہ بالوں کی ایک رسی کے عوض (ہی بیچنا پڑے)۔''

امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ابن شہاب رحمہ اللہ نے فرمایا: میں نہیں جانتا کہ آیا تیسری بار کے بعد (اسے بیچنے کا حکم ہوا) یا

[1554] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب البيوع، باب بيع العبد الزاني، حديث: 2153، 2154، 2232، 2233، 2555، 2556، 6837، 6838، صحيح مسلم، كتاب الحدود، باب رجم اليهود اهل الذمة فى الزنا، حديث: 1703، 1704، ابوداود: 4469، ترمذی: 1440، نسائی فی الكبرى: 7259، ابن ماجه: 2565، احمد: 4/ 117 (17183)، دارمی: 2326.

چوتھی بار (کے بعد)۔

قَالَ يَحْيَى : سَمِعْتُ مَالِكًا يَقُولُ : وَالضَّفِيرُ الْحَبْلُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: (حدیث کے لفظ) "اَلضَّفِيْر" کے معنی رسی کے ہیں۔

فائدہ: ...... چونکہ زنا نحوست وعذاب کا باعث ہے، اس لیے زانیہ لونڈی سے جان چھڑالو۔ یاد رہے کہ زنا ایک عیب ہے، اسے بیچتے وقت مناسب یہی ہے کہ خریدنے والے کو اس کی اطلاع دی جائے۔ پھر خواہ ریٹ گھٹے یا نہ گھٹے اسے اونے پونے داموں بیچ کر جان چھڑاؤ۔

[1555] حَدَّثَنِي مَالِكٌ ، عَنْ نَافِعٍ أَنَّ عَبْداً كَانَ يَقُومُ عَلَى رَقِيقِ الْخُمُسِ ، وَأَنَّهُ اسْتَكْرَهَ جَارِيَةً مِنْ ذَلِكَ الرَّقِيقِ فَوَقَعَ بِهَا ، فَجَلَدَهُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَنَفَاهُ ، وَلَمْ يَجْلِدِ الْوَلِيدَةَ لِأَنَّهُ اسْتَكْرَهَهَا .

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا) ایک غلام (بیت المال کے لیے آنے والے) خمس کے غلاموں اور لونڈیوں کی دیکھ بھال کرتا تھا اور بلاشبہ اس نے ان غلاموں اور لونڈیوں میں سے ایک لونڈی پر زبردستی کی اور اس سے زنا کر لیا تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسے کوڑے لگائے۔ پھر اسے جلاوطن کر دیا اور اس لونڈی کو کوڑے نہ لگائے کیونکہ یقیناً اس غلام نے تو اس پر زبردستی کی تھی (اور زنا بالجبر کیا تھا)۔

فائدہ: ...... "خُمُس" کے معنی پانچویں حصے کے ہیں اور اس سے مراد وہ پانچواں حصہ ہے جو مال غنیمت میں سے بیت المال کے لیے نکالا جاتا ہے۔ یہ مذکورہ روایت ضعیف ہے اور غلاموں کی جلاوطنی کے لیے قوی دلیل نہیں ہے۔ البتہ دوسرا مسئلہ کہ جس پر اکراہ اور زبردستی کی جائے اس پر حد زنا نافذ نہ ہوگی، درست ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ایک عورت کے ساتھ جبراً زنا کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا تھا: "تم چلی جاؤ، اللہ تمھاری مغفرت فرمائے۔" (ابو داؤد: 4379، ترمذی: 1454۔ اس کی سند حسن ہے)۔

[1556] حَدَّثَنِي مَالِكٌ ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ ، أَنَّ سُلَيْمَانَ بْنَ يَسَارٍ أَخْبَرَهُ ، أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَيَّاشِ بْنِ أَبِي رَبِيعَةَ الْمَخْزُومِيَّ قَالَ:

عبداللہ بن عیاش بن ابی ربیعہ مخزومی رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مجھے قریش کے کچھ جوانوں سمیت حکم فرمایا تو ہم نے امارت (حکومت

[1555] (موقوف ضعيف) بيهقى فى السنن الكبرى: 8/ 243 (17096)، وفى السنن الصغير: 3/ 304 (3250)، وفى معرفة السنن والآثار: 6/ 335 (5069)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔

[1556] (موقوف صحيح) بيهقى فى السنن الكبرى: 8/ 242 (17089)، وفى معرفة السنن والآثار: 6/ 366 (5104)، عبدالرزاق: 7/ 395 (13608، 13609)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

أَمَرَنِي عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فِي فِتْيَةٍ مِنْ قُرَيْشٍ، فَجَلَدْنَا وَلَائِدَ مِنْ وَلَائِدِ الْإِمَارَةِ خَمْسِينَ خَمْسِينَ فِي الزِّنَا.

اسلامیہ کے بیت المال) کی لونڈیوں میں سے (بعض زانیہ) لونڈیوں کو پچاس پچاس کوڑے زنا کی وجہ سے لگائے۔

4- بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُغْتَصَبَةِ

غصب شدہ عورت کے متعلق بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاوی جات مذکور ہیں۔

فائدہ: ......غصب شدہ عورت سے مراد وہ عورت ہے جسے اغوا کر کے اس سے جنسی زیادتی کی جائے۔

قَالَ مَالِكٌ: الْأَمْرُ عِنْدَنَا فِي الْمَرْأَةِ تُوجَدُ حَامِلًا، وَلَا زَوْجَ لَهَا، فَتَقُولُ قَدِ اسْتُكْرِهْتُ، أَوْ تَقُولُ: تَزَوَّجْتُ: إِنَّ ذَلِكَ لَا يُقْبَلُ مِنْهَا، وَإِنَّهَا يُقَامُ عَلَيْهَا الْحَدُّ، إِلَّا أَنْ يَكُونَ لَهَا عَلَى مَا ادَّعَتْ مِنَ النِّكَاحِ بَيِّنَةٌ، أَوْ عَلَى أَنَّهَا اسْتُكْرِهَتْ، أَوْ جَاءَتْ تَدْمَى إِنْ كَانَتْ بِكْرًا، أَوِ اسْتَغَاثَتْ حَتَّى أُتِيَتْ وَهِيَ عَلَى ذَلِكَ الْحَالِ، أَوْ مَا أَشْبَهَ هَذَا مِنَ الْأَمْرِ الَّذِي تَبْلُغُ فِيهِ فَضِيحَةَ نَفْسِهَا، قَالَ: فَإِنْ لَمْ تَأْتِ بِشَيْءٍ مِنْ هَذَا أُقِيمَ عَلَيْهَا الْحَدُّ، وَلَمْ يُقْبَلْ مِنْهَا مَا ادَّعَتْ مِنْ ذَلِكَ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں اس عورت کے متعلق حکم یہ ہے جو حاملہ پائی جائے حالانکہ اس کا خاوند نہ ہو، پھر وہ کہے کہ میرے ساتھ زبردستی کی گئی تھی یا کہے کہ میں نے (پہلے کسی سے) شادی کی تھی، تو بلاشبہ اس سے یہ قول قبول نہ کیا جائے گا اور بلاشبہ اس پر حد قائم کی جائے گی۔ الا یہ کہ اس نے جو نکاح کا دعویٰ کیا ہے اس پر اس کے پاس کوئی دلیل موجود ہو یا اس (دعویٰ) پر (دلیل ہو) کہ اس سے زبردستی کی گئی تھی یا اگر وہ کنواری تھی تو اس حال میں آئی کہ پردہ بکارت پھاڑے جانے سے خون جاری ہو یا وہ فریاد کرے (اور چیخ چلائے)۔ یہاں تک کہ جب اس کے پاس پہنچا جائے تو وہ اسی حال میں (چیخ وپکار کر رہی) ہو یا ان جیسا کوئی اور معاملہ ہو، جس میں اس کی ذاتی رسوائی ظاہر ہوتی ہو (اور ایسے قرائن وشواہد مل جائیں کہ جن سے اس کا مظلوم ہونا ظاہر ہو، تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اس کام پر راضی نہ تھی، ورنہ خود کو رسوانہ کرتی)، چنانچہ اگر وہ اس (حمل کے معاملے) میں اس طرح کی چیز (دلیل) نہ لا سکے تو اس پر حد قائم کی جائے گی اور اس سے وہ دعویٰ قبول نہ ہوگا جو وہ کرے گی۔

قَالَ مَالِكٌ: وَالْمُغْتَصَبَةُ لَا تَنْكِحُ حَتَّى تَسْتَبْرِئَ نَفْسَهَا بِثَلَاثِ حِيَضٍ، فَإِنِ ارْتَابَتْ مِنْ حَيْضَتِهَا فَلَا تَنْكِحُ حَتَّى تَسْتَبْرِئَ نَفْسَهَا

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور غصب شدہ عورت (اس وقت تک) نکاح نہ کرے یہاں تک کہ وہ تین حیض کے ساتھ استبراء رحم (رحم کا حمل سے خالی ہونا) حاصل کر لے، چنانچہ

مِنْ تِلْكَ الرِّيبَةِ .

اگر اسے اپنے حیض کا شبہ بھی ہو تو وہ نکاح نہ کرے یہاں تک کہ خود کو اس شک سے بری کر لے۔

فائدہ: ...... چونکہ جب تک آزاد عورت یا لونڈی کے پیٹ میں کسی اور شخص کا بچہ ہو، تب تک خاوند یا مالک اس سے مباشرت نہیں کر سکتا۔ اس لیے یہ ضروری ہوتا ہے کہ شادی کے وقت عورت کا رحم یقینی طور پر حمل سے خالی ہو اور اس کا علم حیض کی آمد سے ہوتا ہے کیونکہ اگر حمل ہو تو حیض نہیں آتا۔ لونڈی کے بارے میں تو اتفاق ہے کہ اس کے لیے ایک حیض تک انتظار کیا جائے گا۔ رہا آزاد عورت کا معاملہ تو ہمارے نزدیک اس کے لیے بھی ایک حیض کا انتظار کافی ہے کیونکہ خلع کے مسئلے میں اس کی بھی وضاحت ہے کہ وہاں استبراء رحم کے لیے صرف ایک حیض کی مدت بطور عدت مقرر کی گئی ہے۔ (ابو داود: 2229، 2230، ترمذی: 1185، ابن ماجہ: 2058، ان سب کی سندیں صحیح ہیں)۔

5- باب مَاجَاءَ فِي الْقَذْفِ وَالنَّفْيِ وَالتَّعْرِيضِ

(زنا کی واضح) تہمت لگانے، (نسب کا) انکار کرنے اور (زنا کا) اشارہ کرنے کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں چار روایات ہیں، جن میں سے ایک موقوف (اثر صحابی رضی اللہ عنہ) ہے، جو سنداً ضعیف ہے اور تین مقطوع (آثار تابعین رحمہم اللہ) ہیں جو سنداً صحیح ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے چار فتاوی جات بھی مذکور ہیں۔

فائدہ: ...... یہاں "نفی" سے مراد کسی کو یہ کہنا ہے کہ وہ اپنے باپ کا نہیں ہے، اور تعریض سے مراد ایسی گفتگو ہے جس میں زنا کے الزام کا کوئی اشارہ کنایہ ہو یا اس کے نتیجے میں زنا کی تہمت نکل رہی ہو۔

[1557] حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، أَنَّهُ قَالَ: جَلَدَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ عَبْداً فِي فِرْيَةٍ ثَمَانِينَ . قَالَ أَبُو الزِّنَادِ: فَسَأَلْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ: أَدْرَكْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ وَعُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ وَالْخُلَفَاءَ هَلُمَّ جَرًّا، فَمَا رَأَيْتُ أَحَداً جَلَدَ عَبْداً فِي فِرْيَةٍ أَكْثَرَ مِنْ أَرْبَعِينَ .

ابو الزناد رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں: حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ایک غلام کو (زنا کی) تہمت لگانے (کے جرم) میں اسی کوڑے مارے، ابو الزناد رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نے عبداللہ بن ربیعہ رحمہ اللہ سے اس بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور (بعد کے) خلفاء کو پایا۔ اسی طرح چلے آؤ (اور خلفاء کو شمار کرتے آؤ، میں نے سب کو پایا) تو میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ اس نے تہمت لگانے کی وجہ سے غلام کو چالیس سے زائد کوڑے مارے ہوں۔

فائدہ: ...... کیونکہ غلام کی حد آزاد مسلمان مرد کی حد سے نصف ہوتی ہے اور آزاد آدمی کی حدِ قذف اسی

[1557] (مقطوع صحیح) بیہقی: 8/ 251 (17139)، عبدالرزاق: 7/ 437، 438 (13793، 13794)، ابن ابی شیبہ: 28215، 28228۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

کوڑے قرآن میں مذکور ہے، تہمت زنا کو فریہ اور قذف کہتے ہیں۔

[1558] حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ رُزَيْقِ بْنِ حَكِيمٍ الْأَيْلِيِّ: أَنَّ رَجُلاً يُقَالُ لَهُ مِصْبَاحٌ اسْتَعَانَ ابْنًا لَهُ، فَكَأَنَّهُ اسْتَبْطَأَهُ، فَلَمَّا جَاءَهُ قَالَ لَهُ: يَا زَانٍ. قَالَ رُزَيْقٌ: فَاسْتَعْدَانِي عَلَيْهِ، فَلَمَّا أَرَدْتُ أَنْ أَجْلِدَهُ قَالَ ابْنُهُ: وَاللَّهِ لَئِنْ جَلَدْتَهُ لَأَبُوأَنَّ عَلَى نَفْسِي بِالزِّنَا. فَلَمَّا قَالَ ذَلِكَ أَشْكَلَ عَلَيَّ أَمْرُهُ، فَكَتَبْتُ فِيهِ إِلَى عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ، وَهُوَ الْوَالِي يَوْمَئِذٍ، أَذْكُرُ لَهُ ذَلِكَ، فَكَتَبَ إِلَيَّ عُمَرُ: أَنْ أَجِزْ عَفْوَهُ. قَالَ رُزَيْقٌ: وَكَتَبْتُ إِلَى عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ أَيْضاً: أَرَأَيْتَ رَجُلاً افْتُرِيَ عَلَيْهِ، أَوْ عَلَى أَبَوَيْهِ، وَقَدْ هَلَكَا أَوْ أَحَدُهُمَا. قَالَ: فَكَتَبَ إِلَيَّ عُمَرُ: إِنْ عَفَا فَأَجِزْ عَفْوَهُ فِي نَفْسِهِ، وَإِنِ افْتُرِيَ عَلَى أَبَوَيْهِ، وَقَدْ هَلَكَا أَوْ أَحَدُهُمَا، فَخُذْ لَهُ بِكِتَابِ اللَّهِ، إِلَّا أَنْ يُرِيدَ سِتْراً.

زُرَیق بن حکیم رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ ایک آدمی جسے مصباح کہا جاتا تھا، نے اپنے بیٹے سے (کسی کام میں) مدد چاہی (اور اسے بلایا) پھر اس (والد) نے گویا اسے سست پایا۔ چنانچہ جب وہ اس کے پاس آیا تو اس نے (غصے میں) اسے کہا کہ او زانی! زُرَیق رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس (لڑکے) نے مجھ سے اس (تہمت لگانے والے اپنے باپ) کے خلاف مدد چاہی۔ پھر جب میں نے ارادہ کیا کہ اس (باپ) کو کوڑے لگاؤں تو اس کا بیٹا (مجھ سے) کہنے لگا کہ اگر تم نے انھیں کوڑے لگائے تو میں ضرور ضرور اپنے اوپر زنا کا اقرار کرلوں گا۔ جب اس نے یہ بات کہی تو اس کا معاملہ (حل کرنا) مجھ پر مشکل ہوگیا۔ چنانچہ میں نے اس بارے میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی طرف لکھا جو کہ ان دنوں والی (حاکم) تھے۔ میں نے (خط میں) ان کے لیے یہ قصہ ذکر کیا، تو عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے میری طرف (جواب میں) لکھا: (لڑکے کا اپنے باپ کو حد نہ لگانے کا مطالبہ گویا اسے معاف کر دینا ہے، لہٰذا) اس کی معافی کو جاری کردو، زُرَیق رحمہ اللہ کہتے ہیں: اور میں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی طرف یہ بھی لکھا کہ اس شخص کے متعلق بتایئے کہ اس پر یا اس کے والدین پر (زنا کی) تہمت لگی ہو، اور وہ دونوں یا ان میں سے کوئی ایک فوت ہو چکا ہو (تو کیا اس فوت شدہ شخص پر لگی ہوئی تہمت کوڑے مجرم پر لگائے جائیں؟) زُرَیق رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے لکھا: اگر وہ (خود پر لگی ہوئی تہمت کو) معاف کردے تو اس کی معافی کو اس کے اپنے بارے میں جاری کردو اور اگر اس کے والدین پر تہمت لگی ہو اور وہ دونوں یا ان میں سے کوئی ایک ہلاک ہو چکا ہو تو (پھر ان کے لڑکے کا اپنے والدین پر لگی ہوئی تہمت کو معاف کرنا جائز نہیں بلکہ) تم اس کے لیے اللہ کی کتاب کے مطابق پکڑ کرو (اور کوڑے لگاؤ) الا یہ کہ وہ

[1558] (مقطوع صحیح) عبدالرزاق: 7/ 441 (13812)، ابن ابی شیبہ: 28229، 28884۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

(لڑکا) پردہ پوشی چاہتا ہو۔

فائدہ: ......اگر چہ لڑکے کا اپنے فوت شدگان پر لگی ہوئی تہمت کو معاف کرنا درست نہیں لیکن اگر یہ اندیشہ ہو کہ تہمت کی سزا کی بات پھیل جانے سے معاملہ مزید کھل جائے گا اور فوت شدہ کے خلاف کہیں سے کوئی ثبوت ہی نہ نکل آئے ، اس لیے پردہ پوشی کی خاطر لڑکے کی معافی معتبر سمجھ کر حدقذف نہ لگائی جائے......امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی یہی مؤقف ہے۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور اہلحدیث کے نزدیک حد ثابت ہوجانے اور شرعی عدالت میں کیس (معاملہ) آ جانے کے بعد حد ساقط نہیں ہوتی۔جیسا کہ آگے کتاب السَّــرقـہ (چوری کے مسائل کی کتاب) کے تیسرے باب میں حضرت صفوان رضی اللہ عنہ کے چور کے متعلق حدیث مبارکہ آ رہی ہے۔سوائے اعتراف کے ، کہ اگر اعتراف کرنے والا انکار کر دے تو پھر اعتراف والی حد ختم ہو جائے گی ......رہا یہ مسئلہ کہ والد جب خود اپنی اولاد پر تہمت لگائے تو کیا اس پر حد نافذ ہوگی یا نہیں؟ تو اس بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ ، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور اہل حدیث کا مؤقف یہ ہے کہ جس طرح باپ سے اولاد کا قصاص نہیں لیا جاتا ، اسی طرح والد کو حدقذف بھی نہ لگے گی۔ واللہ اعلم!

قَالَ يَحْيَى : سَمِعْتُ مَالِكاً يَقُولُ : وَذَلِكَ أَنْ يَكُونَ الرَّجُلُ الْمُفْتَرَى عَلَيْهِ يَخَافُ إِنْ كُشِفَ ذَلِكَ مِنْهُ أَنْ تَقُومَ عَلَيْهِ بَيِّنَةٌ ، فَإِذَا كَانَ عَلَى مَا وَصَفْتُ فَعَفَا ، جَازَ عَفْوُهُ .

اور یہ (مذکورہ صورت) اس طرح ہے کہ جس شخص پر تہمت لگائی گئی ہو ، وہ اس بات سے ڈرتا ہو کہ اگر اس کے متعلق یہ بات کھل گئی تو (یہ خطرہ ہے کہ) اس کے خلاف گواہی قائم ہو جائے گی۔ چنانچہ جب معاملہ اس طور پر ہو جو میں نے بیان کیا ہے ، پھر وہ معاف کر دے تو اس کی معافی جائز ہے۔

[1559] حَدَّثَنِي مَالِكٌ ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ ، عَنْ أَبِيهِ ، أَنَّهُ قَالَ فِي رَجُلٍ قَذَفَ قَوْماً جَمَاعَةً : أَنَّهُ لَيْسَ عَلَيْهِ إِلَّا حَدٌّ وَاحِدٌ .

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ اپنے والد (عروہ بن زبیر رحمہ اللہ) سے روایت کرتے ہیں کہ بلاشبہ انھوں نے اس شخص جو کچھ لوگوں کی جماعت پر (جو اکٹھے موجود ہوں) تہمت لگائے ، (عروہ رحمہ اللہ نے اس کے متعلق) فرمایا: یقیناً اس پر ایک حد کے سوا کچھ (لازم) نہیں ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَإِنْ تَفَرَّقُوا فَلَيْسَ عَلَيْهِ إِلَّا حَدٌّ وَاحِدٌ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: پھر اگر وہ جدا جدا ہوں تو بھی اس پر ایک حد کے سوا کچھ (عائد) نہیں ہے۔

فائدہ: ...... جس طرح کہ قاتل کوئی مقتولوں کے بدلے صرف ایک بار ہی قتل کیا جاتا ہے......یاد رہے کہ

[1559] (مقطوع صحيح) عبدالرزاق: 13777 ، ابن ابی شيبه: 28194- شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

قصاص کے علاوہ باقی حدود میں یہ مسلمہ اصول ہے کہ کسی شخص نے حد لگنے سے پہلے اس حد والا جرم خواہ ہزار بار بھی کیا ہو، تو ثابت ہو جانے پر اسے صرف ایک حد لگے گی لیکن حد جاری ہونے کے بعد وہ دوبارہ اس کا ارتکاب کرے تو اسے حد بھی دوبارہ لگے گی۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک پہلی حد سے قبل اس نے جتنے لوگوں پر تہمت لگائی ہو اس پر ان کی تعداد کے بقدر اتنی بار ہی حد نافذ ہوگی، لیکن پہلا قول راجح ہے کہ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ پر تہمت لگانے والوں کو صرف ایک حد لگائی تھی، نہ کہ دو۔

[1560] حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ أَبِي الرِّجَالِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ حَارِثَةَ بْنِ النُّعْمَانِ الْأَنْصَارِيِّ، ثُمَّ مِنْ بَنِي النَّجَّارِ، عَنْ أُمِّهِ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ: أَنَّ رَجُلَيْنِ اسْتَبَّا فِي زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، فَقَالَ أَحَدُهُمَا لِلْآخَرِ: وَاللَّهِ مَا أَبِي بِزَانٍ وَلَا أُمِّي بِزَانِيَةٍ. فَاسْتَشَارَ فِي ذَلِكَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، فَقَالَ قَائِلٌ: مَدَحَ أَبَاهُ وَأُمَّهُ، وَقَالَ آخَرُونَ: قَدْ كَانَ لِأَبِيهِ وَأُمِّهِ مَدْحٌ غَيْرُ هَذَا، نَرَى أَنْ تَجْلِدَهُ الْحَدَّ. فَجَلَدَهُ عُمَرُ الْحَدَّ ثَمَانِينَ.

عمرہ بنت عبدالرحمٰن رحمہا اللہ سے روایت ہے کہ بے شک دو آدمیوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں باہم گالی گلوچ کی۔ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ اللہ کی قسم! نہ میرا باپ زانی تھا اور نہ میری ماں زانیہ تھی۔ (یہ تعریض ہے، جس میں اشارہ وکنایہ سے گویا باور کرایا گیا کہ میرے ماں باپ بدکار نہ تھے لیکن تمھارے ماں باپ بدکار اور زانی تھے) تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں مشورہ طلب کیا تو کسی کہنے والے نے کہا: اس نے تو (صرف) اپنے باپ اور ماں کی مدح بیان کی ہے اور دوسرے لوگوں نے کہا: اس کے ماں باپ کے لیے اس کے علاوہ (الفاظ میں اور دوسرے مواقع پر) مدح ہو سکتی تھی (لیکن باہم لڑائی کے موقع پر یہ الفاظ اپنے مدمقابل کی مذمت کے علاوہ اور کوئی معنی نہیں رکھتے)، لہٰذا ہم یہی خیال کرتے ہیں کہ آپ اسے حد لگائیں۔ چنانچہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسے اسّی کوڑے مارے۔

قَالَ مَالِكٌ: لَا حَدَّ عِنْدَنَا إِلَّا فِي نَفْيٍ أَوْ قَذْفٍ أَوْ تَعْرِيضٍ، يُرَى أَنَّ قَائِلَهُ إِنَّمَا أَرَادَ بِذَلِكَ نَفْيًا أَوْ قَذْفًا، فَعَلَى مَنْ قَالَ ذَلِكَ الْحَدُّ تَامًّا.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے نزدیک حد لاگو نہیں ہوتی مگر صرف (زنا کی صریح) تہمت لگانے میں، یا (نسب کا) انکار کر دینے میں، یا ایسی تعریض یعنی ایسے اشارہ کنائے میں جس سے یہ سمجھا جا رہا ہو کہ یقیناً اس کے کہنے والے نے اس سے صرف اور صرف نفی (انکار) یا قذف (تہمت) ہی کا ارادہ کیا ہے تو جس کسی نے یہ کہا کہ اس پر مکمل حد (پڑتی) ہے۔

[1560] (موقوف ضعیف) بیہقی: 8/ 252 (17147)، ابن ابی شیبۃ: 28367، عبدالرزاق: 7/ 425 (13725)، دارقطنی: 3/ 208 (3443)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

فائدہ: ......نفی یعنی نسب سے انکار کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو کہنا کہ وہ اپنے باپ کا نہیں ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : الْأَمْرُ عِنْدَنَا أَنَّهُ إِذَا نَفَى رَجُلٌ رَجُلًا مِنْ أَبِيهِ ، فَإِنَّ عَلَيْهِ الْحَدَّ ، وَإِنْ كَانَتْ أُمُّ الَّذِي نُفِيَ مَمْلُوكَةً ، فَإِنَّ عَلَيْهِ الْحَدَّ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور ہمارے ہاں حکم یہ ہے کہ بلاشبہ جب آدمی کسی شخص کے اس کے باپ سے ہونے کی نفی کرے (اور کہے کہ وہ اپنے باپ کا نہیں ہے) تو بلاشبہ اس پر حد (لگانا لازم) ہے، اگرچہ جس شخص کی نفی کی گئی ہو اس کی ماں لونڈی ہی ہو، (بہر حال) اس پر یقیناً حد ہے۔

6- بَابُ مَا لَا حَدَّ فِيهِ

اس صورت کا بیان جس میں حد نہیں ہے

خلاصۃ الباب: اس باب میں ایک موقوف روایت (اثر صحابی رضی اللہ عنہ) ہے جو سنداً ضعیف ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے تین فتاویٰ جات بھی مذکور ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ : إِنَّ أَحْسَنَ مَا سُمِعَ فِي الْأَمَةِ يَقَعُ بِهَا الرَّجُلُ وَلَهُ فِيهَا شِرْكٌ ، أَنَّهُ لَا يُقَامُ عَلَيْهِ الْحَدُّ ، وَأَنَّهُ يُلْحَقُ بِهِ الْوَلَدُ ، وَتُقَوَّمُ عَلَيْهِ الْجَارِيَةُ حِينَ حَمَلَتْ ، فَيُعْطَى شُرَكَاؤُهُ حِصَصَهُمْ مِنَ الثَّمَنِ ، وَتَكُونُ الْجَارِيَةُ لَهُ ، وَعَلَى هَذَا الْأَمْرُ عِنْدَنَا .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: یقیناً سب سے بہترین بات جو اس لونڈی کی کہ جس سے آدمی مباشرت کرتا ہے اس حال میں کہ اس مرد کے ساتھ اس لونڈی میں (کچھ دوسرے آقاؤں کی بھی) شرکت ہے (کیونکہ مثلاً اسے مختلف آدمیوں نے مل کر خریدا تھا، تو سب سے بہترین بات جو ایسی لونڈی سے مباشرت کرنے والے آقا) کے متعلق سنی گئی ہے، یہ ہے کہ بلاشبہ اس پر حد قائم نہ کی جائے گی اور یقیناً (اگر اس مباشرت سے بچہ پیدا ہوا تو وہ) بچہ بھی اسی سے لاحق کیا جائے گا (اور بچے کا نسب اسی کے ساتھ جوڑ دیا جائے گا) اور (البتہ) اس شخص پر اس لونڈی کی قیمت لگائی جائے گی جس وقت کہ وہ حاملہ ہوگی۔ پھر اس قیمت میں اس سے اس کے شرکاء کو ان کے حصے ادا کیے جائیں گے اور وہ لونڈی اسی (اکیلے) کے لیے ہو جائے گی۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور ہمارے ہاں اسی کے مطابق حکم ہے۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الرَّجُلِ يُحِلُّ لِلرَّجُلِ جَارِيَتَهُ : إِنَّهُ إِنْ أَصَابَهَا الَّذِي أُحِلَّتْ لَهُ قُوِّمَتْ عَلَيْهِ يَوْمَ أَصَابَهَا ، حَمَلَتْ أَوْ لَمْ تَحْمِلْ ، وَدُرِئَ عَنْهُ الْحَدُّ بِذَلِكَ ، فَإِنْ حَمَلَتْ أُلْحِقَ بِهِ الْوَلَدُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا: جو دوسرے آدمی کے لیے اپنی لونڈی حلال کر دیتا ہے (اگرچہ یہ درست نہیں ہے، یقیناً جس شخص کے لیے وہ حلال کی گئی ہے، اگر اس نے اس لونڈی سے مباشرت کر لی تو جس دن اس نے اس کے ساتھ مباشرت کی ہو، اس پر اسی دن (کے لحاظ

سے) اس کی قیمت لگائی جائے گی۔ خواہ اسے حمل ٹھہرے یا نہ ٹھہرے اور اس طریقے سے اس سے حد ہٹا دی جائے گی (چنانچہ اس دوسرے شخص کو زانی شمار نہ کیا جائے گا)۔ پھر اگر وہ حاملہ ہو جائے تو بچہ اس (دوسرے شخص) کے ساتھ لاحق کر دیا جائے گا۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الرَّجُلِ يَقَعُ عَلَى جَارِيَةِ ابْنِهِ أَوِ ابْنَتِهِ: أَنَّهُ يُدْرَأُ عَنْهُ الْحَدُّ، وَتُقَامُ عَلَيْهِ الْجَارِيَةُ، حَمَلَتْ أَوْ لَمْ تَحْمِلْ.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا: جو اپنے بیٹے یا اپنی بیٹی کی لونڈی کے ساتھ مباشرت کر لیتا ہے بلاشبہ اس سے بھی حد ہٹا دی جائے گی اور لونڈی کی اس (باپ) پر قیمت لگائی جائے گی، (اور باپ کے ذمے ہوگا کہ اس لونڈی کی قیمت اپنے بیٹے یا بیٹی کو دے کر اپنی ملکیت بنا لے خواہ) اسے حمل ٹھہرے یا نہ ٹھہرے۔

فائدہ:...... دراصل رسول اللہ ﷺ کا فرمان مبارک ہے: ''تو (بھی) اور تیرا مال (بھی) تیرے والد ہی کا (مال اور کمائی) ہے۔'' (ابو داود: 3530، ابن ماجہ: 2292۔ اس کی سند صحیح ہے)۔ ''تو اگرچہ باپ نے شریعت کا طریقہ اختیار نہیں کیا بلکہ اس کی خلاف ورزی کی ہے۔ لیکن چونکہ ایک لحاظ سے وہ اس کا اپنا مال ہی تھا، اس لیے اس پر حد نہیں ہوگی۔''

[1561] حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ لِرَجُلٍ خَرَجَ بِجَارِيَةٍ لِامْرَأَتِهِ مَعَهُ فِي سَفَرٍ، فَأَصَابَهَا، فَغَارَتِ امْرَأَتُهُ، فَذَكَرَتْ ذَلِكَ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، فَسَأَلَهُ عَنْ ذَلِكَ؟ فَقَالَ: وَهَبَتْهَا لِي. فَقَالَ عُمَرُ: لَتَأْتِيَنِّي بِالْبَيِّنَةِ، أَوْ لَأَرْمِيَنَّكَ بِالْحِجَارَةِ. قَالَ: فَاعْتَرَفَتِ امْرَأَتُهُ أَنَّهَا وَهَبَتْهَا لَهُ.

ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس آدمی کے متعلق فرمایا: جو اپنی بیوی کی لونڈی کو اپنے ساتھ سفر میں لے کر نکلا، پھر اس سے مباشرت کر لی تو اس کی بیوی (نسوانی) غیرت (اور سکناپے والے غصے) میں آ گئی۔ چنانچہ اس نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے اس کا ذکر کیا تو انھوں نے اس (خاوند) سے اس کے متعلق پوچھا تو وہ کہنے لگا: اس نے یہ لونڈی مجھے ہبہ کر دی تھی۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: تم ضرور ضرور میرے پاس ثبوت لے کر آؤ یا پھر میں ضرور ضرور تمھیں رجم کر دوں گا۔ ربیعہ رحمہ اللہ نے کہا: (اپنے خاوند کے رجم کی بات سن کر) اس کی بیوی نے یہ اعتراف کر لیا کہ یقیناً اس نے وہ لونڈی خاوند کو ہبہ کر دی تھی۔

[1561] (موقوف ضعیف) بیہقی: 8/ 241 (17081)، عبدالرزاق: 7/ 345 (13428)، 7/ 348 (13440)، ابن ابی شیبہ: 28536۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔

فائدہ :...... امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا یہی مؤقف ہے کہ جب خاوند اپنی بیوی کی لونڈی سے مباشرت کر لے تو اس پر حد نہ لگے گی۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ گنجائش اس وقت ہے جب خاوند یہ کہے کہ میں نے یہ سمجھا تھا کہ میری بیوی نے اسے میرے لیے حلال کر دیا تھا۔ جبکہ امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں: خاوند کو سو کوڑے مارے جائیں گے، ہمارے نزدیک راجح یہ ہے کہ مذکورہ بالا صورت میں خاوند پر حد تو نافذ نہ ہوگی البتہ وہ اس بات کا ذمہ دار ہوگا کہ بیوی کو اس لونڈی کی قیمت ادا کرے۔ اِلّا یہ کہ بیوی اسے ہبہ کر دے تو پھر اس پر قیمت کی بھی چٹی نہ پڑے گی۔ واللہ اعلم

43

كِتَابُ السَّرِقَةِ

چوری کے متعلق مسائل کی کتاب

خلاصة الكتاب: اس کتاب میں پانچ ابواب اور سولہ روایات ہیں، جن میں سے چار مرفوع (احادیث نبویہ ﷺ)، آٹھ موقوف (آثار صحابہ رضی اللہ عنہم) اور چار مقطوع (آثار تابعین رحمہم اللہ) ہیں اور ان سولہ میں سے بارہ سنداً صحیح، ایک حسن اور تین ضعیف ہیں۔ چنانچہ چار مرفوع روایات میں سے تین صحیح ہیں اور ایک حسن ہے۔ آٹھ موقوف روایات میں سے چھ صحیح اور دو ضعیف ہیں اور چار مقطوع روایات میں سے تین صحیح ہیں اور ایک ضعیف ہے۔ نیز امام مالک رحمہ اللہ کے اٹھارہ فتاویٰ جات بھی اس کتاب میں مذکور ہیں۔

1- بَابُ مَايَجِبُ فِيْهِ الْقَطْعُ

اس چوری کا بیان جس میں ہاتھ کاٹنا واجب ہے

خلاصة الباب: اس باب میں پانچ روایات ہیں، جن میں سے دو مرفوع ہیں اور ان میں سے ایک سنداً صحیح اور ایک حسن ہے اور تین موقوف ہیں جو سنداً صحیح ہیں۔ نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

فائدہ: ...... جمہور یعنی امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ اور اہلحدیث کے نزدیک چوری کا نصاب وہی ہے جو احادیث مبارکہ میں بیان ہوا ہے یعنی سونے کے دینار کا چوتھائی حصہ یا چاندی کے تین درہم۔ رسول اللہ ﷺ کے دور میں ان دونوں مقداروں کی قیمت برابر برابر تھی، بعد میں ان کے مابین فرق پڑتا گیا اور آج کل تو زمین و آسمان جیسا فرق پڑ چکا ہے۔ اگر سونے کا حساب لگائیں تو اس کا بھاؤ دسمبر 2014ء تک اڑتالیس ہزار روپے فی تولہ کے لگ بھگ ہے جبکہ صرف تین چار سال قبل اس کی قیمت ساٹھ ہزار پاکستانی روپے سے بھی زیادہ تھی۔ رہی چاندی تو وہ تقریباً سات سو روپے تولہ ہے، اور کچھ عرصہ قبل ایک ہزار روپے فی تولہ تھی...... دور نبوی ﷺ کا ایک دینار چونکہ چار ماشے اور چار رتی کے برابر تھا۔ اس لیے سونے کے حساب سے چوری کا نصاب ایک ماشہ اور ایک رتی یعنی چوتھائی دینار ہے۔ ایک تولے میں بارہ ماشے ہوتے ہیں، یوں آج کل کے حساب سے سونے کا ایک ماشہ تقریباً چار ہزار روپے اور ایک

رتی پانچ سو روپے کے برابر ہے۔ لہٰذا سونے کے حساب سے ہاتھ کاٹنے کا حساب ساڑھے چار ہزار روپے کے لگ بھگ ہے......اگر چاندی کا حساب لگائیں تو چونکہ دور نبوی ﷺ کا ایک درہم تین ماشے، ایک رتی اور رتی کے پانچویں حصے کے برابر تھا، اس لیے چاندی کے اعتبار سے چور کا ہاتھ تقریباً ساڑھے نو ماشے چاندی پر کٹے گا۔ چاندی کے ایک ماشے کی قیمت ساٹھ روپے سے بھی کم ہے اور رتی کی قیمت آٹھ روپے بھی نہیں بنتی۔ الغرض تین درہم یعنی تقریباً ساڑھے نو ماشے چاندی کی قیمت ساڑھے پانچ سو روپے کے لگ بھگ بنتی ہے۔ اس لیے جو شخص اتنی مالیت کی چوری کرے گا تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

[1562] حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَطَعَ فِي مِجَنٍّ ثَمَنُهُ ثَلَاثَةُ دَرَاهِمَ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ایسی ڈھال (کی چوری) میں ہاتھ کاٹا جس کی قیمت تین درہم تھی۔

فائدہ:......اگر کوئی شخص چاندی چرائے تو ہاتھ کاٹنے کے لیے اس کا نصاب تین درہم (تقریباً ساڑھے نو ماشے چاندی) ہے اور اگر کوئی شخص سونا چرائے تو اس کا نصاب رُبُع دینار (دینار کا چوتھائی حصہ) یعنی ایک ماشہ اور ایک رتی سونا ہے۔ اگر دوسری اشیاء چرائی جائیں تو امام مالک رحمہ اللہ چاندی، جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ سونے کے حساب سے قیمت لگانے کے قائل ہیں......اب یہ اہل حل وعقد کی ذمہ داری ہے کہ وہ دیکھیں کس نصاب کی وجہ سے لوگوں کے مال زیادہ محفوظ ہوتے ہیں اور ظاہر بات ہے کہ اس کے لیے چاندی ہی پر نظر پڑتی ہے۔ جس طرح کہ زکاۃ میں بھی سامان تجارت پر چاندی کا نصاب لاگو کیا جاتا ہے تاکہ فقراء کو زیادہ نفع ہو۔

[1563] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي حُسَيْنٍ الْمَكِّيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَا قَطْعَ فِي ثَمَرٍ مُعَلَّقٍ، وَلَا فِي حَرِيسَةِ جَبَلٍ فَإِذَا آوَاهُ الْمُرَاحُ أَوِ الْجَرِينُ، فَالْقَطْعُ فِيمَا يَبْلُغُ ثَمَنَ الْمِجَنِّ.

عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی حسین مکی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ یقیناً رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''(حد کے طور پر) ہاتھ کاٹنا نہ تو اس پھل (کی چوری) میں لازم آتا ہے جو درخت ہی پر لٹکا ہوا ہو اور نہ ہی پہاڑ پر رہنے والی بکری میں، ہاں جب اس (جانور اور پھل) کو باڑا یا کھلیان پناہ دے تو پھر

[1562] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب الحدود، باب قول الله تعالىٰ والسارق والسارقة فاقطعوا ايديهما، حديث: 6795 - 6798، صحيح مسلم، كتاب الحدود، باب حد السرقة ونصابها، حديث: 1686، ابو داود: 4385، ترمذی: 1446، نسائی: 4912، ابن ماجه: 2584، احمد: 2/ 64 (5310)، دارمی: 2301.

[1563] (مرفوع حسن) بيهقي في السنن الكبرى: 8/ 266، وفي السنن الصغير: 3/ 310 (3278)، الشافعي في الام: 6/ 148، نیز دیکھیے: ابو داود: 1710، 4390، ترمذی: 1289، نسائی: 4961، ابن ماجه: 2596، احمد: 2/ 207 (6936)۔ شیخ سلیم ہلالی اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس روایت کو حسن کہا ہے، الارواء: 2413۔

ہاتھ کاٹنا اس چیز (کی چوری) میں (لازم) ہے جو ڈھال کی قیمت کو پہنچ جائے۔''

فائدہ : ......یعنی ہاتھ کاٹنے کی حد لاگو کرنے کے لیے چوری شدہ مال کا محفوظ ہونا شرط ہے۔ اسی انداز اور طریقے کے مطابق، کہ جو عموماً حفاظت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر جانور کو باڑے میں اور پھل کو کسی مکان میں رکھ لیا جائے تو وہ محفوظ مال شمار ہوتے ہیں۔

[1564] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: أَنَّ سَارِقاً سَرَقَ فِي زَمَانِ عُثْمَانَ أُتْرُجَّةً، فَأَمَرَ بِهَا عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ أَنْ تُقَوَّمَ، فَقُوِّمَتْ بِثَلَاثَةِ دَرَاهِمَ مِنْ صَرْفِ اثْنَيْ عَشَرَ دِرْهَماً بِدِينَارٍ، فَقَطَعَ عُثْمَانُ يَدَهُ.

عمرہ بنت عبدالرحمٰن رحمہا اللہ سے روایت ہے کہ یقیناً ایک چور نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک سنگترہ چرالیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ اس کی قیمت لگائی جائے۔ چنانچہ بارہ درہم فی دینار (والے ریٹ اور بھاؤ) کے حساب سے اس کی قیمت تین درہم لگائی گئی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کا ہاتھ کاٹ دیا۔

فائدہ : ...... ہندی نسخوں میں "أُتْرُنْجه" جبکہ مصری نسخوں میں "أُتْرُجّه" کا لفظ ہے۔ جس کے عام معنی تو سنگترے یا مالٹے کی قسم کے ایک پھل کے کیے جاتے ہیں، لیکن ابن کنانہ کا کہنا ہے کہ اس سے مراد چنے کے برابر سونے کا موتی ہے۔ روایت میں جو ریٹ اور بھاؤ مذکور ہے وہ سونے اور چاندی دونوں کے حساب سے نصاب پر پورا اترتا ہے۔

[1565] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ: أَنَّهَا قَالَتْ: مَا طَالَ عَلَيَّ وَمَا نَسِيتُ الْقَطْعُ فِي رُبُعِ دِينَارٍ فَصَاعِداً.

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ پیغمبر ﷺ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نہ تو مجھ پر لمبا زمانہ گزرا ہے اور نہ میں بھول کا شکار ہوئی ہوں، (مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ) ہاتھ کاٹنا دینار کے چوتھائی حصے یا اس سے زیادہ (کی چوری) میں ہے۔

فائدہ : ...... یہ روایت حکماً مرفوع یعنی حدیث نبوی ﷺ ہے، بلکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے صراحت کے ساتھ اسے رسول اللہ ﷺ سے بھی روایت کیا ہے، دیکھیے (بخاری: 6789، مسلم: 1684)۔ عہد نبوی ﷺ بلکہ عہد عثمانی رضی اللہ عنہ میں بھی تین درہم چوتھائی دینار کے برابر تھے کیونکہ اگر ایک پورا دینار بارہ درہم کے عوض ہو (جیسا کہ گزشتہ روایت

[1564] (موقوف صحیح) بیهقی فی السنن الکبری: 8/ 260 (17188)، وفی الصغیر: 3/ 308 (3265)، وفی المعرفة: 6/ 392 (5145)، الشافعی فی الام: 6/ 130، وفی المسند: 2/ 165، عبدالرزاق: 10/ 237 (18972)، ابن ابی شیبه: 28087۔ شیخ سلیم نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

[1565] (موقوف صحیح) سنن النسائی، کتاب قطع السارق، باب ذکر الاختلاف علی الزهری، حدیث: 4931، ابن حبان: 10/ 313 (4462)، بیهقی: 8/ 262۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ نیز مرفوع کے لیے دیکھیے: بخاری: 6789، مسلم: 1684، ابوداود: 4383، ترمذی: 1445، ابن ماجه: 2585، احمد: 6/ 249۔

میں بیان ہوا ہے) تو دینار کا چوتھا حصہ تین درہم ہی کے برابر بنتا ہے۔

[1566] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ حَزْمٍ، عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّهَا قَالَتْ: خَرَجَتْ عَائِشَةُ زَوْجُ النَّبِيِّ ﷺ إِلَى مَكَّةَ، وَمَعَهَا مَوْلَاتَانِ لَهَا، وَمَعَهَا غُلَامٌ لِبَنِي عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ، فَبَعَثَتْ مَعَ الْمَوْلَاتَيْنِ بِبُرْدٍ مُرَجَّلٍ، قَدْ خِيطَ عَلَيْهِ خِرْقَةٌ خَضْرَاءُ، قَالَتْ فَأَخَذَ الْغُلَامُ الْبُرْدَ، فَفَتَقَ عَنْهُ فَاسْتَخْرَجَهُ، وَجَعَلَ مَكَانَهُ لِبْدًا أَوْ فَرْوَةً وَخَاطَ عَلَيْهِ، فَلَمَّا قَدِمَتِ الْمَوْلَاتَانِ الْمَدِينَةَ دَفَعَتَا ذَلِكَ إِلَى أَهْلِهِ، فَلَمَّا فَتَقُوا عَنْهُ وَجَدُوا فِيهِ اللِّبْدَ، وَلَمْ يَجِدُوا الْبُرْدَ، فَكَلَّمُوا الْمَرْأَتَيْنِ، فَكَلَّمَتَا عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ، أَوْ كَتَبَتَا إِلَيْهَا، وَاتَّهَمَتَا الْعَبْدَ، فَسُئِلَ الْعَبْدُ عَنْ ذَلِكَ فَاعْتَرَفَ، فَأَمَرَتْ بِهِ عَائِشَةُ زَوْجُ النَّبِيِّ ﷺ فَقُطِعَتْ يَدُهُ وَقَالَتْ عَائِشَةُ: الْقَطْعُ فِي رُبُعِ دِينَارٍ فَصَاعِدًا.

عمرہ بنت عبدالرحمٰن ﷫ سے روایت ہے، کہتی ہیں: سیدہ عائشہ ؓ زوجہ پیغمبر ﷺ مکہ کی طرف نکلیں، ان کے ہمراہ ان کی دو آزاد کردہ لونڈیاں بھی تھیں اور ان کے ساتھ (ان کے بھائی) عبداللہ ؓ بن ابی بکر صدیق ؓ کی اولاد کا ایک غلام بھی تھا۔ انھوں نے اپنی لونڈیوں کے ساتھ ایک چادر (مدینہ منورہ واپس) بھیجی، جس میں (مردوں کی یا) پالانوں کی تصویریں تھیں۔ اس چادر کے اوپر سے (سبز کپڑا) پھاڑا اور اسے نکال کر اس کی جگہ نمدہ یا پوستین رکھ دی، پھر اس کے اوپر (وہی سبز کپڑا جڑھا کر اُسے) سی دیا۔ جب وہ دونوں لونڈیاں مدینہ منورہ آئیں تو انھوں نے اس (کپڑے میں پیک شدہ چیز) کو اس چادر والوں کے سپرد کر دیا (جن کی وہ امانت تھی)۔ انھوں نے جب اس (کے اوپر) سے کپڑا اُتارا تو اس میں نمدہ پایا اور چادر نہ پائی۔ چنانچہ انھوں نے ان دونوں لونڈیوں سے بات کی تو ان دونوں نے سیدہ عائشہ ؓ سے (اس بارے میں) گفتگو کی (یا مدینہ سے مکہ) ان کی طرف (پیغام) لکھا اور اس غلام پر الزام لگایا۔ اس غلام سے اس بارے میں پوچھا گیا تو اس نے اعتراف کر لیا۔ چنانچہ سیدہ عائشہ ؓ زوجہ پیغمبر ﷺ نے حکم دیا تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا اور سیدہ عائشہ ؓ نے فرمایا: ہاتھ کاٹنا چوتھائی دینار یا اس سے زیادہ میں ہے۔

فائدہ: ..... "لِبْد" نمدہ کو کہتے ہیں یعنی وہ کپڑا جو اُون یا بالوں سے بنتا ہے اس طرح کہ اُون کو پانی میں بھگو کر جما لیا جاتا ہے۔ "لِبْد" اس اونی کپڑے کو بھی کہتے ہیں جو گھوڑے کی زین کے نیچے رکھا جاتا ہے۔ "فَرْوَہ"

[1566] (موقوف صحيح) نسائي: 4932، وفي السنن الكبرى: 7417، بيهقي في السنن الكبرى: 8/ 276 (17280)، وفي معرفة السنن والآثار: 6/ 418 (5183)، الشافعي في الام: 6/ 149، عبدالرزاق: 10/ 235 (18964)۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

پوستین کو کہتے ہیں یعنی جانور کے چمڑے سے بنا ہوا کوٹ وغیرہ۔ "مُــرَجَّـل" جیم کے ساتھ ہو تو اس کے معنی مردوں کی تصویروں والی چادر کے ہیں اور اگر حاء کے ساتھ مُرَحَّل ہو تو اس کے معنی پالانوں کی تصویروں والی چادر کے ہیں، جاندار اشیاء کی تصویریں اس وقت حرام ہیں، جب ان کا سر اور چہرہ بھی تصویر میں شامل ہو۔ اگر انھیں ختم کر دیا جائے تو پھر کوئی حرج نہیں ہے۔

قَـالَ مَـالِكٌ : أَحَـبُّ مَا يَجِبُ فِيهِ الْقَطْعُ إِلَيَّ ثَـــلَاثَةُ دَرَاهِـمَ ، وَإِنِ ارْتَـفَـعَ الصَّـرْفُ أَوِ اتَّـضَعَ ، وَذَلِكَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَطَعَ فِي مِـجَـنٍّ قِيمَتُهُ ثَـلَاثَةُ دَرَاهِمَ ، وَأَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ قَطَعَ فِي أُتْرُجَّةٍ قُوِّمَتْ بِثَـلَاثَةِ دَرَاهِمَ ، وَهَذَا أَحَبُّ مَا سَمِعْتُ إِلَيَّ فِي ذَلِكَ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ مقدار جس میں ہاتھ کٹتا ہے (اس کے متعلق) میرے نزدیک سب سے پسندیدہ قول تین درہم (کا) ہے، اگرچہ (سونے کے بدلے چاندی یعنی کرنسی کی تبدیلی کا) بھاؤ بڑھ جائے یا گھٹ جائے، اور یہ اس وجہ سے ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے ایک ایسی ڈھال (کی چوری) میں ہاتھ کاٹا تھا جس کی قیمت تین درہم تھی اور یقیناً حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی ایک سنگترے (کی چوری) میں ہاتھ کاٹ ڈالا تھا جس کی قیمت تین درہم لگائی گئی تھی، اور یہی میرے نزدیک وہ سب سے پسندیدہ بات ہے جو میں نے اس مسئلے میں سنی ہے۔

2- بَابُ مَاجَاءَ فِيْ قَطْعِ الْآبِقِ وَالسَّارِقِ

بھاگے ہوئے غلام اور چور کا ہاتھ کاٹنے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں تین روایات ہیں جن میں سے ایک موقوف (اثر صحابی رضی اللہ عنہ) ہے اور وہ سنداً صحیح ہے، جبکہ دو روایات مقطوع (آثار تابعین رحمہم اللہ) ہیں، جن میں سے ایک صحیح اور ایک ضعیف ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی اس میں مذکور ہے۔

فائدہ :...... اس باب میں اس غلام کا بیان ہے جو دو خرابیوں کا مرتکب ہو، بھاگا ہوا بھی ہو اور چور بھی ہو تو یہاں یہ بتایا جا رہا ہے کہ محض بھاگنے کے جرم میں تو ہاتھ نہ کٹے گا، البتہ اگر نصاب کو پہنچنے والی چوری کرے گا تو پھر اس پر حد نافذ ہوگی، ورنہ نہیں۔

[1567] حَـدَّثَـنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ نَافِعٍ : أَنَّ عَبْـداً لِـعَبْـدِ الـلّٰهِ بْنِ عُمَرَ سَرَقَ وَهُوَ آبِقٌ ،

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ایک غلام نے اس حال میں چوری کی کہ وہ

[1567] (موقوف صحيح) بيهقي في السنن الكبرى: 8/ 268 (17234)، وفي السنن الصغير: 3/ 312 (3285)، وفي معرفة السنن والآثار: 6/ 407 (5168)، الشافعي في الام: 6/ 150، وفي المسند: 2/ 163- شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو شیخین کی شرط کے مطابق صحیح قرار دیا ہے۔

فَأَرْسَلَ بِهِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ إِلَى سَعِيدِ بْنِ الْعَاصِ، وَهُوَ أَمِيرُ الْمَدِينَةِ، لِيَقْطَعَ يَدَهُ، فَأَبَى سَعِيدٌ أَنْ يَقْطَعَ يَدَهُ وَقَالَ: لَا تُقْطَعُ يَدُ الْآبِقِ السَّارِقِ إِذَا سَرَقَ. فَقَالَ لَهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ: فِي أَيِّ كِتَابِ اللّٰهِ وَجَدْتَ هٰذَا؟ ثُمَّ أَمَرَ بِهِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ فَقُطِعَتْ يَدُهُ.

بھاگا ہوا تھا، تو (اس کے پکڑے جانے کے بعد) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اسے حضرت سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا تاکہ وہ اس کا ہاتھ کاٹ دیں، اور وہ (ان دنوں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے) مدینہ منورہ کے امیر تھے تو حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے اس کا ہاتھ کاٹنے سے انکار کر دیا اور کہا: بھاگا ہوا غلام جب چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹا نہیں جائے گا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ تو نے کون سی کتاب اللہ (کی آیت) میں یہ (مسئلہ) پایا ہے؟ پھر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔

[1568] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زُرَيْقِ بْنِ حَكِيمٍ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ، أَنَّهُ أَخَذَ عَبْدًا آبِقًا قَدْ سَرَقَ، قَالَ: فَأَشْكَلَ عَلَيَّ أَمْرُهُ، قَالَ: فَكَتَبْتُ فِيهِ إِلَى عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ أَسْأَلُهُ عَنْ ذٰلِكَ، وَهُوَ الْوَالِي يَوْمَئِذٍ، قَالَ: فَأَخْبَرْتُهُ أَنِّي كُنْتُ أَسْمَعُ أَنَّ الْعَبْدَ الْآبِقَ إِذَا سَرَقَ وَهُوَ آبِقٌ لَمْ تُقْطَعْ يَدُهُ. قَالَ: فَكَتَبَ إِلَيَّ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ نَقِيضَ كِتَابِي يَقُولُ: كَتَبْتَ إِلَيَّ: أَنَّكَ كُنْتَ تَسْمَعُ أَنَّ الْعَبْدَ الْآبِقَ إِذَا سَرَقَ لَمْ تُقْطَعْ يَدُهُ، وَأَنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَقُولُ فِي كِتَابِهِ: ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ [المائدة 38] فَإِنْ بَلَغَتْ سَرِقَتُهُ رُبُعَ دِينَارٍ فَصَاعِدًا فَاقْطَعْ يَدَهُ.

زُریق بن حکیم رحمہ اللہ (یا حکیم رحمہ اللہ) سے روایت ہے، انھوں نے ایک بھاگا ہوا غلام پکڑا جس نے چوری کی تھی، زریق کہتے ہیں کہ اس کا معاملہ مجھے مشکل محسوس ہوا۔ وہ کہتے ہیں کہ پھر میں نے اس کے متعلق حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی طرف (پیغام) لکھا، میں اُن سے اس بارے میں سوال کر رہا تھا، وہ اس وقت (مسلمانوں کے خلیفہ اور) والی تھے۔ میں نے انھیں خبر دی کہ بے شک میں تو (ہمیشہ یہی) سنا کرتا تھا کہ غلام جب اس حال میں چوری کرے کہ وہ بھاگا ہوا ہو تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ زریق رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے میری طرف خط کا جواب لکھا (جس میں) وہ فرما رہے تھے: تم نے میری طرف یہ لکھا تھا کہ بے شک تم یہ سنا کرتے تھے کہ بھاگا ہوا غلام جب چوری کرے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور (جبکہ) بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں (اس کا استثناء کیے بغیر) فرماتے ہیں: ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوٓا

[1568] (مقطوع صحيح) بيهقي في السنن الكبرى: 8/ 268(17236)، وفي معرفة السنن والآثار: 6/ 408 (5169)، الشافعي في الام: 6/ 150، عبدالرزاق: 10/ 241(18984)۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

أَيْدِيَهُمَا جَزَآءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ (المائدة 5:38) ''اورتم چوری کرنے والے مرداور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ دیا کرو، یہ اللہ کی طرف سے اس گناہ کی عبرت ناک سزا ہے جو انھوں نے کیا، اور اللہ خوب غالب اور بہت حکمت والا ہے۔'' لہٰذا اگر اس (بھاگے ہوئے غلام) کی چوری چوتھائی دینار یا اس سے زیادہ تک پہنچ جائے تو اس کا ہاتھ کاٹ دو۔

[1569] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، أَنَّهُ بَلَغَهُ ، أَنَّ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ ، وَسَالِمَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ ، وَعُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ كَانُوا يَقُولُونَ : إِذَا سَرَقَ الْعَبْدُ الْآبِقُ مَا يَجِبُ فِيهِ الْقَطْعُ قُطِعَ .

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ بے شک قاسم بن محمد رحمہ اللہ، سالم بن عبداللہ اور عروہ بن زبیر رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے: جب بھاگا ہوا غلام وہ چیز چرائے جس میں ہاتھ کاٹنا واجب ہوتو اسے کاٹ دیا جائے گا۔

قَالَ مَالِكٌ : وَذٰلِكَ الْأَمْرُ الَّذِي لَا اخْتِلَافَ فِيهِ عِنْدَنَا : أَنَّ الْعَبْدَ الْآبِقَ إِذَا سَرَقَ مَا يَجِبُ فِيهِ الْقَطْعُ قُطِعَ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور یہی وہ حکم ہے جس میں ہمارے ہاں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ بھاگا ہوا غلام جب وہ چیز چرائے جس میں ہاتھ کاٹنا واجب ہے تو اسے کاٹ دیا جائے گا۔

3- بَابٌ: تَرْكُ الشَّفَاعَةِ لِلسَّارِقِ إِذَا بَلَغَ السُّلْطَانَ

چور کے حق میں سفارش نہ کرنے کا بیان جس وقت کہ اس کا معاملہ بادشاہ تک پہنچ جائے

خلاصۃ الباب اس باب میں دو روایات ہیں، ایک مرفوع (حدیث نبوی ﷺ) اور ایک موقوف (اثر صحابی رضی اللہ عنہ) ہے اور دونوں ہی سنداً صحیح ہیں۔

[1570] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ ، عَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ صَفْوَانَ : أَنَّ صَفْوَانَ بْنَ أُمَيَّةَ قِيلَ لَهُ : إِنَّهُ مَنْ لَمْ يُهَاجِرْ هَلَكَ ، فَقَدِمَ صَفْوَانُ بْنُ أُمَيَّةَ

صفوان بن عبداللہ بن صفوان رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک (ان کے دادا) حضرت صفوان بن اُمیہ رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ یقیناً جس نے ہجرت نہ کی وہ ہلاک ہوگیا۔ چنانچہ حضرت صفوان رضی اللہ عنہ مدینہ آ گئے، وہ مسجد ہی میں سو گئے اور انھوں نے

[1569] (مقطوع ضعیف) عبدالرزاق: 18981، ابن ابی شیبہ: 28135، 28136۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

[1570] (مرفوع صحیح) سنن ابی داود، کتاب الحدود، باب فی من سرق من حرز، حدیث: 4394، سنن النسائی، کتاب قطع السارق، باب الرجل یتجاوز للسارق عن سرقته، حدیث: 4885، ابن ماجہ: 2595، احمد: 3/ 401 (15379)۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

الْمَدِينَةَ، فَنَامَ فِي الْمَسْجِدِ وَتَوَسَّدَ رِدَاءَهُ، فَجَاءَهُ سَارِقٌ فَأَخَذَ رِدَاءَهُ، فَأَخَذَ صَفْوَانُ السَّارِقَ، فَجَاءَ بِهِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَأَمَرَ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ تُقْطَعَ يَدُهُ، فَقَالَ لَهُ صَفْوَانُ: إِنِّي لَمْ أُرِدْ هَذَا يَا رَسُولَ اللَّهِ، هُوَ عَلَيْهِ صَدَقَةٌ. فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: فَهَلَّا قَبْلَ أَنْ تَأْتِيَنِي بِهِ.

اپنی چادر کو تکیہ بنا لیا۔ ایک چور آیا اور اس نے (ان کے سر کے نیچے سے) ان کی چادر پکڑ لی تو حضرت صفوان رضی اللہ عنہ نے (آنکھ کھل جانے پر) اُسے پکڑ لیا اور اُسے رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آئے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اس (چور) سے فرمایا: ''کیا تم نے اس کی چادر چرائی تھی؟'' اُس نے کہا کہ جی ہاں، تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے متعلق فرمایا کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ اس پر حضرت صفوان رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے کہ یقیناً اے اللہ کے رسول! میں نے تو اس کا ارادہ نہ کیا تھا (کہ اس کا ہاتھ کٹواؤں، اب میری طرف سے) یہ چادر اس پر صدقہ ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تو پھر اسے میرے پاس لانے سے پہلے (ایسا) کیوں نہ کر لیا؟''

فائدہ: ..... عدالت میں کیس آ جانے اور حد ثابت ہونے کے بعد نہ اس کی معافی ہے اور نہ ہی اس میں سفارش جائز ہے، ہاں اس سے پہلے پہلے جائز ہے۔

[1571] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ: أَنَّ الزُّبَيْرَ بْنَ الْعَوَّامِ لَقِيَ رَجُلًا قَدْ أَخَذَ سَارِقًا، وَهُوَ يُرِيدُ أَنْ يَذْهَبَ بِهِ إِلَى السُّلْطَانِ، فَشَفَعَ لَهُ الزُّبَيْرُ لِيُرْسِلَهُ، فَقَالَ: لَا، حَتَّى أَبْلُغَ بِهِ السُّلْطَانَ. فَقَالَ الزُّبَيْرُ: إِذَا بَلَغْتَ بِهِ السُّلْطَانَ، فَلَعَنَ اللَّهُ الشَّافِعَ وَالْمُشَفِّعَ.

ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ بے شک حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ ایک آدمی کو ملے جس نے ایک چور پکڑ رکھا تھا اور وہ چاہتا تھا کہ اسے حاکم کے پاس لے جائے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اس کے حق میں سفارش کی کہ وہ اسے چھوڑ دے، وہ کہنے لگا کہ نہیں (چھوڑوں گا) یہاں تک کہ اسے حاکم تک پہنچا کر ہی رہوں گا، تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: جب تم اسے حاکم تک پہنچا دو گے تو پھر سفارش کرنے والے اور سفارش قبول کرنے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

فائدہ: ..... سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر قریش کے قبیلہ بنو مخزوم کی ایک عورت نے چوری کر لی، قریش کو بڑی فکر لاحق ہوئی تو وہ سفارش کروانے کے لیے محبِ رسول اللہ ﷺ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ

[1571] (موقوف صحیح) بیہقی: 8/ 333، عبدالرزاق: 10/ 226 (18927، 18928)، ابن ابی شیبہ: 28066، 28067، دارقطنی: 3/ 204 (3431، 3432)۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

کے پاس آئے۔ چنانچہ جب انھوں نے سفارش کی تو رسول اللہ ﷺ کے چہرہ مبارک کا رنگ بدل گیا، اور فرمایا کہ "کیا تم اللہ کی حدوں میں سے ایک حد (کو ختم کرنے) میں سفارش کر رہے ہو؟" حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرے لیے دعائے مغفرت فرما دیجیے۔ پھر پچھلے پہر رسول اللہ ﷺ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے، اللہ کی شایان شان حمد وثنا کے بعد فرمایا: "امابعد! یقیناً تم سے پہلے لوگوں کو صرف اسی چیز نے تباہ کیا تھا کہ جب ان میں سے کوئی معزز (طاقت ور، اعلیٰ طبقے والا) شخص چوری کرتا تو وہ اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی کمزور شخص چوری کرتا تو اس پر حد قائم کر دیتے۔ قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے! اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا، بعدازاں آپ ﷺ کے حکم سے اس عورت کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ اس کے بعد اس (عورت) نے بہترین توبہ کی اور اس کی شادی بھی ہوگئی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: وہ اس واقعے کے بعد میرے پاس آیا کرتی تھی اور اسے جو حاجت ہوتی میں اُسے رسول اللہ ﷺ تک پہنچا دیا کرتی تھی۔ (بخاری: 4304، مسلم: 1688/ 9) اس عورت کا طریقہ واردات یہ تھا کہ وہ لوگوں سے عاریتاً سامان لیتی تھی پھر انکار کر دیا کرتی تھی۔ سب روایات کو دیکھیں تو پتا چلتا ہے کہ اس نے چوری بھی کی اور لوگوں سے عاریتاً سامان لے کر انکار بھی کر دیتی تھی۔ (مسلم: 1688/ 10) اس عورت نے سیدہ ام سلمہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے ذریعے بھی پناہ چاہی تھی۔ (مسلم: 1689)

4- بَابٌ: جَامِعُ الْقَطْعِ

ہاتھ کاٹنے کے متعلق مختلف مسائل کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں دو روایات ہیں، ایک موقوف (اثر صحابی رضی اللہ عنہ) ہے جو سنداً ضعیف ہے اور دوسری مقطوع (اثر تابعی رحمہ اللہ) ہے جو سنداً صحیح ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے دس فتاویٰ جات بھی اس باب میں مذکور ہیں۔

[1572] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ رَجُلاً مِنْ أَهْلِ الْيَمَنِ أَقْطَعَ الْيَدِ وَالرِّجْلِ قَدِمَ، فَنَزَلَ عَلَى أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ، فَشَكَا إِلَيْهِ أَنَّ عَامِلَ الْيَمَنِ قَدْ ظَلَمَهُ، فَكَانَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ، فَيَقُولُ أَبُو بَكْرٍ: وَأَبِيكَ، مَا لَيْلُكَ

عبدالرحمن بن قاسم رحمہ اللہ اپنے والد (قاسم بن محمد بن ابی بکر رحمہ اللہ) سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک اہل یمن میں سے ایک آدمی جس کا (دایاں) ہاتھ اور (بایاں) پاؤں (چوری کے جرم میں) کٹے ہوئے تھے، (مدینہ منورہ میں) آیا۔ اس نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس پڑاؤ کیا اور ان سے شکایت کی کہ یمن کے عامل (گورنر) نے اس

[1572] [موقوف ضعیف] بیھقی فی السنن الکبری: 8/ 273(17263)، وفی الصغیر: 3/ 315(3297)، عبدالرزاق: 18769، ابن ابی شیبہ: 28256، دارقطنی: 3/ 182(3368)، الشافعی فی الام: 6/ 150۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔

بِلَيْلِ سَارِقٍ . ثُمَّ إِنَّهُمْ فَقَدُوا عِقْداً لِأَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَيْسٍ امْرَأَةِ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ، فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَطُوفُ مَعَهُمْ وَيَقُولُ : اللَّهُمَّ عَلَيْكَ بِمَنْ بَيَّتَ أَهْلَ هَذَا الْبَيْتِ الصَّالِحِ . فَوَجَدُوا الْحُلِيَّ عِنْدَ صَائِغٍ ، زَعَمَ أَنَّ الْأَقْطَعَ جَاءَهُ بِهِ ، فَاعْتَرَفَ بِهِ الْأَقْطَعُ ، أَوْ شُهِدَ عَلَيْهِ بِهِ ، فَأَمَرَ بِهِ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ فَقُطِعَتْ يَدُهُ الْيُسْرَى ، وَقَالَ أَبُو بَكْرٍ : وَاللَّهِ لَدُعَاؤُهُ عَلَى نَفْسِهِ أَشَدُّ عِنْدِي عَلَيْهِ مِنْ سَرِقَتِهِ .

پر ظلم کیا ہے۔ وہ آدمی رات میں (تہجد کی) نماز ادا کیا کرتا تھا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے: تیرے باپ کی قسم! تیری رات کسی چور کی رات نہیں ہوسکتی (چور تو ایسا نہیں کرتے)، پھر بلاشبہ لوگوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کا ہار گم پایا۔ وہ آدمی بھی لوگوں کے ساتھ (ہار کی تلاش میں) چلنے لگا اور کہنے لگا: اے اللہ! اس شخص کو پکڑ لے (اور تباہ کردے) جس نے اس نیک گھر والوں پر شب خون مارا ہے (اوران کا ہار چرایا ہے)۔ پھر لوگوں نے اس (گم شدہ) زیور کو ایک سنار کے پاس پالیا، اس (سنار) نے کہا کہ ایک ہاتھ پاؤں کٹا شخص اسے اس کے پاس لایا تھا۔ چنانچہ اس لنجے (ہاتھ پاؤں کٹے) شخص نے اس کا اعتراف کرلیا، یا اس کی گواہی قائم ہوگئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کے متعلق حکم دیا، سو اس کا بایاں ہاتھ بھی کاٹ دیا گیا، اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میرے نزدیک اس کی اپنے خلاف بددعا اس کی چوری سے بھی زیادہ سخت ہے۔

فائدہ: ...... وہ شخص اپنے اوپر پردہ ڈالنے کے لیے یہ الفاظ کہہ رہا تھا جس طرح کہ یہ کہاوت مشہور ہے: ''چور بھی کہے چور چور'' امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک تیسری بار چوری کرنے والے کا بایاں ہاتھ اور چوتھی بار میں دایاں پاؤں بھی کاٹ دیا جائے گا، لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک تیسری بار میں صرف تعزیری سزا دی جائے گی اور بایاں ہاتھ نہ کاٹا جائے گا...... حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے الفاظ (وَأَبِيكَ) (تیرے باپ کی قسم!) سے مقصود قسم کھانا نہیں ہے، بلکہ یہ تو صرف تاکید کے لیے ہیں، جبکہ ممانعت صرف اس وقت ہے، جب انھیں تعظیم اور قسم کی نیت سے کہا جائے، اگرچہ بہتر یہی ہے کہ انھیں تاکید کے لیے بھی نہ کہا جائے۔

قَالَ يَحْيَى : قَالَ مَالِكٌ : الْأَمْرُ عِنْدَنَا فِي الَّذِي يَسْرِقُ مِرَاراً ، ثُمَّ يُسْتَعْدَى عَلَيْهِ : إِنَّهُ لَيْسَ عَلَيْهِ إِلَّا أَنْ تُقْطَعَ يَدُهُ لِجَمِيعِ مَنْ سَرَقَ مِنْهُ ، إِذَا لَمْ يَكُنْ أُقِيمَ عَلَيْهِ الْحَدُّ ، فَإِنْ كَانَ قَدْ أُقِيمَ عَلَيْهِ الْحَدُّ قَبْلَ ذَلِكَ ، ثُمَّ سَرَقَ مَا يَجِبُ فِيهِ الْقَطْعُ ، قُطِعَ أَيْضاً .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ شخص جو بار بار چوری کرتا ہے، پھر اس کے خلاف مددطلب کی جاتی ہے (اور وہ گرفتار کرلیا جاتا ہے، اُس) کے متعلق ہمارے ہاں حکم یہ ہے کہ بلاشبہ اس پر اس کے سوا کچھ (سزا) نہیں کہ اس کا (دایاں) ہاتھ کاٹ دیا جائے گا اُن تمام لوگوں کی طرف سے جن کی اس نے چوری کی تھی، جس وقت کہ (اس سے قبل) اس پر

(چوری کی) حد قائم نہ کی گئی ہو، چنانچہ اگر اس پر اس سے پہلے بھی (چوری کی) حد قائم کی جا چکی ہو، پھر (اس کے بعد وہ دوبارہ) اس چیز کو چرالے جس میں ہاتھ کاٹنا واجب ہے تو (اب کی بار) بھی اس (کے بائیں پاؤں) کو کاٹا جائے گا۔

فائدہ: ...... چوری کے جرم میں دو حقوق پامال ہوتے ہیں، ایک ''اللہ کے حکم کی تعمیل'' اور دوسرا ''لوگوں کے مال کی حرمت'' کا لحاظ نہیں رکھا جاتا، پھر جب چور گرفتار ہوتا ہے تو لوگوں کے حقوق اس سے لے کر واپس لوٹا دیے جاتے ہیں اور اللہ کے حق کی پامالی کی بنا پر چور کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ قاضی و حاکم کے سامنے حد ثابت ہونے کے بعد یہ ساقط نہیں ہوتی۔ خواہ مظلوم لوگ اس موقع پر اسے معاف بھی کر دیں، اسی طرح شریعت میں پہلی گرفتاری پر صرف ایک حد لگانے کا حکم ہے، یہ نہیں ہو سکتا کہ جن لوگوں کی چوری ہوئی ہو ان تمام کی طرف سے چور کے اعضاء کاٹے جائیں، نیز چونکہ کلائی تک ہاتھ کاٹنا محض اللہ کے حکم سے ہے اور اس میں قیاس کا دخل نہیں ہے اس لیے صرف تین درہم کی چوری میں بھی یہی حد ہے اور ایک لاکھ یا زائد درہموں میں بھی یہی سزا ہے، یہ نہ ہوگا کہ بڑی چوری میں جسم کا بڑا حصہ کاٹا جائے۔

[1573] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّ أَبَا الزِّنَادِ أَخْبَرَهُ: أَنَّ عَامِلاً لِعُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ أَخَذَ نَاساً فِي حِرَابَةٍ وَلَمْ يَقْتُلُوا أَحَداً، فَأَرَادَ أَنْ يَقْطَعَ أَيْدِيَهُمْ، أَوْ يَقْتُلَ، فَكَتَبَ إِلَى عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ فِي ذَلِكَ، فَكَتَبَ إِلَيْهِ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ لَوْ أَخَذْتَ بِأَيْسَرِ ذَلِكَ.

ابوالزناد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے ایک عامل نے کچھ لوگوں کو محاربہ (ڈکیتی یا فساد کے جرم) میں گرفتار کر لیا، انھوں نے کسی کو قتل نہ کیا تھا۔ اس (عامل) نے چاہا کہ ان کے ہاتھ کاٹ ڈالے یا انھیں مار ڈالے، پھر اس نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی طرف اس بارے میں لکھا تو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اس کی طرف (جواب میں) لکھا: اگر تم اس سے ہلکی سزا کے ساتھ مؤاخذہ کر لو (تو یہ زیادہ بہتر ہے)۔

فائدہ: ...... یعنی جلاوطن کر دو (یا قید کر دو) تو کافی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے محاربہ یعنی ڈکیتی، فساد اور دہشت گردی کی مختلف نوعیتوں کا اعتبار کرتے ہوئے چار سزاؤں کا اختیار دیا ہے، فرمان ربانی ہے: ﴿إِنَّمَا جَزَٰٓؤُا۟ ٱلَّذِينَ يُحَارِبُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَسْعَوْنَ فِى ٱلْأَرْضِ فَسَادًا أَن يُقَتَّلُوٓا۟ أَوْ يُصَلَّبُوٓا۟ أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم مِّنْ خِلَٰفٍ أَوْ يُنفَوْا۟ مِنَ ٱلْأَرْضِ ۚ ذَٰلِكَ لَهُمْ خِزْىٌ فِى ٱلدُّنْيَا ۖ وَلَهُمْ فِى ٱلْءَاخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ إِلَّا ٱلَّذِينَ تَابُوا۟ مِن قَبْلِ أَن تَقْدِرُوا۟ عَلَيْهِمْ ۖ فَٱعْلَمُوٓا۟ أَنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝﴾ (المائدۃ 5: 33، 34)

''بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد کے لیے بھاگ دوڑ کرتے ہیں ان کی

[1573] (مقطوع صحیح) بیهقی فی السنن الکبری: 8/ 284(17318)، وفی الخلافیات: 2/ 241۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

سزا تو صرف یہ ہے کہ انھیں قتل کر دیا جائے یا انھیں سولی دے دی جائے یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دیے جائیں یا انھیں جلاوطن کر دیا جائے ، یہ دنیا میں ان کے لیے ذلت (کا سامان) ہے اور آخرت میں ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے، سوائے ان لوگوں کے جو اس سے پہلے ہی توبہ کر لیں کہ تم ان پر قابو پاؤ، تو جان لو کہ یقیناً اللہ بہت بخشنے والا بڑا رحم فرمانے والا ہے۔''

قَالَ يَحْيَى : وَسَمِعْتُ مَالِكاً يَقُولُ : الأَمْرُ عِنْدَنَا فِي الَّذِي يَسْرِقُ أَمْتِعَةَ النَّاسِ الَّتِي تَكُونُ مَوْضُوعَةً بِالأَسْوَاقِ مُحْرَزَةً قَدْ أَحْرَزَهَا أَهْلُهَا فِي أَوْعِيَتِهِمْ ، وَضَمُّوا بَعْضَهَا إِلَى بَعْضٍ : إِنَّهُ مَنْ سَرَقَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئاً مِنْ حِرْزِهِ ، فَبَلَغَ قِيمَتُهُ مَا يَجِبُ فِيهِ الْقَطْعُ ، فَإِنَّ عَلَيْهِ الْقَطْعَ ، كَانَ صَاحِبُ الْمَتَاعِ عِنْدَ مَتَاعِهِ أَوْ لَمْ يَكُنْ ، لَيْلاً ذَلِكَ أَوْ نَهَاراً .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں اس شخص کے بارے میں حکم یہ ہے جو لوگوں کے ان سامانوں کو چراتا ہے جو بازاروں میں محفوظ کر کے رکھے جاتے ہیں۔ ان کے مالکوں نے انھیں اپنے برتنوں (وغیرہ) میں محفوظ کر رکھا ہوتا ہے اور انھیں ایک دوسرے کے ساتھ ملایا ہوتا ہے۔ (اگرچہ بازاروں میں بیچے جانے والے سامان تالوں میں تو نہیں رکھے جاتے ہیں لیکن حفاظت کی دوسری صورتیں اختیار کی جاتی ہیں، مثلاً ہر دکاندار نے اپنے مختلف سامان بوروں وغیرہ میں ڈال کر ایک جگہ اکٹھے رکھے ہوتے ہیں۔ بلاشبہ جس کسی نے ان میں سے کوئی چیز اس کی حفاظت والی جگہ سے چرالی، پھر اس کی قیمت اس مقدار کو پہنچ گئی جس میں ہاتھ کاٹنا واجب ہوتا ہے تو یقیناً اس پر ہاتھ کاٹنے کی حد (لازم) ہوگی۔ خواہ سامان کا مالک اپنے سامان کے پاس ہو یا نہ ہو، (اور) خواہ یہ (چوری) دن میں ہو یا رات میں۔

فائدہ : ......دراصل "سَــرِقَة" (چوری) کی تعریف یہ ہے کہ کسی کا مال اس کی حفاظت کی جگہ سے چھپ کر لینے کے لیے آنا۔

چنانچہ جو مال محفوظ نہ رکھے گئے ہوں ان کی چوری پر حد لازم نہیں ہوتی۔ جمہور کا یہی موقف ہے، امام احمد رحمہ اللہ کے ہاں یہ شرط نہیں ہے، احناف درختوں کے پھل اور بعض دوسری کھانے پینے کی اشیاء کی چوری میں ہاتھ کاٹنے کی سزا کے قائل نہیں ہیں، خواہ وہ محفوظ جگہ میں ہوں یا نہ ہوں اور یہ موقف خلاف احادیث ہے۔ دیکھیے (احمد:2/ 180، ابوداود: 4390، ابن ماجہ: 2596۔ اس کی سند حسن ہے۔)

قَالَ مَالِكٌ فِي الَّذِي يَسْرِقُ مَا يَجِبُ عَلَيْهِ فِيهِ الْقَطْعُ ، ثُمَّ يُوجَدُ مَعَهُ مَا سَرَقَ ، فَيُرَدُّ إِلَى صَاحِبِهِ : إِنَّهُ تُقْطَعُ يَدُهُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جو ایسی چیز چراتا ہے جس میں اس کے ہاتھ کاٹنے کی سزا واجب ہوتی ہے، پھر وہ چیز اس کے پاس ہی پائی جاتی ہے جو کہ اس نے چرائی تھی۔ چنانچہ وہ اس کے مالک کو لوٹا دی جاتی ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : فَإِنْ قَالَ قَائِلٌ كَيْفَ تُقْطَعُ يَدُهُ وَقَدْ أُخِذَ الْمَتَاعُ مِنْهُ وَدُفِعَ إِلَى صَاحِبِهِ، فَإِنَّمَا هُوَ بِمَنْزِلَةِ الشَّارِبِ، يُوجَدُ مِنْهُ رِيحُ الشَّرَابِ الْمُسْكِرِ وَلَيْسَ بِهِ سُكْرٌ فَيُجْلَدُ الْحَدَّ.

تو (فرمایا کہ پھر بھی) بلاشبہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا، پھر اگر کوئی کہنے والا (اعتراض کرتے ہوئے یہ) کہے کہ اس کا ہاتھ کیوں کاٹا جائے گا؟ حالانکہ اس سے (چوری شدہ) سامان بھی (واپس) لیا جاچکا ہے اور اس کے مالک کے سپرد کیا جاچکا ہے تو (اس کے جواب میں کہا جائے گا) بلاشبہ یہ (چور) شراب پینے والے کی طرح ہے جس سے نشہ آور مشروب کی بو آرہی ہو، حالانکہ اسے کچھ بھی نشہ نہ (چڑھا ہوا) ہو تو اسے بھی حد کے کوڑے مارے جاتے ہیں۔

قَالَ : وَإِنَّمَا يُجْلَدُ الْحَدَّ فِي الْمُسْكِرِ إِذَا شَرِبَهُ، وَإِنْ لَمْ يُسْكِرْهُ، وَذَلِكَ أَنَّهُ إِنَّمَا شَرِبَهُ لِيُسْكِرَهُ، فَكَذَلِكَ تُقْطَعُ يَدُ السَّارِقِ فِي السَّرِقَةِ الَّتِي أُخِذَتْ مِنْهُ، وَلَوْ لَمْ يَنْتَفِعْ بِهَا وَرَجَعَتْ إِلَى صَاحِبِهَا، وَإِنَّمَا سَرَقَهَا حِينَ سَرَقَهَا لِيَذْهَبَ بِهَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے (مزید وضاحت کرتے ہوئے) فرمایا: اور بلاشبہ اسے تو (محض) نشہ آور چیز (کے استعمال ہی) کی وجہ سے بھی حد لگائی جائے گی جبکہ وہ اسے پی لے، اگرچہ وہ اسے نشہ نہ ہی چڑھائے، اور یہ اس وجہ سے ہوگا کہ بلاشبہ اس نے تو صرف اور صرف اس بنا پر اسے پیا تھا کہ وہ اسے نشے میں مبتلا کرے۔ اسی طرح اس چوری (کی چیز) جو اس سے پکڑ لی گئی ہو، اس کی وجہ سے بھی چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا، اگرچہ وہ اس سے نفع نہ اٹھا سکا ہو اور اگرچہ وہ (چوری والی چیز) اس کے مالک کی طرف لوٹ گئی ہو اور بلاشبہ اس نے بھی اس وقت اسے اس لیے چرایا تھا کہ اسے لے جائے۔

فائدہ:......امام صاحب کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ چوری میں ہاتھ کاٹنے کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ چور نے چوری کے مال سے کوئی فائدہ بھی اٹھا لیا ہو بلکہ اس کے لیے تو محض چوری کا قصد کر کے کسی چیز کو اس کی محفوظ جگہ سے نکال لینا ہی کافی ہے۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الْقَوْمِ يَأْتُونَ إِلَى الْبَيْتِ فَيَسْرِقُونَ مِنْهُ جَمِيعاً، فَيَخْرُجُونَ بِالْعِدْلِ يَحْمِلُونَهُ جَمِيعاً، أَوِ الصُّنْدُوقِ أَوِ الْخَشَبَةِ أَوْ بِالْمِكْتَلِ، أَوْ مَا أَشْبَهَ ذَلِكَ مِمَّا يَحْمِلُهُ الْقَوْمُ جَمِيعاً: إِنَّهُمْ إِذَا أَخْرَجُوا ذَلِكَ مِنْ حِرْزِهِ وَهُمْ يَحْمِلُونَهُ جَمِيعاً، فَبَلَغَ ثَمَنُ مَا خَرَجُوا بِهِ مِنْ ذَلِكَ مَا يَجِبُ فِيهِ الْقَطْعُ،

امام مالک رحمہ اللہ نے (چند اکٹھے) لوگوں کے متعلق فرمایا: جو کسی گھر میں آتے ہیں، پھر سب اکٹھے اس میں سے چوری کرتے ہیں، چنانچہ وہ ایک بوری (یا اونٹ کے ایک جانب لادا جانے والا بوجھ یا بڑا تھیلا) لے کر نکل جاتے ہیں، جسے وہ سب (مل کر) اٹھاتے ہیں یا صندوق یا لکڑی یا (کھجور کے پتوں سے بنی ہوئی) ٹوکری یا اس کے مشابہ کوئی ایسی چیز جسے لوگ مل کر اٹھاتے ہیں (تو ایسے چوروں کے متعلق

وَذَلِكَ ثَـلَاثَةُ دَرَاهِـمَ فَـصَـاعِـداً، فَعَلَيْهِمُ الْقَطْعُ جَمِيعاً.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا:) بلاشبہ جب وہ اسے اس کی محفوظ جگہ سے نکال کر لے جائیں، جسے وہ سب اٹھاتے ہوں اور ان چیزوں میں سے جسے وہ لے کر گئے ہوں۔ اس کی قیمت اس کی مقدار کو پہنچ جائے جس میں ہاتھ کاٹنا واجب ہوتا ہے جو کہ تین درہم یا اس سے زیادہ ہے تو ان سب پر ہاتھ کاٹنے کی حد لازم ہے۔ (امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کا یہی مؤقف ہے جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اگر اس چیز کو تقسیم کرنے سے تمام کے حصے میں نصاب سے کم قیمت آتی ہو تو کسی کا ہاتھ نہ کٹے گا......لیکن پہلا مؤقف راجح ہے)۔

قَالَ وَإِنْ خَرَجَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ بِمَتَاعٍ عَلَى حِدَتِهِ، فَمَنْ خَرَجَ مِنْهُمْ بِمَا تَبْلُغُ قِيمَتُهُ ثَـلَاثَةَ دَرَاهِمَ فَصَاعِداً، فَعَلَيْهِ الْقَطْعُ، وَمَنْ لَمْ يَخْرُجْ مِنْهُمْ بِمَا تَبْلُغُ قِيمَتُهُ ثَـلَاثَةَ دَرَاهِمَ، فَلَا قَطْعَ عَلَيْهِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور اگر ان میں سے ہر ایک الگ الگ کوئی سامان لے کر نکلے تو پھر جو کوئی ان میں سے اتنا مال لے کر نکلے جس کی قیمت تین درہم یا اس سے زیادہ کو پہنچتی ہو تو اس پر ہاتھ کاٹنے کی حد پڑے گی اور ان میں سے جو شخص اتنی چیز نہ لے جائے جس کی قیمت تین درہم یا اس سے زیادہ کو پہنچے تو اس پر ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں ہوگی۔

قَالَ يَحْيَى: قَالَ مَالِكٌ: الْأَمْرُ عِنْدَنَا أَنَّهُ إِذَا كَانَتْ دَارُ رَجُلٍ مُغْلَقَةً عَلَيْهِ، لَيْسَ مَعَهُ فِيهَا غَيْرُهُ، فَإِنَّهُ لَا يَجِبُ عَلَى مَنْ سَرَقَ مِنْهَا شَيْئاً الْقَطْعُ حَتَّى يَخْرُجَ بِهِ مِنَ الدَّارِ كُلِّهَا، وَذَلِكَ أَنَّ الـدَّارَ كُـلَّهَا هِيَ حِرْزُهُ، فَإِنْ كَانَ مَعَهُ فِي الـدَّارِ سَـاكِـنٌ غَيْرُهُ، وَكَانَ كُلُّ إِنْسَانٍ مِنْهُمْ يُغْلِقُ عَلَيْهِ بَابَهُ، وَكَانَتْ حِرْزاً لَهُمْ جَمِيعاً، فَـمَنْ سَرَقَ مِنْ بُيُوتِ تِلْكَ الدَّارِ شَيْئاً يَجِبُ فِيـهِ الْـقَـطْـعُ، فَـخَرَجَ بِـهِ إِلَى الدَّارِ، فَقَدْ أَخْـرَجَـهُ مِنْ حِرْزِهِ إِلَى غَيْرِ حِرْزِهِ، وَوَجَبَ عَلَيْهِ فِيهِ الْقَطْعُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں حکم یہ ہے کہ جس کسی آدمی کا گھر اس پر بند ہو (وہ ایک بڑا گھر اور ہوٹل سا ہو، جس میں رہائش کے مختلف مقامات ہوں، لیکن وہ اکیلا ہی دروازہ بند کر کے اور اسے تالا لگا کر رکھتا ہو) اور اس میں اس کے سوا کوئی بھی اس کے ساتھ نہ رہتا ہو، تو جو کوئی اس میں سے چوری کرے گا، اس پر اس وقت تک ہاتھ کاٹنے کی حد لاگو نہ ہوگی جب تک کہ وہ اسے لے کر پورے گھر میں سے نہ نکل جائے (چنانچہ اگر اس نے چیز چرائی، پھر ابھی اس نے گھر کا آدھا یا کم وبیش حصہ ہی طے کیا تھا کہ شور پڑنے پر اسے چھوڑ کر بھاگ نکلا لیکن پکڑا گیا تو اس کا ہاتھ نہ کٹے گا) اور یہ اس وجہ سے ہے کہ بلاشبہ وہ پورے کا پورا گھر اس آدمی کی حفاظت گاہ ہے (اور ابھی اس کا مال اس کی حفاظت گاہ سے باہر نہیں نکلا تھا)...... پھر اس گھر میں اس کے ساتھ اس کے علاوہ کوئی رہائش پذیر ہو اور ان (رہائشیوں) میں سے ہر شخص اپنے اوپر اپنا دروازہ بند رکھتا ہو اور وہ گھر (مشترکہ

طور پر) ان سب کی حفاظت گاہ ہو تو پھر جو چور اس گھر کے جس مکان (اور کوٹھڑی یا کمرے یا فلیٹ) سے بھی کوئی ایسی چیز چرائے جس میں اس کا ہاتھ کاٹنا واجب ہو، اور وہ اسے لے کر اس گھر (کے مشترکہ حصے) کی طرف نکل آئے (اگر چہ وہ پورے گھر اور حویلی سے باہر نہ نکلا ہو) تو یقیناً اس نے اس چیز کو اس کی حفاظت گاہ سے کسی اور جگہ کی طرف نکال دیا ہے اور اس میں ہاتھ کاٹنے کی سزا واجب ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَالأَمْرُ عِنْدَنَا فِي الْعَبْدِ يَسْرِقُ مِنْ مَتَاعِ سَيِّدِهِ، أَنَّهُ إِنْ كَانَ لَيْسَ مِنْ خَدَمِهِ، وَلَا مِمَّنْ يَأْمَنُ عَلَى بَيْتِهِ، ثُمَّ دَخَلَ سِرًّا، فَسَرَقَ مِنْ مَتَاعِ سَيِّدِهِ مَا يَجِبُ فِيهِ الْقَطْعُ، فَلَا قَطْعَ عَلَيْهِ، وَكَذَلِكَ الأَمَةُ إِذَا سَرَقَتْ مِنْ مَتَاعِ سَيِّدِهَا لَا قَطْعَ عَلَيْهَا. وَقَالَ فِي الْعَبْدِ لَا يَكُونُ مِنْ خَدَمِهِ، وَلَا مِمَّنْ يَأْمَنُ عَلَى بَيْتِهِ، فَدَخَلَ سِرًّا، فَسَرَقَ مِنْ مَتَاعِ امْرَأَةِ سَيِّدِهِ مَا يَجِبُ فِيهِ الْقَطْعُ : إِنَّهُ تُقْطَعُ يَدُهُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ غلام جو اپنے ہی آقا کے سامان سے چوری کرتا ہے اور اس کے متعلق ہمارے ہاں حکم ہے کہ اگر وہ اس کے خدمت گاروں میں سے نہ ہو (بلکہ خدمت کے علاوہ دوسرے کاموں میں مشغول رہنے والا ہو) اور نہ ہی وہ ان لوگوں میں سے ہو جنھیں وہ (مالک) اپنے گھر پر امین (اور قابل اعتماد) سمجھتا ہو، پھر وہ غلام چپکے سے گھر میں داخل ہو اور اپنے آقا کا اتنا سامان چرالے جس میں ہاتھ کاٹنا واجب ہو تو پھر اس پر ہاتھ کاٹنے کی سزا نہ ہوگی، اور اسی طرح لونڈی (کا حکم) ہے کہ جب وہ اپنے آقا کے سامان سے کچھ چرالے تو اس پر ہاتھ کاٹنے کی سزا نہ پڑے گی، (کیونکہ چوری شدہ مال بھی آقا کا مال ہے اور غلام لونڈی بھی آقا ہی کا مال ہیں، ان کے ہاتھ کاٹنا گویا اپنے ہی مال کو تباہ کرنا ہے، نیز جب غیر خادم اور غیر معتبر غلام لونڈی کا ہاتھ نہیں کٹتا۔ جو غلام لونڈی آقا کے خادم بھی ہوں اور قابل اعتبار بھی ہوں ان پر بھی یہ حد نافذ نہ ہوگی)

قَالَ : وَكَذَلِكَ أَمَةُ الْمَرْأَةِ إِذَا كَانَتْ لَيْسَتْ بِخَادِمٍ لَهَا وَلَا لِزَوْجِهَا، وَلَا مِمَّنْ تَأْمَنُ عَلَى بَيْتِهَا، فَدَخَلَتْ سِرًّا فَسَرَقَتْ مِنْ مَتَاعِ سَيِّدَتِهَا مَا يَجِبُ فِيهِ الْقَطْعُ، فَلَا قَطْعَ عَلَيْهَا.

اور امام مالک رحمہ اللہ نے اس غلام کے متعلق فرمایا جو آقا کے خادموں میں سے نہ ہو اور نہ ان میں سے ہو جنھیں آقا اپنے گھر پر قابل اعتماد سمجھتا ہو تو پھر اس کا ہاتھ نہیں کٹے گا کیونکہ خادم ہونے اور گھر میں آنے جانے کی بنا پر اس سے وہ مال محفوظ کر کے نہ رکھا گیا تھا۔ اس نے غیر محفوظ مال چرایا ہے، اس لیے اس پر حد نہ لگے گی، البتہ اس کا حکم ''خائن'' کا ہے۔)

قَالَ مَالِكٌ : وَكَذَلِكَ أَمَةُ الْمَرْأَةِ الَّتِي لَا تَكُونُ مِنْ خَدَمِهَا، وَلَا مِمَّنْ تَأْمَنُ عَلَى بَيْتِهَا، فَدَخَلَتْ سِرًّا فَسَرَقَتْ مِنْ مَتَاعِ زَوْجِ سَيِّدَتِهَا مَا يَجِبُ فِيهِ الْقَطْعُ : أَنَّهَا تُقْطَعُ يَدُهَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور اسی طرح عورت کی لونڈی (کا معاملہ) ہے کہ جب وہ نہ تو اس کی خادمہ ہو اور نہ ہی اس کے خاوند کی (خادمہ ہو) اور نہ ہی وہ ایسے افراد میں شامل ہو جنھیں وہ عورت اپنے گھر پر قابل اعتماد سمجھتی ہو۔

پھر وہ چپکے سے داخل ہو کر اپنی مالکن کے سامان سے اتنی چوری کر لے جس میں ہاتھ کاٹنے کی سزا واجب ہوتی ہو۔ پھر وہ لونڈی جو اس کی خادماؤں میں سے ہو اور نہ ان افراد میں سے ہو، جنھیں عورت اپنے گھر پر قابل اعتماد سمجھتی ہو، پھر وہ چپکے سے داخل ہو کر اس کے خاوند کے سامان سے اتنی چیز چرا لے کہ جس میں ہاتھ کاٹنے کی سزا واجب ہو تو بلاشبہ اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

فائدہ: ...... الغرض کسی بھی عورت کے اپنے غلام لونڈی خواہ خادم ہوں یا نہ ہوں، قابل اعتبار ہوں یا نہ ہوں، وہ اپنے مالک یا مالکن کا مال چرالیں تو حد لاگو نہ ہوگی...... ہاں اگر ایسے غلام لونڈی جو خادم نہ ہوں اور اپنے آقا کی بیوی یا اپنی مالکن کے خاوند کا مال چرائیں تو حد پڑے گی، البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس صورت میں بھی حد قائم نہ ہوگی۔

قَالَ مَالِكٌ : وَكَذَلِكَ الرَّجُلُ يَسْرِقُ مِنْ مَتَاعِ امْرَأَتِهِ ، أَوِ الْمَرْأَةُ تَسْرِقُ مِنْ مَتَاعِ زَوْجِهَا مَا يَجِبُ فِيهِ الْقَطْعُ : إِنْ كَانَ الَّذِي سَرَقَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِنْ مَتَاعِ صَاحِبِهِ فِي بَيْتٍ سِوَى الْبَيْتِ الَّذِي يُغْلِقَانِ عَلَيْهِمَا ، وَكَانَ فِي حِرْزٍ سِوَى الْبَيْتِ الَّذِي هُمَا فِيهِ ، فَإِنَّ مَنْ سَرَقَ مِنْهُمَا مِنْ مَتَاعِ صَاحِبِهِ مَا يَجِبُ فِيهِ الْقَطْعُ ، فَعَلَيْهِ الْقَطْعُ فِيهِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور اسی طرح وہ مرد جو اپنی بیوی کے سامان میں سے کچھ چراتا ہے یا وہ عورت جو اپنے خاوند کے سامان میں سے وہ چیز چراتی ہے، جس میں ہاتھ کاٹنے کی سزا واجب ہوتی ہو تو (اگر یہ چوری اس گھر میں سے ہو جس میں دونوں رہتے ہوں اور کوئی چیز بھی ایک دوسرے سے محفوظ نہ رکھی جاتی ہو تو حد قائم نہ ہوگی اور) اگر ان دونوں میں سے جس نے بھی اپنے ساتھی کے سامان سے جو چیز چرائی ہو وہ اس (مشترکہ) گھر جسے وہ دونوں اپنے اوپر بند کر کے رکھتے ہوں، کے علاوہ کسی اور گھر میں ہو اور جس گھر میں وہ رہ رہے ہوں اس کے علاوہ کسی اور حفاظت گاہ میں وہ (چوری شدہ مال) ہو، تو بلاشبہ ان دونوں میں سے جس نے بھی اپنے ساتھی کے سامان سے وہ کچھ چرایا جس میں ہاتھ کاٹنے کی سزا ہو تو اس پر یہ سزا پڑے گی۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الصَّبِيِّ الصَّغِيرِ ، وَالأَعْجَمِيِّ الَّذِي لَا يُفْصِحُ : أَنَّهُمَا إِذَا سُرِقَا مِنْ حِرْزِهِمَا أَوْ غَلْقِهِمَا ، فَعَلَى مَنْ سَرَقَهُمَا الْقَطْعُ ، فَإِنْ خَرَجَا مِنْ حِرْزِهِمَا وَغَلْقِهِمَا فَلَيْسَ عَلَى مَنْ سَرَقَهُمَا قَطْعٌ . قَالَ : وَإِنَّمَا هُمَا بِمَنْزِلَةِ حَرِيسَةِ الْجَبَلِ ، وَالثَّمَرِ الْمُعَلَّقِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے چھوٹے بچے اور اس عجمی (غیر عربی) شخص جو فصاحت (اور وضاحت) سے بات نہ کر سکتا ہو، کے بارے میں فرمایا: بلاشبہ جب ان دونوں کو ان کی حفاظت کی جگہ سے چرا لیا جائے کہ جہاں ان پر دروازے بند کیے جاتے ہیں (کہ کہیں باہر نکل کر یہ گم نہ ہو جائیں یا کوئی انھیں اٹھا کر نہ لے جائے) تو جس نے انھیں چرایا

اس پر ہاتھ کاٹنے کی سزا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جب وہ دونوں اپنی حفاظت گاہ اور بند دروازوں والی جگہ سے خود نکل جائیں تو پھر جو انھیں چرائے گا، اس پر ہاتھ کاٹنے کی سزا نہ ہوگی، اور بلاشبہ وہ دونوں تو پہاڑ پر رہنے والی بکری اور درخت پر لٹکے ہوئے پھل کی مانند ہیں۔

فائدہ:...... امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک صحیح وغلط کی تمیز وشناخت نہ کرسکنے والا بچہ اور بڑا، مال کی حیثیت رکھتے ہیں، اس لیے وہ ان کی حفاظت گاہ سے چوری پر ہاتھ کاٹنے کی سزا کے قائل ہیں۔ جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس صورت میں ہاتھ نہ کٹے گا...... آج کل تو یہ صورت اغوا، زمین میں فساد، دہشت گردی اور محاربہ شمار ہوتی ہے جس پر سخت ترین سزائیں بھی سنائی جاتی ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ : وَالأَمْرُ عِنْدَنَا فِي الَّذِي يَنْبِشُ الْقُبُورَ، أَنَّهُ إِذَا بَلَغَ مَا أَخْرَجَ مِنَ الْقَبْرِ مَا يَجِبُ فِيهِ الْقَطْعُ، فَعَلَيْهِ فِيهِ الْقَطْعُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں اس شخص جو قبریں کھودتا (اور کفن چوری کرتا) ہے، کے متعلق یہ حکم ہے کہ یقیناً اس نے جو کچھ قبر سے نکالا ہو، جب وہ اس مقدار کو پہنچ جائے کہ جس پر ہاتھ کٹنے کی سزا واجب ہوتی ہے تو اس پر اس جرم میں ہاتھ کٹنے کی سزا ہے۔

فائدہ:...... امام شافعی رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ اور اہلحدیث بھی اسی کے قائل ہیں، جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس جرم میں ہاتھ نہیں کٹے گا بلکہ کوئی اور تعزیری سزا ہوگی۔ جمہور کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے قبر کو میت کا گھر قرار دیا ہے اور ظاہر بات ہے کہ کسی کا گھر اس کے مال کی حفاظت گاہ ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا تھا: ''تمھارا اس وقت کیا حال ہوگا جب لوگوں کو (اس قدر کثرت سے) موت پہنچے گی (کہ دفن کے لیے جگہ نہ ملتی ہوگی) اور گھر (یعنی قبر) غلام کے بدلے میں ملتا ہوگا۔'' میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''صبر کو لازم پکڑنا۔'' (ابوداود: 4261، 4409، ابن ماجہ: 3958۔ اس کی سند صحیح ہے)۔

وَقَالَ مَالِكٌ : وَذَلِكَ أَنَّ الْقَبْرَ حِرْزٌ لِمَا فِيهِ، كَمَا أَنَّ الْبُيُوتَ حِرْزٌ لِمَا فِيهَا .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور یہ اس وجہ سے ہے کہ بلاشبہ قبر اس چیز کی حفاظت گاہ ہے جو اس میں (رکھی گئی) ہوتی ہے۔ جس طرح کہ گھر اس چیز کی حفاظت گاہ ہوتے ہیں جو ان میں (موجود) ہوتی ہے۔

قَالَ : وَلَا يَجِبُ عَلَيْهِ الْقَطْعُ حَتَّى يَخْرُجَ بِهِ مِنَ الْقَبْرِ .

انھوں نے فرمایا: اور اس (کفن چور) پر اس (جرم) میں (ہاتھ) کاٹنے کی سزا اس وقت تک نہ پڑے گی جب تک

کہ وہ اسے قبر سے (باہر) نکال نہ لے۔

5- بَابُ مَالَا قَطْعَ فِيْهِ

ان صورتوں کا بیان جن میں ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں ہے

خلاصۃ الباب اس باب میں چار روایات ہیں، ایک مرفوع (حدیث نبوی ﷺ) ہے جو سنداً صحیح ہے، دو موقوف (آثار صحابہ رضی اللہ عنہم) ہیں جن میں سے ایک صحیح اور ایک ضعیف ہے، اور ایک مقطوع (اثر تابعی رحمہ اللہ) ہے جو کہ صحیح ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے چھ فتاوی جات بھی مذکور ہیں۔

[1574] وَحَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ: أَنَّ عَبْداً سَرَقَ وَدِيًّا مِنْ حَائِطِ رَجُلٍ، فَغَرَسَهُ فِي حَائِطِ سَيِّدِهِ، فَخَرَجَ صَاحِبُ الْوَدِيِّ يَلْتَمِسُ وَدِيَّهُ، فَوَجَدَهُ فَاسْتَعْدَى عَلَى الْعَبْدِ مَرْوَانَ بْنَ الْحَكَمِ، فَسَجَنَ مَرْوَانُ الْعَبْدَ وَأَرَادَ قَطْعَ يَدِهِ، فَانْطَلَقَ سَيِّدُ الْعَبْدِ إِلَى رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ فَسَأَلَهُ عَنْ ذَلِكَ، فَأَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: لَا قَطْعَ فِي ثَمَرٍ وَلَا كَثَرٍ. وَالْكَثَرُ: الْجُمَّارُ. فَقَالَ الرَّجُلُ: فَإِنَّ مَرْوَانَ بْنَ الْحَكَمِ أَخَذَ غُلَاماً لِي وَهُوَ يُرِيدُ قَطْعَهُ، وَأَنَا أُحِبُّ أَنْ تَمْشِيَ مَعِي إِلَيْهِ فَتُخْبِرَهُ بِالَّذِي سَمِعْتَ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ. فَمَشَى مَعَهُ رَافِعٌ إِلَى مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ، فَقَالَ: أَخَذْتَ غُلَاماً لِهٰذَا؟ فَقَالَ: نَعَمْ. فَقَالَ: فَمَا أَنْتَ صَانِعٌ بِهِ؟

محمد بن یحییٰ بن حبان رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک ایک غلام نے کسی آدمی کے باغ سے کھجور کا چھوٹا سا پودا چرا لیا اور اسے اپنے آقا کے باغ میں لگا دیا۔ اس پودے والا شخص اسے تلاش کرتا ہوا نکلا تو اس نے اسے پالیا۔ چنانچہ اس نے غلام کے خلاف مروان بن حکم (جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مدینہ کے امیر تھے) سے مدد چاہی، مروان بن حکم رحمہ اللہ نے غلام کو قید میں ڈال دیا اور چاہا کہ اس کا ہاتھ کاٹ ڈالے، تو اس غلام کا آقا حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی طرف گیا اور اس نے ان سے اس بارے میں پوچھا تو انھوں نے اسے خبر دی کہ یقیناً انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا: "نہ تو "تَمَر" (کھجور پر موجود پھل) میں ہاتھ کاٹنے کی سزا ہے اور نہ "کثر" میں۔" اور کثر سے مراد کھجور کی چربی (اور گودا) ہے۔ وہ آدمی کہنے لگا: یقیناً مروان بن حکم نے میرا غلام پکڑ رکھا ہے اور اس کا ہاتھ کاٹنے کا ارادہ رکھتا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے ہمراہ اس کے پاس چلیں اور اسے اس (حدیث) کی خبر

[1574] (مرفوع صحیح) سنن ابی داود، کتاب الحدود، باب مالا قطع فیه، حدیث: 4388، جامع الترمذی، کتاب الحدود، باب ماجاء لا قطع فی ثمر ولا کثر، حدیث: 1449، نسائی: 4963، ابن ماجه: 2593، احمد: 3/ 464 (15907)، دارمی: 2304۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

قَالَ: أَرَدْتُ قَطْعَ يَدِهِ. فَقَالَ لَهُ رَافِعٌ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: لَا قَطْعَ فِي ثَمَرٍ وَلَا كَثَرٍ. فَأَمَرَ مَرْوَانُ بِالْعَبْدِ فَأُرْسِلَ.

دیں جو کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے، چنانچہ حضرت رافع رضی اللہ عنہ اس کے ہمراہ مروان بن حکم کی طرف چل پڑے اور (جاکر مروان بن حکم سے) پوچھا: کیا تم نے اس آدمی کا غلام پکڑا ہوا ہے؟ انھوں نے کہا کہ: جی ہاں۔ پھر انھوں نے کہا کہ: تم اس کے ساتھ کیا سلوک کرنے والے ہو؟ انھوں نے کہا کہ میں اس کا ہاتھ کاٹ دینے کا ارادہ رکھتا ہوں، تو حضرت رافع رضی اللہ عنہ اس سے کہنے لگے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا تھا کہ آپ ﷺ فرمارہے تھے: ''نہ پھل میں ہاتھ کاٹنے کی سزا ہے اور نہ کھجور کی چربی میں۔'' چنانچہ مروان نے اس غلام کے متعلق حکم دیا، تو اسے چھوڑ دیا گیا۔

فائدہ: ...... کھجور کے تنے کے درمیان میں جو سفید گودا ہوتا ہے اسے کھجور کا گوندبھی کہتے ہیں اور وہ رنگت اور ذائقے میں گری کی طرح ہوتا ہے، اسے حاصل کرنے کے لیے کھجور کا درخت خراب کرنا پڑتا ہے۔ یہیں سے حضرت رافع رضی اللہ عنہ نے یہ استدلال کرلیا کہ جب کھجور کے بڑے درخت کو خراب کرکے اس کی چربی چرالینے میں ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں ہے تو کھجور کے چھوٹے پودے سے مالک کو محروم کردینے پر بھی یہ سزا نہیں ہے...... چنانچہ اس غلام کو کچھ کوڑے لگا کر آزاد کردیا گیا تھا۔ (ابــــوداود: 4389)...... یادرہے کہ جن چوریوں میں ہاتھ نہ کاٹنے کا تذکرہ ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انھیں کوئی اور سزا بھی نہ ملے گی، بلکہ یقیناً جن کی حق تلفی اور چوری کی گئی ہو اس کا حق ادا کیا جائے، البتہ چوری کے معاملے میں جو اللہ کا حق ہے کہ اس کی حکم عدولی پر ہاتھ کاٹا جائے، بس اسی کو بعض صورتوں میں معاف کردیا گیا ہے...... یہ بھی یاد رہے کہ جب تک کھجور کا پھل درخت پر رہے اسے ''ثمر'' کہتے ہیں، جب پک کر اتر آئے تو ''رُطب'' کہلاتا ہے اور اگر اسے خشک کرکے ذخیرہ وسٹور کرلیا جائے تو ''تَـمْر'' کا نام پاتا ہے، اور پھل کے چرانے پر حد تب قائم ہوگی جب اسے اتار کر محفوظ جگہ پر رکھ دیا جائے۔ (ابو داود: 4390، نسائی: 4961، ابن ماجہ: 2596۔ اس کی سند حسن ہے۔) احناف کے ہاں تمام تازہ پھلوں کی چوری میں حد قائم نہیں ہوگی خواہ محفوظ جگہ میں ہوں یا نہ ہوں، ان کا یہ مؤقف صریح احادیث کے خلاف ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کا تو یہ مؤقف ہے کہ اگر درخت بھی محفوظ کیے گئے ہوں تو ان کے پھل پر حد قائم ہوسکتی ہے۔

[1575] حَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ: أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ (جو مدینہ میں فوت ہونے والے آخری صحابی تھے) سے روایت ہے کہ بے شک

[1575] (موقوف صحيح) بيهقي في السنن الكبرىٰ: 8/ 281 (17303)، وفي معرفة السنن والآثار: 7/ 424 (5189)، عبدالرزاق: 18866، ابن ابي شيبه: 28559، دارقطني: 3/ 187 (3378)۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

بْنَ عَمْرِو بْنِ الْحَضْرَمِيِّ جَاءَ بِغُلَامٍ لَهُ إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَقَالَ لَهُ: اقْطَعْ يَدَ غُلَامِي هٰذَا، فَإِنَّهُ سَرَقَ. فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: مَاذَا سَرَقَ؟ فَقَالَ: سَرَقَ مِرْآةً لِامْرَأَتِي ثَمَنُهَا سِتُّونَ دِرْهَماً. فَقَالَ عُمَرُ: أَرْسِلْهُ، فَلَيْسَ عَلَيْهِ قَطْعٌ، خَادِمُكُمْ سَرَقَ مَتَاعَكُمْ.

حضرت عبداللہ بن عمرو بن (عبداللہ) حضرمی رضی اللہ عنہ اپنے غلام کو لے کر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اوران سے کہا: میرے اس غلام کا ہاتھ کاٹ دیجیے کیونکہ یقیناً اس نے چوری کی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ اس نے کیا چرایا ہے؟ وہ کہنے لگے: اس نے میری بیوی کا وہ آئینہ چرایا ہے جس کی قیمت ساٹھ درہم ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اسے چھوڑ دو، اس پر ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں ہے۔ (یہ) تمھارا خادم (ہی ہے جس) نے تمھارا سامان چرایا ہے۔

فائدہ: ...... جمہور کا مؤقف یہی ہے، لیکن امام مالک رحمہ اللہ نے غلاموں کی دو قسمیں بنائی ہیں: 1- خادم اور 2- غیر خادم اور صرف غیر خادم غلاموں پر حد جاری کی ہے جیسا کہ گزشتہ باب کے چھٹے فتوی میں اس کی تفصیل مذکور ہے۔

[1576] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: أَنَّ مَرْوَانَ بْنَ الْحَكَمِ أُتِيَ بِإِنْسَانٍ قَدِ اخْتَلَسَ مَتَاعاً، فَأَرَادَ قَطْعَ يَدِهِ، فَأَرْسَلَ إِلَى زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ يَسْأَلُهُ عَنْ ذٰلِكَ، فَقَالَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ: لَيْسَ فِي الْخُلْسَةِ قَطْعٌ.

ابن شہاب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک مروان بن حکم کے پاس ایک شخص لایا گیا جس نے کوئی سامان اُچک لیا (جھپٹ کر چھینا اور بھاگ گیا)، چنانچہ انھوں نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا ارادہ کیا تو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیجا، وہ ان سے اس کے متعلق سوال کر رہے تھے تو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اچانک اچک لی جانے والی چیز میں ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں ہے۔

فائدہ: ......حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: "خائن، منتہب (ڈکیت، ڈاکو) اور مختلس (اچانک جھپٹ کر چھین لینے والے) پر ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں ہے۔" (ابوداود: 4391، 4393، نسائی: 4974، ابن ماجہ: 2591، احمد: 3/ 380۔ اس کی سند صحیح ہے۔ ارواء الغلیل: 2403) جمہور کا یہی مؤقف ہے، البتہ امام احمد رحمہ اللہ ان سب کا ہاتھ کاٹنے کے قائل ہیں...... یاد رہے کہ خائن وہ ہے جو ظاہراً خیر خواہ ہو اور خفیہ طور پر دھوکا فریب سے مال حاصل کرنے والا ہو۔ منتہب وہ ہے جو زبردستی غلبہ پا کر مال لوٹے اور مختلس وہ ہے جو کسی کا مال جھپٹا مار کر چھین لے...... یہ بھی یاد رہے کہ ان تینوں کی سزائیں قاضی وحاکم کی صوابدید پر موقوف ہیں، وہ مناسب حال تعزیری سزائیں

[1576] (موقوف ضعیف) بیہقی فی السنن الکبری: 8/ 280(17296)، وفی معرفة السنن والآثار: 7/ 421 (5186)، عبدالرزاق: 10/ 208، 18850، ابن ابی شیبہ: 28653۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے۔

دے گا۔ خصوصاً ڈاکو کا معاملہ دہشت گردی ومحاربہ سے تعلق رکھتا ہے جس کی چار نوعیت کی سزائیں قرآن میں مذکور ہیں، تفصیل کے لیے دیکھیے پیچھے روایت: 1572 کا فائدہ۔

[1577] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّهُ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ: أَنَّهُ أَخَذَ نَبَطِيًّا قَدْ سَرَقَ خَوَاتِمَ مِنْ حَدِيدٍ فَحَبَسَهُ لِيَقْطَعَ يَدَهُ، فَأَرْسَلَتْ إِلَيْهِ عَمْرَةُ بِنْتُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ مَوْلَاةً لَهَا يُقَالُ لَهَا أُمَيَّةُ، قَالَ أَبُو بَكْرٍ, فَجَاءَتْنِي وَأَنَا بَيْنَ ظَهْرَانَي النَّاسِ فَقَالَتْ: تَقُولُ لَكَ خَالَتُكَ عَمْرَةُ: يَا ابْنَ أُخْتِي أَخَذْتَ نَبَطِيًّا فِي شَيْءٍ يَسِيرٍ ذُكِرَ لِي، فَأَرَدْتَ قَطْعَ يَدِهِ؟ قُلْتُ: نَعَمْ. قَالَتْ: فَإِنَّ عَمْرَةَ تَقُولُ لَكَ: لَا قَطْعَ إِلَّا فِي رُبُعِ دِينَارٍ فَصَاعِداً. قَالَ أَبُو بَكْرٍ: فَأَرْسَلْتُ النَّبَطِيَّ.

(مدینہ منورہ کے قاضی) ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انھوں نے ایک نبطی کو پکڑ لیا، جس نے لوہے کی کچھ انگوٹھیاں چوری کی تھیں۔ انھوں نے اسے قید میں ڈال دیا تا کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیں تو عمرہ بنت عبدالرحمٰن نے اپنی آزاد کردہ لونڈی جسے اُمیہ کہا جاتا تھا، کو ان کی طرف بھیجا۔ ابوبکر بن محمد رحمہ اللہ کہتے ہیں: وہ میرے پاس آئی اس حال میں کہ میں لوگوں کے درمیان بیٹھا ہوا تھا، وہ کہنے لگی کہ آپ کی خالہ عمرہ آپ سے کہتی ہیں کہ اے میرے بھانجے! تم نے ایک نبطی کو پکڑ رکھا ہے (اور وہ بھی) ایک تھوڑی سی چیز (کی چوری) میں جو کہ میرے سامنے ذکر کی گئی ہے، پھر (کیا) تم نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا ارادہ بھی کر لیا ہے؟ (ابوبکر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ) میں نے جواب دیا کہ جی ہاں، تو وہ کہنے لگی: بے شک عمرہ آپ سے کہتی ہیں کہ ہاتھ کاٹنے کی سزا (لاگو ہی) نہیں ہوتی مگر چوتھائی دینار یا اس سے زیادہ (کی چوری) میں، ابوبکر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ (یہ سنا تو) میں نے نبطی کو چھوڑ دیا۔

فائدہ: ......عمرہ بنت عبدالرحمٰن نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے واسطے سے یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے۔ (بخاری: 6789 - 6791، مسلم: 1684)......نبطی کا لفظ دو طرح پڑھا گیا ہے: (1) نون اور باء دونوں پر زبر کے ساتھ یا (2) نون کے نیچے زیر اور باء ساکن کے ساتھ، اس کی جمع اَنْبَاط ہے۔ جزیرہ نما عرب کے شمال میں عراق اور شام کی سرحدوں پر سامی قوم آباد تھی جن کا دارالحکومت "سَلْع" شہر تھا جسے "بَتْراء" بھی کہا جاتا ہے، یہ کھیتی باڑی کرنے والے لوگ تھے، انھیں انباط کہا جاتا تھا۔ بعد میں یہ لفظ تمام غیر عرب مخلوط لوگوں کے لیے استعمال ہونے لگا، بقول بعض یہ علاقہ عجم کی ایک بستی کا نام ہے جس کی طرف منسوب ہونے والے کو نبطی کہتے تھے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَالأَمْرُ الْمُجْتَمَعُ عَلَيْهِ عِنْدَنَا فِي اعْتِرَافِ الْعَبِيدِ: أَنَّهُ مَنِ اعْتَرَفَ مِنْهُمْ عَلَى

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: غلاموں کے (چوری کے) اعتراف کے متعلق ہمارے ہاں اس حکم پر اجماع ہے کہ بلاشبہ ان

[1577] (مقطوع صحيح) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

نَفْسِهِ بِشَيْءٍ يَقَعُ الْحَدُّ وَالْعُقُوبَةُ فِيهِ فِي جَسَدِهِ ، فَإِنَّ اعْتِرَافَهُ جَائِزٌ عَلَيْهِ ، وَلَا يُتَّهَمُ أَنْ يُوقِعَ عَلَى نَفْسِهِ هٰذَا .

میں سے جس کسی نے اپنی ذات کے حوالے سے کسی ایسی چیز کا اعتراف کیا جس میں حد واقع ہوتی ہو یا اس میں اسے جسمانی سزا پڑتی ہو تو بلاشبہ اس کا اعتراف اپنے اوپر جائز ہے اور اس پر یہ تہمت (اورالزام) نہ لگائیں گے کہ (آقا کو ضرر پہنچانے کے لیے) وہ اپنے اوپر اس حد کو لاگو کر رہا ہے۔

فائدہ:...... بلکہ اللہ کا ڈر ہی ایسے اقرار پر آمادہ کرتا ہے۔ کیونکہ عموماً کوئی بھی شخص اپنے جسم کا قیمتی عضو کٹوانے کا نہیں سوچتا، لہٰذا یہ الزام درست نہیں کہ غلام نے جھوٹا اعتراف اس لیے کیا کہ اس کا ہاتھ کٹے اور اس کے آقا کا یوں نقصان ہو کہ اب نہ یہ غلام زیادہ کما سکے گا اور نہ اس کا زیادہ بھاؤ لگے گا۔

قَالَ مَالِكٌ : وَأَمَّا مَنِ اعْتَرَفَ مِنْهُمْ بِأَمْرٍ يَكُونُ غُرْماً عَلَى سَيِّدِهِ ، فَإِنَّ اعْتِرَافَهُ غَيْرُ جَائِزٍ عَلَى سَيِّدِهِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور رہا ان غلاموں میں سے وہ جس نے کسی ایسی چیز کا اعتراف کیا، جس کی چٹی اس کے آقا پر پڑتی ہو تو بلاشبہ اس کے آقا کے خلاف (پڑنے والا) اس کا اقرار جائز نہیں ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : لَيْسَ عَلَى الْأَجِيرِ ، وَلَا عَلَى الرَّجُلِ يَكُونَانِ مَعَ الْقَوْمِ يَخْدُمَانِهِمْ إِنْ سَرَقَاهُمْ قَطْعٌ ، لِأَنَّ حَالَهُمَا لَيْسَتْ بِحَالِ السَّارِقِ ، وَإِنَّمَا حَالُهُمَا حَالُ الْخَائِنِ ، وَلَيْسَ عَلَى الْخَائِنِ قَطْعٌ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ مزدور اور وہ آدمی جو کچھ لوگوں کے ہمراہ ہوں اور ان کی خدمت کرتے ہوں، وہ اگر ان (لوگوں) کی چوری کرلیں تو ان پر ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں ہے۔ کیونکہ بلاشبہ ان دونوں کا حال چور کے حال کی طرح نہیں ہے، (بلکہ) ان کا حال تو صرف اور صرف خائن کی حالت کی طرح ہے اور خائن پر ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں ہے۔

فائدہ:...... جیسا کہ پیچھے روایت: 1575 کے فائدہ میں خائن کے متعلق حدیث مبارکہ بیان ہو چکی ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے اس مذکورہ فتویٰ میں دونوں شخصوں کو خدمت کرنے والے غلام ولونڈی پر قیاس کیا ہے۔ امام صاحب کی یہ بات اس حد تک تو قرین قیاس ہے کہ وہ چوری ایسے مال کی ہو جو ان خادموں سے محفوظ نہ کیا گیا ہو، ہاں اگر کوئی مال ان سے بھی چھپا کر رکھا گیا ہو تو اس کی چوری میں حد نافذ ہوگی بشرطیکہ نصاب کو پہنچے۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الَّذِي يَسْتَعِيرُ الْعَارِيَةَ فَيَجْحَدُهَا : إِنَّهُ لَيْسَ عَلَيْهِ قَطْعٌ ، وَإِنَّمَا مَثَلُ ذٰلِكَ مَثَلُ رَجُلٍ كَانَ لَهُ عَلَى رَجُلٍ دَيْنٌ فَجَحَدَهُ ذٰلِكَ ، فَلَيْسَ عَلَيْهِ فِيمَا جَحَدَهُ

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا: جو (لوگوں سے) کوئی چیز عاریتاً لیتا ہے، پھر اس کا انکار کر دیتا ہے تو بلاشبہ اس پر ہاتھ کاٹنے کی سزا نہ ہوگی اور بلاشبہ اس کی مثال تو صرف اور صرف اس شخص جیسی ہے جس کا کسی اور آدمی پر

قَطْعٌ .

قرض ہوتو وہ (مقروض) آدمی اس (قرض) کا انکار کردے تو اس نے جس کا انکار کیا ہے اس میں اس کا ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں ہے۔

فائدہ :...... امام مالک رحمہ اللہ کا یہ فتویٰ قابل قبول نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے جس مخزومی عورت کا ہاتھ کاٹا تھا، وہ یہ جرم کیا کرتی تھی اور عاریتاً چیزیں لے کرانکار کرنے کے عمل ہی کو چوری شمار کر کے اس پر حد نافذ کی گئی۔ جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہی سبب بیان کیا ہے۔ (مسلم:1688/ 10) اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بھی یہی ذکر کیا ہے۔ (ابوداود: 4395، نسائی: 4891، اس کی سند صحیح ہے) امام احمد رحمہ اللہ ، اسحاق بن راہویہ، ابن حزم رحمہ اللہ ، ابن قیم رحمہ اللہ ، شوکانی رحمہ اللہ اور اہل ظاہر اسی کے قائل ہیں، اگر چہ یہ عمل جمہور کے نزدیک چوری کے زمرے میں نہیں آتا۔ وہ کہتے ہیں کہ چوری تو کسی کے چھپے ہوئے محفوظ مال کی ہوتی ہے اور یہاں یہ صورت نہیں ہے لہٰذا چوری کی حد بھی یہاں لاگو نہیں ہے...... حالانکہ پہلی بات یہ ہے کہ حدیث پیغمبر ﷺ ثابت ہوجانے کے بعد اپنے قیاسات کو ترک کر دینا لازم ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ مسئلہ ان دلائل سے مستثنیٰ اور خاص ہے جن میں محفوظ مال کی بات کی گئی ہے، لہٰذا اس روایت کو کبھی شاذ، کبھی منسوخ کہنے اور کبھی محض تعارف پر محمول کرنے جیسی تاویلات سے بات نہیں بنے گی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے حدیث کے طرق اور اہل علم کی آراء ذکر کرنے کے بعد اس بات کو ترجیح دی ہے اور اس کو قوی قرار دیا ہے کہ مخزومیہ عورت کا ہاتھ چوری کی وجہ سے کاٹا گیا تھا۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: بخاری کی حدیث:6788 کی شرح فتح الباری جلد نمبر:12 (87 تا 92)۔

قَـالَ مَـالِكٌ : الأَمْرُ الْمُجْتَمَعُ عَلَيْهِ عِنْدَنَا فِي السَّارِقِ يُوجَدُ فِي الْبَيْتِ قَدْ جَمَعَ الْمَتَاعَ وَلَمْ يَخْرُجْ بِهِ : إِنَّهُ لَيْسَ عَلَيْهِ قَطْعٌ ، وَإِنَّمَا مَثَلُ ذَلِكَ كَمَثَلِ رَجُلٍ وَضَعَ بَيْنَ يَدَيْهِ خَمْراً لِيَشْرَبَهَا فَلَمْ يَفْعَلْ ، فَلَيْسَ عَلَيْهِ حَدٌّ ، وَمِثْلُ ذَلِكَ رَجُلٌ جَلَسَ مِنِ امْرَأَةٍ مَجْلِساً وَهُوَ يُرِيدُ أَنْ يُصِيبَهَا حَرَاماً فَلَمْ يَفْعَلْ ، وَلَمْ يَبْلُغْ ذَلِكَ مِنْهَا ، فَلَيْسَ عَلَيْهِ أَيْضاً فِي ذَلِكَ حَدٌّ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ حکم جس پر ہمارے ہاں اجماع ہے اس چور کے بارے میں جو گھر میں اس حال میں پالیا جائے کہ وہ سامان جمع کر چکا ہو اور اسے لے کر باہر نہ جاسکا ہو تو بلاشبہ اس پر ہاتھ کاٹنے کی سزا نہ ہوگی (بلکہ کوئی اور تعزیری سزا دی جائے گی) اور بلاشبہ اس شخص کی مثال تو محض اس آدمی کی طرح ہے جس نے اپنے سامنے شراب رکھی ہو تا کہ اسے پی لے لیکن اس نے (ابھی) ایسا نہ کیا (تھا کہ پکڑا گیا) تو اس پر حد نہیں ہے۔ اس کی مثال اس آدمی کی طرح ہے جو عورت کے ساتھ خاص انداز میں بیٹھا، تا کہ اس سے حرام کاری کا ارتکاب کرے پھر وہ ایسا نہ کرسکا اور اس عورت سے حرام کام کو نہ پہنچ سکا تو اس پر بھی اس میں حد نہ ہوگی۔

قَالَ مَالِكٌ : الْأَمْرُ الْمُجْتَمَعُ عَلَيْهِ عِنْدَنَا : أَنَّهُ لَيْسَ فِي الْخُلْسَةِ قَطْعٌ بَلَغَ ثَمَنُهَا مَا يُقْطَعُ فِيهِ أَوْ لَمْ يَبْلُغْ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ حکم جس پر ہمارے ہاں اتفاق ہے، یہ ہے کہ بلاشبہ (اچانک جھپٹ کر) اُچک لینے میں ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں ہے، خواہ اس (اُچکی جانے والی چیز) کی قیمت اس حد کو پہنچ جائے جس میں ہاتھ کاٹا جاتا ہے یا نہ پہنچے۔

فائدہ: ...... جیسا کہ پیچھے روایت :1575 کے فائدے میں اس کے متعلق فرمان نبوی ﷺ بھی بیان ہو چکا ہے۔

44

كِتَابُ الْاَشْرِبَةِ
مشروبات کے مسائل کی کتاب

خلاصۃ الکتاب: اس کتاب میں پانچ ابواب اور پندرہ روایات ہیں، جن میں سے نو مرفوع (احادیث نبویہ ﷺ) اور پانچ موقوف (آثار صحابہ رضی اللہ عنہم) ہیں اور ایک مقطوع (اثر تابعی رحمہ اللہ) ہے اور یہ تمام روایات سنداً صحیح ہیں، سوائے دو موقوف روایات کے جو کہ ضعیف ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاویٰ جات بھی مذکور ہیں۔

1- بَابُ مَاجَاءَ فِي الْحَدِّ فِي الْخَمْرِ
شراب نوشی کی حد کا بیان

خلاصۃ الباب: اس میں چار روایات ہیں، تین موقوف ہیں، جن میں سے ایک صحیح اور دو ضعیف ہیں اور ایک روایت مقطوع ہے جو کہ سنداً صحیح ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

فائدہ:...... جمہور کے ہاں ہر قسم کی شراب اور نشہ آور اشیاء کا حکم یکساں ہے اور وہ حرام ہیں۔ نشہ آور مشروبات کو کم پیا جائے یا زیادہ، اس سے نشہ ہو یا نہ، ہر صورت میں حد خمر (شراب کی حد) لاگو ہوگی۔ جبکہ احناف کے نزدیک اصل شراب صرف اور صرف انگور کی ہے جس کی کم یا زیادہ ہر مقدار حرام ہے اور اس کے علاوہ باقی ہر شراب اور نشہ آور چیز میں حرمت کا سبب نشہ کا وجود ہے۔ چنانچہ ان کے نزدیک ان چیزوں کا استعمال جائز ہے اور جس گھونٹ پر نشہ چڑھنے لگے وہ حرام ہے۔

[1578] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ خَرَجَ عَلَيْهِمْ فَقَالَ: إِنِّي

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ باہر نکل کران کے پاس آئے اور فرمایا: یقیناً میں نے فلاں شخص سے شراب کی بو محسوس کی، تو

[1578] (موقوف صحیح) صحیح البخاری، کتاب الاشربۃ، باب الباذق، قبل از حدیث: 5598، سنن النسائی، کتاب الاشربۃ، باب (48) ذکر الاخبار التی اعتل بھا من اباح شراب المسکر، حدیث: 5711، بیھقی: 8/ 295۔ شیخ سلیم ہلالی نیز امام ابن حجر رحمہ اللہ، ابن کثیر رحمہ اللہ، ابن عبدالبر رحمہ اللہ اور البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔

وَجَدْتُ مِنْ فُلَانٍ رِيحَ شَرَابٍ ، فَزَعَمَ أَنَّهُ شَرَابُ الطِّلَاءِ ، وَأَنَا سَائِلٌ عَمَّا شَرِبَ ، فَإِنْ كَانَ يُسْكِرُ جَلَدْتُهُ . فَجَلَدَهُ عُمَرُ الْحَدَّ تَامًّا .

اس نے کہا کہ یہ تو "طِلاء" یعنی انگوروں کا پکایا ہوا مشروب ہے اور میں اس چیز کے متعلق (تم سے) سوال کرنے والا ہوں جواس نے پی ہے۔ اگر تو یہ نشہ کرتی ہے تو میں اُسے کوڑے لگاؤں گا، چنانچہ (انھیں بتایا گیا کہ یہ نشہ آور ہے تو) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسے مکمل کوڑے مارے۔

فائدہ :......یعنی مکمل حد کے اسی کوڑے مارے اور یہ حد اپنے ہاتھ سے لگائی۔ (سعید بن منصور بحوالہ زرقانی : 4/ 221) یہ شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اپنا ہی بیٹا عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ تھا۔ (بخاری قبل از حدیث: 5598) انگور کا رس نکال کر اسے پکایا جائے تو اسے طلاء کہتے ہیں اور وہ نصف رہ جائے تو حضرت براء بن عازب اور حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ سے اسے پینا ثابت ہے۔ (صحیح بخاری قبل از حدیث : 5598) سنن نسائی کے آخر میں متعدد روایات سے ثابت ہے کہ اسے اتنا گاڑھا کرنا چاہیے کہ صرف ایک تہائی باقی رہے۔ (نسائی: 5718- 5730)

[1579] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ ثَوْرِ بْنِ زَيْدٍ الدِّيلِيِّ : أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ اسْتَشَارَ فِي الْخَمْرِ يَشْرَبُهَا الرَّجُلُ ، فَقَالَ لَهُ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ : نَرَى أَنْ تَجْلِدَهُ ثَمَانِينَ ، فَإِنَّهُ إِذَا شَرِبَ سَكِرَ ، وَإِذَا سَكِرَ هَذَى ، وَإِذَا هَذَى افْتَرَى . أَوْ كَمَا قَالَ ، فَجَلَدَ عُمَرُ فِي الْخَمْرِ ثَمَانِينَ .

ثور بن زید دیلی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے شراب کے بارے میں مشورہ طلب کیا، جسے کوئی شخص پی لیتا ہے تو حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: ہم خیال کرتے ہیں کہ آپ اسے اسی کوڑے لگائیں کیونکہ یقیناً وہ جب شراب پیے گا تو نشہ میں مبتلا ہوگا اور جب وہ نشے میں آئے گا تو ہذیان (بیہودہ کلام) بکے گا اور جب وہ بہکی بہکی باتیں کرے گا تو (کسی پاکدامن جان پر زنا کی) تہمت لگائے گا (اور تہمت زنا میں بھی اسی کوڑے ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہی الفاظ کہے) یا جیسا بھی انھوں نے کہا (مطلب یہی تھا جو کہ بیان ہوا ہے) تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شراب (پینے کی سزا) میں اسی کوڑے مارے (اور انھیں جاری کر دیا)۔

فائدہ :......بعض روایات میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا یہ مشورہ مذکور ہے کہ سب سے ہلکی سزا اسی کوڑے ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی کا حکم صادر کر دیا۔ (مسند احمد: 3/ 115، مسلم: 1706، ابوداود:

[1579] (موقوف ضعیف) بیهقی فی السنن الکبریٰ: 8/ 320(17543)، وفی معرفة السنن والآثار: 6/ 458 (5246)، عبدالرزاق: 7/ 378(14532)، ابن ابی شیبه: 28400، دارقطنی: 3/ 165(3312)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

4479، ترمذی: 1443، ابن ماجه: 2571) دراصل حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف خط لکھا تھا کہ لوگ چالیس کوڑوں کی سزا کو ہلکا سمجھ کر شراب کثرت سے پینے لگے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس مہاجرین وانصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے تو انھوں نے اسی کوڑوں پر اجماع کرلیا۔ (ابوداود: 4489)...... حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ولید بن عقبہ کو چالیس کوڑے لگوائے اور کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی چالیس اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی کوڑے لگائے اور یہ سب سنت ہیں۔ (مسلم: 1707) پھر عہد عثمانی میں یہ دونوں سزائیں چلتی رہیں۔ (ابوداود: 4488) اس سے معلوم ہوا کہ شراب کی حد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین نہیں فرمائی تھی بلکہ یہ ایک تعزیری سزا تھی ورنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس میں اضافہ نہ کرتے۔ اس کے تعزیری ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جب شرابی کو لایا جاتا ہے تو اسے وہاں موجود سب لوگوں سے یوں سزا دلائی جاتی کہ کوئی اسے ہاتھوں سے، کوئی جوتیوں سے اور کوئی کپڑوں سے مارتا تھا۔ (احمد: 3/ 449، بخاری: 6779) ظاہر بات ہے کہ جب لوگ اکٹھے ہو کر کسی کو ماریں تو تعداد متعین نہیں ہوگی اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان بھی اسی طرح ہے کہ "تقریباً چالیس کوڑے۔" (احمد: 3/ 115، مسلم: 1706) مذکورہ بالا روایت سے یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ شرابی کو کوڑوں کی حد لگانا واجب ہے لیکن مقدار متعین نہیں ہے۔ البتہ کم از کم مقدار تقریباً چالیس ہونی چاہیے اور یہ عام تعزیری سزاؤں سے اس لحاظ سے مستثنیٰ ہے کہ اس میں کوڑوں کی تعداد دس سے زیادہ ہے...... امام مالک رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک شرابی کی حد اسی کوڑے جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ چالیس کوڑوں کے قائل ہیں۔

[1580] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ حَدِّ الْعَبْدِ فِي الْخَمْرِ، فَقَالَ: بَلَغَنِي أَنَّ عَلَيْهِ نِصْفَ حَدِّ الْحُرِّ فِي الْخَمْرِ، وَأَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، وَعُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ، وَعَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ قَدْ جَلَدُوا عَبِيدَهُمْ نِصْفَ حَدِّ الْحُرِّ فِي الْخَمْرِ.

ابن شہاب رحمہ اللہ سے روایت ہے، ان سے شراب پینے میں غلام کی حد کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ یقیناً اس پر آزاد آدمی کی شراب والی حد کا نصف ہے اور بلاشبہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے غلاموں کو اس حد سے نصف کوڑے لگائے، جو آزاد آدمی کی شراب پینے میں ہے۔

فائدہ :...... اس بارے میں بنیاد یہ فرمان الٰہی ہے: ﴿فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ﴾ (النساء: 25) "تو ان (لونڈیوں) کی سزا آزاد عورتوں کی سزا کا نصف ہے۔"

[1580] (موقوف ضعیف) بیهقی: 8/ 321 (17548)، عبدالرزاق: 7/ 383 (13559)۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے۔

[1581] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ أَنَّهُ سَمِعَ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ يَقُولُ مَا مِنْ شَيْءٍ إِلَّا اللّٰهُ يُحِبُّ أَنْ يُعْفَى عَنْهُ مَا لَمْ يَكُنْ حَدًّا .

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے سعید بن مسیب رحمہ اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: کوئی بھی چیز (گناہ، قصور اور جرم) نہیں مگر اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں کہ اس سے درگزر کیا جائے، جب تک کے وہ حد نہ ہو۔

فائدہ :...... ہر جرم کے ثابت ہونے کے باوجود اسے معاف کرنا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے سوائے اس کے کہ اس میں شرعی حد لاگو ہوتی ہو۔ اس صورت میں حد قائم کرنا اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب اور درگزر کرنا ناپسندیدہ عمل ہے۔

قَالَ يَحْيَى : قَالَ مَالِكٌ : وَالسُّنَّةُ عِنْدَنَا أَنَّ كُلَّ مَنْ شَرِبَ شَرَاباً مُسْكِراً فَسَكِرَ أَوْ لَمْ يَسْكَرْ ، فَقَدْ وَجَبَ عَلَيْهِ الْحَدُّ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں سنت یہ ہے کہ بے شک ہر وہ شخص جو کوئی بھی نشہ آور مشروب پیے تو پھر خواہ اسے نشہ چڑھے یا نہ چڑھے (ہر دو صورت میں) یقیناً اس پر حد واجب ہو چکی ہوتی ہے۔

2- بَابُ مَا يُكْرَهُ أَنْ يُّنْبَذَا جَمِيعًا

ان دو چیزوں کا بیان جن سے اکٹھا نبیذ بنانا مکروہ ہے

خلاصۃ الباب : اس باب میں دو مرفوع روایات (احادیث نبویہ ﷺ) ہیں جو کہ صحیح ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

فائدہ :...... نبیذ سے مراد یہ ہے کہ کشمش یا کھجور کو پانی میں بھگو دیا جائے اور پھر چند گھنٹے بعد اسے پانی میں حل کر کے چھان کر یا بغیر چھانے شربت بنا لیا جائے، بشرطیکہ اس میں نہ تیزی آئی ہو اور نہ جھاگ...... یہ تو سب علماء کے ہاں درست ہے۔ کچھ لوگ دودھ میں بھی نبیذ بنا لیتے ہیں...... یاد رہے کہ پانی میں انھیں بھگونے کے بعد سے لے کر چوبیس گھنٹے تک اس کے استعمال کی اجازت ہے، بعض روایات میں تین دن رات کا بھی تذکرہ ہے۔ (مسلم: 2004) معلوم ہوتا ہے کہ بعض موسموں میں نبیذ تین دن رات تک نشہ آور نہیں ہوتا، بہرحال جیسے ہی اس میں جھاگ اور تیزی آئے تو اسے ضائع کر دینا چاہیے۔

[1582] وَحَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ : أَنَّ

عطاء بن یسار رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا کہ نیم پختہ (گدر) کھجور اور تر

[1581] (مقطوع صحیح) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

[1582] (مرفوع صحیح لغیرہ) بیهقی فی معرفة السنن والآثار: 6/ 453(5233)، الشافعی فی الام: 6/ 179، وفی المسند: 2/ 189۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو صحیح لغیرہ قرار دیا ہے۔

رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهَى أَنْ يُنْبَذَ الْبُسْرُ وَالرُّطَبُ جَمِيعاً، وَالتَّمْرُ وَالزَّبِيبُ جَمِيعاً .

کھجور سے اکٹھا نبیذ بنایا جائے اور (یا) کھجور اور منقیٰ کو اکٹھے بھگویا جائے۔

فائدہ: ...... کیونکہ دو مختلف تاثیروں والی اشیاء کو اکٹھا بھگونے سے نبیذ میں بہت جلد نشہ پیدا ہو جاتا ہے......

اس روایت کی سند میں امام عبدالرزاق نے عطاء بن یسار رحمہ اللہ کے بعد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا واسطہ ذکر کیا ہے۔ (مصنف عبدالرزاق: 9/ 125، حدیث: 16982) نیز عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ نے بھی اس روایت کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (بخاری: 5601، مسلم: 1986، ابوداود: 3703، ترمذی: 1876، نسائی: 5556، ابن ماجہ: 3395، احمد: 3/ 294)۔

[1583] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ الثِّقَةِ عِنْدَهُ، عَنْ بُكَيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْأَشَجِّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحُبَابِ الْأَنْصَارِي، عَنْ أَبِي قَتَادَةَ الْأَنْصَارِي : أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهَى أَنْ يُشْرَبَ التَّمْرُ وَالزَّبِيبُ جَمِيعاً، وَالزَّهْوُ وَالرُّطَبُ جَمِيعاً .

حضرت ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا کہ کھجور اور منقیٰ کو اکٹھے ملا کر (نبیذ بنا کر) پیا جائے اور (یا) نیم پختہ کھجور اور تر کھجور (دونوں سے بنے ہوئے نبیذ) کو اکٹھے پیا جائے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَهُوَ الْأَمْرُ الَّذِي لَمْ يَزَلْ عَلَيْهِ أَهْلُ الْعِلْمِ بِبَلَدِنَا : أَنَّهُ يُكْرَهُ ذٰلِكَ لِنَهْيِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ عَنْهُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ حکم جس پر ہمیشہ سے ہمارے شہر کے اہل علم قائم رہے ہیں، یہ ہے کہ بلاشبہ یہ رسول اللہ ﷺ کی اس سے ممانعت کی بنا پر مکروہ ہے۔

3- بَابُ مَا يُنْهَى عَنْهُ أَنْ يُنْبَذَ فِيهِ

ان برتنوں کا بیان جن میں نبیذ بنانا ممنوع ہے

خلاصۃ الباب اس باب میں دو احادیث نبویہ ﷺ مذکور ہیں جو کہ بخاری و مسلم میں بھی موجود ہیں۔

[1584] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بے شک

[1583] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب الاشربة، باب من رای ان لا یخلط البسر والتمر، حدیث: 5602، صحیح مسلم، کتاب الاشربة، باب انتباذ التمر والزبیب مخلوطین، حدیث: 1988، ابوداؤد: 3704، نسائی: 5553، ابن ماجہ: 3397، احمد: 309/5 (23005)، دارمی: 2113.

[1584] (مرفوع صحیح) صحیح مسلم، کتاب الاشربة، باب النهی عن الانتباذ فی المزفت والدباء، حدیث: 1997/ 48، سنن ابی داود، کتاب الاشربة، باب فی الاوعیة، حدیث: 3690، ترمذی: 1868، نسائی: 5635، ابن ماجہ: 3402، احمد: 2/ 78، دارمی: 2109.

نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ خَطَبَ النَّاسَ فِي بَعْضِ مَغَازِيهِ، قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ: فَأَقْبَلْتُ نَحْوَهُ فَانْصَرَفَ قَبْلَ أَنْ أَبْلُغَهُ، فَسَأَلْتُ مَاذَا قَالَ؟ فَقِيلَ لِي: نَهَى أَنْ يُنْبَذَ فِي الدُّبَّاءِ وَالْمُزَفَّتِ.

رسول اللہ ﷺ نے اپنے غزوات میں سے کسی غزوے میں لوگوں کو خطبہ دیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں آپ ﷺ کی طرف متوجہ ہوا، (خطبہ سننے کے لیے لپکا لیکن) آپ ﷺ اس سے پہلے ہی (خطبے سے) فارغ ہوگئے کہ میں آپ ﷺ تک پہنچتا۔ چنانچہ میں نے (کسی سے) پوچھا کہ آپ ﷺ نے کیا فرمایا ہے؟ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے بتایا گیا: آپ ﷺ نے کدو کے (بنے ہوئے) برتن اور تارکول ملے ہوئے برتن میں نبیذ بنانے سے منع فرمایا ہے۔

[1585] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَعْقُوبَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهَى أَنْ يُنْبَذَ فِي الدُّبَّاءِ وَالْمُزَفَّتِ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے کدو کے برتن اور تارکول والے برتن سے منع فرمایا ہے۔

فائدہ: ......کدو جب اپنی بیل کے ساتھ رہتے ہوئے خوب پک جائے تو وہ نسبتاً بڑی اور سخت جسامت والا ہو جاتا ہے، اسے اندر سے خالی کر کے برتن بنایا جاسکتا ہے۔ عرب لوگ اسے نبیذ بنانے کے لیے استعمال کرتے تھے اور اسی طرح کسی برتن کے اندر والی جانب تارکول (لُک، اصل میں اس سے لُک نما کالی دوائی مراد ہے) لیپ دیتے، پھر اسے بھی نبیذ بنانے کے لیے استعمال کرتے پھر وہ اس نبیذ میں نشہ پیدا ہونے کے بعد بھی استعمال کرتے رہتے تھے۔ نیز کسی برتن کو کسی کام کے لیے مسلسل استعمال کیا جائے تو کچھ عرصہ بعد وہ برتن اس مقصد کو قلیل وقت میں پورا کر دیتا ہے، ان برتنوں میں نبیذ جلدی نشہ آور ہو جاتا تھا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے شراب اور نشہ سے دور رکھنے کے لیے سدّ ذرائع کے طور پر چند خاص برتنوں کے استعمال پر بالکل پابندی لگادی تاکہ دور جاہلیت کی عادت یکسر چھوٹ جائے۔ ان برتنوں میں کدو کا برتن، تارکول (نما کالی دوائی) سے لیپ شدہ برتن، کھجور کی موصلی (جڑ کو کھوکھلا کر کے اس) سے بنایا ہوا برتن اور سبز گھڑا شامل تھے۔ (بخاری: 53، مسلم: 17) بعدازاں آپ ﷺ نے ان کے استعمال کی اجازت مرحمت فرمادی تھی۔ (مسلم: 977) جمہور کا یہی موقف ہے لیکن امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ اب بھی انھیں حرام ہی سمجھتے ہیں۔

[1585] (مرفوع صحيح) صحيح البخاری، كتاب الأشربة، باب الخمر من العسل وهو البتع، حديث: 5587، صحيح مسلم، كتاب الاشربة، باب النهي عن الانتباذ في المزفت والدباء، حديث: 1993، ابوداؤد: 3693، نسائی: 5592، ابن ماجه: 3401، احمد: 514/2 (10677).

4- بَابُ مَاجَاءَ فِيْ تَحْرِيْمِ الْخَمْرِ

شراب کی حرمت کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں تین مرفوع روایات (احادیث نبویہ ﷺ) ہیں جو سنداً صحیح ہیں۔ بعض نسخوں میں یہ باب اس کتاب کا آخری باب ہے، اس صورت میں اس باب کی کل روایات سات ہوں گی۔

فائدہ:...... جمہور کے ہاں ہر قسم کی شراب اور نشہ آور اشیاء یکساں درجے کی حرام ہیں، انھیں کم پیا جائے یا زیادہ، ان سے نشہ چڑھے یا نہ، ان کا قلیل وکثیر حرام اور موجب سزا ہے۔ جبکہ احناف کے ہاں انگور کی شراب میں تو یہی جمہور والا فیصلہ ہے لیکن باقی اشیاء میں وہ کہتے ہیں کہ جب تک نشہ نہ چڑھے انھیں استعمال کیا جا سکتا ہے اور صرف وہ جزو حرام ہے جس سے نشہ چڑھتا ہو۔ لیکن ان کا یہ موقف صریح وصحیح احادیث نبویہ کے خلاف ہے۔ چنانچہ فرمان نبوی ﷺ ہے: ''ہر نشہ آور چیز خمر (شراب) ہے اور ہر شراب حرام ہے۔'' (مسلم: 2003) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے شراب کی وضاحت میں انگور کے ساتھ کھجور کا بھی ذکر کیا۔ (مسلم: 1985) حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حرمت شراب کے وقت ہمارے پاس انگوروں کی شراب تو کم ہی تھی، ہماری عام شراب کچی کھجور اور خشک کھجور سے تیار ہوتی تھی۔ (بخاری: 5580)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منبر رسول اللہ ﷺ پر اعلان فرمایا: جب شراب حرام ہوئی تو وہ پانچ چیزوں سے تیار ہوا کرتی تھی: انگور، کھجور، گندم، جو اور شہد۔ ''خمر'' یعنی شراب ہر وہ چیز ہے جو عقل کو مخمور کر دے یعنی ڈھانپ لے۔ (بخاری: 5588) رسول اللہ ﷺ نے مکئی کی شراب کو بھی حرام قرار دیا۔ (مسلم: 2002) نیز فرمایا: ''جس چیز کے تین صاع (تقریباً سات کلوگرام) پینے سے نشہ ہوتا ہو، اس کا ایک چلو بھی حرام ہے۔'' (ابوداود: 3687، ترمذی: 1866۔ اس کی سند صحیح ہے) نیز فرمایا: ''جس چیز کو زیادہ پینے سے نشہ آتا ہو اس کی تھوڑی سی مقدار بھی حرام ہے۔'' (ابوداود: 3681، ترمذی: 1865، ابن ماجہ: 3393۔ اس کی سند صحیح ہے۔)

[1586] وَحَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ، أَنَّهَا قَالَتْ: سُئِلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْبِتْعِ؟ فَقَالَ: كُلُّ شَرَابٍ أَسْكَرَ فَهُوَ حَرَامٌ.

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ پیغمبر ﷺ سے روایت ہے، کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے ''بِتْع'' (شہد کی شراب) کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہر وہ پینے کی چیز جو نشہ کرے، حرام ہے۔''

[1586] (مرفوع صحیح) صحیح البخاري، کتاب الاشربة، باب الخمر من العسل وهو البتع، حدیث: 5585، صحیح مسلم، کتاب الاشربة، باب بیان ان کل مسکر خمر، حدیث: 2001، ابوداود: 3682، ترمذی: 1863، نسائی: 5595، ابن ماجه: 3386، احمد: 6/ 190 (26089)، دارمی: 2097.

[1587] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ سُئِلَ عَنِ الْغُبَيْرَاءِ؟ فَقَالَ: لَا خَيْرَ فِيهَا وَنَهَى عَنْهَا.

زید بن اسلم رحمہ اللہ، عطاء بن یسار رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ سے "غُبَیْراء" (مکئی کی شراب) کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اس میں کوئی خیر نہیں ہے" اور آپ ﷺ نے اس سے منع فرما دیا۔

قَالَ مَالِكٌ: فَسَأَلْتُ زَيْدَ بْنَ أَسْلَمَ مَا الْغُبَيْرَاءُ؟ فَقَالَ هِيَ الْأُسْكَرْكَةُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ پھر میں نے زید بن اسلم رحمہ اللہ سے پوچھا کہ "غُبَیْراء" کیا چیز ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: یہ "سُکُرکہ" یعنی مکئی کی شراب ہے۔

فائدہ: ......ابن عبدالبر نے اس سے چاول کی شراب مراد لی ہے۔

[1588] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فِي الدُّنْيَا، ثُمَّ لَمْ يَتُبْ مِنْهَا، حُرِمَهَا فِي الْآخِرَةِ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس شخص نے دنیا میں شراب پی لی، پھر اس سے توبہ نہ کی، تو وہ آخرت میں اس سے محروم کر دیا جائے گا۔"

5- باب جَامِعِ تَحْرِيمِ الْخَمْرِ

حرمتِ شراب کے متعلق متفرق احادیث کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں چار روایات ہیں، دو مرفوع (احادیث نبویہ ﷺ) اور دو موقوف (آثار صحابہ رضی اللہ عنہم) ہیں اور سب سنداً صحیح ہیں۔

[1589] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنِ ابْنِ وَعْلَةَ الْمِصْرِيِّ: أَنَّهُ

(عبدالرحمٰن) ابن وعلہ مصری رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس شیرے (رس)

[1587] (مرفوع صحيح لغيره) بيهقى فى معرفة السنن والآثار: 6/ 437(5208)، الشافعى فى الام: 6/ 179، وفى المسند: 2/ 185۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو صحیح لغیرہ قرار دیا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

[1588] (مرفوع صحيح) صحيح البخارى، كتاب الاشربة، باب قول الله تعالىٰ انما الخمر والميسر، حديث: 5575، صحيح مسلم، كتاب الاشربة، باب بيان ان كل مسكر خمر، حديث: 2003، ابوداود: 3679، ترمذى: 1861، نسائى: 5674، ابن ماجه: 3373، احمد: 2/ 19 (4690)، دارمى: 2090۔

[1589] (مرفوع صحيح) صحيح مسلم، كتاب المساقاة، باب تحريم بيع الخمر، حديث: 1579، سنن النسائى، كتاب البيوع، باب بيع الخمر، حديث: 4668، احمد: 1/ 358 (3373)، دارمى: 2103۔

سَأَلَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ عَمَّا يُعْصَرُ مِنَ الْعِنَبِ؟ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: أَهْدَى رَجُلٌ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ رَاوِيَةَ خَمْرٍ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهَا؟ قَالَ: لَا. فَسَارَّهُ رَجُلٌ إِلَى جَنْبِهِ. فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: بِمَ سَارَرْتَهُ؟ فَقَالَ: أَمَرْتُهُ أَنْ يَبِيعَهَا. فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: إِنَّ الَّذِي حَرَّمَ شُرْبَهَا حَرَّمَ بَيْعَهَا فَفَتَحَ الرَّجُلُ الْمَزَادَتَيْنِ حَتَّى ذَهَبَ مَا فِيهِمَا.

کے متعلق پوچھا، جو انگور سے نچوڑا گیا ہوتو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کو شراب کی ایک مشک ہدیے میں دی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تمھیں علم نہیں کہ یقیناً اللہ نے اسے حرام قرار دیا ہے؟'' اس نے کہا کہ نہیں، تو اس کے پہلو میں (موجود) ایک شخص نے (اس کے کان میں) چپکے سے اس سے کوئی بات کہی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم نے اس سے کیا خفیہ بات کہی ہے؟'' وہ (سرگوشی کرنے والا) کہنے لگا کہ میں نے اسے حکم دیا تھا کہ اسے بیچ ڈالے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یقیناً وہ ذات جس نے اس کے پینے کو حرام قرار دیا ہے اس نے اس کی خرید وفروخت کو بھی حرام فرما دیا ہے۔'' چنانچہ اس آدمی نے دونوں مشکیزوں کے منہ کھول دیے یہاں تک کہ ان میں جو کچھ تھا وہ سب بہہ گیا۔

فائدہ: ......مشک جو ہدیہ کی گئی وہ ایک تھی لیکن روایت کہ آخر میں دو مشکیزوں کا تذکرہ ہے، شاید مشک کے دو مونہوں کو دو مشکیزے کہا گیا ہو، یا ہوسکتا ہے کہ اس کے پاس ایک اپنی بھی مشک ہو۔ راویہ دراصل اس اونٹ کو کہتے ہیں کہ جو پانی کا بوجھ اٹھائے، پھر اس کے مفہوم میں وسعت کر کے پانی لادنے والے ہر جانور پر بولا جانے لگا، بعد ازاں مشکیزے یا مشک پر بھی یہ لفظ بولا جانے لگا۔

[1590] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّهُ قَالَ: كُنْتُ أَسْقِي أَبَا عُبَيْدَةَ بْنَ الْجَرَّاحِ، وَأَبَا طَلْحَةَ الْأَنْصَارِيَّ، وَأُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ شَرَاباً مِنْ فَضِيخٍ وَتَمْرٍ، قَالَ: فَجَاءَهُمْ آتٍ فَقَالَ: إِنَّ الْخَمْرَ قَدْ حُرِّمَتْ. فَقَالَ أَبُو طَلْحَةَ: يَا أَنَسُ قُمْ إِلَى هَذِهِ الْجِرَارِ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں حضرت ابوعبیدہ بن جراح، (اپنے سوتیلے والد) حضرت ابوطلحہ انصاری اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو گدر (نیم پختہ کھجور) اور خشک کھجور کی شراب پلا رہا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: (اتنے میں) ان کے پاس ایک آنے والا آیا اور کہنے لگا کہ بلاشبہ شراب حرام کی جا چکی ہے تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: انس! (شراب کے) ان

[1590] (موقوف صحيح) صحيح البخاري، كتاب الاشربة، باب نزل تحريم الخمر، حديث: 5582، صحيح مسلم، كتاب الاشربة، باب تحريم الخمر، حديث: 1980/ 9 بعداز حديث: 1981، نسائی: 5543، 5544، احمد: 3/ 181 (12900)، دارمی: 2089.

فَاكْسِرْهَا . قَالَ : فَقُمْتُ إِلَى مِهْرَاسٍ لَنَا فَضَرَبْتُهَا بِأَسْفَلِهِ حَتَّى تَكَسَّرَتْ .

مٹکوں کی طرف اٹھو اور انھیں توڑ ڈالو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اپنے ایک (وضو کے لیے) کریدے ہوئے پتھر (کے برتن) کی طرف اٹھا اور اس کے نچلے حصے کے ساتھ مٹکوں کو ضرب لگائی یہاں تک کہ وہ (سب) ٹوٹ گئے۔

فائدہ: ...... "مِهْــــرَاس". ہاون دستے کو کہتے ہیں...... حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی اس محفل مے نوشی میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ، حضرت ابودجانہ، حضرت معاذ بن جبل، حضرت سہیل بن بیضا رضی اللہ عنہم بھی شریک تھے۔

(مسلم: 1980/ 4، 7)

[1591] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ دَاوُدَ بْنِ الْحُصَيْنِ، عَنْ وَاقِدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ عَنْ مَحْمُودِ بْنِ لَبِيدٍ الأَنْصَارِيِّ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ حِينَ قَدِمَ الشَّامَ شَكَا إِلَيْهِ أَهْلُ الشَّامِ وَبَاءَ الأَرْضِ وَثِقَلَهَا، وَقَالُوا: لاَ يُصْلِحُنَا إِلاَّ هَذَا الشَّرَابُ . فَقَالَ: عُمَرُ اشْرَبُوا هَذَا الْعَسَلَ . قَالُوا: لاَ يُصْلِحُنَا الْعَسَلُ . فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الأَرْضِ: هَلْ لَكَ أَنْ نَجْعَلَ لَكَ مِنْ هَذَا الشَّرَابِ شَيْئاً لاَ يُسْكِرُ؟ قَالَ: نَعَمْ . فَطَبَخُوهُ حَتَّى ذَهَبَ مِنْهُ الثُّلُثَانِ وَبَقِيَ الثُّلُثُ، فَأَتَوْا بِهِ عُمَرَ فَأَدْخَلَ فِيهِ عُمَرُ إِصْبَعَهُ، ثُمَّ رَفَعَ يَدَهُ فَتَبِعَهَا يَتَمَطَّطُ، فَقَالَ: هَذَا الطِّلاَءُ، هَذَا مِثْلُ طِلاَءِ الإِبِلِ . فَأَمَرَهُمْ عُمَرُ أَنْ يَشْرَبُوهُ، فَقَالَ لَهُ عُبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ: أَحْلَلْتَهَا وَاللَّهِ . فَقَالَ عُمَرُ: كَلاَّ وَاللَّهِ، اللَّهُمَّ إِنِّي لاَ أُحِلُّ

حضرت محمود بن ولید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جب ملک شام تشریف لائے تو اہل شام نے ان کے سامنے اس زمین کی وبا اور اس (کی آب وہوا) کے ثقیل ہونے کا شکوہ کیا اور انھوں نے بتایا کہ (اس وبائی علاقے اور ثقیل آب وہوا کی وجہ سے) ہمیں اس شراب کے سوا کوئی چیز موافق نہیں آتی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم شہد پیا کرو۔ وہ کہنے لگے کہ شہد بھی ہمیں موافق نہیں ہے۔ اہل علاقہ میں سے ایک شخص کہنے لگا کہ آپ اس بات میں رغبت رکھتے ہیں کہ ہم آپ کے لیے اس شراب میں سے کچھ تیار کریں جو نشہ آور نہ ہو؟ انھوں نے فرمایا: ہاں۔ چنانچہ انھوں نے اسے پکایا یہاں تک کہ اس کا دو تہائی حصہ (جل کر) ختم ہو گیا اور ایک تہائی بچ گیا۔ پھر وہ اسے لے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس میں اپنی انگلی داخل کی، پھر اسے اوپر اٹھایا تو وہ (طلاء اور شیرہ) انگلی کے پیچھے لمبا ہوتا چلا گیا، (گاڑھا ہونے کی وجہ سے انگلی کی ساتھ اس کی تار اور دھاری بن گئی) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

[1591] (موقوف صحيح) بيهقى فى السنن الكبرى: 8/ 300(17425)، وفى معرفة السنن والآثار: 6/ 440 (5213)، الشافعى فى الام: 6/ 180، وفى المسند: 2/ 185- شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

لَهُـمْ شَيْـئاً حَرَّمْتَهُ عَلَيْهِمْ ، وَلَا أُحَرِّمُ عَلَيْهِمْ شَيْئاً أَحْلَلْتَهُ لَهُمْ .

فرمایا: یہ تو طلاء ہے، یہ تو اونٹوں کے طلاء (اونٹوں کو ملے جانے والے گندھک کے سیال مادے) کی طرح ہے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں حکم دیا کہ وہ اسے پی لیا کریں تو حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ ان سے کہنے لگے: کیا آپ نے اللہ کی قسم! ان کے لیے اس (حرام چیز) کو حلال قرار دے دیا؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہرگز نہیں، اللہ کی قسم! (پھر دعائیہ انداز میں عرض کرنے لگے کہ) اے اللہ! یقیناً میں نے ان کے لیے کوئی ایسی چیز حلال نہیں کی، جسے تو نے ان پر حرام قرار دیا ہے اور نہ ہی میں نے ان پر کسی ایسی چیز کو حرام کیا ہے جسے تو نے ان کے لیے حلال کیا ہے۔

فائدہ :...... اکثر صحابہ کے نزدیک جب انگور کا شیرہ دو تہائی جل کر ایک تہائی باقی رہ جائے تو اسے پینا درست ہے۔ ہاں اگر اس میں نشہ ہو تو حرام ہے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبیداللہ کو اس کے پینے پر حد لگائی تھی۔ جمہور فقہاء و محدثین بھی اسی کے قائل ہیں، البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ہر طلاء کا استعمال ہر صورت میں درست ہے، صرف وہ گھونٹ حرام ہے جس سے نشہ شروع ہوتا ہو۔

[1592] وَحَـدَّثَـنِـي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَـنْ عَبْـدِ الـلّٰـهِ بْنِ عُمَرَ : أَنَّ رِجَالاً مِنْ أَهْلِ الْـعِرَاقِ قَالُوا لَهُ : يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ إِنَّا نَبْتَاعُ مِـنْ ثَـمَرِ الـنَّـخْـلِ وَالْعِنَبِ فَنَعْصِرُهُ خَمْراً فَـنَبِيعُهَا . فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ : إِنِّي أُشْهِدُ الـلّٰـهَ عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتَهُ وَمَنْ سَمِعَ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْـسِ ، إِنِّـي لَا آمُـرُكُمْ أَنْ تَبِيعُوهَا ، وَلَا تَبْتَاعُـوهَا ، وَلَا تَعْصِرُوهَا ، وَلَا تَشْرَبُوهَا ، وَلَا تَسْـقُـوهَـا ، فَـإِنَّهَا رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ .

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اہل عراق میں سے کچھ لوگوں نے ان سے کہا: اے ابوعبدالرحمٰن! بے شک ہم کھجوروں اور انگوروں کے پھل خریدتے ہیں، پھر ہم ان سے شراب کشید کر کے اسے بیچ دیتے ہیں، تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یقیناً میں اللہ کو، اس کے فرشتوں اور ان تمام جنوں اور انسانوں کو جو (میری بات) سن رہے ہیں، گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ بلاشبہ میں نے تمھیں یہ حکم نہیں دیا کہ اسے بیچو اور اسے خریدو اور اسے کشید کرو اور اسے پیو اور اسے پلاؤ۔ یقیناً یہ شراب گند ہے (اور اس کا استعمال) شیطان کے کام میں سے ہے۔

فائدہ :...... حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے شراب پر، اس کے پینے والے اور پلانے والے پر، اسے بیچنے والے اور خریدنے والے پر، اسے کشید کرنے اور کشید کروانے والے پر، اسے اٹھانے والے پر اور اس پر کہ جس کی طرف اسے اٹھا کر لے جایا جائے۔'' (ابـو داود: 3674،

[1592] (مـوقـوف صـحـيـح) بيهـقـي فـي السنن الكبرى: 8/ 286 (17333)، وفـي مـعـرفة السنن والآثار: 6/ 431 (5197)، الشافعي في الأم: 6/ 180، وفي المسند: 2/ 289۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو شیخین کی شرط کے مطابق صحیح کہا ہے۔

ابن ماجه: 3380، اس کی سند صحیح ہے)حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شراب کے حوالے سے دس چیزوں پر لعنت کی ہے: اسے کشید کرنے والے پر، اسے کشید کروانے والے پر، اسے پینے والے پر، اسے اٹھانے والے پر، اس شخص پر کہ جس کی طرف اسے اٹھا کر لے جایا جائے، اسے پلانے والے پر، اسے بیچنے والے پر، اس کی قیمت کھانے والے پر، اسے خریدنے والے پر اور اس پر کہ جس کے لیے اسے خریدا جائے۔'' (ترمذی: 1295، ابن ماجه: 3381۔ اس کی سند حسن صحیح ہے)......رسول اللہ ﷺ نے تو اسے بطور دوا استعمال کرنے سے بھی منع فرمایا ہے اور اسے خود ایک بیماری قرار دیا ہے۔ (مسلم: 1984) نیز آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے شراب پی تو اللہ تعالیٰ چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہ فرمائے گا، ہاں اگر توبہ کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا، پھر دوبارہ پی لے تو چالیس دن تک اللہ تعالیٰ اس کی نماز قبول نہ کرے گا، ہاں اگر توبہ کرلے تو اللہ اس کی توبہ قبول فرمائے گا، پھر اگر (تیسری بار) اس (شراب) کی طرف لوٹے تو چالیس دن تک اللہ تعالیٰ اس کی نماز قبول نہیں فرمائیں گے، ہاں اگر وہ توبہ کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو شرف قبولیت سے نوازیں گے، پھر اگر وہ چوتھی بار اس کی طرف لوٹے تو اللہ تعالیٰ چالیس دن تک اس کی کوئی نماز قبول نہ کریں گے اور اگر (اب کی بار) وہ توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول نہ فرمائیں گے اور اسے (جہنمیوں کی) خون ملی پیپ، کچلہو کی نہر میں سے پلائیں گے۔'' (ترمذی: 1862۔ اس کی سند حسن ہے۔ ابن ماجه: 3377۔ اس کی سند صحیح ہے)۔

45

كِتَابُ الْجَامِعِ
متفرق مسائل کی کتاب

خلاصۃ الکتاب اس کتاب میں اٹھاسی (88) ابواب اور دوسو ساٹھ (260) روایات ہیں جن میں سے 183 مرفوع (احادیث نبویہ ﷺ)، 56 موقوف (آثار صحابہ رضی اللہ عنہم) اور 21 مقطوع (آثار تابعین رحمہم اللہ) ہیں اور ان تمام کے مجموعے میں سے 206 سنداً صحیح، 12 حسن اور 42 ضعیف ہیں۔ چنانچہ 183 مرفوع روایات میں سے 159 صحیح، 7 حسن اور 17 ضعیف ہیں۔ 56 موقوف روایات میں سے 34 صحیح، 4 حسن اور 18 ضعیف ہیں اور 21 مقطوع روایات میں سے 13 صحیح، ایک حسن اور 7 ضعیف ہیں۔ نیز امام مالک رحمہ اللہ کے بارہ فتاویٰ جات بھی اس کتاب میں مذکور ہیں۔

فائدہ: ......امام مالک رحمہ اللہ نے اتنی جامعیت کے ساتھ اس کتاب میں مختلف موضوعات کو سمویا ہے کہ بعد والے محدثین نے ان پر مستقل کتابوں کے عنوانات قائم کر کے انھیں سینکڑوں احادیث سے مزین کیا ہے۔ مثلاً کتاب فضائل المدينة، القدر، الآداب، الزينة، اللباس، صفة النبي ﷺ، الفطرة، الاطعمة، الاشربة، بدء الخلق، المرض، الطب، الرؤيا، السلام، الفتن، الرقاق، السفر، البيعة، الكلام، العلم وغیرہ۔ اٹھاسی ابواب پر مشتمل اس پوری کتاب کا باہمی ربط کچھ یوں محسوس ہوتا ہے کہ (1-9) مؤطا کی پوری کتاب میں مذکور اسلامی تعلیمات کے اجراء اور تنفیذ کے لیے ایک اسلامی معاشرے کی ضرورت ہے۔ اسی مناسبت سے کتاب الجامع کا آغاز مدینہ منورہ سے کیا جو پیغمبر اسلام ﷺ کے ہاتھوں سے تعمیر شدہ ایک مثالی اسلامک سٹیٹ تھی اور ہے۔ پھر اہل اسلام کے اس دینی مرکز کے متعلقہ چند فضائل ومسائل ذکر کیے، ایک فضیلت یہ ہے کہ یہاں طاعون داخل نہیں ہوسکتا۔ اس لیے ساتویں باب میں طاعون کا تذکرہ کیا، طاعون کی آزمائش تقدیر الٰہی سے تعلق رکھتی ہے، چنانچہ دو ابواب میں مسئلہ تقدیر ذکر کیا۔ (10-13) اب اسلامی معاشرے کے آداب بیان کرنا شروع کیے، جو معاشرے کے حسن وزینت کا باعث ہیں، تقدیر کی مناسبت سے چار ابواب میں سب سے پہلے فطری وجبلی اوصاف ذکر کیے، جن میں سے دو ممدوح ہیں: خوش خلقی اور حیا، پھر ایک مذموم وصف یعنی غضب اور اس کے نتیجے میں پیدا شدہ ناچاقی وقطع تعلقی کا ذکر کیا۔ (14-41) بعد ازاں معاشرے کی بنیادی اکائی (افراد معاشرہ) یعنی انسان کی بنیادی ضروریات (لباس، طعام اور

علاج) تین حصوں میں بیان کیں، چنانچہ (14-21) جبلی فطرت ''حیا'' کا تقاضا لباس ہے اس لیے آٹھ ابواب میں لباس کا بیان کیا۔ (22-24) لباس کی طرح چونکہ حلیہ بھی ظاہری ہیئت سے تعلق رکھتا ہے، اس لیے مثال کے طور پر دو پیغمبروں کا حلیہ دو ابواب میں ذکر کیا اور ان کی مناسبت سے تیسرے پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کچھ تذکرہ کیا اور ان چند امور کا بیان کیا جو اگرچہ انسان کی فطرت میں شامل ہیں، جن میں سے بعض کا آغاز حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوا۔ (25-32) لباس وحلیہ کے بعد انسان کی دوسری بنیادی ضرورت کھانے پینے سے متعلقہ احکامات آٹھ ابواب میں ذکر کیے۔ (33) اس کے بعد انگوٹھی پہننے کا ذکر کیا جس کے لیے مناسب مقام تو لباس والے ابواب تھے لیکن شاید اُسے اس لیے مؤخر کیا کہ اسے بھی بسا اوقات کسی طبی نقطہ نگاہ سے پہنا جاتا ہے۔ واللہ اعلم (34-41) بعد ازاں علاج معالجہ (طب) کا بیان ہے جس میں علاج کے بعض ممنوع طریقے مذکور ہیں جیسا کہ جانوروں کو نظر بد سے بچانے کے لیے ان کے گلے میں مختلف چیزیں ڈالی جاتی ہیں۔ (42-44) پھر جسم انسانی ہی سے متعلقہ چیز بالوں کا بیان ہے۔ (45-48) بکھرے اور الجھے ہوئے بالوں کو شیطانی حلیے سے تعبیر کیا گیا تھا، اس لیے باب: 45 میں شیطان سے پناہ کا ذکر ہے۔ پھر باب 46 میں شیطان کے مقابلے میں رحمان کے محبوبوں کا تذکرہ ہے اور باب: 47 میں خوابوں کا بیان ہے جو رحمان یا شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں۔ نیز باب: 46 کی آخری روایت کے مطابق بعض اوصاف اجزائے نبوت میں سے ہیں اسی طرح اچھے خواب بھی جزو نبوت ہیں۔ بعد ازاں باب: 48 میں ایک شیطانی کھیل کا بیان ہے۔ (49-53) انسان کی انفرادی زندگی کے بعد اجتماعی زندگی اور افراد معاشرہ کے باہمی حقوق مذکور ہیں۔ مثلاً سلام اور چھینک کا جواب دینا، سلام کی مناسبت سے گھروں میں داخلے کی اجازت کا بھی بیان ساتھ ہی مذکور ہے۔ (54) رحمت الٰہیہ اور مسرت ملائکہ والے امور کے بعد تصویروں کا بیان کیا جو برکتوں اور رحمتوں سے محروم کر دیتی ہیں۔ (55-63) انسانی معاشرے میں کچھ جانور بھی رہتے ہیں، اس لیے چند ابواب میں چند جانوروں کا ذکر ہے، ضمناً باب: 59 میں نحوست کا بیان ہے جس کا تعلق بعض جانوروں سے بھی جوڑا جاتا ہے، پھر جس طرح نحوست پکڑنا ناجائز و ناپسندیدہ چیز ہے اسی طرح دو ابواب میں ناپسندیدہ ناموں اور مکروہ کمائی کا بیان ہے اور پھر اس خطے کی طرف اشارہ ہے جو ناپسندیدہ امور یعنی فتنوں کی آماجگاہ ہے۔ (64-69) بعد ازاں باہمی میل جول کی خاطر کیے جانے والے سفر کے آداب، دورانِ سفر خدمت کے لیے ساتھ لے جائے جانے والے غلاموں لونڈیوں اور اکٹھے سفر میں امیر بنانے اور امیر کی بیعت کرنے کا تذکرہ ہے۔ (70-77) پھر معاشرتی اصلاح یا بگاڑ کی کنجی یعنی زبان اور اس کی آفات کا بیان ہے۔ (78-80) پھر معاشرے کی تباہی کا سبب ذکر کیا کہ بسا اوقات فرد واحد کا قول وفعل عظیم وبال بن جاتا ہے، اس لیے ساتھ ہی اللہ سے ڈرنے کا ذکر کیا اور بتایا کہ گرج چمک بھی دراصل اللہ سے ڈرانے کا باعث ہے۔ (81-88) تقریباً اخیر میں اس ہستی کی وفات کا تذکرہ ہے جس کے شہر کے تذکرے سے کتاب الجامع کا آغاز ہوا تھا۔ چنانچہ شاہ مدینہ کی وفات ذکر کر کے سمجھایا کہ ہر کسی کو آخر مرنا ہے اس لیے اخروی زندگی کی تیاری کر لو اور جہنم سے بچنے کا انتظام کر لو۔ پھر خصوصاً تین اعمال ذکر کیے جو جہنم سے بچاؤ کا ذریعہ

ہیں: (1) صدقہ وخیرات (2) حصول علم جوبہترین صدقہ جاریہ بھی ہے اور (3) ظلم سے اجتناب اور کتاب کا اختتام تاجدارِ مدینہ ﷺ کے مبارک ناموں سے کیا۔

1- بَابُ الدُّعَاءِ لِلْمَدِيْنَةِ وَأَهْلِهَا

مدینہ اور اہل مدینہ کے لیے دعا کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں دو مرفوع روایات یعنی احادیث نبویہ ﷺ ہیں اور دونوں بخاری ومسلم کی روایات میں سے ہیں۔

[1593] وَحَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ يَحْيَى ، قَالَ : حَدَّثَنِي مَالِكٌ ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ الْأَنْصَارِي ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ :اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِي مِكْيَالِهِمْ ، وَبَارِكْ لَهُمْ فِي صَاعِهِمْ وَمُدِّهِمْ . يَعْنِي أَهْلَ الْمَدِينَةِ .

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اے اللہ! ان (مدینہ والوں) کے لیے ان کے ماپ میں برکت فرما اور ان کے لیے ان کے صاع اور مُدّ میں برکت فرما۔“ آپ ﷺ اہل مدینہ کو مراد لے رہے تھے۔

فائدہ:...... مدینہ والے زراعت پیشہ لوگ تھے اور لین دین کے لیے انھیں مخصوص مقدار رکھنے والے پیمانوں کی ضرورت پڑتی تھی۔ یہ مخصوص برتن ہوتے تھے، ان کے ذریعے مقداریں معلوم کرنے کو ماپنا یا ناپنا کہتے ہیں۔ اس باب میں برکت کی دعا سے دراصل پورے سلسلۂ زراعت میں برکت مراد ہے۔ صاع نبوی ﷺ کی محقق مقدار 2 کلوگرام اور 100 گرام ہے جبکہ مُدّ کی مقدار 525 گرام (آدھ کلو سے زائد) ہے۔

[1594] وَحَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، أَنَّهُ قَالَ : كَانَ النَّاسُ إِذَا رَأَوْا أَوَّلَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگ جب پہلا پہلا پھل دیکھتے تو اسے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لایا کرتے تھے۔ چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ اسے پکڑتے تو

[1593] (مرفوع صحيح)صحيح البخاری، كتاب البيوع، باب بركة، صاع النبی ﷺ ومده، حديث: 2130، 6714، 7331، صحيح مسلم، كتاب الحج، باب فضل المدينة ودعاء النبی ﷺ فيها بالبركة، حديث: 1368، نسائی فی الكبری: 3269، احمد:3/ 242(13582) ، دارمی:2575 .

[1594] (مرفوع صحيح)صحيح مسلم، كتاب الحج، باب فضل المدينة ودعاء النبی ﷺ فيها بالبركة، حديث: 1373، جامع الترمذی، كتاب الدعوات، باب مايقول اذارای الباكورة من الثمر، حديث: 3454، نسائی فی الكبری: 10134، ابن ماجه:3329، دارمی:2072 .

الثَّمَرِ جَاءُ وا بِهِ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ ، فَإِذَا أَخَذَهُ رَسُولُ اللّٰهِ قَالَ : اللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي ثَمَرِنَا ، وَبَارِكْ لَنَا فِي مَدِينَتِنَا ، وَبَارِكْ لَنَا فِي صَاعِنَا ، وَبَارِكْ لَنَا فِي مُدِّنَا ، اللّٰهُمَّ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ عَبْدُكَ وَخَلِيلُكَ وَنَبِيُّكَ ، وَإِنِّي عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ ، وَإِنَّهُ دَعَاكَ لِمَكَّةَ ، وَإِنِّي أَدْعُوكَ لِلْمَدِينَةِ بِمِثْلِ مَا دَعَاكَ بِهِ لِمَكَّةَ وَمِثْلِهِ مَعَهُ ثُمَّ يَدْعُو أَصْغَرَ وَلِيدٍ يَرَاهُ فَيُعْطِيهِ ذَلِكَ الثَّمَرَ .

(یہ) دعا فرماتے: ''اے اللہ! ہمارے لیے پھل میں برکت عطا فرما اور ہمارے لیے ہمارے مدینہ میں برکت نازل فرما اور ہمارے لیے ہمارے صاع میں برکت دے اور ہمارے مُدّ میں برکت ڈال دے۔اے اللہ! بے شک سیدنا ابراہیم علیہ السلام تیرے بندے، تیرے خلیل اور تیرے نبی تھے اور یقیناً میں بھی تیرا بندہ اور تیرا نبی ہوں اور بلاشبہ انھوں نے تجھ سے مکہ کے لیے دعا کی تھی اور یقیناً میں بھی تجھ سے مدینہ کے لیے اسی (برکت) کی مثل دعا مانگ رہا ہوں، جو انھوں نے تجھ سے مکہ مکرمہ کے لیے مانگی تھی اور میں اس (برکت) کے ساتھ ساتھ اسی کی مثل (مزید برکت) کی بھی (دعا مانگتا ہوں، یعنی مدینہ میں مکہ سے دوگنا برکت نازل فرما)۔'' پھر آپ ﷺ دعا سے فارغ ہونے کے بعد اس سب سے چھوٹے بچے کو بلاتے جسے آپ ﷺ دیکھتے، پھر آپ ﷺ اُسے وہ پھل عطا فرما دیتے۔

فائدہ: ......رسول اللہ ﷺ بھی اللہ تعالیٰ کے خلیل تھے لیکن از روئے ادب واحترام آپ ﷺ نے اس صفت کو صرف اپنے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے ذکر فرمایا۔''خلیل'' دل کی گہرائی کے ساتھ سچی محبت رکھنے والے دوست کو کہتے ہیں۔ اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ اپنی محنت کی پہلی کمائی اہل علم وتقویٰ کی خدمت میں پیش کر کے ان سے دعا کروانا ایک پسندیدہ عمل ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اس پھل کو بچوں کو عطا کرنے میں یہ حکمت محسوس ہوتی ہے کہ یہ پھل بھی معصوم بچوں کی طرح نومولود ہوتا تھا، نیز بچے کسی بڑی شخصیت سے کوئی چیز خصوصاً کھانے کی چیز پا کر جس قدر خوشی ومسرت محسوس کرتے اور اس کا اظہار کرتے ہیں بڑوں میں اس کا عشر عشیر بھی دیکھنے میں نہیں آتا...... یاد رہے کہ زمین کا سب سے افضل مقام مکہ مکرمہ سرزمین بیت اللہ ہی ہے اور یہی اللہ کے ہاں سب سے بہتر اور محبوب ترین جگہ ہے۔ (ترمذی: 3925، ابن ماجہ: 3108، اس کی سند صحیح ہے) لیکن مدینہ منورہ کو بعض معاملات میں مکہ سے بھی زیادہ فضیلت حاصل ہے، مثلاً مدینہ میں مکہ سے دوگنا برکت کی دعائے نبوی ﷺ ثابت ہے، قرب قیامت اسلام پوری زمین سے سمٹ کر حجاز میں، پھر حجاز سے سمٹتا سمٹتا مکہ ومدینہ میں اور پھر بالآخر مدینہ منورہ میں باقی بچے گا اور سب سے اخیر میں یہیں سے ختم ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے: (اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ إِلَيْنَا الْمَدِينَةَ كَحُبِّنَا مَكَّةَ أَوْ أَشَدَّ) ''اے اللہ! مدینہ کو ہمارے لیے محبوب بنا دے جس طرح کہ ہم مکہ سے محبت رکھتے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ۔''

(بخاری: 1889، مسلم: 1376)۔

2- باب مَا جَاءَ فِي سُكْنَى الْمَدِينَةِ وَالْخُرُوجِ مِنْهَا

مدینہ منورہ میں رہائش رکھنے اور وہاں سے نکل جانے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں سات روایات ہیں۔ چھ مرفوع (احادیث نبویہ ﷺ) ہیں اور وہ سب کی سب بخاری و مسلم کی روایات میں سے ہیں، اور ایک مقطوع روایت (اثر تابعی رحمہ اللہ) ہے جو کہ سنداً ضعیف ہے۔

[1595] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ قَطَنِ بْنِ وَهْبِ بْنِ عُمَيْرِ بْنِ الأَجْدَعِ، أَنَّ يُحَنَّسَ مَوْلَى الزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ أَخْبَرَهُ: أَنَّهُ كَانَ جَالِساً عِنْدَ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ فِي الْفِتْنَةِ، فَأَتَتْهُ مَوْلَاةٌ لَهُ تُسَلِّمُ عَلَيْهِ فَقَالَتْ: إِنِّي أَرَدْتُ الْخُرُوجَ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ، اشْتَدَّ عَلَيْنَا الزَّمَانُ. فَقَالَ لَهَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ: اقْعُدِي لُكَاعُ، فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: لَا يَصْبِرُ عَلَى لَأْوَائِهَا وَشِدَّتِهَا أَحَدٌ، إِلَّا كُنْتُ لَهُ شَفِيعاً أَوْ شَهِيداً يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

یُحَنَّس رحمہ اللہ جو حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے، سے روایت ہے کہ وہ (یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور والے) فتنے کے وقت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ (اتنے میں) ان کی آزاد کردہ لونڈی ان کے پاس آئی اور اس نے انھیں سلام عرض کیا، پھر وہ (حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے) کہنے لگی کہ: اے ابوعبدالرحمٰن! یقیناً میں نے (مدینہ منورہ سے) نکل جانے کا ارادہ کر لیا ہے، ہم پر زمانہ بہت سخت ہو گیا ہے (سختیاں، بھوک اور افلاس نے مدینے میں ڈیرے ڈال رکھے ہیں)، تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا: اے نالائق عورت! (یہیں مدینہ میں) بیٹھی رہ کیونکہ بلاشبہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا، آپ ﷺ فرما رہے تھے: ''اس (مدینہ) کی تنگدستی (مفلسی) اور شدت پر جو کوئی بھی صبر کرے گا، میں قیامت کے دن ضرور ضرور اس کا گواہ یا سفارشی بنوں گا۔''

فائدہ :...... جو لوگ آپ ﷺ کی زندگی میں ایمان لا کر مدینہ میں صبر کے ساتھ رہے، اُن کے لیے آپ ﷺ گواہ ہوں گے اور بعد والوں کے لیے سفارشی ہوں گے...... یا اطاعت گزاروں کے لیے گواہ اور گناہ گاروں کے لیے سفارشی ہوں گے...... یہ بھی ممکن ہے کہ ''أو'' بمعنی واؤ ہو اور مفہوم یہ ہو کہ آپ ﷺ تمام صابر اہل مدینہ کے لیے گواہ بھی ہوں گے اور سفارشی بھی۔ یہ اہل مدینہ کے حق میں ایک خاص شفاعت ہوگی جو پوری امت مسلمہ کے لیے عمومی شفاعتِ نبویہ ﷺ کے علاوہ ہے۔

[1595] (مرفوع صحيح) صحيح مسلم، كتاب الحج، باب الترغيب في سكنى المدينة والصبر على لاوائها، حديث: 1377/ 482، جامع الترمذي، كتاب المناقب، باب ماجاء في فضل المدينة، حديث: 3918، نسائي في الكبرى: 4281، احمد: 2/ 113 (5935).

[1596] وَحَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ: أَنَّ أَعْرَابِيًّا بَايَعَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ عَلَى الإِسْلَامِ، فَأَصَابَ الأَعْرَابِيَّ وَعْكٌ بِالْمَدِينَةِ، فَأَتَى رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَقِلْنِي بَيْعَتِي. فَأَبَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ، ثُمَّ جَاءَهُ فَقَالَ: أَقِلْنِي بَيْعَتِي. فَأَبَى، ثُمَّ جَاءَهُ فَقَالَ: أَقِلْنِي بَيْعَتِي. فَأَبَى فَخَرَجَ الأَعْرَابِيُّ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: إِنَّمَا الْمَدِينَةُ كَالْكِيرِ، تَنْفِي خَبَثَهَا، وَيَنْصَعُ طَيِّبُهَا.

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک ایک اعرابی نے رسول اللہ ﷺ سے اسلام پر بیعت کی، اعرابی کو مدینہ میں بخار چڑھ گیا تو وہ نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! مجھ سے میری بیعت واپس لے لیجیے تو نبی کریم ﷺ نے انکار کردیا۔ وہ پھر آپ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میری بیعت فسخ کردیجیے تو آپ ﷺ نے انکار کردیا۔ وہ پھر آپ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میری بیعت توڑ دیجیے تو آپ ﷺ نے انکار ہی فرمایا۔ چنانچہ وہ اعرابی (خود ہی مدینہ منورہ سے) نکل گیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''یقیناً مدینہ تو بے ہی ایک بھٹی کی طرح، جو اپنی میل کچیل کو نکال دیتا ہے اور اپنی پاکیزہ چیز کو خالص کردیتا ہے، (اور اس کی پاک چیز مزید خالص اور کندن ہوجاتی ہے)۔

فائدہ:...... یعنی مدینہ میں مخلص مومن ہی مشقتیں برداشت کرسکتا ہے، یہ اعرابی آدمی صحرائی زندگی سے ہجرت کرکے مدینہ منورہ میں رہائش پر بیعت کیے ہوئے تھا جسے اس نے توڑ دیا اور ہجرت کے اجر سے محروم ہوگیا۔ یہ مطلب نہیں کہ اس نے اسلام کی بیعت توڑی تھی، اگر ایسا ہوتا تو وہ بار بار آپ ﷺ سے اجازت کے لیے نہ آتا، نیز اگر وہ مرتد ہوتا تو آپ ﷺ اس کو قتل کروادیتے...... بہرحال مدینہ خالص مومنوں کو مزید کندن بنادیتا ہے، دجال کے خروج کے وقت مدینہ منورہ میں تین زلزلے آئیں گے اور مدینہ سے ہر کافر ومنافق نکل کر دجال سے مل جائے گا۔ (مسلم: 2943) اس روایت سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ مدینہ میں میل کچیل یعنی منافقین، بدعتی، ظالم اور فتنہ پرور وغیرہ بھی موجود ہوسکتے ہیں لیکن بالآخر انھیں مدینہ سے نکلنا ہی پڑتا ہے۔ البتہ یہ فرق ضرور ہے کہ کمزور میل سے جلدی چھٹکارا مل جاتا ہے اور بعض کی صفائی میں ذرا وقت لگ جاتا ہے۔

[1596] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب الاحکام، باب من بایع ثم استقال البیعۃ، حدیث: 7211، 7209، 7216، 7322، 1883، صحیح مسلم، کتاب الحج، باب المدینۃ تنفی خبثھا، حدیث: 1383، ترمذی: 3920، نسائی: 4190، احمد: 3/ 306 (14335)۔

[1597] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّهُ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا الْحُبَابِ سَعِيدَ بْنَ يَسَارٍ يَقُولُ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: أُمِرْتُ بِقَرْيَةٍ تَأْكُلُ الْقُرَى، يَقُولُونَ يَثْرِبُ، وَهِيَ الْمَدِينَةُ، تَنْفِي النَّاسَ كَمَا يَنْفِي الْكِيرُ خَبَثَ الْحَدِيدِ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے ایک ایسی بستی (کی طرف ہجرت کرنے) کا حکم دیا گیا جو (اردگرد کے علاقوں اور) بستیوں کو کھا جائے گی (اور ان پر غالب آجائے گی)، لوگ اسے یثرب کہتے ہیں حالانکہ وہ ”المدینہ“ ہے، وہ (غیر مخلص) لوگوں کو یوں نکال دے گی جس طرح کہ بھٹی لوہے کی میل کچیل کو نکال دیتی ہے۔“

فائدہ: ...... چنانچہ کچھ ہی عرصے میں مرکزِ مدینہ کا غلبہ پورے عرب اور پھر روم وایران پر بھی ہو گیا..... لفظ یثرب کے مفہوم میں زجر وتوبیخ اور ملامت نیز فساد بھی شامل ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس نام کو بدل کر ”مدینہ“ نام متعین فرمادیا۔

[1598] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَا يَخْرُجُ أَحَدٌ مِنَ الْمَدِينَةِ رَغْبَةً عَنْهَا إِلَّا أَبْدَلَهَا اللّٰهُ خَيْراً مِنْهُ.

ہشام بن عُروہ رحمہ اللہ اپنے والد (عروہ بن زبیر رحمہ اللہ) سے روایت کرتے ہیں کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو کوئی بھی شخص مدینہ منورہ سے بے رغبتی کرتے ہوئے نکل جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ ضرور اس سے بہتر شخص مدینہ منورہ کو بدلے میں عطا فرمادیتے ہیں۔

فائدہ: ......صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد اُن سے بہتر کوئی اور مدینہ میں نہ آسکا، اگر وہ مدینہ سے نفرت کر کے نکلتے تو یقیناً ان سے بہتر افراد ان کی جگہ لے لیتے۔ چونکہ ایسا نہیں ہوا اس لیے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مدینہ منورہ سے نکل کر چاروں طرف رخ کرنا۔ دوسرے اہم مقاصد کی خاطر تھا، مثلاً جہاد، تبلیغ دین اور اشاعت اسلام وغیرہ۔

[1599] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ

حضرت سفیان بن ابی زُہیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں

[1597] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب فضائل المدینة، باب فضل المدینة وانها تنفی الناس، حدیث: 1871، صحیح مسلم، کتاب الحج، باب المدینة تنفی خبثها، حدیث: 1382، نسائی فی الکبری: 4261، احمد: 2/ 237 (7231).

[1598] (مرفوع صحیح) صحیح مسلم، کتاب الحج، باب فضل المدینة ودعاء النبی ﷺ فیها بالبرکة، حدیث: 1363، احمد: 1/ 181 (1573).

[1599] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب فضائل المدینة، باب من رغب عن المدینة، حدیث: 1875، صحیح مسلم، کتاب الحج، باب ترغیب الناس فی المدینة عند فتح الامصار، حدیث: 1388، نسائی فی الکبری: 4263، احمد: 5/ 220 (22261).

عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ سُفْيَانَ بْنِ أَبِي زُهَيْرٍ، أَنَّهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: تُفْتَحُ الْيَمَنُ فَيَأْتِي قَوْمٌ يَبُسُّونَ فَيَتَحَمَّلُونَ بِأَهْلِيهِمْ وَمَنْ أَطَاعَهُمْ، وَالْمَدِينَةُ خَيْرٌ لَهُمْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ، وَتُفْتَحُ الشَّامُ فَيَأْتِي قَوْمٌ يَبُسُّونَ فَيَتَحَمَّلُونَ بِأَهْلِيهِمْ وَمَنْ أَطَاعَهُمْ، وَالْمَدِينَةُ خَيْرٌ لَهُمْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ، وَتُفْتَحُ الْعِرَاقُ فَيَأْتِي قَوْمٌ يَبُسُّونَ فَيَتَحَمَّلُونَ بِأَهْلِيهِمْ وَمَنْ أَطَاعَهُمْ، وَالْمَدِينَةُ خَيْرٌ لَهُمْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ.

کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا: ''یمن فتح ہو جائے گا تو (اہل مدینہ میں سے کچھ لوگ جو مختلف جگہوں پر مصروف عمل ہوں گے) وہ اونٹوں کو ہنکاتے ہوئے آئیں گے اور اپنے اہل وعیال اور جو کوئی ان کی بات مانے گا، کو لے کر (مدینہ سے یمن کی طرف) کوچ کر جائیں گے، حالانکہ مدینہ ان کے لیے بہتر ہوگا، کاش! وہ جانتے ہوتے۔ اور ملک شام فتح ہوگا تو کچھ لوگ جانور ہنکاتے ہوئے آئیں گے اور اپنے گھر والوں اور جو کوئی ان کی اطاعت کریں گے، کو لے کر (مدینہ سے شام کی طرف) کوچ کر جائیں گے، حالانکہ مدینہ ان کے لیے بہتر ہوگا، کاش! وہ جانتے ہوتے، اور عراق فتح ہوگا تو کچھ لوگ اونٹوں کو ہنکاتے ہوئے آئیں گے اور اہل خانہ اور جو کوئی ان کا کہا مانے گا، کو لے کر (مدینہ سے عراق) کوچ کر جائیں گے، حالانکہ مدینہ ان کے لیے بہتر ہوگا، کاش! وہ جانتے ہوتے۔

فائدہ :...... یہ حدیث مبارکہ جہاں سے مدینہ منورہ کی یمن وشام اور عراق پر فضیلت اجاگر کر رہی ہے، وہیں ایک علامت نبوت بھی نمایاں کر رہی ہے کہ آپ ﷺ کی فتوحات والی پیشین گوئی اسی ترتیب سے حرف بحرف ثابت ہوئی۔ یاد رہے کہ ان مفتوحہ علاقوں کے بعض مقامات کی آب وہوا بہت خوشگوار ہے لیکن رہائش کے معاملے میں مدینہ سب سے افضل و بہتر ہے، ہاں جہاد کے اعتبار سے ملک شام بہترین ہے۔

[1600] وَحَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ حِمَاسٍ، عَنْ عَمِّهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَتُتْرَكَنَّ الْمَدِينَةُ عَلَى أَحْسَنِ مَا كَانَتْ، حَتَّى يَدْخُلَ الْكَلْبُ أَوِ الذِّئْبُ، فَيُغَذِّي عَلَى بَعْضِ سَوَارِي الْمَسْجِدِ، أَوْ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالُوا: يَا رَسُولَ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ضرور ضرور (ایسا وقت آئے گا کہ) مدینہ کو سب سے اچھی حالت جو مدینہ کی کبھی ہوئی ہوگی، کے باوجود (اسے) چھوڑ دیا جائے گا یہاں تک کہ کتا اور بھیڑیا اس میں داخل ہو جائیں گے، پھر وہ مسجد نبوی کے بعض ستونوں پر یا منبر پر پیشاب کریں گے۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا

[1600] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب فضائل المدينة، باب من رغب عن المدينة، حديث: 1874، صحيح مسلم، كتاب الحج، باب اخباره ﷺ بترك الناس المدينة على خير ما كانت، حديث: 1389، احمد: 2/ 234 (7193).

اللّٰهِ فَلِمَنْ تَكُونُ الثِّمَارُ ذَلِكَ الزَّمَانَ ؟ قَالَ : لِلْعَوَافِي ، الطَّيْرِ وَالسِّبَاعِ .

کہ اے اللہ کے رسول !اس زمانے کے پھل کس کے لیے ہوں گے؟ فرمایا:'' رزق تلاش کرنے والوں یعنی پرندوں اور درندوں کے لیے۔''

فائدہ :...... یہ روایت کتے کے متعلق مروی جملے کے علاوہ صحیح ثابت ہے۔....ممکن ہے کہ پورے مدینے کے لیے بیان شدہ یہ صورتحال قیامت کے قریب سامنے آئے جس وقت کہ اسلام کا نام ونشان بھی مٹ جائے گا۔البتہ مؤرخین کے بقول مختلف اوقات میں مدینہ منورہ کے ساتھ یہ صورت حال جزوی طور پر پیش آ چکی ہے۔واللہ اعلم

[1601] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ ، أَنَّهُ بَلَغَهُ : أَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ حِينَ خَرَجَ مِنَ الْمَدِينَةِ الْتَفَتَ إِلَيْهَا فَبَكَى ، ثُمَّ قَالَ : يَا مُزَاحِمُ أَتَخْشَى أَنْ نَكُونَ مِمَّنْ نَفَتِ الْمَدِينَةُ .

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ بے شک حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ جب (ملک شام میں جاکر عہدۂ خلافت سنبھالنے کے لیے)مدینہ منورہ سے نکلے تو انھوں نے مدینہ منورہ کی طرف مڑ کر دیکھا اور رو پڑے پھر (اپنے آزاد کردہ غلام مُزاحِم بن ابی مُزاحِم مکی سے کہنے لگے کہ)اے مُزاحِم! کیا تم بھی اس بات سے ڈر رہے ہو کہ کہیں ہم بھی ان لوگوں میں سے (شمار نہ) ہوں جنھیں مدینہ منورہ نے نکال دیا۔

3- بَابُ مَا جَاءَ فِي تَحْرِيمِ الْمَدِينَةِ

مدینہ منورہ کو حرم قرار دیے جانے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں چار روایات ہیں،دو مرفوع (احادیث نبویہ ﷺ) ہیں اور دونوں بخاری و مسلم میں بھی موجود ہیں اور باقی دو موقوف (آثار صحابہ رضی اللہ عنہم) ہیں جن میں سے ایک صحیح اور ایک ضعیف ہے۔

فائدہ :......قرآن مجید میں مکہ مکرمہ کو حرمت کی جگہ قرار دیا گیا ہے جس کی دعا حضرت ابراہیم علیہ السلام مانگا کرتے تھے۔رسول اللہ ﷺ نے یہی حرمت کی دعا مدینہ منورہ کے حق میں مانگی جو قبول ہوئی اور پھر آپ ﷺ نے حرم مدینہ کی حدود کی بھی تعیین فرما دی۔چنانچہ شمالاً وجنوباً ''عَیْـــر'' پہاڑی سے ''ثور'' تک اور شرقاً وغرباً ''حَـــرَّتَیْـــن'' (یعنی دو سیاہ پتھروں والے میدانوں جنھیں لابتین بھی کہتے ہیں) کے درمیان والا سارا علاقہ حرمت والا ہے۔حرمت کے احکامات کا مطلب یہ ہے کہ ان کا احترام پامال کرنا منع ہے۔اسی طرح ان میں سے کسی ذی روح پر مظالم ڈھانا باقی جگہوں سے زیادہ باعث گناہ ہے،خصوصاً حرمین شریفین میں شکار کرنا اور درخت اکھیڑنا بھی ممنوع ہے۔امام مالک رحمہ اللہ ،امام شافعی رحمہ اللہ ،امام احمد رحمہ اللہ اور اہل حدیث بھی اسی کے قائل ہیں لیکن احناف کے ہاں مدینہ کی حرمت مکہ جیسی نہیں ہے۔اُن کے نزدیک نہ

[1601] (مقطوع ضعیف)ابن سعد فی الطبقات الکبری:5/ 396 ، ابن عساکر فی تاریخ دمشق: 48/ 102- شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے۔

وہاں شکار حرام ہے اور نہ درخت کاٹنا، حالانکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان مبارک ہے: ''میں مدینہ کے دونوں سیاہ پتھروں والے میدانوں کے درمیانی علاقے کو حرم قرار دے رہا ہوں یعنی میں یہ حرام قرار دیتا ہوں کہ اس کے (کسی درخت حتیٰ کہ) کانٹے دار درختوں کو کاٹا جائے یا اس کا شکار قتل کیا جائے۔'' (مسلم:1363) حضرت سعد رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں درخت کاٹنے یا پتے جھاڑنے والے کا سارا سامان چھین لیتے تھے اور فرماتے تھے: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں یہ مال غنیمت کے طور پر عطا کیا ہے۔ (مسلم:1364)

[1602] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَمْرٍو مَوْلَى الْمُطَّلِبِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ طَلَعَ لَهُ أُحُدٌ فَقَالَ: هَذَا جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ، اللَّهُمَّ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ حَرَّمَ مَكَّةَ، وَأَنَا أُحَرِّمُ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک (کسی سفر سے واپسی پر) رسول اللہ ﷺ کے سامنے اُحد پہاڑ نمودار ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ اے اللہ! بے شک حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیا تھا اور یقیناً میں مدینہ کے دو سیاہ پتھروں والے میدانوں (حرہ شرقیہ اور حرہ غربیہ) کے درمیان والی جگہ کو حرم قرار دے رہا ہوں۔''

فائدہ: ...... یہ الفاظ آپ ﷺ نے غزوۂ خیبر سے واپسی پر فرمائے تھے۔ (بخاری:2889) نیز غزوہ تبوک سے واپسی پر بھی اُحد پہاڑ کی محبت کا ذکر فرمایا تھا۔ (بخاری:1481) تحلیل وتحریم یعنی حلال وحرام قرار دینا تو اللہ کا کام ہے اس لیے مذکورہ بالا الفاظ نبویہ سے مراد محض دعا ہے۔ اسی لیے آپ ﷺ نے دعائیہ انداز میں ''اے اللہ!'' فرمایا، جسے اللہ تعالیٰ نے شرف قبولیت سے نوازا اور پھر حکم الٰہی کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے اس کی حدود بھی مقرر فرما دیں۔ پہاڑ کا محبت کرنا بعید از عقل نہیں ہے کیونکہ وہ اللہ جو مٹی سے بنے انسان کو نیز جانوروں کو عقل اور محبت کی صفات دے سکتا ہے، وہ جمادات کو بھی یہ صفات عطا کر سکتا ہے۔

[1603] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّهُ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں ہرنیوں کو دیکھ لوں کہ وہ مدینہ میں چر رہی ہیں تو

[1602] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب احاديث الانبياء، باب:10، حديث:3367، 2889، 2893، 4083، 4084، 5425، 6363، صحيح مسلم، كتاب الحج، باب فضل المدينة ودعاء النبي ﷺ فيها بالبركة، حديث: 1365، ترمذي: 3922، احمد:3/ 149 (12538).

[1603] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب فضائل المدينة، باب لابتي المدينة، حديث 1873، 1869، صحيح مسلم، كتاب الحج، باب فضل المدينة ودعاء النبي ﷺ فيها بالبركة، حديث: 1372، ترمذي: 3921، نسائي في الكبرى: 4286، احمد:2/ 236 (7217).

كَانَ يَقُولُ : لَوْ رَأَيْتُ الظِّبَاءَ بِالْمَدِينَةِ تَرْتَعُ مَا ذَعَرْتُهَا, قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا حَرَامٌ.

میں انھیں نہ بھگاؤں گا (اوران کے شکار سے بچوں گا کیونکہ) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: "مدینہ کے دونوں سیاہ پتھروں والے میدانوں کے درمیان کی جگہ حرمت والی ہے۔"

[1604] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ يُونُسَ بْنِ يُوسُفَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِي : أَنَّهُ وَجَدَ غِلْمَانًا قَدْ أَلْجَؤُوا ثَعْلَبًا إِلَى زَاوِيَةٍ، فَطَرَدَهُمْ عَنْهُ.

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کچھ لڑکوں (بچوں) کو دیکھا کہ انھوں نے ایک لومڑ کو ایک کونے کی طرف (پناہ لینے پر) مجبور کر رکھا ہے (اور وہ شکار کرنے کے لیے اسے گھیرے میں لے چکے ہیں) تو انھوں نے ان (لڑکوں) کو اس (لومڑ) سے دور بھگا دیا۔

قَالَ مَالِكٌ : لَا أَعْلَمُ إِلَّا أَنَّهُ قَالَ : أَفِي حَرَمِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ يُصْنَعُ هٰذَا.

امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں اور کچھ نہیں جانتا مگر یہی کہ انھوں نے یہ بھی فرمایا تھا: کیا رسول اللہ ﷺ کے حرم میں ایسا کیا جا رہا ہے؟

[1605] وَحَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ رَجُلٍ قَالَ : دَخَلَ عَلَيَّ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَأَنَا بِالْأَسْوَافِ قَدِ اصْطَدْتُ نُهَساً، فَأَخَذَهُ مِنْ يَدِي فَأَرْسَلَهُ.

ایک شخص (شرجیل بن سعد رحمہ اللہ) سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ میرے پاس داخل ہوئے، اس حال میں کہ میں (مدینہ کے ایک مقام) اسواف میں تھا اور میں "نُہس" نامی ایک پرندے کا شکار کر چکا تھا، تو انھوں نے اسے میرے ہاتھ سے لے لیا اور اسے چھوڑ دیا۔

فائدہ: ...... یہ بڑے سر اور بڑی چونچ والا پرندہ ہے جو چڑیوں اور ان جیسے چھوٹے چھوٹے جانوروں کا شکار کرتا رہتا ہے، اس کا سر اور دم مسلسل ہلتے رہتے ہیں اور یہ عموماً قبرستانوں میں رہتا ہے۔ یہ "صُرَد" یعنی لٹورے جیسا ہی ہوتا ہے۔

4- بَابُ مَا جَاءَ فِي وَبَاءِ الْمَدِينَةِ

مدینہ منورہ کی وبا کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں تین روایات ہیں، دو مرفوع (احادیث نبویہ ﷺ) ہیں اور دونوں بخاری و مسلم کی

[1604] (موقوف صحیح) بیهقی: 5/ 198 (9970)، طبرانی فی المعجم الکبیر: 4/ 137 (3918)، طحاوی فی شرح معانی الآثار: 4/ 192- شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

[1605] (موقوف ضعیف) احمد: 5/ 181 (21909)، بیهقی: 5/ 198، 199، الاستذکار لابن عبدالبر: 26/ 40، 41- شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

روایات میں سے ہیں اور ایک موقوف (اثر صحابی رضی اللہ عنہ) ہے اور وہ بھی سنداً صحیح ہے۔

فائدہ: ...... وبا وہ بیماری ہوتی ہے جو لوگوں میں عام پھیل جائے، مدینہ منورہ میں بخار کی وبا عام تھی۔

[1606] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ، أَنَّهَا قَالَتْ: لَمَّا قَدِمَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ الْمَدِينَةَ وُعِكَ أَبُو بَكْرٍ وَبِلَالٌ، قَالَتْ: فَدَخَلْتُ عَلَيْهِمَا فَقُلْتُ: يَا أَبَتِ كَيْفَ تَجِدُكَ؟ وَيَا بِلَالُ كَيْفَ تَجِدُكَ؟ قَالَتْ: فَكَانَ أَبُو بَكْرٍ إِذَا أَخَذَتْهُ الْحُمَّى يَقُولُ:

كُلُّ امْرِءٍ مُصَبَّحٌ فِي أَهْلِهِ
وَالْمَوْتُ أَدْنَى مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهِ

وَكَانَ بِلَالٌ إِذَا أُقْلِعَ عَنْهُ يَرْفَعُ عَقِيرَتَهُ فَيَقُولُ:

أَلَا لَيْتَ شِعْرِي هَلْ أَبِيتَنَّ لَيْلَةً
بِوَادٍ وَحَوْلِي إِذْخِرٌ وَجَلِيلُ
وَهَلْ أَرِدَنْ يَوْمًا مِيَاهَ مَجَنَّةٍ
وَهَلْ يَبْدُوَنْ لِي شَامَةٌ وَطَفِيلُ

قَالَتْ عَائِشَةُ: فَجِئْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فَأَخْبَرْتُهُ، فَقَالَ: اللّٰهُمَّ حَبِّبْ إِلَيْنَا الْمَدِينَةَ كَحُبِّنَا مَكَّةَ أَوْ أَشَدَّ، وَصَحِّحْهَا وَبَارِكْ لَنَا فِي صَاعِهَا وَمُدِّهَا، وَانْقُلْ حُمَّاهَا فَاجْعَلْهَا بِالْجُحْفَةِ.

سیدہ عائشہ اُم المومنین رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، کہتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ (ہجرت کر کے) مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضرت ابوبکر اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما بخار میں مبتلا ہو گئے۔ وہ کہتی ہیں کہ میں ان دونوں کے پاس (تیمارداری کے لیے) گئی، میں نے کہا کہ پیارے ابا جان! آپ اپنے آپ کو کیسا محسوس کر رہے ہیں؟ اور اے بلال! آپ خود کو کیسا پاتے ہیں؟ فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جب بخار آلیتا تو وہ کہتے:

كُلُّ امْرِءٍ مُصَبَّحٌ فِي أَهْلِهِ
وَالْمَوْتُ أَدْنَى مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهِ

''ہر آدمی کو اپنے گھر والوں میں صبح بخیر کہا جاتا ہے اور (حالانکہ) موت اس کے جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ (اس کے) قریب ہوتی ہے۔''

اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے جب بخار اُترتا (اور انھیں افاقہ ہوتا) تو وہ اپنی آواز بلند کرتے اور (مکہ مکرمہ کی یاد میں یہ شعر) کہتے:

أَلَا لَيْتَ شِعْرِي هَلْ أَبِيتَنَّ لَيْلَةً
بِوَادٍ وَحَوْلِي إِذْخِرٌ وَجَلِيلُ
وَهَلْ أَرِدَنْ يَوْمًا مِيَاهَ مَجَنَّةٍ
وَهَلْ يَبْدُوَنْ لِي شَامَةٌ وَطَفِيلُ

''سنو، کاش! مجھے یہ معلوم ہو جاتا کہ کیا میں (مکہ کی اس) وادی میں کوئی رات گزار سکوں گا درحالیکہ میرے اردگرد اذخر اور

[1606] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب مناقب الانصار، باب مقدم النبي ﷺ واصحابه المدينة، حديث: 3926، 1889، 5654، 5677، 6372، صحيح مسلم، كتاب الحج، باب الترغيب فى سكنى المدينة والصبر على لاوائها وشدتها، حديث: 1376، نسائى فى الكبرى: 7495، احمد: 6/ 260 (26771)۔

جلیل (نامی مکہ مکرمہ کی دو قسم کی گھاس) ہو، اور کیا میں کسی دن (مکہ کے قریب ایک جگہ) مجنّہ کے چشموں پر وارد ہوسکوں گا اور کیا میرے لیے (مکہ کے قریب دو پہاڑ یا دو چشمے) شامہ اور طفیل ظاہر ہوسکیں گے۔'' (الغرض وہ مدینہ کی نسبت مکہ کی خوشگوار آب وہوا اور پرسکون ماحول کو یاد کرتے۔) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ کو اس (تمام صورتحال) کی خبر دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (دعا کرتے ہوئے) فرمایا: ''اے اللہ! مدینہ کو ہمارے لیے اسی طرح محبوب بنادے جس طرح کہ ہمیں مکہ مکرمہ سے محبت ہے بلکہ اس سے بھی شدید (محبت عطا فرما) اور اسے تندرستی والا (صحت افزا مقام) بنا، اور ہمارے لیے اس (پیارے شہر مدینہ) کے صاع اور مد (جیسے ماپنے کے آلوں) میں برکت نازل فرما، اور اس کا بخار (یہاں سے) منتقل فرما اور اسے جحفہ مقام میں لے جا۔''

فائدہ :...... ''مجنّہ'' کی جیم پر زبر اور زیر دونوں پڑھے جاتے ہیں، یہاں حرمت والے مہینوں میں میلہ لگتا تھا اور خوب رونق رہتی تھی...... ''جحفہ'' مکہ مکرمہ سے ایک سو بیس میل دور ہے اور ملک شام سے آنے والے زائرین حج وعمرہ کے لیے یہیں سے احرام باندھتے ہیں، مکہ ومدینہ کے درمیان میں واقع اس بستی میں اس وقت یہودی آباد تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا رنگ لائی، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن خواب میں دیکھا کہ ایک بکھرے ہوئے بالوں والی، کالے رنگ والی عورت (چڑیل) نے مدینہ سے نکل کر جحفہ میں پڑاؤ ڈال دیا ہے، جس کی تعبیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمائی کہ مدینہ کا وبائی بخار یہاں سے نکل گیا ہے۔ (بخاری: 7038 - 7040)...... حضرت بلال رضی اللہ عنہ مذکورہ شعر پڑھ کر قریش کے چند سرداروں پر لعنت بھیجتے تھے جنھوں نے ہجرت پر مجبور کر دیا تھا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: جب ہم مدینہ آئے تھے تو یہ پوری زمین میں سب سے بڑھ کر وبائی علاقہ تھا۔ (بخاری: 1889) یاد رہے کہ یہ تمام مذکورہ بالا بیان صرف اس بخار کے متعلق ہے جو مدینہ منورہ میں وبا کی صورت میں پھوٹتا تھا۔ رہا انفرادی بخار جو مختلف اسباب کی بنا پر ایک بیماری کی حیثیت اختیار کرتا ہے تو وہ باقی رہا اور وفات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی سبب بنا۔

[1607] قَالَ مَالِكٌ: وَحَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ: وَكَانَ عَامِرُ بْنُ فُهَيْرَةَ يَقُولُ:

قَدْ رَأَيْتُ الْمَوْتَ قَبْلَ ذَوْقِهِ
إِنَّ الْجَبَانَ حَتْفُهُ مِنْ فَوْقِهِ

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، کہتی ہیں کہ (ان کے والد کے آزاد کردہ غلام) حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ (جو ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہم سفر تھے) کہا کرتے تھے:

قَدْ رَأَيْتُ الْمَوْتَ قَبْلَ ذَوْقِهِ
إِنَّ الْجَبَانَ حَتْفُهُ مِنْ فَوْقِهِ

''یقیناً میں نے تو موت چکھنے سے پہلے ہی موت کو دیکھ لیا، یقیناً بزدل کی موت اس کے اوپر سے آتی ہے۔''

[1607] (موقوف صحیح) نسائی فی السنن الکبری: 4272، 7519، احمد: 6/ 65، 221، ابن حبان: 5600، بیہقی فی دلائل النبوۃ: 2/ 566، مسند حمیدی: 1/ 109 (223)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

فائدہ: ...... کیونکہ وہ بزدلی کی وجہ سے میدانوں کا رخ نہیں کرتا کہ جہاں موت سامنے سے آئے اور سینے پر وار کھائے بلکہ وہ چھپا رہتا ہے یہاں تک کہ آسمانی آفت ہی سے مرتا ہے اور اب ہم بھی وبائی بخار میں بزدلوں کی طرح بے بس ہو چکے ہیں۔

[1608] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ نُعَيْمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْمُجْمِرِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ : عَلَى أَنْقَابِ الْمَدِينَةِ مَلَائِكَةٌ ، لَا يَدْخُلُهَا الطَّاعُونُ وَلَا الدَّجَّالُ .

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مدینہ کے راستوں پر فرشتے (متعین) ہیں، اس میں نہ طاعون داخل ہوسکتا ہے اور نہ دجال۔

فائدہ: ...... ''اَنْقَاب'' جمع ہے ''نَقْبٌ'' کی، جس کے معنی دو پہاڑوں کے درمیان والے راستے کے ہیں یہاں مدینے میں داخلے کے دروازے مراد ہیں۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مدینہ منورہ میں مسیح دجال کا رعب بھی داخل نہ ہوگا، اس دن (خروج دجال کے وقت) مدینہ منورہ کے سات دروازے ہوں گے اور ہر دروازے پر دو فرشتے ہوں گے۔'' (بخاری: 1879)

5- باب مَا جَاءَ فِي إِجْلَاءِ الْيَهُودِ مِنَ الْمَدِينَةِ

یہودیوں کو مدینہ منورہ سے جلاوطن کرنے کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں دو مرفوع روایات (احادیث نبویہ ﷺ) ہیں اور دونوں سنداً صحیح ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

[1609] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي حَكِيمٍ ، أَنَّهُ سَمِعَ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ يَقُولُ : كَانَ مِنْ آخِرِ مَا تَكَلَّمَ بِهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنْ قَالَ : قَاتَلَ اللهُ الْيَهُودَ

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے روایت ہے، وہ کہا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے (وفات سے قبل) جو آخر میں گفتگو فرمائی کہ اس میں یہ بھی تھا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ یہود ونصاریٰ پر لعنت کرے (اور انھیں تباہ

[1608] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب فضائل المدینۃ، باب لایدخل الدجال المدینۃ، حدیث: 1880، 5731، 7133، صحیح مسلم، کتاب الحج، باب صیانۃ المدینۃ من دخول الطاعون والدجال الیھا، حدیث: 1379، نسائی فی الکبری: 7526، احمد: 2/ 237 (7233)۔

[1609] (مرفوع صحیح لغیرہ) بیھقی فی السنن الکبری: 6/ 135، 9/ 208، وفی معرفۃ السنن والآثار: 3/ 207 (2205)، وفی دلائل النبوۃ: 7/ 204، عبدالرزاق: 6/ 54 (9987)، 10/ 359 (19368)، الطبقات الکبری لابن سعد: 2/ 240۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو صحیح لغیرہ کہا ہے، کیونکہ اس روایت کے متعدد شواہد موجود ہیں جنھیں علامہ البانی رحمہ اللہ نے تحذیر المساجد، ص 11-23 میں جمع کیا ہے۔

وَالنَّصَارَى، اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ، لَا يَبْقَيَنَّ دِينَانِ بِأَرْضِ الْعَرَبِ .

کرے) جنھوں نے اپنے انبیاء کرام ﷺ کی قبروں کو مسجدیں بنالیا۔خبردار! عرب کی زمین پر ہرگز دو دین (بیک وقت) نہ رہیں۔''

فائدہ: ...... اسلام کے ساتھ ساتھ کوئی اور دین یہاں نہ رہنا چاہیے،مطلب یہ ہے کہ اس خطۂ عرب میں صرف اور صرف مسلمان ہی رہیں اور باقی ادیان والوں کو جلاوطن کردیا جائے۔ امام مالک رحمہ اللہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ جب پورے عرب میں اہل کتاب خصوصاً یہودی نہیں رہ سکتے تو مدینہ میں کیونکر رہ سکتے ہیں جو کہ اسلام اور مرکز عرب ہے۔

[1610] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: لَا يَجْتَمِعُ دِينَانِ فِي جَزِيرَةِ الْعَرَبِ قَالَ مَالِكٌ: قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: فَفَحَصَ عَنْ ذَلِكَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، حَتَّى أَتَاهُ الثَّلْجُ وَالْيَقِينُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: لَا يَجْتَمِعُ دِينَانِ فِي جَزِيرَةِ الْعَرَبِ فَأَجْلَى يَهُودَ خَيْبَرَ .

ابن شہاب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جزیرۂ عرب میں دو دین اکٹھے نہیں رہ سکتے۔'' امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابن شہاب رحمہ اللہ نے کہا: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں جانچ پڑتال کی، یہاں تک کہ انھیں اس بات پر اطمینان اور یقین حاصل ہوگیا کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے (واقعی) یہ فرمایا ہے کہ ''جزیرۂ عرب میں دو دین اکٹھے نہیں رہ سکتے۔'' چنانچہ انھوں نے خیبر کے یہودیوں کو جلاوطن کردیا۔

فائدہ: ......مزید تفصیل کے لیے دیکھیے پیچھے حدیث: 1400 کا فائدہ۔

قَالَ مَالِكٌ: وَقَدْ أَجْلَى عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَهُودَ نَجْرَانَ وَفَدَكَ، فَأَمَّا يَهُودُ خَيْبَرَ فَخَرَجُوا مِنْهَا لَيْسَ لَهُمْ مِنَ الثَّمَرِ وَلَا مِنَ الْأَرْضِ شَيْءٌ، وَأَمَّا يَهُودُ فَدَكَ فَكَانَ لَهُمْ نِصْفُ الثَّمَرِ وَنِصْفُ الْأَرْضِ، لِأَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ صَالَحَهُمْ عَلَى نِصْفِ الثَّمَرِ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: بے شک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے (یمن کے علاقہ) نجران اور (خیبر کے قریب) ''فدک'' مقام کے یہودیوں کو جلاوطن کردیا۔ رہے خیبر کے یہودی تو وہ بھی اس سے نکل گئے، ان کے لیے نہ تو پھلوں میں سے کچھ تھا اور نہ ہی زمین میں سے کچھ حصہ تھا۔ رہے فدک کے یہودی تو ان کے لیے نصف پھل اور نصف

[1610] (مرفوع صحیح لغیرہ) بیھقی: 9/ 208۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو صحیح لغیرہ کہا ہے کیونکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہی روایت حسن سند کے ساتھ مروی ہے جو اس کی شاہد ہے۔ دیکھیے احمد: 6/ 274، طبرانی فی المعجم الاوسط: 2/ 12(1066)، سیرت ابن ہشام، نصب الرایۃ: 3/ 454.

وَنِصْفِ الأَرْضِ، فَأَقَامَ لَهُمْ عُمَرُ نِصْفَ الثَّمَرِ وَنِصْفَ الأَرْضِ قِيمَةً مِنْ ذَهَبٍ وَوَرِقٍ وَإِبِلٍ وَحِبَالٍ وَأَقْتَابٍ، ثُمَّ أَعْطَاهُمُ الْقِيمَةَ وَأَجْلَاهُمْ مِنْهَا .

زمین تھی، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے نصف پھل اورزمین پر صلح کی تھی (معاہدہ یہ طے پایا تھا کہ فدک کی نصف زمین اور نصف پھل مسلمانوں کے ہوں گے اور باقی نصف پر یہودیوں کی ملکیت ہوگی) چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے نصف پھل اور نصف زمین کی قیمت سونے، چاندی، اونٹ، رسیاں اور پالانوں (کے حساب) سے لگائی، پھر انھیں قیمت ادا کردی اور اس (فدک) سے انھیں نکال دیا۔

6- بَابٌ: جَامِعُ مَا جَاءَ فِي أَمْرِ الْمَدِينَةِ

مدینہ منورہ کے متعلق متفرق روایات کا بیان

خلاصة الباب اس باب میں دو روایات ہیں، ایک مرفوع (حدیث نبوی ﷺ) اور ایک موقوف (اثر صحابی رضی اللہ عنہ) ہے اور دونوں سنداً صحیح ہیں۔

[1611] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ طَلَعَ لَهُ أُحُدٌ فَقَالَ: هٰذَا جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ .

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ اپنے والد (عروہ بن زبیر رحمہ اللہ) سے روایت کرتے ہیں: بے شک رسول اللہ ﷺ کے سامنے احد پہاڑ ظاہر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔''

[1612] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ: أَنَّ أَسْلَمَ مَوْلٰى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَخْبَرَهُ، أَنَّهُ زَارَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَيَّاشٍ الْمَخْزُومِيَّ، فَرَأٰى عِنْدَهُ نَبِيذاً وَهُوَ بِطَرِيقِ مَكَّةَ، فَقَالَ لَهُ أَسْلَمُ إِنَّ هٰذَا الشَّرَابَ يُحِبُّهُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، فَحَمَلَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَيَّاشٍ قَدَحاً عَظِيماً،

اسلم رحمہ اللہ جو کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں، سے روایت ہے کہ وہ حضرت عبداللہ بن عیاش مخزومی رضی اللہ عنہ سے ملاقات کے لیے گئے، انھوں نے ان کے پاس نبیذ (پانی میں بھگوئی ہوئی کھجوروں یا انگوروں) کو دیکھا۔ اس وقت وہ مکہ مکرمہ کے راستے میں تھے تو اسلم رحمہ اللہ نے ان سے کہا: یقیناً یہ وہ مشروب ہے جس سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ محبت کرتے ہیں، چنانچہ حضرت عبداللہ

[1611] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب احاديث الانبياء، باب: 15، حديث: 3367، 2889، 2893، 4084، 5425، 6363، صحيح مسلم، كتاب الحج، باب فضل المدينة ودعاء النبي ﷺ فيها بالبركة، حديث: 1365، ترمذی: 3922، احمد: 3/ 149 (12538).

[1612] (موقوف صحيح) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

فَجَاءَ بِهِ إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَوَضَعَهُ فِي يَدَيْهِ ، فَقَرَّبَهُ عُمَرُ إِلَى فِيهِ ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَقَالَ عُمَرُ : إِنَّ هَذَا لَشَرَابٌ طَيِّبٌ ، فَشَرِبَ مِنْهُ ، ثُمَّ نَاوَلَهُ رَجُلاً عَنْ يَمِينِهِ . فَلَمَّا أَدْبَرَ عَبْدُ اللّٰهِ نَادَاهُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَقَالَ : أَأَنْتَ الْقَائِلُ لَمَكَّةُ خَيْرٌ مِنَ الْمَدِينَةِ ؟ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ : فَقُلْتُ : هِيَ حَرَمُ اللّٰهِ وَأَمْنُهُ ، وَفِيهَا بَيْتُهُ . فَقَالَ عُمَرُ : لَا أَقُولُ فِي بَيْتِ اللّٰهِ وَلَا فِي حَرَمِهِ شَيْئًا . ، ثُمَّ قَالَ : عُمَرُ أَأَنْتَ الْقَائِلُ لَمَكَّةُ خَيْرٌ مِنَ الْمَدِينَةِ ؟ قَالَ : فَقُلْتُ هِيَ حَرَمُ اللّٰهِ وَأَمْنُهُ ، وَفِيهَا بَيْتُهُ . فَقَالَ عُمَرُ : لَا أَقُولُ فِي حَرَمِ اللّٰهِ وَلَا فِي بَيْتِهِ شَيْئًا ، ثُمَّ انْصَرَفَ .

بن عیاش رضی اللہ عنہ نے ایک بڑا پیالہ اٹھایا اور اسے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس لا کر ان کے ہاتھ میں رکھ دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے منہ کے قریب کیا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا سر بلند کیا اور فرمایا: یہ مشروب ایک پاکیزہ (ولذیذ) چیز ہے، پھر اس میں سے کچھ نوش فرمایا، پھر اسے اپنی دائیں جانب موجود ایک آدمی کو پکڑا دیا، پھر جب حضرت عبداللہ (بن عیاش رضی اللہ عنہ) واپس مڑے تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے انھیں آواز دی اور فرمایا: کیا تم ہی وہ شخص ہو جو کہتے ہو کہ یقیناً مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ سے بہتر ہے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا: وہ (مکہ واقعی افضل ہے کیونکہ وہ) اللہ کا حرم ہے، اللہ کی امن والی جگہ ہے اور اس میں اللہ کا گھر (بیت اللہ) ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں بیت اللہ کے متعلق اور اللہ کے حرم کے متعلق کچھ بھی نہیں کہہ رہا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا تم ہی ہو جو یہ کہتے ہو کہ یقیناً مکہ، مدینہ سے بہتر ہے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے (بھی وہی جواب دیتے ہوئے) کہا کہ وہ اللہ کا حرم ہے، اس کی امن کی جگہ ہے اور اس میں اس کا گھر ہے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں حرم اور بیت اللہ کے متعلق کوئی بات نہیں کر رہا، پھر وہ (حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ) چلے گئے۔

فائدہ :...... حضرت عبداللہ بن عیاش رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ماموؤں میں سے تھے اور مکہ مکرمہ کو مدینہ منورہ سے افضل جانتے تھے جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کو افضل سمجھتے تھے۔ اس لیے جب انھوں نے اس کے متعلق سوال کیا تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے واضح جواب دینے کی بجائے مکہ کی خصوصیات اور متفقہ امتیازات وفضائل ذکر کر دیے...... سلف وخلف کا اس بارے میں کافی اختلاف رہا ہے۔ جمہور علماء نیز امام شافعی رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بھی مکہ کو افضل گردانتے ہیں، جبکہ امام مالک رحمہ اللہ اور متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک مدینہ افضل ہے۔ الغرض بعض صفات میں مکہ افضل ہے اور بعض خوبیوں میں مدینہ بہتر ہے، نیز دیکھیے : پیچھے حدیث: 1593 کا فائدہ۔

7- بَابُ مَا جَاءَ فِي الطَّاعُوْنِ

طاعون کا بیان

خلاصة الباب اس باب میں پانچ روایات ہیں جن میں سے چار مرفوع (احادیث نبویہ ﷺ) ہیں اور سب کی سب بخاری و مسلم میں بھی موجود ہیں۔ایک روایت موقوف (اثر صحابی رضی اللہ عنہ) ہے جو کہ سنداً ضعیف ہے۔

فائدہ:...... طاعون ایک وبائی بیماری ہے جس سے چند ہی دنوں میں ہزاروں افراد لقمہ اجل بن جاتے ہیں۔جلد میں پھوڑے کی طرح خطرناک ورم پیدا ہوتا ہے اور جان لیوا ثابت ہوتا ہے،اہل ایمان کے لیے اسے شہادت کا درجہ دیا گیا ہے۔(بخاری:2829، 5732، 5734، مسلم:1914-1916)

[1613] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ ، عَنْ عَبْدِ الْحَمِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ زَيْدِ بْنِ الْخَطَّابِ ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ نَوْفَلٍ ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ خَرَجَ إِلَى الشَّامِ ، حَتَّى إِذَا كَانَ بِسَرْغَ لَقِيَهُ أُمَرَاءُ الأَجْنَادِ ، أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ وَأَصْحَابُهُ ، فَأَخْبَرُوهُ أَنَّ الْوَبَأَ قَدْ وَقَعَ بِأَرْضِ الشَّامِ ، قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ : فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ ادْعُ لِي الْمُهَاجِرِينَ الْأَوَّلِينَ . فَدَعَاهُمْ فَاسْتَشَارَهُمْ ، وَأَخْبَرَهُمْ أَنَّ الْوَبَأَ قَدْ وَقَعَ بِالشَّامِ ، فَاخْتَلَفُوا فَقَالَ بَعْضُهُمْ : قَدْ خَرَجْتَ لأَمْرٍ ، وَلَا نَرَى أَنْ تَرْجِعَ عَنْهُ . وَقَالَ بَعْضُهُمْ : مَعَكَ بَقِيَّةُ النَّاسِ وَأَصْحَابُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ ، وَلَا نَرَى أَنْ تُقْدِمَهُمْ عَلَى

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ (17 یا 18ھ میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا نائب مقرر کرکے) ملک شام کی طرف نکلے،یہاں تک کہ جب وہ سرغ مقام پر (پڑاؤ کیے ہوئے) تھے (جو کہ وادیٔ تبوک کی ایک بستی یا یرموک کے ساتھ ایک شہر کا نام ہے) تو ان سے (اسلامی) لشکروں کے اُمراء یعنی حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں (حضرت خالد بن ولید،حضرت عمرو بن عاص، حضرت شرحبیل بن حسنہ اور حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم) نے ملاقات کی اور انھیں خبر دی کہ یقیناً ملک شام کی سرزمین پر (طاعون کی) وبا واقع ہو چکی ہے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے (مجھ سے) فرمایا کہ اولین مہاجرین (صحابہ رضی اللہ عنہم) کو میرے پاس بلا لاؤ۔ چنانچہ انھوں نے ان کو بلایا پھر حضرت عمر نے ان سے مشورہ طلب کیا اور انھیں خبر دی کہ ملک شام میں وباء واقع ہو چکی

[1613] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب الطب، باب مايذكر في الطاعون، حديث: 5729، 5730، 6973، صحيح مسلم، كتاب السلام باب الطاعون والطيرة والكهانة ونحوها، حديث: 2219، ابوداود: 3103، نسائی فی الکبری: 7522، احمد:1/ 194 (1683)۔

هَـذَا الْـوَبَـا . فَـقَالَ عُمَرُ : ارْتَفِعُوا عَنِّى . ثُمَّ قَــالَ : ادْعُ لِــى الْأَنْـصَــارَ . فَـدَعَـوْتُـهُـمْ فَـاسْتَشَـارَهُـمْ ، فَسَـلَكُوا سَبِيلَ الْمُهَاجِرِينَ وَاخْتَـلَـفُـوا كَـاخْتِلَافِهِـمْ ، فَـقَالَ : ارْتَفِعُوا عَـنِّـى . ثُـمَّ قَالَ : ادْعُ لِي مَنْ كَانَ هَا هُنَا مِنْ مَشْيَـخَةِ قُـرَيْـشٍ مِـنْ مُهَـاجِـرَةِ الْفَتْحِ . فَدَعَـوْتُهُـمْ ، فَـلَمْ يَخْتَلِفْ عَلَيْهِ مِنْهُمُ اثْنَانِ فَـقَـالُوا : نَرَى أَنْ تَرْجِعَ بِالنَّاسِ وَلَا تُقْدِمَهُمْ عَـلَى هَذَا الْوَبَا ، فَنَادَى عُمَرُ فِي النَّاسِ : إِنِّي مُـصْبِحٌ عَلَى ظَهْرٍ فَأَصْبِحُوا عَلَيْهِ . فَقَالَ أَبُو عُبَيْدَةَ : أَفِرَاراً مِـنْ قَدَرِ اللّٰهِ ؟ فَقَالَ عُمَرُ : لَوْ غَيْـرُكَ قَـالَهَـا يَا أَبَا عُبَيْدَةَ ، نَعَمْ نَفِرُّ مِنْ قَدَرِ الـلّٰهِ إِلَى قَدَرِ اللّٰهِ ، أَرَأَيْتَ لَوْ كَانَ لَكَ إِبِلٌ ، فَهَبَطَتْ وَادِياً لَهُ عُدْوَتَانِ ، إِحْدَاهُمَا مُخْصِبَةٌ وَالْأُخْرَى جَدْبَةٌ ، أَلَيْسَ إِنْ رَعَيْتَ الْخَصِبَةَ رَعَيْتَهَـا بِـقَـدَرِ الـلّٰـهِ ، وَإِنْ رَعَيْتَ الْجَدْبَةَ رَعَيْتَهَا بِـقَـدَرِ اللّٰهِ ، فَجَاءَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ - وَكَانَ غَائِباً فِي بَعْضِ حَاجَتِهِ فَقَالَ : إِنَّ عِـنْـدِي مِـنْ هَـذَا عِلْماً ، سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَـقُـولُ : إِذَا سَـمِعْتُمْ بِهِ بِأَرْضٍ فَلَا تَـقْـدَمُوا عَلَيْهِ ، وَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَأَنْتُمْ بِهَا ، فَلَا تَـخْـرُجُـوا فِـرَاراً مِـنْـهُ قَالَ : فَحَمِدَ اللّٰهَ عُمَرُ ، ثُمَّ انْصَرَفَ .

ہے۔ ان کا آپس میں اختلاف ہوگیا،بعض نے (حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے) کہا کہ آپ ایک (اہم اور خاص) کام کے لیے نکلے ہیں اور ہم یہ (درست) خیال نہیں کرتے کہ آپ اس (کو بیچ ہی میں چھوڑ کر اس) سے واپس لوٹ جائیں، اور بعض نے کہا کہ آپ کے ہمراہ باقی ماندہ لوگ (یعنی نیک پرہیز گار لوگ) اور رسول اللہ ﷺ کے صحابہ بھی ہیں اور ہم (یہ مناسب) نہیں سمجھتے کہ آپ انھیں اس وبا پر لے جائیں (اور انھیں موت کے منہ میں داخل کردیں)...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ سب میرے پاس سے (فی الحال واپس جانے کے لیے) اٹھ جائیں۔ (حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ) پھر انھوں نے (مجھ سے) فرمایا کہ میرے پاس انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بلاؤ۔ چنانچہ میں نے انھیں بلایا تو انھوں نے ان سے بھی مشورہ طلب کیا، انھوں نے بھی مہاجرین جیسی روش اختیار کی اور انھیں کے اختلاف کی طرح (رائے کا) اختلاف کیا، تو انھوں نے (اُن سے بھی) فرمایا: آپ میرے پاس سے اٹھ جائیں، پھر انھوں نے (مجھ سے) فرمایا کہ فتح مکہ کے سال (فتح ہونے سے پہلے پہلے) ہجرت کرنے والوں میں سے قریش کے جو بوڑھے لوگ یہاں موجود ہیں، انھیں میرے پاس بلا لاؤ، چنانچہ میں نے انھیں بلایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ان میں سے کوئی سے دو شخصوں کا بھی اختلاف نہ ہوا۔ ان سب نے (متفقہ رائے دیتے ہوئے) کہا کہ ہمارا خیال یہ ہے کہ آپ لوگوں کو واپس لے جائیں اور آپ انھیں اس وبا پر نہ لے جائیں۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں میں منادی کرادی کہ بے شک میں سواری پر صبح کرنے والا ہوں (میں علی الصبح واپسی کا سفر شروع کردوں گا) اور تم بھی صبح سفر شروع کرو اور حضرت ابوعبیدہ کہنے لگے کہ کیا آپ اللہ کی تقدیر سے

بھاگ رہے ہیں؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابوعبیدہ! اگر تمھارے سوا کوئی اور شخص یہ بات کہتا (تو بات بنتی، تمھیں ایسا کہنا زیب نہیں دیتا) ہاں، ہم اللہ کی تقدیر سے اللہ ہی کی تقدیر کی طرف بھاگ رہے ہیں، بھلا یہ تو بتلاؤ کہ اگر تمھارے پاس اونٹ ہوں، پھر تم (ان کو لے کر) ایسی وادی میں اُترو جس کے دو کنارے ہیں، ان میں سے ایک چارے والا (سرسبز وشاداب) ہو اور دوسرا خشک (اور قحط زدہ) ہو تو کیا یہ ایسا نہیں ہے کہ اگر تم (اپنے اونٹوں کو) سرسبز کنارے میں چراؤ گے تو اللہ ہی کی تقدیر سے چراؤ گے اور اگر تم (انھیں) خشک کنارے پر چراؤ گے تو بھی تقدیر الٰہی کے موافق چراؤ گے (یعنی نفع ونقصان میں سے جس صورت کو بھی ہم اپنے اختیار اور عقل وشعور سے منتخب کریں گے وہ تقدیر الٰہی کے موافق ہوگا کیونکہ اللہ نے وہی کچھ لکھ رکھا ہے جو ہم نے کرنا ہے۔ اللہ نے اپنے کامل علم غیب کی بنا پر اسے لکھوالیا تھا، لہٰذا اب ہم جو کچھ بھی کریں گے وہ تقدیر کے بھی موافق ہوگا) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: (اتنے میں) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے اور وہ (اس سے قبل) اپنے کسی کام کے سلسلے میں غائب تھے۔ (اور مشورے میں موجود نہ تھے) انھوں نے کہا کہ یقیناً اس مسئلے کے متعلق میرے پاس علم موجود ہے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا: ''جب تم کسی زمین میں اس طاعون (کے پھیلنے) کے متعلق سنو تو اس (جگہ میں اس طاعون) پر نہ جاؤ اور جب وہ (طاعون) کسی زمین میں واقع ہو، اس حال میں کہ تم وہاں موجود ہو تو پھر اس سے بھاگتے ہوئے نہ نکلو۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (یہ سن کر اور اپنے اجتہادی فیصلے کو حدیث مبارکہ کے موافق پا کر) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ کی حمد بیان کی پھر واپس (مدینہ کی طرف) لوٹ گئے۔

فائدہ: ......یعنی طاعون کی وبا سے متاثرہ علاقے والے اگر اس نیت سے وہ علاقہ چھوڑیں کہ کہیں طاعون کی زد میں نہ آ جائیں تو ایسا نکلنا ممنوع ہے اور اگر یہ نیت نہ ہو بلکہ کوئی اور مجبوری یا اہم ضرورت ہو تو پھر گنجائش ہے۔

[1614] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، وَعَنْ سَالِمٍ أَبِي النَّضْرِ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ سَمِعَهُ يَسْأَلُ أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ: مَا سَمِعْتَ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي الطَّاعُونِ؟ فَقَالَ أُسَامَةُ: قَالَ

عامر بن سعد بن ابی وقاص رحمہ اللہ اپنے والد (حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک انھوں نے (عامر رحمہ اللہ نے) ان (حضرت سعد رضی اللہ عنہ) کو سنا، وہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے پوچھ رہے تھے کہ تم نے رسول اللہ ﷺ کو طاعون کے بارے میں کیا فرماتے ہوئے سنا ہے؟ تو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول

[1614] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب: 54، حدیث: 3473، 5728، 6974، صحیح مسلم، کتاب السلام باب الطاعون والطیرة والکهانة ونحوها، حدیث: 2218، ترمذی: 1065، نسائی فی الکبری: 7525، احمد: 5/ 202 (22016).

رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: الطَّاعُونُ رِجْزٌ، أُرْسِلَ عَلَى طَائِفَةٍ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ، أَوْ عَلَى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، فَإِذَا سَمِعْتُمْ بِهِ بِأَرْضٍ فَلَا تَدْخُلُوا عَلَيْهِ، وَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَأَنْتُمْ بِهَا، فَلَا تَخْرُجُوا فِرَاراً مِنْهُ.

اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: ''طاعون ایک عذاب ہے جو بنی اسرائیل کے ایک گروہ پر بھیجا گیا یا (فرمایا کہ) تم سے پہلے لوگوں پر بھیجا گیا تھا، لہٰذا جب تم اس بارے میں سنو کہ وہ کسی زمین میں (واقع ہو چکا) ہے تو اس پر داخل نہ ہونا (وہاں نہ جانا) اور جب یہ کسی زمین میں اس حال میں واقع ہو کہ تم اس زمین میں موجود ہو تو اس (طاعون) سے بھاگتے ہوئے (اور اس سے بچنے کے لیے وہاں سے) نہ نکلو۔''

قَالَ مَالِكٌ: قَالَ أَبُو النَّضْرِ: لَا يُخْرِجُكُمْ إِلَّا فِرَارٌ مِنْهُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے کہا: ابوالنضر رحمہ اللہ نے (اپنی روایت کے آخر میں ان الفاظ کو) بیان کیا تھا کہ (یہ بھاگنا تب منع ہے کہ جب) تم نہ نکلو مگر صرف اور صرف اس (طاعون) سے بھاگنے کی نیت سے۔

[1615] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ خَرَجَ إِلَى الشَّامِ، فَلَمَّا جَاءَ سَرْغَ، بَلَغَهُ أَنَّ الْوَبَأَ قَدْ وَقَعَ بِالشَّامِ، فَأَخْبَرَهُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: إِذَا سَمِعْتُمْ بِهِ بِأَرْضٍ فَلَا تَقْدَمُوا عَلَيْهِ، وَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَأَنْتُمْ بِهَا، فَلَا تَخْرُجُوا فِرَاراً مِنْهُ فَرَجَعَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ مِنْ سَرْغَ.

عبداللہ بن عامر بن ربیعہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ملک شام کی طرف نکلے، پھر جب وہ سرغ مقام پر آئے تو انھیں یہ خبر پہنچی کہ یقیناً (طاعون کی) وبا شام میں واقع ہو چکی ہے تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے انھیں یہ خبر دی کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: ''جب تم کسی زمین میں اس طاعون کا (پھیلنا) سن لو تو اس پر نہ آؤ اور جب یہ کسی زمین میں اس حال میں واقع ہو کہ تم وہیں ہو تو اس (طاعون) سے بھاگتے ہوئے (اس زمین سے) نہ نکلنا، چنانچہ (یہ حدیث سن کر) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سرغ مقام سے واپس لوٹ گئے۔

[1615] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب الحیل، باب مایکرہ من الاحتیال فی الفرار من الطاعون، حدیث: 6973، 3473، 5730، صحیح مسلم، کتاب السلام، باب الطاعون والطیرۃ والکھانۃ، حدیث: 2219/ 100، ابوداود: 3103، نسائی فی الکبری: 7521، احمد: 1/ 194(1682).

[1616] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ إِنَّمَا رَجَعَ بِالنَّاسِ عَنْ حَدِيثِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ.

سالم بن عبداللہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ صرف اور صرف حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی حدیث کی وجہ ہی سے لوگوں کو لے کر سرغ جگہ سے واپس لوٹے تھے۔

فائدہ: ......اگرچہ وہ اپنے اجتہاد اور مشورے کے ساتھ بھی یہی فیصلہ کر چکے تھے لیکن اتنی دیر میں ان تک حدیث پہنچ گئی اور واپسی کا فیصلہ پختہ ہو گیا، ورنہ اجتہاد تو بدل بھی سکتا تھا۔ یہی کہا جائے گا کہ ان کے فیصلے کی پختگی محض حدیث مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بنا پر ہوئی۔

[1617] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ قَالَ: بَلَغَنِي أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ: لَبَيْتٌ بِرُكْبَةَ، أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ عَشَرَةِ أَبْيَاتٍ بِالشَّامِ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ بے شک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: رُکبہ جگہ (جو مکہ و عراق کے درمیان میں بنو عامر کی زمین تھی یا طائف کی ایک صحت افزا وادی تھی) کا ایک گھر میرے نزدیک ملک شام کے دس گھروں سے زیادہ محبوب ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: يُرِيدُ لِطُولِ الْأَعْمَارِ وَالْبَقَاءِ، وَلِشِدَّةِ الْوَبَاءِ بِالشَّامِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ مراد لے رہے تھے کہ (رُکبہ جگہ میں) عُمروں کے لمبا ہونے اور (لوگوں کی لمبی زندگیوں اور ان کے دیر تک) باقی رہنے کی وجہ سے اور (نیز) ملک شام میں وبا کی شدت کی وجہ سے (انھیں رُکبہ مقام کا گھر زیادہ محبوب تھا)۔

8- بَابٌ: النَّهْيُ عَنِ الْقَوْلِ بِالْقَدَرِ

تقدیر کے متعلق کلام (کرنے اور بحث) کرنے سے ممانعت کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں چھ روایات ہیں، چار مرفوع، ایک موقوف اور ایک مقطوع ہے اور سب سنداً صحیح ہیں سوائے ایک مرفوع کے جو ضعیف ہے۔

[1616] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب الحيل، باب مايكره من الاحتيال فى الفرار من الطاعون، حديث: 6973، 3473، 5730، صحيح مسلم، كتاب السلام، باب الطاعون والطيرة والكهانة ونحوها، حديث: 2219/ 100.

[1617] (موقوف ضعيف) شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے۔

فائدہ: ...... تقدیر پر ایمان لائے بغیر بندہ مومن ہی نہیں ہوسکتا لیکن چونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے رازوں اور بھیدوں میں سے ایک بھید ہے، اس لیے مخلوق اس بھید کا مکمل علم پانے، ادراک اور احاطہ کرنے سے قاصر ہے۔ اسی لیے اس مسئلے میں بحث سے بھی گریز کرنا چاہیے۔ ہمارا ایمان ہے کہ نیکی و بدی سے متعلقہ معاملات میں بندے کو عقل وشعور اور اختیار دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے ہر بندے کو دونوں راہیں دکھا کر ان کے نتائج سے باخبر کر دیا ہے اور دونوں چیزیں دل میں ڈال دی ہیں اور بتا دیا ہے کہ اگر میں جبراً چاہتا تو سب کو مومن بنا لیتا لیکن پھر تخلیق جن وانس کا مقصد یعنی ''امتحان و آزمائش کا سلسلہ'' بے کار ہو جاتا، اس لیے بندے کو خیر وشر منتخب کرنے میں اختیار کی صلاحیت دی گئی ہے..... اُمت مسلمہ کے دو گروہ اس مسئلے میں انتہائی افراط وتفریط کا شکار ہوئے تھے۔ چنانچہ ''قدریہ'' فرقے نے بندے کے اختیار کو اس قدر حد سے بڑھا دیا کہ تقدیر کا سرے سے انکار ہی کر دیا، انھوں نے ہر فعل کا خالق بندے ہی کو قرار دیا، گویا ان کے نزدیک خلاق ایک نہیں بلکہ ہر شخص خالق ہے، نعوذ باللہ ......اور جبریہ فرقے نے تقدیر کو ماننے میں اس حد تک تجاوز کیا کہ بندے کے اختیار ہی کا انکار کر دیا اور کہنے لگے کہ بندہ جو کچھ بھی کرتا ہے وہ اُسے کرنے میں مجبور ہے، اس کی مرضی کا کوئی دخل نہیں ہے اور بندے کا کسی بھی گناہ کرنے میں کوئی قصور نہیں ہوتا۔ گویا ان کے نزدیک اللہ ظالم ہے کہ پہلے گناہ کرواتا ہے پھر اسے سزا بھی دیتا ہے۔ (نعوذ باللہ من ذالک)

تقدیر کے حوالے سے معتدل رویہ یہ ہے کہ ہمیں خود کو صرف انھی معلومات تک محدود رکھنا چاہیے جو شریعت نے وضاحت سے بتادی ہیں اور جو بات سمجھ میں نہ آئے اس کا علم اللہ کے سپرد کر کے خود سَمِعنا واَطَعْنَا یا اٰمَنَّا وَصَدَّقْنَا ہی کہنا چاہیے۔ تقدیر پر ایمان کے حوالے سے مندرجہ ذیل باتوں کو ملحوظ رکھنا چاہیے:

(1) کائنات کی ہر چیز کے وجود پانے سے قبل بھی وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھی۔ (2) ہر چیز کو اللہ تعالیٰ نے قلم سے لکھوا بھی لیا تھا۔ (3) ہر چیز صرف اللہ کی مشیت (ارادہ تکوینی) سے پیدا ہوتی ہے، خواہ وہ چیز اللہ کو پسند ہو یا ناپسند۔ (4) ہر چیز کا خالق صرف اللہ ہی ہے، اسی نے شرّ، شیطان اور گناہ کو بھی پیدا کیا تاکہ جن وانس کی آزمائش اور امتحان کا سلسلہ جاری رہے......تقدیر کی ایک سادہ سی مثال یہ ہے کہ ہم لوگ جب کوئی جلسہ یا اجتماع یا کانفرنس منعقد کرتے ہیں تو پہلے ہی اس کا خاکہ بناتے ہیں کہ اتنے وقت سے اتنے وقت تک تلاوت ہوگی، پھر فلاں وقت پر نظم ونعت اور فلاں مقرر کا بیان ہوگا لیکن جب پروگرام کا آغاز ہوتا ہے تو ہمارے خاکے کے مطابق کچھ سلسلہ جاری ہوتا ہے اور کچھ ترتیب آگے پیچھے ہو جاتی ہے کیونکہ ہمیں غیب کا علم نہ تھا اس لیے ہمارے کئی اندازے غلط ثابت ہوتے ہیں......تقدیر بھی اللہ تعالیٰ کا ایک اندازہ ہے لیکن چونکہ اس کو کامل علم غیب حاصل ہے اس لیے اس نے ہر چیز کا بالکل صحیح صحیح اندازہ لگایا۔ اب ہر شخص اپنے اختیار سے بھی جو کام کرتا ہے اللہ کو اس کا بھی پہلے سے علم تھا اور اس نے لکھوایا بھی وہی تھا، اس لیے ہمارے اختیار سے کیا ہوا کام اور اللہ کی تقدیر باہم موافق ہو جاتے ہیں......ایک مومن ہونے کے ناطے ہم چونکہ خالق صرف اللہ کو مانتے

ہیں اور چونکہ اللہ کے شایانِ شان ادب کالحاظ رکھنا بھی ہماری ذمہ داری ہے، اس لیے ہمارا عقیدہ ہے کہ خیر اور شر دونوں کا خالق اللہ ہی ہے۔ البتہ ہم ہر خیر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ ہی نے اس نیکی کی توفیق عطا فرمائی اور ہمیں فلاں خیر عطا فرمائی اور شر کو اللہ کی طرف منسوب نہیں کرتے بلکہ یا تو صیغۂ مجہول کے ساتھ اُس کا ذکر کرتے ہیں کہ مثلاً غضب ہوگیا، غضب وعذاب نازل کیا گیا، وغیرہ یا اپنی طرف یا شیطان کی طرف اس شر یا گناہ کی نسبت کرتے ہیں کہ مثلاً میں بیمار ہوگیا یا شیطان نے پھسلا دیا وغیرہ۔

تقدیر پر ایمان کے ذریعے حسب ذیل اہم فوائد اور مقاصد شریعت ملحوظ رکھے گئے ہیں: (1) اللہ تعالیٰ کی صفتِ علم پر ایمان اور اس کے عظیم اور وسیع ترین علم کا اقرار۔ (2) اللہ کی قدرتوں، عظمتوں اور وسعتوں کا اقرار۔ (3) ہر بندے کو اپنے متعلق یہ خوف رکھنا چاہیے کہ معلوم نہیں کہ میرا انجام کیا ہوگا؟ میرا اختتام کیا لکھا گیا ہے؟ یہی وہ خوف ہے جو مومن کے جسم پر کپکپی اور آنکھوں میں آنسو جاری ہونے کا باعث بنتا ہے۔ (4) ہر دوسرے شخص کے متعلق خوف کے ساتھ ساتھ یہ امید بھی رکھنی چاہیے کہ شاید اس کے مقدر میں ہدایت واستقامت لکھی گئی ہو، اس کا انجام بہتر ہو۔ یہی وہ امید ہے جو اصلاح، دعوت اور تبلیغ پر ابھارتی ہے۔ (5) کسی بھی مصیبت و پریشانی کا دکھ اور غم ہلکا کرنے کے لیے تقدیر کا سہارا لے لینا چاہیے، یہ عین عبادت اور حکم الٰہی ہے۔ جب بھی کوئی غم والم پہنچے تو اسے اللہ کا فیصلہ، اللہ کا حکم اور اللہ کی رضا شمار کرکے فوراً صبر کا دامن تھامنا چاہیے۔ یقیناً یہ سوچ مومن کے لیے اطمینان کا باعث اور تسلی بخش ہوتی ہے، اس کا غم ہلکا ہو جاتا ہے۔ دیکھیے سورۂ حدید: 22، 23۔ (6) کسی بھی گناہ پر تقدیر کا سہارا لینا اور بہانہ بنانا درست نہیں، جب ہم سے گناہ ہو تو خود ہی کو ذمہ دار ٹھہرانا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سے بچ جانے کا اختیار دے رکھا ہے، گناہ کرکے تقدیر کو موردِ الزام ٹھہرانا کیے ہوئے گناہ سے بھی بدتر گناہ ہے، یہ مسئلہ ایک بہت بڑا امتحان اور آزمائش ہے۔ کفار ومشرکین اور بدعمل لوگوں کے سوچنے اور بولنے کا انداز یہ ہے کہ اگر رب چاہتا تو ہم یہ گناہ نہ کرتے۔ دیکھیے سورۂ اعراف 7:148، النحل: 16:35۔ گویا ان کے نزدیک قصور وار اللہ ہوتا ہے۔ نعوذ باللہ، جبکہ مومن یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ گناہ کرتے وقت انسان کی مرضی اور اختیار کا دخل ہوتا ہے اور تقدیر میں وہ گناہ اس لیے لکھا گیا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پہلے ہی علم تھا کہ بندے نے یہ گناہ کرنا ہے۔ (7) کوئی نیکی کر لینے یا نعمت پا لینے کے بعد اس پر فخر وتکبر کرنا اور اترانا درست نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا شکر اور حمد وثناء بیان کرتے ہوئے یہ سوچنا چاہیے کہ اگر اللہ تعالیٰ اس نیکی ونعمت کے لیے راہ ہموار نہ کرتا اور توفیق نہ دیتا تو ہم کچھ نہ کر سکتے تھے۔

[1618] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي — حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول

[1618] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب احاديث الانبياء، باب وفاة موسىٰ وذكره بعده، حديث: 3409، 4736، 4738، 6614، 7515، صحيح مسلم، كتاب القدر، باب حجاج آدم وموسىٰ صلى الله عليهما، صحيح مسلم: 2652، ابو داود: 4701، ترمذی: 2134، ابن ماجه: 80، احمد: 2/ 264(7578).

الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: تَحَاجَّ آدَمُ وَمُوسَى، فَحَجَّ آدَمُ مُوسَى، قَالَ لَهُ مُوسَى: أَنْتَ آدَمُ الَّذِي أَغْوَيْتَ النَّاسَ وَأَخْرَجْتَهُمْ مِنَ الْجَنَّةِ، فَقَالَ لَهُ آدَمُ: أَنْتَ مُوسَى الَّذِي أَعْطَاهُ اللّٰهُ عِلْمَ كُلِّ شَيْءٍ، وَاصْطَفَاهُ عَلَى النَّاسِ بِرِسَالَتِهِ؟ قَالَ نَعَمْ. قَالَ: أَفَتَلُومُنِي عَلَى أَمْرٍ قَدْ قُدِّرَ عَلَيَّ قَبْلَ أَنْ أُخْلَقَ.

اللہ ﷺ نے فرمایا: ''حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپس میں (حجت ودلیل کے ساتھ) بحث کی تو حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔ چنانچہ (ہوا یوں کہ) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا: آپ وہی (ہمارے والد محترم) آدم علیہ السلام ہیں، جنھوں نے لوگوں کو بہکایا اورانھیں جنت سے نکال دیا(یعنی آپ ہی جنت سے نکلنے کا سبب بنے جس کے نتیجے میں شیطان انسانوں کو گمراہ کرنے لگا۔ اگر آپ سبب نہ بنتے تو لوگ نہ بہکائے جاتے) تو حضرت آدم علیہ السلام نے ان سے فرمایا: تم وہی موسیٰ علیہ السلام ہو جسے اللہ نے ہر (مطلوب) چیز کا علم عطا کیا اور اپنے پیغام (رسالت) کے ساتھ تجھے منتخب کیا؟ انھوں نے کہا کہ جی ہاں تو (آدم علیہ السلام نے) فرمایا: تو پھر کیا تم مجھے اس کام پر ملامت کرتے ہو جو میرے پیدا کیے جانے سے پہلے ہی مجھ پر مقدر کر دیا گیا تھا۔''

فائدہ :...... یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا آدم علیہ السلام نے اپنے گناہ کے جواز کے لیے تقدیر کا سہارا لیا؟ حالانکہ ایسا کرنا ممنوع ہے، تو اس کا ایک جواب یہ ہے کہ انھوں نے تقدیر کا سہارا اس لیے نہیں لیا تھا کہ خود بری الذمہ قرار دے کر رب کو قصوروار ٹھہرائیں یا گناہ کا جواز پیش کریں، اگر ایسا ہوتا تو وہ توبہ نہ کرتے اور معافی کی دعائیں نہ مانگتے اور یہ نہ کہتے کہ ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا....﴾ (سورۂ اعراف 23:7) دوسرا جواب یہ ہے کہ انھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پریشانی اور غم کو ہلکا کرنے کے لیے ایسا کیا تھا، دراصل حضرت موسیٰ علیہ السلام انسانوں کے حالات دیکھ کر اور انجام کی فکر کرتے ہوئے غم میں ڈوبے ہوئے تھے۔ انھوں نے یہ اندوہناک صورتحال حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے رکھی تو بزرگ بزرگ ہی ہوتے ہیں، انھوں نے تقدیر کا سہارا لے کر انھیں تسلی دی کہ اسی میں رب کی حکمتیں پنہاں ہیں۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص گناہ پر نادم ہو اور خود کو قصوروار بھی سمجھتا ہو اور تقدیر کو بہانہ بنا کر گناہ کو جائز سمجھنے والا بھی نہ ہو، لیکن اس کی ندامت وتوبہ کے باوجود کوئی شخص اُسے ملامت کرنا چاہے، تو ملامت گر کو چپ کروانے کے لیے تقدیر کا سہارا لیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ مسلم شریف کی تفصیلی روایت میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہلے یہ کہا تھا کہ آپ وہی آدم ہیں جنھیں اللہ نے اپنے ہاتھ سے بنایا، آپ میں اپنی (پیدا کردہ) روح پھونکی، اللہ نے اپنے فرشتوں سے آپ کو سجدہ کروایا اور آپ کو اپنی جنت میں بسایا، پھر آپ نے اپنی غلطی کے ساتھ لوگوں کو زمین کی طرف اتار دیا...... حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا: تم وہی موسیٰ ہو، جسے اللہ نے اپنے پیغام اور کلام کے لیے چنا، تمھیں (تورات کی) وہ تختیاں عطا کیں جن میں ہر چیز کی وضاحت تھی اور تمھیں سرگوشی کی خاطر اپنے قریب کیا۔ بھلا تم جانتے ہو کہ اللہ نے میری پیدائش سے کتنا عرصہ قبل تورات لکھی تھی؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: چالیس سال، تو حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا: کیا تم نے اس میں یہ الفاظ پائے تھے کہ ''آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور وہ بہک گیا۔'' انھوں نے کہا کہ جی ہاں تو وہ فرمانے لگے: کیا تم مجھے ایک ایسے کام پر ملامت کر رہے ہو جس کے متعلق اللہ نے میری پیدائش سے چالیس سال پہلے ہی لکھ دیا تھا کہ میں اُسے کروں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یوں حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔

[1619] وَحَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَبِي أُنَيْسَةَ، عَنْ عَبْدِ الْحَمِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ زَيْدِ بْنِ الْخَطَّابِ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ، عَنْ مُسْلِمِ بْنِ يَسَارٍ الْجُهَنِيِّ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ سُئِلَ عَنْ هَذِهِ الآيَةِ: ﴿وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَى شَهِدْنَا أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ﴾ [الأعراف: 172]. فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يُسْأَلُ عَنْهَا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى خَلَقَ آدَمَ، ثُمَّ مَسَحَ ظَهْرَهُ بِيَمِينِهِ، فَاسْتَخْرَجَ مِنْهُ ذُرِّيَّةً فَقَالَ: خَلَقْتُ هَؤُلاءِ لِلْجَنَّةِ، وَبِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ يَعْمَلُونَ، ثُمَّ مَسَحَ ظَهْرَهُ فَاسْتَخْرَجَ مِنْهُ ذُرِّيَّةً فَقَالَ: خَلَقْتُ هَؤُلاءِ لِلنَّارِ وَبِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ يَعْمَلُونَ فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللَّهِ فَفِيمَ الْعَمَلُ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِنَّ اللَّهَ إِذَا

مسلم بن یسار جُہنی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے اس آیت مبارکہ کے متعلق سوال کیا گیا: ﴿وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰي شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ﴾ (الاعراف 172:7) ''اور (اے نبی اس وقت کو یاد کیجیے) جب آپ کے رب نے بنوآدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور انھیں ان کی جانوں پر گواہ بنایا (اور پوچھا:) کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں؟ انھوں نے کہا کہ کیوں نہیں، ہم (تیرے رب ہونے کی) گواہی دیتے ہیں، (تو اللہ نے فرمایا کہ یہ گواہی اس لیے لی گئی ہے) کہ تم قیامت کے دن یہ (نہ) کہو کہ بے شک ہم تو اس سے بے خبر تھے۔''...... تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا، آپ ﷺ سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یقیناً اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا، پھران کی پشت پر اپنا ہاتھ پھیرا اور اس سے (ان کی) کچھ اولاد کو نکالا اور فرمایا: میں نے ان لوگوں کو جنت کے لیے پیدا فرمایا ہے اور وہ اہل

[1619] (مرفوع ضعیف) سنن ابی داود، کتاب السنة، باب فی القدر، حدیث: 4703، جامع الترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورة الاعراف، حدیث: 3075، نسائی فی الکبری: 11190، احمد: 1/ 44(311)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔

خَلَقَ الْعَبْدَ لِلْجَنَّةِ، اسْتَعْمَلَهُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ، حَتَّى يَمُوتَ عَلَى عَمَلٍ مِنْ أَعْمَالِ أَهْلِ الْجَنَّةِ، فَيُدْخِلَهُ بِهِ الْجَنَّةَ، وَإِذَا خَلَقَ الْعَبْدَ لِلنَّارِ، اسْتَعْمَلَهُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ، حَتَّى يَمُوتَ عَلَى عَمَلٍ مِنْ أَعْمَالِ أَهْلِ النَّارِ، فَيُدْخِلَهُ بِهِ النَّارَ .

جنت ہی کے عمل کریں گے۔ پھر (دوبارہ) اُن کی پشت پر ہاتھ پھیرا اوران سے کچھ اور اولاد نکالی اور فرمایا کہ میں نے انھیں آگ کے لیے پیدا کیا ہے اور وہ اہل جہنم ہی کے عمل کریں گے۔'' ایک آدمی کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! (تو پھر) عمل کس (کھاتے اور فائدے) میں ہیں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یقیناً اللہ تعالیٰ جب بندے کو جنت کے لیے پیدا کرتا ہے تو اسے اہل جنت کے عمل کی توفیق دے دیتا ہے، یہاں تک کہ وہ اہل جنت کے عملوں میں سے کسی عمل پر فوت ہوتا ہے، پھر اسے اس کی وجہ سے جنت میں داخل فرما دیتا ہے، اور جب وہ کسی بندے کو آگ کے لیے پیدا کرتا ہے تو اسے آگ والوں کے کام میں لگا دیتا ہے، یہاں تک کہ وہ اہل جہنم کے عملوں میں سے کسی عمل پر مرتا ہے، پھر وہ اسے اس کی وجہ سے آگ میں داخل کر دیتا ہے۔''

فائدہ: ...... یہ روایت اگرچہ ضعیف ہے لیکن اس میں بیان شدہ چیزیں صحیح احادیث سے ثابت ہیں...... مذکورہ بالا انداز بیان انسانوں کو ہلا کر رکھ دیتا ہے بشرطیکہ ان میں کچھ ایمان موجود ہو، اوران الفاظ کا مقصد بھی بندوں میں ڈر ہی پیدا کرنا ہے کہ اپنے انجام کے متعلق فکرمند رہیں...... یاد رہے کہ تقدیر کے چار مراتب ہیں: علم، کتاب، مشیت اور خلق۔

اس حدیث مبارکہ میں تقدیر ہی کا بیان ہے چونکہ انسان خود بھی اور اس کا ہر عمل، خواہ کیسا ہی ہو اور اگرچہ اپنے اختیار ہی سے ہو، سب کچھ اللہ کی تخلیق ہے۔ اسی لیے حدیث مبارکہ میں لفظ خلق اور ''پیدا کرنے'' کا بار بار ذکر آتا ہے۔ عملوں کا اللہ کی مخلوق ہونا، اس بات کے منافی ومعارض نہیں ہے کہ عمل کرنے میں بندوں کو اختیار بھی حاصل ہے...... یہ بھی یاد رہے کہ اہل جہنم کو جہنمیوں کے عمل پر لگا دینا اللہ کی طرف سے ظلم نہیں ہے بلکہ بندوں کے گناہوں پر اصرار کا نتیجہ اور بداعمالیوں کی شامت ہے۔ نیز کسی بھی انسان کو اپنے انجام کا علم تو ہے نہیں، اس لیے خوف و امید کی فضا بھی قائم رہتی ہے...... اس حدیث مبارکہ میں ہر بندے کے انجام کے حوالے سے ایک علامت بیان کر دی گئی ہے کہ جس شخص کا جیسا انجام ہوتا ہے وہ دنیا میں اسی انجام کے پانے والوں کے عمل کرتا ہے۔ لہٰذا اگر ہم اچھے انجام کے متمنی اور خواہشمند ہیں تو ہمیں چاہیے کہ نیک اعمال پر خصوصی توجہ دیں، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی یہی مذکور ہے۔ (بخاری: 1362، 4945، 4949، مسلم: 2647) مذکورہ بالا آیت مبارکہ کی تفسیر ایک اور صحیح روایت میں مذکور ہے جس میں یہ بھی ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میدان عرفات کی وادی نعمان میں حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے اولاد کو نکال کر ان سے عہد لیا تھا۔ (مسند احمد: 1/ 272، اس کی سند صحیح ہے۔)

[1620] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، أَنَّهُ بَلَغَهُ ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ ، لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا : كِتَابَ اللّٰهِ ، وَسُنَّةَ نَبِيِّهِ .

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑ دیں ہیں، تم جب تک انھیں تھامے رکھو گے ہرگز گمراہ نہ ہوگے، اللہ کی کتاب اور اس کے نبی ﷺ کی سنت۔''

فائدہ :...... یہ روایت متصل سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، دیکھیے (مستدرک حاکم: 1/ 93 (318)، بیهقی فی السنن الکبری: 10/ 114 (20336)، وفی دلائل النبوۃ: 5/ 449، ابن نصر فی السنۃ: ص: 21، ابن حزم فی الاحکام: 6/ 82۔ اس کی سند حسن ہے۔) تقدیر کے بیان میں اس حدیث کو ذکر کرنا شاید یہ مناسبت رکھتا ہے کہ ہم اگر اس مسئلے میں گمراہی سے بچنا چاہتے ہیں تو صرف قرآن وسنت کے بیانات تک محدود رہیں اور اپنی عقل پر اعتماد نہ کریں۔ خصوصاً مسئلہ تقدیر اللہ کا ایک بھید ہے، اسے بھید ہی رہنے دیں، بس یہ مان لیں کہ اللہ نے تقدیر لکھ چھوڑی ہے، پھر عقل میں جو اعتراضات آئیں، انھیں یہ سوچ کر پس پشت ڈال دیں کہ ہماری عقل تو اس نظر آنے والی دنیا کے سارے راز نہیں جان سکی تو اللہ کے غیب والے امور کیسے جانے گی۔

[1621] وَحَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ زِيَادِ بْنِ سَعْدٍ ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مُسْلِمٍ ، عَنْ طَاوُوسٍ الْيَمَانِيِّ ، أَنَّهُ قَالَ : أَدْرَكْتُ نَاساً مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُونَ : كُلُّ شَيْءٍ بِقَدَرٍ . قَالَ طَاوُوسٌ : وَسَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ يَقُولُ : قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : كُلُّ شَيْءٍ بِقَدَرٍ ، حَتَّى الْعَجْزِ وَالْكَيْسِ ، أَوِ الْكَيْسِ وَالْعَجْزِ .

طاؤس یمانی رحمہ اللہ (جن کا اصل نام ذکوان بن کیسان تھا) سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کچھ لوگوں کو پایا تھا، وہ فرمایا کرتے تھے کہ ہر چیز ہی تقدیر کے مطابق ہوتی ہے۔ طاؤس رحمہ اللہ کہتے ہیں: اور (بالآخر) میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو سنا (جو اس بات کو نبی کریم کی طرف منسوب کرتے ہوئے) کہہ رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر چیز تقدیر کے ساتھ (واقع ہو رہی) ہے یہاں تک کہ عاجزی (بے بسی ولا چارگی) بھی اور عقلمندی بھی۔

فائدہ :...... ''عاجزی'' کا متضاد لفظ ''قوت'' ہے اور یہ دونوں چیزیں انسان کے اعضاء سے تعلق رکھتی

[1620] (مرفوع صحيح لغيره) شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو شواہد کی بنا پر صحیح لغیرہ قرار دیا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

[1621] (مرفوع صحيح) صحيح مسلم، كتاب القدر، باب كل شيء بقدر، حديث: 2655، احمد: 2/ 110 (5893).

ہیں جبکہ ''عقلمندی'' کا متضاد ''بے وقوفی'' ہے جو کہ دل سے تعلق رکھنے والی چیزیں ہیں، انھی سے انسان کے افعال جنم لیتے ہیں۔ جب یہ بنیادی چیزیں اللہ کی مخلوق اور تقدیر میں موجود ہیں تو ان سے صادر ہونے والے افعال بھی یقیناً اللہ ہی کی مخلوق اور اس کی تقدیر میں درج ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ہمیں انجام سے بے خبر رکھ کر ان کاموں کے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار بھی دیا گیا ہے۔ اُن لوگوں کا عقیدہ غلط ہے جو کہتے ہیں کہ بندوں کے افعال کا خالق اللہ نہیں بلکہ خود بندے ہی خالق ہیں۔ ان لوگوں نے کروڑوں اربوں خالق بنا چھوڑے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ (صافات 37:96) ''اور اللہ نے تمھیں اور تمھارے عملوں کو پیدا کیا ہے۔''...... دراصل اللہ کی طرف سے ہمیں عقل وشعور اور مرضی واختیار جیسی صلاحیتیں دی گئی ہیں، جن سے ہم نفع ونقصان اور خیر وشر میں تمیز اور فرق کر کے ان کا ادراک کر سکتے ہیں جیسا کہ ہم آگ وغیرہ سے بچتے ہیں، ہمیں یہ اختیار ہوتا ہے کہ آگ میں کودیں یا اس سے بچیں۔ ان میں سے کسی چیز پر ہمیں مجبور نہیں کیا گیا، بلکہ صرف اتنا بتایا گیا ہے کہ ہمارا نفع کس میں ہے اور نقصان کس چیز میں ہے، اب ہم جو کریں گے اپنی مرضی سے کریں گے خواہ اچھا کریں یا برا، لیکن جو کچھ بھی کریں گے وہ سب پہلے ہی سے اللہ کو معلوم تھا، اس لیے اس نے وہی کچھ لکھوایا جو ہم نے کرنا تھا...... چنانچہ اب ہم جو کچھ بھی کرتے ہیں وہ ایک جانب ہمارے اختیار سے ہورہا ہوتا ہے اور دوسری جانب تقدیر میں بھی ہو بہو موجود ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ کہنا بھی ٹھیک ہے کہ بندے نے یہ کام کیا اور یہ کہنا بھی درست ہے کہ یہ کام تقدیر سے ہوا۔ البتہ ادب کا تقاضا یہ ہے کہ نیکی اور خیر وبھلائی کے معاملات کے متعلق یہ کہا جائے کہ اللہ نے ان کی توفیق دی تھی اور برائی وغیرہ جیسے معاملات کو اللہ کی طرف منسوب نہ کریں...... لیکن یہ تفصیل صرف ان اعمال تک محدود ہے جو عبادات سے متعلقہ ہیں اور جن میں بندے کو آزمانے کے لیے اختیار دیا گیا ہے۔ رہے وہ بعض امور جو انسان کے اختیار سے بالاتر ہیں، مثلاً: موت وحیات وغیرہ، تو وہ سرا سر تقدیر ہی پر موقوف ہیں۔ اللہ اعلم

[1622] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ زِيَادِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، أَنَّهُ قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ الزُّبَيْرِ يَقُولُ فِي خُطْبَتِهِ: إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْهَادِي وَالْفَاتِنُ.

عمرو بن دینار رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو ساوہ اپنے خطبے میں فرما رہے تھے: یقیناً اللہ تعالیٰ ہی ہدایت دینے والا اور فتنے (اور آزمائش) میں ڈالنے والا ہے۔

فائدہ: ...... فتنہ آزمائش کو بھی کہتے ہیں اور گمراہی کو بھی، ہدایت کے مقابلے میں فتنے سے مراد گمراہی ہی ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے: ﴿يُضِلُّ مَنْ يَّشَاءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ﴾ (النحل 93:16) ''وہ جسے چاہے گمراہ کر دیتا ہے اور

[1622] (موقوف صحیح) بیهقی فی القضاء والقدر: 308/ 496، ابن بطة فی الابانة: 2/ 171(1659)، لالکائی فی شرح اصول اعتقاد اهل السنة والجماعة: 4/ 661(1201)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

جسے چاہے ہدایت عطا فرما دیتا ہے۔'' بہت سے لوگ اپنی بداعمالیوں پر اس طرح کے مفہوم والی آیات سے اور تقدیر سے سہارا لیتے اور عذر ڈھونڈتے ہیں اور جبریہ فرقے کی طرح برے اعمال کر کے کہتے ہیں کہ ہمارا کیا قصور، اللہ نہ چاہتا تو ہم یہ کام نہ کرتے ...... ہم ایسے لوگوں سے کہیں گے کہ اگر تم قرآن مجید کی اس آیت اور تقدیر کو تسلیم کرتے ہو تو اسی قرآن مجید کی دوسری آیات اور اپنے پیغمبر ﷺ کی ان تعلیمات کو بھی تسلیم کرو جن میں یہ وضاحت کر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کیسے ہدایت دینا چاہتا ہے اور کیسے گمراہ کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ ہدایت کے متعلق فرمان الٰہی ہے: ﴿وَيَهْدِيْٓ إِلَيْهِ مَنْ أَنَابَ﴾ (الرعد 13:27) ''اور وہ اُس شخص کو اپنی طرف ہدایت دیتا ہے جو رجوع کرے۔'' نیز فرمایا ﴿وَيَهْدِيْٓ إِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ﴾ (الشوریٰ 13:42) ''اور وہ اُس شخص کو اپنی طرف رہنمائی عطا فرماتا ہے جو رجوع کرتا ہے۔'' اسی طرح فرمایا: ﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ (العنکبوت 69:29) ''اور جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کریں ہم انھیں ضرور ضرور اپنی راہیں دکھا دیں گے۔'' ...... اور گمراہی کے حوالے سے فرمایا: ﴿بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ﴾ (النساء 4:155) ''بلکہ اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگا دی۔'' ایک مقام پر فرمایا: ﴿نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ﴾ (التوبة 9:67) ''انھوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے بھی ان کو بھلا دیا۔'' نیز فرمایا: ﴿فَلَمَّا زَاغُوْٓا أَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ﴾ (الصف 61:5) ''پھر جب وہ ٹیڑھے ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل ٹیڑھے کر دیے۔'' ...... الغرض اللہ تعالیٰ کے فرمان: ''وہ جسے چاہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہے ہدایت عطا کرتا ہے۔'' کا وہ مطلب بالکل نہیں جو برے اعمال والے اپنے عذر اور بہانے میں پیش کرتے ہیں، بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا ایک شاہانہ خطاب ہے جس کا ایک مقصد ہمیں خوف دلانا ہے کہ کہیں ہم بھی اپنے کسی جرم کی پاداش میں گمراہ نہ ہو جائیں۔ دوسرا مقصد یہ ہے کہ ہم تکبر سے بچیں اور ہدایت و نیکی اللہ کا انعام سمجھیں، اس کی توفیق شامل حال نہ ہوتی تو ہم کیا کر سکتے تھے۔ تیسرا اہم مقصد یہ ہے کہ ہم اس غم، ملال اور پریشانی سے نجات پائیں، جو دعوت دین کے وقت لوگوں کی غفلت و بے پروائی یا دشمنی دیکھ کر ہوتی ہے، اگر لوگ تمھارے سمجھانے کے باوجود سیدھی راہ پر نہ آئے تو تمھارا کوئی قصور نہیں کیونکہ لوگوں کے دلوں میں ہدایت وضلالت پر تمھارا اختیار نہیں ہے۔

[1623] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَمِّهِ أَبِي سُهَيْلِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّهُ قَالَ: كُنْتُ أَسِيرُ مَعَ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ فَقَالَ: مَا رَأْيُكَ فِي

ابوسہیل بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ وہ (امیر المؤمنین) حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے ساتھ چلے جا رہے تھے کہ انھوں نے (مجھ سے) پوچھا: اس

[1623] (مقطوع صحيح) بيهقي في السنن الكبرى: 10/ 205 (20883)، وفي القضاء والقدر: 320/ 542، ابن عساكر في تاريخ دمشق: 64/ 314، خلال في السنة: 3/ 533، ابن ابي عاصم في السنة: 1/ 88۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

هَؤُلَاءِ الْقَدَرِيَّةِ ؟ فَقُلْتُ : رَأْيِي أَنْ تَسْتَتِيبَهُمْ ، فَإِنْ تَابُوا ، وَإِلَّا عَرَضْتَهُمْ عَلَى السَّيْفِ . فَقَالَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ : وَذَلِكَ رَأْيِي .

قدریہ فرقے کے لوگوں کے متعلق تمھاری کیا رائے ہے؟ وہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: میری رائے یہ ہے کہ آپ ان سے (ان کے اس عقیدے سے) توبہ طلب کریں، چنانچہ اگر وہ اس (توبہ ورجوع) کو قبول کرلیں تو ٹھیک ہے ورنہ آپ انھیں تلوار پر پیش کردیں (اور مار ڈالیں)۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے فرمایا: اور میری بھی ان کے متعلق یہی رائے ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَذَلِكَ رَأْيِي .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور میری بھی ان کے متعلق یہی رائے ہے۔

فائدہ :...... قدریہ کو "اہل قدر" بھی کہتے ہیں، باوجود اس کے کہ وہ تو تقدیر کے سرے سے منکر تھے۔ اُن کے لیے یہ نام اس لیے ایک علامت اور پہچان بن گیا کہ یہ لوگ اکثر تقدیر کے متعلق شبہات پھیلاتے، اس کا انکار کرتے اور بحثیں کرتے رہتے تھے۔ یہ وجہ تسمیہ بھی بیان کی گئی ہے کہ یہ لوگ "اپنے عملوں کو خود پیدا کرنے کی قدرت رکھنے" کا دعویٰ کرتے تھے۔ یہ فرقہ دراصل جبریہ فرقے کے مقابلے میں پیدا ہوا تھا۔ جہم بن صفوان ترمذی سے جب فرقہ جہمیہ کا آغاز ہوا تو وہ جبریہ عقیدے کا قائل تھا۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ بندہ جو کچھ بھی کرتا ہے وہ اس کے کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ وہ تقدیر کو اس قدر ثابت کرتے کہ بندوں کے اختیار ہی کی نفی کردیتے تھے۔ (صفات الٰہیہ کے حوالے سے یہی جہمیہ جبریہ فرقہ سے پیدا ہوا تھا، گویا یہ مُرجِئہ بھی تھے جن کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ کلمہ پڑھ لینے کے بعد کوئی بھی کبیرہ گناہ نقصان نہیں دیتا۔ ان کے اس عقیدے ہی نے اکثر لوگوں کو بدعمل بنایا اور وہ لا الٰہ الا اللہ پڑھ کر خود کو جنتی سمجھ بیٹھتے ہیں) بہر حال ان کے مقابلے میں قدریہ فرقے نے جنم لیا، یہ لوگ تقدیر کا سرے سے ہی انکار کرنے لگے۔ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کو بندوں کے اعمال کا علم تب ہوتا ہے جب بندے عمل کرلیں، اس سے قبل اُسے علم نہیں ہوتا۔ ان کے نزدیک بندوں کے افعال کا خالق اللہ نہیں بلکہ بندے خود ہی خالق ہوتے ہیں (انھی اہل قدر سے معتزلہ فرقے نے جنم لیا جنھوں نے بعد میں حکومتی طبقے تک رسائی پا کر اہل علم وفضل اور ائمہ ومحدثین کو ظلم وستم کا نشانہ بنایا۔) اہل سنت کا عقیدہ، جبریہ وقدریہ عقائد کے درمیان درمیان ہے۔ اہل سنت کے نزدیک تقدیر اور اختیار باہم منافی نہیں ہیں۔ یہ جبریہ فرقے کے برعکس بندوں کے ایک حد تک صاحب اختیار ہونے کے قائل ہیں، کیونکہ بندوں کے عقل وشعور کا یہی تقاضا ہے اور یہ قدریہ فرقے کے برعکس تقدیر کے بھی قائل ہیں۔

9- بَابٌ: جَامِعُ مَا جَاءَ فِي أَهْلِ الْقَدَرِ

اہل قدر کے متعلق متفرق احادیث کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں چار روایات ہیں، دو مرفوع (احادیث نبویہ ﷺ) ہیں جو سنداً صحیح ہیں اور دو

مقطوع ہیں جو کہ ضعیف ہیں۔

[1624] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَا تَسْأَلِ الْمَرْأَةُ طَلَاقَ أُخْتِهَا، لِتَسْتَفْرِغَ صَحْفَتَهَا وَلِتَنْكِحَ، فَإِنَّمَا لَهَا مَا قُدِّرَ لَهَا.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی عورت اپنی بہن کی طلاق کا سوال نہ کرے اس (مقصد کے) لیے کہ اس کا پیالہ خالی کرالے اور (بلکہ) اسے چاہیے کہ (طلاق کا مطالبہ کیے بغیر) نکاح کرلے تو بلاشبہ اس کے لیے وہی کچھ ہے جو اس کے لیے مقدر کیا جاچکا ہے۔''

فائدہ: ......کوئی عورت کسی مرد کے ساتھ شادی کرنے کے لیے یہ مطالبہ نہ کرے کہ وہ اپنی پہلی بیوی کو طلاق دے اور نہ ہی کوئی سوکن اپنی کسی سوکن کے متعلق ایسا سوال کرے۔ ان کا مقصد یہ ہو کہ دوسری بیوی کی طلاق کے بعد اب وہ اکیلی ہی اپنے خاوند کی عنایات محبتوں اور تعلق از دواجیت کی حقدار بن جائے گی...... رسول اللہ ﷺ نے سمجھایا ہے کہ یہ خواہش اور مطالبہ بے کار اور عبث ہے۔ اگر مثال کے طور پر خاوند دوسری بیوی کو طلاق دے بھی دے تو پھر بھی وہ اس سے زائد تو کچھ بھی نہیں پاسکتی، جو اس کے لیے مقدر ہے، بلکہ ممکن ہے کہ اسے طلاق دے کر خاوند غمگین ہوجائے اور اس مطالبہ کرنے والی سے انتقام لینے لگے یا طلاق دے کر فقیر یا بیمار یا فوت ہوجائے۔

[1625] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ زِيَادٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ الْقُرَظِيِّ قَالَ: قَالَ مُعَاوِيَةُ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ: أَيُّهَا النَّاسُ، إِنَّهُ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَى اللّٰهُ، وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعَ، وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْهُ الْجَدُّ، مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ. ثُمَّ قَالَ مُعَاوِيَةُ: سَمِعْتُ هٰؤُلَاءِ

محمد بن کعب قرظی رحمہ اللہ سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے اس حال میں کہ وہ منبر پر تھے، فرمایا: لوگو! بلاشبہ شان یہ ہے کہ کوئی شخص اس چیز کو روکنے والا نہیں جو اللہ عطا کرے اور کوئی اس چیز کو دینے والا نہیں جسے اللہ روک لے اور کسی بزرگی (طاقت اور مالداری) والے کو اس کی بزرگی اس (اللہ کی پکڑ) سے (بچانے کے لیے) نفع نہیں دے سکتی، (ہاں نیک اعمال اور

[1624] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب القدر، باب وکان امر اللّٰہ قدرامقدورا، حدیث: 6601، 2140، 2723، 2727، 5152، صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب تحریم الجمع بین المراۃ وعمتھاوخالتھا، حدیث: 1408/ 38، ابو داود: 2176، ترمذی: 1190، نسائی: 4510، احمد: 2/ 238 (7247)۔

[1625] (مرفوع صحیح) طبرانی فی المعجم الکبیر: 19/ 292، طحاوی فی مشکل الآثار: 4/ 387 (1684)، بیھقی فی القضاء و القدر: ص 308، بخاری فی الادب المفرد: 1/ 349۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ یہ سند صحیح ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں، نیز دیکھیے بخاری: 71، 844، مسلم: 593، 1037۔

الْكَلِمَاتِ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى هٰذِهِ الْأَعْوَادِ.

رحمت الٰہیہ ہی کے سبب اُسے نجات مل سکتی ہے) جس کسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کر لے اُسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے۔'' پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے یہ کلمات رسول اللہ ﷺ سے سنے تھے، (جنھیں آپ ﷺ اسی منبر کی) انھی لکڑیوں پر (ارشاد فرما رہے تھے)۔

فائدہ :...... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بیان کردہ شروع والے الفاظ حدیث عقیدہ مومن اور خصوصاً تقدیر پر ایمان کو بہت پختہ کر دیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ ہر فرض نماز کے بعد بھی دعائیہ انداز میں ان کلمات کو یوں ادا کیا کرتے تھے: ﴿اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ﴾ (بخاری: 844، مسلم: 593)۔

[1626] وَحَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، أَنَّهُ كَانَ يُقَالُ: الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ كَمَا يَنْبَغِي، الَّذِي لَا يَعْجَلُ شَيْءٌ أَنَاهُ وَقَدَّرَهُ، حَسْبِيَ اللّٰهُ وَكَفَى، سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ دَعَا، لَيْسَ وَرَاءَ اللّٰهِ مَرْمَى.

امام مالک رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھیں یہ خبر پہنچی کہ بلاشبہ (گزشتہ دور میں کلمۂ شکر اور حمد وثناء کے طور پر) کہا جاتا تھا کہ ''ہر قسم کی تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے ہر چیز اسی طرح پیدا کی جیسے اس کے لیے مناسب تھا، کوئی ایسی چیز جلدی نہیں آسکتی جسے اللہ نے مؤخر کر دیا ہے اور (اس کا بعد میں آنا) مقدر کر رکھا ہے۔ مجھے اللہ ہی کافی ہے، (ہر کام میں مجھے) وہی کفایت کرتا ہے، جو بھی اُسے پکارے، اللہ (اس کی پکار) سنتا ہے، اللہ کے سوا کوئی ایسی انتہا نہیں جہاں دعا بھیجی جائے۔

فائدہ :...... ''مَرْمٰی'' تیر پھینکے جانے کی جگہ کو کہتے ہیں یعنی وہ انتہا اور ہدف جہاں تیر پھینکا جاتا ہے، چونکہ دعا بھی تیر کی طرح کارگر ہوتی ہے اس لیے یہ تشبیہ دی گئی ہے۔

[1627] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، أَنَّهُ كَانَ يُقَالُ: إِنَّ أَحَدًا لَنْ يَمُوتَ حَتّٰى يَسْتَكْمِلَ رِزْقَهُ، فَأَجْمِلُوا فِي الطَّلَبِ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ (پہلے دور میں) یہ کہا جاتا تھا کہ یقیناً کوئی شخص اس وقت تک نہیں مرتا، جب تک کہ اپنا رزق پورا حاصل نہ کر لے۔ لہٰذا (رزق اور معاش ڈھونڈنے اور) طلب کرنے میں خوبصورتی (اور اعتدال وخوش اسلوبی) اختیار کرو۔

[1626] (مقطوع ضعیف) بزار: 3203۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔

[1627] (مقطوع ضعیف) ابن ماجه، كتاب التجارات، باب الاقتصاد فى طلب المعيشة، حديث: 2144۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

فائدہ: ......اس مفہوم کے الفاظ رسول اللہ ﷺ سے بھی ثابت ہیں۔(ابن ماجہ: 2144۔امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔زرقانی:4/ 336) اس حدیث مبارکہ میں سمجھایا گیا ہے کہ یہ ہو نہیں سکتا کہ جو رزق تمھارے مقدر میں لکھا گیا ہے کوئی دوسرا شخص اس میں سے ایک ذرہ برابر چھین لے یا تم اس سے ایک ذرہ بھر زیادہ حاصل کرلو تو پھر کیا ضرورت ہے خود کو تھکانے کی، پریشان رکھنے کی، حرص ولالچ ظلم وزیادتی اور دھوکا وفریب کی......ہاں صرف اتنا ضروری ہے کہ اللہ کی عطا کردہ صلاحیتوں اور اعضاء کے ذریعے حلال کمانے کی کوشش میں لگے رہو اور ذکر الٰہی اور تعمیل فرامین الٰہیہ میں کوتاہی نہ کرو۔

10- بَابُ مَا جَاءَ فِي حُسْنِ الْخُلُقِ
خوش خُلقی کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں آٹھ روایات ہیں پانچ مرفوع (احادیث نبویہ ﷺ) ہیں جن میں سے تین صحیح، ایک حسن اور ایک ضعیف ہے اور باقی تین مقطوع (آثار تابعین رحمہم اللہ) ہیں جن میں سے دو صحیح اور ایک ضعیف ہے۔

[1628] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ قَالَ: آخِرُ مَا أَوْصَانِي بِهِ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ حِينَ وَضَعْتُ رِجْلِي فِي الْغَرْزِ أَنْ قَالَ: أَحْسِنْ خُلُقَكَ لِلنَّاسِ يَا مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ.

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے (یمن کی طرف بھیجتے وقت جو آخری وصیت فرمائی، جس وقت کہ میں نے رکاب میں اپنا پاؤں رکھ لیا تھا، آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''اے معاذ بن جبل! لوگوں کے لیے اپنا اخلاق خوبصورت رکھنا (اور خوش خلقی سے پیش آنا)۔''

[1629] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ، أَنَّهَا قَالَتْ: مَا خُيِّرَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فِي أَمْرَيْنِ قَطُّ، إِلَّا أَخَذَ أَيْسَرَهُمَا،

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ پیغمبر ﷺ سے روایت ہے، کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو جب کبھی بھی کوئی سے دو کاموں میں اختیار دیا گیا، تو ضرور آپ نے ان میں سے زیادہ آسان (اور زیادہ تخفیف والے) کام کو اختیار کیا، جب تک

[1628] (مرفوع ضعیف)بیہقی فی شعب الایمان: 6/ 245(8029)، ابن سعد فی الطبقات الکبری: 3/ 585۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

[1629] (مرفوع صحیح)صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب صفة النبی ﷺ، حدیث:3560، 6126، 6786۔ 6853، صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب مباعدته للآثام واختیاره من المباح اسهله، حدیث: 2327، ابوداود: 4785، نسائی فی الکبری:9163، احمد:6/ 115(25358).

مَا لَمْ يَكُنْ إِثْماً، فَإِنْ كَانَ إِثْماً، كَانَ أَبْعَدَ النَّاسِ مِنْهُ، وَمَا انْتَقَمَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لِنَفْسِهِ، إِلَّا أَنْ تُنْتَهَكَ حُرْمَةُ اللّٰهِ، فَيَنْتَقِمُ لِلّٰهِ بِهَا.

کہ وہ (آسان کام) گناہ نہ ہوتا، چنانچہ اگر وہ گناہ ہوتا تو آپ ﷺ لوگوں میں سب سے بڑھ کر اس سے دور رہنے والے ہوتے اور رسول اللہ ﷺ نے (کبھی) اپنی ذات کے لیے انتقام نہیں لیا، الا یہ کہ اللہ کی حرمت کو پامال کیا جاتا تو پھر آپ ﷺ اس کی وجہ سے اللہ کی خاطر انتقام لیتے تھے۔

[1630] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ.

حضرت علی بن حسین بن علی بن ابی طالب رحمہ اللہ (المعروف زین العابدین) سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آدمی کے اسلام کے حسن (اور خوبی) میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اس چیز کو چھوڑ دے جو اسے مقصود نہیں ہے۔''

فائدہ: ......یعنی ہر وہ امر اور معاملہ جو لایعنی، بے فائدہ اور فضول ہو، اس کو چھوڑ دینا اسلام کو حسین اور کامل بناتا چلا جاتا ہے۔ خواہ یہ لایعنی امر کوئی ایسی بات ہو یا کام یا سوچ یا فن یا علم ہو جو دنیا و آخرت میں مفید نہ ہو۔ امام ابوداود رحمہ اللہ کہتے ہیں: دین میں بنیادی حیثیت رکھنے والی احادیث چار ہیں: ایک یہ مذکورہ حدیث، دوسری (إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ) ''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے'' (بخاری: 1، مسلم: 1907)، تیسری (اَلْحَلَالُ بَيِّنٌ......) ''حلال بھی واضح ہے......'' (بخاری: 2051، مسلم: 1599) اور چوتھی: (ازْهَدْ فِي الدُّنْيَا......) ''دنیا میں بے رغبت ہو جا......'' (ابن ماجہ: 4102 اس کی سند مجموع طرق سے صحیح ہے، الصحیحۃ: 944) حمزہ کنانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ مذکورہ بالا اسلام کا تہائی حصہ ہے، دوسرا حصہ ''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے'' والی حدیث اور تیسرا حصہ ''حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے۔ والی حدیث۔'' بعض کہتے ہیں کہ یہ مذکورہ حدیث اسلام کا نصف ہے اور بعض نے اسے مکمل اسلام کہا ہے۔ (زرقانی: 4/ 340)

[1631] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ، أَنَّهَا قَالَتْ: اسْتَأْذَنَ

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ پیغمبر ﷺ سے روایت ہے، کہتی ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے (آنے کی

[1630] (مرفوع حسن) جامع الترمذی، کتاب الزھد، باب حدیث من حسن اسلام المرء، حدیث: 2318، سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب کف اللسان فی الفتنۃ، حدیث: 3976، احمد: 1/ 201 (1737)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو شواہد کی بنا پر حسن قرار دیا ہے۔

[1631] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب الادب، باب لم یکن النبی ﷺ فاحشا ولا متفحشا، حدیث: 6032، 6054، 6131، صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب مداراۃ من یتقی فحشہ، حدیث: 2591، ابوداود: 4791، ترمذی: 1996، نسائی فی الکبری: 10066، احمد: 6/ 37 (24607).

رَجُلٌ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، قَالَتْ عَائِشَةُ: وَأَنَا مَعَهُ فِي الْبَيْتِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: بِئْسَ ابْنُ الْعَشِيرَةِ ثُمَّ أَذِنَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ. قَالَتْ عَائِشَةُ: فَلَمْ أَنْشَبْ أَنْ سَمِعْتُ ضَحِكَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ مَعَهُ، فَلَمَّا خَرَجَ الرَّجُلُ قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ قُلْتَ فِيهِ مَا قُلْتَ، ثُمَّ لَمْ تَنْشَبْ أَنْ ضَحِكْتَ مَعَهُ. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: إِنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ مَنِ اتَّقَاهُ النَّاسُ لِشَرِّهِ.

اجازت طلب کی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ اس وقت میں آپ ﷺ کے ہمراہ گھر میں تھی تو رسول اللہ ﷺ نے (میرے پاس) فرمایا: "یہ قبیلے کا برا آدمی ہے" پھر آپ ﷺ نے اسے اجازت دے دی، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں ابھی زیادہ دیر ٹھہری نہ تھی کہ میں نے سنا کہ رسول اللہ ﷺ اس کے ساتھ ہنس رہے تھے۔ پھر جب وہ آدمی چلا گیا تو میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ نے اس کے متعلق جو کچھ بھی کہا سو کہا، پھر آپ کو زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ آپ ﷺ اس کے ساتھ ہنسنے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "یقیناً لوگوں میں سے بدترین آدمی وہ ہے کہ لوگ اس کے شر کی وجہ سے اس سے بچیں۔"

فائدہ :...... اکثر شارحین کے نزدیک اس سے مراد عیینہ بن حصن فزاری ہے جو عہد صدیقی میں مرتد ہوگیا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے قتل کا حکم صادر فرمایا تھا۔ امام شافعی رحمہ اللہ سے نقل کیا جاتا ہے کہ اسے قتل کردیا گیا تھا لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے نزدیک یہ شخص بعد میں پھر مسلمان ہوگیا تھا۔ واللہ اعلم...... سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ "تو نے کب مجھے فحش گوئی کرنے والا پایا؟" (بخاری:6032) آپ ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ میں نے اس کے سامنے وہ رویہ اختیار کیا تھا جو حسن اخلاق کا تقاضا تھا اور تمھارے سامنے جو اس کے شر کا تذکرہ کیا تو اس سے مقصود لوگوں کو اس سے محتاط رکھنا ہے...... اس حدیث اور دیگر حدیث مبارکہ کی روشنی میں اہل علم نے ان صورتوں کو مستثنیٰ کیا ہے جن پر غیبت کا حکم لاگو نہیں ہوتا۔ اُن میں سے اہم حسب ذیل ہیں: (1) مسلمانوں کو تحفظ دلانے کے لیے کسی شریر کے شر سے آگاہ کرنا۔ (2) مشورہ طلب کرنے والے کو امانتداری سے مکمل صورتحال کی خبر دینا۔ (3) مفتی و شیخ کو مکمل صورتحال بتا کر فتویٰ و مسئلہ دریافت کرنا۔ (4) مظلوم کا اپنے اوپر ہونے والے ظلم کو کھل کر بیان کرنا۔ (5) قرآن و سنت میں بیان شدہ گزشتہ کافروں اور جہنمیوں کا ازروئے عبرت تذکرہ کرنا۔ (6) کھلم کھلا گناہ اور برائی کرکے اور اس پر خوش ہونے اور اس عمل کی شہرت کے خواہش مند فاسق کا ذکر کرنا۔ (7) معلم، والدین یا سلطان کو ان کے کسی ماتحت کے متعلق تفصیل سے بتانا لیکن صرف اور صرف برائی کی روک تھام اور اصلاح کے لیے ایسا کرنا۔ (8) حفاظتِ حدیث کی خاطر راویوں پر جرح کرنا۔ (9) پہچان اور شناخت کے لیے کسی جسمانی نقص وغیرہ کو بیان کرنا، (10) غیر مسلموں کے عیوب

ذکر کرنا۔

[1632] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَمِّهِ أَبِي سُهَيْلِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ كَعْبِ الْأَحْبَارِ، أَنَّهُ قَالَ: إِذَا أَحْبَبْتُمْ أَنْ تَعْلَمُوا مَا لِلْعَبْدِ عِنْدَ رَبِّهِ، فَانْظُرُوا مَاذَا يَتْبَعُهُ مِنْ حُسْنِ الثَّنَاءِ.

کعب احبار رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب تم یہ جاننا چاہو کہ بندے کے لیے اس کے رب کے ہاں کیا کچھ ہے (اچھا انجام یا برا انجام) تو دیکھو کس طرح کی تعریف اس کا پیچھا کرتی ہے۔

فائدہ: ...... جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی ایک جنازے کے موقع پر مومنوں کو زمین پر اللہ کے گواہ قرار دیا تھا۔ (بخاری: 1367، 2642، مسلم: 949) لہٰذا جب ایمان دار افراد اور اہل خیر کسی فوت شدہ شخص کو اچھے لفظوں سے یاد کریں تو قوی امید ہے کہ وہ اللہ کے ہاں بھی ایسا ہی ہوگا۔

[1633] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّهُ قَالَ: بَلَغَنِي أَنَّ الْمَرْءَ لَيُدْرِكُ بِحُسْنِ خُلُقِهِ دَرَجَةَ الْقَائِمِ بِاللَّيْلِ، الظَّامِي بِالْهَوَاجِرِ.

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ مجھے یہ خبر پہنچی: بے شک آدمی اپنے اچھے اخلاق کی بدولت ساری رات (نمازِ تہجد میں) قیام کرنے والے اور دوپہروں کے وقت میں پیاسا رہنے والے (روزہ دار) کا درجہ پالیتا ہے۔

فائدہ: ...... یہ روایت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم ﷺ سے یوں بیان فرمائی ہے: (إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَيُدْرِكُ بِحُسْنِ خُلُقِهِ دَرَجَةَ الصَّائِمِ الْقَائِمِ) ''یقیناً مومن اپنے حسن اخلاق کی وجہ سے (دن بھر) روزہ رکھنے والے (اور رات کو) قیام کرنے والے شخص کا درجہ پالیتا ہے۔'' (ابوداود: 4798، ابن حبان: 1927۔ اس کی سند صحیح ہے۔) اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے (الادب المفرد للبخاری: 284) اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے (احمد: 2/ 220) میں بھی یہی روایت حسن سندوں کے ساتھ مروی ہے، نیز دیکھیے الصحیحۃ: 794، 795۔

[1634] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّهُ قَالَ: سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ يَقُولُ: أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرٍ مِنْ كَثِيرٍ مِنَ الصَّلَاةِ وَالصَّدَقَةِ؟ قَالُوا: بَلَى. قَالَ: إِصْلَاحُ ذَاتِ

سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: کیا میں تمھیں بہت سی نمازوں اور صدقات سے بھی بہتر چیز کی خبر نہ دوں؟ لوگوں نے کہا کہ کیوں نہیں، تو انھوں نے فرمایا: (وہ چیز) آپس کی اصلاح کرنا (ہے) اور اپنے آپ کو بغض

[1632] (مقطوع صحیح) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

[1633] (مقطوع ضعیف) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے۔

[1634] (مقطوع صحیح) ابن عبدالبر فی التمہید: 23/ 145۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

الْبَيْنِ، وَإِيَّاكُمْ وَالْبِغْضَةَ، فَإِنَّهَا هِيَ الْحَالِقَةُ. (باہمی نفرت) سے بچاؤ کیونکہ بلاشبہ وہ تو مونڈ دینے والی (خصلت) ہے۔

فائدہ: ...... اس طرح کے مفہوم والی حدیث رسول اللہ ﷺ سے بھی ثابت ہے۔ چنانچہ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "کیا میں تمھیں روزہ، نماز اور صدقے کے درجے سے بھی افضل چیز کی خبر نہ دوں؟" لوگوں نے عرض کیا: کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! تو آپ ﷺ نے فرمایا: "(وہ ہے) آپس کی اصلاح کرنا اور (اس کے برعکس) آپس کا فساد تو مونڈ دینے والی خصلت ہے۔" (ابوداود: 4919، ترمذی: 2509۔ اس کی سند صحیح ہے) حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ فرمان نبوی ﷺ ہے: "بغض مونڈ دینے والی خصلت ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ وہ بال مونڈتی ہے بلکہ وہ تو دین کو مونڈ کر رکھ دیتی ہے۔" (ترمذی: 2510، اس کی سند حسن ہے۔)

11- بَابُ مَا جَاءَ فِي الْحَيَاءِ

شرم وحیا کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں دو مرفوع روایات ہیں اور دونوں سنداً صحیح ہیں۔

فائدہ: ...... "حیا" کا مطلب یہ ہے کہ ہر برے اور قبیح کام سے دل میں تنگی محسوس کرنا، نیز ملامت و مذمت کے خوف کو بھی حیا کہتے ہیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں: ممدوح اور مذموم، پھر ممدوح (قابل تعریف) حیا جو کہ شریعت میں مقصود و مطلوب ہے، کی دو قسمیں ہیں: فطری اور کسبی۔ چنانچہ وہ تمام حرکات، افعال اور اقوال جو خصوصاً فحاشی و عریانی سے متعلقہ ہوں اور طبیعت ان کے اظہار سے ہچکچاہٹ محسوس کرتی ہو تو یہ ایک فطری حیا ہے جس پر قائم رہنا شریعت میں مطلوب ہے۔ نیز ان کے علاوہ بھی ہر وہ چیز جو اخلاق یا شرعی مذمت و ملامت اور عار کا باعث بن سکتی ہو، اس سے پرہیز کرنا بھی حیا میں داخل ہے...... ہاں بعض کاموں میں ہچکچانا، شرمانا اور حیا کرتے ہوئے ان سے دور رہنا شریعت نے برا جانا ہے، لہٰذا اس قسم کی شرم وحیا مذموم کہلائے گی، مثلاً: علم طلب کرنے اور مسئلہ پوچھنے سے شرما جانا اور لاعلم ہی رہنا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، حق کے ساتھ فیصلہ کرنے، حق قائم کرنے، سچی گواہی دینے اور جہاد فی سبیل اللہ وغیرہ سے شرمانا درست نہیں ہے، کیونکہ یہ خودساختہ حیا دراصل جہالت ہے یا بزدلی ہے یا پھر بے غیرتی ہے۔

[1636] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ صَفْوَانَ بْنِ سَلَمَةَ الزُّرَقِيِّ، عَنْ زَيْدِ بْنِ زید بن طلحہ بن رکانہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ سے مرفوع بیان کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ہر دین

[1636] (مرفوع صحیح لغیرہ) سنن ابن ماجه، كتاب الزهد، باب الحياء، حديث: 4181، بيهقي في شعب الايمان: 6/ 135 (7712)، شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے شواہد کی بنا پر اس روایت کو صحیح لغیرہ قرار دیا ہے، نیز دیکھیے الصحيحة: 940، صحيح الترغيب والترهيب: 2632۔

طَلْحَةَ بْنِ رُكَانَةَ، يَرْفَعُهُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: لِكُلِّ دِينٍ خُلُقٌ، وَخُلُقُ الْإِسْلَامِ الْحَيَاءُ.

کا ایک خُلق (امتیازی خصلت اور نمایاں طریقہ) ہوتا ہے اور اسلام کا خلق حیا ہے۔"

[1637] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ مَرَّ عَلَى رَجُلٍ وَهُوَ يَعِظُ أَخَاهُ فِي الْحَيَاءِ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: دَعْهُ، فَإِنَّ الْحَيَاءَ مِنَ الْإِيمَانِ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ ایک شخص کے پاس سے گزرے اس حال میں کہ وہ اپنے بھائی کو حیا (کرتے رہنے کے معاملے) میں نصیحت کر رہا تھا (کہ یہ کثرت حیا تمہیں دنیوی منافع حاصل نہ کرنے دے گی) تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اسے (اس کی حالت پر) چھوڑ دو کیونکہ بلاشبہ حیا ایمان میں سے ہے۔"

فائدہ: ......یعنی حیا، ایمان کا اہم شعبہ ہے، یہ ایمان ہی کی علامت ہے اور ایمان ہی کی طرح گناہوں سے رکاوٹ ہے۔ ایسی حیا تو جس قدر زیادہ ہو اسی قدر ہی بہتر ہوتی ہے۔

12- بَابُ مَا جَاءَ فِي الْغَضَبِ

غصے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں دو احادیث نبویہ ﷺ ہیں جو سنداً صحیح ثابت ہیں۔

[1638] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ، أَنَّ رَجُلاً أَتَى إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ عَلِّمْنِي كَلِمَاتٍ أَعِيشُ بِهِنَّ، وَلَا تُكْثِرْ عَلَيَّ فَأَنْسَى. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: لَا تَغْضَبْ.

حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے کچھ ایسے کلمات سکھایئے کہ ان کے ساتھ (نفع اٹھاتے ہوئے اپنی پوری) زندگی گزاروں اور مجھ پر زیادہ (احکامات اور اس قدر ذمہ داریوں کا بیان) نہ کیجیے گا کہ میں بھول جاؤں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "غصہ نہ کیا کر۔"

[1637] (مرفوع صحیح)صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب الحیاء من الایمان، حدیث: 24، 6118، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان عددشعب الایمان، حدیث: 36، ابوداود: 4795، ترمذی: 2615، نسائی: 5036، ابن ماجه: 58، احمد:2/ 56(5183).

[1638] (مرفوع صحیح لغیرہ)احمد:5/ 373، عبدالرزاق:11/ 187(20286)، بیھقی:10/ 105۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو صحیح لغیرہ کہا ہے۔

فائدہ: ...... یہ روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی بیان کی ہے۔ (بخاری:6116، ترمذی:2020)
غصہ دبا لینے والا شخص شیطان کے ہرداؤ اور سازش کو دبانے پر قدرت پاسکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے متعدد لوگوں کے سوال پر یہی وصیت فرمائی، مثلاً: حضرت جاریہ بن قدامہ، حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی، حضرت ابودرداء، اور حضرت ابن عمر اور حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہم (زرقانی:4/ 348) یہ نصیحت بہت جامع ہے، غصہ جہاں انسان کا چہرہ بدصورت بناتا ہے وہیں اس کی عقل پر بھی پردہ ڈال دیتا ہے اور انسان سے وحشیانہ حرکات صادر ہونے لگتی ہیں، مثلاً: مار پیٹ، گالی گلوچ، بے حرمتی و توہین، قطع رحمی، حتیٰ کہ بعض اوقات قتل بھی ہو جاتا ہے۔ اسی طرح دل میں بغض و کینہ، حسد و کدورت، نفرت و آتش، انتقام جیسی بد خصلتیں جگہ پکڑ لیتی ہیں اور قدم قدم پر رب کی نافرمانی ہونے لگتی ہے...... یاد رہے کہ غصہ آنا ایک فطری امر ہے جسے بالکل ختم کرنا تو انسان کے اختیار میں نہیں ہے۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ کے فرمان مبارک کا یہ مطلب نکلتا ہے کہ جس جس موقع پر غصہ میں آنا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں، وہاں سب سے پہلے تو حتی الوسع کوشش کرو کہ غصہ نہ ہی آئے۔ اس چیز کو حاصل کرنے کے دو طریقے ہیں: ایک تو یہ کہ حوصلہ و برداشت، تحمل و بردباری، عفو و درگزر اور صبر اختیار کر کے غصہ پی لیا جائے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ان مواقع اور اسباب کے قریب بھی نہ پھٹکا جائے جو غصے پر آمادہ کرتے ہیں...... پھر اگر غصہ آ ہی جائے تو خود پر قابو اور کنٹرول رکھا جائے اور غصہ ختم کرنے کے وہ طریقے اختیار کیے جائیں جو آئندہ روایت کے تحت بیان کیے جائیں گے...... یہ بھی یاد رہے کہ بعض معاملات و مقامات میں غصہ کرنا ایک قابل تعریف صفت ہے، مثلاً: فسق و فجور پر غصہ آنا جو کہ تبلیغ و اصلاح پر اور شرعی حدود کے نفاذ پر آمادہ کرتا ہے، اسی طرح مخالفین اسلام پر غصہ آنا جو کہ جہاد فی سبیل اللہ کا باعث بنتا ہے، اسی طرح بعض اوقات کسی شخص کو غصہ دکھا کر اسے غلطی پر متنبہ کرنا زیادہ مفید ثابت ہوتا ہے۔

[1639] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَيْسَ الشَّدِيدُ بِالصُّرَعَةِ، إِنَّمَا الشَّدِيدُ الَّذِي يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”(کامل اور اصلی) طاقتور (اور زور آور) شخص وہ نہیں جو (مدمقابل کو) بہت زیادہ پچھاڑ دینے والا ہو، (بلکہ) بلاشبہ (کامل درجے کا) طاقتور تو صرف اور صرف وہ شخص ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ پر قابو رکھے۔“

فائدہ: ...... اگرچہ کشتی کرتے وقت پچھاڑ دینے والا زیادہ طاقتور سمجھا جاتا ہے لیکن غصہ دبا لینے والا اس

[1639] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب الادب، باب الحذر من الغضب، حدیث:6114، صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب فضل من یملك نفسه عندالغضب، حدیث: 2609، نسائی فی الکبریٰ: 10226، احمد: 2/ 236(7218)۔

سے بھی بڑا طاقتور ہے...... "صُـرَعه" کی راء پر زبر ہے، اگر اس کو ساکن پڑھیں گے تو معنی بالکل الٹ ہو جائیں گے یعنی پچھاڑا جانے والا اور ہارنے والا، غصہ کنٹرول کرنے کے لیے (اَعُوْذُبِـالـلّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ) پڑھنا چاہیے۔ (بخاری: 3282) مزید طریقے یہ ہیں: خاموش رہنا (صحيح الجامع: 693)، آدمی کھڑا ہو تو بیٹھ جائے، اگر غصہ ختم ہو جائے تو ٹھیک ہے ورنہ لیٹ جائے۔ (ابو داود: 4782، صحيح الجامع: 694)

13- بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُهَاجَرَةِ

قطع تعلقی کا بیان

خلاصة الباب اس باب میں چھ روایات ہیں، پانچ مرفوع (احادیث نبویہ ﷺ) ہیں جن میں سے ایک ضعیف ہے اور باقی سب بخاری و مسلم کی روایات میں سے ہیں اور ایک موقوف روایت (اثر صحابی رضی اللہ عنہ) ہے جو کہ مسلم شریف میں موجود ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

[1640] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ، عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يُهَاجِرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ، يَلْتَقِيَانِ فَيُعْرِضُ هٰذَا وَيُعْرِضُ هٰذَا، وَخَيْرُهُمَا الَّذِي يَبْدَأُ بِالسَّلَامِ.

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ تین راتوں سے زیادہ اپنے (مسلمان) بھائی کو چھوڑے رکھے (اور صورتحال یہ ہو جائے کہ کسی راستے میں) دونوں مل جائیں تو یہ بھی اعراض کرلے اور وہ بھی منہ پھیر لے اور ان دونوں میں بہترین وہ ہے جو سلام کہنے میں آغاز کرے۔''

فائدہ: ...... یہ شریعت مطہرہ کا مبنی بر اعتدال بہترین فیصلہ ہے طبعی تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر ہر چیز کی حدود متعین کردی گئی ہیں۔ چنانچہ بول چال کی بندش میں تین دن تک کا جواز رکھا گیا ہے۔ اگرچہ بہتر تو یہی ہے کہ فوری درگزر کیا جائے، لیکن پھر بھی اگر غصہ برقرار رہے تو تین دن تک کی گنجائش ہے، اس کے بعد دل راضی ہو یا نہ ہو، ہر مسلمان پر ایک مسلم ہونے کے ناطے ضروری ہے کہ غصہ بھلا کر کم از کم سلام ضرور کہے...... یاد رہے کہ یہ تین دن تک کی پابندی صرف اس قطع تعلقی کے بارے میں ہے جو دنیوی معاملات سے متعلقہ ہو، رہا دین کا معاملہ، مثلاً: کسی کے بدعتی ہونے یا خلاف سنت رویہ اختیار کرنے پر قطع تعلقی کرنا تو وہ اس سے بھی زیادہ جائز ہے جیسا کہ غزوہ تبوک سے پیچھے رہ جانے

[1640] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب الادب، باب الهجرة، حديث: 6077، 6237، صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب تحريم الهجر فوق ثلاثة ايام بلاعذر شرعى، حديث: 2560، ابو داود: 4911، ترمذى: 1932، احمد: 5/ 422(23982).

والے تین صحابہ کا پچاس دن تک سوشل بائیکاٹ کیا گیا۔ اسی طرح بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے بیٹوں یا احباب سے اسی بنا پر لمبی قطع تعلقی کی، نیز بدعتی فرقوں والے افراد سے کبھی ملاقات نہ کی اور عقیدہ "اَلْوَلاء وَالْبَراء" کا بھی یہی تقاضا ہے۔

[1641] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَا تَبَاغَضُوا، وَلَا تَحَاسَدُوا، وَلَا تَدَابَرُوا، وَكُونُوا عِبَادَ اللّٰهِ إِخْوَاناً، وَلَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يُهَاجِرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "نہ ایک دوسرے سے بغض رکھو اور نہ باہم حسد کرو اور نہ ہی ایک دوسرے سے پیٹھ پھیرو اور اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ اور کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے (مسلم) بھائی کو تین راتوں سے زیادہ چھوڑے رکھے۔"

قَالَ مَالِكٌ: لَا أَحْسِبُ التَّدَابُرَ إِلَّا الْإِعْرَاضَ عَنْ أَخِيكَ الْمُسْلِمِ، فَتُدْبِرَ عَنْهُ بِوَجْهِكَ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: (حدیث میں بیان شدہ) "اَلتَّدَابُر" سے مراد، میں اس کے علاوہ کچھ خیال نہیں کرتا کہ تم اپنے مسلمان بھائی سے اعراض کرو (وہ تم سے اپنا منہ پھیرے) اور تم اس سے اپنا چہرہ پھیرو۔

[1642] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ، فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ، وَلَا تَجَسَّسُوا، وَلَا تَحَسَّسُوا، وَلَا تَنَافَسُوا، وَلَا تَحَاسَدُوا، وَلَا تَبَاغَضُوا، وَلَا تَدَابَرُوا، وَكُونُوا عِبَادَ اللّٰهِ إِخْوَاناً.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اپنے آپ کو بدگمانی سے بچاؤ، کیونکہ بلاشبہ بدگمانی سب سے بڑی جھوٹی بات ہے (جو تمھارے دل میں آتی ہے) اور نہ تم جاسوسی کرو اور نہ ٹوہ لگاؤ اور نہ دنیا میں حرص کرو اور نہ باہم حسد کرو اور نہ ایک دوسرے سے بغض رکھو اور نہ ایک دوسرے سے پیٹھ پھیرو اور اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ۔"

فائدہ: ......مومن کے متعلق اچھا گمان رکھنا چاہیے، برا خیال رکھنا شیطانی عمل میں سے ہے اور گناہ ہے۔

[1641] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب الادب، باب الهجرة، حدیث: 6076، 6065، صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب تحریم التحاسد والتباغض والتدابر، حدیث: 2559، ابوداود: 4910، ترمذی: 1935، احمد: 3/ 110(12097).

[1642] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب الادب، باب یاایها الذین امنوا اجتنبوا کثیرا من الظن، حدیث: 6066، 5143، 6064، 6724، صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب تحریم الظن والتجسس والتنافس، حدیث: 2563، ابوداود: 4917، ترمذی: 1988، احمد: 2/ 465(10002).

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ ﴾ (الحجرات 49: 12) ''اے ایمان والو! بہت سی بدگمانیوں سے بچو، بلاشبہ بعض گمان گناہ ہیں۔'' (لَا تَجَسَّسُوْا) (جیم کے ساتھ) کا لفظ جاسوسی سے تعلق رکھتا ہے اور (لَا تَحَسَّسُوْا) (حاء کے ساتھ) حواس سے تعلق رکھتا ہے۔ متعدد شارحین نے ان دونوں لفظوں کو ہم معنی قرار دیا ہے اور تکرار سے مقصود تاکید ہے، لیکن بعض علماء نے ان دونوں میں مختلف فرق بیان کیے ہیں: (1) جیم کے ساتھ ہو تو مطلب یہ ہے کہ خفیہ امور کے پیچھے پڑنا اور حاء کے ساتھ ہو تو ان ظاہری امور کی ٹوہ لگانا مراد ہے جنھیں حواس خمسہ سے معلوم کیا جا سکے۔ (2) پہلے لفظ سے مراد ہر قسم کے عیوب تلاش کرنا اور دوسرے سے مراد لوگوں کی باتوں کو خفیہ طریقے سے سننا مراد ہے۔ (3) پہلے سے مراد خاص یعنی ہاتھ کے ساتھ ٹٹولنا اور دوسرے سے عام معنی مراد ہیں یعنی تمام حواس کے ساتھ ٹوہ لگانا...... (لَا تَنَافَسُوْا) سے بعض نے حسد ہی مراد لیا ہے، بعض نے حسد اور تنافس میں یہ فرق کیا ہے کہ تنافس وہ رغبت ہے جو حسد کا سبب بنتی ہے۔ اکثر علماء کے ہاں لَا تَنَافَسُوْا سے مراد صرف دنیا میں حرص اور رغبت کرنا ہے۔ (كُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا) اس جملے کی نحوی تراکیب مندرجہ ذیل کی جاتی ہیں: (1) (كُوْنُوْا) فعل ناقص، اس میں (اَنْتُم) ضمیر اس کا اسم، (عِبَادَ اللّٰهِ) پہلی خبر اور (اِخْوَانًا) دوسری خبر، ترجمہ یوں ہوگا: ''تم اللہ کے بندے (اور) بھائی بھائی بن جاؤ۔'' (2) (عِبَادَ اللّٰه) منادیٰ ہے اور اس کا حرف نداء محذوف ہے اور (اِخْوَانًا) خبر ہے كُوْنُوْا کی، اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا: ''تم اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ۔'' (3) عِبَادَ اللّٰه خبر ہے كُوْنُوْا کی، اور اِخْوَانًا حال ہے كُوْنُوْا اسم یا خبر ہے۔ (4) عِبَادَ اللّٰه مبدل منہ اور اِخْوَانًا بدل ہے، مبدل منہ اپنے بدل سے مل کر كُوْنُوْا کی خبر۔ (5) عِبَادَ اللّٰهِ منصوب ہے اختصاص کی بنا پر، اس کے پیچھے اَخُصُّ محذوف ہے، اسے منصوب علی الاغراء بھی کہتے ہیں، جبکہ اِخْوَانًا منصوب ہے كُوْنُوْا کی خبر ہونے کی بنا پر، ترجمہ یوں ہوگا: ''تم، میں اللہ کے بندوں کو خاص کر رہا ہوں، تم بھائی بھائی بن جاؤ۔'' یعنی تم وہ لوگ ہو جن کو اللہ کے ساتھ خاص تعلق ہے، اس نسبت کا تقاضا یہ ہے کہ بھائی بھائی بن کر رہو۔

[1643] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي مُسْلِمٍ عَبْدِ اللّٰهِ الْخُرَاسَانِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: تَصَافَحُوا يَذْهَبِ الْغِلُّ، وَتَهَادَوْا تَحَابُّوا وَتَذْهَبِ الشَّحْنَاءُ.

عطاء بن عبداللہ خراسانی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایک دوسرے سے مصافحہ کیا کرو (دل کا) کینہ جاتا رہے گا اور ایک دوسرے کو ہدیہ (تحفہ) دیتے رہا کرو، تم ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو گے اور دشمنی جاتی رہے گی۔''

[1643] (مرفوع ضعيف بهذا اللفظ) عبدالله بن وهب في الجامع: 1/ 353، شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو ان لفظوں کے ساتھ ضعیف قرار دیا ہے۔

فائدہ : ...... یہ روایت اگر چہ منقطع ہے لیکن مصافحے کے مذکورہ فائدے کے متعلق متعدد روایات موجود ہیں جن کی سندوں کو ابن عبدالبر نے حسن قرار دیا ہے۔ (زرقانی:4/ 357) ہدیے کے متعلق مذکورہ بالا نتائج وفضائل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حسن درجے کی روایت میں ثابت ہیں، دیکھیے (ترمذی:2130، بیهقی: 6/ 196، الادب المفرد للبخاری: 1/ 306 (594)، مسند ابی یعلیٰ: 11/ 9 (6148) الكامل لابن عدی: 4/ 1424، التلخیص الحبیر : 3/ 70، مسند طیالسی:2333، احمد:2/ 405)۔

[1644] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: تُفْتَحُ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَ الاثْنَيْنِ وَيَوْمَ الْخَمِيسِ، فَيُغْفَرُ لِكُلِّ عَبْدٍ مُسْلِمٍ لا يُشْرِكُ بِاللهِ شَيْئاً، إِلَّا رَجُلاً كَانَتْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَخِيهِ شَحْنَاءُ، فَيُقَالُ: أَنْظِرُوا هَذَيْنِ حَتَّى يَصْطَلِحَا، أَنْظِرُوا هَذَيْنِ حَتَّى يَصْطَلِحَا.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جنت کے (آٹھوں) دروازے (ہر) سوموار اور جمعرات کے دن میں کھولے جاتے ہیں، پھر اس مسلمان بندے کی مغفرت فرمادی جاتی ہے جو اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراتا ہو، سوائے اس آدمی کے کہ اس کے درمیان اور اس کے (مسلمان) بھائی کے درمیان دشمنی ہو تو (ان کی مغفرت نہیں ہوتی بلکہ اُن کو موقع اور مہلت دیتے ہوئے فرشتوں سے) کہہ دیا جاتا ہے ان دونوں کو مہلت دے دو، یہاں تک کہ آپس میں صلح کرلیں، ان دونوں کو مہلت دے دو یہاں تک کہ باہم صلح کرلیں۔"

فائدہ : ...... یہ روایت مرفوع (فرمان نبوی ﷺ) ہے جبکہ آئندہ روایت مؤطا میں موقوف (قول صحابی رضی اللہ عنہ) ہے، اس مذکورہ روایت میں جنت کے دروازے کھلنے کا ذکر ہے، جبکہ آگے آنے والی روایت میں اعمال پیش کیے جانے کا تذکرہ ہے۔ نیز اس روایت میں "مسلم" جبکہ آئندہ روایت میں "مومن" کا لفظ ہے۔

[1645] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مُسْلِمِ بْنِ أَبِي مَرْيَمَ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ السَّمَّانِ، عَنْ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: بندوں کے اعمال ہر جمعہ (سات دنوں کے مجموعے میں یعنی

[1644] (مرفوع صحیح) صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب النهی عن الشحناء والتهاجر، حدیث: 2565/ 35، سنن ابی داود، کتاب الادب، باب فی هجرة الرجل اخاه، حدیث: 4916، ترمذی: 2023، ابن ماجه: 1740، احمد:2/ 400 (9188).

[1645] (موقوف صحیح) بیهقی فی شعب الایمان: 3/ 392 (3860)، امام مالک کے شاگرد عبداللہ بن وہب نے اپنی "الجامع" (1/ 384) میں اسی روایت کو رسول اللہ ﷺ سے یعنی مرفوع روایت کیا ہے اور اس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ (مسلم: 2565/ 36).

أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّهُ قَالَ: تُعْرَضُ أَعْمَالُ النَّاسِ كُلَّ جُمُعَةٍ مَرَّتَيْنِ، يَوْمَ الاثْنَيْنِ، وَيَوْمَ الْخَمِيسِ، فَيُغْفَرُ لِكُلِّ عَبْدٍ مُؤْمِنٍ، إِلَّا عَبْداً كَانَتْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَخِيهِ شَحْنَاءُ، فَيُقَالُ: اتْرُكُوا هَذَيْنِ حَتَّى يَفِيئَا، أَوِ ارْكُوا هَذَيْنِ حَتَّى يَفِيئَا.

پورے ہفتے) میں دوبار (رب کے حضور) پیش کیے جاتے ہیں، سوموار کے دن اور جمعرات کے دن چنانچہ ہر مومن بندے کو معاف کردیا جاتا ہے، سوائے اس شخص کے کہ اس کے درمیان اور اس کے بھائی کے درمیان میں دشمنی ہو تو (اس دشمنی کی صورت میں) کہہ دیا جاتا ہے کہ ان دونوں کو چھوڑ دو (اور ان کی مغفرت نہ لکھو) یہاں تک کہ (آپس میں صلح کی طرف) لوٹ آئیں، یا (فرمایا) کہ ان دونوں (کی مغفرت کے معاملے) کو مؤخر کردو یہاں تک کہ وہ لوٹ آئیں۔

فائدہ :......امام مسلم نے اس روایت کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند سے رسول اللہ ﷺ سے بیان کیا ہے ......اس حدیث میں صغیرہ گناہوں کی معافی اور ایک خاص عنایت الٰہیہ کا تذکرہ ہے، رہے کبیرہ گناہ تو ان کے لیے توبہ کی شرط ہے......یادرہے کہ اللہ کے حضور بندوں کے اعمال کی پیشی مختلف لحاظ سے ہوتی ہے۔ چنانچہ روزانہ دوبار پیشی ہوتی ہے، نماز فجر اور نماز عصر میں، پھر سہ روزہ پیشی یعنی ہفتے میں دوبار سوموار اور جمعرات کے دنوں میں ہوتی ہے، پھر سالانہ پیشی لیلۃ القدر میں، پھر ہزار سال بعد، پھر پچاس ہزار سال بعد اور پھر قیامت کے دن آخری پیشی ہوگی۔ ہماری زبان میں سات دنوں کے مجموعے کو عموماً ''ہفتہ'' کہا جاتا ہے جو کہ ایک مخصوص دن کا نام بھی ہے۔ عربی زبان میں سات ایام کے مجموعے کو "أُسْبُوع" بھی کہتے ہیں اور "جُمُعَةٌ" بھی کہتے ہیں جو کہ ایک خاص دن کا نام بھی ہے۔ اسی طرح اس مجموعے کو "سَبْتٌ" بھی کہہ دیتے ہیں جو کہ ایک خاص دن ہفتے کا نام بھی ہے۔

14- بَابُ مَاجَاءَ فِي لُبْسِ الثِّيَابِ لِلْجَمَالِ بِهَا

خوبصورتی حاصل کرنے کے لیے کپڑے پہننے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں تین روایات ہیں، ایک مرفوع (حدیث نبوی ﷺ) ہے جو کہ سنداً صحیح ہے اور دو موقوف (آثار صحابہ رضی اللہ عنہم) ہیں جن میں سے ایک صحیح اور ایک ضعیف ہے۔

فائدہ :......ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ایک شخص یہ پسند کرے کہ اس کے جوتے اور کپڑے حسین ہوں (تو کیا یہ بھی تکبر میں شامل ہے) تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (إِنَّ اللَّهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ الْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ) ''یقیناً اللہ خوبصورت ہیں اور خوبصورتی کو پسند فرماتے ہیں، تکبر تو حق کو ٹھکرانا اور لوگوں کو حقیر جاننے کا نام ہے۔'' (مسلم:91)

[1646] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْأَنْصَارِيِّ، أَنَّهُ قَالَ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فِي غَزْوَةِ بَنِي أَنْمَارٍ. قَالَ جَابِرٌ: فَبَيْنَا أَنَا نَازِلٌ تَحْتَ شَجَرَةٍ، إِذَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ هَلُمَّ إِلَى الظِّلِّ. قَالَ: فَنَزَلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ، فَقُمْتُ إِلَى غِرَارَةٍ لَنَا، فَالْتَمَسْتُ فِيهَا شَيْئاً، فَوَجَدْتُ فِيهَا جِرْوَ قِثَّاءٍ فَكَسَرْتُهُ، ثُمَّ قَرَّبْتُهُ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: مِنْ أَيْنَ لَكُمْ هَذَا؟ قَالَ: فَقُلْتُ خَرَجْنَا بِهِ يَا رَسُولَ اللّٰهِ مِنَ الْمَدِينَةِ. قَالَ جَابِرٌ: وَعِنْدَنَا صَاحِبٌ لَنَا نُجَهِّزُهُ، يَذْهَبُ يَرْعَى ظَهْرَنَا، قَالَ: فَجَهَّزْتُهُ، ثُمَّ أَدْبَرَ يَذْهَبُ فِي الظَّهْرِ وَعَلَيْهِ بُرْدَانِ لَهُ قَدْ خَلَقَا، قَالَ: فَنَظَرَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِلَيْهِ فَقَالَ: أَمَا لَهُ ثَوْبَانِ غَيْرُ هَذَيْنِ؟ فَقُلْتُ: بَلَى يَا رَسُولَ اللّٰهِ لَهُ ثَوْبَانِ فِي الْعَيْبَةِ كَسَوْتُهُ إِيَّاهُمَا. قَالَ: فَادْعُهُ فَمُرْهُ فَلْيَلْبَسْهُمَا قَالَ: فَدَعَوْتُهُ فَلَبِسَهُمَا، ثُمَّ وَلَّى يَذْهَبُ. قَالَ: فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: مَا لَهُ ضَرَبَ اللّٰهُ عُنُقَهُ، أَلَيْسَ هَذَا خَيْراً لَهُ؟ قَالَ: فَسَمِعَهُ الرَّجُلُ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: فِي سَبِيلِ اللّٰهِ

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ غزوہ بنی انمار میں نکلے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، اسی اثنا میں کہ میں ایک درخت کے نیچے پڑاؤ کیے ہوئے تھا کہ اچانک رسول اللہ ﷺ (پر میری نظر پڑی، آپ ﷺ میری طرف) متوجہ ہوئے تو میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! سائے کی طرف تشریف لے آئیں۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ (وہیں) اتر پڑے تو میں (پٹ سن کی بنی ہوئی) ایک بوری کی طرف اٹھا جو کہ ہماری ہی تھی، میں نے اس میں کوئی (کھانے کی) چیز تلاش کی تو میں نے اس میں ایک چھوٹا کھیرا پالیا، چنانچہ میں نے اسے توڑا (اور کاٹ کر پیس بنالیے) پھر میں نے اسے رسول اللہ ﷺ کے قریب کیا، (تاکہ آپ ﷺ اسے تناول فرمالیں) تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ تمھارے پاس کہاں سے آیا؟'' وہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہم اسے مدینہ ہی سے لے کر نکلے تھے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہمارے ساتھ ہمارے ایک صاحب تھے ہم انھیں سامان سفر مہیا کردیتے تھے، وہ (اس کے بدلے سفر کے دوران) ہماری سواریوں کو چرانے لگتے تھے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ (اس دفعہ بھی) ہم نے انھیں تیار کیا (اور سامان سفر مہیا کیا)، پھر وہ مڑے (اور) سواریوں میں جانے لگے۔ اُس وقت ان پر ان کی دو چادریں تھیں، جو کہ بوسیدہ ہو چکی

[1646] (مرفوع صحیح) بیهقی فی دلائل النبوة: 6/ 244، ابن حبان: 12/ 236 (5418)، حاکم: 4/ 183 (7370)، بزار: 3/ 368 (2963)، ابن عساکر فی تاریخ دمشق: 21/ 193۔ شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ یہ صحیح سند ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

قَالَ : فَقُتِلَ الرَّجُلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ . تھیں۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ان پر نظر پڑی تو فرمایا: ''کیا اس کے پاس ان کے علاوہ کوئی اور کپڑے نہیں ہیں؟'' میں نے کہا: کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول! اس کے پاس دو (مزید) کپڑے گٹھڑی میں موجود ہیں، جو میں نے (خود) اسے پہننے کے لیے دیے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو اسے بلاؤ، پھر اسے حکم دو، اسے چاہیے کہ وہ ان دونوں (اچھے) کپڑوں کو پہنے۔'' حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: چنانچہ میں نے اُسے بلایا، سو اُس نے وہ دونوں کپڑے پہن لیے، پھر وہ مڑا اور جانے لگا۔ وہ کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اسے کیا ہوگیا، اللہ اس کی گردن مارے، کیا یہ (لباس) اس کے لیے بہتر نہیں ہے؟'' وہ کہتے ہیں کہ اس شخص نے یہ بات سن لی تو کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! (یہ بھی فرمادیجیے کہ) اللہ کی راہ میں (میری گردن ماری جائے) تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کے راستے میں۔'' چنانچہ وہ شخص اللہ کی راہ میں شہید کر دیا گیا۔

فائدہ :...... رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان: ''اللہ اس کی گردن مارے۔'' تکیہ کلام یا پیار بھری ڈانٹ کے طور پر تھا، یہ بددعا نہ تھی لیکن اس صحابی رضی اللہ عنہ نے اسے دعا کی شکل دلوادی جو شرف قبولیت پا گئی۔ اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ ایک مومن کے لیے یہ شایان شان نہیں کہ وہ قابل نفرت حلیہ بنا کر رکھے، سادگی کی اہمیت اپنی جگہ لیکن ذلت وحقارت اور رسوائی بھی مومن کے لائق شان نہیں...... غزوۂ بنی اَنمار کو غزوۂ غطفان بھی کہتے ہیں لیکن اس کا زیادہ مشہور نام ''غزوۂ ذات الرِقاع'' ہے جس کا تذکرہ پیچھے ''نماز خوف'' کے بیان میں سب سے پہلی حدیث (440) میں گزر چکا ہے، یہ غزوہ قبیلہ انمار یا بنو غطفان کی دو شاخوں بنی ثعلبہ و بنی محارب کے اکٹھے لشکر کے خلاف ہوا۔ عام اہل مغازی نے اسے 4ھ اور بعض نے 3ھ میں ذکر کیا ہے لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کا زمانہ وقوع 7ھ کو ذکر کیا ہے اور یہی راجح ہے کیونکہ اس غزوہ میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی شریک تھے اور ان دونوں کا نبی کریم ﷺ کے پاس آنا 7ھ کے آغاز میں تھا۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے الرحیق المختوم: ص 516-519۔

[1647] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، أَنَّهُ بَلَغَهُ : أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ : إِنِّي لَأُحِبُّ أَنْ أَنْظُرَ إِلَى الْقَارِئِ أَبْيَضَ الثِّيَابِ .

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ بے شک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بلاشبہ میں یہ پسند کرتا ہوں کہ قاریٔ قرآن کو سفید کپڑوں میں (ملبوس) دیکھوں۔

فائدہ :...... جو اُس کی شان اور وقار میں اضافہ کرتے ہیں کہ قاری، عالم، معلّم کا سفید لباس عوام میں ان کی عزت و توقیر کا باعث ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے تو ہر کسی کو یہ حکم فرمایا ہے: ''سفید کپڑے پہنا کرو کیونکہ بلاشبہ وہ زیادہ طہارت و پاکیزگی کا باعث ہیں۔'' (ترمذی: 2810، نسائی: 5324، ابن ماجہ: 3567۔ اس کی سند صحیح ہے۔)

[1647] (موقوف ضعیف) ابو نعیم اصبہانی فی حلیۃ الاولیاء: 6/ 328۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

نیز فرمایا: ''اپنے کپڑوں میں سے سفید کو پہنا کرو کیونکہ یقیناً وہ تمھارے بہترین کپڑوں میں سے ہیں۔'' (ابوداؤد: 4061، ترمذی: 994، ابن ماجہ: 1472۔اس کی سند صحیح ہے)۔

[1648] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَيُّوبَ بْنِ أَبِي تَمِيمَةَ، عَنِ ابْنِ سِيرِينَ، قَالَ: قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: إِذَا أَوْسَعَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ، فَأَوْسِعُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ، جَمَعَ رَجُلٌ عَلَيْهِ ثِيَابَهُ.

ابن سیرین رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب اللہ تم پر وسعت کرے تو تم بھی اپنے اوپر وسعت سے کام لیا کرو۔ آدمی اپنے اوپر اپنے (ایک سے زیادہ) کپڑے اکٹھے کر لے (تو زیادہ بہتر ہے)۔

فائدہ:......دراصل ایک صحابی نے رسول اللہ ﷺ سے صرف ایک ہی کپڑے میں نماز ادا کر لینے کے متعلق سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم میں سے ہر کوئی دو کپڑے پاتا ہے؟'' (بعض حالات چونکہ یکساں نہیں رہتے اور بعض اوقات کسی کو دو کپڑے بھی میسر نہیں آتے اور نماز تو ہر حال میں لازم ہے اس لیے ایک کپڑے میں بھی نماز ہو جاتی ہے جس سے ستر ڈھانپا گیا ہو۔) پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ان سے یہی سوال کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ اب چونکہ اللہ کی طرف سے وسعت آ چکی ہے لہٰذا ہر آدمی کوشش کرے کہ دو کپڑوں میں نماز پڑھے، پھر انھوں نے مختلف قسم کے لباسوں کے نام لیے جن میں سے ایک اوپر والے جسم پر اور دوسرا نیچے والے جسم پر پہنا جاتا ہے۔ (بخاری: 365)

نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یقیناً اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں کہ اپنے بندے پر اپنی نعمت کا اثر دیکھیں۔'' (ترمذی: 2819۔اس کی سند حسن ہے۔) نیز فرمایا: ''جب اللہ نے تجھے مال دیا ہو تو چاہیے کہ اللہ کی عطا کردہ نعمت و کرم کا اثر تجھ پر نظر آئے۔'' (ابوداؤد: 4063، نسائی: 5225۔اس کی سند صحیح ہے۔)

15- بَابُ مَاجَاءَ فِي لُبْسِ الثِّيَابِ الْمُصْبَغَةِ وَالذَّهَبِ

رنگین کپڑے اور سونا پہننے کے متعلق بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں ایک موقوف روایت (اثر صحابی رضی اللہ عنہ) ہے جو سنداً صحیح ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاویٰ جات بھی مذکور ہیں۔

[1649] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عبداللہ بن عمر

[1648] (موقوف صحیح) صحیح البخاری، کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ فی القمیص والسراویل، حدیث: 365، عبدالرزاق: 1386.

[1649] (موقوف صحیح) عبدالرزاق: 11/ 78 (19968)، طبقات ابن سعد: 4/ 173۔ شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ یہ شیخین کی شرط کے مطابق صحیح سند ہے۔

عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَلْبَسُ الثَّوْبَ الْمَصْبُوغَ بِالْمِشْقِ، وَالْمَصْبُوغَ بِالزَّعْفَرَانِ.

ؓ اس کپڑے کو پہنا کرتے تھے جو گیرو (سرخ مٹی) سے رنگا گیا ہوتا تھا اور جو زعفران سے رنگا گیا ہوتا تھا۔

فائدہ: ......اور اُن سے اس کا سبب پوچھا جاتا تو فرماتے: رسول اللہ ﷺ بھی اس سے کپڑے رنگتے تھے۔ (نسائی: 5118) زعفران میں خوشبو اور رنگت دونوں چیزیں موجود ہوتی ہیں، کپڑوں اور بالوں میں تو اس کا استعمال درست ہے لیکن مرد کے جسم کے لیے اس کا رنگ جائز نہیں کیونکہ مرد کے لیے وہ زینت کی چیز منع ہے جس سے جسم پر رنگ نمایاں ہو۔ (ترمذی: 2787، نسائی: 5120۔ اس کی سند صحیح ہے) مردوں کے لیے زعفران سے رنگے ہوئے کپڑے پہننے کے جواز کی دلیل وہ حدیث بھی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے انھیں حالت احرام میں پہننے سے منع فرمایا۔ (بخاری: 134) کیونکہ اگر یہ کپڑے سرے سے ہی اور پہلے ہی ناجائز ہوتے تو حالت احرام میں ان سے روکنا عبث ہوتا۔ رہی وہ حدیث جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے زعفران استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (بخاری: 5846) تو اس سے مراد اسے جسم پر بطور زینت لگانا ہے، کیونکہ مرد کے لیے ایسی چیز حرام ہے جس سے جسم پر رنگ چڑھتا ہو۔ امام ترمذی ؒ نے بھی اس کا یہی مفہوم بیان کیا ہے۔ (ترمذی، بعد از حدیث: 2815) نیز داڑھی اور سر کے بالوں پر زعفران لگانا درست ہے۔ (بخاری: 166، ابوداؤد: 4210) اسی طرح نبی اکرم ﷺ سے مختلف رنگوں کے لباس حتیٰ کہ سرخ رنگ کا جُبّہ پہننا بھی ثابت ہے۔ (بخاری: 5848، مسلم: 2337، ابوداؤد: 4072، ترمذی: 1724، نسائی: 5316، ابن ماجہ: 3599)۔ امام بخاری، امام ابوداود، امام ترمذی اور امام ابن ماجہ ؒ نے اپنے عنوانات سے بھی سرخ رنگ کے لباس کی رخصت بیان کی ہے اور جن روایات میں سرخ رنگ کی ممانعت کا تذکرہ ہے وہ یا تو ضعیف ہیں یا پھر کُسُم سے رنگے ہوئے کپڑے کے متعلق ہیں۔ چنانچہ مردوں کے لیے صرف عُصفر یعنی کُسْم (کُسُھ) کے پھولوں سے رنگے ہوئے سرخ رنگ کے کپڑوں کا استعمال حرام ہے اور آپ ﷺ نے اسے کافروں کا لباس قرار دیا ہے۔ (مسلم: 2077) جمہور کا یہی موقف ہے، البتہ احناف اور بعض دیگر علماء نے سرخ رنگ کے ہر لباس کو ممنوع قرار دیا ہے اور جن روایات میں نبی اکرم ﷺ سے صراحت کے ساتھ سرخ جُبّہ کا تذکرہ ہے اُس میں خود ساختہ تاویل کرتے ہیں کہ وہ دھاری دار تھا، یوں وہ ایک رخصت کو ختم کرتے اور ایک وسعت کو تنگی میں بدل دیتے ہیں۔

قَالَ يَحْيَى: وَسَمِعْتُ مَالِكًا يَقُولُ: وَأَنَا أَكْرَهُ أَنْ يَلْبَسَ الْغِلْمَانُ شَيْئًا مِنَ الذَّهَبِ، لِأَنَّهُ بَلَغَنِي: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهَى عَنْ تَخَتُّمِ الذَّهَبِ، فَأَنَا أَكْرَهُهُ لِلرِّجَالِ، الْكَبِيرِ مِنْهُمْ وَالصَّغِيرِ.

امام مالک ؒ نے فرمایا: اور میں یہ ناپسند کرتا ہوں کہ لڑکے سونے کی کوئی چیز پہنیں کیونکہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے سونے کی انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا۔ (اسی لیے) میں اسے مردوں کے لیے ناپسند کرتا ہوں، خواہ ان میں سے کوئی بڑا ہو یا چھوٹا۔

فائدہ :...... بخاری ومسلم کی روایات میں سونے کی انگوٹھی سے مطلقاً ممانعت مذکور ہے۔ (بخاری: 1239، مسلم: 2078) لیکن دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ریشم اور سونے کو پکڑ کر فرمایا تھا: (إِنَّ هٰذَيْنِ حَرَامٌ عَلٰى ذُكُوْرِ أُمَّتِيْ) ''یقیناً یہ دونوں چیزیں بالغ مردوں کے لیے بھی پہننا حرام ہے اور نابالغ لڑکوں کے لیے بھی۔

قَالَ يَحْيَى: وَسَمِعْتُ مَالِكاً يَقُوْلُ فِي الْمَلَاحِفِ الْمُعَصْفَرَةِ فِي الْبُيُوْتِ لِلرِّجَالِ، وَفِي الْأَفْنِيَةِ قَالَ: لَا أَعْلَمُ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئاً حَرَاماً، وَغَيْرُ ذٰلِكَ مِنَ اللِّبَاسِ أَحَبُّ إِلَيَّ.

امام مالک رحمہ اللہ نے گھروں میں یا (گھروں کے سامنے والے) صحنوں میں مردوں کے لیے کُسُم سے رنگے ہوئے لحافوں (گرم چادروں) کے متعلق فرمایا: میں ان میں سے کسی چیز کو حرام نہیں جانتا اور (البتہ) ان کے علاوہ لباس میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے۔

فائدہ :...... یعنی مرد کے لیے تن ڈھانپنے میں کُسُم سے رنگا ہوا لباس تو حرام ہے لیکن لباس کے اوپر موسم سرما میں ایسی چادریں استعمال کرنا حرام تو نہیں البتہ پرہیز بہتر ہے اور انھیں اوڑھ کر محفلوں، مسجدوں اور بازاروں میں جانا تو بالکل غیر مناسب ہے۔

16- بَابُ مَا جَاءَ فِيْ لُبْسِ الْخَزِّ

ریشم اور اُون سے مخلوط کپڑا پہننے کے متعلق بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں ایک موقوف روایت یعنی اثر صحابی رضی اللہ عنہ ہے جو کہ سنداً صحیح ثابت ہے۔

فائدہ :...... ''خَـــــزّ'' دراصل ایک جانور کا نام ہے، پھر یہ لفظ اس جانور کی اُون پر بھی بولا جانے لگا۔ یہاں اس سے مراد وہ کپڑا ہے جو اُون اور ریشم سے ملا کر یوں بنایا جائے کہ جس کا تانا (لمبائی والا دھاگہ) ریشم کا اور بانا (چوڑائی والا دھاگہ) اُون کا ہو۔ کبھی ''خَزّ'' کا لفظ خالص ریشم پر بھی بول دیا جاتا ہے۔

[1650] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ: أَنَّهَا كَسَتْ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ الزُّبَيْرِ مِطْرَفَ خَزٍّ، كَانَتْ عَائِشَةُ تَلْبَسُهُ.

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ پیغمبر ﷺ سے روایت ہے، انھوں نے (اپنے بھانجے) حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو اُون اور ریشم سے مخلوط دھاری دار کپڑا پہنایا جسے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پہنا کرتی تھیں۔

فائدہ :...... ''مُطْرَف'' (میم کے پیش یا زیر کے ساتھ) ریشمی دھاری دار چادر یا چوکور کپڑے کو کہتے ہیں۔

[1650] (موقوف صحيح) عبدالرزاق: 19961، ابن ابی شيبه: 24618، طحاوی فی شرح معانی الآثار: 4/ 256، بيهقی: 3/ 272 (6096)۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ یہ سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بنا ہوا زرد کوٹ پہنا کرتے تھے۔(بخاری:5802) امام ابوداؤد کہتے ہیں کہ بیس یا اس سے بھی زیادہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے خَزّ کا استعمال ثابت ہے۔سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی اسی لیے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو خَزّ کی چادر پہنائی...... یاد رہے کہ مرد حضرات کے لیے خالص ریشم کی حرمت پر اجماع ہے اور خَزّ یعنی ریشم و اُون سے مخلوط کپڑے کے بارے میں اختلاف ہے۔بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسے مکروہ سمجھتے تھے اور بعض مباح خیال کرتے تھے۔ ہمارے نزدیک راجح یہ ہے کہ جس قدر ریشم کے استعمال کی اجازت رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے اس سے زائد ریشم خواہ کپڑے کی بنائی میں ہو یا سلائی میں یا کڑھائی میں استعمال ہو سب حرام ہے اور وہ اجازت زیادہ سے زیادہ چار انگلیوں (ایک چپے) کی مقدار کے متعلق ہے۔(مسلم:2069)

17- بَابُ مَا يُكْرَهُ لِلنِّسَاءِ لُبْسُهُ مِنَ الثِّيَابِ

اُن کپڑوں کا بیان جنھیں پہننا عورتوں کے لیے مکروہ ہے

خلاصۃ الباب اس باب میں تین روایات ہیں،ایک حدیث نبوی ﷺ ہے جو کہ بخاری شریف میں بھی ہے اور دو روایات موقوف (آثار صحابہ رضی اللہ عنہم) ہیں جن میں سے ایک صحیح اور ایک حسن ہے۔

[1651] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ أَبِي عَلْقَمَةَ، عَنْ أُمِّهِ، أَنَّهَا قَالَتْ: دَخَلَتْ حَفْصَةُ بِنْتُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَلَى عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ وَعَلَى حَفْصَةَ خِمَارٌ رَقِيقٌ، فَشَقَّتْهُ عَائِشَةُ، وَكَسَتْهَا خِمَاراً كَثِيفاً.

علقمہ بن ابی علقمہ رحمہ اللہ اپنی والدہ (مرجانہ اُمِ علقمہ جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ لونڈی تھیں) سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتی ہیں: حفصہ بنت عبدالرحمن رحمہا اللہ (اپنی پھوپھی جان) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ پیغمبر ﷺ کے پاس داخل ہوئیں، اس حال میں کہ حفصہ رحمہا اللہ پر ایک باریک دوپٹا تھا تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسے پھاڑ ڈالا اور اسے ایک موٹا دوپٹا اوڑھا دیا۔

[1652] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مُسْلِمِ بْنِ أَبِي مَرْيَمَ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّهُ قَالَ: نِسَاءٌ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ،

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا: ایسی عورتیں جو کپڑے پہننے والی ہوں (لیکن پھر بھی) برہنہ ہوں، مائل ہونے والی اور مائل کرنے والی ہوں، وہ جنت

[1651] (موقوف حسن)بیهقی: 2/ 235(3265)۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

[1652] (موقوف صحيح)بيهقى فى شعب الايمان:6/ 166(7800، 7801)، بغوى فى شرح السنة: 12/ 14 (3083)۔ شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ یہ سند امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے اور حکماً مرفوع ہے۔

مَـائِلَاتٌ مُـمِيلَاتٌ ، لَا يَـدْخُـلْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يَـجِـدْنَ رِيـحَهَا ، وَرِيحُهَا يُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ خَمْسِ مِئَةِ سَنَةٍ .

میں داخل نہ ہوں گی اور نہ ہی اس (جنت) کی خوشبو کو پاسکیں گی حالانکہ اس کی خوشبو تو پانچ سو سال کی مسافت سے سونگھی جاسکتی ہے۔

فائدہ :...... امام مسلم ﷫ نے اس مفہوم کی روایت کو حضرت ابو ہریرہ ﷜ ہی کی سند کے ساتھ رسول اللہ ﷺ سے بیان کیا ہے۔(مسلم:2128) کپڑے پہن کر بھی برہنہ رہنا تین طرح سے ہوتا ہے:(1)اتنے باریک کپڑے پہننا کہ ان سے بدن نظر آئے۔(2)اتنے چھوٹے کپڑے پہننا کہ جسم کے بعض اعضاء ننگے رہ جائیں اور(3) اتنے تنگ کپڑے پہننا کہ جسم کے جنسی اعضاء کے ابھار نمایاں نظر آئیں...... مائل ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ خود اللہ سے اور اس کی شریعت سے ہٹنے والی ہیں یا مردوں کی طرف شہوت کے ساتھ ناجائز طور پر مائل ہونے والی ہیں یا سر میں کنگھی کر کے اس انداز سے بالوں کو اوپر اکٹھا کرتی ہیں کہ جیسے وہ اونٹ کی کوہان ہو اور بالوں کا وہ ابھار ایک جانب جھک سا جاتا ہو یا وہ اپنی چال میں ٹیڑھا پن اختیار کرنے والی اور مٹک مٹک کر چلنے والی ہوں...... کسی کو مائل کرنے سے مراد یہ ہے کہ خاوند کو حق سے ہٹا دینا، یا اجنبی مردوں کو اپنی طرف مائل کرنا، یا مخصوص چال چلتے ہوئے کندھوں کو ہلانا، یا غلط انداز میں مینڈھیاں کرنا...... جنت کی خوشبو سونگھے جانے کی مسافت چالیس سال بھی مروی ہے۔(بخاری: 3166، نسائی: 4754، ابن ماجہ: 2054، 2686) اور ستر سال بھی مروی ہے۔(نسائی:4753، ابن ماجہ: 2687) دراصل یہ فرق اپنے اپنے اعمال کے اعتبار سے ہے، جس کے اعمال زیادہ ہوں گے، وہ دور ہی سے خوشبو سونگھ لے گا اور تھوڑے اعمال والا قریب ہی سے خوشبو سونگھے گا، یا ہوسکتا ہے کہ یہ دونوں عربی محاورے کے طور پر استعمال ہوئے ہوں۔ یعنی محض کثرت مراد ہو اور کسی خاص عدد کی تعیین اور حد بندی مقصود نہ ہو۔

[1653] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ : أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَامَ مِنَ اللَّيْلِ ، فَنَظَرَ فِي أُفُقِ السَّمَاءِ فَقَالَ : مَاذَا فُتِحَ اللَّيْلَةَ مِنَ الْخَزَائِنِ ، وَمَاذَا وَقَعَ مِنَ الْفِتَنِ ، كَمْ مِنْ كَاسِيَةٍ فِي الدُّنْيَا عَارِيَةٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، أَيْقِظُوا صَوَاحِبَ الْحُجَرِ .

ابن شہاب ﷫ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ رات کے وقت اٹھے (بیدار ہوئے)، پھر آپ ﷺ نے آسمان کی طرف دیکھا اور فرمایا: ''آج کی رات اللہ تعالیٰ نے کس قدر خزانے کھول دیے اور کس قدر فتنے واقع ہوگئے، کس قدر دنیا میں کپڑے پہننے والیاں قیامت کے دن برہنہ ہوں گی، حجروں والیوں (اُمہات المومنین) کو جگا دو۔''

[1653] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب العلم، باب العلم والعظة باللیل، حدیث: 115، 1126، 3599، 5844، 6218، 7069، جامع الترمذی، کتاب الفتن، باب ماجاء انه تکون فتنة القاعد فیها خیر من القائم، حدیث: 2196، احمد: 6/ 297(27080).

فائدہ : ...... تا کہ وہ تہجد کے اس وقت میں رب کو راضی کر کے خزانوں کی مستحق بن سکیں اور رب کو راضی کر کے دنیوی فتنوں اور اُخروی عذابوں سے بچنے کا سامان کر لیں۔

18- بَابُ مَا جَاءَ فِي إِسْبَالِ الرَّجُلِ ثَوْبَهُ

آدمی کے اپنے کپڑے کو (ٹخنوں سے نیچے) لٹکانے کا بیان

خلاصۃ الباب : اس باب میں چار مرفوع روایات (احادیث نبویہ ﷺ) ہیں جو کہ سنداً صحیح ہیں۔

فائدہ : ...... ''مومن مرد کے ازار اور تہبند کا اصل مقام نصف پنڈلی ہے۔'' (مسلم:2086)۔ پھر اس سے نیچے ٹخنے تک کے درمیان درمیان ازار لٹکانا مباح ہے اور اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ (ابو داود:4093، ابن ماجہ: 3573۔اس کی سند صحیح ہے)۔ اس سے نیچے کپڑا لٹکانے کا جرم تین قسم کا ہے اور جس قدر ازار نیچے ہوتا چلا جائے گا اُسی قدر جُرم میں شدت آتی چلی جائے گی، چنانچہ ٹخنوں کو ڈھانپنا بھی گناہ ہے کیونکہ ''ٹخنوں کا ازار میں کوئی حق نہیں ہے۔'' (ترمذی: 1783، نسائی: 5331، ابن ماجہ: 3572۔اس کی سند صحیح ہے۔) پھر اس ٹخنے سے نیچے جس قدر ازار لٹکے گا اُسی قدر وہ حصہ جسم وقدم آگ میں جائے گا۔ (بخاری:5787، ابو داود:4093، نسائی:5332۔اس کی سند صحیح ہے) اس سے بھی نیچے لٹکاتے ہوئے زمین پر ازار گھسیٹا جائے تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو نگاہ رحمت سے نہ دیکھیں گے، جیسا کہ آئندہ روایات میں اس کا بیان ہے۔

یاد رہے کہ آخری حد سے نیچے تھوڑا یا زائد کپڑا لٹکانا ''اسبال'' کہلاتا ہے اور ایک روایت میں ہر اسبال کرنے والے کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نہ اللہ اس سے کلام رحمت فرمائیں گے، نہ نظر رحمت سے دیکھیں گے، نہ اسے پاک کریں گے اور اس کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔'' تین بار یہی فرمایا (مسلم:106) نیز یہ بھی فرمایا: ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانا تکبر ہی کی علامت ہے۔ جو لوگ یہ بہانہ بناتے ہیں کہ ہم تکبر کی نیت سے ایسا نہیں کرتے بلکہ محض رواج کی بنا پر ایسا کرتے ہیں تو وہ یہ فرمان نبوی ﷺ یاد رکھیں: ''اپنے آپ کو ازار لٹکانے سے بچا کیونکہ بلاشبہ یہ تکبر میں سے ہے اور یقیناً اللہ تکبر کو پسند نہیں کرتا۔'' (ابو داود:4084۔اس کی سند صحیح ہے) ہاں صرف وہ شخص مستثنیٰ ہے جو ازار اوپر رکھنے کا اہتمام کرتا ہے لیکن کبھی کبھار ڈھیلا ہونے یا پیٹ بڑا ہونے یا سردیوں میں جرابوں اور موزوں کی وجہ سے پتا نہ چلنے کی وجہ سے ازار نیچے ہو جائے۔ (بخاری:3665)

[1654] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بے شک

[1654] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب قول اللہ تعالیٰ قل من حرم زینۃ اللہ، حدیث: 5783، 3665، 5791، صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینۃ، باب تحریم جر الثوب خیلاء، حدیث: 2085، ابو داود: 4085، ترمذی:1730، نسائی:5329، ابن ماجہ: 3569، احمد:2/ 60 (5248).

بْـنِ دِينَارٍ ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : الَّذِي يَجُرُّ ثَوْبَهُ خُيَلَاءَ ، لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ .

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ شخص جو اپنا کپڑا تکبر کی وجہ سے گھسیٹتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف (رحمت کی نظر سے) نہیں دیکھے گا۔''

[1655] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ ، عَنِ الْأَعْرَجِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَى مَنْ يَجُرُّ إِزَارَهُ بَطَرًا .

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یقیناً رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس شخص کی طرف رحمت سے نہ دیکھے گا جو تکبر کرتے ہوئے اپنا ازار گھسیٹے۔''

فائدہ: ...... اس روایت میں صرف ''ازار'' کا تذکرہ ہے، جس کی مختلف قسمیں ہیں، مثلاً: شلوار، دھوتی، پینٹ، پاجامہ، ٹراؤزر وغیرہ۔

[1656] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ نَافِعٍ ، وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ ، وَزَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ ، كُلُّهُمْ يُخْبِرُهُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَى مَنْ يَجُرُّ ثَوْبَهُ خُيَلَاءَ .

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس شخص کی طرف نظر کرم نہ فرمائے گا جو اپنے کپڑے کو تکبر سے گھسیٹتا ہے۔''

فائدہ: ...... اس روایت میں ''کپڑے'' کا لفظ بہت عموم رکھتا ہے جس میں قمیص، جبہ، اوورکوٹ، گاؤن اور پگڑی وغیرہ سب شامل ہیں۔

[1657] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ

علاء بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ اپنے والد (عبدالرحمٰن بن

[1655] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب من جر ثوبه من الخیلاء، حدیث:5788، صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینة، باب تحریم جر الثوب خیلاء، حدیث: 2087، نسائی فی الکبریٰ: 9723، ابن ماجه: 3571، احمد:2/ 386(8992).

[1656] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب اللباس والزینة، باب قول الله تعالیٰ قل من حرم زینة الله التی اخرج لعباده، حدیث: 5783، 3665، 5791، صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینة، باب تحریم جر الثوب خیلاء، حدیث:2085، ابو داود:4085، ترمذی:1730.

[1657] (مرفوع صحیح) سنن ابی داود، کتاب اللباس، باب فی قدر موضع الازار، حدیث: 4093، نسائی فی الکبریٰ:5/ 490(9714، 9716، 9717) ابن ماجه، کتاب اللباس، باب موضع الازار، این هو، حدیث:3573، احمد: 3/ 5(11023)۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ قَالَ: سَأَلْتُ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ عَنِ الإِزَارِ؟ فَقَالَ: أَنَا أُخْبِرُكَ بِعِلْمٍ، سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: إِزْرَةُ الْمُسْلِمِ إِلَى أَنْصَافِ سَاقَيْهِ، لَا جُنَاحَ عَلَيْهِ فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْكَعْبَيْنِ، مَا أَسْفَلَ مِنْ ذَلِكَ فَفِي النَّارِ، مَا أَسْفَلَ مِنْ ذَلِكَ فَفِي النَّارِ، لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَى مَنْ جَرَّ إِزَارَهُ بَطَراً.

یعقوب رحمہ اللہ) سے روایت کرتے ہیں، کہتے ہیں: میں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ازار(تہبند) کے متعلق پوچھا تو وہ کہنے لگے: میں تمھیں علم(نصِ حدیث) کے ساتھ خبر دیتا ہوں (نہ کہ کسی اجتہاد سے)، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ فرمارہے تھے: ''مومن کا ازار اس کی دونوں پنڈلیوں کے نصف تک ہے، اس پر اس (نصف پنڈلی) اور ٹخنوں کے درمیان درمیان (تہبند رکھنے میں) کوئی گناہ نہیں ہے، اس سے جو نیچے ہوگا وہ (اوراس کے بقدر پاؤں) آگ میں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ روز قیامت اس شخص کی طرف نظر بھی نہ فرمائے گا جس نے تکبر سے اپنا تہبند گھسیٹا۔''

19- بَابُ مَا جَاءَ فِي إِسْبَالِ الْمَرْأَةِ ثَوْبَهَا

عورت کے اپنے کپڑے کو لٹکانے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں ایک مرفوع روایت یعنی حدیث نبوی ﷺ ہے جو کہ سنداً صحیح ہے۔

[1658] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ نَافِعٍ، عَنْ أَبِيهِ نَافِعٍ مَوْلَى ابْنِ عُمَرَ، عَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ أَبِي عُبَيْدٍ، أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ: أَنَّهَا قَالَتْ حِينَ ذُكِرَ الإِزَارُ: فَالْمَرْأَةُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: تُرْخِيهِ شِبْراً قَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ: إِذَنْ يَنْكَشِفُ عَنْهَا. قَالَ: فَذِرَاعاً لَا تَزِيدُ عَلَيْهِ.

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا زوجہ پیغمبر ﷺ سے روایت ہے، انھوں نے جس وقت کہ ازار کا ذکر کیا گیا (نبی کریم ﷺ سے) عرض کی: اے اللہ کے رسول! تو پھر عورت (کیا کرے گی)؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ ایک بالشت (کپڑا) لٹکائے گی۔'' حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ پھر تو (اس کے پاؤں کا کچھ حصہ) اس سے کھل جائے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پھر ایک ہاتھ (کے بقدر نیچے لٹکالے) اس سے زیادہ نہ کرے۔''

[1658] (مرفوع صحیح) سنن ابی داود، کتاب اللباس، باب فی قدر الذیل، حدیث: 4117، سنن النسائی، کتاب الزینۃ، باب ذیول النسا، حدیث: 5340، ابن ماجہ: 3580، احمد: 6/ 295 (27067)، دارمی: 2644، نیز دیکھیے ترمذی: 1731۔ شیخ سلیم ہلالی نے اور شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ (الصحیحۃ: 4/ 478)

فائدہ : ......''ذراع'' کی مقدار ہاتھ سمیت کہنی تک ہوتی ہے اور اسے ایک ہاتھ کہا جاتا ہے جو کہ دو بالشت کے برابر ہوتا ہے، ایسا کرنے سے کچھ کپڑا زمین پر بھی گھسٹے گا تو کوئی حرج نہیں، ہاں اس سے زیادہ لٹکانا حرام ہے۔ چنانچہ آج کل کی ساڑھیاں اور فیشن والے وہ لباس جو کئی کئی ہاتھ زمین پر گھسٹتے رہتے ہیں، سب خلاف شریعت ہیں......اس لٹکانے کی ابتداء عورت کے لیے کہاں سے ہوتی ہے؟ نصف پنڈلی سے یا ٹخنے سے یا کپڑے کے زمین کو چھونے سے تو اس بارے میں نسائی شریف کی روایت واضح ہے جس میں ہے کہ آپ ﷺ سے سوال ہی یہ کیا گیا تھا کہ (كَمْ تَجُرُّ الْمَرْأَةُ مِنْ ذَيْلِهَا) ''عورت اپنے دامن کو (زمین پر) کس قدر گھسیٹے گی؟'' تو آپ ﷺ نے ایک بالشت کا حکم دیا اور بعد ازاں دو بالشت کی اجازت دی۔ (نسائی: 5341۔ اس کی سند صحیح ہے۔)

20- بَابُ مَا جَاءَ فِي الْانْتِعَالِ

جوتا پہننے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں تین روایات ہیں جن میں سے دو مرفوع (احادیث نبویہ ﷺ) ہیں اور دونوں بخاری و مسلم کی روایات میں سے ہیں اور ایک روایت مقطوع (اثر تابعی رحمہ اللہ) ہے اور وہ بھی سنداً صحیح ہے۔

[1659] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: لَا يَمْشِيَنَّ أَحَدُكُمْ فِي نَعْلٍ وَاحِدَةٍ، لِيُنْعِلْهُمَا جَمِيعاً، أَوْ لِيُحْفِهِمَا جَمِيعاً.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی بھی ایک جوتے میں ہرگز نہ چلے، اسے چاہیے کہ دونوں کو اکٹھے پہنے یا دونوں کو اکٹھے اتار دے۔''

فائدہ : ......اگر (لِيَنْعَلْهُمَا) کو (باب سمع سے) یاء پر اور عین پر زبر کے ساتھ پڑھیں گے تو اس میں ''هُمَا'' ضمیر سے مراد جوتے ہوں گے اور معنیٰ یہ ہوں گے: ''چاہیے کہ وہ دونوں جوتے پہن لے۔'' اور اگر اسے (لِيُنْعِلْهُمَا) (باب افعال سے) یاء پر پیش اور عین کے نیچے زیر کے ساتھ پڑھیں گے تو ''هُمَا'' سے مراد پاؤں ہوں گے اور معنی یہ بنیں گے: ''چاہیے کہ وہ دونوں پاؤں کو جوتے پہنائے''......اس فرمان نبوی ﷺ میں موجود حکمتوں میں سے ایک یہ ہے کہ انسان کے چلنے میں توازن برقرار رہے، نیز اگر ایک پاؤں ننگا ہو تو اسے کانٹوں اور تکلیف دہ چیزوں سے بچانے کے لیے زیادہ اہتمام اور توجہ کرنا پڑے گی، جس سے معمول کی چال برقرار نہیں رہتی اور موچ آنے کا بھی خطرہ

[1659] (مرفوع صحیح) صحيح البخاري، كتاب اللباس، باب لا يمشي في نعل واحدة، حديث: 5855، صحیح مسلم، كتاب اللباس والزينة، باب استحباب لبس النعل في اليمنى اولا، حديث: 2097/ 68، ابو داود: 4136، ترمذی: 1774، نسائی: 5371، ابن ماجہ: 3617، احمد: 2/ 245۔

پڑ جاتا ہے......ان احادیث کی اہمیت جہادی میدانوں اور لمبے سفر میں واضح ہوتی ہے......یاد رہے کہ صرف ایک موزہ پہن کر چلنا بھی ممنوع ہے۔(مسلم: 2099/ 71)

[1660] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: إِذَا انْتَعَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ بِالْيَمِينِ، وَإِذَا نَزَعَ فَلْيَبْدَأْ بِالشِّمَالِ، وَلْتَكُنِ الْيُمْنَى أَوَّلَهُمَا تُنْعَلُ، وَآخِرَهُمَا تُنْزَعُ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی جوتا پہنے تو اسے چاہیے کہ اپنے دائیں پاؤں سے آغاز کرے اور جب اتارنے لگے تو اپنے بائیں پاؤں سے ابتدا کرے اور چاہیے کہ دایاں پاؤں دونوں میں سے پہلا ہو کہ جسے جوتا پہنایا جائے اور دونوں میں سے آخری ہو کہ جس سے جوتا اتارا جائے۔"

[1661] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَمِّهِ أَبِي سُهَيْلِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ كَعْبِ الْأَحْبَارِ: أَنَّ رَجُلًا نَزَعَ نَعْلَيْهِ فَقَالَ: لِمَ خَلَعْتَ نَعْلَيْكَ، لَعَلَّكَ تَأَوَّلْتَ هَذِهِ الْآيَةَ: ﴿فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ إِنَّكَ بِالْوَادِي الْمُقَدَّسِ طُوًى﴾ [طه: 12] قَالَ: ثُمَّ قَالَ كَعْبٌ لِلرَّجُلِ: أَتَدْرِي مَا كَانَتْ نَعْلَا مُوسَى؟ قَالَ مَالِكٌ: لَا أَدْرِي مَا أَجَابَهُ الرَّجُلُ، فَقَالَ كَعْبٌ: كَانَتَا مِنْ جِلْدِ حِمَارٍ مَيِّتٍ.

کعب احبار رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک ایک آدمی نے اپنے دونوں جوتے اتار دیے تو انھوں نے اس سے کہا: تم نے اپنے جوتے کیوں اتار دیے، شاید تو نے اس آیت کے مفہوم پر عمل کرنا چاہا ہے: ﴿فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى﴾ (طه:12:20) "تو تم اپنے جوتے اتار دو، یقیناً تم مقدس وادی "طُوٰی" میں ہو۔" پھر کعب احبار رحمہ اللہ نے اس آدمی سے کہا: کیا تو جانتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جوتے کس چیز کے تھے؟ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آدمی نے جواب میں کیا کہا تھا اس کا مجھے علم نہیں۔ پھر کعب احبار رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ دونوں ایک مردہ گدھے کے چمڑے سے (بنے ہوئے) تھے۔

[1660] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب ینزع نعله الیسری، حدیث: 5856، صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینة، باب استحباب لبس النعل فی الیمنی اولا، حدیث: 2097/ 67، ابوداود: 4139، ترمذی: 1779، ابن ماجه: 3616، احمد: 2/ 465 (10004).

[1661] (مقطوع صحیح) جامع الترمذی، کتاب اللباس، باب ماجاء فی لبس الصوف، حدیث: 1734۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

فائدہ :...... یہ روایت اسرائیلی روایات میں سے ہے، یہودیوں نے نماز میں جوتے اتارنا لازم قرار دے رکھا ہے۔ وہ جوتے پہن کر نماز پڑھنے کو بے ادبی سمجھتے ہیں جبکہ ہم مسلمانوں کو یہ حکم پیغمبر ﷺ ہے: ''یہودیوں کی مخالفت کرو، بلاشبہ وہ اپنے جوتوں اور موزوں میں نماز نہیں ادا کرتے۔'' (ابــوداود: 652۔ اس کی سند صحیح ہے) نیز فرمایا: جب تم میں سے کوئی مسجد میں آئے تو دیکھ لیا کرے، چنانچہ اگر وہ اپنے جوتوں میں گندگی دیکھے تو اسے صاف کرے اور ان میں نماز پڑھ لے۔'' (ابــوداود: 650۔ اس کی سند صحیح ہے) مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ جو کام رسول اللہ ﷺ سے قولاً و فعلاً ثابت ہے کبھی کبھار اس پر عمل بھی کریں اور یہ عمل کرنے والوں سے نفرت بھی نہ کریں۔

21- بَابُ مَا جَاءَ فِي لُبْسِ الثِّيَابِ
کپڑے پہننے کے متعلق بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں تین روایات ہیں، دو مرفوع ہیں جو کہ بخاری و مسلم میں بھی موجود ہیں اور ایک موقوف ہے اور وہ بھی سنداً صحیح ہے۔

[1662] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّهُ قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ لِبْسَتَيْنِ وَعَنْ بَيْعَتَيْنِ، عَنِ الْمُلَامَسَةِ، وَعَنِ الْمُنَابَذَةِ، وَعَنْ أَنْ يَحْتَبِيَ الرَّجُلُ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ لَيْسَ عَلَى فَرْجِهِ مِنْهُ شَيْءٌ، وَعَنْ أَنْ يَشْتَمِلَ الرَّجُلُ بِالثَّوْبِ الْوَاحِدِ عَلَى أَحَدِ شِقَّيْهِ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے دو قسم کے پہننے کے انداز اور دو قسم کی بیع سے منع فرمایا ہے، (چنانچہ خرید و فروخت کی اقسام میں سے) مُلامسہ اور منابذہ سے منع فرمایا اور اس سے (منع فرمایا) کہ آدمی ایک کپڑے میں اس طرح گوٹھ مارے کہ اس کی شرم گاہ پر اس کپڑے میں سے کچھ بھی نہ ہو اور اس سے بھی (منع فرمایا) کہ آدمی ایک کپڑے کو اپنی دونوں جانبوں میں سے ایک پر لپیٹے (اور دوسری جانب ننگی رکھے)۔

فائدہ :...... ''مُلامَسہ'' یہ ہے کہ بائع اور مشتری دونوں میں سے ہر ایک بغیر غور و فکر اور تحقیق کیے اپنے ساتھ کے کپڑے کو چھولے اور اسی عمل سے بیع پکی ہو جائے۔ اور منابذہ یہ ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک اپنی چیز اپنے ساتھی کی طرف پھینک دے اور اسی کے ساتھ خرید و فروخت پکی ہو جائے...... مزید تفصیل کے لیے دیکھیے پیچھے کتاب البیوع کے باب: 35 میں روایت: 1375۔

[1662] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب الاحتباء فی ثوب واحد، حدیث: 5821، 368، 584، 2145، 5819، صحیح مسلم، کتاب البیوع، باب ابطال بیع الملامسة والمنابذة، حدیث: 1511، ابوداود: 4080، ترمذی: 1758، ابن ماجه: 2169، 3560، احمد: 2/ 464 (9983).

چادر اوڑھنے کے جو دو انداز ممنوع ہیں ان میں سے پہلے کو "اِحْتِبَاء" اور دوسرے کو "صَمَّاء" کہتے ہیں......

اِحْتِبَاء دراصل ایک خاص قسم کی نشست اور بیٹھنے کا انداز بھی ہے جسے گوٹ مارنا، گوٹھ مارنا اور حبوہ باندھنا بھی کہتے ہیں۔ جس کا طریق کار یہ ہے کہ آدمی سرین کے بل بیٹھ کر گھٹنے کھڑے کر کے پنڈلیوں کے گرد ہاتھ باندھ لے یا کمر اور پنڈلیوں کے اردگرد کپڑا لپیٹ لینا اور آسمان والی جانب سے جسم ننگا رکھنا، چاروں طرف کپڑا لپیٹ لینا لیکن اوپر کی سمت سے برہنہ رکھنا، اس طرح کہ شرم گاہ اور آسمان کے درمیان میں کوئی پردہ حائل نہ ہو۔ (بخاری: 5819) اسی طرح یہ بھی منع ہے کہ سرین کے بل بیٹھ کر گھٹنے کھڑے کر کے اپنے اوپر کے بدن پر چادر اوڑھ لے اور سامنے کی جانب نچلے بدن پر کپڑا نہ آنے دے، اس طرح بھی شرم گاہ ننگی رہتی ہے، ہاں اگر شرمگاہ کو کسی اور کپڑے سے ڈھانپ رکھا ہو تو پھر کوئی حرج نہیں ہے۔ چادر اوڑھنے کی دوسری قسم "صَمَّاء" کی دو تفاسیر ہیں: ایک وہ جو موطا کی روایت میں ہے کہ جسم کے ایک جانب کپڑا ڈال لینا اور دوسری جانب ننگی رکھنا، دوسری تفسیر یہ ہے کہ جسم کے چاروں طرف اس طرح کپڑا لپیٹا جائے کہ ہاتھ نکالنا بھی دشوار ہو، اس صورت میں اپنی حفاظت اور فوری دفاع ناممکن سا ہو جاتا ہے۔ اسے صَمَّاء (بہری بُکّل) اس لیے کہتے ہیں کہ جس طرح بہرے شخص کے کان بند ہوتے ہیں، اسی طرح یہ شخص بھی چاروں طرف سے بند ہوتا ہے یا یہ نام اس لیے رکھتے ہیں کہ "صَمَّاء" کسی ٹھوس زمین یا چیز یا غدود کو کہتے ہیں جس میں نہ کچھ جائے اور نہ باہر آئے، بہر حال اس صورت میں دفاع بھی ناممکن ہو جاتا ہے اور اگر ہاتھ نکالنا پڑے تو ستر کھل جاتا ہے۔

[1663] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَأَى حُلَّةً سِيَرَاءَ تُبَاعُ عِنْدَ بَابِ الْمَسْجِدِ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ لَوِ اشْتَرَيْتَ هٰذِهِ الْحُلَّةَ فَلَبِسْتَهَا يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَلِلْوَفْدِ إِذَا قَدِمُوا عَلَيْكَ. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: إِنَّمَا يَلْبَسُ هٰذِهِ مَنْ لَا خَلَاقَ لَهُ فِي الْآخِرَةِ ثُمَّ جَاءَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ مِنْهَا حُلَلٌ، فَأَعْطَى عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ مِنْهَا حُلَّةً، فَقَالَ عُمَرُ: يَا رَسُولَ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک حلہ یعنی ریشمی جوڑا (لباس) دیکھا جو مسجد (نبوی) کے دروازے کے پاس بیچا جا رہا تھا، تو وہ کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! اگر آپ اس لباس کو خرید لیں، پھر آپ اسے جمعہ کے دن پہن لیں یا وفد (سے ملاقات) کے لیے (اسے زیب تن فرمالیں) جب کہ وہ (وفد والے لوگ) آپ کے پاس آئیں (تو یہ بہتر محسوس ہوتا) تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "یقیناً اسے تو صرف اور صرف وہ شخص ہی پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں

[1663] (مرفوع صحیح) صحيح البخاری، كتاب الجمعة، باب يلبس احسن ما يجد، حديث: 886، 948، 2104، 2612، 2619، 3054، 5814، 5981، 6081، صحيح مسلم، كتاب اللباس، والزينة، باب تحريم لبس الحرير وغيره ذلك للرجال، حديث: 2068، ابوداود: 4040، نسائی: 5297، ابن ماجه: 3591، احمد: 2/ 103(5797).

اللّٰهِ أَكَسَوْتَنِيهَا وَقَدْ قُلْتَ فِي حُلَّةِ عُطَارِدٍ مَا قُلْتَ ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ :لَمْ أَكْسُكَهَا لِتَلْبَسَهَا فَكَسَاهَا عُمَرُ أَخاً لَهُ مُشْرِكاً بِمَكَّةَ .

ہوتا۔" پھر (کچھ عرصہ بعد) رسول اللہ ﷺ کے پاس اسی (ریشمی لباس کی قسم) سے کچھ جوڑے آئے تو آپ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو بھی ان میں سے ایک حلہ یعنی جوڑا دے دیا تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا آپ نے مجھے وہ (حلہ) پہننے کے لیے عطا کیا ہے، حالانکہ آپ عطارد رضی اللہ عنہ کے حلے کے بارے میں وہ کچھ فرما چکے ہیں جو کہ آپ نے ارشاد فرمایا تھا؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میں نے تو وہ تمھیں اس لیے نہیں دیا کہ تم خود اسے پہنو۔" چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ حلہ اپنے ایک مشرک بھائی کو دے دیا جو کہ مکہ میں تھا۔

فائدہ :......دراصل آپ ﷺ کی خدمت میں تین حلے (سوٹ) آئے تھے۔ (نسائی: 5301) آپ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی ایک ایک حلہ دیا تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ اسے پھاڑ کر عورتوں میں بانٹ دو اور حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کو بھی اسے پہنے ہوئے دیکھ کر یہی حکم فرمایا تھا۔ (مسلم: 2608/ 7) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اسے پہن لیا تھا تو آپ ﷺ نے ان کی اصلاح فرمادی، چنانچہ انھوں نے اسے اپنی عورتوں میں تقسیم کر دیا۔ (بخاری: 2614، مسلم: 2071)......حلّہ ایک ہی قسم کے دو کپڑوں کو یا صاف اور نئے کپڑوں کے جوڑے کو کہتے ہیں، "سِيَرَاء" سے مراد ریشم کی دھاری دار چادر ہے یا وہ کپڑا مراد ہے جس میں تسموں کی طرح ریشم کی لکیریں ہوتی ہیں اور خالص ریشمی کپڑے پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ حضرت عطارد بن حاجب بن زُرارہ تمیمی رضی اللہ عنہ مسجد نبوی کے پاس ہی بازار میں یہ ریشمی لباس بیچ رہے تھے جسے لے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا: اسے خرید لیجیے۔ (بخاری: 948) حضرت عطارد رضی اللہ عنہ مختلف ممالک کے بادشاہوں کے پاس آتے جاتے رہتے تھے۔ (مسلم: 2068/ 7) یہ حلہ بھی کسی شاہی خاندان کے فرد سے حاصل کردہ تھا......حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے جس بھائی کو وہ حلہ دیا تھا ایک روایت کے مطابق وہ ماں کی طرف سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بھائی تھا۔ (نسائی: 5297) اور اس کا نام عثمان بن حکیم تھا۔ (زرقانی: 4/ 375) لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور عثمان بن حکیم دونوں ماں باپ کے بھائی تھے۔ تفصیل یوں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے باپ کی جانب سے بھائی کا نام حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ تھا اور دونوں کی مائیں الگ الگ تھیں۔ گویا حضرت زید رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سوتیلی والدہ بن گئیں۔ اس سوتیلی والدہ کا ایک اور خاوند حکیم سے ایک بیٹا عثمان بن حکیم تھا جو مشرک تھا، یہ عثمان حضرت زید رضی اللہ عنہ کا تو ماں کی جانب سے بھائی ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نہ ماں کی طرف سے بھائی تھا نہ باپ کی طرف سے، بہرحال یا تو اس لیے مجازاً اُسے بھائی کہا گیا ہے کہ وہ سوتیلی ماں کا بیٹا تھا، اس لیے کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بھائی زید رضی اللہ عنہ کا بھائی تھا......یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سوتیلی والدہ کا دودھ پیا ہو اور وہ عثمان اُن کا رضاعی بھائی ہو۔ بعض روایات میں ہے کہ اس کے اسلام لانے سے پہلے انھوں نے

اسے یہ حلہ دیا تھا۔ (بخاری:2619) اس سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ بعد میں اسلام لے آیا تھا......حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عطارد رضی اللہ عنہ کا حلہ خریدنے کا مشورہ دیتے وقت یہ بھی کہا تھا کہ آپ اسے عید کے موقع پر بھی پہن لیا کریں۔ (بخاری:948، مسلم:2068/ 8) اسی لیے محدثین نے یہ مسئلہ ثابت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے جمعہ، عید اور وفد کے لیے خوبصورتی حاصل کرنے کے مشورے کی تردید نہ کی بلکہ صرف ریشم کا استعمال برا جانا۔ لہٰذا اہم مواقع پر جائز طریقے سے خوبصورتی حاصل کرنا مشروع ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی یہی استدلال کیا ہے، دیکھیے کتاب العیدین، باب: 1، کتاب الادب، باب: 66۔ جو حلہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیا تھا وہ براہ راست نہیں دیا تھا بلکہ ان کے گھر بھجوایا تھا جسے وہ لے کر واپس آئے تھے۔ (بخاری:3054، مسلم:2068/ 7) اس کے متعلق یہ بھی فرمایا تھا کہ "نبی نے یہ اس لیے بھیجا تھا کہ تم اسے بیچ دو یا اس کے ذریعے اپنی کوئی حاجت پوری کر لو" (بخاری:948، مسلم: 2068/ 8) "اس سے کوئی فائدہ اٹھا لو" (بخاری:2104، مسلم:2068/ 9) "کسی اور کو پہنا دو" (بخاری:5841)......مسند احمد کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ حلہ دو ہزار درہم میں بیچا تھا۔ (زرقانی: 4/ 375) جبکہ بخاری و مسلم کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے مشرک بھائی کو دے دیا تھا، تو ان دونوں باتوں میں تطبیق یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صرف ریٹ اور بھاؤ لگوایا ہوگا یا ممکن ہے کہ پہلے بیچ دیا ہو اور دوبارہ خرید کر بھائی کو دے دیا ہو......یا بیچ کر اس کی قیمت بھائی کو دے دی ہو۔ واللہ اعلم......ریشم پہننا کبیرہ گناہ ہے اور ریشم پہننے والے کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہونے کا تذکرہ از روئے تغلیظ اور بطور شدید وعید ہے، ورنہ اہلسنت کے ہاں کبیرہ گناہ کا مرتکب بالآخر جنت پالے گا اور ابدی جہنمی نہ ہوگا بشرطیکہ شرک و نفاق سے بچا ہوا ہو۔

[1664] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، أَنَّهُ قَالَ: قَالَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ: رَأَيْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ وَهُوَ يَوْمَئِذٍ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ وَقَدْ رَقَعَ بَيْنَ كَتِفَيْهِ بِرُقَعٍ ثَلَاثٍ، لَبَّدَ بَعْضَهَا فَوْقَ بَعْضٍ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں: میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا، وہ اس وقت امیر المومنین تھے، اس حال میں (دیکھا) کہ انھوں نے اپنے کندھوں کے درمیان میں (کپڑے پر) تین پیوند لگا رکھے تھے، انھیں ایک دوسرے کے اوپر چپکایا ہوا تھا۔

فائدہ: ......یعنی پہلے وہ کپڑا اپھٹا تو اس پر کپڑا رکھ کر اُسے سی لیا، وہ دوبارہ وہیں سے پھٹا تو اسی پر ایک اور کپڑے کا ٹکڑا رکھ کر سی لیا، پھر تیسری بار بھی ایسا ہی کیا، کیونکہ ان کا مقصد صرف ستر پوشی تھا نہ کہ فخر و غرور، اور دنیا ان کی

[1664] (موقوف صحیح) بیهقی فی شعب الایمان: 5/ 158(6182)، طبقات ابن سعد: 3/ 327، ابن عساکر فی تاریخ دمشق: 47/ 236، ابوداود فی الزهد: 77/ 58، ابن المبارك فی الزهد: 208۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔

نظر میں انتہائی بیچ تھی کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان بھی موجود ہے کہ جو شخص باوجود قدرت رکھنے کے محض اللہ کی خاطر تواضع اختیار کر کے خوبصورت لباس چھوڑے تو اللہ اسے تمام مخلوقات کے سامنے ایمان و عزت کا لباس پہنائیں گے۔(ابو داود: 4778، ترمذی: 2481 ، حاکم: 1/ 61۔ ان کی سندیں حسن ہیں)

2- بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ النَّبِيِّ ﷺ

نبی کریم ﷺ کے وصف (حلیہ) مبارک کا بیان

خلاصة الباب اس باب میں ایک حدیث نبوی ﷺ ہے جو کہ بخاری ومسلم میں بھی موجود ہے۔

فائدہ:......صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور محدثین نے بڑی محنت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے حلیہ مبارک کی تفصیل امت تک پہنچائی ہے تا کہ خوابوں کے معاملے میں امت دھوکا نہ کھائے۔ فرمان نبوی ﷺ ہے:(وَمَنْ رَآنِي فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَآنِي فَإِنَّ الشَّيْطَنَ لَا يَتَمَثَّلُ فِي صُورَتِي) ''اور جس نے خواب میں مجھے دیکھا تو اس نے واقعی مجھے ہی دیکھا کیونکہ بلاشبہ شیطان میری صورت اختیار نہیں کر سکتا۔''(بخاری: 110، مسلم: 2266) اس حدیث میں یہ نہیں کہا گیا کہ وہ دعویٰ بھی نہیں کر سکتا، چنانچہ شیطان کا تو یہ کام ہی دھوکا دینا ہے۔ اس لیے ہمیں خواب میں پیغمبر ﷺ کے دیدار کے حوالے سے آپ ﷺ کے حلیہ مبارک سے آگاہ ہونا ضروری ہے۔ ہم خواب میں آپ ﷺ سے ملاقات کا یقین تبھی پا سکتے ہیں جب ہم وہی صورت دیکھیں جو احادیث میں بیان کردہ حلیۂ پیغمبر ﷺ کے عین مطابق ہو۔ اس حوالے سے مکتبہ دارالسلام کا چھوٹا سا رسالہ ''آئینۂ جمال نبوت'' بہت مفید ہے۔

[1665] حَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّهُ سَمِعَهُ يَقُولُ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَيْسَ بِالطَّوِيلِ الْبَائِنِ، وَلَا بِالْقَصِيرِ، وَلَيْسَ بِالْأَبْيَضِ الْأَمْهَقِ، وَلَا بِالْآدَمِ، وَلَا بِالْجَعْدِ الْقَطَطِ، وَلَا بِالسَّبِطِ، بَعَثَهُ اللَّهُ عَلَى رَأْسِ أَرْبَعِينَ سَنَةً، فَأَقَامَ بِمَكَّةَ عَشْرَ سِنِينَ، وَبِالْمَدِينَةِ عَشْرَ سِنِينَ، وَتَوَفَّاهُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نہ تو بہت زیادہ لمبے تھے، نہ چھوٹے قد کے تھے (بلکہ درمیانی قد سے کچھ اوپر قد والے تھے)، نہ (چونے کی طرح) بہت زیادہ سفید رنگت والے تھے اور نہ (بالکل) گندمی رنگ والے تھے (بلکہ گندمی مائل گوری رنگت رکھتے تھے)، نہ ہی بہت زیادہ گھنگھریالے بالوں والے اور نہ بالکل سیدھے بالوں والے تھے (بلکہ سیدھے بالوں میں معمولی سا گھنگھریالہ پن تھا) اللہ تعالیٰ نے

[1665] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب صفة النبی ﷺ، حدیث: 3548، 3547، 5900، صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب قدر عمره ﷺ واقامته بمكة والمدينة، حدیث: 2347، ترمذی: 3623، احمد: 3/ 240(13553).

عَلَى رَأْسِ سِتِّينَ سَنَةً، وَلَيْسَ فِي رَأْسِهِ وَلِحْيَتِهِ عِشْرُونَ شَعْرَةً بَيْضَاءَ ﷺ.

آپ ﷺ کو چالیس سال کے اختتام پر (رسول بنا کر) مبعوث فرمایا۔ آپ ﷺ مکہ میں دس سال اور مدینہ میں بھی دس سال قیام پذیر رہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ساٹھ سال کے اختتام پر فوت فرمالیا، اس حال میں کہ آپ ﷺ کے سر اور داڑھی مبارک میں بیس سفید بال بھی نہ تھے، اللہ تبارک وتعالیٰ آپ ﷺ پر صلاۃ وسلام نازل فرمائے۔ آمین!

فائدہ:...... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں بعثت کے بعد تیرہ سال ٹھہرے رہے اور تریسٹھ سال کی عمر میں دنیا سے رخصت ہوئے۔ (بخاری: 3851، مسلم: 2351) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی ایک روایت میں 63 سال کی عمر مروی ہے۔ (مسلم: 2348) اور یہی راجح ہے، دراصل حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مؤطا والی روایت میں کسر کو ختم کر دیا گیا ہے۔ یعنی دہائیوں کے اعتبار سے گنتی کی ہے اور جو تھوڑا سا عرصہ دہائیوں سے کم وبیش ہوتا ہے اُسے حذف یا مکمل کر دیا جاتا ہے اور کبھی یہ کسر کو حذف یا مکمل کرنا دس دس کے لحاظ سے ہوتا ہے اور کبھی پانچ پانچ کے لحاظ سے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں کسر کو حذف کرنے کی بجائے پورا کر دیا گیا ہے اور آپ ﷺ کی عمر 65 سال بیان ہوئی ہے۔ (مسلم: 2353)

23- بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَالدَّجَّالِ

حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام اور دجال (کے حلیے) کا تذکرہ

خلاصۃ الباب: اس باب میں ایک روایت ہے جو کہ مرفوع (حدیث نبوی ﷺ) ہے اور بخاری و مسلم میں بھی موجود ہے۔

فائدہ:...... چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی زندہ موجود ہیں اور دجال بھی ہماری اُمت ہی میں ظہور پذیر ہوگا اور دونوں ہی قیامت کے قریب ظاہر ہوں گے، اس لیے ان دونوں کا تعارف یہاں ذکر کیا جا رہا ہے۔

[1666] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: أَرَانِي اللَّيْلَةَ عِنْدَ الْكَعْبَةِ، فَرَأَيْتُ رَجُلًا آدَمَ كَأَحْسَنِ مَا أَنْتَ رَاءٍ مِنْ أُدْمِ الرِّجَالِ، لَهُ لِمَّةٌ كَأَحْسَنِ مَا أَنْتَ رَاءٍ مِنَ اللِّمَمِ، قَدْ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے آج رات (خواب میں خود کو خانہ کعبہ کے پاس دیکھا) میں نے ایک گندمی رنگت والے صاحب کو دیکھا، اس سب سے خوبصورت شخص کی طرح جو تم نے گندمی رنگت والے آدمیوں میں سے (کبھی) دیکھا ہو،

[1666] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب اللباس، باب الجعد، حديث: 5902، 3440، 3441، 6999، 7026، 7128، صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب ذكر المسيح ابن مريم والمسيح الدجال، حديث: 169، أحمد: 2/ 22.

رَجَّلَهَا فَهِيَ تَقْطُرُ مَاءً، مُتَّكِئاً عَلَى رَجُلَيْنِ، أَوْ عَلَى عَوَاتِقِ رَجُلَيْنِ، يَطُوفُ بِالْكَعْبَةِ، فَسَأَلْتُ مَنْ هَذَا ؟ قِيلَ: هَذَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ، ثُمَّ إِذَا أَنَا بِرَجُلٍ جَعْدٍ قَطَطٍ أَعْوَرِ الْعَيْنِ الْيُمْنَى، كَأَنَّهَا عِنَبَةٌ طَافِيَةٌ، فَسَأَلْتُ مَنْ هَذَا ؟ فَقِيلَ لِي : هَذَا الْمَسِيحُ الدَّجَّالُ .

ان کے "لِمّہ" بال تھے یعنی کانوں کی لو سے گزر کر کندھوں تک پہنچنے والی زلفیں تھیں، ان سے خوبصورت، کندھوں تک پہنچنے والی زلفوں کی طرح جو تم نے کبھی دیکھی ہوں، انھوں نے ان میں کنگھی کر رکھی تھی اور ان میں سے پانی کے قطرے گر رہے تھے، وہ دو آدمیوں پر سہارا لیے ہوئے تھے یا (فرمایا کہ) دو آدمیوں کے کندھوں پر سہارا لگائے ہوئے خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے، تو میں نے (فرشتے سے) پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ تو مجھے بتایا گیا کہ یہ حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام ہیں۔ پھر اچانک میں ایک (ایسے) آدمی کو دیکھنے لگا جو سخت گھنگھریالے بالوں والا اور دائیں آنکھ سے کانا تھا، گویا کہ وہ ابھرا ہوا انگور ہو، میں نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ تو مجھے بتایا گیا کہ یہ مسیح دجال ہے۔

فائدہ :......رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ "دجال (جب نکلے گا تو) نوجوان ہوگا" (مسلم: 2937) بہت زیادہ بالوں والا ہوگا جو گھنگھریالے ہوں گے۔ (مسلم: 169، 2937) خواب میں اس کی شکل عبدالعزیٰ بن قطن کے ساتھ بہت زیادہ مشابہ دکھائی دی۔ (بخاری: 3440، مسلم: 2937/ 110) جو کہ بنوخزاعہ میں سے ایک شخص تھا اور دور جاہلیت میں فوت ہو چکا تھا۔ (بخاری: 3441) اور بنوخزاعہ کی شاخ بنومصطلق میں سے تھا اور خوب ڈیل ڈول والا سرخ رنگت کا مالک تھا۔ (بخاری: 7026، مسلم: 169/ 275) لیکن اس کا قد چھوٹا اور پاؤں ٹیڑھے ہوں گے۔ (ابوداود: 4320۔ اس کی سند حسن ہے) بعض روایات میں ہے کہ دجال بھی خانہ کعبہ کا طواف کرتا ہوا نظر آیا (مسلم: 169/ 274) اور وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیچھے تھا۔ (مسلم: 169/ 275) اس کی تعبیر تو اللہ ہی جانتا ہے، ہو سکتا ہے کہ اس کے طواف سے مراد محض حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیچھے پیچھے چکر لگانا ہو اور اس چکر لگانے اور پیچھا کرنے سے اس ٹکراؤ کی طرف اشارہ ہو جو قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دجال کے مابین ہوگا۔ تخلیق آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک دجال سے بڑا فتنہ نہ پیدا ہوا، نہ ہوگا۔ (مسلم: 2946) اس کی آنکھوں کے درمیان میں "ک، ف، ر (کافر)" لکھا ہوگا۔ (بخاری: 7131، مسلم: 2933) جسے ہر مومن پڑھ لے گا خواہ وہ لکھنا پڑھنا جانتا ہو یا نہ۔ (مسلم: 2933، 2934) ہر نبی نے اپنی قوم کو اس سے ڈرایا۔ (بخاری: 7127، مسلم: 7356 (169) بعد از 2931) اسکے پاس روٹیوں کا پہاڑ اور پانی کا دریا ہوگا۔ (بخاری: 7122، مسلم: 2939) مدینہ کے مشرق کی جانب سے نکلے گا۔ (مسلم: 1380) اس علاقے سے جسے خراسان کہتے ہیں۔ (ترمذی: 2237، ابن ماجہ: 4072- اس کی سند صحیح ہے۔) اس کا ہدف مدینہ منورہ ہوگا اور وہ اُحد پہاڑ کے پیچھے پڑاؤ کرے گا لیکن فرشتے اُسے شام کی طرف دھکیل دیں گے، جہاں وہ مارا جائے گا۔ (مسلم: 1380) اور بیت المقدس کے قریب ایک بستی میں باب لُد کے مقام پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے

ہاتھوں قتل ہوگا۔(مسلم:2937) دجال صرف چالیس دن زمین پر ظاہر رہے گا۔جس دن وہ نکلے گا وہ دن سال کے برابر، دوسرا دن ایک مہینے کے برابر اور تیسرا دن ایک ہفتے کے برابر ہوگا اور باقی دن تمام دنوں کی طرح ہوں گے۔ (مسلم: 2937) اس کے ساتھ اپنی ایک جنت اور ایک جہنم ہوگی، جبکہ حقیقت میں اس کی جنت اور پانی، آگ ہوں گے اور اس کی آگ دراصل ٹھنڈا و میٹھا پانی اور جنت ہوگی۔(بخاری:3338، مسلم:2934 - 2936) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:''تم میں سے جو دجال کو پالے وہ (اس سے بچنے کے لیے) اس پر سورۂ کہف کی ابتدائی آیات پڑھے۔'' (مسلم: 2937)......بعض روایات میں ہے کہ وہ دائیں آنکھ سے کانا ہے۔(مسلم: 169) بعض میں ہے کہ وہ بائیں آنکھ سے کانا ہے۔(مسلم: 2934/ 104) اکثر روایات کی روشنی میں راجح بات تو یہی ہے کہ اس کی دائیں آنکھ بے نور اور کانی ہے، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ انتہا درجے کی بدصورتی کی بنا پر وہ کبھی ایک آنکھ سے کانا محسوس ہوگا اور کبھی دوسری آنکھ سے۔ یا پھر لفظ ''اعور'' عیب زدہ کے معنیٰ میں ہو اور واقعی اس کی دونوں آنکھیں عیب زدہ ہوں گی، دائیں آنکھ بے نور اور مٹی ہوئی (مسخ شدہ) ہوگی اور بائیں آنکھ باہر نکل کر ابھری ہوئی یوں محسوس ہوگی جیسے کہ پھولا ہوا انگور، طَافِيَةٌ 'باء کے ساتھ'' سے مراد بجھی ہوئی اور بے نور آنکھ ہے اور طَافِئَةٌ (ہمزہ کے ساتھ) سے ابھری ہوئی اور پھولی ہوئی آنکھ مراد ہے...... حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لقب ''مسیح'' بمعنیٰ ''ماسح'' (ہاتھ پھیرنے والا) ہے، کیونکہ (الف) وہ جس مریض کو ہاتھ پھیرتے تھے وہ شفایاب ہوجاتا تھا، (ب) یا وہ زمین کو چھونے والے یعنی سیاحت کرنے والے تھے یا بمعنی اسم مفعول یعنی بمعنی ممسوح (ہاتھ پھیرا ہوا) ہے، کیونکہ حضرت زکریا علیہ السلام نے ان پر ہاتھ پھیرا تھا، واللہ اعلم...... دجال کا لقب مسیح اس وجہ سے ہے کہ وہ مسیح بمعنی ممسوح (ہاتھ پھیرا ہوا) ہے یعنی اس کی آنکھ یوں ہے کہ جیسے اسے ہاتھ پھیر کر ختم کر دیا گیا ہو اور (ب) یا وہ مسیح بمعنی ماسح یعنی زمین کو چھونے والا ہے یعنی وہ پوری زمین کا چکر لگائے گا اور ہر جانب گھومے پھرے گا۔

24- بَابُ مَا جَاءَ فِي السُّنَّةِ فِي الْفِطْرَةِ

فطری سنتوں (طریقوں) کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں دو روایات ہیں، ایک مرفوع (حدیث نبوی ﷺ) اور ایک مقطوع (اثر تابعی رحمہ اللہ) ہے اور دونوں سنداً صحیح ہیں۔ نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

[1667] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: خَمْسٌ مِنَ الْفِطْرَةِ: تَقْلِيمُ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں: پانچ چیزیں فطرت میں سے ہیں: ناخن تراشنا، مونچھیں کاٹنا، بغلوں کے بال اکھیڑنا، زیر ناف بال مونڈنا اور ختنہ کرنا۔

[1667] (موقوف صحیح) بخاری فی الادب المفرد:2/ 731(1294)، نسائی فی الکبری:9289۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

الأَظْفَارِ، وَقَصُّ الشَّارِبِ، وَنَتْفُ الإِبْطِ، وَحَلْقُ الْعَانَةِ، وَالاخْتِتَانُ.

فائدہ :...... یہ روایت قول صحابی رضی اللہ عنہ ہے لیکن رسول اللہ ﷺ سے بھی ثابت ہے۔(بخاری:5891، مسلم: 257) بغلوں کے بالوں کو انگلیوں سے یا کسی اور آلے سے پکڑ کر اکھیڑنا اور کھینچنا ہی احادیث میں وارد ہوا ہے،لہٰذا یہی افضل وبہتر ہے۔البتہ ازروئے زیادہ صفائی، نیز تکلیف سے بچنے کے لیے علماء انھیں مونڈنے یا کسی پاؤڈر اور چونے وغیرہ کے ذریعے اتارنے کے جواز کے بھی قائل ہیں۔لیکن یہ حقیقت ہے کہ انھیں کھینچنے اور اکھیڑنے سے یہ کمزور ہوجاتے ہیں اور یہ فطرت کے عین مطابق ہے اور مونڈنے سے مزید قوت پکڑتے اور بڑھتے ہیں۔زیرناف بالوں کی ضروری حد تو یہ ہے کہ مرد اور عورت کی اگلی شرم گاہ کے اوپر والی تکون نما نرم جگہ پر اگنے والے بال،اسی طرح خود شرم گاہ پر نیز مقام پاخانہ کے اردگرد کے بال مونڈے جائیں،اگر کوئی شخص اس سے زائد جگہ کی صفائی کرلیتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے ...... ہمارے نزدیک ان سب کاموں کی آخری حد چالیس دن ہے۔(مسلم: 258، ابوداود: 4200، ترمذی: 2759، نسائی: 14، ابن ماجہ: 295-اس کی سند حسن ہے۔)اگر کوئی شخص چالیس دن تک تاخیر کرلے تو اس کا جواز ہے،اس سے زیادہ تاخیر کرنے میں گناہ ہے۔اگر کوئی شخص ہفتہ وار یا روزانہ یہ عمل کرلے تو اس کی مرضی ہے۔

[1668] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، أَنَّهُ قَالَ: كَانَ إِبْرَاهِيمُ عليه السلام أَوَّلَ النَّاسِ ضَيَّفَ الضَّيْفَ، وَأَوَّلَ النَّاسِ اخْتَتَنَ، وَأَوَّلَ النَّاسِ قَصَّ الشَّارِبَ، وَأَوَّلَ النَّاسِ رَأَى الشَّيْبَ، فَقَالَ: يَا رَبِّ مَا هَذَا؟ فَقَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: وَقَارٌ يَا إِبْرَاهِيمُ. فَقَالَ: رَبِّ زِدْنِي وَقَاراً.

سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے روایت ہے،کہتے ہیں: بے شک حضرت ابراہیم علیہ السلام نے لوگوں میں سب سے پہلے مہمان کی ضیافت کی،لوگوں میں وہ سب سے پہلے شخص ہیں جنھوں نے ختنہ کیا،وہ سب سے پہلے انسان ہیں جنھوں نے مونچھیں کاٹیں اور وہ سب سے پہلے شخص ہیں جنھوں نے سفید بال دیکھے تو کہا: اے میرے رب! یہ کیا ہے؟ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:اے ابراہیم علیہ السلام! یہ وقار(کی علامت)ہے تو انھوں نے عرض کیا: اے میرے رب! مجھے وقار میں مزید بڑھادے۔

فائدہ :......اس روایت کو امام بیہقی رحمہ اللہ اور ابن عدی رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے اسے

[1668] (مقطوع صحيح)بيهقى فى شعب الايمان: 6/ 395 (8640، 8642)، عبد الرزاق: 11/ 175(20245)، بخارى فى الادب المفرد: 2/ 710(1250)، ابن عساكر فى تاريخ دمشق:6/ 200۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

نبی کریم ﷺ سے متصل سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔(زرقانی:4/ 385) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حکم الٰہی کی تعمیل میں استی سال کی عمر میں خود ہی اپنا ختنہ کیا۔(بخاری:3356، مسلم:2370) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک ختنہ کرنا محض سنت ہے بلکہ ان کے نزدیک تو ناخن کاٹنا، بغلوں کے بال اکھیڑنا یا زیر ناف بال صاف کرنا بھی محض سنت کا درجہ رکھتا ہے، واجب نہیں ہے اور نہ ہی وہ چالیس دن وغیرہ جیسی کوئی حد متعین کرتے ہیں۔ جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ ختنہ کو واجب کہتے ہیں اور یہی راجح ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اگر ختنے کی سنت پر عمل کرنا ہو تو دس سال کی عمر کے قریب بچے کا ختنہ کرنا چاہیے، نیز ساتویں دن ہی ختنہ کرنا بھی لازم نہیں ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں بھی بعد از بلوغت ختنہ کیا جاتا تھا، جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے جب پوچھا گیا کہ وفات نبوی ﷺ کے وقت آپ ﷺ کی عمر تقریباً کیا تھی؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ ان دنوں میرا ختنہ ہو چکا تھا۔(بخاری: 6299، 6300) رسول اللہ ﷺ نے سفید بالوں کو اکھیڑنے سے منع فرمایا ہے۔(ابوداود:4202، ترمذی:2821، نسائی:5071، ابن ماجه: 3721۔اس کی سند حسن ہے) آپ ﷺ نے سفید بالوں کو مومن کا نور قرار دیا۔(ترمذی:2821، ابن ماجه: 3721۔اس کی سند حسن ہے) اور فرمایا کہ اسلام کی حالت میں سفید ہونے والا ہر بال روز قیامت نور ہوگا اور ہر ایک ایسے بال کے بدلے ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور ایک گناہ مٹا دیا جاتا ہے۔(ابوداود:4202۔اس کی سند حسن ہے)

قَالَ يَحْيَى : وَسَمِعْتُ مَالِكاً يَقُولُ : يُؤْخَذُ مِنَ الشَّارِبِ حَتَّى يَبْدُوَ طَرَفُ الشَّفَةِ، وَهُوَ الإِطَارُ، وَلَا يَجُزُّهُ فَيُمَثِّلُ بِنَفْسِهِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: مونچھوں کو (صرف اتنا) کاٹا جائے، یہاں تک کہ ہونٹ کا اوپر والا کنارہ ظاہر ہو جائے، وہ گھیرا ہے (یعنی ہونٹوں کے اردگرد کا چوکھٹا اور فریم ہے) اور وہ مونچھوں کی جڑوں سے نہ کاٹے کہ اس طرح اپنے آپ کا مثلہ کر بیٹھے۔

فائدہ :...... دراصل مونچھوں کے حوالے سے مختلف الفاظ مروی ہیں اور راجح مؤقف کے مطابق سب طریقے جائز ہیں۔لفظ "قَصّ" سے مراد کاٹنا ہے اور "شَارِب" کے لفظی معنی سے بھی یہی نکلتا ہے۔ پانی پیتے وقت جو مونچھیں پانی میں داخل ہوں انھیں کاٹنا چاہیے اور اس کی حد بندی تو وہی بنتی ہے جو امام مالک رحمہ اللہ نے ذکر کی ہے۔ بعض روایات میں (اَنْهِكُوْا) کا لفظ ہے۔(بخاری:5893) جس کے معنی مبالغہ کرنے کے ہیں یعنی مونچھوں کو جڑ سے ختم کردو۔اسی طرح (اَحْفُوْا) کے بھی یہی معنی ہیں۔(بخاری:5892، مسلم:259) بلکہ ایک روایت میں تو وہ لفظ آیا ہے جس کی امام مالک رحمہ اللہ نفی کرنا چاہتے ہیں اور وہ ہے (جُزُّوا الشَّوَارِبَ) ''مونچھوں کو جڑوں سے کاٹ ڈالو'' (مسلم: 260)......حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ مونچھوں کو اتنا کاٹتے کہ جلد کی سفیدی نظر آنے لگتی۔(بخاری، قبل از حدیث:5888) رسول اللہ ﷺ بھی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اپنی مونچھیں کاٹا کرتے تھے۔(ترمذی: 2160۔اس کی

سند حسن ہے) آپ ﷺ نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی لمبی مونچھوں کے نیچے مسواک رکھ کرانھیں خود کاٹا۔(ابو داود:188-اس کی سند صحیح ہے) امام بیہقی رحمہ اللہ اور بزار رحمہ اللہ نے بھی اسی طرح کی روایات ذکر کی ہیں۔(زرقانی:4/ 452) ظاہر بات ہے کہ مسواک رکھنے کے ساتھ یہی مقصود تھا کہ وہ جڑ سے نہ کٹیں۔الغرض سب طریقے جائز ہیں۔یہ فرمان نبوی ﷺ بہرحال یادرکھنا چاہیے:''جو شخص اپنی مونچھیں نہ کاٹے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔''(ترمذی:2761-اس کی سند حسن صحیح ہے۔)

25- بَابُ النَّهْيِ عَنِ الْأَكْلِ بِالشِّمَالِ

بائیں ہاتھ سے کھانے کی ممانعت کا بیان

خلاصة الباب اس باب میں دو احادیث نبویہ ﷺ ہیں جو کہ مسلم شریف میں بھی موجود ہیں۔

[1669] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ السَّلَمِيِّ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهَى أَنْ يَأْكُلَ الرَّجُلُ بِشِمَالِهِ، أَوْ يَمْشِيَ فِي نَعْلٍ وَاحِدَةٍ، وَأَنْ يَشْتَمِلَ الصَّمَّاءَ، وَأَنْ يَحْتَبِيَ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ كَاشِفاً عَنْ فَرْجِهِ.

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا کہ آدمی اپنے بائیں ہاتھ سے کھانا کھائے، یا ایک جوتے میں چلے اور اس سے (بھی منع فرمایا) کہ وہ صماء(بہری بکل) کے انداز میں کپڑا لپیٹے اور اس سے بھی(منع فرمایا) کہ ایک کپڑے میں (اس طرح) گوٹھ لگائے کہ اپنی شرمگاہ کو برہنہ رکھنے والا ہو۔

فائدہ:......صماء سے مراد یہ ہے کہ جسم پر چاروں طرف سے اس طرح کپڑا لپیٹا جائے کہ باہر ہاتھ نکالنا اور فوری دفاع کرنا بھی دشوار ہو۔مزید تفصیل کے لیے پیچھے باب:21 میں روایت:1661 دیکھیے،جوتا پہننے کا بیان باب:20 میں گزر چکا ہے۔

[1670] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''جب تم میں سے کوئی شخص کھانے لگے تو اسے چاہیے کہ اپنے دائیں ہاتھ سے کھائے

[1669] (مرفوع صحيح)صحيح مسلم، كتاب اللباس والزينة، باب النهى عن اشتمال الصماء والاحتباء، حديث: 2099، ترمذى فى الشمائل:81، احمد:3/ 344(14761).

[1670] (مرفوع صحيح)صحيح مسلم، كتاب الاشربة، باب آداب الطعام والشراب واحكامهما، حديث:2020، سنن ابى داود، كتاب الاطعمة، باب الاكل باليمين، حديث: 3776، ترمذى:1799، نسائى فى الكبرى: 6890، احمد: 2/ 8، دارمى:2030.

رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَأْكُلْ بِيَمِينِهِ ، وَلْيَشْرَبْ بِيَمِينِهِ ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَأْكُلُ بِشِمَالِهِ ، وَيَشْرَبُ بِشِمَالِهِ . اور اپنے دائیں ہاتھ سے پیے کیونکہ بلاشبہ شیطان اپنے بائیں ہاتھ سے کھاتا اور بائیں ہاتھ سے پیتا ہے۔''

فائدہ: ......شیطان بھی جنات میں سے ہے جنھیں کھانے پینے کی ضرورت ہوتی ہے......ایک دفعہ نبی کریم ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ بائیں ہاتھ سے کھا رہا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ۔'' وہ کہنے لگا کہ میں اس کی طاقت نہیں رکھتا (میں ایسا نہیں کرسکتا) تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو یہ طاقت نہ ہی پا سکے۔'' اس کو (یہ ہدایت ونصیحت قبول کرنے سے) تکبر کے سوا کسی اور چیز نے نہیں روکا تھا۔ پھر وہ اس کے بعد اپنا دایاں ہاتھ منہ تک نہیں لے جاسکتا تھا۔'' (مسلم:2021)

26- بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمَسَاكِينِ
مسکینوں کے متعلق بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں دو احادیث نبویہ ﷺ ہیں جن کی سندیں صحیح ثابت ہیں۔

فائدہ: ......مساکین کا لفظ اکیلا بولا جائے تو اس میں فقراء بھی شامل ہوتے ہیں اور یہی معاملہ فقراء کا ہے۔ البتہ اگر دونوں اکٹھے استعمال ہوں تو پھر مسکین سے مراد وہ شخص ہے جس کے پاس کچھ مال تو ہو لیکن بقدر کفایت نہ ہو اور فقیر وہ ہے جس کے پاس کچھ بھی مال نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں مساکین کے معاملے کو بہت اہمیت ونزاکت حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جابجا ان سے حسن سلوک کرنے اور ان کا تعاون کرنے کا ذکر کیا ہے حتیٰ کہ اپنی توحید کے تذکرے کے ساتھ حقوق العباد میں ان کے ساتھ احسان کرنے کو بھی خصوصاً بیان فرمایا۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ کی ایک دعا کچھ یوں تھی: (اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْئَلُكَ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَتَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاكِيْنِ) ''اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں نیکیوں کے کرنے کا، برائیوں کو چھوڑ رکھنے کا اور مسکینوں سے محبت کرنے کا۔'' (ترمذی: 3235- اس کی سند صحیح ہے) نیز آپ ﷺ یہ دُعا فرمایا کرتے تھے: (اَللّٰهُمَّ أَحْيِنِيْ مِسْكِيْنًا وَأَمِتْنِيْ مِسْكِيْنًا وَاحْشُرْنِيْ فِيْ زُمْرَةِ الْمَسَاكِيْنِ) ''اے اللہ! مجھے حالت مسکینی میں زندہ رکھ، مجھے مسکین ہی فوت کر اور مجھے (روز قیامت) مسکینوں کی جماعت میں اکٹھا کرنا۔'' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''بلاشبہ وہ اپنے مالدار لوگوں سے چالیس سال قبل جنت میں داخل ہوجائیں گے۔'' (ترمذی: 2352، ابن ماجہ:4126- اس کی حسن سندیں بھی موجود ہیں۔ ارواء الغلیل: 861، الصحیحۃ:308)

[1671] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَيْسَ الْمِسْكِينُ بِهٰذَا الطَّوَّافِ الَّذِي يَطُوفُ عَلَى النَّاسِ، فَتَرُدُّهُ اللُّقْمَةُ وَاللُّقْمَتَانِ، وَالتَّمْرَةُ وَالتَّمْرَتَانِ. قَالُوا: فَمَا الْمِسْكِينُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: الَّذِي لَا يَجِدُ غِنًى يُغْنِيهِ، وَلَا يَفْطُنُ النَّاسُ لَهُ فَيُتَصَدَّقَ عَلَيْهِ، وَلَا يَقُومُ فَيَسْأَلَ النَّاسَ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''(اصل) مسکین یہ چکر لگانے والا (شخص) نہیں جو لوگوں پر چکر لگاتا ہے (اور ان سے مانگتا رہتا ہے) پھر اسے ایک لقمہ یا دو لقمے یا ایک کھجور یا دو کھجوریں واپس لوٹاتی ہیں۔'' لوگوں نے عرض کیا کہ پھر مسکین ہے کون؟ اے اللہ کے رسول! فرمایا: ''وہ جو اس قدر مالداری (اور وسعت) نہیں پاتا جو اسے کفایت کرے اور نہ لوگوں کو اس کا حال معلوم ہوتا ہے کہ اس پر صدقہ کیا جا سکے اور نہ وہ کھڑا ہوتا ہے کہ لوگوں سے مانگ سکے۔''

فائدہ: ...... ایسے مسکین پر خرچ کرنا زیادہ فضیلت رکھتا ہے اور ایسے مسکین ڈھونڈنے ہی سے ملا کرتے ہیں۔

[1672] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنِ ابْنِ بُجَيْدٍ الْأَنْصَارِيِّ، ثُمَّ الْحَارِثِيِّ عَنْ جَدَّتِهِ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: رُدُّوا الْمِسْكِينَ وَلَوْ بِظِلْفٍ مُحْرَقٍ.

ابن بجید انصاری حارثی رحمہ اللہ اپنی دادی جان (حضرت ام بجید رضی اللہ عنہا) سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مسکین کو (کچھ دے کر) واپس کرو، اگرچہ جلے ہوئے کھر کے ساتھ (ہی اس پر صدقہ کرو)۔''

27- بَابُ مَا جَاءَ فِي مِعَى الْكَافِرِ

کافر کی آنت کے متعلق بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں دو مرفوع روایات (احادیث نبویہ ﷺ) ہیں جو کہ بخاری و مسلم کی روایات میں سے ہیں۔

[1671] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب الزکاۃ، باب قول اللہ عزوجل لا یسئالون الناس الحافا، حدیث: 1479، 1476، 4539، صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب المسکین الذی لا یجد غنی، حدیث: 1039، ابوداود: 1631، نسائی: 2573، احمد: 2/ 260 (7530)، دارمی: 1615۔

[1672] (مرفوع صحیح) سنن ابی داود، کتاب الزکاۃ، باب حق السائل، حدیث: 1667، جامع الترمذی، کتاب الزکاۃ، باب ماجاء فی حق السائل، حدیث: 665، نسائی: 2575، احمد: 6/ 435 (27997)۔ شیخ سلیم ہلالی اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ (صحیح موارد الظمآن: 684، 685)۔

[1673] حَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: يَأْكُلُ الْمُسْلِمُ فِي مِعًى وَاحِدٍ، وَالْكَافِرُ يَأْكُلُ فِي سَبْعَةِ أَمْعَاءٍ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مسلمان ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے۔''

فائدہ:...... ہر انسان کے پیٹ میں سات آنتیں ہوتی ہیں، چونکہ صحیح اور کامل مسلم شخص حرص وہوس سے محفوظ اور دوسروں سے ہمدردی رکھنے والا ہوتا ہے، اس لیے وہ اپنے پیٹ کی ایک آنت بھر جانے پر کفایت کرتا ہے جبکہ کافر جب تک پورا پیٹ بھر نہ لے اُسے چین نہیں آتا۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ﴾ (محمد: 12) ''اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ (دنیا ہی کا) فائدہ اٹھاتے ہیں اور یوں کھاتے ہیں جیسے چوپائے کھاتے ہیں۔'' مومن بسم اللہ پڑھ کر کھاتا ہے اور اس کے کھانے میں شیطان شریک نہیں ہوتا اس لیے وہ جلدی سیر ہو جاتا ہے۔ وہ کھانے پینے ہی کو زندگی کا مقصد نہیں بناتا بلکہ اسے صرف زندہ رہنے کا سبب سمجھتا ہے جبکہ کافر کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے......سات کا لفظ بطور مبالغہ بھی استعمال ہوتا ہے اور خاص تعداد مراد نہیں ہوتی۔ بہرحال مومن کا معاملہ یہ ہے: ''خوردن برائے زیستن'' (زندہ رہنے کے لیے کھاتا ہے) اور کافر اس کے الٹ ہے: ''زیستن برائے خوردن'' (کھانے کے لیے زندہ رہنا)۔''

[1674] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ ضَافَهُ ضَيْفٌ كَافِرٌ، فَأَمَرَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِشَاةٍ فَحُلِبَتْ، فَشَرِبَ حِلَابَهَا، ثُمَّ أُخْرَى فَشَرِبَهُ، ثُمَّ أُخْرَى فَشَرِبَهُ، حَتَّى شَرِبَ حِلَابَ سَبْعِ شِيَاهٍ، ثُمَّ إِنَّهُ أَصْبَحَ فَأَسْلَمَ، فَأَمَرَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک کافر شخص مہمان بنا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے ایک بکری کا (دودھ دوہنے کا حکم) فرمایا، تو اس کا دودھ دوہا گیا، چنانچہ وہ اس کا دودھ پی گیا، پھر دوسری (بکری کا دودھ دوہنے کا حکم دیا)، تو وہ اسے بھی پی گیا، پھر ایک اور (بکری کے متعلق حکم دیا)، وہ اسے بھی پی گیا، یہاں تک کہ وہ سات بکریوں کا دودھ پی گیا۔

[1673] (مرفوع صحيح)صحيح البخاري، كتاب الاطعمة، باب المؤمن ياكل في معى واحد، حديث: 5396، 5397، صحيح مسلم، كتاب الاشربة، باب المؤمن ياكل في معى واحد، حديث: 2062، نسائي في الكبرى: 2772، ابن ماجه: 3256، احمد: 2/ 257، دارمي: 2043.

[1674] (مرفوع صحيح)صحيح مسلم، كتاب الاشربة، باب المؤمن ياكل في معى واحد، حديث: 2063، جامع الترمذي: كتاب الاطعمة، باب ماجاء ان المؤمن ياكل في معى واحد، حديث: 1819، نسائي في الكبرى: 6893، احمد: 2/ 375(8866).

بِشَاةٍ فَحُلِبَتْ، فَشَرِبَ حِلَابَهَا، ثُمَّ أَمَرَ لَهُ بِأُخْرَى فَلَمْ يَسْتَتِمَّهَا، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: الْمُؤْمِنُ يَشْرَبُ فِي مِعًى وَاحِدٍ: وَالْكَافِرُ يَشْرَبُ فِي سَبْعَةِ أَمْعَاءٍ.

پھر بلاشبہ اس نے صبح کی اور مسلمان ہوگیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے ایک بکری کا (دودھ دوہنے) کا حکم دیا، چنانچہ اس کا دودھ دوہا گیا، وہ اس کو پی گیا پھر آپ ﷺ نے ایک اور بکری (کے دودھ دوہنے) کا حکم دیا تو وہ (اس بکری) کا دودھ پورا نہ پی سکا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مومن ایک آنت میں پیتا ہے اور کافر سات آنتوں میں پیتا ہے۔''

فائدہ: ...... اس سے بھی معلوم ہوا کہ ایک اور سات کے الفاظ محض حرص کی قلت و کثرت بتانے کے لیے ہیں، کیونکہ اگر لفظی مفہوم ہی مراد ہوتا تو پھر یوں کہا جاتا کہ مومن ایک مکمل آنت اور دوسری کچھ آنت میں پیتا ہے۔

28- بَابٌ: النَّهْيُ عَنِ الشُّرْبِ فِيْ آنِيَةِ الْفِضَّةِ وَالنَّفْخِ فِي الشَّرَابِ

چاندی کے برتنوں میں پینے اور مشروب میں پھونک مارنے سے ممانعت کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں دو احادیث نبویہ ﷺ ہیں جن میں سے ایک بخاری و مسلم کی روایات میں سے اور دوسری حسن ہے۔

فائدہ: ...... نبی کریم ﷺ پیتے وقت تین سانس لیا کرتے تھے۔ (بخاری:5631، مسلم:2028) یعنی برتن کے مشروب کو تین الگ الگ سانسوں میں ختم کرتے ......خیال رہے کہ جب سانس لے کر پینے میں وقفہ کرنا ہو تو نہ سانس کو برتن میں خارج کرنا چاہیے اور نہ ہی قصداً اس میں پھونک مارنی چاہیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بلاشبہ یہ (چھوٹے چھوٹے گھونٹوں میں پینے کا) عمل زیادہ سیراب کرنے والا اور آرام سے گلے سے اترنے والا ہے۔'' (مسلم:2028 / 123)

[1675] حَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: الَّذِي يَشْرَبُ فِي آنِيَةِ الْفِضَّةِ، إِنَّمَا يُجَرْجِرُ فِي بَطْنِهِ نَارَ جَهَنَّمَ.

سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا زوجہ پیغمبر ﷺ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ شخص جو چاندی کے برتنوں میں پیتا ہے تو بلاشبہ وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ غٹا غٹ بھرتا ہے۔''

[1675] (مرفوع صحيح) صحيح البخاری، کتاب الاشربة، باب آنية الفضة، حديث: 5634، صحيح مسلم، کتاب اللباس والزينة، باب تحريم استعمال اوانی الذهب والفضة، حديث: 2065، نسائی فی الکبری: 6872، ابن ماجه: 3413، احمد: 6/ 300 (27103)، دارمی: 2129.

فائدہ: ......بعض روایات میں پینے کے ساتھ کھانے کا بھی تذکرہ ہے اور چاندی کے ساتھ سونے کا بھی ذکر ہے۔(مسلم: 2065)

[1676] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَيُّوبَ بْنِ حَبِيبٍ، مَوْلَى سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، عَنْ أَبِي الْمُثَنَّى الْجُهَنِيِّ، أَنَّهُ قَالَ: كُنْتُ عِنْدَ مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ، فَدَخَلَ عَلَيْهِ أَبُو سَعِيدٍ الْخُدْرِيُّ، فَقَالَ لَهُ مَرْوَانُ بْنُ الْحَكَمِ: أَسَمِعْتَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَنَّهُ نَهَى عَنِ النَّفْخِ فِي الشَّرَابِ؟ فَقَالَ لَهُ أَبُو سَعِيدٍ: نَعَمْ. فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي لَا أَرْوَى مِنْ نَفَسٍ وَاحِدٍ. فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: فَأَبِنِ الْقَدَحَ عَنْ فِيكَ، ثُمَّ تَنَفَّسْ قَالَ: فَإِنِّي أَرَى الْقَذَاةَ فِيهِ. قَالَ: فَأَهْرِقْهَا.

ابوثنیٰ جہنی رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں مروان بن حکم کے پاس تھا، ان کے پاس حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ آئے تو مروان بن حکم رحمہ اللہ نے ان سے کہا: آپ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا تھا کہ آپ ﷺ نے پینے کی چیز میں پھونکنے سے منع فرمایا ہے؟ تو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ ہاں، تو (جب آپ ﷺ نے منع فرمایا تھا تو) ایک آدمی آپ ﷺ سے کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! بلاشبہ میں ایک سانس (میں سارا پانی پینے) سے سیراب نہیں ہوتا تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا: ’’تو پھر پیالے کو اپنے منہ سے جدا کرو، پھر سانس لیا کرو۔‘‘ (یعنی چھوٹے چھوٹے گھونٹوں میں اُسے پیو لیکن سانس لیتے وقت تمھارا منہ نہ تو پیالے کے ساتھ لگا ہوا ہو اور نہ ہی اس طرح اوپر ہو کہ سانس کا اخراج برتن میں ہو)، وہ کہنے لگا کہ: بلاشبہ میں اس (پینے کی چیز) میں تنکا دیکھ لیتا ہوں (تو اس وقت بھی پھونک نہ ماروں تو کیا کروں؟) فرمایا: ’’تو اسے انڈیل دو۔‘‘

فائدہ: ......یعنی تھوڑا سا مشروب نیچے گرا دو تاکہ تنکا بھی اس گرنے والے پانی کے ساتھ بہہ کر باہر نکل جائے۔ یہ درست نہیں کہ پانی وغیرہ میں کسی تنکے کو پھونک مار کر منہ سے دور کرو، یا پھر اس تنکے کو انگلی یا چمچ وغیرہ سے بھی نکالا جاسکتا ہے۔ اسلام نہایت مہذب اور شائستہ مذہب ہے جس کے بے شمار دلائل میں سے ایک یہ حدیث بھی ہے۔ دراصل مشروب میں سانس خارج کرنے یا پھونک مارنے سے مختلف ضرررساں نتائج وقوع پذیر ہوسکتے ہیں، مثلاً اگر ایسا کرتے وقت تھوک کے ذرات باہر آجائیں یا رال ٹپک پڑے تو دوسروں کے ساتھ ساتھ خود کو بھی اس مشروب سے گھن اور کراہت محسوس ہوگی۔ نیز سانس جب خارج ہوتی ہے تو کاربن ڈائی آکسائیڈ بن کر نکلتی ہے جو جراثیم سے آلودہ ہوتی ہے۔ سانس لیتے وقت برتن کو منہ سے دور کرنے میں ایک حکمت یہ ہے کہ اگر پینے کے عمل کے دوران سانس لینے

[1676] (مرفوع حسن) سنن ابی داود، کتاب الاشربة، باب فی الشرب من ثلمة القدح، حدیث: 3722، جامع الترمذی، کتاب الاشربة، باب ماجاء فی کراھیة النفخ فی الشراب، حدیث: 1887، احمد: 3/ 26(11221)، دارمی: 2121۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

سے اچھو آ جائے یا ناک سے پانی نکل پڑے تو مشروب آلودہ نہ ہوگا۔

29- بَابُ مَا جَاءَ فِي شُرْبِ الرَّجُلِ وَهُوَ قَائِمٌ

آدمی کے کھڑے ہو کر پینے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں چار موقوف روایات (آثار صحابہ رضی اللہ عنہم) ہیں جن میں سے دو صحیح اور دو ضعیف ہیں۔

[1677] حَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، وَعَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ، وَعُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ، كَانُوا يَشْرَبُونَ قِيَاماً.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ بلاشبہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہم کھڑے ہو کر پی لیا کرتے تھے۔

[1678] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: أَنَّ عَائِشَةَ أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ، وَسَعْدَ بْنَ أَبِي وَقَّاصٍ كَانَا لَا يَرَيَانِ بِشُرْبِ الْإِنْسَانِ وَهُوَ قَائِمٌ بَأْساً.

ابن شہاب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ سیدہ عائشہ اُم المومنین اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما اس میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے تھے کہ انسان اس حال میں پیے کہ وہ کھڑا ہو۔

[1679] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ الْقَارِيِّ، أَنَّهُ قَالَ: رَأَيْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ يَشْرَبُ قَائِماً.

ابو جعفر قاری رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا، وہ کھڑے ہو کر پی لیتے تھے۔

[1680] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ كَانَ يَشْرَبُ قَائِماً.

عامر بن عبداللہ بن زبیر رحمہ اللہ اپنے والد (حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کھڑے ہو کر پی لیا کرتے تھے۔

فائدہ : ...... نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی آب زم زم کھڑے ہو کر پینا ثابت ہے۔(بخاری: 5617، مسلم: 2027) آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وضو کا بچا ہوا پانی بھی کھڑے ہو کر نوش فرمانا ثابت ہے۔(بخاری: 5616) حضرت ابن

[1677] (موقوف ضعیف) عبدالرزاق: 19591، ابن ابی شیبہ: 24096، بیہقی: 7/ 282۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

[1678] (موقوف ضعیف) عبدالرزاق: 10/ 427 (19591)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

[1679] (موقوف صحیح) بیہقی: 7/ 283، ابن ابی شیبہ: 24094۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

[1680] (موقوف صحیح) طحاوی فی شرح معانی الآثار: 4/ 276۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم دورِ نبوی میں چلتے ہوئے کھا پی لیا کرتے تھے۔ (ترمذی: 1880، ابن ماجہ: 3301- اس کی سند صحیح ہے) یہ تمام روایات کھڑے ہو کر کھانے پینے کے جواز پر دلالت کرتی ہیں، جبکہ ان کے برعکس حضرت انس رضی اللہ عنہ (مسلم: 2024) اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ (مسلم: 2025) کی روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر پینے سے منع فرمایا ہے بلکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں تو یہ فرمان نبوی ﷺ ہے: ''تم میں سے کوئی بھی ہرگز کھڑے ہو کر نہ پیے اور جو بھول (کر پی) جائے تو وہ قے کر دے۔'' (مسلم: 2026) چنانچہ ان روایات میں تطبیق یہ ہے کہ کھڑے ہو کر پینا جائز تو ہے لیکن ممانعت والی روایات اس عمل کے مکروہ ہونے پر بھی دلالت کرتی ہیں۔ (فتح الباری: 11/ 216، نیل الاوطار: 5/ 278) راجح یہی ہے کہ کبھی کبھار یا عذر کی بنا پر کھڑے ہو کر پینا بلا کراہت جائز ہے لیکن اسے معمول بنالینا مکروہ ہے۔ واللہ اعلم

30- بَابٌ: السُّنَّةُ فِي الشُّرْبِ وَمُنَاوَلَتِهِ عَنِ الْيَمِينِ

مشروب پلاتے وقت دائیں جانب (سے شروع کرنے اور) پکڑانے کا مسنون طریقہ

خلاصۃ الباب اس باب میں دو مرفوع روایات (احادیث نبویہ ﷺ) ہیں اور دونوں بخاری و مسلم میں بھی موجود ہیں۔

[1681] حَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أُتِيَ بِلَبَنٍ قَدْ شِيبَ بِمَاءٍ مِنَ الْبِئْرِ، وَعَنْ يَمِينِهِ أَعْرَابِيٌّ، وَعَنْ يَسَارِهِ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ، فَشَرِبَ، ثُمَّ أَعْطَى الأَعْرَابِيَّ وَقَالَ: الْأَيْمَنَ فَالْأَيْمَنَ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ دودھ لایا گیا جس میں کنویں کا پانی ملایا گیا تھا۔ اس وقت آپ ﷺ کے دائیں جانب ایک اعرابی صحابی رضی اللہ عنہ اور آپ ﷺ کے بائیں جانب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے، چنانچہ آپ ﷺ نے اسے نوش فرمایا، پھر (باقی ماندہ مشروب) اعرابی کو دے دیا اور فرمایا: ''دائیں جانب والا (زیادہ حقدار ہے)، پھر (وہ جو اس کے بعد) دائیں جانب والا ہو۔''

[1681] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب الاشربة، باب الايمن فالايمن فی الشرب، حدیث: 5619، 2352، 2571، 5612، صحیح مسلم، کتاب الاشربة، باب استحباب ادارة الماء واللبن، حدیث: 2029، ابوداود: 3726، ترمذی: 1893، نسائی فی الکبری: 6861، ابن ماجہ: 3425، احمد: 3/ 113 (12145)، دارمی: 2116.

[1682] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي حَازِمِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ الْأَنْصَارِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ أُتِيَ بِشَرَابٍ، فَشَرِبَ مِنْهُ، وَعَنْ يَمِينِهِ غُلَامٌ، وَعَنْ يَسَارِهِ الْأَشْيَاخُ، فَقَالَ لِلْغُلَامِ: أَتَأْذَنُ لِي أَنْ أُعْطِيَ هَؤُلَاءِ؟ . فَقَالَ الْغُلَامُ: لَا وَاللّٰهِ يَا رَسُولَ اللّٰهِ لَا أُوثِرُ بِنَصِيبِي مِنْكَ أَحَداً. قَالَ: فَتَلَّهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فِي يَدِهِ.

حضرت سہل بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ کے پاس پینے کی چیز لائی گئی (یعنی دودھ)، چنانچہ آپ ﷺ نے اس سے کچھ (دودھ) نوش فرمایا، اس حال میں کہ آپ ﷺ کی دائیں جانب ایک (نوعمر) لڑکا تھا (اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ تھے) اور آپ ﷺ کی بائیں جانب بزرگ صحابہ رضی اللہ عنہم تھے تو آپ ﷺ نے اس لڑکے سے فرمایا: ''کیا تم مجھے اجازت دیتے ہو کہ ان (بزرگوں) کو (باقی ماندہ دودھ) دے دوں؟'' وہ عرض کرنے لگا کہ نہیں، اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ سے (ملنے والے) اپنے حصے پر میں کسی کو ترجیح نہیں دوں گا، تو رسول اللہ ﷺ نے وہ (پینے کی چیز) اسی کے ہاتھ میں تھما دی۔

31- بَابٌ: جَامِعُ مَا جَاءَ فِي الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ

کھانے پینے کے متعلق متفرق احادیث کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں سترہ روایات ہیں، دس مرفوع (احادیث نبویہ ﷺ) ہیں جن میں سے نو صحیح ہیں اور ایک حسن ہے، پانچ موقوف (آثار صحابہ رضی اللہ عنہم) ہیں جن میں سے چار صحیح ہیں اور ایک ضعیف ہے، اور باقی دو مقطوع (آثار تابعین رحمہم اللہ) میں سے ایک صحیح اور ایک ضعیف ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

[1683] حَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ: قَالَ أَبُو طَلْحَةَ لِأُمِّ سُلَيْمٍ: لَقَدْ سَمِعْتُ صَوْتَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ ضَعِيفاً، أَعْرِفُ فِيهِ الْجُوعَ، فَهَلْ عِنْدَكِ مِنْ شَيْءٍ؟

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ: (میرے سوتیلے والد) حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے (میری والدہ) سیدہ اُم سلیم رضی اللہ عنہا سے کہا: یقیناً میں نے رسول اللہ ﷺ کی آواز کو سنا، وہ کمزور تھی، میں اس میں بھوک (کے آثار) پہچان رہا تھا، کیا تمھارے پاس کوئی چیز ہے؟

[1682] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب الاشربة، باب هل يستاذن الرجل من عن يمينه، حديث: 5620، 2351، 2366، 2451، 2602، 2605، صحيح مسلم، كتاب الاشربة، باب استحباب ادارة الماء واللبن، حديث: 2030، نسائى فى الكبرى: 6868، احمد: 5/ 333 (23212).

[1683] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب الاطعمة، باب من اكل حتى شبع، حديث: 5381، 422، 3578، 5450، 6688، صحيح مسلم، كتاب الاشربة، باب جواز استتباعه غيره الى دار من يثق برضاه بذلك، حديث: 2040، ترمذى: 3630، نسائى فى الكبرى: 6617، احمد: 3/ 218 (13316)، دارمى: 43.

فَقَالَتْ: نَعَمْ. فَأَخْرَجَتْ أَقْرَاصاً مِنْ شَعِيرٍ، ثُمَّ أَخَذَتْ خِمَاراً لَهَا فَلَفَّتِ الْخُبْزَ بِبَعْضِهِ، ثُمَّ دَسَّتْهُ تَحْتَ يَدِي وَرَدَّتْنِي بِبَعْضِهِ، ثُمَّ أَرْسَلَتْنِي إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، قَالَ: فَذَهَبْتُ بِهِ، فَوَجَدْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ جَالِساً فِي الْمَسْجِدِ وَمَعَهُ النَّاسُ، فَقُمْتُ عَلَيْهِمْ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ :آرْسَلَكَ أَبُو طَلْحَةَ؟ قَالَ: فَقُلْتُ نَعَمْ. قَالَ لِلطَّعَامِ؟قَالَ: فَقُلْتُ نَعَمْ. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لِمَنْ مَعَهُ: قُومُوا. قَالَ: فَانْطَلَقَ وَانْطَلَقْتُ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ، حَتَّى جِئْتُ أَبَا طَلْحَةَ فَأَخْبَرْتُهُ، فَقَالَ أَبُو طَلْحَةَ: يَا أُمَّ سُلَيْمٍ، قَدْ جَاءَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِالنَّاسِ، وَلَيْسَ عِنْدَنَا مِنَ الطَّعَامِ مَا نُطْعِمُهُمْ. فَقَالَتْ: اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: فَانْطَلَقَ أَبُو طَلْحَةَ حَتَّى لَقِيَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ، فَأَقْبَلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَأَبُو طَلْحَةَ مَعَهُ، حَتَّى دَخَلَا، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: هَلُمِّي يَا أُمَّ سُلَيْمٍ مَا عِنْدَكِ. فَأَتَتْ بِذَلِكَ الْخُبْزِ، فَأَمَرَ بِهِ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَفُتَّ، وَعَصَرَتْ عَلَيْهِ أُمُّ سُلَيْمٍ عُكَّةً لَهَا فَآدَمَتْهُ، ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ يَقُولَ، ثُمَّ قَالَ :ائْذَنْ لِعَشَرَةٍ بِالدُّخُولِ. فَأَذِنَ لَهُمْ فَأَكَلُوا حَتَّى شَبِعُوا، ثُمَّ خَرَجُوا، ثُمَّ قَالَ: ائْذَنْ لِعَشَرَةٍ. فَأَذِنَ لَهُمْ فَأَكَلُوا حَتَّى شَبِعُوا، ثُمَّ خَرَجُوا، ثُمَّ قَالَ: ائْذَنْ لِعَشَرَةٍ

انھوں نے کہا کہ جی ہاں۔ چنانچہ انھوں نے جو کی موٹی موٹی روٹیوں کے ٹکڑے نکالے، (انھیں ذرا نرم کیا)، پھر انھوں نے اپنا ایک دوپٹا پکڑا، اس کے کچھ حصے میں وہ روٹیاں لپیٹ دیں، پھر انھیں میرے ہاتھ (یعنی میری بغل) کے نیچے چھپا دیا اور اس (دوپٹے) کا کچھ حصہ میرے اوپر اوڑھ دیا، پھر انھوں نے مجھے رسول اللہ ﷺ کی طرف بھیج دیا، وہ کہتے ہیں کہ میں روٹی لے کر گیا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو مسجد میں بیٹھے ہوئے پایا، اس حال میں کہ آپ کے ہمراہ کچھ (اور) لوگ بھی تھے۔ میں اُن کے پاس جا کر کھڑا ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تمھیں ابوطلحہ نے بھیجا ہے؟'' میں نے عرض کیا کہ جی ہاں، تو فرمایا: ''کھانے کے لیے؟'' میں نے کہا: جی ہاں تو رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں سے جو آپ ﷺ کے ہمراہ تھے، فرمایا: ''اٹھو'' کھانے کے لیے؟'' حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: آپ ﷺ چل پڑے اور میں اُن سب کے آگے آگے چل پڑا یہاں تک کہ میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس (واپس) آ گیا اور میں نے انھیں خبر دی تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اے اُم سلیم رضی اللہ عنہا! رسول اللہ ﷺ تو لوگوں کو لے کر (دعوت طعام کی نیت) سے آ چکے ہیں، حالانکہ ہمارے پاس تو اس قدر کھانا نہیں ہے، جو انھیں کھلائیں۔ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا: اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں، (ہم نے تو نہیں بلایا، آپ ﷺ اللہ کے حکم سے آئے ہیں تو اللہ انتظام بھی فرما دے گا)۔ چنانچہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ گئے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی (استقبال کیا اور عرض کیا کہ حضور! ہمارے پاس تو اتنے لوگوں کی ضیافت

فَأَذِنَ لَهُمْ، فَأَكَلُوا حَتَّى شَبِعُوا، ثُمَّ خَرَجُوا، ثُمَّ قَالَ :ائْذَنْ لِعَشَرَةٍ . فَأَذِنَ لَهُمْ، فَأَكَلُوا حَتَّى شَبِعُوا، ثُمَّ خَرَجُوا، ثُمَّ قَالَ: ائْذَنْ لِعَشَرَةٍ . حَتَّى أَكَلَ الْقَوْمُ كُلُّهُمْ وَشَبِعُوا، وَالْقَوْمُ سَبْعُونَ رَجُلاً، أَوْ ثَمَانُونَ رَجُلاً.

کا سامان نہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمھارے طعام میں برکت فرمائے گا (بہرحال گھر چھوٹا ہونے کی وجہ سے مہمان باہر بیٹھ گئے۔) پھر رسول اللہ ﷺ متوجہ ہوئے اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے ہمراہ تھے، یہاں تک کہ دونوں گھر میں داخل ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''اُم سلیم رضی اللہ عنہا! تمھارے پاس جو کچھ ہے اُسے لے آؤ'' وہ اُسی روٹی کو لے آئیں، سو رسول اللہ ﷺ نے اس کے متعلق حکم دیا، چنانچہ اُسے توڑا گیا اور حضرت اُم سلیم رضی اللہ عنہا نے اس پر اپنے گھی کے برتن کو نچوڑ دیا (جو چمڑے کا تھا، گولائی میں بنایا گیا تھا) انھوں نے اُسے (یعنی حاصل ہونے والے گھی کو سالن کے طور پر روٹی میں) ملا دیا، پھر اس میں رسول اللہ ﷺ نے کچھ پڑھا، جو اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ آپ پڑھیں، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''دس آدمیوں کو (اندر آنے کی) اجازت دو۔'' چنانچہ انھوں نے (حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے) انھیں اجازت دی تو انھوں نے (آکر) اسے کھایا یہاں تک کہ وہ سیر ہو گئے پھر وہ باہر چلے گئے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:''دس آدمیوں کو اجازت دو۔'' انھوں نے ان کو اجازت دی، انھوں نے بھی کھایا، یہاں تک کہ شکم سیر ہو گئے پھر وہ باہر نکل گئے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:''دس کو اجازت دو۔'' انھوں نے ان کو اجازت دی، انھوں نے بھی کھایا، یہاں تک کہ سیر ہو گئے پھر وہ باہر نکل گئے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:''دس کو اجازت دو۔'' یہاں تک کہ سب کے سب افراد نے کھالیا اور شکم سیر ہو گئے اور وہ لوگ ستر یا اسی آدمی تھے۔

فائدہ :...... بعض شارحین کے بقول یہ واقعہ غزوۂ خندق کی کھدائی کے وقت اس جگہ کے پاس پیش آیا جو وہاں نماز کے لیے متعین کی گئی تھی۔ (زرقانی:4/ 400) لیکن روایات میں اس کا کوئی اشارہ نہیں ہے، بلکہ صرف ستر یا اسی آدمیوں کی تعداد کا تذکرہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ مسجد نبوی ہی سے جانے والے افراد تھے اور مدینہ کے اندر یعنی قُبا میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر میں پیش آیا۔ اگر یہ غزوے کا موقع ہوتا تو سینکڑوں افراد ساتھ ہوتے۔ اسی طرح ابونعیم رحمہ اللہ کی روایت میں اصحاب صفہ کو پڑھانے اور رسول اللہ ﷺ کے دروازے پر کھڑا ہونے کا تذکرہ بھی بتاتا ہے کہ یہ کسی غزوہ کا موقع نہیں تھا۔ (زرقانی:4/ 400، 401)...... بہرکیف حدیث مذکورہ بالا میں بیان شدہ واقعہ کے متعلق مزید تفصیلات بھی مروی ہیں، جن سے مندرجہ ذیل چیزیں بھی معلوم ہوتی ہیں: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، آپ ﷺ بیٹھے ہوئے تھے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ محو گفتگو تھے اور پیٹ پر کچھ باندھ رکھا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے کسی سے پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ یہ بھوک کی وجہ سے ہے۔ چنانچہ انھوں نے گھر آکر حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو سب کچھ بتا دیا۔ (مسلم: 2040/ 5323)، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے آکر دیکھا تو آپ ﷺ بھوک

کی وجہ سے لیٹے ہوئے لوٹ پوٹ ہور ہے تھے۔ (مسلم:2040/ 5322) چنانچہ انھوں نے گھر آ کر بات کی اور پھر حضرت انس رضی اللہ عنہ کو اس لیے بھیجا کہ وہ آپ ﷺ کو جا کر دعوت دیں۔ (مسلم:2040/ 143) شاید اسی مقصد کے لیے کھانا بغل کے نیچے چھپا کر بھیجا کہ اگر آپ ﷺ دعوت قبول کر لیں تو ٹھیک ہے ورنہ آپ ﷺ کے حضور وہیں کھانا پیش کر دیا جائے۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ جب وہاں پہنچے تو کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب مجھے دیکھا تو میں شرما گیا، پھر میں نے آپ ﷺ کو دعوت دی تو آپ ﷺ نے اپنے ہمراہ باقی موجود صحابہ رضی اللہ عنہم کو دعوت کے لیے چلنے کا کہہ دیا۔ (مسلم: 2040/ 143)......سب نے جب کھانا کھا لیا تو آخر میں رسول اللہ ﷺ، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ چاروں نے مل کر کھایا۔ (مسلم:2040/ 5322) پھر باقی ماندہ کھانا جمع کر کے آپ ﷺ نے اس میں برکت کی دعا کی تو وہ پہلے کی طرح ہو گیا اور فرمایا: ''اسے پکڑ لو'' (مسلم: 2040/ 5318) پھر انھوں نے بقیہ کھانا ہمسائیوں کو ہدیہ کر دیا۔ (مسلم:2040/ 5322)......مسند احمد کی روایت میں کچھ مزید معلومات بھی ہیں، مثلاً روٹیوں پر تیل ڈالنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے تیل منگوایا تھا، پھر آپ ﷺ نے برتن میں جو کچھ تھا، اس پر ہاتھ پھیرا اور یہ دعا پڑھی: (بِسْمِ اللّٰهِ، اَللّٰهُمَّ اَعْظِمْ فِيهَا الْبَرَكَةَ) ''اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں، اے اللہ! اس میں برکت کو بڑھا دے۔'' پھر آپ بسم اللہ پڑھتے رہے اور ہاتھ پھیرتے رہے، وہ روٹی کی شکل بن گئی اور پھولنے لگی حتیٰ کہ وہ ٹب نما برتن جس میں اسے ڈالا گیا تھا، اس سے بھی بڑھ گئی، پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بسم اللہ پڑھ کر برتن کے کناروں سے کھانے کی ہدایت فرمائی۔ (مسند احمد بحواله زرقانی: 4/ 403)...... یاد رہے کہ ایک اور موقع پر سیدہ اُم سلیم رضی اللہ عنہا نے ایک مُدّ (آدھ کلو سے کچھ زائد) جو لے کر ان کے آٹے میں گھی ملا کر حریرہ (حلوہ) تیار کیا تھا اور رسول اللہ ﷺ کو کھانے کی دعوت دی تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اور وہ جو میرے ساتھ ہیں (کیا ان کو بھی لے کر آؤں)؟'' حضرت انس رضی اللہ عنہ نے گھر میں آ کر یہ بات بتائی تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ حضور! وہ تو تھوڑا سا کھانا ہے، بہر حال وہ کھانا چالیس افراد نے کھایا تھا۔ (بخاری:5450) مختلف دلائل سے یہ واضح ہے کہ یہ کوئی اور واقعہ تھا۔

[1684] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: طَعَامُ الِاثْنَيْنِ كَافِي الثَّلَاثَةِ، وَطَعَامُ الثَّلَاثَةِ كَافِي الْأَرْبَعَةِ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دو آدمیوں کا کھانا تین کو کافی ہے اور تین کا کھانا چار کو کافی ہے۔''

[1684] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، كتاب الاطعمة، باب طعام الواحد يكفي الاثنين، حديث: 5392، صحيح مسلم، كتاب الاشربة، باب فضيلة المواساة فى الطعام القليل، حديث: 2058، ترمذی: 1820، نسائی فی الکبری: 6773، احمد: 2/244 (7318).

فائدہ: ......الغرض جس قدر کھانے والے افراد زیادہ ہوں گے اسی قدر برکت بھی زیادہ نازل ہوگی۔ نیز اس میں یہ تلقین بھی کی گئی ہے کہ دوسروں کو ترجیح دی جائے اور کفایت شعاری اختیار کی جائے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی روایت میں یہ فرمانِ نبوی ﷺ ہے: ''ایک آدمی کا کھانا دو کو کفایت کرتا ہے، دو کا کھانا چار کو کافی ہوتا ہے اور چار کا کھانا آٹھ کو کفایت کرتا ہے۔'' (مسلم: 2059)

[1685] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ الْمَكِّيِّ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رضي الله عنه، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: أَغْلِقُوا الْبَابَ، وَأَوْكُوا السِّقَاءَ، وَأَكْفِئُوا الإِنَاءَ، أَوْ خَمِّرُوا الإِنَاءَ، وَأَطْفِئُوا الْمِصْبَاحَ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَفْتَحُ غَلَقاً، وَلَا يَحُلُّ وِكَاءً، وَلَا يَكْشِفُ إِنَاءً، وَإِنَّ الْفُوَيْسِقَةَ تُضْرِمُ عَلَى النَّاسِ بَيْتَهُمْ.

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دروازے بند رکھو، مشکیزے کو تسمہ باندھو، برتن کو الٹا کردو یا برتن کو ڈھانپ دو اور چراغ کو بجھا دو کیونکہ بلاشبہ شیطان بند شدہ (دروازے) کو نہیں کھول سکتا اور نہ کسی تسمے کو کھول سکتا ہے اور نہ برتن کو ننگا کرسکتا ہے اور بلاشبہ چوہا لوگوں پر ان کے گھر جلا دیتا ہے۔''

فائدہ: ...... دوسری روایات میں ان مذکورہ چاروں کاموں کے ساتھ الگ الگ آپ ﷺ نے یہ حکم بھی فرمایا تھا کہ بسم اللہ پڑھ کر یہ کام کرو۔ (بخاری: 3280، مسلم: 97/2012) نیز یہ بھی فرمایا: اگر برتن ڈھانپنے کے لیے کچھ اور نہ ملے سوائے ایک لکڑی کے تو اسی کو برتن کے اوپر چوڑائی میں رکھ دے اور بسم اللہ پڑھ لے۔'' (مسلم: 16/2012) اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ جب شام کا اندھیرا چھا جائے تو اپنے بچوں کو روک کر رکھو کیونکہ اس وقت شیطان منتشر ہو جاتے ہیں۔'' (بخاری: 3280، مسلم: 47/2012) نیز اس وقت جانوروں کو بھی گھروں میں روک کر رکھنے کا حکم ہے۔ (مسلم: 2013)......اگر سوتے وقت چراغ روشن رہے تو چوہا جو انسان کا دشمن جانور ہے، اس چراغ کی بتی نکال کر بستر وغیرہ پر ڈال دیتا ہے جس سے آگ بھڑک اٹھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کا نام ہی ''فُوَيْسِقَه'' رکھا ہے۔ (بخاری: 3316، مسلم: 2012) یہ لفظ ''فسق'' سے ماخوذ ہے، نیز حرم کعبہ میں بھی اسے مارنے کا حکم دیا ہے۔ (بخاری: 3314، مسلم: 1198)..........حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں یہ فرمان نبوی ﷺ ہے کہ برتن ڈھانپ کر اور مشکیزے کا منہ بند کر کے رکھا کرو کیونکہ سال بھر میں ایک رات

[1685] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب صفة ابلیس و جنوده، حدیث: 3280، 3304، 3316، 5623، 5624، 6295، 6296، صحیح مسلم کتاب الاشربة، باب استحباب تخمیر الاناء وهو تغطیة، حدیث: 2012، ابوداود: 2732، ترمذی: 1812، نسائی فی الکبری: 10582، ابن ماجه: 3410، احمد: 301/3 (14277).

ایسی ہے جس میں ایک وبا نازل ہوتی ہے۔ وہ نہ ڈھانپے ہوئے جس برتن اور تسمہ نہ باندھے ہوئے جس مشکیزے کے پاس سے گزرتی ہے اس میں داخل ہو جاتی ہے۔'' (مسلم: 2014)

[1686] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي شُرَيْحٍ الْكَعْبِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ :مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْراً أَوْ لِيَصْمُتْ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيُكْرِمْ جَارَهُ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ، جَائِزَتُهُ يَوْمٌ وَلَيْلَةٌ، وَضِيَافَتُهُ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ، فَمَا كَانَ بَعْدَ ذَلِكَ فَهُوَ صَدَقَةٌ، وَلَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يَثْوِيَ عِنْدَهُ حَتَّى يُحْرِجَهُ.

حضرت ابوشُریح کعبی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے تو اسے چاہیے کہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے اور جو کوئی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ اپنے پڑوسی کا اکرام (عزت افزائی اور اس کے ساتھ بہترین سلوک) کرے اور جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ اپنے مہمان کا اکرام (اور ضیافت) کرے، اس (مہمان) کا بھرپور عطیہ ایک دن اور رات میں ہے۔ (اس دوران وہ میزبان اپنی وسعت کے مطابق مہمان نوازی کرے اور کوئی کسر نہ چھوڑے) اور ضیافت (کی زیادہ سے زیادہ حد) تین دن ہے، پھر جو (مہمان نوازی) اس کے بعد بھی (جاری) ہو تو وہ (میزبان کی طرف سے مہمان پر) صدقہ ہے۔ اس (مہمان) کے لیے جائز نہیں کہ اس (میزبان) کے پاس (اتنی دیر) ٹھہرا رہے یہاں تک کہ اسے تنگی میں ڈال دے۔''

فائدہ :......حضرت ابوشریح رضی اللہ عنہ کی تین نسبتیں مشہور ہیں: کعبی، عدوی اور خزاعی۔ وہ خزاعہ قبیلے کی شاخ کعب بن عمرو میں سے تھے۔ ان کا نام مشہور ترین قول کے مطابق خویلد بن عمرو ہے ......''صدقہ'' کے لفظ میں جانبین یعنی میزبان و مہمان دونوں کو ہدایت دی گئی ہے کہ میزبان اگر مہمان نوازی جاری رکھے گا تو اسے صدقہ کرنے کا اجر ملتا رہے گا اور مہمان کو یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ تین دن کے بعد واپس چلا جائے کیونکہ بیشتر لوگ طبعی طور پر اس سے بچتے ہیں کہ صدقہ کا مال کھائیں۔ زبان کے حوالے سے فرمان نبوی ﷺ ہے: جو شخص مجھے اس چیز کی ضمانت دے دے جو اس کے دو جبڑوں کے مابین ہے (یعنی زبان) اور اس چیز کی جو اس کی دو ٹانگوں کے درمیان میں ہے (یعنی شرمگاہ)، میں اس کے لیے جنت کا ضامن بن جاؤں گا۔'' (بخاری: 6474) زبان کے حوالے سے تفصیلی بیان آگے باب: 70 تا باب: 77 میں آرہا ہے۔ پڑوسی کے حوالے سے آپ ﷺ نے فرمایا: حضرت جبریل علیہ السلام پڑوسی کے (ساتھ حسن سلوک

[1686] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب اكرام الضيف وخدمته اياه بنفسه، حديث: 6019، 6135، 6476، صحيح مسلم كتاب اللقطة، باب الضيافة ونحوها، حديث: 48 بعد از: 1726، ابوداود: 3748، ترمذي: 1967، ابن ماجه: 3675، احمد: 385/6 (27703)، دارمي: 2035.

کے) حوالے سے مجھے مسلسل وصیت کرتے رہے، یہاں تک کہ میں نے سمجھا کہ وہ عنقریب اسے وراثت میں حصہ دار بنادیں گے۔'' (بخاری: 6014، مسلم: 2624) ایک دفعہ آپ ﷺ نے تین بار فرمایا: ''اللہ کی قسم: وہ شخص مومن نہیں'' پھر پوچھنے پر فرمایا: ''جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں سے محفوظ نہ ہو۔'' (بخاری: 6016) نیز فرمایا: ''وہ (پڑوسی کو ستانے والا) جنت میں داخل نہ ہوگا۔'' (مسلم: 46)

[1687] عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِي بِطَرِيقٍ، إِذِ اشْتَدَّ عَلَيْهِ الْعَطَشُ، فَوَجَدَ بِئْراً فَنَزَلَ فِيهَا فَشَرِبَ وَخَرَجَ، فَإِذَا كَلْبٌ يَلْهَثُ يَأْكُلُ الثَّرَى مِنَ الْعَطَشِ، فَقَالَ الرَّجُلُ: لَقَدْ بَلَغَ هٰذَا الْكَلْبَ مِنَ الْعَطَشِ مِثْلُ الَّذِي بَلَغَ مِنِّي، فَنَزَلَ الْبِئْرَ فَمَلأَ خُفَّهُ، ثُمَّ أَمْسَكَهُ بِفِيهِ حَتَّى رَقِيَ، فَسَقَى الْكَلْبَ، فَشَكَرَ اللّٰهُ لَهُ فَغَفَرَ لَهُ فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَإِنَّ لَنَا فِي الْبَهَائِمِ لأَجْراً؟ فَقَالَ: فِي كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ رَطْبَةٍ أَجْرٌ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایک دفعہ ایک آدمی کسی راستے پہ چل رہا تھا، اچانک اسے سخت پیاس لگی، اس نے ایک کنواں پایا تو اس میں اتر گیا اور پانی پیا پھر باہر نکل آیا تو اچانک (اس نے دیکھا کہ) ایک کتا (کنویں کے پاس کھڑا) ہانپ رہا ہے اور پیاس کی وجہ سے گیلی مٹی (کیچڑ) کھا رہا ہے۔ وہ آدمی (دل میں) کہنے لگا کہ یقیناً اس کتے کو بھی اس جیسی پیاس لگی ہے جس طرح وہ مجھے پہنچی تھی۔ چنانچہ وہ (دوبارہ) کنویں میں اترا، اپنے موزے کو (پانی سے) بھرا، پھر اسے اپنے منہ سے پکڑا یہاں تک کہ (اوپر) چڑھ آیا، پھر کتے کو پانی پلا دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی قدردانی فرمائی اور اسے معاف کر دیا۔'' لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! (کیا) بے شک ہمارے لیے چوپایوں میں بھی اجر ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر تر جگر والی (جاندار) چیز میں اجر ہے۔''

فائدہ: ......سوائے ان جانوروں کے جنھیں مارنے کا حکم ہے، مثلاً خنزیر، سانپ، بچھو، چوہا وغیرہ۔ یاد رہے کہ جب کتے پر رحم کا یہ نتیجہ ہے تو انسانوں پر رحم کا اجر کتنا ہوگا۔

[1688] عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، أَنَّهُ قَالَ:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں:

[1687] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب المساقاة، باب فضل سقي الماء، حديث: 173، 2363، 2466، 6009، صحيح مسلم، كتاب السلام، باب فضل سقي البهائم المحترمة واطعامها، حديث: 2244، ابوداود: 2550، احمد: 375/2 (8861).

[1688] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب الشركة، باب الشركة في الطعام والنهد والعروض، حديث: 2483، 2983، 4360، 4362، 5493، 5494، صحيح مسلم، كتاب الصيد والذبائح، باب اباحة ميتات البحر، حديث: 1935، ابوداود: 3840، ترمذی: 2475، نسائی: 4356، 4359، ابن ماجه: 4159.

بَعَثَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بَعْثاً قِبَلَ السَّاحِلِ، فَأَمَّرَ عَلَيْهِمْ أَبَا عُبَيْدَةَ بْنَ الْجَرَّاحِ وَهُمْ ثَلَاثُ مِئَةٍ، قَالَ: وَأَنَا فِيهِمْ، قَالَ: فَخَرَجْنَا حَتَّى إِذَا كُنَّا بِبَعْضِ الطَّرِيقِ فَنِيَ الزَّادُ، فَأَمَرَ أَبُو عُبَيْدَةَ بِأَزْوَادِ ذَلِكَ الْجَيْشِ، فَجُمِعَ ذَلِكَ كُلُّهُ، فَكَانَ مِزْوَدَيْ تَمْرٍ، قَالَ: فَكَانَ يُقَوِّتُنَاهُ كُلَّ يَوْمٍ قَلِيلاً قَلِيلاً، حَتَّى فَنِيَ، وَلَمْ تُصِبْنَا إِلَّا تَمْرَةٌ تَمْرَةٌ. فَقُلْتُ: وَمَا تُغْنِي تَمْرَةٌ؟ فَقَالَ: لَقَدْ وَجَدْنَا فَقْدَهَا حِينَ فَنِيَتْ، قَالَ: ثُمَّ انْتَهَيْنَا إِلَى الْبَحْرِ، فَإِذَا حُوتٌ مِثْلُ الظَّرِبِ، فَأَكَلَ مِنْهُ ذَلِكَ الْجَيْشُ ثَمَانِيَ عَشْرَةَ لَيْلَةً، ثُمَّ أَمَرَ أَبُو عُبَيْدَةَ بِضِلَعَيْنِ مِنْ أَضْلَاعِهِ فَنُصِبَا، ثُمَّ أَمَرَ بِرَاحِلَةٍ فَرُحِلَتْ، ثُمَّ مَرَّتْ تَحْتَهُمَا وَلَمْ تُصِبْهُمَا.

رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر ساحلِ سمندر کی طرف بھیجا، ان پر حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کیا گیا، وہ تین سو (مجاہدین) تھے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں بھی ان میں (شامل) تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم (غزوہ میں) نکلے یہاں تک کہ جب ہم راہ میں کسی جگہ تھے تو زادِ راہ ختم ہوگیا۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے اس (مکمل) لشکر کے زادِ راہ (کو جمع کرنے) کا حکم دیا، وہ سب کا سب اکٹھا کیا گیا تو وہ کھجور کے دو توشہ دان بنا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ وہ (حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ) ہر دن میں ہمیں اس میں سے تھوڑی تھوڑی خوراک دیتے رہے یہاں تک کہ وہ بھی ختم ہوگیا اور ہمیں صرف ایک ایک کھجور کے سوا کچھ نہ ملتا۔ (وہب بن کیسان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ) میں نے کہا: بھلا ایک کھجور کیا آتی ہوگی؟ تو وہ (حضرت جابر رضی اللہ عنہ) فرمانے لگے کہ یقیناً ہم نے اس کے نہ ملنے کو اس وقت محسوس کیا جب وہ بھی نہ رہی (تب جا کر اس ایک کھجور کی قدر محسوس ہوئی۔ کچھ نہ ہونے سے کچھ ہونا بہتر ہی ہوتا ہے۔) پھر ہم ساحلِ سمندر تک پہنچ گئے تو اچانک (وہاں) ایک مچھلی (کو دیکھا جو) ٹیلے کی طرح (بہت ہی بڑی) تھی۔ چنانچہ (تین سو مجاہدین کا) لشکر اس میں سے اٹھارہ راتوں تک کھاتا رہا۔ پھر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس کی پسلیوں میں سے دو پسلیوں کے متعلق حکم دیا، چنانچہ انھیں (زمین میں) نصب کر دیا گیا پھر انھوں نے ایک اونٹ کے متعلق حکم دیا تو اس پر کجاوہ رکھا گیا، پھر وہ اونٹ اس (نصب شدہ پسلی) کے نیچے سے گزرا تو وہ ان (پسلیوں کی بلندی) کو نہ پہنچ سکا۔

قَالَ مَالِكٌ: الظَّرِبُ الْجُبَيْلُ.

امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں: (حدیث کے لفظ) "اَلظَّرِب" سے مراد چھوٹا پہاڑ ہے۔

فائدہ: ...... وہ مچھلی ایک بہت بڑے ٹیلے یا چھوٹے پہاڑ کی طرح نظر آتی تھی، یہ ان مجاہدین کے لیے اللہ تعالیٰ کا خاص انعام و اکرام اور مہمانی تھی، جو اس کی راہ میں مشقتیں برداشت کر کے یہاں پہنچے تھے، سخت بھوک کے مراحل طے کیے تھے۔ وہ ایک کھجور کو بچے کی طرح چوستے رہتے اور اس پر پانی پی لیتے تھی، اپنی لاٹھیوں سے درختوں کے پتے جھاڑ جھاڑ کر انھیں پانی سے تر کرتے اور کھا لیتے اور اوپر سے پانی پی لیتے۔ جھاڑے ہوئے پتوں کو "خَبَط"

کہتے ہیں، اسی لیے اس لشکر کا نام ''جیش الخبط'' بھی ہے۔(بخاری: 4361، مسلم: 18/1935) یہ لشکر جہینہ قبیلے کے علاقے کی طرف گیا تھا۔(مسلم: 5004/1935) اور اس کا مشن قریش کے ایک قافلے کی گھات لگانا تھا۔ (بخاری: 4361، مسلم: 18/1935) ساحل سمندر کو "سیف البحر" کہتے ہیں، اسی لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کا نام غزوۂ سیف البحر رکھا ہے۔(صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب: 66) البتہ مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ نے یہ نام اس سریے کا بھی بیان کیا ہے جو سب سے پہلے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں نکلا تھا۔(الرحیق المختوم، ص 269)...... جب مجاہدین بھوک سے بے حال ہوئے تو ایک شخص نے تین اونٹ نحر (قربان) کیے، پھر تین اونٹ قربان کیے، پھر تین اونٹ نحر کیے، پھر حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے انھیں منع کر دیا۔(بخاری: 4361، مسلم: 19/1935) یہ اونٹ حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ نے نحر کیے تھے۔(بخاری: 4361) اس تنگی کے بعد اللہ نے اپنے وعدے کے مطابق آسانی نازل فرمائی اور ''عنبر'' نامی مچھلی سے ان کی ضیافت کی۔صحابہ رضی اللہ عنہم نے جو چاہا اس سے کھایا۔ (بخاری: 2983) مچھلی کا تیل نکال نکال کر استعمال کیا جس سے جسموں کی قوت دوبارہ بحال ہوگئی اور وہ اپنی پہلی حالت پر آ گئے۔(بخاری: 4361، مسلم: 18/1935) بلکہ ان کے بدن فربہ (موٹے) ہوگئے۔حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس کی آنکھ کے گڑھے میں تیرہ آدمی بٹھائے تو وہ اس میں سما گئے۔صحابہ رضی اللہ عنہم بیل جتنے بڑے بڑے گوشت کے ٹکڑے اس سے کاٹتے۔تیل کے بڑے بڑے مشکیزے اس کی آنکھوں کے گڑھوں سے نکالتے۔انھوں نے واپسی کے سفر کے لیے بھی اس کا گوشت لمبے لمبے پارچوں کی شکل میں خشک کر لیا۔(مسلم: 17/1935) وہ مچھلی اس قدر بڑی تھی کہ اس کی پسلیوں سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔پسلی ویسے ہی ٹیڑھی ہوتی ہے اور مچھلی کی پسلی تو اور ٹیڑھی ہوتی ہے۔ اسے زمین میں گاڑھا گیا، پھر سب سے اونچے اور بڑے قد کے اونٹ کو منتخب کیا گیا اور اس کے اوپر سب سے لمبے قد والے شخص کو بٹھایا گیا تو وہ بآسانی اس پسلی کے نیچے سے گزر گیا۔(مسلم: 18/1935، بخاری: 4361) یوں لگتا ہے کہ وہ لمبے قد والے صحابی حضرت قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما تھے۔(فتح الباری، زرقانی: 417/4) جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم واپس مدینہ منورہ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ (خاص) رزق تھا، جو اللہ نے تمھارے لیے نکالا تھا۔اگر تمھارے پاس اس میں سے کچھ ہو تو ہمیں بھی کھلاؤ'' چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اسے پیش کیا گیا جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تناول فرمایا۔(بخاری: 4362، مسلم: 1935)

[1689] عَنْ عَمْرِو بْنِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ، عَنْ   عمرو بن سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اپنی دادی (اُمّ سعد حواء بنت

[1689] (مرفوع حسن لغیرہ) بخاری فی الادب المفرد: 65/1 (122)، طبرانی فی المعجم الکبیر: 174/24، بیہقی فی شعب الایمان: 253/3 (3462)، احمد: 64/4 (16728)، دارمی: 1672۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو شواہد کی بنا پر حسن قرار دیا ہے۔

جَدَّتِهِ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: يَا نِسَاءَ الْمُؤْمِنَاتِ، لَا تَحْقِرَنَّ إِحْدَاكُنَّ لِجَارَتِهَا وَلَوْ كُرَاعَ شَاةٍ مُحْرَقاً.

یزید بن سکن رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے مومن عورتوں کی جماعت! تم میں سے کوئی بھی اپنی ہمسائی کے لیے (ہدیہ بھیجنے کو) ہرگز حقیر نہ جانے اگرچہ وہ بکری کا جلا ہوا کھر ہو۔''

فائدہ :...... یہ خطاب یا تو ہدیہ بھیجنے والی کے لیے ہے یا اس عورت کے لیے جسے ہدیہ بھیجا جائے۔ پہلی صورت میں مفہوم یہ ہے کہ جس کسی کے پاس کچھ بھی زائد چیز ہو وہ اسے پڑوس کے گھر بھیجنے کو حقیر عمل نہ جانے۔ دوسری صورت میں مطلب یہ ہے کہ جسے کسی معمولی سی چیز کا ہدیہ بھیجا جائے وہ اسے ہرگز حقیر اور بے وقعت نہ جانے۔ ہمسایوں کے ساتھ لین دین کا معاملہ اللہ کے ہاں بہت اہم مقام کا حامل ہے۔ یہ روایت آگے باب: 83 میں بھی آرہی ہے۔ نیز یاد رہے کہ یہی روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی بیان کی ہے۔ (بخاری: 2566، مسلم :1030)

[1690] عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، أَنَّهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُودَ، نُهُوا عَنْ أَكْلِ الشَّحْمِ، فَبَاعُوهُ فَأَكَلُوا ثَمَنَهُ.

عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ یہودیوں پر لعنت کرے۔ انھیں چربی کھانے سے منع کیا گیا تو وہ اسے بیچنے لگے اور اس کی قیمت کھانے لگے۔''

فائدہ :...... یہ روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (بخاری: 2223، مسلم: 1582) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے (بخاری: 1224، مسلم: 1583) اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے (بخاری: 2236، مسلم: 1581) بھی روایت کی ہے۔ اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ یہودیوں پر چربی سے کسی قسم کا بھی نفع اٹھانا حرام تھا۔ لیکن انھوں نے حیلہ سازی سے کام لیا، جس طرح کہ ان میں سے کچھ لوگوں نے ہفتہ کے دن شکار کی پابندی کے معاملے میں حیلہ سازی کی اور خنزیر و بندر بنا دیے گئے۔ لہٰذا آج بھی وہ حیلہ سازی حرام ہے جو حلال کو حرام یا حرام و ممنوع کو حلال قرار دے۔ حیلے کا جواز صرف اس صورت میں ہے جب حق تک پہنچنا مقصود ہو۔

[1691] عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ كَانَ يَقُولُ: يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَيْكُمْ

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ بے شک حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمایا کرتے تھے: ''اے بنی اسرائیل! خالص پانی، (خود

[1690] (مرفوع صحیح لغیرہ) شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو صحیح لغیرہ قرار دیا ہے۔

[1691] (مقطوع ضعیف) بیهقی فی شعب الایمان: 139/4 (4584)، ابن عساکر فی تاریخ دمشق: 297/50، ابونعیم فی حلیة الاولیاء: 328/6، ابن ابی شیبه: 31872، 34218۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

بِالْمَاءِ الْقَرَاحِ، وَالْبَقْلِ الْبَرِّيِّ، وَخُبْزِ الشَّعِيرِ، وَإِيَّاكُمْ وَخُبْزَ الْبُرِّ، فَإِنَّكُمْ لَنْ تَقُومُوا بِشُكْرِهِ.

بخود اگنے والی) زمینی سبزی اور جَو کی روٹی کو لازم پکڑ لو۔ اور خود کو گندم کی روٹی سے بچاؤ کیونکہ بلاشبہ تم اس کا شکر یہ ادا نہ کرسکو گے۔‘‘

فائدہ:...... اوّل تو یہ روایت ضعیف ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس کا تعلق زیادہ سے زیادہ زہد اور دنیا سے بے رغبتی کے ساتھ ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ ہم تو سادہ پانی کے ایک گھونٹ کا بھی کماحقہ شکر یہ ادا نہیں کر سکتے، ہماری ذمہ داری صرف یہ ہے کہ اپنے عجز و انکسار اور بے بسی و لاچارگی کا اظہار کرتے ہوئے اللہ کے حضور ہر نعمت پر ’’اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ‘‘ کہہ کر ہدیہ تشکر پیش کرتے رہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے ہر نعمت کے متعلق یہ ہدایت فرمائی ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ﴾ (البقرة 172:2) ’’اے ایمان والو! ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تمھیں رزق میں دی ہیں اور اگر تم خاص اسی کی عبادت کرتے ہو تو اللہ کا شکر ادا کرو۔‘‘ نیز اللہ کی نعمتوں پر اللہ ہی کے بندوں کا حق بنتا ہے نہ کہ اللہ کے دشمنوں اور باغیوں کا، لیکن اللہ کے قانونِ مہلت کی بنا پر اہل کفر بھی ان نعمتوں کو استعمال کر لیتے ہیں ورنہ نعمتوں کے اصل مستحق تو مومن ہی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ (الاعراف: 32:7) ’’(اے نبی!) کہہ دیجیے: کون ہے وہ جس نے زینت (کی چیزیں) اور وہ کھانے پینے کی پاکیزہ چیزیں حرام کی ہیں جنھیں اللہ نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کیا ہے؟ کہہ دیجیے کہ یہ (پاکیزہ چیزیں اور زینت) تو دنیا کی زندگی میں ان لوگوں کے لیے ہیں جو ایمان لائے (اصل حق انھی کا ہے لیکن کفار بھی ان کے استعمال میں شامل رہتے ہیں، البتہ) قیامت کے دن یہ مومنوں ہی کے لیے خالص ہوں گی (اور انھی کو ملیں گی)۔‘‘

[1692] عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَوَجَدَ فِيهِ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيقَ وَعُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، فَسَأَلَهُمَا فَقَالَا: أَخْرَجَنَا الْجُوعُ. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: وَأَنَا أَخْرَجَنِي الْجُوعُ فَذَهَبُوا إِلَى أَبِي الْهَيْثَمِ

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ بے شک رسول اللہ ﷺ مسجد میں داخل ہوئے تو اس میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو پایا۔ آپ ﷺ نے ان دونوں سے دریافت فرمایا تو ان دونوں نے عرض کیا: بھوک نے ہمیں باہر نکالا ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[1692] (مرفوع صحيح) صحيح مسلم، كتاب الاشربة، باب جواز استتباعه غيره، حديث: 2083، جامع الترمذي، كتاب الزهد، باب ماجاء في معيشة اصحاب النبي ﷺ، حديث: 2369، نسائي في الكبرى: 11697، ابن ماجه: 3180.

بْنِ التَّيِّهَانِ الْأَنْصَارِيِّ، فَأَمَرَ لَهُمْ بِشَعِيرٍ عِنْدَهُ يُعْمَلُ، وَقَامَ يَذْبَحُ لَهُمْ شَاةً، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ نَكِّبْ عَنْ ذَاتِ الدَّرِّ فَذَبَحَ لَهُمْ شَاةً، وَاسْتَعْذَبَ لَهُمْ مَاءً، فَعُلِّقَ فِي نَخْلَةٍ، ثُمَّ أُتُوا بِذٰلِكَ الطَّعَامِ فَأَكَلُوا مِنْهُ، وَشَرِبُوا مِنْ ذٰلِكَ الْمَاءِ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: لَتُسْئَلُنَّ عَنْ نَعِيمِ هٰذَا الْيَوْمِ.

''اور خود مجھے بھی بھوک ہی نے باہر نکالا ہے۔'' پھر وہ سب حضرت ابوہیثم بن تیہان انصاری رضی اللہ عنہ کی طرف چلے گئے، تو انھوں نے (یعنی حضرت ابوہیثم رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر والوں کو) ان (مہمانوں) کے لیے کچھ جو کا حکم دیا کہ اس (کی روٹی) کو تیار کیا جائے اور وہ خود اٹھے اور ان کے لیے ایک بکری کو ذبح کرنے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دودھ والی بکری سے دور رہنا۔'' چنانچہ انھوں نے ان کے لیے ایک بکری ذبح کی اور ان کے لیے میٹھا پانی لے آئے، پھر اسے کھجور کے ایک درخت پر لٹکا دیا (تاکہ ہوا اسے مزید ٹھنڈا کردے) سب نے اس کھانے کو تناول فرمایا اور اس پانی کو نوش فرمایا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''تم سے آج کے دن کی نعمت کے متعلق ضرور ضرور پوچھا جائے گا۔''

فائدہ: ...... یہ قصہ مسلم شریف میں مزید تفصیل سے موجود ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قسم کھا کر فرمایا تھا کہ ''مجھے بھی بھوک نے (گھر سے) نکالا ہے۔'' پھر جب آپ مہمانی کی جگہ پہنچے تو حضرت ابوہیثم رضی اللہ عنہ گھر میں نہ تھے بلکہ میٹھا پانی لینے گئے ہوئے تھے۔ ان کی اہلیہ نے استقبال کیا، اتنی دیر میں وہ بھی پہنچ گئے اور کہنے لگے: اَلْحَمْدُ لِلّٰہ، آج کے دن مجھ سے زیادہ کسی کے گھر میں معزز مہمان نہیں ہیں۔ پھر وہ ایک ایسا خوشہ لائے جس میں تین قسم کی کھجوریں تھیں: گدر (کچی پکی)، خشک اور تر کھجوریں۔'' (مسلم: 2083) ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ حضرت ابوعسیب، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم کو لے کر ایک انصاری صحابی کے پاس گئے، پھر آپ ﷺ نے گدر کھجوریں اور ٹھنڈا پانی منگوایا اور بعد میں فرمایا: تم سے قیامت کے دن ان نعمتوں کے متعلق ضرور ضرور سوال ہوگا۔'' تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (پریشانی اور گھبراہٹ میں) کھجوریں زمین پر پھینک دیں اور عرض کیا: کیا ان کے متعلق ہم سے سوال ہوگا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں''، سوائے تین چیزوں کے ''وہ کپڑے کا ٹکڑا جس سے آدمی اپنا ستر ڈھانپے، وہ روٹی کا ٹکڑا جس سے اپنی بھوک مٹائے اور وہ سوراخ (تنگ سی جگہ) جس میں وہ گرمی وسردی سے بچنے کے لیے بمشکل داخل ہو۔'' (احمد: 81/5)

[1693] عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ

یحییٰ بن سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ حضرت عمر بن

[1693] (موقوف ضعيف) بيهقي في شعب الايمان: 36/5 (5682)، ابن ابي شيبه: 34453، ابن سعد في الطبقات الكبرى: 312/3، ابن شبه في تاريخ المدينة: 307/2۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔

الْخَطَّابِ كَانَ يَأْكُلُ خُبْزاً بِسَمْنٍ، فَدَعَا رَجُلاً مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ، فَجَعَلَ يَأْكُلُ وَيَتَّبِعُ بِاللُّقْمَةِ وَضَرَ الصَّحْفَةِ، فَقَالَ عُمَرُ كَأَنَّكَ مُقْفِرٌ. فَقَالَ: وَاللّٰهِ مَا أَكَلْتُ سَمْناً، وَلَا رَأَيْتُ أَكْلاً بِهِ مُنْذُ كَذَا وَكَذَا. فَقَالَ عُمَرُ: لَا آكُلُ السَّمْنَ حَتَّى يَحْيَا النَّاسُ مِنْ أَوَّلِ مَا يَحْيَوْنَ.

خطاب رضی اللہ عنہ گھی کے ساتھ روٹی کھا رہے تھے۔ انھوں نے صحرا والوں میں سے ایک شخص ((ایک بدوی، خانہ بدوش) کو بلایا، وہ بھی کھانا شروع ہوگیا اور پلیٹ کے ساتھ جو (گھی کا) میل کچیل لگا تھا، اسے لقمے کے ساتھ ملنے لگا۔ یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا: گویا تم بھوکے (رہتے) ہو (کبھی سالن نہیں دیکھا)؟ وہ عرض کرنے لگا: اللہ کی قسم! میں نے اتنے عرصے سے نہ گھی کھایا ہے اور نہ اس کے ساتھ (کسی کو) کھاتے دیکھا ہے (کیونکہ ان کے علاقہ میں قحط سالی کی کیفیت ہے) تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: میں بھی گھی نہ کھاؤں گا یہاں تک کہ لوگ خوشحال ہو جائیں، اس سب سے پہلے موقع پر کہ جس میں وہ خوشحالی پائیں۔

فائدہ :...... یعنی جب تک لوگوں پر مینہ نہ برسے اور وہ خوشحالی و فراوانی نہ پالیں میں بھی گھی کو منہ نہ لگاؤں گا۔ چنانچہ جب بھی وہ پہلی بار گھی کھائیں گے تو میں بھی گھی کے قریب جاؤں گا ورنہ ان کے غم میں شریک رہوں گا۔

[1694] عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّهُ قَالَ: رَأَيْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، وَهُوَ يَوْمَئِذٍ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ، يُطْرَحُ لَهُ صَاعٌ مِنْ تَمْرٍ، فَيَأْكُلُهُ حَتَّى يَأْكُلَ حَشَفَهَا.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں: میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا، وہ اس وقت امیر المؤمنین تھے، ان کے لیے خشک کھجوروں کا ایک صاع ڈالا جاتا (ان کے سامنے بکھیرا جاتا) تو وہ ان تمام کھجوروں کو کھا جاتے یہاں تک کہ ان میں سے ردی کھجوروں کو بھی۔

فائدہ :...... کیونکہ وہ کئی کئی دن تک پیٹ بھر کر نہ کھا پاتے تھے۔ اس لیے بسا اوقات اگر ایک صاع یعنی دو کلو سے زائد کھجوریں کہیں سے ملتیں تو سب کھا جاتے یا اس لیے کہ ان کے ہمراہ دوسرے لوگ بھی ہوتے، جو ان کھجوروں کو تناول فرماتے۔ ان کی عاجزی اور انکسار تھا کہ وہ گھٹیا قسم کی کھجور بھی کھا لیتے تھے۔

[1695] عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عَبْدِ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، کہتے ہیں:

[1694] (موقوف صحیح) بیھقی فی شعب الایمان: 35/5 (5676)، ابن سعد فی الطبقات الکبری: 318/3، ابن ابی شیبہ: 34478۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو شیخین کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے۔

[1695] (موقوف صحیح) بیھقی: 258/9 (18999)، عبدالرزاق: 530/4 (8751)، ابن ابی شیبہ: 24553، ابن سعد فی الطبقات الکبری: 318/3۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔

اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ قَالَ: سُئِلَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عَنِ الْجَرَادِ؟ فَقَالَ: وَدِدْتُ أَنَّ عِنْدِي قَفْعَةً نَأْكُلُ مِنْهُ.

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ٹڈی دل کے (حلال یا حرام ہونے کے) متعلق پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: میں تو یہ خواہش کرتا ہوں کہ میرے پاس (ان سے بھری ہوئی) ایک ٹوکری ہوتی جس سے ہم کھاتے۔

فائدہ: ...... "قَفْعَةٌ" کھجور کے پتوں سے بنی ہوئی اس ٹوکری کو کہتے ہیں جو اوپر سے تنگ اور نیچے سے کشادہ ہوتی ہے۔ ٹڈی حلال ہے۔ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سات یا چھ غزوات میں شرکت کی، ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ٹڈی کھایا کرتے تھے۔ (بخاری: 5495، مسلم: 1952) ٹڈی دل سے مراد وہ اڑنے والے مکوڑے ہیں جو لاکھوں کی تعداد میں آبادیوں پر حملہ آور ہوتے ہیں اور ہر قسم کا سبزہ چٹ کر جاتے ہیں۔ اسے انگلش میں (Locust) کہتے ہیں۔ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: "ہمارے لیے دو مردار اور دو خون حلال کر دیے گئے ہیں۔ رہے مردار تو وہ مچھلی اور ٹڈی ہیں اور رہے خون تو وہ کلیجی اور تلی ہیں۔" (ابن ماجہ: 3314۔ اس کی سند حسن ہے۔ الصحیحۃ: 1118)

[1696] عَنْ حُمَيْدِ بْنِ مَالِكِ بْنِ خُثَيْمٍ، أَنَّهُ قَالَ: كُنْتُ جَالِساً مَعَ أَبِي هُرَيْرَةَ بِأَرْضِهِ بِالْعَقِيقِ، فَأَتَاهُ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ عَلَى دَوَابٍّ فَنَزَلُوا عِنْدَهُ، قَالَ حُمَيْدٌ: فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: اذْهَبْ إِلَى أُمِّي فَقُلْ: إِنَّ ابْنَكِ يُقْرِئُكِ السَّلَامَ وَيَقُولُ: أَطْعِمِينَا شَيْئاً. قَالَ: فَوَضَعَتْ ثَلَاثَةَ أَقْرَاصٍ فِي صَحْفَةٍ، وَشَيْئاً مِنْ زَيْتٍ وَمِلْحٍ، ثُمَّ وَضَعَتْهَا عَلَى رَأْسِي وَحَمَلْتُهَا إِلَيْهِمْ. فَلَمَّا وَضَعْتُهَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ كَبَّرَ أَبُو هُرَيْرَةَ وَقَالَ: الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَشْبَعَنَا مِنَ الْخُبْزِ بَعْدَ أَنْ لَمْ يَكُنْ طَعَامُنَا إِلَّا

حُمید بن مالک بن خُثَیم رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں: میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ (مدینہ سے چار میل دور) عقیق نامی مقام پر ان کی زمین میں بیٹھا ہوا تھا۔ اتنے میں ان کے پاس اہلِ مدینہ میں سے کچھ لوگ جانوروں پر (سوار ہوکر) آئے اور ان کے پاس اترے۔ حُمید رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا: میری امی جان کے پاس جاؤ، ان سے کہو کہ آپ کا بیٹا آپ کو سلام عرض کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ہمیں کھانے کے لیے کچھ دیجیے۔ حُمید رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ انھوں نے ایک پلیٹ میں تین ٹکیاں (روٹیاں) رکھیں، نیز زیتون کا کچھ تیل اور نمک بھی رکھا، پھر ان چیزوں کو میرے سر پر رکھا اور میں

[1696] (موقوف صحیح) بخاری فی الادب المفرد: 294/1 (572)، المزی فی تهذیب الکمال: 390/7، الذهبی فی سیر اعلام النبلاء: 610/2، عبدالرزاق: 408/1 (1600)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

الأَسْوَدَيْنِ، الْمَاءَ وَالتَّمْرَ. فَلَمْ يُصِبِ الْقَوْمُ مِنَ الطَّعَامِ شَيْئاً، فَلَمَّا انْصَرَفُوا قَالَ: يَا ابْنَ أَخِي أَحْسِنْ إِلَى غَنَمِكَ، وَامْسَحِ الرُّعَامَ عَنْهَا، وَأَطِبْ مُرَاحَهَا، وَصَلِّ فِي نَاحِيَتِهَا، فَإِنَّهَا مِنْ دَوَابِّ الْجَنَّةِ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَيُوشِكُ أَنْ يَأْتِيَ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ، تَكُونُ الثُّلَّةُ مِنَ الْغَنَمِ أَحَبَّ إِلَى صَاحِبِهَا مِنْ دَارِ مَرْوَانَ.

انھیں اٹھا کران (مہمانوں) کی طرف لے آیا۔ جب میں نے انھیں ان کے سامنے رکھا تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے تکبیر کہی اور فرمایا: اسی اللہ کے لیے سب حمد ہے جس نے ہمیں روٹی کے ساتھ سیر (ہونے کا انتظام) کیا، بعد اس کے کہ ہمارا کھانا دوسیاہ چیزوں یعنی پانی اور کھجور کے سوا کچھ نہ ہوتا تھا۔ پھر لوگوں نے اس کھانے سے کچھ حاصل نہ کیا (بالکل نہ کھایا، شاید اس لیے کہ وہ پہلے سے سیر تھے) یا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کھانے سے نہ لذت پا سکے اور نہ سیر ہو سکے) پھر جب وہ (مہمان چلے گئے) تو انھوں نے مجھ سے کہا: بھتیجے! اپنی بکریوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا کرو، ان کے ناک کے فضلے کو بھی (بغیر کسی ہچکچاہٹ کے) صاف کیا کر، ان کے باڑے کو صاف رکھا کر اور ان کے (پاس ان کے باڑے میں) ایک جانب نماز پڑھ لیا کر، کیونکہ بلاشبہ وہ تو جنت کے جانوروں میں سے ہیں۔ قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یقیناً قریب ہے کہ لوگوں پر ایسا زمانہ آجائے کہ بکریوں کا غلّہ (اور چھوٹا سا ریوڑ) ان کے مالک کے نزدیک (مدینہ کے امیر) مروان رحمہ اللہ کے گھر (شاہی محل) سے زیادہ پسندیدہ ہوگا۔

فائدہ: ...... فتنے اس قدر زیادہ اور خوفناک ہوں گے کہ آدمی حکومت وعہدہ چھوڑ کر بکریوں کے ساتھ جنگلوں اور صحراؤں میں رہنے کو ترجیح دے گا اور اس پُرفتن اور پُرخطر دور میں آدمی کا بہترین رفیق اس کی بکریاں ہوں گی۔ لہٰذا بکریوں سے پیار کرنا چاہیے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ یہ فرمانِ نبوی ﷺ نقل کرتے ہیں: ''قریب ہے کہ مسلمان کا سب سے بہتر مال بکریاں ہوں گی، جنھیں لے کر وہ پہاڑوں کی چوٹیوں اور بارش کے مقامات پر رہے گا۔ وہ (ایسا کرتے ہوئے دراصل) اپنے دین کو لے کر فتنوں سے (بچنے کے لیے) بھاگ رہا ہوگا۔'' (بخاری: ۱۹)

[1697] عَنْ أَبِي نُعَيْمٍ وَهْبِ بْنِ كَيْسَانَ، قَالَ: أُتِيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِطَعَامٍ وَمَعَهُ رَبِيبُهُ عُمَرُ بْنُ أَبِي سَلَمَةَ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ: سَمِّ اللهَ وَكُلْ مِمَّا يَلِيكَ.

ابونعیم وہب بن کیسان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کے پاس کھانا لایا گیا، اس حال میں کہ آپ ﷺ کے ہمراہ آپ ﷺ کے ربیب (سوتیلے بیٹے) حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہما تھے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا:

[1697] (مرفوع صحيح) صحيح البخاری، كتاب الاطعمة، باب الاكل ممايليه، حديث: 5376، 5378، 5377، صحيح مسلم، كتاب الاشربة، باب آداب الطعام والشراب واحكامهما، حديث: 2022، ابوداود: 3777، ترمذی: 1857، ابن ماجه: 3265، احمد: 26/4 (16442).

''اللہ کا نام لو (بسم اللہ پڑھو) اور اسی جانب سے کھاؤ جو تمھارے قریب (اور سامنے) ہے۔''

[1698] سَمِعْتُ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ يَقُولُ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ فَقَالَ لَهُ: إِنَّ لِي يَتِيماً وَلَهُ إِبِلٌ، أَفَأَشْرَبُ مِنْ لَبَنِ إِبِلِهِ؟ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: إِنْ كُنْتَ تَبْغِي ضَالَّةَ إِبِلِهِ، وَتَهْنَأُ جَرْبَاهَا، وَتَلُطُّ حَوْضَهَا، وَتَسْقِيهَا يَوْمَ وِرْدِهَا، فَاشْرَبْ غَيْرَ مُضِرٍّ بِنَسْلٍ، وَلَا نَاهِكٍ فِي الْحَلْبِ۔

قاسم بن محمد رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ ایک آدمی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور ان سے کہنے لگا کہ یقیناً میرے پاس ایک یتیم (زیر کفالت) ہے اور اس کے کچھ اونٹ ہیں تو کیا میں اس کی اونٹنیوں کے دودھ میں سے پی سکتا ہوں؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اگر تو اس کے اونٹوں میں سے گم ہو جانے والے کو ڈھونڈتا ہے، ان میں سے خارش زدہ اونٹ کو تارکول ملتا ہے، ان کے (پانی پینے کے) حوض کو لیپ کرتا ہے اور ان کے (گھاٹ پر) وارد ہونے کے دن انھیں پانی پلاتا ہے تو تُو (ان کا دودھ) پی سکتا ہے، اس حال میں کہ نہ نسل (دودھ پیتے بچوں) کو نقصان پہنچانے والا ہو اور نہ دودھ میں مبالغہ کرنے والا ہو۔

فائدہ: ......اس مبالغے کی صورت یہ ہے کہ تھنوں کو خوب دبا دبا کر اونٹنی کو تکلیف بھی دی جائے اور دودھ کا ایک قطرہ بھی باقی نہ چھوڑا جائے۔ یتیموں کے مال کے حوالے سے ارشادِ الٰہی ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا﴾ (النساء 4:10) ''بے شک جو لوگ یتیموں کا مال ظلم کے ساتھ کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں اور وہ جلد ہی دہکتی آگ میں داخل ہوں گے۔'' پھر جب یتیموں کی کفالت کرنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ قُلْ إِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ وَإِنْ تُخَالِطُوهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ﴾ (البقرة 2:220) ''اور وہ آپ سے یتیموں کے بارے میں پوچھتے ہیں، کہہ دیجیے کہ ان کی اصلاح کرنا ان کے لیے بہت بہتر ہے اور اگر تم اپنا اور ان کا خرچ اور رہن سہن اکٹھا رکھو تو وہ تمھارے بھائی ہی ہیں اور اللہ تعالیٰ اصلاح کرنے والے کو فساد کرنے والے سے (ممتاز کر کے) جانتا ہے۔'' نیز فرمایا: ﴿وَلَا تَأْكُلُوهَا إِسْرَافًا وَبِدَارًا أَنْ يَكْبَرُوا وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ﴾ (النساء 4:6) ''اور تم حد سے بڑھتے ہوئے اور جلدی کرتے ہوئے ان (یتیموں) کے مال اس خیال سے نہ کھا جاؤ کہ وہ بڑے ہو جائیں گے (اور اپنا حق مانگیں گے) اور جو (سرپرست) مالدار ہو وہ (یتیم کا مال بطور اجرت کھانے سے بھی) بچے اور جو غریب ہو وہ دستور کے مطابق (اس

[1698] (موقوف صحیح) بیهقی: 4/6 (10996)، 284/6 (12670)، بغوی فی شرح السنة: 306/8 (2206)، سعید بن منصور: 571/3 (157/1)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

کا مال) کھا سکتا ہے۔"

[1699] عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ كَانَ لَا يُؤْتَى أَبَداً بِطَعَامٍ وَلَا شَرَابٍ، حَتَّى الدَّوَاءُ فَيَطْعَمَهُ أَوْ يَشْرَبَهُ إِلَّا قَالَ: الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا، وَأَطْعَمَنَا وَسَقَانَا، وَنَعَّمَنَا، اللّٰهُ أَكْبَرُ، اللَّهُمَّ أَلْفَتْنَا نِعْمَتُكَ بِكُلِّ شَرٍّ، فَأَصْبَحْنَا مِنْهَا وَأَمْسَيْنَا بِكُلِّ خَيْرٍ، نَسْأَلُكَ تَمَامَهَا وَشُكْرَهَا، لَا خَيْرَ إِلَّا خَيْرُكَ، وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ، إِلَهَ الصَّالِحِينَ، وَرَبَّ الْعَالَمِينَ، الْحَمْدُ لِلَّهِ، وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، مَا شَاءَ اللَّهُ، وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ، اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيمَا رَزَقْتَنَا، وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ .

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ اپنے والد (عروہ بن زبیر رحمہ اللہ) سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے پاس کبھی بھی کوئی ایسا کھانا یا پینے کی چیز حتیٰ کہ دوائی بھی آتی جسے وہ کھاتے یا پیتے تو ضرور یہ (دعائیہ کلمات) کہتے: ہر قسم کی حمد اس کے لیے ہے جس نے ہمیں ہدایت عطا فرمائی اور ہمیں کھلایا اور ہمیں پلایا اور ہم پر انعام فرمایا اور اللہ ہی سب سے بڑا ہے۔اے اللہ! تیری نعمت نے ہمیں ہر شر کے ساتھ مبتلا پایا (اس حال میں ہمارے پاس پہنچی کہ ہم سراسر برائیوں میں مصروف تھے،) پھر ہم نے اس نعمت کی وجہ سے ہر خیر کے ساتھ صبح اور شام کی، ہم تجھ سے اس نعمت کی تکمیل اور اس کے شکر (کی توفیق) کا سوال کرتے ہیں۔ تیری خیر کے سوا کوئی خیر نہیں اور تیرے سوا کوئی برحق معبود نہیں، اے نیک لوگوں کے معبود اور اے جہانوں کے رب! ہر قسم کی حمد اللہ ہی کے لیے ہے۔ اور اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں ہے، جو اللہ چاہے (وہی ہوتا ہے) اور اللہ (کی توفیق) کے بنا کوئی قوت نہیں ہے۔ اے اللہ! ہمارے لیے اس چیز میں برکت عطا فرما جو تو نے ہمیں عطا کی اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

قَالَ يَحْيَى : سُئِلَ مَالِكٌ : هَلْ تَأْكُلُ الْمَرْأَةُ مَعَ غَيْرِ ذِي مَحْرَمٍ مِنْهَا، أَوْ مَعَ غُلَامِهَا ؟ فَقَالَ مَالِكٌ : لَيْسَ بِذَلِكَ بَأْسٌ، إِذَا كَانَ ذَلِكَ عَلَى وَجْهِ مَا يُعْرَفُ لِلْمَرْأَةِ أَنْ تَأْكُلَ مَعَهُ مِنَ الرِّجَالِ .

امام مالک رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ کیا عورت اپنے محرم کے علاوہ کے ساتھ یا اپنے غلام کے ساتھ کھا سکتی ہے؟ تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں جب کہ یہ اس صورت میں ہو جو عورت کے لیے معروف ہو کہ وہ مردوں میں سے کسی کے ساتھ (اسی معروف طریقے سے) کھاتی ہو (یعنی وہ محرم رشتہ داروں کی موجودگی میں کھا رہی ہو اور وہاں کوئی غیر محرم بھی کھا لے تو کوئی حرج نہ ہوگا)

قَالَ مَالِكٌ: وَقَدْ تَأْكُلُ الْمَرْأَةُ مَعَ زَوْجِهَا وَمَعَ غَيْرِهِ مِمَّنْ يُؤَاكِلُهُ، أَوْ مَعَ أَخِيهَا عَلَى مِثْلِ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور بسا اوقات عورت اپنے خاوند کے ساتھ کھاتی ہے اور اس خاوند کے علاوہ شخص کے ساتھ

[1699] (مقطوع صحيح) ابن ابی شیبه: ۲٤٥٠٢، ۲۹٥٥۹۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

ذَلِكَ ، وَيُكْرَهُ لِلْمَرْأَةِ أَنْ تَخْلُوَ مَعَ الرَّجُلِ لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا حُرْمَةٌ .

بھی جو کہ خاوند کے ساتھ مل کر کھارہا ہوتا ہے (یعنی عورت تو اپنے خاوند کے ساتھ کھاتی ہے لیکن وہاں خاوند کا کوئی جاننے والا بھی کھارہا ہوتا ہے) یا وہ اپنے بھائی کے ساتھ اسی طرح کھاتی ہے (کہ وہاں بھائی کا جاننے والا کوئی شخص ہوتا ہے عورت کے لیے تو یہ بات ناپسند ہے کہ وہ ایسے مرد کے ساتھ خلوت وتنہائی اختیار کرے کہ اس عورت اور اس مرد کے درمیان کوئی (نکاح یا محرم رشتہ داری والی) حرمت نہ ہو۔

فائدہ: ......یعنی عورت اس شخص کے ساتھ تنہائی اختیار نہ کرے جو نہ اس کا خاوند ہو نہ محرم رشتہ دار ہو، نہ نسب سے اور نہ رضاعت سے۔ محرم رشتہ دار سے مراد وہ شخص ہے جس کے ساتھ عورت کا نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہوتا ہے۔

32- بَابُ مَاجَاءَ فِي أَكْلِ اللَّحْمِ

گوشت کھانے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں دوموقوف روایات یعنی آثار صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں اور دونوں ہی سنداً حسن ہیں۔

[1700] عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ : إِيَّاكُمْ وَاللَّحْمَ ، فَإِنَّ لَهُ ضَرَاوَةً كَضَرَاوَةِ الْخَمْرِ .

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اپنے آپ کو گوشت سے بچاؤ (یعنی کثرت سے گوشت نہ کھایا کرو) کیونکہ بلاشبہ اس میں بھی شراب کی عادت جیسی عادت ہے۔

فائدہ: ......جس طرح شراب کے عادی شخص کی طبیعت اسے بار بار شراب کی طرف اکساتی ہے اسی طرح گوشت کا حال ہے کہ عادت پڑنے کے بعد اسے چھوڑنا دشوار ہے......بہر حال ان کا یہ فرمان محض زہد اور دنیا سے بے رغبتی پر محمول ہے۔

[1701] عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ : أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ أَدْرَكَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ وَمَعَهُ حِمَالُ لَحْمٍ ، فَقَالَ : مَا هَذَا ؟ فَقَالَ : يَا أَمِيرَ

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کو پایا اس حال میں کہ ان کے (حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے) ہمراہ گوشت کا

[1700] (موقوف حسن لغیرہ) ابن ابی شیبہ : 24520، ابوداود فی الزھد: 47/68۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو حسن لغیرہ قرار دیا ہے۔

[1701] (موقوف حسن لغیرہ) بیھقی فی شعب الایمان: 5/ 34 (5672، 5673)، ابن ابی شیبہ : 24514، حاکم: 2/ 455۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو حسن لغیرہ قرار دیا ہے۔

الْمُؤْمِنِينَ قَرِمْنَا إِلَى اللَّحْمِ، فَاشْتَرَيْتُ بِدِرْهَمٍ لَحْماً . فَقَالَ عُمَرُ: أَمَا يُرِيدُ أَحَدُكُمْ أَنْ يَطْوِيَ بَطْنَهُ عَنْ جَارِهِ أَوِ ابْنِ عَمِّهِ، أَيْنَ تَذْهَبُ عَنْكُمْ هَذِهِ الآيَةُ (أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا .

(ایک گٹھڑی کی شکل میں) بوجھ تھا تو انھوں نے فرمایا: یہ کیا ہے؟ وہ کہنے لگے: اے امیر المومنین! ہمیں گوشت کی سخت خواہش ہوئی تو میں نے ایک درہم کے عوض گوشت خرید لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: کیا تم میں سے کوئی یہ نہیں چاہتا کہ اپنے پڑوسی یا اپنے چچا کے بیٹے (کو ترجیح دے اور انھیں کھلانے کی وجہ) سے اپنے پیٹ کو بھوکا رکھے۔ یہ آیت تم سے (تمھارے ذہن سے) کدھر چلی گئی ہے (جس میں ہے کہ قیامت کے دن کفار سے کہا جائے گا:) ﴿أَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا﴾ (الاحقاف 20:46) ”تم نے اپنی دنیوی زندگی ہی میں اپنی لذتوں کو لے لیا تھا اور تم نے ان سے فائدہ اٹھا لیا تھا۔“

فائدہ: ......حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ تھا کہ دنیا میں اپنی حرص اور خواہش کے اسیر نہ بنو کہ دل میں جو خواہش اٹھے تم اس کو پورا کرنے کے درپے ہو جاؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمیں پھر روز قیامت یہ سننا پڑے کہ تم نے دنیا میں اپنے حصے کے مزے اڑا لیے اور لذتیں سمیٹ لی تھیں، اب یہاں تمھارے لیے کچھ نہیں، نیز یہ بھی مناسب نہیں کہ خود تو اپنی خواہشات کی تکمیل کرتے رہو اور تمھارے ہمسائے اور رشتہ دار بھوک سے تڑپتے رہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ محض زہد کی بنا پر ایسا فرما رہے ہیں ورنہ وہ گوشت کو حرام نہیں سمجھتے تھے جیسا کہ ہندو سمجھتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھلا اس چیز کو کیسے حرام کہہ سکتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی پسندیدہ خوراک ہو جو جنت کی اہم سوغات ہو اور جسے وہ خود کھائیں۔ جیسا کہ پیچھے روایت: 1691 میں اور اس کے فائدہ میں بیان ہوا ہے۔ نیز شکار کے مسائل، قربانی کے مسائل اور بعض کفار کے مسائل جن میں گوشت کھانا کھلانا ملحوظ رکھا گیا ہے یہ سب بھی گوشت کے جواز کی واضح دلیلیں ہیں۔

3- بَابُ مَاجَاءَ فِي لُبْسِ الْخَاتَمِ
انگوٹھی پہننے کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں دو روایات ہیں، ایک مرفوع (حدیث نبوی ﷺ) ہے جو بخاری و مسلم میں بھی ہے اور دوسری مقطوع (اثر تابعی رحمہ اللہ) ہے جو کہ سنداً صحیح ہے۔

[1702] عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَسُولَ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول

[1702] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب اللباس، باب: 47، حديث: 5867، 5868، صحيح مسلم، كتاب اللباس والزينة، باب تحريم خاتم الذهب على الرجال، حديث: 2091، ابوداود: 4218، ترمذي: 1741، نسائي: 5167، ابن ماجه: 3643، احمد: 18/2 (4677).

اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَلْبَسُ خَاتَماً مِنْ ذَهَبٍ، ثُمَّ قَامَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَنَبَذَهُ وَقَالَ: لَا أَلْبَسُهُ أَبَداً قَالَ: فَنَبَذَ النَّاسُ خَوَاتِيمَهُمْ.

اللہ ﷺ سونے کی انگوٹھی پہنا کرتے تھے۔ پھر (ایک دن) رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور اسے پھینک دیا اور فرمایا: ''میں اسے کبھی نہیں پہنوں گا۔'' تو لوگوں نے بھی اپنی انگوٹھیاں پھینک دیں۔

فائدہ: ......یعنی اتار دیں یہ مفہوم اس لیے لینا ضروری ہے کیونکہ مال کو ضائع کرنا بھی ممنوع ہے...... بخاری شریف میں مذکورہ روایت کے اخیر میں یہ بھی ہے کہ پھر آپ ﷺ نے اور لوگوں نے چاندی کی انگوٹھیاں بنالیں۔ (بخاری: 5866)

[1703] عَنْ صَدَقَةَ بْنِ يَسَارٍ، أَنَّهُ قَالَ: سَأَلْتُ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ عَنْ لُبْسِ الْخَاتَمِ فَقَالَ: الْبَسْهُ، وَأَخْبِرِ النَّاسَ إِنِّي أَفْتَيْتُكَ.

صدقہ بن یسار رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں: میں نے سعید بن مسیب سے انگوٹھی پہننے کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے فرمایا: اسے پہن لو اور لوگوں کو خبر دے دو کہ بلاشبہ میں (سعید بن مسیب) نے تجھے یہ فتویٰ دیا ہے۔

فائدہ: ......دراصل بعض علماء نے چاندی کی انگوٹھی کو بھی مکروہ جانا تھا اور بعض نے تو بادشاہ کے علاوہ ہر کسی کے لیے اسے مکروہ جانا تھا۔ جبکہ جمہور کے نزدیک چاندی پہننے کی کوئی ممانعت نہیں ہے اور ہر کسی کے لیے اسے پہننا جائز ہے۔

34- بَابُ مَاجَاءَ فِي نَزْعِ الْمَعَالِيقِ وَالْجَرَسِ مِنَ الْعَيْنِ

نظرِ بد سے (حفاظت کی غرض سے) لٹکائی جانے والی چیزوں کو اور گھنٹی کو اتارنے کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں ایک حدیث نبوی ﷺ ہے جو کہ بخاری و مسلم میں بھی موجود ہے۔

فائدہ: ......بعض نسخوں میں باب کے عنوان کا آخری لفظ ''الْعُنُق'' (گردن) ہے۔ اس صورت میں مفہوم یہ ہوگا کہ ممنوع چیزوں کو گردن سے اتار دینے کا بیان۔ لوگ اپنے جانوروں یا سواریوں کو نظرِ بد سے بچانے کے لیے کچھ چیزیں لٹکاتے ہیں، مثلاً: پٹے، زنجیر، رسا، گانی، سنگلی اور جوتے وغیرہ اور جانوروں کے گلوں میں گھنٹیاں اور ٹلیاں بھی باندھتے ہیں تو ان سب سے منع فرما دیا گیا ہے۔ بلکہ گھنٹیوں اور ٹلیوں کے متعلق تو آپ ﷺ کا یہ فرمان ہے: ''فرشتے نہ تو اس جماعت (قافلے) کے رفیق بنتے ہیں جس میں کتا ہو اور نہ اس کے کہ جس میں گھنٹی ہو۔'' (مسلم: 2113) نیز فرمایا: ''گھنٹی شیطان کی بانسریاں ہیں۔'' (مسلم: 2114)

[1703] (مقطوع صحیح) عبدالرزاق: 1351، ابن ابی شیبہ: 25114۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

[1704] عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ، أَنَّ أَبَا بَشِيرٍ الْأَنْصَارِيَّ أَخْبَرَهُ: أَنَّهُ كَانَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ. قَالَ: فَأَرْسَلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ رَسُولاً. قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ: حَسِبْتُ أَنَّهُ قَالَ: وَالنَّاسُ فِي مَقِيلِهِمْ: لَا تَبْقَيَنَّ فِي رَقَبَةِ بَعِيرٍ قِلَادَةٌ مِنْ وَتَرٍ، أَوْ قِلَادَةٌ إِلَّا قُطِعَتْ.

عباد بن تمیم رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت ابو بشیر انصاری رضی اللہ عنہ نے انھیں خبر دی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے سفروں میں سے کسی سفر میں آپ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ حضرت ابوبشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ایک قاصد کو بھیجا۔ (امام مالک رحمہ اللہ کے شیخ) عبداللہ بن ابی بکر رحمہ اللہ کہتے ہیں: میرا خیال ہے کہ انھوں نے (عباد بن تمیم رحمہ اللہ نے بیان کرتے ہوئے) یہ بھی کہا تھا کہ اس وقت لوگ اپنی نیند کی جگہ میں تھے (سونے یا قیلولہ کرنے کی تیاری کر رہے تھے کہ آپ ﷺ کا یہ پیغام پہنچ گیا): ''کسی اونٹ کی گردن میں تانت (تندی سے بنا ہوا) پٹا یا (تندی کا نام لینے کی بجائے فرمایا) پٹا باقی نہ چھوڑا جائے مگر اسے ضرور کاٹ دیا جائے۔''

قَالَ يَحْيَى: سَمِعْتُ مَالِكاً يَقُولُ: أَرَى ذَلِكَ مِنَ الْعَيْنِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: میں سمجھتا ہوں کہ یہ (پٹا) نظر بد سے (حفاظت کے لیے باندھا جانے والا مراد) ہے۔

فائدہ :...... جانوروں کی گردنوں میں اگر مذکورہ نیت اور شرکیہ عقیدے کے علاوہ کسی اور مقصد کی خاطر پٹا ڈالا جائے، مثلاً: انھیں قابو میں رکھنے کے لیے یا حج وعمرہ وغیرہ میں بیت اللہ کے پاس قربان کرنے کی علامت کے طور پر، تو یہ جائز ہے۔

35- بَابٌ: اَلْوُضُوْءُ مِنَ الْعَيْنِ

نظر بد کی وجہ سے وضو کرنے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں دو مرفوع روایات (احادیث نبویہ ﷺ) ہیں اور دونوں سنداً صحیح ثابت ہیں۔

[1705] عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي أُمَامَةَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَاهُ يَقُولُ: اغْتَسَلَ أَبِي سَهْلُ بْنُ حُنَيْفٍ بِالْخَرَّارِ، فَنَزَعَ جُبَّةً كَانَتْ

محمد بن ابی امامہ بن سہل بن حُنَیف رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے اپنے والد ابوامامہ رحمہ اللہ (اسعد بن سہل) کو سنا، وہ فرما رہے تھے: میرے والد حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ

[1704] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب الجهاد والسیر، باب ماقیل فی الجرس و نحوه فی اعناق الابل، حدیث: 3005، صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینة باب کراهة قلادة الوتر فی رقبة البعیر، حدیث: 2115، ابوداود: 2552، نسائی فی الکبری: 8808، احمد: 216/5 (22232).

[1705] (مرفوع صحیح) سنن ابن ماجه، کتاب الطب، باب العین، حدیث: 3509، نسائی فی الکبری: 7616، احمد: 486/3 (16076)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ (الصحیحة: 149/6، صحیح موارد الظمآن: 1193)

عَلَيْهِ، وَعَامِرُ بْنُ رَبِيعَةَ يَنْظُرُ. قَالَ: وَكَانَ سَهْلٌ رَجُلاً أَبْيَضَ حَسَنَ الْجِلْدِ. قَالَ: فَقَالَ لَهُ عَامِرُ بْنُ رَبِيعَةَ: مَا رَأَيْتُ كَالْيَوْمِ وَلَا جِلْدَ عَذْرَاءَ. قَالَ: فَوُعِكَ سَهْلٌ مَكَانَهُ وَاشْتَدَّ وَعْكُهُ، فَأُتِيَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَأُخْبِرَ: أَنَّ سَهْلاً وُعِكَ، وَأَنَّهُ غَيْرُ رَائِحٍ مَعَكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، فَأَتَاهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ، فَأَخْبَرَهُ سَهْلٌ بِالَّذِي كَانَ مِنْ شَأْنِ عَامِرٍ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: عَلَامَ يَقْتُلُ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ؟ أَلَّا بَرَّكْتَ، إِنَّ الْعَيْنَ حَقٌّ، تَوَضَّأْ لَهُ. فَتَوَضَّأَ لَهُ عَامِرٌ، فَرَاحَ سَهْلٌ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ لَيْسَ بِهِ بَأْسٌ.

نے (جحفہ کے قریب ایک جگہ)"خـــرّار" میں غسل کیا، چنانچہ انھوں نے اپنا جبّہ (عبا، جُبہ، چوغہ، ایک لمبا کوٹ یا قمیص جو پاؤں تک ہوتا ہے) اتارا جو کہ ان کے اوپر تھا، اس حال میں کہ حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ (انھیں) دیکھ رہے تھے۔ ابوامامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت سہل رضی اللہ عنہ گورے اور سفید چمڑے والے تھے۔ ابوامامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ ان سے کہنے لگے: میں نے آج کے دن کی طرح (کوئی گورا اور خوبصورت جسم) نہیں دیکھا اور نہ ہی کسی کنواری کا چمڑا (اتنا خوبصورت پایا۔ ان کا یہ کہنا تھا کہ حضرت سہل رضی اللہ عنہ نیچے گر پڑے) چنانچہ حضرت سہل رضی اللہ عنہ بخار میں مبتلا ہو گئے اور ان کا بخار سخت ہو گیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا گیا اور آپ ﷺ کو خبر دی گئی کہ بلاشبہ حضرت سہل رضی اللہ عنہ بخار میں مبتلا ہیں اور یقیناً اے اللہ کے رسول! وہ آپ کے ہمراہ پچھلے پہر (کہیں) جا نہیں سکتے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ (بذات خود) ان کے پاس تشریف لائے تو حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو اس (صورت حال) کی خبر دی جو حضرت عامر رضی اللہ عنہ کے معاملے سے (واقع ہوئی) تھی، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کس بنا پر تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو قتل کرتا ہے، (اے عامر!) تم نے اس کے لیے برکت کی دعا کیوں نہ کی، یقیناً نظر بد ایک حقیقت ہے، اس کے لیے وضو کرو۔'' چنانچہ حضرت عامر رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے وضو کیا تو پچھلے پہر حضرت سہل رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ اس حال میں گئے کہ انھیں کچھ بھی تکلیف نہ تھی۔

فائدہ: ...... وضو سے کیا مراد ہے اس کی تفصیل آئندہ روایت میں آ رہی ہے۔ حضرت سہل رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے ہمراہ کہاں جانے والے تھے، اس کا علم نہیں ہو سکا۔ نظر بد کے برحق ہونے یا حقیقت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو آزمائش کے لیے تکالیف اور بیماریوں کے اسباب پیدا کیے ہیں ان میں سے ایک نظر بد ہے اور یہ واقعی تیر بہدف چیز ہے۔ یہ توہم پرستی نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگ نظر بد کو ایک وہم اور بے حقیقت چیز تصور کرتے ہیں۔ ان کی یہ بات سراسر غلط ہے، بعض الفاظِ حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ نظر بد اس قدر قوی تاثیر والاسبب ہے کہ اس کی وجہ سے آنے والی بیماری موت کا سبب بھی بن سکتی ہے۔ جیسا کہ اسی حدیث مبارکہ میں اس فرمان نبوی ﷺ سے یہ بات مترشح ہے: ''کس بنا پر تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو قتل کرتا ہے۔'' ...... نظر بد کی تاثیر کی ایک چھوٹی سی مثال غصے

سے دیکھنا یا خوشی و محبت سے دیکھنا ہے، جن کا دوسروں پر اثر انداز ہونا مسلمہ حقیقت ہے۔ اسی طرح تعجب و حیرت والی نظر سے دیکھنا بھی اثر انداز ہوتا ہے اور بعض افراد میں یہ چیز زیادہ پائی جاتی ہے۔ اس لیے ہر شخص کو چاہیے کہ جب کسی دوسرے شخص کا کوئی عمل یا کوئی وصف اسے حیرت و استعجاب میں مبتلا کرے تو اسے اللہ کی طرف منسوب کرے اور اس میں دعائے برکت کرے۔ مذکورہ حدیث مبارکہ میں اس سبب (نظر بد) کی تاثیر کو آغاز ہی میں ختم کرنے کا طریقہ یہی بتایا گیا ہے۔ چنانچہ دیکھنے والے کو یہ الفاظ پڑھنے چاہئیں: (بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ) ''اللہ تجھے برکت نصیب فرمائے۔'' یا (مَاشَاءَ اللّٰهُ) پڑھے یا (مَاشَاءَ اللّٰهُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ) پڑھے۔ امام بزار رحمہ اللہ اور ابن سنی رحمہ اللہ کی روایت میں یہ الفاظ منقول ہیں: (مَاشَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ) (زرقانی: 433/4) رہا وہ شخص جس پر نظر بد کا تیر چل چکا ہو یا جسے نظر بد سے بچنے کی خواہش ہے تو اس کے متعلق کچھ اذکار اور دعائیں آئندہ باب میں دیکھیے۔

[1706] عَنْ أَبِي أُمَامَةَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ، أَنَّهُ قَالَ: رَأَى عَامِرُ بْنُ رَبِيعَةَ سَهْلَ بْنَ حُنَيْفٍ يَغْتَسِلُ، فَقَالَ: مَا رَأَيْتُ كَالْيَوْمِ، وَلَا جِلْدَ مُخْبَأَةٍ. فَلُبِطَ سَهْلٌ فَأُتِيَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَقِيلَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ هَلْ لَكَ فِي سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ، وَاللّٰهِ مَا يَرْفَعُ رَأْسَهُ. فَقَالَ: هَلْ تَتَّهِمُونَ لَهُ أَحَدًا؟ قَالُوا: نَتَّهِمُ عَامِرَ بْنَ رَبِيعَةَ. قَالَ: فَدَعَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَامِرًا، فَتَغَيَّظَ عَلَيْهِ وَقَالَ: عَلَامَ يَقْتُلُ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ؟ أَلَّا بَرَّكْتَ، اغْتَسِلْ لَهُ. فَغَسَلَ عَامِرٌ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ، وَمِرْفَقَيْهِ وَرُكْبَتَيْهِ، وَأَطْرَافَ رِجْلَيْهِ، وَدَاخِلَةَ إِزَارِهِ فِي قَدَحٍ، ثُمَّ صُبَّ عَلَيْهِ، فَرَاحَ سَهْلٌ مَعَ النَّاسِ لَيْسَ بِهِ بَأْسٌ.

ابوامامہ بن سہل بن حنیف رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ نے (میرے والد) حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کو دیکھا، وہ غسل کر رہے تھے تو وہ کہنے لگے: میں نے آج کی طرح (کوئی حسین جسم) نہیں دیکھا حتیٰ کہ اپنے گھر کے کونے میں پردہ نشین کنواری (کے جسم) کو بھی نہیں۔ تو (اسی وقت) حضرت سہل رضی اللہ عنہ اسی جگہ بچھاڑ دیے گئے (اور وہ بیمار ہو کر زمین پر گر پڑے)۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا گیا اور عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا آپ کے لیے سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ (کی تیمارداری) میں کوئی رغبت ہے؟ اللہ کی قسم! وہ تو اپنا سر بھی نہیں اٹھا سکتے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم اس کے متعلق کسی پر (نظر بد کا) الزام لگاتے ہو؟'' انھوں نے (خبر دینے والوں نے) کہا کہ ہم عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ پر الزام لگاتے ہیں۔ ابوامامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت عامر رضی اللہ عنہ کو بلایا، ان پر غصہ دکھایا اور فرمایا:

[1706] (مرفوع صحیح) نسائی فی الکبری: 381/4 (7618، 7619)، طبرانی فی المعجم الکبیر: 79/6 (5575)، بیہقی فی دلائل النبوۃ: 136/6، بغوی فی شرح السنۃ: 163/12 (3245)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

''کس بنا پر تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو قتل کرتا ہے؟ تم نے اسے دعائے برکت کیوں نہ دی؟ اس کے لیے (اپنے اعضاء کو) دھوؤ۔'' چنانچہ حضرت عامر رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے اپنے چہرے، دونوں ہاتھوں، دونوں کہنیوں، دونوں گھٹنوں، دونوں پاؤں کے کناروں اور اپنے ازار کے اندر والی جانب کو (پانی کے ساتھ) ایک پیالے میں دھویا، پھر اس (دھونے میں استعمال ہونے والے پانی) کو ان پر (حضرت سہل رضی اللہ عنہ پر) بہایا گیا تو حضرت سہل رضی اللہ عنہ پچھلے ہی پہر لوگوں کے ساتھ چل پڑے اس حال میں کہ ان کو کچھ بھی تکلیف نہ تھی۔

فائدہ: ......ازار کے اندر والی جانب سے مراد بعض نے وہ کپڑا لیا ہے جو تہبند کے طور پر پہنا گیا ہو اور اس کا اندر والا حصہ شرم گاہ سے مل رہا ہو اور بعض نے تہبند کے نیچے والا بدن یعنی شرم گاہ اور اس کے آس پاس کی جگہ مراد لی ہے۔ اگرچہ ازار والے پانی یا استنجاء والے پانی کے چھینٹے مارنے سے کراہت سی محسوس ہوتی ہے لیکن نظر اتارنے کا یہ پکا نسخہ ہے، اس پانی کو پینا نہیں ہے بلکہ صرف جسم پر بہانا یا چھینٹے مارنا ہمارا کام ہے۔ پھر اگر طبیعت بے چین ہو کہ یہ کون سا پانی جسم پر لگ گیا ہے تو آدمی بعد میں نہا لے۔ علاج میں بہت سے ناپسندیدہ امور کو برداشت کرنا ہی پڑتا ہے جیسا کہ کڑوی دوائی پینا، آپریشن میں چیر پھاڑ کرنا، استسقاء کے مرض میں اونٹوں کا پیشاب پینا وغیرہ۔

36- بَابٌ: اَلرُّقْيَةُ مِنَ الْعَيْنِ

نظر بد سے دم کرنے کا بیان

خلاصة الباب اس باب میں دو مرفوع روایات (احادیث نبویہ ﷺ) ہیں اور دونوں سنداً صحیح ہیں۔

[1707] عَنْ حُمَيْدِ بْنِ قَيْسٍ الْمَكِّيِّ، أَنَّهُ قَالَ: دُخِلَ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ بِابْنَيْ جَعْفَرِ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، فَقَالَ لِحَاضِنَتِهِمَا: مَا لِي أَرَاهُمَا ضَارِعَيْنِ. فَقَالَتْ حَاضِنَتُهُمَا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّهُ تَسْرَعُ إِلَيْهِمَا الْعَيْنُ، وَلَمْ يَمْنَعْنَا أَنْ نَسْتَرْقِيَ لَهُمَا، إِلَّا أَنَّا لَا نَدْرِي مَا يُوَافِقُكَ مِنْ ذَلِكَ. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: اسْتَرْقُوا لَهُمَا، فَإِنَّهُ لَوْ سَبَقَ شَيْءٌ الْقَدَرَ،

حمید بن قیس کی رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کے پاس حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے دو بیٹوں کو لایا گیا تو آپ ﷺ نے ان کی دایہ (آیا) سے فرمایا: ''مجھے کیا ہوا ہے (کیا سبب ہے) کہ میں ان دونوں کو کمزور جسموں والے دیکھ رہا ہوں؟'' تو ان کی دایہ کہنے لگی کہ: اے اللہ کے رسول! بلاشبہ شان یہ ہے کہ ان دونوں کو بہت جلد نظر لگ جاتی ہے اور ان دونوں کو (نظر سے حفاظت کا) دم کروانے سے ہمیں اس کے علاوہ اور کسی چیز

[1707] (مرفوع صحيح لغيره) جامع الترمذى: كتاب الطب، باب ماجاء فى الرقية من العين، حديث: 2059، سنن ابن ماجه، كتاب الطب، باب من استرقى من العين، حديث: 3510، احمد: 438/6 (28018)۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو شواہد کی بنا پر صحیح قرار دیا ہے۔

لَسَبَقَتْهُ الْعَيْنُ . نے نہیں روکا کہ ہمیں علم نہیں تھا کہ ان (کلمات دم) میں سے کون سا آپ (کی لائی ہوئی شریعت) کے مطابق ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ان دونوں کو دم کرواؤ، کیونکہ بلاشبہ اگر کوئی شے تقدیر سے سبقت لے جانے والی ہوتی تو نظر بداس سے سبقت لے جاتی۔''

فائدہ : ......نظر لگنا ایک واقعی اور حقیقی امر ہے۔ یہ تو اللہ کا فیصلہ تھا جس کی وجہ سے کوئی چیز تقدیر میں طے شدہ فیصلے کو بدل نہیں سکتی۔ اگر یہ فیصلہ نہ ہوتا تو نظر بد تقدیر میں بھی تبدیلیاں کر دیتی۔ اللہ کو چونکہ کامل علم غیب حاصل ہے، اسے پہلے ہی سے معلوم تھا کہ کس کی نظر لگے گی۔ اس لیے اس نے اسی طرح لکھ لیا اور نظر بد کو بھی تقدیر میں لکھوا لیا۔ اب جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ تقدیر کے موافق ہی ہو رہا ہے......آپ ﷺ کا اس مذکورہ قصے میں خود دم نہ کرنا بلکہ کسی اور سے دم کروانے کا حکم دینا ثابت کرتا ہے کہ بعض افراد کے بعض کلمات دم میں خاص تاثیر ہوا کرتی ہے اور یہ بھی کوئی لازم نہیں ہے کہ دم کا ہر کلمہ قرآن وسنت ہی سے لیا گیا ہو۔ بس یہ ضروری ہے کہ وہ شریعت محمدیہ کے عقائد سے نہ ٹکراتا ہو......ان بچوں کو نظر بد کا دم ان کی والدہ سیدہ اسماء بنت عُمَیس رضی اللہ عنہا ہی کیا کرتی تھیں۔ انھوں نے آپ ﷺ کو سنایا تو آپ ﷺ نے اس کی تصدیق فرمائی۔ (مسلم : 2198) جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے ماموں بچھو کے کاٹنے پر دم کیا کرتے تھے تو آپ ﷺ نے ان کے دم کی بھی تصدیق فرمائی اور یہ بھی حکم دیا کہ ''تم میں سے جو شخص اپنے بھائی کو نفع پہنچانے کی استطاعت رکھتا ہو اسے چاہیے کہ اسے نفع پہنچائے۔'' (مسلم : 63/2199) نیز آپ ﷺ نے فرمایا: دم میں کوئی حرج نہیں ہے جب تک کہ اس میں شرک نہ ہو۔ (مسلم: 2200)......یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ جس طرح نظر بد کی تاثیر، نظر لگانے والے کے وضو کے استعمال شدہ پانی کے چھینٹوں سے ختم ہو جاتی ہے یا اس کے مختلف اعضائے جسم کو دھونے میں استعمال شدہ پانی سے اس کا اثر ختم ہوتا ہے، اس طرح محض دم کرنے سے بھی ختم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح نظر بد والی بیماری کو اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے بھی ختم کرنے پر قادر ہے، دعا سے بھی وہ ختم ہو سکتی ہے، جسمانی وطبی علاج بھی مؤثر ہو سکتا ہے۔ بہت سارے اہل علم نظر بد کے علاج میں سورۂ قلم کی آخری دونوں آیات پڑھ کر دم کرتے ہیں، احادیث نبویہ ﷺ میں بھی نظر بد کے متعلق بعض کلمات دم منقول ہیں۔ مثلاً: ایک وہ دم ہے جو رسول اللہ ﷺ اپنے نواسوں حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو کیا کرتے تھے اور یہ وہی کلمات ہیں جن کے ذریعے سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنے لخت جگر حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہما السلام کو دم کیا کرتے تھے، اور وہ کلمات یہ ہیں: (اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَّ هَامَّةٍ وَ مِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ) ''میں اللہ تعالیٰ کے کامل کلمات کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں ہر شیطان اور زہریلے جانور سے اور ہر نظر بد سے۔'' (بخاری: 3371) اسی طرح حضرت جبریل علیہ السلام بھی نبی کریم ﷺ کو نظر بد کا دم کیا کرتے تھے، جس کے الفاظ یوں ہیں: "بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُّؤْذِيْكَ ، مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ اَوْ عَيْنِ حَاسِدٍ ، اللّٰهُ يَشْفِيْكَ ، بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ" ''اللہ کے نام کے ساتھ میں آپ کو دم کرتا ہوں، ہر اس چیز

سے جو آپ کو اذیت دیتی ہے، ہر نفس کے شر سے یا (ہر) حسد کرنے والے کی نظر سے، اللہ آپ کو شفا دے، اللہ کے نام کے ساتھ میں آپ کو دم کر رہا ہوں۔'' (مسلم : 2186) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں یہ الفاظ مروی ہیں: (بِسْمِ اللّٰهِ يُبْرِيكَ ، وَمِنْ كُلِّ دَاءٍ يَشْفِيكَ ، وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ ، وَشَرِّ كُلِّ ذِي عَيْنٍ) ''اللہ کے نام کے ساتھ وہ آپ کو صحت عطا فرمائے، اور ہر بیماری سے آپ کو شفایاب فرمائے اور حاسد کے شر سے جس وقت کہ وہ حسد کرے اور ہر نظر بد والے کے شر سے (بھی آپ کو محفوظ فرمائے)۔'' (مسلم : 2185) اسی طرح کوئی شخص نظر بد سے بچنے یا اسے ختم کرنے کے لیے آیت الکرسی، سورہ فاتحہ یا معوذتین پڑھتا ہے تو مستحسن ہے ...... یاد رہے آدمی کو خود اپنی نظر بھی لگ سکتی ہے، اس لیے اپنی کسی خوبی وصلاحیت پر ناز یا تعجب وغیرہ کی بجائے اللہ ہی کی تعریف اور یہ کلمات دم پڑھ لینے چاہئیں۔

[1708] عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ حَدَّثَهُ : أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ دَخَلَ بَيْتَ أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ ، وَفِي الْبَيْتِ صَبِيٌّ يَبْكِي ، فَذَكَرُوا لَهُ أَنَّ بِهِ الْعَيْنَ . قَالَ عُرْوَةُ : فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: أَلَا تَسْتَرْقُونَ لَهُ مِنَ الْعَيْنِ .

عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا زوجہ پیغمبر ﷺ کے پاس داخل ہوئے، اس حال میں کہ گھر میں ایک بچہ رو رہا تھا۔ انھوں نے (یعنی گھر والوں نے آپ ﷺ سے) ذکر کیا کہ یقیناً اسے نظر لگی ہوئی ہے۔ عروہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم اسے نظر بد کا دم کیوں نہیں کرواتے؟''

37- بَابُ مَا جَاءَ فِي أَجْرِ الْمَرِيضِ
بیمار شخص کے اجر کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں چار مرفوع روایات (احادیث نبویہ ﷺ) ہیں جن میں سے تین سنداً صحیح ہیں اور ایک ضعیف ہے۔

[1709] عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ : أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : إِذَا مَرِضَ الْعَبْدُ بَعَثَ اللّٰهُ تَعَالَى إِلَيْهِ مَلَكَيْنِ ، فَقَالَ : انْظُرَا مَاذَا يَقُولُ لِعُوَّادِهِ ،

عطاء بن یسار رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب آدمی بیمار ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف دو فرشتے بھیجتے ہیں اور (ان سے) فرماتے ہیں

[1708] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري ، كتاب الطب ، باب رقية العين ، حديث : 5739، صحيح مسلم ، كتاب السلام ، باب استحباب الرقية من العين والنملة ، حديث : 2197 .

[1709] (مرفوع صحيح لغيره) بيهقي في شعب الايمان : 187/7 (9941، 9942)، حاكم : 348/1 (1290)۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو صحیح لغیرہ قرار دیا ہے۔

فَإِنْ هُوَ ، إِذَا جَاؤُوهُ ، حَمِدَ اللَّهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ، رَفَعَا ذَلِكَ إِلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ ، وَهُوَ أَعْلَمُ ، فَيَقُولُ : لِعَبْدِي عَلَيَّ إِنْ تَوَفَّيْتُهُ أَنْ أُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ ، وَإِنْ أَنَا شَفَيْتُهُ أَنْ أُبْدِلَ لَهُ لَحْماً خَيْراً مِنْ لَحْمِهِ ، وَدَماً خَيْراً مِنْ دَمِهِ ، وَأَنْ أُكَفِّرَ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ .

کہ دیکھو وہ (میرا مریض بندہ) اپنی بیمار پرسی کرنے والوں سے کیا کہتا ہے؟ چنانچہ اگر تو وہ بیمار جس وقت کہ وہ (تیمارداری کرنے والے) آئیں (تو) اللہ کی حمد بیان کرے اور اس کی ثنا (تعریف) کرے تو وہ دونوں اس (حمد وثنا) کو اللہ کی طرف اٹھا کر لے جاتے ہیں، حالانکہ وہ (اللہ پہلے ہی سے سب کچھ) بہت خوب جاننے والا ہے، چنانچہ وہ فرماتا ہے: میرے بندے کے لیے مجھ پر (یہ عہد) ہے کہ اگر میں نے اسے (اس بیماری میں) فوت کرلیا تو اسے جنت میں داخل کروں گا اور اگر میں نے اسے شفا نصیب کی تو میں اسے اس کے گوشت کے بدلے بہترین گوشت اور اس کے خون کے بدلے بہترین خون عطا فرماؤں گا اور یہ (بھی مجھ پر عہد ہے) کہ میں اس سے اس کی برائیاں مٹادوں گا۔"

[1710] عَنْ يَزِيدَ بْنِ خُصَيْفَةَ ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ ، أَنَّهُ قَالَ سَمِعْتُ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ تَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : لَا يُصِيبُ الْمُؤْمِنَ مِنْ مُصِيبَةٍ ، حَتَّى الشَّوْكَةُ ، إِلَّا قُصَّ بِهَا ، أَوْ كُفِّرَ بِهَا مِنْ خَطَايَاهُ . لَا يَدْرِي يَزِيدُ أَيَّهُمَا قَالَ عُرْوَةُ .

یزید بن خُصَیفہ رحمہ اللہ عروہ بن زبیر رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ پیغمبر ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مومن کو کوئی بھی مصیبت حتیٰ کہ کانٹا بھی چبھتا ہے تو ضرور اس کے عوض اس کے کچھ گناہ بدلے میں لے لیے جاتے ہیں یا (فرمایا کہ) مٹا دیے جاتے ہیں"۔ (امام مالک رحمہ اللہ کے شیخ) یزید (بن خُصَیفہ رحمہ اللہ) کو یاد نہیں رہا کہ (ان کے شیخ) عروہ (بن زبیر رضی اللہ عنہما) نے ان دونوں لفظوں (قُصَّ اور کُفِّرَ) میں سے کیا کہا تھا۔

فائدہ: ......اجر مریض کے متعلق حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مسلمان کو نہ کوئی تھکاوٹ پہنچتی ہے، نہ کوئی بیماری، نہ کوئی فکر، نہ کوئی دکھ، نہ کوئی تکلیف اور نہ کوئی غم حتیٰ کہ کانٹا جو اسے چبھ جائے، مگر اللہ تعالیٰ ضرور اس کے بدلے اس کے کچھ گناہ مٹا دیتے ہیں۔" (بخاری: 5641، 5642، مسلم: 2573) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ فرمان نبوی ہے: "بلاشبہ مجھے اسی

[1710] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري ، كتاب المرضى ، باب ماجاء في كفارة المرض ، حديث : 5640، صحيح مسلم ، كتاب البر والصلة ، باب ثواب المؤمن فيمايصيبه من مرض او حزن ، حديث : 2572، ترمذي: 965، نسائي في الكبرى : 7487، احمد: 88/6 (25080) .

قدر شدید بخار چڑھتا ہے جس قدر کہ تم میں سے دو آدمیوں کو بخار ہوتا ہے۔'' پوچھا گیا کہ کیا یہ اس لیے ہوتا ہے کہ آپ کے لیے اجر بھی دوہرا ہوتا ہے؟ فرمایا: ''ہاں۔'' پھر فرمایا: ''مسلمان کو جو بھی تکلیف پہنچتی ہے خواہ بیماری ہو یا اس کے سوا کچھ اور، تو اللہ ضرور اس کی برائیاں گرا دیتے ہیں، جس طرح کہ درخت اپنے پتے گرا دیتا ہے۔'' (بخاری: 5648، مسلم: 2571) نیز فرمایا: ''جب بندہ بیمار ہو جائے یا سفر میں چلا جائے تو اس کے لیے اسی (عمل) کی مثل اجر لکھا جاتا ہے جو وہ حالت اقامت اور حالت صحت میں کیا کرتا تھا۔'' (بخاری: 2996)

[1711] سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهِ خَيْراً يُصِبْ مِنْهُ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ فرمالے اس پر مصیبت ڈال دیتا ہے۔''

فائدہ: ...... تا کہ اللہ جانچ لے کہ یہ بندہ کس قدر پختہ مزاج اور صاحب استقامت ہے ......اس روایت کے لفظ کو ''يُصَبْ'' (صاد پر زبر کے ساتھ) بھی پڑھا گیا ہے اور اس وقت معنی یہ ہوں گے: ''اسے مصیبت پہنچا دی جاتی ہے۔'' حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بلاشبہ عظیم جزا تو عظیم آزمائش کے ساتھ ہوا کرتی ہے اور یقیناً اللہ عزوجل جب کسی قوم سے محبت کرتا ہے تو اسے آزمائش میں ڈال دیتا ہے، پھر جو شخص اس (آزمائش اور فیصلہ الٰہی) پر راضی رہے، اسے رضامندی مل جاتی ہے اور جو ناخوش ہوا سے ناراضی ملتی ہے۔'' (ترمذی: 2396، ابن ماجہ: 4031۔ اس کی سند حسن ہے۔) نیز فرمایا: ''مومن مرد یا مومن عورت کو اس کی جان، مال اور اولاد میں مسلسل آزمائش پہنچتی رہتی ہے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرتا ہے کہ اس پر کوئی بھی گناہ نہیں ہوتا۔'' (ترمذی: 2399۔ اس کی سند صحیح ہے) حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا: لوگوں میں سب سے سخت آزمائش والے کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''انبیائے کرام علیہم السلام، پھر جو (ان کے بعد) سب سے افضل ہو، پھر جو اس کے بعد سب سے عمدہ و افضل ہو۔ آدمی کو اس کے دین کے حساب سے آزمایا جاتا ہے۔ چنانچہ اگر اس کے دین میں مضبوطی ہوگی تو اس کی آزمائش بھی سخت ہوگی اور اگر اس کے دین میں کمزوری ہوگی تو وہ اپنے دین کے حساب سے آزمایا جاتا ہے، پھر وہ آزمائش بندے کے ساتھ مسلسل رہتی ہے، یہاں تک کہ وہ اسے ایسا کر چھوڑتی ہے کہ وہ زمین پر اس حال میں چلتا پھرتا ہے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔'' (ترمذی: 2398، ابن ماجہ: 4023۔ اس کی سند صحیح ہے)

[1712] عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّ رَجُلاً

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ

[1711] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب المرضى، باب ماجاء في كفارة المرض، حديث: 5645، نسائي في الكبرى: 7478، احمد: 237/2 (7234).

[1712] (مرفوع ضعیف) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

جَاءَهُ الْمَوْتُ فِي زَمَانِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، فَقَالَ رَجُلٌ: هَنِيئًا لَهُ مَاتَ وَلَمْ يُبْتَلَ بِمَرَضٍ. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: وَيْحَكَ وَمَا يُدْرِيكَ لَوْ أَنَّ اللّٰهَ ابْتَلَاهُ بِمَرَضٍ، يُكَفِّرُ بِهِ مِنْ سَيِّئَاتِهِ.

کے زمانے میں ایک آدمی کو موت آگئی تو ایک آدمی کہنے لگا کہ اسے مبارک ہو، وہ اس حال میں فوت ہوا کہ کسی بھی مرض میں مبتلا نہ کیا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تیرا ناس ہو اور تم کیا جانو کہ اگر اللہ تعالیٰ اسے کسی مرض میں مبتلا کر دیتا تو اس کے بدلے میں اس کی کچھ برائیاں مٹا دیتا۔"

38- بَابٌ: اَلتَّعَوُّذُ وَالرُّقْيَةُ فِي الْمَرَضِ

بیماری میں پناہ مانگنے اور دم کرنے کا بیان

خلاصة الباب اس باب میں تین روایات ہیں۔ دو مرفوع (احادیث نبویہ ﷺ) ہیں جو کہ بخاری و مسلم میں بھی موجود ہیں اور ایک روایت موقوف (اثر صحابی رضی اللہ عنہ) ہے جو سنداً ضعیف ہے۔

[1713] عَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي الْعَاصِ، أَنَّهُ أَتَى رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ، قَالَ عُثْمَانُ: وَبِي وَجَعٌ قَدْ كَادَ يُهْلِكُنِي. قَالَ: فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: امْسَحْهُ بِيَمِينِكَ سَبْعَ مَرَّاتٍ وَقُلْ: أَعُوذُ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَقُدْرَتِهِ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ قَالَ: فَقُلْتُ ذَلِكَ، فَأَذْهَبَ اللّٰهُ مَا كَانَ بِي، فَلَمْ أَزَلْ آمُرُ بِهَا أَهْلِي وَغَيْرَهُمْ.

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: مجھے ایک تکلیف تھی، جو قریب تھا کہ مجھے ہلاک کر دیتی، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (مجھ سے) فرمایا: "سات بار اس (درد کے مقام) پر اپنا دایاں ہاتھ پھیرو اور (یہ کلمات) کہو: (أَعُوذُ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَ قُدْرَتِهِ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ) "میں اللہ کی عزت اور قدرت کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں اس چیز کے شر سے جو میں محسوس کر رہا ہوں۔" وہ (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں کہ میں نے اسے کہا: (یہ وظیفہ کیا) تو اللہ تعالیٰ اس تکلیف کو لے گیا جو میرے ساتھ تھی۔ چنانچہ میں اپنے گھر والوں اور ان کے علاوہ (لوگوں) کو اس کا حکم کرتا رہتا ہوں۔

فائدہ: ...... تفصیلی روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے اس وظیفے سے پہلے تین بار (بِسْمِ اللّٰهِ) پڑھنے کا بھی حکم دیا۔ (مسلم: 2202) ایک روایت میں (قُدْرَتِهِ) کے بعد یہ لفظ بھی ثابت ہے: (وَسُلْطَانِهِ) "اور اس کی سلطنت و غلبے کے ساتھ (بھی پناہ مانگتا ہوں)۔ (ترمذی: 2080) اور ایک روایت میں اس وظیفے کے اخیر میں

[1713] (مرفوع صحیح) صحیح مسلم، کتاب السلام، باب استحباب وضع یدہ علی موضع الالم مع الدعاء، حدیث: 2202، سنن ابی داود، کتاب الطب، باب کیف الرقی، حدیث: 3891، ترمذی: 2080، نسائی فی الکبری: 10837، ابن ماجہ: 3522، احمد: 21/4 (16376).

یہ لفظ بھی موجود ہے: (وَ أُحَاذِرُ) ''اور جس سے میں ڈرتا ہوں۔'' (مسلم:2202) یادر ہے کہ تکلیف والی جگہ پر دایاں ہاتھ پھیرنا چاہیے جیسا کہ موطا کی روایت میں ہے۔

[1714] عَنْ عَائِشَةَ : أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ إِذَا اشْتَكَى يَقْرَأُ عَلَى نَفْسِهِ بِالْمُعَوِّذَاتِ وَيَنْفِثُ . قَالَتْ: فَلَمَّا اشْتَدَّ وَجَعُهُ كُنْتُ أَنَا أَقْرَأُ عَلَيْهِ ، وَأَمْسَحُ عَلَيْهِ بِيَمِينِهِ ، رَجَاءَ بَرَكَتِهَا .

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ جب بیمار ہوتے تو اپنے آپ پر معوذات سورتیں پڑھتے اور پھونک مارتے۔ وہ کہتی ہیں کہ پھر جب آپ ﷺ کی تکلیف سخت ہوگئی تو میں آپ پر (ان سورتوں کو) پڑھتی اور آپ ﷺ ہی کا ہاتھ آپ ﷺ پر پھیرتی ، اس ہاتھ کی برکت کی وجہ سے (میں ایسا کرتی)۔''

فائدہ: ...... ابن عبدالبر کی روایت میں آخری تینوں سورتوں کا تذکرہ ہے جنھیں معوذات کہا گیا ہے۔ (زرقانی : 442/4) امام زہری رحمہ اللہ نے یہ تفصیل ایک سوال کے جواب میں بیان کی کہ آپ ﷺ انھیں پڑھ کر اپنے ہاتھوں پر پھونک مارتے پھر دونوں ہاتھوں کو اپنے چہرہ مبارک پر پھیر لیتے۔ (بخاری: 5735)

[1714] عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ : أَنَّ أَبَا بَكْرِ الصِّدِّيقَ دَخَلَ عَلَى عَائِشَةَ وَهِيَ تَشْتَكِي ، وَيَهُودِيَّةٌ تَرْقِيهَا ، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ : ارْقِيهَا بِكِتَابِ اللّٰهِ .

عمرہ بنت عبدالرحمن رحمہا اللہ سے روایت ہے کہ بیشک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس داخل ہوئے ، اس وقت وہ بیمار تھیں اور ایک یہودن انھیں دم کر رہی تھی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی کتاب کے ساتھ اسے دم کر۔

فائدہ: ...... دم کے الفاظ قرآن مجید میں سے ہی ہونا لازمی نہیں ہے جیسا کہ پیچھے باب :36 کی روایت : 1706 کے فائدے میں بیان ہوا ہے۔

39- بَابٌ: تَعَالُجُ الْمَرِيْضِ

مریض کا دوا استعمال کرنا اور علاج کرنا

خلاصۃ الباب اس باب میں تین روایات ہیں، دو مرفوع (احادیث نبویہ ﷺ) ہیں جن میں سے ایک صحیح اور

[1714] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري ، كتاب فضائل القرآن ، باب فضل المعوذات ، حديث: 5016، 4439، 5735، 5751، صحيح مسلم ، كتاب السلام ، باب رقية المريض بالمعوذات والنفث ، حديث: 2192، ابوداود: 3902، ترمذی: 3402، ابن ماجه: 3529، احمد: 104/6 (25235) .

[1715] (موقوف ضعيف) بيهقى فى السنن الكبرى: 349/9 (19602)، وفى معرفة السنن والآثار : 281/7، (5759)، الشافعي في الام : 228/7، ابن حبان: 6098۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

ایک ضعیف ہے اور ایک روایت موقوف (اثر صحابی رضی اللہ عنہ) ہے جو کہ سنداً صحیح ہے۔

[1716] عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ : أَنَّ رَجُلاً فِي زَمَانِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ أَصَابَهُ جُرْحٌ ، فَاحْتَقَنَ الْجُرْحُ الدَّمَ ، وَأَنَّ الرَّجُلَ دَعَا رَجُلَيْنِ مِنْ بَنِي أَنْمَارٍ ، فَنَظَرَا إِلَيْهِ ، فَزَعَمَا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَهُمَا: أَيُّكُمَا أَطَبُّ ؟ . فَقَالَا : أَوَ فِي الطِّبِّ خَيْرٌ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ؟ فَزَعَمَ زَيْدٌ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ :أَنْزَلَ الدَّوَاءَ ، الَّذِي أَنْزَلَ الأَدْوَاءَ .

زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایک آدمی کو کوئی زخم پہنچا اور زخم نے خون کو روک لیا (زخم پر خون جم گیا) اور بلاشبہ اس (زخمی) آدمی نے بنو انمار کے دو آدمیوں کو بلایا، ان دونوں نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں سے فرمایا تھا: ”تم میں سے کون علم طِب کو زیادہ جاننے والا ہے“؟ دونوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا طب میں کوئی خیر ہے؟ زید بن اسلم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”دوا کو اسی ذات نے نازل فرمایا ہے جس نے بیماریوں کو نازل کیا ہے۔“

فائدہ :......حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی بیماری نازل نہیں کی جس کی شفا نازل نہ فرمائی ہو۔“ (بخاری : 5678) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ فرمان نبوی ﷺ ہے ”ہر بیماری کے لیے دوا (موجود) ہے۔“ (مسلم : 2204) نیز حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا ہم دوا استعمال کریں؟ تو فرمایا: ”ہاں، اے اللہ کے بندو! دوائی لے لیا کرو کیونکہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی بیماری نازل نہیں کی جس کی شفا نہ اتاری ہو، سوائے ایک بیماری یعنی بڑھاپے کے۔“ (ابوداود: 3855، ترمذی: 2038، ابن ماجہ: 3436۔ اس کی سند صحیح ہے)

[1717] عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ ، قَالَ : بَلَغَنِي أَنَّ أَسْعَدَ بْنَ زُرَارَةَ اكْتَوَى فِي زَمَانِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ مِنَ الذُّبَحَةِ فَمَاتَ .

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں: مجھے یہ خبر پہنچی کہ بلاشبہ حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں خناق کی وجہ سے داغ لگوایا تو وہ فوت ہو گئے۔

[1716] (مرفوع ضعیف) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

[1717] (مرفوع صحیح لغیرہ) جامع الترمذی ، کتاب الطب ، باب ماجاء فی الرخصة فی ذلك ، حدیث: 2050، سنن ابن ماجہ، کتاب الطب ، باب من اکتوی ، حدیث: 3492، احمد: 65/4، حاکم: 187/3۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو صحیح لغیرہ قرار دیا ہے۔

فائدہ : ...... یہ داغ رسول اللہ ﷺ نے خود اپنے ہاتھ سے لگایا تھا۔ (ترمذی : 2050، ابن ماجہ: 3492۔ اس کی سند صحیح لغیرہ ہے۔) "ذُبْحہ" سے مراد گلے کی سوزش اور ورم یا گلے کا پھوڑا ہے جس کی وجہ سے سانس بند ہو کر موت واقع ہو جاتی ہے، جسے خناق بھی کہتے ہیں...... آگ سے داغ لگوا کر علاج کرنا اگرچہ مشروع اور بہترین طریقہ علاج ہے لیکن اسے پسند نہیں کیا گیا۔ فرمان نبوی ﷺ ہے: ''تین چیزوں میں شفا ہے: سینگی (پچھنے) لگوانے میں، شہد پینے میں اور آگ سے داغ لگوانے میں اور (لیکن) میں اپنی امت کو داغ لگانے سے منع کرتا ہوں۔'' (بخاری: 5680) یہ ممانعت اور نہی تنزیہی ہے، یہ جائز بھی ہے لیکن مکروہ بھی ہے۔ بہرحال حرام نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو جنگِ احزاب میں بازو کی رگ پر تیر لگا تو رسول اللہ ﷺ نے طبیب بھیج کر انھیں داغ لگوایا۔ (مسلم: 2207) نیز حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو بھی آپ ﷺ نے خود داغ لگایا تھا۔ (مسلم: 2208)

[1718] عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ اكْتَوَى مِنَ اللَّقْوَةِ، وَرُقِيَ مِنَ الْعَقْرَبِ.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے لقوے کی وجہ سے داغ لگوایا اور بچھو (لڑنے) کی وجہ سے دم کرایا۔

فائدہ : ...... ''لقوہ'' سے چہرے کا وہ مرض مراد ہے جس میں ایک جانب کے اعصاب (پٹھے) اکڑ جاتے ہیں اور منہ ٹیڑھا ہو جاتا ہے۔

40- بَابٌ: اَلْغُسْلُ بِالْمَاءِ مِنَ الْحُمّٰى
بخار کی وجہ سے پانی کے ساتھ غسل کرنا

خلاصۃ الباب : اس باب میں تین احادیث نبویہ ﷺ ہیں جو کہ بخاری و مسلم میں بھی موجود ہیں۔

فائدہ : ...... ہر بخار کا علاج پانی کے ساتھ غسل کرنے میں ہے لیکن چونکہ بخار کی نوعیت، جسم کا مزاج اور موسم کی صورتحال مختلف ہوتے ہیں، اس لیے ہر بخار میں کسی حاذق اور ماہر حکیم کے مشورے سے گرم یا ٹھنڈے پانی سے غسل کرنا چاہیے۔

[1719] عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ الْمُنْذِرِ، أَنَّ أَسْمَاءَ

فاطمہ بنت منذر سے روایت ہے کہ بے شک (ان کی دادی

[1718] (موقوف صحیح) بیهقی 343/9 (19556)، عبدالرزاق: 18/11 (19774)، ابن ابی شیبه: 23598، طحاوی فی شرح معانی الآثار: 323/4۔ شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ اس کی سند شیخین کے مطابق صحیح ہے۔

[1719] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب الطب، باب الحمی من فیح جهنم، حدیث: 5724، صحیح مسلم، کتاب السلام، باب لکل داء دواء واستحباب التداوی، حدیث: 2211، ترمذی: 2074، نسائی فی الکبری: 7611، ابن ماجه: 3474، احمد: 346/6.

بِـنْـتَ أَبِـي بَكْرٍ كَانَتْ إِذَا أُتِيَتْ بِالْمَرْأَةِ وَقَدْ حُـمَّتْ تَدْعُو لَهَا ، أَخَذَتِ الْمَاءَ فَصَبَّتْهُ بَيْنَهَا وَبَيْنَ جَيْبِهَا وَقَالَتْ : إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ يَأْمُرُنَا أَنْ نُبْرِدَهَا بِالْمَاءِ .

جان) حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا کے پاس جب کوئی ایسی عورت لائی جاتی جسے بخار ہوتا تو وہ اس کے لیے دعا کرتیں (اور) پانی منگواتیں (پھر) پانی لیتیں اور اسے اس کے اور اس کے گریبان کے درمیان (یعنی سینے پر) انڈیلتیں اور فرماتیں: بلاشبہ رسول اللہ ﷺ ہمیں حکم فرمایا کرتے تھے کہ اس (بخار) کو پانی کے ساتھ ٹھنڈا کیا کریں۔

[1720] عَـنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ ، عَنْ أَبِيهِ ، أَنَّ رَسُـولَ اللَّهِ ﷺ قَـالَ : إِنَّ الْـحُـمَّى مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ ، فَابْرُدُوهَا بِالْمَاءِ .

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ اپنے والد (عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”یقیناً بخار جہنم کے جوش میں سے (اس کی حرارت کے انتشار میں سے) ہے، لہٰذا اسے پانی کے ساتھ ٹھنڈا کیا کرو۔“

فائدہ :...... یہ فرمان یا تو حقیقت پر محمول ہے اور اللہ تعالیٰ نے جہنم کی اس ہلکی سی حرارت اور جوش کو اہل دنیا کی طرف اس لیے بھیجا ہے تا کہ منکرین کو ڈرائے اور مومنین کے گناہوں کو اس سے مٹائے اور جہنم سے متعلقہ چیز یعنی اس بخار کے اظہار کو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں (جو کہ اسباب کا گھر ہے) مختلف اسباب کے ساتھ مقرر فرما رکھا ہے، جو بخار کا باعث بنتی ہیں، یہ بھی ممکن ہے کہ یہ فرمان محض تشبیہ کے لیے ہو۔ واللہ اعلم۔

[1721] وَحَـدَّثَـنِـي مَالِكٌ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَنِ ابْـنِ عُـمَرَ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَـالَ: الْحُمَّى مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ ، فَأَطْفِئُوهَا بِالْمَاءِ .

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بخار جہنم کے جوش (بھاپ اور حرارت کے پھیلاؤ) سے ہے، لہٰذا اسے پانی کے ساتھ بجھاؤ۔“

41- بَابٌ: عِيَادَةُ الْمَرِيضِ وَالطِّيَرَةُ

مریض کی تیمارداری اور بدشگونی کا بیان

خلاصة الباب اس باب میں دو احادیث نبویہ ﷺ ہیں جو کہ بخاری ومسلم کی روایات میں سے ہیں۔

[1720] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري ، كتاب الطب ، باب الحمى من فيح جهنم ، حديث: 3263، 5725، صحيح مسلم ، كتاب السلام ، باب لكل داء دواء و استحباب التداوي ، حديث: 2210، ترمذی: 2074، نسائی في الكبرى : 7607، ابن ماجه : 3471، احمد: 50/6 .

[1721] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري ، كتاب الطب ، باب الحمى من فيح جهنم :حديث : 3264، 5723، صحيح مسلم ، كتاب السلام ، باب لكل داء دواء واستحباب التداوي ، حديث : 2209 .

[1722] عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : إِذَا عَادَ الرَّجُلُ الْمَرِيضَ خَاضَ الرَّحْمَةَ ، حَتَّى إِذَا قَعَدَ عِنْدَهُ قَرَّتْ فِيهِ . أَوْ نَحْوَ هَذَا .

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب آدمی مریض کی تیمار داری کرتا ہے تو رحمت میں داخل ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس (جاکر) بیٹھتا ہے تو رحمت اس آدمی میں قرار (اور جگہ) پالیتی ہے۔'' یا اس کی مثل فرمایا۔

فائدہ: ......جس طرح راہ چلتے چلتے پانی آجائے تو آدمی اس میں داخل ہو کر چلتا ہے، اسی طرح تیمارداری کرنے والا رحمت میں چلتا ہے اور جب مریض کے پاس بیٹھتا ہے تو رحمت میں مکمل ڈوب جاتا ہے اور رحمت اسے چاروں جانب سے ڈھانپ کر اپنی آغوش میں لے لیتی ہے۔ مریض کی عیادت کا رسول اللہ ﷺ نے حکم بھی فرمایا ہے۔ (بخاری: 1239، 5649، مسلم: 2066) اسے مسلمانوں کے باہمی حقوق میں بھی شمار کیا ہے۔ (بخاری: 1240، مسلم: 2162) تیمارداری کرنے والا واپسی تک جنت کے باغ میں رہتا ہے۔'' (مسلم: 2568) ''صبح کے وقت تیمار داری کرنے والے کے لیے شام تک ستر ہزار فرشتے محوِ دعا رہتے ہیں اور شام کو عیادت کرنے والے کے لیے ستر ہزار فرشتے صبح تک دعائیں کرتے رہتے ہیں۔'' (ابوداود: 3098، 3100، ترمذی: 969، ابن ماجہ: 1442، حاکم: 341/3۔ اس کی سند حسن لغیرہ ہے) ''قیامت والے دن اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: اے آدم کے بیٹے! میں بیمار ہوا تھا لیکن تو نے میری تیمار داری نہ کی۔ وہ کہے گا: اے میرے رب! میں آپ کی تیمار داری کیسے کرتا، آپ تو رب العلمین ہیں (سارے جہان کو شفا دیتے ہیں، نہ آپ بیمار ہوں اور نہ کوئی تیمارداری کرے) تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: کیا تجھے علم نہ تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار پڑ گیا تھا لیکن تو نے اس کی تیمار داری نہ کی۔ آگاہ رہو، اگر تم اس کی تیمار داری کرتے تو مجھے اس کے پاس پاتے۔'' (مسلم: 2569)

[1723] عَنِ ابْنِ عَطِيَّةَ : أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : لَا عَدْوَى وَلَا هَامَ وَلَا صَفَرَ ، وَلَا يَحُلَّ الْمُمْرِضُ عَلَى الْمُصِحِّ ، وَلْيَحْلُلِ

(عبداللہ) ابن عطیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نہ عَدْویٰ (کوئی متعدی بیماری) ہے، نہ کوئی ہام (اُلّو کی نحوست والا عقیدہ) ہے اور نہ کوئی

[1722] (مرفوع صحیح) احمد: 304/3 (14310)، بخاری فی الادب المفرد: 522، ابن حبان: 711، حاکم: 350/1، بیهقی: 380/3۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے، نیز دیکھیے الصحیحة: 562/4۔

[1723] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب الطب، باب الجذام، حدیث: 5707، 5717، 5757، 5770، 5771، 5773، 5775، صحیح مسلم، کتاب السلام، باب لا عدوی ولا طیرة ولا هامة، حدیث: 2220، ابوداود: 3911، احمد: 267/2 (7609)۔

الْمُصِحُّ حَيْثُ شَاءَ فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَمَا ذَاكَ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: إِنَّهُ أَذًى.

صفر ہے، اور بیمار اونٹوں والا شخص صحت مند اونٹوں والے کے پاس پڑاؤ نہ ڈالے اور صحت مند اونٹوں والا جہاں چاہے قیام کرے۔" لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اس کا کیا سبب ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بلاشبہ یہ باعث اذیت ہے۔"

فائدہ :...... "عَــدْوٰی" سے مراد یہ ہے کہ کوئی بیماری اچھوت نہیں ہوتی۔ اس مسئلے کے متعلق مختلف روایات کو ملحوظ رکھ کر یہ عقیدہ و نتیجہ سامنے آتا ہے کہ کوئی بیماری بذات خود متعدی نہیں ہوتی، کسی بیماری میں خود یہ طاقت نہیں کہ ایک شخص سے بڑھ کر دوسرے کو لگ جائے، ہاں اگر اللہ چاہے تو وہ ایک شخص کی بیماری کو دوسروں کے لیے سبب بنا سکتا ہے، جس طرح مختلف اسباب سے کوئی بیماری شروع ہو جاتی ہے، اسی طرح مریض کے ساتھ اختلاط مرض کا سبب بن سکتا ہے۔ چنانچہ کوڑھ کے مرض والے شخص یا خارش زدہ اونٹ کے ساتھ اختلاط سے اس لیے احتیاط کروائی گئی ہے اور دور رہنے کا حکم دیا گیا ہے تا کہ دوسرے شخص کو تکلیف اور نفرت نہ ہو۔ نیز اگر اللہ تعالیٰ ان کے اختلاط اور میل جول کو سبب بنا کر کسی اور شخص کو بیماری لگا دے تو یہ خدشہ تھا کہ لوگ یہ اعتقاد بنالیں گے کہ بیماری خود بخود متعدی ہوتی ہے......"ہام" کا لفظ بعض روایات میں "ہامہ" بھی مذکور ہے اور اس سے مراد یا تو اُلّو ہے جسے لوگ نحوست کی علامت سمجھتے تھے یا پھر یہ عقیدہ مراد ہے کہ مقتول کے سر سے ایک پرندہ نکلتا ہے یا مقتول کی روح اُلّو بن کر نکل جاتی ہے اور جب تک اس کا انتقام نہ لے لیا جائے وہ پرندہ انتقام انتقام کی آواز لگاتا رہتا ہے۔ اس حدیث مبارکہ میں ان توہم پرستی کی صورتوں کی نفی کی گئی ہے...... صَفَر سے مراد یہ عقیدہ ہے کہ اسلامی سال کا دوسرا مہینہ منحوس ہوتا ہے، بعض نے اس نام سے یہ عقیدہ بنا رکھا تھا کہ انسانوں اور جانوروں کے پیٹ میں ایک سانپ ہوتا ہے جو بھوک کے موقع پر پریشان کرتا بلکہ کبھی تو قتل بھی کر دیتا ہے، ان عقائد کی بھی تردید کر دی گئی ہے۔

42- بَابٌ: اَلسُّنَّةُ فِي الشَّعْرِ

بالوں کے متعلق سنتوں کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں پانچ روایات ہیں، چار مرفوع (احادیث نبویہ ﷺ) ہیں اور ایک موقوف (اثر صحابی رضی اللہ عنہ) ہے اور سب سنداً صحیح ہیں، نیز امام مالک کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

[1724] عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول

[1724] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب اللباس، باب تقليم الاظفار، حديث: 5892، 5893، صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، حديث: 259، ابوداود: 4199، ترمذی: 2764، نسائی: 15، احمد: 2/156 (6456).

اللّٰهِ ﷺ أَمَرَ بِإِخْفَاءِ الشَّوَارِبِ وَإِعْفَاءِ اللُّحَى.

اللہ ﷺ نے مونچھوں کے مونڈنے اور داڑھیوں کے بڑھانے کا حکم دیا ہے۔

فائدہ: ......مونچھوں کے متعلق بیان پیچھے باب: 24 کے اخیر میں گزر چکا ہے۔ نیز آپ ﷺ کا فرمان ہے: ''جو شخص مونچھیں نہیں کاٹتا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔'' (ترمذی: 2760، نسائی: 13، احمد: 301/1- اس کی سند حسن ہے)...... داڑھی کو کسی خاص حد کے بعد کاٹنے کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کچھ بھی ثابت نہیں ہے بلکہ متعدد فرامین مبارکہ میں مختلف الفاظ سے آپ ﷺ نے اسے بڑھانے اور مکمل رکھنے ہی کا حکم دیا ہے۔

[1725] عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ، أَنَّهُ سَمِعَ مُعَاوِيَةَ بْنَ أَبِي سُفْيَانَ عَامَ حَجَّ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ، وَتَنَاوَلَ قُصَّةً مِنْ شَعَرٍ كَانَتْ فِي يَدِ حَرَسِيٍّ يَقُولُ: يَا أَهْلَ الْمَدِينَةِ أَيْنَ عُلَمَاؤُكُمْ؟ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَنْهَى عَنْ مِثْلِ هَذِهِ، وَيَقُولُ: إِنَّمَا هَلَكَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ حِينَ اتَّخَذَ هَذِهِ نِسَاؤُهُمْ.

حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے (امیر المومنین) حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو سنا، اس سال، جس میں انھوں نے (ملک شام سے آ کر) حج کیا، اس (بیان کے) وقت وہ (مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کے) منبر پر تھے اور انھوں نے (نقلی) بالوں کا ایک گچھا لیا جو (ان کے پکڑنے سے پہلے) ایک محافظ کے ہاتھ میں تھا۔ (حمید رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے انھیں سنا) وہ فرما رہے تھے: اے مدینہ والو! کہاں ہیں تمھارے علماء؟ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا تھا، آپ ﷺ اس طرح کی چیز سے منع کر رہے تھے اور یہ ارشاد فرما رہے تھے: ''بلاشبہ بنی اسرائیل اس وقت ہلاک کیے گئے، جب ان کی عورتوں نے اسے اختیار کیا۔''

فائدہ: ......یہ مدینہ منورہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی آخری آمد تھی۔ (بخاری: 5938) اور یہ 57ھ کی بات ہے (زرقانی: 453/4) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے (نقلی) بال لگانے والی پر، لگوانے والی پر، (سرمہ وغیرہ بھر کر نشان بنانے کے لیے جسم میں) گودنے والی پر اور گدائی کرانے والی پر لعنت کی ہے۔'' (بخاری: 5937، مسلم: 2124) نیز چہرے کے بال نوچنے والی اور دانتوں میں خوبصورتی کے لیے فاصلہ کرانے والی پر بھی لعنت کی ہے۔ (بخاری: 5939، مسلم: 2125)

[1725] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب احاديث الانبياء، باب: 54، حديث: 3468، 3488، 5932، 5938، صحيح مسلم، كتاب اللباس والزينة، باب تحريم فعل الواصلة، حديث: 2127، ابوداود: 4167، ترمذی: 2781، نسائی: 5247، احمد: 95/4 (16990).

[1726] عَنْ زِيَادِ بْنِ سَعْدٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّهُ سَمِعَهُ يَقُولُ: سَدَلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ نَاصِيَتَهُ مَا شَاءَ اللّٰهُ، ثُمَّ فَرَقَ بَعْدَ ذٰلِكَ.

زیاد بن سعد رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے ابن شہاب رحمہ اللہ کو سنا، وہ ایک آدمی سے کہہ رہے تھے: رسول اللہ ﷺ اپنی پیشانی کے بال، جب تک اللہ نے چاہا سیدھے لٹکاتے رہے (اور سر کے درمیان میں مانگ نہ نکالتے) پھر اس کے بعد مانگ نکالنے لگے۔

فائدہ: ...... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو جن کاموں کے متعلق کوئی (خاص) حکم نہ دیا گیا ہوتا، ان میں آپ ﷺ اہل کتاب کی موافقت کیا کرتے تھے۔ چنانچہ اہل کتاب اپنے بال سیدھے لٹکاتے تھے اور مشرکین اپنے سروں میں مانگ (چیر) نکالا کرتے تھے تو پہلے پہل آپ بھی بالوں کو سیدھا لٹکاتے رہے، پھر مانگ نکالنے لگے۔ (بخاری: 5917، مسلم: 2336)

قَالَ مَالِكٌ: لَيْسَ عَلَى الرَّجُلِ يَنْظُرُ إِلَى شَعَرِ امْرَأَةِ ابْنِهِ، أَوْ شَعَرِ أُمِّ امْرَأَتِهِ بَأْسٌ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: آدمی پر اس میں کوئی حرج نہیں کہ اپنے بیٹے کی بیوی یعنی بہو کے بال دیکھے یا اپنی بیوی کی ماں یعنی ساس کے بال دیکھے۔

فائدہ: ...... بشرطیکہ شہوت کی نظر سے نہ ہو بلکہ اتفاقاً ہو، اگر چہ بہو اور ساس آدمی کی بیٹی اور ماں کے قائم مقام ہیں لیکن قصداً ان کی ہر زینت کی چیز نہ دیکھنی چاہیے حتیٰ کہ اپنی بالغ بہن یا بیٹی کو بھی اپنے سامنے سر کھلا رکھنے کی اجازت نہ دینی چاہیے۔

[1727] عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ كَانَ يَكْرَهُ الْإِخْصَاءَ وَيَقُولُ: فِيهِ تَمَامُ الْخَلْقِ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ خصی کرنے کو ناپسند کرتے تھے اور کہتے تھے: اس (خصیوں، کپوروں کے باقی رکھنے) میں تخلیق کی تکمیل ہے۔

فائدہ: ...... تمام فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خصی جانور حلال ہے اور اس کی قربانی بھی جائز ہے اور اگر چہ خصیتین یعنی کپوروں کے ختم کرنے سے کچھ نقص آتا ہے لیکن اس عمل کی وجہ سے جانور کا گوشت اور جسم بھی بڑھتا ہے اور اس کا گوشت بدبودار نہیں ہوتا۔ خود نبی کریم ﷺ سے بھی بعض روایات میں خصی مینڈھوں کی قربانی ثابت ہے۔

[1726] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب المناقب، باب صفة النبي ﷺ، حديث: 3558، 3944، 5917، صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب صفة شعره ﷺ وصفاته وحليته، حديث: 2336، ابوداود: 4188، نسائي: 5240، ابن ماجه: 3632، احمد: 246/1 (2209).

[1727] (موقوف صحيح) احمد: 24/2 (4729)، عبدالرزاق: 456/4 (8440)، بيهقي: 24/10 (19794)، ابن ابی شیبه: 32567۔ شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

(ابن ماجہ: 3122۔ اس کی سند صحیح ہے۔ ابوداود: 2795۔ اس کی سند کمزور ہے)لیکن جانوروں کو خصّی کرنے سے آپ ﷺ نے منع بھی فرمایا ہے۔(مسند احمد: 24/2) راجح قول کے مطابق یہ نہی تنزیہی ہے اور خصّی کرنا امر مکروہ ہے جس میں جانوروں کو شدید اذیت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ممانعت کی روایات صحیح الجامع الصغیر وغیرہ میں دیکھی جاسکتی ہیں۔اس روایت کا باب سے تعلق یہ ہے کہ جس طرح مونچھیں بڑھانا، داڑھی بڑھانا اور نقلی بال لگانا خلافِ فطرت ہے، اسی طرح انسان کو یا جانور کو خصّی کرنا بھی خلاف فطرت عمل ہے۔

[1728] عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ ، أَنَّهُ بَلَغَهُ : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ :أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ لَهُ أَوْ لِغَيْرِهِ فِي الْجَنَّةِ كَهَاتَيْنِ ، إِذَا اتَّقَى . وَأَشَارَ بِإِصْبَعَيْهِ الْوُسْطَى وَالَّتِي تَلِي الإِبْهَامَ .

صفوان بن سلیم رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ بے شک نبی کریم ﷺ نے فرمایا:''میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا (خواہ وہ یتیم) اس کا (رشتہ دار مثلاً پوتا، بھتیجا، بھائی وغیرہ) ہو یا کسی اور کا ہو(یعنی اجنبی اور غیر رشتہ دار ہو تو میں اور وہ کفالت کرنے والا) جنت میں ان دوانگلیوں کی طرح (قریب قریب) ہوں گے(بشرطیکہ) جب وہ تقویٰ اختیار کرے۔'' اور (یہ فرماتے ہوئے) آپ ﷺ نے اپنی دوانگلیوں کے ساتھ اشارہ فرمایا،درمیانی انگلی اور وہ (شہادت والی) انگلی جو انگوٹھے کے قریب ہوتی ہے۔

فائدہ:...... یہ روایت صفوان بن سلیم رحمہ اللہ نے اُنَیسہ رحمہ اللہ سے، انھوں نے ام سعید بنت مُرّہ سے، انھوں نے اپنے والد سے اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے بیان کی ہے جس کے حوالے نیچے درج ہیں۔ نیز یہ روایت حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے (بخاری: 5304، 6005) اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے (مسلم: 2983) بھی بیان کی۔ باب سے مناسبت یہ ہے کہ یتیم کی پرورش و کفالت میں اس کے بالوں کو صاف رکھنا، تیل لگانا، کنگھی کرنا وغیرہ بھی شامل ہیں۔

43- بَابُ اِصْلَاحُ الشَّعْرِ

بالوں کو درست رکھنے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں دو مرفوع روایات (احادیث نبویہ ﷺ) ہیں اور دونوں سنداً ضعیف ہیں۔

[1729] عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ ، أَنَّ أَبَا قَتَادَةَ　　یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت

[1728] (مرفوع صحیح)بیهقی فی السنن الکبری: 283/6، فی شعب الایمان : 470/7 (11027)، عبدالله بن مبارك فی الزهد: 653/229، بخاری فی الادب المفرد : 72/1 (133)۔ شیخ سلیم ہلالی نے اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ (الصحیحة : 435/2)

[1729] (مرفوع ضعیف)سنن النسائی ، کتاب الزینة ، باب تسکین الشعر ، حدیث : 5235، ابن سعد فی الطبقات الکبری: 379/4، ابن عساکر فی تاریخ دمشق : 115/71۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

الْأَنْصَارِيَّ قَالَ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ : إِنَّ لِي جُمَّةً أَفَأُرَجِّلُهَا ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : نَعَمْ وَأَكْرِمْهَا فَكَانَ أَبُو قَتَادَةَ رُبَّمَا دَهَنَهَا فِي الْيَوْمِ مَرَّتَيْنِ ، لِمَا قَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : وَأَكْرِمْهَا .

ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: بلاشبہ میرے بال کندھوں تک ہیں تو کیا میں ان میں کنگھی کر لیا کروں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں اور ان کا اکرام (عزت) بھی کیا کرو۔'' چنانچہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بسااوقات ایک دن میں دوبار انھیں تیل لگاتے، اس وجہ سے کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں فرمایا تھا کہ ''اور ان کا اکرام بھی کیا کرو۔''

فائدہ :...... ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے انھیں یہ حکم بھی فرمایا کہ وہ ان بالوں سے اچھا برتاؤ کریں اور ہردن کنگھی کریں۔(نسائی : 5239)۔ یہ روایت منقطع ہے، البتہ بالوں کے اکرام کے متعلق چند روایات ثابت ہیں، دیکھیے (سلسلة الاحاديث الصحيحة : 500، 666، 2252) نیز آپ ﷺ کا فرمان ہے: ''جس شخص کے بال ہوں وہ ان کا اکرام کرے۔'' (ابوداود: 4163۔ اس کی سند حسن ہے) کنگھی کرنا سنت ہے۔ (بخاری : 295، مسلم : 297) پہلے دائیں جانب کی کنگھی کرنا بھی مسنون ہے۔ (بخاری : 168، مسلم : 268) بالوں میں تیل اور خوشبو لگانا بھی سنت نبویہ ہے۔ (بخاری : 5923، مسلم : 1190، 2344) مانگ نکالنا بھی سنت ہے۔ (بخاری : 5917، مسلم : 2336) لیکن آپ ﷺ نے روزانہ کنگھی کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (نسائی: 239، 5057۔ اس کی سند صحیح ہے۔) اور آپ ﷺ نے ناغے سے ہی کنگھی کرنے کی اجازت دی ہے۔ (ابوداود: 4159، ترمذی: 1756، نسائی : 5058۔ اس کی سند صحیح ہے) اسی طرح آپ ﷺ نے اِرفاہ سے منع فرمایا، پھر پوچھے جانے پر اس کی وضاحت یہ کی کہ ہرروز کنگھی کی جائے۔ (نسائی : 5061، ابوداؤد: 4160۔ اس کی سند صحیح ہے۔) بہرحال راجح یہی ہے کہ روزانہ کنگھی نہ کی جائے اور اگر بال لمبے ہوں اور بغیر کنگھی کیے درست نہ ہوتے ہوں تو روزانہ کنگھی کر لی جائے لیکن مجبوری سمجھ کر ایسا کیا جائے نہ کہ شوقیہ طور پر۔ واللہ اعلم۔

[1730] عَنْ عَطَاءَ بْنَ يَسَارٍ أَخْبَرَهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فِي الْمَسْجِدِ ، فَدَخَلَ رَجُلٌ ثَائِرُ الرَّأْسِ وَاللِّحْيَةِ ، فَأَشَارَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِيَدِهِ أَنِ اخْرُجْ ، كَأَنَّهُ يَعْنِي إِصْلَاحَ

عطاء بن یسار رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں (تشریف فرما) تھے کہ (اتنے میں) ایک آدمی داخل ہوا، جس کے سر اور داڑھی کے بال بکھرے ہوئے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف اپنے ہاتھ مبارک سے

[1730] (مرفوع ضعيف) بيهقی فی شعب الايمان : 225/5 (6462)۔ شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ ضعیف ہے۔

شَعَرِ رَأْسِهِ وَلِحْيَتِهِ . فَفَعَلَ الرَّجُلُ، ثُمَّ رَجَعَ ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ :أَلَيْسَ هٰذَا خَيْراً مِنْ أَنْ يَأْتِيَ أَحَدُكُمْ ثَائِرَ الرَّأْسِ ، كَأَنَّهُ شَيْطَانٌ .

اشارہ کیا کہ باہر چلے جاؤ۔ گویا آپ ﷺ اس کے سر اور داڑھی کے بالوں کی اصلاح اور درستی مراد لے رہے تھے، چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا، پھر واپس لوٹ آیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا یہ اس سے بہتر نہیں کہ تم میں سے کوئی پراگندہ سر کے ساتھ یوں آئے کہ گویا وہ شیطان ہے۔''

فائدہ :...... یہ روایت متصل سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے لیکن اس میں نہ داڑھی کا ذکر ہے اور نہ شیطان کے ساتھ تشبیہ کا۔ دیکھیے (ابوداود: 4062، نسائی: 5238، احمد: 357/3 (14911)، ابن حبان: 1483، حاکم: 186/4۔ اس کی سند صحیح ہے۔)

44- بَابُ مَاجَاءَ فِيْ صِبْغِ الشَّعْرِ

بال رنگنے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں ایک موقوف روایت (اثر صحابی رضی اللہ عنہ) ہے جس کی سند صحیح ہے۔ نیز امام مالک کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

[1731] عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ : أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ الأَسْوَدِ بْنِ عَبْدِ يَغُوثَ قَالَ: وَكَانَ جَلِيساً لَهُمْ، وَكَانَ أَبْيَضَ اللِّحْيَةِ وَالرَّأْسِ . قَالَ : فَغَدَا عَلَيْهِمْ ذَاتَ يَوْمٍ وَقَدْ حَمَّرَهُمَا . قَالَ : فَقَالَ لَهُ الْقَوْمُ : هٰذَا أَحْسَنُ . فَقَالَ : إِنَّ أُمِّي عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ أَرْسَلَتْ إِلَيَّ الْبَارِحَةَ جَارِيَتَهَا نُخَيْلَةَ ، فَأَقْسَمَتْ عَلَيَّ لَأَصْبُغَنَّ ، وَأَخْبَرَتْنِي أَنَّ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيقَ كَانَ يَصْبُغُ .

ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک عبدالرحمٰن بن اسود بن عبد یغوث رحمہ اللہ جو کہ ان کے ہم نشین تھے (ان کے پاس بیٹھا کرتے تھے) اور ان کے سر اور داڑھی کے بال سفید تھے۔ وہ ایک دن صبح کے وقت ان کے پاس اس حال میں آئے کہ انھوں نے سر اور داڑھی کے بال (مہندی یا کسی اور چیز کے ساتھ) سرخ کر رکھے تھے، لوگوں نے ان سے کہا کہ یہ زیادہ خوبصورت (حالت) ہے تو وہ فرمانے لگے: بلاشبہ میری امی (ام المومنین) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ پیغمبر ﷺ نے گزشتہ رات میری طرف اپنی لونڈی نُخَیلہ کو بھیجا تھا اور مجھے قسم دی تھی کہ میں ضرور (بالوں کو) رنگ لوں اور انھوں نے مجھے یہ خبر بھی دی کہ بلاشبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی بالوں کو رنگا کرتے تھے۔

[1731] (موقوف صحیح) بیهقی فی شعب الایمان: 214/5 (6406)، ابن سعد فی الطبقات الکبریٰ: 189/3- شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

قَالَ يَحْيَى : سَمِعْتُ مَالِكاً يَقُولُ فِي صَبْغِ الشَّعَرِ بِالسَّوَادِ : لَمْ أَسْمَعْ فِي ذَلِكَ شَيْئاً مَعْلُوماً، وَغَيْرُ ذَلِكَ مِنَ الصِّبْغِ أَحَبُّ إِلَيَّ . قَالَ : وَتَرْكُ الصَّبْغِ كُلِّهِ وَاسِعٌ إِنْ شَاءَ اللَّهُ، لَيْسَ عَلَى النَّاسِ فِيهِ ضِيقٌ . قَالَ : وَسَمِعْتُ مَالِكاً يَقُولُ : فِي هَذَا الْحَدِيثِ بَيَانُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ لَمْ يَصْبُغْ، وَلَوْ صَبَغَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لأَرْسَلَتْ بِذَلِكَ عَائِشَةُ إِلَى عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الأَسْوَدِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے بالوں کو سیاہ رنگ لگانے کے متعلق فرمایا کہ میں نے اس بارے میں کوئی معلوم (مشہور) چیز نہیں سنی (مجھے کوئی واضح روایت نہیں پہنچی) اور اس (کالے رنگ) کے علاوہ (دوسرے) رنگ لگانا میرے نزدیک کوئی تنگی نہیں ہے (ان کی مرضی ہے چاہیں تو بالوں کو رنگ لگائیں یا نہ)۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور اس مذکورہ حدیث میں اس بات کا بیان ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ بالوں کو نہیں رنگتے تھے اور اگر رسول اللہ ﷺ نے خضاب لگایا ہوتا تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا عبدالرحمٰن بن اسود رحمہ اللہ کی طرف اسی (عمل نبوی ﷺ کے تذکرے) کے ساتھ پیغام بھیجتیں۔

فائدہ :...... یہ بات امام مالک رحمہ اللہ نے اپنے علم کے مطابق ذکر کی ہے ورنہ خود رسول اللہ ﷺ سے خضاب لگانا بھی ثابت ہے اور سیاہ رنگ کی ممانعت بھی ثابت ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا: یہود و نصاریٰ بالوں کو نہیں رنگتے، تم ان کی مخالفت کیا کرو۔'' (بخاری : 5899، مسلم: 2103) نیز فتح مکہ کے دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد حضرت ابو قحافہ رضی اللہ عنہ کے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس سفیدی کو کسی بھی چیز سے تبدیل کر دو اور (لیکن) سیاہ رنگ سے بچو۔'' (مسلم: 2102) نیز فرمایا: ''آخر زمانے میں ایسے لوگ ہوں گے جو سیاہ رنگ کا خضاب لگائیں گے جس طرح کہ کبوتروں کے پوٹے (معدے سیاہ) ہوتے ہیں، وہ جنت کی خوشبو نہ پا سکیں گے۔'' (ابوداود : 4212، نسائی: 5078۔ اس کی سند صحیح ہے) اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا: ''یقیناً سب سے بہترین چیز جس کے ساتھ سفید بالوں (کے رنگ) کو تبدیل کیا جاتا ہے وہ مہندی اور وسمہ ہے۔'' (ابوداود: 4205، ترمذی: 1753، نسائی: 5081، ابن ماجہ: 3622۔ اس کی سند صحیح ہے) ''وسمہ'' سے مراد نیل کا پودا ہے جس کے پتوں سے خضاب لگاتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ایک آدمی نبی اکرم ﷺ کے پاس سے گزرا، اس نے مہندی کا خضاب لگا رکھا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ کس قدر خوبصورت ہے۔'' پھر ایک اور شخص گزرا جس نے مہندی اور وسمہ ملا کر خضاب لگایا ہوا تھا تو فرمایا: ''یہ اس سے بھی خوبصورت ہے۔'' پھر ایک اور شخص گزرا جس نے زرد رنگ کا خضاب لگایا ہوا تھا تو فرمایا: ''یہ تو ان سب سے زیادہ حسین ہے۔'' (ابوداود: 4211، ابن ماجہ: 3627۔ اس کی سند حسن ہے۔) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مہندی اور وسمہ ملا کر خضاب لگاتے تھے۔ (مسلم : 2341) جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کبھی ان دونوں کو ملا کر خضاب لگاتے۔ (مسلم : 100/2341) اور کبھی خالص مہندی سے بال رنگتے۔ (مسلم: 103/2341) رسول اللہ ﷺ بھی

کبھی سرخ رنگ لگاتے۔ (بخاري: 5896) اور کبھی زرد رنگ استعمال کرتے۔ (بخاري: 166، مسلم: 1187) آپ ﷺ اپنی داڑھی مبارک کو وَرْس بوٹی اور زعفران کے ساتھ بھی رنگا کرتے تھے۔ (ابوداود: 4210۔ اس کی سند حسن ہے) یہ رنگ زرد سرخی مائل ہوتا ہے۔

45- بَابُ مَا يُؤْمَرُ بِهِ مِنَ التَّعَوُّذِ عِنْدَ النَّوْمِ وَغَيْرِهِ

نیند وغیرہ کے وقت پناہ مانگنے کے حکم کا بیان

خلاصة الباب اس باب میں چار روایات ہیں۔ تین مرفوع (احادیث نبویہ ﷺ) ہیں جن میں سے ایک صحیح اور دو حسن ہیں اور ایک روایت مقطوع (اثر تابعی رحمہ اللہ) ہے جو کہ سنداً صحیح ہے۔

[1732] عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، قَالَ: بَلَغَنِي أَنَّ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيدِ قَالَ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ: إِنِّي أُرَوَّعُ فِي مَنَامِي. فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: قُلْ أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ غَضَبِهِ وَعِقَابِهِ وَشَرِّ عِبَادِهِ، وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ، وَأَنْ يَحْضُرُونِ.

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ مجھے یہ خبر پہنچی کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: بلاشبہ میں اپنی نیند میں ڈرا دیا جاتا ہوں (اور گھبرا جاتا ہوں) تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ یہ پڑھا کرو: "اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ غَضَبِهٖ وَ عِقَابِهٖ وَ شَرِّ عِبَادِهٖ وَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ" "میں اللہ کے کامل کلمات کے ساتھ پناہ پکڑتا ہوں اس کے غضب سے، اس کے عذاب سے، اس کے بندوں کے شر سے، شیطانوں کے وسوسوں سے اور اس بات سے کہ شیطان میرے پاس حاضر ہوں۔"

فائدہ: ...... مصری نسخوں میں اس دعا کا آغاز (اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ ......) سے ہے۔ یہی روایت حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ (ابوداود: 3893، ترمذی: 3528۔ اس میں بھی (اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ) سے آغاز ہے۔ البتہ ابوداود شریف میں (التَّامَّةِ) اور ترمذی شریف میں (التَّامَّاتِ) ہے، نیز اس روایت میں ہر کسی کو نیند میں گھبراہٹ کے واقع ہونے پر یہی دعا پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

[1733] عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّهُ قَالَ: أُسْرِيَ بِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، فَرَأَى عِفْرِيتاً مِنَ الْجِنِّ يَطْلُبُهُ بِشُعْلَةٍ مِنْ نَارٍ، كُلَّمَا الْتَفَتَ

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو (جس رات) معراج پر لے جایا گیا، آپ ﷺ نے جنات میں سے ایک دیو کو دیکھا کہ وہ آگ کا ایک شعلہ

[1732] (مرفوع حسن لغيره) شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو شواہد کی بنا پر حسن قرار دیا ہے۔

[1733] (مرفوع حسن لغيره) نسائي في الكبرى: 10793، احمد: 419/3 (15539)۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو شواہد کی وجہ سے حسن قرار دیا ہے۔

رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ رَآهُ، فَقَالَ لَهُ جِبْرِيلُ: أَفَلَا أُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ تَقُولُهُنَّ، إِذَا قُلْتَهُنَّ طَفِئَتْ شُعْلَتُهُ، وَخَرَّ لِفِيهِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: بَلَى فَقَالَ جِبْرِيلُ: فَقُلْ أَعُوذُ بِوَجْهِ اللّٰهِ الْكَرِيمِ وَبِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ، اللَّاتِي لَا يُجَاوِزُهُنَّ بَرٌّ وَلَا فَاجِرٌ، مِنْ شَرِّ مَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ، وَشَرِّ مَا يَعْرُجُ فِيهَا، وَشَرِّ مَا ذَرَأَ فِي الْأَرْضِ، وَشَرِّ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا، وَمِنْ فِتَنِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ، وَمِنْ طَوَارِقِ اللَّيْلِ، إِلَّا طَارِقًا يَطْرُقُ بِخَيْرٍ، يَا رَحْمٰنُ.

لے کر آپ ﷺ کو طلب کر رہا ہے (اور آپ ﷺ کو کوئی نقصان پہنچانا چاہتا ہے)۔ جب بھی رسول اللہ ﷺ مڑ کر دیکھتے تو اسے (اسی حالت میں پیچھا کرتے ہوئے) دیکھتے، تو جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ سے کہا: کیا میں آپ کو وہ کلمات نہ سکھاؤں کہ جنھیں آپ پڑھ لیں۔ جب آپ انھیں کہہ لیں گے تو اس کا شعلہ بجھ جائے گا اور وہ اپنے منہ کے بل گر پڑے گا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کیوں نہیں۔“ چنانچہ جبرئیل علیہ السلام نے کہا: آپ یہ پڑھیے: (أَعُوذُ بِوَجْهِ اللّٰهِ الْكَرِيمِ ....) سے آخر تک۔

(ترجمہ): ”میں اللہ کے عزت والے چہرے کے ساتھ اور اللہ کے وہ کامل کلمات کہ جن سے نہ کوئی نیک اور نہ کوئی بدشخص تجاوز کر سکتا ہے، (کوئی شخص ان کلمات سے زیادہ کا علم نہیں رکھتا، میں ان کلمات) کے ساتھ پناہ پکڑتا ہوں، اس چیز کے شر سے جو آسمان سے اترتی ہے اور اس چیز کے شر سے جو اس میں چڑھتی ہے اور اس چیز کے شر سے جو اس (اللہ) نے زمین میں پیدا فرمائی ہے اور اس چیز کے شر سے جو اس سے نکلتی ہے، اور رات اور دن کے فتنوں سے، اور رات اور دن میں آنے والی چیزوں (آفتوں اور حادثات) سے، سوائے اس چیز کے جو رات کے وقت خیر کے ساتھ اترے، اے رحمان!“

فائدہ: ......نسائی کی روایت میں ہے کہ جب آپ ﷺ نے یہ کلمات پڑھے تو وہ جن شیطان منہ کے بل گر پڑا اور اس کا شعلہ بجھ گیا۔ (زرقانی: 461/4) شیخ سلیم ہلالی نے ثابت کیا ہے کہ یہ واقعہ معراج کی رات کی بجائے ”لیلۃ الجن“ یعنی جنات سے ملاقات والی رات پیش آیا تھا۔ (عجالۃ الراغب المتمنی: 638)

[1734] عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَجُلًا مِنْ أَسْلَمَ قَالَ: مَا نِمْتُ هٰذِهِ اللَّيْلَةَ. فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: مِنْ أَيِّ شَيْءٍ؟. فَقَالَ: لَدَغَتْنِي عَقْرَبٌ. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: أَمَا إِنَّكَ لَوْ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک (بنوخزاعہ کی ایک شاخ) اسلم قبیلے کے ایک شخص نے عرض کیا: (اے اللہ کے رسول ﷺ!) میں آج کی اس رات میں سو نہ سکا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کس چیز کی وجہ سے؟“

[1734] (مرفوع صحيح) صحيح مسلم كتاب الذكر والدعاء، باب في التعوذ من سوء القضاء، حديث: 2709، سنن ابي داود، كتاب الطب، باب كيف الرقى، حديث: 3899، ترمذى: 3604 (1)، ابن ماجه: 3518، احمد: 375/2 (8867).

قُلْتَ حِينَ أَمْسَيْتَ : أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ، لَمْ تَضُرَّكَ . انھوں نے کہا کہ ایک بچھو نے مجھے ڈس لیا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آگاہ رہو اگر تم اس وقت کہ جب تم نے شام کی تھی، یہ کہہ لیتے: (اَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ) (میں اللہ تعالیٰ کے کامل کلمات کے ساتھ ہر اس چیز کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جو اس نے پیدا کی ہے۔) تو وہ بچھو تمھیں نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا۔''

فائدہ :......بعض روایات میں تین بار اسے پڑھنے کا ذکر ہے۔(احمد : 191/2، ابن السنی فی عمل الیوم واللیلۃ :ص 227) ایک روایت میں ہے کہ ''جو شخص کسی جگہ پڑاؤ کرے اور یہ کلمات کہہ لے تو وہاں سے روانہ ہونے تک کوئی چیز اسے نقصان نہ دے سکے گی۔'' (مسلم : 2708)

[1735] عَنْ كَعْبِ الأَحْبَارِ قَالَ : لَوْلَا كَلِمَاتٌ أَقُولُهُنَّ ، لَجَعَلَتْنِي يَهُودُ حِمَاراً . فَقِيلَ لَهُ: وَمَا هُنَّ ؟ فَقَالَ : أَعُوذُ بِوَجْهِ اللّٰهِ الْعَظِيمِ ، الَّذِي لَيْسَ شَيْءٌ أَعْظَمَ مِنْهُ ، وَبِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ ، الَّتِي لَا يُجَاوِزُهُنَّ بَرٌّ وَلَا فَاجِرٌ ، وَبِأَسْمَاءِ اللّٰهِ الْحُسْنَى كُلِّهَا ، مَا عَلِمْتُ مِنْهَا وَمَا لَمْ أَعْلَمْ ، مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَبَرَأَ وَذَرَأَ .

کعب احبار رحمہ اللہ (جو اسلام لانے سے قبل یہودی عالم تھے) سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ اگر وہ کلمات نہ ہوتے جو میں کہتا رہتا ہوں تو یہودی (جادو کے ذریعے) مجھے گدھا بنا دیتے۔ ان سے کہا گیا کہ وہ کلمات کیا ہیں؟ تو انھوں نے فرمایا: (اَعُوذُ بِوَجْهِ اللّٰهِ..........) سے آخر تک۔ (ترجمہ) ''میں پناہ حاصل کرتا ہوں بہت عظمت والے اللہ کے ساتھ کہ کوئی بھی شے جس سے عظیم نہیں ہو سکتی، اور اللہ کے ان کلمات کے ساتھ جن سے نہ کوئی نیک تجاوز کر سکتا ہے اور نہ کوئی بد (یعنی کوئی شخص ان سے زیادہ کا علم نہیں رکھتا) اور اللہ کے تمام اسمائے حسنیٰ (اچھے اچھے ناموں) کے ساتھ ان میں سے جس کا مجھے علم ہے یا جسے میں نہیں جانتا (تو ان تمام چیزوں کے ساتھ میں پناہ پکڑتا ہوں) ہر اس چیز کے شر سے جسے اس نے تخلیق کیا، پیدا فرمایا اور پھیلایا۔''

46- بَابُ مَاجَاءَ فِي الْمُتَحَابِّينَ فِي اللّٰهِ

اللہ کی خاطر باہم محبت کرنے والوں کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں پانچ روایات ہیں۔ چار مرفوع (احادیث نبویہ ﷺ) ہیں جو سنداً صحیح ہیں اور ایک موقوف (اثر صحابی رضی اللہ عنہ) ہے جو کہ ضعیف ہے۔

[1735] (مقطوع صحیح) عبدالرزاق : 19833، ابن ابی شیبہ: 29592، ابونعیم فی الحلیۃ : 377/5۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

[1736] عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: إِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَقُولُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: أَيْنَ الْمُتَحَابُّونَ لِجَلَالِي، الْيَوْمَ أُظِلُّهُمْ فِي ظِلِّي، يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلِّي.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یقیناً اللہ تبارک و تعالیٰ قیامت کے دن فرمائیں گے: کہاں ہیں میری جلالت (وبزرگی اور عظمت) کی وجہ سے آپس میں محبت رکھنے والے؟ آج کے دن میں انھیں اپنے (عرش کے) سائے میں سایہ عطا کروں گا جس دن کہ میرے سائے کے سوا کوئی سایہ نہیں ہے۔''

فائدہ: ...... یہ اضافت اور نسبت تشریفی ہے یعنی ہر چیز کا مالک تو اللہ ہی ہے لیکن بعض چیزوں کا شرف واضح کرنے کے لیے انھیں اللہ کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے، یہاں عرش کا سایہ مراد ہے کیونکہ مختلف روایات میں عرش کے سائے کا ثبوت ہے۔ (ابوداود: 2520، احمد: 128/4، 300/5، 308)

[1737] عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَوْ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِي ظِلِّهِ، يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ، إِمَامٌ عَادِلٌ، وَشَابٌّ نَشَأَ فِي عِبَادَةِ اللّٰهِ، وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُتَعَلِّقٌ بِالْمَسْجِدِ إِذَا خَرَجَ مِنْهُ حَتَّى يَعُودَ إِلَيْهِ، وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللّٰهِ اجْتَمَعَا عَلَى ذَلِكَ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ، وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللّٰهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ، وَرَجُلٌ دَعَتْهُ ذَاتُ حَسَبٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ: إِنِّي أَخَافُ اللّٰهَ، وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا حَتَّى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِينُهُ.

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ یا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سات (قسم کے) افراد کو اللہ تعالیٰ اپنے سائے میں اس دن سایہ عطا فرمائے گا جس دن اس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔ (1) عدل کرنے والا امام (2) وہ نوجوان جو اللہ کی عبادت میں پروان چڑھا۔ (3) وہ شخص جس کا دل مسجد سے لٹکا رہتا ہے اس وقت کہ جب وہ مسجد سے باہر نکلے (اس کا دل مسجد ہی کی طرف مائل رہتا ہے اور بے چین رہتا ہے) یہاں تک کہ اس (مسجد) کی طرف واپس لوٹ آئے۔ (4) وہ دو شخص جو اللہ کی خاطر آپس میں محبت کریں، وہ دونوں اسی پر جمع ہوں اور اسی پر وہ جدا ہوں۔

[1736] (مرفوع صحیح) صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب فضل الحب فی اللہ، حدیث: 2566، احمد: 237/2 (7230)، دارمی: 2757.

[1737] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب من جلس فی المسجد ینتظر الصلاة وفضل المساجد، حدیث: 660، 1423، 6479، 6806، صحیح مسلم، کتاب الزکاة، باب فضل اخفاء الصدقة، حدیث: 1031، ترمذی: 2391، نسائی: 5382، احمد: 439/2 (9663).

(5) وہ شخص جو اللہ کا ذکر کرے اس حال میں کہ وہ تنہا ہو تو (اللہ کی یاد سے) اس کی آنکھیں (آنسوؤں کے ساتھ) بہہ پڑیں۔ (6) وہ آدمی جسے حسب (خاندانی شرافت) اور خوبصورتی والی عورت (زنا کی) دعوت دے تو وہ کہے: بلاشبہ میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں، اور (7) وہ آدمی جو کوئی صدقہ کرے تو اسے (اس قدر) مخفی رکھے یہاں تک کہ اس کے بائیں ہاتھ کو معلوم نہ ہو سکے کہ اس کا دایاں ہاتھ کیا خرچ کر رہا ہے۔

فائدہ :...... یہ روایت بخاری و مسلم میں بغیر شک کے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ سنن سعید بن منصور کی اس روایت میں جس کی سند حسن ہے، وضاحت کے ساتھ عرش کے سائے کا ذکر ہے۔ (مرعاۃ المفاتیح : 406/2۔ زرقانی: 464/4) عرش کا سایہ پانے والے خوش نصیبوں میں تنگدست مقروض کو مہلت دینے والا اور قرض کو بالکل ہی معاف کر دینے والا بھی شامل ہیں۔ (مسلم : 3006) یوں محسوس ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا سات قسم کے افراد کو ذرا زیادہ شرف حاصل ہوگا ورنہ تو مختلف روایات سے مزید افراد کے لیے بھی یہ خوشخبری ثابت ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس موضوع پر خاص رسالہ "معرفة الخصال الموصلة الی الظلال" تالیف کیا اور پچاس افراد کا ذکر کیا، پھر علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے ستر اور بعد ازاں علامہ سخاوی رحمہ اللہ نے (94) افراد ذکر کیے، اگر چہ ان میں سے اکثر روایات ضعیف ہیں۔ علامہ زرقانی رحمہ اللہ نے ان تمام کو تفصیل سے بیان کر کے آخر میں چند اشعار میں انھیں سمو دیا ہے۔ (زرقانی : 467/4، 471) امام عادل سے مراد انصاف پرور حکمران بھی ہے اور ہر وہ شخص بھی جو اپنے ماتحتوں میں عدل وانصاف سے کام لے کیونکہ ایک روایت میں یہ فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مذکور ہے: " بلاشبہ اللہ کے نزدیک انصاف پرور لوگ رحمان کے دائیں جانب نور کے منبروں پر براجمان ہوں گے، جو اپنے فیصلے میں بھی عدل سے کام لیتے ہیں، اپنے گھر والوں میں بھی اور اس چیز میں بھی جس کے وہ متولی (اور ذمہ دار) بنیں۔" (مسلم: 1827)...... اللہ کی محبت پر جمع ہونے اور جدا ہونے کا یہ مطلب ہے کہ جب بھی وہ ملتے یا جدا ہوتے ہیں تو دلوں میں اللہ کی خاطر محبت موجود ہوتی ہے، اور اگر کبھی ناراض ہوتے ہیں تو اس کا منبع بھی محبت الٰہی ہی ہوتی ہے...... اللہ کی یاد سے روتے وقت تنہائی کا ظاہر مفہوم تو یہی ہے کہ وہ شخص لوگوں کی نظروں سے دور ہو، لیکن اس میں وہ شخص بھی شامل ہے جس کا دل مکمل طور پر تنہا اللہ کی طرف متوجہ ہو اور اس کے دل میں کسی غیر اللہ کا خیال نہ ہو، تو یہ بھی خلوت وتنہائی ہی شمار ہے اگر چہ اس کے پاس لوگ موجود ہوں...... زنا اور بدفعلی کی دعوت پر اللہ کے ڈر سے باز رہنے والا ہر شخص ہی سنتِ یوسفی کا مظاہرہ کرتا ہے اور خصوصی اجر کا مستحق بنتا ہے، لیکن حدیث میں مذکور شخص کا خاص تذکرہ اس لیے ہے کہ اس کے لیے برائی میں مبتلا ہونے کے اسباب زیادہ اور آسانی سے مہیا ہوتے ہیں...... بائیں ہاتھ کو صدقہ کے وقت پتا نہ چل سکنے کی بات محض مبالغہ کے لیے ہے ورنہ ظاہر ہے کہ بعض اوقات مخفی صدقہ کرتے وقت دونوں ہاتھوں سے صدقہ کا مال اٹھانا پڑتا ہے۔

[1738] عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: إِذَا أَحَبَّ اللّٰهُ الْعَبْدَ قَالَ لِجِبْرِيلَ: قَدْ أَحْبَبْتُ فُلَانًا فَأَحِبَّهُ. فَيُحِبُّهُ جِبْرِيلُ، ثُمَّ يُنَادِي فِي أَهْلِ السَّمَاءِ: إِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَحَبَّ فُلَانًا فَأَحِبُّوهُ. فَيُحِبُّهُ أَهْلُ السَّمَاءِ، ثُمَّ يُوضَعُ لَهُ الْقَبُولُ فِي الْأَرْضِ، وَإِذَا أَبْغَضَ اللّٰهُ الْعَبْدَ. قَالَ مَالِكٌ: لَا أَحْسِبُهُ إِلَّا أَنَّهُ قَالَ فِي الْبُغْضِ مِثْلَ ذَلِكَ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یقیناً رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتے ہیں تو جبرئیل علیہ السلام سے کہتے ہیں: اے جبرئیل! یقیناً میں نے فلاں شخص سے محبت کی ہے (اسے اپنا محبوب بنالیا ہے) لہٰذا تم بھی اس سے محبت کرو۔ چنانچہ جبرئیل علیہ السلام اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر وہ آسمان والوں (تمام فرشتوں وغیرہ) میں منادی کرتے ہیں کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو فلاں بندے سے محبت ہے، اس لیے تم سب بھی اس سے محبت کرو۔ چنانچہ اس سے آسمان والے (تمام فرشتے) محبت کرنے لگتے ہیں، پھر زمین میں اس کے لیے قبولیت اتار دی جاتی ہے (وہ محبوب زماں بن جاتا ہے)۔ پھر جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے بغض (اور نفرت) کرتے ہیں......'' امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: میں ان کو (یعنی اپنے شیخ سہیل بن ابی صالح کو) اور کچھ خیال نہیں کرتا مگر یہی کہ انھوں نے بغض کے متعلق بھی اسی طرح کہا (اور بیان کیا)۔

فائدہ :...... چنانچہ اس کی تفصیل صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے نفرت کرتے ہیں تو جبرئیل علیہ السلام کو بلاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یقیناً میں فلاں شخص سے بغض رکھتا ہوں سوتم بھی اس سے نفرت کرو۔ چنانچہ جبرئیل علیہ السلام بھی اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں، پھر وہ آسمان والوں میں منادی کرتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے نفرت کرتے ہیں سوتم سب بھی اس سے نفرت کرو۔ پس وہ سب اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں، پھر اس کے لیے وہ نفرت زمین میں اتار دی جاتی ہے۔ (مسلم: 2637) بہرحال یہ بات قطعی ہے کہ تمام مخلوقات کے ہاں اللہ کا محبوب قابل محبت بن جاتا ہے اور اللہ کا مبغوض قابلِ نفرت ہو جاتا ہے۔ ہاں یہ بات اللہ کی مرضی پر منحصر ہے کہ انسانوں تک اس شخص کا خاص تعارف پہنچا دے یا اسے گمنام ہی رکھے۔ اللہ تعالیٰ جن خاص لوگوں کو محبوب عالم بنا کر مشہور کرتے ہیں اس سے ایک مقصود یہ ہوتا ہے کہ لوگ اس میں رشک کریں اور اس کے نمونے پر چلیں اور جسے نفرت والی شہرت ملتی ہے اس سے لوگوں کو عبرت دلانا مقصود ہوتا ہے۔

[1738] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب بدء الخلق، باب ذكر الملائكة صلوات الله عليهم، حديث: 3209، 6040، 7485، صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب اذا احب الله عبدا أمر جبريل، حديث: 2637، ترمذي: 3161، نسائي في الكبرى: 7747، احمد: 267/2 (7614).

[1739] عَنْ أَبِي إِدْرِيسَ الْخَوْلَانِيِّ، أَنَّهُ قَالَ: دَخَلْتُ مَسْجِدَ دِمَشْقَ، فَإِذَا فَتًى شَابٌّ بَرَّاقُ الثَّنَايَا، وَإِذَا النَّاسُ مَعَهُ، إِذَا اخْتَلَفُوا فِي شَيْءٍ أَسْنَدُوا إِلَيْهِ وَصَدَرُوا عَنْ قَوْلِهِ، فَسَأَلْتُ عَنْهُ، فَقِيلَ: هَذَا مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ، فَلَمَّا كَانَ الْغَدُ هَجَّرْتُ، فَوَجَدْتُهُ قَدْ سَبَقَنِي بِالتَّهْجِيرِ، وَوَجَدْتُهُ يُصَلِّي، قَالَ: فَانْتَظَرْتُهُ حَتَّى قَضَى صَلَاتَهُ، ثُمَّ جِئْتُهُ مِنْ قِبَلِ وَجْهِهِ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ، ثُمَّ قُلْتُ: وَاللَّهِ إِنِّي لَأُحِبُّكَ لِلَّهِ. فَقَالَ: آللَّهِ؟ فَقُلْتُ: آللَّهِ. فَقَالَ: آللَّهِ؟ فَقُلْتُ: آللَّهِ. فَقَالَ: آللَّهِ؟ فَقُلْتُ: آللَّهِ. قَالَ: فَأَخَذَ بِحُبْوَةِ رِدَائِي فَجَبَذَنِي إِلَيْهِ وَقَالَ: أَبْشِرْ، فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: قَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: وَجَبَتْ مَحَبَّتِي لِلْمُتَحَابِّينَ فِيَّ، وَالْمُتَجَالِسِينَ فِيَّ، وَالْمُتَزَاوِرِينَ فِيَّ، وَالْمُتَبَاذِلِينَ فِيَّ.

ابوادریس خولانی رحمہ اللہ سے روایت ہے، اس نے کہا: میں دمشق کی مسجد میں داخل ہوا تو اچانک (وہاں) ایک نوجوان شخص (موجود) تھا، جو بہت سفید (اور چمکدار) دانتوں والے تھا اور اچانک کچھ لوگ بھی اس کے ساتھ (نظر آ رہے) تھے۔ جب بھی ان کا کسی چیز کے متعلق اختلاف ہوتا تو وہ اسی (کے فیصلے) پر بھروسہ کرتے اور اس کی (فیصلہ کن) بات سے مدد لیتے (اور چپ چاپ مان لیتے۔ ابو ادریس خولانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ) چنانچہ میں نے اس کے متعلق پوچھا تو مجھے بتایا گیا کہ یہ (صحابی رسول ﷺ) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہیں۔ پھر جب اگلا دن ہوا تو میں (مسجد کی طرف) جلدی جلدی گیا۔ میں نے انھیں دیکھا کہ وہ تو جلدی آنے میں مجھ سے بھی سبقت لے جا چکے ہیں اور میں نے انھیں نماز پڑھتے ہوئے پایا۔ چنانچہ میں نے ان کا انتظار کیا، یہاں تک کہ انھوں نے اپنی نماز پوری کی، پھر میں ان کے چہرے کی جانب سے ان کے پاس آیا اور انھیں سلام عرض کیا، پھر میں نے کہا: اللہ کی قسم! یقیناً میں اللہ کے لیے آپ سے محبت کرتا ہوں۔ وہ فرمانے لگے: کیا واقعی، اللہ کی قسم! میں نے کہا کہ یقیناً، اللہ کی قسم! انھوں نے پھر کہا کہ کیا واقعی، اللہ کی قسم!؟ میں نے بھی کہا کہ یقیناً اللہ کی قسم! تو انھوں نے میری چادر کا کنارہ پکڑا اور مجھے اپنی طرف کھینچا اور فرمایا: خوش ہو جاؤ، کیونکہ بلاشبہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا تھا، آپ ﷺ فرما رہے تھے: ”اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میری محبت ان لوگوں کے لیے واجب ہوگئی ہے جو میری خاطر باہم محبت رکھنے والے ہیں اور جو میری خاطر (نیک مقاصد کے لیے) آپس میں مل بیٹھنے والے ہیں، اور جو میری خاطر ایک دوسرے کی زیارت (ملاقات) کرنے والے ہیں اور جو میری خاطر ایک دوسرے پر خرچ کرنے والے ہیں۔

[1739] (مرفوع صحیح) احمد: 233/5 (22380)، بیہقی فی شعب الایمان: 483/6 (8992)، ابن سعد فی الطبقات الکبری: 586/3، ابن حبان: 575۔ شیخ سلیم ہلالی، امام حاکم، امام نووی، ابن عبدالبر، بوصیری، البانی نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

فائدہ :......ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے: (لِلْمُتَوَاصِلِيْنَ فِيَّ) "میری خاطر ایک دوسرے سے تعلق رکھنے والوں کے لیے (بھی یعنی دوستی رکھنے والوں کے لیے)۔" (مسند احمد : 239/5) ایک روایت میں یہ بھی ہے: (لِلْمُتَصَادِقِيْنَ فِيَّ) "میری خاطر آپس میں سچی دوستی رکھنے والوں کے لیے۔" (احمد : 229/5، طبرانی فی المعاجم الثلاثه بحواله مجمع الزوائد : 495/10) ایک روایت میں ہے: (الْمُتَنَاصِحِيْنَ فِيَّ) "میری خاطر ایک دوسرے کی خیرخواہی کرنے والے۔" (ابن حبان : 338/2۔ اس کی سند حسن ہے) نیز اس آخری روایت میں یہ بھی ہے: "اور وہ (اللہ کی خاطر محبت رکھنے والے) نور کے منبروں پر ہوں گے، انبیائے کرام علیہم السلام اور صدیقین بھی ان کے خاص مقام ومرتبہ کی وجہ سے ان پر رشک کریں گے۔"

[1740] عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: الْقَصْدُ وَالتُّؤَدَةُ وَحُسْنُ السَّمْتِ، جُزْءٌ مِنْ خَمْسَةٍ وَعِشْرِينَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ کہا کرتے تھے کہ میانہ روی، نرمی اور اچھی ہیت وصورت نبوت کے پچیس اجزاء میں سے ایک جز ہے۔

فائدہ :......یعنی اگر انبیائے کرام علیہم السلام کے اخلاق حسنہ کے اجزاء کیے جائیں تو یہ اشیاء پچیسواں حصہ بنتی ہیں۔ مخصوص حصوں میں تقسیم کی حکمت بھی اللہ ہی بہتر جانتا ہے، البتہ ایک بات ضرور ہے کہ ایسے الفاظ سے یہ ترغیب دلائی جاتی ہے کہ لوگ بھی ان اخلاق کو اختیار کریں جو محبوبان الٰہی کے اوصاف ہیں......یہ مذکورہ روایت اگرچہ ضعیف ہے لیکن رسول اللہ ﷺ سے اس مفہوم کی روایات ثابت ہیں، مثلاً حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت (ابو داود : 4776۔ اس کی سند حسن لغیرہ ہے۔) اور حضرت عبداللہ بن سرجس مزنی رضی اللہ عنہ کی روایت۔ (ترمذی: 2010۔ اس کی سند حسن ہے۔)

47- بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّؤْيَا

خواب کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں چھ روایات ہیں۔ پانچ مرفوع (احادیث نبویہ ﷺ) ہیں اور ایک مقطوع (اثر تابعی رحمہ اللہ) ہے اور سب سنداً صحیح ہیں۔

[1741] عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رَسُولَ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول

[1740] (موقوف ضعیف) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے، البتہ رسول اللہ ﷺ سے حسن سند کے ساتھ ثابت ہے، دیکھیے سنن ابی داود، کتاب الادب، باب فی الوقار، حدیث : 4776، جامع الترمذی، کتاب البر والصلة باب ماجاء فی التأنی والعجلة، حدیث : 2010، احمد : 696/1 (2698).

[1741] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب التعبیر، باب رؤیا الصالحین، حدیث : 6983، 6994، صحیح مسلم، کتاب الرؤیا، باب فی کون الرؤیا من الله، حدیث : 2264، نسائی فی الکبری : 7624، ابن ماجه: 3893، احمد 126/3 (12297).

اللّٰهِ ﷺ قَالَ : الرُّؤْيَا الْحَسَنَةُ مِنَ الرَّجُلِ الصَّالِحِ ، جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَأَرْبَعِينَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ .

اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نیک آدمی کا اچھا خواب نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔''

[1742] عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ بِمِثْلِ ذٰلِكَ .

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی رسول اللہ ﷺ سے اس طرح روایت بیان کی ہے۔

فائدہ :......معلوم ہوا کہ ہر شخص کے ہر خواب کو یہ حیثیت حاصل نہیں ہے۔ چھیالیس کا لفظ غالبًا تشبیہ کے لیے بولا گیا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے تیئس سالہ دورِ نبوت (جس کی ششماہیاں چھیالیس بنتی ہیں) میں سے ابتدائی ششماہی یعنی چھ ماہ میں صرف سچے خوابوں کا سلسلہ جاری رہا تھا۔ یہ مطلب قطعًا نہیں ہے کہ اچھے خواب دیکھتے دیکھتے آدمی کو نبوت مل جاتی ہے جیسا کہ کذاب مرزا غلام احمد قادیانی ملعون نے کہا۔

[1743] عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ إِذَا انْصَرَفَ مِنْ صَلَاةِ الْغَدَاةِ يَقُولُ : هَلْ رَأَى أَحَدٌ مِنْكُمُ اللَّيْلَةَ رُؤْيَا ؟ وَيَقُولُ : لَيْسَ يَبْقَى بَعْدِي مِنَ النُّبُوَّةِ ، إِلَّا الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ .

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ جب فجر کی نماز سے فارغ ہوتے تو فرماتے : ''کیا تم میں سے کسی نے آج رات کوئی خواب دیکھا ہے؟'' اور آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے : ''میرے بعد نبوت میں سے کچھ بھی باقی نہیں رہے گا سوائے سچے خواب کے۔''

فائدہ :......الغرض سلسلہ نبوت تو بند ہو جائے گا لیکن بشارتوں کا سلسلہ خوابوں کی شکل میں جاری رہے گا۔ یہ معاملہ چونکہ حساس ہے، ہر باطل شخص بھی خواب میں بشارت کا دعویٰ کر سکتا ہے نیز کسی کو خواب آیا بھی ہے یا نہیں، اس کی صداقت بھی اللہ ہی کو معلوم ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سب سے بدترین قسم کا جھوٹ یہ ہے کہ آدمی جھوٹ بنا کر خواب بیان کرے۔'' (بخاری : 7043) نیز فرمایا کہ ''ایسے شخص کو روزِ قیامت کہا جائے گا کہ جَو کے دو دانوں میں گرہ باندھے اور وہ ایسا ہرگز نہ کر پائے گا۔'' (بخاری : 7042) اور عذاب ہی بھگتتا رہے گا۔

[1742] (مرفوع صحیح) صحيح البخاري ، كتاب التعبير ، باب الرؤيا الصالحة جزء من ستة واربعين جزء من النبوة ، حديث : 6988 ، صحيح مسلم ، كتاب الرؤيا ، باب في كون الرؤيا من الله ، حديث : 2263 (5906 ، 5908) ، ترمذی : 2270 ، ابن ماجه : 3894 ، احمد : 369/2 (8805) .

[1743] (مرفوع صحیح) سنن ابي داود ، كتاب الأدب ، باب في الرؤيا ، حديث : 5017 ، نسائي في الكبرى : 382/4 (7621) ، احمد : 325/2 (7296) ، حاكم : 390/4 ۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

[1744] عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ :لَنْ يَبْقَى بَعْدِي مِنَ النُّبُوَّةِ إِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ . فَقَالُوا : وَمَا الْمُبَشِّرَاتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ؟ قَالَ :الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ يَرَاهَا الرَّجُلُ الصَّالِحُ ، أَوْ تُرَى لَهُ ، جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَأَرْبَعِينَ جُزْءاً مِنَ النُّبُوَّةِ .

عطاء بن یسار رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے اور نبوت میں سے مبشرات کے سوا کچھ بھی ہرگز باقی نہ رہے گا۔'' تو لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! مبشرات سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ نیک خواب جسے نیک آدمی (خود اپنے لیے) دیکھتا ہے یا اس کے لیے (کسی اور کو) دکھایا جاتا ہے، وہ نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزء ہے۔''

[1745] عَنْ أَبِي قَتَادَةَ بْنِ رِبْعِيٍّ يَقُولُ : سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ : الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ مِنَ اللّٰهِ ، وَالْحُلْمُ مِنَ الشَّيْطَانِ ، فَإِذَا رَأَى أَحَدُكُمُ الشَّيْءَ يَكْرَهُهُ ، فَلْيَنْفُثْ عَنْ يَسَارِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ إِذَا اسْتَيْقَظَ ، وَلْيَتَعَوَّذْ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّهَا ، فَإِنَّهَا لَنْ تَضُرَّهُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ قَالَ أَبُو سَلَمَةَ : إِنْ كُنْتُ لَأَرَى الرُّؤْيَا هِيَ أَثْقَلُ عَلَيَّ مِنَ الْجَبَلِ ، فَلَمَّا سَمِعْتُ هَذَا الْحَدِيثَ ، فَمَا كُنْتُ أُبَالِيهَا .

حضرت ابو قتادہ بن ربعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا: ''اچھا خواب اللہ کی طرف سے ہوتا ہے اور پراگندہ خیال (برا خواب) شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔ چنانچہ جب تم میں سے کوئی شخص ایسی چیز (خواب میں دیکھے) جو اسے ناپسند ہو تو اسے چاہیے کہ اپنے (جسم کی) بائیں جانب (دل کے مقام پر) تین بار تھوک دے اور اس خواب کے شر سے اللہ کی پناہ پکڑ لے، تو بلاشبہ وہ خواب ان شاء اللہ اس کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکے گا۔'' (حدیث کے راوی) ابوسلمہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ بے شک میں (بعض اوقات) ایسا خواب دیکھتا تھا جو مجھ پر پہاڑ سے بھی زیادہ بھاری (گراں اور پریشان کن) ہوتا تھا، پھر جب میں نے یہ حدیث مبارکہ سنی تو میں اس (طرح کے خوابوں) کی پروا بھی نہیں کرتا۔

فائدہ :...... بندے کے ایمان اور اتباع رسول ﷺ کا یہی تقاضا ہے کہ خود کو شریعت کے مطابق ڈھال لے۔ یاد رہے کہ اگر کوئی ڈراؤنا خواب مسلسل آئے تو بھی یہی کرنا چاہیے اور صدقہ بھی کرنا چاہیے، نیز کسی معتبر اور خیرخواہ

[1744] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري ، كتاب التعبير ، باب المبشرات ، حديث: 6988، 6990، 7017، صحيح مسلم ، كتاب الرؤيا ، باب في كون الرؤيا من الله ، حديث : 8/2663 (عن ابی ہریرة) و صحيح مسلم ، كتاب الصلاة ، باب النهي عن قراءة القرآن في الركوع والسجود ، حديث : 479 (عن ابن عباس).

[1745] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري ، كتاب الطب ، باب النفث في الرقية ، حديث : 3292، 5747، 6984، 6995، 7005، 7044، صحيح مسلم ، كتاب الرؤيا ، باب في كون الرؤيا من الله ، حديث : 2261، ابوداود: 5021، ترمذی: 2277، نسائی فی الکبری: 7227، ابن ماجه: 3909، دارمی: 2142.

عالم سے اس کی تعبیر بھی پوچھ لینی چاہیے ......ایک روایت میں ہے کہ ابوسلمہ رحمہ اللہ کہا کرتے تھے: میں بسا اوقات ایسا پریشان کن خواب دیکھتا جو مجھے بیمار کر دیتا تھا، حتیٰ کہ میں نے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کو بھی یہی کہتے ہوئے سنا کہ میں خواب دیکھا کرتا تھا، جو مجھے بیمار کر دیتا تھا یہاں تک کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''اچھا خواب اللہ کی طرف سے ہے، جب تم میں سے کوئی ایسی چیز خواب میں دیکھے جو اسے پسند ہو تو اس شخص کے سوا کسی کو بیان نہ کرے، جس سے وہ محبت رکھتا ہو اور جب وہ ایسی چیز دیکھے جو اسے ناپسند ہو اس کے شر سے اور شیطان کے شر سے اللہ کی پناہ مانگے اور (اپنی بائیں جانب) تین بار تھوک دے اور کسی کو بھی وہ خواب نہ بتائے تو بلاشبہ وہ خواب اس کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے گا۔'' (بخاری: 7044، مسلم: 4/2261) ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ''وہ جس پہلو پر لیٹا ہوا ہو اس سے کروٹ بدل لے۔'' حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ ہے کہ ''اچھے خواب پر اللہ کا شکر ادا کرے۔'' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ ''جو ناپسند خواب دیکھے وہ اٹھ کر نماز پڑھنا شروع کر دے اور وہ خواب لوگوں کو نہ بتائے۔'' نیز فرمایا: ''خواب تین قسم کے ہوتے ہیں: اللہ کی طرف سے خوشخبری، شیطان کی طرف سے غم میں مبتلا کرنا، اور دل کے پراگندہ خیالات۔'' (مسلم: 2263، بخاری: 7017) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ ایک آدمی نے آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ جیسے میرا سر کاٹ دیا گیا، پھر وہ لڑھکنے (اور نیچے کی طرف گرنے) لگا، چنانچہ میں اس کے پیچھے بھاگ پڑا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا پڑے اور فرمایا: ''جب شیطان تم میں سے کسی کے ساتھ (خواب میں) کھیلے تو وہ خواب کسی کو بیان نہ کرے۔'' (مسلم: 14/2268، 16) حضرت ابورزین عقیلی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ خواب تو پرندے کے پاؤں پر رکھا ہوا ہوتا ہے جب تک کہ اسے بیان نہ کیا جائے، اور جب اسے بیان کیا جائے تو وہ واقع ہو جاتا ہے، لہٰذا جس شخص سے محبت ہو یا جو عقل مند ہو اس کے سوا کسی کو خواب نہ بتایا کرو۔'' (ترمذی: 2278، 2279، ابوداود: 5020۔ اس کی سند صحیح ہے) مطلب یہ ہے کہ اگر خواب کی تعبیر نہ کی جائے اور نہ کرائی جائے تو ان کا کچھ بھی اثر ظاہر نہیں ہوتا۔ البتہ پریشان کن خواب دیکھنے پر پناہ مانگنے، نماز پڑھنے، کروٹ بدلنے اور تھوکنے وغیرہ کا حکم ہے۔

[1746] عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ فِي هَذِهِ الآيَةِ: ﴿لَهُمُ الْبُشْرَى فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الآخِرَةِ﴾ [يونس: 64]. قَالَ: هِيَ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ يَرَاهَا الرَّجُلُ

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ اپنے والد (عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ بلاشبہ وہ اس آیت مبارکہ: ﴿لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ﴾ (یونس 10:64) ''ان (اولیاء اللہ) کے لیے دنیوی زندگی میں بھی

[1746] (مقطوع صحیح) احمد: 129/6 (25490)، بیهقی فی شعب الایمان: 4750۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

الصَّالِحُ، أَوْ تُرَى لَهُ .

اور آخرت میں بھی خوشخبری ہے۔'' (کی تفسیر) میں کہا کرتے تھے: اس سے مراد اچھا خواب ہے جسے آدمی دیکھتا ہے یا وہ اس کے لیے (کسی اور کو) دکھایا جاتا ہے۔

48- بَابُ مَاجَاءَ فِي النَّرْدِ وَالشَّطْرَنْجِ

چوسر اور شطرنج کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں تین روایات ہیں۔ایک مرفوع (حدیث نبوی ﷺ) ہے جو کہ سنداً حسن ہے اور دو موقوف (آثار صحابہ رضی اللہ عنہم) ہیں جن میں سے ایک صحیح اور ایک حسن ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی اس میں مذکور ہے۔

فائدہ: ...... ''نَرد'' کے عام معنی چوسر کے ہیں۔اسے نَردِشِیر بھی کہتے ہیں کیونکہ اس کا مُوجد اُردشیر بن بابک تھا۔نَرد کا لفظ چوسر کی گوٹ پر یا شطرنج کے مُہرے پر بھی بولا جاتا ہے۔چوسَر کو پچیسی، چارگوشہ اور نرد بازی بھی کہتے ہیں۔نَرد کی بازی کو تختہ نرد بھی کہتے ہیں۔شطرنج کا کھیل 32 مہروں اور 64 خانوں میں کھیلا جاتا ہے۔درحقیقت نَرد، چوسر اور شطرنج الگ الگ قسم کے کھیل ہیں۔نَرد کی حرمت پر ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء کا اتفاق ہے۔یہ چوسَر کی طرح کا ایک کھیل ہے جو دوہری بساط پر کھیلا جاتا ہے۔ایک ڈبیا میں کنکریاں یا پلاسٹک کی گوٹیں ہوتی ہیں اور دو رنگ ہوتے ہیں جن کو ہلا کر پھینکا جاتا ہے، جو رنگ نکلتا ہے اس کے مطابق کنکریاں یا گوٹیں آگے بڑھائی جاتی ہیں۔''لُڈو'' اگرچہ ایک الگ قسم کا کھیل ہے لیکن انھی سے ملتا جلتا ہے۔

[1747] عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: مَنْ لَعِبَ بِالنَّرْدِ فَقَدْ عَصَى اللَّهَ وَرَسُولَهُ .

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے نرد کھیلا تو اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کا ارتکاب کیا۔''

فائدہ: ...... حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ فرمان نبوی ﷺ ہے: ''جس شخص نے نَردشیر کا کھیل کھیلا تو گویا اس نے اپنا ہاتھ خنزیر کے گوشت اور خون میں رنگ لیا۔'' (مسلم : 2260) یہ تشبیہ مزید نفرت دلانے کے لیے ہے۔

[1747] (مرفوع حسن) سنن ابی داود، کتاب الادب، باب فی النھی عن اللعب بالنرد، حدیث : 4938، سنن ابن ماجه، کتاب الادب: باب اللعب بالنرد، حدیث : 3762، احمد : 397/4 (19780)، بیھقی : 215/10۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔

[1748] عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ، أَنَّهُ بَلَغَهَا: أَنَّ أَهْلَ بَيْتٍ فِي دَارِهَا كَانُوا سُكَّانًا فِيهَا وَعِنْدَهُمْ نَرْدٌ، فَأَرْسَلَتْ إِلَيْهِمْ لَئِنْ لَمْ تُخْرِجُوهَا لأُخْرِجَنَّكُمْ مِنْ دَارِي، وَأَنْكَرَتْ ذَلِكَ عَلَيْهِمْ.

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ پیغمبر ﷺ سے روایت ہے، انھیں یہ خبر پہنچی کہ ان کے محلے میں ایک گھر والے رہائش پذیر ہیں اور ان کے پاس نرد بھی ہے تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کی طرف (یہ پیغام) بھیجا کہ اگر تم نے اس (نرد) کو (اپنے گھر) سے نہ نکالا تو میں ضرور تمھیں اپنے محلے سے نکال دوں گی اور انھوں نے ان پر اس (کھیل) کا انکار کیا (اور اسے بہت برا جانا)

[1749] عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّهُ كَانَ إِذَا وَجَدَ أَحَداً مِنْ أَهْلِهِ يَلْعَبُ بِالنَّرْدِ ضَرَبَهُ وَكَسَرَهَا.

قَالَ يَحْيَى: وَسَمِعْتُ مَالِكاً يَقُولُ: لَا خَيْرَ فِي الشَّطْرَنْجِ، وَكَرِهَهَا، وَسَمِعْتُهُ يَكْرَهُ اللَّعِبَ بِهَا وَبِغَيْرِهَا مِنَ الْبَاطِلِ، وَيَتْلُو هَذِهِ الآيَةَ: (فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ) [يونس: 32]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بلاشبہ جب وہ اپنے گھر والوں میں سے کسی کو دیکھتے کہ وہ نرد کھیل رہا ہے تو اس (کھیلنے والے) کو مارتے اور اس (نرد) کو توڑ دیتے۔
یحییٰ بن یحییٰ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک رحمہ اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: شطرنج میں کوئی خیر نہیں ہے۔ انھوں نے اسے ناپسند جانا۔ میں نے انھیں سنا کہ وہ اسے کھیلنے کو ناپسند فرماتے تھے اور اس کے علاوہ دوسرے باطل کھیلوں کو بھی ناپسند جانتے تھے اور وہ یہ آیت تلاوت فرماتے تھے:
﴿فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلٰلُ﴾ (یونس 10:32)
''پھر حق کے بعد سوائے گمراہی کے اور کیا ہے؟''

فائدہ: ......امام مالک رحمہ اللہ، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ اور اہل حدیث کے نزدیک شطرنج بھی حرام کھیل ہے۔ کھیلوں کے حوالے سے یہ فرمان نبوی ﷺ ملحوظ رہنا چاہیے۔ ''مسلمان جو کھیل بھی کھیلتا ہے وہ باطل ہے سوائے تین کھیلوں کے: تیراندازی، گھڑسواری، اور بیوی کے ساتھ کھیلنا۔'' (ابوداود: 2513، ترمذی: 1637، نسائی: 3608، ابن ماجہ: 2811۔ اس کی سند صحیح ہے) نیزہ بازی کا کھیل بھی ثابت ہے۔ (بخاری: 950، مسلم:

[1748] (موقوف حسن) بخاری فی الادب المفرد: 721/2 (1274)، بیهقی فی شعب الایمان: 239/5 (6505)، وفی السنن الکبری: 216/10۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔

[1749] (موقوف صحیح) بخاری فی الادب المفرد: 721/2 (1273)، بیهقی فی السنن الکبری: 216/10، وفی شعب الایمان: 239/5 (6506)۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو شیخین کی شرط کے حساب سے صحیح قرار دیا ہے۔

18/892 ، 19) نیز دف بجا کر ترنم کے ساتھ صحیح اشعار پڑھنا خصوصاً شادی کے موقع پر جائز رکھا گیا ہے اور اس کے لیے لفظ بھی "لَهْوٌ" کا استعمال کیا گیا ہے۔ (بخاری: 5162، نیز دیکھیے نسائی: 3385۔ اس کی سند صحیح ہے) اسی طرح جہادی تیاری کے لیے ہر دور کے لحاظ سے استعمال ہونے والے آلات کی مشق نیز جہاد یا دفاع کے لیے جسمانی فٹنس سے متعلقہ کھیل بھی جائز کا درجہ رکھتے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہر کھیل باطل قرار پاتا ہے جب وہ اللہ کی اطاعت سے مشغول کر دے اور روک دے۔ (بخاری کتاب الاستئذان ، باب: 52) یعنی جس کھیل کو شریعت نے منع کیا ہو، مثلاً: جوا اور نرد وغیرہ یا جس میں مشغول ہو کر نماز، روزہ رہ جائیں، یا جس میں ستر نہ ڈھانپا جائے یا جس کی وجہ سے قطع رحمی اور باہمی جھگڑوں کا اندیشہ ہو تو یہ سب باطل ہیں۔ وہ کھیل جو حرام صورتوں سے تو محفوظ ہوں لیکن اس میں کوئی دینی فائدہ بھی نہ ہو تو وہ عبث فعل اور وقت کا ضیاع ہے اور باطل ہی کی ایک قسم ہے۔

49- بَابٌ: اَلْعَمَلُ فِي السَّلَامِ

سلام کے متعلق طریقۂ کار کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں دو روایات ہیں۔ ایک مرفوع اور ایک موقوف ہے اور دونوں سنداً صحیح ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

[1750] عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: يُسَلِّمُ الرَّاكِبُ عَلَى الْمَاشِي، وَإِذَا سَلَّمَ مِنَ الْقَوْمِ وَاحِدٌ أَجْزَأَ عَنْهُمْ.

زید بن اسلم رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سوار شخص پیدل چلنے والے پر سلام کہے، اور جب قوم (یعنی چند افراد کی جماعت) میں سے ایک شخص سلام کہہ دے تو وہ سب کی طرف سے کفایت کرے گا۔"

فائدہ: ......اسی طرح فرمایا: "چھوٹا بڑے کو، گزرنے والا بیٹھے ہوئے کو اور تھوڑی جماعت زیادہ افراد والی جماعت کو سلام کہے۔" (بخاری: 6231، مسلم: 2160) ان روایات میں مذکور جن افراد کو سلام میں پہل کرنے کا حکم ہے اگر وہ سلام نہ کریں تو وہ گناہگار ہوں گے۔ ہاں اگر ان کا ارادہ تو ہو لیکن ان کے سلام کہنے سے قبل ہی دوسرا شخص یا گروہ سلام کہہ دے تو پھر کوئی حرج نہیں ہے۔ غالباً بڑی جماعت اور بڑے شخص کو مد مقابل سے اس لیے سلام کہلوایا گیا تا کہ اسلام میں کثرت کی اہمیت اجاگر ہو اور بڑوں کا ادب و احترام نمایاں ہو۔ سوار کو پہل کرنے کا حکم اس لیے دیا گیا تا کہ وہ تکبر میں نہ آئے اور گزرنے والے کو سلام میں پہل کا حکم اس لیے دیا گیا تا کہ بیٹھے ہوئے شخص کو اس سے پیغامِ امن و سلامتی ملے اور کوئی اندیشہ و خطرہ نہ ہو۔ یقیناً تمام حکمتوں کا علم تو اللہ ہی کو ہے۔

[1750] (مرفوع صحیح لغیرہ) عبدالرزاق: 387/10 (19443)، بیهقی فی شعب الایمان: 466/6 (8923)، ابو داود فی المراسیل: 490/377۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو کثیر شواہد کی بنا پر صحیح لغیرہ قرار دیا ہے۔

[1751] عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَطَاءٍ، أَنَّهُ قَالَ: كُنْتُ جَالِساً عِنْدَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ، فَدَخَلَ عَلَيْهِ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْيَمَنِ فَقَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ، ثُمَّ زَادَ شَيْئاً مَعَ ذَلِكَ أَيْضاً. قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَهُوَ يَوْمَئِذٍ قَدْ ذَهَبَ بَصَرُهُ: مَنْ هَذَا؟ قَالُوا: هَذَا الْيَمَانِيُّ الَّذِي يَغْشَاكَ. فَعَرَّفُوهُ إِيَّاهُ. قَالَ: فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: إِنَّ السَّلَامَ انْتَهَى إِلَى الْبَرَكَةِ.

محمد بن عمرو بن عطاء رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھا ہوا تھا، ان کے پاس اہلِ یمن میں سے ایک آدمی آیا اور اس نے کہا: (اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَ بَرَکَاتُهُ) پھر اس نے ان (کلمات) کے ساتھ کچھ اور بھی اضافہ کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمانے لگے :ان دنوں ان کی نظر (بینائی) ختم ہو چکی تھی، (پوچھنے لگے کہ) یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا: یہ وہی یمنی شخص ہے جو آپ کے پاس آتا رہتا ہے۔ لوگوں نے ان کو اس شخص کا تعارف کروایا۔ (محمد بن عمرو بن عطاء رحمہ اللہ) کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: بلاشبہ (شرعی اور مسنون) سلام کے کلمات "بَرَکَاتُهُ" پر ختم ہو گئے ہیں۔

فائدہ :......یعنی "بَرَکَاتُهُ" کے بعد کچھ اضافہ نہ کرنا چاہیے۔ رہی وہ روایت جس میں (وَ مَغْفِرَتُهُ) کا اضافہ ہے (ابوداود: 5196) تو اس کی سند میں ابومرحوم میمون بن عبدالرحمٰن متکلم فیہ راوی ہے، اگرچہ حافظ ابن حجر نے اس کی سند کو قوی کہا ہے۔ (فتح الباری: 5/11)

قَالَ يَحْيَى: سُئِلَ مَالِكٌ: هَلْ يُسَلَّمُ عَلَى الْمَرْأَةِ؟ فَقَالَ: أَمَّا الْمُتَجَالَّةُ فَلَا أَكْرَهُ ذَلِكَ، وَأَمَّا الشَّابَّةُ فَلَا أُحِبُّ ذَلِكَ.

امام مالک رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ کیا (مرد کی طرف سے) عورت کو بھی سلام کہا جائے؟ تو انھوں نے فرمایا کہ رہی وہ عورت جو عمر رسیدہ ہو تو میں اسے (سلام کہنا) ناپسند نہیں جانتا اور رہی جوان عورت تو میں اس (کو سلام کہنے) کو پسند نہیں کرتا۔

فائدہ :...... کیونکہ جواب میں اس کی آواز سن کر فتنے کا اندیشہ ہے، نیز آس پاس سننے والوں کے دلوں میں بدگمانی پیدا ہو سکتی ہے۔ ہاں اگر فتنہ یا تہمت کا اندیشہ نہ ہو، مثلاً: مرد اساتذہ کا پردہ نشین طالبات کو سلام کہنا یا عورت کے محرم کی موجودگی میں سلام کہنا جس وقت کہ وہ برا محسوس نہ کرتا ہو تو یہ سلام کہنا جائز ہے۔ نیز عورت کی طرف سے مرد کو سلام کہنے میں بھی فتنہ و تہمت سے محفوظ رہنے کی شرط ہے۔

[1751] (موقوف صحیح) بیهقی فی شعب الایمان: 455/6 (8878)، بخاری فی الادب المفرد: 1001، عبدالرزاق: 19453۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

50- بَابُ مَاجَاءَ فِي السَّلَامِ عَلَى الْيَهُودِيِّ وَالنَّصْرَانِيِّ

یہودی اور عیسائی کو سلام کہنے کے متعلق بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں ایک حدیث نبویہ ﷺ ہے جو کہ بخاری و مسلم میں بھی موجود ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

[1752] عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: إِنَّ الْيَهُودَ إِذَا سَلَّمَ عَلَيْكُمْ أَحَدُهُمْ، فَإِنَّمَا يَقُولُ: السَّامُ عَلَيْكُمْ. فَقُلْ: عَلَيْكَ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہودیوں میں سے جب کوئی شخص تمھیں سلام کہتا ہے تو وہ (اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ) ''تم پر موت واقع ہو'' کہتا ہے، تو تم (جواب میں صرف) یہ کہا کرو: (عَلَيْكَ) ''تجھی پر (موت واقع ہو)۔''

فائدہ: ...... دوسری روایات میں واؤ کا اضافہ بھی ثابت ہے، یعنی (وَعَلَيْكَ) کہنا۔ (بخاری: 6257)، (وَعَلَيْكُمْ) کہنے کا حکم بھی ثابت ہے۔ (بخاری: 6258، مسلم: 2163، 9/2164) خود رسول اللہ ﷺ سے (عَلَيْكُمْ) کہنا۔ (بخاری: 6256) اور واؤ کے اضافے سے (وَعَلَيْكُمْ) کہنا بھی ثابت ہے۔ (بخاری: 2935، مسلم: 2165) نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہماری ان کے خلاف بددعا قبول ہو جاتی ہے اور ان کی بددعا ہمارے خلاف قبول نہیں ہوتی۔'' (مسلم: 2166، بخاری: 6030)

قَالَ يَحْيَى: وَسُئِلَ مَالِكٌ عَمَّنْ سَلَّمَ عَلَى الْيَهُودِيِّ أَوِ النَّصْرَانِيِّ، هَلْ يَسْتَقِيلُهُ ذٰلِكَ؟ فَقَالَ: لَا.

امام مالک رحمہ اللہ سے اس (مسلمان) شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس نے یہودی یا عیسائی کو (بھول کر یا جان بوجھ کر یا لاعلمی سے) سلام کہہ دیا تو کیا اس سے سبکدوش ہو جانا چاہیے، تو (امام مالک رحمہ اللہ نے) فرمایا: نہیں۔

فائدہ: ...... یعنی کیا دوبارہ اسی غیر مسلم سے کہے کہ میں اپنے کیے ہوئے سلام کو فسخ کرتا ہوں تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اس کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ مروّت و اخلاق عالیہ کے خلاف ہے۔ ہاں اللہ سے توبہ و استغفار کرنی چاہیے۔ فرمان نبوی ﷺ ہے: ''تم یہود و نصاریٰ کو سلام کہنے میں پہل نہ کرو۔'' (مسلم: 2176) البتہ سلام کے علاوہ دوسرے الفاظ سے حال وغیرہ پوچھا جا سکتا ہے۔

[1752] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب الاستئذان، باب كيف الرد على اهل الذمة بالسلام، حديث: 6257، 6928، صحيح مسلم، كتاب السلام، باب النهي عن ابتداء اهل الكتاب بالسلام، حديث: 2164، ابو داود: 5206، ترمذي: 1603، احمد: 19/2 (4699)، دارمي: (2635).

51- بَابُ جَامِعُ السَّلَامِ

سلام کے متعلق مختلف احادیث کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں چار روایات ہیں۔ ایک مرفوع (حدیث نبوی ﷺ) ہے جو کہ بخاری ومسلم میں بھی موجود ہے اور تین موقوف (آثار صحابہ ؓ) ہیں جن میں سے دو صحیح ہیں اور ایک ضعیف ہے۔ نیز امام مالک ؒ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

[1753] عَنْ أَبِي وَاقِدٍ اللَّيْثِيِّ : أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ بَيْنَمَا هُوَ جَالِسٌ فِي الْمَسْجِدِ ، وَالنَّاسُ مَعَهُ ، إِذْ أَقْبَلَ نَفَرٌ ثَلَاثَةٌ ، فَأَقْبَلَ اثْنَانِ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ ، وَذَهَبَ وَاحِدٌ ، فَلَمَّا وَقَفَا عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ سَلَّمَا ، فَأَمَّا أَحَدُهُمَا فَرَأَى فُرْجَةً فِي الْحَلْقَةِ فَجَلَسَ فِيهَا ، وَأَمَّا الْآخَرُ فَجَلَسَ خَلْفَهُمْ ، وَأَمَّا الثَّالِثُ فَأَدْبَرَ ذَاهِباً ، فَلَمَّا فَرَغَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ :أَلَا أُخْبِرُكُمْ عَنِ النَّفَرِ الثَّلَاثَةِ : أَمَّا أَحَدُهُمْ فَأَوَى إِلَى اللّٰهِ فَآوَاهُ اللّٰهُ ، وَأَمَّا الْآخَرُ فَاسْتَحْيَا فَاسْتَحْيَا اللّٰهُ مِنْهُ ، وَأَمَّا الْآخَرُ فَأَعْرَضَ فَأَعْرَضَ اللّٰهُ عَنْهُ .

حضرت ابو واقد لیثی ؓ سے روایت ہے اسی اثناء میں کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما (تھے اور بیان فرما رہے) تھے اور لوگ بھی آپ ﷺ کے ہمراہ (حلقہ بنا کر بیٹھے ہوئے) تھے کہ اچانک تین آدمیوں کا ایک گروہ آیا، پس (ان میں سے) دو آدمی تو رسول اللہ ﷺ کی طرف متوجہ ہوئے اور ایک چلا گیا۔ چنانچہ جب وہ دونوں رسول اللہ ﷺ (کی محفل) کے پاس آ کر ٹھہرے تو دونوں نے سلام کہا۔ پھر ان میں سے ایک نے تو حلقے میں خالی جگہ دیکھی، سو وہ (وہاں آکر) اس میں بیٹھ گیا۔ رہا دوسرا شخص تو وہ لوگوں کے پیچھے ہی بیٹھ گیا۔ رہا تیسرا شخص تو وہ پیٹھ پھیر کر چلا گیا۔ چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ (اپنے خطبہ اور وعظ ونصیحت) سے فارغ ہوئے تو فرمایا: ''کیا میں تمھیں ان تین آدمیوں کے گروہ کے متعلق خبر نہ دوں، رہا ان میں سے ایک تو اس نے اللہ (کی ہدایت) کی طرف (آگے آکر) جگہ پکڑی سو اللہ تعالیٰ نے اسے (اپنی رحمت میں) جگہ عطا فرما دی، رہا دوسرا تو وہ (محفل چھوڑ کر جانے سے، پھر مجلس میں گھسنے سے اور کسی کی اذیت رسانی کے احساس سے) شرما گیا (اور پیچھے ہی بیٹھ گیا) تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس سے حیا فرمائی (اور اسے رحمت ومغفرت سے نواز دیا) اور رہا تیسرا شخص تو اس نے (اللہ کے نازل کردہ علم والی محفل سے) اعراض کیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس سے اعراض کیا (اور اس پر پہلے دونوں شخصوں جیسی رحمت ومغفرت نہ فرمائی)۔''

[1753] (مرفوع صحيح)صحيح البخاري ، كتاب العلم ، باب من قعد حيث ينتهي به المجلس ، حديث : 66، 474، صحيح مسلم ، كتاب السلام، باب من اتى مجلسا فوجد فرجة ، حديث : 2176، ترمذي : 2724، أحمد: 219/5 (22252).

فائدہ: ...... مستدرک حاکم کی روایت میں یہ وضاحت بھی ہے کہ دوسرا شخص پہلے پہل تو محفل کو چھوڑ کر جانے لگا تھا لیکن تھوڑی دور جا کر واپس آ گیا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کے شرمانے سے یہی مراد لیا ہے کہ وہ محفل چھوڑ کر جانے سے شرما گیا۔ (بحواله زرقانی : 489/4) تو جس طرح اس نے اپنا یہ ارادہ ہٹا دیا اسی طرح اللہ نے بھی بدلے میں اس سے اپنا عذاب ہٹا لیا۔"

[1754] عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ، أَنَّهُ سَمِعَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ وَسَلَّمَ عَلَيْهِ رَجُلٌ ، فَرَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ ، ثُمَّ سَأَلَ عُمَرُ الرَّجُلَ : كَيْفَ أَنْتَ ؟ فَقَالَ : أَحْمَدُ إِلَيْكَ اللَّهَ . فَقَالَ عُمَرُ : ذَلِكَ الَّذِي أَرَدْتُ مِنْكَ .

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو سنا، اس حال میں کہ ایک شخص نے انھیں سلام کہا تو انھوں نے سلام کا جواب اسے لوٹایا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس آدمی سے پوچھا کہ کیسے ہو؟ وہ کہنے لگا کہ: میں آپ کے سامنے اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں (اس کا لاکھ لاکھ شکر ہے) تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے بھی تم سے یہی چاہا تھا (کہ تم ہر حال میں اللہ ہی کا شکر ادا کرو تا کہ اس کی مزید نعمتوں کے مستحق بنو)۔

[1755] عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ ، أَنَّ الطُّفَيْلَ بْنَ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ أَخْبَرَهُ : أَنَّهُ كَانَ يَأْتِي عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ ، فَيَغْدُو مَعَهُ إِلَى السُّوقِ . قَالَ : فَإِذَا غَدَوْنَا إِلَى السُّوقِ لَمْ يَمُرَّ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ عَلَى سَقَّاطٍ وَلَا صَاحِبِ بَيْعَةٍ وَلَا مِسْكِينٍ وَلَا أَحَدٍ إِلَّا سَلَّمَ عَلَيْهِ ، قَالَ الطُّفَيْلُ : فَجِئْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ يَوْماً ، فَاسْتَتْبَعَنِي إِلَى السُّوقِ ، فَقُلْتُ لَهُ : وَمَا تَصْنَعُ فِي

طفیل بن ابی بن کعب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ وہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا کرتے تھے، پھر ان کے ہمراہ صبح کے وقت بازار جایا کرتے تھے۔ (طفیل رحمہ اللہ) کہتے ہیں: جب ہم بازار کی طرف جاتے تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نہ تو کسی ردی اشیاء (سیکنڈ ہینڈ) مال بیچنے والے کے پاس اور نہ کسی (صحیح اور اعلیٰ کوالٹی والا مال) فروخت کرنے والے (دکاندار) کے پاس سے، نہ کسی مسکین اور نہ ہی کسی اور کے پاس سے گزرتے مگر ضرور اسے سلام کہتے۔ طفیل رحمہ اللہ کہتے ہیں: ایک دن میں

[1754] (موقوف صحيح) بيهقى فى شعب الايمان: 109/4 (4450)، بخارى فى الادب المفرد: 634/2 (1132)، عبدالله بن مبارك فى الزهد: 205/68- شیخ سلیم ہلالی اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس روایت کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ (الصحيحة: 1100/6).

[1755] (موقوف صحيح) بيهقى فى شعب الايمان: 434/6 (8790)، بخارى فى الادب المفرد: 561/2 (1006)۔ شیخ سلیم ہلالی امام نووی رحمہ اللہ اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

السُّوقِ، وَأَنْتَ لَا تَقِفُ عَلَى الْبَيِّعِ، وَلَا تَسْأَلُ عَنِ السِّلَعِ، وَلَا تَسُومُ بِهَا، وَلَا تَجْلِسُ فِي مَجَالِسِ السُّوقِ؟ قَالَ: وَأَقُولُ: اجْلِسْ بِنَا هَا هُنَا نَتَحَدَّثْ. قَالَ: فَقَالَ لِي عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ: يَا أَبَا بَطْنٍ - وَكَانَ الطُّفَيْلُ ذَا بَطْنٍ - إِنَّمَا نَغْدُو مِنْ أَجْلِ السَّلَامِ، نُسَلِّمُ عَلَى مَنْ لَقِيَنَا.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا تو انھوں نے مجھے اپنے پیچھے (اپنے ساتھ) بازار جانے کے لیے کہا تو میں نے ان سے عرض کیا: آپ بازار میں جا کر کیا کریں گے؟ آپ نہ تو کسی بیچنے والے کے پاس ٹھہرتے ہیں، نہ کسی سامان کے متعلق پوچھتے ہیں، نہ اس کا بھاؤ لگاتے ہیں اور نہ ہی آپ بازار کی مجلسوں میں بیٹھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں ان سے کہنے لگا: آپ یہیں ہمارے ساتھ ہی بیٹھے رہیے ہم (ادھر ہی) گفتگو کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمانے لگے: اے (بڑے) پیٹ والے (اوٹڈلا)! اور طفیل رحمہ اللہ (بڑے) پیٹ والے (موٹے شخص) تھے۔ ہم تو بلاشبہ صرف اور صرف صبح کے وقت سلام (کہنے) کی وجہ سے (بازار) جاتے ہیں، (پھر) ہم جس سے بھی ملتے ہیں اسے سلام کہتے ہیں۔

فائدہ:...... یقیناً صحابہ رضی اللہ عنہم کی آخرت کی طرف توجہ اور فکر قابل رشک ہے۔ اسی وجہ سے وہ چھوٹی چھوٹی محسوس ہونے والی نیکیوں کو بھی خوب اہمیت دیا کرتے تھے۔

[1756] عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ: أَنَّ رَجُلًا سَلَّمَ عَلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ فَقَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ وَالْغَادِيَاتُ وَالرَّائِحَاتُ. فَقَالَ لَهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ: وَعَلَيْكَ أَلْفًا. ثُمَّ كَأَنَّهُ كَرِهَ ذَلِكَ.

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ ایک آدمی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو یوں سلام کہا: (اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ وَالْغَادِيَاتُ وَالرَّائِحَاتُ) ''آپ پر سلامتی ہو، اللہ کی رحمت اور اس کی برکات نازل ہوں اور صبح و شام آنے والی نعمتیں بھی (ملتی رہیں)۔'' تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: (وَ عَلَيْكَ اَلْفًا) ''اور تجھ پر بھی ہزار بار۔'' پھر (انھوں نے ایسا انداز اختیار کیا کہ) گویا انھوں نے اس (اضافے) کو ناپسند جانا ہے۔

فائدہ:...... جیسا کہ پیچھے روایت 1750 میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی ''بَرَكَاتُهُ'' کے بعد اضافہ ناپسند جانا تھا۔

وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: إِذَا دُخِلَ

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ جب ایسے گھر میں داخل

[1756] (موقوف ضعیف) عبدالرزاق: 19453، بیہقی فی شعب الایمان: 8880، طبرانی فی المعجم الکبیر: 2905، و فی الاوسط: 2917۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

الْبَيْتُ غَيْرُ الْمَسْكُونِ يُقَالُ: السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ.

ہوا جائے جس میں رہائش نہ ہوتو یہ بات مستحب ہے کہ آدمی یوں کہے: (اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ) ''ہم پر بھی سلامتی ہو اور اللہ کے نیک بندوں پر بھی۔''

فائدہ: ......لیکن اسے مسنون عمل نہیں کہا جائے گا کیونکہ اس کے متعلق کوئی روایت تو ثابت نہیں ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے بھی اسے صیغہ مجہول کے ساتھ ذکر کیا ہے اور یہ بھی نہیں بتایا کہ کس کے متعلق انھیں یہ خبر پہنچی ہے۔ اس عمل کو بدعت یا ناجائز اس لیے نہیں کہا جاسکتا کہ قرآن مجید کی آیت کے الفاظ کا عموم اور جامعیت اسے بھی شامل ہے۔ (سورۂ نور:61:24)

52- بَابُ فِي الاِسْتِيْذَانِ

(گھر میں داخلے کی) اجازت طلب کرنے کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں تین مرفوع روایات یعنی احادیث نبویہ ﷺ ہیں جن میں سے دو صحیح ہیں اور ایک ضعیف ہے۔

فائدہ: ......گھروں میں اجازت لے کر جانے کا قرآن میں بیان سورۂ نور (24) کی آیات: 27، 29، 58، 59، 61 میں مذکور ہے۔

[1757] عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ سَأَلَهُ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ أَسْتَأْذِنُ عَلَى أُمِّي؟ فَقَالَ: نَعَمْ قَالَ الرَّجُلُ إِنِّي مَعَهَا فِي الْبَيْتِ. فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: اسْتَأْذِنْ عَلَيْهَا. فَقَالَ الرَّجُلُ: إِنِّي خَادِمُهَا. فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: اسْتَأْذِنْ عَلَيْهَا، أَتُحِبُّ أَنْ تَرَاهَا عُرْيَانَةً؟. قَالَ: لَا. قَالَ: فَاسْتَأْذِنْ عَلَيْهَا.

عطاء بن یسار رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ یقیناً رسول اللہ ﷺ سے ایک آدمی نے سوال کیا، کہنے لگا کہ اے اللہ کے رسول! کیا میں اپنی والدہ پر داخل ہوتے وقت (ان کے گھر جاتے وقت) بھی اجازت طلب کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں'' وہ آدمی کہنے لگا: بے شک میں اس کے ساتھ ہی اس کے گھر میں رہتا ہوں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس کے پاس جانے کے وقت اجازت طلب کرو۔'' وہ آدمی عرض کرنے لگا: بلاشبہ میں تو اس کا خادم بھی ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس کے پاس جاتے وقت اجازت مانگو۔ کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ اسے برہنہ دیکھو؟ وہ کہنے لگا کہ نہیں تو فرمایا: ''اسی لیے اس کے پاس اجازت لے کر جاؤ۔''

[1757] (مرفوع ضعیف) بیہقی: 97/7، ابن ابی شیبہ: 17594، ابوداود فی المراسیل: 488/336.

[1758] عَنْ أَبِي مُوسَى الأَشْعَرِيِّ، أَنَّهُ قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ :الاِسْتِئْذَانُ ثَلاثٌ ، فَإِنْ أُذِنَ لَكَ فَادْخُلْ ، وَإِلَّا فَارْجِعْ .

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اجازت کا طلب کرنا تین بار ہے، چنانچہ اگر تمھیں (اس دوران)اجازت دے دی جائے تو (گھر میں) داخل ہو جاؤ، ورنہ واپس لوٹ جاؤ۔''

فائدہ: ......امام مالک رحمہ اللہ نے اس روایت کی سند یوں بیان کی ہے کہ گویا حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے یہ روایت حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے حاصل کی ہو۔ حالانکہ یہ وہم ہے، کیونکہ آئندہ روایت میں تفصیل سے یہ مذکور ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے یہ روایت براہِ راست رسول اللہ ﷺ سے لی تھی اور انھوں نے دربارِ فاروقی میں محض حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی صداقت کے لیے گواہی دی تھی۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے یہاں اصل عبارت یوں تھی: (عَنْ اَبِی سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ عَنْ قِصَّةِ اَبِیْ مُوْسٰی) یعنی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے ان کا قصہ روایت کیا ہے۔

[1759] عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ، عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ مِنْ عُلَمَائِهِمْ : أَنَّ أَبَا مُوسَى الأَشْعَرِيَّ جَاءَ يَسْتَأْذِنُ عَلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ ، فَاسْتَأْذَنَ ثَلاثاً ، ثُمَّ رَجَعَ ، فَأَرْسَلَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فِي أَثَرِهِ ، فَقَالَ : مَا لَكَ لَمْ تَدْخُلْ ؟ فَقَالَ أَبُو مُوسَى : سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ:الاِسْتِئْذَانُ ثَلاثٌ ، فَإِنْ أُذِنَ لَكَ فَادْخُلْ وَإِلَّا فَارْجِعْ . فَقَالَ عُمَرُ : وَمَنْ يَعْلَمُ هٰذَا ؟ لَئِنْ لَمْ تَأْتِنِي بِمَنْ يَعْلَمُ ذٰلِكَ لأَفْعَلَنَّ بِكَ كَذَا وَكَذَا . فَخَرَجَ

ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن رحمہ اللہ، اہل مدینہ کے کئی ایک علماء سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ آئے، وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ پر داخل ہونے (یعنی ان کے پاس آنے) کی اجازت طلب کر رہے تھے۔ چنانچہ انھوں نے تین بار اجازت مانگی، پھر (جواب نہ ملنے پر) لوٹ گئے تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے (کسی کو)ان کے پیچھے بھیجا، پھر (جب وہ آئے تو ان سے) کہا: تمھیں کیا ہوا تھا، تم اندر داخل کیوں نہ ہوئے ؟ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہنے لگے: میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا تھا، آپ ﷺ فرما رہے تھے:''اجازت کا طلب کرنا تین

[1758] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری ، کتاب الاستئذان ، باب التسلیم والاستئذان ثلاثا ، حدیث : 2062، 6245، 7353، صحیح مسلم ، کتاب الآداب ، باب الاستئذان ، حدیث : 2153، ابوداود : 5180، ترمذی: 2690، ابن ماجه : 3706، احمد: 403/4 (19840)، دارمی : 2629 .

[1759] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری ، کتاب الاستئذان ، باب التسلیم والاستئذان ثلاثا ، حدیث : 2062، 6245، 7353، صحیح مسلم ، کتاب الآداب ، باب الاستئذان ، حدیث : 2153، ترمذی : 2690 .

أَبُو مُوسَى حَتَّى جَاءَ مَجْلِسًا فِي الْمَسْجِدِ يُقَالُ لَهُ: مَجْلِسُ الْأَنْصَارِ. فَقَالَ: إِنِّي أَخْبَرْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: الِاسْتِئْذَانُ ثَلَاثٌ، فَإِنْ أُذِنَ لَكَ فَادْخُلْ، وَإِلَّا فَارْجِعْ. فَقَالَ: لَئِنْ لَمْ تَأْتِنِي بِمَنْ يَعْلَمُ هَذَا، لَأَفْعَلَنَّ بِكَ كَذَا وَكَذَا. فَإِنْ كَانَ سَمِعَ ذَلِكَ أَحَدٌ مِنْكُمْ فَلْيَقُمْ مَعِي. فَقَالُوا لِأَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ: قُمْ مَعَهُ. وَكَانَ أَبُو سَعِيدٍ أَصْغَرَهُمْ، فَقَامَ مَعَهُ فَأَخْبَرَ بِذَلِكَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ. فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لِأَبِي مُوسَى: أَمَا إِنِّي لَمْ أَتَّهِمْكَ، وَلَكِنْ خَشِيتُ أَنْ يَتَقَوَّلَ النَّاسُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ.

بار ہے، چنانچہ اگر تمھیں اجازت دے دی جائے تو داخل ہو جاؤ ورنہ واپس لوٹ جاؤ۔" حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کہنے لگے: (تمھارے سوا) اور کس کو یہ حدیث معلوم ہے؟ اگر تم میرے پاس اس شخص کو نہ لائے جواسے جانتا ہو تو میں تمھارے ساتھ ایسا ایسا کروں گا (عبرتناک سزا دوں گا)۔ چنانچہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ باہر نکلے، یہاں تک کہ مسجد (نبوی) میں ایک محفل کے پاس آئے جسے "انصار کی مجلس" کہا جاتا تھا اور کہنے لگے کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو یہ خبر دی کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا تھا، آپ ﷺ فرما رہے تھے: اجازت کا طلب کرنا تین بار ہے، چنانچہ اگر تمھیں اجازت دے دی جائے تو داخل ہو جاؤ ورنہ واپس لوٹ جاؤ۔" تو وہ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجھ سے) کہنے لگے: اگر تم میرے پاس اس شخص کو نہ لائے جواسے جانتا ہو تو میں تمھارے ساتھ ایسا ایسا کروں گا۔ (اب) اگر تم میں سے کسی نے یہ بات (نبی کریم ﷺ سے) سنی ہے تو وہ میرے ساتھ اٹھ کھڑا ہو۔ چنانچہ لوگوں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اس کے ساتھ اٹھو۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ان میں سب سے چھوٹی عمر کے تھے۔ انھوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر دی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے فرمایا: آگاہ رہو، بلاشبہ میں نے تم پر (حدیث گھڑ لینے کا) الزام نہیں لگایا تھا لیکن مجھے اس بات کا ڈر ہوا کہ (کہیں ایسا نہ ہو کہ) لوگ رسول اللہ ﷺ پر بات گھڑ لیا کریں۔

فائدہ: ......خود گھڑ کر اس پر رسول اللہ ﷺ کی حدیث کا لیبل چسپاں کر دیا کریں...... تفصیلی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس بلایا تھا، وہ جب آئے تو انھوں نے اجازت لیتے وقت اپنا پورا نام بھی لیا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کسی ضروری کام میں مشغولیت کی بنا پر آواز تو سن رہے تھے اور یہ بھی کہہ رہے تھے کہ ایک، دو اور تین، لیکن اجازت نہ دے سکے اور ذہن کام میں الجھا رہا، پھر جب وہ واپس لوٹ گئے تو خیال آیا اور کہا: کیا میں نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی آواز نہیں سنی۔ چنانچہ انھیں بلانے کے لیے بندہ بھیجا لیکن وہ جا چکے تھے۔ وہ اگلے دن آئے اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے حدیث سنی تو کہنے لگے: اگر تم نے اس پر دلیل قائم نہ کی تو میں تمھاری کمر اور پیٹ کو تکلیف دہ سزا دوں گا اور تمھیں عبرت بنا دوں گا۔ پھر حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تو چلے گئے اور

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے پاس موجود ساتھیوں سے فرمانے لگے: اگر انھیں ثبوت مل گیا تو تم پچھلے پہر منبر کے پاس انھیں پالو گے، ورنہ تم انھیں نہ دیکھ سکو گے۔ پھر جب حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ محفلِ انصار میں پہنچے تو گھبرائے گھبرائے اور خوفزدہ، نیز غصے میں بھی تھے۔ انھوں نے ان سے مدد چاہی تو اہلِ محفل ہنس پڑے، وہ کہنے لگے: تمھارا مسلمان بھائی پریشان ہے اور تم ہنس رہے ہو۔ چونکہ یہ حدیث مشہور تھی، بچوں تک کو معلوم تھی، اس لیے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ اللہ کی قسم! ہم میں سے سب سے چھوٹی عمر والا ہی تمھارے ساتھ جائے گا۔ پھر حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا نام سامنے آیا۔ وہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے کہ چلو، میں بھی تمھارے ساتھ شریک ہوتا ہوں۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دلیل ملنے کے بعد فرمایا: میں چونکہ روزی کمانے کے لیے بازار میں تجارت کے سلسلے میں مشغول رہتا تھا، اس لیے اس طرح کی عام احادیث بھی میرے علم میں نہ آسکیں۔ پھر انھوں نے ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا: میں نے حفظِ ماتقدم کے طور پر تحقیق کی تھی۔ بعد ازاں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے بھی آکر گواہی دی، پھر امیر المؤمنین کو مخاطب کر کے فرمایا: اے خطاب کے بیٹے! اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عذاب نہ بنو تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تعجب سے کہا کہ سبحان اللہ! میں نے تو ایک (شی) چیز سنی تھی، لہٰذا میں نے چاہا کہ اس کا پختہ ثبوت پالوں۔ (مسلم: 33/2153، 36، 2154)

53- بَابٌ: اَلتَّشْمِيْتُ فِي الْعُطَاسِ

چھینک سن کر دعا دینے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں دو روایات ہیں۔ ایک مرفوع ہے جو بخاری و مسلم میں بھی ہے اور ایک موقوف ہے اور وہ بھی سنداً صحیح ہے۔

[1760] عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: إِنْ عَطَسَ فَشَمِّتْهُ، ثُمَّ إِنْ عَطَسَ فَشَمِّتْهُ، ثُمَّ إِنْ عَطَسَ فَشَمِّتْهُ، ثُمَّ إِنْ عَطَسَ فَقُلْ: إِنَّكَ مَضْنُوكٌ. قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ: لَا أَدْرِي أَبَعْدَ الثَّالِثَةِ أَوِ الرَّابِعَةِ.

عبداللہ بن اُبی بکر رضی اللہ عنہ اپنے والد (ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر وہ (مسلمان بھائی) چھینک لے (اور (اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ) کہے تو (يَرْحَمُكَ اللّٰهُ) ''اللہ تجھ پر رحم فرمائے'' کے الفاظ کے ساتھ) اسے دعا دو، پھر اگر وہ چھینکے تو اسے دعا دو، پھر اگر وہ چھینک مارے تو اسے دعا دو، پھر اگر وہ (چوتھی بار) چھینک لے تو اسے کہو: بلاشبہ تمھیں تو زکام ہے۔ عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: مجھے یاد نہیں

[1760] (مرفوع صحیح) صحیح مسلم کتاب الزھد والرقائق، باب تشمیت العاطس، حدیث: 2993، سنن ابی داود، کتاب الأدب، باب کم یشمت العاطس، حدیث: 5037، ترمذی: 2743، نسائی فی الکبری: 10051، ابن ماجہ: 3714، احمد: 46/4 (16615)، دارمی: 2661.

رہا کہ تین یا چار (چھینکوں میں سے کس) کے بعد (یہ الفاظ کہنے کا حکم ہوا تھا)۔

فائدہ :......سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی روایت میں تیسری چھینک پر زکام والے الفاظ کہنے کا تذکرہ ہے۔ (ترمذی : 2743۔ اس کی سند صحیح ہے)۔ فرمان نبوی ﷺ ہے: ''اللہ تعالیٰ چھینک کو پسند اور جمائی کو ناپسند فرماتے ہیں۔ چھینک لینے والا (اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ) کہے تو ہر سننے والے مسلمان پر (يَرْحَمُكَ اللّٰهُ) کہنا لازم ہو جاتا ہے۔'' (بخاری : 6226) اور اگر (اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ) نہ کہے تو پھر دعا نہ دینا مسنون ہے۔ (بخاری : 6225، مسلم : 2991، 2992) چھینک کے وقت آواز کو مدھم رکھنا اور ہاتھ یا کپڑے سے چہرہ ڈھانپنا بھی سنت نبویہ ﷺ ہے۔ (ابوداود : 5029، ترمذی : 2745۔ اس کی سند حسن ہے۔) یاد رہے کہ (يَرْحَمُكَ اللّٰهُ) کی دعا پا کر چھینکنے والے کو یہ جواب دینے کا حکم ہے: (يَهْدِيْكُمُ اللّٰهُ وَ يُصْلِحُ بَالَكُمْ) ''اللہ تعالیٰ تمھیں رہنمائی عطا فرمائے اور تمھارے حال کی اصلاح فرمائے۔'' (بخاری : 6224) چھینکنے والے کے لیے یہ کلمات کہنا بھی ثابت ہے۔ (اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ) ''ہر حال میں اللہ ہی کی حمد ہے۔'' (ترمذی : 2741۔ اس کی سند حسن ہے)۔ اور (اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيْهِ مُبَارَكًا عَلَيْهِ كَمَا يُحِبُّ رَبُّنَا وَ يَرْضٰى) ''ہر حمد اللہ ہی کے لیے ہے ایسی حمد جو بہت زیادہ اور پاکیزہ ہے جس میں برکت کی گئی ہے اور جس پر بھی برکت کی گئی ہے، اتنی حمد کہ جسے ہمارا رب محبوب جانے اور راضی ہو۔'' (ابوداود : 773، ترمذی : 404، نسائی : 932۔ اس کی سند صحیح ہے۔)

[1761] عَنْ نَافِعٍ : أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ إِذَا عَطَسَ فَقِيلَ لَهُ : يَرْحَمُكَ اللّٰهُ . قَالَ : يَرْحَمُنَا اللّٰهُ وَإِيَّاكُمْ ، وَيَغْفِرُ لَنَا وَلَكُمْ .

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب چھینک لیتے اور انھیں (يَرْحَمُكَ اللّٰهُ) کہا جاتا تو وہ فرماتے: (يَرْحَمُنَا اللّٰهُ وَ إِيَّاكُمْ وَ يَغْفِرُ لَنَا وَلَكُمْ) ''اللہ ہم پر اور تم پر بھی رحمت فرمائے اور ہماری اور تمھاری مغفرت فرمائے۔''

فائدہ :......ایک روایت میں چھینکنے والے کے لیے (اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ) کہنے کا اور (يَرْحَمُكَ اللّٰهُ) کے جواب میں: (يَغْفِرُ اللّٰهُ لِيْ وَلَكُمْ) ''اللہ میری اور تمھاری مغفرت فرمائے۔'' یا (يَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ) ''اللہ ہماری اور تمھاری مغفرت فرمائے۔'' کہنے کا تذکرہ ہے۔ (ابوداود : 5031، ترمذی : 2740، ابن حبان : 1948، حاکم : 267/4۔ امام ابن حبان رحمہ اللہ، حاکم رحمہ اللہ اور ذہبی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔)

[1761] (موقوف صحیح) بیهقی فی شعب الایمان : 30/7 (9350)، ابن ابی شیبه : 25990، بخاری فی الادب المفرد : 508/2 (933)۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط کے مطابق صحیح ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نیز علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

54- بَابُ مَاجَاءَ فِي الصُّوَرِ وَالتَّمَاثِيلِ

تصویروں اور مورتیوں کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں تین احادیث نبویہ ﷺ ہیں اور سب کی سب سنداً صحیح ہیں۔

[1762] عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، أَنَّ رَافِعَ بْنَ إِسْحَاقَ مَوْلَى الشِّفَاءِ أَخْبَرَهُ، قَالَ: دَخَلْتُ أَنَا وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أَبِي طَلْحَةَ عَلَى أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ نَعُودُهُ، فَقَالَ لَنَا أَبُو سَعِيدٍ: أَخْبَرَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: أَنَّ الْمَلَائِكَةَ لَا تَدْخُلُ بَيْتاً فِيهِ تَمَاثِيلُ أَوْ تَصَاوِيرُ . شَكَّ إِسْحَاقُ، لَا يَدْرِي أَيَّتَهُمَا قَالَ أَبُو سَعِيدٍ.

اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک رافع بن اسحاق رحمہ اللہ جو کہ حضرت شفاء (بنت عبداللہ رضی اللہ عنہا) کے آزاد کردہ غلام تھے، نے انھیں خبر دی کہ میں (رافع) اور (تمھارے والد) عبداللہ بن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، ہم ان کی تیمار داری کر رہے تھے تو ہم سے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں فرمایا تھا: ''بلاشبہ فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں مورتیاں یا (فرمایا کہ) تصویریں ہوں۔'' (امام مالک رحمہ اللہ کے شیخ) اسحاق (بن عبداللہ بن ابی طلحہ رحمہ اللہ) کو شک لاحق ہوا ہے کہ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے ان دونوں (لفظوں یعنی مورتیاں اور تصویریں) میں سے کون سا لفظ بولا تھا۔

[1763] عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ، أَنَّهُ دَخَلَ عَلَى أَبِي طَلْحَةَ الْأَنْصَارِيِّ يَعُودُهُ، قَالَ: فَوَجَدَ عِنْدَهُ سَهْلَ بْنَ حُنَيْفٍ، فَدَعَا أَبُو طَلْحَةَ إِنْسَاناً فَنَزَعَ نَمَطاً مِنْ تَحْتِهِ، فَقَالَ لَهُ سَهْلُ بْنُ حُنَيْفٍ: لِمَ تَنْزِعُهُ؟ قَالَ: لِأَنَّ فِيهِ تَصَاوِيرَ، وَقَدْ قَالَ

عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ وہ حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، وہ ان کی تیمارداری کر رہے تھے۔ وہ (عبیداللہ رحمہ اللہ) کہتے ہیں: انھوں نے ان کے پاس (حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس) حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کو بھی پایا۔ پس حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو بلایا، اس نے ان کے نیچے سے

[1762] (مرفوع صحیح) جامع الترمذی، کتاب الادب، باب ماجاء ان الملائکۃ لاتدخل بیتافیه صورة، حدیث: 2805، احمد: 90/3 (11880)، ابن حبان: 5849، بیہقی فی شعب الایمان: 187/5 (6309)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نیز امام ترمذی اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

[1763] (مرفوع صحیح) جامع الترمذی، کتاب اللباس، باب ماجاء فی الصورة، حدیث: 1750، سنن النسائی، کتاب الزینة، باب التصاویر، حدیث: 5351، احمد: 486/3 (16075)، ابن حبان: 5851، بیہقی: 271/7۔ شیخ سلیم ہلالی نے اسے صحیح قرار دیا ہے سوائے اس بات کے کہ ''عبیداللہ نے حضرت سہل رضی اللہ عنہ کو وہاں موجود پایا'' یہ الفاظ امام مالک رحمہ اللہ کا وہم ہیں۔

فِيهَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَا قَدْ عَلِمْتَ . فَقَالَ سَهْلٌ : أَلَمْ يَقُلْ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : إِلَّا مَا كَانَ رَقْماً فِي ثَوْبٍ . قَالَ: بَلَى وَلٰكِنَّهُ أَطْيَبُ لِنَفْسِي .

ایک جھالردار کپڑا (بستر کے اوپر بچھایا جانے والا کپڑا جسے شطرنجی بھی کہتے ہیں) نکال لیا، تو حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: آپ اسے کیوں نکال رہے ہیں؟ وہ (حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ) کہنے لگے: اس لیے کہ اس میں تصویریں ہیں اور یقیناً ان کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے جو فرمایا ہے وہ آپ کو معلوم ہی ہے۔ تو حضرت سہل رضی اللہ عنہ کہنے لگے: کیا رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا تھا: ''سوائے اس کے جو کپڑے میں نقش ہو (تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔)'' وہ (حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ) کہنے لگے: کیوں نہیں اور لیکن یہ (کپڑے میں نقش شدہ تصویر سے بھی بچ جانا) میرے لیے زیادہ خوشی کا باعث ہے۔

[1764] عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ ، أَنَّهَا اشْتَرَتْ نُمْرُقَةً فِيهَا تَصَاوِيرُ ، فَلَمَّا رَآهَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ قَامَ عَلَى الْبَابِ فَلَمْ يَدْخُلْ ، فَعَرَفَتْ فِي وَجْهِهِ الْكَرَاهِيَةَ وَقَالَتْ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَتُوبُ إِلَى اللّٰهِ وَإِلَى رَسُولِهِ ، فَمَاذَا أَذْنَبْتُ ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : فَمَا بَالُ هٰذِهِ النُّمْرُقَةِ؟ . قَالَتِ : اشْتَرَيْتُهَا لَكَ تَقْعُدُ عَلَيْهَا وَتَوَسَّدُهَا . فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : إِنَّ أَصْحَابَ هٰذِهِ الصُّوَرِ يُعَذَّبُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، يُقَالُ لَهُمْ : أَحْيُوا مَا خَلَقْتُمْ . ثُمَّ قَالَ: إِنَّ الْبَيْتَ الَّذِي فِيهِ الصُّوَرُ لَا تَدْخُلُهُ الْمَلَائِكَةُ .

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ پیغمبر ﷺ سے روایت ہے کہ انھوں نے ایک چھوٹا تکیہ خریدا جس میں تصویریں تھیں۔ چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ نے اسے دیکھا تو دروازے ہی پر کھڑے ہوگئے اور اندر تشریف نہ لائے۔ وہ آپ ﷺ کے چہرے میں ناپسندیدگی کے آثار پہچان گئیں اور کہنے لگیں: اے اللہ کے رسول! میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف توبہ اور رجوع کرتی ہوں، میں نے کیا گناہ کرلیا ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس چھوٹے تکیے کا کیا معاملہ ہے؟'' وہ کہنے لگیں: میں نے اسے آپ کے لیے خریدا ہے (تاکہ) آپ اس پر بیٹھا کریں اور آپ اسے تکیہ بنایا کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بلاشبہ ان تصویروں والے افراد قیامت کے دن عذاب دیے جائیں گے۔ ان سے کہا جائے گا کہ جو تم نے بنایا تھا اسے زندہ کرو۔'' پھر فرمایا: ''بلاشبہ وہ گھر جس میں تصویریں ہوں اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔''

فائدہ :...... اس بات پر اتفاق ہے کہ ذی روح اشیاء کی مورتیاں اور مجسمے تو بلاشبہ حرام ہیں۔ رہیں وہ

[1764] (مرفوع صحیح) صحيح البخاري ، كتاب البيوع ، باب التجارة فيما يكره ، حديث: 2105، 3224، 5181، 5561، 5957، 7557، صحيح مسلم ، كتاب اللباس والزينة ، باب تحريم تصوير صورة الحيوان ، حديث: 96/2107، نسائي : 5364، ابن ماجه: 2151، احمد : 246/6 (26618)، دارمي : 2662.

تصویریں جو کپڑوں یا قالینوں میں کندہ اور نقش ہوں، ان کے متعلق اختلاف ہے۔ اسی طرح آج کل کی فوٹو گرافی میں بھی اختلاف ہے۔ راجح یہی ہے کہ ہر قسم کی تصویر حرام ہے، خواہ مجسمہ ہو یا مورتی، عکس ہو یا نقش کیونکہ نبی کریم ﷺ نے جس تکیے کے متعلق سخت وعیدیں بیان فرمائیں، وہ ظاہر بات ہے کہ کوئی مجسمہ یا مورتی نہ تھی بلکہ کپڑے میں نقش شدہ تصاویر تھیں۔ اس کے باوجود آپ ﷺ نے سخت وعید سنائی۔ رہی حضرت ابوطلحہ اور حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہما والی گزشتہ روایت، تو پہلی بات یہ ہے کہ یہ روایت منقطع ہے، جس میں عبید اللہ رحمہ اللہ کے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس جانے کا تذکرہ ہے کیونکہ وہاں حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ موجود تھے اور عبید اللہ کی ان سے ملاقات، سماع اور رؤیت تک ثابت نہیں ہے، البتہ عبید اللہ رحمہ اللہ اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے درمیان حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے واسطے سے گزشتہ فرمان رسول ﷺ ثابت ہے (بخاری: 3225، مسلم: 2106)۔ دوسری بات یہ کہ اگر کپڑے میں نقش شدہ تصویر کے استثناء کا ثبوت مل جائے جیسا کہ بخاری (3226) میں موجود ہے تو اس میں جاندار کی تصویر کی بات ہی نہیں ہے۔ اس لیے یوں تطبیق دی جائے گی کہ جس تصویر پر سخت وعید ہے وہ ذی روح کی تصویر ہے اور جس تصویر پر ایسی سخت وعید نہیں وہ ایسے نقش و نگار ہیں جو ذی روح چیز کے تو نہیں ہوتے لیکن وہ نماز و عبادت میں خلل انداز ہوتے ہیں اور آخرت کی بجائے دنیا کی طرف کھینچتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے نقش و نگار والی چادر حضرت ابوجہم رضی اللہ عنہ کی طرف واپس لوٹا دی تھی۔ (بخاری: 373، مسلم: 556) اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا گھر کی دیوار پر لٹکا ہوا نقش و نگار والا پردہ بھی اتروا دیا تھا۔ (بخاری: 374) یہ چونکہ جاندار کی تصاویر نہ تھیں، اس لیے یہاں صرف نماز میں خلل انداز ہونے کا تذکرہ کیا جبکہ وہ پردہ جس میں ایک پرندہ اور پروں والے گھوڑے کی تصاویر نقش تھیں اور وہ دروازے پر لٹکایا گیا تھا تو اسے دیکھتے ہی رسول اللہ ﷺ کا رنگ متغیر ہو گیا تھا اور آپ ﷺ نے اسے خود پھاڑ کر فرمایا: ''یقیناً قیامت کے دن سخت ترین عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو اللہ کی مخلوق سے مشابہت اختیار کرتے ہیں۔'' (مسلم: 88/2107، 90، 91)...... رہا آج کل کی فوٹو گرافی، سیلفی اور ویڈیو کی مختلف قسموں کا حکم تو وہ حرام ہیں، کیونکہ ان کی تیاری میں بھی انسانی ہاتھ یا انسانی ہاتھ سے بنائی ہوئی مشینیں استعمال ہوتی ہیں۔ انھیں آئینہ یا پانی کے عکس سے تشبیہ دینا بھی غلط ہے کیونکہ وہ پانی وغیرہ کا عکس تو محض وقتی ہوتا ہے اور آدمی کے اس کے سامنے سے ہٹتے ہی ختم ہو جاتا ہے، جبکہ فوٹو گرافی میں یہ صورتحال نہیں۔ یاد رہے کہ جس طرح اضطراری حالت اور مجبوری میں خنزیر کھانے کی گنجائش دی گئی ہے۔ اسی طرح جہاں اضطراری معاملہ ہو اور تصویر کے بغیر چارۂ کار نہ ہو۔ اسی طرح ٹی وی چینل کیبل، نیٹ اور سی ڈی پر پروگرام کرنا مجبوری ہو تو ویڈیو کی گنجائش ہے، ورنہ نہیں۔ جاندار تصویروں کو پاؤں کے نیچے روندنا بھی مشروع ہے یعنی قالین و چٹائی اور تکیے پر ان کی گنجائش ہے بشرطیکہ ان کا سر کاٹ دیا گیا ہو۔ (ابو داود: 4158، ترمذی: 2806۔ اس کی سند صحیح ہے۔)

55- بَابُ مَاجَاءَ فِي أَكْلِ الضَّبِّ

ضبّ (سانڈا یا گوہ) کھانے کا بیان

خلاصة الباب اس باب میں تین احادیث نبویہ ﷺ ہیں، جن میں سے ایک سنداً ضعیف ہے اور باقی دونوں روایات بخاری و مسلم میں بھی موجود ہیں۔

فائدہ: ...... ضَـبّ کے مفہوم میں اختلاف ہے۔ اکثر علمائے ہند اس کا ترجمہ گوہ یا سر گوہ ہی کرتے ہیں، لیکن بہت سے محقق علماء نے اس کے معنی سانڈے کے کیے ہیں۔ جس کا تیل نکال کر استعمال کیا جاتا ہے اور تجربے میں بھی یہ بات سامنے آئی ہے کہ گوہ کا گوشت کھانے والے بعض افراد کا دماغ کنٹرول میں نہ رہا اور وہ پاگل ہوگئے جبکہ سانڈے میں ایسی کوئی خرابی نہیں۔ نیز اہل لغت کی بیان کردہ صفات کا اطلاق بھی سانڈے پر ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کی خصوصیات میں منقول ہے کہ اس کے مذکر کے دو عضو تناسل اور مادہ کی اگلی شرمگاہیں دو ہوتی ہیں۔ یہ پانی نہیں پیتا بلکہ صرف ہوا کی نمی پر گزارا کرتا ہے۔ اس کا گوشت کھانے سے پیاس ختم ہوجاتی ہے۔ اس کی عمر سات سو سال بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ جاتی ہے لیکن اس کا کوئی دانت نہیں گرتا اور وہ چالیس دن میں صرف ایک قطرہ پیشاب کرتا ہے۔

[1765] عَـنْ سُـلَيْـمَانَ بْنِ يَسَارٍ، أَنَّهُ قَالَ: دَخَـلَ رَسُـولُ اللّٰهِ ﷺ بَيْـتَ مَيْـمُـونَةَ بِنْتِ الْـحَـارِثِ، فَـإِذَا ضِبَـابٌ فِيهَا بَيْضٌ، وَمَعَهُ عَبْـدُ الـلّٰـهِ بْـنُ عَبَّـاسٍ وَخَـالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ فَـقَـالَ: مِنْ أَيْنَ لَكُمْ هَذَا؟ . فَقَالَتْ: أَهْدَتْهُ لِي أُخْتِـي هُزَيْلَةُ بِنْتُ الْحَارِثِ . فَقَالَ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْـنِ عَبَّـاسٍ وَخَـالِـدِ بْنِ الْوَلِيدِ: كُلَا . فَقَالَا: أَوَلَا تَـأْكُـلُ أَنْـتَ يَـا رَسُـولَ الـلّٰـهِ فَقَالَ: إِنِّي تَـحْـضُـرُنِي مِنَ اللّٰهِ حَاضِرَةٌ . قَالَتْ مَيْمُونَةُ: أَنَسْـقِيكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ مِنْ لَبَنٍ عِنْدَنَا؟ فَقَالَ: نَـعَـمْ . فَـلَمَّا شَرِبَ قَالَ: مِنْ أَيْنَ لَكُمْ هَذَا؟ . فَقَالَتْ: أَهْدَتْهُ لِي أُخْتِي هُزَيْلَةُ . فَقَالَ رَسُولُ الـلّٰـهِ ﷺ: أَرَأَيْتِكِ جَـارِيَتَكِ الَّتِـي كُنْـتِ

سلیمان بن یسار رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ (اپنی زوجہ محترمہ) سیدہ میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کے گھر میں داخل ہوئے تو یکا یک (وہاں) کچھ سانڈے (رکھے ہوئے) تھے جن میں انڈے بھی تھے۔ آپ ﷺ کے ہمراہ حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہم بھی تھے (اور وہ دونوں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے تھے)۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "یہ (کھانا) تمھارے پاس کہاں سے آیا ہے؟" وہ کہنے لگیں کہ میری ہمشیرہ (ام حفید) ہزیلہ بنت حارث رضی اللہ عنہا نے مجھے یہ ہدیے میں بھیجا ہے تو آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "تم دونوں کھالو" وہ دونوں عرض کرنے لگے: اے اللہ کے رسول! کیا آپ خود نہیں کھائیں گے؟ تو فرمایا: "بلاشبہ میرے پاس اللہ کی

[1765] (مرفوع ضعیف) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

اسْتَأْمَرْتِينِي فِي عِتْقِهَا، أَعْطِيهَا أُخْتَكِ، وَصِلِي بِهَا رَحِمَكِ، تَرْعَى عَلَيْهَا، فَإِنَّهُ خَيْرٌ لَكِ.

طرف سے حاضر ہونے والے (فرشتے) حاضر ہوتے رہتے ہیں۔'' (اور اس گوشت میں کچھ ایسی مہک ہے جو ان کے لیے باعثِ اذیت ہے) سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا ہم آپ کو کچھ دودھ پلائیں جو ہمارے پاس ہے؟ تو فرمایا: ''ہاں۔'' پھر جب آپ ﷺ نے اسے نوش فرمالیا تو فرمایا: ''یہ تمھارے پاس کہاں سے آیا تھا؟'' وہ کہنے لگیں: اسے بھی میری بہن ہزیلہ رضی اللہ عنہا نے مجھے ہدیہ کیا ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے اپنی اس لونڈی کے متعلق بتاؤ جس کے آزاد کرنے کے بارے میں تم نے مجھ سے مشورہ مانگا تھا۔ تم اسے اپنی بہن (ہزیلہ رضی اللہ عنہا) کو دے دو، اس کے ذریعے اپنی رشتہ داری ملاؤ (صلہ رحمی کرو)، وہ (لونڈی) اس (تیری بہن) کے لیے (اس کے جانور) چرایا کرے گی، بلاشبہ یہ کام تمھارے لیے زیادہ بہتر ہے۔''

فائدہ: ...... کیونکہ رشتہ داروں پر خرچ کرنے سے دوہرا اجر ملتا ہے۔ خرچ کرنے کا بھی اور صلہ رحمی کرنے کا بھی۔ یاد رہے کہ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا نے اس لونڈی کے متعلق آپ ﷺ سے مشورہ تو طلب کیا تھا لیکن جب آپ ﷺ کی طرف سے کچھ عرصہ خاموشی رہی تو انھوں نے اسے آزاد کردیا، پھر جب آپ ﷺ کو اس کی آزادی کا علم ہوا تو فرمایا: رشتہ داروں کو دینے سے زیادہ عظیم (اور دوہرا) اجر حاصل ہوتا ہے۔ (بخاری: 2592، مسلم: 999) بخاری و مسلم میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: تم اپنے ماموؤں کو وہ لونڈی دے دیتیں۔ موطا کی روایت میں بہن کو دینے کا تذکرہ ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ بہن ماموؤں ہی کے پاس رہتی ہو۔ واللہ اعلم

[1766] عَنْ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيدِ بْنِ الْمُغِيرَةِ: أَنَّهُ دَخَلَ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ بَيْتَ مَيْمُونَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ، فَأُتِيَ بِضَبٍّ مَحْنُوذٍ، فَأَهْوَى إِلَيْهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِيَدِهِ. فَقَالَ بَعْضُ النِّسْوَةِ اللَّاتِي فِي بَيْتِ مَيْمُونَةَ: أَخْبِرُوا رَسُولَ اللهِ ﷺ بِمَا يُرِيدُ أَنْ يَأْكُلَ مِنْهُ. فَقِيلَ: هُوَ ضَبٌّ يَا رَسُولَ اللهِ. فَرَفَعَ يَدَهُ فَقُلْتُ: أَحَرَامٌ هُوَ

حضرت خالد بن ولید بن مغیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا زوجہ پیغمبر ﷺ کے گھر میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ کے پاس ایک بھونا ہوا سانڈہ لایا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا تو سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں موجود عورتوں سے کسی نے کہا: رسول اللہ ﷺ کو اس کے متعلق بتادو جسے آپ ﷺ کھانے کا ارادہ فرما رہے ہیں۔ چنانچہ عرض کیا

[1766] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری کتاب الذبائح والصید، باب الضب، حدیث: 5391، 5400، 5537، صحیح مسلم، کتاب الصید والذبائح، باب اباحۃ الضب، حدیث: 1945، ابوداود: 3794، نسائی: 4322، ابن ماجہ: 3241، احمد: 88/4، دارمی: 2017.

يَـا رَسُـولَ الـلّٰـهِ ؟ فَقَالَ : لَا ، وَلٰكِنَّهُ لَمْ يَكُنْ بِـأَرْضِ قَـوْمِـي فَـأَجِـدُنِـي أَعَافُهُ قَالَ خَالِدٌ: فَاجْتَرَرْتُهُ فَأَكَلْتُهُ ، وَرَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَنْظُرُ .

گیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ سانڈہ ہے تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے اپنا ہاتھ اٹھالیا۔ (حضرت خالد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ) میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا یہ حرام ہے؟ تو فرمایا: ''نہیں، لیکن (چونکہ) وہ میری قوم کے علاقے میں نہیں پایا جاتا اس لیے میں خود کو (یوں) محسوس کرتا ہوں کہ (جیسے) میں اس سے کراہت کر رہا ہوں۔'' حضرت خالد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر میں نے اسے (اپنی طرف) کھینچ لیا اور اسے کھا گیا اس حال میں کہ رسول اللہ ﷺ (مجھے) دیکھ رہے تھے۔

[1767] عَـنْ عَبْـدِ الـلّٰـهِ بْنِ عُمَرَ : أَنَّ رَجُلاً نَادَى رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَا تَـرَى فِـي الـضَّـبِّ ؟ فَـقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : لَسْتُ بِآكِلِهِ ، وَلَا بِمُحَرِّمِهِ .

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کو پکارا اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ سانڈے کے بارے میں کیا خیال کرتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نہ تو اسے کھانے والا ہوں اور نہ ہی اسے حرام قرار دینے والا ہوں۔''

56- بَابُ مَا جَاءَ فِيْ أَمْرِ الْكِلَابِ

کتوں کے متعلق حکم کا بیان

خلاصة الباب اس باب میں تین احادیث نبویہ ﷺ ہیں جو کہ بخاری و مسلم میں موجود ہیں۔

فائدہ :...... پہلے پہل رسول اللہ ﷺ نے ہر کتے کو مارنے کا حکم دیا تھا، پھر اس سے منع فرما دیا سوائے اس کتے کے جو بالکل سیاہ ہو اور اس کی آنکھوں کے اوپر دو سفید نشان ہوں، آپ ﷺ نے اسے شیطان سے تشبیہ دی ہے۔ (مسلم : 1572) پھر شکار، کھیتی اور جانوروں کی حفاظت کے لیے کتے رکھنے کی اجازت دی اور ان کے علاوہ ہر قسم کا کتا پالنے والے کے متعلق خبر دی کہ روزانہ اس کے اجر میں سے ایک قیراط کم ہو جاتا ہے۔ (بخاری : 2322، مسلم: 58/1575، 59) اور بعض روایات کے مطابق دو قیراط کم ہوتے ہیں۔ (بخاری : 5480، مسلم: 1574) قیراط کی وضاحت آگے آ رہی ہے، نیز کسی بھی کتے کو خواہ وہ پالتو ہو یا کوئی اور، پانی پلانے پر اجر اور مغفرت ملنے کے واقعات سنائے گئے ہیں۔ (بخاری : 173، مسلم: 2244، 2245)

[1767] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري ، كتاب الذبائح والصيد ، باب الضب ، حديث : 5536، صحيح مسلم ، كتاب الصيد والذبائح باب اباحة الضب ، حديث : 1943، ترمذي : 1790، نسائي : 4320، ابن ماجه: 3242، احمد : 4562/2، دارمي : 2015.

[1768] عَنْ سُفْيَانَ بْنِ أَبِي زُهَيْرٍ، وَهُوَ رَجُلٌ مِنْ أَزْدِ شَنُوءَةَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، وَهُوَ يُحَدِّثُ نَاساً مَعَهُ عِنْدَ بَابِ الْمَسْجِدِ، فَقَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: مَنِ اقْتَنَى كَلْباً لَا يُغْنِي عَنْهُ زَرْعاً وَلَا ضَرْعاً، نَقَصَ مِنْ عَمَلِهِ كُلَّ يَوْمٍ قِيرَاطٌ. قَالَ: أَنْتَ سَمِعْتَ هَذَا مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ؟ فَقَالَ: إِي وَرَبِّ هَذَا الْمَسْجِدِ.

حضرت سفیان بن ابی زہیر رضی اللہ عنہ جو کہ اَزْدِشنُوءہ قبیلے میں سے ایک فرد (تھے اور) رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تھے، وہ اپنے ہمراہ موجود کچھ لوگوں کو مسجد نبوی کے دروازے کے پاس بیان فرما رہے تھے۔ انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا: ”جس شخص نے کسی کتے کو پالا جو زراعت اور جانوروں سے اسے کفایت نہیں کرتا تو اس کے عمل میں سے روزانہ ایک قیراط (کے برابر اجر کی) کمی کر دی جاتی ہے۔“ حضرت سائب رضی اللہ عنہ نے حضرت سفیان بن ابی زہیر رضی اللہ عنہ سے) کہا: کیا آپ نے خود اس فرمان کو رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا؟ وہ فرمانے لگے کہ ہاں، اس مسجد کے رب کی قسم!

[1769] عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَنِ اقْتَنَى كَلْباً إِلَّا كَلْباً ضَارِياً، أَوْ كَلْبَ مَاشِيَةٍ، نَقَصَ مِنْ عَمَلِهِ كُلَّ يَوْمٍ قِيرَاطَانِ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس شخص نے کوئی بھی کتا پالا سوائے شکاری کتے اور جانوروں کی (حفاظت) والے کتے کے، تو اس کے عمل سے ہر روز دو قیراط کم ہو جاتے ہیں۔“

فائدہ:...... قیراط ایک تولنے کا آلہ ہے جس کا وزن 255 ملی گرام یعنی دو رتی اور ایک رتی کا دسواں حصہ (10/1/2 رتی) ہے، لیکن اجر کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ نے جنازے کے متعلق اپنے فرامین میں اس کی وضاحت فرمائی ہے کہ جنازہ پڑھنے کی وجہ سے ایک قیراط اجر اور دفنانے تک ساتھ رہنے کی وجہ سے دو قیراط اجر ملتا ہے۔ ایک قیراط اُحد پہاڑ یا کسی اور بہت بڑے پہاڑ کے برابر ہوتا ہے۔ (بخاری: 47، مسلم: 945) مذکورہ بالا حدیث میں قیراط کی مقدار کیا ہے؟ اس سے اللہ ہی بہتر واقف ہے...... رہا یہ مسئلہ کہ بلا شرعی ضرورت کتا پالنے سے ایک قیراط اجر کم ہوتا ہے یا دو، تو اس میں تطبیق یہ دی گئی ہے کہ (1) پہلے آپ ﷺ نے ایک قیراط کا ذکر کیا تھا اور بعد میں دو کا ذکر فرما دیا،

[1768] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب الحرث والمزارعة، باب امتناء الكلب للحرث، حديث: 2323، 3325، صحيح مسلم كتاب المساقاة، باب الامر بقتل الكلاب، حديث: 1576، نسائي: 4290، ابن ماجه: 3206، احمد: 220/5 (22263)، دارمي: 2005.

[1769] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب الذبائح والصيد، باب من اقتنى كلب اليس بكلب صيد او ماشية، حديث: 5480، 5481، 5482، صحيح مسلم، كتاب المساقاة، باب الأمر بقتل الكلاب، حديث: 1574، ترمذي: 1487، نسائي: 4291، احمد: 113/2، دارمي: 2004.

یا (2) کتا جس قدر ضرر رساں ہوگا اسی قدر اجر کم ہوگا (3) بندہ جس قدر زیادہ کتے کی طرف متوجہ رہے گا، اسی قدر اجر بھی کم ہوگا۔ واللہ اعلم ۔ بلاوجہ رکھے گئے کتے کی موجودگی فرشتہ رحمت کی آمد سے بھی مانع ہے۔

[1770] عَـنْ عَبْـدِ الـلّٰهِ بْنِ عُمَرَ : أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ أَمَرَ بِقَتْلِ الْكِلَابِ .

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے کتوں کے قتل کرنے کا حکم فرمایا تھا۔

فائدہ :......کاٹنے والے کتے کو قتل کرنے پر تمام کا اتفاق ہے خواہ یہ قتل حرم میں کرنا پڑے۔ جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے۔ (بخاری: 1828، 1829، 3315، مسلم: 1198، 1200) باقی کتوں کے متعلق امام مالک رحمہ اللہ سے دونوں اقوال منقول ہیں لیکن باقی فقہاء وائمہ کے نزدیک یہ قتل منسوخ ہے۔ اب صرف کَلْب عَقُور یعنی بہت کاٹنے والے کتے یا بڑکائے کتے یا آنکھوں پر دو سفید نشانوں والے سیاہ کتے ہی کو قتل کیا جائے گا۔ البتہ کچھ مفتیان کے نزدیک اگر کسی علاقے میں کتوں کی کثرت عوام کے لیے نقصان دہ ہو جائے تو محدود سی مدت کے لیے اسلامی حکومت کتوں کے قتل کا حکم صادر کر سکتی ہے۔

57- بَابُ مَاجَاءَ فِيْ أَمْرِ الْغَنَمِ

بکریوں کے متعلق حکم کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں چار احادیث نبویہ ﷺ ہیں جو کہ بخاری و مسلم کی روایات میں سے ہیں۔

[1771] عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: رَأْسُ الْكُفْرِ نَحْوَ الْمَشْرِقِ، وَالْفَخْرُ وَالْخُيَلَاءُ فِي أَهْلِ الْخَيْلِ وَالْإِبِلِ وَالْفَدَّادِينَ أَهْلِ الْوَبَرِ، وَالسَّكِينَةُ فِي أَهْلِ الْغَنَمِ .

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کفر کا سر (بڑا کفر) مشرق کی طرف ہے، فخر و تکبر گھوڑوں اور اونٹوں والوں اور بہت چلانے والے خانہ بدوشوں میں ہے اور سکینت (عاجزی، تواضع اور وقار) بکریوں والوں میں ہے۔''

فائدہ :......کفر کے سر سے مراد یا تو دجال ہے جو مدینہ کے مشرق کی جانب (مسلم: 1380) خراسان

[1770] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب اذا وقع الذباب فی شراب احدکم فلیغمسه، حدیث: 3323، صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ، باب الامر بقتل الکلاب، حدیث: 1570، ترمذی: 1488، نسائی: 4282، ابن ماجہ: 3202، احمد: 113/2 (5925)، دارمی: 2007.

[1771] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب خیر مال المسلم غنم یتبع بهاشعف الجبال، حدیث: 3301، 3499، 4388، 4389، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب تفاضل اهل الایمان فیه، حدیث: 85/52، احمد: 418/2 (9401).

کے علاقے سے نکلے گا۔ (ترمذی: 2237، ابن ماجہ: 4072۔ اس کی سند صحیح ہے) یا کفر کی اس دور کی سپر پاور یعنی آتش پرست فارس (ایران) مراد ہے، یا پھر نجد عراق مراد ہے جو فتنوں کی آماجگاہ ہے۔ (بخاری: 1037) علامہ البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد عراق ہے جیسا کہ طبرانی کی روایت میں صحیح سند سے ثابت ہے۔ (تخریج احادیث فضائل الشام، حدیث: 8)...... ہم نشینی اور صحبت کا اثر انسان میں خوب سرایت کرتا ہے، چنانچہ گھوڑوں اور اونٹوں کے پالنے والے انھی کی طرح سخت مزاج اور سخت دل ہوتے ہیں جیسا کہ عہد نبوی ﷺ میں مضر اور ربیعہ قبیلوں کے اکثر افراد کا حال تھا۔ (بخاری: 3498، مسلم: 51) اور انھیں اھلَ وَبَر کہا گیا ہے "وَبَر" اونٹ کی اون کو کہتے ہیں جس سے خیمے بنائے جاتے تھے، لہٰذا اہل وَبَر سے مراد خانہ بدوش اور جنگل وصحرا میں خیموں میں زندگی بسر کرنے والے لوگ ہیں۔ "فَدَّادِيـن" سے مراد چیخ وپکار کرنے والے لوگ ہیں جو اونٹوں اور گائے بیل کی دُموں کے پاس انھیں ہانکنے اور کام کرانے کے وقت شور مچاتے ہیں۔ اسی لیے اس لفظ کے معنی ''کاشتکار'' بھی کیے گئے ہیں ......بکریاں خود بھی نرم مزاج ہوتی ہیں، نیز ان کا شرارتی پن لیکن جسمانی کمزوری بھی چرواہے کو صابر اور نرم مزاج بنا دیتی ہے......بعض روایات میں سکینت کے لفظ کے ساتھ ''وقار'' کا لفظ بھی مذکور ہے۔ (بخاری: 4388، مسلم: 85/52، 87) بکریوں کے چرواہے انھیں سکون و اطمینان اور صبر و برداشت کے ساتھ چراتے ہیں۔ ان سے مراد اہل یمن لیے گئے ہیں جن کی اکثریت عہد نبوی ﷺ میں بکریاں چرایا کرتی تھی۔

[1772] عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: يُوشِكُ أَنْ يَكُونَ خَيْرُ مَالِ الْمُسْلِمِ غَنَماً، يَتْبَعُ بِهَا شَعَفَ الْجِبَالِ وَمَوَاقِعَ الْقَطْرِ، يَفِرُّ بِدِينِهِ مِنَ الْفِتَنِ.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قریب ہے کہ مسلمان کا بہترین مال بکریاں ہوں گی۔ وہ انھیں لے کر پہاڑوں کی چوٹیوں اور بارش برسنے کی جگہوں میں چلا جائے گا (اور اس طرح) وہ اپنے دین کو لے کر فتنوں سے بھاگ رہا ہوگا۔''

فائدہ: ......اگر چہ وہ شخص جو لوگوں میں رہ کر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی استطاعت رکھتا ہو، اس کے لیے لوگوں میں رہنا اور ان کی اذیت برداشت کرنا افضل ہے لیکن جب فتنوں کی بہتات ہو جائے اور اپنا ایمان بھی خطرے میں ہو تو پھر خلوت نشینی اور لوگوں سے دوری ہی بہتر ہے۔

[1772] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب خیر مال المسلم غنم یتبع بھا شعف الجبال، حدیث: 19، 3300، 3600، 6495، 7088، سنن ابی داود: کتاب الفتن، باب الرخصة فی التبدی فی الفتنة، حدیث: 4267، نسائی: 5039، ابن ماجہ: 3980، احمد: 43/3 (11411).

[1773] عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَا يَحْتَلِبَنَّ أَحَدٌ مَاشِيَةَ أَحَدٍ بِغَيْرِ إِذْنِهِ، أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ تُؤْتَى مَشْرُبَتُهُ، فَتُكْسَرَ خِزَانَتُهُ، فَيُنْتَقَلَ طَعَامُهُ، وَإِنَّمَا تَخْزُنُ لَهُمْ ضُرُوعُ مَوَاشِيهِمْ أَطْعِمَاتِهِمْ، فَلَا يَحْتَلِبَنَّ أَحَدٌ مَاشِيَةَ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِهِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یقیناً رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی بھی شخص کسی دوسرے شخص کے چوپائے کا دودھ اس کی اجازت کے بغیر ہرگز نہ دوہے۔ کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے بالا خانے میں (چوری چھپے) آیا جائے، پھر اس کی (خزانے والی) الماری کو توڑ دیا جائے، پھر (اس میں موجود) اس کا اناج (چرا کر وہاں سے) منتقل کر دیا جائے (تو چونکہ کوئی بھی اپنے لیے اسے پسند نہیں کرتا، لہٰذا دوسروں کے لیے بھی ایسا ہی رویہ اختیار کرنا چاہیے اور ان کا مال نہ چرانا چاہیے) اور بلاشبہ لوگوں کے لیے ان کے چوپایوں کے تھن (گویا الماریاں ہیں جو) ان کے کھانوں کو ذخیرہ کرتے ہیں۔ لہٰذا کوئی بھی شخص کسی آدمی کے چوپائے کا دودھ ہرگز نہ دوہے، مگر اس کی اجازت کے ساتھ (ایسا کر سکتا ہے)۔''

فائدہ: ......البتہ اگر کسی کو سخت بھوک لگی ہو تو اس کے لیے یہ فرمان نبوی ﷺ ہے: ''جب تم میں سے کوئی شخص کچھ چوپایوں کے پاس آئے، پھر اگر ان میں ان کا مالک موجود ہو تو اس سے اجازت طلب کرے اور اگر وہ (مالک) ان میں موجود نہ ہو تو تین بار آواز دے، پھر اگر تو وہ اسے جواب دے دے تو اس سے اجازت طلب کر لے اور اگر کوئی بھی اسے جواب نہ دے تو وہ دودھ دھو کر پی لے اور ساتھ اٹھا کر نہ لے جائے۔'' (ترمذی: 1296، ابوداود: 2619۔ اس کی سند حسن ہے نیز دیکھیے ابن ماجہ: 2300، احمد: 85/3، ابن حبان: 1143، حاکم: 132/4۔ اس کی سند صحیح ہے۔)

[1774] عَنْ مَالِكٌ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَا مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا قَدْ رَعَى غَنَمًا قِيلَ: وَأَنْتَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ: وَأَنَا.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی نبی ایسا نہیں ہوا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔'' عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ نے بھی؟ فرمایا: ''(ہاں) اور میں نے بھی۔''

[1773] (مرفوع صحيح) صحيح البخاری، كتاب فی اللقطة، باب لا تحتلب ماشية احد بغير اذنه، حديث: 2435، صحيح مسلم، كتاب اللقطة، باب تحريم حلب الماشية بغير اذن مالكها، حديث: 1726، ابوداود: 2623، ابن ماجه: 2302، احمد: 6/2 (4505).

[1774] (مرفوع صحيح) صحيح البخاری، كتاب الاجارة، باب رعی الغنم علی قراريط، حديث: 2262 (عن ابی هريرة)، صحيح مسلم كتاب الاشربة باب فضيلة الاسود من الكباث، حديث: 2050 (عن جابر بن عبد الله).

فائدہ : ...... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ چند قیراط کی مزدوری کے بدلے اہل مکہ کی بکریاں چرایا کرتے تھے۔ (بخاری : 2262) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ ہم مَرُّ الظَّهران جگہ پر رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ موجود تھے اور پیلو کا پکا ہوا پھل توڑ رہے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کالے پھلوں کو توڑو۔'' ہم نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! ایسے لگتا ہے کہ جیسے آپ بکریاں چراتے رہے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کا کوئی نبی ایسا نہیں ہوا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔'' (مسلم: 2050)

58- بَابُ مَاجَاءَ فِي الْفَأْرَةِ تَقَعُ فِي السَّمْنِ وَالْبَدْءُ بِالْأَكْلِ قَبْلَ الصَّلَاةِ

چوہے کے گھی میں گر جانے اور نماز سے قبل کھانا شروع کر دینے کے متعلق بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں ایک مرفوع (حدیث نبوی ﷺ) اور ایک موقوف روایت (اثر صحابی رضی اللہ عنہ) ہے اور دونوں بخاری شریف میں ہیں۔

[1775] عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يُقَرَّبُ إِلَيْهِ عَشَاؤُهُ، فَيَسْمَعُ قِرَاءَةَ الْإِمَامِ وَهُوَ فِي بَيْتِهِ، فَلَا يَعْجَلُ عَنْ طَعَامِهِ حَتَّى يَقْضِيَ حَاجَتَهُ مِنْهُ.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بیشک حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے سامنے شام کا کھانا پیش کر دیا جاتا، پھر وہ امام کی قراءت اس حال میں سنا کرتے کہ وہ اپنے گھر ہی میں ہوتے تھے تو وہ کھانے سے جلدی نہ کرتے یہاں تک کہ اس سے اپنی حاجت پوری کر لیتے۔

فائدہ : ...... کیونکہ انھی سے مروی یہ فرمان نبوی ﷺ ہے: ''جب تم میں سے کسی کا شام کا کھانا اس کے سامنے رکھ دیا جائے اور نماز کی اقامت بھی کہہ دی جائے تو تم کھانے کے ساتھ ابتدا کرو اور جلد بازی نہ کرو یہاں تک کہ اس سے فارغ ہو جاؤ۔'' (بخاری: 673، مسلم: 559) نیز فرمان نبوی ﷺ ہے: ''نہ تو کھانے کی موجودگی میں نماز ہوتی ہے اور نہ ہی اس وقت کہ جب دو خبیث چیزیں (پیشاب اور پاخانہ) آدمی سے مزاحمت کر رہی ہوں۔'' (مسلم: 560) ایک روایت میں ہے کہ نماز کی اطلاع پر رسول اللہ ﷺ کھانا چھوڑ کر چلے گئے۔ (بخاری: 208، مسلم: 355) چنانچہ مختلف طریقوں سے تطبیق دی گئی ہے مثلاً (1) نہی تنزیہی ہے، یعنی کھانا سامنے موجود ہو تو بہتر یہی ہے کہ اسے نہ چھوڑا جائے، البتہ چھوڑنا جائز ہے۔ (2) اگر بھوک زیادہ ہو اور توجہ کھانے ہی کی طرف رہنے کا اندیشہ ہو تو کھانے میں پہل کرنی چاہیے ورنہ کسی سے بھی پہل کرنا جائز ہے۔ (3) مستقل امام نماز میں پہل کرے تاکہ جماعت کا نظام

[1775] (موقوف صحيح) صحيح البخاري، كتاب الاذان، باب اذا حضر الطعام واقيمت الصلاة، حديث: 673، 5464، سنن ابي داود كتاب الاطعمة، باب اذا حضرت الصلاة والعشاء، حديث: 3757، ترمذي: 354، ابن ماجه: 934، احمد: 2/25 (4780).

درہم برہم نہ ہو اور باقی لوگ کھانے سے پہل کریں۔ واللہ اعلم

[1776] عَنْ مَيْمُونَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ سُئِلَ عَنِ الْفَأْرَةِ تَقَعُ فِي السَّمْنِ؟ فَقَالَ: انْزِعُوهَا وَمَا حَوْلَهَا فَاطْرَحُوهُ.

سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا زوجہ پیغمبر ﷺ سے روایت ہے کہ یقیناً رسول اللہ ﷺ سے چوہے کے متعلق سوال کیا گیا جو گھی میں گر پڑے تو فرمایا: ''اسے باہر نکال دو اور جو گھی اس کے اردگرد ہو اسے بھی نکال کر پھینک دو۔''

فائدہ: ......اور باقی ماندہ کھالو۔ ظاہر یہی ہے کہ گھی جما ہوا ہو تو اس چوہے کے جراثیم اور گندگی کے اثرات قریب جگہ تک محدود رہتے ہیں، لہٰذا نکال کر باقی گھی استعمال کر لینا چاہیے اور جب گھی مائع اور پگھلا ہوا ہو تو پھر جراثیم وغیرہ پورے برتن میں پھیل جائیں گے بلکہ جب وہ گر کر مرے گا تو نیچے تک چلا جائے گا اور سارا گھی ہی اس کا اردگرد شمار ہوگا اس لیے مکمل گھی پھینکنا پڑے گا،، نیز ایک روایت میں بھی جمے ہوئے گھی اور پگھلے ہوئے گھی میں یہی مذکورہ فرق بیان ہوا ہے۔ (ابو داود: 3842، ترمذی: 1798، اگرچہ اس کے راوی ثقہ ہیں لیکن اسے شاذ قرار دیا گیا ہے۔)

59- بَابُ مَا يُتَّقَى مِنَ الشُّؤْمِ

نحوست پکڑنے (اور منحوس سمجھنے) سے بچنے کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں تین مرفوع روایات (احادیث نبویہ ﷺ ہیں) اور سب کی سب سنداً صحیح ہیں۔

[1777] عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: إِنْ كَانَ فَفِي الْفَرَسِ وَالْمَرْأَةِ وَالْمَسْكَنِ يَعْنِي الشُّؤْمَ.

سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر وہ ہوتی تو گھوڑے، عورت اور گھر میں ہوتی۔'' آپ ﷺ نحوست کو مراد لے رہے تھے۔

فائدہ: ......اس حدیث سے یہ نتیجہ نکلا کہ چونکہ ان تینوں میں بھی نحوست نہیں ہے لہٰذا کسی چیز میں بھی نحوست نہیں ہے۔ نحوست کو بدشگونی بھی کہتے ہیں یعنی کسی چیز یا صورتحال سے غلط اور منفی نتیجہ نکالنا اور یہ سمجھنا کہ یہ چیز ہی نقصانات اور خسارے کا باعث ہے۔ حالانکہ جو کچھ واقع ہوتا ہے وہ تقدیر سے واقع ہوتا ہے اور انسان پر جو بھی مصیبت آتی ہے، وہ اس کے بداعمال کا نتیجہ ہوتی ہے۔ جسے اللہ نے اس کے گناہوں کی شامت کے طور پر اس پر مسلط کیا ہوتا

[1776] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب الوضوء باب مایقع من النجاسات فی السمن والماء، حدیث: 235، 236، 5538، 5540، سنن ابی داود، کتاب الاطعمة، باب فی الفارة تقع فی السمن، حدیث: 3841، ترمذی: 1798، نسائی: 4264، احمد: 335/6 (27384)، دارمی: 2085.

[1777] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب الجهاد والسیر، باب مایذکر من شؤم الفرس، حدیث: 2859، 5095، صحیح مسلم، کتاب السلام، باب الطیرة والفأل، حدیث: 2226، ابن ماجه: 1994، احمد: 335/5 (23224).

ہے، لہٰذا کسی کو منحوس کہنے کی بجائے اپنی اصلاح اور استغفار پر زور دینا چاہیے۔

[1778] عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : الشُّؤْمُ فِي الدَّارِ وَالْمَرْأَةِ وَالْفَرَسِ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نحوست تو گھر، عورت اور گھوڑے میں ہوتی ہے۔''

فائدہ: ......اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اشیاء منحوس ہوتی ہیں۔ گزشتہ اور مذکورہ حدیث کے مابین تطبیق آگے آرہی ہے۔

[1779] عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ ، أَنَّهُ قَالَ : جَاءَتِ امْرَأَةٌ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَتْ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ دَارٌ سَكَنَّاهَا ، وَالْعَدَدُ كَثِيرٌ ، وَالْمَالُ وَافِرٌ ، فَقَلَّ الْعَدَدُ ، وَذَهَبَ الْمَالُ . فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : دَعُوهَا ذَمِيمَةً .

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ ایک عورت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! وہ گھر جس میں ہم نے رہائش اختیار کی تھی تو اس وقت (ہمارے گھرانے کے افراد کی) تعداد زیادہ تھی اور مال بھی وافر تھا، پھر تعداد بھی کم ہوگئی اور مال بھی ختم ہوگیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اسے چھوڑ دو اس حال میں کہ وہ (تمھارے دلوں میں) مذمت کیا ہوا (مکروہ اور منحوس) ہے۔''

فائدہ: ......اگر چہ جو نقصان ہوا وہ فیصلہ الٰہی اور تقدیر کے نفاذ سے ہوا تھا لیکن انھوں نے گھر کو منحوس سمجھ لیا۔ چونکہ نقصانات اور آزمائشوں کا سلسلہ تو مرتے دم تک جاری رہنا ہے، اسی لیے آئندہ بھی ان کی طرف سے اسی غلط اعتقادی کا اندیشہ تھا، جس سے بچانے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے ان کو گھر چھوڑنے کا حکم دے دیا......ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ یہ سوال جواب ایک مرد نے کیے تھے اور مؤطا میں ایک عورت کا ذکر ہے۔ چونکہ ابوداؤد اور مؤطا دونوں کی روایتوں کے راوی الگ الگ ہیں۔ اسی لیے ممکن ہے کہ دونوں الگ الگ قصے ہوں اور اگر ایک ہی قصہ ہو تو پھر ممکن ہے کہ پہلے اسی گھرانے کے کسی مرد نے آکر شکایت کی ہو اور بعد میں عورت نے یا اس کے برعکس ہوا ہو۔ واللہ اعلم ......یاد رہے کہ بعض مناظر یا بعض اعداد یا اوقات کے متعلق جو نحوست کا خیال پیدا ہوتا ہے اس سے بچنا چاہیے۔ یہ بالکل بے ضرر ہوتے ہیں، مثلاً: آئینہ ٹوٹنا، اُلّو یا کوے کا بولنا، تین کا ہندسہ، صفر کا مہینہ یا شادی کے حوالے سے محرم یا شوال

[1778] (مرفوع صحیح) صحیح البخاري ، کتاب النکاح ، باب مایتقی من شؤم المرأة ، حدیث : 5093، 5094، 2858، 5772، صحیح مسلم :کتاب السلام ، باب الطیرة والفأل ، حدیث : 2225، ابوداود: 3922، ترمذی: 2824، نسائی: 3598، ابن ماجه : 1995، احمد: 8/2، 36 (4544، 4927) .

[1779] (مرفوع صحیح لغیرہ)سنن ابی داود کتاب الطب ، باب فی الطیرة ، حدیث : 3924، بیهقی: 140/8، بخاری فی الادب المفرد: 497/2 (918)۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو صحیح لغیرہ قرار دیا ہے۔

کا مہینہ وغیرہ۔ یہ سب دور جاہلیت کے اعتقادات اور توہم پرستی کی صورتیں ہیں، ان کی ذرا بھی پروانہیں کرنی چاہیے۔ رہی وہ چیزیں جو منحوس محسوس ہوں، جیسے گھر یا سواری یا عورت وغیرہ تو انھیں چھوڑ نا مباح ہے۔ بشرطیکہ دل میں بار بار یہ خیال آتا رہتا ہو کہ یہ چیزیں نقصان کا باعث بن رہی ہیں تو چونکہ یہ خیالات بدشگونی اور توہم پرستی ہیں اور ان سے چھٹکارا بھی نہیں مل رہا تو بہتر یہی ہے کہ پھر ان چیزوں سے دوری اختیار کرلی جائے اور اگر آدمی تقدیر پر راضی ہو اور وہ ان خیالات کی پروا نہ کرتا ہو تو پھر انھیں چھوڑنے کی کوئی ضرورت نہیں ......یہ بھی یاد رہے کہ کسی ایک آدھے گھر میں ایسا مسئلہ ہو تو اسے چھوڑ نا مباح ہے لیکن اگر کسی علاقے میں عام وبا طاعون کی صورت میں پھوٹ پڑے تو پھر وہاں سے نکلنا بھی ممنوع ہے کیونکہ اگر موت مقدر ہو چکی ہے تو یہ نکلنا بے فائدہ ہے اور وہاں جانا بھی ممنوع ہے کیونکہ احتیاطی تدابیر بھی مشروع ہیں دراصل تو یہ حکم پیغمبر ہے۔ (دیکھیے پیچھے کتاب الجامع کا باب: 7)

60- باب مَا يُكْرَهُ مِنَ الْأَسْمَاءِ

ناپسندیدہ ناموں کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں دو روایات ہیں۔ ایک مرفوع (حدیث نبوی ﷺ) ہے جو سنداً صحیح ہے اور ایک موقوف (اثر صحابی رضی اللہ عنہ) ہے جو کہ ضعیف ہے۔

فائدہ: ...... اگرچہ کسی بھی شے سے نحوست لینا اور برا نتیجہ نکالنا ممنوع ہے لیکن ناموں کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ نے اچھے اور برے کا فرق کیا ہے۔ جن ناموں کو ظاہر دیکھنے اور سننے میں کسی خیر و برکت کا اشارہ نہ نکلتا ہو بلکہ کوئی شر کا پہلو ہو تو آپ ﷺ ایسے ناموں کو ناپسند کرتے تھے اور اچھے نام خصوصاً خیر و برکت پر دلالت کرنے والے ناموں کو سن کر تو آپ ﷺ کا چہرہ انور کھل اٹھتا تھا۔ (ابـــو داود: 3920)......رسول اللہ ﷺ نے برے ناموں سے پرہیز کرنے کا حکم دیا ہے کیونکہ نام کا شخصیت پر اثر مرتب ہوتا ہے، لہٰذا برے ناموں کو بدلنا مستحب ہے بلکہ بعض غیر شرعی ناموں کو بدلنا ضروری ہوتا ہے۔ دیکھیے۔ (بخاری: 6190، مسلم: 2139، نیز دیکھیے ابو داود: 4954- اس کی سند صحیح ہے۔) نبی کریم ﷺ نے بدفالی، بدشگونی اور نحوست پکڑنے کو تین بار شرک قرار دیا ہے۔ اس کے مقابلے میں توکّل اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ (ابو داود: 3910، ترمذی: 1614، ابن ماجہ: 3538- اس کی سند صحیح ہے)

[1780] عَـنْ يَـحْـيَـى بْـنِ سَعِيدٍ، أَنَّ رَسُـولَ الـلّٰـهِ قَـالَ لِـلَقْحَةٍ تُحْلَبُ :مَنْ يَحْلُبُ هٰذِهِ؟ فَـقَـامَ رَجُـلٌ، فَـقَـالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ :مَا

یحیٰی بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے بہت دودھ دینے والی (دودھیل) اونٹنی جس کا دودھ دوہا جاتا تھا، کے متعلق فرمایا: ''کون اسے دوہے گا؟''

[1780] (مرفـوع صـحـيـح لـغـيـره) عبداللّٰه بن وهب في الجامع: 741/2 (652)، طبـرانـي فـي المعجم الكبير: 228/22 (710)- شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو صحیح لغیرہ قرار دیا ہے۔

اسْمُكَ ؟فَقَالَ لَهُ الرَّجُلُ : مُرَّةُ . فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ :اجْلِسْ . ثُمَّ قَالَ :مَنْ يَحْلُبُ هَذِهِ ؟فَقَامَ رَجُلٌ ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ : مَا اسْمُكَ ؟فَقَالَ : حَرْبٌ . فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ :اجْلِسْ . ثُمَّ قَالَ :مَنْ يَحْلُبُ هَذِهِ؟ فَقَامَ رَجُلٌ ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ :مَا اسْمُكَ . فَقَالَ : يَعِيشُ . فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ :احْلُبْ .

ایک آدمی کھڑا ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا: ''تمھارا نام کیا ہے؟'' وہ کہنے لگا کہ (میرا نام) مُرّہ (ہے جس کے معنی کڑوی چیز کے ہیں) تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا: ''بیٹھ جاؤ۔'' پھر فرمایا: ''کون اسے دوہے گا؟'' ایک (اور) آدمی کھڑا ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا: ''تمھارا نام کیا ہے؟'' اس نے کہا: حرب (جس کے معنی لڑائی اور جنگ کے ہیں) تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا: ''بیٹھ جاؤ'' پھر فرمایا: ''کون اسے دوہے گا''؟ ایک شخص کھڑا ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تمھارا نام کیا ہے؟'' اس نے کہا: یَعیش (جس کے معنی زندہ رہنے کے ہیں) تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم دودھ دوہو۔''

[1781] عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ لِرَجُلٍ : مَا اسْمُكَ ؟ فَقَالَ : جَمْرَةُ . فَقَالَ : ابْنُ مَنْ ؟ فَقَالَ : ابْنُ شِهَابٍ . قَالَ : مِمَّنْ؟ قَالَ : مِنَ الْحُرَقَةِ . قَالَ : أَيْنَ مَسْكَنُكَ ؟ قَالَ : بِحَرَّةِ النَّارِ . قَالَ : بِأَيِّهَا ؟ قَالَ: بِذَاتِ لَظًى . قَالَ عُمَرُ : أَدْرِكْ أَهْلَكَ فَقَدِ احْتَرَقُوا . قَالَ : فَكَانَ كَمَا قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رضي الله عنه .

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی سے کہا: تمھارا نام کیا ہے؟ اس نے کہا ''جمرة'' (جس کے معنی انگارے کے ہیں)، انھوں نے فرمایا: کس کے بیٹے ہو؟ اس نے کہا: ''شہاب'' کا بیٹا ہوں (اور شہاب کے معنی شعلے کے ہیں)، انھوں نے فرمایا: کس قبیلے سے ہو؟ اس نے کہا: (جہینہ کی شاخ) ''حُرَقَہ'' سے ہوں (جس کے معنی ہیں آگ سے جلے ہوئے پتھروں والا میدان)، انھوں نے پوچھا: تمھاری رہائش گاہ کہاں ہے؟ اس نے کہا کہ ''حرة النار'' میں (جس کا معنی ہے آگ کی گرمی)، پھر انھوں نے پوچھا: وہ کس جگہ میں ہے تو اس نے کہا ''ذات لَظٰی'' میں۔ (جس کے معنی ہیں: شعلے والی دہکتی ہوئی آگ) تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اپنے لوگوں کو پالے، (ان کی خبر لے) وہ یقیناً جل چکے ہیں۔ یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ کہتے ہیں: چنانچہ اسی طرح ہوا جیسے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا۔

فائدہ :......اگرچہ یہ روایت ضعیف ہے لیکن برے ناموں کے برے اثرات ظاہر ہونے کے متعدد دلائل

[1781] (موقوف ضعیف) عبداللہ بن وھب فی الجامع : 135/1 (78)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔

موجود ہیں، جن میں سے ایک وہ روایت ہے جسے سعید بن مسیب رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ ان کے دادا سے رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ "تمھارا نام کیا ہے"؟ انھوں نے کہا: حَـزن (جس کے معنی ہیں سخت اور کھردری جگہ) آپ ﷺ نے فرمایا: "تم سہل ہو" (جس کے معنی نرم، ہموار، کشادہ اور مسطح زمین) وہ بولے: میں اس نام کو تبدیل نہیں کروں گا جو میرے باپ نے میرے لیے رکھا تھا۔ سعید بن مسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پھر اس کے بعد ہم میں (ہمارے گھرانے میں) ہمیشہ کھردرا پن اور سختی کا معاملہ برقرار رہا۔ (بخاری: 6190) بہر حال بری فال لینا ناپسندیدہ امر ہے، البتہ اچھی فال لینا یعنی اچھا نتیجہ نکالنا مسنون اور مستحسن ہے۔ اس کے لیے نام پوچھنا بھی مسنون ہے اور اگر کسی نام سے دل میں بری فال آئے تو اسے زبان پر لانے سے گریز کرنا چاہیے۔

61- بَابُ مَاجَاءَ فِي الْحِجَامَةِ وَ أُجْرَةِ الْحَجَّامِ

پچھنے لگانے کا اور پچھنے لگانے والے کی اجرت کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں تین مرفوع روایات یعنی احادیث نبویہ ﷺ ہیں جن میں سے دو سنداً صحیح ہیں اور ایک ضعیف ہے۔

[1782] عَـنْ أَنَـسِ بْـنِ مَالِكٍ، أَنَّـهُ قَالَ: احْتَجَمَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ، حَجَمَهُ أَبُو طَيْبَةَ، فَأَمَرَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِصَاعٍ مِنْ تَمْرٍ, وَأَمَرَ أَهْلَهُ أَنْ يُخَفِّفُوا عَنْهُ مِنْ خَرَاجِهِ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے پچھنے لگوائے۔ حضرت ابوطیبہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو پچھنے لگائے۔ آپ ﷺ نے اس کے لیے ایک صاع کھجور دینے کا حکم فرمایا اور اس کے مالکوں کو حکم دیا کہ اس کی روزانہ آمدنی کے معاملہ میں اس سے تخفیف کریں۔

فائدہ: ......جسم کے کسی حصے پر زخم لگا کر وہاں سے مخصوص طریقوں سے خون نکالنے کے عمل کو حجامہ، حجامت، سینگی لگانا یا پچھنے لگانا کہا جاتا ہے۔ جس کی کافی تفصیل پیچھے کتاب الصیام کے باب: 10 میں گزر چکی ہے۔ مذکورہ حدیث میں "خراج" سے مراد وہ روزانہ کی متعین آمدنی ہے جو آقا اپنے غلام پر کمانے کے لیے متعین کرتا ہے کہ اتنی رقم بلاناغہ کما کر ہمیں دیا کرو اور اس سے زائد وہ جو کچھ کمائے تو وہ اسی غلام کی ملکیت ہوتا ہے۔ حضرت ابوطیبہ رضی اللہ عنہ کے ذمے روزانہ تین صاع کمانا مقرر تھا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی سفارش کے بعد ایک صاع کی تخفیف کردی گئی اگرچہ بعض

[1782] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری - کتاب البیوع، باب ذکر الحجام، حدیث: 2102، 2210، 2277، 2281، 5696، صحیح مسلم کتاب المساقاة باب حل اجرة الحجام، حدیث: 1577، ابوداود: 3424، ترمذی: 1278، ابن ماجه: 2164، احمد: 100/3 (11988)، دارمی: 2622.

روایات میں حجامہ یعنی پچھنے لگانے کی اجرت کا مکروہ ہونا منقول ہے لیکن مذکورہ حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ کراہت کے باوجود یہ جائز ہے کیونکہ اگر جائز نہ ہوتی تو رسول اللہ ﷺ حضرت ابوطیبہ رضی اللہ عنہ کو کچھ نہ دیتے۔

[1783] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: إِنْ كَانَ دَوَاءٌ يَبْلُغُ الدَّاءَ، فَإِنَّ الْحِجَامَةَ تَبْلُغُهُ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر کوئی دوائی ایسی ہے جو بیماری تک پہنچ سکتی ہے تو یقیناً پچھنے لگانا بھی اسے پہنچ جاتا ہے۔''

فائدہ: ...... چونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر بیماری کی دوا بھی اتاری ہے اس لیے نتیجہ یہ نکلا کہ پچھنے لگانا ہر جسمانی بیماری کا علاج ہے۔ یہ مذکورہ روایت تو ضعیف ہے لیکن اسی طرح کی بات حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حسن سند والی روایت میں رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔(ابوداود : 3857، ابن ماجه : 3476، احمد: 342/2، 423- اس کی سند حسن ہے۔) بلکہ اسی طرح کی حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بھی روایت کی ہے (بخاری : 5683، مسلم : 2205).

[1784] عَنِ ابْنِ مُحَيِّصَةَ الْأَنْصَارِي أَحَدِ بَنِي حَارِثَةَ، أَنَّهُ اسْتَأْذَنَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فِي إِجَارَةِ الْحَجَّامِ، فَنَهَاهُ عَنْهَا، فَلَمْ يَزَلْ يَسْأَلُهُ وَيَسْتَأْذِنُهُ حَتَّى قَالَ: اعْلِفْهُ نُضَّاحَكَ يَعْنِي رَقِيقَكَ.

ابن محیصہ انصاری رضی اللہ عنہ جو کہ (خزرج قبیلے کی شاخ) بنوحارثہ میں سے ایک فرد تھے، سے روایت ہے کہ بلاشبہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے پچھنے لگانے کی اجرت (وصول کرنے اور استعمال کرنے) کے متعلق اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے انھیں اس سے منع فرمادیا۔ پھر وہ مسلسل آپ ﷺ سے پوچھتے رہے اور اجازت مانگتے رہے، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے اپنی اونٹنی کو چارے میں کھلا دے یا اسے یعنی اپنے غلام کو کھانا کھلا دے۔''

فائدہ: ......اگرچہ پچھنے لگانے کی اجرت لینا درست ہے لیکن یہ کوئی قابل فخر مزدوری اور باعث وقار کمائی نہیں ہے، اس لیے اس کا استعمال بھی کم مرتبہ جگہوں پر کرنا چاہیے۔ حضرت ابوطیبہ رضی اللہ عنہ جن کا پیچھے ذکر ہوا انھی حضرت ابن محیصہ رضی اللہ عنہ کے غلام تھے۔

62- بَابُ مَاجَاءَ فِي الْمَشْرِقِ

(مدینہ سے) مشرق (کی سمت) کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں دو روایات ہیں۔ ایک مرفوع (حدیث نبوی ﷺ) ہے جو کہ بخاری و مسلم میں

[1783] (مرفوع ضعیف) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔

[1784] (مرفوع صحیح لغیرہ) سنن ابی داود، كتاب البيوع، باب في كسب الحجام، حديث: 3422، جامع الترمذي، كتاب البيوع، باب ماجاء في كسب الحجام، حديث: 1277، ابن ماجه: 2166، احمد: 435/5 (24090)۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو صحیح لغیرہ قرار دیا ہے۔

بھی ہے اور ایک موقوف (اثر صحابی رضی اللہ عنہ) ہے جو سنداً ضعیف ہے۔

[1785] عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يُشِيرُ إِلَى الْمَشْرِقِ وَيَقُولُ: هَا إِنَّ الْفِتْنَةَ هَا هُنَا، إِنَّ الْفِتْنَةَ هَا هُنَا، مِنْ حَيْثُ يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ بلاشک میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، آپ ﷺ مشرق کی جانب اشارہ کر رہے تھے اور فرما رہے تھے: ''یقیناً فتنہ اس جانب میں ہے۔ یقیناً فتنہ اس جگہ ہے، جہاں سے شیطان کا سینگ نکلتا ہے (یا نکلے گا)۔''

فائدہ: ......اس سے مراد یا تو سورج کا طلوع ہے جس کے طلوع کے وقت شیطان بھی ساتھ ساتھ رہتا ہے تا کہ اس کے گمراہ کیے ہوئے لوگ اپنے زعم میں سورج کی پوجا کریں لیکن درحقیقت وہ شیطان کی پوجا ہو رہی ہوتی ہے یا اس سے مراد دجّال ہے جو شیطان کا اہم مہرہ ہے اور وہ مشرق ہی کی جانب خراسان سے نکلے گا اور مشرق کی جانب ہی عراق و ایران ہیں، جو آج تک مختلف اور مسلسل فتنوں کی آماجگاہ رہے ہیں۔

[1786] عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ أَرَادَ الْخُرُوجَ إِلَى الْعِرَاقِ، فَقَالَ لَهُ كَعْبُ الْأَحْبَارِ: لَا تَخْرُجْ إِلَيْهَا يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، فَإِنَّ بِهَا تِسْعَةَ أَعْشَارِ السِّحْرِ، وَبِهَا فَسَقَةُ الْجِنِّ، وَبِهَا الدَّاءُ الْعُضَالُ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ بے شک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عراق کی طرف نکلنے کا ارادہ کیا تو ان سے کعب احبار رضی اللہ عنہ نے کہا: اے امیر المومنین! آپ ادھر نہ جایئے کیونکہ بلاشبہ جادو کے دس میں سے نو حصے عراق ہی میں ہیں۔ وہاں ہی (خبیث اور) فاسق جنات رہتے ہیں اور لاعلاج بیماری بھی وہیں ہے۔

فائدہ: ...... یہ روایت اگر چہ کمزور ہے لیکن قرآن مجید میں جادو کے تذکرہ کے دوران بابل شہر کا نام ہے جو کہ عراق ہی میں ہے۔

63- بَابُ مَا جَاءَ فِي قَتْلِ الْحَيَّاتِ وَمَا يُقَالُ فِي ذٰلِكَ

سانپوں کے قتل اور ان کے حوالے سے کلام کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں تین مرفوع روایات یعنی احادیث نبویہ ﷺ ہیں جو بخاری و مسلم کی روایات

[1785] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب صفة ابلیس و جنوده، حدیث: 3104، 3279، 3511، 5296، 7092، 7093، صحیح مسلم، کتاب الفتن، باب الفتنة من المشرق من حیث یطلع قرنا الشیطان، حدیث: 2905، ترمذی: 2268، احمد: 50/2 (5109)۔

[1786] (موقوف ضعیف) ابونعیم فی حلیة الاولیاء: 23/6، 90/2 (5642)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔

میں سے ہیں۔

[1787] عَنْ أَبِي لُبَابَةَ : أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهَى عَنْ قَتْلِ الْحَيَّاتِ الَّتِي فِي الْبُيُوتِ

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے ان سفید باریک چھوٹے سانپوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا جو گھروں میں ہوتے ہیں۔

فائدہ: ...... کیونکہ وہ دراصل جنات ہوتے ہیں حدیث کا لفظ "جِنّان" جیم کے نیچے زیر اور پہلے نون پر شد کے ساتھ ہے۔

[1788] عَنْ سَائِبَةَ مَوْلَاةٍ لِعَائِشَةَ : أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهَى عَنْ قَتْلِ الْجِنَّانِ الَّتِي فِي الْبُيُوتِ ، إِلَّا ذَا الطُّفْيَتَيْنِ وَالأَبْتَرَ ، فَإِنَّهُمَا يَخْطِفَانِ الْبَصَرَ ، وَيَطْرَحَانِ مَا فِي بُطُونِ النِّسَاءِ .

سائبہ رحمہا اللہ جو کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ لونڈی ہیں، سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے گھروں میں رہنے والے سانپوں کو مارنے سے منع فرمایا ہے، سوائے دو سفید دھاریوں والے سانپ اور دُم کٹے (چھوٹی دم والے) سانپ کے، کیونکہ بلاشبہ وہ دونوں نظر اچک لیتے ہیں (بینائی ختم کر دیتے ہیں) اور اس چیز کو پھینک دیتے ہیں جو عورتوں کے پیٹوں میں ہوتی ہے (حمل ساقط کر دیتے ہیں)۔

فائدہ: ......یعنی جنات ان دوصورتوں میں ظاہر نہیں ہوتے اور یہ دونوں سانپ اس قدر خوفناک ہوتے ہیں کہ ان کے ڈس لینے میں یا محض ان کی نظروں سے نظریں ملنے میں یہ تاثیر ہے کہ آدمی اندھا ہو جاتا ہے اور عورت کا حمل گر جاتا ہے۔ کیونکہ وہ دراصل جنات ہوتے ہیں۔ حدیث کا لفظ "جنان" جیم کے نیچے زیر اور پہلے نون پر شد کے ساتھ ہے۔

[1789] عَنْ أَبِي السَّائِبِ مَوْلَى هِشَامِ بْنِ زُهْرَةَ ، أَنَّهُ قَالَ : دَخَلْتُ عَلَى أَبِي سَعِيدٍ

ابوسائب رحمہ اللہ (عبداللہ بن سائب) جو ہشام بن زہرہ کے آزاد کردہ غلام ہیں، سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ: میں

[1787] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري ، كتاب بدء الخلق ، باب قول الله تعالى و بث فيها من كل دابة ، حديث: 3298، 3313، صحيح مسلم، كتاب السلام ، باب قتل الحيات وغيرها ، حديث : 2233، ابوداود : 5253، احمد: 430/3 (15631).

[1788] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري ، كتاب بدء الخلق ، باب خيرمال المسلم غنم ، حديث: 3308، 3309، صحيح مسلم، كتاب السلام ، باب قتل الحيات وغيرها ، حديث: 2232، نسائي: 2834، ابن ماجه: 3543، احمد: 49/6 (24723).

[1789] (مرفوع صحيح) صحيح مسلم ، كتاب السلام ، باب قتل الحيات وغيرها ، حديث: 2236، سنن ابى داود، كتاب الادب، باب فى قتل الحيات ، حديث: 5259، ترمذى: 1484، نسائى فى الكبرى : 8871، احمد: 41/3 (11389).

الْخُدْرِيَّ فَوَجَدْتُهُ يُصَلِّي فَجَلَسْتُ أَنْتَظِرُهُ حَتَّى قَضَى صَلَاتَهُ، فَسَمِعْتُ تَحْرِيكاً تَحْتَ سَرِيرٍ فِي بَيْتِهِ، فَإِذَا حَيَّةٌ، فَقُمْتُ لأَقْتُلَهَا، فَأَشَارَ إِلَيَّ أَبُو سَعِيدٍ أَنِ اجْلِسْ، فَلَمَّا انْصَرَفَ أَشَارَ إِلَى بَيْتٍ فِي الدَّارِ، فَقَالَ: أَتَرَى هَذَا الْبَيْتَ؟ فَقُلْتُ: نَعَمْ. قَالَ: إِنَّهُ قَدْ كَانَ فِيهِ فَتًى حَدِيثُ عَهْدٍ بِعُرْسٍ، فَخَرَجَ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ إِلَى الْخَنْدَقِ، فَبَيْنَا هُوَ بِهِ إِذْ أَتَاهُ الْفَتَى يَسْتَأْذِنُهُ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ ائْذَنْ لِي أُحْدِثْ بِأَهْلِي عَهْداً، فَأَذِنَ لَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَقَالَ: خُذْ عَلَيْكَ سِلَاحَكَ، فَإِنِّي أَخْشَى عَلَيْكَ بَنِي قُرَيْظَةَ. فَانْطَلَقَ الْفَتَى إِلَى أَهْلِهِ، فَوَجَدَ امْرَأَتَهُ قَائِمَةً بَيْنَ الْبَابَيْنِ، فَأَهْوَى إِلَيْهَا بِالرُّمْحِ لِيَطْعُنَهَا، وَأَدْرَكَتْهُ غَيْرَةٌ، فَقَالَتْ: لَا تَعْجَلْ حَتَّى تَدْخُلَ وَتَنْظُرَ مَا فِي بَيْتِكَ. فَدَخَلَ، فَإِذَا هُوَ بِحَيَّةٍ مُنْطَوِيَةٍ عَلَى فِرَاشِهِ، فَرَكَزَ فِيهَا رُمْحَهُ، ثُمَّ خَرَجَ بِهَا، فَنَصَبَهُ فِي الدَّارِ، فَاضْطَرَبَتِ الْحَيَّةُ فِي رَأْسِ الرُّمْحِ، وَخَرَّ الْفَتَى مَيِّتاً، فَمَا يُدْرَى أَيُّهُمَا كَانَ أَسْرَعَ مَوْتاً، الْفَتَى أَمِ الْحَيَّةُ، فَذُكِرَ ذَلِكَ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ: إِنَّ بِالْمَدِينَةِ جِنّاً قَدْ أَسْلَمُوا، فَإِذَا رَأَيْتُمْ مِنْهُمْ شَيْئاً فَآذِنُوهُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، فَإِنْ بَدَا لَكُمْ بَعْدَ ذَلِكَ فَاقْتُلُوهُ، فَإِنَّمَا هُوَ شَيْطَانٌ.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے پاس گیا، میں نے انھیں نماز پڑھتے ہوئے پایا تو میں بیٹھ گیا (اور) ان کا انتظار کرنے لگا کہ وہ اپنی نماز پوری کر لیں۔ (ابوسائب رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں: میں نے ان کے گھر میں ایک چارپائی کے نیچے کچھ حرکت سی سنی تو اچانک (وہاں) ایک سانپ (نظر آرہا) تھا۔ میں اٹھا تاکہ اسے قتل کروں کہ (اتنے میں) حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے (نماز ہی میں) مجھے اشارہ کیا کہ بیٹھا رہوں (اور اسے نہ ماروں)۔ پھر جب وہ (نماز سے) فارغ ہوئے تو انھوں نے (اپنے) محلے میں (موجود) ایک گھر کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: کیا تم اس گھر کو دیکھ رہے ہو؟ میں نے کہا کہ جی ہاں، تو وہ فرمانے لگے: بلاشبہ شان یہ ہے کہ اس گھر میں ایک نوجوان رہتا تھا جس کی نئی نئی شادی ہوئی تھی، وہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ خندق کی طرف نکلا۔ پھر اسی اثناء میں کہ آپ ﷺ اس (غزوۂ خندق کے موقع پر کھدائی وغیرہ) میں مصروف تھے کہ یکایک وہی نوجوان آپ ﷺ کے پاس آیا۔ وہ آپ ﷺ سے اجازت مانگ رہا تھا، کہنے لگا کہ: اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے اجازت مرحمت فرمائیے۔ میں اپنی اہلیہ سے ملاقات کو تازہ کر آؤں تو رسول اللہ ﷺ نے اسے اجازت عطا فرمادی، پھر فرمایا: ''اپنے اوپر اپنا اسلحہ لگا کر لے جانا (مسلح حالت میں جانا) کیونکہ یقیناً مجھے تم پر بنوقریظہ (کی طرف سے حملے) کا خطرہ ہے (کہ مدینہ میں چھپا ہوا یہ یہودی گروہ کہیں معاہدہ توڑ کر مسلمانان مدینہ کے قتل کے درپے نہ ہو جائے)۔ چنانچہ وہ نوجوان اپنے گھر والوں کی طرف چل پڑا۔ (جب وہ گھر کے پاس پہنچا) تو اس نے اپنی بیوی کو دونوں دروازوں (دروازے کے دونوں تختوں) کے درمیان کھڑی ہوئی پایا

تو (وہ مارے غیرت کے شدید غصے میں آ گیا اور) اس نے نیزہ اس (بیوی) کی طرف بڑھا دیا تا کہ اسے مارے۔ غیرت اس پر غلبہ پا چکی تھی کہ (اتنی دیر میں وہ بیوی جلدی سے) کہنے لگی: جلدی نہ کیجیے یہاں تک کہ گھر میں داخل ہو جائیے اور اس چیز کو دیکھ لیجیے جو گھر میں ہے۔ وہ اندر داخل ہوا تو اچانک ایک سانپ (دیکھا جو) کنڈلی مارے ہوئے اس (نوجوان) کے بستر پر (بیٹھا ہوا) تھا۔ چنانچہ اس نے اپنا نیزہ اس میں گاڑ دیا (اور اسے نیزے میں پرولیا) پھر وہ اسے لے کر باہر نکلا اور محلے میں اپنا نیزہ گاڑ دیا (لیکن ہوا یوں کہ اتنی دیر میں) نیزے کے سر پر سانپ تڑپا اور وہ نوجوان بھی (فوراً) مر کر گر پڑا (اور ساتھ ہی سانپ بھی ٹھنڈا ہو گیا) پھر پتا نہ چل سکا کہ ان دونوں میں سے کس نے مرنے میں زیادہ جلدی کی، نوجوان نے یا سانپ نے (یعنی وہ اکٹھے ہی گرے اور فوراً مر گئے)۔ پھر رسول اللہ ﷺ کے حضور اس (واقعے) کا تذکرہ کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''بلاشبہ مدینہ منورہ میں کچھ جنات ہیں جو مسلمان ہو چکے ہیں (اور سانپوں کی شکل میں ظاہر ہوتے رہتے ہیں، لگتا ہے کہ وہ سانپ کوئی جن تھا اور یہ نوجوان جن کے ہاتھوں مارا گیا ہے۔) لہٰذا جب تم ان میں سے کسی کو دیکھو تو اسے تین دن تک آگاہ کرتے رہو (کہ بھئی دوبارہ نہ آنا)، پھر اگر وہ اس کے بعد بھی تمھارے سامنے ظاہر ہو تو اسے قتل کر ڈالو، کیونکہ بلاشبہ وہ تو صرف اور صرف شیطان ہے (اور کافر ہے، مومن نہیں ہے)۔

فائدہ :......معلوم ہوا کہ یہ حکم مدینہ منورہ کے ساتھ خاص ہے کہ وہاں دو قسم کے سانپوں جن کا پیچھے بیان ہوا، کے علاوہ کسی بھی اور سانپ کو نہ مارا جائے گا، یہاں تک کہ اسے تین دن تک مہلت دے دی جائے۔ جمہور کے نزدیک زمین کے باقی خطوں کے لیے یہ حکم نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔ بعض کے نزدیک پوری زمین کے گھروں میں رہائش پذیر سانپوں کا یہی حکم ہے، البتہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ جنگلوں، صحراؤں، کھنڈرات، کھلی زمینوں اور فصلوں اور پانیوں میں رہنے والے سانپوں کو دیکھتے ہی فوراً مار دیا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ سانپوں کو مارنے کا حکم حرم مکہ اور حالت احرام میں بھی ہے۔ (مسلم : 75/1200) نیز فرمان نبوی ﷺ ہے کہ ''جو شخص سانپ کو اس ڈر سے نہ مارے کہ دوسرے سانپ اس کا انتقام لیں گے تو وہ ہم میں سے نہیں ہے۔'' (ابوداود : 5250۔ اس کی سند صحیح ہے) نیز فرمایا: ''جب سے ہماری ان (سانپوں) کے ساتھ جنگ شروع ہوئی ہے تب سے ہماری ان کے ساتھ صلح نہیں ہوئی۔'' (ابوداود : 5248، احمد: 247/4، 432، 520۔ اس کی سند حسن ہے۔) یعنی سانپ کبھی بھی انسان کا دوست نہیں بن سکتا۔ یہ بھی فرمانِ مصطفی ﷺ ہے: ''تمام سانپوں کو مار ڈالو، جو کوئی ان کے انتقام سے ڈر گیا وہ مجھ سے نہیں ہے۔'' (ابوداود : 5249، نسائی : 51/6۔ اس کی سند حسن لغیرہ ہے۔) تین دن مہلت دینے اور ان پر تنگی ڈالنے اور انھیں آگاہ کرنے کی صورت یہ ہے کہ ان کو دیکھ کر یہ کہا جائے کہ بھئی اگر تم مسلمان ہو تو آئندہ نہ آنا، ورنہ ہم تمھیں مار ڈالیں گے۔ الغرض ان تمام روایات کی روشنی میں راجح یہی ہے کہ سانپوں کو مہلت دینے کا حکم صرف اور صرف مدینہ منورہ کے ساتھ خاص ہے۔ واللہ اعلم

64- بَابُ مَا يُؤْمَرُ بِهِ مِنَ الْكَلَامِ فِي السَّفَرِ

اس دعا اور کلام کا بیان جو سفر میں کرنے کا حکم ہے

خلاصۃ الباب اس باب میں دو مرفوع روایات (احادیث نبویہ ﷺ) ہیں جو مسلم شریف میں بھی موجود ہیں۔

[1790] مَالِكٌ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ إِذَا وَضَعَ رِجْلَهُ فِي الْغَرْزِ، وَهُوَ يُرِيدُ السَّفَرَ يَقُولُ: بِاسْمِ اللّٰهِ، اللَّهُمَّ أَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ، وَالْخَلِيفَةُ فِي الْأَهْلِ، اللَّهُمَّ ازْوِ لَنَا الْأَرْضَ، وَهَوِّنْ عَلَيْنَا السَّفَرَ، اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ، وَمِنْ كَآبَةِ الْمُنْقَلَبِ، وَمِنْ سُوءِ الْمَنْظَرِ فِي الْمَالِ وَالْأَهْلِ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ جب رکاب (سواری پر چڑھنے کے لیے پائیدان) میں اپنا پاؤں مبارک رکھتے، اس وقت جب کہ آپ ﷺ سفر کا ارادہ فرماتے تو بِسْمِ اللّٰهِ پڑھ کر یہ دعا فرماتے: (اَللّٰهُمَّ أَنْتَ الصَّاحِبُ ......) سے آخر تک۔ (ترجمہ) ''اللہ کے نام کے ساتھ (آغاز سفر کرتا ہوں، اے اللہ! تو ہی سفر میں (میرا) ساتھی اور گھر والوں میں (میرا) خلیفہ ہے۔ اے اللہ! ہمارے لیے زمین کو سمیٹ دے (اور سفر جلدی طے کرا دے) اور ہم پر سفر کو آسان فرما دے۔ اے اللہ! بلاشبہ میں تیری پناہ میں آتا ہوں سفر کی مشقت سے واپس لوٹنے کے غم سے (کہ کوئی غم لے کر واپس لوٹوں)، اور مال اور گھر والوں میں برے منظر سے (کہ سفر کی وجہ سے مال یا گھر والوں میں کوئی نقصان اور بری صورتحال دیکھنی پڑے)۔

فائدہ :...... مسلم شریف میں کچھ مزید وضاحت یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سواری پر سیدھے ہو کر بیٹھ جاتے تو تین بار اللہ اکبر پڑھتے، پھر ﴿سُبْحٰنَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ وَإِنَّا إِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ﴾ (الزخرف 13:43، 14) پڑھتے پھر اوپر مذکور دعا پڑھتے لیکن اس روایت میں کچھ زائد الفاظ بھی ہیں۔ نیز واپسی کے موقع پر مذکورہ دعا کے ساتھ ملائے جانے والے الفاظ بھی مذکور ہیں۔ (مسلم: 1342) اسی طرح ایک بہت ہی پیاری دعا اور اس کا خاص طریقہ ترمذی شریف کی روایت میں ہے۔ (ترمذی: 3446۔ اس کی سند صحیح ہے) سفر کے دوران سحری کے وقت پڑھی جانے والی خاص دعا (مسلم: 2718) واپسی کے سفر میں ہر اونچائی اور ٹیلے وغیرہ پر پڑھے جانے والے الفاظ (بخاری: 1797، مسلم: 1344) کسی کو الوداع کرتے وقت کہے جانے والے کلمات (ابوداود: 2601، ترمذی: 3442، ابن ماجہ: 2826۔ ان کی سندیں صحیح ہیں)، مسافر کے لیے کچھ وصیتیں (ترمذی

[1790] (مرفوع صحيح) صحيح مسلم، كتاب الحج، باب استحباب الذكر اذا ركب دابة، حديث: 1342، سنن ابی داود، كتاب الجهاد، باب مايقول الرجل اذا سفر، حديث: 2599، ترمذی: 3447، نسائی فی الكبرى: 10382، احمد: 144/2 (6311)، دارمی: 2673۔

: 3445- اس کی سند صحیح ہے نیز دیکھیے ترمذی: 3444) اور گھر سے نکلنے کی دعائیں (ابوداود: 5094، ترمذی: 3427- ان کی سندیں صحیح ہیں) بھی ثابت ہیں۔

[1791] عَنْ خَوْلَةَ بِنْتِ حَكِيمٍ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَنْ نَزَلَ مَنْزِلاً فَلْيَقُلْ: أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ، فَإِنَّهُ لَنْ يَضُرَّهُ شَيْءٌ حَتَّى يَرْتَحِلَ.

سیدہ خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ یقیناً رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو کوئی شخص کسی بھی منزل پر پڑاؤ کرے تو اسے چاہیے کہ یہ کلمات کہے: (اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ) ''میں اللہ کے کامل کلمات کے ساتھ ہر اس چیز کے شر سے پناہ پکڑتا ہوں جو اس (اللہ) نے پیدا کی ہے۔'' تو بلاشبہ (اس منزل پر) اسے کوئی چیز ہرگز ضرر (نقصان) نہیں پہنچا سکے گی یہاں تک کہ وہ (وہاں سے) کوچ کر جائے۔''

65- بَابُ مَا جَاءَ فِي الْوَحْدَةِ فِي السَّفَرِ لِلرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ

مردوں اور عورتوں کے لیے تنہا سفر کرنے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں تین روایات (احادیث نبویہ ﷺ) ہیں جن میں سے دو سنداً صحیح ہیں اور ایک ضعیف ہے۔

[1792] عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: الرَّاكِبُ شَيْطَانٌ، وَالرَّاكِبَانِ شَيْطَانَانِ، وَالثَّلَاثَةُ رَكْبٌ.

عمرو بن شعیب رحمہ اللہ اپنے والد (شعیب بن محمد رحمہ اللہ) سے اور وہ اپنے دادا (حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اکیلا سوار ایک شیطان ہے اور دو سوار دو شیطان ہیں اور تین (افراد) قافلہ ہیں۔''

فائدہ: ......جنگی ضروریات کے لیے تنہا سفر کرنا، جاسوس کا اکیلے جانا، ہجرت کے لیے چھپ چھپ کر تنہا جانا اور اسی طرح کی کوئی اور شرعی مصلحت یا اہم مجبوری میں اکیلے سفر کرنا مستثنیٰ ہے اور بیشتر دلائل سے ثابت ہے۔ بہر حال اگر کوئی مجبوری اور ضروری حاجت نہ ہو تو پھر کم از کم تین افراد کو مل کر ہی سفر کرنا چاہیے تاکہ کھانا پکانا، پانی لانا، انسانی

[1791] (مرفوع صحيح) صحيح مسلم، كتاب الذكر والدعاء، باب فى التعوذ من سوء القضاء ودرك الشقاء حديث: 2708، جامع الترمذى، كتاب الدعوات، باب ماجاء مايقول اذا نزل منزلا، حديث: 3437، نسائى فى الكبرى: 10394، ابن ماجه: 3547، احمد: 377/6 (27663)، دارمى: 2680.

[1792] (مرفوع حسن صحيح) سنن ابى داود، كتاب الجهاد باب فى الرجل يسافر وحده، حديث: 2607، جامع الترمذى، كتاب الجهاد، باب ما جاء فى كراهية ان يسافر الرجل وحده، حديث: 1674، نسائى فى الكبرى: 8849، احمد: 186/2 (6748)۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔

حاجت کو جانا، پہرہ دینا، دو کی لڑائی ہو تو تیسرے کا صلح کرانا، ایک بیمار ہو تو دوسرے کا خبر گیری کرنا اور تیسرے کا علاج کے لیے کہیں سے تدبیر کرنا وغیرہ، جیسے امور بآسانی پورے کیے جا سکیں۔ نیز ایک دوسرے کی موجودگی کا احساس اور حیا انھیں شیطانی کاموں سے بچائے رکھتی ہے۔ اکیلے مسافر کو شیطان کے ساتھ تشبیہ اس لیے دی گئی ہے کہ وہ شیطان کی طرح بہت سی خیر و برکت سے محروم رہتا ہے، شیطان کی طرح خود کو آزمائشوں اور فتنوں کا نشانہ بنالیتا ہے۔ نیز شیطان اس پر بآسانی غلبہ پا کر اس سے کئی ایک شیطانی کام اور گناہ کروا سکتا ہے۔ دو آدمیوں کو دو شیطانوں کے ساتھ تشبیہ اس لیے دی گئی ہے کہ سفر کے متعلق حکم پیغمبر سے وہ دونوں معصیت کا ارتکاب کرتے ہیں اور وہ دونوں بھی کئی قسم کی خیر و برکت سے محروم رہتے ہیں، نیز کسی اور کے موجود نہ ہونے کا احساس انھیں شیطانی امور پر آمادہ کر سکتا ہے۔

[1793] عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: الشَّيْطَانُ يَهُمُّ بِالْوَاحِدِ وَالاثْنَيْنِ، فَإِذَا كَانُوا ثَلَاثَةً لَمْ يَهُمَّ بِهِمْ.

سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے روایت ہے، وہ کہا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”شیطان ایک آدمی اور دو آدمیوں کے ساتھ (مختلف طریقوں سے حملہ آور ہونے کا) قصد کرتا ہے، ہاں جب وہ تین ہوں تو پھر وہ ان کا قصد نہیں کرتا۔“

[1794] عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، تُسَافِرُ مَسِيرَةَ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ، إِلَّا مَعَ ذِي مَحْرَمٍ مِنْهَا.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کوئی ایسی عورت جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہے، اس کے لیے حلال نہیں کہ وہ (اکیلی) ایک دن اور ایک رات کا سفر کرے مگر اپنے محرم کے ساتھ (اتنا لمبا سفر کر سکتی ہے)۔“

فائدہ: ......بعض روایات میں تین دن یا تین رات کا تذکرہ ہے۔ (بخاری: 1086، مسلم: 1338) بعض میں تین سے زیادہ کا تذکرہ ہے۔ (مسلم: 418/827 بعد از 1338) بعض میں تین یا تین سے زیادہ کا ذکر ہے۔ (مسلم: 1340) بعض میں دو دن کا بیان ہے۔ (مسلم: 415/827، 416 بعد از 1338) بعض میں ایک دن اور ایک رات کا ذکر ہے۔ (بخاری: 1088، مسلم: 421/1339) بعض میں صرف ایک رات کا ذکر ہے۔ (مسلم: 419/1339) بعض میں صرف ایک دن کا تذکرہ ہے۔ (مسلم: 420/1339) معلوم یہ ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ

[1793] (مرفوع ضعیف) بیہقی: 257/5، بزار: 277/2 (1698)، التمهيد لابن عبدالبر: 8/20۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

[1794] (مرفوع صحیح) صحيح البخاري، كتاب التقصير، باب في كم يقصر الصلاة، حديث: 1088، صحيح مسلم، كتاب الحج، باب سفر المراة مع محرم الى حج وغيره، حديث: 421/1339، ابوداود: 1724، ترمذی: 1170۔

نے ہر سائل کو اس کے سوال کے مطابق جواب دیا ورنہ ہر وہ سفر جسے سفر کہا جاسکتا ہے وہ بغیر محرم یا بغیر خاوند کے عورت کے لیے ناجائز ہے۔ چنانچہ ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے مطلق سفر کا نام لیا یعنی بغیر کسی حد بندی کے یہ فرمایا کہ عورت بغیر محرم کے ہرگز سفر نہ کرے۔ (بخاری: 1862، مسلم: 1341) امام نخعی رحمہ اللہ، شعبی رحمہ اللہ، طاؤس رحمہ اللہ، ابن تیمیہ رحمہ اللہ، اہل ظاہر اور بہت سے محققین اہل حدیث کا یہی مؤقف ہے...... یاد رہے کہ اگر حالات پرامن ہوں اور اوباشوں کا خطرہ نہ ہو تو عورت قریب کی مسجد، اپنے باغ، کھیت، بازار یا تعلیمی ادارے وغیرہ میں جاسکتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

66- بَابُ مَا يُؤْمَرُ بِهِ مِنَ الْعَمَلِ فِي السَّفَرِ

اُن اعمال کا بیان جنھیں سفر میں کرنے کا حکم ہے

خلاصۃ الباب اس باب میں دو مرفوع روایات یعنی احادیث نبویہ ﷺ ہیں جو سنداً صحیح ہیں۔

[1795] عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ يَرْفَعُهُ: إِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى رَفِيقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ، وَيَرْضَى بِهِ، وَيُعِينُ عَلَيْهِ مَا لَا يُعِينُ عَلَى الْعُنْفِ، فَإِذَا رَكِبْتُمْ هَذِهِ الدَّوَابَّ الْعُجْمَ، فَأَنْزِلُوهَا مَنَازِلَهَا، فَإِنْ كَانَتِ الْأَرْضُ جَدْبَةً فَانْجُوا عَلَيْهَا بِنِقْيِهَا، وَعَلَيْكُمْ بِسَيْرِ اللَّيْلِ، فَإِنَّ الْأَرْضَ تُطْوَى بِاللَّيْلِ مَا لَا تُطْوَى بِالنَّهَارِ، وَإِيَّاكُمْ وَالتَّعْرِيسَ عَلَى الطَّرِيقِ، فَإِنَّهَا طُرُقُ الدَّوَابِّ، وَمَأْوَى الْحَيَّاتِ.

خالد بن معدان رحمہ اللہ سے روایت ہے، وہ اسے مرفوع (یعنی رسول اللہ ﷺ سے) بیان کرتے ہیں کہ بلاشبہ اللہ تبارک وتعالیٰ نرم خو ہیں اور نرم روی کو پسند کرتے ہیں، اس سے راضی ہوتے ہیں اور اس پر (نرمی اختیار کرنے میں) ایسی مدد فرماتے ہیں کہ سختی کرنے پر وہ ایسی مدد نہیں کرتے۔ جب تم ان بے زبان جانوروں پر سواری کرو تو انھیں ان کے پڑاؤ کی جگہوں پر اتارا کرو (جو جگہیں عموماً ان کے آرام کے لیے تیار کی گئی ہوں، وہاں انھیں آرام کا موقع دیا کرو اور کھلاتے پلاتے رہا کرو)، پھر اگر زمین قحط زدہ ہو تو ان کی مخ (بچاتے ہوئے) ان پر جلدی کیا کرو (قحط زدہ اور بے آب و گیاہ علاقے سے جلدی جلدی گزر جاؤ، وہاں اتنا وقت نہ لگاؤ کہ جانوروں کی چربی اور مخ ہی ختم ہو جائے کیونکہ جب کھانے پینے کو نہیں ملتا تو یہی چربی وغیرہ توانائی میں استعمال ہونے لگتی ہے اور اگر یہ بھی ختم ہو جائے تو جانور بھی مر جائیں گے اور پھر تمھاری جان کے بھی لالے پڑ جائیں گے) اور رات کے سفر کو لازم پکڑو کیونکہ بلاشبہ زمین رات کے وقت لپیٹ دی جاتی ہے۔ جو کہ دن کے وقت نہیں لپیٹی جاتی اور راستے کے بیچ میں رات کے وقت پڑاؤ ڈالنے سے بچو کیونکہ بلاشبہ وہ (راہیں رات کے وقت) جانوروں کی گزرگاہیں اور

[1795] (مرفوع صحیح لغیرہ) عبدالرزاق: 163/5 (9251)، ابن ابی شیبہ: 25301، سعید بن منصور: 2620- شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو صحیح لغیرہ قرار دیا ہے۔

سانپوں کے پناہ پکڑنے کی جگہیں ہوتی ہیں۔

فائدہ :......یعنی رات کے وقت سانپ بلوں سے نکل کر راستوں میں آ کر لیٹ جاتے ہیں اور دوسرے جانور بھی انھیں راستوں کو رات کے وقت آمدورفت کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ رات کے وقت زمین کا لپیٹا جانا حقیقت پر مبنی بھی ہوسکتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ لفظ مجازاً تشبیہ کے لیے استعمال کیا گیا ہو کہ رات کے وقت رش اور بھیڑ کم ہونے نیز فضا، ماحول اور راستوں کے پرسکون ہونے کی وجہ سے سفر ایسے ہی جلدی طے پا جاتا ہے کہ گویا زمین لپیٹ کر منزل مقصود کو قریب کر دیا گیا ہو......(فَانْجُوْا عَلَيْهَا بِنِقْيِهَا) میں پہلا لفظ نجات سے ماخوذ ہے اور ہندی نسخوں میں غلطی سے نون کی بجائے لام کے ساتھ چھپ گیا ہے۔ لفظی معنی یہ ہیں کہ تم ان جانوروں پر (سفر کے ذریعے) نجات پالو یعنی اگر قحط زدہ علاقے کے سفر میں یہ جانور مر گئے تو تم بھی مر جاؤ گے کیونکہ تم خود بغیر سواری کے کس طرح سفر کر سکو گے۔ اس لیے جانوروں کو بھی بچاؤ اور خود بھی نجات پاؤ۔ الغرض "فَانْجُوْا" کے معنی "نجات پاؤ" ہیں اور مفہوم "جلدی کرو" ہے جیسا کہ مؤطا کے بعض نسخوں میں یہاں "فَاَسْرِعُوْا" کا لفظ ہے جس کے معنی ہی یہ ہیں کہ جلدی کرو۔ اور "بِنِقْيِهَا" کے لفظ سے یہ سمجھا دیا کہ یہ جلدی کس طرح ممکن ہے کہ ان کی چربی اور مخ ختم ہونے سے پہلے پہلے یہ قحط زدہ علاقہ عبور کرلو۔ گویا فرق سمجھایا جا رہا ہے کہ سبزے والے علاقے میں تھوڑی تھوڑی دیر بعد وقفہ کر کے جانوروں کو چرنے اور آرام کا موقع دو، خواہ زیادہ وقت لگ جائے لیکن بنجر علاقے میں وقفے کم کرو تا کہ یہ علاقہ جلدی عبور ہو جائے۔

[1796] عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ :السَّفَرُ قِطْعَةٌ مِنَ الْعَذَابِ ، يَمْنَعُ أَحَدَكُمْ نَوْمَهُ, وَطَعَامَهُ وَشَرَابَهُ ، فَإِذَا قَضَى أَحَدُكُمْ نَهْمَتَهُ مِنْ وَجْهِهِ ، فَلْيُعَجِّلْ إِلَى أَهْلِهِ .

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے۔ تم میں سے (ہر) کسی کو اپنے سونے، اپنے کھانے اور اپنے پینے سے روک دیتا ہے۔ لہٰذا جب تم میں سے کوئی اپنی جہت (جدھر سفر کے لیے گیا ہو) سے اپنی حاجت (اور مقصد) کو پورا کر لے تو اپنے گھر والوں کی طرف جلد (لوٹ) آئے۔"

فائدہ :......سفر مختلف قسم کی صعوبتوں اور دقتوں سے بھرپور ہوتا ہے۔ اگر مزید کچھ نہ بھی ہو تو صرف کھانے پینے اور سونے کا معمول اور روٹین خراب ہونا بھی کسی عذاب سے کم نہیں۔

[1796] (مرفوع صحيح) صحيح البخارى ، كتاب العمرة ، باب السفر قطعة من العذاب ، حديث : 1804، 3001، 5429، صحيح مسلم كتاب الامارة ، باب السفر قطعة من العذاب ، حديث : 1927، ابن ماجه: 2882، احمد: 236/2 (7224)، دارمى: 2670.

67- بَابٌ: اَلْاَمْرُ بِالرِّفْقِ بِالْمَمْلُوكِ

غلام لونڈی کے ساتھ نرمی کرنے کا حکم

خلاصۃ الباب اس باب میں تین روایات ہیں ایک مرفوع (حدیث نبوی ﷺ) ہے جو مسلم شریف میں بھی موجود ہے اور دو موقوف (آثار صحابہ رضی اللہ عنہم) ہیں، جن میں سے ایک سنداً صحیح ہے اور ایک ضعیف ہے۔

[1797] اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: لِلْمَمْلُوكِ طَعَامُهُ وَكِسْوَتُهُ بِالْمَعْرُوفِ، وَلَا يُكَلَّفُ مِنَ الْعَمَلِ إِلَّا مَا يُطِيقُ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”غلام کے لیے اس کا کھانا اور کپڑے پہنانا معروف طریقے کے مطابق (مالک کے ذمے) ہے اور اسے کسی کام کی تکلیف نہ دی جائے مگر صرف اس کی کہ جس کی وہ طاقت رکھتا ہو۔“

[1798] مَالِكٌ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَانَ يَذْهَبُ إِلَى الْعَوَالِي كُلَّ يَوْمِ سَبْتٍ، فَإِذَا وَجَدَ عَبْداً فِي عَمَلٍ لَا يُطِيقُهُ، وَضَعَ عَنْهُ مِنْهُ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ بیشک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہر ہفتے کے دن عوالی (مدینہ منورہ کے بالائی حصوں کی بستیوں) کی طرف جاتے تھے۔ چنانچہ جب وہ کسی غلام کو کسی ایسے کام میں پاتے جس کی وہ طاقت نہ پارہا ہوتا تو اس (غلام) سے اس (کام) میں کچھ تخفیف کر دیتے۔

[1799] مَالِكٌ، عَنْ عَمِّهِ أَبِي سُهَيْلِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ سَمِعَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ وَهُوَ يَخْطُبُ وَهُوَ يَقُولُ : لَا تُكَلِّفُوا الْأَمَةَ غَيْرَ ذَاتِ الصَّنْعَةِ الْكَسْبَ، فَإِنَّكُمْ مَتَى كَلَّفْتُمُوهَا ذَلِكَ كَسَبَتْ بِفَرْجِهَا، وَلَا تُكَلِّفُوا

امام مالک رحمہ اللہ اپنے چچا ابو سہیل بن مالک رحمہ اللہ سے اور وہ اپنے والد (مالک بن ابی عامر اصبحی رحمہ اللہ) سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو سنا، اس حال میں کہ وہ خطبہ دے رہے تھے اور فرما رہے تھے: وہ لونڈی جو کسی کاریگری (اور ہنر کو جاننے) والی نہ ہو، اسے

[1797] (مرفوع صحیح) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب اطعام المملوك مما یاکل، حدیث: 1662، بخاری فی الادب المفرد: 192، احمد: 247/2 (7358).

[1798] (موقوف ضعیف) بیهقی فی شعب الایمان: 379/6 (8590)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔

[1799] (موقوف صحیح) بیهقی فی السنن الکبری: 9/8 (15785)، فی الصغیر: 197/3 (2916)، وفی المعرفة: 129/6 (4781)، الشافعی فی الام: 103/5، طحاوی فی مشکل الآثار: 483/4 (2886)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

الصَّغِيرَ الْكَسْبَ ، فَإِنَّهُ إِذَا لَمْ يَجِدْ سَرَقَ ، وَعِفُّوا إِذْ أَعَفَّكُمُ اللَّهُ ، وَعَلَيْكُمْ مِنَ الْمَطَاعِمِ بِمَا طَابَ مِنْهَا .

کمائی کا پابند نہ کرو(کچھ کما کرلانے پر مجبور نہ کرو) کیونکہ بلاشبہ جب بھی تم اسے اس(کمائی) کا پابند کرو گے، وہ اپنی شرمگاہ سے (عزت کو بیچ کر یعنی زنا کے ذریعے) کمائی کرے گی ، اور نہ ہی تم چھوٹے بچے کو کما کر لانے پر مجبور کرو کیونکہ یقیناً وہ جب کچھ نہ پائے گا تو چوری کرے گا۔ اور تم عفت اختیار کرو(ایسی لونڈی اور غلام بچے کو مجبور کرنے اور ان پر مشقت ڈالنے سے بچتے رہو) جس وقت کہ اللہ نے تمہیں (وسعتِ رزق عطا فرما کر ہاتھ پھیلانے اور مانگنے سے) عفت و پاکدامنی عطا فرمائی ہو اور تم انھی کھانوں کو لازم پکڑو جو ان میں سے حلال اور پاکیزہ ہیں (یعنی صرف حلال کمائی کی جستجو کرو اور حلال ہی استعمال کرو)۔

68- بَابُ مَاجَاءَ فِي الْمَمْلُوكِ وَهِبَتِهِ

غلام لونڈی کا اور ان کے ہبہ کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں دو روایات ہیں۔ ایک مرفوع (حدیث نبوی ﷺ) ہے جو کہ بخاری و مسلم میں بھی ہے اور ایک موقوف (اثر صحابی رضی اللہ عنہ) ہے جو کہ ضعیف ہے۔

فائدہ :...... ہندی اور بعض عربی و مصری نسخوں میں یہ لفظ اسی طرح باء کے ساتھ "هِبَتِه" ہے، لیکن یہ غلط ہے اصل لفظ "هَيْئَتِهِ" ہے جیسا کہ بعض عربی نسخوں میں ہے اور اس کے معنی ہیئت و حالت اور صورت کے ہیں۔

[1800] عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا نَصَحَ لِسَيِّدِهِ ، وَأَحْسَنَ عِبَادَةَ اللّٰهِ ، فَلَهُ أَجْرُهُ مَرَّتَيْنِ .

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:" غلام جب اپنے (عارضی مالک دنیوی) آقا کی خیر خواہی کرے اور (اپنے حقیقی مالک) اللہ کی عبادت اچھے طریقے سے کرے تو اس کے لیے دو بار (یعنی دوہرا) اجر ہے۔"

[1801] مَالِكٌ ، أَنَّهُ بَلَغَهُ ، أَنَّ أَمَةً كَانَتْ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ ، رَآهَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَقَدْ تَهَيَّأَتْ بِهَيْئَةِ الْحَرَائِرِ ،

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ بے شک حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کی ایک لونڈی تھی ۔(ان کے والد) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسے اس حال میں دیکھا کہ

[1800] (مرفوع صحيح)صحيح البخاري ، كتاب العتق ، باب العبد اذا احسن عبادة ربه ، حديث: 2546، 2550، صحيح مسلم ، كتاب الايمان ، باب ثواب العبد واجره اذا نصح ، حديث : 1664، ابوداود : 5169- احمد : 18/2 (4673) .

[1801] (موقوف ضعیف)عبدالرزاق : 5062- شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔

فَدَخَلَ عَلَى ابْنَتِهِ حَفْصَةَ فَقَالَ : أَلَمْ أَرَ جَارِيَةَ أَخِيكِ تَجُوسُ النَّاسَ ، وَقَدْ تَهَيَّأَتْ بِهَيْئَةِ الْحَرَائِرِ ، وَأَنْكَرَ ذَلِكَ عُمَرُ .

وہ آزاد عورتوں کی ہیئت وصورت کو اختیار کیے ہوئے ہے تو وہ اپنی بیٹی (ام المومنین) سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور فرمایا: کیا میں نے تمھارے بھائی (عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) کی لونڈی کو اس حال میں نہیں دیکھا کہ وہ لوگوں میں خلط ملط ہو کر پھرتی ہے اور اس نے آزاد عورتوں جیسی ہیئت (اور وضع قطع) بنا رکھی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو برا جانا۔

فائدہ :...... آزاد عورت اور لونڈی میں اہم ترین فرق یہ بھی ہے کہ لونڈی اپنا چہرہ نہیں ڈھانپ سکتی۔ حجاب صرف آزاد عورتوں کے ساتھ خاص ہے۔

69- بَابُ مَاجَاءَ فِي الْبَيْعَةِ

بیعت کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں تین روایات ہیں۔ دو مرفوع (احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں اور ایک موقوف (اثر صحابی رضی اللہ عنہ) ہے اور سب سنداً صحیح ہیں۔

فائدہ :...... "بَيْعَت" اطاعت وفرمانبرداری کے عہد و پیمان کو کہتے ہیں۔ بیعت کی دو قسمیں ہیں: بیعت کبریٰ اور بیعت صغریٰ۔ بیعت کبریٰ صرف اور صرف خلیفۃ المسلمین یا امیر المؤمنین کے لیے ہوتی ہے۔ خلیفہ پوری امت کے اتحاد کی علامت ہوتا ہے، اس کی خلافت کی بیعت کے بغیر آدمی جاہلیت جیسی صورتحال پر شمار ہوتا ہے کیونکہ دور جاہلیت بھی باہمی افتراق وانتشار اور عدم اطاعت کا دور تھا۔ ایک خلیفہ کی موجودگی میں دوسرے خلیفہ کی بیعت حرام اور اس کی سزا قتل ہے۔ خلیفہ کی انسانی کمزوریوں، گناہوں، حتیٰ کہ کبائر کے ارتکاب کے باوجود اس کی بیعت توڑنا جائز نہیں، الّا یہ کہ وہ واضح کفر کا ارتکاب کرے۔ رہا خلیفہ کے تعین کا مسئلہ تو وہ باہمی مشاورت سے بھی ہوسکتا ہے، جیسا کہ سیدنا ابوبکر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہما خلیفہ بنے اور پہلے خلیفہ کی وصیت کے ساتھ بھی ہوسکتا ہے، جیسے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے جنھیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نامزد کر گئے تھے، خلیفہ کے لیے قریشی خاندان سے ہونا ضروری ہے۔ فقہاء کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص زبردستی مسندِ خلافت پر قبضہ کر لے اور شریعت نافذ کردے خواہ وہ کسی بھی نسل سے ہو تو اس طریقے سے بھی خلافت قائم ہوسکتی ہے، جس کی ماتحتی ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اسلام میں تیرہ سو سے زائد سال تک کسی نہ کسی طرح سلسلہ خلافت قائم رہا اور اس کے رعب سے کفر لرزتا رہا۔ بالآخر پہلی جنگ عظیم کے بعد کفار وطاغوت نے اس کا مکمل خاتمہ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو حقیقی خلافت علی منهاج النبوة سے جلد از جلد سرفراز فرمائے۔ بیعت کبریٰ کا طریقہ یہ ہے کہ خلیفہ کے ہاتھ پر یا جس کے متعلق خلیفہ اجازت دے اس کے ہاتھ پر، یا خلیفہ کی طرف خط لکھ کر یا حالات کے پیش نظر جو طریقہ بھی متعین ہو حتیٰ کہ اگر کوئی بھی صورت نہ ہو تو اپنے ایک ہاتھ پر دوسرا ہاتھ رکھ کر یا محض

زبان سے بول کر خلیفہ کے لیے سمع و طاعت کا عہد کیا جائے، یعنی یہ کہا جائے کہ میں ہر حالت میں اپنی استطاعت کے مطابق شریعت کی روشنی میں خلیفہ کے لیے سمع وطاعت یعنی اس کی بات ماننے اور فرمانبرداری کرنے کا عہد کرتا ہوں۔ عربی زبان میں مندرجہ ذیل الفاظ زبان سے ادا کیے جاسکتے ہیں، جو مختلف احادیث مبارکہ سے ماخوذ ہیں:(نُعْلِنُ بَيْعَةَ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ......الْقُرَيْشِيِّ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ وَالْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ وَ عَلٰى اَثَرَةٍ عَلَيْنَا وَ عَلٰى اَنْ لَّا نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَهْلَهٗ اِلَّا اَنْ نَرٰى كُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَنَا مِنَ اللّٰهِ فِيْهِ بُرْهَانٌ وَ عَلٰى اَنْ نَّقُوْلَ بِالْحَقِّ اَيْنَ مَا كُنَّا ، لَا نَخَافُ فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ وَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ شَهِيْدٌ) ”ہم امیر المؤمنین ....قریشی ﷾ کی بیعت کا اعلان کرتے ہیں، بات سننے اور اطاعت کرنے پر، تنگی و آسانی میں اور خوشی و ناخوشی میں، اور اپنے اوپر ترجیح دیے جانے کے باوجود (بھی اطاعت کریں گے) اور اس بات پر کہ ہم خلافت کا معاملہ اس کے اہل سے نہیں چھینیں گے، الا یہ کہ ہم ایسا واضح کفر دیکھ لیں جس کے متعلق ہمارے پاس اللہ کی طرف سے واضح دلیل موجود ہو۔ اس بات پر (بیعت کرتے ہیں) کہ ہم جہاں بھی ہوں گے، حق بات ہی کہیں گے، اللہ کے متعلق ہم کسی ملامت گر کی ملامت سے نہ ڈریں گے اور ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں اس پر اللہ گواہ ہے۔“ (دیکھیے بخاری : 7056، 7199، 7200، مسلم : 1709، بعداز : 1840) نیز (السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ) کے بعد یہ الفاظ بھی کہے جاسکتے ہیں: (فِيْمَا نُحِبُّ وَ نَكْرَهُ مَالَمْ نُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ) ”ہر اس چیز میں جسے ہم پسند کریں یا ناپسند جانیں، جب تک کہ ہمیں معصیت کا حکم نہ دیا جائے۔“ (دیکھیے بخاری : 7144) اور یہ بھی ساتھ ہی کہہ دیا جائے: (فِيْمَا اسْتَطَعْنَا) ”اپنی استطاعت کے مطابق۔“ (دیکھیے بخاری : 7202، مسلم: 1867) بیعت صغریٰ سے مراد پہلی بیان شدہ بیعت کے علاوہ ہر قسم کی بیعت ہے جو کسی بھی نیک شخص کے ہاتھ پر کسی بھی نیک مقصد کے لیے کی جاتی ہے مثلاً ایمان، اسلام، ہجرت، جہاد، شہادت تک ڈٹے رہنا، میدان جنگ سے نہ بھاگنا، ہر مسلمان کی خیر خواہی، تزکیہ نفس، کسی خاص نیک کام کی پابندی، کسی خاص گناہ سے اجتناب، کسی کبیرہ گناہ سے دوری وغیرہ۔ بیعت کی اہمیت کے حوالے سے یہ فرمان نبوی ﷺ بہت اہم ہے۔ (مَنْ مَاتَ وَ لَيْسَ فِيْ عُنُقِهٖ بَيْعَةٌ مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً) ”جو شخص اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں کوئی بیعت نہ ہو تو وہ جاہلیت والی موت مرا۔“ (مسلم: 1851)

[1802] عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ حضرت عبداللہ بن عمر ﷠ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ ہم

[1802] (مرفوع صحيح) صحيح مسلم ، كتاب الامارة ، باب البيعة على السمع والطاعة فيما استطاع ، حديث: 1867 ، سنن ابى داود ، كتاب الخراج ، باب ماجاء فى البيعة ، حديث: 2940، ترمذى: 1593 ، نسائى: 4192، احمد: 9/2 (4565).

بْنَ عُمَرَ قَالَ: كُنَّا إِذَا بَايَعْنَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، يَقُولُ لَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: فِيمَا اسْتَطَعْتُمْ.

جب رسول اللہ ﷺ کی سمع و طاعت (بات سننے اور حکم کی تعمیل کرنے کے عہد) پر بیعت کرتے تو رسول اللہ ﷺ ہم سے فرماتے: ''تمھاری طاقت کے مطابق۔''

فائدہ: ...... یعنی آپ ﷺ ہمیں سمجھاتے کہ اپنے عہد میں یہ بات بھی شامل کرلو کہ ہم اپنی وسعت و استطاعت کے مطابق ہی سمع وطاعت کریں گے۔

[1803] عَنْ أُمَيْمَةَ بِنْتِ رُقَيْقَةَ، أَنَّهَا قَالَتْ: أَتَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فِي نِسْوَةٍ بَايَعْنَهُ عَلَى الْإِسْلَامِ، فَقُلْنَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ نُبَايِعُكَ عَلَى أَنْ لَا نُشْرِكَ بِاللّٰهِ شَيْئًا، وَلَا نَسْرِقَ، وَلَا نَزْنِيَ، وَلَا نَقْتُلَ أَوْلَادَنَا، وَلَا نَأْتِيَ بِبُهْتَانٍ نَفْتَرِيهِ بَيْنَ أَيْدِينَا وَأَرْجُلِنَا، وَلَا نَعْصِيَكَ فِي مَعْرُوفٍ. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: فِيمَا اسْتَطَعْتُنَّ وَأَطَقْتُنَّ. قَالَتْ: فَقُلْنَ: اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَرْحَمُ بِنَا مِنْ أَنْفُسِنَا، هَلُمَّ نُبَايِعْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: إِنِّي لَا أُصَافِحُ النِّسَاءَ، إِنَّمَا قَوْلِي لِمِئَةِ امْرَأَةٍ، كَقَوْلِي لِامْرَأَةٍ وَاحِدَةٍ، أَوْ مِثْلِ قَوْلِي لِامْرَأَةٍ وَاحِدَةٍ.

حضرت امیمہ بنت رقیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، کہتی ہیں کہ میں کچھ عورتوں میں (شامل ہوکر) رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی جو اسلام پر آپ ﷺ سے بیعت کرنا چاہتی تھیں۔ وہ سب آپ ﷺ سے عرض کرنے لگیں کہ: اے اللہ کے رسول! ہم آپ ﷺ سے اس بات پر بیعت کرتی ہیں کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں گی، نہ ہم چوری کریں گی، نہ زنا کریں گی، نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی، نہ (کسی پر) کوئی ایسا بہتان لگائیں گی جسے ہم اپنے ہاتھوں اور اپنے پاؤں کے درمیان سے گھڑتی ہوں (اور خود اپنی طرف سے بنالیتی ہوں) اور نہ ہی ہم کسی بھی نیکی کے کام میں آپ کی نافرمانی کریں گی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس قدر کہ جو تم استطاعت رکھتی ہو۔'' حضرت امیمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ وہ (صحابیات) کہنے لگی: اللہ اور اس کے رسول ہم سے بڑھ کر ہمارے ساتھ رحم (اور شفقت و مہربانی) فرمانے والے ہیں۔ اے اللہ کے رسول! (اپنا ہاتھ) لایئے (تاکہ) ہم آپ سے بیعت کرلیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یقیناً میں عورتوں سے ہاتھ نہیں ملایا کرتا۔ بلاشبہ ایک صد عورتوں سے میرا کلام کر لینا ایسے ہی ہے جیسے میں ایک عورت سے کلام کرلوں۔''

فائدہ: ...... یعنی عورتیں مرد کے ساتھ زبانی بیعت پر ہی اکتفا کریں گی۔ غیر محرم عورت کے ساتھ مرد کا ہاتھ

[1803] (مرفوع صحيح) جامع الترمذي، كتاب السير، باب ماجاء في بيعة النساء، حديث: 1597، سنن النسائي، كتاب البيعة، باب البيعة فيما يستطيع الانسان، حديث: 4195، ابن ماجه: 2874، احمد: 357/6 (27548)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

ملانا حرام ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: رسول اللہ ﷺ عورتوں سے محض زبانی کلامی بیعت لیا کرتے تھے۔ نیز اجنبی عورتوں کے ساتھ خلوت اختیار کرنا بھی ممنوع ہے۔ یاد رہے کہ رسول اللہ ﷺ امت کی عورتوں کے لیے بھی باپ کی حیثیت رکھتے ہیں لیکن پھر بھی آپ ﷺ نے کسی غیر محرم عورت کے ساتھ ہاتھ نہیں ملایا۔ (دیکھیے بخاری: 5288، 7214، مسلم: 1866) البتہ حافظ ابن حجر اور ابن عبدالبر وغیرہ نے بعض روایات ذکر کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر کپڑا ہوتا اور عورتیں کپڑے پر ہاتھ رکھ دیتیں۔ (زرقانی: 442/4) مذکورہ بالا روایت میں جن امور پر عورتوں کی بیعت کا تذکرہ ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بھی ان کا ذکر فرمایا ہے۔ سورۂ ممتحنہ (60)، آیت 12۔

[1804] عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَتَبَ إِلَى عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ مَرْوَانَ يُبَايِعُهُ ، فَكَتَبَ إِلَيْهِ : بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ . أَمَّا بَعْدُ ، لِعَبْدِ اللّٰهِ عَبْدِ الْمَلِكِ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ ، سَلَامٌ عَلَيْكَ ، فَإِنِّي أَحْمَدُ إِلَيْكَ اللّٰهَ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ، وَأُقِرُّ لَكَ بِالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ ، عَلَى سُنَّةِ اللّٰهِ وَسُنَّةِ رَسُولِهِ ، فِيمَا اسْتَطَعْتُ .

عبداللہ بن دینار رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے (حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی شہادت کے بعد جب تمام سلطنت اسلامیہ امیر شام کی طرف منتقل ہوگئی تو خلیفہ وقت) عبدالملک بن مروان رحمہ اللہ کی طرف (ایک بیعت نامہ) لکھا (جس میں) وہ ان سے بیعت کررہے تھے۔ چنانچہ انھوں نے لکھا: بسم اللہ الرحمن الرحیم، اَمَّا بَعْدُ! (یہ بیعت نامہ) امیر المومنین عبدالملک بن مروان رحمہ اللہ کے نام سے، آپ پر سلامتی نازل ہو۔ یقیناً میں آپ کے روبرو اس اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے اور میں اللہ کی سنت (حکم) کے مطابق اور اس کے رسول کی سنت (ہدایت) کے موافق، اپنی استطاعت کے مطابق آپ کے لیے (آپ کی بات) سننے اور اطاعت کرنے کا اقرار کرتا ہوں۔

70- بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ الْكَلَامِ

ناپسندیدہ کلام کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں چار روایات ہیں۔ تین مرفوع (احادیث نبویہ ﷺ) ہیں جو کہ بخاری و مسلم میں بھی ہیں اور ایک مقطوع (اثر تابعی رحمہ اللہ) ہے اور وہ بھی صحیح ہے۔

فائدہ: ......اس باب میں کچھ خاص ممنوع الفاظ وغیرہ بیان ہو رہے ہیں جبکہ عام گفتگو میں احتیاط اور کلام کے اچھے یا برے نتائج کی اہمیت آئندہ باب میں مذکور ہے۔

[1804] (موقوف صحیح) صحیح البخاری، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، حديث: 7272، 7203، 7205، الادب المفرد: 628/2، بیہقی: 147/8 (16564).

[1805] عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : مَنْ قَالَ لأَخِيهِ يَا كَافِرُ ، فَقَدْ بَاءَ بِهَا أَحَدُهُمَا .

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے اپنے بھائی کو کافر کہا تو ان دونوں میں سے ایک اس کلمے کے ساتھ (کافر ہوکر) لوٹے گا۔''

فائدہ :...... جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص کسی آدمی پر فاسق یا کافر ہونے کا الزام لگاتا ہے تو وہ لفظ اسی پر لوٹ آتا ہے جس وقت کہ اس کا ساتھی ایسا نہ ہو۔'' (بخاری : 6045) نیز فرمایا: ''جس شخص نے دوسرے آدمی کو کافر کہہ کر بلایا یا اسے اللہ کا دشمن کہا اور وہ ایسا نہ ہو تو یہ لفظ اسی پر لوٹ آئے گا۔'' (مسلم : 16) یعنی کہنے والا کافر قرار پائے گا۔ بے ایمان، چوڑا، عیسائی، سکھ وغیرہ، جیسے الفاظ کا بھی یہی معاملہ ہے)

[1806] عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : إِذَا سَمِعْتَ الرَّجُلَ يَقُولُ : هَلَكَ النَّاسُ ، فَهُوَ أَهْلَكُهُمْ .

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یقیناً رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم کسی شخص کو یہ کہتے ہوئے سنو کہ لوگ تباہ ہو گئے تو (درحقیقت) وہی ان میں سب سے بڑھ کر ہلاک اور تباہ ہونے والا ہے۔''

فائدہ :...... بشرطیکہ وہ شخص اپنی نیکی وشرافت پر فخر کرتے ہوئے یا لوگوں کو حقیر جانتے ہوئے ایسا کہے۔ ہاں اگر وعظ ونصیحت کی خاطر لوگوں کو ہلاکت کے گڑھوں سے بچانے کے لیے یا لوگوں کی حالت پر اظہار غم کے لیے یا ان کے لیے دعا کرتے ہوئے ایسا کہا جائے تو پھر یہ حکم نہ لگے گا۔ حدیث مبارکہ کا لفظ (اَهْلَكُهُمْ) کاف پر پیش کے ساتھ اسم تفضیل کا صیغہ ہے اگر اسے کاف پر زبر کے ساتھ پڑھیں تو یہ ماضی معلوم کا صیغہ بن جائے گا۔ اس وقت یہ معنی ہوں گے کہ ''اس شخص نے لوگوں کو ہلاکت کی طرف منسوب کر دیا۔'' جبکہ درحقیقت لوگ ایسے نہیں ہیں یا مطلب یہ ہے کہ اس نے لوگوں کو رب کی رحمت سے دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ بہرحال کاف پر پیش پڑھنا مشہور اور راجح ہے۔

[1807] عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول

[1805] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري ، كتاب الأدب ، باب من اكفر اخاه بغير تاويل فهو كماقال ، حديث: 6104، صحيح مسلم ، كتاب الايمان ، باب بيان حال ايمان من قال لاخيه المسلم ياكافر ، حديث : 60، ابوداود: 4687، ترمذي: 2637، احمد: 113/2 (5933).

[1806] (مرفوع صحيح) صحيح مسلم ، كتاب البر والصلة والآداب ، باب النهي عن قول هلك الناس ، حديث : 2623، سنن ابي داود ، كتاب الادب ، باب: 77، حديث : 4983، احمد: 465/2 (10006).

[1807] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري ، كتاب الادب ، باب لاتسبو الدهر ، حديث: 6182، صحيح مسلم ، كتاب الالفاظ من الادب و غيرها ، باب النهي عن سب الدهر ، حديث : 3/2246، ابوداود : 5274، احمد : 394/2 (9105).

قَالَ :لا يَقُلْ أَحَدُكُمْ : يَا خَيْبَةَ الدَّهْرِ ، فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ الدَّهْرُ .

اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی بھی ہرگز یہ نہ کہے کہ ''ہائے دَهْــــر (زمانے) کی ناکامی'' کیونکہ بلاشبہ اللہ ہی دہر(زمانہ) ہے۔''

فائدہ: ......یعنی زمانے کا مالک اور زمانے میں ہیر پھیر کرنے والا اللہ ہے۔ یہی مطلب رسول اللہ ﷺ نے ایک اور حدیث مبارکہ میں ذکر فرمایا ہے جو ابھی ہم ذکر کریں گے۔ دراصل زمانہ تو دن رات کی گردش کا نام ہے اور زمانہ مخلوق ہے جبکہ اللہ خالق ہے اور یقیناً خالق اور مخلوق الگ الگ چیزیں ہیں۔ نیز اگر زمانہ اور اللہ ایک ہی چیز ہوتے تو پھر اللہ تعالیٰ قرآن مجید (سورۂ جاثیہ 24:45) میں دہریہ اور زمانہ پرست لوگوں کی مذمت وتردید نہ کرتا۔ بہرحال زمانے کو اللہ ہی الٹ پلٹ کرتا اور تنگی وآزمائش لاتا ہے، زمانے کا بذات خود اس میں کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ لوگ حوادثات زمانہ کو موردِ الزام ٹھہرا کر جب زمانے کو برا بھلا کہتے ہیں تو وہ دراصل اس ذات کو نادانستہ طور پر برا اور ناکام کہہ رہے ہوتے ہیں جس نے لوگوں کو آزمائش میں ڈالا اور مختلف مقاصد کے لیے یہ حالات پیدا کیے ہوتے ہیں۔ لہٰذا زمانے کو گالی دینے کی بجائے اپنی اصلاح اور استغفار پر توجہ دینی چاہیے۔ فرمان نبوی ﷺ ہے: ''آدم کا بیٹا مجھے اذیت دیتا ہے اس طرح کہ وہ زمانے کو گالی دیتا ہے، حالانکہ میں ہی زمانہ (کا مالک) ہوں، میں ہی دن رات کو الٹ پلٹ کرتا ہوں۔'' (بخاری: 4826، مسلم: 2246).

[1808] عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ لَقِيَ خِنْزِيراً بِالطَّرِيقِ ، فَقَالَ لَهُ : انْفُذْ بِسَلَامٍ . فَقِيلَ لَهُ : تَقُولُ هَذَا لِخِنْزِيرٍ ؟ فَقَالَ عِيسَى: إِنِّي أَخَافُ أَنْ أُعَوِّدَ لِسَانِي النُّطْقَ بِالسُّوءِ .

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بیشک حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی ملاقات ایک خنزیر سے ہوئی (اچانک ان کے راستے میں ایک سؤر آ گیا) تو انھوں نے اس سے فرمایا: آرام سے (سلامتی سے) چلا جا تو ان سے کہا گیا (پوچھا گیا) کہ آپ یہ (سلامتی والی) بات ایک خنزیر سے کہہ رہے ہیں (آپ نے اسے ڈانٹا اور دھتکارا کیوں نہیں؟) تو حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام نے فرمایا: بلاشبہ میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ اپنی زبان کو بری گفتگو کا عادی بناؤں۔

فائدہ: ......فرمان نبوی ﷺ ہے: ''مومن نہ تو بہت طعنے دینے والا ہوتا ہے، نہ بہت لعنت ڈالنے والا، نہ فحش گوئی کرنے والا اور نہ بیہودہ بکنے والا ہوتا ہے۔'' (ترمذی: 1977، اس کی سند صحیح ہے)

[1808] (مقطوع صحیح) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

71- بَابُ مَا يُؤْمَرُ مِنَ التَّحَفُّظِ فِي الْكَلَامِ
گفتگو میں حفاظت و احتیاط کا حکم

خلاصۃ الباب اس باب میں دو روایات ہیں اور دونوں سنداً صحیح ہیں ۔ ایک مرفوع یعنی حدیث نبوی ﷺ ہے اور ایک موقوف یعنی اثر صحابی رضی اللہ عنہ ہے۔

[1809] عَنْ بِلَالِ بْنِ الْحَارِثِ الْمُزَنِيِّ ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : إِنَّ الرَّجُلَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ رِضْوَانِ اللّٰهِ ، مَا كَانَ يَظُنُّ أَنْ تَبْلُغَ مَا بَلَغَتْ ، يَكْتُبُ اللّٰهُ لَهُ بِهَا رِضْوَانَهُ إِلَى يَوْمِ يَلْقَاهُ ، وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ سَخَطِ اللّٰهِ ، مَا كَانَ يَظُنُّ أَنْ تَبْلُغَ مَا بَلَغَتْ ، يَكْتُبُ اللّٰهُ لَهُ بِهَا سَخَطَهُ إِلَى يَوْمِ يَلْقَاهُ .

حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یقیناً آدمی اللہ کی رضامندی سے (تعلق رکھنے والا) کوئی ایسا کلمہ (لفظ یا جملہ) کہہ دیتا ہے کہ وہ یہ گمان بھی نہیں کررہا ہوتا کہ وہ اس مقام (و مرتبے) تک پہنچ جائے گا جہاں تک وہ پہنچ چکا ہوتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ اس (کلمے) کی وجہ سے اس کے لیے اپنی رضامندی اس دن تک (کے لیے) لکھ دیتے ہیں، جس میں وہ (بندہ) اس سے ملاقات کرے گا (یعنی قیامت تک کے لیے اس پر خوش ہوجاتا ہے) اور یقیناً آدمی (بعض اوقات) اللہ کی ناراضی سے (تعلق رکھنے والی) کوئی ایسی بات کہہ دیتا ہے کہ وہ یہ گمان بھی نہیں کررہا ہوتا کہ وہ اس جگہ تک پہنچ جائے گی جہاں تک وہ پہنچ چکی ہوتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس (بات) کی وجہ سے اس دن تک اپنی ناراضی لکھ دیتے ہیں جس میں وہ اس سے ملاقات کرے گا۔''

[1810] عَنْ أَبِي صَالِحٍ السَّمَّانِ ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ : إِنَّ الرَّجُلَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مَا يُلْقِي لَهَا بَالاً ، يَهْوِي بِهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ ، وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مَا يُلْقِي لَهَا بَالاً ، يَرْفَعُهُ اللّٰهُ بِهَا فِي الْجَنَّةِ .

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ، انھوں نے فرمایا: بے شک آدمی (بعض اوقات) ایسی بات کہہ دیتا ہے جس کو وہ کوئی اہمیت نہیں دے رہا ہوتا (لیکن) وہ اس کی وجہ سے جہنم کی آگ میں جاگرتا ہے اور بے شک آدمی (کبھی کبھار) ایسی بات کہہ دیتا ہے جس کو وہ کوئی اہمیت نہیں

[1809] (مرفوع صحيح) جامع الترمذی ، كتاب الزهد ، باب ماجاء فی قلة الكلام ، حديث : 2319 ، سنن ابن ماجه ، كتاب الفتن ، باب كف اللسان فی الفتنة ، حديث: 3969 ، احمد: 469/3 (15946)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

[1810] (موقوف صحيح) نسائی فی الكبرى كمافی تحفة الاشراف: 431/9 ، عبدالله بن وهب فی الجامع : 407/1 (295)۔ شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے اور یہ روایت حکماً مرفوع ہے۔

دے رہا ہوتا (لیکن) اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اسے جنت
میں بلند مقام عطا فرما دیتے ہیں۔

فائدہ: ......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہی روایت رسول اللہ ﷺ سے بھی بیان فرمائی ہے۔ (بخاری: 6477، مسلم: 2988) اور اس میں یہ بھی ہے کہ "وہ (غلط بات کی وجہ سے) مشرق و مغرب کے مابین فاصلے سے بھی زیادہ گہرائی میں جا گرتا ہے۔" اور ایک روایت میں ہے کہ "وہ ستر سال (کی مسافت جیسی گہرائی میں) جہنم میں جا گرتا ہے۔" (ترمذی: 2314۔ اس کی سند حسن ہے۔) بعض اقوال کے حوالے سے یہ فرمان الٰہی بھی ہے: ﴿وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّنًا وَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيمٌ﴾ "اور تم اسے ہلکا سمجھ رہے ہو حالانکہ وہ اللہ کے ہاں بہت بڑی (خرابی والی بات) ہے۔"

72- بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ الْكَلَامِ بِغَيْرِ ذِكْرِ اللّٰهِ
ذکر الٰہی کے بغیر کلام کرنے کی کراہت کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں تین روایات ہیں۔ ایک مرفوع (حدیث نبوی ﷺ) ہے جو کہ بخاری شریف میں بھی موجود ہے۔ ایک موقوف (اثر صحابی رضی اللہ عنہ) اور ایک مقطوع (اثر تابعی رحمہ اللہ) ہے اور یہ دونوں ضعیف ہیں۔

فائدہ: ......فرمان نبوی ﷺ ہے: "جو شخص کسی ایسی محفل میں بیٹھے جس میں ذکر الٰہی نہ ہو تو وہ محفل روز قیامت باعث حسرت و افسوس ہوگی اور اہل محفل وہاں سے یوں اٹھتے ہیں گویا کہ وہ گدھے کی بدبودار لاش کے پاس سے اٹھے ہوں۔" (ابوداود: 4856۔ اس کی سند صحیح ہے)۔

[1811] عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ قَالَ: قَدِمَ رَجُلَانِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَخَطَبَا، فَعَجِبَ النَّاسُ لِبَيَانِهِمَا، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: إِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا أَوْ قَالَ: إِنَّ بَعْضَ الْبَيَانِ لَسِحْرٌ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بلاشبہ مشرق کی جانب (عراق) سے دو شخص (مدینہ منورہ) آئے، دونوں نے خطاب کیا (اور گفتگو کی) تو لوگوں نے ان کے بیان پر تعجب کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "یقیناً بیان میں سے کچھ جادو ہوتا ہے۔" یا فرمایا: "بے شک بعض (قسم کا) بیان یقیناً جادو ہے۔"

فائدہ: ......جس طرح جادوگر جادو کے ذریعے آدمی کی عقل و فکر کو سلب کر لیتا ہے حتیٰ کہ اسے باطل چیز بھی حق نظر آنے لگتی ہے، اسی طرح بعض قسم کے خطابات و بیانات سامعین کا دل موہ لیتے ہیں اور خطیب کی آواز لوگوں کے

[1811] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب الطب، باب ان من البيان سحرا، حديث: 5146، 5767، سنن ابی داود كتاب الأدب باب ماجاء فی التشدق فی الكلام، حديث: 5007، ترمذی: 2028، احمد: 16/2 (4651).

احساسات و جذبات کو الٹ پلٹ کر رہی ہوتی ہے۔ رہی یہ بات کہ مذکورہ حدیث میں ایسے بیانات کی مذمت ہے یا مدح سرائی؟ تو اس بارے میں شارحین کے دونوں قسم کے اقوال ہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ نے چونکہ اسے مکروہ کلام کے عنوان کے تحت ذکر کیا ہے تو گویا وہ اسے مذمت پر محمول کر رہے ہیں کہ جادو کی طرح یہ بھی مذموم ہے اور واقعی بعض بیانات باوجود نہایت مؤثر ہونے کے قابل مذمت رہتے ہیں جس وقت کہ وہ ذکر الٰہی سے یا اخلاص و تقویٰ سے خالی ہوں۔

[1812] عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ كَانَ يَقُولُ: لَا تُكْثِرُوا الْكَلَامَ بِغَيْرِ ذِكْرِ اللّٰهِ، فَتَقْسُوَ قُلُوبُكُمْ، فَإِنَّ الْقَلْبَ الْقَاسِيَ بَعِيدٌ مِنَ اللّٰهِ وَلٰكِنْ لَا تَعْلَمُونَ، وَلَا تَنْظُرُوا فِي ذُنُوبِ النَّاسِ كَأَنَّكُمْ أَرْبَابٌ، وَانْظُرُوا فِي ذُنُوبِكُمْ كَأَنَّكُمْ عَبِيدٌ، فَإِنَّمَا النَّاسُ مُبْتَلًى وَمُعَافًى، فَارْحَمُوا أَهْلَ الْبَلَاءِ، وَاحْمَدُوا اللّٰهَ عَلَى الْعَافِيَةِ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ بے شک حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام فرمایا کرتے تھے: ذکر الٰہی کے بغیر زیادہ گفتگو نہ کیا کرو ورنہ تمھارے دل سخت ہو جائیں گے۔ کیونکہ سخت دل اللہ سے دور ہوتا ہے لیکن تمھیں اس کا علم نہیں ہو پاتا۔ تم لوگوں کے گناہوں میں (لوگوں کی خامیوں کی طرف) یوں نہ دیکھا کرو کہ گویا تم رب ہو اور اپنے گناہوں میں یوں دیکھا کرو کہ گویا تم غلام ہو۔ یقیناً انسان (یا تو آزمائشوں میں) مبتلا ہیں اور (یا پھر) عافیت عطا کیے گئے ہیں، لہٰذا تم آزمائشوں والوں پر رحم کیا کرو اور عافیت پر اللہ کی حمد بیان کیا کرو۔

فائدہ: ......ذکر الٰہی دل کو تر و تازہ رکھتا ہے اور ذکر کرنے والے اور نہ کرنے والے کی مثال بھی زندہ و مردہ جیسی ہے۔ (بخاری: 6407) باقی یہ بات بھی حکمت بھرا قول ہے کہ نہی عن المنکر کے عمل کے لیے یہ تو معلوم ہونا چاہیے کہ کیا برائی ہو رہی ہے لیکن قصداً لوگوں کے عیوب کی ٹوہ میں رہنا درست نہیں، بس جس کا علم ہو جائے اس سے روک دو، تمھارا مقصود، دوسروں کی اصلاح ہونا چاہیے نہ کہ ان کی رسوائی۔ خود کو رب سمجھ کر لوگوں کی گرفت کی تمنا و جستجو کرنے کی بجائے اپنے عیوب کی فکر ہونی چاہیے۔ اس روایت کا ابتدائی حصہ جو دل کی سختی کے حوالے سے ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی منقول ہے (دیکھیے ترمذی: 2411) لیکن اس کی سند بھی ضعیف ہے۔

[1813] عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ عَائِشَةَ

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ بے شک سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا

[1812] (مقطوع ضعيف) بيهقى فى شعب الايمان: 263/4 (5023)، ابونعيم فى حلية الاولياء: 328/6، ابن عساكر فى تاريخ دمشق: 309/50، ابن ابى شيبه: 31870، 34219۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔

[1813] (موقوف ضعيف) بيهقى فى شعب الايمان: 256/4 (4991)۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ كَانَتْ تُرْسِلُ إِلَى بَعْضِ أَهْلِهَا بَعْدَ الْعَتَمَةِ فَتَقُولُ: أَلَا تُرِيحُونَ الْكُتَّابَ.

زوجہ پیغمبر ﷺ عشاء کے بعد اپنے گھر والوں میں سے بعض کی طرف پیغام بھیجتیں، چنانچہ وہ (ان سے) کہتیں کہ تم لکھنے والے فرشتوں کو آرام نہیں کرنے دو گے"؟

فائدہ: ......رسول اللہ ﷺ بھی عشاء سے قبل سونے کو اور عشاء کے بعد بلاضرورت باتیں کرنے کو ناپسند فرماتے تھے۔ (بخاری: 547، مسلم: 647)

73- بَابُ مَاجَاءَ فِي الْغِيبَةِ
غیبت کے متعلق بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں ایک مرفوع روایت (حدیث نبوی ﷺ) ہے جو کہ مسلم شریف میں بھی موجود ہے۔

فائدہ: ......اللہ تعالیٰ غیبت کی مذمت اور ممانعت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ﴿وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ﴾ (الحجرات 49:12) "اور تم میں سے کوئی بھی کسی کی غیبت نہ کرے، کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے، تو (ظاہر ہے کہ) تم اسے ناپسند کرتے ہو۔"

[1814] عَنِ الْمُطَّلِبِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حَنْطَبِ الْمَخْزُومِيِّ أَخْبَرَهُ، أَنَّ رَجُلاً سَأَلَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ مَا الْغِيبَةُ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ؟ أَنْ تَذْكُرَ مِنَ الْمَرْءِ مَا يَكْرَهُ أَنْ يَسْمَعَ قَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَإِنْ كَانَ حَقًّا؟ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: إِذَا قُلْتَ بَاطِلاً، فَذَلِكَ الْبُهْتَانُ.

مطلب بن عبداللہ بن حطب مخزومی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ غیبت کیا ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "(غیبت) یہ (ہے) کہ تو کسی آدمی (کے معاملات وحالات) میں سے کسی ایسی چیز کا تذکرہ کرے جس کا سننا وہ ناپسند کرتا ہو۔" وہ کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! اگر چہ وہ سچ ہو؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "(ہاں اور) جب تم جھوٹ کہو گے تو یہ بہتان ہے۔"

فائدہ: ......یعنی آدمی کا عیب جو واقعی اس میں ہو اس کی عدم موجودگی میں بیان کرنا غیبت کہلاتا ہے اور اگر اس کے متعلق جھوٹا عیب بیان کیا جائے تو وہ بہتان کہلاتا ہے۔ اگر اس بہتان کو معاشرے میں پھیلا دیا جائے تو وہ "افک" کہلاتا ہے۔ یاد رہے کہ غیبت اور چغلی کے مابین دو فرق ہیں: (1) ایک یہ کہ غیبت سے مقصود محض ایک شخص کو ذلیل

[1814] (مرفوع صحيح) صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب تحريم الغيبة، حديث: 2589، سنن ابی داود كتاب الادب، باب فی الغيبة، حديث: 4874، ترمذی: 1934، نسائی فی الكبری: 11518، احمد: 230/2 (7146)، دارمی: 2714.

کرنا ہوتا ہے جبکہ چغلی کا مقصد معاشرے میں فساد کی آگ بھڑکانا ہوتا ہے اور چغل خور ادھر کی بات اِدھر اور اُدھر کی بات ادھر پہنچا کر جانبین کو باہم لڑا دیتا ہے۔ (2) دوسرا فرق یہ ہے کہ غیبت صرف عدم موجودگی میں ہوتی ہے جبکہ چغلی سامنے بھی ہو سکتی ہے اور عدم موجودگی میں بھی ...... چغل خوروں اور غیبت کرنے والوں کو ان کے اس گھناؤنے جرم سے روکنے کا ایک سادہ، آسان اور آزمودہ نسخہ ہے، جس کے نتیجے میں وہ کچھ دیر آپ سے ناراض تو رہیں گے لیکن پھر وہ آپ کو اپنا حقیقی خیر خواہ سمجھ کر گہرے دوست بھی بن جائیں گے اور اس جرم سے بھی باز آ جائیں گے۔ وہ طریقہ یہ ہے کہ آپ غیبت کرنے والے سے کہیں: اے میرے بھائی! جس طرح آپ میرے سامنے فلاں شخص کی بات کر رہے ہیں اور آپ چاہتے ہیں کہ میں آپ کی ہاں میں ہاں ملاؤں اور اس کے متعلق مزید بھی پوچھتا رہوں تو کیا آپ یہ بھی پسند کریں گے کہ میں اس فلاں شخص کے پاس جب بیٹھوں اور وہ آپ کے متعلق مجھ سے جو کچھ بھی کہتا رہے میں اس کی ہاں میں ہاں ملاتا رہوں اور آپ کے متعلق بدخوئی سنتا رہوں ...... ابھی آپ یہ بات کریں گے ہی کہ وہ غصے سے بھڑک اٹھے گا اور کہے گا کہ تم نے مجھے چغل خور سمجھ رکھا ہے وغیرہ وغیرہ، لیکن چند ہی دنوں کے بعد اس کے دل میں یہ خیال آئے گا کہ جب ایک شخص مجھ سے کسی دوسرے کا عیب نہیں سنتا تو یقیناً وہ کسی اور سے میرے عیوب بھی نہ سنتا ہوگا، لہٰذا یہی تو اصل خیر خواہ ہے۔

74- بَابُ مَاجَاءَ فِيْ مَا يُخَافُ مِنَ اللِّسَانِ

زبان کے خطرات (وآفات) کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں دو روایات ہیں۔ ایک مرفوع ہے جو کہ سنداً ضعیف ہے اور دوسری موقوف ہے جو کہ سنداً صحیح ہے۔

[1815] عَـنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ : أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : مَنْ وَقَاهُ اللّٰهُ شَرَّ اثْنَيْنِ وَلَجَ الْجَنَّةَ فَقَالَ رَجُلٌ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ لَا تُخْبِرْنَا . فَسَكَتَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ، ثُمَّ عَادَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ، فَقَالَ مِثْلَ مَقَالَتِهِ الْأُولَى فَقَالَ لَهُ الرَّجُلُ : لَا تُخْبِرْنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ . فَسَكَتَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ، ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مِثْلَ ذٰلِكَ أَيْضاً ، فَقَالَ الرَّجُلُ : لَا تُخْبِرْنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ ، ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مِثْلَ

عطاء بن یسار رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص کو اللہ تعالیٰ دو چیزوں کے شر سے بچا لے وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔'' ایک آدمی نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا آپ ہمیں (ان دو چیزوں کی) خبر نہیں دیں گے تو رسول اللہ ﷺ خاموش رہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے (اپنا پہلا فرمان) دہرایا اور آپ ﷺ نے اپنی پہلی بات ہی کی طرح (دوبارہ) بھی ارشاد فرمایا، تو وہی آدمی آپ ﷺ سے عرض گزار ہوا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا آپ ہمیں خبر نہ دیں گے؟ تو

[1815] (مرفوع ضعیف) شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔

ذَلِكَ أَيْضاً ، ثُمَّ ذَهَبَ الرَّجُلُ يَقُولُ مِثْلَ مَقَالَتِهِ الأُولَى ، فَأَسْكَتَهُ رَجُلٌ إِلَى جَنْبِهِ . فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : مَنْ وَقَاهُ اللّٰهُ شَرَّ اثْنَيْنِ وَلَجَ الْجَنَّةَ ، مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ ، مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ ، مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ .

رسول اللہ ﷺ (اب کی بار بھی) خاموش ہی رہے ، پھر رسول اللہ ﷺ نے (تیسری بار) بھی اسی (پہلے فرمان ہی) کی طرح ارشاد فرمایا: تو وہی آدمی کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ ہمیں (ان دونوں چیزوں کی) خبر نہ دیں گے؟ پھر رسول اللہ ﷺ نے بھی اسی (پہلے فرمان ہی) کی طرح (چوتھی بار) ارشاد فرمایا ۔ پھر وہی آدمی شروع ہوا اور اپنے پہلے قول کی طرح کہنے لگا، تو اس کے پہلو میں (بیٹھے ہوئے) ایک شخص نے اسے چپ کرا دیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس شخص کو اللہ تعالیٰ دو چیزوں کے شر سے بچالے وہ جنت میں داخل ہوجائے گا ۔ ایک وہ چیز جو اس کے دو جبڑوں کے درمیان میں ہے اور دوسری وہ چیز جو اس کی دو ٹانگوں کے درمیان میں ہے۔ ایک وہ جو اس کے دو جبڑوں کے بیچ میں ہے اور دوسری وہ جو اس کی دو ٹانگوں کے بیچ میں ہے، ایک وہ جو اس کے دو جبڑوں کے مابین ہے اور دوسری وہ جو اس کی دو ٹانگوں کے مابین ہے۔“

فائدہ: ......یعنی زبان اور شرمگاہ ۔ اکثر گناہوں کا منبع اور باعث یہی دو چیزیں ہیں ۔ اگرچہ مذکورہ روایت ضعیف ہے لیکن اس میں بیان شدہ فرمان نبوی ﷺ صحیح سند کے ساتھ مروی ہے، چنانچہ فرمایا: ”جو شخص مجھے اس چیز کی (حفاظت کی) ضمانت دے دے جو اس کے دو جبڑوں کے درمیان اور جو اس کی دو ٹانگوں کے درمیان میں ہے تو میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔“ (بخاری : 6474)

[1816] عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ ، عَنْ أَبِيهِ ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ دَخَلَ عَلَى أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ وَهُوَ يَجْبِذُ لِسَانَهُ ، فَقَالَ لَهُ عُمَرُ : مَهْ ، غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ . فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ : إِنَّ هَذَا أَوْرَدَنِي الْمَوَارِدَ .

زید بن اسلم رحمہ اللہ اپنے والد (اسلم رحمہ اللہ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے) سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اس حال میں کہ وہ اپنی زبان کھینچ رہے تھے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان سے کہنے لگے: رکیے (یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟) اللہ آپ کی مغفرت فرمائے ۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: یقیناً اس (زبان) نے مجھے (ہلاکت کی کئی) جگہوں پر لا مارا ہے۔

[1816] (موقوف صحيح) بيهقي في شعب الايمان: 256/4 (4990)، ابن ابي شيبه: 26491، 37032، ابونعيم في الحلية : 33/1۔ شیخ سلیم ہلالی اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ (صحيح الترغيب والترهيب: 94/3 (2873).

فائدہ: ......حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ مجھ پر سب سے زیادہ کس چیز کا خطرہ محسوس کرتے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے اپنی زبان مبارک کو پکڑا پھر فرمایا: '' اس (زبان) کا۔'' (ترمذی 2410، ابن ماجه: 3972۔ اس کی سند صحیح ہے) نیز فرمایا: ''جب صبح ہوتی ہے تو جسم کے تمام اعضاء زبان کے سامنے عاجزی کا اظہار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ سے ڈرتی رہنا۔ یقیناً ہم تو تیرے ہی ساتھ (شمار) ہیں، اگر تو درست رہے گی تو ہم بھی درست رہیں گے اور اگر تو ٹیڑھا پن اختیار کرے گی تو ہم بھی ٹیڑھے ہو جائیں گے۔'' (ترمذی: 2407۔ اس کی سند حسن ہے) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے نجات کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: '' اپنی زبان کو اپنے قابو میں رکھ، اپنے گھر ہی کو وسیع سمجھ اور اپنی غلطی پر رویا کر۔'' (ترمذی: 2406، احمد: 259/5۔ اس کی سند حسن ہے)

75- بَابُ مَاجَاءَ فِيْ مُنَاجَاتِ اثْـنَيْنِ دُوْنَ وَاحِدٍ

ایک آدمی کو اکیلا چھوڑ کر دو شخصوں کے آپس میں سرگوشی کرنے کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں دو مرفوع روایات یعنی احادیث نبویہ ﷺ ہیں جو سنداً صحیح ہیں۔

[1817] عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ ، قَالَ : كُنْتُ أَنَا وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ عِنْدَ دَارِ خَالِدِ بْنِ عُقْبَةَ الَّتِي بِالسُّوقِ ، فَجَاءَ رَجُلٌ يُرِيدُ أَنْ يُنَاجِيَهُ وَلَيْسَ مَعَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ أَحَدٌ غَيْرِي وَغَيْرُ الرَّجُلِ الَّذِي يُرِيدُ أَنْ يُنَاجِيَهُ ، فَدَعَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ رَجُلاً آخَرَ ، حَتّٰى كُنَّا أَرْبَعَةً ، فَقَالَ لِي وَلِلرَّجُلِ الَّذِي دَعَاهُ : اسْتَأْخِرَا شَيْئًا ، فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ : لَا يَتَنَاجَى اثْنَانِ دُونَ وَاحِدٍ .

عبداللہ بن دینار رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں: میں اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، حضرت خالد بن عقبہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں تھے جو کہ بازار میں تھا، ان (حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ) کے پاس ایک آدمی آیا جو ان کے ساتھ سرگوشی کرنا چاہتا تھا۔ اس وقت حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ میرے سوا اور اس (آنے والے) شخص جو ان سے سرگوشی کرنے کا ارادہ رکھتا تھا، کے سوا کوئی نہ تھا، تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک اور آدمی کو بلا لیا، یہاں تک کہ ہم چار افراد ہو گئے، پھر انھوں نے مجھے اور اس شخص جسے انھوں نے بلایا تھا، سے فرمایا: تھوڑا سا پیچھے ہٹ جاؤ (اتنی دور کہ ہماری سرگوشی نہ سن پاؤ)۔ کیونکہ بلاشبہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا: ''ایک کو چھوڑ کر (باقی) دو آدمی آپس میں سرگوشی نہ کریں اور وہ دونوں اس کو (تنہا نہ) چھوڑیں، (کیونکہ بلاشبہ یہ (عمل) اس کو غم میں ڈال دے گا)۔''

[1817] (مرفوع صحیح) ابن حبان: 582، بغوی فی شرح السنة: 89/13 (3509)۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔

[1818] عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ : أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : إِذَا كَانَ ثَلَاثَةٌ فَلَا يَتَنَاجَى اثْنَانِ دُونَ وَاحِدٍ .

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب (کسی جگہ) تین آدمی ہوں تو ایک کو چھوڑ کر (باقی) دو باہم سرگوشی نہ کریں۔''

فائدہ :...... کیونکہ اگر ایسا کیا جائے گا تو تیسرا شخص غم زدہ اور رنجیدہ ہو جائے گا اور وہ کئی قسم کے وسوسوں کا شکار ہو جائے گا۔ مثلاً: وہ یہ سوچے گا کہ کہیں یہ میرے خلاف بات نہ کر رہے ہوں، یا یہ مجھے قابل اعتماد نہیں سمجھتے یا شاید یہ کسی گناہ کا پروگرام بنا رہے ہوں وغیرہ۔

76- بَابُ مَاجَاءَ فِي الصِّدْقِ وَالْكَذِبِ

سچ اور جھوٹ کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں پانچ روایات ہیں۔ دو مرفوع (احادیث نبویہ ﷺ) اور دو موقوف (آثار صحابہ رضی اللہ عنہم) ہیں اور یہ سب سنداً ضعیف ہیں اور ایک مقطوع (اثر تابعی رحمہ اللہ) ہے جو کہ صحیح ثابت ہے۔

فائدہ :...... اللہ تعالیٰ کا فرمان مبارک ہے: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُونُوا مَعَ الصّٰدِقِينَ﴾ (التوبۃ 119/9) ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔''

[1819] عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ ، أَنَّ رَجُلاً قَالَ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ: أَكْذِبُ امْرَأَتِي يَا رَسُولَ اللّٰهِ ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: لَا خَيْرَ فِي الْكَذِبِ فَقَالَ الرَّجُلُ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ، أَعِدُهَا وَأَقُولُ لَهَا ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: لَا جُنَاحَ عَلَيْكَ .

صفوان بن سلیم رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: کیا میں اپنی بیوی سے جھوٹ بول سکتا ہوں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جھوٹ میں کوئی خیر نہیں ہے۔'' وہ آدمی کہنے لگا: کیا میں اس سے (خالی) وعدہ کر سکتا ہوں اور اس سے کہہ سکتا ہوں (کہ تیرے لیے یہ کروں گا اور وہ کروں گا)؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''(ایسا کرنے میں) تجھ پر کوئی گناہ نہ ہوگا۔''

فائدہ :...... جھوٹ اور وعدے میں یہ فرق ہے کہ جھوٹ کا تعلق ماضی سے ہوتا ہے اور وعدے کا مستقبل

[1818] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري ، كتاب الاستئذان ، باب لايتناجى اثنان دون الثالث ، حديث : 6288، صحيح مسلم، كتاب السلام ، باب تحريم مناجاة الاثنين دون الثالث لغير رضاه ، حديث: 2183، ابوداود : 4852، ابن ماجه : 3776، احمد : 9/2 (4564).

[1819] (مرفوع ضعيف) عبدالله بن وهب في الجامع : 631/2 (534)، ابن عبدالبر في التمهيد : 247/16، وفي الاستذكار : 348/27 (41411)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

سے، نیز وعدے کے پورا ہو جانے کا بھی امکان ہوتا ہے اور جھوٹ کے سچ ہونے کی کوئی صورت نہیں ہوتی۔ دراصل گھر کا ماحول درست اور خوشگوار رکھنے کے لیے بیوی کو خوش اور راضی رکھنا پڑتا ہے جس کا ایک جائز طریقہ یہاں سمجھایا گیا ہے۔ ایک اور روایت میں تو یہ فرمان نبوی ﷺ بھی ثابت ہے: ''تین مواقع کے علاوہ جھوٹ جائز نہیں۔ آدمی کا اپنی بیوی کو راضی کرنے کے لیے جھوٹ بولنا، جنگ میں جھوٹ بولنا اور لوگوں کے مابین صلح کرانے کے لیے جھوٹ بولنا۔'' (ترمذی: 1939۔ اس کی سند حسن ہے)

[1820] عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مَسْعُودٍ كَانَ يَقُولُ: عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ، فَإِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِي إِلَى الْبِرِّ، وَالْبِرَّ يَهْدِي إِلَى الْجَنَّةِ، وَإِيَّاكُمْ وَالْكَذِبَ، فَإِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِي إِلَى الْفُجُورِ، وَالْفُجُورَ يَهْدِي إِلَى النَّارِ، أَلَا تَرَى أَنَّهُ يُقَالُ: صَدَقَ وَبَرَّ، وَكَذَبَ وَفَجَرَ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: ''سچ کو لازم پکڑو، کیونکہ بلاشبہ سچ نیکی کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور نیکی جنت کا راستہ دکھاتی ہے اور خود کو جھوٹ سے بچاؤ کیونکہ یقیناً جھوٹ برائی کی راہ دکھاتا ہے اور برائی جہنم کی طرف لے جاتی ہے۔ کیا تم نے دیکھا (سنا) نہیں کہ یہ کہا جانے لگتا ہے کہ اس (فلاں) نے سچ کہا اور نیکی کی اور (فلاں نے) جھوٹ بولا اور برائی کی۔

فائدہ:...... یہ قولِ صحابی رضی اللہ عنہ تو اگرچہ سنداً ثابت نہیں لیکن خود حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی کی روایت سے یہ فرمانِ نبوی ﷺ ثابت ہے، سوائے آخری جملے کے۔ چنانچہ اسی حدیث میں: ''برائی جہنم کی طرف لے جاتی ہے'' تک الفاظ ثابت ہیں اور ان میں یہ اضافہ بھی ہے: ''آدمی ہمیشہ سچ بولتا رہتا ہے اور سچ کی جستجو میں رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے ہاں اسے صدیق لکھ دیا جاتا ہے اور (دوسرے کے بارے میں فرمایا) آدمی ہمیشہ جھوٹ بولتا اور جھوٹ کو تلاش کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اسے کذاب لکھ دیا جاتا ہے۔'' (بخاری: 6094، مسلم: 2607)

[1821] عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّهُ قِيلَ لِلُقْمَانَ: مَا بَلَغَ بِكَ مَا نَرَى؟ يُرِيدُونَ الْفَضْلَ. فَقَالَ لُقْمَانُ: صِدْقُ الْحَدِيثِ، وَأَدَاءُ الْأَمَانَةِ، وَتَرْكُ مَا لَا يَعْنِينِي.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ لقمان حکیم سے کہا گیا: آپ کو اس مقام تک کس چیز نے پہنچایا ہے جہاں ہم آپ کو دیکھ رہے ہیں؟ وہ فضل (فضیلت و بزرگی کا حصول) مراد لے رہے تھے تو لقمان رحمہ اللہ نے کہا: بات کی سچائی نے، امانت

[1820] (موقوف ضعیف، مرفوع صحیح) شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے، البتہ اس میں جو فرمان مذکور ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔ دیکھیے بخاری: 6094، مسلم: 2607.

[1821] (مقطوع صحیح لغیرہ) بیهقی فی شعب الایمان: 230/4 (4889)، احمد: 177/2۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو صحیح لغیرہ قرار دیا ہے۔

کی ادائیگی نے اور ہر اس چیز (بات، کام، سوچ) کو چھوڑ دینے نے جو لایعنی اور بے مقصد ہو۔

[1822] عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مَسْعُودٍ كَانَ يَقُولُ: لَا يَزَالُ الْعَبْدُ يَكْذِبُ، وَتُنْكَتُ فِي قَلْبِهِ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ حَتّٰى يَسْوَدَّ قَلْبُهُ كُلُّهُ، فَيُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ مِنَ الْكَاذِبِينَ .

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: آدمی مسلسل جھوٹ بولتا رہتا ہے اور اس کے دل میں ایک سیاہ نکتہ لگا دیا جاتا ہے جو (مسلسل بڑھتا رہتا ہے) یہاں تک کہ اس کا (سارا) دل سیاہ ہو جاتا ہے، چنانچہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں جھوٹوں میں سے لکھ دیا جاتا ہے۔

[1823] عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ، أَنَّهُ قَالَ: قِيلَ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ: أَيَكُونُ الْمُؤْمِنُ جَبَانًا؟ فَقَالَ: نَعَمْ؟ فَقِيلَ لَهُ: أَيَكُونُ الْمُؤْمِنُ بَخِيلًا؟ فَقَالَ: نَعَمْ فَقِيلَ لَهُ: أَيَكُونُ الْمُؤْمِنُ كَذَّابًا؟ فَقَالَ: لَا .

صفوان بن سلیم رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے کہا گیا: کیا مومن بزدل ہو سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں۔'' پھر آپ ﷺ سے کہا گیا: کیا مومن بخیل ہو سکتا ہے؟ فرمایا: ''ہاں۔'' پھر آپ ﷺ سے پوچھا گیا: کیا مومن جھوٹا ہو سکتا ہے؟ فرمایا: ''نہیں۔''

فائدہ: ...... ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کو خواب میں جھوٹے شخص کا یہ انجام دکھایا گیا کہ اس کے منہ میں آنکڑا (لوہے کی مڑی ہوئی کنڈی) ڈال کر فرشتے نے اسے گدی تک چیر دیا، پھر ناک میں ڈال کر گدی تک چیر دیا، پھر آنکھ میں ڈال کر گدی تک چہرہ چیر دیا، پھر وہ چہرے کی دوسری جانب اسی طرح کرنے لگا اور قیامت تک اس کو یہی سزا ملتی رہے گی۔ (بخاری: 7047)

77- بَابُ مَا جَاءَ فِي إِضَاعَةِ الْمَالِ وَ ذِي الْوَجْهَيْنِ

مال ضائع کرنے کا اور دو چہروں والے (دوغلے، دورخے) شخص کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں دو مرفوع روایات (احادیث نبویہ ﷺ) ہیں اور دونوں ہی بخاری و مسلم کی روایات میں سے ہیں۔

فائدہ: ...... دو چہروں والے شخص سے مراد وہ ہے جو دوغلی پالیسی اختیار کرے، ہر کسی کے پاس اس کے نظریے اور خیال کے مطابق بات کرے۔

[1822] (موقوف ضعیف) عبداللہ بن وھب فی الجامع: 621/2 (524)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

[1823] (مرفوع ضعیف) عبداللہ بن وھب فی الجامع: 618/2 (521)، بیھقی فی شعب الایمان: 207/4 (4812)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔

[1824] عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: إِنَّ اللّٰهَ يَرْضَى لَكُمْ ثَلَاثًا، وَيَسْخَطُ لَكُمْ ثَلَاثًا، يَرْضَى لَكُمْ أَنْ تَعْبُدُوهُ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا، وَأَنْ تَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا، وَأَنْ تَنَاصَحُوا مَنْ وَلَّاهُ اللّٰهُ أَمْرَكُمْ، وَيَسْخَطُ لَكُمْ قِيلَ وَقَالَ، وَإِضَاعَةَ الْمَالِ، وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”یقیناً اللہ تعالیٰ تمھارے لیے تین چیزوں پر راضی (خوش) ہوتا ہے اور وہ تمھارے لیے تین ہی چیزوں سے ناراض ہوتا ہے۔ وہ تمھارے لیے اس بات پر خوش ہوتا ہے کہ تم اس کی عبادت کرو اور کسی بھی چیز کو اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے (مل کر) تھام لو اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ تمھارے (حکومتی) معاملے کا والی (حاکم) بنادے تم سب اس کی خیرخواہی کرو (اور اس کے تمام حقوق ادا کرو) اور وہ (اللہ) تمھارے لیے قیل وقال (سنی سنائی باتیں آگے بیان کرنا)، مال کا ضائع کرنا اور زیادہ سوال کرنا ناپسند جانتا ہے۔“

فائدہ: ...... زیادہ سوال کرنے سے مراد، باریکیوں میں جانا اور بال کی کھال اتارنا یعنی فقہی موشگافیاں تلاش کرتے رہنا ہے۔ ہاں شریعت کے کسی حکم کی تحقیق کے لیے سوالات کرنا معیوب نہیں ہے۔ ایک روایت میں ان تینوں کاموں کو مکروہ قرار دیا گیا ہے اور ماؤں کی نافرمانی کرنا، بچیوں کو زندہ دفنانا اور خود اللہ کی راہ میں نہ دینا لیکن دوسروں سے مانگتے رہنا حرام قرار دیا گیا ہے۔ (مسلم 593، بعد از 1715)

[1825] عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مِنْ شَرِّ النَّاسِ ذُو الْوَجْهَيْنِ، الَّذِي يَأْتِي هٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ، وَهٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یقیناً رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بدترین لوگوں میں سے دو چہروں والا شخص (یعنی دوغلا پن شخص بھی) ہے جو ان لوگوں کے پاس ایک چہرے کے ساتھ اور (دوسرے) لوگوں کے پاس کسی اور چہرے کے ساتھ آتا ہے۔“

فائدہ: ......مثلاً کسی کے پاس یوں ظاہر کرتا ہے کہ اس کا مخلص دوست ہے لیکن اس کی عدم موجودگی میں اس کے عیوب بیان کر کے دشمنی کرتا ہے، یا دو دشمنوں میں سے ہر کسی کا دوست بنا پھرے اور ہر کسی کے پاس جا کر خود

[1824] (مرفوع صحیح) صحیح مسلم، کتاب الاقضیة، باب النهی عن كثرة المسائل، حدیث: 1715، الادب المفرد للبخاری: 442، احمد: 327/2 (8316).

[1825] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب الادب، باب ماقیل فی ذی الوجهین، حدیث: 3494، 6058، 7179، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب خیار الناس، حدیث: 2526، ابوداود: 4872، ترمذی: 2025، احمد: 465/2 (9998).

کواس کا دوست ثابت کر کے دشمن کے خلاف مزید اکسائے۔

78- بَابُ مَاجَاءَ فِيْ عَذَابِ الْعَامَّةِ بِعَمَلِ الْخَاصَّةِ

چند مخصوص افراد کے عمل کی پاداش میں سب عوام پر عذاب مسلط ہونے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں دو روایات ہیں۔ ایک مرفوع ہے جو سنداً ضعیف ہے اور ایک مقطوع ہے جو صحیح ثابت ہے۔

فائدہ:...... اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاصَّةً﴾ (الانفال 25:8) ''اور اس فتنے سے ڈرو جو تم میں سے خاص طور پر (صرف) ان لوگوں کو نہیں پہنچے گا جنھوں نے ظلم کیا۔'' بلکہ ہر کسی کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا، بالکل اس طرح کہ کشتی کے پیندے میں سوراخ ایک شخص کرے لیکن اس کی وجہ سے کشتی کے تمام مسافر ڈوب جائیں۔

[1826] عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَنَهْلِكُ وَفِينَا الصَّالِحُونَ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: نَعَمْ إِذَا كَثُرَ الْخَبَثُ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ بے شک سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا زوجہ پیغمبر ﷺ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا ہم اس حال میں ہلاک ہو سکتے ہیں کہ ہمارے اندر نیک لوگ بھی موجود ہوں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں، جب برائی (یا زنا) زیادہ ہو جائے۔''

فائدہ:...... بخاری و مسلم میں یہ روایت سیدہ زینب بنت جحش ام المومنین رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ گھبرائے گھبرائے ان کے پاس آئے۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نیند سے اس حال میں بیدار ہوئے کہ آپ ﷺ کا چہرہ سرخ تھا اور آپ ﷺ (پریشانی میں) فرما رہے تھے: " لا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه"، عرب کی ہلاکت ہو اس شر سے جو کہ بہت قریب آ چکا ہے، آج کے دن یاجوج ماجوج کی دیوار (میں سوراخ ہو گیا اور وہ) اس قدر کھل گئی۔'' یہ کہتے ہوئے آپ ﷺ نے اپنے انگوٹھے اور ساتھ والی انگلی سے دائرہ بنالیا۔ تو سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے سوال کیا: اے اللہ کے رسول! کیا ہم ہلاک ہو سکتے ہیں جس وقت کہ ہمارے اندر نیک لوگ بھی ہوں؟ تو فرمایا: ''ہاں جب خبث (گناہ، شر، برائی یا زنا) عام ہو جائے۔'' (بخاری: 3346، 7059، مسلم: 2880)

[1827] عَنْ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ يَقُولُ: كَانَ

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے روایت ہے، فرماتے

[1826] (مرفوع ضعیف) یہ سند منقطع ہے اور روایت ان لفظوں سے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہی نہیں البتہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے: بخاری: 3346، مسلم: 2880۔

[1827] (مقطوع صحیح) بیهقی فی شعب الایمان: 99/6 (7602)، ابونعیم فی الحلیة، حدیث: 2985۔ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

يُقَالُ إِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى لَا يُعَذِّبُ الْعَامَّةَ بِذَنْبِ الْخَاصَّةِ، وَلٰكِنْ إِذَا عُمِلَ الْمُنْكَرُ جِهَاراً اسْتَحَقُّوا الْعُقُوبَةَ كُلُّهُمْ.

ہیں: یہ تو کہا جاتا ہے کہ بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ خاص لوگوں کے گناہ کے سبب عام لوگوں کو عذاب میں مبتلا نہیں کرتا، لیکن جب برائی کھلم کھلا کی جانے لگے تو وہ سب کے سب سزا کے مستحق بن جاتے ہیں۔

فائدہ: ...... بشرطیکہ اس معاشرے سے نہی عن المنکر کرنے والے یعنی برائی سے روکنے والے بھی ختم ہوجائیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ٥ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ﴾ (المائدۃ 5:78، 79) ''بنی اسرائیل میں سے جو لوگ کافر ہوئے ان پر حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی زبان سے لعنت کی گئی۔ یہ اس وجہ سے ہوا کہ انھوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے گزر جاتے تھے، وہ ایک دوسرے کو برے کام سے منع نہیں کرتے تھے کیونکہ انھوں نے خود بھی وہ کیا ہوتا تھا۔ بہت برا تھا جو وہ کرتے تھے۔''

79- بَابُ مَا جَاءَ فِي التُّقٰى

تقویٰ کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں دو روایات ہیں۔ ایک موقوف (اثر صحابی رضی اللہ عنہ) ہے جو سنداً صحیح ہے اور ایک مقطوع (اثر تابعی رحمہ اللہ) ہے جو سنداً حسن ہے۔

فائدہ: ......تقویٰ اللہ سے ڈرنے کو کہتے ہیں، اس کا مقام دل ہے۔ (مسلم: 2564) اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بار بار اس کا حکم دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اس کی وصیت فرماتے تھے۔ تقویٰ ہر نیک عمل پر آمادگی کی کنجی ہے اور ہر برائی سے باز رکھنے کا آلہ ہے، عادات کی قبولیت کا انحصار بھی تقویٰ و اخلاص پر ہے (المائدہ 5:27) اور ہر عبادت کی منزلِ مقصود بھی یہی ہے کہ بندے کے دل میں اللہ کا ڈر مزید پختہ ہوجائے۔ یہ اس قدر اہم چیز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلی قوموں کو اور ہم کو اس کی وصیت فرمائی۔ (النساء 4:131) اللہ تعالیٰ نے اہل تقویٰ کے لیے اپنی محبت (التوبہ 9:4)، اپنی معیت (النحل 16:128)، زمین اور آسمان سے برکتوں کے دروازے کھلنے (الاعراف 7:96)، حق و باطل میں فرق کی صلاحیت، گناہوں کے کفارے اور بخشش (الانفال 8:29)، کفار کی تدابیر اور سازشوں کا سدباب (آل عمران 3:120)، ہزاروں فرشتوں کے ذریعے فوری مدد و نصرت (آل عمران 3:125) اور اجر عظیم (آل عمران 3:172) جیسی بہت سے بشارتیں بیان فرمائی ہیں۔ بلکہ ایمان کا تقاضا ہی اسی کو شمار کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ (المائدہ 5:57) ''اور اگر تم مومن ہو تو اللہ سے ڈرتے رہو'' نیز فرمایا: ﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ﴾ (الحجرات 49:13) ''یقیناً اللہ کے ہاں تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے

زیادہ متقی ہے۔'' اور ایک عظیم بشارت یہ سنائی: ﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهُ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ (الطلاق 2:65، 3) ''اور جو شخص بھی اللہ سے ڈرے اللہ تعالیٰ اس کے لیے (مشکلات سے نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے اور وہ اسے ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے جہاں سے اسے گمان تک نہیں ہوتا۔'' اور فرمایا: ﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهُ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا﴾ (الطلاق 4:65) ''اور جو شخص اللہ سے ڈرے تو وہ اس کے لیے اس کے کام میں آسانی پیدا فرما دیتا ہے۔'' انھی وجوہات کثیرہ کی بنا پر رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ متقی ہونے کے باوجود یہ دعا مانگتے رہتے تھے: (اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْهُدٰی وَالتُّقٰی وَالْعَفَافَ وَالْغِنٰی) ''اے اللہ! یقیناً میں تجھ سے ہدایت، تقویٰ، عفت و پاکدامنی اور (لوگوں سے بے نیاز اور) مستغنی رہنے کا سوال کرتا ہوں۔'' (مسلم: 2721) نیز یہ بھی دعا فرماتے تھے: (اَللّٰهُمَّ اٰتِ نَفْسِیْ تَقْوَاهَا وَ زَكِّهَا اَنْتَ خَيْرُ مَنْ زَكَّاهَا اَنْتَ وَلِيُّهَا وَ مَوْلَاهَا) ''اے اللہ! میرے نفس کو اس کا تقویٰ عطا فرما اور اس کا تزکیہ فرما یا، تو ہی وہ سب سے بہترین ذات ہے جو اسے پاک کر سکتی ہے تو ہی اس (نفس) کا مالک و مولیٰ ہے۔'' (مسلم: 2722)

[1828] عَنْ مَالِكٍ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ وَخَرَجْتُ مَعَهُ حَتَّى دَخَلَ حَائِطاً، فَسَمِعْتُهُ وَهُوَ يَقُولُ وَبَيْنِي وَبَيْنَهُ جِدَارٌ، وَهُوَ فِي جَوْفِ الْحَائِطِ: عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ، بَخٍ بَخٍ، وَاللّٰهِ لَتَتَّقِيَنَّ اللّٰهَ أَوْ لَيُعَذِّبَنَّكَ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو سنا اس حال میں کہ میں ان کے ہمراہ باہر نکلا، یہاں تک کہ وہ ایک باغ میں داخل ہوئے، چنانچہ میں نے انھیں فرماتے ہوئے سنا، درحالیکہ میرے اور ان کے درمیان دیوار (حائل) تھی اور وہ باغ کے اندر (خود سے کہہ رہے) تھے: خطاب کا بیٹا عمر امیر المومنین (بنا پھر رہا) ہے۔ واہ بھئی واہ! اللہ کی قسم! (خطاب کے بیٹے!) تو ضرور اللہ سے ڈرتا رہ ورنہ وہ ضرور تجھے عذاب میں ڈال دے گا۔

[1829] عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ كَانَ يَقُولُ: أَدْرَكْتُ النَّاسَ وَمَا يَعْجَبُونَ بِالْقَوْلِ.

قاسم بن محمد رحمہ اللہ (بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے، وہ فرمایا کرتے تھے: میں نے لوگوں (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کو

[1828] (موقوف صحيح) ابوداود في الزهد: 55/75، ابن سعد في الطبقات الكبرى: 292/3، ابن عساكر في تاريخ دمشق: 240/47۔ شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ اس کی سند شیخین کی شرط کے مطابق صحیح ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

[1829] (مقطوع حسن) بيهقي في شعب الايمان: 268/4 (5046)، عبدالله بن وهب في الجامع: 517/2 (406)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو حسن قرار دیا ہے۔

ایسا پایا کہ وہ (محض) باتوں پر خوش نہ ہوتے تھے (بلکہ وہ واقعی متقی لوگ تھے، ان کا شیوہ تو عمل تھا اور ان کے قول وفعل باہم مطابق تھے)۔

قَالَ مَالِكٌ: يُرِيْدُ بِذٰلِكَ الْعَمَلَ، إِنَّمَا يُنْظَرُ إِلَى عَمَلِهِ، وَلَا يُنْظَرُ إِلَى قَوْلِهِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ اس سے عمل مراد لے رہے ہیں کہ بلاشبہ آدمی کے تو صرف اور صرف عمل ہی کو دیکھا جاتا ہے۔ اس کی بات پر نظر نہیں کی جاتی۔

80- بَابُ الْقَوْلُ إِذَا سَمِعْتَ الرَّعْدَ

اس قول کا بیان جو آپ کڑک (گرج) سن کر کہیں گے

خلاصۃ الباب اس باب میں ایک مقطوع روایت یعنی اثر تابعی رحمہ اللہ ہے جو سنداً صحیح ہے۔

فائدہ:...... ہوسکتا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے پیچھے کتاب الجامع میں بیان کردہ مختلف امور پر عمل پیرا ہونے میں آسانی کا طریقہ بتاتے ہوئے گزشتہ باب ''تقویٰ'' کے حوالے سے قائم کیا اور مذکورہ باب میں یہ اشارہ کیا ہو کہ یہ گرج چمک وغیرہ کی نشانیاں دراصل انسان کو رب سے ڈرانے کے لیے ہیں۔ واللہ اعلم

[1830] عَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ، أَنَّهُ كَانَ إِذَا سَمِعَ الرَّعْدَ تَرَكَ الْحَدِيثَ وَقَالَ: سُبْحَانَ الَّذِي يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ وَالْمَلَائِكَةُ مِنْ خِيفَتِهِ. ثُمَّ يَقُولُ: إِنَّ هٰذَا لَوَعِيدٌ لِأَهْلِ الْأَرْضِ شَدِيدٌ.

عامر بن عبداللہ بن زبیر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ جب وہ کڑک کی آواز سنتے تو گفتگو چھوڑ دیتے اور فرماتے: (سُبْحَانَ الَّذِيْ يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ وَالْمَلٰئِكَةُ مِنْ خِيفَتِهِ) ''پاک ہے وہ ذات کہ رَعد یعنی کڑک بھی جس کی حمد کے ساتھ تسبیح بیان کرتی ہے اور فرشتے بھی اس کے خوف سے (حمد وتسبیح کرتے ہیں)۔'' پھر فرماتے کہ: بلاشبہ یہ ایک وعید ہے (اور) اہل زمین کے لیے بہت شدید ہے۔

فائدہ:...... امام مالک رحمہ اللہ سے مؤطا کو روایت کرنے والے باقی تمام شاگردوں نے مذکورہ الفاظ عامر رحمہ اللہ سے نہیں بلکہ ان کے والد حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت کیے ہیں کہ وہ انھیں پڑھا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ کچھ یہودی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ: اے ابوالقاسم! ہمیں رعد کے بارے میں بتائیے کہ وہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہے جو بادلوں پر مقرر ہے، اس کے پاس آگ کے کوڑے ہیں جن کے ذریعے وہ بادلوں کو وہاں ہانکتا ہے، جہاں اللہ چاہتا ہے۔'' وہ (یہودی) کہنے لگے: یہ آواز کیا ہوتی ہے جو ہم سنتے ہیں؟ فرمایا ''یہ اس کی بادلوں کو ڈانٹ ڈپٹ ہے جب کہ وہ انھیں

[1830] (مقطوع صحیح) بیھقی: 362/3، ابن ابی شیبہ: 29205، بخاری فی الادب المفرد: 381/1 (723)۔ شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

ڈانٹتا ہے، یہاں تک کہ بادل وہاں پہنچ جاتا ہے، جہاں اسے حکم دیا گیا ہوتا ہے۔'' وہ کہنے لگے کہ آپ ﷺ نے سچ فرمایا ہے۔(ترمذی : 3117، امام ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا ہے)۔

81- بَابُ مَاجَاءَ فِيْ تَرِكَةِ لِلنَّبِيِّ ﷺ

نبی کریم ﷺ کے ترکے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں دو مرفوع روایات (احادیث نبویہ ﷺ) ہیں جو کہ بخاری و مسلم میں بھی موجود ہیں۔

فائدہ :...... مؤطا کا اختتام کتاب الجامع پر ہو رہا ہے جس کے آغاز میں مدینہ منورہ کا بیان ہے اور اب کتاب الجامع کے اختتام پر شاہ مدینہ کی زندگی کے اختتام کا بیان ہے۔ اس کے فوراً بعد اس دنیوی زندگی کے اختتام پر آنے والی آخرت کا تذکرہ ہے۔ جس میں اصل کامیابی جہنم سے بچاؤ کی شکل میں نصیب ہوگی، لہٰذا اس کا تذکرہ کر کے پھر اس سے بچاؤ کے چند طریقے مذکور ہیں یعنی (1) صدقہ و خیرات (2) حصول علم جو بہترین صدقہ جاریہ ہے (3) ظلم سے اجتناب۔ اور پھر اخیر میں اسمائے پیغمبر ﷺ مذکور ہیں۔

[1831] عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ : أَنَّ أَزْوَاجَ النَّبِيِّ ﷺ حِينَ تُوُفِّيَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ، أَرَدْنَ أَنْ يَبْعَثْنَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ ، فَيَسْأَلْنَهُ مِيرَاثَهُنَّ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَتْ لَهُنَّ عَائِشَةُ : أَلَيْسَ قَدْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَا فَهُوَ صَدَقَةٌ .

سیدہ عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ بلاشبہ نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات نے جس وقت کہ رسول اللہ ﷺ دنیا سے رخصت ہوئے، یہ ارادہ کیا کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو (خلیفۃ المسلمین) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجیں۔ وہ ان سے اس وراثت کا سوال کرنا چاہتی تھیں جو انھیں رسول اللہ ﷺ سے ملنی تھی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے فرمایا: کیا رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا تھا: ''ہمارا (یعنی انبیائے کرام علیہم السلام کا) وارث نہیں بنا جاتا، ہم جو کچھ بھی چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہو جاتا ہے۔''

فائدہ :...... یہی حدیث حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے رکھی تھی، جس وقت کہ وہ حق وراثت کا مطالبہ کرتے ہوئے ان کے پاس آئے تھے۔ (بخاری: 4035، 4036) دراصل تین قسم کی زمینیں جو مال فے کے طور پر یعنی بغیر لڑائی کے حاصل ہوئی تھیں، کے متعلق یہ معاملہ کھڑا ہوا تھا۔ مدینہ میں بنو نضیر کے یہودیوں سے حاصل شدہ زمینیں، فدک کا علاقہ اور خیبر کا مفتوحہ علاقہ (خیبر کا کچھ حصہ مال غنیمت تھا اور

[1831] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری ، کتاب الفرائض ، باب قول النبی ﷺ لانورث ماترکنا صدقة ، حدیث: 3034، 6727، 6730، صحیح مسلم کتاب الجهاد، باب قول النبی ﷺ لانورث ما ترکنافهو صدقة: حدیث: 1758، ابوداود: 2976، نسائی فی الکبری: 6311، احمد: 262/6 (26790).

کچھ مال نے فی تھا) چنانچہ مذکورہ بالا حدیث کے مطابق وہ تینوں زمینیں ''صدقہ رسول ﷺ'' کے نام سے مشہور رہیں اور وصیت پیغمبر ﷺ کے مطابق آپ ﷺ کی بیویوں کے اخراجات کے سوا باقی ساری آمدنی صدقہ کردی جاتی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سب کو اپنی نگرانی میں رکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں مدینہ کی زمینیں حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کی نگرانی میں دے دیں، بعد ازاں دور عثمانی میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ الگ ہوگئے اور وہ صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ اور پھر ان کی نسل کی نگرانی میں رہیں تا آنکہ عباسی دور میں وہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اولاد کی طرف منتقل ہوگئیں۔ (بخاری: 3093، 4034، زرقانی: 564/4)......شیعہ رافضی پہلے تینوں خلفائے راشدین پر یہ الزام دھرتے رہتے ہیں کہ انھوں نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو محروم رکھ کر وراثت نبوی ﷺ دبالی تھی۔ حالانکہ اگر ایسا ہوتا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کم از کم اپنے دور میں تو ان زمینوں کو اپنے نام لگوا سکتے تھے لیکن دراصل حدیث مبارکہ کے سامنے سب خاموش ہوگئے تھے اور شیعہ کا بولنا تو محض ان کی دشمنی کی بنا پر ہے...... یہ بھی یاد رہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام درہم و دینار کی بجائے علم نبوت کو وراثت میں چھوڑا کرتے تھے اور ان کے ورثاء علمائے کرام ہوتے تھے۔ قرآن مجید میں حضرت زکریا اور حضرت داؤد علیہما السلام کی وراثت کا جو تذکرہ ہے (سورۂ مریم 6:19، سورۂ نمل 16:27) اس سے بھی علم نبوت کی وراثت مراد ہے ورنہ یہ اعتراض لازم آئے گا کہ حضرت زکریا علیہ السلام کے پورے خاندان بلکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی تمام نسل کے وارث صرف حضرت یحییٰ علیہ السلام ہی کیوں بنے اور حضرت داؤد علیہ السلام کے وارث صرف حضرت سلیمان علیہ السلام ہی کیوں بنے۔

[1832] عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَا يَقْتَسِمُ وَرَثَتِي دَنَانِيرَ، مَا تَرَكْتُ بَعْدَ نَفَقَةِ نِسَائِي وَمُؤْنَةِ عَامِلِي، فَهُوَ صَدَقَةٌ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے ورثاء دینار تقسیم نہیں کرتے۔ میں اپنی بیویوں کے خرچے (سال بھر کے اخراجات) اور اپنے عامل کی مشقت (کے بقدر مزدوری واجرت نکال کر اس) کے بعد جو کچھ بھی چھوڑ جاؤں وہ صدقہ ہے۔''

فائدہ:...... رسول اللہ ﷺ کے عامل سے مراد خلیفہ بھی ہوسکتا ہے اور وہ مزدور بھی جو زمینوں پر متعین ہوتا۔ بیویوں کا خرچہ اس لیے نکلوایا گیا کیونکہ وہ نیا نکاح نہیں کرسکتی تھیں۔ باقی تمام آمدنی تمام مسلمانوں کی ضروریات اور اجتماعی امور کے لیے وقف تھی۔

[1832] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب الوصايا، باب نفقة القيم للوقف، حديث: 2776، 3096، 6729، صحيح مسلم، كتاب الجهاد، باب قول النبي ﷺ لانورث ما تركنا فهو صدقة، حديث: 1760، ابوداود: 2974، احمد: 242/2 (7301).

82- بَابُ مَاجَاءَ فِيْ صِفَةِ جَهَنَّمَ
جہنم کی صورتحال کا بیان

خلاصۃ الباب ☜ اس باب میں دو روایات ہیں۔ ایک مرفوع (حدیث نبوی ﷺ) ہے جو بخاری و مسلم میں بھی ہے اور ایک موقوف (اثر صحابی رضی اللہ عنہ) ہے اور وہ بھی صحیح ہے۔

فائدہ :......جہنم اللہ کی ایک مخلوق ہے اور موجود ہے، جس پر قرآن وسنت کے بیشتر دلائل موجود ہیں۔ جدید فلسفے، طبیعات اور نیچری نظریات کے قائلین کا جہنم کو تسلیم نہ کرنا انھیں اس سے بچا نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے تین مقامات پر بڑی تاکید سے اس کے ہمیشہ رہنے کو بیان کیا ہے اور ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا﴾ فرمایا۔ (النساء 169:4، الاحزاب 65:33، جن 23:72) بعض اِکا دُکا مشہور علماء کہتے ہیں کہ جہنم بالآخر ختم ہو جائے گی، اس سلسلے میں وہ صریح اور محکم نصوص میں تاویل کرتے اور متشابہات کا سہارا لیتے ہیں۔ اللہ ان کی مغفرت فرمائے، یوں لگتا ہے کہ وہ اللہ کی رحمت کے متعلق امید کے غلبے میں ایسا کر گئے۔ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ اگر اللہ سب کو بخشنا چاہے تو وہ اس پر قادر ہے لیکن اس نے ہمیں یہ سکھایا ہے کہ مشرکین، منافقین اور کفار، سدا جہنم میں رہیں گے۔ کیونکہ وہ رحمان ہونے کے ساتھ جبار و قہار کی صفت میں بھی کامل ہے۔

[1833] عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: نَارُ بَنِي آدَمَ الَّتِي يُوقِدُونَ، جُزْءٌ مِنْ سَبْعِينَ جُزْءًا مِنْ نَارِ جَهَنَّمَ فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنْ كَانَتْ لَكَافِيَةً . قَالَ: إِنَّهَا فُضِّلَتْ عَلَيْهَا بِتِسْعَةٍ وَسِتِّينَ جُزْءًا .

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بنو آدم کی وہ آگ جسے وہ جلاتے ہیں جہنم کی آگ کے ستر حصوں میں سے صرف ایک حصہ ہے۔'' لوگوں نے عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول! (عذاب کے لیے تو) یہی کافی تھی۔ فرمایا: ''یقیناً اسے اس سے انہتر گنا زیادہ رکھا گیا ہے۔''

[1834] عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّهُ قَالَ: أَتُرَوْنَهَا حَمْرَاءَ كَنَارِكُمْ هٰذِهِ، لَهِيَ أَسْوَدُ مِنَ الْقَارِ . وَالْقَارُ: الزِّفْتُ .

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ''کیا تم اس (جہنم کی آگ) کو سرخ سمجھتے ہو جس طرح کہ تمھاری یہ آگ ہوتی ہے۔ (نہیں نہیں، بلکہ) یقیناً وہ تو

[1833] (مرفوع صحيح) صحيح البخاری، كتاب بدء الخلق، باب صفة النار و انها مخلوقة، حديث: 3265، صحيح مسلم، كتاب الجنة و نعيمها، باب جهنم اعاذنا الله منها، حديث: 2843، ترمذی: 2589، احمد: 244/2، 313 (7323، 8111)، دارمی: 2847.

[1834] (موقوف صحيح) بغوی فی شرح السنة: 4400۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

''قار'' سے بھی زیادہ سیاہ ہے...... امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ''قار'' سے مراد تارکول ہے۔

فائدہ: ...... اسے ''قیر'' بھی کہتے ہیں۔ انگلش میں ٹارکو (Tarcoal)، فارسی میں تنک اور اردو میں عموماً تارکول یا رال کہہ دیتے ہیں۔ یہ سیاہ قسم کا روغن ہوتا ہے جو دراڑیں اور سوراخ بند کرنے کے لیے کشتیوں وغیرہ میں لگاتے ہیں اور آج کل اس کا استعمال سڑکوں اور تعمیراتی کام میں زیادہ ہوتا ہے۔ یہ روایت حکماً مرفوع ہے کیونکہ ایسی بات قیاس سے نہیں کہی جا سکتی۔

83- بَابٌ: اَلتَّرْغِيبُ فِي الصَّدَقَةِ

صدقہ کرنے کی ترغیب کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں چھ روایات ہیں۔ چار مرفوع (احادیث نبویہ ﷺ) ہیں جن میں سے دو صحیح، ایک حسن اور ایک ضعیف ہے اور دو روایات موقوف (آثار صحابہ رضی اللہ عنہم) ہیں اور دونوں ہی سنداً ضعیف ہیں۔

[1835] عَنْ أَبِي الْحُبَابِ سَعِيدِ بْنِ يَسَارٍ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَنْ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ مِنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ، وَلَا يَقْبَلُ اللّٰهُ إِلَّا طَيِّبًا، كَانَ إِنَّمَا يَضَعُهَا فِي كَفِّ الرَّحْمَنِ، يُرَبِّيهَا كَمَا يُرَبِّي أَحَدُكُمْ فَلُوَّهُ أَوْ فَصِيلَهُ، حَتَّى تَكُونَ مِثْلَ الْجَبَلِ.

ابو الحباب سعید بن یسار رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے پاکیزہ (حلال) کمائی سے کوئی صدقہ کیا اور اللہ تعالیٰ بھی طیب یعنی پاکیزہ چیز کے علاوہ کچھ قبول نہیں کرتا۔ تو بلاشبہ وہ شخص اسے رحمان کی ہتھیلی میں رکھ دیتا ہے، (پھر) وہ (اللہ) اسے یوں پالتا (اور بڑھاتا) ہے جیسے تم میں سے کوئی اپنے گھوڑی کے بچے کو یا اپنی اونٹنی کے بچے کو پالتا ہے، یہاں تک کہ وہ (صدقہ ایک) پہاڑ کی طرح ہو جاتا ہے۔''

فائدہ: ...... خوش نصیب ہیں وہ جو روزانہ کچھ نہ کچھ رحمان کی ہتھیلی میں رکھتے ہیں۔ ہم اللہ کی ہتھیلی کو تسلیم کرتے ہیں لیکن نہ تشبیہ بیان کرتے ہیں اور نہ کیفیت۔ یہ اللہ کی صفت ہے جیسے بھی اس کے شایان شان ہے...... گھوڑی یا اونٹنی کے بچے کا تذکرہ اس لیے کیا گیا ہے کہ عربوں کو ان سے محبت بھی خوب ہوتی تھی اور وہ انھیں پروان چڑھانے کا خوب اہتمام بھی کرتے تھے۔

[1835] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب الزكاة، باب الصدقة من كسب طيب، حديث: 1410، 7430، صحيح مسلم، كتاب الزكاة، باب قبول الصدقة من الكسب الطيب، حديث: 1014، ترمذی: 661، نسائی: 2526، ابن ماجه: 1842، احمد: 331/2، دارمی: 1675.

[1836] اَنَّ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ : كَانَ أَبُو طَلْحَةَ أَكْثَرَ أَنْصَارِيٍّ بِالْمَدِينَةِ مَالاً مِنْ نَخْلٍ ، وَكَانَ أَحَبُّ أَمْوَالِهِ إِلَيْهِ بَيْرُحَاءَ ، وَكَانَتْ مُسْتَقْبِلَةَ الْمَسْجِدِ ، وَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَدْخُلُهَا وَيَشْرَبُ مِنْ مَاءٍ فِيهَا طَيِّبٍ ، قَالَ أَنَسٌ : فَلَمَّا أُنْزِلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ : ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ [آل عمران : 92] قَامَ أَبُو طَلْحَةَ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَقُولُ : ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ﴾ وَإِنَّ أَحَبَّ أَمْوَالِي إِلَيَّ بَيْرُحَاءَ ، وَإِنَّهَا صَدَقَةٌ لِلّٰهِ أَرْجُو بِرَّهَا وَذُخْرَهَا عِنْدَ اللّٰهِ ، فَضَعْهَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ حَيْثُ شِئْتَ . قَالَ : فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : بَخْ ، ذٰلِكَ مَالٌ رَابِحٌ ، ذٰلِكَ مَالٌ رَابِحٌ ، وَقَدْ سَمِعْتُ مَا قُلْتَ فِيهِ ، وَإِنِّي أَرَى أَنْ تَجْعَلَهَا فِي الْأَقْرَبِينَ فَقَالَ أَبُو طَلْحَةَ : أَفْعَلُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ، فَقَسَمَهَا أَبُو طَلْحَةَ فِي أَقَارِبِهِ وَبَنِي عَمِّهِ .

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں: (ان کے سوتیلے والد) حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں کھجوروں کے درختوں کے اعتبار سے تمام انصار صحابہ رضی اللہ عنہم میں سب سے زیادہ مالدار تھے اور ان کے نزدیک ان کے تمام اموال (باغات) میں سب سے زیادہ محبوب "بَيْرُحَاء" (نامی باغ) تھا اور وہ مسجد نبوی کے (بالکل) سامنے تھا۔ رسول اللہ ﷺ اس میں داخل ہوا کرتے تھے اور اس میں موجود عمدہ (ٹھنڈا و میٹھا) پانی نوش فرمایا کرتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی: ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ (آل عمران 92:3) "تم ہرگز نیکی کو نہیں پا سکتے یہاں تک کہ اس میں سے خرچ کرو جس سے تم محبت رکھتے ہو۔" تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی طرف اٹھ (کر چلے) گئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! یقیناً اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ (آل عمران 92:3) اور یقیناً میرے تمام مالوں میں میرے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ مال "بَيْرُحَاء" ہے اور بلاشبہ وہ (اب میری طرف سے) اللہ کے لیے صدقہ ہے، میں اس کی نیکی (اور خیر و بھلائی) اور اللہ کے ہاں ذخیرہ ہو جانے کی امید رکھتا ہوں۔ لہٰذا اے اللہ کے رسول! آپ جہاں چاہیں اسے رکھ دیجیے (خرچ کر دیجیے)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "واہ بھئی واہ! یہ تو نفع بخش مال ہے، یہ تو نفع

[1836] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري ، كتاب الزكاة ، باب الزكاة على الاقارب ، حديث : 1461، 2318، 2752، 2758، 2769، 4554، 4555، 5611، صحيح مسلم ، كتاب الزكاة ، باب فضل النفقة والصدقة على الاقربين ، حديث: 998، ابوداود: 1689، ترمذي: 2997، نسائي: 3632، احمد: 141/3 (12465)، دارمي: 1655.

بخش مال ہے۔ تم نے اس کے متعلق جو کچھ کہا، وہ میں نے سن لیا ہے اور بلاشبہ میں یہ (زیادہ بہتر) سمجھتا ہوں کہ تم اسے اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کردو۔'' تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! میں (ایسے ہی) کر دیتا ہوں۔ چنانچہ حضرت ابوطلحہ نے اسے اپنے رشتہ داروں اور اپنے چچا کے بیٹوں کے درمیان تقسیم کر دیا۔

فائدہ: ......جن میں حضرت حسان بن ثابت اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں انھوں نے اسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بہت مہنگے داموں فروخت کیا کہ گویا ایک صاع کھجور کے بدلے ایک صاع چاندی لے رہے ہو (انھوں نے ایک لاکھ درہم وصول کیے تھے)، پھر اس جگہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ''قصر بنی حدیلہ'' نامی محل تعمیر کروایا۔ (بخاری: 2758، مسلم: 43/998) رشتہ داروں میں حضرت شداد بن اوس اور حضرت نبیط بن جابر رضی اللہ عنہما کے نام بھی مروی ہیں۔ (زرقانی: 570/4) رشتہ داروں پر خرچ سے دوہرا اجر ملتا ہے۔ صدقہ کا بھی اور صلہ رحمی کا بھی۔ (بخاری: 1466، مسلم: 1000)

[1837] عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: أَعْطُوا السَّائِلَ وَإِنْ جَاءَ عَلَى فَرَسٍ.

زید بن اسلم رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سائل (مانگنے والے) کو دیا کرو اور خواہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے۔''

فائدہ: ......اگر دینے کے لیے پاس کچھ بھی نہ ہو تو نرم انداز میں معذرت کر لینی چاہیے۔ (بنی اسرائیل 28:17) سائل کو ڈانٹنا تو ممنوع ہے۔ (الضحی 10:93) البتہ اگر غیر مستحق شخص سوال کرے تو اسے پیار سے سمجھانا بھی چاہیے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کو سمجھایا کہ حرص کے ساتھ جو مال ملے اس میں برکت نہیں پڑتی اور دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے تو انھوں نے کبھی نہ مانگنے کا عہد کر لیا اور اس پر قائم رہے۔ (بخاری: 1472، مسلم: 1035) اسی طرح دو طاقتور اور تندرست شخص جو آپ ﷺ سے صدقہ میں سے کچھ مانگ رہے تھے، آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''اگر تم چاہو تو میں تمھیں دے دیتا ہوں لیکن اس میں کسی مالدار شخص کا اور ایسے شخص کا کوئی حصہ نہیں جو طاقتور ہو اور کمانے کی صلاحیت رکھتا ہو'' (ابوداود: 1633۔ اس کی سند حسن ہے)

[1838] عَنْ عَمْرِو بْنِ مُعَاذٍ الْأَشْهَلِيِّ

عمرو بن معاذ (بن سعد بن معاذ) اشہلی انصاری رحمہ اللہ نے

[1837] (مرفوع ضعیف) سنن ابی داود، کتاب الزکاۃ، باب حق السائل، حدیث: 1665، 1666، احمد: 201/1 (1730)، عبدالرزاق: 93/11۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔

[1838] (مرفوع حسن لغیرہ) بخاری فی الادب المفرد: 65/1 (122)، طبرانی فی المعجم الکبیر: 174/24، بیہقی فی شعب الایمان: 253/3 (3462)، احمد: 64/4، دارمی: 1672۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو شواہد کی بنا پر حسن لغیرہ کہا ہے۔

الْأَنْصَارِی ، عَنْ جَدَّتِهِ أَنَّهَا قَالَتْ : قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : يَا نِسَاءَ الْمُؤْمِنَاتِ لَا تَحْقِرَنَّ إِحْدَاكُنَّ لِجَارَتِهَا ، وَلَوْ كُرَاعَ شَاةٍ مُحْرَقًا .

اپنی دادی (حواء بنت یزید بن سکن رضی اللہ عنہا) سے روایت کیا، وہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے مومن عورتو! تم میں سے کوئی بھی اپنی پڑوسن کے لیے (ہدیہ بھیجنا) حقیر نہ جانے، اگر چہ وہ بکری کا جلا ہوا کھر ہو۔''

فائدہ :......نہ بھیجنا حقیر نہ جانو اور نہ قبول کرنا۔ یہ روایت پیچھے گزر چکی ہے۔(موطا : 1688) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی یہ روایت ثابت ہے۔(مسلم : 1030)

[1839] عَنْ مَالِكٍ ، أَنَّهُ بَلَغَهُ ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ ، أَنَّ مِسْكِيناً سَأَلَهَا وَهِيَ صَائِمَةٌ ، وَلَيْسَ فِي بَيْتِهَا إِلَّا رَغِيفٌ ، فَقَالَتْ لِمَوْلَاةٍ لَهَا : أَعْطِيهِ إِيَّاهُ . فَقَالَتْ : لَيْسَ لَكِ مَا تُفْطِرِينَ عَلَيْهِ . فَقَالَتْ : أَعْطِيهِ إِيَّاهُ . قَالَتْ: فَفَعَلْتُ ، قَالَتْ : فَلَمَّا أَمْسَيْنَا أَهْدَى لَنَا أَهْلُ بَيْتٍ ، أَوْ إِنْسَانٌ مَا كَانَ يُهْدِي لَنَا ، شَاةً وَكَفَنَهَا ، فَدَعَتْنِي عَائِشَةُ أُمُّ الْمُؤْمِنِينَ فَقَالَتْ : كُلِي مِنْ هَذَا هَذَا خَيْرٌ مِنْ قُرْصِكِ .

امام مالک رحمہ اللہ کو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ پیغمبر ﷺ کے متعلق یہ خبر پہنچی کہ بیشک ایک مسکین نے ان سے (کچھ مانگا) وہ اس وقت روزے سے تھیں اور گھر میں ایک روٹی کے سوا کچھ نہ تھا، پھر (بھی) انھوں نے اپنی آزاد کردہ باندی سے فرمایا کہ اسے وہ (روٹی) دے دو۔ وہ کہنے لگی کہ آپ کے پاس کوئی (اور) چیز نہیں ہے جس سے آپ روزہ افطار کر سکیں تو انھوں نے فرمایا: تم اسے وہ دے دو۔ اس لونڈی نے کہا کہ میں نے ایسا ہی کیا۔ وہ کہتی ہے: جب ہم نے شام کی تو ہم کو کسی گھر والوں نے یا (کہا کہ) کسی شخص جو (اس سے قبل) ہمیں ہدیہ نہیں دیا کرتے تھے، نے بکری اور وہ بھی پکی ہوئی، ہدیے میں بھیج دی تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے مجھے بلایا اور فرمایا: اس میں سے تم بھی کھاؤ۔ یہ تیری اس (صدقہ میں دی ہوئی) روٹی سے بہتر ہے۔''

فائدہ :......اگر چہ یہ روایت ضعیف ہے لیکن یہ فرمان الٰہی تو برحق ہے: ﴿وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ﴾ (سبا 39:34) ''اور تم جو چیز بھی خرچ کرو گے وہ (ضرور) اس کا نعم البدل عطا فرمائے گا۔'' اس روایت کے شروع میں ہندی نسخوں میں (لَيْسَ عَلَيْكِ) جبکہ مصری نسخوں میں (لَيْسَ لَكِ) ہے۔ ہندی نسخوں میں یا تو علی بمعنی عند ہے، یا پھر تقدیر عبارت یہ ہے: (لَيْسَ عَلَيْكِ اَنْ تَصَدَّقِيْ) یعنی آپ پر لازم نہیں کہ وہ چیز صدقہ میں دے دیں جس پر آپ نے خود روزہ افطار کرنا ہے......(كَفَنَهَا) کے معنی بے نمک کھانے کے بھی ہوتے ہیں، اس صورت میں عطف تفسیری ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ ہدیہ دینے والے نے بکری کو پکا کر بھیجا تھا تا کہ وہ کھائی جا سکے

[1839] (موقوف ضعیف) بیهقی فی شعب الایمان : 260/3 (3482)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

گویا ''شاۃ'' اور ''کَفنَهَا'' سے ایک ہی چیز مراد ہے لیکن علامہ منذری رحمہ اللہ نے اس کی وضاحت یوں کی ہے: (مَا يَسْتُرُهَا مِنَ الطَّعَامِ وَغَيْرِهِ) اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے یوں وضاحت کی ہے: (مَا يُغَطِّيهَا مِنَ الْأَقْرَاصِ وَالرُّغُفِ) یعنی وہ کھانا اور روٹیاں وغیرہ جو بکری کے گوشت پر رکھی ہوئی تھیں اور اسے یوں ڈھانپے ہوئے تھیں جیسے مردے پر کفن کی چادر ہو۔ (ضعيف الترغيب والترهيب : 514)

[1840] عَنْ مَالِكٍ قَالَ : بَلَغَنِي أَنَّ مِسْكِينًا اسْتَطْعَمَ عَائِشَةَ أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ ، وَبَيْنَ يَدَيْهَا عِنَبٌ ، فَقَالَتْ لِإِنْسَانٍ خُذْ حَبَّةً فَأَعْطِهِ إِيَّاهَا ، فَجَعَلَ يَنْظُرُ إِلَيْهَا وَيَعْجَبُ ، فَقَالَتْ عَائِشَةُ : أَتَعْجَبُ ؟ كَمْ تَرَى فِي هَذِهِ الْحَبَّةِ مِنْ مِثْقَالِ ذَرَّةٍ .

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ بے شک ایک مسکین نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ پیغمبر ﷺ سے کھانا مانگا، اس حال میں کہ ان کے سامنے انگور پڑے ہوئے تھے تو انھوں نے کسی شخص سے کہا: انگور کا ایک دانہ لو اور اس مسکین کو وہ دے آؤ تو وہ شخص (حیرت سے) انھیں دیکھنے لگا اور تعجب کرنے لگا (کہ بھلا ایک دانہ بھی صدقہ میں دیا جاتا ہے) تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کیا تو تعجب کر رہا ہے، تم اس دانے میں کس قدر ذرات دیکھ رہے ہو۔

فائدہ: ...... یہ سب ذرات اجر کا ذریعہ ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ﴾ (الزلزال 7:99) ''لہٰذا جس نے ذرہ بھر بھلائی کی وہ اسے بھی دیکھ لے گا۔'' اور فرمایا: ﴿وَإِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا﴾ (الانبیاء 47:21) ''اور اگر وہ (عمل) رائی کے دانے کے برابر بھی ہوگا تو ہم اسے لے آئیں گے'' اور فرمایا: ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَإِنْ تَكُ حَسَنَةً يُضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ أَجْرًا عَظِيمًا﴾ (النساء 40:4) ''یقیناً اللہ ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا اور اگر وہ کوئی نیکی ہو تو وہ اسے بڑھا دیتا ہے اور اپنی طرف سے بہت بڑا اجر بھی عطا فرماتا ہے۔''

84- بَابُ مَاجَاءَ فِي التَّعَفُّفِ عَنِ الْمَسْأَلَةِ

مانگنے سے بچنے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں چھ مرفوع روایات (احادیث نبویہ ﷺ) ہیں اور سب کی سب بخاری و مسلم کی روایات میں سے ہیں، سوائے ایک کے اور وہ بھی صحیح ہیں۔

[1840] (موقوف ضعيف) بيهقى فى شعب الايمان : 254/3 (3466)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

[1841] عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ نَاسًا مِنَ الْأَنْصَارِ سَأَلُوا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فَأَعْطَاهُمْ، ثُمَّ سَأَلُوهُ فَأَعْطَاهُمْ، حَتَّى نَفِدَ مَا عِنْدَهُ، ثُمَّ قَالَ: مَا يَكُونُ عِنْدِي مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ أَدَّخِرَهُ عَنْكُمْ، وَمَنْ يَسْتَعْفِفْ يُعِفَّهُ اللّٰهُ، وَمَنْ يَسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللّٰهُ، وَمَنْ يَتَصَبَّرْ يُصَبِّرْهُ اللّٰهُ، وَمَا أُعْطِيَ أَحَدٌ عَطَاءً هُوَ خَيْرٌ وَأَوْسَعَ مِنَ الصَّبْرِ.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ انصار میں سے کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا (کہ ہمیں کچھ عنایت فرمایئے) آپ ﷺ نے انھیں عطا فرمادیا، انھوں نے پھر مانگا تو آپ ﷺ نے انھیں دے دیا۔ تین بار ایسا ہوا یہاں تک کہ آپ ﷺ کے پاس جو کچھ (مال) تھا وہ ختم ہوگیا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''میرے پاس جو کوئی بھی مال ہوگا، میں اسے تم سے (چھپا کر) ذخیرہ نہیں کروں گا اور جو کوئی (عفت و پاکدامنی اختیار کرنا اور مانگنے سے بچنا چاہے گا تو اللہ اسے بچالے گا اور جو کوئی (مخلوق سے) بے نیاز بننا چاہے گا تو اللہ اسے بے نیازی عطا فرمادے گا اور جو کوئی صبر کرنا چاہے گا اللہ اسے صبر کی توفیق دے دے گا اور کسی شخص کو کوئی ایسی نعمت عطا نہیں کی گئی جو صبر سے زیادہ بہتر اور زیادہ وسعت والی ہو۔''

فائدہ: ......اے اللہ! ہم خاکساروں کو اور خصوصاً تمام علماء، طلباء و اساتذہ کو یہ تمام اخلاق عالیہ اور اوصاف فاضلہ عطا فرمائے۔ آمین

[1842] عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ، وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ، وَهُوَ يَذْكُرُ الصَّدَقَةَ وَالتَّعَفُّفَ عَنِ الْمَسْأَلَةِ: الْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى، وَالْيَدُ الْعُلْيَا هِيَ الْمُنْفِقَةُ، وَالسُّفْلَى هِيَ السَّائِلَةُ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس حال میں کہ وہ منبر پر تھے اور صدقے کا اور (لوگوں سے) مانگنے سے بچے رہنے کا تذکرہ فرما رہے تھے، (فرمایا): ''اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے اور اوپر والے ہاتھ سے مراد خرچ کرنے والا اور نیچے والے ہاتھ سے مراد مانگنے والا ہاتھ ہے۔''

[1841] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب الزکاۃ، باب الاستعفاف عن المسئلة، حدیث: 1469، 6470، صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب فضل التعفف والصبر والقناعة، حدیث: 1053، ابوداود: 1644، ترمذی: 2024، نسائی: 2589، احمد: 93/3 (11912، 11913)، دارمی: 1646۔

[1842] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب الزکاۃ، باب لا صدقة الا عن ظهر غنی، حدیث: 1429، صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب بیان ان الید العلیا خیر من الید السفلی، حدیث: 1033، ابوداود: 1648، نسائی: 2534، احمد: 67/2 (5344)، دارمی: 1652۔

[1843] عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ أَرْسَلَ إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ بِعَطَاءٍ ، فَرَدَّهُ عُمَرُ ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : لِمَ رَدَدْتَهُ ؟فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَلَيْسَ أَخْبَرْتَنَا أَنَّ خَيْراً لأَحَدِنَا أَنْ لَا يَأْخُذَ مِنْ أَحَدٍ شَيْئاً ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : إِنَّمَا ذٰلِكَ عَنِ الْمَسْأَلَةِ ، فَأَمَّا مَا كَانَ مِنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ ، فَإِنَّمَا هُوَ رِزْقٌ يَرْزُقُكَهُ اللّٰهُ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: أَمَا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا أَسْأَلُ أَحَداً شَيْئاً ، وَلَا يَأْتِينِي شَيْءٌ مِنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ إِلَّا أَخَذْتُهُ .

عطاء بن یسار رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ یقیناً رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی طرف ان کا عطیہ (حقِ خدمت) بھیجا تو انھوں نے (ازروئے زُھد) اسے واپس لوٹا دیا۔ پس رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا: ''تم نے اسے کیوں واپس لوٹایا''؟ تو انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ ہی نے ہمیں یہ خبر نہیں دی تھی کہ یقیناً ہم میں سے (ہر) کسی کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ کسی سے کچھ نہ لے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' بلاشبہ یہ بات تو مانگنے کے متعلق تھی، رہا وہ مال جو بغیر مانگنے کے (مل رہا) ہو تو یقیناً وہ تو ایک (خاص) رزق ہے، جو اللہ تمھیں عطا فرما رہا ہے۔'' چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں کسی سے کچھ نہ مانگوں گا اور جو کچھ میرے پاس بغیر مانگے آئے گا، اسے ضرور ضرور لے لوں گا۔

فائدہ: ......اس واقعہ عمر رضی اللہ عنہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ زکاۃ کے علاوہ کوئی اور مال بھی تبھی لیا جائے، جب اس میں دو شرطیں ملحوظ ہوں: (اَنْتَ غَيْرُ مُشْرِفٍ وَلَا سَائِلٍ) ''تو حرص کرنے والے ہو اور نہ ہی مانگنے والے۔'' (بخاری : 1473 ، مسلم : 1045) لہٰذا جس طرح بغیر شدید ضرورت کے مانگنا درست نہیں اسی طرح حرص بھی اور محض دنیا و مال کی طلب کی نیت بھی درست نہیں، چنانچہ جو شخص صرف اور صرف تنخواہ اور حق خدمت ہی کے حصول کی غرض سے کوئی دینی کام کرے، مثلاً: امامت، خطابت، تدریس، دینی امور کے لیے چندہ، فنڈ یا زکاۃ اکٹھی کرنا وغیرہ تو یہ بھی درست نہیں۔ یہ نیت کا معاملہ ہے۔ اگر آدمی خود حرص کرتا ہے اور حصول مال کے لیے ایسی ذمہ داری و نوکری طلب کرتا ہے تو ممنوع ہے اور اگر اسلامی سلطنت کی طرف سے کسی پر ذمہ داری عائد ہو اور آدمی کے دل میں سوائے خدمت دین اور اطاعت امیر کے کوئی مقصد نہ ہو تو پھر جو تنخواہ ملے اسے لے لینا چاہیے۔ اسی طرح ہدیہ کا معاملہ ہے، اگر کوئی شخص یہ حرص کرے کہ فلاں شخص مثلاً شاگرد یا مرید یا مقتدی یا دوست وغیرہ مجھے فلاں قسم کی چیز ہدیہ کر دے تو یہ بھی ایک حرص ہے اور اگر ہدیہ مانگا جائے تو پھر یہ مانگنا شمار ہے اور اس پر ہدیہ کا تو صرف لیبل لگایا گیا ہے۔ ہر متقی و خود دار شخص کو ایسے

[1843] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري ، كتاب الزكاة ، باب من اعطاه الله شيئا من غير مسالة ، حديث: 1473 ، 7163 ، 7164 ، صحيح مسلم ، كتاب الزكاة ، باب جواز الاخذ بغير سؤال ولاتطلع ، حديث: 1045 ، ابوداود : 1647 ، نسائي : 2605 ، احمد: 21/1 (136) ، دارمي : 1647 .

ہدیے سے بھی دور رہنا چاہیے کیونکہ مذکورہ حدیث کے الفاظ عام ہیں۔صرف صدقہ وزکاۃ کی حرص ہی ممنوع نہیں بلکہ ہر دنیوی متاع کی حرص ممنوع ہے اور پھر اس حدیث میں تو زکاۃ کے علاوہ مال کے متعلق شرائط بیان ہوئی ہیں۔ نیز آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: ''جو مال بغیر حرص کے آئے اسے لے لو، پھر اپنا مال بنالو اور (یا) اسے صدقہ کردو۔'' (بخاری: 7163، 7164، مسلم: 111/1045) یعنی ایسے پاکیزہ رزق الٰہی لینے سے انکار کرنا بھی درست نہیں بلکہ یہ تو مزید نیکیاں کمانے کا ذریعہ ہے، نیز نہ یہ عمل زہد کے منافی ہے اور نہ ہی دنیا طلبی شمار ہوتا ہے۔

[1844] عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَيَأْخُذَ أَحَدُكُمْ حَبْلَهُ فَيَحْتَطِبَ عَلَى ظَهْرِهِ، خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَأْتِيَ رَجُلاً أَعْطَاهُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ، فَيَسْأَلَهُ أَعْطَاهُ أَوْ مَنَعَهُ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یقیناً تم میں سے کوئی شخص اپنی رسی لے لے، پھر وہ لکڑیاں اکٹھی کر کے اپنی کمر پر اٹھا لائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ کسی آدمی کے پاس آئے، جسے اللہ نے اپنے فضل میں سے کچھ عطا کر رکھا ہو، پھر یہ اس سے مانگے (اور) وہ اسے دے یا نہ دے۔''

فائدہ: ......الغرض خود دار شخص یہ پسند نہیں کرتا کہ کسی سے کچھ مانگے اور وہ کوئی بہانہ کر دے یا ڈانٹ ڈپٹ کر دے۔ اس سے تو آدمی شرم کے مارے پانی پانی ہو جاتا ہے۔ ایسی ذلت اٹھانے سے بہتر ہے کہ آدمی تھوڑی بہت محنت مزدوری کر لے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ وہ اس طرح لکڑیاں اکٹھی کر کے انھیں بیچ کر کچھ کما لے، جس کی وجہ سے اللہ اس کے چہرے کو (ذلت سے) بچالے تو یہ مانگنے سے بہتر ہے۔ (بخاری: 1470، مسلم: 1042)

نیز فرمان نبوی ﷺ ہے: ''جو شخص اپنا مال بڑھانے کے لیے لوگوں سے مانگتا ہے تو بلاشبہ وہ آگ کا انگارہ ہی مانگتا ہے، (اب اس کی مرضی ہے کہ یہ انگارے) چاہے تو تھوڑے حاصل کرے یا زیادہ۔'' (مسلم: 1041) اسی طرح فرمان مصطفی ﷺ ہے: ''آدمی لوگوں سے مسلسل مانگتا رہتا ہے یہاں تک کہ روزِ قیامت اس حال میں آئے گا کہ اس کے چہرے پر گوشت کا کوئی ٹکڑا نہیں ہوگا۔'' (بخاری: 1474، مسلم: 1040)

[1844] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب الزکاۃ، باب الاستعفار عن المسالة، حدیث: 1470، 1480، 2074، 2374، صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب کراھة المسالة للناس، حدیث: 1042، ترمذی: 680، نسائی: 2590، احمد: 243/2 (7315)۔

[1845] عَنْ رَجُلٍ مِنْ بَنِي أَسَدٍ، أَنَّهُ قَالَ: نَزَلْتُ أَنَا وَأَهْلِي بِبَقِيعِ الْغَرْقَدِ، فَقَالَ لِي أَهْلِي: اذْهَبْ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَاسْأَلْهُ لَنَا شَيْئاً نَأْكُلُهُ. وَجَعَلُوا يَذْكُرُونَ مِنْ حَاجَتِهِمْ، فَذَهَبْتُ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، فَوَجَدْتُ عِنْدَهُ رَجُلاً يَسْأَلُهُ، وَرَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: لَا أَجِدُ مَا أُعْطِيكَ فَتَوَلَّى الرَّجُلُ عَنْهُ وَهُوَ مُغْضَبٌ، وَهُوَ يَقُولُ: لَعَمْرِي إِنَّكَ لَتُعْطِي مَنْ شِئْتَ. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: إِنَّهُ لَيَغْضَبُ عَلَيَّ أَنْ لَا أَجِدَ مَا أُعْطِيهِ، مَنْ سَأَلَ مِنْكُمْ وَلَهُ أُوقِيَّةٌ أَوْ عَدْلُهَا، فَقَدْ سَأَلَ إِلْحَافاً قَالَ الأَسَدِيُّ: فَقُلْتُ لَلَقْحَةٌ لَنَا خَيْرٌ مِنْ أُوقِيَّةٍ. قَالَ مَالِكٌ: وَالأُوقِيَّةُ أَرْبَعُونَ دِرْهَماً. قَالَ: فَرَجَعْتُ وَلَمْ أَسْأَلْهُ، فَقَدِمَ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ بَعْدَ ذَلِكَ بِشَعِيرٍ وَزَبِيبٍ، فَقَسَمَ لَنَا مِنْهُ حَتَّى أَغْنَانَا اللّٰهُ.

بنو اسد کے ایک شخص سے روایت ہے، کہتے ہیں: میں اور میرے گھر والوں نے (مسجد نبوی ﷺ کے بائیں جانب مدینہ منورہ کے قبرستان) بقیع غرقد کے پاس پڑاؤ ڈالا تو میرے گھر والے مجھ سے کہنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤ اور آپ ﷺ سے ہمارے لیے کچھ مانگو جسے ہم کھائیں اور وہ شروع ہوگئے اپنی حاجت (محتاجی) کا تذکرہ کرنے لگے۔ چنانچہ میں رسول اللہ ﷺ کی طرف گیا تو میں نے آپ ﷺ کے پاس ایک شخص کو پایا، جو آپ ﷺ سے مانگ رہا تھا اور رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے: ''میں کوئی ایسی چیز نہیں پاتا جو تمھیں دوں (فی الحال کچھ موجود نہیں ہے)۔'' تو وہ آدمی اس حال میں آپ ﷺ کے پاس سے جانے کے لیے مڑا، وہ غصے میں تھا اور کہہ رہا تھا کہ میری عمر کی قسم! یقیناً آپ جسے چاہتے ہیں اسی کو دیتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بیشک وہ مجھ پر اسی وجہ سے غصہ ہو رہا ہے کہ میں (اس وقت) کوئی چیز نہیں پاتا، جو اسے دے سکوں۔ (سن لو) تم میں سے جو شخص بھی اس حال میں سوال کرے (اور کچھ مانگے) کہ اس کے پاس (اس کی ملکیت میں) ایک اوقیہ (چالیس درہم) یا اس کے برابر (کوئی مال) ہو تو یقیناً اس نے اِلْحَاف (اور اصرار) کرتے ہوئے (چمٹ کر) مانگا (جو کہ ممنوع ہے)۔'' وہ اَسَدی صحابی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے (اپنے آپ سے) کہا کہ (ہمارے پاس تو ایک اونٹنی بھی موجود ہے اور) یقیناً اونٹنی تو ایک اوقیہ سے بھی بہتر ہے (لہٰذا ہمارے لیے تو مانگنے کی گنجائش نہیں رہتی)۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے۔ وہ (اسدی صحابی رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں: پھر میں واپس لوٹ آیا اور آپ ﷺ سے کچھ بھی نہ مانگا۔ پھر اس کے (تھوڑی ہی دیر) بعد رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ جَو اور مُنَقّٰی (خشک میوہ، کشمش) آئے تو آپ ﷺ نے اس میں سے

[1845] (مرفوع صحیح) سنن ابی داود، کتاب الزکاۃ باب من یعطی من الصدقة وحد الغنی، حدیث: 1627، سنن النسائی، کتاب الزکاۃ، باب اذا لم یکن له دراهم و کان له عدلها، حدیث: 2597، احمد: 36/4 (16525)۔ شیخ سلیم ہلالی اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ الصحیحۃ: 296/4 (1719).

ہمارے لیے بھی حصہ نکالا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں غنی (مالدار اور بے نیاز) کر دیا۔

فائدہ :......یعنی ہم نے مانگنے سے بے نیازی چاہی تو اللہ نے ہمیں اپنی جناب سے عطا فرما کر ہمیں بے نیاز فرما دیا۔ ''بقیع غرقد'' کا یہ نام اس لیے پڑا کہ وہاں غرقد نامی ایک کانٹے دار درخت تھا۔ الحاف کے متعلق قرآن مجید میں ہے کہ جن فقراء کے لیے صدقہ وزکاۃ حلال ہیں ان کی ایک صفت یہ ہے: ﴿لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا﴾ (البقرۃ 273:2) ''وہ لوگوں سے چمٹ کر سوال نہیں کرتے۔'' یعنی اگر کبھی شدید حاجت کی وجہ سے مانگنا پڑ جائے تو بھی کسی کو تنگ کرتے ہیں اور نہ پیچھے پڑتے ہیں......اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں رسول اللہ ﷺ نے چالیس درہم چاندی کے بقدر مال کی ملکیت رکھنے والے کو، اگر وہ مانگے تو مذکورہ صفت سے خارج قرار دیا ہے اور چمٹ کر سوال کرنے والا شمار کیا ہے خواہ وہ ایک بار مانگے یا زیادہ بار...... چالیس درہم کی مقدار ساڑھے دس تولے چاندی ہے یعنی دس تولے اور چھ ماشے......ایک اور روایت میں یہ فرمان نبوی ﷺ ہے: ''جس شخص کے پاس اتنا مال ہو جو اسے کفایت کر سکے اور وہ پھر بھی مانگے تو وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے چہرے پر خراشوں اور زخموں کے نشانات ہوں گے۔'' پوچھا گیا کہ کیا چیز کفایت کرتی ہے؟ (کہ جس کی موجودگی میں نہ مانگا جائے) فرمایا: ''پچاس درہم یا اس کے بقدر سونا۔'' (ابوداؤد: 1626، ترمذی: 650، ابن ماجہ: 1840۔ اس کی سند صحیح ہے) دورِ حاضر میں اگرچہ سونے کے مقابلے میں چاندی کافی سستی ہے لیکن دورِ نبوی ﷺ میں چاندی، بذات خود کافی سستی تھی، اسی لیے ایک روایت میں یوں وضاحت فرمائی گئی: ''ایک رات اور ایک دن کا سیر ہو کر کھانا (یا اس کے بقدر مال موجود ہو تو نہ مانگا جائے) (ابوداود: 1629۔ اس کی سند صحیح ہے) اسی طرح ایک فرمان نبوی ﷺ کے مطابق چمٹ کر سوال نہ کیا جائے ورنہ چمٹ کر مانگنے سے جو کچھ ملے گا اس میں برکت نہیں پڑے گی خواہ اسے دینے والے اللہ کے نبی ہی ہوں۔ (مسلم: 1038)

فائدہ :...... رسول اللہ ﷺ کے فرامین کی روشنی میں مندرجہ ذیل افراد کے لیے مانگنا جائز ہے۔ (1) تاوان اٹھانے والا (2) ایسی آفت والا جس سے سارا مال تباہ ہو جائے (3) ایسی فاقہ کشی والا کہ جس پر تین گواہ ہوں۔ (مسلم: 1044) نیز فرمان نبوی ﷺ ہے: ''مانگنا تو خراشیں ڈالنا ہے، اس کے ذریعے آدمی اپنے چہرے پر خراشیں لگاتا ہے، سوائے اس کے کہ وہ بادشاہ سے (اپنے حق کا) سوال کرے یا ایسے معاملے میں (لوگوں سے مانگے) کہ جس کے بغیر چارۂ کار نہ ہو۔ (ابوداود: 1639، ترمذی: 681۔ اس کی سند صحیح ہے۔)

[1846] عَنْ مَالِكٍ، عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ امام مالک رحمہ اللہ، علاء بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ سے روایت کرتے

[1846] (مرفوع صحیح) صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب استحباب العفو والتواضع، حدیث: 2588، جامع الترمذی، کتاب البر والصلة، باب ماجاء فی التواضع، حدیث: 2029، احمد: 235/2 (7205)؛ دارمی: 1676.

الـرَّحْـمَـنِ، أَنَّـهُ سَـمِـعَهُ يَقُولُ: مَا نَقَصَتْ صَـدَقَةٌ مِنْ مَالٍ، وَمَا زَادَ اللّٰهُ عَبْداً بِعَفْوٍ إِلَّا عِـزًّا، وَمَـا تَـوَاضَعَ عَبْدٌ إِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ. قَالَ مَـالِكٌ: لَا أَدْرِي أَيُـرْفَـعُ هَـذَا الْحَدِيثُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَمْ لَا.

ہیں، انھوں نے ان کو یہ فرماتے ہوئے سنا: اللہ کے لیے کیا ہوا کوئی صدقہ کسی مال میں کمی واقع نہیں کرتا، اور اللہ تعالیٰ بندے کو اس کے معاف کر دینے کی وجہ سے عزت کے علاوہ کسی چیز میں نہیں بڑھاتا اور کسی بندے نے اللہ کے لیے تواضع (عجز و انکسار) کو اختیار نہیں کیا کہ جسے اللہ نے بلندی سے نہ نوازا ہو''..... امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: میں نہیں جانتا کہ وہ (علاء بن عبدالرحمن رحمہ اللہ) اس حدیث کو نبی کریم ﷺ سے مرفوع بیان کرتے تھے یا نہیں۔

فائدہ :..... اس حدیث مبارکہ کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ سے روایت کیا ہے۔ (مسلم: 2588) واقعی صدقہ مال کو بڑھاتا ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَآ أَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ﴾ (سبا 34:39) ''اور تم کوئی بھی چیز خرچ کرتے ہو تو وہ اس کا عوض (نعم البدل) عطا فرماتا ہے۔'' اسی طرح فرمایا: ﴿يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ﴾ (البقرہ 2:276) ''اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔'' اسی طرح فرمایا: ﴿وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ﴾ (الروم 30:39) ''اور تم اللہ تعالیٰ کے چہرے (کے دیدار اور رضامندی) کا ارادہ کرتے ہوئے جو کچھ زکاۃ (اور صدقہ و خیرات) کے طور پر دیتے ہو تو ایسے لوگ ہی (اپنا مال) کئی گنا بڑھانے والے ہیں''..... لوگوں کو معاف کرنے والے کو اللہ معاف فرماتا ہے چنانچہ وہ اس کی ترغیب دیتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (النور 24:22) ''اور چاہیے کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمھاری مغفرت فرمائے اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے۔'' بیوی بچوں کو معاف کرنے کے حوالے سے فرمایا: ﴿وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (التغابن 64:14) ''اور اگر تم معاف کر دو اور درگزر کرو اور (انھیں) بخش دو تو یقیناً اللہ (بھی تمھیں اور انھیں) خوب بخشنے والا بہت رحم کرنے والا ہے۔'' مذکورہ بالا حدیث میں سمجھایا گیا ہے کہ معاف کر دینا ذلت و رسوائی نہیں بلکہ عزت و شرف والا عمل ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کے برابر چوڑائی والی جنت کے مستحقین کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ﴾ (آل عمران 3:134) ''اور غصہ پی جانے والے ہیں اور لوگوں کو معاف کر دینے والے ہیں۔'' حدیث مبارکہ کے آخری حصے میں اللہ کی خاطر نیک مقاصد کے لیے تواضع اختیار کرنے کی فضیلت مذکور ہے ''تواضع'' جھکنے اور پست ہونے کو کہتے ہیں۔ آدمی حق پر ہوتے ہوئے بھی محض اس لیے خاموش ہو جائے کہ جھگڑا اور نااتفاقی اللہ کو ناپسند ہے اور ہماری لڑائی سے دشمن خوش اور ہم کمزور ہوں گے۔ ایسے ہی افراد کے لیے حقیقی رفعتیں، عظمتیں

اور بلندیاں ہیں، خواہ دنیا انھیں طعنہ دے لیکن اللہ انھیں عالی شان مقام عطا فرماتا ہے۔ یقیناً جھکی ہوئی ٹہنی ہی پھلدار ہوتی ہے اور اکڑی ہوئی ٹہنی کو چولہے میں جانا پڑتا ہے.....تواضع کے مقابلے میں تکبر اور فخر وغرور جیسے امور ہیں، جو انتہائی قابل مذمت ہیں۔

85- بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ الصَّدَقَةِ

اس صدقے کا بیان جو (وصول کرنا) مکروہ ہے

خلاصۃ الباب اس باب میں تین روایات ہیں۔ دو مرفوع ہیں جن میں سے ایک سنداً صحیح اور ایک ضعیف ہے اور ایک موقوف ہے جو صحیح ہے۔

[1847] عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِآلِ مُحَمَّدٍ، إِنَّمَا هِيَ أَوْسَاخُ النَّاسِ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آل محمد (ﷺ) کے لیے صدقہ حلال نہیں ہے کیونکہ بلاشبہ یہ تو لوگوں کی میل کچیل ہے۔''

فائدہ :......اگرچہ حقدار لوگوں اور فقراء و مساکین کے لیے اللہ تعالیٰ صدقے کو خالص مال بنا دیتا ہے لیکن یہ غیر مستحق کے لیے میل کچیل ہی ہے، جسے وہ پیٹ میں ڈالے گا.....آل محمد ﷺ سے مراد جہاں آپ ﷺ کی اولاد اور ازواج مطہرات ہیں، وہیں قریش کے وہ دو بڑے خاندان بھی اس میں شامل ہیں جو آپ ﷺ کے حلیف رہے تھے اور وہ بنو ہاشم اور بنو مطلب ہیں جو آگے مختلف شاخوں میں منقسم ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے ان دونوں خاندانوں کے مسلم افراد کو مالی معاملات میں ہمیشہ اپنے ساتھ شریک رکھا، لہٰذا صدقہ و زکاۃ کے حرام ہونے میں بھی صرف یہ دونوں خاندان آپ ﷺ کی آل میں شریک ہوں گے نہ کہ ہر قریشی ......اگرچہ عمومی مفہوم میں ساری امت ہی آل محمد ﷺ ہے لیکن یہاں خاص مفہوم مراد ہے......یاد رہے کہ جو شارحین آل محمد ﷺ سے صرف آل علی، آل عقیل، آل جعفر، آل عباس اور آل حارث (رضی اللہ عنہم) کو مراد لیتے ہیں وہ غلطی پر ہیں کیونکہ یہ تو صرف بنو ہاشم کی چند شاخیں ہیں۔

[1848] عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ اسْتَعْمَلَ رَجُلًا مِنْ بَنِي عَبْدِ الْأَشْهَلِ عَلَى الصَّدَقَةِ، فَلَمَّا قَدِمَ سَأَلَهُ

عبداللہ بن ابی بکر رحمہ اللہ اپنے والد (ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم رحمہ اللہ) سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے بنو عبدالاشہل قبیلے میں سے ایک شخص کو زکاۃ

[1847] (مرفوع صحيح) صحيح مسلم، كتاب الزكاة، باب ترك استعمال آل النبي ﷺ على الصدقة، حديث: 1072، سنن ابي داود كتاب الخراج، باب في بيان مواضع قسم الخمس، حديث: 2985، نسائي: 2610، احمد: 166/4 (17659).

[1848] (مرفوع ضعيف) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

إِلاَّ مِنَ الصَّدَقَةِ ، فَغَضِبَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ حَتَّى عُرِفَ الْغَضَبُ فِي وَجْهِهِ ، وَكَانَ مِمَّا يُعْرَفُ بِهِ الْغَضَبُ فِي وَجْهِهِ أَنْ تَحْمَرَّ عَيْنَاهُ ، ثُمَّ قَالَ : إِنَّ الرَّجُلَ لَيَسْأَلُنِي مَا لَا يَصْلُحُ لِي وَلَا لَهُ ، فَإِنْ مَنَعْتُهُ كَرِهْتُ الْمَنْعَ ، وَإِنْ أَعْطَيْتُهُ أَعْطَيْتُهُ مَا لَا يَصْلُحُ لِي وَلَا لَهُ فَقَالَ الرَّجُلُ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ لَا أَسْأَلُكَ مِنْهَا شَيْئاً أَبَداً .

(اکٹھی کرنے) پر عامل بنا کر بھیجا۔ چنانچہ جب وہ (واپس) آئے تو انھوں نے آپ ﷺ سے (اپنی اجرت سے زائد) صدقہ کا ایک اونٹ مانگ لیا تو رسول اللہ ﷺ غضبناک ہوگئے یہاں تک کہ غصہ (کا اثر) آپ ﷺ کے چہرہ مبارک میں معلوم ہونے لگا، اور ان علامتوں کہ جن کے ذریعے آپ ﷺ کے چہرۂ انور میں غصہ پہچانا جاتا تھا، میں سے ایک یہ تھی کہ آپ ﷺ کی دونوں آنکھیں سرخ ہو جاتی تھیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''بیشک ایک شخص مجھ سے ایسی چیز مانگتا ہے جو نہ میرے لیے (اسے دینا) درست ہے اور نہ اس کے لیے (اسے لینا درست ہے)، چنانچہ اگر میں اسے نہ دوں (اور روکے رکھوں) تو میں روک لینے کو بھی ناپسند کرتا ہوں اور اگر اسے دے دوں تو اسے ایسی چیز دوں گا، جو نہ میرے لیے (اسے دینا) درست ہے اور نہ اس کے لیے'' (اسے لینا جائز ہے۔ الغرض اس نے مجھے بھی آزمائش میں ڈال دیا ہے اور وہ مجھے کسی ناپسند معاملے میں واقع کرنے پر تلا ہوا ہے)، تو وہ شخص کہنے لگا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! میں آپ سے اس صدقے میں سے کوئی بھی چیز کبھی نہیں مانگوں گا۔

[1849] عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ ، عَنْ أَبِيهِ ، أَنَّهُ قَالَ : قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْأَرْقَمِ : ادْلُلْنِي عَلَى بَعِيرٍ مِنَ الْمَطَايَا أَسْتَحْمِلُ عَلَيْهِ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ . فَقُلْتُ : نَعَمْ جَمَلاً مِنَ الصَّدَقَةِ . فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْأَرْقَمِ : أَتُحِبُّ أَنَّ رَجُلاً بَادِناً فِي يَوْمٍ حَارٍّ ، غَسَلَ لَكَ مَا تَحْتَ إِزَارِهِ وَرُفْغَيْهِ ، ثُمَّ أَعْطَاكَهُ فَشَرِبْتَهُ ؟ قَالَ : فَغَضِبْتُ وَقُلْتُ : يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكَ ، أَتَقُولُ لِي مِثْلَ هٰذَا ؟ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْأَرْقَمِ : إِنَّمَا الصَّدَقَةُ أَوْسَاخُ النَّاسِ يَغْسِلُونَهَا عَنْهُمْ .

زید بن اسلم رحمہ اللہ اپنے والد (اسلم رحمہ اللہ مولیٰ عمر رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ نے (مجھ سے) کہا کہ: مجھے سواریوں میں سے کسی اونٹ کا بتاؤ (تاکہ) میں امیر المؤمنین سے اس پر سواری کرنے کے لیے اسے مانگ لوں۔ (اسلم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ) میں نے کہا کہ ٹھیک ہے، (میں آپ کو) صدقے میں سے ایک اونٹ (کی خبر دیتا ہوں)۔ اسلم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ (یہ سن کر) حضرت عبداللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ ایک موٹے بدن والا شخص، ایک گرم دن میں تمھارے لیے اپنے ازار کا نیچے والا حصہ (یعنی شرمگاہ)

[1849] (موقوف صحیح) شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔

اور اپنے جوڑے (رانوں یا سرینوں کی جڑیں جو میل کچیل اور پسینہ جمع ہونے کی جگہیں ہیں) دھوئے، پھر وہ اسی (میل والے پانی) کو تمھیں دے دے، پھر تم اسے پی لو۔ اسلم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں غصے میں آ گیا اور میں نے کہا: اللہ آپ کی مغفرت فرمائے، کیا آپ اس طرح کی بات میرے لیے کر رہے ہیں؟ (یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟) تو حضرت عبداللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: یقیناً صدقہ (کے مال) تو لوگوں کی میل کچیل ہی ہوتے ہیں، جسے وہ خود سے (اپنے جسم سے) دھو کر (اپنی صفائی) کر رہے ہوتے ہیں۔

فائدہ: ......یعنی جب تمھیں اپنے لیے میل کچیل والی چیز پسند نہیں ہے تو مجھے صدقہ کا اونٹ لینے کا مشورہ کیوں دیا......لگتا ہے کہ وہ صدقہ کے علاوہ والے مال سے کوئی اونٹ لینا چاہتے تھے، اس لیے غصے میں آ کر انھوں نے یہ مثال دی یا پھر ممکن ہے کہ انھوں نے یہی مثال سمجھانے کے لیے سواری کی بات کی ہو۔ واللہ اعلم۔ الغرض ہر مسلمان کو خصوصاً اہل علم و فضل کو گھٹیا درجے والی چیزوں سے دور رہنا چاہیے، ورنہ یہ حرص لوگوں کے دلوں سے اہلِ علم کی ہیبت بلکہ علم کی وقعت وقدر بھی ختم کر دے گی، البتہ اضطراری حالت مستثنیٰ ہے۔ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص مجھے یہ ضمانت دے دے کہ میں کسی سے نہ مانگوں گا تو میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔'' چنانچہ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں (تیار ہوں)، چنانچہ وہ کسی سے کچھ نہیں مانگا کرتے تھے۔ (ابوداؤد: 1643۔ اس کی سند صحیح ہے۔) ایک دفعہ آپ ﷺ نے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کو بلا کر ان پر یہ شرط لگائی کہ وہ کسی سے کچھ نہ مانگیں تو انھوں نے عرض کیا: ٹھیک ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہ ہی وہ کوڑا جو تم سے (تمھارے ہاتھ سے) نیچے گر جائے، حتیٰ کہ تم خود ہی (سواری سے) نیچے اتر کر اسے پکڑنا۔'' (احمد: 181/5۔ اس کی سند صحیح ہے۔) ایک دفعہ فرمایا: ''فاقے میں مبتلا جس شخص نے اسے (فاقے کو) لوگوں کے سامنے رکھ دیا تو اس کا فاقہ ختم نہ ہوگا اور جس نے اسے اللہ کے حضور پیش کیا تو وہ عنقریب اسے مستغنی اور بے نیاز فرما دے گا، خواہ جلد آنے والی موت کے ساتھ یا جلدی ملنے والی مالداری کے ساتھ۔'' (ابوداؤد: 1645، ترمذی: 2326۔ اس کی سند حسن ہے۔) الغرض آقا علیہ السلام کی تمنا یہی تھی کہ آپ ﷺ کا امتی اللہ کے سوا کسی سے نہ مانگے۔

86- بَابُ مَاجَاءَ فِيْ طَلَبِ الْعِلْمِ
علم حاصل کرنے کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں ایک مقطوع روایت (اثر تابعی رحمہ اللہ) ہے جو سنداً ضعیف ہے۔

فائدہ: ...... یوں لگتا ہے کہ جیسے امام مالک رحمہ اللہ کتاب کے اخیر میں طلباء و علماء اور حلقہ احباب کو اہم وصیتیں فرما رہے ہیں۔ جن میں سے ایک حصول علم کی وصیت ہے، علم بھی ایک صدقہ جاریہ ہے، سلسلۂ تعلیم مرتے دم تک جاری رکھنا چاہیے، اسی لیے انھوں نے علم کے متعلقہ وصیت والی روایت بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے اور علم کی فضیلت

واہمیت بیان کرنے کے درپے نہیں ہوئے کیونکہ وہ مشہور ومعروف بھی ہے، نیز اسے عموماً کتابوں کے آغاز میں ذکر کیا جاتا ہے۔

[1850] عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، أَنَّ لُقْمَانَ الْحَكِيمَ أَوْصَى ابْنَهُ فَقَالَ: يَا بُنَيَّ جَالِسِ الْعُلَمَاءَ وَزَاحِمْهُمْ بِرُكْبَتَيْكَ، فَإِنَّ اللَّهَ يُحْيِي الْقُلُوبَ بِنُورِ الْحِكْمَةِ، كَمَا يُحْيِي اللَّهُ الأَرْضَ الْمَيْتَةَ بِوَابِلِ السَّمَاءِ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ بیشک لقمان حکیم رحمہ اللہ نے اپنے بیٹے کو وصیت فرمائی، چنانچہ کہا: اے میرے پیارے بیٹے! علماء کے ساتھ مل کر بیٹھا کرو، ان کے ساتھ اپنے گھٹنے ملایا کرو (ان کی صحبت اختیار کرو اور ان کے سامنے زانوائے تلمذ تہہ کرو) کیونکہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ حکمت (دانائی وعلم) کے نور کے ساتھ دلوں کو یوں زندہ فرماتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ مردہ (اور بنجر) زمین کو آسمان کی بارش سے زندہ (وآباد) فرماتے ہیں۔

فائدہ: ......رسول اللہ ﷺ کا فرمان مبارک ہے: ''جس ہدایت اور علم کو دے کر اللہ نے مجھے مبعوث فرمایا ہے، اس کی مثال بہت زیادہ ہونے والی بارش کی سی ہے جو کسی زمین پر برسے، تو اس میں سے ایک حصہ پانی کو قبول کرے پھر خشک گھاس کو اور بہت زیادہ تر گھاس کو اگائے۔'' آگے زمین کی مختلف صورتیں بیان کیں، پھر اس مثال کی وضاحت میں فرمایا: ''یہی مثال ہے اس شخص کی جس نے دین میں سمجھ بوجھ حاصل کی اور اللہ نے اسے اس چیز کے ساتھ نفع عطا فرمایا جو اس (اللہ) نے مجھے دے کر مبعوث فرمایا ہے، سو وہ شخص (خود بھی اس کا) علم حاصل کرے اور (دوسروں کو بھی) تعلیم دے۔'' (بخاری: 79 مسلم: 2282) ایک دفعہ فرمایا: (وَمَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَلْتَمِسُ فِيهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللَّهُ لَهُ بِهِ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ) ''جو شخص علم کو تلاش کرتے ہوئے کسی راستے میں چلتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس کے عوض جنت کا راستہ آسان فرما دیتے ہیں۔'' (مسلم: 2699)

87- بَابُ مَا يُتَّقَى مِنْ دَعْوَةِ الْمَظْلُومِ

مظلوم کی بددعا سے بچنے کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں ایک موقوف روایت (اثر صحابی رضی اللہ عنہ) ہے جو کہ بخاری شریف میں بھی موجود ہے۔

فائدہ: ......امام مالک رحمہ اللہ اب وہ وصیت کرنا چاہتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجتے وقت ان لفظوں سے فرمائی تھی: (اتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ فَإِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهَا وَ بَيْنَ اللَّهِ حِجَابٌ)

[1850] (مقطوع ضعيف) بيهقي في المدخل: 445/297، ابن عبدالبر في جامع بيان العلم وفضله: 438/1 (676)۔ قاضي عياض في الغنية: شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

''مظلوم کی بددعا سے بچو کیونکہ بلاشبہ اس کے درمیان اور اللہ کے درمیان میں کوئی پردہ ورکاوٹ نہیں ہوتی۔'' (بخاری: 1496، مسلم: 19) ظلم سے ہاتھ روک لینا بھی ایک قسم کا صدقہ ہے کیونکہ ہر نیکی کو صدقہ قرار دیا گیا ہے۔ (بخاری: 6021، مسلم: 1005) آخرت میں جہنم سے بچاؤ اور شاہ مدینہ ﷺ کی شفاعت پانے کے لیے بھی ظلم سے بچنا ضروری ہے۔ نیز حصول علم اور اشاعت علم کا اہم مقصد انصاف کا پھیلاؤ اور ظلم کا خاتمہ ہے۔ قارئین سے التماس ہے کہ اگر علمی میدان میں بھی کسی کی حق تلفی اور دل آزاری ہوگئی ہو تو وہ اللہ کی خاطر درگزر فرمائے۔ جزاکم اللّٰہ خیرا

[1851] عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ اسْتَعْمَلَ مَوْلًى لَهُ يُدْعَى هُنَيًّا عَلَى الْحِمَى، فَقَالَ: يَا هُنَيُّ، اضْمُمْ جَنَاحَكَ عَنِ النَّاسِ، وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ، فَإِنَّ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ مُجَابَةٌ، وَأَدْخِلْ رَبَّ الصُّرَيْمَةِ وَرَبَّ الْغُنَيْمَةِ، وَإِيَّايَ وَنَعَمَ ابْنِ عَوْفٍ وَنَعَمَ ابْنِ عَفَّانَ، فَإِنَّهُمَا إِنْ تَهْلِكْ مَاشِيَتُهُمَا يَرْجِعَا إِلَى نَخْلٍ وَزَرْعٍ، وَإِنَّ رَبَّ الصُّرَيْمَةِ وَرَبَّ الْغُنَيْمَةِ إِنْ تَهْلِكْ مَاشِيَتُهُمَا يَأْتِينِي بِبَنِيهِ فَيَقُولُ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! أَفَتَارِكُهُمْ أَنَا لَا أَبَا لَكَ؟ فَالْمَاءُ وَالْكَلَأُ أَيْسَرُ عَلَيَّ مِنَ الذَّهَبِ وَالْوَرِقِ، وَايْمُ اللَّهِ إِنَّهُمْ لَيَرَوْنَ إِنِّي قَدْ ظَلَمْتُهُمْ إِنَّهَا لَبِلَادُهُمْ وَمِيَاهُهُمْ، قَاتَلُوا عَلَيْهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ، وَأَسْلَمُوا عَلَيْهَا فِي الْإِسْلَامِ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْلَا الْمَالُ الَّذِي أَحْمِلُ عَلَيْهِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، مَا حَمَيْتُ عَلَيْهِمْ مِنْ بِلَادِهِمْ شِبْرًا.

زید بن اسلم رحمہ اللہ اپنے والد (اسلم رحمہ اللہ) سے روایت کرتے ہیں کہ بیشک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک آزاد کردہ غلام جسے ہُنَی کہا جاتا تھا، کو (بیت المال کے جانوروں کے لیے مخصوص) چراگاہ پر عامل (سرکاری نگران) مقرر کیا۔ پس انھوں نے فرمایا: ''اے ہُنَی! لوگوں (پر ظلم اور سختی کرنے) سے اپنے بازو کو (روک کر رکھنا اور اپنے ساتھ ہی) ملائے رکھنا اور مظلوم کی بددعا سے بچتے رہنا کیونکہ بلاشبہ مظلوم کی دعا (ضرور) قبول کی جاتی ہے اور تھوڑے سے (یعنی تیس) اونٹوں اور تھوڑی سی (یعنی چالیس) بکریوں کے ریوڑ والے کو (اس چراگاہ میں) داخل ہونے دینا اور مجھے (حضرت عثمان) ابن عفان اور (حضرت عبدالرحمٰن) ابن عوف رضی اللہ عنہما کے چوپایوں سے بچا کر رکھنا (ان کے جانوروں کو چراگاہ میں نہ آنے دینا، وہ مالدار ہیں، کہیں اور چرالیں گے) کیونکہ بلاشبہ اگر ان دونوں کے چوپائے ہلاک ہوجائیں تو وہ مدینہ منورہ کی طرف یعنی اپنی کھیتی کی طرف لوٹ آئیں گے (جانور ہلاک ہوجانے کی صورت میں ان کی آمدنی کے دوسرے ذرائع موجود ہیں) اور بلاشبہ جو شخص تیس اونٹوں اور چالیس بکریوں کے ریوڑ

[1851] (موقوف صحیح) صحیح البخاری، کتاب الجهاد والسیر، باب اذا اسلم قوم فی دارالحرب، حدیث: 3059، بیهقی: 146/6.

والا ہے اگر اس کے چوپائے ہلاک ہوگئے تو وہ میرے پاس اپنے بیٹوں (اولاد) کو لے کر آجائے گا اور کہے گا: اے امیر المؤمنین !اے امیر المؤمنین! (ہمارا کیا بنے گا، ہماری مدد کرو)، تو کیا میں انھیں چھوڑ دوں گا، تمھارا باپ نہ ہو (تمھارا ناس ہو، اس صورت میں مجھے ان کو بیت المال سے سونا اور چاندی دینے پڑیں گے اور اگر ان کے چوپائے، ہماری چراگاہ میں چرتے رہنے سے زندہ رہیں تو مجھے سونا چاندی خرچ کرنے کے لیے سوچنا نہ پڑے گا) اور پانی اور گھاس (کا دینا) مجھ پر سونے اور چاندی کی نسبت زیادہ آسان ہے، اور اللہ کی قسم! بلاشبہ وہ (بعض لوگ) سمجھتے ہیں کہ میں نے (صدقے کے جانوروں کے لیے چراگاہ خاص کرکے) ان پر ظلم کیا ہے اور (وہ کہتے ہیں کہ) بلاشبہ ان کی زمینیں ہیں اور ان کے پانی ہیں، جن پر وہ جاہلیت میں لڑتے رہے اور اسلام میں انھی (زمینوں اور پانیوں کی ملکیت) پر داخل ہوئے، (تو اب میرا یہ عمل ان پر گراں ہے حالانکہ میں نے بھی اہل اسلام کی خدمت ہی کے لیے یہ عمل کیا ہے۔) اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر (جانوروں کی صورت میں یہ) مال نہ ہوتا جس پر میں اللہ کی راہ میں (جانے والے مجاہدین کو) سوار کرتا ہوں تو میں ان کی زمینوں میں سے ایک بالشت برابر جگہ بھی نہ روکتا۔

فائدہ: ......اس چراگاہ میں چالیس ہزار اونٹ اور گھوڑے وغیرہ تھے۔ (زرقانی: 587/4)

88- بَابُ مَاجَاءَ فِيْ اَسْمَاءِ النَّبِيِّ ﷺ

نبی کریم ﷺ کے اسمائے گرامی کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں ایک حدیث مصطفیٰ ﷺ ہے جو کہ بخاری و مسلم میں بھی موجود ہے۔

[1852] عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: لِي خَمْسَةُ أَسْمَاءٍ: أَنَا مُحَمَّدٌ، وَأَنَا أَحْمَدُ، وَأَنَا الْمَاحِي الَّذِي يَمْحُو اللّٰهُ بِيَ الْكُفْرَ، وَأَنَا الْحَاشِرُ الَّذِي يُحْشَرُ النَّاسُ عَلَى قَدَمِي، وَأَنَا الْعَاقِبُ.

محمد بن جُبیر بن مُطعم رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے پانچ نام ہیں۔ میں محمد ہوں، اور میں احمد ہوں، میں ماحی (مٹانے والا) ہوں یعنی اللہ تعالیٰ میرے ذریعے کفر کو مٹاتا ہے۔ اور میں حاشر ہوں یعنی لوگ میرے پاؤں پر (میرے پیچھے پیچھے) جمع کیے جائیں گے اور میں عاقب (سب سے آخر میں آنے والا پیغمبر) ہوں۔''

''یہ مؤطا کی کتاب کا اختتام ہے جو کہ (اکثر مضامین شریعت کی) جامع ہے، ہر قسم کی حمد اللہ ہی کے لیے ہے جو یکتا

[1852] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب المناقب، باب ماجاء في اسماء رسول الله ﷺ، حديث: 3532، 4896، صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب في أسماء ﷺ، حديث: 2354، ترمذي: 2840، نسائي في الكبرى: 11590، احمد: 80/4 (16854)، دارمي: 2775.

ہے، اتنی کثیر حمد کہ نہ عدد جس سے پار ہو سکے اور نہ کبھی اس کا شمار ہو سکے، (ایسی حمد کہ) جیسے وہ اس (اللہ) کے چہرے کے جلال اور اس کے جلال کی عظمت کے شایان شان ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ پر صلاۃ وسلام کی برکھا برسائے یعنی نبی کریم ﷺ پر جو ہر مولود (مخلوق) سے معزز ہیں، وجود پانے والوں میں سب سے افضل ہیں۔ آپ ﷺ کی آل اطہار پر جو جود و سخا کے پیکر تھے اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر جو عظمت و احسان کے خوگر تھے۔ اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہر حمد مختص ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ پر، آپ ﷺ کی آل پر اور آپ ﷺ کے اصحاب پر درود نازل فرمائے جو کہ طیب و طاہر ہستیاں تھیں۔ یحییٰ لیثی رحمہ اللہ کی روایت کے مطابق مُوطا امام مالک کی کتاب کی تکمیل کے ساتھ ساتھ کتاب الجامع بھی پوری ہو چکی ہے، جسے انھوں نے (یحییٰ لیثی نے) امام مالک رحمہ اللہ بن انس بن ابی عاصم عامر اصبحی رحمہ اللہ سے روایت کیا۔ اللہ انھیں اپنی رضامندی عطا فرمائے اور ہمیں ان کے علوم کی برکات سے نفع نصیب فرمائے۔ اے الٰہی! ہمارا اور جس کسی نے ہمیں (نیکی وہدایت کی) وصیت کی سب کا خاتمہ ایمان پر فرما اور دراصل یہی تو حسین اختتام ہے۔

فائدہ: ...... یہ اختتامی الفاظ مؤطا کے ہندی درسی نسخے کے آخر میں درج اس عبارت کا ترجمہ ہیں جو آخری حدیث (1851) کے بعد مذکور ہیں ...... یہ آخری روایت محمد بن جبیر بن مطعم رحمہ اللہ نے اپنے والد محترم حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے بیان کی ہے۔ (بخاری: 3532، مسلم: 2354) مسلم شریف کی روایت میں یہ وضاحت بھی ہے: ''میں عاقب ہوں کہ جس کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔'' (مسلم: 124/2354) (أَنَا مُحَمَّدٌ) لفظ محمد کے معنی ہیں وہ شخصیت کہ جس کی بہت زیادہ تعریف کی جائے۔ لفظ محمود کی نسبت لفظ محمد میں مبالغہ اور معنی کی زیادتی ہے (کیونکہ باب تفضیل کی ایک خاصیت تکثیر بھی ہے۔) (أَحْمَدُ) یہ اسم تفضیل کا صیغہ ہے اور اس کے دو مطلب ہیں: (1) (بمعنی فاعل) سب سے زیادہ حمد بیان کرنے والا اور (2) (بمعنی مفعول) مخلوقات میں سب سے زیادہ تعریف کیا جانے والا۔ لفظ محمد میں محض کثرت ہے جبکہ لفظ احمد میں دوسروں کے ساتھ تقابل ملحوظ ہے...... (الْكُفْرَ) مسلم شریف میں ہے کہ بعض راویوں نے اسے (الْكَفَرَةَ) روایت کیا ہے (مسلم: 6107/2354) اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ ''میرے ساتھ اللہ تعالیٰ کافروں کو مٹاتا ہے۔'' (عَلٰى قَدَمِي) یہ لفظ مفرد اور تثنیہ دونوں طرح پڑھا گیا ہے یعنی ''قَدَمِيْ'' اور ''قَدَمَيَّ۔'' اس سے مفہوم میں کوئی فرق نہیں پڑتا البتہ لوگوں کو آپ کے پاؤں پر اکٹھا کیے جانے کے مختلف مفہوم ہو سکتے ہیں: (1) (عَلٰى أَثَرِي) ''میرے پیچھے پیچھے۔'' آپ ﷺ کے آثار قدم اور نشانات قدم پر باقی لوگ چلتے آئیں گے۔ اسی مفہوم کو (مِنْ بَعْدِي) ''میرے بعد'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ الغرض سب سے پہلے رسول ﷺ کو اٹھایا جائے گا، پھر آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے پیچھے ہی باقی لوگوں کو...... اور یہی مفہوم سب سے راجح ہے کیونکہ ایک روایت میں یہ لفظ مروی ہے (عَلٰى عَقِبِيْ) ''میری ایڑی پر'' (مسلم: 124/2354)...... یاد رہے کہ (عَلٰى أَثَرِي) کے الفاظ سے تفسیر کرتے ہوئے یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ قیامت آپ ﷺ کے پیچھے آئے گی اور آپ ﷺ کے

درمیان اور قیامت کے درمیان کوئی اور نبی نہیں آئے گا۔ یہ وہی مفہوم ہے جو دوسرے نمبر پر آرہا ہے۔(2)(عَلٰی عَهْدِيْ وَ زَمَانِيْ) ''میرے عہد اور میرے زمانے پر'' یعنی آپ ﷺ کے زمانے میں لوگ اکٹھے کیے جائیں گے اور آپ ﷺ کی امت ہی پر قیامت قائم ہوگی۔(3)(قُدَّامِيْ وَاَمَامِيْ) ''میرے آگے، میرے سامنے'' یعنی آپ ﷺ کے سامنے لوگوں کو اکٹھا کیا جائے گا۔ اسی مفہوم میں یہ الفاظ بھی ذکر کیے جاتے ہیں: (فِيْ حُضُوْرِي) ''میری موجودگی و حاضری میں'' اور (لِمُشَاهَدَتِيْ) ''میرے مشاہدے میں۔''(4)(عَلٰى مُشَاهَدَتِيْ) ''میری گواہی پر'' یعنی آپ ﷺ گواہ کی حیثیت میں اپنے پاؤں پر کھڑے رہیں گے اور لوگ اکٹھے کیے جاتے رہیں گے۔......ان کے علاوہ جتنے مفہوم ذکر کیے جاتے ہیں وہ بھی انھی مذکورہ بالا معانی میں سے کسی سے تعلق رکھتے ہیں۔

قرآن مجید میں مذکور چند اسمائے پیغمبر ﷺ: مُحَمَّد (آل عمران 144:3، احزاب 40:33، محمد 2:47، فتح 29:48) اَحْمَد (الصف 6:61) اَلنَّبِيّ (آل عمران 68:3) اَلْاُمِّيّ ''جو نہ لکھ سکے اور نہ لکھی ہوئی چیز پڑھ سکے۔''(الاعراف 157:7) وَلِيّ ''دوست''(مائدہ 55:5) اَوْلٰى ''زیادہ قریب''(الاحزاب 6:33) اَلرَّسُوْل (البقرۃ 143:2، المائدۃ 67:5) رَسُوْلُ الله (الاحزاب 21:33) رَسُوْلٌ مُّبِيْن ''واضح رسول''(الدخان 13:44) مُرْسَل ''رسول، پیغام رساں''(الرعد 43:13) مُنْذِر ''ڈرانے والا''(الرعد 7:13) شَاهِد ''گواہ'' (الاحزاب 45:33، الفتح 8:48) صَاحِب ''ساتھی''(التکویر 22:81) هَادِي ''رہنمائی کرنے والا''(الرعد 7:13) دَاعِي اِلَى الله ''اللہ کی طرف دعوت دینے والا''(الاحزاب 46:33) اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْن ''سب مسلمانوں میں اوّل، سب سے پہلا مسلم''(الانعام 163:6) خَاتَمُ النَّبِيِّيْن ''انبیاء ﷺ میں سے آخری''(الاحزاب 21:33) مُبَشِّر ''بشارت دینے والا''(الاحزاب 45:33، الفتح 8:48) مُذَكِّر ''نصیحت کرنے والا''(الغاشیۃ 21:88) مُصَدِّق ''تصدیق کرنے والا''(البقرۃ 101:2) اَلْمُدَّثِّر ''لحاف میں لپٹنے والا''(المدثر 1:74) اَلْمُزَّمِّل ''چادر میں لپٹنے والا''(المزمل 1:73) حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ ''تم پر (تمھاری نجات کی) بہت حرص کرنے والا۔'' رَءُوْفٌ ''بہت شفقت فرمانے والا''، رَحِيْم ''خوب رحمدل''(التوبۃ 128:9) كَرِيْم ''بہت عزت والا''(الحاقۃ 40:69) يَتِيْم (الضحٰی 6:93) بَشِيْر ''خوشخبری سنانے والا''، نَذِيْر ''ڈرانے والا''(البقرۃ 119:2) سِرَاجٌ مُّنِيْر ''(ہدایت کا) روشن چراغ''(الاحزاب 46:33) شَهِيْد ''شہادت دینے والا''(البقرۃ 143:2) نِعْمَة ''نعمت'' (ابراھیم 28:14، نحل 71:16، 72) رَحْمَة ''رحمت''(التوبۃ 61:9) رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْن ''جہانوں کے لیے باعث رحمت''(الانبیاء 107:21) حَقّ ''برحق پیغمبر ﷺ''(آل عمران 86:3) عَبْدٌ ''بندہ، عبادت گزار''(بنی اسرائیل 1:17) بَشَرًا رَّسُوْلًا ''بشر رسول''(بنی اسرائیل 94:17)۔

احادیث مبارکہ میں مذکور بعض اسمائے مصطفیٰ ﷺ: حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ ہی کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ

نے آپ ﷺ کا نام "رَءُوف" (بہت شفقت فرمانے والا اور "رَحِیم" (بہت رحم والا) بھی رکھا ہے۔(مسلم 125/2354)۔حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت میں مندرجہ ذیل نام بھی آئے ہیں: مُقَفِّی یا مُقْتَفِیْ "پیچھے آنے والا"، نَبِیُّ التَّوْبَة "توبہ والا نبی"، نَبِیُّ الرَّحْمَة "رحمت والا نبی" (مسلم: 2355، احمد؛ 395/4، 404، 407، 405/5) مستدرک حاکم اور بیہقی وغیرہ کی روایت میں خَاتَم "آخری، مہر" بھی مذکور ہے، ابن عدی کی روایت میں رَسُوْلُ الرَّحْمَة "رحمت والا رسول"، رَسُوْلُ التَّوْبَة "توبہ والا رسول"، رَسُوْلُ الْمَلَاحِمِ "عظیم جنگوں والا رسول" اور قَیِّم (رہنما، نگہبان، سربراہ) بھی منقول ہیں، نیز ابونعیم اور ابن مردویہ کی روایت میں فَاتِح "فتح پانے والا، فیصلہ کرنے والا"، یٰسٓ اور طٰهٰ بھی نقل کیے گئے ہیں۔(زرقانی 591/4، 592) چند مزید اسماء واوصاف حسب ذیل ہیں: حِبّ "محبوب" (مسلم: 212/480) حَبِیْب "محبوب" (مسلم: 722) حَبِیْبُ اللّٰه "اللہ کا محبوب" (ترمذی: 3616) خَلِیْلُ اللّٰه "اللہ کا مخلص ترین دوست" (ترمذی: 3661، ابن ماجہ: 141۔اس کی سند حسن ہے) عَبْدُ اللّٰه "اللہ کا بندہ" (بخاری 3445، مسلم: 135/1059) أَوَّل "سب سے پہلا" (مسلم: 196) أَعْدَل "سب سے زیادہ انصاف کرنے والا" (احمد: 65/3، 421/4، 425) أَعْلَم "سب سے زیادہ علم والا" (بخاری: 20، مسلم: 1110) أَكْرَم "سب سے زیادہ معزز یا سخی" (ترمذی: 3610۔اس کی سند حسن ہے) أَجْوَد "سب سے زیادہ سخاوت کا پیکر" (بخاری: 6، مسلم: 2308) أَصْدَق "سب سے بڑھ کر سچا" (بخاری: 7376، مسلم: 1216) أَجْوَدُ النَّاس "لوگوں میں سب سے بڑا سخی"، أَحْسَنُ النَّاس "لوگوں میں سب سے زیادہ حسین"، أَشْجَعُ النَّاس "لوگوں میں سب سے بڑا بہادر" (بخاری: 6033، مسلم: 2307) سَیِّدُ النَّاس "لوگوں کا سردار" (بخاری: 4712، مسلم: 194) أَتْقٰی "سب سے زیادہ متقی" (بخاری: 7367، مسلم: 1216) أَخْشٰی "سب سے زیادہ (اللہ سے) ڈرنے والا" (بخاری: 5063، مسلم: 1108) خَیْر "سب سے بہتر" (بخاری: 616، مسلم: 699) أَبَرّ "سب سے زیادہ نیک" (بخاری: 7367، مسلم: 1216) أَكْرَمُ الْأَوَّلِیْنَ وَالْآخِرِیْن "اگلوں اور پچھلوں میں سب سے زیادہ معزز" (ترمذی: 3616) إِمَامُ النَّبِیِّیْن "نبیوں کا امام"، خَطِیْبُ النَّبِیِّیْن "انبیاء علیہم السلام کا خطیب" (ترمذی: 3613۔اس کی سند صحیح ہے) صَادِق "جو سچ بولنے والا ہو"، مَصْدُوق "جس سے سچ بولا جائے" (بخاری: 3208، مسلم: 2643) أَبُو الْقَاسِم (یہ آپ ﷺ کی کنیت ہے) (بخاری: 125، مسلم: 242) قَاسِم "تقسیم کرنے والا، بانٹنے والا" (بخاری: 71) خَازِن "خزانچی، خزانہ کا منتظم" (مسلم: 1037) شَافِع "سفارش کرنے والا"، مُشَفَّع "جس کی سفارش قبول کرلی جائے" (مسلم 2278) شَفِیْع "خوب شفاعت کرنے والا" (مسلم: 1363) شَكُوْر "خوب شکر ادا کرنے والا" (بخاری: 4836) أَمِیْن "امانت دار" (بخاری: 4351، مسلم: 144/1064) خَطِیْب "خطاب کرنے والا" (بخاری:

2505، مسلم : 1694) حَفِيّ ''اکرام کرنے والا، شفیق ومہربان'' (مسلم : 1271) خَاتَمُ الْأَنْبِيَاء ''آخری پیغمبر ﷺ'' (بخاری : 4712، مسلم : 194) اَلْمُخْتَار ''چنا ہوا، پسندشدہ'' (دارمی، مقدمہ : 2) اَلْمُصْطَفٰی ''برگزیدہ، منتخب کیا ہوا'' (احمد : 25/6، مسلم : 2276) سَيِّدُ وُلْدِ آدَم ''اولادِ آدم علیہ السلام کے سردار'' (مسلم : 2278) حَامِلُ لِوَاءِ الْحَمْد ''پرچم حمد کا اٹھانے والا'' (ترمذی : 3616)......الغرض رسول اللہ ﷺ کے اوصاف ہمارے شمار سے باہر ہیں، ابن دحیہ رحمہ اللہ نے آپ ﷺ کے 300 نام ذکر کیے، علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے تقریباً 500 نام بیان کیے اور ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ نے ترمذی کی شرح ''عارضۃ الاحوذی'' میں ایک ہزار ناموں کا قول بھی ذکر کیا ہے۔

فائدہ :...... یہ کتاب "مُوَطَّا" امام مدینہ امام مالک رحمہ اللہ نے مدینة الرسول ﷺ میں مرتب کی۔ جس میں انھوں نے والی حرمین، تاجدار مدینہ ﷺ کے اقوال و اعمال اور ان کی روشنی میں اہل علم وفضل کے فتاویٰ جات اور مسائل فقہیہ مرتب کیے اور ان تمام کی روشنی میں تعمیر شدہ پہلی اسلامی سٹیٹ کے تذکرے سے آخری بحث ''کتاب الجامع'' کا آغاز کیا۔ کتاب الجامع میں متفرق معاشرتی امور کا تذکرہ کیا ہے، اس کتاب کا آغاز شہر مدینہ کے تذکرے سے اور اختتام شاہِ مدینہ کے تذکرے سے کیا اور آخری آخری لفظ "عَاقِب" ذکر کیا جس کے معنیٰ ہی ''آخری چیز'' کے ہیں۔ پھر کتاب کا آغاز بسم اللہ سے کر کے گویا ابتداء، اللہ کے اسمائے حسنیٰ سے کی اور اب اختتام اسمائے پیغمبر ﷺ سے کیا ......یوں لگتا ہے۔ واللہ اعلم کہ امام مالک رحمہ اللہ اس طریقہ اختتام سے مدینہ منورہ کے ساتھ گہرے پیار اور آقائے مکی ومدنی ﷺ سے اپنی والہانہ عقیدت ومحبت کا اظہار کر رہے ہیں۔ انھوں نے مدینہ وشاہِ مدینہ کی یادگیری سے ایمانی جذبات کی خوشگوار فضاؤں کو مہکایا ہے اور آخری لفظ ''عاقب'' سے اختتام کتاب کے ساتھ ساتھ اختتام زندگی اور اختتام دنیا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے گویا یہ تمنا کی ہے کہ وہ اور اس کتاب کے پڑھنے والے حُبِّ الٰہی اور حُبِّ نبوی ﷺ دل میں بسائے دارِ فانی سے دارِ خُلد کی طرف منتقل ہوں، جو مومنین کے لیے عقبی الدار یعنی آخری گھر اور دائمی ٹھکانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو وہاں اکٹھا فرمائے۔ آمین!

مؤطا کی ترتیب پر ایک طائرانہ نظر: ہر صاحب بصیرت اور ذہانت وفطانت کا پیکر شخص اپنی تحریر وتقریر کو یوں مرتب کرتا ہے کہ اس کے تمام حصے باہم مرتبط ہوتے ہیں، یہی حال مؤطا امام مالک رحمہ اللہ کا ہے۔ ہم وثوق سے تو نہیں کہہ سکتے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے اس ترتیب میں کیا راز اور مصلحتیں ملحوظ رکھے لیکن کچھ تخمینہ واندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ چونکہ یہ کتاب فقہی انداز میں مرتب کی گئی ہے، اس لیے اس کا آغاز براہِ راست مسائل سے کیا گیا ہے، چھیالیس موضوعات (جن میں سے ہر ایک کو لفظ کتاب سے تعبیر کیا گیا ہے) پر مشتمل یہ مجموعہ دو حصوں میں بانٹا گیا ہے:

(1) عبادات اور (2) معاملات۔ 26 کتب میں عبادات اور 19 کتب میں معاملات بیان کر کے آخر میں متفرق مسائل کا مجموعہ ''کتاب الجامع'' کے نام سے ذکر کیا گیا ہے۔

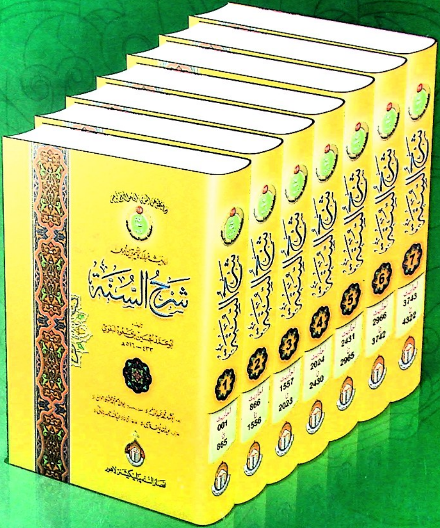
(i) عبادات: (1) (کتاب نمبر 1 سے کتاب نمبر 16 تک) اُمّ العبادات نماز کا تذکرہ ہے۔ سب سے پہلے سبب نماز وقت کا بیان ہے، پھر شرط نماز طہارت مذکور ہے اور پھر دوسرے امور ذکر کر کے اخیر میں قرآن کا تذکرہ ہے جو نماز میں پڑھا جاتا ہے اور پھر میت کے متعلقہ امور کو کتاب الجنائز میں ذکر کیا ہے۔ چونکہ اہم معاملہ نماز جنازہ کا ہے، اس لیے نماز کے بیان کے ساتھ ہی اس کا ذکر کیا ہے۔ (2) (کتاب نمبر: 17، 18) نماز چونکہ بدنی عبادت ہے، اس لیے اس کے ساتھ دوسری بدنی عبادت ''روزہ'' اور اس کی مناسبت سے اعتکاف کا تذکرہ کیا۔ یہ بدنی عبادات ہر امیر وغریب مسلم ادا کر سکتا ہے۔ (3) (کتاب نمبر 19) پھر خالص مالی عبادت زکاۃ کا ذکر کیا۔ (4) (کتاب نمبر 20) بعد ازاں حج کا بیان ہے جو بدنی ومالی عبادات سے مرکب ہے۔ (5) (کتاب نمبر 21) پھر جہاد کا ذکر کیا کیونکہ وہ بھی حج کی طرح مال اور بدن دونوں سے ہوتا ہے، نیز حج کو بھی جہاد کہا گیا ہے، اس لیے دونوں کا باہم گہرا تعلق ہے۔ نیز مذکورہ چاروں عبادات تبھی ادا ہو سکتی ہیں اور اسلام کی عمارت کے یہ ستون اور خود عمارت کا دفاع تبھی ہو سکتا ہے جب مسلم امت میں زورِ بازو موجود ہو۔ پھر جہاد چونکہ اسلام کی کوہان کی چوٹی ہے جس تک پہنچنے کے لیے کچھ گھاٹیاں عبور کرنا ہوتی ہیں، اس لیے باقی عبادات کے بعد اس کا بیان مذکور ہے۔ نیز باقی عبادات کا تعلق سلطنتِ اسلامیہ کی داخلہ پالیسی سے ہے اور جہاد کا خارجہ پالیسی سے اور داخلی امور کی اصلاح کے بعد ہی خارجہ امور کی طرف دھیان دیا جا سکتا ہے۔ (6) (کتاب نمبر 22) پھر نذر کا بیان ہے کیونکہ وہ بھی مالی یا بدنی عبادت کی صورت میں ہوتی ہے اور (7) آخر میں جانوروں کے متعلقہ امور مثلاً ذبح، شکار اور قربانی وغیرہ کا بیان ہے کیونکہ حج میں بھی اور جہاد میں بھی جانوروں کے ذبح کا معاملہ مسلسل درپیش رہتا ہے (ii) معاملات یہ معاشرے کی آبادکاری کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ (1) کتاب نمبر 27۔ 29) نکاح کو سب معاملات پر مقدم کیا کیونکہ یہی معاشرے کی افزائش کی اہم ترین کنجی ہے۔ گھر کا معاشرہ و ماحول درست ہوگا تو باہر کا معاشرہ درست چلے گا۔ نیز گزشتہ عبادات کی طرح نکاح کے لازم یا مستحب ہونے کا تعلق بھی بالغ حضرات سے ہے۔ پھر نکاح کے ساتھ ہی بعد والے معاملات یعنی طلاق اور رضاعت کا بیان ہے۔ (2) (کتاب نمبر 30، 32) بعد ازاں غلاموں لونڈیوں اور ان کی آزادی کا مسئلہ چھیڑا کیونکہ اسی آزادی سے ہی ان کی حریت وحرمت مکمل ہوتی ہے، جس طرح کہ نکاح سے تکمیل شخصیت اور تکمیل دین ہوتی ہے۔ نیز عورتیں جس طرح نکاح کے ذریعے حلال ہوتی ہیں اسی طرح ملک یمین یعنی لونڈی ہونے کی صورت میں بھی حلال ہوتی ہیں۔ نیز نکاح کے بہت سارے امور کا تعلق غلام ولونڈی سے بھی ہوتا ہے۔ (3) کتاب نمبر 33، 37) پھر انسانی معاشرے کی ترقی ومضبوطی کے لیے مالی، معاشی اور اقتصادی امور بیان کیے ہیں، مثلاً: خرید وفروخت، تجارت ومضاربت اور زراعت و باغبانی وغیرہ۔ (4) (کتاب نمبر 38، 40) پھر چونکہ مالی امور جھگڑے کا باعث ہوتے ہیں، اس لیے ان کے حل کے لیے عدالتی معاملات اور فیصلوں کا بیان کیا ہے۔ جن میں موت کے بعد کے جھگڑے خصوصاً وصیت و وراثت کے متعلق تفصیلی فیصلے ذکر کیے

ہیں۔(5) (کتاب نمبر 41۔ 45) پھر چونکہ موت سے غافل اور عدالت الٰہیہ میں پیشی سے بے خبر لوگ دوسروں کے حقوق چھینتے ہیں، اس لیے آگے ان کے جرائم کی روک تھام کے لیے ان کی سزاؤں اور فوجداری کیس مثلاً قصاص و دیت اور شرعی حدود کا بیان ہے۔''کتاب الجامع'' میں معاشرت آداب مختلف پہلوؤں سے مذکور ہیں۔

نوٹ: ......اللہ رب العالمین کے فضل وعنایت سے آج 5 ربیع الثانی 1436ھ بمطابق 26 جنوری 2015ء کو سوموار کے بابرکت دن میں مؤطا امام مالک رحمہ اللہ کے اردو ترجمہ وشرح کا ابتدائی مسودہ (بمقام جیل کوٹ لکھپت لاہور پاکستان) اپنے اختتام کو پہنچا ہے۔ اختتام ترجمہ بعد از اذان فجر اور خاتمہ شرح بعد از اذان عصر ہوا۔ اس امید پر کہ آج ان نمازوں میں تبدیل ہونے والے فرشتے حضور الٰہی میں یہ نذرانہ بھی پیش کریں اور ہمارا رحیم و رحمان اور غفار و منان پروردگار اسے شرف قبولیت سے نواز کر ہماری لغزشوں سے درگزر فرمائے اور احقر کی اس کاوش کو قیامت تک کے لیے ذریعہ اصلاح و ہدایت بنائے۔ اللہ تعالیٰ اس شخص پر بھی رحم فرمائے جو اسے نظر انصاف سے دیکھ کر اس میں کوئی خطا پائے تو وہ راقم کو یا ناشر کو اطلاع کر کے اس کی تصحیح کرائے۔ الٰہی! ہمارے اس عمل کو اپنی رضا کے لیے خالص بنا، میرے لیے، میرے اساتذہ، والدین، اہل وعیال، دیگر احباب، ناشر اور تمام متعلقین ومعاونین کے لیے ذریعہ نجات اور ذخیرۂ آخرت بنا۔

اَللّٰهُمَّ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ، وَاغْفِرْ لِلْعَبْدِ الضَّعِيْفِ الْحَافِظِ مَحْمُوْدِ بْنِ عَنَايَتِ اللّٰهِ بْنِ اِبْرَاهِيْمَ السِّتْيَانَوِيِّ الْبَاكِسْتَانِيِّ ، وَلِجَمِيْعِ الْمُسْلِمِيْنَ ، وَصَلِّ وَسَلِّمْ وَ بَارِكْ كَثِيْرًا كَثِيْرًا دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ وَ حَبِيْبِ الْعٰلَمِيْنَ ، وَ عَلٰى اٰلِهِ الطَّيِّبِيْنَ وَ صَحْبِهِ الطَّاهِرِيْنَ اَجْمَعِيْنَ ، الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا حَقَّ جِهَادِهِ مِنْ غَيْرِ خَوْفِ لَوْمَةِ اللَّائِمِيْنَ ، وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ وَ اٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

یادداشت


شرح السنة